

عالمی شہرت یافتہ
مفتی محمد رفیع الرحمن

اسلام کا جماعتی نظم
بیکر انگیز مقالہ : صفحہ ۸۹

میشاق

ماہنامہ



ملفوظات مسنون
حاکم الشریعہ حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن

مرکزی مکتبہ تحفہ اسلامیات

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAILINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IOBAL, LAHORE
TELEPHONE : 870512 880731

بشائر

جلد ۳۳ شمارہ ۱ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق جمعہ جنوری ۱۹۸۲ء

مشمول

۳ ————— عرض احوال
اکف سعید

۵ ————— الہدیٰ
ڈاکٹر امرا احمد

۱۹ ————— اسلام کا جماعتی نظام
مولانا الطاف الرحمن بنوی

۳۳ ————— شرک اور اقسام شرک (قسط سوم)
ڈاکٹر امرا احمد

————— قدر مکرر

۴۹ { مولانا ابوالکلام آزاد، جمعیتہ علمائے ہند
ادریشخ الہند مولانا محمود الحسن }
ڈاکٹر امرا احمد

۷۱ ————— مولانا نمودودی مرحوم اور مسئلہ معیت
(ادارہ)

۷۳ ————— قرآن کا عجیب ہونا۔ دآخری قسط
محمد اقبال ولیہ

۸۱ ————— رفتار کار

۹۷ ————— ڈاکٹر امرا احمد کا انٹرویو
(بشکریہ ماہنامہ انجیل کراچی)

ادارہ تحفہ

شیخ محمد عبدالرحمن
عزیز اللہ رفیق

سالانہ ذوق
۳۰ روپے
قیمت ڈیڑھ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر امرا احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبوع
مکتبہ جدید شایعہ جامعہ اسلامیہ

۷۱۶۱۰۹
۸۵۲۶۱۱

سب آغوش : ۱۱ داؤد سنبل
زرد آرام باغ، قیامہ لیاقت کراچی

کراچی فون ۷۱۶۱۰۹

قارئین متوجہ ہوں!

● ادارہ میثاق نے فیصلہ کیا ہے کہ جنوری ۱۹۸۲ء سے میثاق کے صفحات کی تعداد میں سولہ صفحات کا اضافہ کر دیا جائے یعنی اب سے میثاق کے کم سے کم چھپانے والے صفحات ہوا کریں گے۔ یہ قیمت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

● ادارہ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ آئندہ سے ذریعہ تعاون صرف منی آرڈر یا کیش کی شکل میں وصول کیا جائے گا۔ لیکن جو خریدار حضرات چیک روانہ کرنا چاہیں وہ چالیس روپے کا چیک روانہ فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چیک کیش کروانے میں دس یا بارہ روپے صرف ہو جاتے ہیں جو بلاشبہ ادارے پر اضافی بوجھ ہے۔ توقع ہے کہ قارئین اسے اپنے لئے بامقصد نہیں کریں گے۔ بیرونی ممالک سے ڈرافٹ حسب سابق قابل قبول ہوں گے۔

● ماہنامہ میثاق کا سالانہ ذریعہ تعاون اندرون ملک ۲۰/- روپے ہے جبکہ دوسرے ممالک کے لئے ذریعہ تعاون حسب ذیل ہے:

کینیڈا ۱۵/- روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، تائیچیا ۱۵/- روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات ۱۰/- روپے

سعودی عرب، الجزائر، مصر، ایران ۶۰/- روپے

انڈیا ۸۰/- روپے

● پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی دلی شاخیں قائم ہیں وہاں میثاق درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

★ پشاور: دفتر تنظیم اسلامی، نثار بڈنگ، پل پختہ، نزد چوک یادگار، پشاور

★ ملتان: عبدالحق صاحب، ملتان پولیٹیکنک، بالمقابل، ناطہ جناح ہسپتال، ملتان، فون ۵۸۹۱

★ کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ، کوئٹہ اڈا، قادیان اخبار، صاحب، طبعی، مسجد، کوئٹہ، فون ۶۶۲

★ کراچی: داؤد منزل، نزد امام باغ، شاہراہ یاقوت، کراچی، فون ۷۱۴۷

عرض احوال

الحمد للہ کہ زیرِ نظر شمارے کے ذریعے ميثاق کی تین سو بیس جلد کا آغاز ہو رہا ہے۔ قارئین کے لئے یہ امر یقیناً باعثِ مسرت ہو گا کہ اس موقع پر ہم نے ميثاق کے صفحات بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پچھلے ماہ تک صورتِ حال یہ تھی کہ عمودِ ميثاق ۸ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ تاہم بعض اوقات صفحات کی تعداد اس سے متجاوز ہو جاتی تھی۔ آئندہ کے لئے طے پایا ہے کہ انشاء اللہ صفحات کی تعداد ۹۶ سے کم تو نہ ہوگی البتہ فوری اور وقتی ضرورت کے پیشِ نظر اس میں اضافے کا امکان موجود رہے گا۔ زیرِ نظر شمارہ جو ہم صفحات پر مشتمل ہے ہمارے لئے "علیٰ ما نقول وکیل" کا کردار ادا کر رہا ہے۔ قارئین کے لئے یہ امر مزید باعثِ اطمینان ہو گا کہ زیرِ تعاون حسبِ سابق رہے گا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔

اس شمارے میں "اسلام کا جماعتی نظام" کے عنوان سے مولانا الطاف الرحمن صاحبِ بنوی کا ایک گراں قدر اور دلچسپ مکیز مضمون شامل ہے۔ مولانا موصوف نے یہ مضمون محاضرہ قرآنی منعقدہ اکتوبر میں بصورتِ مقالہ پیش فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں ہم اسلام کا جماعتی نظام اؤ نظمِ جماعت کی اہمیت جیسے اہم مسئلوں پر بحیثیتِ مجموعی کچھ سوچنے کی ضرورت کے احساس سے بھی بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اور صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نہ صرف دینی افعال اور اسلام کی بحیثیتِ دینِ مغلوبیت کو ایک تلخ حقیقت سمجھ کر تسلیم کر لیا ہے بلکہ اب ہم اس حقیقت سے ایسے صرفِ نظر کئے ہوئے ہیں گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ انفس اسی بات کا ہے کہ ظکارِ دال کے دل سے احساسِ نیاں جاتا رہا! ابد بحیثیتِ ملتِ حقانیت سے چشم پوشی کے کال سے پوری اہمیت دوچار ہے۔

فطرتِ اللہ سے غافل بھی کر لیتی ہے نہیں کرتی حرکت کے گناہوں کو معاف

ہم یہ بات بھول چکے ہیں کہ اسلام، دین ہے محض مذہب نہیں۔ اور بحیثیتِ امتِ محمدیہ جہاں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اس پیغامِ رسالت کو ہر فردِ نوری بشر تک پہنچائیں وہیں یہ ہم فریضہ بھی ہم پر عائد

ہوتا ہے کہ ہم اس دین کو غالب و نافذ کریں ہم سورہ مائدہ کی اس عظیم آیت کو بیان کرنے میں توجہ بہت
 فخر محسوس کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا
 دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے میں نے اسلام کو بحیثیت دین
 پسند کر لیا۔" لیکن دین کی اقامت اور سر بلندی کے ذیل میں فترہ داری کا کسی درجے میں بھی احساں
 ہمیں حاصل نہیں۔ حالانکہ اللہ نے ہم پر یہ احسان عظیم فرمایا ہی اس لئے تھا کہ دین کو قائم اور نافذ کیا جائے
 (اِنَّ اَقِيْمُوا السِّيْرَةَ لَا تَشْقَوْا فِيْهَا)۔ مسلمان اگر کسی ایسے خطے میں آباد ہوں جہاں اللہ
 کا دین مغلوب ہو اور اس کی شریعت غالب و نافذ نہ ہو تو بحیثیت مسلمان ان کا فرض منصبی ہے کہ وہ غلط
 نظام کو بدلنے کی کوشش کریں اور اقامت دین کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔
 اگر دین فی الواقع نام ہے سنت محمدی اور سنت خلفائے راشدین کا تو پھر اس معاملے میں دو
 رائیں ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیوں کا تو مشن ہی یہ تھا کہ
 اللہ کے پیغام کو پھیلا دیں اور اس کے دین کو غالب و نافذ کریں۔ ان کے سامنے بطور ہدف یہ
 آیت مبارکہ تھی کہ رَقَابَتُؤَ اَهْلُكُمْ حَتّٰى لَا يَكُوْنُوْنَ فِتْنَةً وَيَكُوْنُوا السِّيْرَةَ كَلِمَةً لِلّٰهِ
 مقام غور ہے کہ اگر اقامت دین اور اس کے لئے نظم جماعت امت کا فرض منصبی نہیں ہے تو دیر
 خلافت راشدہ میں صحابہ کرامؓ نے غلبہ دین کے لئے جان و مال کی جو قربانیاں دیں اور جہاد کمال
 کا جو ایک لائق تہا ہی سلسلہ شروع ہوا ان سب کے لئے کوئی جواز موجود نہیں! حالانکہ صحیح بات
 یہی ہے کہ ع۔ بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین حمد دوست۔ دین تو دہی ہے جو حضور اور
 اور صحابہؓ کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے۔ دین کوئی الحقیقت سمجھا ہی انہوں نے تھا۔ تبھی انہیں
 تاقیام قیامت امت کے لئے حجت کا درجہ حاصل ہے۔

اسلام کا جماعتی نظام کے موضوع پر یہ ہم مقالہ یقیناً فکر کی ان کہنہ راہوں کو از سر نو
 کھولنے کا باعث ہو گا جن پر امتداد زمانہ اور غیر دی کی غلامی کے اثرات نے گرد کی دبیر تہیں
 جمادی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ تہیں اس قدر دبیر اور گہری ہیں کہ اب یہ تمام باتیں ہیں بطریق اللہ
 ناموس دکھا دیتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ

بَدَّ اَوَّلُ سَلَامٍ غَرِيْبًا رَّسَعُوْا كِتَابًا اَفْطَوْنِيْ لِلْغُرَبَاوِ۔

دوسری نشست

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا حصہ ثانی

مباحثِ ایمان

قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کی اساسِ کامل

سُورۃ فاتحہ

(۱)

السلام علیکم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
 اِيَّاكَ نَسْتَعِيْذُ
 اِيَّاكَ نَسْتَعِيْذُ
 اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ
 صِرَاطَ الَّذِيْنَ
 اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
 غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ
 وَلَا الضَّالِّيْنَ
 آمِيْنَ
 صدق اللہ العظیم

ہر کل شکر اور ہر گل ثناء کا سزاوارِ حقیقی اللہ ہے جو پوری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے۔ بہت رحم فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار ہے اے رب!

ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہیں گے۔ (اے رب!) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی۔ راہ ان کی جن پر تیرا انعام ہوا جو نہ تو مغضوب ہوئے کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو نہ گمراہ ہوئے۔ آمین یا رب العالمین۔

حاضرین کرام اور ناظرین گرامی!

آج کی نشست میں اس سورہ مبارکہ کے بارے میں مجھے پہلے تو تمہیدی باتیں عرض کرنی ہوں گی۔ میں چاہوں گا کہ آپ ان کو گن کر اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور یاد رکھنے کی کوشش کریں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ سب سے پہلی مکمل سورت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس سے قبل متفرق آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً وہ پانچ آیات جو سورۃ العلق کے ابتدا میں شامل ہیں۔ وہ سب پہلی وحی ہے۔ اس پر تقریباً اجماع ہے۔ اکثر متقدمین کے نزدیک دوسری وحی وہ سات آیات ہیں جو سورۃ "ن" جس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے، کے آغاز میں ہیں۔ پھر سات آیات جو سورہ المزمل کے شروع میں ہیں، تیسری وحی ہے۔ پھر سات ہی آیات جو سورہ المدثر کے آغاز میں ہیں، وہ چوتھی وحی ہے۔ اور پانچویں وحی جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی وہ یہ سورۃ فاتحہ ہے جو مکمل سورت ہے۔ پھر یہ حسن اتفاق دیکھئے کہ یہ بھی سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔

دوسری بات اس سورہ مبارکہ کی عظمت سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں ایک تو خود اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے۔ چنانچہ جو دھویں بارے میں سورۃ الحجر میں یہ آیت وارد ہوئی ہے: **وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ** (آیت ۱۷، ۱۸) اور تحقیق ہم نے آپ کو عطا فرمائی ہیں سات وہراتی جانے والیاں "یعنی وہ سات آیات جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ نماز کی ہر رکعت میں ان کا اعادہ ہوتا ہے۔" ہم نے آپ کو قرآن عظیم عطا فرمایا۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ **"سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ"** سے مراد

سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور اس آیت میں ”الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ“ بھی سورۃ فاتحہ ہی کو کہا گیا ہے۔ گویا اس سورہ مبارکہ کی عظمت یہ ہے کہ اس طرح یہ خود اپنی جگہ ایک مکمل قرآن ہے اور نہ صرف قرآن بلکہ ”قرآنِ عظیم“ ہے۔ سورۃ الحجر کا یہ مقام جس میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوتی ہے، وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو ساتھ ہی اپنا یہ احسان اور فضل بھی جلا رہے ہیں کہ لے نبیؐ ہم نے آپؐ کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے کہ جس سے بڑی نعمت کسی اور نبی کو نہیں دی گئی اور وہ نعمت ہے۔ سورۃ فاتحہ۔

اس سورہ مبارکہ کی عظمت کیے بائے میں میں چاہوں گا کہ ایک حدیث بھی آپ کو سنا دوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”اَقْرَأْهُمْ قُرْآنًا اَبُو اَبْتُ كَعْبٌ“ صحابہ میں قرآن کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔ ان سے خود نبی اکرمؐ نے سوال کیا کہ ”اے ابی! کیا میں تمہیں وہ سورت تلقین کروں جس کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن مجید میں؟“۔ جواب میں حضرت ابی بن کعبؓ نے سراپا اشتیاق بن کر عرض کیا ”حضورؐ ضرور فرمائیے“۔ اس پر حضورؐ نے دو سرا سوال کیا ”تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟“ حضرت ابی نے جواب میں سورہ فاتحہ کی تلاوت شروع کر دی۔ تو اس موقع پر نبی اکرمؐ نے فرمایا ”یہی ہے وہ سورت جس کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں اس کی کوئی اور مثل و نظیر موجود ہے۔“ (ادکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

تیسری بات اس سورۃ مبارکہ کے ناموں سے متعلق ہے اس کا سب سے زیادہ مشہور و معروف اور عام نام ہے ”الفاتحہ“ فَتْحٌ يَفْتَحُ کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو کھولنا۔ لہذا الفاتحہ کے معنی ہوئے ”قرآن مجید کی افتتاحی سورت“ The opening of the Quran یہ نام تو گویا اس اعتبار سے ہے کہ یہ مصحف کی پہلی سورت ہے۔ باقی عربوں کا یہ خاص مزاج ہے کہ جس چیز سے انہیں

خاص محبت ہوتی ہے تو وہ اس کے نام کثرت سے رکھتے ہیں چنانچہ اس سورہ مبارکہ کے بھی آپ کو بے شمار نام ملیں گے۔ اس کی عظمت کے اعتبار سے اول اس کی جامعیت کے اعتبار سے اسے ”اُمّ القرآن اور اساس القرآن“ بھی کہا گیا۔ یہ سورہ گویا قرآن مجید کے لئے اساس اور بنیاد اور جڑ کے مرتبہ اول مقام کی حامل سورہ ہے۔ اس کو ”الکافیہ“ کا نام بھی دیا گیا۔ یعنی یہ کفایت کرنے والی سورہ ہے۔ اسے ”الثانیہ“ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔ یعنی اس میں شفاء ہے۔ اس کے اور بھی نام ہیں، میں چند نہایت مشہور ناموں کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

جو تھی نیکیاں اس سورہ مبارکہ کے اسلوب کے متعلق ہے۔ اس کا انداز و عایت ہے۔ اگرچہ کلام الہی ہے لیکن اسلوب سکھانے کا نہیں ہے بلکہ یقین کاسے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا چاہو تو اس طور سے ہو۔ اس سورہ میں انسان کی فطرت سیدہ کی ترجمانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے جامع الفاظ کی شکل میں فرمائی۔ گویا یہ سورہ مبارکہ تزانہ شکر و سپاس اور حمد و ثناء بھی ہے۔ اس میں اس کی ربوبیت کا ملہ اور اس کے مالکِ ارض و سما ہونے کا اقرار بھی ہے۔ اس کے رحمان و رحیم ہونے کا یقین بھی ہے اور اس کے جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار کل، نیز اس کے عادل و منصف اور حکم مطلق ہونے کا یقین بھی ہے۔ اس میں صرف اسی کی بندگی اور پرستش اور صرف اسی سے مدد و اعانت طلب کرنے کا قول و قرار اور عہد و میثاق بھی ہے۔ مزید برآں اس میں اسی سے صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے اور منزل تک پہنچانے کی توفیق طلبی بھی ہے گویا اس میں اُن لوگوں کی راہ پرکاش سے چلانے کی دعا بھی ہے۔ جو نہ مغضوب ہوئے اور نہ گمراہ بلکہ جو منعم علیہم ہیں۔ یعنی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب اور انعام یافتہ بندے ہیں۔ گویا کہ اس سورہ مبارکہ کو اس طرح قرآن مجید کے لئے ایک دیباچہ بنا دیا گیا۔ قرآن مجید سے اس کا تعلق یہ ہوا کہ یہ ہے انسان کی فطرت کی پکار اور اس کا جواب ہے جو قرآن آگے پیش کر رہا ہے۔ انسان کی فطرت میں جس ہدایت کی طلب ہے۔

طلب اور دعائے ہدایت کا جواب ہے وہ کتاب جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر
ازل ہوئی۔ اَللّٰهُ ذَالِكُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ يَهْدِيْ لِلْمُسْتَقِيْمِيْنَ ۝ وَاَلَمْ نَكُنْ
یہ کتاب الہی ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی بات نہیں ہے، یہ خدا ترس لوگوں
کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوئی ہے۔ اس طرح یہ سورۃ مبارکہ ایک طرف فلسفہ
و حکمت کے اعتبار سے فطرتِ انسانی کی ترجمانی پر مشتمل ہے، دوسری طرف
ترانِ مجید کے ساتھ اس کا ربط و تعلق تقریباً وہی ہے جو کسی کتاب کے مقدمہ یا
بیانہ کا اصل کتاب کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے جس میں
تہلیل و تمجید اور تولی و قرار کے ساتھ مراطع مستقیم کی ہدایت طلبی ہے اور اس
دعا کا جواب پورے قرآن مجید میں موجود ہے۔

پانچویں بات بہت عام ہے۔ آپ تمام لوگوں کے علم میں یقیناً یہ بات ہوگی
کہ یہ سورۃ مبارکہ ہماری نماز کا جزو لا ینفک ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں اس کی
تلاوت کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے جو متفق علیہ ہے
یعنی جس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی جامع صحیح میں روایت کیا ہے
کہ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۝ اس شخص کی کوئی نماز نہیں
جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ ایک اور حدیث قدسی ہے جس کے راوی
حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ طویل حدیث
ہے۔ جس پر ان شاء اللہ اگے گفتگو ہوگی۔ اس حدیث کی رو سے خود اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: قَسَمْتُ الصَّلَوةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ ۝ میں نے نماز
کو اپنے اور اپنے بند کے مابین دو برابر برابر نصف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے،
جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس حدیث کا ذکر بعد میں بھی آئے گا اس موقع پر اس
ٹکڑے پر اکتفا کیجئے۔ اس کے بعد اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی تفصیل آئی ہے۔
پس معلوم ہوا کہ الصلوة۔ اصل نماز یہی سورۃ فاتحہ ہے۔ اس معاملہ میں کسی
بھی فقہی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورۃ فاتحہ ہماری نماز کا جزو لا ینفک ہے۔
اللہ! اس معاملہ میں جو اختلاف ہے اُسے چھٹی بات کے طور پر ذہن نشین کر
لیجئے۔ یہ بات بھی یقیناً آپ کے علم میں ہوگی کہ ہمارے یہاں بعض بڑے حلیل القل

ائمہ دین اور فقہائے کرام رحمہم اللہ اجماع کے مابین بعض مسائل میں کچھ اختلافات قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے باجماعت نماز پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں اسے امام کے پیچھے سو وقت تک پڑھنی چاہیے یا نہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ صورت تو ہر شکل میں پڑھنی ہے۔ ہر رکعت میں پڑھنی ہے۔ امام کو بھی پڑھنی ہے، مقتدی کو بھی پڑھنی ہے۔ جہری رکعات میں بھی پڑھنی ہے اور ستری رکعات میں بھی۔ ایک رائے اس کے بالکل برعکس ہے وہ یہ کہ جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو امام تو لازماً سورہ فاتحہ پڑھے۔ لیکن مقتدی قطعی نہیں پڑھیں نہ جہری رکعات میں نہ ستری رکعات میں۔ امام ہی کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے سورہ فاتحہ کی قرأت ہو جائے گی۔ جیسے ایک وفد کسی دربار میں حاضر ہوتا ہے تو اس وفد کا جو قائد یا ترجمان (Leader or spokesman) ہوتا ہے۔ وہ جوابات کرتا ہے، وہ سب کی طرف سے شمار ہوتا ہے۔ ایک بین بین کی رائے بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر جہری رکعت ہے تو امام بلند آواز سے سورہ فاتحہ کی قرأت کرے گا اور مقتدی سنیں گے اور اگر ستری رکعت ہے تو امام بھی خاموشی سے قرأت کریگا اور مقتدی بھی اس کے پیچھے خاموشی سے پڑھیں گے۔ ان آراء کے حاملین کے پاس اپنے اپنے مسلک و موقف کے لئے نہایت مضبوط و مبسوط دلائل موجود ہیں۔ اس معاملہ میں جوابات میں اپنے ناظرین سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان معاملات کے لئے ہمیں اپنے سینے کو کشادہ رکھنا چاہیے۔ یہ اختلافات غلوں پر مبنی ہیں۔ سب صحیح بات تک ہی پہنچنا چاہتے ہیں اور جیسا کہ عرض کیا کہ سب کے پاس اپنے موقف کے لئے دلائل موجود ہیں۔ یہ فردعی اختلافات ہیں۔ دین کی اصل روح سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر رائے افضل و مفضول اور راجح و مرجوح کے اصول پر مبنی ہوتی ہے اور ہر رائے میں خطائے اجتہادی کا یکساں احتمال ہے۔ جس کے متعلق اہل سنت کا مجمع علیہ موقف یہ ہے کہ مبنی بر غلوں غلطی اجتہاد بھی اگلا کے یہاں موجب اجر ہوگا اور اگر اجتہاد مصیب ہے تو اس پر دُور اجر ملے گا۔

اب میں خصوصی طور پر جو بات آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ ہماری نماز کا جزو لاینفک ہے۔ جب مسلمان انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے لازماً ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ البتہ جب جماعت میں شامل ہو تو ایک راتے یہ ہے کہ اس کی طرف سے بھی سورہ فاتحہ کی امام قرأت کر رہا ہے۔ اس اعتبار سے گویا اس کی طرف سے بھی قرأت ہوگئی۔ دوسری راتے یہ ہے کہ مقتدی جہری ہر رکعت میں یہ سورہ پڑھنی ہوگی ایک درمیانی راتے یہ ہے کہ مقتدی جہری رکعت میں خاموش ہے گا البتہ ستری رکعت میں پڑھے گا۔

ساتویں بات اس سورہ مبارکہ کی آیات کی تعداد کے بارے میں ہے۔ یہ چیز متفق علیہ ہے کہ اس سورت کی آیات کی تعداد سات ہے۔ جیسا کہ میں نے سورۃ الحجۃ کی آیات کے حوالے سے عرض کیا تھا کہ تمام فقہی مسالک کے نزدیک مَبْعَاثُ الْمَشَاقِّ کی مصداق یہ سورہ مبارکہ ہے لہذا آیات کی تعداد سات ہونے میں تو اختلاف ممکن نہیں۔ البتہ اس میں ایک اختلاف یہ ہے کہ بعض علمائے کرام آیت بِسْمِ اللّٰهِ کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک سورہ فاتحہ شروع ہوتی ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے بعض حضرات علماء بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزو نہیں مانتے انکے نزدیک وہ بالکل علیحدہ ایک مستقل افتتاحی آیت ہے۔ جو سورہ براءت (توبہ) کے علاوہ ہر سورۃ کے آغاز میں لکھی جاتی ہے لیکن اس سورہ کا جزو نہیں ہوتی۔ یہ راتے رکھنے والوں کے نزدیک سورہ فاتحہ شروع ہوتی ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ —

کے کلمات مبارکہ سے۔ لیکن پھر بھی دونوں کے

نزدیک آیات کی تعداد سات ہی ہے۔ جو لوگ آیت بسم اللہ کو اس سورہ میں شامل کرتے ہیں وہ صراطِ الذین اُتعت علیہم غیرِ المغضوبِ علیہم وَلَا الضَّالِّیْنَ کو ایک آیت مانتے ہیں۔ اس طرح آیات کی تعداد سات ہی رہے گی۔ جو حضرات الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے اس سورہ مبارکہ کا آغاز تسلیم کرتے ہیں وہ آخری حصے کو دو آیات پر مشتمل مانتے ہیں۔ صِرَاطِ الذِّیْنِ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ - ایک آیت اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ -
 علاحدہ دوسری آیت ناس طرح بھی آیات کی تعداد سات ہی رہتی تھے۔ جیسا کہ
 میں نے عرض کیا کہ علماء اور قراء کے مابین خلوص سے بھی اختلاف رائے ہوتا ہے
 جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ اگرچہ دینی رائے
 وہ ہی معلوم ہوتی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کہ اس سورہ مبارکہ
 میں بسم اللہ شامل نہیں ہے اور اس کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
 سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی پشت پر وہ حدیث قدسی ہے جس
 کا میں قدسے تفصیل کے ساتھ آگے ذکر کروں گا اور جس کا آغاز اس طرح ہوتا
 ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تَسْمَعُ الصَّلٰوۃَ بَيْنَیْ وَبَيْنَ
 عَبْدِیْ نَصْفِیْنِ - اس کے بعد اس تقسیم کا ذکر ہے پھر بات آگے بڑھتی ہے۔
 تو اس میں آیت بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ براہ راست الحمد للہ سے بات آگے
 بڑھتی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - تو اللہ
 جواب میں فرماتا ہے کہ ”میرے بندے نے میری حمد کی“ اِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ
 لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اللّٰہُ حَمَدَیْ عَبْدِیْ - تو آیت بسم اللہ کا ذکر
 یہاں موجود نہیں ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ کے تین حصے ہیں۔ اور عجیبہ
 بات یہ ہے کہ اگرچہ آیات سات ہیں۔ لیکن نحوی اعتبار سے گرامر کے اصولوں کے
 لحاظ سے ان سات آیات سے مکمل جملے تین بنتے ہیں۔ پہلی تین آیات اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
 رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ - گرامر کی را
 سے یہ ایک ہی جملہ ہے اور نحوی اعتبار سے یہ جملہ سمیۃ خبریہ ہے۔ اس پر
 اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اس کی صفات رحمانی و رحیمی اور عدل و قسط کا بیا

ملہ مصحف میں عام طور پر یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے بعد آیت
 کی اختتامی علامت نہیں ہوتی بلکہ وہاں لا لکھا ہوتا ہے۔ یہ دراصل اسی اختلاف
 کے باعث ہے۔ (مرتب)

ہے۔ پھر جو تھی آیت جو اس سورہ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے یہ خود ایک مکمل جملہ ہے بلکہ اس کے مزید تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک آیت میں دو مکمل جملے موجود ہیں۔ بہر حال یہ ہے جملہ فعلیہ خبریہ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لے رب ہمارے! ہم صرف تیری ہی بندگی اور پرستش کرتے ہیں اور کر س گے۔ اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہیں گے۔ ”یہ رب اور بندے کے مابین ایک قول و قرار اور ایک معاہدہ و میثاق ہے۔ یہ مسئلہ بات ہے کہ معاہدے میں دو ذریعہ منسلک ہوتے ہیں لہذا یہ جملہ فعلیہ خبریہ درحقیقت اللہ اور بندے کے درمیان عہد و پیمان ہے۔ تیسرا حصہ جو تین آیات پر مشتمل ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لَا غَيْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ لے رب ہمارے!، ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت بخش، ان لوگوں کی راہ کہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو نہ مغضوب ہوتے اور نہ گمراہ۔ یہ بھی ایک ہی جملہ بنتا ہے اور نحو کے اعتبار سے یہ جملہ انشائیہ ہے۔ یہ ایک دُعا ہے۔ ایک بندہ اس میں اپنے رب سے جس کی وہ تہلیل و تجید کر چکا جس کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمی اور عدالت کا وہ مقرر ہو چکا جس سے وہ عبادت و استعانت کا عہد استوار کر چکا، اب اسی رب کے وہ اپنی نظرت کی پکار اور پیاس کی سیرابی کے لئے صراطِ مستقیم یعنی زندگی بسر کرنے کیلئے معتدل و متوازن طرزِ زندگی اور راہِ عمل کا طلب گار اور استدعی ہے۔

اس موقع پر میں چاہوں گا کہ نویں اور آخری بات کہنے سے قبل آپ کو وہ حدیث قدسی ترجمہ کے ساتھ سنا دوں جس کا ذکر پہلے دوبار ہو چکا ہے۔ جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ میں حدیث اور ترجمہ ساتھ ساتھ بیان کرتا جاؤں گا۔ توجہ سے سماعت کی درخواست ہے۔ حدیث شروع ہوتی ہے کہ: عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: ”عَنْتِ الْبُہْرِیْرَةُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”كُنْتُ الْبُہْرِیْرَةُ بَيْنَیْ وَبَيْنَ عِبْدِیْ یُصَلِّیْنَ۔ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا

ہے۔ ”تُصَفُّهُالِ وَتُصَفُّهَا الْعَبْدُ مِثْلُ وَلِ الْعَبْدِ مِثْلُ مَا سَأَلَ۔“ اس کا نصف حصہ میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے۔ اور میرے بندے کو وہ عطا کیا گیا جو اس نے طلب کیا۔“ جب بندہ کہتا ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“۔ قَالَ اللَّهُ حَمْدُنِي عَبْدِي۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی، میرا شکر ادا کیا۔“ اور جب وہ کہتا ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“۔ قَالَ اللَّهُ أَشْئِي عَلَى عَبْدِي مِثْلُ۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف و ثنا کی۔“ اور جب وہ کہتا ہے ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَجْدِفُ عَبْدِي۔“ میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی۔“ یہ پہلا حصہ کل کا کل اللہ کے لئے ہے۔ جب بندہ دوسرا جملہ دوسرا حصہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ادا کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِ الْعَبْدِ مِثْلُ مَا سَأَلَ۔“ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے مابین مشترک اور میں نے اپنے بندے کو بخشا جو اس نے مانگا۔“ یہ حصہ ایک معاہدہ ہے۔ قول و فتر ہے۔ اس میں بند نے کچھ طلب بھی کیا ہے۔ مدد چاہی ہے۔ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ میں نے اپنے بندے کو دیا جو اس نے مجھ سے مانگا۔ اب آخری حصہ رہ گیا یعنی جب بندہ کہتا ہے : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مِثْلُ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هَذَا الْعَبْدِ مِثْلُ وَلِ الْعَبْدِ مِثْلُ مَا سَأَلَ۔“ یہ میرے بندے کیلئے ہے، یہ اس کا حصہ ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا وہ میں نے اسے بخشا۔“ اس حدیث کی رو سے سورہ فاتحہ کے تین حصے بن جاتیں گے۔ اگر ان تین حصوں کو تقسیم کریں گے تو نصفین اُدھا حصہ اللہ کے لئے ہے اور اُدھا حصہ بندے کے لئے ہے اور درمیانی و مرکزی آیت : اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بندے کے اللہ سے ایک قول و قرار اور ایک عہد و معاہدہ سے متعلق ہے چنانچہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَ لِعَبْدِي مِثْلُ مَا سَأَلَ۔“ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک

ہے اور میں نے اپنے بندے کو وہ بخشا جو اس نے طلب کیا۔“
 اس سورہ مبارکہ کے بارے میں نویں جو آخری بات مجھے عرض کرنی ہے وہ
 یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ کے اختتام پر ”آمین“ کہنا مسنون ہے۔ آمین،
 کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ ایسا ہی ہو،۔ جیسا کہ اس سورہ مبارکہ کے اسلوب
 کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کا اسلوب دعائیہ ہے لہذا اب دعا کے
 اختتام پر ”آمین“ کہہ کر گویا بندہ پھر بارگاہ الہی میں عرض کرتا ہے کہ اے
 پروردگار! میں نے یہ استدعا اور یہ عرضداشت تیرے حضور پیش کی ہے۔
 دے شرف قبول عطا فرما۔ لے پروردگار ایسا ہی ہو۔

یہ وہ باتیں ہیں جو اس عظیم ترین سورہ کے بارے میں، میں نے تمہیں
 عرض کی ہیں۔ اب اس ضمن میں کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔
 سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ اس سورہ میں شفاء ہے تو
 یہ شفاء کس معنی میں ہے۔! آیا یہ جسمانی شفاء ہے یا روحانی۔؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے۔ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ شفاء بھی قرار
 دیتا ہے چنانچہ سورہ یونس کی آیت ۱۰۷ میں فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
 جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ۚ
 وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۚ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے
 رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے، اور شفاء بھی دلوں کے امراض، کے
 لئے اور رہنمائی اور رحمت ان کے لئے جو اس پر ایمان لے آئیں۔ سورہ
 بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۲ میں فرمایا گیا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ
 شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَلَا يَذَرُ الْغَافِلِينَ ۚ اَلَا خَسْرًا ۚ
 اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان
 والوں کے واسطے اور ظالموں (یعنی شرک کرنے والوں) کے لئے تو اس سے
 نقصان ہی بڑھتا ہے۔“ یہاں جس شفاء کا تذکرہ ہے اس کے متعلق جو بات
 ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ ذہنی و فکری شفاء ہے۔ انسان کی سوچ کو درست
 اور صحیح کرنے والی کتاب کتاب الہی ہے اس موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ انسان

کے ذہن اور جسم میں بہت گہرا ربط ہے۔ ذہن و فکر مرین ہوں تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ آج کل کے دور میں امراض ذہنی اور نفسیاتی امراض کا زیادہ چرچہ ہے۔ لہذا اگر فکر صحیح ہوگا مروج درست ہوگی تو لازماً انسان کو اس کے ذریعہ جسمانی تندرستی بھی حاصل ہوگی۔

اس پہلو سے پورا قرآن مجید بھی شفاء ہے اور یہ سورہ مبارکہ بھی۔ پھر چونکہ سورہ فاتحہ پورے قرآن حکیم کا خلاصہ ہے۔ یہ اُم القرآن اور اس اساس القرآن ہے لہذا اس کا نام ’الشافیہ‘ بھی ہے۔ اس میں یقیناً مومنین کیلئے ذہنی و قلبی شفاء موجود ہے۔ مزید برآں یہ کلام اللہ ہے لہذا اس پر کامل اکل یقین رکھنے والوں کے لئے اس کی تاثیریں جسمانی طور پر بھی شفاء ہونا مستعد نہیں ہے۔ اس سورہ کا جسمانی شفاء ہونے کے لحاظ سے بھی حدیث میں ذکر ملتا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! سورہ فاتحہ کو اُم القرآن جو کہا جاتا ہے تو کیا واقعی اس سورت میں قرآن کے تمام علوم اور معلومات کا پنچوڑا لگیا ہے؟

جواب: اصل میں تمام علوم یا تمام معلومات کا پنچوڑ تو نہیں کہیں گے لیکن جیسا کہ سورہ لقمان کے دوسرے درس میں بیان کیا گیا تھا کہ قرآن حکیم کی ایک اپنی حکمت ہے، اس کا ایک اپنا جدا فلسفہ ہے۔ حکمت قرآنی کالب لباب اور پنچوڑ یقیناً سورہ فاتحہ ہے۔ قرآن حکیم کا جو اپنا فلسفہ اور طرز استدلال ہے اس کا جوہر اس کا خلاصہ اور اس کا حاصل بھی یہ سورہ مبارکہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر فلسفے اور نظریے میں اس کی جو اصل فکری اساس ہوتی ہے، اُسی کو بنیادی اہمیت ہی حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے دین اور قرآن حکیم کی جو فکری اساس اور اس کی جو حکمت اور فلسفہ ہے جس پر ساری عمارت تعمیر ہوتی ہے تو اس اعتبار و لحاظ سے یقیناً سورہ فاتحہ اُم القرآن اور اساس القرآن ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہر نماز کی ادائیگی کے لئے جزو لاینفک ہے تو آیا آمین، کہنا بھی جزو لاینفک ہے یا نہیں؟ پھر اسکو اونچے آواز سے کہا جاتے یا نیچے آواز سے؟

جواب : آپ نے اچھا کیا کہ یہ سوال پوچھ لیا چونکہ اس کا تعلق عملی مسائل سے ہے۔ آئین کہنے پر سب کا اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک آئین کہنا ضروری ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ادنیٰ آواز سے بھی جلتے یا پست آواز سے۔ دل میں بھی جلتے یا زبان سے ادا کی جاتے۔ تو یہ سب اُمار رکھنے والوں کے پاس لائق موجود ہیں۔ یہ بھی ایک فردی اختلاف ہے اس میں جو متفقہ بات ہے وہ ہی ہماری رہنمائی کے لئے کفایت کرتی ہے کہ سب کے نزدیک آئین کہنا ضروری ہے۔ حضرات! آج کی اس مختصر نشست میں وہ عظیم و بابرکت سورت جو ہماری نماز کا جزو لازم و لا ینفک ہے اور جو ہر مسلمان کو لازماً یاد ہونی چاہیے، اس کا ترجمہ اور اس کے بارے میں چند تہیدی و بنیادی باتیں ہم نے سمجھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس بات کے لئے ذریعہ بنا دے کہ ہماری نمازوں میں جان، خشوع و خضوع اور ضروری قلب پیدا ہو جائے اور ہم جب اپنی نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قرات کریں تو اس کے مفہوم کو سمجھ کر ذہنی و قلبی وابستگی کے ساتھ اس سورہ مبارکہ کے الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کریں اور دل کی گہرائیوں سے اس کے آرزو مند ہوں کہ اس سورہ کے ذریعہ جس صراطِ مستقیم کی رہنمائی کی استدعا کی جاتی ہے۔ — وہ راہ ہمیں حاصل ہو جائے اور اس پر چلنے کی توفیق کی بھی بارگاہِ باری سے ہمیں ارزانی ہو۔ آئین یا رب العالمین۔

أَبْ ان شاء اللہ العزیز ہم آئندہ نشستوں میں ان تین اجزاء کا جو میں نے آج بیان کئے ہیں علیحدہ علیحدہ بطریقِ تذکرہ و تدبیر مطالعہ کریں گے۔۔۔۔۔“
اقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ولسكائن
المسلمين والمسلمات۔



بقیہ : شرک اور اقسام شرک

(آیت ۲۶) جس کے لئے وہ کوئی سفارش سننا چاہے

اور اس کو پسند کرے

سورۃ النباء میں ہدایتِ اخروی کا نقشہ اور شفاعت کا ذکر اس طرح فرمایا:

يَوْمَ يَقُومُ السَّوْجُ وَالنَّاسُ كَمَا
صَفَا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
السَّحَابُ وَقَالَ صَوَابًا

اس (شدنی) دن جس روز روحِ قریب
اور دیگر عالمِ صفا بہ کھڑے ہوں گے
کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے چاہن
اجازت دے اور جو درست اور صحیح بات کہے۔

(آیت ۳۸)

اس ساری گفتگو کا نتیجہ نکلا کہ شفاعت مطلقہ کا عقیدہ، باطل عقیدہ ہے، مشرک کا عقیدہ ہے۔ چونکہ اس طرح بندے کا اعتماد اللہ کے بجائے مخلوق میں سے کسی بندے پر جم جاتا ہے، وہ عمل سے غافل ہو جاتا ہے۔ پھر اس طرح دو مشیتیں اور دو قدرتیں تسلیم کرنا لازم آتی ہیں جو شرک فی الصفات ہے۔

شفاعت کے بارے میں قرآن مجید جو تصور دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے، ان کے اعزائد و اکرام کے اظہار کے لئے جس کو چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا، شفاعت کی اجازت دے گا۔ یعنی اصل مشیت و رضا اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور شفاعت کرنے والا خدا سے ڈرتے ہوئے وہی بات کہے گا جو حق ہوگی، اور ان ہی کے حق میں شفاعت کرے گا جن کے حق میں شفاعت کا قبول کرنا اللہ کی مشیت میں شامل ہوگا۔ یہ ہے توحید۔ اس سے ہٹ کر جو کچھ نظریہ ہے وہ اللہ کی قدرت اور اللہ کی مشیت میں شرک ہے۔

(باقی آئند)



اسلام کا جماعتی نظام

یہ مقالہ انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام اس سال منعقدہ محاضرات قرآنی کے خصوصی پروگرام میں پڑھا گیا۔

از قلم: مولانا الطاف الرحمن بنوی

یہ وسیع و عریض کائنات اور اس کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک خاص ترکیب و تالیف کے طفیل قائم ہے۔ آج سے پہلے بہت سی چیزوں کو سیدھا سمجھا جاتا تھا اور ان کو مرکب اشیاء کا بنیادی میٹیریل قرار دیا جاتا تھا لیکن مسلسل تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ صرف یہ کہ وہ خود بساط نہیں بلکہ مرکبات ہیں بلکہ ان کے اجزاء اور اجزاء الہ اجزاء بھی مرکبات ہیں تاکہ مادہ کا وہ ذرہ بے مقدار جس کو جوہر اور ایٹم کہا جاتا ہے وہ بھی ترکیب و تالیف کا مرکب ہو نہ منت ہے اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ خود کیمیا فرما ہے اجتماع کا، یعنی اول کسی چیز کے منتشر اجزاء کو یکجا اور مجتمع ہو جاتے ہیں اور پھر ایک خاص ہیئت میں جوڑ کر ایک دوسرے سے تعلق پیدا کر دیتے ہیں جس سے ایک نکل وجود میں آ جاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ واجب الوجود کے ہوا ممکنات کا کوئی فرد نہ صرف یہ کہ اجتماع سے خالی نہیں بلکہ اجتماع ہی کے بل پر وجود ہوا ہے۔

اس سلسلے میں اگرچہ قدیم و جدید طبیعیات کی وہ بخشیں کچھ تردد پیدا کر سکتی ہیں جو کئی ممکن چیزوں کی بساطت کا بھی تاثر دیتی ہیں لیکن قرآنی ارشاد "وَمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ دُونِ شَيْءٍ" نے کائنات کی وسعتوں اور نزاکتوں پر جس ماند از سے متنبہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی علمی و فکری اور سائنسی و تجرباتی کاوشوں کے باوجود جس طرح سے انسان اس کائنات کی جھلٹے ترکیبی کا احاطہ نہیں کر سکا ہے اور نہ ہی کر سکتا ہے جس کا اس فن کے محققین کو برطا اعتراف ہے اسی طرح سے وہ اسکے اجزائے تحلیلہ کے کامل اور اک سے بھی عاجز و در ماند ہے اور اس سمت میں اس نے جن جن چیزوں کو بساط قرار دے کر تخلیق و کونین کا کلمہ آغاز سمجھا ہے آج نہیں توکل انہیں چیزوں کی ترکیب و تالیف ظاہر ہو کہ اس کو اسی طرح جھٹلا دے گی جس طرح اس سے پہلے بہت سے مراحل پر جھٹلایا گیا ہے۔

بہر حال فی الجملہ اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ ہر مخلوق شے میں وجود و اجتماع دو ایسی ہی متلازم حقیقتیں ہیں جیسے انسان میں حیوان اور ناطق کہ اگرچہ مفہوم تو دونوں باہم متضاد ہیں لیکن مصداقاً بالکلیہ متساوی اور مترادف ہیں، گو منطق و فلسفہ کی رو سے اس تشبیہ میں یہ غامی ضرور موجود ہے کہ حیوان اور ناطق تو مابین انسانیت کے اجزائے واقعہ ہیں اور وجود و اجتماع میں سے وجود تو اگرچہ ایک امر واقعی ہے مگر ذات الحادث میں داخل نہیں بلکہ زائد علی الذات ہے اور اجتماع تو محض ایک نسبت اور انتزاع ہے تاہم سرسری تفہیم میں ان فرق کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

وجود ایک ارتقاء پذیر حقیقت ہے لہذا وہ ترقی کی جانب اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ لیکن جہاں جہاں وہ ترقی کرتا جاتا ہے اس کی ضروریات کا دائرہ بھی پھیلتا جاتا ہے تاہم اگرچہ ترقی کرتے کرتے جمادات و نباتات سے گزر کر حیوانیت کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس میں اپنا شعور اور احساس ذات پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی نوعی ضروریات بھی اس انداز سے بدل جاتی ہیں جس سے خود بخود اس کی اپنی اندر ملی تکوینی اجتماع کے علاوہ ایک اور خارجی اختیار کی اجتماع کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں تناسل اور تربیت و تحفظ نسل کے ضرورت سے کم سے کم ضروریات کے ایک جوڑے کا اجتماع تشکیل پا جاتا ہے تاہم اسی حیوانی درجے میں بعض حیوانی انواع کے بے شمار افراد پر مشتمل بہت بڑے بڑے اجتماعات کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں جو حیرت انگیز حد تک مربوط و منظم ہوتی ہیں۔

وجود کے اس درجے میں گو شعور و ادراک کی وجہ سے اختیار و ارادے کا نمود ہوتا ہے جس کی وجہ سے رد و قبول اور اخذ و ترک کی پوری پوری آزادی میسر ہوتی ہے لیکن اس کی ضروریات محدود اور دائرہ کار بہت تنگ ہوتا ہے اور وہ محدود ہی اسی انفرادی یا اجتماعی حرکت سے اپنی آرزوئیں پوری کر کے مطمئن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کا اختیار و ارادہ بالکل قوتوں کے استعمال کے چند گنے بند سے مضابطوں ہی میں بروئے کار آتا ہے اسی کو ذہنی کی بدولت ان کے اجتماعی اعمال کو بھی اکثر و بیشتر فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اختیار کے بجائے اضطراب کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس کے بعد وجود انسانیت کی سرزمین میں قدم رکھتا ہے جہاں اس میں شعور کیساتھ عقل کا نمود بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت اس کا طبع نظر محسوس و مشاہدہ کو و بیشتر

سے نادرون تک پھیل جاتا ہے۔ اس کے اندر ہم گہری کے تقاضے ابھرتے ہیں جن کو پورا کرنے کیلئے اس کی انفرادی جدوجہد قطعاً ناکافی ہوتی ہے چنانچہ ایک ایسے جماعتی نظام کی نیور کھتا ہے جو تحصیل مقاصد میں معاون و مددگار ثابت ہو۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی کہ وجود کی ترقی کے ساتھ ساتھ اجتماع میں بھی ترقی ہوتی رہی تا آنکہ جب وجود نے انسان کی شکل اختیار کی تو اجتماع نے اولاً تہذیب و تمدن اور ثانیاً ریاست و حکومت کا روپ دھار لیا جس میں تہذیب و تمدن نے نسبتاً بڑھ کر اختیار وارادے کی کار فرمائی ہوتی ہے کیونکہ تہذیب و تمدن میں انسان دو سطحوں کی یکجا دیکھی غیر محسوس انداز سے ماحول کا اثر قبول کرتا ہے جبکہ ریاست و حکومت میں وہ پورے فہم و فراست کے ساتھ کسی شخص یا دستور کی اطاعت کرنے لگتا ہے۔

وجود و اجتماع کے آغاز و ارتقاء کی اس بحث کے ساتھ ساتھ یہ عقلی مسئلہ بھی پیش نظر رہے کہ کسی بھی چیز کا وجود اس کے لوازم ذات کے وجود کو مستلزم ہوتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز موجود ہے تو گویا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں اس کے ذات کے ساتھ لازم ہیں وہ سب موجود ہیں۔ ہم ابھی تک جس سیاق و سباق میں اجتماع کا ذکر کرتے رہے ہیں اس سے آپ نے معلوم کر لیا ہوگا کہ ہماری مراد وہ اجزائے مجتمعہ ہیں جن کے کل پر کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اور اسی نتیجے کے حصول کے لئے یہ اجتماعی ہئیت تشکیل پائی ہو ظاہر ہے کہ اس قسم کا اجتماع امارت اور مجمع و طاعت کے لیکر ممکن نہیں گویا یہ دو چیزیں اجتماع کے لوازم ذات میں سے ہیں، اب اس عقلی مسئلے کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی اجتماع کے ہر درجے میں اس کے یہ دونوں لوازم اسی درجے کے مناسب حال موجود ہیں کہ نہیں۔

ہمارے موجودہ علم نے جوہر (ATOM) کو تمام بے جان کائنات اور امیبا (AMOEBA) کو تمام جاندار مخلوقات کا سب سے پخلا درجہ قرار دیا ہے وجود کے ان ابتدائی مظاہر کا داخلی اجتماع امارت اور مجمع و طاعت کا جو خوبصورت نمونہ پیش کرتا ہے معززین حاضرین اس سے بے خبر یقیناً نہیں ہوں گے دونوں جگہوں میں نیوکلس (NUCLEUS) یعنی مرکزہ امیر کی حیثیت سے بقیہ اجزاء کو کنٹرول کرتا ہے اور اجزاء اور اسی کنٹرول کے دائرے میں متعلقہ فرائض انجام دیتے ہیں لیکن یہ اجتماعات سراسر کوئینی ہیں لہذا اس کے لوازم یعنی امارت

اور سمج و طاعت بھی تکوینی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی قسم کی بلامنی اور بغاوت کا کوئی اندیشہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پولیس اور فوج کے شعبے نابود ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وجود کے شعوری انواع میں جب شعوری اجتماعات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو امارت اور سمج و طاعت میں بھی درجہ بدرجہ شعور اور اختیار و ارادے کا نمود ہونے لگتا ہے چنانچہ شہد کی مکھیوں کے اجتماع میں امارت عسوب کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور سمج و طاعت کا جذبہ کارکن مکھیوں کو ناقابل یقین حد تک مستعد اور فعال بنا دیتا ہے۔ حیوانیات سے خصوصی شغف رکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان حیوانی جمعیات میں تقسیم کار اور کام چوری و سرتابی کی صورت میں سزا و سزائش کا بہت محکم و مفصل نظام بھی پایا جاتا ہے۔

وجود کے انسانی درجے میں جماعتی نظام اور اس کے لوازم کا پایا جانا اظہر من الشمس ہے لہذا اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، انسانی وجود کا ارتقائی تسلسل انسانیت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد اس کے علی مراتب کا نمبر آتا ہے جس میں جمعیات اور اس کے لوازم کا تفصیلی طور پر سمجھنا موقوف ہے وجود کے ہر ارتقائی سطح کا اس کے فوقانی سطح سے ربط و تعلق کے ہم پر طوالت اور فنی مصطلحات سے سامعین کے کتا جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس سلسلے میں طوائف کا مروجہ ہونے کی تحقیقات کو ضرور پیش کرتا لیکن جبکہ یہ اندیشہ موجود ہے تو قرآن و حدیث کے فقط ایک ایک اشارے پر اکتفا کیا جاتا ہے، سورۃ قدر کی آیت "فہریم" "تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالسُّورُوحُ فِينَا" میں مائیکہ رحمت کے نزول کے سلسلہ بیان میں روح القدس یعنی جبریل امین کا جس اہتمام شان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا وہ اس عظیم حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ روح القدس اس لامحدود جہاں کا مرکز ہے جو اس کے تمام اطراف و انفاق کو اپنے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کی شعبہ جاتی جمعیات کا حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں کرامات تبیین کے بارے میں صراحت ہے کہ ان میں دائیں کندھے والا امیر اور بائیں کندھے والا مامور ہوتا ہے اور سمج و طاعت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جب تک امیر کی اجازت نہ ہو بائیں کندھے والا کسی گستاخ کو ریکارڈ نہیں کرتا۔

اب تک کی معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ "الفتح" (بے نیاز) فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ممکنات سب کے سب محتاج ہیں چنانچہ بے شمار داخلی اور خارجی محرکات کی ان کے اس احتیاجات کو باذن اللہ پوری کرتی ہیں گویا جماعتی نظام ممکنات کی فطرت ہے

جس کو "لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ" کے بموجب بدلا نہیں جاسکتا۔

انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ اسلام کہلاتا ہے۔ آدم علیہ السلام

سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء و رسل علیہم السلام و التسلیمات اسی طریقہ

کے رہبر و رہنما ہیں ان سب نے انسانی فطرت کو بدلنے کی کوشش ہرگز نہیں کی کہ اس کا بننا

تو اس کے پیدا کرنے والے خالق نے خود ہی ناممکن بنایا اور بتلایا ہے ہاں اس کو صحیح راستے

پر ڈالنے کی محنت میں اپنی عمریں مزدور صرف کیں جماعتی نظام دوسری ممکنات کی طرح انسانیت

کی بھی فطرت تھی جس کو وہ اپنے نفسانی مقاصد کے لئے بہت غلط انداز سے استعمال کرتی

رہی، انبیاء و صلوات اللہ علیہم اجمعین نے اس فطرت کو قائم رکھتے ہوئے اس کے مقاصد

بہتیت سازی کی اصلاح پر توجہ فرمائی۔ چنانچہ ہر غریب نے زمان و مکان کے اپنے اپنے دائرہ

بہشت میں حاکمیت، انسانیت کی بجائے حاکمیت الہیہ کو اس کا مقصد وحید ٹھہرایا اور اس کے

تصویر و تشکیل میں بھی انہیں احوال و ظروف کے مطابق تبدیلیاں کیں جن میں وہ کام کرنے پر

مأمور تھے۔ اس سلسلے میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے انبیاء میں فقط

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید کی یہ قطعی شہادت موجود ہے کہ آپ نے مقرر

طاوت کو مستحق امارت قرار دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "وَرَأَدَاكَ بَسْطَتَا فِي

الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" یعنی جماعتی نظام میں امارت کا استحقاق قوت و بعیت پر ہے اور یہ دونوں

چیزیں حضرت طاوت میں موجود تھیں۔

انتخاب امیر کے سلسلے میں اس مختصر سے ارشاد میں اتنی جامعیت ہے کہ اس کے بعد

اگر آسمانی ہدایت اس ضمن میں بالکل خاموش بھی ہو جاتی تو کوئی حرج واقع نہ ہوتا۔ لیکن

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیلی اور اتمامی شان نے جہاں مسلمانوں کے جماعتی نظام کے مقصد

میں مزید عظمت و شوکت پیدا کر دی اور "يُظَاهِرُكَ عَلَى السَّيِّئِ كَلِمَةً" کا اعلان اس کے

بتلادیا کہ اب جماعتی نظام کا مقصد فقط ایک محدود آبادی میں نہیں بلکہ پوری انسانی دنیا

میں اظہار اور غلبہ دین ہے ہاں اس کی بہتیت سازی اور تشکیل بالخصوص امر و مامور کے

فرائض و حقوق اس قدر وضاحت و تفصیل سے بیان فرمائے کہ اس مسئلے کا کوئی گوشہ بھی مخفی

باقی نہ رہا۔ نمونہ کے طور پر نبی علیہ السلام کی چند احادیث اور فقہین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی خطبوں کا ترجمہ

پیش کرتا ہوں۔

(۱) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے قیامت کے دن سب سے زیادہ بلند مرتبہ وہ امام ہے جو نادان اور نرمی کرنے والا ہو اور بدترین وہ ہے جو ظالم اور سختی کرنے والا ہو۔

(۲) نبی علیہ السلام جب کسی کو امیر بنا کر کہیں بھیجتے تو ان ارشادات کے ساتھ روانہ فرماتے: ”لوگوں کو خوشخبری سنایا کرو اور ان کو تنفر نہ کرو اور ہر محلے میں لیسروں سے ہولت سکام لو۔ لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالو۔“

(۳) سمیع و طاعت ہر مسلمان مرد پر لازم ہے اس کی پسندیدہ باتوں میں بھی اور غیر پسندیدہ باتوں میں بھی جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے اور جب گناہ کا حکم دیا جائے تو کوئی سمیع و طاعت لازم نہیں خلیفہ ہونے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلا خطبہ دیا تو فرمایا:

”لوگو! مجھے تمہاری حکومت کا کام سپرد کیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں میرے نزدیک ضعیف آدمی تم میں سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ اس کا حق اسے نہ دو اور دل اور قوی آدمی تم میں سب سے زیادہ ضعیف ہے جب تک کہ اس سے حق وصول نہ کر لوں۔ لوگو! میری حیثیت تمہارے ایک معمولی فرد سے زیادہ نہیں اگر تم مجھے سیدھی راہ چلتے دیکھو تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ طیر نما ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کرو۔“

اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ابتدائی خطبہ میں فرمایا :-

”تمہارے مال سے میرا تعلق وہی ہے جو تمہارے مال سے اس کے ولی کا ہوتا ہے اگر میں خوشحال ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر تنگ دست ہوں گا تو جو میرا جائز حق الخیر مت ہو گا وہ لے لوں گا میرے اوپر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور تم ان کا مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو مجھ پر فرض ہے کہ تم سے خرچ کی بد میں اور میں مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتنے میں عطا فرمایا کوئی ٹیکس بجا وصول نہ کر لو اور تمہارا مجھ پر حق ہے کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں آئے وہ جائز مصرف کے ہوا کسی اور صورت سے نہ نکلے۔“

معزز سامعین! اللہ تعالیٰ کو بندگی و اطاعت کا وہ انداز سب سے پایا اور محبوب ہے جو سب سے زیادہ شعوری اور اختیاری ہو یہی وجہ ہے کہ انسانی طاعت پر جنت اور اس کی بے حد و حساب نعمتوں کے وہ وعدے ہیں جو کسی مخلوق کی طاعت پر نہیں۔

اسی حقیقت کے پیش نظر اسلام نے بر عبادت کے آغاز میں کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ جس کے ذریعے سے انسانی شعور کو مغری حد تک بیدار کیا جاسکے اور وہ محض عادت کے طور پر نہیں بلکہ انتہائی گہرے احساس کے ساتھ اس عبادت کی بجا آوری کر سکے۔ چنانچہ نماز سے پہلے وضو، استقبال القبۃ اور تکبیر تحریمہ دوسرے بے شمار مصلح کے ساتھ ساتھ یہ مصلحت بھی پوری کرتے ہیں، حج میں احرام باندھنا جو کہ غیر معمولی لباس پہننے، وضو یا غسل کرنے، دو رکعت نماز پڑھنے اور زبانی نیت پر مشتمل ہے بھی تقریباً تقریباً اسی مروت کے تحت ہیں آتا ہے وہی ہذا القیاس جماعت مؤمنین کی تشکیل جس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کے دین کا انہار اور غلبہ ہے بلاشبہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ چنانچہ اسلام نے اس میں شرکت کے لئے مسجیت کا وہ طریقہ مقرر فرمایا جو منتشر خیالات کو یکجا اور یکجہرے ہوئے ذہن کو یکسو کر کے جماعتی زندگی کے مقصد کا احساس تازہ کر دے اور بندگی سب کے جذبات و داعیات کو خوب خوب جھنجھوٹے۔

احادیث اور اس کی روشنی میں کبھی گئی سیر و تاریخ کی تمام کتابوں سے ثابت ہے کہ نبوت کی تیرہ سالہ مکی زندگی اسلام کی اپنی نشوونما کی زندگی تھی وہ خود ایک نرم و نازک نفل کی صورت میں وادی غیر ذریعہ زرع کی سنگلاخ سرزمین کوشش کر کے نمودار ہوا تھا۔ ہر طرف اس کے رونمے جانے کے اسباب بکھرے پڑے تھے اور وہ بہت دور دور سے اپنی فلاح کھینچ کھینچ کر آخروج شعثہ، فادروہ کا مستغلفظ فاستوای علی سؤیہ کے مراحل طے کر رہا تھا، بالفاظ دیگر مکی دور میں انسانی آبادی کے صالح افراد کی وہ جمعیت اکٹھی کی جا رہی تھی جس کو مغربی تربیت کے بعد اقامتِ دین کی جدوجہد میں استعمال کیا جائے۔ اس کے برخلاف مدنی دور نے ہمارے غلبہ دین کے اصل کام کا فعلی اور عملی میدان تھا۔ اسی فرق کی بنیاد پر قرآن حکیم کے نزول کی ترتیب یہ رہی کہ مکی دور میں تو اساسی اصول یا نماز جیسی وہ فروغ نازل نہیں جن کا زیادہ تر تعلق جماعتی ارتباط کے استحکام سے تھا اور مدنی دور میں اقامتِ دین کی لائی ضرورت جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ روزہ ایسے احکام نازل ہوئے جو مجاہدے کے کھاتے

میں آنے والی مشکلات پر قابو پانے میں محدود مددگار ہوں، مگر اپنی اور مدنی زندگی کے اس امتیاز کے بعد میں آپ کو ایک اور امتیاز کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ مکی زندگی میں جس نے سبھی مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا چاہا کلمہ پڑھ کر کسی مزید ہتھام کے بغیر شامل ہوا لیکن مدنی زندگی کی تہدید پڑی عقیقہ کی بیعت اولیٰ اور ثانیہ سے، سیر کی کنابوں میں مکی زندگی کے کسی ملاقات کے واقعہ کو بیعت سے یاد نہیں کیا گیا ہے۔ یہ لفظ شہ سرخیوں کے ساتھ عنوان بنا ہے۔ اہل مدینہ کی پہلی اور دوسری ملاقات کا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مکی جماعت میں شمولیت کا رواج بیعت کے انداز پر نہ تھا۔ یہ مدنی جماعت میں شمولیت کی خصوصیت تھی۔

سامعین! اب مکی اور مدنی زندگیوں کے ان دو امتیازات کو پہلو بہ پہلو رکھ کر غور فرمائیں کہیں اس میں یہ لطیف اشارہ تو نہیں کہ خود مسلمان بننے کے لئے تو بیعت کی ضرورت نہیں لیکن اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت کے لئے اس سے مخلص نہیں اگر ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ نہ صرف یہ کہ بیعت کا نظام عقلی طور پر جماعتی فطرت سے ہم آہنگ ہے بلکہ اس کی پشت پر ایک بہت فکر انگیز نفل بھی موجود ہے۔

نبی علیہ السلام کے بعد مسلمانوں کی ایک جماعتی زندگی خلافت کی صورت میں حاصل گئی اس کے مقاصد واضح تھے اور اقامت دین کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ لہذا چاروں خلفاء کی خلافت بھی بیعت کے طریقہ کار پر منعقد ہوئی اس کے بعد اقامت یا اظہار و غلبہ دین کا تصور مضمحل ہونے لگا اور اب تو صدیاں ہوئیں یہ حال ہو گیا ہے کہ اسلام کے نام پر چھوٹیں مٹی ہیں لیکن قرار و مقاصد میں اظہار و غلبہ دین کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہوتا اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ عیار و حکارہ دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اکثر مسلمان بھی یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ فی الواقعہ اسلام اس معنی میں اپنا اظہار و غلبہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ساری حاکمیتوں کو مٹا کر اپنی حاکمیت کا سکہ جاری کرے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام نے اسلام یصلو ولا یصل علیہ کے مفہوم و صریح الفاظ سے "يُظْهِرُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" کا مورد و مصداق متعین فرمایا ہے۔

نبی علیہ السلام ہی کے زمانے میں بیعت کا ایک اور رخ بھی سامنے آیا۔ ۶ ہجری

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم و بیش چودہ سو صحابہ کو لے کر مکہ کو روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل مکہ کی طرف اپنی آمد اور طواف و زیارت کے ارادے کی بابت بات چیت کرنے کے لئے بھیجا کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں میں یہ انوار پھیلی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر نبی علیہ السلام نے تمام مسلمانوں سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اس بات پر بیعت لی کہ اگر حضرت عثمان کو قتل یا شہید کیا گیا ہو تو اہل مکہ سے اس کا انتقام لیں گے۔ شہادت عثمانؓ کی خبر تو غلط ثابت ہوئی لیکن بیعت کے بارے میں یہ ایک اور بات ثابت ہوئی کہ اقامت دین کے کل فرض کے علاوہ اگر کہیں نے عہد و میثاق کی ضرورت محسوس ہو تو اس کے اجراء کے لئے بھی بیعت لینی مشروع ہے اس عمل کے علاوہ نبی علیہ السلام کا ایک قولی ارشاد بھی اس معنی میں موجود ہے جس میں اعمال غیر پر بیعت کا ذکر موجود ہے:

عن ابی عثمان قال اخبرنی مجاشع	ابو عثمان نقل کرتے ہیں کہ مجاشع بن مسعود کہتے
بن مسعود السلمی قال جئت باخی	ہیں کہ میں اپنے بھائی ابو سعید کو رسول اللہ
ابی معبد الی رسول اللہ صلی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ کے بعد
علیہ وسلم بعد الفتح فقلت	لے گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ان سے ہجرت
یا رسول اللہ یا علیہ علی الجحوق قال	پر بیعت لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہجرت تو
مضت الجحوق باہلھا قلت فبائی	مہاجرین پر ختم ہو چکی ہیں نے عرض کیا پھر
شئی تبایعہ قال علی الاسلام	کس چیز پر آپ بیعت لیں گے؟ آپ نے فرمایا
والجھاد والخیر۔	اسلام پر، جہاد پر اور نیک اعمال پر۔

(شرح نووی)

علامہ نووی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہجرت مدد و حمایت و عزت کا ذریعہ ہے اس سبب آپ کے اصحاب کے لئے قسمی وہ فتح مکہ سے پہلے قسمی لیکن کے بعد ختم ہو گئی کیونکہ مقصد حاصل ہو گیا، البتہ دوسری باتوں یعنی امور غیر جہاد اور اسلام و بیعت کی جاسکتی ہے اور یہ چیزیں بچائے خود بہت بڑی اہمیت اور خصوصیت کی حامل ہیں نبی علیہ السلام کے اسی قول و فعل کی بنیاد پر امت کے اندر کئی قسم کی بیعتیں مروج ہوئیں ہیں میں صحابیہ کی بیعت، ارشاد کو بہت شہرت حاصل ہوئی جو کچھ ان جنونی بیعتوں کی اصل

سنت میں موجود تھی لہذا سلف و خلف میں سے کسی نے اس پر نکتہ نہیں فرمایا۔
 امارت اور بیعت کے بارے میں ایک بحث یہ بھی کی جاتی ہے کہ کیا جماعت کا امیر
 جماعت کا افضل ترین شخص ہونا ضروری ہے یا اس کے ہوتے ہوئے کسی مفضل کو بھی امیر
 بنایا جاسکتا ہے اس سلسلے میں ہماری اسلامی روایات سے جوابات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے
 کہ فضیلت کی تو بالکل شرط نہیں البتہ زیر بحث جماعت کی غرض و غایت اور مناسب طریقہ کا
 کا علم و تجربہ ضروری ہے اور اس میں امتیاز و تفریق ضروری ہے شرط قرار دیا جاسکتا ہے تاہم ترجیح کے اس
 امتیاز و تفریق کے بغیر دوسری بنیادیں بھی ہو سکتی ہیں جن پر خود نبی علیہ السلام اور صحابہؓ و
 تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔

جماعت اور اس کے لوازم کا مسئلہ صرف علمی اور فطری مسئلہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی زندگی
 کا اہم ترین علمی مسئلہ ہے چنانچہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل سوالوں
 دو ٹوک جواب تلاش کرنا بے حد ضروری ہے۔

(۱) جبکہ یہ معلوم ہے کہ اسلامی جماعت اظہار اور غلبہٴ دین کی جدوہد کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔
 تو کیا آج دنیا میں ٹھیک انہی خطوط پر مسلمانوں کی کوئی جماعت موجود ہے۔

(۲) اگر ہے تو ایک ہے یا متعدد۔

(۳) اگر ایک ہے تو وہ کونسی جماعت ہے اور اس کے ساتھ دنیا کے تمام مسلمانوں۔
 انسان کی کیا شکل ہے۔

(۴) اگر متعدد ہیں تو کون کونسی اور کیا اس تعدد کی اسلام میں گنجائش بھی ہے۔

(۵) اور اگر سرے سے ایسی کوئی جماعت موجود نہیں تو کیا پوری ملت نبی علیہ السلام
 ارشاد کی روشنی میں جاہلیت کی موت مر رہی ہے۔

(۶) جاہلیت کی اس موت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے کہ نہیں۔

(۷) اگر ہے تو کونسی۔

(۸) اگر نہیں ہے تو "لَا يَكُفُّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی کیا تفسیر ہے۔

حضرات یہ وہ سوالات ہیں جن کا دو ٹوک جواب فراہم کرنا علمائے امت کی سزا
 اولین اور اہم ترین ذمہ داری ہے کہ اس کے بغیر صحیح فنی زندگی ایک خواب پریشاں
 جس کا خارج میں کوئی وجود ممکن نہیں۔

جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ پوری ملت کا مسئلہ ہے جس پر فیصلہ کن گفتگو تو ان
عائے ملت کا مقام ہے جن کو رب تعالیٰ نے ظاہر دباطن کا بیق علم عطا فرمایا ہوتا ہے
چھوٹا منہ بڑی بات "کا مصلحت بنتے ہوئے ہم اس کا ایک سرسری تجزیہ آپ کے سامنے
پیش کرتے ہیں۔

کسی کتاب میں نظر سے گزرا ہے کہ اسرائیل کے پارلیمنٹ، ہاؤس کی پیشانی پر یہ
غلاف کندہ ہیں۔

"اسرائیل تیرے سرحدیں نیلے سے فرات تک ہے"

یہ نقل صحیح ہے یا نہیں کہنا یہ ہے کہ بلاشبہ اساسی مقصد کی یہی شان، ہوتی ہے کہ وہ چھوٹ
کے ایوانوں سے لے کر تمام ذیلی مراکز بلکہ ان صادق الحال لوگوں کے مکاناتوں سے بھی کسی
بسی انداز سے جھکتا ہے جو اس مقصد کے ساتھ خاص مخلصانہ یا اس پرستہ ازدتہ دارانہ
خلق بھی رکھتے ہوں، مطلب یہ ہے کہ اساسی مقصد کو تو پوری قوت اور ممکن طریقے
سے نمایاں کیا جاتا ہے کیا آج کی انسانی دنیا میں ایسی کوئی حکومت ہے جس نے ٹنکے کی
چوٹ "يُظْهِرُ عَلَى السَّيْنِ كَلِمَةً" کو اپنی حکومت کا نصب العین قرار دیا ہو اور
اسی کے مطابق ابتدائی سہی اپنے عملی پروگراموں کو مرتب کیا ہو۔ ہماری محدود معلومات میں
تو نہ صرف یہ کہ ایسی حکومت نہیں بلکہ تمام قابل ذکر اسلامی ممالک نے اقوام متحدہ کا رکن بن کر
اس مقصد سے مجموعی طور پر دست برداری ظاہر کی ہے کیونکہ اس کے منشور کی سب سے اہم
دفعہ یہی ہے کہ حریت اور آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے جس کو کسی صورت میں بھی
چھینا نہیں جاسکتا، معلوم ہوا کہ موجودہ اسلامی حکومتیں اس اسلامی نجات کی ضرورت کو پورا نہیں
کرتیں جس کے لئے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ حکومتیں زیادہ سے زیادہ
مسلمانوں کی الگ الگ انتظامی یونٹیں کہلائی جاسکتی ہیں جنہیں جو اسلام کا سب سے زیادہ
وفادار ہے اس نے اپنے دستور میں یہ دفعہ شامل کر لی ہے کہ "قرآن و سنت کے خلاف کوئی
قانون نہیں بنایا جائیگا۔" لیکن ان کے اپنے عمل کے مطابق اس جملے کی صحیح تفسیر یا تویلوں کی
جاسکے گی کہ غلبہ دین کے مقصد اعلیٰ سے رات کے علاوہ قرآن و حدیث سے کوئی انحراف نہیں
کیا جائے گا اور یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے مگر کہ قرآن و حدیث کے نہیں بلکہ اپنے تجویز کہ وہ غلبہ
کی تکمیل کے سلسلے میں قرآن و حدیث سے روشنی حاصل کی جائے گی۔

بہر حال حکومتوں کی سطح پر یہ بات واضح ہے کہ دین محمد علی صاحبہ القلوة والسلام کی مطلوبہ جماعت موجود نہیں۔

اس کے بعد دنیا کی ان جماعتوں کا نمبر آتا ہے جو حکومتوں کے اندر اسلام کے نام پر بنی ہیں۔ ان جماعتوں کے بارے میں تحقیقی بات کہنا بہت مشکل ہے اس لئے بھی کہ ان کے فرائض محدود ہوتے ہیں پھر مقامی حکومتوں کی زد میں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی پوری بات پہنچا نہیں سکتیں، اس کے اندر ہم یہ نگاہ مقرر کر سکتے ہیں کہ جو جو جماعتیں انہماک اور غلط فہمی کے مقصد کے تحت کام کر رہی ہیں اور ان کے عمومی حالات بالخصوص قیاد میں ان کے دعوے کی واضح تکذیب نہیں کرتیں تو وہاں کے گرد و پیش کے مسلمان اس میں رُو کر جماعتی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں، یہاں ہمارے مرتب کردہ سوالنامے کا چوتھا سوال سامنے آتا ہے کہ کیا اس تعداد کی اسلام میں گنجائش بھی ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ممکن ہے کہ موجودہ دنیا اور مسلمانوں کی وسیع آبادی میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ابتدا ہی سے ایک ہی جماعت کی صورت بن جائے ہاں صحیح بنیادوں پر کام کرنے والی یہ جماعتیں بالآخر ایک صورت میں مداخلت جائیں گی اور حالات و فرائض کے اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ یہ صورت جمہور جمہدی اور نر دلی سیم کی صورت میں نمودار ہوگی۔

حضرات! آپ نے یہ جان لیا ہوگا کہ نئی زندگی کی ضرورت اور اس کی عملی صورت کا جو مہتمم بالثان مسئلہ میں نے آپ کے سامنے رکھا تھا ہماری رائے میں اس کا واحد حل یہ ہے جو آپ کے سامنے آگیا یعنی ہر جگہ کے مسلمان مصدقہ اسلامی تعلیم میں شامل ہو جائیں یا ایسی ہی تعلیم بنالیں اور پھر مقامی حکومت کے جائز انتظامی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اس کے حلقے کو بڑھائیں اور اگر حالات نے سازگار کی اور اتنی قوت مجتمع ہوئی کہ یقینی طور پر مقامی حکومت بنائی جاسکے تو دہریہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ حکومت کے اصل خمدار وہ صاحبین ہی ہیں جو خدا کی زمین پر خدا کا دین غالب کرنے کی محنت کر رہے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ مقامی جماعت مقامی حکومت حاصل کرنے کی قوت کیسے جمع کرے کیا مردم جمہوریت کا وہ یو دلی انتخابی طریقہ جس میں حق و باطل کی بجائے محض کثرت و قلت پر حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی ہیں یا احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے قوت کا استعمال بھی ممکن ہے۔ یہی ہمارے اس مقالے کا سب سے زیادہ نازک ترین مقام ہے۔ اس سلسلے میں

ابری ابتدائی رائے یہ ہے کہ اسلام قلت و کثرت کی تفریق پر کبھی فیصلہ نہیں کرتا وہ کہتا ہے
بلا دستی حق کا پیدائشی حق ہے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے قوت کے استعمال میں
ملی قباحت نہیں۔

اس پر یہ اشکال وارد کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو نام نہاد اسلامی حکومت کے خلاف خروج
ہے جو باجماع امت ناجائز ہے۔ نام نہاد اس لئے کہ یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے۔
ملی الواقع اسلامی حکومت جو اس کے مقاصد کو ٹھیک ٹھیک پورا کر رہی ہو۔
منفا ہے جس کا تصور نو ہے لیکن خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتا اور دوسرے
لئے بھی کہا کہ اس اجماع کی تفصیلات میں یہ قید لگاتے ہیں کہ جب تک کفر و راج
یا مرتکب نہ ہو جس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ فسق و فجور کی تو آخری حدود کو چھو رہی
اور نظر ہے کہ ایسی حکومت کو حقیقی اسلامی حکومت کہنا بدترین جھوٹ ہوگا۔

بہر حال تو مخالفت اجماع کا الزام سامنے آتا ہے مشہور حنفی المسک عالم ملاحی قاری
فقہ وحدیث میں یکساں طور پر مستند ملے جاتے ہیں، اس اجماع کا ذکر کر کے اس اجماع
پر بدداشکال وارد کرتا ہے۔

- (۱) یزید کی خلافت یا حکومت کے خلاف حضرت حسینؑ نے کیسے خروج کیا۔
- (۲) آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ہمارے اسلامی عقیدے کا جزو نہ ہو
ہے بے شمار اسلامی سلاطین کے ہوتے ہوئے وہ تمام مسلمانوں کو اپنی امارت
پر کیسے جمع کرے گا۔

علامہ نے پہلے سوال کا جواب تو یہ دیا ہے کہ حضرت حسینؑ کا خروج اس اجماع سے
میلے تھا لیکن دوسرے اشکال کا کوئی جواب نہیں دیا ہے۔

اس کا کوئی جواب فراہم کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
سلسلہ میں مولانا نے جو اشکال وارد کیا ہے اس کی ذرا توضیح کر دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نزول فرمائیں
گے اور اپنے دین عیسوی کی نہیں بلکہ دین محمدیؐ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی فرمائیں
گے اس میں حضرت محمدؐ الف ثانیؑ نے اتنا اضافہ اور بھی فرمایا ہے کہ وہ دین محمدیؐ
صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے چار علی طریقوں میں سے بھی حقیقت پر کار بند ہیں گے تو

ان حقائق کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے مسلمان حکمرانوں کے باوجود اپنی امارت پر لوگوں کو کیسے جمع کریں گے۔
سوال کی اس تفصیل کے بعد ہم اپنا جواب سامعین کے سامنے رکھتے ہیں۔ اگر صواب ہے فمن الله اور اگر غلط ہے فیستی۔

اجماع امت کی تین قسمیں ہیں قولی، فعلی اور سکوتی۔ ان میں سے اول الذکر دو قسموں کا جامع عنوان ہے "عزمیت" اور تیسری قسم کو "رضخت" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اجماع کی تیسری قسم میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ وہ اس کو اجماع تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کسی ایک بات پر دوسروں کے خاموش ہونے کا لازمی طور پر یہ معنی نہیں نکلتا کہ اسے رائے بھی یہی ہے بلکہ اس خاموشی کے دوسرے وجوہ بھی ہو سکتے ہیں، تاہم احناف کے قائل ہیں لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اس قسم کا اجماع پہلی قسم کی طرح قطعی ہرگز نہیں ہوتا۔ پر یہ بات بھی نہیں کہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد منعقد ہونے والا اجماع سکوتی ہو سکتا ہے کہ عالم اسلام کے پھیل جانے کی وجہ سے اور خود حاکم وقت کے خلاف خروج بیشمار رکاوٹوں کی بدولت اس میں پہلی صورت کے اجماع کے تمام شرائط کا پایا جانا بہرے مستبعد ہے۔

اب اجماع سکوتی بھی کئی طرح کا ہو سکتا ہے مثلاً انقطاع اجتہاد پر اجماع ہے کہ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اب اس کے شروط کا پایا جانا تقریباً ناممکن ہے لیکن سب سے معلوم ہے کہ زمانہ قریب ہی میں حضرت شاہ ولی اللہ نے وہ مقام پیدا کیا کہ سب کے اجتہاد کے مجاز ٹھہرے۔ چنانچہ انہوں نے کسی ایک مسلک کی کٹی پابندی کی بجائے اجماع فروع میں ایک مختلط انداز اختیار کیا۔ ظہیک اسی طرح سے حرمت خروج کے بارے میں بھی یہ دلیل بیان کی گئی ہے کہ اس کا اکثری نتیجہ فساد کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ تو اگر بھی اس بات کے یقینی اسباب پیدا ہو جائیں کہ صحیح اسلامی حکومت قائم کی جاسکتی۔ قوت کا استعمال کیوں حرام اور ناجائز ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں یقینی فضا لہذا وہ مسلمانوں کی سب سے مرکزی جماعت کی تشکیل فرمائیں گے۔ اسی انداز پر اگر کہ مقامی جماعت مقامی حکومت کو یقینی طور پر ملے سکے تو کسی اجماع کے خلاف لازم نہ آئے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مِشْرَک اور اقسامِ مشرک

شُرک فی الصفات (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

رُت و مشیت صفاتِ الہی کے ذیل میں اب دو اہم صفات یعنی قُدْرَت اور مشیت کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید جس حیدر باری تعالیٰ کی دعوت دیتا ہے اس کا اہم ترین اقتضایہ ہے کہ اس بات کو قویٰ یقین ساتھ تسلیم کیا جائے کہ اُس کی قدرت اور مشیت اس کی ذاتی اور مطلق (ABSOLUTE) عین پر کوئی تحدید نہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اور — جَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ — کا یہی مفہوم ہے۔

انسان میں جو بھی قدرت، طاقت اور قوتِ ارادی و عمل نظر آتی ہے، وہ اس کی ذاتی ہی بلکہ بالکل تہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور ابتلاء و آزمائش اور امتحان کی غرض چند صلوٰۃ فیود کے ساتھ اُس کو دی گئی ہے۔

اسی بات کو حضور کو اور آپ کے واسطے سے اُمت کو تعلیم دینے کے لیے مَورِ کہہ

ن فرمایا کہ :

اور دے نبی ! کہی یہ نہ کہنا کہ میں یہ کام کل ضرور کروں گا مگر اس (استناد) کے ساتھ کہ اگر اللہ چاہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ
ذٰلِکَ غَدُوٌّ اِلَّا اَنْتَ یٰنَبِیُّ اللّٰہِ

(آیت ۲۳، ۲۴)

سورۃ الدھر میں فرمایا :

وَمَا تَشَاءُ اَوْفَنَ اِلَّا اَنْتَ یٰنَبِیُّ اللّٰہِ

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں توڑا جب تک

اللَّهُ طَرِيقُ اللَّهِ كَانَ عَلِيمًا عَزِيمًا ۝
اللَّهُ نَهْ چاہے۔ بے شک اللہ بڑا علیم و حکیم

ہے !

(آیت ۳۰)

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مِی فرمایا :

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک

اللہ نہ چاہے جو سارے جہانوں کا رب

(مالک و مختار) ہے۔

(آیت ۲۹)

ان ہی ہدایات کے نتیجے میں حضورؐ نے اُمت کو تعلیم دی کہ جب بھی کسی کام کی انجام دہی
وعدہ اور ارادہ کرو تو اِنْ شَاءَ اللہ ضرور کہا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ و کاملہ اور اس کائنات میں صرف اُسی کی ذاتِ بے

کی مشیت کی کار فرمائی کا قرآن حکیم میں مختلف اسالیب کے ساتھ بار بار ذکر آیا ہے

میں سے چند کا حوالہ میں اپنی اس گفتگو میں متعدد بار دے چکا ہوں اور چند آیات میں

ابھی پیش کی ہیں۔ ان تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت و مشیت

پر کامل ایمان و ایتقان عقیدہ توحید کے اثبات میں اور شرک کے ابطال میں بنیادی

اساسی معتقدات میں شامل ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فرما کر واضح کر دیا کہ

مخلوقات میں سے چاہے وہ انبیاء و رُسل ہوں، چاہے وہ ملائکہ و مقربین ہوں، چاہے وہ

اولیاء اللہ اور صلحاء و اتقیا ہوں، چاہے وہ اجرام فلکی ہوں، گردشیں سیل و نہار ہوں وہ ستارے

و شیطاں ہیں۔ الغرض ماسوا میں سے کسی میں نہ نفع پہنچانے کی کوئی ذاتی طاقت ہے

غیر پہنچانے کی۔ نہ ضرر پہنچانے کی ذاتی قدرت ہے نہ ضرر سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے

کی، نہ کچھ دینے کی اہلیت ہے نہ کچھ چھیننے کی۔ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں کو

دست گیر نہیں، کوئی مولا نہیں، کوئی حامی و ناصر نہیں۔ صرف وہی ذات ہے جو

وَنِعْمَ التَّصْوِيرُ اور اسی کی ذات قُلْ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی شان کی حامل

ہے اور مطلق نافع و ضار بھی اُسی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اگر مخلوق میں سے

کوئی ایسی استعداد حاصل ہوگی تو وہ اذنِ رب اور مشیتِ الہی کے تابع ہوگی،

اس حد تک ہوگی جس حد تک اللہ کی مشیت چاہے گی اور وہ خالص عطائی ہوگی۔

نبی اکرمؐ کی مزید وضاحت | احادیثِ خزینہ میں مذکور ہے کہ ایک موقع پر نبی اکرمؐ

مقلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا :
 ”میرے بچے میں تم کو چند باتیں بتاتا ہوں ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو !“ ان میں یہ
 بات بھی تھی کہ ؟ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ دنیا کے سب لوگ مل کر
 بھی چاہیں کہ تم کو کوئی نفع پہنچائیں تو نہیں پہنچا سکتے ، مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ
 نے تمہارے لیے پہلے سے طے کر دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ مل کر بھی چاہیں کہ تم
 کو کوئی ضرر اور نقصان پہنچائیں تو نہیں پہنچا سکتے ، مگر صرف اتنا جتنا اللہ کی
 طرف سے تمہارے لیے پہلے سے مقدم ہو چکا ہو۔ (الحکما قال مقلی اللہ علیہ وسلم)
 حاصل کلام یہ ہے کہ اذن رب اور مشیت رب سے آزاد ہو کر کسی میں کوئی
 طاقت نہیں کہ وہ کسی کو کوئی نفع و ضرر پہنچا سکے۔ کسی کی حاجت روائی کر سکے کسی کی
 دست گیری کر سکے۔ یہ صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے جس کے فعل کیا یُرید
 اور یفعل نا یُشَاء کی شان کی حامل ہے۔ ہماری بے جا رگی کا عالم تو یہ ہے
 جن کا میں دو آیات کے حوالے سے ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ : وَمَا تَشَاءُ مَوْثِقَاتُ الْآدَامَةِ
 یُشَاءُ اللہ و ما اس کے مطلب اور مفہوم کا ایک درجہ تو وہ ہے جو ترجمہ میں اختیار
 کیا گیا کہ : ”تمہارے چاہے کچھ نہیں ہو گا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔“ اور اگر اس کا مفہوم
 لیا جائے کہ : ”تمہارا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے پر منحصر ہے“ تو اس کی بھی گنجائش موجود ہے
 اس کی نفی نہیں کی جاسکتی یعنی ”چاہت“ کا پیدہ ہونا بھی اللہ کی مشیت پر موقوف و منحصر ہے۔
 پس قدرت ، قوت ، مشیت ان الفاظ کی حقیقت کو پیش نظر رکھ کے اور اگر یہ
 فرق و امتیاز قائم رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اُس کی صفات بھی مطلق اور غیر محدود
 و لامتناہی ہیں تو یہ قویٰ حید ہے۔ لیکن اگر اس میں التباس ہو گیا اور کسی درجہ میں بھی
 ان صفات کو غیر اللہ کے لیے مان لیا گیا تو یہ شرک فی اللہ ہے ، شرک فی القوت اور
 شرک فی المشیت ہو جائے گا۔

شفاعت مطلقہ یا باطلہ | اللہ تعالیٰ کی ان صفات قدرت و مشیت میں التباس کے
 باعث ہمارے عالم نا جہل اور بے علم و غفلین و شعراء میں شفاعت مطلقہ اور شفاعت باطلہ
 کا تصور پیدا ہوا۔ جس کی مسلسل نشر و اشاعت نے ہمارے دین سے ناواقف عوام و
 خواص کو ایک بہت ہی بڑی گمراہی و ضلالت میں مبتلا کر کے اُن کو دینی فرائض کی انجام دہی

سے غافل، اسلامی اخلاقیات سے عاری اور معصیت کا مادی و فکری بنادیا ہے اور ان کو ایسے اعمال و افعال میں مبتلا کر دیا ہے جو اسلام کی دعوتِ توحید، عبادتِ رب اور خلوص و اخلاص کے حقیقی مفہوم اور نجاتِ آخری کی ناگزیر شرائط کی بالکل ضد ہیں بلکہ اگر میں یہ عرض کروں کہ عقیدے سے لے کر عمل تک یہ تمام چیزیں مشرکانہ ہی نہیں بغاوت و طغیان ہیں تو بے جا اور غلط نہ ہوگا۔

مجھے احساس ہے کہ میں نے بات بڑی تلخ کہی ہے لیکن اصلاحِ حال کے لیے صحیح تشخیص اور صحیح علاج ضروری ہوتا ہے اور ایسا اوقات اس علاج کے لیے تلخ و کڑوی اور کیسی ادویہ کا دیا جانا بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ شرک فی الصفات کے ذیل میں، میں نے جو تین نکات، تین اصول، اور تین فارمولے آپ کے سامنے رکھے تھے۔ ان پر میری مہر و قلم کو جانچتے اور پرکھتے چلے جائیے۔ اگر میری بات ان کے مطابق ہو اور آپ کے دل کو لگے تو پھر ان کو تسلیم کیجئے اور اس کی ہرگز پرواہ نہ کیجئے کہ کون سے عقائد ہمیں آباد و اجداد سے دراثاً منسلک ہوئے ہیں اور ان کی پشت پر عوام و خواص کی کتنی عظیم اکثریت کی تائید موجود ہے۔ غلط بہر حال غلط ہے چاہے اس پر عمل کرنے والے لاتعداد و بے شمار ہوں۔ میں ابتداء ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ: ”علمِ توحید کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ شرک اور اُمس کی جملہ اقسام کی معرفت حاصل ہو جائے اور انسان یہ جان لے کہ شرک کن کن صورتوں میں حکمِ آلود ہوتا ہے اور کیسے کیسے مجلس بدل کر آتا ہے کن کن راستوں سے تو حصید کی پونجی پھڑا کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ شرک کے مکمل فہم کے حصول کے بعد ہی مسلمان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی حقیقی اور بیش بہا شایع ایمان کی حفاظت کر سکے۔ لہذا شرک اور اقسامِ شرک کی گفتگو تشنہ رہ جائے گی، اگر اس غلط عقیدے سے تعرض نہ کیا جائے جو شفاعتِ مطلقہ بلکہ صحیح مفہوم کے مطابق شفاعتِ ملکہ کی صورت میں ہمارے معاشرے کی عظیم اکثریت میں موجود ہے جو رُوح اور عمل دونوں اعتبارات سے خالص مشرکانہ عقیدہ ہے۔

یہ عقیدہ کیا ہے؟ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ کچھ برگزیدہ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو خدا کے فیصلے کو بدلوا سکتی ہیں۔ خدا کے فعل، انصاف کے آڑے آسکتی ہیں۔ دربارِ خداوندی میں ان کا کوئی ایسا ذاتی مرتبہ، مقام یا منصب بھی

ہے کہ وہ اس کے بل پر مشیت الہی اور اس کے فیصلوں کے بدلوانے میں اپنا زور اثر
 زورِ سوج استعمال کر سکتی ہیں یہ یقیناً خالص مشرک کا نہ تصور ہے۔ پھر خدا کی قدرت
 اور مشیت مطلق کہاں رہی؟ اس تصور کے نتیجے میں تو مطلق قدرت و مشیت اس کو
 حاصل ہو گئی جس کے لیے خدا کے فیصلوں کو بدلوانے کا اختیار تسلیم کر لیا گیا۔ اس طور
 پر تو خدا کی قدرت و مشیت ہی نہیں بلکہ اس کی صفتِ عدل بھی مطلق نہ رہی بلکہ وہ بھی
 متعبد ہو گئی اور لغو ذبا اللہ اس طرح تو اللہ عزوجل پر بھی اس کو فوقیت حاصل ہو گئی جس
 اللہ کے فیصلے میں روک لگا دی اور اس کو بدلوا دیا۔ اس اعتبار سے اس عقیدے نے اللہ
 تعالیٰ کو اس کے مقامِ رفیع سے گرا کر اُس کے سنگھاسن پر اُسے براجمان کر دیا کہ جس کیلئے
 اللہ کے فیصلوں کو بدلوانے کا اختیار مان لیا گیا۔ اسی تصور، اسی نظریہ، اور اسی عقیدے
 ہی کا دوسرا نام شرک ہے، جیسا کہ میں بالکل آغاز میں وضاحت کر چکا ہوں۔ یہاں میں
 اس بات کی بھی تصریح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس شفاعت کا مقرر اور قائل
 ہوں جس کی جبر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اور صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم
 نے احادیثِ صحیحہ میں دی ہے۔ میں جس شفاعت کی نفی کر رہا ہوں وہ شفاعتِ مطلقہ اور
 شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ ہے۔

قرآن حکیم سے شواہد قرآن حکیم میں جس شفاعتِ باطلہ کی نفی کی گئی ہے اس سے
 متعلق میں چند آیات پیش کرتا ہوں، پہلے ان کو سن لیجئے۔ بعد میں وہ چند آیات پیش
 کروں گا جن میں اذنِ رب کے ساتھ شفاعت اور اور اُس کے چند شرائط و لوازم کا ذکر
 ہے پھر میں ان کی تشریح میں کچھ عرض کروں گا۔ شفاعتِ مطلقہ کی نفی کو سمجھنے کے لیے ان
 آیات پر توجہ کیجئے۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ	اور اس دن سے خدا جس دن کوئی جان کسی
عَنْ نَفْسٍ شَهِيدٍ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا	دوسری جان کے کچھ کام نہ ائے گی۔ نہ اس کی
شَفَاعَةٌ وَلَا يَوْمَئِذٍ هُمْ يُنصَرُونَ	طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس
	کوئی معاوضہ دیا جائیگا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد
	کی جائے گی۔
(آیت ۲۸)	

اسی سورہ مبارکہ میں بنی اسرائیل کو ایک دوسرے اسلوب سے متنبہ کیا گیا: -

وَالْقَوَّامُونَ لَا يَخْزِيهِمْ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَذَابٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

اور اس دن سے ٹھو جس دن کوئی جائسی
دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ اس
سے کوئی معاونہ قبول ہوگا اور اس کو کوئی
شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی کوئی مدد
کی جائے گی۔ (آیت ۱۲۳)

پھر اسی سورہ بقرہ میں اہل ایمان کو خبردار کیا گیا :
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مَا
رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ
لَا بَئِيعَ فِيهِ وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ
وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے
اسی میں سے خرچ کرو۔ اُس دن کے آنے
سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی
نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش ہی
نفع پہنچائے گی۔ اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں اپنے اوپر اصلی ظلم ٹھکانے والے وہی ہیں
سورۃ الزمر میں فرمایا :

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
شُفَعَاءَ قُلُوبًا أَوْ كُنُوزًا لَا
يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْلَمُونَ ۚ
قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ
مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

کیا اس خدا کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں
کو شفیع بنا رکھا ہے ؟ ان سے کہہ دیجئے
کیا وہ شفاعت کریں گے۔ جن کے اختیار میں
کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں ؟ کہہ دیجئے
کہ شفاعت تو کل کی کل اللہ کے لیے ہے
اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو انہی
کے قبضہ قدرت میں ہے پھر اُنہی کی طرف
(آیت ۲۲-۲۳)

لوٹائے جانے والے ہو !
متذکرہ آیات میں جس شفاعت کی اتنی شد و مدد و راستے مؤثر انداز میں نفی کی
گئی ہے کہ یہاں تک فرمادیا کہ : قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا تو اس کی اصل غایت
یہ ہے کہ مومنین صادقین جو کس اور چوتھے نہیں اور اُس غلط فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا نہ
ہوں کہ جس طرح دنیا میں دنیوی لحاظ سے کوئی مقتدر اور با اثر شخصیت کسی مجرم کی سفارش
کر کے اُسے ہنزا سے بچا لیتا ہے اور اس طرح با اثر اور مقتدر لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے

ہے لوگ قانون کی گرفت سے بے پرواہ ہو کر جرائم میں جبری اور دلیر ہو جاتے ہیں اُسی طرح
 مت اُخروی میں چند مقتدہ اور اللہ کی محبوب ہستیاں محض ان سے نام کی نسبت رکھنے
 جہ سے ان کی سفارش کر کے ان کو خدا کے عذاب اور گناہوں کی پاداش سے بچالیں
 - علمی تجزیہ کیجئے تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ یہ نظریہ اپنی اصل اور اپنی روح کے
 بنار سے سراسر مشترکانہ نظریہ ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر تو کرسی اقتدار پر
 یہ میاں ہی براجمان ہیں - لیکن ان سے بالاتر ہستی کوئی اور بھی موجود ہے جو اُن کے
 دل میں اڑے آسکتی ہے، اُن کے فیصلہ بدلواسکتی ہے اور مجرمین کو اپنے کرتوتوں
 یا سزا اور عقوبت سے بچاسکتی ہے - اس طرح تو گویا نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ خطائے
 اُن کی قہارت و جبروت اور اس کی عدالت کی کامل نفی ہو گئی اور اُسے بھی پارلیمانی طرز
 حکومت کے آئینی صدر کی حیثیت دے دی گئی کہ دستوری طور پر وہ ملک کا حقیقی
 سربراہ ہوتا ہے اور کوئی قانون اس کی منظوری کے بغیر نافذ العمل نہیں ہو سکتا - لیکن
 اپنی مرضی میں آزا د نہیں، وہ پارلیمانی کابینہ اور بالخصوص وزیر اعظم کی مرضی کا تابع
 رہتا ہے - فیصلہ دہ کرتے ہیں اور SHOW BOY کی طرح نفاذ صدر کے حکم سے عمل
 میں آتا ہے - یا خدا کو دنیا کے ان بادشاہوں پر قہاس کر لیا گیا جو اپنے مقربین و مصاحبین کی
 سفارشات قبول کرنے پر اپنی بادشاہت کو بچانے کیلئے خود کو مجبور و محض پاتے ہیں -

لتباس اور غلط فہمی کے اسباب | شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور اس نے قیامت
 - انسان کو بہکانے کی مہلت مانگی جو اس کو بارگاہِ خداوندی سے مل چکی ہے - وہ انسان
 کو مختلف مغالطوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انسان اس کے دام ہم رنگ میں
 پھنس کر قمار ہو جاتا ہے - ان مغالطوں میں ایک مغالطہ شفاعتِ باطلہ کا بھی ہے -

یہود | یہود کو اُس نے اس غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ چونکہ ہم اللہ کے جلیل القدر انبیاء
 کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس دنیا میں بہت سے اکرام و انعام کی بارش کی ہے
 لہذا ہم اُس کے چہیتے ہوئے اور ہم کو بخشے بخشائے ہیں - اس لئے وہ دعویٰ کیا کرتے تھے
 کہ : كُنَّا اٰبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُ كَا ط (ہم قوموں کے مانند اللہ کے چہیتے ہیں) اور -
 وہ اس پندار میں گرفتار تھے کہ : وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَحْمِسُنَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً
 (اور انہوں نے کہا کہ آگ ہم کو ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن!)
 نصاریٰ | عیسائیوں کو شیطان نے اس مغالطہ میں مبتلا کیا کہ انسان پیدا نشی طور

حضرت آدمؑ کے اُس گناہ کے بوجھ تلے دیا ہوا ہے جو انہوں نے جنت میں اُس درختِ مہلک کھا کر نافرمانی کی صورت میں کیا تھا۔ جس کو کھانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بصورت انسان بھیجا اور اس کو اس گناہ کے کفارےء طور پر صلیب پر چڑھوا دیا۔ بس اب جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مان کر اس پر ایمان لائیں گے وہ آسمانی بادشاہت میں داخل کئے جائیں گے۔ اس حیاتِ دنیوی کا کوئی کبیرہ صغیرہ گناہ اُن کی نجات میں آڑے نہیں آئے گا۔ چہ وہ بھی اسی مغالطے میں مبتلا تھے کہ ہم اللہ کو بیٹوں کے مانند عزتیز ہیں۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی جس آیت کے ایک محکمہ میں ہو کے ذکر میں حوالہ دے چکا ہوں وہ یوں ہے کہ : **وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ** دیکھو یہ دونوں گروہ اپنے اپنے انبیاء کو اپنے لئے شفیع مقرر کئے تھے۔

تھے۔

بنی اسحاق | اہل عرب جو زیادہ تر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پر مشتمل تھے خدا کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ وہ خدا کی بنیادی صفات کو بھی مانتے تھے۔ وہ اس کا ثبات کافاً خدا ہی کو تسلیم کرتے تھے۔ لذق دینے والا، ازغی اور موت دینے والا اسی کو سمجھتے تھے، اس کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ کچھ ایسی باتیں بھی مانتے اور کچھ ایسے کام بھی کرتے تھے جن سے خدا کی صفات اور ان کے مقتضیات سے انکار لازم آتا تھا، جو کفر ہے یا خدا کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کی شرکت لازم آتی تھی جو شرک ہے قرآن میں اُن کے باطل نظریات پر مختلف انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ ان کے مشرکانہ عقیدوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جن معبودانِ باطل کی وہ پرستش کرتے تھے۔ جن کے سامنے وہ مراہم عبودیت بجا لاتے تھے تو وہ ان کو اللہ کے ہاں اپنے لیے سفارشی اور شفیع سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر کے ہماری بکری بنائیں گی۔ اس باطل عقیدے کا سورۃ الزمر میں الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا
اور جنہوں نے اللہ کے سوا مددگار ٹھہرائے
إِلَى اللَّهِ ذُلًّا لَّنَا (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کو محض اس لئے
پرہتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔
أَمْتٌ مُّسْلَمَةٌ | بڑے دُکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بد قسمتی سے صدیوں کے علمی فکری

علی اور سیاسی انحطاط اور دوسرے مذاہب کے ذہنی و فکری غلبے اور دین (بالخصوص
تہران مجید اور حدیث شریف) سے لاعلمی اور عدم واقفیت کے سبب سے مسلمانوں کی
عظیم اکثریت بھی اس مغالطہ اور خوش فہمی اور ناواقفیت اندیشی میں مبتلا ہو گئی کہ جب
ہم اُمت مسلمہ اور دامن محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہیں تو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم ہماری لائڈنا شفاعت فرمائیں گے، اور ہم نارجمہم کے عذاب سے بچا
یے جائیں گے۔ اس طرح اس باطل عقیدے کی وجہ سے ہماری یہود و نصاریٰ سے ایک ملت
و مشابہت پیدا ہو گئی اور ہماری عظیم اکثریت اسی باطل نظریے اور عقیدے کی وجہ سے فرائض
دینی سے غافل، اعمال صالحہ اور اسلامی اخلاق سے عاری اور معاملات میں غافل و نیا پرستی
اہوا پرستی اور مال و منال کی اندسی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ قانونی طور پر سب مسلمان
لیکن علی طور پر ان میں وہ سب اقسام انتہائی گناہوں کی شکل میں موجود، جو کفار و قباہ اور مشرکین
میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے نزدیک دین ایک DOGMA سے زیادہ کوئی مقام نہیں
رکھتا۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانا ہی اُن کے نزدیک شفاعت محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ
والسلام اور نجات اخروی کے لیے کافی ہے۔ چاہے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے یہ کتنی
ہی مشرکانہ اور مبتدعانہ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ یہ قول و عمل کا تضاد اور یہ کفرانِ نعمت
فتیہ ہے اس عقیدے کا جس کو میں نے شفاعتِ مطلقہ اور شفاعتِ باطلہ سے تعبیر کیا ہے
اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدرت و مشیت اور عدل میں قطعاً شرک ہے۔

رہی باقی اُمت، تو اُس میں بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ اُن کا مبلغِ علم بس چند فقہی
مسائل تک محدود ہے اور وہ اگرچہ فرائض کی پابندی بھی کرتے ہیں لیکن معاملاتِ اخلاقیہ
اور اُن کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے بہت سے بلکہ بے شمار گوشے دین کی گرفت سے بالکل
آزاد ہیں۔ دماغ اس تل کی اوٹ میں بھی اسی شفاعتِ باطلہ کا پہاڑ اوجھل ہے!

بہت ہی قلیل تعداد ہو گئی، اُن خوش بختوں اور سعید لوگوں کی کہ جن کے منطقی حضور نے
فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ؟ "میری اُمت میں تا قیامِ قیامت ایک الیسا گروہ موجود
رہے گا جو حق پر قائم رہے گا اور حق کا داعی ہوگا" (ادکھا قال صلی اللہ علیہ وسلم!)
ایضاً کی طنز و تعریف | واقعی جس صورتِ حال کا میں نے بڑے دیکھ کے ساتھ ذکر
کیا ہے، اس کو دیکھ کر ہی تو محمدِ حاضر کے عظیم مغربی مفکر آجمنہانی جارج برنارڈشا نے کہا

تھا کہ ”یہیں جب قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانی مسائل کے حل کے لیے دنیا میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں اور جب مسلمان قوم کو دیکھتا ہوں تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس سے زیادہ پست اخلاق اور ذلیل و خوار قوم اور کوئی نہیں۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم | نسل اور دین کے قانونی تعلق کی بنیاد پر شفاعت و نجات کے غلط فہم

کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسالیب سے تردید فرمائی ہے۔ ان تعلیمات میں خصوصیت کے ساتھ وہ خطبہ ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے جو حضورؐ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں، ان میں سے دو کو بطور نمائندہ نام بنام مخاطب کر کے فرمایا کہ :

یَا خَاطِئَةُ بَنْتِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)	اے خاتمہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
وَالْقَذَى فَكُسِّدَ مِنَ النَّارِ	لخت جگر، اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچا
لَا أَهْلِكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا	کی فکر کرو اس لیے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے
يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ الْقَذَى	کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اور اے صفیہ!!
فَنَفْسِهِ مِنَ النَّارِ لَا أَهْلِكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ط	رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھوپھی اپنے
	آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو کیونکہ
	میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لہذا دینے والا ہے۔ غور کیجئے کہ جب نبی اکرمؐ اپنی نذر چشم اور اپنی بھوپھی رضی اللہ عنہما کو اللہ کی بچپٹ سے بچانے کے لیے مجبوری اور معذرت فرما رہے ہیں تو ہاں شا کس شمار و قطار میں آئیں گے !!

شفاعت اور نصوص قرآنی | قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر واضح طور پر حالات انہروی میں عمل والصفات کے لئے قواعد و ضوابط بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

ان میں سے پہلا ضابطہ نوکٹے کھٹے گفاد اور مشرکین کے لیے مقرر ہے، جن میں سے چند کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں جو بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے بیان فرمایا گیا تھا۔ اب چنانچہ اور: لیجئے۔ سورة الشعراء میں فرمایا کہ جب ”غَاوِیْن“ (راہِ حق سے ہٹنے والے مشرکین و کفار) کے لیے جہنم کھول دی جائے گی اور وہ اُس میں اُنڈے مٹھ مٹھ جھونکے جائیں گے تو وہ اپنے ان ٹیڈل اور معبودانِ باطل سے اجنب کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے، باہم جھگڑا کرتے ہوئے کہیں گے۔

تَا لَّهِ اِنْ كُنَّا لَنَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
 اِذْ نُسُوْنٰكُمْ فَرٰتِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَا
 اَصْلُنَا اِلَّا الْمَجْرُوْنُوْنَ ۝ فَمَا
 لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صٰدِقِيْنَ
 خدا کی قسم ! تم انہی کراہی میں تھے جب اتم
 کو خداوند عالم کا ہمسر ٹھہراتے رہے اور ہم کو تو
 بس مجرموں نے گواہ کیا ، تو اب نہ ہمارا کوئی
 سفارشی ہے اور نہ دلی دوست !

تَحْمِيْمٌ ۝ (آیت ۹ تا ۱۰)

سُوْرۃ المدثر میں فرمایا : فَمَا تَتَّغِعْهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ (آیت ۴۳) :-

ن (آخرت میں) شفاعت کرنے والوں کی کوئی شفاعت اُن (مشرکین و کفار) کو کوئی
 یہ نہیں دے گی !)

سُوْرۃ اعراف میں مشرکین و کفار کا وہ قول نقل ہوا ہے جو وہ آخرت میں انتہائی حسرت و
 اے ساتھ اوریشیانی کے طور پر کہیں گے کہ : فَهَلْ لَّنَا مِنْ شَفْعًا ؕ فَتَسْتَعُوْا لَنَا
 کیا اب ہمیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہماری سفارش کریں ؟)

پوری نوحہ انسانی کے لیے جن میں مشرک ، کافر ، منافق ، مومن سب ہی شامل
 - عَالَمِ الْاٰخِرُوْنَ میں عدل و انصاف کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جو منسلک بیان
 ہے میں اُن میں سے بھی چند کا ذکر مفید مطلب ہوگا۔

سُوْرۃ بقرہ میں آیت علیہ السلام میں اس ضابطے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا : لَهَا مَا
 بَنَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج (یعنی سابقہ امتیں جو گزر چکیں) اُن کو ملے گا جو کچھ انہوں
 یا اور تم کو ملے گا جو کچھ تم نے کمایا ! اسی سُوْرۃ مبارکہ میں آخری آیت ۲۸۵ کا آغاز
 لَفَاظ سے فرمایا : لَا يَكْفِيْكَ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْنَا
 نَحْسَبْتُ ط : (اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر ایک
 نے گا اور بھرے گا جو کرے گا !)

آخرت میں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا ، اور نفسی نفسی کا عالم طاری ہوگا کسی کا
 اٹھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے بیان ہوا
 چنانچہ سُوْرۃ النجم میں فرمایا :

وَ اَنْ تَقْسِيْ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا
 سَغٰى ۝ وَ اَنْ سَعْيًا يَمُوْفَ
 اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ
 جس کی اُس نے سعی کی ہے۔ اور یہ کہ اُس کی

یُورِیٰ ۝ ثُمَّ جُزِئَهُ الْجَوَارِ الْأَوْفَىٰ (آیات ۳۹ تا ۴۱) جزا اُسے دیدی جائے گی۔ پھر اُس کی پورا یہ مضمون کہ : لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی ۝ صیغوں کی غلطی سی تبدیلی کے ساتھ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ سورۃ الانعام میں بھی، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ النحل اور سورۃ الزمر میں بھی۔

شفاعتِ حق | جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا کہ شفاعتِ حق کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور شفاعتِ حق کا عقیدہ و نظریہ عین حق بلکہ جزو ایمان ہے۔ لیکن یہ شفاعت چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جس کا میں قدرے تفصیل سے آگے ذکر کروں گا۔ اس سے قبل میں جاہلوں کہ حکمتِ شفاعت کی کچھ وضاحت کر دوں۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے، وہ علام الغیوب ہے، وہ علیم ہے اور علی بھی کیسا علیم، کہ مَا كَانَتْ دَمًا يَكُونُ اور وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ کی شان کا حامل اُس کی عدالتِ اخروی میں حضرت آدمؑ سے لے کر تا قیام قیامت جتنے بھی انسان پیدا کئے گئے۔ وہ سب کے سب حساب کتاب کے لیے اپنے اپنے اعمال ناموں کے ساتھ حاضر ہوں۔ اللہ عزوجل اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ کون کیا کیا کر لایا ہے۔ کون سزا کا مستحق ہے اور کون جزا کا استحقاق رکھتا ہے اور کون ہے جو رعایت اور رحم و کرم کا مستحق ہے۔ چاہا تو اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر باغیوں کو، طاغیوں کو، سرکشوں کو، نافرمانوں کو، کافروں یا مشرکوں کو نائیبہم میں جھونکنے اور فرماں برداروں کو نیکو کاروں کو، مومنین صادقین و قائم کو جنت کے باغات میں داخل ہونے کا حکم صادر فرمادیں اور جو رعایت کے مستحق ہیں ان چاہیں تو اپنی شانِ ربی اور شانِ عقارتیت کے طفیل بخش دیں اور چاہیں تو اپنی شانِ قہارتیت اور شانِ غیوریت کا مظاہرہ فرمائیں اور ان کو بھی سزا کا سزاوار اور مہر ا دیں۔ چاہیں تو سب کو بلا حساب و کتاب معاف فرمادیں اور سب کو غلورِ جنت سے سرفراز فرمائیں اور چاہیں سب کو نارِ جہنم کا ایندھن بنانے کا فیصلہ صادر فرمادیں۔ چونکہ اُن کی توشان ہی یہ ہے کہ فَيَقِفُ يَمْنًا كَيْشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ عَذَابٍ مُّتَسَاوٍ اختیارِ مطلق کی جس پر کوئی تحدید نہ ہوا اِنَّ اَحْكَمَ اِلٰهٍ اِلٰهٌ کی اطلاقِ شان کا معنی یہی ہے **VE ABSOLUTE SOVEREIGNTY** اسی طرزِ عمل کا نام ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

يَا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ عَزَّ وَفَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ طے یہی الملاقی و مطلقہ شان ہے۔ وہ رب العالمین ہے، وہ مالک الملک ہے، وہ العزیز الجبار المتکبر ہے۔ اپنے بندوں، اپنے غلاموں اور اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے۔ یہی بات جو آخرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے: اَحْسَنَ رَبِّكُمْ فَاَتَكْفُرُ مَا تَدْعُوْنَ تَعْفِرُ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ سورہ مائدہ آیت ۱۸) لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ اس آیت کریمہ میں اس کی صفت مزید کے ساتھ ساتھ صفت الحکیم بھی بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر العزیزیم کی صفات ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ یعنی وہ تہاں العزیز (ذہر دست و غالب) و مالک الملک بھی ہے اور اُس کی حکمت ہی کے مقصنات میں یہ بات بھی شامل ہے۔ وہ اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر فیصلے صادر فرمانے کے بجائے ہر انسان کے اعمال و افعال پر اور ارادوں کا محاسبہ فرمائے، اس پر شہادتیں گزارے، اس کو صفائی کا پورا قدر عنائت فرمائے، ان پر قطع عذ فرمائے۔ وہ العادل، المنصف، الرؤوف الرحیم ہے۔ لہذا ان صفات کا آخرت میں بھرپور ظہور ہوگا۔ عدل و انصاف اس کی شاہدیت ہے۔

آیت کے لوازم میں سے ہیں۔ اس کے لیے بطور دلیل سورہ قلم کی یہ آیات کافی ہیں۔

اَفَتَحْتَسِبُ الْمُسْلِمِينَ كَالْجَاهِلِيَّةِ ۚ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝

کیا تم فرماؤ کہ مسلمانوں کا حال (انجام کار کے لحاظ سے) مجرموں جیسا کر دیں گے؟ تم کس عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے (ناروا) حکم لگاتے ہو؟

(آیت ۳۵-۳۶)

معاذ حق کے شرائط و لوازم | شفاعت دراصل ایک اعزاز و اکرام ہے جس سے وہ اپنے اُن محبوب بندوں کو سرفراز فرمائے گا جو منعم علیہم کے درجے میں مل ہوں گے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور اس طاقت کے خلیل و سردار ہیں شافعِ محشر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے ان محبوب و اولیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ جس کے حق میں جی چاہے سفارش کریں گے، وہ کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو۔ تو یہ عقیدہ اور نظریہ نہ صرف ان عباد الرحمن کا سونہرے بے بلکہ اُن کی شان میں گستاخی ہے۔ لہذا ایسی بے سرو پا سفارش کا احکم الحاکمین

کی عدالت میں پیش کرنے کا عقیدہ و تصور سراسر غلط و گمراہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شفاعت رد کر دی جائے گی اور یہ استدلال ان عباد الرحمن کی سبکی بلکہ ایمان کا باعث ہو گا۔ جبکہ میں نے عرض کیا کہ شفاعت تو دراصل اعزاز و اکرام ہے، مقام شرف و عزت ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں شفاعت کا ذکر فرمایا ہے یہاں یا اللہ اور لمن ارزقنی کی شرط لگا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کامل اور علم قدیم میں جو لوگ رعایت کے مستحق ہیں اور جن کو تبارک و تعالیٰ معاف فرمانے کا فیصلہ پہلے ہی فرما چکا ہے ان فیصلوں کے اعلام (DECLARATION AND ANNOUNCEMENT)

قبل اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ نیکو کار، محبوب بندوں (انبیاء، صدیقین، شہداء صالحین) کو شفاعت کی اجازت دیں گے اور وہ شفاعت قبول کی جائے گی۔ نیز میری صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شفاعت کبریٰ سے سرفراز فرمایا جائے گا کہ جو لوگ اپنی بد اعمالی کی وجہ سے جہنم میں سزا میں گرفتار رہے ہیں، ان میں جن لوگوں کے دل میں ذرہ لٹتی ہوئی ایمان ہے ان کو شافع مشرک کی شفاعت پر جہنم سے نجات ملے گی اور میری جہنم ہمیشہ کے لیے بند کر دی جائے گی جیسا کہ خبری صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے لیکن دیکھئے کہ جہنم وہ جگہ ہے جس کے لیے سورۃ الفرقان میں فرمایا کہ لَا تَجْعَلُ لَهَا فَوْفَ عَذَابٍ وَ مَقَامًا جہنم مستقل جائے قرار اور عارضی قیام دونوں اعتبارات سے بہت بڑا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَجْعَلْنَا مِنَ النَّارِ

اس مقدمے کے ساتھ سب سے پہلے تو اس شفاعت کا ذکر کرنے سے جو آیت میں وارد ہوئی ہے، جس آیت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تمام آیات ستر تاج قرار دیا ہے۔ اس آیت کریمہ و عظیمہ کے درمیان میں شفاعت کا ذکر ان میں فرمایا،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ مَا فِي الْأَرْشِ
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ
إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا حَبِطَ
أَعْيُنُهُمْ فَمَا خَبَّ كُمْ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب
بلکہ (جو اللہ الٰہی القیوم ہے) کو
اُس کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر
شفاعت (سقاوش) کر سکے گا وہ

(آیت ۲۵۵) جو کہ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے

پیچھے ہے۔

اس آیت میں جو استثنائی اِلاّ آیا ہے وہ قیامت کا اِلاّ ہے کہ اس استثناء نے توحید اور ایمان اور اعمالِ صالح و حسنات کو شرک و کفر اور بد عملی و سنیات سے بالکل متمیز کر دیا اور اس خام خیالی کی تردید کر دی کہ اللہ کی عدالت میں کوئی بھی اپنے مقام و مرتبہ، اپنی حیثیت، اپنی قوت، اپنی وجاہت اور اپنی مشیت (ارادے)، کسی بھی اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو بدلو سکے۔ اس مضمون و مفہوم کو سورۃ الانبیاء میں یوں بیان فرمایا :

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ
وَلَهُمْ مِنْ حَشِيَّتِهِ مَشْفِقُونَ ۝
(آیت ۲۸)

وہ (اللہ) ان کے آگے اور ان کے پیچھے جو کچھ ہے، سب سے باخبر ہے اور شفاعت نہیں کرے گی مگر اُس (اللہ) سے ڈرتے ہوئے صرف اُس کے لیے جس کے لیے وہ (اللہ) پسند فرمائے !

اس آیت کے سیاق میں اہل کتاب (یہودی، عیسائی) کے شفاعتِ باطلہ کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پیچھے بھی جو رسول گئے اُن کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس صرف میری ہی ہدایت کرو۔ اہل کتاب اللہ شریکین مانتے تھے ہیں کہ خدائے رحمن کی اولاد ہے انہوں نے غلاموں کے رسولوں اور نبیوں کو اللہ کی اولاد قرار دے دیا ہے۔ اللہ ان باتوں سے بہت اعلیٰ اور رفیع ہے۔ بلکہ سارے انبیاء و رسل خدا کے مقرب بندے ہیں۔ وہ اُس کی عدالت میں بات میں پہل نہیں کرتے، وہ بس اُس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں : وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ اَنْ لَا يَدْعُوْا مَعَ الْاِلٰهِ اِلٰهًا اٰنَا فَاعْبُدْنِيْ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَ مَا يَكُوْنُ لَكُمْ مِنْ اَعْيُنٍ لَا تَبْصُرُوْنَ بِالْقَوْلِ ۝ وَلَهُمْ اَبْنَاءٌ بِمِثْرِ عُرْسِكُمْ ۝ لَا تَسْبِقُوْهُ بِالْقَوْلِ ۝ وَلَهُمْ اَبْنَاءٌ بِمِثْرِ عُرْسِكُمْ ۝ (آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷)

اُس کے بعد وہ اٹھ بیسویں آیت ہے جس میں شفاعت کا یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ شفاعت صرف اُس کی اجازت اور مرضی سے ہوگی اور اُن ہی کے حق میں ہوگی جن کا

حق میں توجہ شفاعت قبول فرمانے کا پہلے ہی فیصلہ فرما چکا ہوگا۔

شفاعت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ | آیت الکرسی اور سورہ انبیاء میں شفاعت کے لئے کہ
کے علم کامل کا ذکر — !! کے بعد اور پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل کا جو ذکر

فرمایا کہ: **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ**۔ تو اُس کی حکمت بھی سمجھ لیجئے۔ خدا
کا علم کامل ہے اور ہر غلطی سے مُنترہ ہے۔ اُس کی جناب میں کسی کو از خود سفارش کیلئے
زبان کھولنے کی جسارت کا مطلب تو یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ اس شخص کے بارے میں خدا کو پوری
آگاہی نہیں ہے اور وہ اپنی سفارش سے اُس کی معلومات میں اضافہ یا اُس کی معلومات کی
اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ ماضی و مستقبل کے پورے
حالات سے باخبر ہے۔ وہ اللطیف الخبیر ہے۔ چنانچہ سورہ طہ میں بھی اس بات کو واضح
کیا کہ **عِلْمُ الْإِلَهِیِّ وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ** ماسوا کا علم محض عطا ہی نہیں بلکہ محدود بھی ہے۔
يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا
مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ
لَهُ قَوْلُهُ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا
شَاءَ (طہ آیات ۱۰۹-۱۱۰)
اس (قیامت کے) دن کسی کو کسی کی شفاعت
کچھ نفع نہ پہنچائے گی۔ مگر جس کے لیے خدائے
رحمن اجازت دے اور اُس کے لیے کوئی ت
کہنے کو پسند کرے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے
بیچہ اودان کے آگے ہے اور ان کا علم سر
احاطہ نہیں کر سکتا۔

شفاعت کے لیے اذن اور رضائے باری تعالیٰ کی شرائط سے متعلق میں چاہتا ہوں
کہ چند آیات مزید پیش کر دوں تاکہ مسئلہ مزید واضح ہو جائے۔

اور اللہ کی عدالت میں کوئی شفاعت بھی نہ
نہیں پہنچا سکتی۔ سوئے اُس شخص کے حق پر
جس کیلئے اللہ نے شفاعت کی اجازت دیا،
(سورہ سہاء (آیت ۲۳))

سورہ نجم کی آیت کا پہلے بھی حوالہ دے چکا ہوں ایک بار پھر اُس کو سن لیجئے، فرمایا۔

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ
لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ
اٰن يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَن يَشَآءُ وَيُخَيِّرُ
اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں
کی شفاعت کچھ بھی نہیں آسکتی۔ جب تک کہ
اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اجازت نہ دے
بقیہ ص ۱۸

ریکٹر

میر تقی علیہ السلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تحریر
جو 'میشاق' بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی :

مولانا ابوالکلام آزاد۔ جمعیت علماء ہند

آدر

نعت شیخ الہند مولانا محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ

’میشاق‘ بابت اکتوبر نومبر ۱۹۷۵ء کے تذکرہ دومبرہ کے صفحات میں جو ایک
تحریر راقم الحروف کے قلم سے شائع ہوئی تھی اس میں اس ”جمہیتہی احیائی عمل“ کے جائزے
سلسلے میں جو اس وقت پورے عالم اسلام میں جاری ہے، قومی تحریکوں کے ذریعے حصول
نی اور علمائے کرام کے دفاعی رول کے ذکر کے بعد عرض کیا گیا تھا:

”اس ”جمہیتہی احیائی عمل“ کا تیسرا اور اہم ترین گوشہ وہ ہے جس میں وہ جماعتیں اور
بہربرکار ہیں جو قائم ہی خالص احیائی مقاصد کے تحت ہوئیں اور جنہیں اب اس احیائی
کے اعتبار سے گویا مقدمۃ الجیش کی حیثیت حاصل ہے۔ مختلف مسلمان ممالک میں ایسی
تیں اور تنظیمیں مختلف ناموں کے تحت کام کرتی رہی ہیں لیکن سہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح
ہم“ اور ”سہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں ”مدم“ کے مصداق ان کی حیثیت ایک ہی تحریک
نت کام کرنے والی مختلف تنظیمیں ہیں تو کی ہے۔

ان جماعتوں میں سے اگرچہ ایک دور میں جوش اور جذبے کی شدت اور اثر و نفوذ کی
یکے اعتبار سے مصر کی ”الاخوان المسلمون“، توجہات اور امیدوں کا مرکز بن گئی تھی لیکن واقعہ

یہ ہے کہ حیاتی عمل کے اس گوشے میں بھی اصل اہمیت برصغیر ہندوپاک ہی کو حاصل ہے۔

برصغیر میں اس تحریک احیائے دین کے مؤسس، اولین اور داعیِ اول کی حیثیت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو حاصل ہے جنہوں نے اس صدی کے بالکل اوائل میں ’الہلال‘ اور ’ابلاغ‘ کے ذریعے ”حکومت الہیہ“ کے قیام اور اس کے لئے ایک ”حزب اللہ“ کی تاسیس کی پُرزادِ دعوت پیش کی۔ مولانا کے مخصوص طرزِ نگارش اور اندازِ خطابت نے خصوصاً تحریکِ خلافت کے دوران ان کی شہرت کو برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا اور ان کی دعوت لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ لیکن اس کے بعد خلا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس سبب سے انہوں نے اس عظیم مشن کو خیر باد کہہ کر انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی اور باقی پوری زندگی پوری یکسوئی اور کمالِ مستقل مزاجی کے ساتھ ہندوستان کی نیشنلسٹ سیاست کی نذر کر دی۔

مولانا کی زندگی کے اس عظیم انقلاب کے ممکن اسباب میں ان کی حد سے بڑھی ہوئی ذہانت کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ عرصے روشنی طبع تو برہن بلا شد ہی! مولانا بلاشبہ عبقری تھے اور عبقری انسان زیادہ عملی نہیں ہوتا کرتے۔ اس کا کچھ سراغ ان کے اس جملے میں بھی ملتا ہے کہ ”ہم ایک وقتِ کلیم زہد اور دلئے زندگی اور طعنہ کے جرم کے مرتکب ہیں۔“ اور ایک خیال جو زیادہ قرین قیاس ہے یہ بھی ہے کہ مولانا کی حیثیت ایک سکتہ بند اور مستم عالمِ دین کی نہ تھی اور اس وقت تک مسلمانانِ ہند پر علماء کی گرفت بہت مضبوط تھی لہذا مولانا کو یارِ استہ بند نظر آیا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس کا حاصل یہ ہے کہ دس سال کے عرصے میں اپنے پیش نظر مقصد کے لئے تہیہی مراحل کی تکمیل کے بعد اپریل ۱۹۲۲ء میں مولانا نے دہلی میں منعقدہ جمعیتِ علمائے ہند کی کانفرنس میں منفی کفایت اللہ مرحوم اور مولانا احمد سعید مرحوم کے تعاون سے اگلا قدم اٹھانے کی سکیم بنائی۔ چنانچہ پہلے خود انہوں نے تقریر کی اور اچھے خوش خطابت سے حاضرین کے جذبہ عمل کو ابھارا ہی نہیں لگا دیا۔ اور پھر مولانا احمد سعید صاحب نے تقریر کی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی رحلت کے بعد سے مسلمانانِ ہند کی قیادت کی مسند خالی ہے۔ اور اب جو مرحلہ

ملے ’الہلال‘ کا اجرا غلامی میں تھا تھا!

یس ہے اُس میں شیخ الہند، سے بھی بڑھ کر امام الہند کی عزت ہے۔ اب غور کرو اور
 کے لئے کسی موزوں شخص کو تلاش کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اور جدوجہد کا آغاز کرو۔
 اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی مطلوب تھا۔ چنانچہ علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری اٹھے
 انہوں نے براہ راست مولانا آزاد کو خطاب کر کے ان الفاظ سے اپنی تقریر کا آغاز کیا کہ
 یاز قلد خود بشناس! جس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پوری تقریر میں کیا کچھ ہو
 بہر حال اس سے دل شکستہ اور دل برداشتہ ہو کر مولانا اس کام ہی سے دست کش
 ہوئے اور اس کے فوراً بعد ہی انہوں نے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی!“

اس پر ہمیں محترم احمد حسین کمال صاحب کا درج ذیل مکتوب ملا، جس کا آغاز تو نہایت

ڈاکٹر کمال صاحب غائبانہ تعارف تو راقم الحروف کو کچھ پہلے سے بھی حاصل تھا۔ لیکن بالمشافہ ملاقات ان
 ۶۹ء میں ہوئی جبکہ پاکستان کی سیاسی فضا میں بڑی گرما گرمی تھی اور داییں اور بائیں بازو کے
 ان کچھ کاغذی اور کچھ حوائی جنگ بڑے زور شور کے ساتھ جاری تھی۔ جس میں دو موصی بہت سے
 متقابلین کے شائبہ ساز جماعت اسلامی اور بحیثیت علماء اسلام کے مابین بھی موعرکہ آرائی
 رہی تھی۔ موصوف اس زمانے میں بحیثیت کے ہفت روزہ آرگن ترجمان اسلام کے مدیر تھے۔
 با بحیثیت کے پالیسی بنانے والے حلقوں میں بھی غصے و خیل تھے۔ بہر حال ان سے مل کر اندازہ
 مذہب سے تو ان کا تعلق کچھ واجب اور روایتی سا ہی ہے البتہ وہ ایک نئے سیاسی کارکن
 پنر سوشلسٹ در کریں گے کہ راجی مستقل ہو گئے اور بحیثیت اکا دمی کے نام سے کچھ کرتے ہیں
 نے شائع کیں جن میں سے ایک مولانا آزاد مرحوم کی سیاسی بصیرت سے متعلق بھی تھی۔ راقم سا
 تھا کہ یہ اکا دمی بحیثیت علماء اسلام ہی کا کوئی ذیلی ادارہ ہے لیکن پچھلے دنوں راجی جانا بہا تو بڑی
 جس جو ستھو سے راقم کو رنجی لگای میں ڈاکٹر صاحب کے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ اگرچہ ملاقات کلرٹن
 سل دہر ساتا ہم یہ صلحہ کر کے کچھ حیرت بھی ہوئی اور کسی قدر دکھ بھی ہوا کہ نہ صرف وہ خود بلکہ ان کے
 برکلاں بھی مدعی سفارت خانے کے کسی ذیلی ادارے میں ملازم ہیں۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ خیال
 آیا کہ ”پہنچی دیں یہ خاک جہاں کا غیر تھا!“ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہماری اس
 نئی ٹوٹی ٹکڑا نہ منائیں گے!

مشفقانہ ہے لیکن اختتام اُسی قدر متحدیانہ (CHALLENGING) ہے۔ ۱۔

وہ مکرم و محترم، ڈاکٹر امجد احمد صاحب، سلام و تحنہ
آپ کا موقر ماہنامہ و میثاق، گاہے بگاہے موصول ہوتا رہتا ہے۔ میں اس کے لئے آپ
نہایت ممنون ہوں۔

میں ہمیشہ آپ کے مضامین بغور پڑھتا ہوں اور آپ کے دینی جذبہ کی تعریف کئے بغیر نہیں
رہ سکتا ہوں۔

تاہم آپ کے انکار اور آپ کا طریق تعلیم، ابتدائی دور کی، جماعت اسلامی، اور مودودی
صاحب کے انداز کا سا ہے اور اس کے نتائج و مراحل کے بارے میں بہت سے اندیشے سامنے
آجاتے ہیں۔

لیکن فی الحال میرا ارادہ اس سلسلے میں کسی تبصرہ اور تنقید کا نہیں ہے۔ بلکہ اس عرصہ
کا مقصد آپ کی توجہ، آپ کی ایک حالیہ تحریر کی طرف مبذول کرنا ہے۔ جو ماہنامہ ”میثاق“
نومبر ۱۹۷۷ء میں مذکورہ تبصرہ کے زیرِ عنایت شائع ہوئی ہے۔

آپ کے اس طویل مقالہ کے بہت ہی مقامات ایسے ہیں جو قابلِ گفتگو ہیں۔ لیکن یہاں میں
صرف ایک مقام کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ جو ”میثاق“ کے اس پرچہ کے صفحہ ۲۹
پر ہے اور حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ سے متعلق ہے۔

آپ نے محرم پرہ فیبر ۱۹۷۷ء میں سب سے پہلے اس صاحب کے حوالہ سے جو واقعہ جمعیت علماء اسلام کے اجلاس
منعقدہ، دہلی، اپریل ۱۹۲۲ء کے بارے میں لکھا ہے میں اس کے بارے میں عرض کرنا
چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ ایک تاریخی واقعہ کی تصحیح فرمائیں۔
جمعیت علماء ہند ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی۔

پہلا اجلاس، امرتسر میں ہوا، اور پہلے صدر مولانا عبدالباقی خاں علی شہب ہوئے
دوسرا اجلاس ۱۹۲۰ء میں دہلی میں ہوا، اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اس کے
صدر تھے۔

تیسرا ۱۰ اجلاس ۱۹۲۱ء میں لاہور میں منعقد ہوا، مولانا ابوالکلام آزادؒ کے صدر تھے۔

اس سال اپریل میں مولانا آزاد گرفتار کر لیے گئے۔
 قولِ فیصل کے نام سے ان کا مشہور تاریخی بیان اس گرفتاری کے بعد ہی علی پور
 کلکتہ کی جیل میں عدالت کے سامنے دیا گیا تھا۔

چنانچہ ۱۹۲۲ء میں، مولانا جیل میں تھے، دوسرے یہ کہ ۱۹۲۲ء کے جمعیتہ علماء اسلام
 کا اجلاس، دہلی میں نہیں، گیا، صوبہ بہار میں منعقد ہوا تھا۔ اور مولانا آزاد کی گرفتاری
 پر، احتجاج کا ریزولیشن پاس کیا گیا تھا۔ نیز مولانا کو مبارک باد کا تار بھی بھیج
 گیا تھا۔

اس اجلاس کی صدارت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی نے کی اور اس
 سال کے جمعیتہ علماء اسلام کے صدر بھی مولانا حبیب الرحمن صاحب ہی تھے۔ اس تفصیل
 سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا آزاد اور مولانا معین الدین اجیری سے منسوب
 ”میشاق“ میں ذکر کردہ اس واقعہ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

مجھے عزم کرنا پڑتا ہے کہ، مولانا آزاد کے معاملہ میں بعض حلقوں کے احساس کمتری
 نے بہت سے خاندان ساز جھوٹ تراشے ہیں، یہ بھی منجملہ ان کے ایک ہے۔

۱۹۲۲ء میں نہ تو جمعیتہ علماء اسلام کا اجلاس دہلی میں ہوا، نہ مولانا اس سال
 تید ننگ سے آزاد تھے

پھر جہلا اس سارے افسانہ کی کیا حقیقت ہے۔ پتہ نہیں پروفیسر یوسف
 سلیم چشتی صاحب ننگ یہ روایت کن صاحب نے پنچائی۔

کانگریس میں حضرت مولانا آزاد کی شمولیت کسی رد عمل کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ان کے
 دینی اور سیاسی پروگرام کا ایک جز تھی۔ اس موضوع پر میں تفصیل سے روشنی ڈال سکتا
 ہوں۔ مگر ابھی صوف اتنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

اگر آپ کی حق پسندی اجازت دے تو ”میشاق“ کی آئندہ اشاعت میں ان
 سطور کو شائع فرما دیجئے۔

بہر حال میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔
 والسلام کمال

اس خط کی وصولی پر راقم نے سب سے پہلے تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ مضمون میں عداوت کے ساتھ راوی کا نام بھی درج کر دیا گیا تھا۔ اور وہ بفضلہ تعالیٰ ابھی تہذیبیات میں پھر چرچہ پر وفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب سفر کراچی سے واپس آئے تو معاملہ ان کے سامنے دکھ دیا۔ لیکن انہوں نے صرف یہ مزید وضاحت کر کے کہ مجھے یہ واقعہ مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم کے بڑے بزرگ مولانا عبدالحامد بدایونی نے سنایا تھا اور وہ اس اجتماع میں بنفس نفیس موجود تھے کہہ کر جان چھڑائی کہ ہو سکتا ہے کہ سن کے بارے میں میری یادداشت نے غلطی کی ہو، بھرا میسے پاس ان باتوں کی تحقیق و تفتیش کے لئے وقت نہیں ہے! ”

چشتی صاحب تو یہ کہہ کر فارغ ہو گئے لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے لئے یہ معاملہ اتنا غیر متعارف نہ تھا۔ چنانچہ خود شروع ہوا کہ اس سلسلے میں کس سے رجوع کیا جائے۔ اولاً ذہن مولانا حامد میاں صاحب کی جانب منتقل ہوا کہ وہ مولانا محمد میاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ جمعیت علماء ہند کی اہم شخصیتوں میں سے ہیں۔ چنانچہ ان سے رجوع کیا گیا لیکن معلوم ہوا کہ وہ اس پرے معاملے سے بالکل بے خبر ہیں۔

ایک ذہن جماعت اسلامی کے بزرگ رکن اور مشہور صحافی ملک نضر اللہ خاں کی طرف منتقل ہوا۔ موصوف کے بارے میں کبھی یہ بات سننے میں آئی تھی کہ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ موصوف اب بہت ضعیف بھی ہیں اور بالکل گوشہ گیر بھی، ان سے ان کے فرزند اکبر ملک نضر اللہ خاں صاحب کی وساطت سے رابطہ قائم کیا جن سے راقم کو اسلامی جمعیت طلبہ کے نذرانے سے نیاز حاصل ہے، تو کچھ امید افزا صورت نظر آئی۔ چنانچہ ان کی خدمت میں باقاعدہ حاضری دے کر معلومات حاصل کیں۔

ملک صاحب نے صرف اس کی توثیق فرمائی بلکہ یہ بھی بتایا کہ ۱۹۷۱ء میں وہ گونڈہ جیل میں مولانا آزاد کے ساتھ ہی نظر بند تھے۔ اور وہیں نذر جان القرآن، کی جلد اول کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں اشتراک عمل طے پایا تھا۔ ملک صاحب نے مزید بتایا کہ بعد میں جب جماعت اسلامی قائم ہوئی اور ملک صاحب اس میں شامل ہو گئے تو ڈاکٹر نذیر احمد الہ آبادی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو جماعت کا ایلچر بنایا اور ملک صاحب بھی اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انہوں نے فرمایا: ”کام تو درست ہے۔ لیکن میں مودودی صاحب کی صلاحیت اور استعداد سے واقف نہیں ہوں۔ مزید برآں اگر میں جماعت میں شامل ہوں تو ظاہر ہے کہ پھر پروگرام

صاحب نے فرمایا :

۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء ہند کا جو اجلاس بریڈلا ہل لاہور میں ہوا تھا اس موقع پر یہ خبر گرم تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر سعیت کی جائے گی۔ لیکن بعد میں کچھ نہ ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ اندرون خانہ دیوبندی علماء میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی اور فیروزیوبندی علماء میں سے مولانا معین الدین اجمیری نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی تھی اور :

مزید برآں، ملک صاحب نے اس کی بھی توثیق فرمائی کہ مولانا عبدالماجد دہلوی بھی اس اجلاس میں موجود تھے !

اس سے اصولی طور پر تو حقیقتی صاحب کی روایت کی تصدیق ہو گئی تاہم ابھی مزید تحقیق ل تحت الشعور میں موجود تھا کہ ایک خاص ضرورت سے کراچی میں مولانا منتجب الحق نے جی کی خدمت میں حاضری کا موقع ہوا تو اچانک ذہن ادھر منتقل ہوا کہ مولانا موصوف کو نامعین الدین اجمیریؒ کے تلمیذ رشید کی حیثیت حاصل ہے چنانچہ ان سے بھی مسائل بحث کے متعلق استفسار کر دیا گیا۔ سو اباً مولانا نے باقاعدہ اِملاکرایا کہ :

”مولانا معین الدین اجمیریؒ نے بغیر تاریخ اور سن کے ذکر کے تذکرہ فرمایا کہ کسی امام الہند ماننے کی تجویز زیر غور تھی۔ اس کے لئے پہلے سے خط و کتبہت بھی چل رہی تھی، انہاں جامع مسجد دہلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں تمام علماء ہند جمع ہوئے اور اس موضوع نہایت زوردار تقریریں ہوئیں اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا مولانا آزاد کی تقریر گویا فتوہ آخر کا درجہ رکھتی تھی جس سے تمام حاضرین مسحور سے ہو گئے اور یہ آوازیں بھی بلند ملے سمیتہ علماء ہند کے اس اجلاس کا ذکر ڈاکٹر شیر بہادر پٹی کی ایک حالیہ تالیف افادات مہرا میں دو طرح آیا ہے :

(دیکھیے چوکھٹہ برصغیر)

مولانا گراچی یونیورسٹی میں ڈین آف دی فیکلٹی آف تعلیمات ہیں راقم کو ۶۸-۶۹ میں ایم اے اسلامیات و تعلیم کی سلسلے میں مولانا سے مشرف تلمذ حاصل ہوا تھا۔ ان کی خدمت میں مذکورہ حاضری دوسری سالانہ قرآن کانفرنس کے سلسلے میں ہوئی تھی !

ہوئیں کہ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ بیعت کرتے ہیں! اس پر میں نے صدر جلسہ سے صرد پانچ منٹ کچھ کہنے کے لئے مانگے جو بہت مشکل سے اس شرط کے ساتھ ملے کہ پچھٹا منٹ کسی صورت نہ ہونے پائے۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ علماء کے اس موقع اجتماع پر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور صرف اشارہ کافی ہے۔ میں جلد علماء کی توجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آپ نے حج سے واپسی پر اس قسم کا چرچا سن کر کی تھی کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کا انتقال ہو تو ہم فوراً اور دفعۃً فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمان ابن عوف کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں اور پھر فرمایا کہ ”فَلْتَنَبِئْهُمْ بِمَعْتَبَرٍ“ اس کے حق میں کبھی مفید نہیں ہوگی۔ اگر لوگ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے استدلال کریں گے تو بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کریں گے اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ واحد شخصیت ہیں جن کے لئے اس قسم کی بیعت خالی از معترت تھی۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسا موجود نہیں ہے۔ میرے اس توجہ دلانے پر جلسے کا رنگ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ میری تائید میں مولانا انوار صاحب نے ایک نہایت غامض اور دقیق تقریر فرمائی اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی یہ تائید کی اگرچہ اس سے پہلے وہ اصل تجویز کی تائید میں تقریر کر چکے تھے!“

مزید برآں مولانا منتجب الحق صاحب قادری نے یہ بھی فرمایا کہ ”جہاں تک مجھے پڑتا ہے مولانا نے اس اجلاس کی صدارت کے ضمن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا ذکر فرمایا تھا!“ — اور یہ بھی فرمایا کہ ”میں نے اس موضوع پر ایک خط کی نقل نصیر علیاں پاس دیکھی ہے جو مولانا نے عبدالباری فرنگی محلی کے نام تحریر فرمایا تھا!“

گویا راقم کے سمند شوق کو ایک اور ایٹر لگ گئی، چنانچہ کشاں کشاں حکیم نصیر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے متذکرہ بالا خط کی فوٹو سٹیٹ کاپی حاصل کی جس کی عبارت حکیم نصیر الدین صاحب مالک نظامی دو خانہ، صدر کراچی فرزند مولانا حکیم نسیم الدین مرحوم بابا خور مولانا معین الدین اجمیریؒ۔

یعنی کسی جنگی اور جذباتی مضامین دفعۃً اور جانگ کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔

سچ ذیل ہے :

وہ از دارالخیر، اجیر

۲۷ ستمبر ۱۳۲۷ھ

مرجع انام حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

والا نامہ نے عزت بخش، سابق والا نامہ چونکہ جناب طلب نہ تھا اس وجہ سے تاریخ مقررہ آنخندم کو ذہن میں رکھ کر عینہ حاضر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ ۵، ۶ محرم الحرام کے بعد حاضر خدمت ہو کر آنخندم کی ہمرکابی میں پنجاب روانہ ہو جاؤنگا۔ یہی ارادہ اب بھی ہے۔ اطلاع عرض کیا گیا۔ لیکن دہلی کے جلسہ جمعیتہ العلماء کی شرکت نے اس سفر میں ایک جدید مانع پیش کر دیا کیونکہ اس کی تجویز کے مطابق ۱۷، ۱۸ ستمبر کو جلسہ منعقدہ قرار پایا ہے۔ اس میں منبغی فتویٰ و مسئلہ امامت پیش ہوگا جس کی طرف جناب مولوی ابراہیم صاحب کو بعد رجحان ہے۔ چونکہ ان کو اس مسئلہ سے زیادہ دلچسپی ہے اس وجہ سے خالی الذہن علماء ان کی تقریر سے متاثر ہوئے اگر منجانب فقیر اس کے انوار کے متعلق مختصر و جامع تقریر نہ ہوتی تو کچھ عجیب نہ تھا کہ حاضرین علماء اسی وقت اس مسئلہ کو طے کر دیتے۔ اس وجہ سے علماء دہلی کا یہ خیال ہے کہ فقیر خصوصیت کے ساتھ اس جلسہ میں شریک ہو۔ ادھر جناب مولوی شوکت علی صاحب نزاع رنگون کے متعلق زور دے رہے ہیں کہ فقیر جلسہ سے جلد وہاں پہنچکر ان نزاعات کا تقصیر کر لے جن کی وجہ سے وہاں کی کمیٹی خلافت کا وجود خطرہ میں ہے۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں جاؤں اور کس سفر کو پہلے اختیار کروں۔ اس کے متعلق امروز و فردا میں آنخندم کی خدمت میں عینہ حاضر کرنے والا تھا کہ نفع والا نامہ نے شرف بخشنا مناسبت معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں عرض حال کر دیا جائے۔ جو آنخندم کی رائے ہوگی اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے بالکل تیار ہوں۔ فقط

فقیر معین الدین کان اللہ !!

مندرجہ بالا شواہد اور قرائن کی بنا پر نفیس مسئلہ تو بالکل طے ہو گیا یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کے لئے امام الہند کے خطاب اودان کے ہاتھ پر بیعت کی تجویز اور پھر اس کے ناکام رہ جانے میں مولانا معین الدین اجمیری کا خصوصی حصہ تو بلا شائبہ ریب و شک ثابت ہو گیا۔ البتہ مختلف ردائوں کی جمع و تطبیق اور کچھ دوسرے قرائن و شواہد کی روشنی میں جو صورت سامنے آتی ہے وہ غالباً کچھ یوں ہے:-

۱۔ یہ مسئلہ سب سے پہلے جمعیت العلماء ہند کے اُس دوسرے اجلاس میں زیر بحث آیا جو دہلی میں ۱۹۲۷ء ربیع الاول ۱۳۴۶ھ (مطابق نومبر ۱۹۲۶ء) حضرت شیخ الہند کے زیر صدارت منعقد ہوا اور جس کے تقریباً دس ہی بھائی کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور اُسی موقع کی روایت ہے جو مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا منتقب الحق صاحب کو لکھی تھی اور انہوں نے راقم کو اطلاع کرائی۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ذات زیر بحث نہیں آئی تھی بلکہ صرف اس اصولی اعتراض پر کہ ایسے اہم معاملے پر فیصلہ اچانک نہیں کر لیا جانا چاہئے تجویز زیر غور پر فیصلہ ملوئی کیا گیا تھا تا کہ مزید مشورہ بھی ہو سکے اور سوچ بچار بھی!

۲۔ فطری طور پر اس کے بعد یہ معاملہ بحث و محیص اور خط و کتابت کا موضوع بنار ہا ہو گا تا آنکہ جمعیت کا وہ تیسرا اجلاس سربراہ اپنچا جولاہو میں نومبر ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوا۔ چنانچہ بعض دوسرے امور کے علاوہ خاص اس مسئلہ پر بھی حتمی فیصلہ کر لینے کے لئے مجلس منتظمہ کا وہ اجتماع ۱۸ یا ۱۹ ستمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں منعقد ہونا طے پایا جس کا ذکر مولانا معین الدین اجمیری نے اپنے مکتوب بنام مولانا عبدالباری فرنگی جلی محترمہ ۲ ستمبر ۱۹۲۸ء میں کیا ہے۔ _____ اعلیٰ ایہی وہ اجلاس ہے جس میں وہ واقعہ پیش آیا جس کی روایت

مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم کی وساطت سے مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کو اودان سے راقم کو لکھی۔ اور درج ذیل معنی میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہی وہ موقع تھا جہاں امام الہند کے عظیم در فیض منصب کے لئے جس شخص کا نام تجویز کیا جارا ہا تھا اس کی ذات لا محالہ زیر بحث آئی اور اس سلسلے میں جو کچھ مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں مولانا معین الدین اجمیری نے کہا ہو گا اس کا کسی قدر اندازہ ان کے اُس ایک جملے ہی سے بخوبی ہو جاتا ہے جو

لہ بالا خط میں موجود غلطی یعنی ”اس میں ضبطی فتویٰ اور مسئلہ امامت پیش ہوگا جس کی رت جناب مولوی ابوالکلام صاحب کو بے حد رجحان ہے“ اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ بحث کی گرامر می میں مولانا معین الدین امجیری نے مولانا ابوالکلام آزاد کو براہ راست خطاب کر کے کہا ہو کہ ”ایاز قدر خود لبشناس!۔ کہاں تم اور کہاں یہ رفیع و عالی منصب! تم ایسے نو عمر مولانا آزاد مرحوم کی عمر اس وقت کل ۳۳ برس تھی! کو تو اکابر علماء کی موجودگی میں زبان کھولنا بھی مناسب نہیں! رہا تمہارا علم و فضل تو اس کا بھانڈا ابھی چھوٹا جاتا ہے۔ راستگی کی فلاں کتاب کی عبارت تو پڑھ کر سنا دو!“ — چنانچہ لگ بھگ اسی مضمون پر شتمل تھے وہ کلمات جو حبشی صاحب نے نقل فرمائے تھے اور رقم نے جان بوجھ کر حذف کر دیئے تھے۔ اور صرف ”ایاز قدر خود لبشناس!“ کے الفاظ سے کلام کے رخ کی جانب اشارہ کرنے پر اکتفا مناسب سمجھا تھا!

۳۔ اس کے دو سو دو ماہ بعد ہوا بریڈ لا مال لاہور میں جمعیت کا وہ میرا اجلاس جس کا ذکر جے ”دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا!“ کے سے انداز میں فرمایا ہے ملک نصر اللہ خاں عزیز صاحب نے، اور جس کی صدارت کے لئے منتقلین نے پیشگی مولانا ابوالکلام آزاد کا نام اس امید میں طے کر دیا ہوگا کہ عیسٰی منتقلہ میں یہ تجویز بہر حال منظور ہو ہی جائے گی۔ تو جسے امام الہند مان کر اس کے ماتھے پر عمومی بیعت کرنی ہے کیوں نہ یہ اجلاس اسی کی صدارت میں ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجلس منتقلہ کے اجتماع میں تجویز پاس ہونے سے رہ گئی۔ چنانچہ لاہور کا اجلاس خانہ پری کے لئے ہوا تو وہی لیکن کچھ یونہی پھیکے سے انداز میں یہی وجہ ہے کہ خود مولانا آزاد اس میں اکھڑے سے رہے جس کا تذکرہ ہے، ڈاکٹر شیر بہادر خاں پٹی کی بیان کردہ روداد میں! — اور بالکل مطابق قرائن سے یہ بات کہ یہی ”اکھڑا ہٹ“ تھی جس کے نتیجے کے طور پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جمعیت العلماء کا پلیٹ فارم ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور جے جے کے اوپر چاہیے وسعت سیریاں کھانے کے مصداق پنی جولائی طبع کے لئے انڈین نیشنل کانگریس کا وسیع و عریض میدان منتخب کر لیا !! اب اگر تو ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب ان تفصیل سے بے خبر ہیں اور اسی بنا پر

انہوں نے اس روایت کی تردید کی ہے تو پھر بھی غنیمت ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ جانتے
 بوجھتے انہوں نے محض تاریخ اور سن کی ایک معمولی غلطی سے فائدہ اٹھا کر اس قدر متحدہ یاد
 انداز میں حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے تو بہت ہی ہلکی رائے ان کے بارے میں
 قائم کرنی ہوگی۔ گویا س

إِنْ كُنْتَ لَا تَذَرِي فَلَذَا مُصِيبَةً
 فَلَنْ كُنْتَ تَذَرِي فَاَلْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

ہماری خواہش بہر حال یہ ہے کہ صورت حال پہلی ہی ہو — نہ کہ دوسری !

== ۲ ==

مسئلہ متذکرہ بالا پر تحقیق و تفتیش کے دوران راقم الحروف پر حضرت شیخ الہند مولانا
 محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بعض ایسے پہلو منکشف ہوئے جن کی جانب پہلے توجہ
 نہ ہوئی تھی۔ جہاں تک ان کے علم و فضل، تقویٰ و تدبیر، خلوص و اللہیت، پھر صبر و استقلال
 ہمت و عزیمت، اور مجاہدہ و مصابرت گویا علم اور عمل کی جامعیت کا تعلق ہے اس کا
 تو کسی قدر اندازہ پہلے بھی تھا لیکن وسعت نگاہ اور بالغ نظری کے ساتھ ساتھ وسعت
 قلب اور عالی ظرفی کا جو امتزاج ان کی ذات میں پایا جاتا تھا اس کی جانب پہلے توجہ
 نہ ہوئی تھی۔

مولانا ۱۳۳۳ھ میں ہندوستان سے عازم حجاز ہوئے تھے۔ جہاں سے گرفتار
 ہو کر تقریباً تین سال اور سات ماہ حالت اسیری میں رہے۔ اور رہائی ملنے پر ۲۴ رمضان
 المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء کو واپس بمبئی پہنچے۔ اس کے بعد ان کی زندگی
 نے کل چھ ماہ کے لگ بھگ وفا کی۔ اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء
 کو وہ خالق حقیقی سے جا ملے! پھر اس مختصر مدت کے دوران میں ضعیفی اور عام نقاہت
 پر مستزاد مرض و علالت کا بھی مسلسل ساتھ رہا۔ بایں ہمہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک
 لمحے کے لئے بھی نہ دین و مذہب اور ملت و امت کے مسائل سے فارغ الذہن ہو سکے
 نہ ملک و وطن کے معاملات سے! اور اس مختصر مدت میں جو چند کام انہوں نے کئے یا کرنے

کوشش کی ان پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ موجود الوقت صورت
ن کا بالکل صحیح تجزیہ کر چکے تھے بلکہ ان کی نگاہیں مستقبل کے حالات و اوقات کا بھی
ایت و درتک مشاہدہ کر رہی تھیں۔ مزید برآں ان کی عالی ظرفی اور وسیع القبلی کے تو وہ
اہل سامنے آتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ع

”ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!“

اور اس پس منظر میں، ہمیں معاف فرمایا جائے اگر ہم اپنے آپ کو اپنے اس احساس
لے اظہار پر مجبور پائیں کہ اُن کے جانشینوں میں سے مختلف حضرات ان کی بہرہ گزشتیت
سے مختلف پہلوؤں کے وارث تو ضرور بنے لیکن کوئی بھی ان کی جامعیت کا وارث نہ
ن سکا۔ گویا ص

”نہا پھر کوئی رومی عم کے لالہ ارسل سے وہی اُبل ایران وہی تریز ہے ساقی!“

بصورت حال بالکل اس شعر کے مصداق ہو گئی کہ

”اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ زگس نے، کچھ گل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری!“

خصوصاً وہ حضرات جو سیاست، یا جہادِ حریت، یا تحریکِ استقلال وطن کے
میدان میں ان کے جانشین بنے انہوں نے اپنے گرد تقلیدِ جامدہ کا لبادہ اس قدر کس کر لپیٹا
ہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہو گئی لیکن انہوں نے اپنے موقف میں ترمیم کی کوئی ضرورت محسوس
کی۔ حالانکہ اس کے بالکل برعکس کیفیت نظر آتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت میں؛
مثلاً علمی و تعلیمی اور تہذیبی و تمدنی اعتبار سے ملتِ اسلامیہ ہند کے بحرِ محیط میں جو
دور وہیں علی گڑھ اور دیوبند کی صورت میں بالکل مخالف سمت میں بہہ چکی تھیں
اندان سے جس قدر قی کے پارہ پارہ ہونے کا جوشدید خطرہ موجود تھا اس کا بالکل بروقت
صحیح اندازہ مولانا نے فرمایا، حالانکہ وہ خود ان میں سے ایک کشتی میں بالفعل سوار تھے اور اس اعتبار سے بالکل غلاف
تج نہ ہوتا اگر خود ان میں یک دم پین پیدا ہو جاتا یا کم از کم فریقِ ثانی کے لئے کوئی نرم
رشتہ دل میں موجود نہ رہتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس حیرانہ سے بھی کم مدت میں انہوں

ایک تو علی گڑھ کا دورہ کیا اور وہاں ان کی عالی ظرفی اور وسعتِ قلب کا یہ مظاہرہ سامنے آیا کہ انہوں نے برطانویوں کو کیا کہ:

”میں نے اس پیرائے سال اور علات و نقابست کی حالت میں آپ کی اس دعوت

پر اس لئے ٹیک کہا کہ میں اپنی کم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے

شک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر الہی کی روشنی جھلک رہی ہے۔

۔۔۔ اے نو بہا لان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس دودھ کے غم خوار

چہروں میں میری ہڈیاں گھجلی جا رہی ہیں۔ مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکونوں اور

گاجروں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب ایک قدم علی گڑھ کی جانب

بڑھایا اور اس طرح مہمنے و تاراجی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔

اور دوسرے جدید اور قدیم کے استخراج کی سعی — اور علی گڑھ اور دیوبند کے

مابین ایک درمیانی راہ پیدا کرنے کے لئے مسلم نیشنل یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جو بعد میں

”جامعہ ہلیک“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ پیش نظر

مقصد کے اعتبار سے یہ تجربہ بھی ناکام رہا!

دوسری طرف تحریکِ استخلاصِ وطن کے ضمن میں ہندو مسلم اشتراکِ عمل کے نظری طور پر

قائل اور اس پر بالفعل عامل ہونے کے باوجود مولانا کی نگاہِ حقیقت چین نے ہندوؤں کے

طرزِ عمل کا بالکل صحیح مشاہدہ کر لیا اور ان کی نگاہِ دُور رس سے ان کے اُنندہ عزائم چھپے نہ رہ سکے

چنانچہ جیسا اعلان کر دیا کہ اب اس میں جو ضابطہ صدارت انتقال سے چند روز قبل اپنے ارشاد فرمایا اس میں

یہ واضح استنباط موجود ہے کہ:

ہاں، یہ میں پہلے بھی کہچکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت

اور اخلاقی مکار آپ پائدار اور خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی

طرح و لائق کر لیجئے۔ اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے

کوئی رخنہ نہ پڑے۔ جس کی صورت مجھ اس کے کہ نہیں کہ صلح عاشقی کی تقریب سے

فریقین کے مذہبی اُمید میں سے کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور نبوی مسالمت

سے خود ذہنتِ سوانحِ حیات مولانا حسین احمد مدنیؒ بحوالہ بیس ہٹے مسلمان صفحہ ۲۸۸

میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جس سے کسی فرقہ کی ایذا رسانی اور دل
انزاری مقصود ہو۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے
خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لئے اپنے
مذہب کی حد سے گزرتے ہیں۔ لیکن محکموں اور اجواب معاش میں ایک دوسرے
کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ میں اس وقت جہود سے خطاب نہیں کر رہا ہوں
بلکہ میری گزارش دونوں قوموں کے زعماء (لیڈروں) سے ہے۔ کہ ان کو مجلسوں میں
باہم آٹھننے والوں کی کثرت اور ریزولیشنوں کی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ طریقہ
سطحی لوگوں کا ہے اور ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں
مستقبلہ رفاقتوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔

بنابریں — یہ بات بلاخوب تردید کہی جاسکتی ہے کہ اگر مولانا کی زندگی کا مطالعہ
ہندوؤں کی جانب سے جس تنگ نظری اور کم ظرفی ہی نہیں مستحمانہ ذہنیت کا مظاہرہ
اس کے پیش نظر مولانا یقیناً اپنے طریق کار پر نظر ثانی فرماتے اور کیا عجب کہ مسلمانان ہند
جداگانہ قومی و ملی تشخص کے سب سے بڑے علمبردار اور اس کے تحفظ کے لئے عملی سعی و
تلاش کا اعظم وہی ہوتے!

تیسری طرف اس واقعہ کو ذہن میں لائیے جس کے راوی ہیں مولانا مفتی محمد شفیع
— کہ اسارتِ مالٹا سے رہائی اور مراجعتِ ہند کے بعد ایک روز دارالعلوم
ہند میں اکابر علماء کے ایک اجتماع میں حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ہم نے تو اپنی ایری
زمانہ میں دو سبق حاصل کئے ہیں۔ اور جب علماء کرام، جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ
اور شاہ کا شیمیرؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسے اکابر موجود تھے، ہر تن متوجہ ہو
کہ دیکھیں اس ”استاذ العلماء“ نے اس ضعیفی اور پیرائے سالی میں کون سے دفتے
تھکے ہیں تو حضرتؒ نے فرمایا:

”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیاں ہیں اس پر خود کیا کچھ بڑی دنیا میں مسلمان دینی

اور دنیوی برائیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوتے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں دیں سے یحزیم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو حفظاً اور معنائاً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر جہتی ہستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی سعادت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

(ماخوذ از وحدت اُمت، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ شائع کردہ مکتبہ المنبر لاہور)

پھر اس اعتراف و اظہار ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ایک عام درس قرآن کی نشست کا کام آتا مگر نفس نفیس اجراء فرمادیا۔ گویا اب احیائے دین اور تجدید ملت کے لئے کام جس اساس اور بیج پر ہونا چاہیے اس کی جانب رہنمائی فرمادی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا ہرگز لکیر کے فقیر نہ تھے بلکہ آخری عمر میں بھی مسلسل غور و فکر کی عادت بقرار تھی اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو سمجھ کر اس کے مطابق نقشہ کار میں ضروری تبدیلیاں کرنے کی اہمیت ان پر پوری طرح واضح تھی اور اُمت کے زوال و انحطاط کے اسباب پر ایک ماہر معالج کے سے انداز میں تشخیص و تجویز پر ہمیشہ نظر ثانی کرتے رہنا آپ کی عادت تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وسعت قلبی اور عالی ظرفی کا سب سے بڑا مظہر مولانا آزاد کے معاملے میں ان کا طرز عمل ہے! بڑے لوگوں کی بڑائی کا ایک اہم پہلو چھوٹوں کی بڑائی کا اقرار اور ان کی اہمیت کی پہچان ہوتی شخصیتوں کو خواہ مخواہ اپنے لئے ایک چیلنج سمجھ کر انہیں دبانے کی فکر کرنے کی بجائے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اور اس پہلو سے واقعہ یہ ہے کہ عظمت کا کوہ ہمالیہ معلوم ہوتے ہیں حضرت شیخ الہندؒ ۱۹۱۷ء میں جب مولانا آزاد مرحوم نے دہلی، نکالنا شروع کیا تو اس وقت ان کی عمر کا اٹھ چوبیسواں سال تھا! جبکہ حضرت شیخ الہندؒ سناٹے سے متحاذ ہو چکے تھے۔ اور جب ۱۹۲۳ء میں مولانا آزاد کو امام الہند، مانسنے کی تجویز زیر غور تھی اس وقت

ساتیس برس کے تھے جبکہ حضرت شیخ الہندؒ کے قریب پہنچ چکے تھے، گویا عمر میں
 ان اودھ سے زیادہ کافرق و تفاوت تھا! — پھر کہاں جملہ علمائے ہند کا بے تاج
 ناہ، انگریزی سامراج کے خلاف ڈٹ جانے والوں کا سرخیل گویا بندہ ایسی عظیم درس گاہ
 مدرسہ مدرس، اور مولانا انور شاہ کا شیراز مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی کفایت اللہ
 نجیؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسے اکابر علماء کا استاد، اور
 ن: ایک نوخیز نوجوان — جس کی زبان میں تاثیر قلم میں زور اور در اس کے
 بنے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تنگ! " کے مصداق جہاد کا جذبہ اور جوش تو بے شک
 بود تھا لیکن نہ جیہ و عمامہ نہ عبا و قبا، نہ کہیں کے مفتی نہ شیخ الحدیث، حتیٰ کہ نہ کہیں کی
 سند فراغت نہ دستارِ فضیلت، ایک قرآن کا عاشق ہونے سے کیا ہوتا ہے، نہ کسی
 ریٹ کی کتاب پر حاشیہ کا مصنف، نہ فقہ کی باریکیوں کا مسلم نکتہ دان، —

یہ ہمہ اُس اُستادِ العلماء کا یہ قول ان کے شاگردوں کے حلقے میں معروف ہے کہ اس
 جوان (ابوالکلام آزاد) نے ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلادیا! " اللہ اکبر! ہے کوئی
 حد اس وسعتِ قلبی اور عالی ظرفی کی! فَارْجِعِ الْبَصَوٰهْلَ تَوَّیْ مِنْ فُطُوٰہِ ۵
 مزید غور فرمائیے ہندوستانِ تقلید کا گڑھ ہے یہاں اسلام کے معنی ہی حقیقت کے ہیں
 ورتقلید کے دائرے سے باہر قدم نکالنے کے معنی گویا اسلام سے نکل جانے کے ہیں۔
 اور بقول مولانا سید محمد انور شاہ کا شیرازؒ وہ علمی کام، کا مطلب یہاں صرف یہ رہا

ملے واضح رہے کہ اس وقت تک دیوبندی اور بریلوی کی تقسیم عمل میں نہ آئی تھی اور جمعیت
 علماء ہند جملہ علمائے ہند کا مشترک پلیٹ فارم تھی!

ملے اس اعتبار سے مولانا کے مقام اور مرتبے کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مالٹا سے واپسی پر
 جس روز انہوں نے بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا اس روز ان کی خدمت میں حنا منڑ ہونے والوں میں
 مسایاں نام مولانا عبدالباقی قرنیؒ علی اور مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی
 کے ہیں!

ہے کہ مسلک حنفی کی فوقیت دوسرے مسکول پر ثابت کی جائے۔ اور خود حضرت شیخ الہندؒ کچھ حنفی تھے چنانچہ بیٹن بڑے مسلمان کے مرتب کے الفاظ میں خود ان کا حال یہ تھا کہ:

”مسائل مختلف فیہا ہیں ائمہ شمسہ رحمہم اللہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل کرتے۔ لیکن جب امام ابو حنیفہؒ کا غبر آتا تو مولانا کے قلب میں انشراح، چہرہ پر ہنسا شست، تقریریں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا۔ دلیل پر دلیل، شاہد چشاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے، تقریر رکتی ہی نہ تھی اور اس خوبی سے مذہب امام اعظمؒ کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف مزاج لوگ لوٹ لوٹ جاتے تھے۔۔۔“ (صفحہ ۲۲)

دوسری طرف ابوالکلام آزاد حنفیت سے حدودِ جبرِ بعید تقلید سے کوسوں دور ایک آزاد خیال انسان، جس کی اصل عقیدت مسمیٰ امام ابن تیمیہؒ سے، — بایں ہمہ مولانا ان کے جوہرِ قابل کے قائل بھی ہیں اور انہیں امام الہندؒ مان لینے کی تجویز کے پر زور مؤید بھی — پھر غور کیجئے کہ ہے کوئی حد اس عالی ظرفی اور وسعتِ قلبی کی اور ہے اس کی کوئی دوسری مثال اس دوز میں! لَمْ اَرْجِعِ الْبَصْرَ كَمَا تَتَنَبَّهُ يَنْفَلِبُ الْيَلْبَسُ الْبَصْرُ خَا، سَيًّا وَهُوَ حَسِيْدٌ

کاش کہ علمائے کرام ہماری ان گذارشات پر سچ پاؤ ہوں بلکہ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ع۔ ”وہ کیا اگر دوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!“

واضح رہے کہ جمعیت علماء ہندؒ میں قائم ہوئی تھی اور اگرچہ اس کے قیام کے وقت حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان سے باہر تھے تاہم چونکہ اس کے مؤسس اصلی مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تھے جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد بھی تھے اور نہایت مستند رفیق کار بھی۔ لہذا اس کی پشت پر۔ اصل کار فرما ذہن حضرت شیخ الہندؒ ہی کا تھا۔

لے مولانا انور شاہؒ کے اس قول۔ کے راوی بھی مولانا مفتی محمد شفیعؒ ہی ہیں۔ ان کا فرمانا ہے کہ آخری عمر میں مولانا پر شدید حسرت طاری ہو گئی تھی کہ پوری زندگی کس بے کار مشغلے میں بسر کر دی!

دوسری طرف اگرچہ اس میں چند ایک اہل حدیث عالم بھی شامل تھے۔ جیسے مولانا
 سید محمد داؤد غزنوی، تہاہم اس پر اصل غلبہ و حقیقت "ہی کا تھا خواہ اس کا دیوبندی
 پبلیش ہو خواہ غیر دیوبندی جیسے فرنگی علی خیر آبادی، بدایونی اور بریلوی ان حالات
 میں مولانا ابوالکلام آزاد ایسے آزاد منش شخص کے امام الہند قرار دیئے جانے کی کسی
 تجویز کے زیر غور آنے کا سوال ہی بر گز پیدا نہ ہو سکتا اگر اس کی پشت پر حضرت شیخ الہند
 کی پُر زور تائید ہی نہیں تحریک نہ ہوتی۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی جس قدر شد و مد
 کے ساتھ اس تجویز کے لئے کام کیا مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا احمد سعیدؒ نے اس
 کا بھی کوئی امکان نہیں تھا اگر یہ ان کے استاذ اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش نہ ہوتی۔
 — رہا یہ مسئلہ کہ اس تجویز کے ناکام رہنے کا اصل سبب کیا تھا تو اگرچہ بظاہر احوال
 تو یہ نظر آتا ہے کہ حقیقت کی شدت یا رواستی اور مدد سی علم کا ادعا اڑے اگیا
 لیکن اصل سبب وہی ہے کہ "مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ"
 حضرت شیخ الہند کا غم و اندھن اپنی جگہ پر لیکن علم و حکمت الہی سب آد پر ہے
 فَإِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا تَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا تَقْدِرُ! اور وہی بہتر جانتا ہے کہ
 کہ آیا احیائے اسلام کی اس براہ راست جدوجہد کے لئے ابھی ماحول ہی سازگار
 نہ تھا بقولِ شاعر

ابھی نہ چھپر محبت کے راگ اے مطرب!

ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں!

یا جیسے کہ بعد کے حالات و واقعات سے ثابت ہوا۔ اس عظیم مقصد کے لئے مولانا
 ابوالکلام آزاد کی شخصیت ہی موزوں نہ تھی گویا:-

نہ مصطفیٰ نہ رمناشاہ میں نمود اس کی!

کہ رُوحِ شہد بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

بہر حال ہمارے لئے اصل قابلِ توجہ مسئلہ یہ ہے کہ ابوالکلام کی دعوت کا وہ عنصر
 کونسا تھا جس نے استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ مولانا محمود حسن دیوبندی ایسی

عظیم شخصیت کو مسجد کر دیا تھا۔ اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام کی دعوت
بنیادی طور پر دو امور کی جانب تھی ایک : قرآن - اور دوسرے : جہاد
پہلے نکتے کی وضاحت کے لئے کفایت کرے گا حسب ذیل اقتباس جو ماحضہ
و ابلاغ کے پہلے شمارے سے جو شائع ہوا تھا ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو ہے :-

”و اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ کاریوں اور بدبختیوں کی علت
حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علت
اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی اور جامع ہو۔ تو اس کو تمنا
ہو سکتی ہے کہ علامہ حق و مرشدین صادقین کا تقدان اور علماء سوء و مفسدین و باطلین
کی کثرت — دَنَسًا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كَبُرَ اَعْوَانُنَا فَاهْتَلَوْا السَّبِيلَ —
اور پھر اگر وہ پہچنے کہ ایک ہی جملہ میں اس کا علاج کیا ہے ؟ تو اس کو نام مالک
کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ ”لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هَذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا
صَلَحَ بِهِمْ اَوَّلُهَا“ یعنی اُمتِ مرحوم کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو
سکے گی، تاہم قلیلک وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح
پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ
کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔“

اور دوسرے نکتے کے لئے کفایت کرے گی یہ حقیقت کہ جب مولانا اُنہوں نے توجہ
دلائی اُس حدیث نبوی کی جانب کہ ”اِنِّي اُمِرْتُ بِمُحَمَّدٍ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُ اَصْدَقُنِيْ بِهٖتِ
الْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اَللّٰهِ“ تو
ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوا اہل علم کے حلقے میں کہ ”بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ“
کے علاوہ بھی کوئی پانچ چیزیں تھیں جن کا حکم دیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے —
اور جبکہ وہ پانچ ارکان ہیں قانونی اسلام کے — وہاں یہ پانچ ارکان ہیں حقیقی ایمان کے !!
لے مانع رہے کہ ملک بھگ یہی زمانہ ہے حضرت شیخ الہندؒ کے ہندوستان سے عازم ہجرت ہونے والا جہاں
سے واپس پر اپنے وہ مجھے ارشاد فرمائے جو اس سے پہلے نقل نہیں کیے تھے۔

یہ دوسری بات ہے کہ آج ساٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی یہ دونوں نکات اتنے ہی
 سبب ہیں جتنے اس وقت تھے اور روحانی تدریسی علم اور فقہی و قانونی تقورات کے غلبے
 نت حقیقی اسلام بالکل اسی طرح اجنبی اور غریب ہے جس طرح اپنے آغاز کے وقت
 ۔ کستدیحیح فرمایا تھا جناب مادی و مادی علیہ وسلم نے کہ: **بَدَأُ
 سَلَامٌ غُورِيًّا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدَأُ فَطُوبَى لِمَنْ بَدَأَ — !**
 انہی عزائم کو پکارتے کی ایک نئی کوشش کا آغاز ہو رہا ہے تنظیم اسلامی کے قیام کی
 مدت میں: **فَهَلْ مِنْ مُسْتَمِعٍ وَهَلْ مِنْ مُجِيبٍ !**
 اس موضوع پر مفصل گفتگو انشاء اللہ اگلے ماہ ہوگی — !



مولانا ابوالکلام آزاد نے ایمائے اسلام کے لئے جس جماعت کے قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا
 یوں کہہ لیں کہ بالفعل قائم کر بھی دی تھی اس کا نام عام طور پر حزب اللہ معروف ہے لیکن عجیب
 سن اتفاق ہے کہ وفادات مہر میں اس کا ذکر ”اسلامی تنظیم“ کے عنوان سے ہوا ہے چنانچہ
 مولانا غلام رسول تہجد مرحوم رقمطراز ہیں: ”ہمارے مولانا (مولانا ابوالکلام آزاد) ۱۹۱۹ء میں
 نظر بندی سے رہا ہوئے تو آپ کو یاد ہو گا کہ اسلامی تنظیم کی ایک تحریک شروع ہوئی تھی جس میں
 مولانا گوام بکرام کرنا مقصود تھا۔ اس سلسلے میں ایک لاکھ روپے کی رقم مولانا محمد علی رجنی
 مولانا عبدالقادر قصودی، اسی نے فراہم کی تھی لیکن ہمارے مولانا درجہ جلد دوبارہ گرفتار ہو گئے
 اور وہ تحریک بھی رہ گئی۔ روپیہ بھی گیا، کچھ نہ بنا“ — واضح رہے کہ مولانا آزاد کے جلد
 معتین و معتقدین نے اس پورے معاملے کو اس طرح گول مولی رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ چنانچہ
 کہیں بھی اس موضوع پر مفصل گفتگو نہیں کی گئی۔ اور محرم پر و فیروز شیشی صاحب دلی روایت
 اتفاقاً درجہ میثاق، مذہب جاتی تو غالباً اب بھی اس مسئلے کی تحقیق و تفتیش کا موقع پیدا نہ ہوتا۔
 بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمت کاظمین کو کام کئے ایک وقت معین ہے جس سے نہ ایک منٹ
 مؤخر ہو سکتا ہے نہ مقدم !

جمعیت علیہ ہند کے اجلاس لاہور

نومبر ۱۹۲۱ء

کا ذکر افاداتِ مہر، تالیف ڈاکٹر شیر بہادر پنی میں

① ایک ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی کی ربانی جو ایک نوجوان طالب علم کی حیثیت سے بطور سامع شریک تھے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا ابوالکلام آزاد ادا جمعیۃ ماہِ ہند کی صدارت | جب آپ تشریف لائے اور منہ صدارت

سنبھالی تو فرمایا کہ ابتدائی کارروائی تحریری خطبہ صدارت کے پڑھنے سے کی جائیگی۔ کبھی شخص کو اپنا لکھا ہوا خطبہ پڑھنے کے لئے دیا۔ خطبہ کے تھوڑی دیر تک پڑھے جانے کے بعد لوگوں میں کھسک پھیل شروع ہوئی۔ لوگ توان کی تقریب کے پیارے تھے۔ جب یہ بل چل زیادہ ہوئی تو آپ غصہ میں اٹھے۔ تحریری خطبہ قاری کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا ”جو یہ سننا نہیں چاہتے وہ جاسکتے ہیں۔ جب چار پانچ منٹ تک ایک متنفس بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہال میں سخت سناٹا چھا گیا تو خطبہ پھر پڑھوانا شروع کر دیا۔ جب ختم ہوا تو اٹھ اور فرمایا ”عزیزانِ من! میں اس پر بھی کامادی نہیں، لہذا معافی چاہتا ہوں۔“ اس کے بعد تقریر شروع کی۔“

② اور دوسرے مولانا غلام رسول مہر کے تلم سے وہ لکھتے ہیں: ”آپ نے کئی مجالس کا ذکر فرمایا۔ بریڈ لار ہال والی مجلس درجہ جمعیۃ علیہ ہند اس روز منعقد ہوئی تھی جو میری اخبار نویسی کا پہلا دن تھا۔ نومبر ۱۹۱۱ء کی کوئی تاریخ تھی۔ میں اس جلسے میں اول سے آخر تک رہا۔ مولانا نے کھد کی دستار نہایت عمدگی سے باندھ رکھی تھی۔“

ناموودی مرحوم اور مسئلہ بیعت

ولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو 'اسلامی تنظیم' — 'حزب اللہ' کے نام سے قائم کی تھی اس کے بارے میں یہ تو یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کب ختم ہوئی اور آیا اسے کسی مرحلے پر باضابطہ ختم کرنے کا فیصلہ کیا جسے کیا یا نہیں۔ البتہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ مولانا ابوالکلام مودودی مرحوم کے قائم کردہ "جماعت اسلامی" کی حیثیت سے اس کے بروز یا ظہور ثانی کی ہے۔

مولانا آزاد کی 'حزب اللہ' کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کے اساس 'بیعت' پر تھی جبکہ 'جماعت اسلامی' ایک دستور تنظیم ہے جس میں کم از کم نظری طور پر معاملات کی اصل باگ ڈور اس کے ارکان کے ہاتھوں میں ہے۔ اس ضمن میں ایک دیکھنے سے سوائیہ نشان مولانا مودودی مرحوم کے ایک خط سے سامنے آیا ہے جو انہوں نے مارچ ۱۹۵۷ء میں حیدرآباد (دکن) کے مولانا محمد یونس صاحب کے نام تحریر کیا تھا۔ (جو اس کی مرثیہ کر دہ کتاب "یادوں کے خطوط" میں شامل ہے جو اس سال 'اسلامی مکتبہ' حیدرآباد دکن نے شائع کی ہے) اس خط سے مولانا کا جو ذہن سامنے آتا ہے وہ تو یہ ہے کہ "نہیں اگر تم جس کام کے لئے تشریف لائے تھے اور جس امر عظیم کا بارانتہ پر چھوڑ گئے ہیں۔۔۔۔۔" اس کے لئے جو میں جماعتی تنظیم قائم ہو اس کے اساس 'بیعت' پر ہونی چاہیے۔ اب یہ اللہ سے بہتر جانتا ہے کہ اس سال (۱۹۵۷ء) کے اواخر میں جب انہوں نے "جماعت اسلامی" قائم کی تو اس کی تشکیل کے موقع پر 'بیعت' کے لفظ تک سے کیوں اجتناب کیا گیا!

مولانا مودودی کے خط کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔ (ادامہ)

عزری دیکھی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اصطلاح میں بیعت سے مراد اطاعت اور پری دی کا اقرار ہے۔ اس میں قسمیں ہیں:

۱۔ وہ بیعت جو کسی خاص موقع پر کسی خاص معاملہ کے لئے ہو۔ جیسے بیعت الرضوان تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ سن کر حضورؐ نے اہل مکہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور اس وقت محمدؐ کو اہل مکہ سے اس امر پر بیعت کی کہ وہ پیش آمدہ مہم میں آپؐ کے ساتھ جانفشانی کریں گے۔

۲۔ دوسری وہ بیعت جو نزدیک نفس اور اصلاح اخلاق و روحانیت کی نیت سے ایک مرشد و معلم اس شخص سے لیتا ہے جو اس کے پاس تربیت حاصل کرنے کے لئے آئے۔ یہ وہ بیعت ہے جو بالعموم ہر شخص کو کوئی پستی تہی جو تہی کے ماتھے پر ایمان لاتا تھا آپؐ اس سے اقرار کرتے تھے کہ شرک، زنا، چوری وغیرہ سے پرہیز کرے گا اور جو احکام خداوند تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پہنچائیں گے ان کی اطاعت کرے گا۔ اس بیعت کے لینے کا حق یا تو نبیؐ کو پہنچتا ہے یا اس شخص کو جو نبیؐ کے طریقہ پر ہو۔ یعنی طریقہ نبویؐ کا صحیح علم بھی رکھتا ہو۔ اس پر شریعتی عامل ہو اور بیعت لینے سے اصلاح و ارشاد کے سوا قطعاً دوسری نیت نہ رکھتا ہو۔

۳۔ تیسری بیعت وہ ہے جو جماعت اسلامی کے امیر یا امام کے ماتھے پر کی جاتی ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ جب تک امیر یا امام اللہ اور رسولؐ کا مطیع ہے اس وقت تک جماعت اسلامی کے تمام ارکان پر اس کی اطاعت فرض ہے

من مات و لیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة

اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ان میں بیعت سے مراد تیسری بیعت ہے کیونکہ اس پر جماعت اسلامی کی زندگی اور اس کے نظم کا قیام منحصر ہے۔ اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ فسیق جس کام کے لئے تشریف لائے تھے اور جس امر عظیم کا بار اُمت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے۔



قرآن کا عجیب ہونا

مہر اقبال واحد

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ اس کے نزدیک معیارِ فضیلت بس ایک اور وہ تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ حَيْثُ اَلَلَّوْاْ اَلْفَاكُمُ۔ جس نتیجہ میں خدا شناسی ہے خدا طلبی ہے خدا ترسی ہے خدا خونی ہے۔ بندگی ہے شہادت حق ہے اور یہ نہیں ہے تو کوئی مال و منال کوئی جاہ کوئی اقتدار صاحب کوئی نسب کوئی علم کوئی علم کی بلند و بالا ڈگریاں کوئی وطنیت کوئی بت کسی نبی کا اتنی ہونا نہ ہونا سے سے درخویرا ملتا نہیں ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ ایک طرف وہ عظمت کردار کی وہ مثالیں لکھتی ہے کہ جو پوری انسانیت ازاں لے تا ابد بے مثل ہیں بنظیر ہیں۔ اپنی آپ ہیں۔ مثلاً نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا اپنی بیویوں کی ایذا رسانی برکت نایاب یوسف علیہ السلام کا چاہ کنعان میں مصر کے بازار میں بکا و مال بھرتے پر امر آہ ہنریت رانی کے مقابلے میں مصر سے کام لینا۔ بے گناہ زندانی ہونے کی صورت میں تحمل اور جب اس وقت کی دنیا کی متمکن ترین مملکت مصر کے سربراہ ہوتے ہیں ان مجاہدوں کو غنہ بول نے ان پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے بلا توقف معاف کر دیتے۔ معاف ہی نہیں کرتے انسا احسان و مروت سے کام لیتے ہیں۔ اور جب یونس السلام کے لئے مچھلی کا پیٹ قید خانہ بنا دیا جاتا ہے تو وہ خالق کا شکوہ نہیں کرتے کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِینَ کہتے ہیں۔ اور جب یحییٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام قتل کر دیا جاتا ہے۔ تو آف تک نہیں کرتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بیٹے کو یشہ کے لئے سلاطین کر دیتے ہیں تو وہ احتجاج تو کیا بلکہ دعائے مغفرت کا دھڑکتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کے طمعوں ساہا سال جس ابتلا سے مطہ پیش آتا ہے تو فہر مجمل کہہ کر خدا کی مدد طلب کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔ اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ سے یہ تک نہیں پوچھتے کہ آپ کا خواب وحی

یا آپ کا اپنا حکم ہے پورے استقلال کے ساتھ اپنے باپ کے حکم پر لبیک
 ہوئے اپنی گردن چھری تلے رکھ دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فراعنہ کے جبر و
 برد کا نشانہ بنتے ہیں۔ وطن سے جلا وطن ہوتے ہیں۔ اپنی امت کے ہاتھوں
 میں پراڈتیں برداشت کرتے ہیں۔ لیکن کلمہ شکایت نہ بان پر نہیں لاتے۔
 علیہ السلام کو یہودی اپنے زعم میں تختہ دار پر لاکھڑا کرتے ہیں اور وہ کھڑے
 باتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال معاندین حق گالیوں سے
 نیوں سے طعنوں سے بیان تراشیوں سے یہاں تک کہ شعب ابی طالب میں محصور
 رہتے ہیں۔ حالت نماز میں پشت مبارک پر مردہ اونٹ کی ادھری لاڈلتے ہیں
 فس کے بازار میں غنڈوں، شریروں اور بد معاشوں سے پتھروں کی بادش برساتتے
 ہیں۔ وطن سے جلا وطن کرتے ہیں۔ آپ کے رفقاء پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے ہیں
 ماحرام کر دیتے ہیں۔ لیکن وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین
 با ایک فدا کی حیثیت سے اپنے وطن میں داخل ہوتے ہیں جہاں سے آپ
 نکالا گیا تھا تو ان دشمنوں نے جنہوں نے اپنی دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں
 تھی کے حق میں معافی عام کا اعلان کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف ان کو وارڈ
 بھی سامنے لاتی ہے جو انسانی بدکرداری کے اعتبار سے بدترین کردار کے لوگ
 محض اس لئے کہ مستقبل کے لوگ ان بدکرداروں کے کردار اور کردار کے
 یہیں کیفر کردار سے عبرت حاصل کریں۔ افراد میں سے فرعون غرور، ہامان قارون
 نہب کو پیش کرتی ہے تو اقوام میں سے قوم صالح قوم لوط قوم شعیب بنی اسرائیل
 اتاہیوں کی داستانوں کو بیان کرتی ہے کہ وہ انکار حق کی پاداش میں صغیر ہستی
 سے اس طرح مٹیں کہ دنیا کی کوئی آنکھ ان کی ہلاکت پر رونے والی نہیں تھی۔
 اور جب وہ اہل ایمان اور منکرین ایمان کا تقابل کرتی ہے تو اہل ایمان کے
 ضائل خصائل و مناقب بیان کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیتی۔ اگر صالحین
 کے درجات کا تعین کرتی ہے تو منکرین کے درجات کو بھی متعین کرتی ہے۔
 اہل ایمان کو بشارت دیتی ہے تو اہل کفر کو انداز دیتی ہے اور جب اہل ایمان کو اہل
 یقین کو مجاہدین فی سبیل اللہ کو انفاق کی ترغیب دیتی ہے۔ تو اسے قرص حسنہ

سے تعبیر کرتی ہے جو خالق و دو جہاں وہ خالق جو کائنات کے تمام تر ذخائر کا مالک ہے کے ذمہ واجب الادا قرض قرار دیتی ہے اور جب اہل ایمان اپنی جان کی بازی لگا کر باطل کا مقابلہ اس کے لاؤشکر کے مقابلہ میں بے سرو سامانی کی حالت میں اقامت دین اقامت حق کے جذبہ کے ساتھ تَحْنُ الْأَصَارَ اللہ کہہ کر میدان کارزار میں اترتے ہیں تو وہ ذات جو کائنات کی ہر شے کی ناصر ہے اے اپنی نصرت قرار دیتی ہے۔ اور پھر اس نصرت خداوندی کی وہ قدر افزائی کرتی ہے کہ ان کو ایسی حیات جاودانی عطا کرتی ہے جس میں موت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ گویا جن کی حیات کے تسلسل کو موت نہیں توڑ سکتی وہ دنیا کی زندگی میں بھی زندہ ہیں اوربرزخ میں بھی زندہ ہیں اور عالم حشر میں بھی زندہ ہیں اور عالم جنت میں بھی زندہ ہیں۔!!

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ اس نے ہر انسان کے اندر نیکی اور بدی حق اور باطل خیر و شر خوب و زشت انکار و اقرار کو الہام کر دیا ہے۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُودَهَا وَتَقْوَاهَا کہ وہ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھنے پر مجبور ہے کہ یہ اس کا دائمی فطری ہے۔ داعیہ وجدانی ہے۔ جس طرح بھوک اور پیاس جذبہ جنسی اس کا دائمی فطری اور وجدانی ہے جب تک وہ ان داعیات مطلوبات مادی کا انکار نہ کر دے۔ جو اس کے بس سے باہر ہے وہ اس داعیہ کا بھی انکار نہیں کر سکتا جو اس کی سوج کی رنگ رنگ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی عجیب کہ انسان کو جبر و قوت سے اس انقلاب قلوب و اذہان تک نہیں لاتی حالانکہ اگر اس کا خالق ایسا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا وہ انسانی عقل کو اپیل کرتی ہے کہ وہ سوچے کہ اس کا مقصد تخلیق کیلئے ہے اور اسے مقصد تخلیق کو اس نے کسی مٹم کی شکل میں انسان کے سامنے نہیں رکھا ہے۔ پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي کے الفاظ میں یعنی عبادت رب اور عبادت کے اور شہادت حق اور شہادت حق کے بعد اقامت حق نہ وہ عبادت رب کو محدود معانی میں لیتی ہے نہ شہادت علی انکس کو محدود معانی میں نہ اقامت حق کو محدود معانی میں جب وہ ایک مومن

ہے عبادتِ رب کا تقاضا کرتی ہے تو پوری زندگی زندگی کے عام گوشوں شعبوں اور
 حصص میں اس کے نفاذ کو مستعین کرتی ہے۔ اَوْخْلُوْا فِی السَّعٰی كَافَّةً اور جب
 وہ شہادتِ اہل الناس کا مطالبہ کرتی ہے تو محض کسی خاص ماحول اور معاشرہ تک
 نہیں پوری نوع انسانی کے بالمقابل لازم قرار دیتی ہے کہ اپنے قول و عمل سے اپنے
 فکر و کردار سے اس دین کے شاہد بنو جس دین کو تم نے اپنی زندگی میں دین جان کر
 اپنایا ہے اور جب وہ اقامتِ حق کا مطالبہ کرتی ہے تو پورا خطہ ارضی اس کی زد میں
 ہوتا ہے۔ وہ فرض قرار دیتی ہے خدا کی زمین پر خدا کی سروری خدا کی جہان بانی خدا کی
 حاکمیت کے سوا ہر نوع کی حاکمیت باطل محض ہے۔ جس باطل محض کو پادریوا کر کے
 تمہیں دین خدا دے دی کو قائم کرنا ہے۔ اور اگر اس میں تم نے کسی جان و مال کی قربانی
 کسی وقت و اوقات کی قربانی سے دریغ کیا تو تم اپنے دعویٰ ایمان میں کاذب ہو گئے۔
 تو پھر جان لینا کہ تمہارا مقام دنیا و آخرت میں صدیقین کے درمیان نہیں ہو گا۔
 مکہ میں کے درمیان ہو گا۔ خواہ تمہارے نام عبد اللہ اور عبد السلام ہی کیوں نہ ہو۔
 یہ کتاب اس لحاظ سے بھی نادر کہ خسرانِ زیان ناکامی کامیابی بلندی پستی
 عزت و ذلت کے جو پہلے اور معیارات اہل دنیا کے نزدیک ہیں وہ ہوں گے
 اس کے اپنے پہلے اور معیارات ہیں۔ اور وہ اہل دنیا کے پہلوں اور معیارات
 سے قطعی اور پے سے لے کر نیچے تک اور نیچے سے لے کر اوپر تک مختلف ہیں۔ دنیا کی
 کامیابی تکا فر مال ہے۔ جبکہ اس کے نزدیک اصل کامیابی اتفاقِ مال ہے۔ اہل دنیا کے
 نزدیک جو خسران ہے وہ اتلافِ جان و مال ہے جب کہ اللہ کے نزدیک اصل خسران
 عدمِ یقین و ایمان ہے۔ اہل دنیا کے نزدیک ناکامی کسی دنیاوی مقصد میں ناکام ہو جانے
 کا نام ہے۔ جبکہ اس کے نزدیک ناکامی یہ ہے کہ ایک اہل ایمان کی جماعت بھی موجود ہو۔
 اہل دین اور اہل حق زندہ اور پائندہ ہوں لیکن خدا کی زمین پر بسنے والے انسان نظام
 عدل و قسط سے محروم ہوں۔ اہل دنیا کے نزدیک معیارِ عزت و اکرام کچھ بھی ہو جبکہ اس
 کے نزدیک جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا معیارِ اکرامِ تقویٰ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔
 اہل دنیا کے نزدیک جو قوت ہے وہ تیغ و تفتنگ کی قوت ہے۔ مددی و افرادی
 قوت ہے جب کہ اس کے نزدیک اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے۔ اہل دنیا

کے نزدیک ذلت ہے کسی بے بسی لاچاری کا جو تصور ہے وہ قلت مال و مثال ہے۔
 عدم جاہ و اقتدار ہے۔ جبکہ اس کے نزدیک فقدان عرفان خداوندی ہے۔ اہل دنیا کے
 نزدیک وقت وہ ہے جو دنیا میں ایک شخص کو حاصل ہے خواہ وہ چور ہے ڈاکو ہے۔
 طالع آزمائے حکمران ہے۔ جبکہ اس کے نزدیک اصل وقت جو ہے وہ ہے جو آخرت
 میں اہل ایمان و عین کو حق کردار کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی ہے

یہ کتاب کہتی ہے کہ اس کائنات کا دوام و قیام اور اس کائنات کی ہر شے کی بنیاد و
 اساس توحید خداوندی یعنی حاکمیت خداوندی پر قائم و دائم ہے۔ یہ نہیں ہے تو کچھ نہیں
 ہے۔ انسانوں کی فلاح و بقا نجات و صلاح کا بحیثیت عمومی اور بحیثیت مجموعی جس شے
 پر انحصار ہے، دوام ہے قیام ہے قرار ہے استقرار ہے وہ توحید ہے اور جب کبھی بھی
 ایک انسان نے یا بہت سے انسانوں نے توحید یعنی حاکمیت خداوندی سے راہ گریز و
 فرار اختیار کی ہے تو آخرت کا معاملہ تو بعد میں دیکھا جائے گا دنیا میں ہی وہ فرد افراد تباہی و
 بربادی زبان و خسران سے دوچار ہو کر رہے ہیں۔ اس کتاب کے نزدیک محض حق تعالیٰ کی
 مالکیت کو تسلیم کر لینا کوئی کارنامہ نہیں ہے وہ تو کوئی تسلیم کرے نہ کرے اپنے زور و دین پر قائم
 ہے کہ اس کی حاکمیت بھی ٹھوہری لٹوے اس کی ضرورت مند نہیں ہے کہ کوئی اسے تسلیم
 کرے۔ تو وہ قائم ہو۔ وہ از خود باخود ذی روح سے لے کر غیر ذی روح تک کائنات
 کی ہر شے پر بالقوہ قائم ہے۔ البتہ حاکمیت کا ایک گوشہ جو اختیار ہی ہے اور جس کا تعلق
 انسان کی قوت اختیار و تمیز سے ہے اس کے بارے میں جس حاکمیت کا نام اس کی زبان
 میں توحید خداوندی ہے وہ تسلیم کرنا اور تسلیم کرانے کے بعد زندگی کے تمام گوشوں میں
 انفرادی گوشوں سے لے کر اجتماعی گوشوں تک قائم کرنا چاہی ہے۔ قائم کرنے کا مطالبہ
 کرتی ہے۔ اور یہی ہے وہ بات جسے قرآن میں نبی مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے
 ہوئے خالق کائنات نے کہی ہے کہ آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے نفس کو اپنا
 اہل بنا لیا ہے۔ آپ ایسے شخص کی ذمہ داری کس طرح سے لے سکتے ہیں۔ گویا اگر کوئی شخص
 اپنے نفس کی مرضیات کی تابعداری کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کی حاکمیت اور الوہیت کو
 خدائی حاکمیت اور الوہیت کے بالمقابل لاکھڑا کرے گا۔ کوئی سلع کوئی سوسائٹی کوئی مٹھر
 کوئی جماعت کوئی قوم کوئی ملت جب یہ رویہ اختیار کرتی ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں

وہ رو یہ اپناتی ہے جو اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہے تو گو یادہ خدا کی حاکمیت اور الوہیت کو چیلنج کرتی ہے اور اگر کوئی شاہی کوئی بادشاہی کسی ملک کی کوئی صدارت کوئی وزارت کوئی قانون ساز کوئی ایوان پارلیمان اپنے اہل وطن کے لئے اپنی مرضی یا جمہور کی مرضی سے جسے مغربی پارلیمانی جمہوریت کہتے ہیں، کے ذریعہ تو انہیں نافذ کرتی ہے جو قرآن اور سنت سے متغافل یا متعادم ہوتے ہیں تو وہ بطرے پیمانے پر قوم اور ملک کے پیمانے پر خالق کائنات کی حاکمیت سادرنٹی یا الوہیت کا انکار کرتی ہے تو جان لینا چاہیے کہ قرآن کے نزدیک اس کتاب کے نزدیک یہ تمام صورتیں شرک ہیں جس میں سے ایک ایک صورت کے نوع شرک ہونے میں اہل علم کے درمیان دو رائیں نہیں ہیں۔

یہ کتاب نہ انفرادی ملکیت کی قائل ہے نہ اجتماعی ملکیت کی۔ اس کا تصور ملکیت اپنا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو جو نعمتیں اس ارضی و فانی زندگی میں حاصل ہیں وہ منجانب پروردگار ہیں اور وہ ایک وقت موقت تک کے لئے ان نعمتوں کا امین ہے جس میں سے ہر نعمت کے بارے میں اسے نعمت و منہدہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ یہ کتاب جس موضوع کی حامل ہے یعنی انسان سازی اس کا موضوع ہے اس کی تمام تعلیم اس موضوع کے گرداگرد گھومتی ہے اور اس موضوع پر وہ اپنے تمام حسن کلام کو اسلوب کلام کو ترکیب کلام کو استدلال کلام کو نظم کلام کو علم کلام کو استعمال میں لاتی ہے۔ اس موضوع کے سوا اسے کسی اور موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یوں سے استدلال کرتی ہے تو اس کے لئے شان نزول سے استدلال کرتی ہے تو اس کے لئے شان ترتیب سے استدلال کرتی ہے تو اس کے لئے کہ دار اہل ایمان و اہل کفر

سے استدلال کرتی ہے پھر وہ اپنے اظہار میں ایک لفظ تک ایسا استعمال نہیں کرتی جس کو مجتہد عام انسانی عقل کے لئے دشوار ہو۔ اس کتاب نے خلق کا جو تصور پیش کیا ہے کثر التعداد اسماء حسنی کے ذریعہ غیر الہامی کتب تو کجا کوئی الہامی کتاب تک پیش نہیں کر سکتی یعنی وہ ذات عالی جو اس کائنات کی خالق ہے۔ چارہ ساز ہے چارہ گر ہے اپنی ذات و صفات میں واحد واحد ہے۔ بے مثل و بے مثال ہے۔ بے نظیر و لا جواب ہے۔ یکتا و یگانہ ہے۔ الحی و القیوم ہے۔ القادر و المقدر ہے۔

الرحمان الرحیم ہے۔ غفور غفار ہے۔ مجبور و شکور ہے۔ علیم و خبیر ہے۔ سمیع و بصیر ہے۔
 نافع و ضار ہے عی و میت ہے۔ واحد ہے و احد ہے۔ قابض و باسط ہے۔ معز و
 مذل ہے۔ علیم و علیم ہے۔ علی و کبیر ہے۔ کریم و حکیم ہے۔ قوی و متین ہے۔ اول و آخر
 ہے۔ ظاہر و باطن ہے۔ مقدم و مؤخر ہے۔ نور علی نور ہے۔ کل یوم ہونی شان ہے۔
 ان اللہ علی کل شیء قدير ہے۔ ان اللہ علی کل شیء علیم ہے ان اللہ علی کل شیء شہید ہے۔
 اس کی صفات الحمد و اس کا علم ناپیدا کنار اس کی وسعتیں حدود و فراموش۔ اس
 کی قوتیں بے پناہ اس کی طاقتیں بے اندازہ وہ ہر لحاظ سے ماوراء الوراثم ماوراء الود
 اس کتاب نے نبوت در رسالت کا جو تصور پیش کیا ہے وہ پرانے تصورات
 حلول و ادوار سے مختلف ہے کہ وہ خالق کائنات کے فرستادے ہیں۔ پیغام پر ہما
 ہیں۔ شاہد ہیں۔ مشہود ہیں سراج منیر ہیں۔ ہادی اور راہ نما ہیں۔ قائد و پیشوا
 ہیں۔ ان کی زندگیاں اور سیرتیں نوع انسانی کے لئے نمونہ ہیں۔ اسوہ حسنہ ہیں۔ ان
 کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ وہ بشر ہیں اور بشریت کے تمام تقاضوں سے
 متصف ہیں لیکن پوری نوع بشری کے لئے ہدایت کا روشن چراغ ہیں جس کی
 روشنی سے جہان معنوی چکا چوند ہے۔ اس کتاب نے آخرت کے بارے میں جو
 تصور پیش کیا ہے وہ قدیم تصورات آواگون اور تناسخ سے قطعی مختلف ہے کہ ایک
 دن قیامت کلمہ اور قیامت کا دن روز قیامت ہے۔ روزِ احتساب ہے۔ روزِ
 باز پرس روزِ جواب دہی ہے۔ جس میں ایک ایک فرد ایک ایک قوم کو اپنی
 حیات دنیاوی کی کارگزاری کے ساتھ دورِ احتساب سے گزرنا ہے۔ جس کے نتیجہ
 میں حیات جاودانی ہے جنت کی صورت میں بھی اور جہنم کی صورت میں بھی۔
 جہاں نہ کوئی سستی ہے نہ کوئی سفارش ہے نہ کوئی بدلہ ہے نہ کوئی ہدیہ ہے۔ نہ
 کوئی شفاعت ہے الا باذن اللہ۔

ایک بات جو ادھر عرض کرنے والی تھی وہ رہ گئی ہے اب عرض کئے دیتا
 ہوں۔ اس کتاب نے اگر رعایت اسباب کا حکم دیا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ دنیا
 عالم اسباب ہے تو خارق اسباب امور کو بھی منظر کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان اسباب
 کا نہ ہو کہ وہ جلمے۔ شرک فی الاسباب سے نجات حاصل کرے۔ اس کائنات میں جو

نیکو ہے جو اصل کا کر دگی ہے وہ مشیت کو ہے۔ اسباب تو محض درجہ حجاب میں ہیں۔ محض ایمان بالغیب کے لئے ہیں۔

میں اس مقالے کو ختم کرنے سے پہلے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو وہی ہے جو ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب کے نزدیک دین یعنی نظام زندگی دین خداوندی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نہ دین الملک نہ دین جمہوریت نہ دین سوشلزم نہ دین سرمایہ داری نہ دین طو کیت نہ دین نفس نہ دین ابلیس اگر کسی کو جینا ہے تو سوچ سمجھ کر اس دین کے زیر سایہ بیٹے اور اگر کسی کو مرنا ہے تو سوچ سمجھ کر مرے کہ اس دین سے انحراف کے کیا نتائج ہوں گے۔

اور آخری بات اس کتاب کا معجزہ بنا ہونا۔ جو پورے طور سے ذہن میں مستحضر نہیں ہے۔ عرصہ ہوا کہ پڑھی تھی جو اغلب یہ تھی کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے جو الفاظ ہیں وہ ۱۹ ہیں، قرآن کی کسی بھی سورت کے اعداد کو اگر ۱۹ سے ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب انیس ہوگا۔ یہ ایک معری مہندس کی تحقیق ہے۔ کلام الہی کی حقانیت محض اس پر منحصر نہیں ہے تاہم یہ تحقیق خوب ہے۔ اس تحقیق کا جو مفاد ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک حرف ایک لفظ کی کمی بیشی کرنے کی ہر کوشش لاعمل ہوگی۔

آخر میں تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس مقالے کے راقم کو زندگی میں چار عدد انیس کو حد درجہ کی اہمیت حاصل ہے۔ یعنی میری تاریخ پیدائش ۱۹ دسمبر ۱۹۱۹ء ہے۔ یہ تین انیس ہوئے اور چوتھا انیس یہ ہے کہ اس عاجز کو تعلیم اسلامی کی طرف سے فیصل آباد شہر کا جب ناظم مقرر کیا گیا ہے تو اس روز بھی ۱۹ تھی اکتوبر کی اور کیا بعید ہے کہ جس روز اس عاجز کی موت واقع ہو وہ بھی کسی مہینہ کی انیس تاریخ کا دن ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

فتاویٰ کار

میر تنظیم اسلامی کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں

فیصل آباد

یوں تو فیصل آباد میں پہلے بھی ڈاکٹر صاحب کے پروگرام ہوتے رہے تھے لیکن تنظیم میں شمولیت کے لحاظ سے کام شروع نہ ہو سکا تھا۔ ماہ ستمبر میں فیصل آباد سے محترم محمد اقبال دہقد صاحب نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور اپنے عزم اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ ۱۷ افراد کو تنظیم میں شامل کیا۔ محترم محمد اقبال دہقد صاحب پہلے جماعت اسلامی ضلع گجرات کے امیر رہ چکے ہیں ان کی درخواست پر امیر محترم فیصل آباد تشریف لے گئے اور پینچ کالونی کی جامع مسجد رحمانیہ میں ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو بعد نماز مشاء خطاب فرمایا تقریباً ۲ گھنٹے تک ہماری دینی فائدہ داریاں ادا ان کے لوازمات۔ قرآن مجید اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اختتام پر حاضرین کو دعوت دی گئی کہ اگر کوئی سوال یا اشکال ہو تو صبح ۶ بجے اسی مسجد میں تشریف لائیں تاکہ باجمہام دہقد صاحب کے ۱۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو تقریباً ۵۰ افراد تشریف لائے اور کوئی ۱۲ گھنٹے تک نشست متعقد ہوئی اس کے بعد ان حضرات کو جو تنظیم میں شمولیت اختیار کر چکے تھے یا جو اب شامل ہونا چاہتے تھے، دعوت دی گئی کہ وہ جناب محمد اقبال دہقد صاحب کے مکان واقع ۵/۷۷۰ سپلا کالونی ۱۷ پر تشریف لے جائیں تاکہ بیت لی جا سکے۔ چنانچہ مزید خوشی نے محرم ۱۲ کو صاحب کے ہاتھ پر بیت کی اور تقریباً ۱۱ بجے یہ محفل مدہ مغرت واستقامت پر اختتام پذیر ہوئی اس سفر میں جناب محمد سعید احمد صاحب۔ جناب محمد احمد صاحب کے علاوہ راقم الحروف بھی موجود تھا۔ اسی سفر کے دوران ہمارے ایک رفیق جناب راجہ محمد اسرار صاحب جو پہلے ہمدرد ہیں وہ ملی تنظیم میں تھے اسے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بھی ان خطابات میں شمولیت اختیار کر لی۔ قیام و طعام کا انتظام جناب احسان انجمنی صاحب مدینی تنظیم اسلامی کے افسر رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزا فرماتا فرمائے۔ ہم مشکور ہیں جناب محسن الرحمان افغانی خطیب مسجد رحمانیہ کے جنہوں نے دعوت یہ کہ بہترین انتظام فرمایا۔ بلکہ خود بھی خطاب میں موجود رہے۔

نظام آباد / وزیر آباد (۲۳ نومبر ۸۳ء) بروز بدھ کو محمد سعید کو صاحب اپنے ایک عزیز کے ہر تشریف لائے تاکہ امیر محترم کو نظام آباد ساتھ لے جا سکیں جہاں پر انہوں نے دعوتی خطاب کا انتظام کیا ہوا تھا۔ راقم الحروف اور جناب محسن انجمن صاحب بھی ساتھ ہوئے۔ جناب کو صاحب نے اپنے افسانے میں عزیزین شہر کو کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا۔ اس لئے ہم مغرب سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ اور شام تک مختلف حضرات ملاقات کئے گئے تشریف لائے اور مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات ہوا۔ بعد نماز مشاء نظام آباد کی مسجد مبارک الحمدیث میں امیر محترم نے قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں واضح فرمایا کہ انسان کو کن فرائض کے بارے میں یاد دہانی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا طریق اختیار فرمایا اور بحیثیت مسلمان ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں۔ تقریباً ۱۲ گھنٹے کے خطاب کے بعد حاضرین کو دعوت دی گئی کہ اگر اس بارے میں مزید مباحثہ مطلوب ہو تو جناب محمد سعید کو صاحب کے مکان پر تشریف لائیں سید کو صاحب کو ہمیں لاہور ۱۹ فروری تھا۔ کچھ حضرات تشریف لائے اور تقریباً

ایک گھنٹے تک ٹھکھو جا رہی۔ راتم الحروف کو چوتھو صبح راولپنڈی اسٹیٹ آباد جانا تھا۔ اس نے اس وقت واپس آنا پڑا لیکن ایر میر خرم نے وہاں بھی قیام فرمایا۔

صبح پانچ افراد نے بعیت کی۔ جن میں جناب محمد سعید کھوکھر صاحب کی اہلیہ بھی شامل ہیں۔ جناب محمد سعید کھوکھر صاحب جس طرح سے اپنی بیاریوں کے ملی الوغم محنت کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لئے باعثِ رہنمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمیں بھی ایمان و محنت سے نوازے رکھے۔ ہم طیب جامع مسجد المجددین نظام پورہ اور تھلپن کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے بے جہدہ سے اس کام میں تعاون فرمایا۔ مرتب: رحمت اللہ بٹرنائب ایر میر خرم پنجاب و سرحد

ایر میر خرم پنج پیر (مواضع) میں | محترم ایر میر خرم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انبرک ۱۲ تا ۱۵ تاریخ ایک سرورزہ دورہ پر پشاور تشریف لائے تھے۔ راستے میں ایر میر خرم صاحب عالم دین جناب مولانا محمد طاہر صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مولانا محمد طاہر صاحب موضع پنج پیر کے رہنے والے ہیں جو کہ جہانگیر سے تقریباً ۱۸ میل دور موالی کے راستے پر ہے ایر میر خرم کی یہ ملاقات جناب مولانا محمد طاہر صاحب سے بہت مختصر رہی اور کئی مفصل ملاقات اور گفتگو کے لئے مستقبل قریب میں کسی مناسب وقت پر ملنے کا وعدہ کیا گیا۔

ایر میر خرم اپنے اسی وعدے کو نبھانے کے لئے ۴ دسمبر کی صبح تقریباً ساڑھے پانچ بجے خیر میل کے قریب جہانگیر رو روئے شیشپنچہ پہنچے وہاں ایر میر خرم کو خوش آمدید کہنے کے لئے تنظیم کے ایک رفیق محمد سلیمان صاحب موجود تھے۔ ایر میر خرم ان کے ہمراہ ٹھہر گئے جہانگیر سے پنج پیر کے لئے روانہ ہوئے فجر کی نماز تک ایر میر خرم موضع پنج پیر پر پہنچے تھے اور وہاں کی جامع مسجد میں لوگوں کے اہلاد پر نماز فجر پڑھائی۔

بعد از نماز فجر آپ محمد سلیمان صاحب کے ہمراہ دینا ٹرڈ کرل شارس خان کے ہاں تشریف لے گئے۔ ناشتے کا انتظام وہی تھا۔ ناشتے کے بعد ایر میر خرم آرام کی غرض سے لیٹ گئے اور دس بجے تک آرام فرمایا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے ایر میر خرم مولانا محمد طاہر صاحب سے ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ مولانا محمد طاہر صاحب نے بڑے تپاک سے ایر میر خرم کو خوش آمدید کہا اور جو کچھ مجھے کے صحن میں ڈھوپ پھیلی ہوئی تھی چنانچہ تمام صحاب و وہیں صحن میں چار پانیوں اور کرسیوں پر بیٹھے رہے۔

ایر میر خرم کی مولانا محمد طاہر صاحب کے مجھے میں آمد سے تھوڑی دیر پہلے پشاور کے عین رنقا جتہ صلاح الدین صاحب، نور شیدائیم صاحب اور راجہ سردار احمد صاحب مولانا محمد طاہر صاحب کی راکش گاہ پر پہنچ چکے تھے۔

مولانا محمد طاہر صاحب ایک جید عالم دین اور مفکر ہیں۔ آپ نے دیوبند سے ۱۱۹۳ھ میں فاضل کلاستان پاس کیا اور پھر ۱۱۹۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ایک سال تک مولانا عبد اللہ سندھی سے درس کافض حاصل کیا اور پھر حیدرآباد میں پڑھنے کے بعد مستقل طور پر اپنے گاؤں تشریف لے آئے ایک ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ کاسب سے بڑا کارنامہ شریک اور بدعت کے خلاف جہاد ہے جس کی وجہ سے ارد گرد کے ماحول سے خصوصاً اندر دودھ دانہ سے مومن بہت سی شکرانہ بدعت کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ جماعت توحید دانستہ کے مرکزی صدر بھی ہیں۔ ان جماعت کا مقصد عوام میں توحید و سنت رسول ﷺ کا حیا ہے۔

ایر میر خرم اور مولانا محمد طاہر صاحب کی گفتگو کا آغاز مولانا سندھی کے حوالے سے ہوا اور مولانا محمد طاہر

صاحب نے مولانا سندھی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بڑے دلچسپ انداز میں گفتگو فرمائی۔ آہستہ آہستہ گفتگو کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اہم ابن تیمیہ اور امام غزالیؒ نے کر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی شخصیات اور ان کا علم و عمل زیر بحث رہا جبکہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت انسان کا پیغامِ حجاد و سلسلہ و بیعت بھی موضوعِ گفتگو رہے اور اسکی مناسبت سے تحریک مجاہدین کے مختلف پہلوؤں پر بھی دو فوں الی علم حضرات کے درمیان کافی دلچسپ بات چیت ہوئی اور آخر میں ملکی حالات اور اسلامی تحریکوں کا انتہائی محققانہ جائزہ لیا گیا۔ اور اصلاحِ اہل عام کے لئے لکھی گئی کوششوں اور مستقبل میں ان کوششوں کے ثمرات پر بھی تفصیل سے مدنی ڈالی گئی۔ اس نشست کے دوران تقریباً ساڑھے گیارہ بجے راولپنڈی کے امیر جناب عبدالصمد صاحب بھی تشریف لائے۔

اسی دوران مولانا طاہر احمد صاحب نے امیر محترم کو اپنی چند تصانیف بطور تحفہ پیش کیں۔ مولانا صاحب کی یہ تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں۔ تقریباً ساڑھے چار بجے نشست اختتام کو پہنچی اور کھانے کا دور شروع ہوا۔ محمد سلیمان صاحب نے انتہائی پُر تکلف کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا اور دس بارہ مہمان کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانے کے بعد نمازِ عصر مولانا محمد طاہر صاحب کی امانت میں ادا کی گئی۔ بعد ازاں امیر محترم نے کچھ دیر کے لئے آرام کیا اور سو اہل بیتؑ کے قریب میند سے بیدار ہوئے اور نماز کی تیاری فرمائی۔ اس واقعہ کے دوران باقی رفقہ اور جہان مختلف امور پر گفتگو کرتے رہے۔

عصر کی نماز کے بعد مولانا محمد طاہر صاحب نے امیر محترم کو اپنے ذاتی کتب خانے کی سرکردگی کے تحت پر کافی نادر و نایاب اقدیمی کتب دیکھنے میں آئیں۔ بعد میں امیر محترم نے مولانا طاہر صاحب کو چند کتب تحفہ پیش کیں۔

ان تمام امور کی انجام دہی کے بعد تمام اصحاب پھر صحن میں تشریف فرما ہو گئے اور وہیں پرچائے خیرہ پی اور مختلف ملی امور پر بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔

مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر پہلے ہی امیر محترم رفقہ اور چند دوسرے اصحاب کے ہمراہ جامع مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ کیونکہ مغرب کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کا درس تھا جس کے لئے اور گھر کے تمام دیہات میں متعدد بار اعلانات کروائے جا چکے تھے۔ اس لئے امیر محترم کے جامع مسجد پہنچنے سے قبل ہی مسجد میں کافی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے امیر محترم کا بڑا اچھا استقبال کیا اور امیر محترم کو مسجد میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مغرب کی افان ہو گئی اور تمام لوگوں نے امیر محترم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

نماز کے بعد تھوڑی دیر تک انتظار کیا گیا اور تقریباً ساڑھے پانچ بجے امیر محترم نے درس کا آغاز کیا۔ درس کا موضوع "توحید و سنت کا عملی پہلو" تھا۔ اس موضوع پر امیر محترم نے تقریباً پونے دو گھنٹے تک انتہائی متل و موثر اور فصیح و بلیغ خطاب فرمایا۔ جسے لوگوں نے توجہ، احترام اور ذوق و شوق سے سنا بتائی لوگوں کی ایک بڑی تعداد مسجد میں موجود تھی اور دروازہ کے دیہات سے بھی کافی لوگ درس میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

درس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی اور بعد ازاں نماز و سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں کافی لوگوں نے متعدد امور کے بارے میں سوالات کئے جن کے انتہائی متل و موثر جواب دیئے گئے۔ انہی میں ایک صاحب شیراعظم خان جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تقریباً تمام تصانیف کا بطور مطالعہ کیا ہوا ہے۔ انہوں

نے ایک لمبے چوڑے کاغذ پر بیس سوالات لکھے ہوئے تھے جن میں سے چند کے جوابات امیر محترم نے اسی وقت دیتے اور بقیہ جوابات کے لئے انہیں دوسرے دن صبح آٹھ بجے کا وقت دیا اور اس طرح یہ سلسلہ سوال و جواب اختتام کو پہنچا اور امیر محترم واپس مولانا طاہر صاحب کے حجرے میں تشریف لے گئے۔
درس کے دوران منظم اسلامی کے رفقاء نے مسجد کے اندر ہی مکتبہ لگایا جس میں لوگوں نے بہت لمبی کاغذ پڑھ لیا اور ابھی خاصی کافی تھا اور میں کتب خریدیں۔

مولانا طاہر صاحب نے راستے کھانے کا انتہائی پر تکلف اور پرہیزگار انتظام کر رکھا تھا۔ کھانے کے دوران امیر محترم سے ملنے کے لئے دو اصحاب تشریف لائے جو چودہ میل دور کے ایک گاؤں کا لوغان سے آئے تھے۔ کھانے کے بعد امیر محترم نے حق سبحانہ کے ساتھ مختلف امور پر گفتگو فرمائی اور ان کے رخصت ہونے کے بعد امیر محترم آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔

صبح ناشتے کے دوران بھی مختلف علمی موضوعات پر تباہ دلہ خیالات ہوتا رہا۔ پرشت کافی دیر تک جاری رہی پھر مولانا صاحب وہاں سے تشریف لے گئے کیونکہ مختلف لوگ امیر محترم سے ملاقات کی غرض سے اور سوال و جواب کیلئے آئے شروع ہو گئے۔

صبح کی اس نشست میں پنج پیر کے ایک عالم جناب مولانا محمد غفور صاحب بھی امیر محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ مولانا موصوف بھی مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور آپ وہیں جامع مسجد میں درس قرآن دیتے ہیں مولانا موصوف نے تعلیمی امور میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور "مہذب نامہ" اور دوسری اہم کتب حاصل کیں۔ یہاں پر مدرسے کے ایک طالب علم جو کہ خود بھی مختلف مدارس میں درس دیتے رہتے ہیں انہوں نے مولانا صاحب سے ملاقات کی اور تنظیم میں شمولیت کی خواہش کا اظہار کیا اور کچھ عرصہ بعد قرآن اکیڈمی لاہور آئے گا وعدہ کیا۔

پرشت تقریباً سوانو بجے تک جاری رہی اور تقریباً پندرہ بیس اصحاب نے امیر محترم سے ملاقات کی۔ اور مختلف سوالات کئے جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔

سوانو بجے کے قریب مولانا صاحب تشریف لائے اور چوٹو کا دھمکی بکلی تھی۔ لہذا تیاری کر کے امیر محترم باقی تمام رفقاء کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوئے جبکہ مولانا طاہر صاحب امیر محترم کو گاڑی تک چھوڑنے کے لئے تشریف لائے اور بھی بہت سے اصحاب امیر محترم کے ساتھ کار تک آئے اور انہیں بڑے تہاک سے رخصت کیا واپسی میں رفقاء اور امیر محترم پنج پیر سے لیدہ کے راستے جہانگیر آئے۔ جہاں پر پناہ دے آئے ہوئے رفقاء گاڑی سے اتر گئے اور امیر محترم جناب عبدالصمد صاحب کے ہمراہ اور اینڈ کی بندلیجہ کار روانہ ہو گئے اور اس طرح پیر و گرام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیابی سے اختتام کو پہنچا۔

ملتان

اس مرتبہ ان تنظیم کا دورہ ملتان ٹری اہمیت کا حامل تھا کیونکہ وہ صرف دیکر ریح الاقل کے مینے میں سیرت النبیؐ پر پہلی تقاریر تھیں مگر رفقاء کی تربیت اور مقامی علماء سے تعارف بھی تھا۔

۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ کو عصر کے وقت جب ان تنظیم کا پہلا اجلاس پورٹ پرنس کا تو رہتا تھا (۱) کرنل حیدر تین صاحب امیر ملتان استقبال کے علاوہ جو دیکھے معارف و معارف کے بعد جب امیر موصوف ۲۵ فیروز کالونی پہنچے جہاں ان کے قیام کا

بندوبست تھا تو رفقاء وہاں موجود تھے۔ ان سے مصافحہ کے بعد میری تنظیم نے عمر کی نماز پر صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کپے میں چلے گئے کیونکہ پچھلے دو دن سے آپ مسلسل سفر میں تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد چائے کی ایک پیالی پی اور دعا پڑھ کر نئے تیار کی کی روانگی سے چند منٹ پہلے محمد احمد صاحب کھجور نے کرتھ لیفٹ لے آئے۔ انہیں بھی ساتھ لیا اور دوکانوں پر پختہ قافلو روانہ ہوا۔ محمد احمد صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ وقت پر پہنچے ورنہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ جلسہ کہاں ہوتا ہے۔ خان گڑھ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو کہ طمان سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے اور نوابا دہ فوارا طمان کی ریش گاہ دیں ہے۔

ان تنظیم کی تقریر کا اہتمام وہاں کی صاحب مسجد فاروقیہ میں کیا گیا تھا جو کہ بہت وسیع اور کثادہ تھی۔ ادنیٰ نماز کے بعد تقریباً آٹھ بجے تقریر شروع ہوئی۔ امیر موصوف نے رسالت مآبیکہ بحیثیت ختم نبوت اور قوم رسالت پر روشنی ڈالی اور فرقہ واریت کی سبکدوشی بھی ہوئی تھی اور سب لوگوں نے اس مدلل تقریر کو بہت فور سے سنا تقریر کے بعد مصافحہ لوگوں نے کھانے کا انتظام مسجد کے سامان خانے میں کیا ہوا تھا جسے سب نے سیر ہو کر کھایا۔ تقریباً گیارہ بجے ہماری روانگی ہوئی اور بارہ بجے ہم طمان واپس گھر پہنچے۔

۷۔ کسبیر: مصباح نوبیہ وہابی کے چھ رفقاء صبح اپنے امیر کے بھی آئے اور ترمیمی پروگرام میں شامل ہو گئے۔ صبح میں بچے ناشتے سے فارغ ہو کر تربیت کی نشست ہوئی جس میں امیر موصوف نے سورہ مائدہ کی آیات ۵۵، ۵۶، ۵۷ پر درس دیا اور واضح کیا کہ حزب اللہ میں ایک کارکن کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔ اس موقع پر تنظیم کے رفقاء کے علاوہ ملازم عبدالعاجد خان کے والدین گوار اور ان کی نیکمری کے ایک ساتھی جناب غفر خان صاحب اور ان کے دو بیٹے بھی موجود تھے۔ دن کا تھا کہ امیر موصوف روزانہ درس دیتے رہیں تاکہ ہمارے ایمان کی شمع ہمیشہ روشن رہے۔ دوسری سورہ مائدہ کے بعد کچھ سوال و جواب ہوئے جس میں غفر خان صاحب کے چھوٹے بیٹے نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اللہ ان کے بھائی کو دین کی خدمت کرنے کی استطاعت عطا فرمائے اور اقامت دین کو سمجھنے اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق بخشے (آمین)، ابھی گفت و شنید جاری تھی کہ بہاد الدین زکریا یونیورسٹی کی سٹوڈنٹس فوین کے صدر اور ان کے دو ساتھی آن پہنچے۔ ان کی کوشش تھی کہ یونیورسٹی میں سیرت النبی کے موضوع پر امیر موصوف خطاب فرمائیں۔ امیر موصوف طلباء کے معاملے میں دل میں ایک نرم گوشہ رکھتے ہیں لیکن یہ جان کر حیرت ہوئی کہ صدر صاحب جو کہ اسلامی جمعیت طلبہ کے لیڈر تھے اور انظمہ مجتہدہ چکے تھے ان کی داڑھی ہمارے تھی۔ اور ان کے ایک ساتھی جو کہ جمعیت کے فقیہ تھے مفت زکریا پر کار فرما تھے۔ امیر موصوف نے ان سے کہا کہ ان کے زمانے میں ایسا ناممکن تھا کہ ایک کارکن ہوا حد اس کی وضو قطع سنت رسول کے مطابق نہ ہو۔ بہر حال امیر موصوف نے اپنے پروگرام کو جمعہ ۹ دسمبر تک طویل دے دیا۔ صدر صاحب بھی خوش ہو کر آئے اور ہمیں بھی دل میں مسرت ہوئی کہ کچھ امداد ان کی صحبت میں گزریں گے۔ رات نے فوراً جا کر امیر موصوف کی ٹکٹ جمعہ کی صبح کی پرواز پر بک کر لی۔ دوپہر کا کھانا سب نے مل کر قرین صاحب کے گھر میں کھایا۔ اس کے بعد تمام رفقاء شام کے جلسے کی تیاری میں لگ گئے۔ اس موقع پر اگر میں جناب شفیق صاحب، یونس صاحب، عبدالحی صاحب، عبدالرحمان خان صاحب، ماجد خان صاحب اور رفیق اقبال صاحب کی کاوشوں اور محنتوں کا ذکر کر دوں تو زیادتی ہوگی جنہوں نے اپنی آنکھ جسدِ محمد سے دوسرے لگا گئے۔ بیڈر علی تقسیم کر آئے۔ اختیارات میں عربی چھپوایش۔ کتابت کہانی اور گیارہ گاہ کو مینز سے آواز مل گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ شام کی تقریر کا سامان سمجھنے کے لائق تھا۔ ایک میل دھان تھا جو سیمان تھا۔ کھانیاں پر کھائیں تو قرین پر چادر میں بچا دی گئیں۔ لوگوں کا بخوش اور جذبہ قابل دید تھا جو کتنی بھاری

اس کے بعد مختصر سے وقت میں سوال و جواب کا سلسلہ ہوا اور یوں یہ مفید دورہ اختتام کو پہنچا۔
 ۹ دسمبر: ایریزم کا جاز سونا نو بجے روانہ ہونا تھا لیکن دھند کی وجہ سے ۱۲ بجے روانہ ہوا۔ ہمیں موقع ملا کہ ان کی صحبت سے مستفید ہوں۔ اسی اثنا میں یونیورسٹی کے طالب علم اور قائم کے ہم سایہ جناب حسین ملک نے ایریزم کے ماتھے پر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر و استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔
 ۱۲ بجے قائم ایریزم کا ٹیریلٹ پر امداد پہنچے گیا۔ ایریزم بڑی شفقت سے ٹیکل گریڈ ہوئے امدادوں کی جانب بڑھے۔

مرتب: ڈاکٹر محمد طاہر خاگانی



بس ذرا گلا خراب ہے

گلے کی خرابی اور خارش کو معمولی بات سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے
 یہ بھائے خود ایک دھن ہے اور نزلہ زکام اور کھانسی جیسی پریشان کن
 اور تکلیف دہ بیماریوں کا پیش خیمہ بھی۔
 گلے میں خارش محسوس ہو تو فوری توجہ دیجیے۔ مناسب احتیاط
 برتتے اور سعالین لیجیے۔ جزی بوٹیوں سے تیار شدہ سعالین نزلہ زکام
 اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے اور ان سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔

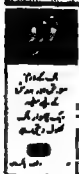


سعالین

نزلہ زکام اور کھانسی کی مفید دوا



بہتر دستاویز بنائی گئی ہے



ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لَاحِيَهُ مَا
يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

ارشید جیولری ہاؤس

لاہور

مپل روڈ سوہا بازار

۳۱۱۲۲۰ — ۳۰۲۲۲۲ ۶۶۲۷۹ — ۶۶۲۳۳

پروپرائیٹر

اے وحید

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینجو انٹرنیشنل

درآمدی اشیاء

آرٹ سلک فبرکس کارمنش : بیڈ شیٹس
کائن کلاہ : کائن کارمنش : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فن - نیچر -

درآمدی اشیاء

لالہ دانہ : شکر فلم : سوچ سٹارٹ
ربر میٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I قلمو غلام رسول بلڈنگ ۲ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

مرکزی نجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ



سائنس کا کربلا

ہم:

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک اہم تقریر جو اب کتابی شکل میں

شائع کی گئی ہے

صفحات - ۴۸

قیمت: ۳ روپے مرن

بنے کا پتہ

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۲۶۱۱



ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط رواں

اور دیرپا

اسٹین لیس

اسٹیل کی

اریڈیم ٹیڈنٹ

کے ساتھ

ہر جگہ دستیاب



آر او فرنیڈ رائیڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۹۷۷ء



وَنَزَّلْنَا الْقُرْآنَ فَاهُوشَفَاءٍ

وَلَحْمِ الْيَوْمِ مَبْنُونٍ

سورة الاسراء - الآية ٨٢



عطية: حاجی محمد سلیم



حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ Exporters

۳۰۶۲۶۸ ، نند بازار، لاہور۔ ۳۰۵۲۶۱



وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فَبِكَلِمَةٍ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ

(الحجہ ۲۵: ۱)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- اینپرس روڈ - لاہور

THE ORIGINAL



آپ کو پریسٹر ایڈمنکسٹریٹ کے معیاری
گارڈز، بالے اور سلیب وغیرہ
درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار امید تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

● صدر دفتر : ۶- کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کوشن بگر) لاہور

فون : ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۳

- پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ۔
- جی۔ ٹی۔ روڈ کشمالہ۔ نزد ریٹوے پھاٹک، گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔
- فیصلہ پور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون : ۷۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ۔ نزدیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون : ۵۰۶۲۶
- جی۔ ٹی۔ روڈ۔ مریدکے۔ فون : ۷۰۰۳۸۹
- جی۔ ٹی۔ روڈ۔ سرانے عالمگیر
- جی۔ ٹی۔ روڈ۔ سواں کیمپ۔ راولپنڈی۔ فون : ۶۸۱۲۷
- ۸۷۶-۸ فریڈ ٹاؤن ساہیوال۔ فون : ۳۳۸۲

مختار سنز گروپ آف کمپنیز



پنجاب بریوئرز کمپنی لمیٹڈ - فیصل آباد - فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

پاکستانی خواتین کے ایک مقبول اور کثیر الاشاعت ماہنامہ

میں شائع شدہ
ڈاکٹر اسرار احمد
کا اسٹوڈیو

سہ ماہی
ایمل کراچی

اولیٰ عشرہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اسلامک میٹیکل ایسوسی ایشن پاکستان کے اجلاس منعقدہ خاندانہ اہل
بائیں خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ اجلاس کے اختتام پر ایسوسی ایشن کے صدر جناب ڈاکٹر حسین اختر صاحب ڈاکٹر
صاحب کو اپنے ٹیلیک واقعہ حادثہ ناظم آباد لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہاں ایسوسی ایشن کے مندوبین پہنچ گئے
ہو گئے نظر ہوئی۔ لیکن اس کے برعکس وہاں ماہنامہ آنچل، کراچی کی مدیرہ ادنا بیگم اور خاتون منظر تھیں اور انہیں
داد رکھا گیا کہ انہیں انٹرویو کا اہتمام ہے۔ اجلاس کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو مدیرہ آنچل کی جانب سے انٹرویو کی
فرائض پیش کی گئیں۔ تاہم وہاں کے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے لئے اس طرح سے فوری سازش ہو جائے گی۔
برلن وہاں کی نگہ نظر ہوئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذہن سے یہ واقعہ بالکل بوجھ گیا تھا یہاں تک کہ
پاکستان کے تمام ماہرین ڈاکٹر صاحب کراچی گئے تو ایک صاحب نے نہایت تحسین آمیز انداز میں اس انٹرویو کا ذکر کیا۔ اس پر
ڈاکٹر صاحب نے فوراً جواب لے لیا کہ کیا اس نے خواب میں کسی جدید سے کہا انٹرویو نہیں دیا ہے اور ایک انہیں وہ واقعہ
نیا تو خیال ہوا کہ یہ جو حاصل کر کے دیکھا جائے کہ کیا کچھ چھاپ دیا گیا ہے۔ مگر اس پر حیرت بھی ہوئی کہ آنچل ناظرین
لے کر کیا کیا کہ انٹرویو پر جوئی کی شاعت ہو چکی لیکن پھر غریب نہیں دیکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے تو
پاچھ پچھے بددیور بدبڑا پوسٹ اور سال کر دیتے تھے لیکن غالباً حکمرانوں کے کارکنوں کو کچھ ضرورت سے زیادہ ہراسہ
آگئے۔ ہر حال انہوں نے دوبارہ پریچھانیت کیا تو یہ انٹرویو سامنے آیا جسے گاؤں نیشادی، کراچی کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔

(عجیل الرحمن)

فائل نمبر ۱۰۰

ولی مرہ لینے والا سرگزین انظار بیان نقد سرس
کب چہ داناں منظر پندار پستانی بھیدی ادہ
آہستہ آہستہ آہی سے پہلی منزل کی صلاحت۔ یہ ہیں ماہ اصاف
جوتی دی پروگرام بھیدی کو دیکھتے تھے سیر سہ ماہیوں کو گوں
نے محسوس کئے ہیں گئے۔

پاکستان بھرتی ناظمین محنت کا گوارہ ہے اور ہم یہ صاحب
علیہ السلام کے مذہب آفاقی علم حاصل کرتے ہیں لیکن انٹرویو کی ضرورت
اور آواز کی محسوس کر کے ساتھ میں ہرگز نہ سمجھے سب سے زیادہ شرم کیا،
وہ ہے نفی۔ جس کی مثال ملی نادر منگل ہی سے ملے گی۔ میں
نے سوچا، اس شخص کے قصہ کی مثال کبھی میں جراتی کے لئے پسند

ماہنامہ شمع

ڈاکٹر اسرار احمد

۱۰۰

کے کام نہیں لیتا۔ مجھے اہتدے کہ آپ مجھے بتا دیے۔ لہذا کہ نہیں کریں گے کہ کوئی لڑائی سرے کر اسلام کے اسکاہوں کے انڈولان جواد کے ساتھ۔ دین کو ہتر چرے پر دناہین کے آگے پیش کرے۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ لوگ آپ جیسے لوگوں سے واقف ہو سکیں۔ دین کی وہ خالی کے لئے مواد اور موت کی کوئی تخصیص نہیں۔

قرصہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواتین دین کے سٹیل میں پیری کی تحریکوں حاضر خدمت ہوا کرتی تھیں تو دستاویز ہائی تھیں۔ قوم کی انھوں میں نیل آپ کے علم کی برکتوں سے شفیض ہونا چاہتی ہیں...

کیا آپ انہیں یلوس کریں گے؟

کترین فاطمہ زہرا جبین

فائدہ ہائیں آکل۔ کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد نے فریاد، ایجنسی پر کھول دیا۔ ان کے بوس پر ایک پروردی مسکراہٹ رنگ گئی۔ اور میں اہتدے ہم کے دربار، چکے کھائی کشی کی مانند ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پروردگار کے اہتمام کے بعد جب انہوں نے میری طرف توجہ فرمائی تو میں نے مرحوب ہوئے ہئے اپنا مدعا بیان کیا۔

انہوں سے مجھے انکا نہیں لیکن صبح آٹھ بجے ماہیں بھی جانا ہے۔ انہوں نے پکا اطلاق انداز میں معذرت چاہی۔

میں نے ایس۔ اے خان اور ڈاکٹر سید رشید اختر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر جبین اختر نے برق تیری خطائی مدد کرتے ہوئے کہا۔

ہم۔ دی۔ آئی۔ جی۔ ہاؤس پہنچے ہیں۔ آپ وہیں انڈولو کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب کی مقدس شخصیت کی جودھا کھل پر پیرہن پہنی تھی، اسی نے تب اغلو کی شکل اختیار کر لی تھی۔

رات گہری میں آنکھیں پٹی۔ ڈاکٹر صاحب کچھ سفر کچھ ٹکراؤ کچھ خفت خطرات کے باعث تھکے تھکے نظر آ رہے تھے۔ تاہم ان کی بدش آنکھوں کی حالت دیکھ کر انسان محمد ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں انڈولو حاصل ہونے کی مسرت اور طاہت سے کچھ نفسیاتی۔ صبر متاثر و مرحوب ہو کر سوال کرنے لگی۔

آپ مرحومہ دود میں افلاخ اسلام کے منصوبے اور اس پر عمل نہ کر کے طعنیں ہیں؟

تھکا نہیں۔ وہ اعتراض کے معاملے میں بے باک اور کل خود پرواستاگ تھے۔

کیوں۔ کوئی وجہ۔ کوئی غامی؟

افلاخ اسلام کی رفتار اس قدر کمزور تھی اس قدر موجودیم ہیں کہ اگر واقعی اس کی برکات معاشرے پر اثر پذیر ہو چکی ہیں اور

دور میں اہل بیت پیغمبری کے ابتداء پر مقرر ہے جب کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس دور میں حدود سائنسی دور میں حدود سائنسی دور میں... ابتداء پر مقرر ہے۔ لوگ انہیں جو چاہیں کہہ دیں جو چاہیں سمجھ دیں۔ میں اپنے صبر پر کھینچے میں برقی ہوں کہ تقویٰ اختیار کرنا ہی وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا خاص ہے۔ متقی کلمہ کی لغو میں محسوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تو لوگوں کو لینا کرتا ہے۔ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور اللہ کی ضام حاصل کرنے کے لئے راہ نجات پر گامزن تھے۔ ایک کو لینا اور ایک کو شک ڈالنا کہ اس قدر تقویٰ کا پابند نہ ہوئے ہئے واقعی زہمت حیرت کا باعث تھا کہ مسرت کا بھی... کہ مسئلہ انڈولی کا حل ابتداء میں قدر مشکل رہا ہے۔

وقت بدلا ہوا ہے۔ اقتدار بدل چکی ہیں۔ دم دواہج تبدیل ہو گئے ہیں۔ گہرے گہرے جید علم اور دماہین دینی، اسلامی شعار کو اختیار کرنے ہوئے وقت کی رفتار کو ہر حال مؤثر رکھتے ہوئے اپنے چین کو حسب حال ڈھل لیتے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر اسرار احمد اسلام کے موقف کو اس حال میں جلدی رکھتے پھر رہے ہیں جس طرح قرآن حکیم کے ذریعے اٹھائے نے لفظ کیا۔ وہ دن میں کسی بھی چوڑی کلائی کے لہذا اور نہیں ان کا موقف یہ ہے کہ دین اسلام انسانی اور فطری دین ہے کہ تافیات اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ تمام انسانی خود میں وہ خود پوری کرتا ہے پھر کس تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اس دین کو... اختیار کرنے میں کیا قیامت ہے؟

مقام ڈاکٹر اسرار احمد مرحوموں کو کیا مرحوموں کو بھی انڈولو نہیں دیتے۔ ریب ماہیں کئی اور حوصلہ شکنی صورت حال میں ادب میں نے اس صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا تیرہ کرنا تھا۔

مدیرہ آج بھی اس شکل کے ایک حیلے میں گئے کے بعد میں نے واقعی اس پہنچ کو ٹھل کہنے کا فیصلہ کر دیا۔

ایک تقریب میں بطور خاص شرکت کرنے کے لئے میں خائفہ بنا ہال میں صبح نو بجے کے بعد پہنچی۔ میں اپنی کتابا ہی سے کوئی کھو خانہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ معلوم ہوا کہ بعد نماز مغرب محرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جلد کی شریف آنکھ کی تھک تھک ہے۔

بہت مسرور تھا کہ بعد میں نے ایک خدا ان کے نام پور کیا جس کا حق حسب ذیل ہے اور دناہین کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقام ڈاکٹر صاحب قلم:

استاذ حکیم و رشتہ ہندو برکات

میں خواتین کے دماغ کے نامہ انکلی کی طرف

آپ کا انڈولو لینا چاہتی ہوں۔ دماغ کو تقویٰ

لوب کا سرچر ہے۔ تاہم دین سائنس پر چھائی مستند

خدمات کی انجام دہی میں کسی قسم کے تامل ہونا چاہی

بتائیں اس کو کہیں نہیں کہوں گا کہ تم نے زمانے کے مطابق دینی کو کیا ہے بلکہ دین تو پہلی جگہ پر صیقل سے قائم ہے۔ میں اس کو نافذ کرنا ہے حاکم بنانا ہے۔

ڈاکٹر صاحب! کیا اوقات لوگ آپ کی انتہا پسند قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ واقعی انتہا پسند ہیں؟

”در اصل مجھے یہ افکار ہی نہ تھا کہ لوگ مجھے انتہا پسند سمجھتے ہیں مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کس انداز میں مجھے انتہا پسند قرار دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں خود کو FUNDAMENTALIST کہلاتے ہیں یہ اعتراض نہ کروں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے جو

FUNDAMENTALS ہیں ان پر کسی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا مجھے یقین ہے کہ دین کو وقت کے لحاظ سے تبدیل کئے بغیر ہی انسان ارتقاء کے

اصل ترین دارجے کر سکتا ہے۔ اس لئے جو سکتا ہے کہ لوگ... مجھے انتہا پسند سمجھتے ہیں کیونکہ میں دین پر یقین کرنے میں ایسا کوئی سہارا

کرتے ہو کہ وہ نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے انتہا پسند نہ کہن معنی میں کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی گارنٹی نہیں آتا۔

”مگر وہی اپنی ذات کی حد تک مجبور کر دار کا حال ہو تو انتہا پسند ہو جاتا ہے۔ تاہم کیا نہ سب کے سب میں تمام معاشرے کو انتہا پسند بنایا جا سکتا ہے۔ میں کسی بھی چیز کا افکار جس پر طبیعت مکمل طور پر تربیت یافتہ نہ ہو؟“

”در اصل اسلام کا اندھا دھی مری زندگی کا واحد مقصد ہے۔ اس کے لئے جدوجہد ہم ترین منصوبہ ہے جدوجہد کے ذریعے ہی لوگوں کو فانی کر کے آباد کرنا ہوگا۔ اس کے بعد جس کے تعاون سے ایک جماعت تشکیل

کرنی ہوگی۔ جب لوگ قائل ہو جائیں گے تو کوئی اعتراض اسے اندہ زبردست انقلاب پیدا کرنے سے نہیں روک سکے گا لیکن یہ ایسا آئندہ ہو سکتا کہ آج میرے ہاتھ میں اختیار دے دیا جائے تو میں اسلام کو نافذ کر دوں۔ واقعہً جب تک ہم انقلابی عمل سے باز نہیں گئے، اسلام کا

تفصیل: اسلام کا مدبر ممکنات میں سے نہیں۔“

”تو کیا یہی وجہ ہے کہ ہم ہندو مسلم کے فساد کے سلسلے تلاش کر رہے ہیں تاکہ مستقبل کے کسی اور میں مذہبی بنیادوں پر نافذ کیا جاسکے

میں سے سوال کیا۔

”ہاں...“ مختصر جواب تھا۔

کافی عرصے سے ڈاکٹر صاحب کے فرائض کے سلسلے میں وقت برفریز چھ رہی تھیں۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے کئی امور میں کہا تھا کہ ”میں کسی زمانے کے لئے نہیں ہوں۔ تاہم ان وقت و شخصیت متنازعہ تھی۔“ تاہم رفتہ رفتہ کمالک بناموضوع

گیا۔ خواہ مطلب کچھ بھی ہو چونکہ مجھے ان موضوعات کے موضوع پر فضا کے لئے معلومات و کوششیں بڑھانی سے تھیں۔

کا واضح پتہ پتہ خود نہیں پایا جاتا۔ اسی وجہ سے لوگوں میں مایوسی اور کچھ مایوسی پائی جاتی ہے۔ موجودہ حکومت، افکار اسلام کے سلسلے میں

انتہائی سست روی سے کام لگا رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ دین کے فساد کے سلسلے میں بھی آپوں نے اپنی ترجیحات رکھی ہیں اور یہ ترجیحات

دین سے بہتر ہرگز مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً یہ کہ جنس جراثیم کی جو سزا وہ دیتے ہیں ان میں احکام دین اور قرآن کے مطابق سزا اور عذاب

کے جو احکام ہیں ان پر قطعی عمل نہیں ہوتا۔ چند سچ ہی ہستی، نافذ تو کریں۔ دین کے احکامات پر عمل طور پر مل در آدھا وہ قدرتی

طریق کار جو اپنا مطلب مل کے دیتے، دینی بین کی آفاقی طبیعت کے نفوذ کا واحد ذریعہ ہے۔ اور اب جب کہ عمل در آدھی نہیں ہو

رہا ہے بلکہ وقت کا بڑا حصہ صرف دستاویزی تیاریوں وغیرہ میں صرف ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس رفتار سے ضروری کمزوری کا یقین

انتہائی دیریں کن ہو گا۔ کیا آپ کے خیال میں دین کو مکمل طور پر یک نیت نافذ کرنا چاہیے؟

”جی ہاں۔ یک نیت اللہ کا نالٹا... کیونکہ اسلام کو نافذ کرنے کے لئے ”جہاد“ کے فلسفے سے مکمل کا فلسفہ زیادہ موثر اور مستحکم ہے۔

پھر بعد انقلاب ہی وہ نقطہ ہے جس کے عمل کو بیان کر سکتا ہے۔ یعنی انقلابی خصوصیت کے حامل لوگ، انقلابی جماعت بنائیں... اور

انقلاب کی راہ ہمارا کر کے غیر اسلامی عناصر کو یک نیت منسوخ کریں۔ یہ وہ لوگ ہوں جو بنیادی طور پر تربیت شدہ ہوں جنہوں

نے اسلام کی خاطر قربانیاں دے کر اپنے آپ کو ثابت کیا ہو۔ جب تک محنت شاقہ سے ایسے لوگ فراہم نہ ہوں گے جو دین کی آفاقی

حیثیت پر ناقابل شکست اختیار رکھتے ہوں اور اس کے فساد میں کسی فراہم کسی پہلو نہ دیتے ہوں۔ ایک انقلابی جماعت کا وجود میں

آنا کیا معنی ہے؟

”فنا اسلام کے لئے کیا اسلام کو زلزلے اللہ وقت کے ارتعاشی ماحول کا تابع سمجھنا بہتر ہے یا انسانے کو اسلام کے اعتبار سے... مشروط رکھنا ہوگا؟“

”اصل میں تو ہمیں زمانے کو دین کے تابع کرنا ہے۔ دین کو وقت کے پہلے میں آنا ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دین ایک

مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کی تمام تر زندگی اور روحانی عادات کی کاغذ معینیت کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے۔ مگر تعداد اصل ممکنات

کے ہم کے حصول اور حصول کے ذریعے زندگی کے تعدیل اور حصول آگاہی کے معیار کا ہند کا انداز ہے۔ اس انداز کے طے سے مزید معاشرت...

مزید توجہ دینا، حقیقت یہ یقین میں ہے کہ ہمیں کسی صورت محسوس نہیں ہوتی کہ ایک نئے جہاد کا ہے۔ وہ چھوٹی جگہ کے اندر ہے، دین سے بہتر نہیں

ہیں دوسروں سے بہت سی امتیاز دہشتہ ہیں لکنا چاہیں
بلکہ خود کو مل کر لکنا چاہئے۔ وہ جو کہ کہے ہیں، وہی نصیحت ہے،
ایسے ماحول میں بہت کچھ حاصل ہوا ہر حال ہے۔ تاہم ایک میں
شہر نشانی اس شخص کو دفا شک میں مدد گئی ہے۔ اس میں علماء کا بہت
گرا CONTRIBUTION ہے۔ انہوں نے مسجد میں کلاسی بھی بنائی ہیں،
الٹا میں نمازیں میں بچے ہیں، خلیفے ہیں، یہ سب کیا ہے، ہمارے
ان کا بہت حصہ ہے۔ ہم میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ
کیوں چاہتے ہیں کہ اسلام دینی کریں۔ میں بھی خود بخود بحیثیت مسلمان کہ
نہ کہ کفر چاہتا ہے۔ اپنے اعمال کو کیا ہی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دے جا اب
دینی کے اور اسلام میں یہ کاموں علماء کا کہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے
پہنچ کر بہترین اسلامی لٹریچر فروغ کیا جائے۔ بہترین اسلامی تربیت
دی جائے اور بہترین نصیحت کے ساتھ پیش کیا جائے اور ہر گھر میں
یہی جذبہ بولان چمڑے کو کوئی جرت غیر زیادت نہیں کہ خود بخود منافقت
کا دور ہے اللہ اسلام ملے اور جلد اپنی تمام افلاحت کے ساتھ نافذ ہو جائے
میں نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے، اپنی لٹے کا فہرہ لکھا تو وہ پورے
مئی ہاں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جلد کو ایجاد خود انسان
کے اپنے نفس سے ہوتی ہے۔

اسلام پر کلام بند ہیں؟
 ”وہ اس میں اس نظام کو جہنم اسٹی نہیں کر سکا ہیں جو کہ
 نافذ کیا گیا ہے۔“ ڈاکٹر امجد احمد صاحب نے جواب دیا۔ ”جہاں تک

جی ہاں، بلاشبہ ہندوؤں کی نظام ہندو متنازعہ مسئلہ ہے لیکن خیریت اس بارے میں کہاجاتی ہے؟
 ”شریعت تو خود کو حرم قرار دیتی ہے۔ ذاکر صاحب کی آواز گونج رہی تھی، پھر ہندوؤں کی سان پناہ... اور وہاں سے تھکا کر شب بیل میں جہاد کی، یہ لڑاکا کس تک پہنچے گی؟

سوال کیا:
 - تودو مندر جوگا۔ نا کر سدا احمدی مختصر جواب دیا۔
 - جوڑو کیجک نظام میں اپنے فرض و اذین کی حیثیت
 سے انجام دیتے ہیں، ان کشادہ دل کے بابے میں متشددانے ہائی
 جانی ہیں۔ آپ کیا کہیں گے؟

یہاں ہیں، کیا آپ نہیں؟
غیر ضروری کلمات تو آپ کا لہجہ، "ڈاکٹر صاحب ہلے، پہلے
تو یہ نظام میں مدد سے ہو رہا تھا۔" جس بھی لوگ ملازمت کر رہے تھے، ایسا
بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ کے کہبت سے تاہم ایسے ہی مایوس و ناامید
ہرگز نہیں کرتے۔ کتنے کاروباری لوگ ایسے ہی ہوسو نہیں جیتے، معاشرے
میں تو خود غریبی کا رجحان ہی ہے کہ کسی بھی ملک میں، ایک اس میں اپنا
ایک ادارہ بھی جو اداروں کے نام کے ایک DETERMINATION بھی
ہو، جسکی نظام اختیار کرنا ہے۔ زیادہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ

یعنی ہے۔ دنیا ہمارے ساتھ بڑس کر لے کر توئی خُش سے کرتی ہے۔
 موت ہمارے فائدے کے لئے نہیں کرتی کوئی ملک بھی دیتا ہے تو
 اپنے مفاد کے لئے دیتا ہے... مگر جب ہم اپنا ایک مکمل نظام معیشت
 قریب دے لیں گے تو دنیا یہ نئی خُش سے لے کر ہمارے ساتھ کردار
 نظام کی موت ہوگی تو کوئی وقت نہ رہے گی اور جب ہر چار کی تجارت
 کا رابطہ کوئی معیشت پہلے والے ملک سے رہے گا تو دنیا سب آزاد
 ہمارے ہادی ملک میں کرش نکال جائے گا۔ انکرینٹ ٹمک
 بھی تو ہیں جس کوئی نظام نہیں تو دور سے بھی تو قلمت ہوتی ہے
 انہوں نے تو خُش کر رہے ہیں تو ساری قصور پھانسیا دیکر اپنا نظام اس

ہادی ہے۔

”کچھ اپنے بابے میں بتائیے؟“

”صدا مفری پنجاب“ جو اب ہوا میں ہے۔ وہیں مسبری پیدائش ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ عجیب تقدس اور سادگی سے انہوں نے کہا: ”مشتہ میں میٹرک وہیں سے کیا۔ تقسیم کے بعد ہجرت کیے ہم مغربی پنجاب یعنی پاکستانی پنجاب میں آ گئے۔ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ میڈیکل کالج لاہور سے ایف۔ ایس۔ سی کیا۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے لئے لنک اینڈ ڈیوڈ میڈیکل کالج لاہور منتخب کیا اور وہاں سے ۱۹۵۴ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ اپنی سکول وفاق کے دوران میں، میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر تھا۔ وفاق سے فیصلہ و رتبہ غلط ثابت ہوئی، یہی وجہ تھی کہ میں سرگرم کارکن تھا۔ اپنے فیصلے کی کارگزار تشریف کاہنل سیکرٹری تھا کہ ایک وفاق میں چیرا لاطقدی صدر پر جماعت اسلامی کی ہیئت طلبہ سے ہوا۔ میری تعلیٰ زندگی کے سات سال جماعت طلبہ کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد میں نے جماعت اسلامی کی کنیت اختیار کر لی تقریباً ڈھائی سال تک میں جماعت کا کارکن رہا۔ ۱۹۵۹ء میں نے اپنا ایک مضمون لکھا جس میں مجھے جماعت کی پالیسی کے ساتھ اختلاف تھا۔ اس کی وجوہات ملی اور انتہائی سیاست میں جماعت کی غیر معمولی معلومات تھیں، جس کی وجہ سے میرے خیال میں فیڈری کام میں شکوک پیدا ہو رہی تھی، مولانا احمدی صاحب کا خیال یہ تھا کہ اس پالیسی پر کوئی بیہوش نہیں ہونی چاہیے، اس وقت پارٹی میں بڑے بھاری اور کچھ دار لوگ شامل تھے۔ مخالفانہ اسلامی صاحب۔ انہم کا زہم لوگ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ جماعت سے علیحدگی تھی، تحریک سے علیحدگی ہو کر زہمی، میری فکر اس وقت ہمیشہ بڑھتی تھی، میں جان تھا اور اختلاف میں تھا کہ بزرگ لوگ شاید تعلیم کی شکل اختیار کریں تو ان کے ساتھ ہم بھی منزلوں کا رشتہ غریب اور صلیک کچھ اسباب کی بنا پر اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوگی تو پھر ۱۹۶۲ء کی ابتدا میں جب میں میٹرس برس کا تھا تو جو سے مضبوط اور پختہ ہو چکے تھے۔ اور میں نے تہیہ کر دیا کہ مجھے خود کام کرنا چاہیے تو میری دیوار لاہور شفٹ ہوا۔ کیونکہ میں M.B.S کے ساتھ اساتذہ آگیا تھا، جہاں میرے والدین تھے۔ لاہور منتقل ہو کر میں نے اپنا کام شروع کر دیا میں نے قرآن مجید کے درس کے ذریعے شیعہ مذہبی باتیں شلا دیں اور دینی غرض کے قصیدہ پر کام کیا۔ تقریباً چھ برس تک قرآن تہاسی تنظیم کے بغیر میں لگا کر طلبوں کے ساتھ کام کیا۔ میں نے اسلامی صاحب کے ساتھ مثنوی شیعہ جاری کیا جو میرے اپنے اشاعتی ادارے دارالاشاعت اسلامیہ سے شائع ہوتا تھا جو بعد میں بند ہو گیا تھا۔ میری تباہ کن شیشیں تھیں کہ میثاق دوبارہ جاری ہوا۔ ۱۹۶۸ء میں میں نے افسانہ خدام اشراف قائم کیا جس میں اس کا پانی اور تاحیات صد جوں چھوٹے لڑکیں تعلیم اسلامی قائم کی۔ یہ میری مختصر سی سرگزشت ہے۔

ڈاکٹر صاحب خاموش تھے تو میں نے کہا:

”آپ نے تہارہ کر تہے جو طے سے کام کیا ہوگا؟“

”جی ہاں مجھے تنہا ہی بہت طے اور تنگ آسا آمدیوں کے ساتھ اس تعلیم قصد کی خاطر منصورین پر عمل درآمد کے لئے تیار ہوا تھا۔ آپ نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے بعد کتنے عرصے پچھس کی؟“

”سولہ سال...“

”تو اب آپ پچھس نہیں کر رہے؟“

”مشتہ سے میں نے یہ پچھس بند کر دی ہے۔“

”اسلام، ڈاکٹری اور نفسیات میں کوئی مطابقت؟“

”انسان اپنے ذاتی جسم کے اللہ ایک طویل سلسلہ ہے...“

نفسیاتی طور پر... جناتی کنفیات کا سرچشمہ دو عالم جب یہ نفسیاتی اور جناتی کنفیات جسم پر حاوی ہونے لگی ہیں تو میٹل و پتھالوپی کو جنم دیتی ہیں۔ یعنی فرسٹوشن، غلط فہمی کنفیات، غلط فہمات کی ہیئت دنیو اور ان ذہنی ABNORMALITIES کے اثرات انسان کے نظام پر خرابہ ڈالتے ہیں۔ ان نفسیاتی کنفیات کا اعتدال میں رکھنے کے لئے ایک کنفیات پیدا ہوتی ہے جس کو ہم INTERNAL PEACE کہتے ہیں۔ یہ کنفیات انسان کی تمام جسمانی اور روحانی حیثیتوں کو ہمہ جہت سے ہونے اجتماعی طور پر ایک اور ہمگیر وصف کو ہم دیتی ہے جو SOCIAL PEACE ہے یعنی۔

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اصرار سے مسلمان بچے رہیں۔ کسی کو کوئی گزند نہ پہنچے اور یہ دونوں چیزیں وہ حقیقت ہیں سب سے زیادہ اسلام سے ملتی ہیں۔“

”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دونوں کو کم کر کے اسلامی تعلیمات کے ذریعے مریض کو نفسیاتی طور پر علاج کیا جائے؟“

”ہاں، یہ ممکن ہے، میں ممکن... اس میں معالج کی قوت ارادی اور روحانی سطح کا معیار ہونا ہی از حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔“

”میں مزید سوال کرنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے شفقت سے کہا۔ مجھے یہ پتہ تھا تو آپ ذاتی ملاقات پر حاضر نہیں... میرے خیال میں آپ کے سولات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔“

”جی ہاں میں اس برکت سے دست بردار ہونے پر کاہل نہیں۔ بحیثیت ڈاکٹر دینی خدمات کی کوئی ختم دی جا سکتی ہیں...؟“

”کیونکہ آپ نے تو پچھس چھوڑ دی جب کہ ہر برکت کے پس کی بات نہیں۔ آپ اس سلسلے کو کچھ اس طرح لکھے کہ حضورؐ آجرتے ہیں آپ

نے دن کے لئے مکمل طور پر جماعت چھوڑ دی۔ ایک بڑے قصد یعنی تنگ وقت کی ماہرگی کے لئے ایک چھوٹے قصد کو اتباع رسولؐ میں ترک کرنا چاہیے بلکہ کھوئی کے ساتھ تمام تر وقت سے منسوب پانچہیل کو بچھلے۔ یعنی قوی طرح پر لیاہر نہ بنے تو اسے اپنا کام ترک کرنا چاہیے۔



میرے تمام سنی کچھ یہی تھے اور تمام کے حصول کے لئے مجھے کیوں نہ تھا کہ اسی میں نے بھی اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک بڑے مقصد کے لئے چھوٹے مقصد کو ترک کر دیا میں اس میں میں یہ بھی بتانا چاہوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تاہم تھے اور تبلیغ بھی کرتے تھے... وہ دن کی خدمت کے سبب ان کا کھانا آہستہ آہستہ سمٹتا چلا گیا... پھر میرا واقعہ بھی خلافت اور طلب ہے۔ جب میں جمعیت طلباء کے لئے پنجاب اور لاہور کا ناظم افتخار و فردی میں اجلاس ہوا، موروثی صاحب... اور مولانا اسحاق صاحب بھی شریف فرماتے تھے۔ میری وہ تقریر ہمہ گیر ہمارا کام آئی ایک جمیت میں چینی ہے، مولانا موروثی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ علم دین کے لہجہ میں آگے دیں اور تعلیم میں بھی آگے رہیں... میں نے اسی بات کو یاد دہائی... مولانا موروثی صاحب کو پوچھا کہ میں نے کیا میرا معاملہ ہے کہ میں پورٹری سے اس کا رُخ لیتا آیا ہوں، چچی، آنکھوں میں دوسو پھر لیٹ... اس کی وہ فوقہ پوزیشن لی اور اس کا رُخ پوزیشن میں میں نے فوقہ پوزیشن لی۔ فرسٹ ایئر میڈیکل کالج میں فرسٹ آیا اور میرے پاس سیکنڈ ایئر میں ڈاٹا اس کا رُخ تھے۔ یعنی ایف۔ ایس کی کاپی بھی اور ٹرسٹ ایئر میں دیکھا بھی... لیکن میں دونوں جگہوں پر ایک وقت کیسے بیٹھ سکتا ہوں... تو مولانا صاحب نے کہا... اس 'م' ٹھیک کیے جو میرا خود بھی حال ہے، جب سے تحریک عوامی دوز میں داخل ہوئی ہے ہیر رکھتا، پڑتا اور مدخلے کا کام تقریباً ٹھیک کیلئے اور میں اپنے ساتھ مدخلے پر بیٹھ کر رہا ہوں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ کام ہر آدمی ہندی سے انجام نہیں دے سکتے اور پھر... وہ ایک لئے کوئٹہ کے۔

مکی مقصد کے حصول کے لئے لازمی بات ہے کہ پوری حفاظت و حصول اور علم کو ہر طرف چلانے کے بجائے، حیثیت کو ایک نفع پر موقوف کر دینا چاہیے۔ ایک وقت نقد نشینوں میں سوار ہیں بچھا سکتا اسی وجہ سے میں نے پچھلے چھوڑ دی۔

تھوڑے تھے ہیں، آپ کے؟
 تھوڑے تھے، لیکن...
 کسی نے یہ نہ منظر کیا ہے؟
 جی ہاں... ایک نوکے نے ہم لی۔ لی۔ اسی کیلئے دوسرے نے اسے اسے غلطی کیا۔ دونوں ہماری قرآن اکیڈمی میں کام کر رہے ہیں۔ لاکھ کوہ نے شام کا کینک کھل دیا ہے جس کا نام انجمن کینک لکھا گیا ہے۔

پیشیل میں سے کسی نے یہ منظر کیا ہے؟
 نہیں، پیشیل کو میں نے اسکل چھوڑا نہیں۔ انہیں گھر پر بلائے، تنگ تعلیم دوا رہی ہے۔ شریعت کی صفحہ کے میں حفاظتی طریقہ میں اور یہ بھی... پھر شریعت میں کر دیں۔

وہ منظر کے لئے آپ کا بیٹا نام؟
 اگرچہ میں ذہنی طور پر اس منظر کے لئے تیار تھا تاہم آپ نے انہوں نے ہی لیا ہے تو یہ تو بھی کچھ بچے۔

میرا حقیقت ایک شکر ہے، وطن کے نفع کا مجموعہ اور کہیں میں اور میرا دل میں تو یہی توکل کے لئے ہے جو وطن میں افسوس کہیں افسوس کو ترک کر کے ملک سے اٹھ کر کہیں۔ جنہوں نے اس انتہائی حکم بدلے میں جو کراستہ کیا کہ وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے جس جگہ ہیں لیکن افسوس کہ ہم نے اس کو ایک فیسیٹیبل بنایا ہے۔

ہمناقیہ چاہئے کہ عید کا اسلامی تصور ہے وہ بچنے نہ پائے۔ عید کی سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ملک جو واقعہ نفس کی غلطی سے اپنے آپ کو آباد کرنے کے لئے ایک ہا کی خشت کرتے ہیں، ان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ٹٹلنے کی ضرورت نہیں بلکہ انہیں معافی بخلا ہے۔ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ہندو تو یہ ہے کہ ہم نے اسے ایک تہوار کی حیثیت دے رکھی ہے۔

مگر تہوار عید پر تو لوگوں کے بارے میں آپ کے بیان پر بڑی گراں گم بحث رہی، کیا سنا میں لکھا تھا غلط ہے؟

غرض غلط تو میں نے بھی نہیں کہا۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ بعض چیزیں روایات کے طور پر ہمارے دین میں اس قدر مستحکم ہوئی ہیں کہ ہم ان سے خدا بھی بوجھ اور ہم نہیں ہٹے۔ حالانکہ ان کا کوئی ثبوت سنت میں نہیں ہے۔ اور بعض چیزیں جن کی تاکید کی گئی ہے، وہ ہمارے ذہنوں سے اتر گئی ہیں، شامیہ کی غماز کر کے ادا کرتے ہوئے کچھ بھلا بھلا جاتے ہیں اور وہ اپنی وہ وقت مانتے تبدیل کہہ کے اسے کی سنت جوئی کا خیال نہیں کرتے... لیکن یہ کہ ہر عید پر کچھ چیزیں لازمی سنی اہمیت حاصل کر لیتی ہیں اور یہ ہمیشہ رہتا ہے۔

حب اصل سنت ترک کی جانے کی نواس کی جگہ کوئی اور رقم لے گی۔ اس اعتبار سے تو سنا گیا لازم ہوئی ہیں۔ حالانکہ منوع و انصاف کہ اس عید پر کوئی میٹھی شے صبح کے وقت کھانے میں۔ یعنی یہ فرض ہے کہ کوئی میٹھی چیز کھا کر آدمی عید الفطر کی غماز کے لئے جلائے۔ عید الفطر میں دن کے حالات میں جاتے ہیں اور اپس اگر قربانی کے کرشت سے بعد دیکھتے ہیں یہ عید قربان عید الفطر کے بدلے سونا یا دلی دین کی گئی ہے۔ اسی طرح سنت میں عید پر بغیر ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن یہ تو لازم ہو گیا ہے، جسے اس کے بغیر عید اور عید دے دیا جائے گی۔

ڈاکٹر احمد، احمد عثمان کی محسوس کر رہے تھے اور بھی جو کچھ حاصل کر کے تھے وہ کافی تھا۔ ہم نے ان کا تہہ رطل سے شکر ادا کیا... کیونکہ صبح آٹھ بجے، ڈاکٹر صاحب کو لڑکی سے تھاپیں جا رہے تھے۔

پاکستان کی قومی بندرگاہ....

...پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز تر
کر رہی ہے۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں

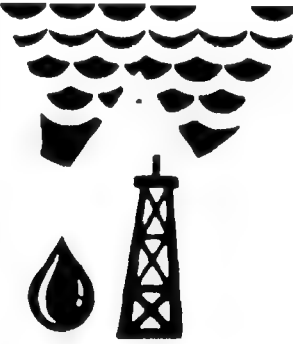
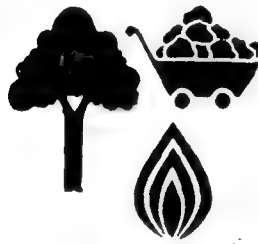
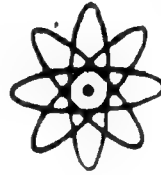
کراچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندرگاہ



قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر ذریعہ سے حاصل کر کے پوری کی جاتی ہیں ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی ہنگامہ دار ضرورتیں جاری ہیں۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



بیت علی اور فیض اقامت میں
 لکھنؤ

بیت علی اور فیض اقامت میں
 لکھنؤ

میتاق



ملفوظ مسنون
 ڈاکٹر الشیخ الاسلام

مرگزی مکتبہ تنظیم برائے اسلام

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن — لاہور



پنجاب یونیورسٹی کمپنی لمیٹڈ - فیصل آباد - فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

بشاق

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ مطابق فروری ۱۹۸۴ء

شمارہ ۲۱

جلد ۳۳

مشمول

۳ عرض احوال —————
عجلت الرحمن

۷ الہمدیٰ —————
ڈاکٹر اسرار احمد

۱۹ توحیدِ علی اور فرضیہ اقامت دین
ڈاکٹر اسرار احمد

۴۷ شرک اور اقسام شرک (قسط چہارم)
ڈاکٹر اسرار احمد

۵۷ خُسرانِ اخروی سے بچنے کا راستہ
قسطِ اقبال احمد

۶۷ عورت اور اسلامی معاشرہ —
اضواء احمد

۷۵ اظہارِ حق تا دیانت اپنے لڑکچہ کے آئینہ میں
قاری نعیم احمد غزنوی

۸۵ ایلیٰ چہ لوا العجیبت —————
عبد الرحمن خان بھمند

ادارہ تحفہ

شیخ محمد عبدالرحمن
عزیز الرحمن

سالانہ تصارف

۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۲ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری شہید احمد

مطبع

صحت پیراشین ناگجنہ لاہور

۱۶۱۶۱۶۱۶
مکتبہ تحفہ

۸۵۲۶۱۱

سب اشخاص: ۱۱ روپے
نزد آرم باغ، قیامہ، یاقوت پوری

کلین فون ملے دے
۲۱۴۷۰۹



قارئین متوجہ ہوں!

گزشتہ ماہ طبع اعلان کے باوجود بعض حضرات نے سالانہ زر معاوضت کے لیے تیس روپیہ کا چیک ارسال کیا ہے۔ گزارش ہے کہ آئندہ تیس روپے کا صرف ڈرافٹ یا پے آرڈر قبول کیا جائے گا اور اس رقم کا چیک معذرت کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا۔

ادارہ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ آئندہ سے زر تعاون حرف منی آرڈر یا کیش کی شکل میں وصول کیا جائے گا۔ لیکن جو خریدار حضرات چیک روانہ کرنا چاہیں وہ چالیس روپے کا چیک روانہ فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چیک کیش کروانے میں دس یا بارہ روپے صرف ہو جاتے ہیں جو بلاشبہ ادارے پر اضافی بوجھ ہے۔ توقع ہے کہ قارئین اسے اپنے لئے بار متصور نہیں کریں گے۔ برونی ممالک سے ڈرافٹ حسب سابق قابل قبول ہوں گے۔

ماہنامہ میثاق کا سالانہ زر تعاون اندرون ملک ۲۰/- روپے ہے جبکہ دوسرے ممالک کے لئے زر تعاون حسب ذیل ہے:

کینیڈا ۱۵۰/- روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، ٹائیویہ ۱۵۰/- روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ہاروے، متحدہ عرب امارات ۱۰۰/- روپے

سعودی عرب، بحرین، مصر، ایران ۶۰/- روپے

انڈیا ۸۰/- روپے

پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی ذیلی شاخیں قائم ہیں ماں میثاق درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

• پشاور: دفتر تنظیم اسلامی، ٹار بلوٹنگ ٹی پختہ نزد چوک یادگار، پشاور

• ملتان: عبدالحق صاحب ملتان پولیٹیکنک، بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال ملتان، فون ۷۵۸۹۱

• کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ اڈا کھدی انڈیا راجہ صاحب سب سبھوٹی مسجد، کوئٹہ، فون ۷۷۶۶۵

• کراچی: دعوہ منزل، نزد دام باغ، شاہراہ یاقوت کراچی، فون ۲۱۴۷۷

• لاہور پولیٹیکنک، ڈی این ایس سکول ۱-۵-۱۴، دلوپ سٹی مشن ٹاؤن فون ۴۳۷۳۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم عرض احوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مرد شرک و احسان اللہ تبارک و تعالیٰ کا کہ ہم فردی سلسلہ مطابق جمادی الاول ۱۳۸۵ھ کے
کے 'میشاق' کا شمارہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس شمارے کے یوں تو
تمام ہی مضامین قابل مطالعہ ہیں لیکن فضل الہی سے یہ عجیب اتفاق ہوا ہے کہ اس میں سورہ فاتحہ
کی ابتدائی تین آیات کی مختصر تفسیر سیرج سلسلہ تقاریر الہدیٰ میں آگئی ہے جس میں توحید باری
تعالیٰ کا مثبت انداز میں بیان ہے۔ توحید کی ضد شرک کی بحث محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے 'شرک
اور اقسام شرک' کے موضوع کے خطاب کی مسلسل قسط میں آگئی ہے۔ توحید کا التزام اس کا عمل
سے ربط اور فریضہ اقامت دین سے تعلق نیز اجتناب شرک کے مباحث محترم ڈاکٹر صاحب موصوف
کے اس حالیہ خطاب میں آگئے ہیں جو دسمبر ۱۹۸۳ء میں کراچی میں کیا گیا تھا۔ تنگی دامان کے باعث
اس خطاب کی صرف پہلی قسط اس شمارے میں شامل ہو سکی ہے۔ ان شاء اللہ اس کی دوسری قسط
آئندہ شمارے میں پیش ہوگی بعد سورہ شوریٰ کے بعض مقامات کا ڈاکٹر صاحب مدظلہ کا وہ
درس قسط دارشائع ہوگا یہ خطاب جس کی تہنیت ہے۔ سورہ شوریٰ کی اکثر صاحب کے نزدیک
فریضہ اقامت دین کے موضوع پر ضرورہ ستام کا مقام رکھتی ہے۔ موصوف اس مکمل سورہ کا اور
بالخصوص آیات ۱۳ تا ۱۷ کا متعدد بار درس دے چکے ہیں جن میں سے اکثر کو سننے کی اس عاجز کو مسرت
نصیب ہوئی ہے۔ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا حالیہ درس بالکل نئے اسلوب اللہ
نئے استدلال سے دیا گیا ہے اور اس میں بڑے شریح و مبطل کے ساتھ توحید علی کے مراحل و درج
بیان فرمائے گئے ہیں۔ قرآن حکیم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک
طویل حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ:

ولا یشتبہ منہ العلماء ولا یخلق من كثرة الرد ولا تنقضي
عجاظہ۔
"علماء کبھی اس کتاب سے حیرت ہو سکیں گے
کوئی بار بار نہ پڑھ کر اس کے لطیف
میں کوئی کلمہ نہ گی اور نہ ہی اس کے عجائب۔"

(یعنی نئے نئے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا۔)

اللہ کے جو بندے قرآن حکیم میں غلطی نہ کرتے ہیں، اس میں تدریجاً تفکر کرتے ہیں وہ اس میں سے حکمت، اذنائی اور شہادت کے نئے نئے دُرّ شہوار نکال کر لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر قرآن فہمی کی مزیارائی فرماتا ہے۔ یہ سلسلہ چودہ سو صدیوں سے چل رہا ہے اور ان شاء اللہ تاقیام قیامت چل رہا ہے گا۔

قرآن حکیم کے معارف اور اس کی حکمتوں کا عرفان و علم جب ہی نافع ہو گا جب اس کی ہدایت کو ہم اپنی عملی زندگی میں اختیار کر لیں۔ قرآن مجید تکبیر، نصیحت، موعظت کے لئے بھی دنیا کی آسان اور مؤثر ترین کتاب ہے۔ اللہ عز و جل نے خود سورۃ القمر میں اپنی کتاب میں اس وصف کو چار مرتبہ یہ فرما کر واضح کیا:

وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ ۖ
نَحْلُ مِنْ مَقَدِّ كَرِهٍ ۝
”ہم نے یاد دہانی کے لئے قرآن کو آسان
بادیا ہے۔ تو ہے کوئی اس ذکر سے
فائدہ اٹھانے والا!“

قرآن حکیم کا اعجاز و ایجاز اور اس کی بلاغت و فصاحت، اس کا اصل سبق، اس کی حقیقی تعلیم معلوم کرنا ہر توان تمام کی جامع ترین سورت سورۃ العصر ہے جس میں ابدی فسران سے بچنے کے اور اخروی نجات کے چار لوازم، چار ناگزیر شرائط، چار نشانات، راہ نہایت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں:

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ
لَكَنُفٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ ۖ وَرَبُّهُمْ يَرْزُقُ ۝
لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝
”زمانہ کی قسم ہے یعنی تیری سے گزرنے
والا وقت گواہ ہے کہ تو بے انسانی فساد
میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان
لئے، جنہوں نے اچھے عمل کئے اور ایمان

ایک دوسرے کو حق کی نصیحت و نصیحت کی اور ایمان لیکر دوسرے کو صبر کی تاکید و تلقین کیا۔“
اس سورت مبارکہ کی حکمت اور جامعیت کا اتنا گہرا اثر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قوال کیا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

”اگر لوگ اس سورت (سورۃ العصر)
پر غور کریں تو وہ اسی میں پوری رہنمائی
اور کامل ہدایت پائیں گے۔“

لَوْ تَدْبَرِ الْإِنْسَانُ هَذِهِ السُّورَةَ
لَوْ سَعَتْ قَمْرًا ۝

امام رحمہ اللہ کا بقول ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ امام موصوف کا دوسرا قول
معبودؒ نے پارہ جمعہ کی تفسیر میں اس سورۃ مبارکہ کے ضمن میں یہ نقل کیا ہے:

لو لم یسئل عن القرآن
مواھا لکفت الناس۔

اگر قرآن مجید میں سوالات اس سورۃ مبارکہ
کے اور کچھ بھی شامل نہ ہوتا تو صرف یہ سورت
ہی لوگوں کی ہدایت اسکے لئے کافی ہوتی۔

یہ بھی حین اتفاق ہے کہ اس سورۃ مبارکہ پر چارے رفیق جناب محمد اقبال و آصف صاحب ابترظیم
اسلامی فیصل آباد کے مضمون کی پہلی قسط بھی اسی شمارے میں شامل ہے۔

اس تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن حکیم کو صحیح مضمون میں اپنا امام، قائد اور رہنما
نہیں بنائیں گے اس وقت تک دنیا میں باعزت زندگی سے بہرہ مند ہو سکیں گے اور نہ ہی آخرت
میں اللہ کی عدالت میں سرخرو اور فخر و غلاخ سے ہمکنار ہو سکیں گے۔

مقام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ابترظیم اسلامی ۲۳ دسمبر ۱۹۸۷ء کو دعوتی و تبلیغی دوسرے پر شمالی
امریکہ تشریف لے گئے تھے جہاں سے ۱۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو مراجعت ہوئی۔ متحضر امریکہ میں پوسٹن،
شکاگو اور نیو یارک میں ڈاکٹر صاحب کے خطابات اور درس کے پروگرام ہوئے۔ موصوف کینیڈا
کے مشہور شہر ٹورنٹو میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں ڈاکٹر صاحب کے تیسرے فرزند میاں
حافظ عارف و جید، ان کے ہمراہ تھے۔ ان پر راقم نے یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اس سفر کی مدد و داد
کھیں۔ اس قسم کے کام کا ان کو کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو وہ اس کام
کو انجام دیں گے۔ امدان کی محنت کا نتیجہ آئندہ ماہ قارئین کرام کے سامنے آ جائے گا۔

ان سطور کا راقم اپریل ۱۹۸۸ء کے آخری عشرہ سے چند نئی مصروفیات کے باعث ہمیشہ
سے وہ بعد و تعلق قائم نہیں رکھ سکتا جو نومبر ۱۹۸۷ء سے چلا آ رہا تھا۔ اللہ سبحانہ کا اس عاجز پر بھروسہ
فصل ہوا ہے کہ اس تعلق کی تجدید ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے کامل امید ہے کہ وہ
تبارک و تعالیٰ راقم کے دعوت اسلامی کے اس نقیب کے ساتھ اس غیر سے تعادل کو شرف قبولیت
عطا فرمائے گا۔

فعلی السعادت و الاوضاانت و لیل فی الدنیا و الاخریٰ توفیقی مسلماً و الحقنی
بالصلوٰۃ۔ آمین! یا رب العالمین!

ڈاکٹر احمد

صَلُّوْا تَسْمَعُوْا اَنْجَمُوْا خُذُوْا الْقُرْآنَ لَاجِبُوْا اَمِيْرَ تَنْظِيْمِ اِسْلَامِي
کے درس و تقاریر کے دُعا مَجْمُوْعے ﷺ اعلیٰ دبیر کاغذ پر خوش طابع کیساتھ

رسول کامل

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائض دینی اور اُسوۂ رسولؐ

سُورۂ احزاب ۲ کو ع ۳، ۲ کی روشنی میں

جس کی مقدار میں نظر ۛ ہر مرتبہ چھوٹے فی کتاب ۛ محمول ذاک ملاوہ

مکتبہ مرکزی نجین خدام القرآن طے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون سے - ۸۵۲۶۱۱۔

ذیل فقرہ کا دائرہ منزل - نزد آرام باغ، کراچی ۷۱۳۰۹ فون برائے رابطہ ۲۱۴۶۰

الح

(گیارہویں نشست)

(مباحثہ ایمان)

قرآن مجہد فلسفہ و حکمت کی اساس کامل

سورۃ فاتحہ

از: ڈاکٹر اشرف احمد

(۲)

السلام علیکم! نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اے
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ
 الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

ماضیہ گرامی و ناظرین کرام!

گزشتہ نشست میں ہم نے پوری سورہ فاتحہ کا ترجمہ سماعت کیا تھا اور اس کے بارے میں چند

تہذیبی باتیں جان لی تھیں۔ اب اس سورہ مبارکہ کے تینوں اجزاء کو ایک ایک کر کے قدرے گہرائی میں
 جا کر سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اس سورہ مبارکہ کا جبر و اقل ان تین آیات پر مشتمل ہے، ہمیں کی میں نے آغاز میں تلاوت
 کی۔ جن کا ترجمہ ہے۔

”کل شکر اور کل ثنا اللہ کی ہے۔ جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ بہت
دیر فرمانے والا ہے نہایت مہربان ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار ہے۔“

نوٹ کیجیے کہ یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید کی افتتاحی سورہ ہے اور اس سورہ کا ابتدائی کلمہ ہے :
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ----- یہ کلمہ بہت عظیم ہے بہت بلند مرتبت ہے۔ اس
کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے لفظ ”حمد“ کو اچھی طرح جان لینا ضروری ہے۔ عام طور پر
اس کا ترجمہ مرث ایک لفظ ”تعریف“ سے کر دیا جاتا ہے حالانکہ تعریف سے عربی کا لفظ ہے اور حمد
سے عربی کا لفظ ہے اور یہ قاعدہ کہتے ہیں کہ کسی میں زبان کے دو الفاظ بالکل ہم معنی نہیں ہوتے ان
کے معنی و مفہوم میں لازماً کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے اگر گہرائی میں اڑ کر دیکھا جائے تو لفظ ”حمد“ میں
مفہم ہیں مل جاتے ہیں۔ ایک شکر اور دوسرا ثنا۔

شکر کے بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو ہم سورہ نعمان کے دوسرے رکوع کے درس کے
سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ جہاں شروع میں فرمایا گیا تھا :

رَفَعْنَا لَیْلَیْنَا لِنُغْنِیَنَّکَ اَنْ اَشْکُرَ رَبَّیْ ۝ وہاں ہم نے یہ سبجہ لیا تھا کہ اگر فطرت اپنی صحت
پر بقرار ہو تو اس کا تقاضا بندہ یہ تشکر ہے اور اگر عقل صحیح طور پر کام کر رہی ہو تو اس کا حاصل اپنے
شعور حقیقی اور اپنے اصل مرتبی یعنی اللہ کو پہچان لینا ہے۔ فطرت سلیسہ اور عقل سمیعہ دونوں کے
استزاج سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اس کا نام حکمت ہے لہذا حکمت کا لائے تقاضا اللہ کا
شکر ہے۔ اِنْ اَشْکُرْ لِلّٰہِ دُوبی بات ہے جو اس سورہ مبارکہ کے ابتدائی کلمات میں آئی کہ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حمد کا لفظ شکر سے زیادہ وسیع تر مفہوم کا حامل ہے۔ کسی کا شکرا یہی چیز پر ادا
کیا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے۔ لیکن ثنا اور تعریف کی جاتی ہے، کسی سے حسن و جمال
اور کمال کو دیکھ کر خواہ اس کا کوئی فائدہ ہمیں پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ حمد کے لفظ میں یہ دونوں
جزیریں جمع ہیں۔ شکر بھی اور ثنا بھی۔ لہذا ترجمہ میں، میں نے ان دونوں کو جمع کیا کہ کل شکر اور
کل ثنا اللہ کی ہے،

ایک دوسرے پہلو سے غور کیجیے تو آپ میرے اس نتیجے سے اتفاق کریں گے کہ یہ کلمہ
توحید ہے ہم یہ بات ملتے ہیں کہ اس کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی مظہر کمال ہے، مظہر

ہے۔ مظہر جمال ہے ان کے متعلق ہماری عقل محدود اور فطرتِ سلیمہ بے رہنمائی کرتی ہے کہ ان تمام محاسن و کمالات کا سینہ و سرچشمہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ لہذا اصل تعریف اور ثنائیں اشیاء کی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی ہوتی ہے۔ بلکہ توحید کا اعتقاد یہی ہے کہ ایک موضوع کے شعور یا کم از کم تحت الشعور میں یہ بات مستحضر رہے کہ کائنات کی ہر نعمت ہر خیر ہر حسن ہر جمال اور ہر کمال اس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا ودیعت کردہ اور عطا شدہ ہے۔ جیسے تصویر میں اگر کوئی من ہے تو وہ درحقیقت مصوّد کے کمال فن کی عکاسی ہے۔ تصویر کا اپنا کوئی من نہیں نہ اس کا کوئی اپنا کمال ہے۔ بالکل اسی طرح کسی مخلوق میں اگر کوئی حسن و کمال ہے تو وہ من و کمال خالق کا ہے مخلوق کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نکل سلسلہ محو و مٹکان میں کوئی من، کوئی خیر، کوئی کمال اور کوئی خوبی اگر ہے تو اس کا منبع و سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لہذا اشکو کا سزاوار حقیقی اور تعریف و ثناء کا اصل مستحق اللہ اور صرف اللہ ہے۔ یہ کلمہ الحمد للہ اتنا عظیم اور اعلیٰ مرتبت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ آسمان و زمین کو اپنی برکات سے سبرو دیتا ہے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ اس حدیث شریف کی رو سے کلمہ سبحان اللہ میزان کو نصف کر دیتا ہے اور جب ایک انسان الحمد للہ کہتا ہے تو یہ کلمہ نہ صرف ان کو پُر کر دیتا ہے بلکہ آسمان و زمین کے باہیں جو غلابے، جو فضلابے، اس سب کو پُر کر دینے والا کلمہ یہ الحمد للہ ہے۔ ان دو لائن کلمات کی عظمت میں ایک اور عدد بیش بہا شریف ہے، پس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری کا اختتام کیا ہے اور وہ ہے۔ کلماتان حیثیتان الی الرحمن ثقیلتان فی المیزان خفیتان علی اللسان سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور احسانات کے ضمن میں انبیاء و رسل اور صالحین کے جو کمالات شکر منقول ہوتے اہل اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دعاؤں کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے ان میں سے اکثر و بیشتر میں یہی کلمہ الحمد للہ استعمال ہوا ہے۔ منجی وقت کے باعث دو مثالیں قرآن مجید اور دو مثالیں حدیث شریف سے پیش کرنے

برا کفار نہ ہوں۔ جو چاہے میں حب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ جیسے صالح فرزند عطا فرماتے جو آگے چل کر منصب نبوت پر بھی مرفراز ہوتے تو اس احسان و انعام و نعمت و کرم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر یہ تراز شکر ادا ہوا کہ :

أَعْمَدُ اللّٰہِ الذِّیْ وَهَبَ لِيْ عَلٰی الْکِبَرِ اِسْمًا یُّنِیْلُ وَ اِسْتَقْبَلْ اِنْ رَّبِّیْ سَمِعَ الدُّعَا سُوْرۃ ابراہیم (۳۱)

ایک اور مثال سورہ الاعراف سے دیکھ لیجیے۔ جب مؤمنین صادقین کو حساب و کتاب کے بعد میں جنت میں داخل کا اذن الہی ملے گا تو ان کی زبانوں پر یہ کلمہ شکر وہابی اور تشریف و ثنا جاری ہوگا کہ

وَقَالُوا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الذِّیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَسْتَفِیْہِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ

”اوردہ کہیں گے۔ گل شکر ادا کر لیں“

تشریف اس اللہ کی ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا ہم خود ہدایت نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتا یہ سو کر اٹھنے کی یہ دعا رسول اللہؐ نے تعلیم فرمائی کہ: الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیسب النشود۔

ان الفاظ سے تلقین فرمائی کہ: الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔

آگے باری تعالیٰ کا مزید تعارف ہو رہا ہے۔ ان کی چند صفات کمال کا مزید ذکر ہو رہا ہے۔ پہلی بات سامنے آتی ہے: رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ ”رب کے لفظ میں یہ دونوں مفہوم شامل ہیں۔ عرب کہتے ہیں۔ رَبَّ الْعِیْتِ یَا رَبَّ الدُّدَا کیا سنی اگھر کا مالک، گھر والا۔ قرآن میں رب کا لفظ مالک کے معنوں میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے: جیسے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یعنی ہوتے آسمان کی اور زمین کا مالک۔ سورہ قمر میں آئے کہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَیْنِ ذٰلِکَ ہَذَا الْبَیْتِش ”پس عبادت کرو اللہ کے اس گھر (حرم شریف) کے مالک کی“ پھر رب کا دوسرا مفہوم پرورش کرنا۔ ترقی اور نشوونما دینا بھی ہے۔ ایک مالک تو وہ ہوتا ہے جو اپنی ملکیت لے کر میٹھ رہتا ہے اور ایک مالک وہ ہوتا ہے کہ اس کی ملکیت میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا پالنے دار اور پروردگار بھی ہے۔ وہ ہر چیز کو ال کی استعدادات کے مطابق پروان چڑھاتا ہے اور ہر شے کو اس کے نقطہ کمال تک پہنچانے کا سامان فراہم کرتا ہے۔ پس اللہ کی ہی وہ

ذاتِ گرامی ہے۔ جو ہر شے کے نقطہ شروع و کمال تک پہنچنے کے بعد مقتضیات کو فراہم کرنے اور پہنچانے والی ہے۔ لہذا ان دونوں مفہوم پر مشتمل ذات ہے اللہ۔ مالکین۔ عالم کی جیسے اور عربی زبان میں کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظرف کی جمع بول کر مضاف کی جمع مراد لی جاتی ہے۔ لہذا یہاں رب العالمین کا مفہوم ہوگا۔ ساسہ جہانوں کی مخلوقات کا وہ مالک اور پروردگار ہے۔ آقا بھی ہے اور پرورش کنندہ بھی ہے۔

اے اللہ شاید تالی کا ایک اور تعارف ہوتا ہے باری الغافل، الرحمن الرحیم اللہ بجاۃ کے پیر سے عظیم نام میں۔ دونوں کا مادہ (ROOT) ہے رحمت۔ اسی رحمت سے رحمان بنا اور اسی سے رحیم بھی۔ ان دونوں میں فرق کیسے! اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ عربی زبان میں فعلان کے وزن پر جب کوئی صفت آتی ہے تو اس میں ایسا نقش سامنے آتا ہے جیسے کسی کیفیت میں جوش و غرور اور ہيجان ہو۔ خود ہيجان بھی فعلان کے وزن پر ہے تشبیہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو اس میں زبردست ہل چل ہو کسی صفت کی یہ کیفیت ہو تو عربی میں اُسے اگر فعلان کے وزن پر لایا جاتا ہے۔ انا عطشان۔ معنی دماغی ہوگا میں شدید پیاسا ہوں۔ پیاس سے مراد جارہ ہوں۔ انا جوعان میں بہت بھوکا ہوں، بھوک سے میری جان لگی جا رہی ہے۔ ہُو غَضبان وہ نہایت غصہ اور طیش میں ہے۔ البحر طغیاناً سمند میں سخت طوفان اور ہيجان ہے۔ وہ اپنی حد سے باہر نکلنے پر آمادہ ہے۔ ان امد کو ذہن میں رکھ کر اب لفظ رحمان کو سمجھ کر رحمان کے کیا مفہوم اور معنی ہوں گے۔ رحمان وہ اللہ ہے جس کی رحمت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند ہے۔ جس کی رحمت میں انتہائی جوش و غرور ہے۔

البدیع فیل کے وزن پر جب کوئی صفت آتی ہے تو اس صفت میں اس کے دو لم فاسترار کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔ یعنی یہ وقتی جوش و غرور نہیں ہے بلکہ اس میں پائیداری و استواری اور مستقل مزاجی ہے۔ گویا اللہ کی رحمت کی شان یہ ہے کہ اس میں دوام ہے،

استقرار ہے، استمرار ہے۔ جیسے ایک دریا ہوا رہی کے ساتھ مسلسل بہہ رہا ہے اس میں نیچا نہیں ہے۔ سمندر کی طرح اس میں لہریں نہیں اٹھ رہیں۔ بلکہ وہ دوام و مسلسل کے ساتھ جاری رہے۔ یہ دوام جاری رہے۔ یہ دوام تھا کہ رہے۔ یہ دوام تھا کہ رہے۔ یہ دوام تھا کہ رہے۔

وقت موجود ہیں یعنی وہ بیک وقت زمان میں ہے رحم بھی ہے۔ یہ بات ہمارے لیے سمجھنا
مشکل میں ہے اور ناقابل تصور بھی۔ اس کو میں آپ کو ایک تشبیہ سے سمجھانے کی کوشش کرنا چوں
آپ اس کی تفہیم کے لیے اپنی توجہات کو مرکوز فرمائیے۔

فرض کیجیے کہ شرک پر کوئی حادثہ ہو گیا بعد جس میں کئی افراد ہلاک ہو گئے ہوں اور فرض کیجیے کہ
اس حادثے میں ایک ایسی عورت بھی ہلاک ہو گئی جس کی گود میں ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ
زندہ ہے اور اپنی مردہ ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کون نرم دل انسان
ایسا ہو گا کہ جس کے دل میں رقت پیدا نہ ہو۔ جس کے دل میں رحمت کے جذبات موجزن نہ ہو
جائیں۔ ہر رقیق القلب شخص یہ چاہے گا کہ یہ بچہ جو بے سہارا ہو گیا ہے میں اس کی کفالت اپنے
ذمے لوں۔ اس کی پرورش میں کروں۔ لیکن وہ اگر اس جوش میں یہ ذمہ داری لے بیٹھا تو ہمارا
مشاہدہ یہ ہے کہ اگر وہ مشریت یہ وقتی جوش بہت جلد ٹھنڈا ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصوں ہی
کے بعد اسے محسوس ہو کہ میں یہ غلطی کر بیٹھا۔ میرے اپنے بچے ہیں۔ میری اپنی بے شمار ذمہ داریاں ہیں۔
اب ان پر یہ بوجھ مستزاد آ گیا۔ گویا وقتی طور پر وہ چھائی کیفیت کو اس پر اتاری جس کے زیر اثر اس نے اس
بے سہارا بچے کی کفالت کی ذمہ داری لے لی لیکن اس میں دوام استقرار اور استمرار نہیں۔ لیکن
اللہ تعالیٰ کی رحمت کی یہ دونوں شانیں بیک وقت ہیں۔ وہ بیک وقت رحمت رحمان بھی ہے اور رحم بھی
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الرحمن الرحیم کے مابین حرف عطف ”و“ نہیں آیا۔ بلکہ یہاں فرمایا،
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ۔ یعنی یہ دونوں صفات اس میں بیک وقت اپنے کمال کے ساتھ موجود
ہیں۔

اب ذرا ایک بات پر آپ غور کیجیے کہ سورہ فاتحہ یعنی قرآن مجید کی بالکل ابتدائی سورت
کی ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا جو تعارف ہمارے سامنے آتا ہے، اس تعارف میں کون
سی چیز غالب ہے! اُسی کے لیے ہونا تمام شکر اور تمام ثناء و تعریف کا۔ اس کی ربوبیت۔
اسی کا پوری کائنات کا ملک اور پروردگار ہونا۔ اس کی رحمانیت، اسی کی رحیمیت،
یہ امد ہیں جن کے ذریعہ اللہ سبحانہ کا ابتدائی تعارف ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہاں میں چاہتا
ہوں کہ وہ اعتراض بھی آپ کو سنا دوں جو بعض متشرقیں نے قرآن مجید اور اسلام پر کیا
ہے اور اس کا جواب بھی آپ کے سامنے آجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ کے خوف

پر زیادہ نور دیا گیا ہے۔ ————— اسی کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔ اسی کو
 (EMPHASIZE) کیا گیا ہے۔ خوف، تقویٰ، آخرت کی باز پرس، اللہ کا
 مذاپ اللہ کی پکار اسی کی بہت تکرار ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے مذہب یعنی وحیائیت
 میں اللہ کی محبت پر زور ہے۔ یہاں آپ نوٹ کیجئے — قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا
 جوابداتی تعارف کر رہا ہے وہ معاذ اللہ کسی خوفناک مہتی کا نہیں ہے۔ بلکہ ایک دل آویز
 ایک شفیق، ایک رؤف، ایک دودھ ایک رحمان، ایک رحیم ہستی کا تعارف کر رہا ہے جو
 مالک و آقا، پروردگار اور پالنے والا ہے۔ وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ تمام ممکنہ
 اس کی ذاتِ اقدس میں موجود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل و حقیقی تعارف تو یہ ہے کہ :

(EMPHASIZE) کیا گیا ہے۔ خوف، تقویٰ، آخرت کی باز پرس، اللہ کا

مذہب اللہ کی پکڑ اسی کی بہت تکرار ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے مذہب یعنی دھیانیت میں اللہ کی محبت پر زور ہے۔ یہاں آپ نوٹ کیجئے — قرآن مجید اللہ تبارک و تعالیٰ کا جواب دہ تائی تعارف کر رہا ہے وہ معاذ اللہ کسی خوفناک ہستی کا نہیں ہے۔ بلکہ ایک دل آویز، ایک شفیق، ایک رؤف، ایک دود و ایک رحمان، ایک رحیم ہستی کا تعارف کر رہا ہے جو مالک و آقا، پروردگار و احسان ہے۔ وہ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ تمام نعمت اس کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ یہی معلوم ہوا کہ اصل و حقیقی تعارف تو یہ ہے کہ :

حواشیہ انی تعارف کرا رہا ہے وہ معاذ اللہ کسی خوفناک ہستی کا نہیں ہے۔ بلکہ ایک دل آویز،

ایک شفیق، ایک رؤف، ایک دودھ ایک رحمان، ایک رحیم ہستی کا تعارف کوارہ ہے جو

ملک و آقا، پروردگار و مہربان ہمارے۔ وہ تمام صفات کمال سے مستف ہے۔ تمام مخلوق

اس کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل و حقیقی تماثل تو یہ ہے کہ :

أَعُوذُ بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

البتہ یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ سب لوگ محبت کے رمز آشنا اور قدر شناس

منہیں ہوتے۔ اکثر لوگ پست تر ذہنی سطح کے ہی ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم

نے کہا ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے میرے کا جو

مرد نادان پر کلامِ ترم و نازک ہے اثر

ایسے لوگوں کے لیے ضرورت ہے کہ ان کو خوف بھی دلایا جائے۔ ان کے دلوں میں

یہ ناپس کا احساس ہی اُجاگر کیا جاتے، فذابِ الہی سے ان کو خیر دار بھی کیا جاتے۔ چنانچہ

قرآن مجید میں آپ کو یہ دو فضل جنیری ملیں گے۔

لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ نبی محبوب آتے ہیں۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ نبی جب تشریف

لاتے تھے چونکہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لیے بند ہو چکا۔

تو انبیاء علیہم السلام مجھ سے ماحل میں تشریف لائے تھے۔ اس بچے سے ہونے والی

میں محبت کے رمز آشنا اور عدد ستاس کو حال حال ہی ہوئے کے لکھا اس کا حال میں

کے لیے ایک اور ادارے کی ضرورت محسوس ہو گئی۔ یہ ادارہ جس کی طرف سے یہ کام سنبھالا جائے گا۔

روادع ہیں ان میں اور پر زیادہ روئے۔ یہی پانچ اندر ہر ایک کا سیدہ

اسے لحاف میں لپیٹ کر بیٹھے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے ہو جاؤ، کمر بستہ ہو جاؤ اور لوگوں کو خبردار کرو یا ایک جگہ فرمایا: **وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** (الشعراء ۲۱) اور اسے نبی اپنے رشتہ داروں اور قریبی اعزہ کو خبردار کیجئے، تو ابتداً انہوں نے کہا پہلو غالب ہے لیکن اصولاً قرآن مجید جس اللہ پر ایمان کی دعوت دے رہا ہے وہ کوئی معاذ اللہ خوفناک ہستی نہیں، بلکہ محبت کرنے والی اور محبت کرنے کے لائق و قابل ہستی ہے۔ اس سے محبت کرو، اُسے چاہو، اس سے دو گادو وُ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ جو واقعاً صاحب ایمان ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت کی یہ اسامات ہیں جو سورہ فاتحہ کی دو ابتدائی آیات میں ہمارے سامنے آئیں کہ اللہ تعالیٰ تمام محسن و کمالات کا جامع ہے۔ منبع و سرچشمہ ہے۔ وہ کائنات کا رب ہے۔ مالک ہے پروردگار۔ پالنے والا ہے۔ وہ الرحمان الرحیم ہے۔ اس کی رحمت معاشیں مارتے ہوئے مسند کے مانند بھی ہے۔ اور اس استقرار و استمرار و دوام کے ساتھ پہنے والے دریا کے مانند بھی ہے۔

اللہ تیسری آیت میں دوسرا رخ آ رہا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا **يَوْمَ الدِّينِ** زندگی محض اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی ایک احسان کا گاہ ہے۔ جس میں آزمائشیں ہوتی ہیں کہ انسان کس طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ جیسے سورہ **مُلْكٍ** میں فرمایا: **وَنَخْلُقُ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَكْسَنَ تَعْمَلُونَ** اور زندگی کے اس کارزار کو اللہ نے پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ تم لوگوں کو آزمائے اور دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ لہذا اس آزمائش کا لازمی تقاضا ہے کہ جزا و سزا کا ایک دن بھی ہو۔ اور وہ دن بھی اگر رہے گا جس دن لوگوں کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا۔ ہر انسان کا محاسب ہوگا۔ اور اُسے جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس محاسبہ و حساب و کتاب کے نتیجہ میں جہنم یا سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ یہ سب **يَوْمَ الدِّينِ** جس کے متعلق ہم آیت بر کے دس میں پڑھ چکے ہیں کہ **وَلَكِنَّ الْآبِرِينَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** اس بدلہ اور جزا و سزا کے دن کو **يَوْمَ الدِّينِ** کہئے۔ **يَوْمَ الْآخِرِ** کہئے۔ وہ دن ہر حال واقع ہو کر رہے گا۔ **وَالَّذِينَ لَا يَرْجُونَ ظَنًّا بِمَا عَمِلُوا** جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور ہر کر اپنے اعمال کا محاسبہ پیش کرنا ہے جس کے نتیجہ میں یا جنت ہوگی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہوگی دائمی۔ یہاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ابتدائی خطبات میں سے ایک خطبہ کے آخر میں میں فرماتا ہے کہ: **وَاللّٰهُ يَتَوَكَّلُ كَمَا تَتَوَكَّلُونَ** اللہ کی قسم تم سب راڈوئے بیسے دروغ (سو جاتے ہو) تم نے کتبعتن کما تکتبعتن یعنی پھر تم یقیناً اٹھائے جاؤ گے۔ جیسے رہبر میں بدلے ہوتے ہو تم نے تعاصبتن بمعالمون پھر لاؤ گا۔ تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ تم نے تَجَزَّوْنَ بِالْإِحْسَانِ وَ بِالنُّسُوءِ پھر لاؤ گا۔ پھر لاؤ گا نہیں بدلے گا۔ اچائی کا اچھا اور بُرائی کا بُرا اور یہ اس میں ہوگا۔ **وَالنَّهْكَ كَجَنَّةٍ أَبَدًا** اولتک ابدًا یہ اور وہ جنت ہے جیتے کے لئے یا آگ ہے دائمی۔

اس خطبے اور جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار مرنے والا ہے۔ **مِلَّتْ يَوْمَ الدِّينِ** اور اس روز اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن مجید میں الفاظ آئے کہ اس وعدہ نما ہوگی کہ **لَيَمُنَّ الْمَلِئُكُ السُّعْمُ** آج کے دن بادشاہی کریں کہ ہے وہ اور پھر صحابہ میں فرمایا جائے گا: **لَيْلَةُ الْوَاحِدِ** انھیں آج تمام اختیار کل بادشاہی مرنے والا ہے۔ جو واحد ہے تنہا ہے اور پوری طرح مسلط ہے چھایا ہوا ہے۔ مقتدر ہے کہ جو چاہے کرے۔

یہ ہے اس سورہ مبارکہ کا پہلا حصہ جس نے باتے میں گذشتہ نشست میں حدیث قدسی کے حوالے سے میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ان کلمات کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اگر

بندہ کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور اگر دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ہوں تو فوراً اللہ تبارک و تعالیٰ جو اب میں ارشاد فرماتا ہے حمدنی عبیدی۔ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔ میری حمد کی وجہ سے بندہ کہے۔ **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِكَ** اشیٰ علی عبیدی۔ میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے۔ **مِلَّتْ يَوْمَ الدِّينِ** اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ محمد نے عبیدی۔ میرے بندے

نے میری حمد کی کا نظارہ کیا میری عظمت بیان کی ہے اور یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا ہے۔ **وَاللّٰهُ يَتَوَكَّلُ كَمَا تَتَوَكَّلُونَ**

مُحَمَّدٌ يَوْمَ الدِّينِ دُكَا مَحْمُولٌ - اب اس ضمن میں کوئی سوال آپ کرنا چاہیں گے تو اس پر
آپ کو مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں -

سوال : ڈاکٹر صاحب ! آپ نے فرمایا کہ الحمد کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں صرف اللہ
کے لیے ہیں تو کیا انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ کی تعریف کی نفی نہیں ہو جاتی ؟

جواب : جب ہم کہتے ہیں - الحمد للہ ، تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ تمام کمالات و محاسن کا اصل
منبع و سرچشمہ اللہ ہے - باقی اس نے جس شے میں کوئی حسن ، کوئی خوبی ، کوئی کمال پیدا فرمایا ہے
تو اس شے کی تعریف اگر آپ یہ سمجھتے ہوئے کریں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے تو تعریف
سب حقیقت میں اللہ ہی کی تعریف ہوگی - مثلاً اگر آپ کسی پھول کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ بہت حسین لہ
و گل پھول ہے تو یہ بات غلط نہیں ہوگی لیکن درپردہ و حقیقت یہ پھول کے صانع و موجد کی
ہی تعریف ہوگی جیسا کہ میں نے اپنے بیان کے دوران بھی عرض کیا تھا کہ کسی اچھی تصویر کی تعریف
در اصل اس معنی کی تعریف ہوتی ہے جس کے فن کا کمال تصویر کی شکل میں سامنے

ہوتا ہے - ایک بندہ مومن کے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ جیسے ہی کسی حسین و جمیل شے
کو دیکھے تو اس کی زبان سے یہ ساختہ نکلے سبحان اللہ - اللہ ہی وہ ذات کاملہ و ہر نقص سے
منزہ ہستی ہے - جس نے یہ خوبصورت چیز تخلیق فرمائی - اسی طریقہ سے اشخاص میں ، افراد ہیں
ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے نبی ، رسول ، ولی کا مقام عطا فرمایا ہے - یا کسی کو اعلیٰ اطلاق تقویٰ
اور صلاحیتیں و دیانت فرمائی ہیں تو ان کی تعریف اس کلمہ الحمد للہ کے منافی نہیں ہے - البتہ مشہور
اکھ تختہ مشہور میں یہ امر مستحضر رہے کہ قلم حاسن و کمالات کا منبع اور سرچشمہ صرف اللہ سبحانہ کی ذات ہے -

سوال : ڈاکٹر صاحب ! بخشش اور سزا کے متضاد تصور کو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں ؟

جواب :- یہ دو بالکل چیزیں ایک دوسرے کی نقیض نہیں ہیں - اس بات کو تو ہم دنیا میں
بادشاہی کے نظام سے بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں - ظاہر ہے جو لوگ بادشاہ کے وفادار
امانت گزار اور فرمانبردار ہوتے ہیں بادشاہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اور جو بادشاہ
کے نافرمان اور باغی ہوتے ہیں - ان کو وہ سزا اور عقوبت دیتا ہے - پس اللہ جو رب العالمین
ہے ، اس دنیا میں جنہوں نے اس کے احکام و نواہی کی پابندی کی ہوگی وہ یقیناً آخرت میں
مستحق جنت و نجات و اجر و پاداش ہوں گے اور جو لوگ اس کے احکام و نواہی کی پابندی نہ کریں گے وہ یقیناً آخرت میں

کیا ہوگا۔ روگردانی کی ہرگز وہ مستوجب سزا نہیں گے۔ یہ تو نہایت منطقی اور قابل فہم بات ہے، اس میں کوئی تضاد یا تعین نہیں ہے۔ پھر ایک اور پہلو سے سوچئے۔ اگر کسی شخص کو اس کے جرم پر سزا دی جاتی ہے۔ تو یہ اصل میں مظلوم کی داد دہی ہے، اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش کی شان نہایت بلند ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا دینا جانا اس اعتبار سے انصاف کا تقاضا ہے کہ جن لوگوں کے حقوق کسی نے دنیا میں غصب یا تلف کئے ہیں، بچہ پر کسی نے زیادتیاں کی ہیں۔ تو ایسے شخص کو سزا دی جانا بھی حق ہے، مگر کہنے سے اس کا موقع و محل بھی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! کہا جاتا ہے کہ اللہ ذاتی نام ہے۔ براہ کرم اس کا مفہوم بھی بیان فرمائیں؟
جواب: ایہ بہت ہی عمدہ سوال ہے۔ اللہ کے لفظ کے بارے میں ہمارے یہاں اہل نحو کے اور ائمہ لغت کے مابین اختلافات ہیں۔ ایک رائے یہی ہے کہ یہ اسم فاعل ہے، اسم ذات ہے۔ یکسری اور لفظ سے نکلا ہوا بنا ہوا نہیں ہے۔ جیسے لاہور شہر کا نام لاہور ہے۔ اب اس کے معنی معین کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ یہ تو اصل میں ایک شہر کے لئے بطور علامت ایک نام رکھ دیا گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اللہ بھی اللہ پر الف لام داخل ہو کر بنا ہے جیسے اللہ کے دوسرے صفاتی نام بنتے ہیں۔ جیسے رحمان پر الف لام داخل ہو کر الرحمن بنا۔ یہ اللہ کا ایک صفاتی نام ہو گیا۔ رحیم ایک صفت ہے، الرحیم اللہ کا نام ہے۔ ایسے ہی اللہ پر الف لام داخل ہوا اور اللہ بنا۔ اللہ بھی اللہ بدل کر اللہ ہو گیا۔ یعنی معبود حقیقی۔ اصل اور واقعی اللہ۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے حمد کے ایک معنی اللہ کا شکر ادا کرنا بھی بیان کئے ہیں۔ اس بات پر مدغنی ڈبلیو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کس کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟

جواب: جب ہم ان شاء اللہ سورہ فاتحہ کا دوسرا حصہ پڑھیں گے تو اس میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کس کس طرح ادا کیا جانا ایک بندہ مومن کے لئے لازم ہے۔ البتہ اس موقع پر یہ یاد دلاؤ گا کہ سورہ لقمان کے دوسرے رکع کے مطالعہ کے دوران اس پر گفتگو ہو چکی ہے کہ شکر کی اہم ترین صورتیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عملاً حق ادا کیا جائے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی شکر گزری کہ دوسب سے بڑے تقاضے ہیں۔

سوال ہے : ڈاکٹر صاحب ! اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز میں سے ہمارا دل خوش ہوتا ہے یا جن سے ہمیں کوئی فائدہ یا نفع پہنچتا ہے۔ تو ہم اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اس کی حمد کرتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہو جو ہمیں پسند نہ آئے۔ جو ناگوار ہو یا جن سے ہمیں ضرر پہنچے تو ایسے موقع پر ہمارا دل غمزدہ عمل کی ہونا چاہیے۔؟

جواب : بہت اچھا سوال ہے۔ اصل میں اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے شکر محض تو کوئی بھی شے نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو ہر چیز میں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ البتہ بعض کا ہمیں ادراک ہو گیا ہے۔ ایسے ہم جانتے ہیں کہ سکیمیا زہر ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دوا بھی بن سکتا ہے لہذا اگر انسان کی نگاہ وسیع ہے اور اس کا فہم گہرا ہے تو اسے ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا کوئی نہ کوئی پہلو نظر آجائے گا۔ اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمیں کسی چیز سے خوشی ہوئی یا ناگوار ہوئی۔ اس سے ہمیں کوئی نفع پہنچا یا نقصان۔ اس اعتبار سے ہمارا جو طرز عمل ہوگا وہ یا شکر کا ہوگا۔ یا صبر کا ہوگا۔ شکر اور صبر کو ایک بندہ مومن کے صحیح طرز عمل کی تکمیل کہتے ہیں۔ جو چیز اچھی لگی جس سے فائدہ اور نفع حاصل ہوا۔ اس پر شکر کیجئے۔ جس چیز سے ناگوار ہو اس کا احساس ہوا یا نقصان و ضرر پہنچا تو اس پر صبر کیجئے۔

حضرات ! اس سورہ مبارکہ کا جو پہلا حصہ تھا۔ جو تین آیات پر مشتمل ہے۔ ہم نے اپنی امکانی حد تک آج اس مقتدر قدرت میں اس کے مفہم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے دلوں میں اور ہمارے ذہنوں میں واقعتاً اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نقش اسی طبع سے قائم ہو جائے جس طور سے ان تین آیات کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔



توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ

اور

توحید فی العمل یا توحید فی الطلب

کا

فریضہ اقامت دین

سے ربط و تعلق

سُورۃ زمر، سُورۃ مومن، سُورۃ حم السجدہ اور بالخصوص
سُورۃ شوریٰ کے بعض مقامات کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

خطبات اور درس

ترتیب و تسوید

(شيخ) جمہاد العزم

محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی، ۷ دسمبر ۸۳ء سے ۱۹ دسمبر ۸۳ء تک خطابات اقدس قرآن مجید اور تنظیم اسلامی کے ایک قوتی پروگرام کے ضمن میں کراچی میں مقیم رہے۔ اس دوران شریف آباد فیئر مل بی ایریا محبہ الاہم ہیکوٹریس ہائیڈرو صوف نے ۱۲ تا ۱۵ دسمبر ۸۳ء کو بعد نماز عشاء ملاقات کیے۔ مولفین مسجد جامعہ العفانیں پہلے دن ایک عمومی خطاب فرمایا اور بغیر وعدہ شورہ کی کے بعض خطابات کا درس دیا اور اس امر کو واضح فرمایا کہ فریضہ اقامت دین کو حیدر علی اسلم اور توحید علی اعلیٰ کا ذریعہ سنام (چوٹی) ہے۔ اس خطاب میں بیسٹون سورہ زمر سورہ مؤمن سورہ حکم السجدہ سے سورہ شوریٰ کی طرف تہذیب کے بڑھنا ہے۔۔۔ فریضہ اقامت دین کے موضوع پر امیر محترم کے متعدد خطابات اور درس چلے گئے ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں اس موضوع پر موصوف کا حالیہ خطاب اور درس چوٹی کا درجہ رکھتا ہے اور بالکل نئے اسلوب سے دیا گیا ہے، طرز استعمال بھی نیا ہے لہذا اسے یہ عاجز کیسٹ سے منتقل کر رہا ہے۔ خطاب کی پہلی قسم مولیٰ حکم و مفسر اور ذیلی قسمی سرچسوں کے ساتھ تارکین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ کی توفیق و نصرت اس عاجز کے شامل حال رہی تو ان شاء اللہ العزیز یہ خطاب بعد درس چار پانچ اقسا میں پیش ہو گا۔

وہیکہ اللہ التوفیق و علیہ الشکالین

اعتراف: مولیٰ الرحمن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد :
 قاعدہ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
 شرع لکم من الدین ما وھبہم نوھا والذی اوحینا الیک
 وما وھبناک بہ ابرھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقموا الدین و
 لا تتفرقوا فیم کبر علی الشرکین ما تدعوھم الیہ اللہ یجتبیٰ
 الیہ من یشاء ویھدی الیہ من یشاء
 (صدق اللہ العظیم)

اللھم ربنا الھمنارشدنا واعزنا من شرور النفسا - اللھم
 ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه -
 اللھم وفقنا لما تحب وترضی - اما بعد : رب اشرح لی
 صدري ویسر لی امری واحلل عقدہ من لسانی یفقهوا قولی
 آمین یا رب العلمین

حضرات و قارئین! آپ کو اطلاعات سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہملا پروگرام یہ ہے کہ آج کل اللہ
 پر سوں تین دنوں میں سورہ شوریٰ کے بعض منتخب مقامات کا ہم مطالعہ کریں گے۔ سورہ شوریٰ کے متعلق
 اطلاعات سے یہ بات بھی آپ کے سامنے آچکی ہے کہ میرے خیر مطالعہ کی مدد سے یہ سورہ مبارکہ اقامتِ یمن
 کے خاص موضوع پر ایک چوٹی کا جذبہ کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سورتوں کیلئے فضیلت
 کا اظہار استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں مختلف موضوعات پر چوٹی کے مقام کی حامل
 ہیں۔ اگر یزی میں اسے اس موضوع کے CLIMAX یعنی نقطہ عروج سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔
 جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اقامتِ یمن کی خاص موضوع پر اس سورہ مبارکہ کو فروع
 نام کا مقام حاصل ہے۔

آج میں چاہتا ہوں کہ سورہ شوریٰ کے پیش نظر بعض مقامات کے دریں
 مصحف کی ترتیب | سے قبل اس سورت کے بارے میں اور قرآن کی موجودہ ترتیب کے متعلق
 بعض اہم اور بنیادی باتیں آپ کے گوش گزار کر دوں جو ان شاء اللہ عز و جل قرآن حکیم کے مطالعہ
 اس میں غور و فکر اور تدبر کے لئے قرآن مجید کے ہر طالب علم اور قاری کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

مکیات و مدنیات | یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ سورہ شوریٰ مکی سورت ہے۔ آپ

مکی سورتوں پر اور بقیہ تقریباً ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں پہلے مکی اور بعد میں مدنی سورتیں یکجا جمع کر دی گئی ہوں۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ مکیات اور مدنیات ہیں جو نزولی ترتیب ہے اس کے اعتبار سے قرآن حکیم کو مرتب کیا گیا ہو۔ یہ بات قرآن مجید کے برہا عالم کو معلوم ہے کہ نزولی ترتیب اور صحیفہ کی ترتیب اور ہے۔

ازلی و ابدی ترتیب | البتہ یہ بات جان لیجئے کہ اصل میں قرآن حکیم کی ازلی و ابدی ترتیب یہی ہے جو صحیفہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہی

ترتیب تقدیمی ہے اور قرآن مجید کی یہی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا جو نزول ہوا ہے وہ ایک دوسری ترتیب سے ہوا ہے۔ اُن خاص حالات کے مطابق ہوا ہے جو اُن حضور کی دعوت اور آپ کی جدوجہد کے دوران آپ کو مختلف مواقع پر مختلف مراحل میں پیش پائے گئے۔ لہذا ترتیب نزولی کا تعلق خاص حالات سے اور خاص زمانے سے ہے۔ گویا خاص زمان و مکان اس نزول کے پس منظر میں ہیں لیکن جس ترتیب سے قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو عطا فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں وہ لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے اور یہ ہے ازلی و ابدی ترتیب۔ اسی کے مطابق اُن حضور کی وفات سے قبل کے رمضان المبارک میں حضرت جبریل نے آپ کو دوبارہ قرآن مجید کا دُرگم دیا ہے۔

قرآن مجید کا نظم | قرآن فہمی اور خاص طور پر اس میں تدریج کے لئے صحیفہ کی موجودہ ترتیب اس کے نظم اور سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنا پڑا ہے۔ چنانچہ

اس پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی سورتوں کا جو اندرونی نظام اور ان کا جو باہمی ربط و تعلق ہے اس پر بغیر منہ و پاک کی ماضی قریب کی ایک متقی و متدین شخصیت نے نہایت عمیق تدریج و تفکر کیا ہے اور اس نظام اور باہمی ربط و تعلق کو واضح کرنے کے لئے انتہائی قابلِ قدر کام کیا ہے۔ یہ شخصیت تھے مولانا امام محمد اللہ بن فراہی رحمۃ اللہ علیہ جن کا انتقال سنہ ۱۳۱۰ھ میں ہوا۔ مولانا مرحوم شکی نعمانی مرحوم کے بہت قریبی عزیز تھے۔

ان دونوں کے مابین مامل و نداد اور سچو سچا زاد مہاجریوں کا رشتہ تھا۔ مولانا فراہی نے عربی زبان میں قرآن مجید کے چند اجزاء کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ اس کا نام ہی مولانا نے "تفسیر نظام القرآن" جو نیز

لیا تھا۔ اس کا مقدمہ مولانا نے "مقدمہ تعریف نظام القرآن" کے عنوان سے تحریر کیا تھا جو نہایت
 نامالام اور جو میرے نزدیک قرآن فہمی کے لئے بے فائدہ کلید ہے۔ پس مولانا فرمایا یہی اس دوست کی وہ
 شخصیت ہیں جنہوں نے قرآن کے نظام پر خصوصی طور پر توجہات کو مرکوز کیا۔

نظام کے لحاظ سے قرآن کے گروپ واضح کرنے کے لئے اُن ہی کے شاگرد شید

مولانا امین حسن اصلاحی صاحب نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اس ضمن میں ایک مائٹے خاکہ ہر کی
 ہے جو خامی وزنی ہے۔ ان کی مائٹے یہ ہے کہ قرآن حکیم کی جملہ سورتیں سات گروپوں میں منقسم ہیں۔
 اور ہر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس میں آغاز میں ایک یا ایک سے نامائیکئی سورتیں ہیں اور ہر
 گروپ کا اختتام ہوتا ہے ایک یا ایک سے نامائیکئی سورتوں پر۔ اس طرح مکینات اور
 مدنیات مل کر ایک گروپ بن جاتا ہے۔ پھر مکینات اور مدنیات پر تخیل و دوسرا گروپ مکمل
 ہوتا ہے۔ وقس علی ذلک۔ اس طرح قرآن حکیم کے جو سات گروپ بنتے ہیں ان
 میں سے ہر گروپ کا ایک پانچ مرکز یا مضمون ہوتا ہے جسے وہ 'عمود' کہتے ہیں۔ یہ عمود مطلق
 شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار فرمائی ہے۔ لیکن یہ کہ قرآن کے سات گروپ کیا
 اور ہر گروپ کا اپنا ایک عمود یعنی مرکزی مضمون ہے تو یہ مولانا اصلاحی کی اپنی تحقیق اور تدبر
 کا نتیجہ ہے جو اس دور میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ مولانا اصلاحی کی تحقیق کا حامل یہ ہے
 کہ ہر گروپ کے مرکزی مضمون یا عمود کے دو رخ ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں تصویر کے
 دو رخ۔ تو ایک رخ مکینات میں بیان ہوتا ہے اور دوسرا رخ مدنیات میں اور اس طرح یہ
 دونوں رخ مل کر اس گروپ کے عمود یا مرکزی مضمون کی تکمیل کر دیتے ہیں۔

اس طرح جو سات گروپ بنتے ہیں۔ ان میں سے پہلے گروپ میں مکی سورت صرف
 ایک ہے اور وہ ہے سورۃ فاتحہ۔ یہ سورت مختصر ہے اور صرف سات آیات پر
 مشتمل ہے اگرچہ اپنے مضامین کی جامعیت کے اعتبار سے اسے 'قرآن عظیم' بھی کہا گیا ہے۔
 گویا یہ سورہ خود اپنی جگہ ایک مکمل قرآن ہے۔ اسے 'آم القرآن' بھی کہا گیا اور اس اس القرآن
 بھی۔ اس کو شافیہ اور کافیہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا۔ اس سورہ کے مختلف نام اس
 کی جامعیت و عظمت کے اظہار کے لئے رکھے گئے ہیں۔ حالانکہ حجم کے اعتبار سے وہ بہت
 چھوٹی سورت ہے جبکہ اس پہلے گروپ میں چار نہایت طویل مدنیات شامل ہیں یعنی سورۃ

نے لے کر سورہ مائدہ تک۔ قرآن مجید کے تقریباً چھ پارے ہیں جو ان چار سورہوں پر مشتمل ہیں۔ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکی سورتیں انعام اور اعراف اور اس طرح حدود بڑی مکی سورتیں انفال اور توبہ شامل ہیں۔ تیسرے گروپ میں پہلی چودہ سورتیں مدینہ میں سے سورہ مومنون تک مکی ہیں اور آخر میں صرف ایک مکی سورت، سورہ نور شامل ہے۔ یہ بھی چھ پاروں کے لگ بھگ گروپ بنتا ہے۔ چوتھا گروپ سورہ فرقان سے سورہ نبا پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں بھی ابتداء میں آٹھ مکی سورتیں ہیں اور آخر میں صرف ایک مکی سورت، سورہ احزاب ہے۔ پانچواں گروپ سورہ سبا سے شروع ہو کر سورہ محجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ابتداء میں تیرہ مکی سورتیں اور اختتام پر تین مکی سورتیں شامل ہیں۔ پھر چھٹا گروپ سورہ ق سے شروع ہو کر سورہ تحریم پر ختم ہوتا ہے اس میں پہلی سات سورتیں مکی اور اس کے بعد سورہ حدید سے لے کر سورہ تحریم تک دس سورتیں مکی ہیں۔ یہ وہ واحد گروپ ہے جس میں مدینات کی تعداد کمیتات سے زیادہ ہے۔ آگے چلے پھر سورہ الملک سے سورہ الناس تک ساتواں گروپ ہے۔ اس گروپ میں چند سورتیں مشنکی ہیں جو مکی ہیں باقی مکی کی کل سورتیں کمیتات پر مشتمل ہیں۔

کمیتات کے مرکزی مضامین و موضوعات | اب ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ کمیتات کے مرکزی مضامین و موضوعات کیا ہیں۔ ان میں

میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مکی سورتوں کا اصل موضوع ہے ایمان۔ پہلے اسی کو پختہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ایمان پر ہی اسلام کا دار و مدار ہے۔ ایمان کی حیثیت جڑ کی ہے اور اسلام کی حیثیت درخت کی ہے۔ اور اعمال صالحہ اسی ایمان اور اسلام کے ثمرات ہیں۔ لہذا بنیادی حیثیت جڑ ہی کو حاصل ہوتا ہے جس پر درخت قائم ہوتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جیسے ایک عمارت ہے اس کی ایک بنیاد ہے اور اس پر تعمیر ہے۔ نفرت و عداوت آتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس عمارت کے استحکام کا سارا دار و مدار بنیاد پر ہے اور وہ زیر زمین ہے نظر نہیں آتی۔ پس معلوم ہوا کہ اصل شے ایمان ہے۔ یہ ایمان ہی اہل موضوع ہے۔ تمام مکی سورتوں کا۔

ایمان کے اہم اجزاء | البتہ ایمان کے تین اجزاء ہیں۔ ایمان باللہ یا توحید۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرۃ۔ ان تینوں اجزاء کی مکی سورتوں میں مختلف اسالیب سے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تہذیب ہے۔ میں آگے عرض کروں گا کہ ان کے اعتبارات

سے ان گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ لہذا کمیات کا سب سے بڑا موضوع تو ہو گیا ایمان۔

بنیادی اخلاقیات اور سرائے اور اہم مضمون نئی سورتوں کا بنیادی اخلاقیات سے متعلق ہے۔

سچائی ہے، ہمدردی ہے، ہموگوں کو کھانا کھانا ہے، یتیموں سے حسن سلوک

ہے، حاجت مندوں کی دیکھ ریکھ ہے، ماپ اور تول میں دیانت ہے، معاملات میں امانت ہے،

ایمانت ہے، صلہ رحمی ہے، والدین سے حسن سلوک ہے، زنا سے اجتناب ہے، عصمت و

حفت کی حفاظت ہے، تہذیب و اسراف سے بچنا ہے، چغل خوردی بہتان تراشی، شیخی و کبر و استغناء

و لکڑے پر سیر ہے، متعلقات بالخصوص نوروں و خچروں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر کبھی ہے،

غلاموں پر شفقت یا ان کی آزادی کی ترغیب ہے۔ ان اخلاقیات کی تعلیم و تلقین کا بھی کثرت سے

کمیات میں مختلف اسالیب سے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔ نئی سورتوں میں ان چیزوں پر آپ کو

وہ کلام جمع ملے گا۔ لیکن کمیات میں آپ کو شریعت کے احکام نہیں ملیں گے۔ حلال و

حرام کیا ہے؛ ان کا ذکر مئی سورتوں میں آئے گا۔ کمیات میں تو ایمان کی دعوت اور بنیادی

اخلاقیات کی تعلیم و تلقین ملے گی۔ ان اخلاقیات کی جو کہ دلوں کے نزدیک بھی متفق علیہ تھے اور کوئی

انسان مجاہد دنیا میں ایسا نہیں ہوگا جو یہ تسلیم نہ کرے کہ سچ بولنا اچھا ہے، جھوٹ بولنا بُرا ہے، کوئی انسان

ایسا نہیں ہوگا جو یہ نہ کہے کہ وعدہ و فاکرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی بُرائی ہے۔ دوسرے عن ہذا

تو معلوم ہوا کہ دنیا کے متعلق علیہ اخلاقی اصول اور اقدام کی تعلیم و تلقین بھی ہے جو آپ کو نئی سورتوں

میں ایمان کی دعوت کے ساتھ ملے گی۔

قصص الانبیاء و انبار الہی

تیسرا جو بڑا مضمون نئی سورتوں میں ہے وہ ہے انبیاء و رسل کے حالات

و واقعات۔ ان میں بھی ایک فرق ہے۔ انبیاء کرام و رسل کرام

کے جو واقعات و حالات بیان ہوئے ہیں، وہ بنیادی اخلاقیات کے ذیل میں آئے ہیں۔ رسولوں

و رسل کرام کے جو واقعات و حالات آئے ہیں، وہ اس کام کے لئے آئے ہیں جن کو امام الہند شاہ

ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "التذکیر بآقایہ اللہ" کا عنوان دیا ہے۔ یاد رکھنا کہ

اللہ کے رسول کے حوالے سے یہی جن قوموں کی طرف اللہ کے رسول بھیجتے ہوئے اور ان قوموں

نے ان رسولوں کی دعوت و جمیع کو قبول نہیں کیا، اسے یاد کر دیا تو وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں۔

نیا منیا گئی گئیں، ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ جیسے قوم نوح ہے، قوم نوح ہے، قوم عاد ہے۔

قوم ثمود ہے، قوم شعیب ہے اور آل فرعون ہے۔ ان چھ اقوام کا ذکر بار بار قرآن مجید میں

آیا ہے۔ جو حضرات قرآن حکیم کو پڑھنے والے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان پھر رسولوں کا جو ان قبول کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت عیسیٰ، حضرت یونس، حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام۔ تو ان کا ذکر مختلف اسالیب اور مختلف سیاق و سباق میں اس اعتبار سے منکوار و اعادہ کے ساتھ مکی سورتوں میں آتا ہے کہ ان کے حالات تمہارے لئے مثال و نشانِ عبرت ہیں ان سے سبق لو کہ ان رسولوں کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو وہ ہلاک کر دی گئیں۔ اگر تم نے بھی ان ہی کا سارہیہ اختیار کیا تو تم بھی اس دنیا میں بھی عذاب الہی سے دوچار ہو گے اور آخرت میں بھی عذاب دائمی تمہارا مقدر ہو گا۔

جن حضرات کو مطالعہ قرآن سے دلچسپی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر ان کے لئے دو اصطلاحات کا فرق بھی واضح کر دوں۔ ایک اصطلاح ہے 'قصص النبیین'۔ نبیوں کے حالات کو قصص قرار دیا گیا ہے۔ رسولوں کے حالات کے لئے دوسری اصطلاح آتی ہے اور وہ ہے 'انباء الرسل'۔ انباء، بڑی اہم خبر کو کہتے ہیں۔ انباء الرسل کے معنی ہوں گے 'رسولوں کی بہت اہم خبریں'۔ یعنی پوری پوری قوموں کا ہلاک کر دیا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جن کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: 'كَانَ لَكُمْ لَعْنَتُوا فِيهَا' وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں کبھی تھے۔ 'لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ' اب ان کے سکن رہ گئے ہیں، کھنڈرات ہیں، ان میں بے دانے کہیں نظر نہیں آتے۔ کہیں فرمایا: 'قطع دابر القوم الذين ظلموا'۔ ان ظالم قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ قرآن میں 'ظلم' کا لفظ عموماً شرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے: 'إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ'۔ معلوم ہوا کہ یہ بڑے اہم واقعات ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے 'أَنبِئْنَا نَرُسُلًا'۔ اور جن انبیاء کرام کے واقعات و حالات میں ان قوموں کی ہلاکت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نبیوں کے مضبوط کردار، ان کی پاکیزہ سیرت، ان کی صداقت و دیانت، ان کی امانت، ان کی عصمت، ان کی عفت اعدائے ان کے عبرت و ثبات کا ذکر ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعات و حالات سورہ یوسف میں بیان ہوئے ہیں تو ان کو قرآن کہتا ہے قصص۔ 'نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ

الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ'۔ یہ سورہ یوسف۔ اور سورہ ہود کے آخر میں آتا ہے کہ یہ انباء الرسل ہیں جو ہم اسے نبی! آپ کو سنا رہے ہیں تاکہ اس کے فواید سے (اسے نبی!) ہم آپ کے دل کو جمادیں اور تسلی دیں اور اسے نبی! اس سورت میں آپ کے

ہے۔ جس میں اس دنیا کی زندگی کے تمام اعمال ہی کا نہیں بلکہ نیتوں اور ارادوں کا بھی حساب کرنا ہوگا۔ جواب دہی کرنی ہوگی پھر عدالت الہی سے جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے۔ یا جنت ہوگی ہمیشہ کے لئے یا آگ ہوگی دائمی۔ ان ہی گروپوں میں یہ سورتیں ملتی ہیں: إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ كَافٍ فَرَايَا: الْخَاقَةُ ۝ مَا الْخَاقَةُ ۝ کہیں آگاہ کیا گیا: الْخَاقَةُ مَا الْخَاقَةُ ۝ اسی طرح سے: عَمَّ يَسْكَنُونَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ ۝ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝ اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْفَاشِيَةِ ۝ وَجُودُكَ يُؤْمِنُ خَاشِعَةً ۝ عَالِمَةٌ تَأْتِي ۝ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً ۝ تَسْتَفِي مِنْ عَيْنِ انبِيَا ۝۔ تو آخری ان دو گروپوں کی کلیات میں زیادہ زور ہے اندازاً آخرت پر۔ درمیانی دو گروپوں کا مرکزی مضمون ہے توحید اور ابتدائی دو گروپوں کی کلیات میں جس پر زیادہ زور ہے وہ ہے رسالت۔

اب آگے چلے مجھے اندازہ ہے کہ جن حضرات کو قرآن مجید کی ترتیب سے تعارف نہیں ہے ان کو یہ باتیں قدر سے بخاری معلوم ہونگی۔ لیکن میں اصل میں یہ تمہید بتا رہا ہوں اور آپ کو رفتہ رفتہ سورۃ شوریٰ کی طرف لا رہا ہوں۔ میں نے بھی درمیانی جو اکیس سورتیں آپ کو گنوائیں۔ سورۃ فرقان سے لے کر سورۃ حٰجۃ العجۃ تک یہ ہیں اٹھ سورتیں۔ سورۃ باہ سے لے کر سورۃ احقاف تک یہ ہیں تیرہ سورتیں۔ ان دونوں گروپوں کی ان اکیس سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ اب ایک عجیب نکتہ آپ کو بتا رہا ہوں وہ یہ کہ ان اکیس سورتوں میں درمیانی سورت کو کسی ہوگی ظاہر ہے کہ گیارہویں۔ دس اور دس ادھر۔ تو گیارہویں سورت سورۃ یٰس ہے جس کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب القرآن قرار دیا۔ سورۃ یٰس قرآن کا دل ہے۔ اس لئے کہ اہل بیخ تو توحید ہی ہے۔ ہمارا دین، دین توحید ہے۔ حالت بھی اسی لئے ہے کہ توحید کی طرف دنیا کو دعوت دے آخرت کا اندازہ بھی اسی لئے ہے کہ لوگ شرک سے باز آجائیں اس سے تکریر آجائیں کریں اور توحید کو اختیار کریں اور صرف اسی کا التزام کریں۔ اور سورۃ یٰس میں یہ تینوں مضامین نہایت جامعیت، بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ آجائے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین کی اصل، اس کی جڑ، اس کی بنیاد ہے ہی توحید۔ اس کی رُو سے سب سے بڑی گمراہی شرک ہے۔ شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں سورۃ نسا میں دو مرتبہ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَفْعُلُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَفْعُلُ مَا دُونُ ذَلِكَ لَعَلَّ الْكَافِرِينَ۔ لہذا یہ جو اکیس سورتیں ہیں جو توحید کے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ویسے تو

یہ اگر کسی ہے سورۃ بقرہ میں جس کو اس حضورؐ نے قرآن کی تمام آیات کی سرسراج قرار دیا۔
 خری پارے میں سورۃ اخلاص ہے جس کو نبی اکرمؐ نے ایک نثلث قرآن کے مساوی قرار دیا۔
 اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے موضوع پر آیتوں میں سے جامع ترین آیت، آیتہ الکرسی ہے اور
 سورہ تول میں سے جامع ترین سورت سورۃ اخلاص ہے۔ لیکن گردلوں کی حیثیت سے ان اکیس
 سورتوں کو توحید کے موضوع پر مرکزیت حاصل ہے۔

توحید کے دو حصے اب میں ایک اہم بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ توحید
 کے دو حصے ہیں۔ یہ بات شاید کچھ حضرات کے لئے اچھے والی ہو
 ان جب آپ میری گفتگو سنیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بات ان کو بھی معلوم نہیں ہوگی۔ اس بات
 کی بنیادیں اور اس کے اجزاء آپ حضرات کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ میں ان کو ایک ترتیب سے
 آپ کے تحت اشعور سے شعور کی سطح پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ بات کہ توحید کے دو حصے
 ہیں، میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ بات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے
 حوالے سے پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے یہ تقسیم کی ہے اور یہ بڑی پیاری تقسیم ہے۔

توحید علمی امام حرمؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ایک توحید ہے علمی توحید، توحید فی المعرفة یا
 توحید فی العقیدہ۔ اللہ کو ایک جانا، ایک ماننا، اللہ کی ذات میں کسی کو
 شریک نہ ٹھہرانا۔ اللہ کی صفات میں کسی کو سہمی قرار نہ دینا۔ کسی کو اس کا خدا یا نہ، یا ہم پلہ،
 ہمسرا یا نہ مقابلہ نہ بنانا۔ پس توحید فی الذات اور توحید فی الصفات ان دونوں کو جمع کریں
 گے تو یہ ہوگی علمی توحید۔ معرفت الہی کی توحید۔ یہ توحید ہوگی عقیدے کی توحید۔ دوسری
 توحید ہے توحید عملی۔ اس کو امام ابن تیمیہ نے توحید فی الطلب کا جامع عنوان دیا ہے۔
 وہ یہ ہے کہ انسان فی الواقع ایک ہی اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس کی بندگی اور پرستش صرف
 اللہ ہی کے لئے خاص ہو جائے جو الاحد ہے۔ ایک خطبہ نبویؐ میں الفاظ آتے ہیں :
 فَعْبُدُوا اللَّهَ فَإِنَّ التَّوْحِيدَ رَأْسُ الْعِلْمَاتِ۔ اب یہاں "وَحْدًا" صیغہ امر ہے اور
 یہ باب ہے باب تفصیل۔

باب تفصیل کا خاصہ توحید اسباب تفصیل سے ہے اور تفصیل کا خاصہ یہ ہے کہ کوئی
 اس پر بڑی محنت سے، بڑے اہتمام سے بڑے استقلال و
 استوار سے کما جاتا ہے تو اس کے لئے لفظ تفصیل سے آتا ہے۔ جسے اعلام

کے معنی ہیں کسی کو کچھ بتادینا اور تعلیم کے معنی ہیں کسی کو کچھ سکھانا۔ اب بتانے اور سکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ ایک دفعہ تیار کر فارغ ہوئے۔ اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، اس کے پتے کچھ پڑے یا نہ پڑے۔ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ابلاغ کے معنی بھی صرف پہنچانے کے ہیں لیکن تبلیغ کے معنی ہوں گے محنت سے، اہتمام سے، دلیل سے، تدبیر سے کوئی بات کسی تک پہنچانا۔ اب تعلیم اور تبلیغ میں آپ کو سخت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ Hammer کرنا پڑتا ہے ایک بات کو ذہن میں آنا پڑے گا۔ کوئی بات ایک مرتبہ سمجھ میں نہیں آئی تو اسے بار بار سمجھانا پڑے گا۔ اس کی توضیح کرنی ہوگی، تبیین کرنی پڑے گی۔ بڑی محنت سے کسی کے ذہن میں کوئی بات آسانی اور بھائی ہوگی۔ یہ تعلیم ہے۔ اسی طرح محنت، لگن کے ساتھ دعوت پہنچانے سے تبلیغ کا حق ادا ہوگا۔ امید ہے کہ اس وضاحت سے اعلام اور ابلاغ اور تعلیم و تبلیغ میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے وہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

انزال اور تنزیل کا فرق | باب تفصیل کے ختم کے متعلق ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔ انزال کے معنی ہیں دفعتاً اتارنا۔ لیکن جب یہ لفظ باب تفصیل میں تنزیل بنے گا تو اس کے معنی ہوں گے تھوڑا تھوڑا کر کے ٹھہر ٹھہر کر تدریج سے اتارنا۔ پورا قرآن مجید رمضان میں لیل القدر میں دفعتاً واحد لوح محفوظ سے اتر کر اسمائے دنیا تک آگیا۔ یہ ہے انزال۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ اب اسمائے دنیا سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نازل ہوا تو وہ بیک وقت نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تدریجاً نازل ہوا۔ اَللّٰهُ سَازِیْلُ الْکَلْبِ لَا رِبَّ یُنَبِّئُ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اور وَاِنَّهٗ لَکَ تَنْزِیْلٌ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ سورہ یس میں فرمایا: تَنْزِیْلُ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ سورہ زمر شروع ہوتی ہے اسی تنزیل کے ذکر سے: تَنْزِیْلُ الْکَلْبِ مِنْ اِلٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝ سائے دنیا تک قرآن کے نزول کی شان ہے شانِ انزالی اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نزول قرآن کی شان ہے شانِ تنزیلی۔ عموماً تھوڑا ضرورت کے مطابق حالات و اوقات کی مناسبت سے قرآن کا نزول بہ تنزیل ہے۔

توحید کیلئے | باب تفصیل کے ختم کو پیش نظر رکھ کر اب آپ فقہ توحید پر غور کیجئے۔ جس کا مطلب و مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات کے لحاظ سے احد ماننا اور جاننا۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ توحید اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ دائمی

پیر اللہ کو ایک جان اور ایک مان کر استقلال و استقزار کے ساتھ اس کی پیہم اطاعت کے لئے
سنت کرتے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس موقع پر مجھے یہ شعر یاد آ رہا ہے کہ۔

فرشتے بہ بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں بڑی ہی محنت زیادہ

پس توحید کے لئے بڑی محنت و شفقت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک لکیر کھینچی
ہوئی تھی۔ پالا بنا ہوا تھا اور کوئی ادھر سے ادھر آگیا تو اسے توحید کی دولت مل گئی۔ اس طرح اسلام
تو مل سکتا ہے یعنی ایک شخص قافلی طور پر مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن یہ کہ وہ وحدہ بن گیا
تو یہ خاتم خیالی ہے۔ اسی لئے نبی اکرمؐ خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: **وَحْدَهُ وَاللّٰهُ۔ اللّٰهُ**
کی توحید واقعتاً اختیار کرو جیسے کہ اس کا حق ہے۔

توحیدِ عملی | زندگی کے عملی میدان میں توحید اختیار کرنا توحیدِ علمی سے بھی زیادہ بڑا مشکل کام ہے۔
اس توحیدِ فی اہل کو امام ابن تیمیہؒ توحید فی الطلب کہتے ہیں۔ یہ بڑی کٹھن مادی ہے۔
اسے عبور کرنا بڑے عزم اور حوصلہ کا کام ہے۔ یہ توحیدِ عملی درحقیقت پانچویں گروپ میں سورہ
سہ سے لے کر سورہ احقاف تک کی تیرہ مکی سورتوں میں سے چار سورتوں کا مرکزی موضوع ہے۔
یہ چار سورتیں ہیں۔ سورہ بقرہ۔ سورہ مؤمن۔ سورہ قلم اسجدہ اور سورہ شوریٰ۔ ان چار سورتوں
میں تدبیرِ جا توحیدِ عملی کا مضمون سامنے آتا ہے۔ میں بھی اس میں یہ تدبیر رکھونگا کہ میں پہلے
سورہ زمر کی چند آیات آپ کو سناؤں گا۔ پھر سورہ مومن کی چند آیات۔ پھر سورہ قلم اسجدہ کی
ایک آیت کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں گا۔ پھر ہم مطالعہ کریں گے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۲ کا
جس کی تلاوت سے آج کی اس گفتگو کا آغاز ہوا ہے۔

توحیدِ عملی کے مدارج | توحیدِ عملی کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کے انفرادی عمل میں
توحید آجائے۔ انفرادی شخصیت فی الواقع توحید کے رنگ
میں رنگی جائے۔ واقعتاً انسان اللہ کا بندہ بن جائے جیسا کہ
اس کا بندہ بننے کا حق ہے۔ پھر اس کی بندگی میں کسی اور

کی بندگی کا شائبہ نہ ہو۔ وہ بندگی خالص بندگی ہو اللہ کی۔ اللہ کے سوا کسی اور کا کہنا مانا
جا رہا ہو۔ اللہ کے حکم کے خلاف کسی اور کا حکم بجالایا جا رہا ہو تو یہ توحید نہیں ہے۔ بغاوت اور
مکشرشی ہے۔ طغیان ہے۔ لیکن اگر اللہ کے حکم کے تابع کسی کا حکم مانا جائے اس سے آزاد ہو کر
نہ مانا جائے تو یہ توحید ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنی انفرادی زندگی میں حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بن

جائے تو یہ ہے انفرادی توحید عمل کے اعتبار سے۔ اسی انفرادی عملی توحید کا ایک اہم پہلو ہے 'توحید فی اللہ'۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ السعاده مع العبادۃ۔ "دعا ہی عبادت کا جو حصہ ہے" ایک موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: السعاده هو العبادۃ۔ "دعا ہی اصل عبادت ہے" مطلب یہ ہے کہ انسان حاجت برداری، دستگیری اور انصاف و اعاد کے لئے غیب میں سے جس کو پکارتا ہے، وہ ہی اس کا اصل معبود ہے۔ پس توحید فی الہیاء اور توحید فی الدعا یہ انفرادی توحید کا پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ: اجتماعی توحید | اب انفرادی سطح اور انفرادی وجود سے جو توحید نکلی گی وہ لازماً مقتدی ہوگی جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ مثال دی ہے کہ اگر کسی جگہ آگ ہے اور اس میں حرارت ہے تو یہ حرارت آگ میں محدود نہیں رہتی بلکہ وہ ماحول میں سرایت کرتی ہے۔ یا آپ آگ پر کوئی چیز رکھیں گے یا اس میں ڈالیں گے تو وہ چیز بھی گرم ہو جائے گی۔ اسی طرح برف میں ٹھنڈ ہے تو وہ برف تک محدود نہیں رہے گی وہ بھی ماحول میں سرایت کرے گی آپ برف کو پانی میں ڈالیں گے تو برف پانی کو بھی ٹھنڈا کرے گی، یہ قانون طبیعی ہے۔ اسی مثال سے سمجھے کہ اگر کسی فرد کے اندر توحید فی الواقع جاگزیں قائم ہو جائے اور وہ راسخ ہو، پختہ ہو، مضبوط ہو اور حقیقی ہو، دھوکے اور فریب کی نہ ہو یعنی بظاہر تو بڑے موجد ہونے کے دعویٰ ہوں اور باطن یعنی دل میں منہ خٹنے آباد ہوں تو اس حقیقی اور خالص توحید کو لازماً ماحول میں سرایت کرنا چاہیے۔

باطن کے احسان | اُترنا نہ مانے گا۔ میں اب چند تلخ حقائق آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ہیں جو موجد خالص ہونے کے دعویدار ہیں۔ وہ قبر پرستی اور اس نوع کے مختلف مشرکانہ و بتدعانہ افعال کی تو بڑی مذمت کرتے ہیں۔ بتا بالکل صحیح ہے۔ ان کی مذمت ہونی چاہیے، یہ کام قطعی غلط نہیں ہے۔ بلکہ مفید ہے لیکن ان میں سے اکثر حضرات کا خیال اور دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ دولت پرستی بھی شرک ہے۔ اگر مصلوہ دولت میں حلال و حرام کی تفریق ختم ہو گئی تو معلوم ہوا کہ دولت معبود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تعس عبد الدینار وعبد الدرہم۔ "ہلاک ہو جائے دینار اور درہم کا بندہ"۔ اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو گا کہ "ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ"۔ خود کیجئے دینار و درہم کا بندہ کون ہے؟ اُن حضورؐ نے لفظ کون استعمال فرمایا، عبد۔ اس لئے

ہر شخص کے دل میں دولت کی محبت اتنی ہے کہ وہ اسی ملک و دود میں لگا رہتا ہے کہ وہ
 حال میں اس کے پاس آئی جا بیٹے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ حاصل سے آئے یا
 اہم سے آئے جائز سے آئے یا ناجائز سے آئے۔ صحیح سے آئے یا غلط سے آئے۔ دولت
 یا اس محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا معبود دولت ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ ہندو نے
 دولت کی ایک دیوی تراشی ہوئی ہے جس کا نام انہوں نے کاشمی دیوی رکھ دیا ہے۔ اس
 کی وہ پوجا کس لئے کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کو دولت ملے۔ وہ حقیقت وہ اس معبود کی
 پرست میں دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم نے صرف یہ کیا ہے کہ کاشمی دیوی کی کوئی معبودی
 ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن کاشمی دیوی کی پوجا سے ہندوؤں کا جو مقصود ہے وہی ہمارا بھی
 ہو جائے گا اگر ہم حرام و حلال اور شریعت کی قیود و شرائط سے بے نیاز ہو کر کہ دولت
 کے حصول میں لگ جائیں اس طور پر کہ دولت معبود کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دولت کے
 ایسے پیاروں اور غلاموں کے لئے ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تعس عبد
 الدینار و عبد اللہ۔

اسی طریقے سے دیکھیے۔ ایک طرف اللہ کا حکم ہوتا ہے اور دوسری طرف نفس کی چاہت
 بڑی سادہ سی مثال ہے۔ صبح سویرے کا وقت ہے، آنکھ بھی کھل گئی ہے۔ اذان بھی آئی ہے یہ
 پکار کس کی ہے؟ مؤذن کی زبان سے ضرور نکلی ہے لیکن پکار اس کی نہیں ہے۔ پکار تو اللہ کی
 ہے کہ۔۔۔ حسی علی الصلوة اور حسی علی الفلاح اور الصلوة خیر من النوم۔
 — علامہ اقبال کا بڑا پایا داغ ہے جو اس بات کی تفسیر میں مدد ہو سکتا ہے۔

لکھی تو لب اقبال سے ہے کیا جانئے کس کی ہے یہ صدا

پیغام سکوں پہنچا بھی گئی، دل مغل کا تڑپا بھی گئی

تو زبان بے شک مؤذن کی ہے۔ لیکن صد تو اللہ کی ہے۔ ایک طرف اللہ کی پکار
 ہے۔ دوسری طرف نفس کہتا ہے، "سوؤ۔۔۔ ابھی آرام کرو۔۔۔ یہ ہے وہ کشمکش جس سے ہم
 میں سے اکثر لوگ لاسا بقیہ پیش آتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو کہ ہم میں سے
 اکثر کس کا تاج رہتا ہے۔ اب اگر مستقل یہ کیفیت ہو کہ اس وقت ہم نے اللہ کی پکار پر جواب
 دیا کہ اللہ کے اللہ کی خواہش اور مرضی پر لبیک کہا تو ہمارا معبود کون ہوا؟ اللہ یا ہمارا
 معبود ہو کہ دہل میں ختم خانہ آباد ہے۔ اسی بات سے متنبہ کیا گیا سو وہ فرقان کی آیت ہو

میں: اَرَضَيْتَ مِنَ الْاِتْخَادِ الْاِلَهَةَ هَمَّا اَوْ اَنَا اَنْتَ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ ”اے نبی! آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا ہو اسے۔ کیا آپ ایسے شخص کی نگرانی کر سکیں گے بغور کیجئے! یہاں لفظ ”اَلہ“ آیا ہے جو ہمارے کلمہ شہادت کے جزو اول میں آتا ہے: لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ ”کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے“ پس معلوم ہوا کہ معبود دولت بھی بنتی ہے۔ معبود نفس بھی بنتا ہے۔ دل کے اس صنم خانے کو فتم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پتھر کے تراشیدہ باہر کے توں کی نفی اور مذمت آسان ہے۔ قبر پرستی کی نفی اور مذمت بھی آسان ہے۔ اور یہ نفی و مذمت بالکل صحیح ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ توحید کا لازمہ ہے۔ اس میں غلطی کا رانی برابر بھی کوئی شاہد نہیں لیکن دل کے اندر جو صنم خانے ہیں۔ حُب مال ہے حُبِ جامہ ہے۔ حُبِ اقتدار ہے۔ نفس کی مرضیات و خواہشات اور چاہتوں کی بجا آوری ہے۔ یہ تمام چیزیں توحید کی ضد ہیں۔ اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے بھی علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ

برایمیں نظر سپید انگو مشکل سے ہوتی ہے!

ہوئی چھپ چھپ کے سینوں میں بالیقی ہے تصویریں

اندر کے اس صنم خانے کو بھی دیکھنا ہوگا۔ دل کے رنگھاسن پر برہمان ان بتوں کو بھی توڑنا ہوگا جب واقعتاً یہ ہو جائے اور ساتھ ہی باہر کے بت بھی ختم کر دیئے جائیں تو ایسے شخص کو جب بطور پرستیا مودہ کہلائے جانے کا استحقاق ہوگا حقیقی مودہ بننے کے لئے لازم ہوگا کہ اللہ کی محبت بھی تمام محبتوں پر غالب آگئی ہو۔ دوسری تمام محبتیں اللہ کی محبت کے تابع ہو گئی ہوں اللہ کی اطاعت تمام اطاعتوں سے درو گئی ہو اور دوسری تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تحت آگئی ہوں۔ اگر اس طور سے کوئی مودہ بن گیا ہو تو وہ نہیں سکتا کہ ایسے مودہ کے وجود سے توحید و سرور تک نہ پہنچے۔ یہ توحید لازماً متعدی ہوگی۔ غور سے دوسروں تک توحید پہنچے گا یہ معاملہ ہے دعوت و تبلیغ۔ لوگوں کو بھی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا۔ لوگوں تک بھی توحید کی دعوت کو پہنچانا۔

اجتماعی توحید | اس طور پر جب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم بڑھے گا تو اس کا اگلا مرحلہ ہوگا پورے ماحول پر اللہ کی توحید کا سکہ برعالم کر دینا۔ پورا

مرہ موحد بن جائے۔ پوری قوم موحد بن جائے۔ پورا ملک موحد بن جائے۔ ملک کا نظام بن جائے۔ ملک کا دستور توحید کا مظہر بن جائے۔ یہ مرحلہ سر کر لیا تو اس کا نام ہے،
ست دینا —

میری اس وقت تک کی گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ خالص انفرادی سطح پر توحید فی العبادت
ملی کام اور توحید فی الدعا — پھر اجتماعی سطح پر دعوت و تبلیغ — پھر ان دونوں سے
اگلے قدم کا مقام ست دین — یہ ہے توحید کا مل۔ ان اصطلاحات کو آپ اچھی طرح ذہن
ن کر لیں گے تو اب میری اگلی گفتگو آپ بخوبی سمجھ سکیں گے جس کے تانے بانے اور تمہید
طود پر میں نے یہ باتیں آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔

میں نے آپ کو ایسے سو تیس گونا گویں عقیدوں کی لامرکز و مضمون و موضوع توحید ہے
تھیں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان میں چار سورتیں۔ سورۃ زمر، سورۃ مومن، سورۃ حکم، سورۃ
سورۃ شوریٰ ہیں، ان میں اس علی توحید کا تدریجاً بیان ہے جو بطور تانا بانا اور تمہید میں
پ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ بطور مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ان چار سورتوں کی ایک ٹودہ ہے
اس میں توحید علی کے مولیٰ تدریجاً پڑے ہوئے ہیں اور یہ مضمون انفرادی توحید سے علی
جید کی طرف تدریجاً بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انفرادی توحید انفرادی توحید کا بیان ہے اور اس قدر شد و مد کے ساتھ
انہی تاکید کے ساتھ اور اتنے اہتمام کے ساتھ ہے کہ میرے حیرت مطالعہ کے
بوجہ پورے قرآن مجید میں اس اسلوب کے ساتھ بیان اور کہیں نہیں ملے گا۔ البتہ اس
واقع پر اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ توحید کے موضوع پر جامع ترین سورت تو سورۃ
فلاں ہی ہے جو بڑی مختصر سورت ہے۔ اس سورت کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ یہ توحید کا عطر
ہے بیوں کہہ لیجئے کہ کون سے میں دیباچہ کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس سورۃ مبارکہ کو ثلث قرآن قرار فرمایا ہے یہ اس اعتبار سے کہ بنیادی ایمانیات تین ہیں :-
۱۔ ایمان باللہ یعنی توحید (۲) ایمان بالترسانت اور (۳) ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرت و
اس میں سے توحید کا بیان اس عجوبی سی سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ آگیا ہے۔
مزید یہ کہ اس سورت کا اسلوب خبریہ و بیانیہ ہے جبکہ الٹا یہ انداز اور شد و مد انتہائی
تاکید اور نہایت ہی پُر حلال اسلوب سے توحید علی کا تدریجاً بیان ان چار سورتوں میں ہوا ہے
جو ان کا سورہ (۱۳) ذکر کیا ہے۔

اصولی بات | میں ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ توحید کے دو درجے ہیں۔ ایک توحید فی اہم یا توحید فی المعرفت یا توحید فی العقیدہ۔ دوسرا توحید فی اہل یا توحید فی الطلب پھر اس توحید عملی کے بھی تین مرحلے ہیں۔ پہلا توحید فی العبادت اور توحید فی الدعاء۔ دوسرا اسی توحید کی ہند گان خدا کو دعوت، اسی کی تبلیغ اور تیسرا اسی توحید پر مبنی نظام حیات کا قیام و قرار یعنی اقامت دین۔

توحید فی العبادہ | ان میں سے توحید فی العبادہ کے متعلق جان لیجئے کہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا یہ نکتہ آغاز ہے۔ اس بات کے لئے قرآن مجید کی بے شمار اور متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن محدود وقت کے پیش نظر صرف چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ نحل میں فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ
 ”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اور اس کے ذریعے سے صہ کو غوردار کروا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو۔“

سورہ انبیاء میں فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا يُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِي
 ”اے نبی! ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ان کی طرف یہاں بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا صرف میری ہی بندگی کرو۔“

آخری پارے کی سورہ بقرہ میں واضح کیا گیا:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ
 ”اور ان کو حکم نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اس کے لئے اپنی طاقت کو خالص کرتے ہوئے ایک سو بکر۔“

اس آیت میں درحقیق اور ان کی امتوں کے لئے یہ ضابطہ بیان ہوا کہ سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سب کے سب اللہ کی عبادت اسی کے لئے اپنی اطاعت خاص کرتے ہوئے بجا لائیں۔ یہ نہ ہو کہ ظاہر بندگی اللہ کی ہو لیکن اطاعت اللہ کے دشمنوں کی ہو رہی ہو۔ سزا بانا اللہ کے باغیوں سے ہو رہی ہو۔ ان کے لئے کی تعمیل بھی ہو رہی ہو، ان کے سامنے بھی سر جھکاتے جا رہے ہوں اور دعویٰ اللہ کی عبادت کا ہو۔

یہ طرز عمل ہرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ طرز عمل درکار ہے مُخْلِصِينَ لِّهِ السَّيِّئَاتِ والا۔ پھر آخر میں
 حَقَّقًا وَلَا ضَاوًا کیا گیا ہے یعنی ایک سو ہرگز۔ پھر رنجی طرز عمل مطلوب نہیں ہے۔ اللہ کو تودہ رنجی
 بھی پسند نہیں ہے۔ پھر رنجی تو بہت دوسری بات ہے۔ یہاں تو ایک رنگ چاہیے۔ وَبَشَقَّةِ اللَّهِ وَ
 عَنِ اخْتَرِجَ مِنَ اللَّهِ وَبَشَقَّةِ۔ انسان ایک رنگ ہو جائے۔ ایک سو ہو جائے وہ اپنے پورے وجود
 ظاہری و باطنی کے ساتھ لی واقع اللہ کا بندہ بن جائے۔ اللہ ہی کی بندگی میں ہر جن رنگ جائے۔
 اب میں چاہوں گا کہ سورۃ بقرہ کی اسی آیت کے مضمون کو سورۃ زمر میں آپ کو دکھاؤں تاکہ
 آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ مضمون وہاں کس شدہ واد کے تاکید کے ساتھ مختلف اسالیب بیان
 ہوا ہے۔ اور چونکہ اس میں انفرادی سطح پر توحید علی کا بیان ہے۔ لہذا آپ دیکھیں گے کہ وہاں مینہ
 واحد کا آئے گا۔ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا لیکن اس اسلوب میں مخاطب امت سے بھی
 ہے اور ان سے بھی جنہوں نے بھی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے۔ گویا تا قیام قیامت پوری نوع انسانی
 اس کی مخاطب ہے۔

توحید فی العبادہ — انفرادی علی توحید

سورۃ زمر کا آغاز ہوتا ہے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ اس کتاب کا نازل ہے اللہ کی طرف سے
 جو العزیز (ذہانت زبردست) ہے۔ جو الحکیم (بے حد حساب و حکمت والا) ہے۔ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ
 بِاللَّيْلِ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ۔ ہم نے نازل کیا ہے (رے نبی) آپ کی طرف یہ کتاب یعنی قرآن مجید حق
 کے ساتھ۔ یٰمُوسَىٰ كُنْ كَاتِبٌ بِهٖ (اِنَّهُ لَقَوْلُ فَضْلٍ) اب اسی سے اقوام عالم کی قسمیں تلیں
 گی جیسا کہ ایک حدیث میں آئے ہیں جس کے راوی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ اِنَّ اللّٰهَ
 يَرْزُقُ بِهٖذَ الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ الْاَخْبَارَ (رسم اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے
 ان قوموں کو عزت و سر بلندی عطا فرمائے گا جو اس کا اعتقاد کریں گی اور دوسروں کو جو اس کو پشت
 ڈال دیں گی ذلت و کبت سے دوچار فرمائے گا) یعنی قوموں کے عروج و زوال کی بنیاد یہ کتاب بنے
 گی۔ اب آگے وہ مضمون آ رہا ہے جس کے لئے میں نے یہ پوری تہیہ و تہیہ کی: فَاصْبِرْ لِلَّهِ
 مُخْلِصِينَ لِّهِ السَّيِّئَاتِ ۝ اَلَا لِلّٰهِ السَّيِّئَاتِ الْخَالِصَةُ۔ یہ اسلوب اور مضمون آپ کو قرآن مجید میں

کسی اور جگہ نہیں ملے گا۔ ان آیات کی ترجمانی یوں ہوگی کہ: ”اے محمد! پس بندگی کرو اللہ کی۔ پوجو اللہ کو۔ پرستش کرو اللہ کی۔ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور جان لو اللہ کے لئے تو خالص دین (اطاعت) ہے، اللہ کے لئے طاعت والا دین نہیں ہے۔ طاعت والا دین منہ پر دے مانا جائے گا۔ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا دین خالص۔ ان آیات میں دو اہم الفاظ عبادت اور دین آگئے۔ اب یہاں توقف کر کے پہلے مجھے عبادت کے مفہوم اور معنی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہوگا۔ ”دین“ کے لفظ کی تشریح و توضیح آگے بیان ہوگی۔

دینی اصطلاح میں عبادت کا مفہوم | میں کئی مرتبہ عبادت کا مفہوم بیان کر چکا ہوں۔ پچھلی مرتبہ جب یہاں آنا ہوا تھا تو آپ کو یاد ہو گا

کہ میں نے فرانس دینی کی جو تین سطحیں بیان کی تھیں تو ان میں پہلی سطح چار اصطلاحات کے حوالے سے بیان کی تھیں: اسلام۔ اطاعت۔ تقویٰ اور عبادت۔ میں نے عرض کیا تھا کہ لفظ عبادت کے صحیح مفہوم کو متکمل کرنے کے لئے فارسی کے دو الفاظ جمع کر لیجئے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ وہ دو الفاظ ہیں بندگی اور پرستش۔ محض لفظ بندگی سے قرآن مجید کی اصطلاح عبادت کا مفہوم متکمل نہیں ہو گا اور محض پرستش سے بھی نہیں ہو گا۔ دونوں کو جمع کریں گے تو عبادت کا مفہوم ادا ہو جائے گا۔ بندگی میں اصل زور ہے اطاعت کی طرف۔ غلامی اور محکومی بندگی کہلاتے گی۔ غلام اور محکوم تو اپنے آقا اور حاکم کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو۔ دل میں وہ چاہے اپنے آقا اور حاکم کو گالیاں دے رہا ہو۔ چاہے وہ دل میں شدید باغیانہ جذبات رکھتا ہو۔ لہذا بندگی میں دل کی کیفیت سے بحث نہیں ہوتی۔ غلام اور محکوم کا کام ہے اپنے آقا اور حاکم کی اطاعت۔ تو بندگی یا اطاعت عبادت کا جزو و اعظم ضرور ہے لیکن عبادت کی طرح پرستش ہے۔ لفظ پرستش میں اصل زور محبت پر ہے۔ پرستار کس کو کہتے ہیں! وہ من پرست کون ہے! جس کے دل میں ہر چیز کی محبت سے بالاتر محبت و من کی ہوگی وہ من پرست کہلاتے گا۔ زہد پرست کون ہے! جس کے دل میں دولت کی محبت، دوسری نعمتوں پر غالب ہو جائے وہ عجب زہد پرست۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں شہوت پرست، شہرت پرست۔ ایسے لوگوں کو اپنی اس پرستش یعنی محبت کی تشکیل چاہیے چاہے وہ صحیح طریقے سے ہو چاہے غلط طور پر ہو۔ نفس پرست اسے کہا جاتا ہے جو اس کا غلام بن جائے اور اس کی خواہش اور تقاضے کو جائز و ناجائز کی تمیز کے بغیر پورا کرنے کے لئے منگ و دو کر رہا ہو۔ پس جو چیز بھی انسان کو انتہائی عزیز ہوگی اس کا وہ پرستار ہے۔ لہذا جب بندگی اور پرستش اللہ

ہی کے لئے جمع ہو جائیں یعنی ہمدن، ہمدقت، ہمدجہت اللہ ہی کی اطاعت، اصلاح ہی کی محبت سے انسان سرشار ہو جائے تو عبادت سب کا حق ادا ہوگا۔ بندگی کے متعلق میں نے آپ کو پچھلی مرتبہ شیخ سعدی کا شعر سنایا تھا۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي اس آیت کی بڑی صحت اس شعر میں ترجمانی کی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے قرآن مجید میں سورہ بقرہ کے میسور رکوع میں اللہ کی محبت و ماضیوں آتا ہے۔ بہت پیارا مضمون ہے۔ اسے لوح دل پر کندہ کر لیجئے فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ جو لوگ حقیقی صاحب ایمان ہیں ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذات اقدس سے ہوتی ہے! اگر یہ نہیں ہے تو حقیقی ایمان سے مراد یہ ہے۔ پھر تو محض ایک عقیدہ ہے۔ ایک موروثی Dogma ہے ایک National Creed ہے۔ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ محبت اس درجہ کو پہنچ جائے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ حقیقی اہل ایمان کے لئے محبوب ترین اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔

تو جب یہ محبت اور وہ اطاعت اللہ کے لئے مل جائیں تو یہ ہوگی اللہ کی کامل بندگی۔ اور یہی درحقیقت عبادت کی وہ تعریف ہے جو امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے کی ہے۔ بلکہ حافظ ابن قیم کے الفاظ اپنے اساتذہ سے بھی زیادہ پیادے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: أَلَيْسَ أَشَدَّ حُبًّا مِّنْ حُبِّ نَفْسِي مَعَ كَيْفِيَّةِ الدَّلَالِ وَالْخُضُوعِ عبادت و بنیادوں کے جمع ہونے سے بنتی ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت ہو۔ دوسری یہ کہ انسان انتہائی درجہ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو سپت کر دے اور بچا دے ان دونوں کے اجتماع کا نام ہے عبادت ہے

۱۔ حال ہی میں علامہ الشیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیعہ کی ایک تصنیف کلام کی نظر سے گزری۔ الشیخ مرمون نے عبادت کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں کی ہے: وَالْعِبَادَةُ اسْمٌ يَجْمَعُ كَمَالَ الْحُبِّ لِلَّهِ وَنَهَائِهِ فَالْحُبُّ الْمَلِكُ مِنْ ذَلِّ وَالذَّلُّ الْمَلِكُ مِنْ حُبِّ لَا يَكُونُ عِبَادَةً وَانَّمَا الْعِبَادَةُ مَا يَجْمَعُ كَمَالَ الْأَمْرَيْنِ: محبت ایمان ہے جس میں کمال محبت اللہ اس کی انتہا اور اللہ کے سامنے کمال ذلت اور اس کی انتہا پنہاں ہے۔ پس وہ محبت جس میں ذلت نہ ہو اور وہ ذلت جس میں محبت نہ ہو عبادت کہلنے کی معنی نہیں بلکہ ذائقہ دیکھ صغیر،

خاص اطاعت مطلوب ہے فرمایا: فَاَعْبُدِ اللَّهَ۔ اب دیکھئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر مکمل ہے۔ لیکن انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بڑا جھگڑا لو ہے۔ کچھ دیکھ منطق فطری طور پر انسان کو مل ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ کہف کی آیت نمبر ۱۷ کے آخری حصہ میں ہے کہ: وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدًّا ۚ وَهُوَ شَرٌّ لِّلْإِنْسَانِ وَجْهًا ۚ وَهُوَ شَرٌّ لِّلْإِنْسَانِ وَجْهًا ۚ پس وہ طرح طرح سے اپنے لئے بہانے بناتا اور جیلے تراشتا ہے تو قرآن حکیم یہاں ہر فروع کے بہانے اور جیلے کا استباب فرماتا ہے۔ حضور کو مخاطب کر کے اصل دعوت کو حضور کی امتت احابت و دعوت کو دینی ہے۔ فَاَعْبُدِ اللَّهَ میں بات پوری آگئی تھی لیکن فرمایا: فَاَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ پس (اے نبی، عبادت کیجئے اللہ کی اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ میں نے یہاں 'دین' کا ترجمہ اطاعت کیا ہے۔ لفظ دین کی جب شرح بیان کر دی گا۔ تو آپ کے سامنے یہ بات آجائے گی کہ اس لفظ میں اطاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ یہاں یہ جان لیجئے کہ تقریباً تمام ہی متقدمین و مؤخرین قرآن مجید کے مفسرین نے یہاں دین کا مفہوم اطاعت کہا بیان کیا ہے۔ یہاں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ اللہ کے لئے اطاعت خالص ہو۔ یہ نہ ہو کہ کچھ اطاعت کسی کی اور کچھ اطاعت کسی کی۔ کچھ اللہ کی اور کچھ نفس کی۔ کچھ اللہ کی اور کچھ ایسے حاکموں کی جو اللہ کے احکام سے آزاد ہو کر کوئی حکم دے رہے ہوں۔ تو ایسی اطاعت خلوص و مخلصانہ کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ والی اطاعت ہے۔ ملاوٹ والی کوئی شے ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہوتی تو غور کا مقام ہے کہ ملاوٹ والی اطاعت اللہ عز و جل کے لئے کیے قابل قبول ہوگی۔ جو خالق و مالک ارض و سموات ہے۔ جو اغنی ہے، جو الحمید ہے جو الغفور ہے۔ اسی تاکید کے لئے فَاَعْبُدِ اللَّهَ کے فوراً بعد فرمایا: مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ پس اللہ کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کر دو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں ہمیں ایک فارمولہ عطا فرمادیا ہے کہ ہم اس کو معاملات پر منطبق (Practical) کر سکتے ہیں۔ اس حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ "مخلوق میں سے کسی کی (ایسے معاملہ میں) اطاعت نہیں ہے جس سے خالق کی نافرمانی ہو جائے۔"

(مسئلہ) عبادت وہ ہے جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں۔ یہ بت پیش نہ فرما کہ عربی میں ذات کے معنی پرست

کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ چیزیں جمع ہوں۔ (مرتبہ)

اللہ کا ایک حکم ہے۔ والدین اس کے خلاف کوئی حکم ہیں تو اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم اساتذہ دین اطاعت نہیں ہوگی۔ اللہ کے حکم کے خلاف اقتدار وقت حکم دے لایا تو نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ فرماں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلام ہے کہ لا طاعة الا للہ ولا لخلق من بعدہ الخلق۔ ہاں اللہ کے حکام کے دائرے کے اندر والدین کی بھی اطاعت ہوگی اساتذہ کی بھی اطاعت وقت کی بھی۔ تمدنی زندگی میں اطاعت کا وسیع دائرہ ہے۔ جس میں اولی الامر بھی شامل ہیں والدین بھی اساتذہ بھی، مرشدین بھی، بیوی کے لئے اس کا شوہر بھی۔ ان کے علاوہ بہت سے اور بھی۔ ان سب کی مباحات میں اطاعت ہوگی۔ اللہ کے حکم سے آزاد ہو کر اطاعت کی نہیں اور شرک و کفر۔ آیا نہیں۔ یہ ہے حال آپ کریم و ظہیر کاسل درس، حقیقی سبق، اصل دعوت اور واقعی اقبال۔

فَاَحْبِبِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ اَوَلَيْسَ الدِّينُ لِلّٰهِ يَوْمَئِذٍ ۚ سَمِعْتُمْ حَتّٰى يَخْرُجَ الْوَحْيُ ۚ

اگاہ ہو جاؤ۔ قرآن مجید میں پہلے بھی "اَلَا" آیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس کا بڑا پتلا ترجمہ کیا ہے۔ یہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے کا زمانہ ہے۔ وہ ترجمہ کرتے ہیں "منا ہے!" "مجھے تو یہ انداز بہت اچھا لگتا ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ"۔ "سن رکھو، اگاہ ہو جاؤ اللہ ہی کچھ ہے خالص دین یعنی مخصوص اطاعت"۔ اگر کسی اور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے آزاد ہو کر کی گئی اسی طرح اگر اللہ کی محبت سے آزاد ہو کر کسی اور کی محبت کی تلاش شامل ہو گئی تو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ دگرگوں ہو گیا۔ اس میں عیوض لگائی۔ ہاں اللہ کی محبت کے تابع اولاد سے محبت کرو کوئی بھی نہیں دین سے محبت کرو کوئی برج نہیں۔ اپنے گھر سے محبت کرو، کوئی برج نہیں۔ لیکن یہ کہ اللہ کی محبت کے برابر اپنے دل کے سنگھاسن پر کسی کی محبت کو بنایا تو یہ شرک ہے۔ اور اگر کسی کی محبت اللہ کی محبت سے بڑھ گئی تو شرک ہے بھی اور اگر کوئی غلط ایجاد کرنا پڑے گا۔ چھوٹا یا بڑا۔ ہماری لغت میں ہے نہیں۔ برابر کا معاملہ ہو گیا تو یہ شرک ہو جائے گا۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ" اگاہ ہو جاؤ اللہ کے لئے تو دین خاص ہے۔ "بے میل اطاعت۔ طاوٹ سے پاک اطاعت۔ یہاں ایک بات اور جان لیجئے کہ اطاعت کے ساتھ تو میں نے محبت کا ذکر کس بنیاد پر کیا ہے۔ اس کی پہلی بنیاد تو حفظ عبادت ہے جس کی میں تشریح کر چکا اس میں تذلل کیسے خاصہ غایت مدد کی دلی محبت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ دوسری بنیاد حفظ عبادت ہے جو طوع سے بنتا ہے۔ ہم اردو میں بھی طوعنا دکرنا بولتے ہیں۔ طوعا کے معنی دلی کی آماد کے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ دلی کی آماد کی مستحکم ہے محبت کو۔

توحید فی العبادہ کی اہمیت | میں نے عرض کیا تھا کہ سورہ زمر میں انفرادی توحید کا مفہوم بڑی شد و مد اور بڑی شان سے آیا ہے۔ ابتدائی تین آیات میں قدر سے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا۔ اب چند آیات مزید پیش کرتا ہوں۔ ان کی مختصر تشریح پرکتفا کروں گا۔ اب میں سورہ زمر کی آیات نمبر گیارہ بارہ، تیرہ اور چودہ آپ کو سنانا ہوں۔ اپنی توجہات کو پوری طرح میری گفتگو کی طرف مرکوز کیجئے!

فرمایا: قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أُعْبِدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ دیکھئے کسی اہم بات کو *عبدہ* کرنے کے لئے، اس پر زور دینے کے لئے، اس کو خوب اچھی طرح ذہنوں میں اتارنے کے لئے مختلف اسالیب سے اس کی تکرار اور اس کا اعادہ بھی ایک نثر و ذریعہ بنتا ہے۔ وہی بات جو سورہ کے آغاز میں آئی تھی، اب دوبارہ کہہ رہی ہے۔ وہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور وہاں انشائیہ انداز تھا کہ: فَاَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ یہاں نبی اکرم سے فرمایا جا رہا ہے کہ قُلْ اے نبی کہہ دیجئے: اِنِّي اُمِرْتُ مجھے حکم ہوا ہے "اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ" کہ میں اللہ کی بندگی اور پرستش کروں اطاعت کو اس کے لئے خاص کرتے ہوئے۔ وہی بات یہاں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلائی جا رہی ہے۔ کہ مجھے حکم ہے کہ میں اسی کی عبادت کروں۔ اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خاص کرتے ہوئے۔ یہاں کس حکم کا ذکر ہے۔ اسی کا جو فاعل اللہ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ کی صورت میں ابتدائے سورت میں آگیا تھا۔

اگلی آیت نمبر ۱۲ میں اسی مفہوم کے مفہوم و مقصود کو مزید واضح فرمایا دیا: وَ اُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے فرماں بردار میں خود بنوں۔ اللہ کے احکام پر سب سے پہلے عمل پیرا میں خود ہوں۔ اللہ کی نواہی سے رک جانے والا سب سے پہلے میں خود بنوں۔ اللہ کے اوامر کو دل و جان سے بجالانے والا سب سے پہلے میں خود بنوں:

اگے چلے اور دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو معصوم ہیں کس طرح خشیت الہی اور اللہ کی نافرمانی پر خوف آخرت کا اظہار کرایا جا رہا ہے! فرمایا: قُلْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَذَابَ رَبِّيَ عَذَابٌ لَّيْمٌ عَظِيمٌ ۝ (اے نبی! یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم (آخرت) کے عذاب کا خوف اور اندیشہ ہے۔ نہ خود کیجئے

کہ کون سے احکام کی نافرمانی سے خوف کا یہاں اظہار ہو رہا ہے! یہاں دو ہی تو حکم آئے ہیں پہلایہ کہ لَا عِبَادَ لِلّٰہِ مِثْلَ خَلْقِہٖ الذِّیْنَ۔ دوسرا یہ کہ اَنْ اَسْکُنُوْا اَوَّلَ الْمَسٰجِدِ۔ لیکن ان دونوں احکام نے پوری زندگی کے فکرو نظر اور رویہ و عمل کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب اگر عملی زندگی میں اس توحید عمل کی فدا سی بھی خلاف ورزی ہو جائے تو اس پر مہربان رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلویا جا رہا ہے: اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصٰیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ اس میں دو اہل ایمان کے لئے انتہائی مؤثر انتباہ ہے۔

اُس کے پھر نیلے۔ فرمایا قُلِ اللّٰہُ اَعْبَدُ مِثْلَ خَلْقِہٖ الذِّیْنَ ۝ اے نبی! (پھر) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا ہوں اس کے لئے اپنے دین اور اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے:

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس عزم معزم اور ثبات و استقلال کا اعلان کر دیا گیا کہ میری کوئی ہوئی دعوت توحید کو کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ میں تو ہر حال میں اللہ ہی کی مخلصانہ بندگی اور پرستش کرتا ہوں اور کہوں گا اور میری اطاعت اسی کے لئے مخصوص ہے اور رہے گی۔

تاکید مزید اُس کے چلے۔ اسی سورہ مبارکہ کے ساتویں رکوع کی تین آیات نمبر ۶، ۷ اور ۸ سنئے۔ یہاں یہ مضمون پورے نقطہ سرورج (Climax) کو پہنچ گیا ہے۔ اس سے زیادہ تاکید اسلوب آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ فرمایا: قُلِ اَفَنْسُوْا اللّٰہَ تَمْرُوْنَ ۚ اَعْبَدُوْا اٰیٰتِہَا الْجَہِلُوْنَ ۝ اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! اے تھو! اے حرص و ہوس کے بندو! کیا تم مجھے یہ حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت کروں؟ دیکھئے وہاں جو کشمکش چل رہی تھی اور وہ کشمکش توحید اور شرک کے مابین تھی۔ اس کشمکش میں نبی اکرم پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ سارے وجود جناب ابوطالب کے پاس کس لئے آتے تھے؟ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ محمد سے کہہ دو (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہم انہیں اپنا بادشاہ بنانے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اگر انہیں دولت و دار کا رہے تو اس کے انبار بھی ان کے قدموں لگا دیتے ہیں۔ جہاں چاہیں، جس خاندان میں چاہیں بس اس راہ کر دیں ہم آپ کا دلالت کرا کر ان کے لئے بھی آمادہ ہیں۔ لیکن آپ اپنی اس دعوت سے باز آجائیں۔ یہاں

نزد میں۔ اَيْتُهَا الْجَاهِلُونَ سے یہ بڑا نقل انداز ہے جو قرآن نے براہ راست خطاب
 تیار کیا ہے۔ عام طور پر خطاب کا یہ انداز نہیں ہے۔ لیکن یہ موقع ہی ایسا ہے کہ انداز
 ب دو ٹوک ہو اور اس میں سختی ہو۔ ویسے لفظ جاہل کے عربی میں وہ معنی نہیں ہیں جو
 میں ہیں۔ اردو میں جاہل ان پڑھ کو کہتے ہیں۔ عربی میں جذباتی اور خواہشات سے
 ب کو جاہل کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ ہے حلیم۔ حلیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو غصہ
 دماغ سے کام لیتا ہے، غور و فکر کرتا ہے، تحمل کرتا ہے، بردباری اختیار کرتا ہے اور
 اہل رہنمائی میں کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اور جاہل وہ ہے جو اپنے جذبات اور خواہشات کے تابع
 اقدام کرتا ہے۔ اسی لئے میں نے ترجمہ کیا ہے 'اے حرص و ہوا کے بندو! یعنی اے
 ہشات کے غلامو! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع رکھتے ہو اور ان کو حکیم اور
 رہ دینے کی جسارت کرتے ہو کہ آپ اللہ کے سوا کسی اور کو پوچھیں یا اللہ کے سوا کسی اور کی جنگ
 پیش کریں۔ معاذ اللہ

نید فی العبادہ کی تاکید کی انتہا | آگے چلئے فرمایا: وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْكَ وَ
 اِلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَیْسَ بِشَرِّکٍ
 یَحْبُطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ " اور اے نبی! یقیناً آپ کی طرف بھی وحی کی گئی
 اچھی ہے اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو
 جان لیجئے کہ لازماً آپ کے سارے اعمال جھٹ اور اکارت ہو جائیں گے اور آپ بھی لازماً خاسرہ آٹھا
 والوں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ بڑا چونکا دینے والا انداز ہے۔ اس کا ترجمہ کہتے ہوئے زبان
 نہ کھڑاتی ہے۔ اس میں شرک پر جس غیظ و غضب کا اظہار ہے۔ وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انتہائی
 تاکید کے دو اسلوب یہاں موجود ہیں یَحْبُطُ اور تَكُوْنَنَّ سے پہلے لام تاکید اور پھر مزید تاکید کے لئے
 اَوْحٰی میں لَوْحاً مشدد لایا گیا ہے۔ میں نے ترجمہ میں یہ احتیاط کی ہے کہ لفظ 'الفرض' کا اضافہ کر دیا
 چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کے ظہور کا کسی نوع کا کوئی امکان سرے سے نہیں ہے
 معاذ اللہ ثم معاذ اللہ لیکن بات میں زور پیدا کرنے اور قرآن مجید کی دعوت و حید کے مخالفین
 اول اور تاقیام قیامت آنے والی نوع انسانی کو شرک کی شقاوت سے متنبہ کرنے کے لئے یہ
 اسلوب اختیار کیا گیا کہ 'اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اگر آپ بھی شرک کریں، تو آپ کا مقام
 اور آپ کا مرتبہ آپ کے محبوب رب الغلین ہونے کی حیثیت بھی آپ کی قسم کی پکڑ سے

نہیں بچ سکے گی اور آپ کے تمام اعمال لازماً جلاوڑ آپ بھی لازماً زمرہ غاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ یہ ہے توحیدنی اصل کا تقاضا اور اس کی اہمیت۔ قرآن مجید کے ایسے عقائد کے مطالعہ مجاہد سے شاید علامہ اقبال پر یہ شعر الہام ہوا تھا کہ:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کروانم مشکلات لا ابرار!

اگے چلئے۔ فرمایا: بَلِ اللّٰهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

آپ جس اللہ کی بندگی کیجئے اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے بن جائیے۔ پھر عبادت کی تاکید اللہ کی بندگی اور پرستش کا نوکذہ حکم بَلِ اللّٰهُ فَاعْبُدْ۔ یہ بات بھی طرح طرح سے لیتے کہ یہاں عبادت سے مراد محض ابراہان اسلام یعنی خداتین، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج نہیں ہیں بلکہ پوری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر کرنا مراد ہے۔ اسی روایت کی ایک تعبیر فکر ہے۔

میں نے سورۃ زمر کے تین مقامات سے تین پھر چار اور پھر تین آیات یعنی مکمل خلاصہ کلام اس آیت کی قدر سے تفصیل آپ کے سامنے بیان کی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ انفرادی سطح پر عملی توحید کیا ہے! وہ ہے اللہ کا بندہ بن جانا سمہ تن، قہوت، ہمہ جہت۔ اطاعت اسی کے لئے خاص ہو۔ دوسروں کی اطاعت کی جائے تو اس کی اطاعت کے تابع ہو کر کی جائے اس سے آزاد ہو کر نہ کی جائے۔ بنیادی اور حقیقی شریعت توحید بن محبت اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہو۔ دوسروں سے محبت اس سے نیچی نیچی اور درے درے اور اس سے نیچی کی محبت کے تابع ہو۔ سب سے اونچی محبت اللہ ہی کی ہو۔ انفرادی توحید کی یہ شرط لازم ہے کہ عبادت، اطاعت اور محبت اسی کے لئے خاص کر لی جائے۔ اگر اس میں کہیں ملاوٹ آگئی تو وہ توحید نہیں ہے۔ یہ ملاوٹ اور یہ کھوٹ شرک کے درجے میں آئے گی۔ اور مجاہد اگلے پچھلے تمام اعمال کے جلاوڑ اور اکارت بننے کا ذریعہ بن جائے گی۔

(جاری ہے)

عَنِ الْعَارِثِ الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمْرُكُمْ بِخَيْرٍ

بِالْمَنَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(مسند الخلفاء بوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

آپ کو پریسٹریڈ ٹکنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہارِ امید تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

● صدر دفتر : ۶- کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کوشن بگر) لاہور

فون :- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۳

● پچیسواں کلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ

● جی ٹی روڈ کھمالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات

● پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔

● فیصلہ روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون :- ۷۱۳۵۶۹

● شیخوپورہ روڈ۔ نزدیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون :- ۵۰۶۶۶

● جی ٹی روڈ۔ مریدکے۔ فون ۷۰۰۳۸۹

● جی ٹی روڈ۔ سرانے عالمگیر

● جی ٹی روڈ۔ سوال کیمپ۔ راولپنڈی۔ فون :- ۶۸۱۲۷

● ۸۷۶-۵ فریڈ ٹاؤن ساہیوال۔ فون :- ۳۳۸۲

مختار سنز گروپ آف کمپنیز

شُرک اور اقسامِ شرک

شُرک فی الصفات (۲)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

سلسلے کے لئے ”میثاق“ نومبر، دسمبر ۸۳ء
اور جنوری ۸۴ء ملاحظہ فرمائیے (جیل الرتل مرتب)

اب شرک فی الصفات کے ذیل میں ایک اہم بحث آرہی ہے۔ اس زیر گفتگو شرک کے دو پہلو (SHADES) ہیں۔ پہلا انتہائی قدیم اور عالم گیر نوعیت کا معاملہ ہے دوسرا بھی اگرچہ قدیم ہے لیکن دورِ جدید میں وہ بہت نمایاں ہے۔ البتہ اُس کا حقیقی ادراک و شعور کافی مشکل ہے لیکن اس کی ہمہ گیری کا بھی یہ عالم ہے کہ خود مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی جو زبانی اور اعتقادی طور پر تو جو حید کی قابل و منقر ہے، غیر شعوری طور پر اس شرک میں مبتلا نظر آتی ہے آگے جا کر میں جب اس اجمال کو واضح کروں گا تو مجھے یقین ہے کہ آپ بھی خود کو میری اس رائے کی تائید پر مجبور پائیں گے۔

قدیم شرک | اس شرک کی جس کو میں نے انتہائی قدیم کے لفظ سے تعبیر کیا بہت انواع ہیں۔ ان سب کا ذکر پھر لکھ سکتے ہیں، میں اس وقت اس شرک کی چند اقسام کا اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔ بقیہ انواع کے شرک دراصل ان ہی اقسام کی فروعات ہیں۔ یہ اقسام ہیں۔ مظاہر پرستی اور اصنام پرستی یہ دراصل شرک فی الصفات ہی ہے جس نے دنیا میں مظاہر **مظاہر پرستی** | پرستی کی شکل اختیار کی۔ مظاہر پرستی یہ ہے کہ اس کائنات

میں نفع و ضرر پہنچانے والی جو چیزیں بالفعل موجود ہیں، انسان نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔ انسان کو جو اثرات المخلوقات ہے، شیطان نے جس فریب کے ساتھ اس ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان نے سورج کو کیوں پوجا! اس لئے کہ اس کے مشاہدے اور تجربے میں یہ بات ہے کہ سورج میں حرارت ہے، تمازت ہے روشنی ہے۔ اس کی حرارت و تمازت سے فصلیں پکیتی ہیں۔ اسی سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے جس سے بادل وجود میں آتے ہیں جو بارش کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کی روشنی سے دن روشن ہوتا ہے جو انسان کی معاش اور کاروبار دُنیا چلانے کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے پس شیطان نے انسان کو یہ سبب یاد دیا کہ اگر سورج دیوتا ناراض ہو جائے اور اپنی حرارت و تمازت اور روشنی کی بساط لپیٹ کر چلتا بنے تو یہ سارا نظام مختل و معطل ہو کر رہ جائے لہذا سورج دیوتا کو راضی رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کی پوجا پاٹ کرنے اور اس کے آگے و پیچ کرنے کے لئے اس کے بڑے بڑے مندر اور حیکل تعمیر ہوئے اور اس کی پرستش شروع کر دی گئی۔ چالاک و ہوشیار لوگوں نے سورج دیوتا کے نام پر مذہب و دنیا کی صورت میں دولت سمیٹنے اور انتہائی عیش و آرام سے چین کی ہنسی بجانے کے لئے اس باطل عقیدے کی تائید میں خوب فلسفیانہ روش گافیاں کیں۔ چنانچہ خاص مشرکانہ سوسائٹی میں سورج کی پرستش کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بطور مثال مصر اور ہندوستان کو سامنے رکھیے۔ اسلام سے قبل مصر میں سب سے بڑا دیوتا "رع" مانا جاتا تھا جس کے معنی قدیم مصری زبان میں سورج کے ہیں اور مصر کے حکمران کو اسی مناسبت سے "فرعون" کہا جاتا تھا یعنی اس کو "رع" کا دنیوی اقتدار تسلیم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس جدید عہد میں بھی سورج کی پوجا جاری ہے اور مذہب قدیم میں سورج ہنسی خاندان اسی سورج دیوتا سے اپنا رشتہ قائم کر کے خدائی حقوق (DEVINE RIGHTS) کا مدعی ہوتا تھا۔

یہ تو میں نے ایک مثال دی ہے در نہ مظاہر پرستی کی اتنی انواع و اقسام ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ جب کوئی قوم توحید کی صراط مستقیم سے ہٹتی ہے تو نہ معلوم کتنی گڈن گڈنیں پر سرگرداں ہوتی ہے۔ کواکب پرستی، چاند پرستی، آگ پرستی، باد پرستی

حکومت پرستی آج بھی ہو رہی ہے جب کہ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نئے افق چھو رہا ہے انسانوں کی بہت بڑی تعداد اس گمراہی میں آج بھی مبتلا ہے۔

اصنام پرستی | جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا کہ جب انسان توحید کی سیدھی راہ سے ہٹتا ہے تو در بدر کی غلو کریں کھاتا ہے چنانچہ مظاہر پرستی پر ہی اکتفا نہیں رہا بلکہ دنیا کی ہر نفع و ضرر پہنچانے والی چیز لائق پرستش قرار پائی۔ اس مشرکانہ نظام میں، انسان پرستی، گوسالہ پرستی، شجر و پھر پرستی، بھگوان پرستی، زرد پرستی، علم پرستی، چرند و پرند پرستی اور نہ جانے کتنی پرستیاں اور پرستشیں شامل ہیں۔ پرستی کی حد یہ ہے کہ انسان کے اعضاء تناسل کی بھی پوجا کی گئی جو آج تک جاری ہے۔ اس مشرکانہ نظام میں نہ دیوتاؤں کا شمار ہے نہ دیویوں کا۔ پھر ان کے لئے پیکر محسوس کے طور پر اور علامت کے لئے بت تراشے گئے، مندر اور حیل بنائے گئے اور پوجا پاٹ کا سمجھ میں نہ آنے والا ایک طلسم تیار کر لیا گیا۔ انسان کو اس قسم کی انتہائی گھٹیا منکالت میں مبتلا رکھنے میں دو قسم کے شاطر گروہوں نے ہمیشہ سحر لہر دھتے لیے۔ ایک طبقہ میں پنڈت، پردھت، پادری، پوپ اور پریسٹ شامل ہیں اور دوسرے میں راجہ مہاراجہ اور بادشاہ۔ ان دونوں طبقوں کے گٹھ جوڑ پر اگر موقع ہوا تو ان مشاء اللہ مشرک فی الحقیقہ کی بحث میں تدریس تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اس مشرکانہ مذہبی تصور میں مختلف عناصر کو جوڑ کر دیوتاؤں اور دیویوں کی ایک کونسل یا کابینہ متصور کی جاتی ہے جس میں خدا کی حیثیت جہاد یوں کی قرار پاتی ہے اور جس طرح ایک پارلیمانی یا صدارتی یا بادشاہی نظام میں سلطنت کے مختلف شعبے بالفعل اس شعبے کے وزیر یا مشیر کے سپرد ہوتے ہیں اور صدر یا بادشاہ محض ایک آئینی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اس مشرکانہ نظریہ کے مطابق گویا خدائے عرش نشین یا جہادیوں نے بھی زمین کا انتظام و انصرام بالکل مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کے سپرد کر رکھا ہے اور اس نے اپنا تعلق صرف آسمان کے معاملے سے رکھا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر دیوی بادشاہوں اور مددگار تعلق اپنے اپنے محل ہزاروں اور ایوانوں سے ہوتا ہے۔

اس موقع پر انتہائی دکھ اور رنج کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گو مسلمان کھلی

اصنام پرستی سے تو محفوظ ہیں، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ دین سے لاعلمی اور توحید کے حقیقی معنیات سے ناواقفیت کے باعث اور اہل ہوس و جاہ اور شاطر قسم کے لوگوں کے فریب میں اگر آج توحید کے دعویدار مسلمانوں کی عظیم اکثریت اولیاء و مشائخ پر حق قبر پرستی اور نہ جانے اس نوع کی کتنی پرستشوں میں مبتلا ہے۔ حالانکہ نوعیت کے لحاظ سے اصنام پرستی اور ان پرستشوں میں صرف ظاہر کا فرق ہے۔ اپنی اصل اور روح کے اعتبار سے یہ تمام پرستیاں اور پرستشیں شرک ہیں۔ اس بات کا میں نے اس موقع پر اس لئے ذکر کیا کہ ہم جان لیں کہ شرک کس کس روپ اور جیسے، اور کن کن جاموں اور لباسوں میں ہمارے معاشرے میں موجود ہے اور جیسا کہ میں آغاز میں بطور تہذیب و عرض کر چکا کہ ہماری نگاہ اتنی تیز و جوانی چاہیے کہ ہم اس شرک کے مصداق شرک کو ہر صورت میں پہچان لیں کہ ہے بہر رنگ کے خواہی بادی پوش من اندازہ قدرت رومی شناسم

شرک ان حکیم کی تردید | اسالیب سے تردید کی گئی ہے، میں وقت کی کمی کے پیش نظر چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جبکہ میرا اندازہ ہے کہ قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی حصہ ان اقسام و انواع کے شرک کی تردید اور توحید خالص کے اثبات پر مشتمل ہے۔

مظاہر پرستی کی تردید میں فرمایا :-

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ ۚ
وَالْفَجْرُ ۚ لَا تَسْجُدُ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ وَاقِلًا
الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ
إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۚ (زم اسجد، ۳)

اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن، سوچ اور چاند ہیں۔ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو۔ سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ
وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ ۚ وَهُوَ

”وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے“

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رُفَعُ ۝
 پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے، اس حقیقت نفس الامری
 کے اظہار و اعلان سے سورہ الملک کا آغاز فرمایا۔

تَبَارَكَ الَّذِي مَخْلَقَ
 الْمَلَكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ مُّتَدَبِّرٌ ۝ (آیت ۱)
 نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ذات
 جس کے قبضہ قدرت میں کائنات
 کی حکومت و سلطنت ہے۔

زندگی کا یہ نظام اور کارخانہ جن اسباب و علل سے رواں دواں ہے، اس کا
 حقیقی سبب الاسباب صرف اللہ ہے اور اس وسیع و عظیم کائنات کی ہر چیز
 سلیم الفطرت اور غور و تدبر کرنے والے کے لئے وجود باری تعالیٰ اور توحید کی
 ایک عظیم نشانی موجود ہے اور یہ چیزیں انسان کی چاکری کے لئے تخلیق کی گئی ہیں
 جیسا کہ سورہ الحاشیہ میں فرمایا۔

إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 لَآيَاتٍ لِّمُؤْمِنِينَ ۝ وَ
 فِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُذُّ
 مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٍ لِّقَوْمٍ
 يُوقِنُونَ ۝ وَأَخْتِلَافِ
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ
 اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ
 مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ
 الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
 وَتَفْصِيلِ الرِّيحِ آيَاتٍ
 لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝
 (آیات ۳-۵)

بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔
 اسی سورہ مبارکہ میں آگے فرمایا۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ
الْبَحْرَ لَتَجْزِيَ الْفُلُكُ فِيهِ
بِأَمْرِهِ وَتَتَّبِعُوا مِنْهُ
فَضْلَهُ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ
إِن فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ه

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے
لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے
حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں
اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور
شکر گزار بنو۔ اس نے اپنے
پاس سے تمام چیزوں کو جو زمین
اور آسمان میں ہیں تمہارے لئے
مسخر کر دیا ہے۔ بلاشبہ اس
عمل میں بڑی نشانیاں ہیں ان
(آیات ۱۲-۱۳)

لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔“

سُورَةُ بَقَرَةٍ مِّنْ اِسْمَعٰلِي كُو اِيك دوسرے اسلوب یوں بیان کیا گیا کہ
وَاللَّهُمَّ لِلَّهِ وَاحِدٌ ج
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ
الرَّحِيمُ إِنَّ فِي خَلْقِ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَاجْتِلَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي
فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَا أَسْأَلُ اللَّهَ مِنْ
السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأُخَيَّرُ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثِّ نِهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ
وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

”تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اس
رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور
خدا نہیں ہے (اس حقیقت کو
پہچاننے کے لئے نشانی کے طور پر
عقل سے کام لینے والوں کے
لئے آسمانوں اور زمین کی تخلیق
میں، رات اور دن کے پہر ایک
دوسرے کے پیچھے آنے میں،
ان کشتیوں میں جو انسان کے
نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندر پر
اور دریاؤں میں چلتی پھرتی ہیں
بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ
اور پرے ہر سامان ہے پھر اس کے
ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا

يَعْقِلُونَ ۝ (۱۶۳-۱۶۴) بخش ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتے ہیں، ہواؤں کی گردش میں، اودان بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بیمار نشانیاں ہیں رحمن کی بدولت انسان اللہ کی توحید کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اصنام پرستی کی تردید میں ایک انتہائی بیخ تمثیل اور نہایت موثر اسلوب ہے سورہ میں مندرمایا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ مَا سْتَعْبُدُونَ ط
إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ
وَإِنْ يُسَلِّبُوا الذُّبَابَ شَيْئًا لَا يَسْتَنْفِذُ مِنْهُ شَيْئًا
صَاعَتِ الظَّالِمِ وَالْمُطْلُوبِ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ
لَئِنْ أَلَّاهُ لَتَكُونَنَّ عَذَابُهُ

و لو گو! ایک مثال دہی جاتی ہے توجہ سے سو جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب لڑکے یا کھلی جیسی حقیر چیز بھی پیدا کرنا چاہیں تو انہیں کر سکتے بلکہ مکھی ان سے (ان کی نذر کر کے) سارا سامان خوراک میں سے، کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس چیز کو واپس چھین بھی نہیں سکتے کیا ہی بے چارے بے بس اور کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی! ان (۴۳-۴۴)

لوگوں نے اللہ کی تدبیر نہ پہچانی جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے اور واقعی یہ ہے کہ قوت و اختیار اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔

تاثیر پرستی | ملاحظہ پرستی کی کوکھ سے ایک مزید منظر کا تصور نے جنم لیا جس میں انسان ہمیشہ سے مبتلا رہا ہے اور آج کے دور کا انسان بھی مبتلا ہے اور غور کر چھو کر کھار رہا ہے۔ وہ منظر کا تصور یہ ہے کہ انسان اس عظیم مغالطہ میں گرفتار ہے کہ اشیاء میں جو تاثیر و خاصیت ہے، وہ اس کی ذاتی ہے۔ سورج کی حرارت و تمازت اور روشنی اس کی ذاتی ہے۔ سورج، چاند، زمین اور

نظام شمس کی کشش ان کی ذاتی ہیں، ہوا کی صفات اس کی ذاتی ہیں، پانی کے اندر
جہاد صاف، تاثیر اور منافع ہیں، وہ سب اس کے ذاتی ہیں۔ آگ میں جلائے اور
روشن دینے کی خاصیت اس کی ذاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ چونکہ اشیاء کی یہی
صفات، اوصاف، خاصیتیں اور تاثیریں ہی وہ چیزیں ہیں، جن کی بدولت انسان
کے وجود کا تسلسل قائم ہے۔ حیات دنیوی کا سارا کارخانہ ان ہی کی بدولت چل رہا
ہے۔ لہذا مذہبی مشرکانہ نقطہ نظر نے اشیاء کی ان صفات اور تاثیرات کو ان اشیاء
کے تقدس کو ماننے ان کی تعظیم کرنے ان کی پوجا پاٹ کرنے ان کے آگے عجز و عاجزی کرنے
اور نذر نیاز پیش کرنے کے ظلم میں انسان کو مبتلا کیا اور ان مقاصد کے لئے اس سے
بڑے بڑے مندر، معبد، عیال اور معبد تعمیر کرائے۔ اور انسان کو جو اثرات الخوقات ہے،
جس کی چاکری کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسباب و وسائل اور سامان ذلت تخلیق فرمایا
ہے، ان چیزوں کے سامنے اپنی پیشانی رگڑنے کی انتہائی پستی میں گر کر اس کا انتقام
چھین لیا اور اس کو شکر و حمد و ثناء اسفل سفلیں ڈکے و عید کا سزاوار ٹھہرا دیا۔
قرآنی تردید اس نوع کے شرک کی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسباب
سے تردید کی گئی ہے اور اس کے لئے وہ استدلال اختیار کیا گیا ہے
جو دل نشین اور فطرت سلیم کو پوری طرح مطمئن کرتا ہے۔ میں اس موقع پر صرف سورۃ

الواقہ کی چند آیات پیش کرتا ہوں۔

اَفَتَدْعُوهُمْ فَاَعْبُدُوْهُمْ ۚ
عَمَّا اَنْشَرْتُمْ دَعْوَتَكُمْ ۚ اَمْ
هٰنَ الْاَنْرَاعِيْنَ ۚ لَوْ اَنْشَأَ
لِجَعَلْنٰهُمْ حُطَاۡمًا فَظَلَلْتُمْ
تَفَكُّهُنَّ ۚ اِنَّا لَمَعْبُدُوْنَ ۚ
بَلْ عَنْ رَحْمَةِ رَّبِّنَا ۚ اَفَتَدْعُوْنَ
الْمَآءَ الَّذِي يَخْرُجُ مِنْ
مَنْۢ اَنْتُمْ اَسْرَآءُكُمْ مِنَ الْاَرْضِ
اَمْ تَحْمِلُنَّ الْاَسْنَادَ ۚ

”کبھی تم نے سوچا، یہ بیچ جو تم بتے
ہو، ان سے کھینچیں تم اگاتے ہو
یا ان کو اٹھانے والے ہم ہیں ہم
چاہیں تو ان کھینچوں کو جس سے جا کر
رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں
بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر الٰہی جڑی پڑ
گئی بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے
ہوتے ہیں۔ کبھی تم نے اڑکھیں
کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے

نُونِ نَارٍ جَعَلْنَاهُ أَجْبَلًا
 فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ أَفَذَرِيكُمْ
 النَّارَ الَّتِي تُورُونَ هَآءِ أَنْتُمْ
 أَنْشَأْتُمْ شَجَرَةً هَآءِ
 نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۝ ٦٣
 کیا یہ آگ جو تم سلاگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا
 کرنے والے ہم ہیں؟ (جلدی ہے)



بس ذرا گلا خراب ہے

گلا کی خرابی اور غصہ کو معمولی بات سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے
 یہ پہلے نمود ایک دھڑکن ہے اور نزلہ زکام اور کھانسی جیسی بڑی شایان تن
 اور خلقت دہرا رہی کا پیش چہرہ بھی۔
 گلا میں مرض محسوس ہو تو فوری توجہ دیجیے۔ مناسب احتیاط
 برتتے اور سعالین لیجیے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ سعالین نزلہ زکام
 اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے اور ان سے کچاڑی نہیں ہوتی۔

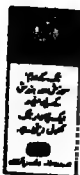


سعالین

نزلہ زکام اور کھانسی کی مفید دوا



ہم صحت خاں کرتے ہیں



وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فَبِكُلِّ شَيْءٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحجہ ۲۵۱)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز د ط ۱

۳۲۔ ایمپرس روڈ۔ لاہور

خُسرانِ اخروی ہے بچنے کا راستہ

— محمد اقبال واحد —

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خُسْرٌ
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَتَوَصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَصَّوْا بِالصَّبْرِ

زمانہ (زمانہ غیر مسلسل اس پر) شاہد ہے۔ کہ انسان (محضیت مجموعی ہر عہد و ادوار میں) خُسران (زیان نقصان اور گھٹائے کا شکار رہا ہے) مگر وہ لوگ اس (خُسرانِ زیان سے مستثنیٰ رہے ہیں، رہیں گے دنیا و آخرت میں) جو ایمان لائے عمل صالح انجام دیتے رہے۔ حق کی تاکید کرتے رہے۔ (اور سلسلہ حق گوئی اور اقامت حق ان کو جن مصائب کا شکار بنایا گیا، اُس میں صابر رہے۔) (مفہوم)

قبل اس کے کہ میں سورۃ العصر کی تفسیر تفہیم اور مطالب عرض کروں اس سورت کی اہمیت عرض کر دینا چاہتا ہوں یہ قرآن مجسم کی وہ سورت ہے جس کے بلے میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ جس طرح سے ایک کوزے میں دریا بند کر دینے کا محاورہ ہے۔ اس سورت نے تمام مطالب قرآنی کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اور یہی وہ بنا تھی جس بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کوئی قرآن مجید میں سے تنہا ہی ایک سورت نازل ہوتی تو انسانوں کی دنیاوی و اخروی ملاح و بہبود کیلئے کافی دانی ہوتی۔ اور یہی بات تھی کہ جب دور سعادت میں راہ چلتے دو آدمی ملے۔ تو سلام و کلام سے پہلے اس سورت کا آپس میں تبادلہ کرتے تھے۔ ان تہیدی کلمات بعد سورت کے مطالب معروض ہیں۔

جب کوئی آدمی غیر معمولی لیکن اہم بات کو نہ سمجھے۔ تو اپنی بات کو یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے اپنی بات کی صداقت کے لئے کسی عظیم اور بالاتر شے کو اپنی بات کے ساتھ بطور قسم کے استعمال کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنی بات کی سچائی کے لئے قادر کی ذات کو یا اُس کے کلام کو جو اہل ایمان کے نزدیک ایک طے شدہ اور مسلمہ نشانِ عظمت ہیں۔ بطور شہادت کے پیش کرتا ہے۔ یہ قسم کی حقیقت ہے۔ لیکن جب خالق کائنات اپنے کلام کی ابتدا کسی شے کی قسم سے کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ دہرے کہتا ہے کہ وہ اُس شے کی عظمت کو اپنے کلام کی ابتدا میں بطور شاہد کے پیش کرتا ہے جس کی وہ خود عظمت کے اُس مقام پر ہے۔ جس سے آگے کسی عظمت کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے اپنے کلام کی ابتدا میں بے شمار چیزوں کو بطور قسم کے استعمال کیا ہے۔ تو اُس سے کیا مراد ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے۔ کہ خالق کائنات جن چیزوں کو جس شے کو بطور قسم کے اپنے کلام کی ابتدا میں لاتا ہے اُن کی حقیقت ایسے وقائع تاریخی یا واقعات تاریخی یا علامات تکوینی یا نشانات ارضی و سماوی کی ہوتی ہے۔ جو انسان کی چشمِ سر کے سامنے موجود ہونے کی بنا پر ایسے مضبوط استدلال کے حامل ہوتے ہیں۔ کہ اگر وہ وقائع تاریخی نہیں۔ تو انسان کی گزشتہ تاریخ کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ جن کی سچائی پر شک و شبہ نہ کرنا اُس کے لبس کی بات نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ مظاہر کائنات کے شواہد و نظائر ہوتے ہیں۔ تو اُن کی تکذیب کرنا معمولی عقل کے لبس کا کام بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ ہر روز انہیں دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے۔ معلوم کرتا ہے۔ یہ سورۃ العصر جو قرآن عزیز کے قیسیوں پائے میں کمی دو کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی ابتدا زمانے کی قسم ہے ہوتی ہے۔ یعنی زمانہ زلّے کی تاریخ زمانے کا تاریخ باور زلّے زبردست زمانے کی کامیابی و ناکامی زلّے کی ابتدا و انتہا آغاز و انجام نتائج و عواقب عمل اور رد عمل اس بات پر شاہد ہے۔ کہ جو بات آئندہ کہی جا رہی ہے۔ وہ حتمی اُس طرح سے درست اور قطعی ہے۔ جس طرح سے زلّے کی تاریخ اور تاریخ کے نتائج احوال قطعی ہیں۔ جنہیں تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ عصر کے معنی بھی زلّے کے ہیں۔ ۱۔ صی زلّے کے ہیں۔ اور حسن اتفاق ہے کہ یہ دونوں نام قرآن مجید کی

میں اہل علم کے نزدیک ایک غیر معمولی درجہ کی اہمیت کا نفوی فرق موجود ہے۔ اور وہ
 یہ ہے کہ دہر اُس زمانے کو کہتے ہیں۔ جو زمانہ غیر مسلسل ہو۔ جیسے سکندر و دایا کا زمانہ
 قیصر و کسریٰ کا زمانہ قوم صالح قوم عاد، قوم ثمود، بنی اسرائیل، خلافت راشدہ عباسیوں
 اویسوں، عثمانیوں، ترکوں راجوں مہاراجوں مغلوں تاناکاریوں کے زمانے لیکن علوہ علوہ
 زمانے پر خلافت ازیں عصر اس زمانے کو کہتے ہیں۔ جو زمانہ مسلسل پر مشتمل ہو۔ یعنی
 وہ زمانہ جو یوم الست کو شروع ہوا تھا۔ اور انسانوں کے غلوئی النار یا غلوئی الجنت
 تک کے زمانے کو محیط ہے۔ گویا وہ تمام زمانے غیر مسلسل جو اوپر عرض ہوئے، اس
 زمانہ غیر مسلسل کے نیچے ہیں۔ تو یہ زمانہ غیر مسلسل شاید ہے۔ کہ اُن تمام زمانوں
 میں جو انسانی تاریخ میں بٹے ہوئے ہیں۔ اُن سب کے درمیان ایک قدر مشترک ہے
 رسولانے ایک زمانے کے جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ پر مشتمل
 ہے۔ اور وہ قدر مشترک یہ ہے۔ کہ انسان بحیثیت انسان انسان بحیثیت جنس
 انسان انفرادی طور پر بھی اور مجموعی طور پر بھی عمومی طور پر بھی اور خصوصی طور پر بھی ہر زمانے
 زیاں خسران آفت مصیبت پریشانی (زیاں جان و مال و آبرو) کا شکار رہا ہو۔
 ظاہر ہے۔ کہ تاریخ انسانی کے یہ خسران اور زیاں زلزلے قحط بیماریاں اور دیگر زمینی
 و آسمانی ٹکونی اور غیر ٹکونی آفات تو ہونہیں سکتیں۔ اس لئے کہ تاریخ انسانی میں
 بعض خطے اور بعض حصے ایسے بھی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں مگر جن میں کوئی زلزلہ
 نہ آیا ہو کبھی خشک سال کے نتیجہ میں قحط نہ آیا ہو۔ وبائی امراض نہ آئے ہولہ آسمان
 سے ڈالہ باری نہ ہوئی ہو، ہوائی اور سمندری طوفان نہ آئے ہوں۔ یعنی خسر
 میں مجرہ نقصان کا ذکر ہوا ہے۔ جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے۔ کہ یہاں کوئی
 ایسا زیاں مراد ہے۔ جو ہمہ گیر عالم گیر مستقل اور دائمی ہو۔ جس سے اپنی پوری معلوم
 تاریخ میں پوری نوع انسانی گزری ہو گذر رہی ہو۔ جس کے کوئی خطہ زمین کسی
 خطہ زمین کے باشندے ایک ایک فرد کی حیثیت سے بھی اور ایک ایک قوم کی حیثیت
 سے بھی متاثر ہونے سے رہ گئے ہوں جو اتنا نمایاں ہو کہ اُس سے نمایاں کوئی شے
 نہ ہو جو اتنا ظاہر ہو کہ اُسکی ظاہریت سے انکار انسان کے بس سے باہر کی بات
 ہو جو اتنا ہمہ گیر ہو کہ انسانوں کی عظیم اکثریت نے اُسے دیکھا ہو۔ چاہے
 تک میں غور کرتا ہوں مجھے پوری انسانی تاریخ میں اس نوع کا ایک ہی نقصان

نظر آتا ہے۔ کہ جس سے کسی زمانے کا کوئی انسان نہ بچا ہو۔ اور وہ ہے۔ انسانی جان مال اور آبرو کا استعمال۔ وہ ظلم و جبر و زور و قوت کا استعمال جس سے تاریخ کے پس ماندہ انسانوں کا کوئی گروہ کسی زمانے میں کسی خطے میں نہیں بچ سکا۔ برہمنی پھیلیوں نے چھوٹی پھیلیوں کو نکلا ہے۔ انسان تاریخ کے ہر دور میں ہر عہد میں ہر زمانے میں ہر خطے میں اپنے زبردستوں زور و دستوں مایع آزمائشوں کو نواؤں جاگیر داروں تعلق داروں غنڈوں بد معاشوں کے استعمال کا شکار رہا ہے۔

اور ہے۔ انسان وہ صید زبوں ہے۔ جس کے گوشت کی لذت سے جامہ آدمیت میں ملبوس آدم جوڑوں نے اپنے کام و دہن کی لذت کا سامان کیا ہے۔ جس کے مال کو جس کی آبرو کو زور و قوت کے ذریعہ ہر زمانے کے فرعونوں فرودوں قارونوں نے شیر مادر سمجھا ہے اور شیر مادر سمجھ کر بھگم کیا ہے۔ جس کی مثال جنگل کے جانوروں میں تلاش کرنا چاہیں۔ تو نہیں ملے گی۔ کیا کبھی کسی کے سننے میں آیا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جانوروں نے باقاعدہ ایک فوج نظم و ترتیب و یکجہ لاؤ لشکر تیر لشکر توپے تفنگ ایٹم بم اور مائیلدجن بم اور بم بار لیاروں کے ساتھ دوسرے کسی جنگل کے جانوروں پر حملہ کر کے ان کے ٹھکانوں کو تہس نہس کر دیا ہو ان کو صوفی ہستی سے نیست و نابود کر دیا ہو۔ ان کی ہڈیاں چھاڑ لی ہوں اور ان کا خون چوس لیا ہو ان کی ماؤں کے برہنہ جیوس نکالے ہوں۔ یہ "سعادت" صرف حضرت انسان کے حصہ میں آئی ہے۔ جو حیوان ناطق علم و عقل کا مدعی تہذیب و تمدن کا دعویٰ دار امن و سلامتی کا پرچارک بزم خویش انشرف المخلوقات ہے۔ کہ اس نے اپنی ہوش جوہ الارضی کو پورا کرنے کے لئے اپنے دوام اقتدار کے لئے اپنے نفس کے شیطان کو خوش کرنے کے لئے اس کو سامان عیش و عشرت بہم پہنچانے کے لئے زمین کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک کبھی احساس بالا ترمی کے نام پر اور کبھی رنگ و نسل کے نام پر اور کبھی اپنی نفسانی اور حیوانی خواہشات کو پورا کرنے کے نام پر اپنے سے کمزور تر بنائے جس کو اپنی خواہشات مغلی کے بت پریمینٹ پر ہے۔ اور اس سلسلے میں ظلم کی کوئی قسم ایسی نہیں تھی۔ جو اس کے دست و پا سے بچ نہ سکی ہو۔ وہ استعمال کے لاؤ لشکر کے ساتھ تاریخ انسانی کے ہر دور پر

بلائے بے درمان کی طرح آیا۔ اور اپنے سے کمزور تر انسانوں کے جان و مال اور
 اُپر دہرجو کے کتوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ کبھی یہ استعمال سکندر و دارا کی شکل میں
 آیا۔ جنہوں نے ملک ملک پر اپنی حکمرانی کے پرچم گھاتلے کے لئے مشرق سے لیکر
 مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک بستیوں کی بستیاں تاخت و تاراج کر دیں۔
 ورنہ کسی یہ فراعمنہ کی شکل میں آیا۔ جو بنی اسرائیل سے جو ان کے غلام تھے۔ جانور
 سے بدتر سلوک کرتے تھے۔ اہرام مصر کی پر شکوہ اور بلند و بالا تعمیرات میں اُنکے
 خون کو اینٹ گامے کی شکل میں استعمال کرتے تھے۔ اُن مظلوم ہمدردی مزدوروں
 سے جسکی وہ کوئی مزدوری بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھر اُٹھاتے
 اور جب وہ فاقوں سے لاچار تھک کر چور چور ہو کر بیچ چور ہوں کے گر پڑتے۔ تو
 اُن کی تنگی پیٹھوں پر کوڑوں کی بارش برسالتیہ اُن کے رہنے کے لئے نہ دہرتے نہ
 دیوار تھے۔ نہ مکان تھے نہ مسکن تھے۔ اور جب ان کے ہاں بچے پیدا ہوتے تو پیدا ہوتے
 ہی ذبح کر دیتے۔ بچیوں کو زندہ رہنے دیتے۔ تاکہ سن جوانی کو پہنچ کر وہ ان کی عزت
 اور کبھی یہ استعمال غادہ کی شکل میں آیا۔ جو بستیوں کی بستیاں نذر آتش کر کے اپنے
 سینے کی آگ کو ٹھنڈا کرتے۔ زندہ انسانوں کی کھالیں کھنچوا لیتے۔ پتھر کے بتوں کے
 سامنے اُن کو ذبح کر دیتے۔ کہ یہ ان کی عبادت تھی اور کبھی یہ استعمال قیصر و کسریٰ
 کی شکل میں آیا۔ جو اپنی سواریوں و قہولکے سامنے ہتھیار کے لئے ستم رسیدہ انسانوں
 کو اپنی اُنہار شان و شوکت کے لئے دوڑاتے۔ اور جب وہ تھک کر بیچ شاہراہوں
 میں غمزدہ پڑتے۔ تو چاکوں سے ان کی کھالیں ادھیڑ کر رکھ دیتے اور کبھی یہ استعمال
 بخت نصر کے ہاتھوں آیا۔ کہ اُس ظالم اور ستم گر فرماں روا نے بنی اسرائیل کے عورتوں
 اور بچوں تک میں سے ایک کو بھی معاف نہیں کیا۔ پوری کی پوری قوم کو تہ تیغ اور
 پوسے کے پوسے شہر اور بستیاں ویران کر کے رکھ دیں کھیتیاں اجاڑ دیں، کھیتیاں اھاڑ
 دیں شہر دار و خستوں کو کاٹ دیا۔ دریاؤں کے بند باندھ کر پوسے ملک کو غرق آب کر
 دیا، اور یہی کچھ بنی اسرائیل نے اپنے دور حکمرانی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا۔
 کہ زندہ انسانوں کی کھالیں کھینچ لی گئیں۔ ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے۔ آنکھیں پھوٹی
 گئیں۔ ان ظالموں نے یہاں تک پرواز کی کہ خدا کے برگزیدہ اور پاک باز بندوں

ان کی عبادت تھی

اُس کے نبیوں اور رسولوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ عیسائی مکرانوں کے ساتھ مل کر عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے زعم میں سول پر چڑھا دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر ایک عیاش مکران نے اپنی محبوبہ کے قدموں میں ڈال دیا۔ کسی نبی کو اُس سے چیر دیا۔ کسی کو دریا میں ڈبو دیا، کسی کو زندہ دیوار میں چن دیا۔

یونان میں ارسطو نے حق و صداقت کا اعلان کیا جواب میں زہر کا پیالہ اُس کے منہ لگا دیا گیا۔ روم کے حکمران نیرو نے روم کو آگ لگا دی۔ اس حال میں کہ وہ اپنے محل کے جبرو کے میں کھڑا ہوا بانسری بجا رہا تھا۔ ہندوستان میں مذہب کے باغیوں نے زندہ عورتوں جیتی جاگتی بیویوں کو اپنے مرنے والے شوہروں کی چتا پر رکھ کر آگ لگا دی۔ اور راہ چلتے اگر کسی شوم نے سودا اتفاق سے ان کے مذہبی بھجن کا کوئی بول سن لیا۔ تو گرم سیسہ بچھلا کر اُس کے کان میں ڈال دیا گیا۔ غرضیکہ انسانی تاریخ کی خون چکانی کا یہ وہ باب ہے۔ کہ جس کا کوئی ورق نہیں ہے۔

جو ہولہو نہیں ہے۔ انسانی جان مال اور آبرو کا وہ سر بازار نظام ہے۔ وہ ہر عام قتل عام ہے۔ کہ جس کا محیط و شعور ہے۔ یہ انسانیت کی تذلیل کی شب تیرہ و تار تھی۔ کہ رحمت حق موجزن ہوئی کہ وادی غیر ذمی ذرع میں پہاڑوں اور صحراؤں کی خزاں رسید وادیوں میں کائنات کی شب تاریک میں آفتاب صداقت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں طلوع ہوا۔ کہ جس کے مبارک ہاتھوں میں ۲۳ سالہ شب و روز کی کاوشوں اور آپ کے رفقاء کی ذہر و گداز قربانیوں کے نتیجہ میں ایک ایسا انقلاب آیا۔ کہ جس نے کائنات انسانی کے شب و روز کو پلٹ کر رکھ دیا۔ ایمان کی بہار آئی۔ جس بہار نے خشک و زو بہاڑوں اور صحراؤں کے سرزمین کو گل و گلزار میں تبدیل کر دیا۔ تاریخ انسانی کا یہ پہلا موڑ تھا۔ جس موڑ پر انسان نے اپنے آپ کو پہچانا۔ اپنا خودی کو پہچانا۔ اپنے خالق کو پہچانا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ایمان و یقین کی وہ شمع روشن ہوئی۔ جس نے سائے عالم کو منور کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ایک معاشرہ ایک ایسی سوسائٹی ایک ایسا سماج ایک ایسا نظام حیات ایک ایسی ریاست عادلہ عالم وجود میں آئی۔ جس نے اُس شرف انسانی کو جو صدیوں سے جا رمل اور قہاروں کے پاؤں تلے روند

بارہا تھا ملک کس بلند یوں تک پہنچا دیا جس معاشرہ ، سماج ، سوسائٹی اور ریاست میں
 نہ کوئی استحصال کنندہ رہا اور نہ کوئی استحصال شدہ رہا انگلی لٹی رہا اور نہ کٹی ٹیٹ اور نہ کوئی کا
 ہلاک کوئی ملک رہا نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز رہا نہ کوئی جلاں پناہ رہا اور نہ کوئی بے پناہ اور
 نہ کوئی شاہ جہاں رہا اور نہ کوئی بے جہاں رہا ۔ نہ کوئی سلطان رہا اور نہ کوئی خاکوان
 رہا ۔ نہ کوئی محمود رہا اور نہ کوئی ایاز رہا ۔ نہ کوئی برہمن رہا اور نہ کوئی اجپوت رہا ۔
 نہ کوئی سید رہا اور نہ کوئی میراثی رہا ۔ نہ کوئی اعلیٰ رہا اور نہ کوئی ادنیٰ رہا ۔ نہ کوئی
 تخت نشین رہا ۔ اور نہ کوئی کوریشین رہا ۔ نہ کوئی قصر و ایوان والا رہا اور نہ کوئی
 جھونپڑوں والا رہا ۔ قانون کی نگاہ میں عدل کی صف میں انصاف کے ترازو میں
 شرف و منزلت کے پیمانے میں معیشت میں معاشرت میں حقوق میں فرائض
 میں اکرام آدمیت میں احترام انسانیت میں سب کے سب ایک ہی خالق کے
 بندے ایک ہی مبدوء کے عابد ایک ہی چوکھٹ کے بچاری ایک ہی رسم و رواج کے
 راہی ایک ہی صف کے شاہ و گدا ایک ہی صف کے غازی ایک ہی سطر کے غازی
 عدلیہ میں انتظامیہ میں سماج میں سوسائٹی میں معاشرہ میں سب کا خون ایک تھا ۔
 سب کی جان ایک تھی سب کا مال ایک تھا ۔ سب کی عزت ایک تھی سب کی آبرو
 ایک تھی ۔ کسی کو کسی پر کسی نوع کا نہ امتیاز تھا نہ افتد ار تھا نہ سرور سی تھی نہ جہاں
 باقی تھی ۔ نہ کوئی کسی کے لئے نرم چارہ نہ نوالا تر کسی کی ہمت نہیں تھی کسی کی جان
 نہیں تھی کسی کا ایمان نہیں تھا ۔ کہ وہ کسی اپنے سے کمزور کی عزت پر جان پر مال
 پر آبرو پر دست و رازی کر سکے ۔ جس طرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جان مال
 عزت آبرو جس طرح سے امیر المومنین کے جان مال عزت آبرو محترم تھے ۔ بیشک
 اُسی طرح سے ایک عام آدمی کے بھی تھے سپادر اور چار دیواری کہ ہر شخص کی ہو بیٹی
 دوسرے لگے ہو بیٹی کے مانند تھی ۔ عدلیہ کی زد میں اگر ایک عام آدمی تھا تو امیر
 المومنین بھی تھے ۔ راتوں کو دروازے کھلے بہتے چور نہیں تھے ۔ پردہ نشین بازاروں
 میں ضروریات کے لئے جاتیں غنڈے نہیں تھے ۔ مال و منال موجود تھے ڈاکو نہیں
 تھے ۔ ہزاروں میل سے پیدل چل کر ایک عورت خانہ کعبہ کے حج کے لئے سفر کرتی
 ہاتھوں سے سونا اچھالتی آتی راہ میں کوئی رہزن نہیں تھا ۔ ظالم کوئی نہیں تھا مظلوم

قیصر و کسریٰ نے اتار دی۔ خلافت کی جگہ ملکیت نے اور امارت کی جگہ ملک غنیمت
 نے لے لی۔ اور خدا پرستی گئی اور نفس پرستی آئی۔ سابل دول کے دنیاوی مفادات
 نے انسانی جذبات نے قرآن کو خدا کے احکام کو تعلیمات اور فرامین کو ملکیت
 اور سروری کو اسوۂ رسولؐ کو اور اسوہ صحابہ کو طاق نسیان کی ذینت بنا دیا۔
 اور پھر ایک بار انسان استحصائی کے پتہ خون آسمان میں ہر روز مڑتا اور جیتا رہا۔
 اس کے جان مال عزت آبرو نام نہاد مسلمان نام کے بادشاہوں اور شہنشاہوں
 قیصر و کسریٰ کے وارثوں کے رحم و کرم پر ہو کر رہ گئے۔ جنگ جل جنگ صغین کرب
 و بلا کے سر کے پر پا ہوئے۔ انہوں نے عباسیوں کا خون بہایا۔ اور عباسیوں نے
 انہوں کی سر پریدہ لاشوں پر دسترخوان بچھا دیا۔ شراب پانی کی طرح پینے لگی۔
 لوٹ لڑیوں کی فوج در فوج جنگ و رہ باب کے ساتھ آمو جو ہوئی۔ انسان کا خون
 اس کا مال جان عزت آبرو ہر شے مباح قرار دے دی گئی تھی۔ (۷۸)

عَنْ أَبِي رُقَيْصَةَ تَعِيْمُ بْنُ أَوْسٍ الدَّائِرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:-

“الدِّينُ النَّصِيحَةُ”

قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ
 “لِللَّهِ وَلِلنَّبِيِّ وَلِلرَّسُولِ، وَلِلْإِئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَاقِبَتِهِمْ”
 (رواہ مسلم)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے۔
 صحابہؓ نے پوچھا: ”خون و کس کی؟“ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول
 کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں اور تمام سب کی!“

وَيُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ

وَلِأَحْمَدَ الْبُحْرَانِيِّ

نُورُ الْإِسْلَامِ - الْآخِرُ



عطية: حاجی محمد سلیم



حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۶۲۶۸
۳۰۵۲۶۹



عورت اور اسلامی معاشرہ

— افغناں احمد —

قبل اس کے کہ اسلام میں عورت کے مقام اور حقوق و فرائض کو زیر بحث لایا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف انسانی تہذیبوں میں عورت کو جو تہذیب اور جو حیثیت دی گئی ہے اسے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ اسلامی قانون کی شانِ اعتدال سامنے آ سکے۔ عربی کی ضرب المثل ہے تعرف الاشیاء باضدادها، اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ پس اسلامی احکام کے ربط و ان کی حکمت اور اہمیت سمجھنے کے لئے یہ امر لازمی اور فردی ہے کہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورتوں کے رتبے کو واضح کیا جائے۔

عورت، تاریخ کے آئینے میں

نسل انسانی جن مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے "ان میں سے ایک مسئلہ معاشرے میں عورتوں کی حیثیت کا بھی ہے۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان نے اس سلسلے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ کسی دائیں جانب انتہا تک چلا گیا، پھر اپنی غلطی کو اس کے پٹا اور حد اعتدال عبور کرنے پر بائیں طرف انتہا تک پہنچ گیا۔ زندگی کی لڑ سے لڑکا ہوا انسان پنڈ و لم کی طرح جھولتا رہا مگر مدلل و العصف اور حقیقت و سچائی کی راہ نہ پاسکا اگر اس زمانے کو جسے وحشت اور بربریت کا دور کہا جاتا ہے، نظر انداز کر دیا جائے تب بھی اچھے تاریخ انسانی میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا رہا ہے اور آج کل جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ نفرت کے خلاف ہے اور اس لئے ظالمانہ ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں :

یونان | قدیم یونان میں جو علم، تہذیب اور دانشمندی کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، عورتوں کی حالت اغلائی، سماجی اور قانونی ہر لحاظ سے پست تھی۔ عورت کا مقام مرد کے لئے مخصوص

تھا۔ یونانیوں کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجے کی مخلوق تھی۔ چنانچہ یونانی خرافات MYTHOLOGIES میں ہے کہ جو پیٹرسے ایک دیوتا نے پوچھا "تو ہمیں سلسلہ تاسل میں عورت سے بے نیاز کیوں نہیں بنادیتا" انڈروسیکی نے لکھا ہے کہ یونانی کہتے تھے "آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے"۔ سقراط کہتا ہے کہ عورت سے زیادہ فتنہ اور کوئی نہیں ہے۔

تمدن کی ترقی اور علم کی روشنی کا یونانی معاشرے پر پیدائش ہوا کہ عورت کا سماجی رتبہ کسی قدر بڑھ گیا رفتہ رفتہ اہل یونان پرشس پرستی کا ظہور کرنے لگا اور شرافت، اخلاق اور عصمت و عفت کا تصور مٹ گیا۔ نکاح کو ایک غیر ضروری دم سمجھا جانے لگا اور عورت کی قدر و قیمت کا انحصار محض اس بات پر سمجھا جانے لگا کہ مرد کے لئے کہاں تک ذریعہ عیش و مسرت بن سکتی ہے۔ یونانیوں کی خفگی گراوٹ نے ان کے فنون لطیفہ میں بھی غہور کیا اور سادے معاشرے میں صنعتی ابتری پھیل گئی۔ آخر کار وہ مادی لحاظ سے بھی زوال پذیر ہوئے اور اس کے بعد انہیں نشاۃ ثانیہ نصیب نہ ہو سکی۔ لارڈ بیرن نے کہا ہے:

"اگر تم اس بات پر غور کرو کہ قدیم یونان کی تہذیب و تمدن کے انحطاط میں کس چیز کا گہرا دخل ہے تو ہمیں یہی بات نظر آئے گی کہ وہاں عورت کو خلاف فطرت آزادی دی گئی تھی اور وہ کلیفہ گھروں و داروں سے کنارہ کش ہو گئی تھی اور اس نے آزادانہ طور پر اپنی مردوں سے الگ الگ شروع کر دیا تھا۔"

روم | قدیم روم میں عورت کا درجہ نیچے عوامی طبقے سے بھی کم تھا۔ شوہر کو اپنی بیوی اور بچوں پر پورا اختیار ہوتا تھا حتیٰ کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل بھی کر سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہل روم نے تہذیب و دانش کی طرف قدم رکھا اور خاندانی نظام میں کسی قدر اعتدال پیدا ہوا۔ معاشرے میں شرافت اور عفت و پاکیزگی کو اچھا سمجھا جانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد یہ صورت حال بدل گئی اور عائلی نظام کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ رومی عورتیں معاشی لحاظ سے خود مختار اور دولت مند ہونے لگیں۔

۱۔ صحابیات از نیل افنج پوری

۲۔ الزاآب بین الفقہ والقانون از مصطفیٰ الہامی

۳۔ تاریخ اطلاق یورپ از کیسل

لہذا طلاق کی کثرت ہو گئی۔ بدکاری اور بداخلاقی کا سیلاب آیا۔ حتیٰ کہ رومی تہذیب برباد ہو گئی۔
کیمریج یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے ڈی آٹون لکھتے ہیں:

”دوسری صدی میلادی میں رومی سلطنت اپنے پورے عروج پر تھی۔ پھر آہستہ آہستہ
ایسی نسل آگئی جس کا مقصد حیات ہندو جنسی کی تسکین تھا۔ اس نسل میں مذہب کا رشتہ نہ
وقت مل۔ نتیجہ سلطنت روم زوال ہو گئی۔“

تقدیم اور تہذیب کے معاملے میں ایران سلطنت روم کا برابر کا ساتھی تھا۔ مگر وہ اسیا
ایران کے دشمنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا جن رشتوں سے ازدواجی تعلق کو ہم حرام سمجھتے ہیں ان کی
حرمیت اہل ایران کو تسلیم نہ تھی۔ پروفیسر ارتھر کرشن کے بقول بیٹی یا بہن سے اس قسم کا رشتہ ایران
میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ چینی سیاح ہوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون اور
معاشرت میں ازدواجی تعلق کے لئے کسی رشتے کو بھی مستثنیٰ نہیں رکھا گیا۔

تیسری صدی میں مالی ہم کے فلسفی نے یہ تحریک چلائی کہ نکاح ختم کر دینا چاہئے تاکہ نسل نسانی
مقطع ہو جائے اور اسے نور و خلعت پر ابھری فتح حاصل ہو سکے۔

پانچویں صدی میں مزدک نے اعلان کیا کہ سب انسان برابر ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کے
مال اور بیوی پر یکساں حقوق حاصل ہیں۔ عیش پرستوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ بادشاہ نے
بھی اس تحریک کی حوصلہ افزائی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایران میں بدی و بے حیائی جنگ کی آگ کی طرح
پھیل گئی۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا سب سے بڑا شکار بنے۔ جو جس کے گھر میں چاہتا گھس
جاتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا۔ صاحب خانہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح جو پرگندگی بھرا انتشار
پھیل گیا وہاں اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عرب سرزمین عرب میں عورت کا شہد بہترین مخلوقات میں کیا جاتا تھا۔ عورت کے مال کو مرد

۱۔ سیکس اینڈ لکچر از ڈاکٹر جے ڈی آٹون

۲۔ تاریخ طبری۔ جلد ۲

۳۔ ایران بعہد ساسانیان

۴۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر از مولانا علی محمدی

۵۔ تاریخ طبری۔ جلد ۲

اپنا مال بچتے۔ وہ ترکہ اور میراث میں کوئی حصہ نہ پاتی۔ شوہر کے مرنے کے بعد اس کو اجازت نہ تھی
 کہ دوسرا نکاح کر سکے۔ دوسرے سامان اور جانوروں کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی تھی۔
 لڑکیاں چونکہ جنگ میں حصہ نہ لے سکتی تھیں بلکہ خود ان کی حفاظت مردوں کو کرنا پڑتی
 تھی اس لئے بچیوں کی پیدائش موجب شگ و مار بھی جاتی۔ قرآن کہتا ہے۔

”جب ان میں سے کسی کو بیٹا ہو سکے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے
 چہرے پر کونس بھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں
 سے چھپت پھرتا ہے کہ اس بڑی خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سو چلتا ہے ذات
 کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا بیٹی میں بادا ہے۔ (نمل - ۵۸، ۵۹)

اشیم بن حدی نے ذکر کیا ہے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج عرب کے تمام قبائل
 میں موجود تھا۔ ایک اس پر ٹل کر ۲۲ اوس چھوڑتے تھے۔ یہ سلسلہ اسلام کے ظہور تک رائج تھا
 اور دوسا ایسے مواقع پر بچیوں کو خرید بیٹے اور ان کی جائیں بچالیا کرتے تھے
 مولانا حاتی نے دور جاہلیت کی عورت کے متعلق کہا ہے

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دفتر

تو خوف شہادت سے بے رحم مادر

پھر بے ہمتی جب تھے شوہر کے تیور

کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی!!!!

بچے سانپ جیسے کوئی جینے والی

ہندوستان | قدیم ہندوستان میں عورت کو ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھا گیا۔ بچپن میں اس کو
 باپ کی جوانی میں شوہر کی اور بیوی میں اولاد کی ملوکہ بن کر رہنا پڑتا تھا۔ نکاح
 کے لئے اس کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اسے شوہر کی چٹا پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔
 ڈاکٹر لی بان نے لکھا ہے۔

لے انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

نے متفق ہند

ہموادوں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشا ستر میں نہیں ہے۔
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسم ہندوستان میں عام ہو چکی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا
ذکر کیا ہے:

رفتہ رفتہ دوسری تہذیبوں کی طرح ہندوستان میں بھی صنعتی انتشار کا دور آیا۔ مقدس
ہوں اور مذہبی پیشواؤں نے اہم حوادث کے وقوع اور موجودات کے وجود کی توجیہ کے
سلسلے میں شرمناک رفاہیتیں بیان کیں۔ بے حیائی کے مظاہر ہندو دیوتاؤں کے جسموں اور ان کے
انذبات میں بھی عام ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہندو کثیت قوم انحطاط اور زوال کا شکار ہو گئے۔
جب عیسائیت نے اپنا اثر و سربل برعنا شروع کیا تو یورپ زوال کے
سیحی یورپ | بدترین درجے تک پہنچ گیا تھا۔ مسیحی مبلغین نے شروع میں بھی خدمات انجام
دییں اور فحاش کا انسداد کیا۔ مگر عیسائیت خود عورت کے متعلق کوئی اچھا خیال نہیں رکھتی تھی۔
تو یہاں جو ابتدائی زمانے کے ائمہ سبقت میں شہر ہوتا ہے، عورت کے متعلق مسیحی خیالات
کی یوں حکام کی کرتا ہے۔

’وہ شیطان کے آنے کا اور واڑہ ہے‘ وہ غیر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی ہے۔ خدا کے
قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر اور کو غارت کرنے والی ہے۔‘

یسیت نے اس بھی ایک قدم آگے بڑھایا اور ہر قسم کے ازدواجی تعلق کو گناہ قرار دے دیا۔
اس نظریے نے نہ صرف معاشرے اور سماج پر برا اثر ڈالا بلکہ عورت کا مرتبہ بھی پست کر دیا۔
اور ستر ہویں صدی میں جب جادو ٹونے کا خیال لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تو اکثر اذیت الام
عورتوں پر یہی دیکھا جاتا اور وہی ظلم کا شکار ہوتی تھیں۔ انگریز سریشٹم نے ۱۶۹۲ء میں ’لوئی دہم نے
۱۵۲۱ء میں ادا ڈیرین شیشٹم نے ۱۵۲۲ء میں نہایت بے دردی کے ساتھ عورتوں اور ان کے بچوں
کو جادو کے الزام میں ذبح کر دیا۔ انگلستان میں عورتوں کو سزا دینے کے لئے ایک خاص مجلس
بنائی گئی جس نے عورتوں کو سزا دینے اور ان پر ظلم کرنے کے لئے جدید قوانین مرتب کئے۔
ڈاکٹر اسپرنگ نے لکھا ہے کہ عیسائیوں نے ۹۰ لاکھ عورتوں کو زندہ جلادیا ہے۔

لے پردہ از ہولای مودودی

لے صحایات از نبیلہ فتحپوری

مسیحی معاشرے میں عورت کو وراثت اور ملکیت کے نہایت محدود حقوق حاصل تھے۔ اس کی ہر شے کا مالک اس کا شوہر تھا۔ طلاق اور خلع کی اجازت نہ تھی۔ انتہائی شدید حالات میں تفریق کرادی جاتی مگر نکاح ثانی کا حق دونوں میں سے کسی کو نہ تھا۔ ان خلاف فطرت مذاہبوں اور بے جا پابندیوں اور قلمدانہ قوانین کا اثر یہ ہوا کہ معاشرے میں بے حیائی کو فروغ حاصل ہوا حتیٰ کہ خود مذہبی پیشوا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔

اٹھارہویں صدی میں رفتہ رفتہ یورپ میں ذہنی بیداری کی علمی تحریک پروان چڑھی۔ ایک طرف کائنات اور مادے پر تحقیق کے علم و فن کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ پادریوں کو خدشہ لاحق ہوا کہ اگر یونانی فلسفہ غلط ثابت ہو گیا تو مذہب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لہذا انہوں نے علوم کی ترقی کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن وہ تو انین فطرت کی پیہم دریافت اور مسلسل ہونے والی منت نئی ایجادات کے سامنے ٹک نہ سکے۔ اور مذہبی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ یورپ ترقی کے بام عروج کی طرف گامزن ہونے لگا۔ دوسری طرف ادیبوں اور فلسفیوں نے مسیحیت کی تنگ فطری سے چھٹکارا پانے کے لئے ایک نیا تصور آزادی پیش کیا۔ کہا جانے لگا کہ فرد کو پوری خود مختاری کے ساتھ بروہ کام کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے جو اسے پسند آئے۔ اور ہر اس کام سے باز نہ بنے کہ آزادی ہونی چاہیے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ حکومت کا فرض فقط اتنا ہے کہ وہ فرد کی آزادی کا تحفظ کرے۔

آزادی کے اس مبالغہ آمیز تصور کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً فرانس میں اسے فکری اور عملی حمایت ملی جس کے نتیجے میں انقلاب فرانس کا واقعہ رونما ہوا۔

صنعتی انقلاب مغربی ممالک میں صنعتی انقلاب سے پہلے جاگیر داری نظام رائج تھا۔ اس نظام میں حالات کچھ ایسے تھے کہ مرد ہی کو عورت کے اخراجات کا بار بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر عورت اس دور میں بھی بعض گھریلو صنعتوں میں حصہ لے کر مرد کی مدد کرتی تھی۔ مگر صنعتی انقلاب کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی۔ صنعت اور تجارت کے نئے مرکز قائم ہوئے جو رفتہ رفتہ بڑے شہروں میں تبدیل ہو گئے۔ دیہات سے لاکھوں افراد شہروں میں جمع ہو گئے۔ ہنگامی بڑھنے لگی۔ ہر شخص زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور اپنے پیش وادام کو بڑھانے میں مگن ہو گیا۔ اب عورتوں اور بچوں کو بھی گھر میں لگا کارخانوں کی راہ یعنی پڑی تاکہ محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پال سکیں۔ مردوں کی خود مرضی یہاں تک بڑھی

کہ انہوں نے اپنی قانونی بیوی تک کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ آزادی پسندوں کی تحریک شروع ہوئی جو دراصل دو مقاصد حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اول: جو عورتیں بھی اپنا کما میں تاکہ مردوں کو ان کا بار نہ اٹھانا پڑے۔ دوم: تجارت کی اچھنوں اور مشقت کے تکلیفوں میں مردوں کے لئے سامان تفریح پیدا ہو سکے۔

سماجی مصلحین نے بچوں سے کام لینے کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ کارخانوں وغیرہ میں ملازمت کی عمر تدریج بڑھادی گئی۔ مگر عورت اب بھی مظلوم تھی۔ اسے ملازمت بھی کرنا تھی جس کا معاوضہ مردوں کے مقابلے میں بہت کم ملتا تھا، عیش پرستوں کو دل بھی بہلاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ گھر کا کام بھی کرتا تھا۔ اور اگر بچے پیدا ہوں تو ان کی پرورش سے بھی وہ مستثنیٰ نہ تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد | پہلی جنگ میں یورپ اور امریکہ کے لاکھوں مرد مارے گئے جو لڑائی سے زندہ واپس آئے وہ یا تو عمر بھر کے لئے معذور تھے یا اعصابی تناؤ سے چونکا رہا اپنے کے لئے زندگی کی رنگینیاں میں کم ہو جانا چاہتے تھے۔ یہ لوگ شادی کے جذبہ میں پڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جنگ عظیم کے بعد اخلاقی اور معاشرتی نقطہ نظر سے جو سب سے بڑا مسئلہ سامنے آیا وہ ان بے شوہر عورتوں کا تھا جن کا ذمہ کوئی محافظ نہ تھا نہ مردہ اور دوسری طرف مزدوروں اور کارکنوں کا شدید قحط پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے عورتوں کے لئے اب کوئی موقع نہیں رہا تھا کہ وہ گھر میں بیٹھیں۔ انہیں کارخانوں اور صنعتوں میں مردوں کی جگہ لینا پڑی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو ان کے متعلقین جن میں بڑے سے معذور اور بچے بھی تھے بھوک سے مر جاتے۔

لیکن عورتوں کے لئے کارخانوں وغیرہ میں ملازمت ہنسلی ثابت ہوئی۔ مالک صرف محنت والے ہاتھ نہیں بلکہ اپنی خواہش نفس کی تسکین کا ذریعہ بھی چاہتے تھے۔ عورتوں کا ان کے دونوں مسائل حل ہو گئے۔

مردوں کی کمی کی وجہ سے برعورت کے لئے شادی کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ لہذا مغرب کی عورت اپنے جذبات و خواہشات سے مغلوب ہو کر ایک مخصوص راستے پر چل نکلی۔ اب اس کا کام محض یہ رہ گیا تھا کہ وہ کارکنوں اور کارخانوں میں مشقت کر کے

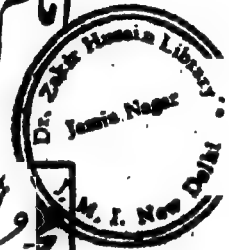
پیسہ لکٹے اور اپنی خواہشات اور اپنے جنبت کی تسکین کے لئے ہر جائز و ناجائز راستہ اختیار کرے۔

حودت جب مردوں کے دوش بدوش میدانِ عمل میں نکلی تو اسے اپنے حقوق منوانے کے لئے ایک طویل جنگ لڑنا پڑی۔ مساواتِ مرد و زن کا تصور عام ہوا اور اس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ جو کام مرد کرتے ہیں وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں اور انہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ پہلے تو حق رائے دہی کا مطالبہ پیش ہوا۔ اور بعد میں کاروبارِ حکومت میں مساوی شرکت کا حق مانگا گیا۔ (جاری ہے)

امام حمید الدین فراہی

کے تفکر و تہذیب و تمدن کا مہر

جموعۂ تنقائے فراہی



مالی و دیگر کاغذ پر پٹے سائز (۱۱x۱۳) کے ۵۳۶ صفحات
عبد آفتاب کی طباعت اور سنہری ڈال فال مضبوط اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ

مہرہ صرف -/۶۰ روپے (علاوہ محصور لڈاک)

اب حمادی الرشیدی بنک طلب شدہ نئے واپسے عزرات کو
مولانا مسندِ اہل کی دو مزید تصانیف: 'اقسام العترة'
اور 'ذبیح کون ہے؟' مفت ارسال کی جائیں گی۔

نوٹ: دوسری ارسال نہیں کی جائے گی۔ خواہشمند عزرات -/۶۰ روپے
ذریعہ مئی آنڈر سال کریں۔ کتاب بذریعہ جرڈبک پوسٹ ارسال کر دی جائے گی

مکتبہ مرکزی انجمن خدام العترة، ۳۶ ماڈل ٹاؤن، لاہور

اظہارِ حق

قادیانیت، اپنے لٹرچر کے آئینے میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۱) اب اس طرح پر یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں کہ ہزار ہا لوگ سے لوگ آتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ سے مدد کرتے ہیں۔

مالی امداد

(اربعین نمبر ۲ ص ۳۵۱-۲۷۰ ستمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) الہامؑ پیشگوئی نمبر اسے متعلق: پھر ایک دفعہ خود گی آئی اور الہامؑ ہوا اَللّٰہُ بِکَافٍ عَیْبًا ذَکَیَا خدا اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک پہلو سے وہ میرا مامون و ناصر ہوا مجھے صرف اپنے دستِ روشن اور رومی کی فکر تھی گمراہ تک اس نے کئی لاکھ آدمی کو میرے دستِ خوان پر روٹی کھلائی۔ ڈاک خانہ والوں کو خود پوچھ لو کہ کس قدر اس نے روپیہ بھیجا۔ میری دانست میں دس لاکھ سے کم نہیں۔ اب ایسا ناگہویہ معجزہ ہے یا نہیں۔

(نورالاسرار ص ۳۹۵ م ۱۱۱۹ ر ۱۱۱۸ جولائی و اگست ۱۹۰۲ء)

(۳) ایسا اتفاق وہ ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ گزرا ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری حاجت کے وقت مجھے اپنے الہامؑ اکشف سے یہ خبر دی کہ عنقریب کچھ روپیہ آنے والا ہے اور بعض اوقات آنے والے روپیہ کی تعداد سے بھی خبر دے دی اور بعض اوقات یہ خبر دی کہ اس قدر فلاں تاریخ میں اور فلاں شخص کے بھیجنے سے آنے والا ہے اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔

(تذاتی القلوب ص ۱۱۹ ر ص ۱۱۸ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۲ء)

(۴) ۳۵ برس کے قریب مدت گزر گئی جب کہ میں نے یہ ایک پیشگوئی شائع

کی تھی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگرچہ اب تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں مگر وہ وقت آئے گا کہ میں ہزاروں انسانوں کو تیری طرف رجوع دوں گا اور اگرچہ اب تجھ میں کوئی مالی طاقت نہیں مگر میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں اپنا الہام ڈالوں گا کہ اپنے مالوں سے تیری مدد کریں۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص ۳۳، ص ۳۴، ص ۳۵)

(۵۱) قادیان میں لالہ ملاوٹ نے لالہ خرمیت کے مشورہ سے اشتہار دیا جس کو قریباً دس برس گزر گئے۔ اس اشتہار میں میری نسبت یہ لکھا کہ یہ شخص محض مکار ہے فریبی ہے اور صرف دوکاندار ہے لوگ اس کا دھوکہ نہ کھادیں، مالی مدد نہ کریں ورنہ اپنا روپیہ ضائع کریں گے۔ اس اشتہار سے ان آریوں کا دعویٰ تھا کہ تاکہ لوگ رجوع سے باز آجائیں اور مالی امداد سے منہ پھیر لیں مگر دنیا جانتی ہے کہ اس اشتہار کے نالے میں میری جماعت ساٹھ یا ستر آدمی سے زیادہ نہ تھی بلکہ چنانچہ یہ امر سرکاری رجسٹروں سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ تیس پچیس روپیہ ماہانہ آمدنی تھی مگر اس اشتہار کے بعد گویا مالی امداد کا ایک دریا رواں ہو گیا۔ اور آج تک کئی لاکھ لوگ بیعت میں داخل ہوئے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص ۳۳، ص ۳۴، ص ۳۵، ۲۰ فروری، ۱۹۰۴ء)

(۶) براہین احمدیہ میں لاکھوں انسانوں کے رجوع اور لاکھوں روپیہ کی آمدن کے بارہ میں پیشگوئی شائع ہو چکی تھی... بعد کئی لاکھ آدمیوں نے میری بیعت کر لی اور کئی لاکھ روپیہ آیا اور دوسرے بے شمار مخالفین ہر طرف سے آئے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم ص ۳۳، ص ۳۴، ۲۰ فروری، ۱۹۰۴ء)

(۷) مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے اس قدر بھی اُمید نہ تھی کہ دس روپیہ ماہوار بھی آئیں گے مگر خدا تعالیٰ جو غریبوں کو خاک سے اُٹھاتا ہے اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے۔

۱۔ دس سال پہلے یعنی ۲۰ فروری، ۱۸۹۷ء تک کی یہ تہذیب (یعنی ساٹھ یا ستر آدمی) ذہن میں رکھیں۔ پھر مالی امداد نمبر ۳۶۲ ملاحظہ فرمائیں کہ ۱۸۹۷ء میں کتنی تہذیب تحریر فرمائی ہے مشوش ہے۔ دروغ گور حافظ نباشد (۱)

ہے۔ اس نے میری ایسی دستگیری کی کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اب تک تین لاکھ

روپیہ کے قریب آچکا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۱۱ مد ۲۱۲ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۸) اس وقت سے آج تک دو لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آیا اور اس قدر ہر ایک طرف سے تحائف آئے اگر وہ سب جمع کیے جاویں تو کئی کوٹھ ان سے بھر جاتے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۵۲ مد ۲۲۳ ۲۵۲-۲۵۳ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

(۹) دوسری پیش گوئی یہ تھی کہ ہر طرف سے مالی امداد آئے گی۔ یہ مالی امداد اب تک پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ آچکی ہے بلکہ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ڈاک خانہ جات کے رجسٹر کافی ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۵۵-۵۵۶ ۱۹۰۸ء)

(۱۰) اور جیسا کہ منی آرڈروں سے ثابت ہو سکتا ہے ایک لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آچکا ہے۔ (اسی صفحہ پر آٹھویں سطر میں فرماتے ہیں) ایک لاکھ یا کچھ زیادہ روپیہ اب تک آچکا ہے۔

(چشمہ معرفت، دوسرا حصہ - ص ۳۱۱-۳۱۲ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء (انتقال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء))

(نوٹ) اگر سنہ کی ترتیب کے مطابق ان رقوم کا جائزہ لیں تو سب

فرمیں ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ کہیں ابتداء دعویٰ سے ۱۹۰۲ء تک مجموعی

آمدنی دس لاکھ روپیہ تحریر فرمائی ہے، کہیں ابتداء دعویٰ سے ۱۹۰۸ء

تک مجموعی آمدنی ایک لاکھ یا کچھ زیادہ — کیا ان اقتباسات سے یہ

ظاہر نہیں ہو رہا کہ جس طرح جماعت کی تعداد میں گھٹات اور فرمیں

اسی طرح مالی امداد کی رقم بھی فرمیں اور درود ٹکونی پر مبنی ہے (ن ۱)

امت نبی بن گیا!

ایک شخص ساکن جموں چراغ دین نامی کی نسبت

اپنی تمام جماعت کو ایک طلوع

اس شخص نے ہمارے سلسلہ کی تائید کا دعویٰ کر کے اور اس بات کا اظہار

رکے کہ میں فرقہ احمدیہ سے ہوں جو بیعت کر چکا ہوں طاعون کے باسکے میں
 ایک دوا شہار شائع کیے ہیں... اب حوراء اس شخص چراغ دین کا ایک اور مضمون
 پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مضمون بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لیے مضر ہے۔
 اور سرے سے پیر تک لغو باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول
 ہوں اور رسول بھی اولوالعزم۔ پس یہ کیسی رسالت ہے۔ ناپاک رسالت ہے،
 جس کا چراغ دین نے دعوت کیا ہے۔ جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر
 یہ ناپاک کلمے منہ پر لادے کہ میں مسیح ابن مریم کی طرف سے رسول ہوں۔ پھر باوجود
 ناتمام عقل اور ناتمام فہم اور ناتمام پاکیزگی کے یہ بھی کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں۔ یہ
 کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی ہتک عزت ہے۔ گو یہ رسالت اور نبوت باندہ پڑ
 اطفال ہے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دوسرا مامور اور
 رسول نہیں تھا اور صحابہؓ ایک ہی ہادی کے پیرو تھے اسی طرح اس جگہ بھی ایک
 ہی ہادی کے سب پیرو ہیں۔ کسی کو دعویٰ نہیں پہنچتا کہ وہ لغو باللہ رسول کہلاوے
 میں تو جانتا ہوں کہ وہ ان تمام کو چوں سے محروم ہے اور نفس آمارہ کی غلطی نے
 اس کو خود ستائی پر آمادہ کیا ہے۔ پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع
 ہے۔ جب تک کہ منقطع طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے
 دعوے سے ہمیشہ کے لیے استعفی نہ ہو جائے۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ ایسے انسان
 سے قطعاً پرہیز کریں۔

(المشتبر خاکسار مرزا غلام احمد انقادیان۔ تعداد اشاعت ۵۰۰۰ - ۲۳ اپریل ۱۹۰۲ء)

داخلہ البلازم ۱۹۰۲ء، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۱۹۰۳ء

چراغ دین کی نسبت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ بخوشی سی غنودگی ہو کر مجھ کو
 خلعے عزوجل کی طرف سے یہ الہام ہوا منہل بہ جبیلین یعنی اسد پر جینز
 نازل ہوا۔... جبید واصل خشک اور بے مزہ روئی کو کہتے ہیں۔... اور مرد
 بخیل اور لئیم کو بھی کہتے ہیں اور اس جگہ لفظ جینز سے مراد وہ حدیث انفس اور
 اخلاص الاسلام ہیں جن کے ساتھ آسمانی روشنی نہیں اور بخل کے آثار موجود ہیں۔
 اور ایسے خیالات خشک مجاہدات کا نتیجہ یا تمنا اور آرزو کے وقت القاد فیضان ہیں

اور یا خشکی اور سردی مواد کی وجہ سے کبھی الہامی آہنہ کے وقت ایسے خیالات کا دل پر اتار دیتا ہے۔
(حاشیہ نمبر ۲ ص ۱۲۱ دافع البلاء)

حاشیہ نمبر ۲

رات کو عین خضوع و خجرت کے وقت چراغِ دین کی نسبت مجھے یہ الہام ہوا۔ اسی اذیب من یسبب طمیس غارت کر دوں گا۔ میں غضب نازل کر دوں گا اگر اس نے شک کیا اور اس پر ایمان نہ لایا اور رسالت اور مہم پر چمکنے کے دعوے سے توبہ نہ کی اور خدا کے انعام جو سالہائے درانہ سے خدمت اور نصرت میں مشغول ہیں اور رات دن محبت میں رہتے ہیں۔ ان سے عفو و تقصیر نہ کرائی۔ کیونکہ اس نے حاجت کے تمام مخلصوں کی توہین کی کہ اپنے نفس کو ان سب پر مقدم کر لیا حالانکہ خدا نے بار بار براہین احمدیہ میں ان کی تعریف کی اور ان کو سابقین قرار دیا اور کہا اصحاب الصفۃ و ما ادراک ما اصحاب الصفۃ۔ چراغِ دین کی یہ رسالت اور یہ الہام محض میسر اور اس کے لیے مہلک ہیں مگر دوسرے اصحاب جن کی توہین کرتا ہے ان پر مائدہ نازل ہو رہا ہے اور ان کو خدا کی رحمت سے بڑا حق ہے۔ ص ۱۲۱ ص ۱۲۲ - دافع البلاء

منوٹ ۱ جس طرح مرزا صاحب چراغِ دین جمہوری کے مضمون کو زہرِ لاف و خطرناک اور اسلام کے لیے مضر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا کھجور ہے، ہمارے نزدیک ان کے مضامین بھی انہی تعریفات میں آتے ہیں۔ جس نظریہ سے اس بات پر مقرر ہیں کہ چراغِ دین نے کیونکر ان کی دعوت کو کھینچ کر کے اور ان کے فرزند احمدیہ میں داخل ہو کر ان کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اسی نظریہ کے مطابق مرزا صاحب ہی کو کب یہ حق حاصل تھا کہ وہ محمد کو مسلمان کہہ کر اور محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر، ان کا امتی ہونے کا دعویٰ کر کے ان ہی کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھیں۔ خود انہوں نے بھی اپنے مضامین اور اپنے دعویٰ رسالت پر کیوں نہیں غور فرمایا؟ جب چراغِ دین جمہوری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کا تہ مقابلہ بن کر آجائے، تو مرزا صاحب کو کب یہ حق پہنچتا ہے۔ جس طرح مرزا صاحب کے خیال کے مطابق چراغِ دین کے دعویٰ نبوت سے ان کی ساری امت کی توہین ہوئی ہے، اسی طرح خدا ان کے دعویٰ نبوت

سے بھی بدوی امت مسلمہ کی توہین ہوتی ہے۔ اگر یہ جرأت چراغِ دین کے لیے جلنے قیمت تھی تو مرزا صاحب کے لیے بھی جلنے قیمت ہے۔ انہیں بھی بقول مخدو یہ ناپاک کلمے منہ پر نہیں لانے چاہئیں تھے۔ اگر چراغِ دین نفسِ امارہ کی فعلی سے خود ستائی میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مرزا صاحب کے لیے بھی اس کا امکان ہے اور ان سے بھی اس کا صدور ہو سکتا ہے۔ (ن-۱)

الہام وحی

الہام وحی کی تعریف | ہر ایک وحی جو ہوتی ہے ایک فولادی میخ کی طرح دل میں دھنسی جاتی ہے۔ یہ اسی وعدہ لا شریک

خدا کا کلام ہے جس کا کلام قرآن شریف ہے۔ (تذکرۃ الشہادین ص ۱۷۷)

سچی کلام | سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے اور دل پر اس سے ایک مضبوط ٹھوکر لگتی ہے اور قوت اور رعب ناک آواز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے۔ سچی الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے۔ اور نامعلوم وجہ سے یقین بخشتا ہے اور ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر گھس جاتا ہے اور اس کی عبارت فصیح اور فعلی سے پاک ہوتی ہے۔

(ضرورت الہام - ص ۱۹)

لیکن اگر کوئی کلام یقین کے مرتبہ سے کم تر ہو تو وہ شیطانی کلام ہے نہ ربانی۔

(نزل امیج ص ۳۸۱)

خدا کا کلام بندہ اور خدا میں دلالہ ہے۔ (نزل امیج ص ۳۸۱)

خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہوا ہے یا ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے۔ جس سے میں پیدا ہوا اس نے مجھے ایک وجود بخشا جو پہلے نہ تھا۔

(نزل امیج ص ۳۸۱)

۱۹۰۲ء فردی الہام : در کلام تو چیزے است کہ شاعر ادا مال و غنیمت

کَلَامٌ اُفْصَحَتْ مِنْ لَدُنْ دَبِّ كَعْدِيمٍ د

(ترجمہ) حلوے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا

جسم کو دیکھا تو میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔

(کتاب البریہ ص ۱۸۵ ص ۱۸۶)

• اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ یا قمرُ یا شمس انت متی وانا منک۔ یعنی اے چاند اور اے سورج تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ اسی طرح ایک دفعہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ انت متی بسنزلۃ اولادى انت متی بسنزلۃ لایعلمہا الخلق۔ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ اولاد کے ہے اور تجھ مجھ سے وہ نسبت ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔

• ایک دفعہ میں نے کشتی رنگ میں دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔

(چشمہ سحیح ص ۳۵۵ ص ۵۵۰ ص ۵۵۱ ص ۳۶۶)

• انت متی بسنزلۃ ولدی۔ تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔

(حقیقۃ الہی ص ۸۹ ص ۸۶)

خدا تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اُردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

خدائی ورود

• بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر ادوی ادا اسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ ہوگا۔ (رسالہ الوصیت ص ۳۰۲)

پہلی پیشگوئی ۱۸۸۷ء ہفتہ کاروز تھا اور دو پہر کا وقت تھا کہ مجھے کچھ خود گی ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا والشماع والطارق۔ یہ پیشگوئی میرے والد کے متعلق ہے۔ اور وہ آج ہی غروب آفتاب کے بعد وفات پائیں گے اور یہ قول خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور ماتم پڑی کے ہے۔ (نزول المسیح ص ۱۱۶ ص ۴۹۴)

الہام نمبر ۲

پیشگوئی نمبر ۱ متعلق، پھر یک دفعہ خود گی آئی اور یہ الہام ہوا اَلسَّیْبُ اللّٰهُ مُبْکَاہُ عَسَلُہُ کیا خدا اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہر ایک پہلو

سے وہ میرا ناصرو معادن ہوا۔ مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی فکر تھی۔
مگر اب تک اس نے کئی لاکھ آدمی کو میرے دسترخوان پر روٹی کھلائی۔ ڈاک خانہ
دالوں کو خود پوچھ لو کہ کس قدر اس نے روپیہ بھیجا۔ میری دانست میں دس لاکھ
سے کم نہیں۔ اب ایمانا کہو کہ یہ معجزہ ہے یا نہیں۔ (نزدول مسیح ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)
(نزدول مسیح ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)

وحی پیشگوئی نمبر ۱۰-۱۸۸۰ء انا اعطیناک الکوشی یعنی ہم تجھے
بہت سے ارادت مند عطا کریں گے اور ایک کثیر جماعت تجھے دی جائے گی۔ دیکھو
اس پیشگوئی کو بیس برس گزر گئے اور اب وہ کثیر جماعت ہوئی اور نہ صرف تشرنار
بلکہ اب تو یہ جماعت لاکھ کے قریب ہو گئی اور ان دنوں میں ایک بھی نہ تھا طاعون
کے دنوں میں کامل ظہور ہوا۔
(نزدول مسیح ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۳۱)

وحی : پیشگوئی نمبر ۱۹-۱۸۸۰ء جس زمانہ میں براہین چھپ رہی تھی روپیہ
کی آمدن میں قدم قدم پر تنگی تھی۔ کوئی جماعت نہ تھی جس سے چندہ لیا جائے ،
اس لیے مدت تک مسودہ کتاب کا معطل پڑا رہا۔ اور الہامات تسلی دیتے تھے کہ
یہ تمام کام ہو جائیں گے اور ایک جماعت بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ مجملہ ان کے بعض
انگریزی الہامات ہیں اور میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس کو چسے بالکل ناواقف
ہوں۔ ایک فقرہ تک مجھے معلوم نہیں مگر خارق عادت طور پر مندرجہ ذیل الہامات
ہمے۔

• آئی کوئی۔ آئی ایم و دیو۔ آئی شل سیلپ یو۔ آئی کین ویٹ آئی ول ڈو۔
• آئی کین ویٹ دی ول ڈو۔ گھاڈ از کنگ بائی ہزارری (صفحہ ۴۸ و ۴۹)
ترجمہ : میں تم سے عبت رکھتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری مدد
کروں گا۔ میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا۔ ہم کر سکتے ہیں جو چاہیں گے۔ خدا ایک
شکر لے کر چلا آتا ہے۔
(نزدول مسیح ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۳۷-۱۳۸)

پیشگوئی نمبر ۲۹-۱۸۸۰ء تاریخ لہور پیشگوئی ۱۸۹۵-۱۸۹۶ء
وحی : اَلْفَتْحَةُ هَاهُنَا ضَرْبُ كَمَا صَبَّرَ اَوْ لَوْ الْعِزْمُ دِكْهُو بِلَاہِنِ اَمْرٍ
اور اس وقت تیرے لیے ایک فتنہ برپا ہو گا۔ سو صبر کر جیسا کہ اولوالعزم

نمبروں نے صبر کیا ہے۔ (نزل المسیح ص ۱۶۹) (۵۲۹)

الہام : ہی از و دیو توکل یعنی (ترجمہ) وہ دشمن کو مغلوب اور ہلاک کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہے۔ (تذکرہ ص ۶۵)

الہام : وی دیو شل کم دین گاڈ شیل ہیلپ یور کلوری بی ٹو دس لارڈ گوڈ میکراؤن ارتھ اینڈ ہیون۔

الہام : آئی ٹویر آئی شل گو یو لارنج پارٹی آف اسلام (ترجمہ) میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں ایک بڑا گروہ اسلام کا بدل گا۔ (تذکرہ ص ۱۱۱)

الہام : یوسٹ ڈو وہٹ آئی ٹو لڈ یو۔ دو آل من شڈ بی انگری بٹ گاڈ از و دیو۔ ہی شل ہیلپ یو۔ وارڈس آف گاڈ ناٹ کین ایکس چینج۔ ٹو ہینو ٹو

گواموت سر۔ ہی ایل ٹشن ان وی ضلع پشاور۔ (تذکرہ ص ۱۱۱)

دس از مائی یعنی (یعنی یہ میرا دشمن ہے۔ (تزیق القلوب ص ۲۶۵)

اسے ورد اینڈ ٹو گرلو۔ (تذکرہ ص ۵۹۳)

یوسٹ ڈو وہٹ آئی ٹو لڈ یو۔ تم کو وہ کرنا چاہیے جو میں نے فرمایا ہے۔

(یہ اردو عبارت بھی "الہامی" ہے) دو آل من شڈ بی انگری بٹ گاڈ و دیو ہی شل ہیلپ یو۔ وارڈس آف گاڈ ناٹ کین ایکس چینج۔

حاشیہ : چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے اور الہام الہی میں ایک

شرعت ہوتی ہے اس لیے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں

کچھ فرق ہو۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہ خدا تعالیٰ انسانی

محدولت کا پابند نہیں ہوتا کسی اور زمانہ کے متروکہ محاورہ کو اختیار

کرتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض جگہ انسانی گریمر یعنی

صرف و نحو کے ماتحت نہیں چلتا۔ اس کی نظریں قرآن شریف میں

بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت ات هٰذَانِ لَسَاحِوَاتٌ۔

انسانی نحو کی رو سے ات هٰذَانِ چاہیے۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

منوٹے : جرات و محظ ہوا اپنے کلام کے عجب کو چھپانے کے لیے اللہ تعالیٰ

کے کلام پر اعتراض وارد کر دیا۔ (نصیر احمد)

(جارجے ہے)

ایں چہ نوا العجیبت؟

نذر عبد الرحمن خان مہمند

پاکستان اسلام کو ایک قوت کے طور پر استعمال کرتے ہوئے وجود میں آیا۔ ایک غیر ملکی مستبدانہ نظام کی اہل
استعماری طاقت اور ہم وطن سکارداد شکاری کا حل عظیم اکثریت کے مقابل ہمارے پاس اپنے نقص کو منوانے اور
تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے اندر اپنے وجود کی بقا و نشوونما کی خاطر اس کے سیاسی الحقیقت اور کوئی
چارہ ہرگز نہیں تھا کہ ہم اپنے مخصوص بنیادی جند ترکیبی کی بنا پر اپنی الگ قوتیت کا غور بند کریں: اسلام کو غلط
پاکستان کی شکل بننے سے بہت پیشتر جبکہ بڑے معر مند میں مسلمان ایک *Ummah* کے طور پر نہایت
واضح، متمیز اور اپنی بہترین شناخت رکھتے تھے یہ کسی غرضت محسوس ہی نہیں کی گئی تھی کہ اپنے مذہب و اہل کو غفلت
یا حرام مستقبل کی بنیاد بنایا جائے۔ چنانچہ زمانہ ان حالات سے لے کر مغربی مذہب حکومت تک کے طویل عرصہ میں
مصدقہ سے چند محکموں کو بخود کی طور پر چھوڑ کر ہمیں بھی اسلام ایک نکل دین کی حیثیت میں کار نامہ نظر نہیں
آتا اور تمام ادارے جو اسلام کے حوالہ سے ایک دوسری ریاست میں ہونا ناگزیر ہیں اپنی روح و جسم کے
اعتبار سے قریب قریب نامید کے دائروں میں شمار کیے جاسکتے ہیں اور اسلامی شناخت پر یعنی اہل دار الف نظام
حکومت و مثالی صالح معاشرے کے کوئی اجزاء ہر چیز کہیں کہیں ہے۔ یہی حدود میں داخل ہوتا
ہیں۔ وہ یہ ہے کہ قوام پر یعنی شہنشاہان نظام ریاست کی بدولت اور اپنے مخصوص پس منظر و پیش منظر کی بناء
پس طویل دور کے محکموں کو یہ بصیرت حاصل ہی نہیں تھی کہ اسلام اپنی کل کے اعتبار سے متعدد واحد کا حامل ہے
یعنی انسانیت کو کوثر و شرک اور لادینیت کی تاریکیوں سے نکال کر طر و ایمان کی روشنی میں لاننا اور ہر مذہب کا خدا سے
واحد و برتری کی روشنی میں اپنی بہترین ساخت پر پروانا مسلمان کا انفرادی سطح پر بالعموم اور ریاستی سطح پر بالخصوص
میں فرض منصبی ہے اور یہ جوش ہے ایک تنہا اور باکھد صالح معاشرے کے پر شکوہ پودے کی!

اگر یہ مقصد و اعتقاد پیش نظر ہوتا تو صدیوں پر مشتمل عمرانی کام پے بہترین اسلامی و عمرانی نتائج کی کسوٹی پر
پرکھتے ہوئے ہم ایک دست بخت میں متیقن حاکم از دور سے توجہ کر سکتے تھے اور آج کا جہان فیہ الہی بیئت کے ساتھ
ساتھ اپنی تاریخی سے بھی یقیناً مختلف ہوتا: کہہ دینے کے اس عظیم خشک و متشعل گڑھے پر اگر صحیح اسلامی معاشرے
کے خد و خال نمایاں ہو جاتے تو زمین کے ہائی و سچ و درمیں مخلوق کے باہیوں کی زندگی میں بھی ایک انقلاب عظیم
کی توقع رکھی جاسکتی تھی اور آج یہ علاقہ باہم کو کوثر و کھانا اب تک شاید قریبی بیرونی تصادم کی لہروں سے بھی اٹکنے کی
مز نہیں ملے کہ چکا ہوتا!

مگر جو منظر کی توقع تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان محکموں نے (ان کا خدا اہل
اپنے فرض اولین کی طرف توجہ کرنے کی بجائے باہمی منافقت، اکیر و کپیٹ و عجمانی سازشوں اور اقتدار کے
حصول یا حاکم اقتدار کی جدوجہد میں ہی اپنی جو صلاحیتوں کو کھپانا کامیابی دلا کر ان کی کید بنے بغیر سمجھ لیا۔

زیادہ سے زیادہ توجہ اگر کسی سر پرستی کی کے ساتھ مرکوز کی تو وہ محض ہوس مجروح الائنس ہی تھی۔ ایک ایسی
 فتح کی طرف قدم بڑھائے جاتے جس کے پیچھے اس علمی طرز فکر کے ہوا کوئی اعلیٰ تعمیری سوچ کارفرما ہی نہ ہوتی کہ
 غفلت کی تحصیل سیاسی حدود کی وسعت میں منحصر ہے! ایک ایسی سیاست کی توسیع جو دعوت الی اللہ کا کام مطلقاً
 اور نہ ہی بالفعل سر انجام دیتی ہو، کے لئے ہزاروں انسانوں کی قربانی اسلامی نقطہ نظر سے محض نظری ہتھیار ہے گی۔
 لیکن شخصی وجاہت اور خاندانی امارت کا نشہ کچھ ایسا تیز چڑھا کہ حقیقت نفس الامری مسلمانوں کی دماغ سے
 اوجھل ہو کر رہ گئی۔ احقاقیق اور ابطل باطل کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے وسیع اختیارات اور سببوں کا
 پرکھ و پیش منکر نہ کن کی بنیاد پر مسلمان حکمران اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کی کوئی سجدہ کوشش
 باخود کر سکتے تھے مگر اس کے برعکس تاریخ کے اوراق ہمیں کچھ بھی کی یہ سادہ تصویر دکھاتے ہیں کہ غیر مسلم رعایا
 کے ساتھ ناروا فیاضی کا سلوک نہ دار دکھاتا ہی اسلام کی بہترین خدمت سمجھ لیا گیا بلکہ ایسے وسیعہ باطن حکمران
 بھی اپنی عظمت کے لحاظ سے عرصہ دراز تک بیٹے رسبے کو جنہوں نے شرک و کفر کو ایران حکومت کے اندر لگا کر
 سبایا اور دھڑچول کو از کعبہ بر فریاد کیا اند مسلمانوں کے مصداق الحاد و پیوند کاری کے جڑاؤ اسلامی
 ریاست کے سربراہ امور ہو گئے تھے اپنے داعی حق کے مقام کو کمزیر پس پشت ڈال کر خود اپنے اہتوں سے
 لگنے کی بے باکانہ ہمت کی۔ جو کچھ ایسے کم کردہ راہ حکمرانوں کو اکثر و بیشتر مرغ دست آموغ نہاد باہمی
 دشمنی پر و دہ میں مل ہی جایا کرتے ہیں لہذا جس کسی نے بھی راہ راست سے ہٹ کر علیحدہ ڈھلے بجھنے
 کی کوشش، گال ملانے والے اسے وہیں سے فوڑا مل جاتے رہے اور ملت کا کارواں دوسروں پر
 محبت بننے کی بجائے خود اپنے دین کے لئے ایک مضحک صورت حال اور افسوسناک نتائج کا پیش خیمہ
 بناتا !! جب جگہ لے والا خود ہی سو جائے اور دوسرے کو یہ علمنا پسند نہ کرنے کی اجازت
 دے تو نہ توئی کی حقیقی نو کہاں سے پیدا ہوگی؟

دلیل تاریخی تناظر میں جہاں ہمیں انتمش و دلنگ زیب جیسے دلوریش صفت حکمران نظر آتے ہیں
 وہاں ہم بھی ساتھ ہی دیکھتے ہیں کہ محض ایک شخصیت کے اپنی ذات سے سمجھنے والے اثرات کوئی ہمگیر
 دائمی نہیں ہوتے جبکہ وہ شخصیت اپنی مخصوص طبیعت کے اعتبار سے ایک خاص دائرہ عمل میں ہی اپنے
 آپ کو محدود کر کے اہد اپنی حیثیت کی کے لحاظ سے حقیقی طور پر مطلوب کردار کا مظاہرہ نہ کرے یا پھر وہ
 نہ کر سکے! حکمران اگر ریاست کا سربراہ وہ ترین شخص ہوتا ہے تو احتساب و پرسش اور تنقید و تنقیح
 کے لحاظ سے بھی اس پر بڑی بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں لیکن اس زیریں میں ملت اسلامیہ کی یہ
 بڑی بدقسمتی رہی کہ عمومی طور پر حکمران اسلامی اپنے ہی محدود دخیالات و افکار دچا پے وہ ان کی شخصیت
 غفلت کی پنج پر کھٹے ہی متھن کیوں نہ ہوں، میں غلاں و میاں سے چارہ نہ تو اندر ملتی طور پر انہوں نے
 مستقل دل جمعی اور ایک مضبوط منصوبہ بندی کے تحت غلام اسلام بندہ کرنے کے لئے کوئی قریح کوشش
 کی اور نہ وہ اصلاحی مملکت و معاشرہ اور نظام دین کے فریضہ ادائی سے فارغ ہونے کے بعد بیرونی باتوں
 میں اسلام کی شعلہ پر جہاں بہت ہو سکے! یہ حقیقت کس قدر تکلیف دہ ہے کہ صدیوں تک ایک انتہائی وسیع حدود
 زمین پر عظیم لشکر مملکت و مہمت نہ کرنے کے باوجود ہمارے بزم غریب مسلم حکمران بہترین حکمت، راست تعلیم
 و تہذیب، امن و امان، دائرہ قوت و تہذیب کے جس قدر استعمال اور غور و فکر کا مجموعہ تھا، کہ نہ

کے باشندہ دل کی ایک عظیم اکثریت کو جلا وطن بنی، ذکر کے جبکہ دوسری طرف تاریخ و طبیب ہمیں یہ متاثر بھی دکھائی
ہے کہ باطل ادیان و فکر کو اپنے عقیدہ و فکریں میں اس طرح ماکھول نے قوت کا ہر اہم سال کے استعمال میں یا استعمال
بالحکمت سے نہ صرف غلبہ پھیلایا بلکہ دیرپے متول کے ذہنوں سے پرانے یقین و ایمان اور اعتقاد و اعتقاد کے نقوش
گھر ج کر رکھ دے؛ جب باطل اپنے عام اور احمقوں کے نظریہ کے لئے اتنا مخلص ہو سکتا ہے تو کیا یہ محسوس
صرف مسلمان حکمرانوں کے مقتدر میں ہی لکھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مبنی برحق اعلیٰ ترین نظریات کے لئے نگوہش کے
میدان میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانے سے شجوری یا شجوری طور پر عاجز رہ جاتے ہیں؟ مسلمان سلطنتوں کے
بسا اطف و نشر کے مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔ مگر جس وقت قہقری کا کل بھی کم و بیش ساتھ ہی ساتھ جاری رہتا ہے؛
آہام کی گھبراہٹ اور انتہائی کوتاہ اندیش نہ لکھیوں اور لغزشوں کا خمیازہ مسلم ملت کو یہ صغیر بند میں یوں بھگتنا
پڑا کہ کل کے پڑھوں، حاکم آج کے کبکیت و ادب میں ڈوبی ہوئی قوم میں تبدیل ہو گئے۔ اور چونکہ یہاں وسیع ترینی
کی بنیاد پرانہ صحت دین کی کوئی وسیع کوشش کبھی کسی سنہری دور میں ہی انجام نہیں کی گئی تھی، لہذا اب کل کی عظیم
اکثریت کا غور و فکر صرف اپنے پچھلے طاقت اور اندیش فیاض دور و ادب حاکم کو محکوم ملکہ درحقیقت معدوم کر دینے کی
نیت و جذبہ کے ساتھ آگے بڑھا اور نئے انقلاب کے باوجود ٹھنک اثرات کے تحت اپنے منفعلی اور وقت شناس
طرز عمل کے باعث ممکن ہے کہ ملت اسلامیہ نرم و نوازشت ہوئی اور اس بر عظیم میں عدم کی طرف بڑھنے والی رنگ
لائن (red line) کو وسیع زمانی دائرہ اور تہہ و تہہ تہذیبی، معاشی اور سیاسی اصول
میں اپنی زبشت خواہ انتہائی تنگ نظر اور اسفل مزاج کی حامل متحابہ اکثریت کے لئے سب سے جال میں نقطہ منتہا
تک پہنچا دی، مگر قدرت کو یہی دم آگیا اور اعلیٰ ملکی پاداش میں زمانے کا تہہ کھانے کے بعد ملت کی ڈوبی ہوئی کشتی
کو ایسے ناخدا بٹے چلے گئے کہ جنہوں نے اپنی اپنی سمجھ و فہم کے اعتبار سے اپنی اپنی مخصوص حدود و قیود میں بقائے
ملت اور بچاؤ کے لئے اخلام و جہد سے ہمہ گیر کوششیں کرنا شروع کر دیں۔
بقا اور احیاء کا یہ دور بھی قریباً ایک صدی کا وقت خیر لے گیا۔ اور آخر کار طویل پیچ اور دشمن جہد کے
نتیجے میں وہ روشن صبح طلوع ہو گئی کہ جس میں ایک نئی زندگی کا آغاز مسلمان قوم کے لئے مجموعی طور پر اور خصوصی
فردی سطح پر ایک مخصوص اور محدود و درجہ وقت کے لئے ابتدائی نشو و نما کا مسلمان قوم کو دیا گیا تاکہ بعد ازاں ضروری
کمیت کرنے کے بعد بقیہ محکم ملت کی رہائی عمل میں آسکے؛ لیکن اس روشن صبح کے افق پر واضح مقاصد کی خاطر
جھیل گئے۔ شدید اجتہاد اور پیش کی گئی عظیم قربانیوں کی سرخی اتنی زیادہ گہری تھی کہ اگر صرف وہ خوب نکال نظر کی
میں حیثیت انعام سب کے پیش نظر رہتا اور بالخصوص جو ان قوم اگر کسی خوبی و خلق نہ لگندے کے غیر سے اٹھنے والے
واجبات کو اپنے اہداف میں تبدیل کر لیتے تو یقیناً آج کا نقشہ کچھ بہت ہی مختلف ہوتا؛ کیونکہ راست سمیت میں ترقی
طور پر اٹھتے ہوئے قوم بھی بسا پیشوں سے آشنا نہیں ہوتے اور صحیح ناویہ پر کیا گیا درست کام جس کی بنیاد پر فلسفہ
و نظریہ نہ کبھی کام نہیں ہوا کرتا مگر

ہے اسے بسا آندہ کر خاک شدہ

قائم مقام کو ہم اس لئے کسی طرح بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ قیام پاکستان کے بعد انہیں اتنی فرصت
و ہمت بھی دل کی کہ وہ ایک پائیدار اور حقیقی معنوں میں اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ و دور رس تشکیل کر سکیں۔
اور اگر حاکم سال کی مدت کوئی اتنی حقیر نہیں ہو کر تھی جو نوٹائیہ ریاست کو وہ پیش شدہ اندرونی و بیرونی جا

اور ان کی انتہائی عدم صحت مطلوب بنا ڈھا پکڑا کرنے میں مانع ہو گئی۔ اب اس ہمارے ناک و وقت کی گھن گوں اور
 فوری نوعیت کی پیش آمد پریشانیوں، کشتوں اور چیلنجوں سے عہدہ بردہ ہونے کے لئے انہوں نے جس مراسمے
 تین ماہوں سے بے رحمانہ کام لیا، حقیقت یہ ہے کہ ان کی کھلی تمام بند کرداری، اولوالعزمی اور عظیم لیڈر شپ کو ایک
 طرف رکھتے ہوئے بھی ان کی اپنی شخصی عظمت کے ثبوت کے لئے مجرور طور پر صرف یہی امر پیش کیا جاسکتا ہے
 وہ اگر صحت مند سپانوں پر مزید دس سال بھی فعال رہ سکتے تو یہ ایک بدیہی گمان ہے کہ بات اپنی صحیح ترتیب
 سے طے پا جاتی اور قافلہ قدرت کافی آگے بڑھ چکا ہوتا! لیکن اللہ رب العزت کو اگر ان کی رحلت ہی منظور تھی۔
 جب بھی اللہ و رسولِ مسلم کی زندہ وابدی ہدایت، طویل تاریخی آگہی اور خود بانی ریاست کے نئی تعمیر و ترمیم کے
 حوالے سے دشمنان، مخالفان و اعدائے ملت کے اس کارواں کو آگے کی راست سمت میں بڑھانے کے لئے

بہت کافی تھے! ————— ہوا یہ کہ، کھوٹے کئے، نئی منڈی میں چلے گئے، کساد بازاری میں
 اصولوں اور اخلاقی قدروں کے بجا ڈالتے گزرے کہ صرف شخصیت کا دیوبانیہ معنوی جامے سے باہر نکلیا۔
 اعلیٰ مناصب اور اقتدار کی امانتوں کے عین وقت کے طور پر کیا پہنائے، وہ تو سطحی معیارات سے بھی نیچے
 جا گئے! وسیع تاریخی تنقید حقائق کا بخور یہ احساس دلانے کے لئے کافی تھا کہ انہیں متین کردہ منزل کی
 طرف تیز و بڑھنا پڑے گا مگر لحاظی فوائد، عبوری عشرتیں اور عارضی نشہ اقتدار ان سے عقل و فہم اور راست
 ماہ و گل اپنانے کی ساری توفیق چھین کر لے گیا۔ ہونا تو یہ جاسے تھا کہ اسلام و جو بنائے قیام تھا، کو ایک
 مکمل نظام حیات کے طور پر اختیار کرنے کے لئے ہر جہتی کوشش کا آغاز فرما دیتا تاکہ اصل منزل کی جانب
 راستے سے ٹکیرے نہ جاسکیں، لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ لطائف الحیل لغویت کی حد تک کٹ جھٹکتے سے کام
 لیا گیا۔ مرضی مولانا زہرہ اولیٰ کی تقلید کی بجائے اپنے دین سے کھلے اعراس کا تسلسلہ شروع کر دیا گیا اور
 کس قدر ندامت کی بات ہے کہ وہ ریاست جو خدائے بزرگ و بقہ کے ساتھ شہادت علی الناس کا عہد
 بالجبرم کے حاصل کی گئی تھی اور جس کی تشکیل کا مقصد دیر در دیر میں قرآن و سنت کے برقرار و برحق
 احکامات کو تجربہ کی کسوٹی پر نکھار کر بقیہ و سیح انسانیت کے لئے انجام حجت گناہی اندوس الا تشہاد
 قرار پایا تھا، اسی ریاست کے خود کار فرما والی موالی اسے مسکوس رُخ پر لے جانے کی کوشش میں ہمہ تن
 اخلاص بن گئے اور اگر کسی مروج نے توجہ دلائی کہ کئے گئے عہد و پیمان کے مطابق دین کی لفظاً و معنیاً تحفظ
 کا اہتمام کن عہد اللہ و عہد الناس ایک ناگزیر اقتصاد ہے تو جواباً قبضہ و دست کرنے کی بجائے کٹ کٹا
 چھین کس کس کی تھوڑا لٹنے کی کوشش کی گئی اور نقصان کا جو دم ٹھہرا گیا، مگر انی الا تھتہ
 کس کی اڑی! حقیقی استہزائیں کس کا ہوا! صحیح معنوں میں اللہ و قوم کے نزدیک حجم کون ٹھہرا! ————— اس
 کے جواب کے لئے کسی حقانہ دہر کی ضرورت نہیں ہے۔

ایسے ایسے جہل مرکب مکران اس ریاست و خدا داد کو دیکھنے نصیب تھے جو تقاضا اسلام کے مطابق
 کو ذلیل وادی کی سلن پر چڑھا تا اپنی ہوشیاری کی ایک حکم و میل سمجھا کرتے تھے اور جن کا سامان زبانی حال کی بجائے
 زبان مقال کی نوک پر ہی رہتا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا، ہر دم خود پہلے سے بڑا، یہاں بسا و حکومت
 بچھا مارا۔ جمادین، چلت چھرت میں بڑا تیز خود کو چھوٹی سی کا انتہائی باہر سمجھتا تھا اور قوم کی منہ پر تھمت

کلویدلہ اکثر بحیثیت مسلم حکمران کھراں کی حقیقت اس کا ہے ! یہ سمجھنے سے گھبراہٹنا چھٹن جسکی پٹھان
 میں ریاست کا ایک بازو ٹوٹنے پر بھی کسی کو غضب خدا سے ملے کا خیال نہیں آیا کسی نے قوم کے مشرک شکیب
 کا امتحان لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور کسی نے علی قدر مراتب اپنے فرض حقیقی کی طرف مراجع ہونے کی ضرورت
 محسوس نہ کی ! قوم اگر اصل مقاصد کے تکمیل پذیر نہ ہوتے پر کوڑھتی ہے تو کرہ حقیقی رہے لیکن اعلیٰ سطح پر پروردگار
 وہیں ہے گا اللہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تجھ کو بھی لے لے دوں گے۔
 کارنامہ ملی اتوار کا یا جائے گا ! قوم زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کر سکتی ہے تو فقط یہ کہ کبھی کبھار کسی مخلص (بظاہر)
 راہنما یا رہنماؤں کی کیا پر اپنے بنیادی قلبی جذبات کی شدت کے تحت بے نظیر قربانیاں پیش کر دے۔ نقشہ خط
 جانے کا مگر نہ تو راہنما یا رہنماؤں کا خلوص سچانے کا اور نہ ہی ملی طور پر موجود تاج کی بہادر پرائی خزاؤں پر محرم
 ہونے کے گی۔ اور قوم کی اس ضرورت سے زیادہ دین پسندی کے لئے یہی تازیانہ کافی رہے گا۔ یکے کے
 اضطراب ایک دوسرے کی راہنما !

لیکن کرہ صحن کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور لازم نہیں کہ اگر باز اول میں لوگ بظاہر ویسے ہی خوش و خرم نظر
 آتے رہیں تو مطلب یہ لیا جائے کہ سب مطمئن ہیں یہی غلطی ہمارے سابقہ حکمرانوں سے ہوتی رہی اور موماہی
 وہ معمول ہوتی ہے کہ جس کے نتیجے میں انقلاب کا لاوا جب زیر زمین کچنے کچنے یکدم ابلتا ہے تو مقابلے کی تاب
 نہ پا کر مکران جبرانی سے پوچھتا ہے کہ کیونکر ہوا ! ظاہری سطح پر مزاج قومی ٹھنڈا ہوا اور غیر ذمہ دارانہ نظر آتا ہے مگر
 حقیقت یہ ہے کہ اپنی تمام تر بد اعمالیوں اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کے باوجود یہ قوم بنیادی طور پر اسلامی و سیاسی
 شعور کے اعتبار سے زبردست فائدہ دہن رکھتی ہے۔ قوم بحیثیت مجموعی ہر بار ایک نئی امید باندھتی ہے کہ ہمارا
 رہنما سربراہ ایک نظریاتی مسلم ریاست کے امیر کی حیثیت میں اپنی ظاہری و باطنی ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کرنے کی
 سعی فرود کرے گا لیکن پھر آہستہ آہستہ جب توقعات نویدی کے بھوند میں پھنس جاتی ہیں تو افراد اپنے اپنے خاندان
 عمل میں اپنی اپنی بے اعتدالیوں کو یہ جواز دیتا کہ لیتے ہیں کہ جب حکمران ہی اسے قول و فعل میں مخلص نہیں اور
 اپنے فرائض سے غارت غفلت بہت رہے تو ہم کیا کریں ! ہمیں اسی رنگ میں رنگے ہوئے معاشرے میں عزت کے
 ساتھ زندہ رہنا ہے اور اس کے لئے بہت کچھ میں ہاتھ دھونے کے مواقع دوسروں کے ساتھ اگر ہمیں بھی حاصل
 ہیں تو۔ کفران نعمت کہہ کے ہم خود کو مطالب میں کیوں ڈالیں ! اس طرح منطقی سوچ کی لاغتیا ہی لہروں کا یہ تانا بانا
 انجمن سلیمانی آگے بڑھتا ہے اور بدیہی کو بزدلی کے ایک دیے سے دھڑکاتا دھڑکاتا جلتا ہے۔ اصرار ان بہت سے
 جلتے ہوئے دیوں کی تاریک دشمنی کم درجہ سادے آئین کو منظور کر دیتی ہے تو ایک ایک نیت حکمران جو عرصی ہو گیا
 کے باطل چھا جاتے ہیں اور وہ اپنے تئیں پورے انشراح صدر کے ساتھ بیحد پیش کرتا ہے کہ من حیث مجموعہ
 قوم میں۔ مراد و غنیمت انہنے کا مدیہ موجود ہی نہیں۔ لہذا اگر ایسے احوال کشاکش میں مصلحانہ کدے بنے پر قوم کوڑھتا
 مقصود ہے تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ قدم بہت ہی آہستہ آہستہ اٹھے بڑھانے جائیں۔

چنانچہ پھر تدریج کے فلسفے پر عمل شروع ہوتا ہے۔ ایک ایسی عمدہ جو صحیح تو اسلامی فہم اور انسانی عظمت
 و دھماچ کو متحرک رکھتے ہوئے سادہ سادہ نمائندگی نہیں ہوتی۔ ایک نیت حکمران نیت کی تردید کھانا اچلانے کی بجائے
 کبھی ایک شعلہ کا شعلہ ہے اور کبھی دوسری طرف سے پتے مٹاتا ہوا نظر آتا ہے لیکن انہی دیر میں پہلی شعلہ مٹا

مسجد میں شروع کر دیتی ہے اور جب وہ پہلی شاخ کی طرف دوبارہ جھکتا ہے تو تیسری طرف کو نہیں مگ رہی ہوتی ہوتی
 اس طرح اس کی مثال اس پر وہ ہے کی سی ہوتی ہے جو اپنی بیڑوں کا بچاؤ سانپ کے مارنے کی بجائے مرنے کی ڈیسی
 جانے والی بیڑے کے الگ الگ علاج کے اصول پر کرتا ہے۔ وہ معائنے کو صحیح طریق پر نبھنے سے یا تو واقف نہیں
 ہوتا یا بھروسہ کرنے میں اسے خواہ مخواہ کے احمقوں سے خدشات پریشان کرنے لگتے ہیں۔ وہ اگرچہ صحیح معنوں
 میں ایک اسلامی غلامی مملکت کی اٹھان کے ارادے باز ہوتا ہے مگر اس کا عمل اس کے عزم سے متعلق صریح مقصدیت
 کے بالکل نقیض پڑتا ہے۔ اصلاح کا پیر اٹھا تا ہے مگر بیچ میں ہی لشکر ڈال کر کسی دوسری سمت میں اپنی کشتی لے کر
 چل پڑتا ہے۔ بہترین دین پر مبنی اعلیٰ نظام کی پہلانی فصل کے حصول کی غرض سے بڑے اخلاص کے ساتھ بیچ ڈالتا
 ہے مگر وہ تو انتہائی گراں قیمت بیچ ڈالنے سے بیعت ضروری سطح پر زمین کی تیاری کی حقیقت محسوس کرتا ہے اور
 نہ ہی وہاں پہلے سے آگے ہونے والے پھل ہٹا کر بل جلاتا ہے۔ چنانچہ اس کا اچھائی کی طرف رخ کرنا سارا سفر اور نیکی
 کے کلید گزرا رہا ہے۔ ساری کی ساری سچی سچی کامیابی کی طرف جاتی ہے جس کا سب سے پہلے نتیجہ یہ نکلتا ہے
 کہ ناکامی کی اصل وجہ پر نظر تو کم ہی لوگوں کی ہوتی ہے مگر عمومی طور پر بیچ کی انعدیت ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے
 وہ اپنے دوام بحران کی اساس مبادیات دین کی تنقید و تکمیل کے بعد اب تک عزم اور عہدوں پر کھتا ہے
 مگر وہ خود گاڑی کو سیدھا چلانے کی بجائے براہِ لاغوں پہلے پھرتا ہے اور اگر کوئی اس کی کوتاہی کی نشاندہی
 کرتا یا قطعیت کے ساتھ کرے گی کو شش کرے اور انجمن کی بنیادی خرابیوں اور مافوقی کو لگنے والے جھٹکوں
 کی وجہ انہی مبادیات دین کے ضوابط کی روشنی میں بیان کرے تو وہ اکثر دینتر سے دینتر افتاء ہی نہیں سمجھتا۔
 کیونکہ "ذی فہم" اور "اب خیر" سے وقف "میران کرام کی" نظر میں ہیں۔ یہی طرز عمل حالات و واقعات سے
 مطابقت رکھنے ہوئے سود مند ہوتا ہے اور اگر کبھی وہ "مخلص بحران" اپنے فطری اخلاص کی جبلت کے تحت
 صاحبِ بات پر کان دھرتا بھی ہے تو مختلف نام نہاد خدشات اور "درباری اراک" کی طرف سے پیش کی گئی مروج
 منشی نتائج کی ہولناک تصویر کشی عملِ مثبت کی راہ میں پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ اور خیر نکلتا ہے اور اچھا ڈھاک
 کے تین بات بات وہیں آگئی رہ جاتی ہے۔ بلکہ درحقیقت وقت کے ساتھ ساتھ مسکون سفر طے کرتی ہوئی پہلے
 سے زیادہ مشکل حصہ پیدا کر دیتی ہے۔
 (باقی آئندہ)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ تَعْلَمُ الْقُرْآنَ عِلْمًا

مرکزی نمبر خدام اقران لاہور

کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ



سائنس کی کتاب

ڈاکٹر اسرار احمد
ایک اہم تقریر جو اب کتابی شکل میں
شائع کی گئی ہے

صفحات — ۲۸

قیمت: ۳ روپے صرف

میں کاپتہ

۳۶ کے ماڈل نمونہ لاہور

فرمان — ۸۵۲۶۱۱



ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشنویس، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
ایڈیم پیڈنگ
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب



سرور فریڈ رائیڈ کینیڈا

۱۹۷۰/۷۱



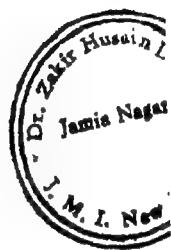


عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَرَحِيٍّ يَحِبُّ لَخِيهِ مَا
يَحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلامؐ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک مکمل ہو گا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔



رشید جیولری ہاؤس

لاہور

سوپا بازار ٹپل روڈ

۳۱۱۴۴۰ — ۳۰۲۳۳۳ ۶۲۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید



ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینجو انٹرنیشنل

بحرآمدی اشیاء

آرٹ سلک فبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
 کاٹن کلاچہ : کاٹن گارمنٹس : اصرام تولیہ : تولیہ
 ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا مندریچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکرفلم : سوچ سٹارٹ
 ربرٹسٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I فلو عظیم رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور

ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

THE ORIGINAL



paragon 1

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

پاکستان کی قومی بندرگاہ....

...پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز تر
کر رہی ہے۔

کرچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں

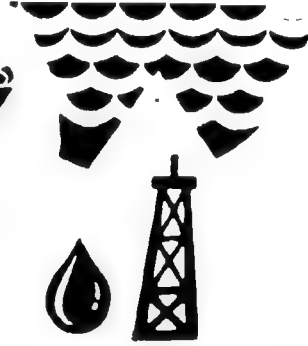
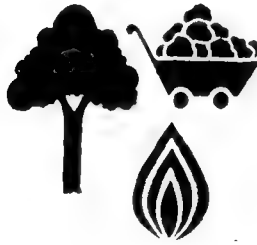
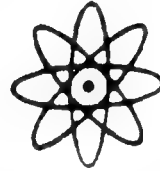
کرچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندرگاہ



قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس سے بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنایے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ مرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی کمی رز بروز برسرِ حیا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوفے ناردرن گیس پائپ لائنز لیٹڈ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سید احمد علی قزوینی
میرزا نصر محمد اور وطن میں

میشاق



مذہب مشول
ڈاکٹر ایضاً الحمد

میر گزی میکتی تظیر استیلا

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

بَیِّنَات

جلد ۳۳ شمارہ ۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق مارچ ۱۹۸۶ء

مشمولہ

- ۲ ————— عرض احوال
جیل الرحمن
- ۳ ————— الہندے
ڈاکٹر اسرار احمد
- ۱۵ ————— توحید عملی اور فریضہ اقامت دین
ڈاکٹر اسرار احمد
- ۴۳ ————— خسارِ آخروی سے بچنے کا راستہ
محمد اقبال دامت
اظہار حق و قادیانیت اپنے طریق پر آمیزش
قادی فیض احمد غزنوی
- ۶۵ ————— امریکہ کا پہلا سفر سرما
ڈاکٹر اسرار احمد
- ۷۷ ————— اک دیا اور سبھا
جیل الرحمن
- ۷۹ ————— بھارت سے ایک خط
مولانا، افتخار احمد فریدی
- ۸۱ ————— رفتار کار

ادارہ تحری

شیخ محمد حسین
عزیز الرحمن

سالانہ ذوق تعاون
۳۰ روپے
قیمت اشتراک
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

محنت جدید شائع نامہ حسن لاہور

۱۶۱۶۱۶
مکتبہ محمدیہ لاہور

تلفن: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد نسل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

الدُّرَرُ (بارہویہ نشست : دبی)

(مباحثِ ایمان)

قرآن کے فلسفہ و حکمت کی اساسِ کامل

سُوْرَةُ فَاتِحَةِ

از : ڈاکٹر اسرار احمد

== ۳ ==

السلام علیکم . فحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد
فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنْحَدُّ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ .
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ . صدق اللہ العظیم .

محترم حاضرین اور معزز ناظرین۔

پہلی نشست میں ہم نے سورۃ فاتحہ کے جزو اول پر جو ابتدائی تین آیات پر مشتمل ہے
کسی قدر تفصیلی گفتگو کی تھی اس سورہ مبارکہ کا جزو ثانی ایک آیت پر مشتمل ہے اور وہ ہے
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

پہلی بات یہ نوٹ کیجیے کہ اس آیت میں دو فعل استعمال ہوئے ہیں ایک نَعْبُدُ
اور دوسرا نَسْتَعِيْنُ . یہ دونوں فعل مضارع ہیں آپ کے علم میں ہو گا کہ عربی اور
فارسی میں فعل کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک ماضی اور دوسری مضارع . مضارع میں

حال اور مستقبل دونوں شامل ہوتے ہیں انگریزی اور اردو کی طرح عربی و فارسی میں فعل

د (verb) کی تین حالتیں ماضی (Past Tense) حال (Present Tense)

اور مستقبل (Future Tense) نہیں ہیں لہذا لغت کا ترجمہ یہ بھی ہوگا کہ ہم ہندگی

کہتے ہیں "اور یہ بھی ہوگا کہ ہم ہندگی کرتے رہیں گے" اسی طرح مُسْتَعْبِدُ کا ترجمہ

یہ بھی درست ہوگا کہ ہم مدد مانگتے ہیں "اور یہ بھی صحیح ہوگا کہ ہم مدد مانگیں گے"

دوسری بات یہ نوٹ کیجیے کہ اگر عرب یہ کہیں مُعْبِدُکَ تو اس کے معنی ہوں گے

کہ ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور کریں گے۔ لیکن یہاں جو ضمیر مفعول کی ہے اسے فعل

سے پہلے آئیں اور ایا کا اضافہ کریں، جیسے اس آیت میں اِيَّاكَ تُعْبِدُ، اس

میں ایک مزید مفہوم پیدا ہو گیا جس کو قواعد کی رو سے حصر کا مفہوم کہا جاتا ہے اس کو

اس مثال سے سمجھا جا سکے گا کہ میں کہوں کہ "زید عالم ہے" اور دوسری طرح میں کہوں کہ

"زید ہی عالم ہے" اب ہی کے اضافہ سے مفہوم میں عظیم فرق واقع ہو گیا۔ جب یہ کہا

جائے گا کہ زید عالم ہے، تو دوسروں کے... عالم ہونے کی نفی نہیں ہوگی۔ دوسرے عالم

ہو سکتے ہیں لیکن جب یہ کہا جائے گا کہ زید ہی عالم ہے تو اس میں حصر پیدا ہو گیا۔ اور

اس کا مفہوم ہوگا کہ علم صرف زید ہی کے پاس ہے دوسروں کے علم کی نفی ہو گئی۔

اِيَّاكَ تُعْبِدُ میں اسی حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اس کا ترجمہ یوں ہوگا "ہم صرف تیری

ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے۔" اسی طرح اِيَّاكَ تُسْتَعْبِدُ کا حقیقی معنی اور مفہوم نیز

ترجمہ ہوگا "ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔" یہ تو ہوا اس آیت کا مکمل

ترجمہ اور اس اسلوب میں قواعد کی رو سے جو پہلو ہیں ان کا بیان۔

تیسری بات یہ کہ اس میں جو مرکزی لفظ ہے اس پر غور کیجیے اور وہ لفظ ہے عبادت

جس کا ہم اقرار بھی کر رہے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے وعدہ اور عہد کر رہے ہیں کہ ہم

تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ اقرار ہے اظہار حال ہے اور ہم تیری عبادت کرتے رہیں

گے۔ یہ ایک وعدہ، قول و قرار اور عہد و پیمان ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عبادت

ہے کیا؟

جو تھی بات یہ نوٹ کیجیے کہ بد قسمتی سے اس لفظ کے بارے میں حوام الناس کے ذہنوں میں بڑا محدود تصور ہے۔ چوں کہ عام خیال یہ ہے کہ عبادات میں نماز، روزہ، اور زکوٰۃ۔ اور جب بھی عبادت کا لفظ سامنے آتا ہے تو ذہن - صرف ان عبادات ہی تک محدود رہ جاتا ہے اس لفظ کی حواصل عظمت ہے اور اس کی حواصل وسعت ہے وہ سامنے نہیں آتی۔ اس کے لیے جان لیجیے کہ اس لفظ کا مادہ دہم ہے۔ بعد - بعد کہتے ہیں غلام کو۔ غلامی یعنی (Slavey) کا وہ تصور جو کبھی دنیا میں تھا جو شخص کسی کا غلام ہوتا تھا Slave ہوتا تھا۔ بعد ہوتا تھا۔ وہ اپنے آقا کی ملکیت ہوتا تھا۔ اس کا کام اپنے آقا کی مرضیات کو بجالانا ہوتا تھا۔ آقا جو حکم دے غلام کا فرض ہے کہ وہ بسر و چشم اس کی تعمیل کرے۔ اس کی اپنی مرضی کوئی نہ ہو، وہ تو غلام ہے، وہ تو مخلوق ہے اس کا کام تو اپنے آقا کی مرضی پر چلنا ہے اس کی پسند اور ناپسند ازل تو ہے ہی نا۔ اور اگر رہے بھی تو وہ اسے پس پشت ڈال لے اور اپنے آقا کی پسند و ناپسند اور مرضی و ناراضی کو مقدم رکھے جب ہی وہ صحیح معنوں میں غلام کہلائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ بعد میں جو تصور ہے۔ وہ مکمل غلامی، ہر تن، ہر وقت، ہر جہت غلامی کا تصور ہے۔

فارسی میں اس کے لیے بہترین لفظ 'بندگی' ہے چنانچہ اس مفہوم کے لیے بندہ و آقا متعلق ہے اسی مفہوم میں علامہ اقبال نے کہا ہے عجز تیر بندہ و آقا فنا و آدمیت ہے۔ انسانوں میں سے کوئی آقا بن جائے اور انسانوں میں سے انسان ہی کا کوئی بندہ بن جائے تو اس سے بڑی غلط بات اور کوئی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كُنْزًا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ لوگو! تم سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ تم سب اللہ کے بندے ہو، اس اعتبار سے سب برابر ہو۔ بھائی بھائی ہو تم میں سے کوئی آقا اور غلام ہے ہی نہیں۔ حقیقی آقا اللہ ہے اور تم سب اس کے غلام ہو۔

بندگی کے اس جہہ غیر تصور کے ساتھ اب پانچویں بات یہ نوٹ کر لیجیے کہ از روئے قرآن مجید، غایت تخلیق جن واسطے ہی عبادت رب ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي ۚ وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي ۚ میں نے جنوں اور انفل کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ یہ ہماری ثابت تہنیت ہے قرآن کریم کی اس آیت کی ترجمانی بڑی خوبصورتی سے شیخ سعدی نے اس شعر میں کی ہے جو آپ نے بہت سی مسجدوں میں لکھا دیکھا بھی ہوگا۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شر زندگی
جو تھے جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہو وہ اس مقصد کو پورا نہ کرنے تو ظاہرات ہے کہ وہ بیکار ہے اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکے دیئے جانے کے قابل ہے۔ قلم لکھنے کیلئے ہے لکھا نہیں تو آپ اسے پینک دیں گے۔ لہذا جب انسانوں کی تخلیق ہوئی ہے بندگی کیلئے تو اگر وہ بندگی کی تدش ہی کو توجہ دے پھوڑ دے۔ ترک کر دے تو معلوم ہوا کہ اس کے وجود کا اب کوئی مقصد نہیں رہا۔ بیکار ہے۔ چوں کہ ہے

زندگی آمد برائے بندگی — زندگی بے بندگی شر زندگی

البتہ چھٹی اہم تر بات یہ ہے کہ عبادت رب جس کا ہم اللہ سے پوچھتے ہیں کہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے۔ یہ بہت بڑا عہد ہے اس کے کچھ تعاضے ہیں ان کو بھی طرح سمجھ لیجیے۔ رب سے پہلا تعاضل ہے اطاعت۔ یہ باتیں ہم شرک فی العبادت کے ضمن میں پہلے ہی سمجھ چکے ہیں اب ان کا اعادہ ہو رہا ہے۔

اللہ کا اطاعت ماننا مطلوب ہے اگر یہ نہیں ہے تو عبادت کا حق کیسے ادا ہوگا! پھر بندگی کماں ہوئی! یہ اطاعت جزوی نہ ہوگی طور پر ہوگی غلام کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اپنے اُقا کے ایک حکم کو مانے ایک کو نہ مانے۔ غلام نے اگر بات نہیں مانی تو وہ مقام بندگی سے تجاوز کر گیا ہے اطاعت ہوگی تمام احکام کی۔ پوری زندگی میں اطاعت۔ زندگی کا کوئی گوشہ بندگی سے خارج نہیں رہے گا اس لیے قرآن یٰٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْخُلُوا فِي السِّلَاحِ كَافَّةً

اے اہل ایمان! اطاعت میں۔ ذراں برداری میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ جزوی اطاعت مطلوب نہیں ہے کہ انٹرک، کچھ باتوں پر تسلیم غم اور کچھ باتوں کو معاذ اللہ ہر پانڈا، تھے و نہ دیں۔ اس پر اللہ کا غضب بہت بھڑکتا ہے۔ سورہ بقرہ کا آیت

۵۰ میں اس طرز عمل پر بڑی سخت وعید آئی ہے فرمایا: **أَفَتَتُوبُونَ بِمَبْغَضٍ
لِّكُتُبِ وَتَكْفُرُونَ بِمَبْغَضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا جِزَاءُ
الْحَيَوةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُكْرَدُونَ ۚ أَلَيْسَ أَشَدَّ عَذَابًا لَّكُم مَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ** اری کتاب ہماری شریعت کے بعض حصوں کو مانتے ہو، اس میں جو احکام آئے ہیں ان
میں سے کچھ تو تم کو تسلیم ہیں اور کچھ حصول کو تم نہیں مانتے، ان کو رد کر دیتے ہو، انہیں
پول تے روند ڈالتے ہو تو نہیں ہے کوئی سزا اس کی جو اس کا ارتکاب کرے سوائے
اس کے کہ اسے اس دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن اسے شدید
ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے،

یہ اللہ تعالیٰ کے فیض و غضب کی کیفیت ہے کہ جزوی اطاعت مطلوب نہیں ہے بلکہ
مکملی اطاعت مطلوب ہے آیت کے آخر میں فرمایا: **وَمَا أَنتُم بِعَامِلِينَ ۖ إِنَّمَا تُؤْمِنُونَ
بِهِ** اور اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو، اس گمان میں نہ رہنا کہ
وہ تمہارے کرتوتوں سے واقف نہیں ہے۔ وہ اعلم ہے البصیر ہے الطیف الخیر ہے
اس سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

ساتویں بات یہ کہ ایک اطاعت ہوتی ہے مارے باندھے کی، زبردستی کی مجبوری
کی، ہم انگریز کے غلام تھے اور ہم اس کی اطاعت کرنے پر مجبور تھے اس اطاعت پر
بھی لفظ عبادت کا اطلاق ہو جائے گا اور قرآن مجید میں ہوا۔ آل فرعون نے بنی اسرائیل
کو جس طریقہ سے اپنی غلامی کے شیخیے میں کسا ہوا تھا اس کے لیے قرآن مجید میں یہی لفظ
عبادت آیا ہے۔ فرعون نے بڑے مظننہ اور غرور کے ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت
ہارون علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا تھا **ذَٰلِكُمْ مَثَلُ خِزْيَانِ
أُولَٰئِكَ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا لَمِنَ الْخٰسِرِينَ** ان دونوں کی قوم ہماری عابد ہے۔ اس طرح ایک موقع
پر حضرت موسیٰ نے بھی فرعون سے فرمایا تھا، **أَنْتَ عَبْدٌ لِّلَّهِ** تیرے رب کے لئے بنی
اسرائیل کو اپنا غلام، اپنا محکوم اور اپنا مطیع بنالیا ہے، لہذا اس نوع کی غلامی پر بھی لفظ
تو عبادت کا اطلاق ہو جائے گا لیکن اللہ کی جو عبادت اور اطاعت مطلوب ہے۔ وہ

مارے بازو سے کی سٹارب نہیں ہے عبودیت کی درکار نہیں ہے بلکہ محبت کے ساتھ مقصود ہے اللہ کے احسانات کا شعور و ادراک کرتے ہوئے کہ اس کے جذبہ تشکر سے قلب و ذہن سرشار ہو جائیں ان احساسات و جذبات کے ساتھ جب اللہ کی بندگی ہوگی اس کی کامل اطاعت ہوگی جب عبادت کا اصل تقاضا پورا ہوگا جس کو چاہئے اللہ و علماء دین نے بڑی خوبصورتی سے یوں ادا فرمایا اَنْعِبَادًا تَخْجَعُ اَحْلِيْنُ اللہ کی جو عبادت مطلوب ہے اس میں دو بنیادیں جمع ہونی چاہئیں غایۃ المحبۃ مع غایۃ اللہ و اَلْخُضُوعِ۔ " ایک طرف انتہا درجہ کی محبت ہو اللہ کی اور دوسری طرف انتہا درجہ میں اس کے سامنے ذلت و عاجزی اور پستی اختیار کی جائے اس کے سامنے ہر تن جھک جایا جائے نہ پچھ جایا جائے۔

جب یہ دونوں کیفیات محبت و تذلل جمع ہو جائیں گی تو عبادت رب، بندگی رب کے تقاضے کی تکمیل ہوگی۔ محبت الہی عبادت کے لیے کس قدر لازمی ہے مولانا رومؒ نے اپنے زمانے میں بڑی خوبی سے ادا کیا تھا اور ہمارے دور میں علامہ اقبالؒ نے اس کا اہمیت پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالی ہے کہ

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین جس کے مقصودات

محبت الہی عبادت کی روح ہے اگر یہ روح نہیں ہے اور صرف خالی خولی اطاعت ہے دل کی محبت کی چاشنی اس میں شامل نہیں ہے تو علامہ اقبالؒ کے بقول معاملہ یہ ہو گا کہ

شوق اگر تیر نہ ہو میری غاز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سحر بھی حجاب

لہذا اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ محبت و حقیقت عبادت کی روح ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا
اَشْرَحُّ حُيَا تَقُوْد۔

انہوں بات یہ نوٹ کیجئے کہ عبادت میں اطاعت و محبت کے بعد جو تیسری مطلوب ہے وہ اخلاص ہے سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس کی آخری

شست میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں بھی اس موضوع پر گفتگو ہوئی تھی آج پہلو اس کا
 مادہ کر لیجئے عبادت میں تیسری جو چیز مطلوب ہے وہ ہے اخلاص۔ پورے خلوص کے ساتھ
 اللہ کی بندگی۔ تَحْلِيثُكَ الدِّينَ اس عبادت میں کوئی ریاکاری نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ اللہ کی
 رضا کے سوا کوئی اور چیز مطلوب و مقصود کے درجہ میں آجائے۔ مطلوب صرف اللہ کی رضا
 ہو۔ مطلوب صرف اخروی فلاح و نجات ہو۔ اگر یہ اخلاص نہیں ہے کوئی ریاکاری ہے اپنی
 بادت اور اپنے زہد، اپنے تقویٰ اور اپنی ریاضت کی دھونس جمانی ہے۔ لوگوں پر اپنی
 یلکی کا رعب قائم کرنا ہے، اپنی شہرت مطلوب ہے دنیا میں کوئی منفعت پیش نظر ہے
 یہ خلوص سے خالی عبادت اللہ ذاتی کے یہاں قبول نہیں ہوگی بشرط قبولیت حاصل
 کرنے کے لیے شرط اخلاص لازم ہے۔ اخلاص سے تہی اور ریا سے مملو عبادت مفروضہ کو
 ہی اگر کم نے شرک قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: مَنْ صَلَّى يَلْبِئِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يَلْبِئِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ
 تَعَمَّدَتْ يَلْبِئِي فَقَدْ أَشْرَكَ۔ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی۔ وہ شرک کر چکا
 اور جس نے دکھانے کے لیے روزہ رکھا وہ شرک کر چکا اور جس نے دکھانے کے لیے
 صدقہ کیا وہ شرک کر چکا۔ عربی میں جب فعل ماضی سے پہلے قد آتا ہے تو اس کام کے انجام
 پانے میں قطعیت کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اسی لیے میں نے ”کرچکا“ ترجمہ کیا ہے اس
 حدیث۔ سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ خلوص و اخلاص کی دین میں کس قدر
 اہمیت ہے اور ریا کی اتنی شہانت ہے کہ اس کے ڈانڈے شرک سے مل جاتے
 ہیں۔

اب آپ غور کیجیے کہ پوری زندگی میں پورے خلوص و اخلاص قلبی شدید ترین
 محبت اور کامل اطاعت کے ساتھ عبادت واقعہ یہ ہے کہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔
 بہت مشکل کام ہے اس میں سب سے پہلے توانا کا اپنا نفس ہی اڑے آتا
 ہے مولانا رومؒ نے فرمایا

نفس ماہم کم تراز فرعون نیست
 یک اورا عون مارا عون نیست

دعویٰ کے پاس حکومت تھی لاؤش کرتا تھا اس لیے اس نے زبان سے بھی خدائی کا دعویٰ کر لیا
 میرا نفس بھی فرعون سے کم تر نہیں اس کے پاس لاؤش کر نہیں ہے اس لیے وہ خدائی کا
 زبانی دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا حکم نہیں جانتا، میری مرضی چلے گی ادھر
 اذان کی آواز کان میں آگئی ہے اللہ کا حکم ہے کہ نماز کے لیے آؤ، ادھر نفس کہہ رہا ہے سوؤ۔
 آلام کر۔ ہم نے کس کا حکم مانا۔ اگر نفس کی خواہش کو پکھلتے ہوئے ہم نے اللہ کا حکم مانا اور ہم
 نماز کے لیے نکل کھڑے ہوئے تو واقعی ہم بندہ رب ہیں۔ اگر نفس کی خواہش پر عمل کیا اور اللہ
 کے حکم کو پس پشت ڈال دیا تو ہم بندہ نفس ہو گئے یہی بات سورہ قحان میں فرمائی،
 اَدَّيْتُمْ عَنْ اتِّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (اے نبی! کیا آپ نے اس شخص کی حالت
 پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال نے لیں
 ادا کیا ہے

بچوں سے گویم مسلمانم ہرزم
 کہ دائم مشکلات لا اِلهَ اِلاَّ رَا

میں جب یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کچھ پی لگ جاتی
 ہے اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اسپر پورا اثر نکتہ شاکل ہے
 یہ ہے ربط و تعلق کہ جب بندہ کہے۔ اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ۔ تو اس پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا
 اے احساس اور شعور ہے کہ وہ کتنا بڑا قول و قرار کر رہا ہے۔ یہ کیفیت ہوتا ہے
 آگے پناہ گاہ نظر آئے گی، اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ اے اللہ میں نے یہ وعدہ اور عہد کیا ہے
 میں نے ارادہ اور عزم بھی کیا ہے لیکن میں محض اپنی قوت کے بل پر اس عہد پر نہیں۔
 ہو سکتا۔ اس کو پورا نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ تیری مدد شامل نہ ہو۔ میں تیری
 اعانت کا محتاج ہوں۔ تیری مدد و اعانت میرے شامل حال ہو گئی تو میں اس قول و قرار
 اور عہد و پیمان کو پورا کر سکوں گا یہ ہے ربط و تعلق اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُكَ کے فوراً بعد اِنَّا كُنَّا
 نَعْبُدُكَ سے۔ اس میں اخلاص فی الدعا اور اخلاص فی الاستعانت کا پہلو بھی آگیا ہر
 نوع کی حاجت روائی ہر مشکل کشائی کے لیے اللہ ہی سے مدد کی درخواست کی جائے اسی
 سے مدد طلب کی جائے اور یہ پہلو بھی آگیا کہ ہم عبادت کے حقیقی اور صحیح تقاضے بھی پورے

نہ کر سکیں گے جب تک کہ اے اللہ تیری مدد ہمارے شامل حال نہ ہو۔
چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرض نماز کے بعد جن اذکار کا معمول تھا ان میں
یہ بھی ہے: اَللّٰهُمَّ اَعِزِّيْ عَلٰی ذَنْبِيْ وَتَشْكِرْهُ وَحَسْبُ عِبَادَتِكَ۔ پروردگار میری مدد فرما
تاکہ میں تجھے یاد رکھ سکوں، تیرا شکر ادا کر سکوں اور تیری عبادت کا باطن و جوارح ادا کر سکوں
یہ ہے سورہ فاتحہ کی چوتھی آیت کا مفہوم جو اس سبب مبارکہ کی مرکزی آیت ہے اب اگر اس
ضمن میں کوئی سوال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال :- اگر کسی شخص کی عبادت میں اطاعت اور اخلاص نہ ہو تو اس کو

کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے؟

جواب ۱۔ یہ بات بڑی عجیب ہوگی کہ ایک شخص عبادت بھی کرتا ہو لیکن نہ اس
میں اخلاص ہو نہ جذبہ اطاعت۔ جیسا کہ آپ کے سوال کا انداز ہے لیکن اگر ایسا ہو تو یہ عبادت
محض ایک ڈھانچہ کہلانے کا جو روح سے خالی ہو جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اب رہا
یہ سوال کہ خلوص و اخلاص اور اطاعت کے تقاضوں کو پورا کیسے کیا جائے؟ اس کا ذریعہ
ایک ہی ہے وہ یہ۔ کہ ایمان پختہ اور محکم ہو۔ اللہ کا یقین، آخرت کا یقین، یہ یقین جتنا
مضبوط ہوگا اسی سبب سے اخلاص کی دولت ملے گی اور اللہ کی اطاعت ہوگی۔ اللہ
کی محبت کے جذبے سے متاثر ہو کر بھی اور عابد آخرت کی خوف سے بھی اخلاص بھی
پیدا ہوگا اور جذبہ اطاعت بھی۔

سوال ۲۔ ڈاکٹر صاحب! ایک شخص اللہ کی محبت کی بجائے جہنم کے خوف اور
جنت کی طمع سے اللہ کی عبادت کرتا ہے ایسی عبادت کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

جواب ۳۔ یہ دونوں چیزیں غلط نہیں ہیں۔ ان چیزوں کو آپ محبت سے خارج
نہیں کر سکتے مجال کے طور پر آپ اپنے والدین سے اچھے کاموں پر عین اور انعام کے لالچ
ہوتے ہیں اور ان کی نافرمانی پر سزا سے خوف کھاتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
آپ کے دل والدین کی محبت سے خالی ہیں ویسے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جہنم سے بچنے
اور جنت کی طلب کی دعائیں تمام پیار و رسل نے کی ہیں خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایسی بہت سی دعائیں منقول ہیں جیسے اَللّٰهُمَّ اَحْزِنِيْ مِنَ النَّارِ اے پروردگار!

مجھے آگ سے بچا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِنَّا سَأَلْنَاكَ جَنَّةَ الْفُجْدِیْنَ۔ اے میرے آقا! میں تجھ سے جنت الفردوس کا طلب گار ہوں۔ لہذا ان کے بارے میں ہرگز یہ تصور نہ رکھئے کہ یہ کوئی گھٹیا بات ہے، اس طلب میں اللہ کی محبت کی چاشنی آپسے آپ شامل ہوتی ہے۔

سوال :- ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ ہندگی اور غلامی صرف اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیئے سب مسلمانوں کو بھائی بھائی ہو جانا چاہیئے۔ کسی کو کسی کا غلام نہیں ہونا چاہیئے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی غلامی رہی ہے اور اسلام میں غلامی کا تصور ہے اس کی آپ کیا توجہ کریں گے؟

جواب :- بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کا لفظ ایک حالت پر اطلاق ہو جاتا ہے لیکن ان کی کیفیات بالکل مختلف ہوتی ہیں حضور کے زمانے میں اور اس کی بعد کی تاریخ میں غلامی کا لفظ تو آپ کو بل جائے گا لیکن ایک تو حضور نے غلاموں کو عبد کہنے سے سختی سے منع کر دیا تھا، اس لیے کہ اس کی توہمات سے دینی تصور میں قطعی گنجائش نہیں ہے قرآن میں بھی ایسے لوگوں کے لیے عبد کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا بلکہ مالکیت انما یتکم استعمال ہوا۔

پھر یہ کہ غلام صرف ان ہی کو بنایا جاتا تھا جو قتال فی سبیل اللہ کے نتیجے میں گرفتار ہوئے ہوں، جن کو مخالفین نہ غدیہ سے کر چھڑنے پر آمادہ ہوں نہ تبادلہ میں۔ اور ان بطور احسان آزاد کرنا بھی جس کی بڑی رغبت دلائی گئی ہے مصالح دین کے مطابق نہ ہو۔ مزید یہ کہ حضور نے ان غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ سچے اپنی صلیبی اولاد اور رومی رشتوں کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی ہے اس طرح غلاموں کو بھائی بھائی چارے کی سطح پر لے آیا گیا کیفیت یہی تھی جس کو علامہ اقبال نے اس شعر میں کیا ہے کہ :-

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و لایز

نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز

پھر دین میں غلاموں کو آزاد کرنے کو چوٹی کے نیک کاموں کی فہرست میں جگہ دی گئی، بہت

خون کا کفارہ غلام کی آزادی قرار دیا گیا ہے قتال فی سبیل اللہ کے نتیجہ میں قید ہونے والوں
 علاوہ کسی آزاد کو غلام بنانا ناجائز قرار دیا گیا۔ ہمارے اکثر ائمہ دین نے اس کو حرام قرار دیا
 ہے۔ اس طرح غلامی کے مستقل INSTITUTION کا سد باب کیا گیا۔

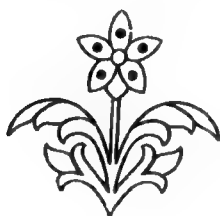
پھر دیکھئے کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ پہلے غلام تھے، حضرت ابوبکر
 صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے پیسے سے خرید کر آزاد کیا تھا لیکن اسلام نے ان کا
 عام و مرتبہ تائید کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ وہ امیر المؤمنین اور خلیفہ المسلمین
 تھے ان کا نام نہیں لیتے تھے جب تک سیدنا نہیں کہہ لیتے وہ ان کو ہمیشہ سیدنا بلال خُصَّاب
 ہا کرتے تھے۔ پھر تاریخ اسلامی کا یہ نہایت روشن باب ہے کہ حدیث و فقہ کی تعلیم و تدریس
 ناپیسے ایسے ائمہ و غلام نظر آتے ہیں جو غلاموں کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور جن کے سونے
 امام دارالجمعة امام مالک اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ جیسے اماموں نے زانو سے تمذ
 تہہ کیلئے اور اس پر انہما فرمایا ہے۔

حضرات! اس مختصر وقت میں سورۃ فاتحہ کی مرکزی آیت کے متعلق میں نے اپنا امکانی
 حد تک ضروری باتیں عرض کرنے کی کوشش کی ہے آخر میں ہمیں غلوں کے ساتھ دعا
 کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا حقیقی بندہ بنا دے اور ہمیں اپنے فضل خاص
 سے اس کو توفیق عطا فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ اشْهَدُ بِاللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

توجہ فرمائیے !
 خط و کتابت کرتے وقت ،
 براہ کرم خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فِي كِتَابٍ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحجہ: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
حس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز ^ط _ط

۳۲۔ ایسپرس روڈ۔ لاہور

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فرضہ اقامت دین

سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب و درس کی دوسری قسط

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلُهُ وَاٰخِرُهُ

توحید فی الدعاء

میں نے عرض کیا تھا کہ انفرادی سطح پر توحید فی العبادہ کے ساتھ ہی توحید فی الذما کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں امور باہم گتے ہوئے ہیں۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیثیں بھی آپ کو سنائی تھیں کہ: الدعاء لمح العبادۃ اور الدعاء هو العبادۃ۔ توحید فی العبادہ کے ضمن میں سورہ زمر کے تین مقامات اور ان کی امکانی حد تک تشریح و توضیح ہیں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ اس سے آگے اب اگلی سورت، سورہ مؤمن میں توحید فی الذما کا بڑے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔ دعا درحقیقت انفرادی سطح کی عبادت کا ہی ایک باطنی پہلو ہے۔ جو آپ کا محبوب ہے، جس کے بارے میں آپ کہ خیال اور گمان ہے کہ وہی ہے حاجت روا، وہی ہے مشکل کشا۔ جس کے متعلق آپ کو یقین ہے کہ وہی علیٰ کل شئی و قد یرکبہ، وہی السَّمِيعُ البَصِيرُ ہے، وہ ہر آن آپ کے ساتھ ہے، هُوَ مَعَكُمْ اِنْ مَّا كُنْتُمْ، ظاہرات ہے کہ ایسی ہستی کو آپ کی پائیں گے۔ اس سے استعانت و اعتماد کے طالب نہیں گے۔ اس سے دعائیں کریں گے۔ اس سے حاجت پائی اور مشکل کشائی کے لئے عرض و محرض کریں گے پس دعا عبادت کا ایک باطنی رخ ہے۔ اس دعا کی اہمیت کے لئے میں سورہ مؤمن کی تین آیات آپ کو سناتا ہوں۔ میرے حقیر مطالعہ کے مطابق

قرآن میں چار مقامات ہیں جہاں دعا کے ساتھ مُخْلِصِينَ لَهُ السَّيِّئَاتِ کے الفاظ آئے۔
 ہیں۔ ایک سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۵ میں، فَإِذَا زَكَيْتَ إِلَى الْفَلَاحِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
 لَهُ السَّيِّئَاتِ ”جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس
 سے دعا مانگتے ہیں۔“ دوسرے سورہ لقمن کی آیت نمبر ۳۲ میں، وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْتُجُ كَالظَّلِيلِ
 دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ السَّيِّئَاتِ۔“ اور جب (سمندر میں) ایک موج ان لوگوں پر بھانپا
 کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔“
 ان دو آیتوں میں سمندر سی سفر میں مشرکین کی اللہ سے مخلصانہ دعا کا تذکرہ ہے۔ اس موقع پر
 انہیں نذالات یاد آتے نہ منات نہ بیل۔ کسی دیوی اور دیوتا کے بجائے وہ خالص اللہ ہی کو مدد
 و نگیری کے لئے پکارتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں سورہ مؤمن کی آیت نمبر ۱۱ اور نمبر ۶۵ جس کی بیان
 آگے آئے گا۔ وہ مقام ہیں جہاں انشا ئیہ انداز اور امر کے صیغہ میں دعا کے ساتھ مُخْلِصِينَ لَهُ

۱۔ اس ضمن میں حضرت مکرر ابن ابوجہل رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعہ کا ذکر مناسب حال ہو گا۔ وہ
 خود روایت کرتے ہیں کہ ”جب مجھے علم ہوا کہ میرا نام ان مجوسوں میں شامل ہے، جن کے قتل کا نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم نکر کے موقع پر حکم جاری فرما چکے تھے تو میں نے قتل کے خوف سے جوشہ قتل ہونے کیلئے مکہ چھوڑ
 دیا۔ جب ساحل سے جوشہ جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوا تو اُس نے راہ میں زبردست طوفان آگیا۔
 مسافروں نے پہلے تو اپنے دیوی اور دیوتاؤں کو پکارا لیکن طوفان شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا تو ان کی زبان
 سے نکلا کاب تو خوف اللہ ہی میں پناہ ہے۔ چنانچہ سب ہی نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے اس
 مصیبت سے نجات کی دعائیں کرنے لگے۔ دعا قبول ہوئی اور طوفان ختم کیا۔ البتہ طوفان نے کشتی کو جتھہ
 کی بندرگاہ ہی پر دھکیل دیا۔ اس کے بعد حضرت مکرر نے اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ:
 ”اس موقع پر اچانک میرے دل میں روشنی چھوٹی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت اسی توحید ہی کی تو
 ہے اور بہت انسان کے کام آنے والے نہیں یہ تو ہمارے ہاتھوں کے تراشیدہ بے چارے اور جھٹو
 ہیں۔“ اگلے وہ کہتے ہیں کہ ”میں نے دل میں اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا
 تو اُس جتھہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لوں گا۔“ جب جتھہ پر کشتی واپس آئی تو وہاں انہوں نے
 اپنی اہلیہ کو زور دیا جو خود بھی مشرف باسلام ہو چکی تھیں اور حضرت مکرر کے لئے نبی اکرم کی جانب سے معافی کی نوید
 ملی تھیں۔ حضرت مکرر کو بڑا احسان ہوا کہ وہ معافی کی خوشخبری سننے سے پہلے ہی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔
 (مرتب)

یہ تین کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ کو پکارو لیکن کس طرح؟ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خواص سے ہوتے۔ یہ نہیں کہ کچھ اطاعت اللہ کی بھی ہو رہی ہے اور کچھ دوسروں کی بھی۔ لیکن پکار رہے ہیں نہ کہ۔ ایسی دعا قبول ہونے والی نہیں ہے۔ میں اس کی آگے وضاحت کر دے گا۔ پہلے میں وہ آیت پ کو سنا دوں۔ بڑی پیاری آیت ہے۔ فرمایا: **فَاذْعُوا لِلّٰهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** وَكَرْبًا لِّكَفَرٍ ۝۵ پس اللہ ہی کو پکارو۔ لیکن کس شان سے؟ کس کیفیت میں!! اپنی اطاعت کو اس کے لئے خواص کرتے ہوئے خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ظاہرات ہے کہ اگر پورا نظام شرک پر قائم ہو اور اس میں آپ توحید کا نظام برپا کرنا چاہیں گے تو کافروں اور مشرکوں کو سخت ناگوار ہوگا وہ سب روٹے انگٹائیں گے۔ اور وہ کسی نہ کسی بہانے آپ سے تصادم مول لینے کی کوشش کریں گے۔

یہاں دعا کے لئے بھی **مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** کی شرط عائد کر دی گئی ہے۔ جیسے عبادت میں عائد کی گئی تھی۔ غلوں و اخلاص صرف اللہ ہی کے لئے نہ ہو تو اس سے دعا کرنا اسے پکارنا بے معنی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث آپ کو سنا تا ہوں جس سے دعا کی قبولیت کے شرائط واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ پہلے تو حدیث سن لیجئے جس کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ میں پہلے آپ کو حدیث کا وہ حصہ سنا تا ہوں جو دعا کی شرائط سے متعلق ہے اس کے بعد ترجمہ اور اس کی توضیح ساتھ ساتھ کر دوں گا: حدیث کا دعائے متعلقہ حصہ یہ ہے کہ:

ثَوَدَّكَ الْوَجَلُ يُطِيلُ السَّفَرَ اشْعَثْ اَغْبِرْ يَدِ يَدِيْهِ اِلَى السَّمَاءِ

يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَ مَطْعَمُهُ حَالَمٌ وَ مَشْرَبُهُ حَامٍ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَ

غَذِي بِالْحَرَامِ نَاقِيٌ يَسْتَجَابُ لَذَلِكَ -

پھر ایک شخص کا اس حضورؐ نے ذکر فرمایا کہ وہ بہت دور دراز کا سفر کرنا ہے۔ بال اور کپڑے خرابہ لگود ہیں۔ بڑی بوسیدگی، بے چارگی اور درماندگی اس پر طاری ہے۔ وہ شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رہا ہے۔ دیکھتے حالت سفر میں دعا کی مقبولیت کی اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔ چونکہ مسکنت ہوتی ہے۔ انسان بے یار و مددگار ہوتا ہے۔ جنبیلوں میں ہوتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں دعا دل سے نکلتی ہے اور جو دعا دل سے نکلے وہ اثر رکھتی ہے اور قبول ہوتی ہے اور عام طور پر گناہ بھی ہے کہ یہاں نبی اکرمؐ ذکر فرما رہے ہیں کسی شخص کے سفر جگہ کا۔ حج کے لئے دور دراز سے اور مختلف مقامات سے لوگ آتے ہیں تھکے، ناممے، پھر واقعہ یہ ہے کہ انسان کج بڑے کٹھن اور مشقت طلب ہوتے ہیں۔ مٹی کا سفر ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قرب اور محبت کا تقسیم کے لئے سورہ قی کا یہ مقام: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ
اور سورہ صمد کا یہ مقام: وَهُوَ قَعْدُكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ میں نظر رہیں۔ (درتب)

ایک ان رکھو گے تو اللہ تمہاری دعا میں قبول کرے گا۔ تم اللہ سے محبت کرو گے اللہ تم سے محبت کرے گا۔
مُحِبُّكُمْ وَ يُحِبُّوكُمْ۔ یہ شان ہوگی اہل ایمان کی۔ تم اللہ کو یاد کرو اللہ تمہیں یاد کرے گا۔
فَاذْكُرُونِي أَنِّي أَذْكُرْكُمْ۔ حدیث میں اس کی وضاحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر میرا بندہ کسی
محل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے کہیں اعلیٰ محل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ محل اعلیٰ
مقررین ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس محل میں اللہ تعالیٰ اس بندے کا ذکر فرماتا ہے جو اس دنیا میں کسی
محل میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ اسی طریقے سے آگے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بندہ
میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دو دو کر آتا ہوں۔ بندہ اگر باشت بھر میرے قریب ہوتا
ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔ قرآن کا ایک مقام مجھے اور یاد آیا۔ فرمایا: إِنَّ
تَتَذَكَّرُ اللَّهُ يَنْصُرُكُمْ۔ تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کی مدد بندے
کی جانب سے کیا ہے؟ اس کے دین کے بعد اور اقامت کے لئے مال اور جان کھپا دینا۔ تُوْصِيَهُمْ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ پس دوسرا
ہوگا۔ یہی اسلوب ہے اس کا کہ: أَجْنِبْ ذَهْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا فَلَيْسَ بِجَبِيزٍ إِلَى
لَيْتُ مَسْأَلِي۔

تو یہاں سورۃ موسیٰ میں فرمایا، فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔
 اخلاص فی الدعا پس پکارو اللہ کو دین یعنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے،
 وَتُذَكِّرُ الْكَافِرِينَ ۝ چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

اسی سورہ مؤمن میں جو آیت نمبر ۶۰ آئی ہے، وہ بھی اس موضوع پر بہت اہم ہے۔ فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُوْنِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِي يَشْكُرُوْنَ عَنِّ يَادِرُوْنَ نِعَتِي ۚ اَلَا تَحْكُمُ ۚ
اٰخِرِیْنَ ۝ دعا کے موضوع پر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ نہایت اہم آیات میں سے ہے۔ ترجمہ ہے

”اور تمہارے رب نے یہ فرمایا ہے کہ پکارو مجھے۔ میں تمہاری پکار سنوں گا“ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔
حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بر بنائے تکبر اور گمنڈ میں اگر میری عبادت سے ابا کرتے ہیں اعرض
کرتے ہیں، منہ موڑتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ اس آیت سے استدلال
کیا جائے گا کہ عبادت اور دعا ایک ہی ہیں۔ لیکن یہ کہ کسی آیت کی تشریح و تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ الدعاء هو العبادۃ اور الدعاء مع العبادۃ — دیکھیے اور خود

غور کیجئے کہ اس آیتِ کریمہ کے پہلے حصہ میں دعا اور دوسرے حصہ میں عبادت کا ذکر آیا تو آپ خود بھی کسی تلمیح کے بغیر اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ دعا اور عبادت ایک ہی عمل کے دو رخ ہیں۔ اس میں کسی اشتباہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

آگے پڑے اس سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۶ ہے جس میں یہ بات پھر آئی۔ **سَمَاءًا مَّهْلُكًا**
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَادِرٌ عَلَىٰ مَخْلُصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
 ”وہ اللہ ہوتا ہے ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اسی کو پکارو
 دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ کُل شکر و سپاس اور تعریف و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے
 جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔“ دیکھئے یہاں اس آیت میں توحید کے ذکر سے آغاز
 ہوا اور توحید کے بیان پر ہی اس آیت کا اختتام ہوا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شہادتین کا پہلا جزو
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کلمہ توحید ہے۔ اسی طرح جان لیجئے کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** بھی کلمہ
 توحید ہی ہے جو نہ صرف سورۃ فاتحہ کی (جس کو اُم القرآن اور اساس القرآن کے نام بھی دیئے گئے
 ہیں) پہلی آیت ہے بلکہ قرآن مجید کی بھی پہلی آیت ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ اسی سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۶ اور اس کا ترجمہ
 بھی سن لیں۔ اس میں بھی آپ دیکھیں گے کہ عبادت کے بدل کے طور پر دعا ہی کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا:
قُلْ إِنِّي نِعَمْتُ أَنْ أُعْبِدَ الْإِذِينَ تَذْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لِمَا جَاءَنِي الْبُتُنْتُ
مِنْ رَبِّي ۚ رَأَيْتُمْ أَنَّ أَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ”اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دیجئے
 کہ مجھے تو ان بتوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ (میں یہ کام
 کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات (کھلی کھلی نشانیاں) آچکی
 ہیں۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کر دوں اور اس کا فرمانبردار و مطیع بن دو
 بن کر رہوں۔“

مترم ذکر صاحب کے اس خطاب میں توحید فی التعداد کی اہمیت اور اس کا ہمارے دین میں مقام کے موضوع
 پر اصولی باتیں آگئی ہیں۔ ہم اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اقامہ آیات مزید پیش کرتا چاہتا ہے جن
 میں نبی کے اسلوب میں اللہ کے سوا اللہ کے ساتھ کسی اور سے دعا کی ممانعت کی گئی ہے۔ مخاطب نبی اکرم
 ہیں لیکن آپ کی وسالت سے پورا کائنات انسانی بالعموم اور ایمان بالخصوص مخاطب ہیں۔ پہلی آیت
 (باقی صفحہ نمبر ۱۰)

آپ نے دیکھا کہ سورۃ زمر میں عبادت کا کس قدر تاکید اور شد و مد کے ساتھ بیان ہے۔ اطاعت کو اللہ ہی کے لئے خاص کرتے ہوئے۔ اور اگلی سورت سورۃ مومن میں دعا کا ذکر آگیا لیکن دعا بھی اللہ ہی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اس طرح انفرادی سطح کے خارجی اور باطنی دونوں پہلوؤں کا احاطہ ہو گیا جب اگلی بات کی طرف آئے

دَعْوَةُ إِلَى اللَّهِ: دعوتِ توحید

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ انفرادی توحید جب فرد سے آگے بڑھے گی تو یہ کام توحید کی دعوت کی شکل اختیار کرے گا۔ لوگوں کو بھی اللہ کی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا — چنانچہ اسی سورۃ مومن میں اس ضمن میں آل فرعون کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ آل فرعون میں سے ایک بااثر بڑی شخصیت حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئی تھی۔ جو بڑے پائے کے درباری بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا۔ یَسْتَكْتُمُ الْيَهُودُ ۖ میں شاید پہلے بھی اس کا تذکرہ کر چکا ہوں کہ مومن آل فرعون نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا تا آنکہ جب وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے کہا کہ اب میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر کے رہوں گا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے درباریوں میں بھی حضرت موسیٰ کے کچھ حامی (Supporters) موجود ہیں۔ مگر اسے یہ اندازہ نہ ہوتا تو اسے دربار میں حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کی بات رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے دربار میں تجویز پیش کرتا ہے کہ: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ ۚ اور فرعون نے (ایک روز اپنے درباریوں سے کہا) مجھے چھوڑ دو۔

(تسلیم) سورۃ یونس کی ہے۔ فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ اور اس نبیؐ! اللہ کو چھوڑ کر کسی ہستی کو نہ پکاردو (اللہ کے سوا کوئی جزیرہ آپ کو فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان) اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائیں گے۔ دوسری آیت سورۃ شعراء کی ہے فرمایا: أَفَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الْمَذْذَبِينَ ۝ ۳۰ (پس اے نبیؐ) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاردو۔ اور اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ نبیؐ کے اسلوب میں جتنا تاکید ہوتی ہے اور جو زور دیتا ہے نیز مومن دُونِ اللَّهِ اور مَعَ اللَّهِ میں جو تیز و تیار اور فرق و تفاوت ہے وہ برادری آتلی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ (مرتب)

۱۔ سورۃ مومن آیت ۱۷۲ کا ابتدائی حصہ۔

اجازت دو، میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کئے دیتا ہوں۔ حالانکہ خدائی کا دعویٰ دار ہے۔ لیکن میں عرض کیا کرتا ہوں دنیا میں بادشاہوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ بادشاہ کیا ہے! دو ہاتھ اور دو پاؤں اس کے بھی ہیں۔ اگر اس کے منصب دار اس کا ساتھ دیں اس کے پنج ہزاری، بیس ہزاری، تیس ہزاری، اس کی پشت پر نہ ہوں اس کی فوج کے بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار اور دوسرے ہاتھ لوگ اس کے ساتھ نہ ہوں تو اکیلے بادشاہ سلامت کیا کریں گے! یہی وجہ تھی کہ جب فرعون کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا اثر میرے چند درباریوں پر بھی ہو چکا ہے تو اس نے قدم اٹھانے سے پہلے ضروری سمجھا کہ اپنے درباریوں سے استعصواب کر لے۔ ان کی رائے اور تائید حاصل کر لے۔ اسی لئے اس نے درباریوں کہا: ذُرُونِيْ اَقْتُلْ مُوسٰی۔ اب مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔

مومن آل فرعون کی تقریر | اس موقع پر وہ مومن آل فرعون کھڑے ہو گئے۔ اس سورت کا نام ہی ”سورة المومن“ ہی اس لئے ہے کہ ان مومن آل فرعون کی تقریر اس سورت میں بڑی تفصیل سے آئی ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی یا رسول کی اتنی طویل تقریر نہیں ہوئی ہے جتنی ان مومن آل فرعون کی ہوئی ہے۔ مگر جا کر اس سورت بالخصوص ان مومن آل فرعون کی تقریر کا مطالعہ کیجئے گا۔ وہ مومن آل فرعون اس موقع پر کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ بڑا نازک مرحلہ اور لمحہ (Critical moment) تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فرعون کی تحریک و تجویز فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس وقت آل فرعون کے وہ مرد مومن کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت مؤثر تقریر کی جو قرآن مجید میں نقل ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں فرعون کو جو خدائی کا دعویٰ دار اور مدعی تھا اپنا Resolution واپس لینا پڑا۔ ان کی تقریر کا پورے دربار پر اتنا اثر ہوا کہ پھر فرعون کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ اٹھائے۔

مومن آل فرعون کی دعوت توحید | اس تقریر میں وہ مومن آل فرعون کہتے ہیں: اٰذْ لَقِیْوْهُمۡ مَّآۤیۡ اِذْ مُّوْسٰی اٰذِیۡنُہُمۡ اِلٰی الْغَوَاۃِ وَ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْاِسْلٰمِ ۚ اے میری قوم کے لوگو! کیا معاملہ ہے غور کرو۔ میں تمہیں نجات

کی دعوت دے رہا ہوں، میں تمہیں اس راستہ کی طرف پکار رہا ہوں جو فوز و فلاح اور رشد و کامیابی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تَدْعُوْنِيْٓ اِلَآ الْغُرُۙ بِاللّٰهِ وَ اَشْهٰدُكَ بِهٖ عَالِيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَضَّارِ ۙ تَمَّ تَوَجُّعِ دُعُوْتِ دُ ر ہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا کوئی علم اور کوئی سند یا دلیل میرے پاس نہیں ہے اور میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، بلکہ رہا ہوں، پکار رہا ہوں اس سببی کی طرف جو العزیز ہے انفجار ہے۔ ہر نوع اور ہر قسم کے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ بہت اور نہایت معاف فرمانے والا ہے۔

دعوتوں کا فرق | مومن آلِ دعوت کے ان اقوال میں یہ بات بھی واضح طور پر آگئی کہ دنیا میں دعوتیں دونوں ایک وقت موجود رہتی اور چلتی ہیں۔ توحید اور ایمان کی دعوت بھی ہے، شرک کی دعوت بھی ہے لہٰذا یہ قیامت تک یہ دعوتیں چلیں گی۔ جیسے علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے اقل سے تا ابرو نہ چراغِ مصطفوی سے شرارِ تو بہتھی !!
واعیانِ حق بھی رہیں گے اور واعیانِ باطل بھی رہیں گے اور ان میں سے بھی رہیں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہیں۔ کیا جمال الدین اکبر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا تھا۔؟ کیا اس دور میں بھی کھایے لوگ موجود نہیں ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اور خود کو مسلمان کہنا کے الحاد نہ نہتہ، بے حجابی، بے پردگی، اباحت اور نہ معلوم کس کس صناعات کی طرف دعوت دینے میں نہایت منظم طریق اور بہترین تکنیک سے معروف ہیں! ایسے لوگ موجود ہیں اور یقیناً موجود ہیں۔ ان کی بڑی اکثریت ذرائع ابلاغ پر قائل ہے۔ بڑے بڑے کلیدی مناصب پر فائز ہے اور وہ ہمارے معاشرے میں اسلامی فکر اور اسلامی اقدار میں سرنگیں لگا رہے ہیں۔ اسلام کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ ہمارے اسی معاشرے میں حدودِ اللہ کا تسخیر و استہزاء اور اس سے بغاوت کہنے والے موجود ہیں اور اسی کی دعوت دینے اور ترویج میں لگے ہوئے ہیں! اسی کام میں اپنی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں لگا رہے ہیں۔ لہٰذا دعوتیں ہمیشہ رہیں۔ ایک ہے توحید کی دعوت اور ایک کفر کی دعوت۔ ایک دعوت ہے ایمان و اسلام کی، ایک ہے شرک اور الحاد کی دعوت! اور یہاں

معاشرے میں بھی بافضل و بالقدرة یہ مختلف دعوتیں موجود ہیں بلکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ باطل کی عزت بہت منظم اور برگیر ہے۔ اس کے داعیان بڑے کینا دعتیار اور چالاک ہیں پھر ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت (Hold) بہت مضبوط ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے کو *Slow Poison* دے رہے ہیں۔ وہ ہماری ان کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ایک طرف *شَرُّ الْوَسْوَائِرِ الْخَفَائِسِ* الٰہِیُّ یُؤَسِّرُ فِی صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْخَفَائِسِ وَالنَّاسِ کے ذیل میں آتی ہیں، دوسری طرف ان کا سبب ڈیڑھ دو صدیوں تک انگریزوں کا سیاسی استبداد ہے جس کے باعث سیاسی غلبہ ختم ہو جانے کے باوجود بھی ہماری ذہنی مرعوبیت اور غلامی میں کمی ہونے کے بجائے روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ چونکہ ہمارا نصاب اور نظام تعلیم ان ہی فکری اساسات پر مبنی ہے جو ملحدانہ اور مادہ پرستانہ ذہنیت وجود میں لاتی ہیں۔ اس کی نشوونما کرتی ہیں اور مسلمان نامعلوم کی معاشرے میں کثرت کا باعث بنتی ہیں۔

ایک لوح کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟
آیت نمبر ۲۳ سنئے بڑی پیاری اور متم بہانہ
آیت ہے فرمایا: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا لِّقَوْمٍ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَتَعْمَلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی۔ یوں تو سب کے پاس زبانیں ہیں اور آج کل قلم ہیں اور پچھلے کے لئے اخبارات و رسائل ہیں۔ اخبارات اور رسائل اب انگریز بن چکی ہے صحافت نہیں رہی صحافت کا نام تو خواہ مخواہ بدنام ہو رہا ہے۔ یہ ایک کاروبار ہے۔ جس طرح ایک کاروبار اور انڈسٹری کا کام یہ ہے کہ معاشرے میں جس چیز کی طلب ہو اسے ہی وہ مہیا اور پیدا کریں گے یا پھر کسی ایسی چیز کی معاشرے میں مانگ *Demand* پیدا کریں گے جس میں ان کو غیر معمولی منفعت کا یقین ہو چاہے وہ شے نفسانی خواہشات کو میسر کرنے والی کیوں نہ ہو پھر اس کو پسائی کرنے کے لئے مسابقت کریں گے۔ جس کے متعلق حال ہی میں صدر مملکت صاحب نے فرمایا ہے کہ اخبارات میں سرخی پوڈر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ صحیح ہے اس لئے کہ معاشرے میں طلب اسی کی ہے۔ انہیں تو اپنا پچہ چھپا ہے۔ پیسہ کمانا ہے۔ اس کے برعکس ان کے سامنے کوئی اصول نہیں، کوئی اعلیٰ قدر نہیں، کسی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ جو کسی نے لکھ کر بھیج دیا شائع کر دیا۔ پرچے کا بیٹ بھرنا ہے۔ قارئین کی تفریح اور دلچسپی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ کچھ نہیں سوچنا کہ لکھنے والا کفر لکھ رہا ہے، شرک لکھ رہا ہے، فحش لکھ رہا ہے۔ اللہ

دین کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شعاعِ دینی کا مسخر اور اقدارِ دینی کا استہزاء کر رہا ہے۔ قرآنی آیات، تراجم و مطالب میں تحریف کر رہا ہے اور احادیث کو باریک پھل اطفال بنا رہا ہے۔ پھر اخبارات، رسائل میں کثرت کے ساتھ لوگوں کی نگاہوں کو دعوتِ نژاد سے والی تصاویرِ شائستگی کی جارہی ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب اور دلکش بنایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ دھڑکتے سے رہ رہا ہے، اس ملک میں ہو رہا ہے جس کے قیام کا مقصد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بتایا گیا تھا اور جس کا م اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اور جس میں کوئی دین نہیں جاتا کہ یہ نویدِ رسالتی جاتی ہو کہ اسے اس میں جلد ہی اسلامی نظام آ رہا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی دعوتیں بہت سی ہیں، زبان بھی ہے قلم بھی ہے جو جس کے ہی میں آ رہا ہے کہہ رہا ہے اور کھ رہا ہے۔ لیکن فرمایا: مَنْ أَحْسَنَ قَوْلًا لَا يَتَّقِنُ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو، اللہ کی طرف پکار رہا ہو، لوگوں کو ہمارا ہوا اور اس کے ساتھ اس کا عمل بھی دیکھو کی مناسبت سے صالح ترین ہو۔ بالکل درست ہو۔ خلوص و اخلاص پر مبنی ہو، خود اس پر کار بند ہو، یہ نہ ہو کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں نصیحت والا معاملہ ہو رہا ہو۔ بلکہ نقشہ ہو کہ جو بات میں کہہ رہا ہو، اس پر سراسر خود عامل بھی ہوں۔ یہ مفہوم و مطلب بظاہر دہاتوں کا کہ: مَنْ أَحْسَنَ قَوْلًا لَا يَتَّقِنُ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ۝ اگے تیسری بات یہ فرمائی: وَقَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اور کہے میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ کوئی نیا فرقہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ کہا جائے کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں اور اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی یومِ جزا و سزا کا یقین رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ ان ہی باتوں کے اقتدار ہی کا نام اسلام ہے۔

اپنا علاحدہ ایک نقشہ بنانا اور مسلمانوں میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈال دینا اس سے بچنا چاہیے۔ وَقَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ انفرادی توحید سے علی توحید کی طرف پیش رفت کے ضمن میں دعوتِ اِلٰی اللہ کا مرحلہ سورہٴ حُجُمِ التَّحْدِہ میں آیا۔ اب آئیے سورہٴ شوریٰ کی طرف!۔

توحیدِ علی کی چوٹی: فرضیہ اقامتِ دین

میں نے آغاز میں سورہٴ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کی تلاوت کی تھی، اب میں اس کی کچھ تشریح

یا کہوں گا۔ اس طرح ان شاء اللہ وہ تہیدی باتیں اختتام کو پہنچ جائیں گی جو کج تقریر کے
میں آپ کے سامنے بیان کرنا میرے پیش نظر تھیں۔ کل اور پر رسول ان شاء اللہ ہم باقاعدہ دیکھا
اتحاد میں سورہ شوریٰ کے بعض مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ میں آپ سے درخواست
کی کہ اس آیت کریمہ کے مطالب و مضامین کو پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ سماعت فرمائیں
لئے کہ یہ آیت کریمہ اس سورہ کی مرکزی آیت اور اس کا محور ہے۔ تہید علیٰ حق انفرادی توحید
کہ انسان اللہ کا بندہ بن جائے۔ اس کے لئے اپنی بندگی اور پرستش کو خالص کرتے ہوئے۔
نی توحید کی طرف پیش رفت کا پہلا مرحلہ ہے دعوت الی اللہ۔ توحید کی طرف لوگوں کو پکارنا اور
ما۔ اس کا مشہد ہے اس امر کی جان و مال سے جدوجہد کہ اجتماعی زندگی اور نظام پر بھی اللہ کی
حالی کی توحید کا سکھہ رواں ہو جائے۔ یہ ہے اقامت دین، دین کو بافضل قائم اور نافذ کرنا۔

آیت مبارکہ پھر سماعت فرمائیے :

أَهْوَءَ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَضَّیْ بِهٖ لِنُوحًا اَۤلَّا الَّذِیْ اَوْحٰیْنَا
اِلَیْكَ وَمَا وَضَّیْنَا بِهٖ اِبْرٰهَیْمَ وَمُوسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا
الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ۚ كَبُرَ عَلٰی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْنَ
اِلَیْهِ ۚ وَاللّٰهُ یُعْجِبُ عِیْنَ الرَّسُوْلِ ۚ وَیُخَذِّرُ الدِّیْنَ مِنْ تَحِیُّبٍ ۝۸

تشریح و توضیح | فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ — "مقرر کیا ہے تمہارے لئے دین"
یہاں غور کیجئے کہ خطاب کن سے ہو رہا ہے اکن سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے
لئے "الدِّیْن" مقرر کیا ہے!! ظاہر بات ہے کہ جو مخاطب ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرد قرآن مجید کے۔ وہی مخاطب ہیں اس آیت مبارکہ کے۔ یہاں جمع کے صیغہ میں ضمیر مخاطب
آیا ہے۔

امت کا جامع اور ہمہ گیر مفہوم | شاید آپ کے علم میں یہ ضروری بات ہو
کہ جو تو نوشت کر لیجئے۔ وہ یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم
ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں تو اس میں ایک جزوی غلطی ہے۔ نبی اکرم کی امت دعوت
سے پوری تاریخ الہی۔ آپ کا قیام قیامت ہر مکان و زمان کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں انہیں
کیا تہذیب و تمدن، اَلَا كَاٰتِلَیْكَ بِسَیِّئٰتِہٖ تُزِیْرُ ۚ وَتُؤْخَذُ اٰمُرُہٗ ۚ وَ مَا كُنْتَ تَدْعُوْا اِلَّا

مَنْعَةً لِّلْعَالَمِينَ۔۔۔ ہذا پوری نوحہ انسانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے جن
 دل نے اس حضور کی دعوت کو قبول کر لیا یا آئندہ کریں وہ امتِ اجابت میں شامل ہیں یا عجز
 نے۔ امتِ اجابت کے معنی ہونگے تصدیق و تسلیم کرنے والی امت۔۔۔ ہمارا حال کچھ یوں ہے۔
 یہ۔ عملاً تو ہم نے قبول کیا ہوا نہیں ہے۔ عملاً تو ہم نام کے اور سلی مسلمان ہیں۔ اَلَا مَآ شَاءَ اللّٰہُ
 اری عظیم اکثریت فرائض دینی کی ناک اور شاعر دینی کی پابندی سے عاری ہے۔ نفس پرستی، زبردستی
 پرستی، تعزیر پرستی اور معلوم کشتی اور پرستیوں میں جتنا ہے، زمانے کے جلن کی پرستی ہے۔ غریبانے
 عطر پر طہرانہ اور مادہ پرستانہ کئی نظریات ہمارے فہم طبع کے قلب و ذہن پر مستولی ہیں۔ ان اعتبارات
 کے پیشِ نظر ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر فی الواقعہ اور باخصل لبیک
 ہا ہے۔ البتہ ہم دعویٰ اس بات کے فرد میں کہ ہم جیسے کچھ بھی ہیں بہر حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
 نام لیوا اور آلِ حضور کے امتی ہیں۔

امتِ دعوت اور امتِ اجابت | پس امت کے لفظ کو آپ سمجھ لیجئے کہ جو بھی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کا مخاطب ہے وہ امتِ
 دعوت میں سے ہے اور جو بھی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اور اس کو قبول کر کے اس میں شامل ہو گیا
 وہ امتِ اجابت میں سے ہے۔ امتِ اجابت کو قرآن حکیم فرقان حمید یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 سے خطاب کرتا ہے۔ ان دونوں ہی سے اس آیت میں خطاب ہے۔ اب آئیے اس
 آیت کی تشریح و توضیح کی طرف:

آیت کی تفہیم و تصریح | فرمایا: شَرَعَ لَّكُم مِّنَ الدِّينِ • (لوگو! تمہارے
 لئے اللہ نے دہی دین مقرر کیا ہے۔ کونسا دین؟
 مَا دَخَلِيْ فِيْہِ مَوْحَا۔ جس کی اس نے وصیت کی تھی نوحہ کو۔ دَاخِلٌ اَوْ حَیْثُ
 اِلَیْہِ "اور جو ہم نے دہا کیا ہے (اے محمد) آپ کی طرف۔ یہاں اِلَیْہِ واحد کا صیغہ
 ہے۔ ہذا مراد اصل کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دَاخِلٌ اَوْ حَیْثُ ہا ہے اِنِّہِ اِیْمٌ وَّمَوْحَلٰی وَ
 عِیْسٰی۔ اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو۔ علی نبینا وعلیہم
 الصلوٰۃ والسلام۔ پہلی بات تو یہ نوٹ کیجئے کہ یہاں پانچ رسولوں کا ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرات نوحہ، ابراہیم، موسیٰ، داؤد عیسیٰ علیہم السلام کا۔ اور یہی وہ پانچ رسول
 ہیں جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ اولوا عزم ہیں۔ بعض علماء فرست

میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی شامل کرتے ہیں لیکن اکثر علمائے سلف کی اکثریت کا رجحان ان ہی پانچ رسولوں کی طرف ہے جن کا ذکر یہاں آیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر حضورؐ سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔ **فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَّأُ لَوْلَا الْعَزْمُ مِنَ السَّائِلِ**۔ اے محمد! صبر کر جیسے ہمارے باہمت صاحب عزیمت رسول مبر کرتے رہے ہیں۔ یہاں اولوالعزم رسولوں سے یہی رسل مراد ہیں۔ آیت کے اس ٹکڑے میں دوسری اہم بات یہ بیان ہوئی کہ ان سب رسولوں کا دین ایک ہی ہے۔ جو دین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، وہی دین لے کر آئے حضرت نوح علیہ السلام۔ وہی دین لے کر آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس دین میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے اس کو نوٹ کیجئے۔ حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ رسولوں کی شریعتیں مختلف رہی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ نماز کی جو شکل ہمارے یہاں ہے یہ شکل شریعت موسویٰ میں نہیں تھی۔ روزے کے جو احکام ہمارے یہاں ہیں، وہ بنی اسرائیل کے روزوں کے احکام سے مختلف ہیں۔ لہذا شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ البتہ دین ایک ہی رہا۔ اس بات کو نہیں سمجھیں گے تو اَقِیْمُوا الدِّینَ کا حقیقی مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس لئے اس فرق کو گہمی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

جملہ انبیاء و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے | تمام انبیاء و رسل کے مشترک دین کو

وہ ہو گا "دین توحید"۔ حضرت نوح کا دور ہو، حضرت ابراہیم کا دور ہو، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دور ہو، نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور نبی خاتم رسول آخر الزماں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہو۔ ان سب کا دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے دین توحید۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی اور رسول اسی دعوت توحید پر مامور تھے۔ اس لیے ہیں۔ توحید کی دعوت ایک نقطہ واحد ہے اور سب کی دعوت میں مشترک۔ اس میں کسی دور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ توحید کیا ہے! یہ کہ انسان کو ہر معاملہ میں اللہ کا حکم ماننا ہے اس کی ہدایت پر چلنا ہے۔ یہی تاکید جنت سے حضرت آدمؑ کے بہوڑ آدمی کے موقع پر کہ دی گئی تھی۔ **قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَائِعِينَ فَاَتَا يٰۤاٰدِیْمُکُمْ فِیْ هٰذِیْ سَبْعَ نَحْوِیْ فَلَاحْزَنُوْا عَلَیْہُمْ وَاَلاَکُمْ یَحْزَنُوْنَ**۔ توحید کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت اور

ادامہ دینا وہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی توحید رہا ہے۔ قرآن مجید میں جن انبیاء و رسل کا ذکر آیا ہے آپ ان سب کو پڑھ جائیے سب کی دعوت یہی ملے گی کہ : اِنْ اَعْْبَدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُوْهُ ۔

شرعیتیں جدا رہی ہیں | البتہ شریعت کے احکام بدلتے رہے ہیں۔ اللہ کا حکم ایک وقت میں ایک ہے دوسرے وقت میں دوسرے ہے۔ حکم بدل

گیا۔ توحید وہی ہے۔ اُس وقت اس حکم کی اطاعت کر لینا توحید ہے، اس وقت اس حکم کی تعمیل کرنا توحید ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے مختلف شریعتوں کے فرق کو بیان کرنے کے بجائے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے ان شاء اللہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے گی۔ آپ سب حضرات کو یقیناً معلوم ہو گا کہ ہجرت کے بعد تقریباً سورہ مہینہ آن حضور نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تا آنکہ حکم آگیا : فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ پس اب پھیر دیجئے اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف ۔ ” بعض صحابہ کرامؓ میں ایک عجیبی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس لئے کہ ان کو خوب اندازہ تھا کہ نماز تو عبادۃ السیئوٰں ہے۔ دین کا ستون ہے لیکن کہیں ہے۔ بلکہ ایمان اور کفر میں امتیاز نہ کر سوا لی چیز و حقیقت یہ ملوث ہے۔ اس کی دین میں اتنی اہمیت ہے۔ ان کو خیال آیا کہ اگر سورہ مہینہ ہم نے غلط رخ پر نماز پڑھی تو ہمارا اس نماز دل کا کیا ہو گا۔ دوسرے یہ کہ اس دوران جن مسلمانوں کا انتقال ہو گیا اب ان کا کیا ہو گا ؟ پس منظر میں یہ تشویش موجود تھی جس کے ازالے کے لئے اسی مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں : وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضَيِّعَ اٰیٰتِنَاۤ اَنْتَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی ہمارے ایمان ضائع کرنے والا نہیں ہے ” نوید کرو اس وقت تم نے اگر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو حکم خداوندی وہی تھا۔ اس وقت اسی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ تو اس وقت توحید کا تقاضا وہ تھا اس وقت اسی توحید کا تقاضا یہ ہے۔ حکم بدل سکتا ہے اصول نہیں بدلے گا۔ اصول یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر چلنا ہے۔ جس وقت جو حکم پہلے سامنا ہو گا۔ اسی طریقے سے دوسری مثال سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دیکھئے۔ مکی دور میں حکم ہے کہ مشرکین اگر تمہیں دیکھتے انکے دلوں پر ٹار ہے ہیں تو جھیلو، برداشت کرو۔ ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس وقت اس حکم کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت ہے۔ مدنی دور میں اگر حکم ہوا ہے : وَقَاتِلُوْهُ فَاِنْ سَبَّحَ اللّٰهُ السُّدُوْنَ يَغَاتِبْ لَكُمْ نَارُكُمْ ۔ اور جنگ کرو اللہ کے

راستے میں ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اب اس حکم پر عمل کرنا توحید ہے، اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کی اطاعت دلائل و دہشتی یہاں یہ ہے۔ اللہ کی اطاعت کا اصول قائم رہے گا اگرچہ حکم بدل گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کچھ اور تھی جس کا ہمارے پاس کوئی دیکھارٹڈ نہیں۔ ہمارے پاس کوئی دیکھارٹڈ ہے تو وہ شریعت موسوی کا ہے اور ان شریعتوں کے فرق کو عام طور پر لوگ جانتے ہیں پس شریعتیں بدلی ہیں، جدا رہی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی آئے ہیں: لَئِنْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَٰعَةً وَّشَرَعًا لَّوَضَعُوا يَدَهُمْ (تم انسانوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ عمل مقرر کی، سابقہ امتیں اگر ان کو دی ہوئی شریعتیں پر کاربند نہ ہیں تو انہوں نے توحید کا تقاضا پورا کیا۔ اب جو شریعت محمدی ہے، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ وہ پہلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اب اس پر چلنا توحید اور اطاعت الہی کا تقاضا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ لے آئے تھے اور اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ میرا یہ گمان ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر تورات کو پڑھ رہے تھے اور حضورؐ کو سن رہے تھے۔ وہ تو پڑھنے میں لگے رہے اور ان کو نماز نہیں ہو کہ حضورؐ کے چہرہ مبارک پناہ فرار کے آثار ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کو ٹوکا کہ دیکھتے نہیں ہو کہ حضورؐ کے چہرہ مبارک کا کیا حال ہے؛ حضرت عمرؓ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور ان کو حضورؐ کے چہرہ انور پر غفلت کے آثار نظر آئے تو وہ کہتے رہے: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْاِسْلَامِ دِينًا۔ تین بار انہوں نے اسی کا اعادہ کیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کا صفہ فرد کمال اللہ چہرہ حضورؐ نے فرمایا: "اے عمرؓ! اگر موسیٰ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہیں تھا" اَوْ كُنَّا قَالِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس لئے کہ تمام سابقہ شریعتیں شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء و رسلؑ کی شریعتیں مختلف رہیں۔ دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے دین توحید۔

دین اور شریعت میں ربط و تعلق | اب میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کو بھی حد اصطلاحات سے سمجھ لیا جائے کہ دین اور شریعت میں کیا ربط و تعلق ہے۔ دیکھیے جدید سیاسیات میں دو اصطلاحات رائج ہیں

یاب دستور (Constitution) دوسری قانون (Law)۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دستور (Constitution) دو ستاویز ہے جو کسی بھی ملک کے نظام کو متعین کرتی ہے۔ اساسی دستور میں ملکہ اس ملک میں حاکمیت کس کی ہے؟ Sovereignty کون ہے؟ اس حاکمیت کس طرح معتدل Channelised ہوگی؟ وہ راجل (Exercise) کس طور پر ہوگی۔ اس دستور کے تحت قانون سازی کا طریقہ (Process) کیا ہوگا؟ اس میں رد و بدل کیسے ہوگا؟ اختلاص اور عدلیہ میں باہمی ربط و تعلق کیا ہوگا؟ ایک دوسرے کے محاسبہ اور توازن (Checks and Balances) کا نظام کیا ہوگا؟ ان بنیادی مسائل کے لئے رہنمائی دینے والی دستاویز اساسی دستور کہلاتی جاتی ہے۔ ہر ملک کے دستور میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اساسی دفعات بہت پائیدار اور مضبوط ہوں جو کچھ بار بار ترمیم مناسب نہیں ہوتی لہذا تبدیلی کا طریقہ (Process) مشکل ترین رکھا جاتا ہے۔ اس دستور کے تحت حسب ضرورت اکثریت کی رائے سے قانون سازی ہوتی رہتی ہے اور قانون صرف ۹۹ اور ۱۰۰ کے فرق سے ہر وقت تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ ایک وقت میں بھٹیسیا، بھٹی یا پارلیمنٹ ایک قانون منظور کرتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کو تبدیل کر دیتی ہے یا اس میں ترمیم (Amendment) کر دیتی ہے۔ وہ چھپ جاتی ہے اور وکلاء حضرات اس کی قانون کی کتاب میں چسپیاں لگاتے رہتے ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔

لفظ دین کا مفہوم | آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ اسی موقع پر لفظ دین کے مفہوم کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ جس کی تشریح میں نے ابتدائی لفظوں میں مؤخر کی تھی عربی میں دین کے لغوی معنی ہیں "بدلہ"۔ ظاہر ہے کہ بدلہ کس کام کے قیوم کے طور پر ملتا ہے۔ اچھے کام کا اچھا اور بُرے کام کا بُرا بدلہ۔ لہذا لفظ دین میں جزا و سزا کا مفہوم پیدا ہوا۔ اس مفہوم سے لفظ دین میں قانون اور ضابطہ کا تصور ظاہر ہوا۔ چونکہ جزا اور سزا مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطہ کو۔ اس تصور کے مقتضیات و لوازم کے طور پر اسی لفظ دین میں ایک معنی اور مطاع کا مفہوم داخل ہوا۔ اب بدلہ، جزا و سزا، قانون و ضابطہ اور مقتن و مطاع کے تمام مفہام کو سمجھ لیجئے تو حاصل مجمع ہوگا احاطت۔ لہذا ان تمام مطالب و مفہام و خصوصیات کے اجتماع سے قرآن مجید کی اصطلاح "دین" بنی۔

دین کے معنی ہوئے ایک دستور۔ ایک پورا نظام حیات۔ ایک نقل و حال ضابطہ زندگی میں

میں ایک مستحق یا اداریہ کو مطاع و معتقن اور حاکم مطلق تسلیم کر کے اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اس، استحقاق یا اداریہ کی کمال اطاعت کرنا۔

ان تمام مضامین کو قرآن مجید میں ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے: اِنَّ السَّيِّئَاتِ جُنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامِ۔ بلاشبہ اللہ کا پسند کردہ نظام حیات تو اسلام یعنی مکمل تابع داری ہے یہاں دین اور اسلام کے فرق کو بھی سمجھ لیجئے۔ ”الذین“ کے معنی یہاں ہیں ”نظام حیات۔ اطاعت اور اسلام کے معنی ہوں گے بعدداری اور فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا۔ نظام حیات اور سزا کے معنی میں یہ لفظ دین سورہ نصر میں استعمال ہوا۔ یَسْخَرُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَسْوَاجًا۔ غیر اللہ کے بنائے ہوئے نظام حیات پر بھی اسی دین کی اصطلاح کا اطلاق ہوگا۔ جیسے سورہ یوسف میں بادشاہ کے درگج نظام کے لئے دین الملک استعمال ہوا۔ چونکہ ملکیت میں حاکمیت مطلقہ بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ کسی تحدید کا پابند نہیں ہوتا۔

دستور قانوں کا تعلق | اب پھر جو عرض کیجئے اس بات کی طرف کہ دستور تو اصل میں نظام کو طے کرتا ہے۔ اور اس نظام کے تحت قانون کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ لہذا دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔ دستور طے کرتا ہے کہ حاکمیت کس کی ہے، اطاعت مطلقہ کس کی ہوگی۔ قانون سازی کا آخری اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کے دین میں حاکمیت مطلقہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔ اطاعت مطلقہ کی مراد اسی کی ذات عز و جل ہے۔ اس کی قائم کردہ حدود کے اندر اندر رہتے ہوئے اسلامی ملک کو پارلیمان کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

جمہوریت | ہمارے دور میں سب سے زیادہ مقبول اور ردعمل نظام جمہوریت ہے۔ گو کل سب سے زیادہ زوال جمہوریت کا سنگہ ہے مگر سلطانی جمہور کا آنا ہے نہ یہاں آتا، نہ آتا ہے بلکہ دیکھئے تو یہ دو جمہوریت کا دور ہے۔ یہ بھی ایک دین ہے۔ جمہور۔ اس کا اصل یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ عوام کی۔ عوام کے منتخب کردہ نمائندے جو چاہیں قانون بنائیں گے۔ انہیں اختیار ہے کہ شراب پر پابندی لگائیں یا اسے ہینٹا امریٹا قرار دیں۔ ان کے کہ نہ پاپ کوئی سزا ملے کہیں یا اس کی کھلی جھوٹ دے دیں بشرطیکہ آپ کو معلوم نہ ہو کہ بے محابا میں نواخت کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ Homosexuality کو اس

قانونی منتقلہ دیا گیا ہے کہ دوسری مجلس میں شوہر اور بیوی کا مشترکہ قائم کردہ کسے میں قانون کن سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کا قانون سے جائز رشتہ ازدواج میں منسلک قرار دینا ہے ان پر شوہر اور بیوی کے تمام حقوق و فرائض کا اطلاق ہوگا۔ یہ سب جمہوریت جس میں حاکمیت مطلقہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے نمائندے جو چاہیں قانون بنائیں۔ ان پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

دین الملک اور دین اللہ کے مقابلے میں دین اللہ دین اسلام کیا ہے؟ وہ ہے دین اللہ کہ مطاع مطلق ہے اللہ۔ قانون سازی کا مطلق اختیار اللہ کو ہے۔ إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ أَمَرَ أَوْ نَهَى ذَٰلِكَ السَّبِيلُ الْقَیْمُ۔ ”حکمرانی اور فرماں روا کی حاکمیت اختیار صرف اللہ کے لئے ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے گی۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہوگی۔ اسی طرز عمل اور رویہ کا کام دین قائم ہے۔ ”اسلامی مملکت میں اللہ کی حاکمیت مطلقہ تسلیم کی جائے گی۔ اور اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت کے دائرو میں رہتے ہوئے حسب ضرورت قانون سازی ہوتی رہے گی۔ اصول دین سے کسی حال میں سربمواخراہ نہیں کیا جائے گا۔

ہمارے دستور کے قرار داد مقاصد عظمیٰ رحمتہ اللہ علیہ کی برسی کا دن تھا۔

میں تو برسی کا قطعی قائل نہیں ہوں۔ لیکن اس لحاظ سے بات تو بہن میں پیچھے لگتی کہ آج خدمات نے مولانا مرحوم کی چند دوسرے اہل علم و دانش کے تعاون سے مرتب کردہ اس قرار داد مقاصد کا متن بھی شائع کیا جو شش ماہ میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی۔ جو شش ماہ کے دستور تک ہر دستور میں بطور افتتاحیہ شامل ہے۔ اس قرار داد میں بات طے کی گئی تھی کہ اس سلطنت خدا داد میں حاکمیت اللہ کی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے اس کے نائب کی حیثیت سے امور و کاروبار حکومت چلائیں گے۔ وہ بہت اہم اور بڑا فیصلہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فیصلہ دل سے کیا نہیں گیا تھا۔ یہ تو مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیت، ان کی ملیت، ان کی وجاہت اہل ان کا پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لے کر عوام و خواص میں ان کی عزت و احترام اور ان کا اثر و رسوخ ان سب باتوں کا رعب اٹا تھا۔ پھر یہ کہ نواب لیاقت علی خاں مرحوم خود بھی مولانا کے کچھ بڑے رفیق تھے لہذا قرار داد مقاصد پاس ہو گئی۔ درودِ خیر امید ہے کہ اس مجلس میں چند لوگ ایسے ضرور ہوں گے کہ ان کو یاد ہو گا کہ قرار داد مقاصد کے منظور ہونے کے بعد

دستور ساز اسمبلی میں کچھ نام نہاد مسلمان ہی نے کھڑے ہو کر یہ کہا تھا کہ اس قرارداد کے پاس جو نے
 پراجہ ہماری گزشتہ شرم کے مارے جھک گئی ہیں آج ہم مہذب دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں
 رہے، اصل بات جو کہ دل سے نہیں نکلی تھی۔ اندر خاص شخصیتوں کے دباؤ تھے پھر خارج میں
 جماعت اسلامی کی برپا کردہ اسلامی دستور کی تدوین کے لئے کافی مؤثر تحریک تھی جس کے نتیجے میں
 اسمبلی میں خطوط، پوسٹ کارڈز اور تاروں پر مختلف پلیٹ فارموں سے منظور شدہ مطالبوں
 کی قراردادوں کی نقول سے پوریوں پر پوریوں بھر گئی تھیں اور ان کا نامتو بندھا ہوا تھا۔ ملک
 نیا نیا بنا تھا۔ عوامی دباؤ کا بھی یہ نیا تجربہ تھا۔ لہذا برسرِ اقتدار لوگ اس عوامی تحریک سے بھی کافی
 مرعوب ہو گئے تھے۔ رائے عامہ کا ظہور جس قدر بڑے پیمانے پر ہوا تھا اسے نظر انداز نہیں
 کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ قرارداد مقاصد منظور ہو گئی لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خارجی
 دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ اصل میں دل سے یہ بات نہیں نکلی تھی۔ لہذا وہ صفحہ قرطاس کی ذہنیت نہ
 بن گئی لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جو پیش رفت ہوئی چاہیے تھی وہ نہیں ہوئی
 نہ اس وقت ہوئی نہ آج تک ہوئی ہے۔

ایک کثیفہ | اس ضمن میں ایک لطیفہ بلکہ کثیفہ میں آپ کو سنا ہوں۔ ایک صاحب جو اس
 وقت اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل تھے اور مجھ سے بڑے تھے۔ اب بھی حیات
 ہیں اور اب ایک نامور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ لاہور میں مستقل طور پر رہتے
 ہیں۔ میں ان کا نام نہیں بتانا چاہتا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ لاہور کی مال روڈ پر جا رہے تھے تو
 ایک بڑی سی کار پاس سے گزری اور ایک بہت لمبی دائری والے ایک صاحب اس میں بیٹھے
 ہوئے تھے۔ میں نے توجہ سے دیکھا کہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا دیکھتے ہو؟ یہ "قرارداد
 مقاصد" ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے کہا کیا کہہ رہے ہو؟ وہ کار والے صاحب سے
 ذاتی طور پر واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ "ان کو لوگ" قرارداد مقاصد کہتے ہیں۔ میں نے
 پوچھا کیوں؟ بولے "جس طرح قرارداد مقاصد کی ہمارے ملک میں کوئی حیثیت نہیں ہے
 ویسے ہی ان صاحب کے کردار میں اس دائری کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اپنے کردار کے لحاظ
 سے یہ نہایت بد نام شخص ہے جو ابھی کار میں گزرا ہے لیکن یہ کہ دیکھا ہی دکھانے کے لئے
 بڑی سی دائری رکھی ہوئی ہے۔ جیسے قرارداد مقاصد کی حیثیت محض ایک دکھاوے کی چیز
 کے ہوا اور کچھ نہیں" ان کی بات صدی صدی درست ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ مستقل سال

تقریر کیے ہیں چھتیسواں سال شروع ہو چکا ہے۔ اس عرصہ میں اس قرارداد پر جو کچھ عمل ہوا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے لیکن فی الواقع اس قرارداد کا مقصد پروردگار اس دفعہ پر جو ہر دستور میں محض رہنما اصول (Directive Principle) کے طور پر درج ہوتی آ رہی ہے کسی دستور میں لکھا ہے نافذ العمل دفعہ (Operative Clause) قرار نہیں دیا گیا۔ وہ رہنما اصول یہ ہے کہ:

“No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah.”

”کوئی قانون سازی نہیں ہوگی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔“

اسلامی نظام کے مقتضیات | اگر قرارداد مقاصد اور رہنما اصول Operative Clause نافذ العمل دفعہ (منجائے اور یہ دونوں

خلاص کے ساتھ صاحب اقتدار حضرات کے دلوں میں اتر جائیں۔ پھر ملک کی تمام لٹری کوئٹس اور پیریم کورٹ کو کھلا اختیار دے دیا جائے کہ اس ملک کا رہنے والا ہر مسلمان اس دفعہ کے تحت جس قانون کو بھی چیلنج کرے کہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو وہ عدالتیں اس کو سنیں اور فیصلہ دیں۔ یہ دونوں چیزیں کسی ملک کے دستور اور نظام کو اسلامی دستور اور نظام بنانے کے لئے کفایت کریں گی۔ باقی رہی یہ بات کہ انتخابات کا طریقہ دہنچ کیا ہو! وہ جماعتی بنیاد پر ہو، متناسب نمائندگی کے اصول پر یا غیر جماعتی ہو۔ ملک کا نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی ہو۔ وحدانی ہو یا وفاقی یا الحاقی ہو۔ یہ سارے مسائل مباحثات کے دائرے کے ہیں۔ ہمارے ملک کے حالات کے اعتبار و لحاظ سے جو طریقہ مناسب نظر آئے اسے اختیار کر لیا جائے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ملک کا نظام، توحید پر استوار اور مبنی ہو۔ نظری حور پر تسلیم کیجئے اور عمل میں اس کا مظاہرہ کیجئے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ نظری طور پر یہ بات قرارداد مقاصد میں موجود ہے اور عملاً اس رہنما اصول کو نافذ العمل دفعہ بنانے کی ضرورت ہے کہ:

“No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah.”

”قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔“

قانون سازی کا ہمیں اختیار ہے۔ لیکن یہ اختیار محدود ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے اندر ساندہ اور ان کی روح کے مطابق قانون بنا سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں رد و بدل کرنے کے ہم ہرگز قطعی مجاز نہیں ہیں۔ ان سے تجاوز کر سکتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْتِزُوا عَنْهَا۔ ایک جگہ آئے ہے: تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْتِزُوا عَنْهَا۔ "یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔" اور "یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ چھو۔" اس دائرے کے اندر آپ قانون بنائیے۔ اس کے لئے بھی قرآن نے ہدایت دے دیا ہے: وَاصْطَلُوا شَوَارِئَ بَيْنِهِمْ۔ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کریں۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ مطلوب ہے واجب ہے کہ معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔

قابل صد افسوس بات | کیا ہے؟ ان کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ان کو کم ہے کہ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ۔ "اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔" ظلال قوانین کی طرف ہرگز نگاہ نہ اٹھانا۔ عائلی قوانین ان شرعی حد التوں کے حیطہ اختیار سے باہر ہیں۔ ان پر فیصلہ کرنے کی یہ حد التیں مجاز نہیں کہ ان میں شریعت کے خلاف کون کون سی دفعات ہیں۔ ان عائلی قوانین کو مصائب اقتدار حضرات کا تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ ڈر ہے کہ اگر ان میں سے خلاف شرع دفعات حذف کر دی گئیں تو مغرب زندہ قوانین ناراض ہو جائیں گی۔ گویا ان کی ناراضگی کا اللہ کی ناراضگی سے زیادہ خوف ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان کی رضا اللہ کی مرضی و رضا سے زیادہ عزیز ہے۔ ان شرعی حد التوں کو اس امر کا پابند بھی کر دیا گیا ہے کہ یہ مالی قوانین کے بارے میں بھی فیصلے دینے

لے ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کا اختیار کا کیفیت اس گھوڑے کے مانند ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا۔ اس جتنی لمبی رسی ہے اسی قدر وہ اس کھونٹے کے چاروں طرف چلا سکے گا۔ اس رسی سے تجاوز نہیں کر سکے گا۔ یہاں پر ظلال ایک مومن بندے کا ہونا چاہیے۔ (اداکما قال) اس سے ایک صحیح اسلامی ریاست کی حدود اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں اختیارات کی حد بندی کے لئے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ رہنمائی کرتی ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْضُوا بَيْنُنَا بَيْنَكَ اللَّهُ وَرَسُولِهِ إِنَّ اللَّهَ لَمُنِيرٌ فَلْيُنِيرْ۔ "اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کے لئے (یعنی ان کے لئے) اللہ سے بہتر شہید دیکھ کر خدا اللہ کی توفیق سے بخیر۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" اس آیت کی رو سے ایک اسلامی ریاست کو وہاں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے تابع ہونا لازم ہے۔ (مترجم)

مجاز نہیں ہیں کہ کون سے قوانین اور طواریق خلاف اسلام ہیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم تین
 م تو ملیات کا نظام ہی ہوتا ہے۔ آج کی دنیا میں سارا دار و مدار تو معاشی نظام پر ہے۔ وہ طے کرتا
 ہے کہ پورا نظام کن اصولوں پر چلے گا۔ آپ کو یہ ادنیٰ تاقل نظر آجائے گا کہ پانچویں پورے نظام معیشت
 دار و مدار حرام پر ہے۔ ہماری تمام بڑی بڑی صنعتیں اور ہماری تمام برآمدی و درآمدی تجارت سود کی بنیاد
 چل رہی ہے۔ ہماری زمین یعنی کاشت کاری کا اکثر و بیشتر بندوبست جاگیر داری اور زمینداری کی بنیاد پر
 چل رہا ہے۔ ایک ہے صنعت و تجارت کا سود اور ایک ہے زمین کا سود۔ معیشت کا کل کا کل نظام
 سود کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ لیکن شرعی حد التول کے ہاتھ باندھ دیئے گئے کہ وہ ان مسائل کے متعلق
 کوئی حل نہ دے گا۔ انہیں دے سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند اور بھی مسائل ہوں جو ان حد التول کے
 محیط اختیار سے باہر رکھے گئے ہوں، بہر حال عالمی قوانین اور مالی قوانین پر یہ حد التول کسی غور و فیصلہ
 کی مجاز نہیں ہیں۔ ان امور کو اگر دین کے تابع نہیں کیا گیا تو گویا بنیادی باتوں ہی سے اعراض و
 گریز کیا جا رہا ہے۔ پھر اسلام آئے گا تو کیسے آئے گا۔ اگر اسلام کوئی الواقع لاٹا ہے تو ان سب
 کو بدلنا ہو گا۔

آیت کی مزید توضیح و تشریح | یہ باتیں تو جملہ لائے معترضہ کے طواریق درمیان میں آئیں
 اب آئیے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر سہا کی طرف۔ میں نے
 اس آیت کی ابھی تک صرف دو باتوں کی شرح کی ہے۔ ایک توبہ کہ ان پانچوں رسولوں کا دین ایک
 ہے۔ اور یہ پانچوں چوٹی کے رسول ہیں۔ اسی کے پاؤں میں سب کے پاؤں معلوم ہوا کہ تمام انبیاء
 و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے۔ از آدم علیہ السلام تا اس دم۔ دین الہی ایک ہے۔ یہ دین کیا ہے؟
 یہ ہے **كَانِبُدِ اللّٰهُ مَخْلَصًا لِّلَّذِيْنَ ءٰلِ الْفَرَاوِیْ سَلَحَ پُرَاوَا جَمْعًا** یہ بات مانو کہ اللہ
 ہی ہے حاکم مطلق۔ **اِنَّا لَنُكَلِّمُکُمْ اِلَّا بِاللّٰہِ**۔ اسی کے قانون کی تنفیذ ہو۔ جہاں اس نے آزادی دے
 رکھی ہو وہاں تم حدود میں رہ کر قانون بناسکتے ہو۔ یہ اسی کی دی ہوئی آزادی ہے۔ لیکن اس کی توجہ
 حدود سے ہرگز تجاوز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں رد و بدل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہو گا دین کو قائم کرنا۔
 یہ ہے اقامت دین۔ اس کو سمجھنے کے لئے اب آیت مبارکہ کے اگلے حصے پر آجائیے۔ اس کیلئے
 آیت کا متعلقہ حصہ پھر سماعت فرمائیے: **شَرَعَ لَّکُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصَّی بِہٖ نُوْحًا
 وَّالَّذِیْ اٰدَحٰیْنَا اٰیٰتِہٖ وَّمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرٰہِیْمَ وَّمُوسٰی وَّعِیْسٰی اَنۡ اَقِیْمُوا
 الدِّیْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا فِیْہِہٖ ذِیۡنَ الْاٰہِیۡمَ** کہ اس کو قائم کرو۔ اس لئے تو نہیں

دیا گیا کہ اس کی مدح کرو۔ اس کی تعریفیں کرو۔ اس پر کانفرنسیں کرتے رہو۔ کانفرنسیں اور محاضرات
 قرآنی ہم بھی کرتے ہیں، لیکن اگر ان کانفرنسوں اور محاضرات سے مقصود یہودین کو قائم کرنے کی جدوجہد
 میں کام لینا تو ان کا اتحاد مبارک۔ اور اگر یہ چیزیں اپنی جگہ مقصود و مطلوب بن جائیں اور گفتگوں و
 برخاستن تک معطل رہے تو ان کا کوئی حاصل نہیں۔ کسی پیشین نظر عظیم کام کے لئے یہ تو یہ اس کام
 ہے چونکہ ظاہرات ہے کہ اس کے کچھ *Practical Aspects* ہوں گے۔ لہذا اصل
 مقصود ہی اس کام کا صحیح مقام متعین کرے گا۔ اقامت دین کی جدوجہد کے طور پر تبلیغ ہو رہی ہو تو
 وہ تبلیغ اور ہوگی۔ اور اگر تبلیغ برائے تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہوگی۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق
 ہو جائے گا جیسا کہ میں پہلی مرتبہ عرض کر کے گیا تھا کہ ایک ہے خالص مذہبی طرز کی تبلیغ۔ ایک تبلیغ ہے
 انقلابی تبلیغ، ایک تبلیغ وہ ہے جو صرف عقیدہ کو پھیلاتی ہے جیسے عیسائیت کی تبلیغ۔ وہاں نظام
 ہے ہی نہیں، دین ہے ہی نہیں، شریعت موجود ہی نہیں ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام! اس کے
 احکام موجود ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں صرف عقیدہ ہے یا اخلاقیات کی کچھ تعلیم ہے۔ اخلاقیات
Moral کے بارے میں ابتدائی میں میں نے بتایا تھا کہ سب کے نزدیک یہ مشترک چیزیں
 ہیں۔ ان کو *Universal Ethics* آفاقی اخلاقیات کہنا بجا ہوگا۔ شریعت ان
 کے ہاں سے ہے نہیں تو نظام کیا بنے گا! لہذا ان کی تبلیغ صرف عقیدہ اور چند اخلاقیات
 اصولوں کی تبلیغ ہے جس طریقے سے ایک جہل ہوتی ہے جو وہ زمین پر پھیلتی ہے۔ سروسے سے اوپر
 اٹھتی ہی نہیں۔ وہ غریبوں کے ہو، کدو کی ہو، کسی چیز کی بھی ہو وہ زمین پر رہا رہ جائے گی۔ اوپر نہیں
 اٹھے گی۔ یہی مذہبی تبلیغ کا مزاج ہے کہ وہ زمین ہی پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ کبھی نظام قائم نہیں کرتی
 نظام کا قیام اس کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں۔ لیکن انقلابی تبلیغ کسی نظام کو برپا کرنے کے لئے ہوتی
 ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے اشتراکی تبلیغ ہے۔ ایک اشتراکی تبلیغ کے ذریعے اپنے نظریات
 کو پھیلاتا ہے۔ لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔ اپنا لٹریچر پھیلاتا ہے۔ غزلوں سے، نظموں سے،
 انسانوں سے، ڈراموں سے اور بہت سے ذرائع سے وہ اپنے فکر کو پھیلانے کے لئے جدوجہد
 کرتا رہتا ہے۔ پھر اس فکر کو قبول کرنے والوں کو منظم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے پیش نظر انقلاب
 برپا کرنا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک نظام ہے جسے وہ سمجھتا ہے کہ صحیح اور بہترین نظام ہے۔ وہ
 سمجھتا ہے یا درست سمجھتا ہے اس سے قطع نظر وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ وہ نظام ہے جو عدل
 پر مبنی ہے۔ وہ اس نظام کو برپا کرنے کے لئے تبلیغ کر رہا ہے۔ تو اس انقلابی تبلیغ میں

دوسرے دو گروہ تودہ گمراہی، یہ تفرقہ ہو جائے گا۔ تفرقہ یہ کہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں۔ پہلی کھینچ جائیں۔ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اختلاف تو امام ابوحنیفہ سے کیا امام شافعی نے درجہ اولیٰ امام ابوحنیفہ کے بعض فتاویٰ سے اختلاف کیا ہے فقہ امام موصوف -

کے شاگردوں نے اپنے استاد سے۔ امام محمد اور امام قاضی ابویوسف نے بعض مسائل میں امام رحمہ اللہ کی آراء سے اختلاف کیا کہ نہیں کیا۔ ایک امام دوسرے امام کی رائے متبع اور فتویٰ سے اختلاف کر سکتا ہے ایک شاگرد اپنے استاد کی رائے سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ان سب کی تینیں نیک ہیں، مگر برا خاص ہیں۔ یہ سب دین الہی کا حکم اور اس کا انشاء معلوم کرنا چاہ رہے ہیں۔ تیس اور اجتہاد کے ذریعے سے لیکن چونکہ استنباط کے اصول میں کچھ اختلاف ہے۔ لہذا نتیجے مختلف نکل رہے ہیں۔ پس اختلاف نیک بنتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بُری شے نہیں ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف سے دنیا کی رونمائی میں۔ ذوق نے کہا ہے -

گہائے رنگارنگ ہے ہر ذوق چمن اے ذوق زیباں میں کونسا اختلاف ہے

ایک گلاب کا پودا ہے، اس میں جو پھول لگتے ہیں وہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا رنگ اور انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اسی طرح غور کیجئے کہ ایک ہی طرح کے تمام انسان ہوتے۔ رنگ ایک، شکل و صورت ایک، ناک نقشہ ایک تو کتنی اکٹا دینے والی کیسانیت (Monotony) ہو جاتی۔ ایک دوسرے کو پہچانا مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔

تفریق دین ایک نوع کا شرک ہے | لیکن تفرقہ کے متعلق جان لیجئے کہ امت میں تفرقہ اور

کہتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ قَوْلُوْا دِیْنَهُمْ وَ سَاَلُوْا شِیْعَتَ اَنْتُمْ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ (اے نبی!) جو لوگ اپنے دین کو پھاڑ دیں، ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اس میں تفرقہ ڈال دیں اور گمراہیوں میں بٹ جائیں یقیناً (اے نبی!) ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں نوٹ کیجئے ایک ہے تفریق دین۔ قَوْلُوْا دِیْنَهُمْ۔ انہوں نے اپنے دین کو پھاڑ دیا۔ دین کو پھاڑنا کیا ہو گا! - نظام الاماعت کو تقسیم کر دینا۔ ایک حصہ میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہے اور دوسرے حصوں میں اطاعت ہو رہی ہے کسی اور کی۔ کہیں ہو رہی ہے شریعت الہی کی اور کہیں ہو رہی ہے اپنے نفس کی خواہشات کی۔ کہیں زمانے کے چلن اور فیشن کی۔ کہیں برادری کے معاہدے کی۔ پھر دین؟ چلا دیا گیا ہے۔ یہاں قَوْلُوْا دِیْنَهُمْ نہایت قابل غور حصہ ہے۔ قَوْلُوْا، یَقْرَءُوْا قَوْلُنَا آتے ہیں پھاڑ دینے، کاٹ دینے، ٹکڑے ٹکڑے کر دینے اور جدا جدا کر دینے کے لئے۔ دوسرا

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی توانائیاں — اور اپنی قوتیں
اس توحید علی پر مرکوز کریں اور انفرادی سطح سے اجتماعی نظام تک اس توحید کو برپا کرنے
کے لئے اپنی کمرس لیں۔

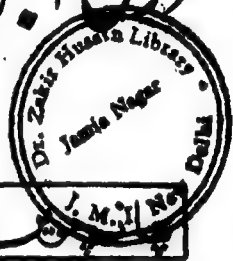
أَقُولُ قَوْلِي هَذَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ
وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَخْرُجُكُمْ وَأَنَا أَوَّلُ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ — !

(جہاڑی ۴)

إِنشَاء اللہ العزیز

مرکزی انجمن خدامِ اہلِ قرآن • لاہور

کے زیرِ اہتمام



باب

محاضرہ قرآنی

موزعہ ۲۵ مارچ ۲۸ مارچ ۸۲ ر ۵ بمقام : جناح ہال

میں منعقد ہوئے جن میں مقامی اصحاب علم و دانش کے علاوہ ہندوستان سے
بھی علماء کرام شرکت فرمائیں گے

خُسرانِ اُخروى سے بچنے کا راستہ

محمد اقبال واحد

علاج بن یوسف نے عبدالملک کی حکومت کو اپنی بنانے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار تابعین کو شہید کر دیا۔ امام ابو حنیفہ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ امام شافعی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ امام مالک کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ ان کے شانے اکھڑ کر رہ گئے۔ امام احمد بن حنبل کو تین طوک کے زلزلے میں اتنے کوڑے مارے گئے کہ ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو وہ بھی مرجاتا۔ قصہ کوتاہ اہل حق پر اہل دین پر ظلم و ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہ اُس سرزمین میں ہوا جو اسلام کا اولین گہوارہ تھی۔ مصر شام عراق ہندوستان میں انسان پر جو گزری وہ ایک طویل استحصال کی دردناک داستان ہے۔ وہ اندلس جہاں مسلمانوں نے ۷۱۲ سال حکومت کی تھی۔ علم و ادب تہذیب و تمدن کے چراغ اُس وقت جلائے تھے۔ جب یوہپ جانوروں کی طرح ہاتھ سے پیالہ بنا کر پانی پیتا تھا۔ زوالِ فرائط کے بعد مسلمانوں نے اپنی ایک خود ساختہ تعذیب گاہ ریگوری ایشن کے ذریعہ ۳۲ ہزار مسلمانوں کو زندہ جلا دیا۔ اور اُس سے کہیں زیادہ کو ساری عمر کے لئے اعضاء سے محروم کر کے اپانچ اور بے سہارا بنا دیا۔ اور بالآخر ایک ایک مسلمان مرد و عورت بچے بوڑھے حکومت کے گھاٹ اتار کر سپانیہ سے مسلمانوں کے وجود کو نیست و نابود کر دیا۔ پھر اسی اثنا میں صحرائے گولبی سے وحشی تاتاری اُٹھے جن کا مقصد نہ فرماں روائی تھا نہ کشور کشائی۔ بس اُن کا ایک ہی دل پسند مشغلہ تھا۔ بستیوں کی بستیاں نذر آتش کر دینی تھیں۔ اور انسانی گھوڑیوں کے بلند و بالا مینار بنائے جاتے۔ اور بس وہ مینار بناتے چلے گئے۔ بعد از جو علم و فن کا گہوارہ تھا اُسے دریا برد کر دیا۔ عالمِ اسلام کے لئے یہ ایک قیامتِ صغریٰ تھی۔ جو چنگیز اور ہلاکو کی شکل میں بلائے بے زبان بن کر آئی۔ ہندوستان میں اکبر دی گریٹ نے مسلمانوں کے جان و مال کو تو کچھ نہ کہا۔ لیکن اُن کے دین کا منہ کر کے رکھ دیا۔ اور اب آئندہ مدید کی طرف جیسے

دور علم و دانش پھلا جاتا ہے۔ استحصال کا جائزہ لیں۔ جس میں خیرے استحصال اپنی بلندیوں کو چھو تا نظر آتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یو این او بھی موجود ہے۔ اور دنیا بھر کے مسافر و مشنریں حقوق انسانی کا رونا بہت زور و شور کے ساتھ روایا گیا ہے۔ لیکن عملاً کیا ہوا اور کیا ہوتا رہا ہے۔ روسی سوئٹزرلینڈ نے لاکھوں انسانوں کو محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ سوئٹزرلینڈ کے نظریہ کے حامی نہیں تھے۔ سائبریا کے سرد پوش جنگل یا جہنم میں دھکیل دیا۔ جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم جو بے مقاصد محاربے تھے، اُن کے ذریعہ وہ قیامت نوع بشری پر گذر گئی کہ پندرہ کروڑ سے زائد انسان ہلاک اور پچاس کروڑ سے زائد مجروح اور ایک ارب سے زیادہ گھر سے بے گھر وطن سے بے وطن ہو گئے۔ امریکہ جو دنیا بھر میں علم و دانش تہذیب و تمدن کا نمونہ بنا پھرتا ہے۔ اُس نے جاپان کے دوستہروں ناگاساکی اور ہیرشیما پر ایٹم بم برسا کر انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔ ویٹ نام میں جو کچھ ہوا۔ اور اب افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس سے کون بے خبر ہے۔ اسرائیل نے قبلہ اول کو آگ لگا دی اور لبنان میں اُس بربریت کا مظاہرہ کیا۔ کہ اگر جنگل کے جانوروں کو بھی اُس کا پتہ چلے تو شرم سے سر جھکا لیں رمانشاہ پہلوی نے ایران میں ۲۰ ہزار آدمیوں کو اس وجہ سے کہ وہ اپنے ملک میں اسلامی جمہوریت چاہتے تھے اپنی شاہی کے تحفظ میں گولیوں سے بھونک کر کھ دیا۔ مصر میں جمال عبدالناصر اور انور السادات نے اخوان پر وہ مظالم ڈھائے۔ کہ زمین چیخ اٹھی اور آسمان رو دیا۔ محض اس جرم میں کہ وہ اپنے ملک میں اسلامی نظام حیات چاہتے تھے۔ اور مصر پاکستان میں کیا ہوا۔ ایک صاحب انار بیکہ الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے ہوئے روٹی کپڑا اور مکان کا جھانہ دیتے ہوئے جو دروازے سے ایوان اقتدار میں داخل ہوئے وہ روٹی کپڑا اور مکان تو کیا دیتے۔ روٹی کے نام پر فائدہ کپڑے کے نام پر کفن اور مکان کے نام پر قبرستان الاٹ کرتے ہیں۔ اُن کی عزت کا یہیں غریب عوام کی ہوشیوں کی عصمتوں سے اور اُن کے خون سے اُن کے محلات اور قصور کے فانوس جلتے ہیں۔ اور جب اُن کے خلاف ایک تحریک احتجاج اٹھی تو

اپنے ہم وطنوں کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا مختصر یہ کہ پوری انسانی تاریخ میں ادا سولے خلافت راشدہ اور عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سال کے استیصال ایک ایسا حادثہ نہ ہوا ہے۔ جو ہر زمانے میں انسان کے گوشت خون ہڈیوں جان مال عزت آبرو و شرف منزلت پر ناچتا نظر آتا ہے انسان نے انسان کے استیصال کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ راعی نے رعایا کا قوی نے ضعیف کا طاقت ور نے کمزور کا علم نے جہل کا صنعت کار نے مزدور کا سیاست کے لباڑے میں یا مذہب کے لباڑے میں کسی نے پیری فقیر کی کے نام پر کسی نے حکومت و فرمان روائی کے نام پر کسی نے علم کے نام پر کسی نے عقائد کے نام پر کسی نے ملک کے نام پر کسی نے بالائری کے نام پر کسی نے رنگ و نسل کے نام پر کسی نے سفید فام کے نام پر اور کسی نے سرخ فام کے نام پر وہ استیصال جان مال اور آبرو کا کیا ہے۔ کہ اگر اُس خون کو اکٹھا کیا جائے۔ جو انسانی استیصال میں بہا ہے۔ تو بحر احمر کا پانی خون میں تبدیل ہو جائے۔ اور احوال کا جو ضیاع ہوا ہے۔ ایک قارون تو کیا دس قارونوں کے خزانے ہوں تو اس کا مقابلہ نہ کر سکیں اور عزتیں حرماتیں عصمتیں جو برباد کی گئی ہیں چند سے ختم ہو جائیں لیکن اُن کی تعداد و شمار ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ کیا انسان پاگل ہو گیا تھا۔ یا یہ دنیا ایک بڑا پاگل خانہ ہے۔ جس میں ایک دوسرے کے جان مال اور آبرو پر دھندوں کی طرح ٹوٹ پڑا ہے۔ نہیں ایسا یہ دیوانگی اور فرزانگی کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ بس بات صرف اتنی تھی۔ کہ انسان کا دل رحمان کے ایمان سے خالی ہو گیا اور وہ اُس ازلی میثاق کو بھول گیا۔ جو اس نے یوم الست اپنے پروردگار سے کیا تھا۔ کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہم آپ کے بندے ہیں کہ رہیں گے۔ برخلاف ازیں شیطان نے خدا کو جو چیلنج دیا تھا۔ کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اس چیلنج میں اُس کا معاون بن گیا۔ گویا تمنا الفاظ و گرائس نے شیطان سے سمجھوتا کر لیا۔ انبیاء علیہم السلام کے پیغام و کلام کی تکذیب کی الہامی و سماوی کتابوں کو اُن کی تعلیمات کو کسی درجہ میں اہمیت دینے سے انکار کر دیا۔ دین جو امن و سلامتی کا سرسبز نظام حیات تھا۔ اُس کے بالمقابل اپنے نفس کے نظام حیات

کو ترجیح دی۔ گویا دوسرے نفلوں میں معبود حقیقی کے مقام پر اپنے نفس کے الہ کو لا بٹھایا۔ اور جو اُس نے کہا وہ کیا۔ آخرت اور جنت اور لعنت بعد الموت کا کوئی تصور ایسے سامنے جب آیا۔ تو اُس نے اس سے راہ فرار اختیار کی۔ دنیا کی ہی زندگی کو بار بار عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے مصداق اپنے لئے مدارجیات قرار دے لیا۔ اور پھر اُس نے اپنی دنیا بنانے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اس کے لبس میں تھا۔ جس کے نتیجے میں پوری انسانیت پس کر رہ گئی۔ یہ سب وہ خمران جیسے اس سعادت کی ابتداء میں والعصر کی قسم کے ساتھ زمانے کے تاریخی وقائع کی روشنی میں تاریخ نگ کے فی الواقع پس منظر میں اتنا انسان لغی خمر کے الفاظ میں بارگاہی تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن یہ اُس خمران کا ایک مختصر حصہ ہے۔ مختصر اس اعتبار سے کہ یہ خمران جان و مال بہر حال ایک نہ ایک دن ختم ہو جانے والا ہے۔ جو انسان کو اس خاکدانِ ارضی میں حیات فانی میں پیش آیا ہے۔ خمران کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اور اب مجھے اس کے بانی میں عرض کرنا ہے۔ وہ انسان کی معنوی روحانی اور بالآخر اخروی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے نتائج بعثتِ بعد الموت کے بعد اُس کے سامنے آنے والے ہیں۔ لہٰذا ٹھیکہ اُس نے اپنے رویہ زندگی میں کوئی تبدیلی نہ کی، باوجود اس بات کے کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب اُن مسلمانوں کی تعداد جو قرآن پیرا اور قرآن کی سودہ والعصر پڑھان رکھتے ہیں، موجود ہے۔ لیکن کہیں بھی اسلام کا نظام حیات قرآن کا ایمان و یقین صواب و احتساب کا تصور حیاتِ اخروی کا یقین اور اُسکی کامیابی و کامرانی کا جذبہ موجود نہیں ہے۔ غیر مسلم تو غیر مسلم ہیں۔ مسلمان جو الٰہی نظام حیات کے قیام کے اقامت کے ذمہ دار تھے، ترجمان تھے، نہ ترجمان ہیں نہ ذمہ دار ہیں نہ ان کو اپنی ذمہ داری کا شعور لاحق ہے۔ وائے لاکامی نتائج کارواں جاتا رہا اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔ بہر حال اگر نام نہاد مسلمانوں نے پوری انسانی برادری نے اسلام کے نظام حیات سے انخاص کا وہی رویہ اختیار کر کے رکھا۔ جو اُس کا دلیہ بن چکا ہے۔ تو اُسے جان لینا چاہیے۔ کہ اُس کی موجودہ زندگی کے بعد جو خمران کا دور آنے والا ہے۔ اُس کی کوئی نسبت حصہ اول کے خمران سے

نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ فانی ایک بے ایک روز ختم ہو جانے والا خسران اُس خسران کے بالمقابل کوئی شے نہیں ہے۔ جو مستقل اور دائمی ہے۔ جس دن اُسے اپنے خالق کے سامنے اپنے مالک کے سامنے اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہو کر بتانا ہو گا۔ کہ اُس نے اپنی حیات ارضی میں کیا رویہ اختیار کیا تھا۔ اُس دن ان لوگوں سے کہا جائے گا۔ آج تم اپنا حساب خود ہی کرو۔ آج تم اپنے حساب کے لئے اُپ بکائی۔ کہ تم کس مخلوق کے سزاوار ہو۔ یہ استحصال وہ خسران ہو گا جس میں کوئی نفع کسی دوسرے انسان کا استعمال نہیں کرے گا۔

انسان کا اپنا وجود انسان کا اپنا نفس انسان کی اپنی ذات عالم بھی ہو گی اور مظلوم بھی۔ اُس کے اعمال جو اُس نے دنیاوی زندگی میں انجام دیے ہیں ظلم کی برکتی شکل اختیار کریں جس کے نتیجے میں انسان کو ایک ایسے خسران سے گزرنا ہو گا۔ ایسے مذابغے گزرنا ہو گا جو لامحدود بھی ہو گا۔ اور خالد بھی۔ یہ مطلب ہے۔ ان لانا غنی خیر اور جس کو میں نے دو حصوں میں جو در حقیقت ایک ہی حصہ میں اور جو نتیجہ میں فقدان ایمان کا اور ترک اعمال کا بیان کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ اس خسران زبان نقصان دنیاوی و دُخروی سے بچنے کا کیا طریقہ ہے۔ قرآن کی موجودہ سورت میں زیر بحث سورت العصر میں باری تعالیٰ نے ایک چار نکاتی فارمولہ پیش کیا ہے۔ اور وہ ہے ایمان، عمل صالح، تواضع بالحق، تواضع بالصبر پر مشتمل اس فارمولے کو میں مندرجہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اس فارمولے کے پہلے جزو ایمان کے بارے میں عرض کروں۔ ایمان کی حقیقت کو جان لینا چاہیے۔ ایمان کا تعلق نظری اور علمی موٹگیانیوں سے نہیں ہے۔ نہ اُس کا تعلق استدلال سے ہے۔ نہ اُس کا تعلق علم کلام سے ہے۔ نہ اُس کا تعلق اخرف زبان سے ہے۔ اس کا تعلق محض اور محض دینی غذا وندی ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق ہو اور کوشش راست ہو۔ ایمان پانچ حصوں پر مشتمل ہے ایمان باللہ ایمان بالرسالت، ایمان بالکتاب ایمان بالملائکہ، ایمان بالآخرۃ کتب کے پہلے ہم ایمان باللہ کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کیا ہے اُس کے تقاضے اور مقتضیات کیا ہیں اور وہ کن امور اور کن مشلات پر مشتمل ہے۔ ایمان باللہ محض یہ نہیں ہے۔ کہ اس کائنات

اور مشیت اور دستور و قانون کے مطابق ہونے پابنیں۔ اور جب اجتماعی زندگی کا معاملہ سامنے آئے۔ تو وہاں بھی سیاسی اور تمدنی علمی اور تہذیبی فرمان روائی تمام تر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ خواہ وہ معاشرہ کی شیرازہ بندی ہو جماعت سازی ہو حکومت سازی ہو۔ ایوان پارلیمان ہو۔ ایوان صدر ہو ایوان شوری ہو، علوم کی درس گاہیں ہوں، معیشت کے بازار ہوں، معاشرت کے کاروبار ہوں۔ سیاست کے ہنگامے ہوں و فتر ہوں، دفاتر ہوں، کالج ہوں یونیورسٹیاں ہوں، عدلیہ ہو انتظامیہ ہو مقننہ ہو خطابت ہو صحافت ہو کتابت ہو تحریروں پر تقریر ہو طرز رہائش ہو طرز بود و ماند ہو طرز نشست و برخاست ہو۔ طرز گفتگو ہو طرز کلام ہو طرز سلام ہو طرز انعام ہو۔ گھر ہو باہر ہو بازار ہو وغیرہ جسکے ہر شعبہ زندگی میں ماکیت فرمان روائی صرف اور صرف خالق کائنات کیلئے مخصوص اور معتبر ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ کلام نہ تدبیر امر میں نہ حکمت میں نہ دانائی میں نہ اقتدار میں نہ جہاں بانی میں نہ شکل کشائی میں نہ جماعت روائی میں نہ دعا میں نہ دعا میں نہ پکار میں نہ دنیا میں نہ بر سرخ میں نہ حشر میں نہ حساب میں نہ احتساب میں نہ جنت میں نہ دوزخ میں نہ کوئی نبی نہ کوئی رسول نہ کوئی صدیق نہ کوئی شہید نہ کوئی ولی نہ کوئی صالح نہ کوئی مؤمن نہ وہ حاکم علی اللطائف و حاکم مطلق العنان و حاکم کائنات مجملہ شے کائنات وہ مالک الملک وہ مالک زندگی اور موت وہ مالک جسم و جان وہ مالک زوال و کمال وہ مالک لذت و رذی وہ مالک صحت و ندرستی اُس کے سوا نہ کوئی اللہ نہ کوئی معبود نہ کوئی قابل پرستش نہ کوئی لائق اطاعت نہ کوئی وجہ وفاداری کوئی نظام کوئی قانون کوئی دستور حیات کوئی ضابطہ زندگی کوئی راہ عمل کوئی راہ گزر نہ کوئی اُس کے سوا مقرر کرنے والا ہے۔ نہ دینے والا ہے نہ مطالبہ عمل کرنے والا ہے۔ کوئی اُس کے سوا عبودیت و محبت کے قابل نہیں۔ کہ کوہ و سجدہ کے لائق نہیں۔ دعا میں سننے والا نہیں مشکلات کو دور کرنے والا نہیں مصائب سے نجات دینے والا نہیں عزت دینے والا نہیں ذلت سے بچانے والا نہیں کمال سے آشنا کرنے والا نہیں زوال سے پناہ دینے والا نہیں رذی میں کمی بیشی کرنے والا نہیں توفیق ایمان توفیق ہدایت توفیق اطاعت دینے والا نہیں۔ آخرت میں نجات دینے والا نہیں۔ غفور و درگزر کرنے والا نہیں اُس کی جناب

میں اُس کی اجازت کے بلاذکوئی سفارش نہ شفاعت کنندہ امر اُس کا ، نہ ہی اُس کی معروفات اُس کے معروفات منکرات اُس کے منکرات مرئی اُس کی مرئی مشیت اُس کی مشیت ارادہ اُس کا ارادہ فیصلہ اُس کا فیصلہ وہی نافع وہی قہار وہی رحمان وہی رحیم وہی قادر وہی قدیر وہی مقتدر وہی متان وہی متان وہی کریم وہی دہا وہی سراسر حق و سلامتی کا السلام وہی امن کا المومن وہی وکیل وہی کفیل وہی قریب وہی مجیب وہی عظیم وہی جلیل وہی ذی الطول وہی عزیز وہی قوی وہی مستین وہی علیم وہی حکیم وہی غنی وہی مہم کہ سب اُس کے محتاج وہی مستعان کہ اُس کے سوا کوئی مستعان نہیں وہی غفور وہی غفار وہی غافر کہ اُس کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں درگزر سے کام لینے والا نہیں وہی باقی کہ ہر شے اُس کے سوا فانی وہی واجد وہی مابد وہی جمید کہ اُس کے سوا کوئی عظیم نہیں جلیل نہیں بزرگ نہیں بزرگ نہیں بالا نہیں بالاتر نہیں نہ کمال میں نہ شرف میں نہ عزت میں نہ منزلت میں نہ جاہ میں نہ جلال میں نہ شان ہی میں نہ بادشاہی میں نہ ذات میں نہ صفات میں ۔ اُس کے سوا کوئی قدوس نہیں نہ قدس میں نہ پاکی میں نہ پاکیزگی میں پس اُس کے سوا کسی کے لئے عبادت ہے نہ اطاعت ہے ۔ نہ دعا ہے نہ پکار ہے نہ رکوع ہے نہ سجود ہے ۔ نہ عزت ہے نہ محبت ہے ۔ نہ نماز ہے نہ قربانی ہے ۔ نہ ذکر ہے نہ فکر ہے ۔ نہ شوق ہے نہ ذوق ہے بس سب کچھ اُس کے لئے ہے ۔ اللہ ہو بس باقی ہوں ۔

ایمان بالرسالت ایمان بالرسالت کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام گروہ انبیاء و رسل پر ایمان ہو کہ وہ خالق کائنات کے مامور تھے فرستائے تھے ۔ نبی تھے پیغمبر تھے لیکن جہاں تک آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے ۔ یہ ایمان ہو کہ آپ خدا کے آخری رسول خاتم النبیین وحی خداوندی کے ترجمان خدا کے فرستائے اور نمائندے مستند اور مجاز ہیں حقیقت میں کہ آپ کی ذات گرامی قیامت تک کے انسانوں کے لئے مطاع ہے ۔ ایک ایسے مطاع کی جس کی اطاعت اور اتباع اطاعت و اتباع خداوندی ہے ۔ جس کا ہر قول فعل عمل تقریر پوری امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے ۔ جو وہ نے وہ لے لو جس بات سے اُس نے روکا ہوا اُس سے روک

جاء۔ اُس کی زندگی گویا اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ نقش اول و آخر اُس کا سوا
 حصہ زندگی کے تمام تر معاملات میں مشعل راہ راہ عمل زاد عمل اُس کے طعاصم و کلام
 سے لے کر بین الاقوامی بین الانسانی معاملات تک ایک ایک جزو پر اتباع معہ
 محبت دنیا و آخرت میں تہا کے لئے موجب نجات موجب مغفرت موجب رفا لئے
 خداوندی ہے اس کے سوا دین میں کوئی سند نہیں کوئی اعتمادی نہیں کہ جس کی اطاعت بلا
 چون و چرا ہو اُس کے مقابلہ میں کسی عقل کسی بحث کسی رائے کسی تلاش محنت
 یا رائے تنقید کی اجازت نہیں ہے۔ اُس کی ساری زندگی اس کی میرٹ کاں خلقہ اقرآن
 ہے۔ ایک ایک امتی کی زندگی اس کی زندگی کے مطابق ہونی چاہیے۔ جو اُس کا
 عمل ہے۔ جو اُس کا فعل ہے۔ جو اُس کا کام ہے۔ جو اور جن امور میں اُس کے
 فیصلے ہیں۔ جو اور جیسے اسکی کیفیت عبادات متقیں۔ کیفیت معاملات متقیں کیفیت
 اخلاقی متقیں۔ کیفیت ظاہری متقیں کیفیت باطنی متقیں۔ ان کا زیادہ سے زیادہ پورا
 ہر امتی میں ہر امتی کی زندگی میں ہونا چاہیے۔ وہ اپنی زندگی میں جس طرح سے مرکز
 ملت تعاب مجھا ہے۔ اور قیامت تک ہے۔ اعتزال جدید کا یہ نظریہ کہ وہ معنی ایک
 پوسٹ میں ہے ڈاکیر ہے۔ جو خدا کی طرف سے ایک کتاب ہمیں لاکر دے گیا ہے۔
 اور اب حسب کتاب اللہ محض ایک یہودہ لا طائل لچر اور ملحدانہ نظریہ ہے۔ جو دیوار
 سے مارنے کے لائق ہے وہ محض کوئی لیڈر نہیں تھا پیشوا نہیں تھا۔ وقتی قائد نہیں
 تھا۔ جنگامی راہ نما نہیں تھا۔ وہ قیامت تک کی نوع انسانی کے لئے خدا کا رسول
 ہے نبی ہے پیغمبر ہے پیغام بر ہے۔ مطاع ہے۔ مقبوع ہے۔ اس کی دعوت اُسکی
 سنت اس کا دین قیامت تک کے ان انوں کے لئے دعوت ہے سنت ہے۔
 دین ہے۔

ایمان بالکتاب کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے۔ کہ یہ خالی کائنات
 ایمان بالکتاب کا آخری مستند قابل ترمیم و تفسیح ایڈیشن و تدریجات
 نظام زندگی کی صورت میں قرآن مجید کی شکل میں بر لئے اطاعت ہے۔ پوری زندگی
 کے مسائل خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہوں یا وقتی ہوں، بین الاقوامی ہوں انسانی
 ہوں۔ بین الانسانی ہوں معاشی ہوں معاشرتی ہوں سیاسی ہوں عمرانی ہوں قبلو

سے متعلق ہوں معاملات سے متعلق ہوں عملی ہوں علمی ہوں غرضیکہ انسانی زندگی کے کسی نوع سے بھی متعلق ہوں اُن سب میں یہ کتاب براہِ مناسبت پیشوا ہے۔ حرفِ ادل ہے حرفِ آخر ہے۔ معروف اس کا معروف منکر اس کا منکر حکم اس کا حکم فرمان اس کا فرمان قانون اس کا قانون انسانی زندگی کے لئے مکمل رابطہ حیات طرزِ فکر طرزِ عمل کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں کسی ایک دور کے لئے نہیں کسی ایک گوشہٴ زندگی کے لئے نہیں۔ ہر دور کے لئے ہر عہد کے لئے زندگی کے تمام تر گوشوں شعبوں حصوں کے لئے قیامت کے لئے پوری نوعِ بشری کے لئے ایک کامل مکمل جامع مانع دستور زندگی منشور زندگی منجانبِ خالق کائنات ہے کوئی جنتِ منتر اور تعویذِ گنڈے کی کتاب نہیں کوئی بصوتِ پریت بمگلانے کی کتاب نہیں کوئی عدلیہ غیر عدلیہ میں قسم کھانے کی کتاب کوئی نہیں ————— بوعلی سینا کی القانون نہیں محض تلاوت برائے حصولِ ثواب ایصالِ ثواب نہیں۔

یہ انسانی زندگی میں درجہ انقلاب کی الکتاب ہے۔ جس انقلاب کی بنیاد اور اساس حاکمیتِ خداوندی پر ہے۔ وہ حاکمیتِ خداوندی جو تکوینی طور پر تو پوری کائنات پر قائم ہے تشریعی طور پر قرآنی معاشرہ پر قائم ہوتی ہے جو ایک فرد کی زندگی کا اگر انقلاب ہے تو ایک معاشرہ کا بھی انقلاب ہے ایک ریاست کا بھی انقلاب ہے اور بالآخر پوری دنیا کا انقلاب ہے اور یہ وہ انقلاب ہے جو خالقِ انس و جان خالقِ کائنات کے نزدیک مطلوب و مقصود ہے۔

فرشتوں یعنی ملائکہ پر ایمان کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے۔ ایمان بالملائکہ کہ وہ خدا کی معصوم مخلوق ذی روح ذی شعور ذی وجہ ہے جو کلامِ انہوں نے خدا کے حکم سے خدا کے رسولوں اور نبیوں تک پہنچا یا۔ بلا کم و کاست ہے۔ بلا کمی بیشی ہے۔ بلا کھوٹ ملاوٹ ہے۔ وہ ہمارے اعمال کی کاتبین ہیں۔ نگران ہیں محافظ ہیں۔

ایمان بالآخرت کا مفہوم محض یہ نہیں ہے کہ وہ ایک دن ایمان بالآخرۃ قیامت کا ہے۔ حشر کا ہے۔ نشر کا ہے۔ انسانوں کے اجتماع کا ہے۔ انسانوں کے مجمع کا ہے۔ برخلاف ازیں قلبِ مومن میں یہ عقیدہ ہر وقت

زندگی کے ہر ہر موڑ پر گزر گاہ پر زندہ تا بندہ پائندہ موجود رہنا چاہیے۔ کہ وہ
 ایک انسان ایک ایک گھر وہ انسانی کے یوم حساب کا دن ہے۔ انسانی
 زندگی کے ہر چھوٹے بڑے جلی خنی نظری عملی فعلی کام انجام کا یوم احتساب
 ہے۔ جس میں ایک ایک فرد ایک ایک قوم پوری نوع انسانی کے تمام اعمال افعال
 نظریات جو حیات فانی میں نمود چھنے۔ ماحادہ ایک نظام عدلیہ ایک نظام قانونی
 ایک نظام شہادت ایک نظام عدل کے ساتھ زیر بحث آئیں گے۔ اور اس کے
 نتیجہ میں جو صورت سامنے آئے گی۔ وہ جتنی ہوگی یا جہنمی۔ وہاں کوئی حسب
 و نسب کوئی نازان و قبیلہ کسی رسول کا امتی ہونے یا نہ ہونے کوئی علم کوئی
 عقل کوئی ثروت کوئی جاہ کوئی جلال کوئی کمال کوئی مدیہ کوئی بدلہ کوئی سعی کوئی
 سفارش کوئی شفاعت **رَاللّٰہُ بِاللّٰہِ** کام نہیں آئے گی۔ جو فیصلہ ہوگا بے لاگ
 ہوگا بے دریغ ہوگا۔ بے لچک ہوگا۔

عمل صالح عمل صالح کی مختصر تعریف یہ ہے کہ ہر وہ عمل صالح ہے۔ جس
 میں دو شرطیں موجود ہوں اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل صالح
 نہیں ہوگا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جو کام کیا جا رہا ہے۔ وہ قانون خدا کے مطابق ہو
 جب کہ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ محض رہنمائے خداوندی کے لئے ہو مثال کے
 طور پر نماز ایک امر دینی ہے۔ لیکن اگر قانون خدا کے مطابق ادا نہیں کی گئی۔
 مثلاً اگر ایک نماز می یہ سمجھ لے کہ سجدہ باعث تقرب خداوندی ہے۔ اور
 فی الواقع ہے۔ اور یہ سوچ کر ایک رکعت میں تین سجدے کرے۔ تو اس سوچ
 سے اس عمل سے نماز باطل ہی نہیں ضائع ہو جائے گی۔ بجائے تقرب کے الٹا دوری
 اور بجائے ثواب کے الٹا عذاب کا موجب ہوگی۔ دوسری صورت میں اگر کوئی
 نماز اس لئے ادا کرتا ہے۔ کہ موجب شہرت موجب عزت موجب مقبولیت
 حاصل الخلاق ہو یا صحت کے لئے ایک مفید ورزش ہے۔ دگوا جذبہ بھکر
 جھٹلے خداوندی نہیں ہے، تو ایسی نماز بھی باطل ہی نہیں ضائع ہو جائے گی۔
 بر خلاف ازیں خاص وہ کام نہیں دنیاوی کام سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً معاش و معیشت
 معاشرت سیاست انداز حکمرانی طرز بود و ماند اکل و شرب رفتار و گفتار نشست

دوبرخواست سلام وکلام پوشاک ولباس علم و فن تہذیب و تمدن کلچر و ثقافت ادب و صحافت اگر ان تمام امور و اطوار میں قانون خدا اور رفائے خداوندی کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو ان میں سے ہر کام محل صالح ہوگا۔ عبادتِ مکی موجب اجر ہوگا۔

تواصوا بالحق تواصوا بالحق کے معنی وصیت کرنا نصیحت کرنا تاکید کرنا ترغیب دلانا۔ زبان سے ہاتھ سے قوت تنقید سے کہ جس حق کو آدمی نے پایا ہے۔ اپنا لیا ہے۔ اس حق کو لازم نہیں تنقیدی کی شکل دے۔ اس حق کو ایک ایک فرد تک منتقل کرنے کی کوشش کرے۔ زور بیان نیلے صمان سے زور کلام سے اور اگر قوت موجود ہو تو زور قانون سے زور تنقید سے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس امت کی ڈیوٹی ہے۔ مشن ہے۔ جو قیامت تک جاری رہنا چاہیے۔

تواصوا بالصبر تواصوا بالصبر کا مقام تواصوا بالحق کے بعد کا ہے۔ ظاہر ہے۔ تواصوا بالصبر کہ جب اس حق جو الحق ہے۔ جو حق خداوندی ہے۔ جو حق رسالت و نبوت ہے جو حق اسلام ہے جو حق دین ہے۔ جو حق ہدی ہے۔ الہدی ہے، کے قیام و نفاذ کے لئے جدوجہد کی جائے گی۔ اس کے لئے مجاہدہ کیا جائے گا۔ تو باطل کی یہ عین فطرت ہے کہ وہ حق کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا کرتا۔ ایسی صورت میں مجاہدین حق پر لازم ہوگا۔ کہ وہ بسلسلہ حق بسلسلہ اقامت حق اقامت دین جو شکل جو آفت جو مصیبت پیش آئے۔ بیاد معاشرہ کی طرف سے ناجائز اقتدار کی طرف سے معاندین حق کی بازئیے آئے پوری ثبات قدمی کے ساتھ انگیز کرتے جانا صبر کہلاتا ہے۔ اور صبر ارشاد قرآنی کے مطابق بے حساب اجر کا حامل ہے۔ اس راہ پر چلنے والوں کو پہلے دن سے سوچ لینا چاہیے۔ کہ یہ پھولوں کی راہ نہیں کانٹوں کی راہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں قدم قدم پر پاؤں چھلنی ہونگے۔

سورہ والعصر کی تابناک روشن اور روشن گر شامیں آج حرف آخر بھی مقدر انسانی کو منور کر سکتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سے

جس طرح سے آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن اور قرآن کی اس سورت نے مقدس
 انسانی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ کہ ایک ایسا معاشرہ عالم وجود میں آیا۔ جو ہر قسم کے
 استحصال سے پاک معاشرہ دنیا میں جنتی معاشرہ اور آخرت میں انجنتی معاشرہ
 جس پر خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول بارش کی طرح ہوا۔ زمین اور آسمان
 نے اپنے خزانے اگل دیئے۔ جگلوں دریاؤں سمندروں جانوروں تک نے
 اطمینان کا سانس لیا۔ فرشتوں نے مہربان تہنیت کے گیت گائے۔ آج بھی
 اگر کوئی معاشرہ زندگی کا خواہش مند ہے و محنت کھانے پینے اور جماع کرنے کا
 نام زندگی نہیں ہے، تو اسے قرآن اور قرآن کی تعلیمات کو مدق دل سے اپنے
 کئے چودہ سو سال پہلے زقند لگانی پڑے گی۔ بات بہت مہنگی ہے۔ لیکن اس
 کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ افسوس ہے۔ کہ اب ظاہر جو صورت نظر آتی ہے۔
 وہ یہ ہے۔ کہ انسان اس کے لئے تیار ہوتا نظر نہیں آتا۔ ایمان و یقین سے ہی د
 رہنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے۔ کہ مزید کئی صدیوں تک اسے برباد ہو
 شہنشاہوں قیروں کساری نو ابوں تعلقہ داروں غدلوں بد معاشوں طالع
 آزما حکمرانوں کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔ اور ان کے پنجہ استعمال کے نیچے سک
 سک کر زندگی گزارنا ہوگی۔ یا کوئی وقت ایسا آجائے گا۔ کہ وہ اجتماعی خود کشی
 کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یا سپر باور کے مہلک ہتھیار سے صفحہ ہستی سے نیست نابود
 کر دیں گے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کی دنیا تو تباہ ہوگی آخرت بھی
 برباد ہو کر رہ جائے گی۔



عَنِ الْحَارِثِ الشَّعْرِيِّ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمْرُكُمْ بِخَمْسٍ

الْبِرَّ وَالنَّصِيحَةَ وَالْحُجْرَةَ وَالْعَمَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ

وَالْحَجَّ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ

آپ کو پریسٹر ایڈ ٹکنکریٹ کے میلدی
گارڈر، بالے اور سلیب وغیرہ
درکار ہوں تو وہاں تشریف لجائیے جہاں

اظہار امید تیار چھتیں

کابلورڈ نظر آئے

● صدر دفتر : ۶- کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن بنگرا) لاہور

فون ۱- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۳

- پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی ٹی روڈ کشمالہ (نزد ریوے پھانک) گجرات
- پچیسواں کلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔
- فیصلہ پور روڈ۔ نزد جامعہ اشرفیہ۔ لاہور۔ فون ۱- ۶۱۳۵۴۹
- شیخوپورہ روڈ۔ نزدیشنل ہندی فیصل آباد۔ فون ۱- ۵۰۶۲۶
- جی ٹی روڈ۔ مرہ کے۔ فون ۱- ۶۰۰۳۸۹
- جی ٹی روڈ۔ سرانے مالگیر
- جی ٹی روڈ۔ سوال کیپ۔ راولپنڈی۔ فون ۱- ۶۸۱۲۶
- ۸۷۶-۳- سنٹرل ٹاؤن ساہیوال۔ فون ۱- ۶۳۳۸۲

ہفت روزہ آفت کیسٹیا

اظہارِ حق

قادیانیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

مزید الہامات

الہام و احتیاج کا جیسا کہ بنی اسرائیل (ترجمہ) اور تیرے خاص دوست بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ (تذکرہ صفحہ ۴۰۸)

۱۸۸۲ء: ایک دفعہ فجر کے وقت الہام ہوا کہ۔ آج حاجی ارباب محمد خان کے قریبی کا روپیہ آئے۔ (تذکرہ صفحہ ۵)

پھر ۱۸۸۳ء کو تاکید کی طور پر سب بارہ الہام ہوا کہ بست و یک روپیہ آئے ہیں۔ (تذکرہ صفحہ ۱۱)

ایک دفعہ یہ الہام ہوا کہ بست و یک روپیہ آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ (تذکرہ صفحہ ۱۱)

الہام: ایک دفعہ کشتی طوڑہ بر لعل لعل ۲۴ یا لعل ۲۶ روپیہ مجھے دکھائے گئے۔ پھر اُنہوں میں یہ الہام ہوا۔ مجھے خان کا بیٹا شمس الدین پٹواری ضلع لاہور بھیجنے والے ہیں لیکن دس دن کے بعد روپیہ آئے گا۔ حند آلی مدد نزد یک ہے۔ (ترتیب القلوب صفحہ ۲۹۵)

۱۸۸۳ء ۲۴ اکتوبر سے قبل۔ یہ الہام ہوا۔ اگر تمام لوگ منہ پھیر لیں۔ تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان کے اوپر سے مدد کر سکتا ہوں۔ (تذکرہ صفحہ ۱۱)

۱۸۸۳ء دسمبر الہام: پرتینجے - عمر - براتوس یا بلاطوس (تذکرہ ص ۱۱۵)

۱۸۸۴ء تخمیناً فروری۔ الہام ہوا: پارس ہو جائے گا۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۸۴ء۔ الہام تھا: کھل جائیں گے۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۸۴ء۔ مجھ کو الہام ہوا: کچھ عرصہ کے لیے یہ روک اٹھا دی جائے گی اور ان کو اس

غم سے نجات دی جائے گی۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۸۴ء۔ یہ الہام ہوا: دشمن کا بھی خوب دار نکلا۔ تیسرے بھی وہ دار باز نکلا۔

(تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۸۴ء۔ یہ الہام ہوا: اس سفر میں تمہارا اور تمہارے رفیق کا کچھ نقصان ہوگا۔

(رفیق کی چادر اور مرزا صاحب کا رومال گم ہو گیا تھا۔) (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۹۱ء۔ قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ: اُخْبِجْ مِنْهُ اَلِیْزِیْدِیُّوْنَ۔

یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کیے گئے ہیں۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۹۱ء۔ الہام ہوا کہ: میری پرستش کی جگہ میں ان کے پیالے اور ٹھوٹھیاں

رکھی ہوئی ہیں اور پُچھو ہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کُتر رہے ہیں۔

(تذکرہ ص ۱۱۶)

۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء۔ الہام: ۲۸-۲۷-۱۴-۲-۲۶-۲-۲۸-۱-۲۳-۱۵-۱۔

(نمونہ) اسی طرح کے عدد پانچ سطروں میں لکھے ہوئے ہیں) (تذکرہ ص ۱۱۶)

الہام ہوا: مخالفوں میں پھوٹ اور ایک شخص متنافس کی ذلت اور اہانت اور ظلمت

خلق۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۹۸ء۔ ۱۔ جنوری۔ الہام: کون کہہ سکتا ہے، اے بھلی! آسمان سے مت گر۔

(تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۸۹۹ء۔ ۲۷ اگست۔ مجھ کو اپنی نسبت یہ الہام ہوا: خدا نے ارادہ کیا ہے کہ

تیرا نام بڑھاوے اور آفاق میں تیرے نام کی خوب جگہ دکھاوے۔ آسمان

سے کئی تخت اُترے۔ مگر سب سے اونچا تیرا تخت بچھا یا گیا۔ دشمنوں سے

لاقات کھٹے وقت ملا کہ نے تیری مدد کی۔ (تذکرہ ص ۱۱۶)

۱۹۰۰ء۔ ۱۳ دسمبر پیرومی ہوئی، لاہور میں ہمارے ایک ممبر موجود ہیں ان کو اطلاع

دی جاوے۔ سلسلہ قبول الہامات میں سب سے کچا مولوی تھا۔ سب مولوی
 نچے ہو جائیں گے اَنَا اَمْلَؤُا وَالْمَنِي۔ اِنِّي مَعَ التَّسْوُلِ اَقْدُم۔
 (تذکرہ ص ۴۲)

۱۹۰۱ء۔ ۲۲ اگست۔ فرمایا۔ تقویٰ کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے۔ اس میں
 ایک مصرعہ الہامی درج ہوا وہ شعر یہ ہے :

ہر اک نیکی کی جزویہ اقت ہے اگر یہ جود رہی سب کچھ رہے
 دوسرا مصرعہ الہامی ہے۔
 (تذکرہ ص ۴۹)

۱۹۰۲ء۔ فرمایا مجھے ایک بار الہام ہوا تھا کہ خدا قادیان میں نازل ہوگا، اپنے وعدے
 کے مطابق۔
 (تذکرہ ص ۴۳)

۱۹۰۲ء۔ ۲۷ اکتوبر الہام، نتیجہ خلاف مراد ہوا بانگلا۔ آخر کا لفظ ٹھیک یاد نہیں۔
 اور یہ بھی پختہ پڑ نہیں کہ یہ الہام کس امر کے متعلق ہے۔ (تذکرہ ص ۴۷)

۱۹۰۳ء۔ ۱۹ مئی۔ طبیعت وحی کی طرف منتقل ہوئی اور الہام ہوا۔ مجموعہ فتوحات۔
 (تذکرہ ص ۴۷)

۱۹۰۳ء۔ ۵ ستمبر۔ مجھے یہ وحی الہامی ہوئی کہ کابل سے کاشی گایا اور سیماہ باری طرف کی طرف
 الہام۔ ۲۱۔ ۱۹۰۳ء۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزیں ہوئے قلعہ ہند میں۔
 (تذکرہ ص ۴۵)

۱۹۰۳ء۔ ۴ دسمبر مطابق ۱۳ رمضان جب یہ توجہ کی گئی کہ حمل والدہ محمود لکنا بہتر ہے
 یا نہیں۔ تو اس وقت بوقت قریب اڑھائی بجے رات کے یہ الہام ہوا :
 وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ۔ بَلَاءٌ وَالْوَارِثُ اِنِّي اَنَا الصَّغِيرُ
 شَرِئْتُ اِنَّا السَّخِينُ۔ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہم بود۔ خوش باش کہ
 عاقبت نکو خواہم بود۔ بستر عیش۔ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نکالے والہ ہے جو کچھ
 تم چھپاتے ہو۔ آفات سن اور آزار۔ میں دشمن خدا ہوں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ میں
 خدا ہوں۔ خوش ہو کہ انجام نیک ہوگا۔ (پہلی آیت قرآن کی ہے۔ بستر عیش کا

لے میں اللہ ہوں بہت احسان کرنے والا۔ میں یقیناً اپنے رسول کی مدد کے لیے کمر اہل گا

(تذکرہ ص ۴۹۹)

ترجمہ نہیں کیا گیا۔ (خیر احمد)

۱۹۰۳ء۔ ۱۹ اپریل۔ سنہ نیا کر میں اپنی جماعت کے لیے اور پھر قادیان کے لیے دعا کر رہا تھا تو یہ الہام ہوا

(۱) زندگی کے غیش سے دور جا پڑے ہیں۔

(۲) فَحَقَّقْهُمْ لِحَقِيقًا۔ (ترجمہ) پس میں ڈالا ان کو خوب بیس ڈالنا۔

(تذکرہ ص ۵۰۹)

۱۹۰۵ء۔ ۱۸ جنوری۔ صبح کے بارہ بج چکے تھے کچھ منٹ اوپر تھی۔ الہام :

(تذکرہ ص ۵۲۳)

چو لگا دینے والی خبر۔

(تذکرہ ص ۵۳۳)

۱۹۰۵ء۔ ۲۰ مارچ۔ الہام۔ شکار مرگ۔

۱۹۰۵ء۔ ۱۸ اپریل۔ یہودی نازل ہوئی۔ ہے سر راہ پر تہا ہے وہ جو ہے مولا کریم

(تذکرہ ص ۵۴۴)

۱۹۰۵ء۔ ۱۰ جون کو فرمایا۔ دوسرے دن ہوئے الہام ہوا تھا۔ الہام : مضرت۔

(تذکرہ ص ۵۵۴)

۱۹۰۵ء۔ ۱۵ جون۔ الہام۔ اس کا خوش محمد نام رکھا گیا۔ دوسرا الہام۔ ۲۴ جون

(تذکرہ ص ۵۵۵)

اس پر آفت پڑی۔ آفت پڑی۔

۱۹۰۵ء۔ ۲۹ جولائی۔ فرمایا آج اللہ تعالیٰ نے میرا ایک اور نام رکھا ہے جب پہلے کبھی

میں بھی نہیں۔ تھوڑی سی غنودگی ہوا اور الہام ہوا۔ الہام : محمد صالح۔

(تذکرہ ص ۵۵۵)

۱۹۰۵ء۔ ۲۹ اگست۔ الہام : اے عمارت مغت میں تو شک گئی۔ (تذکرہ ص ۵۵۹)

(تذکرہ ص ۵۶۳)

۱۹۰۵ء۔ ۲ ستمبر۔ الہام : اس نے اچھا ہونا ہی نہیں تھا۔

۱۹۰۵ء۔ ۸ ستمبر۔ الہام : (۲) کفن میں لپٹا گیا (ترجمہ) جب آسمان سے فوجیں اور زہر

(تذکرہ ص ۵۶۳)

آئیں گے۔

۱۹۰۵ء۔ ۲۱ اکتوبر۔ الہام : چار سترہ دے دو۔ (تذکرہ ص ۵۶۴)

۱۹۰۶ء۔ ۱۱ دسمبر۔ الہام : (۱) کرنسی نوٹ (۲) دیکھو میرے دوست! اخبار شائع

(تذکرہ ص ۵۶۶)

ہو گیا۔

۱۹۰۰ء - ۲۸-۲۹ اپریل - تیری خوش زندگی کا سامان ہو گیا (۲) دشمن کا بھی ایک ہتھیار نکلا۔ (تذکرہ صفحہ ۶۱۳)

۱۹۰۴ء - ۵ مئی - السہام : یہ میری کتاب ہے اس کو کوئی ہاتھ نہ لگاوے۔ مگر وہی جو میرے خاص خدمت گار ہیں۔ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنَا وَلَا تَغْلِبْ (ترجمہ اللہ تعالیٰ میں دینا کرے گا ہم نیچے نہیں کیے جائیں گے۔) (تذکرہ صفحہ ۶۱۳)

۱۹۰۴ء - ۵ مئی - السہام : پھر بہادر آئی، تو آئے شیخ کے آنے کے دل۔ (تذکرہ صفحہ ۶۱۳)

۱۹۰۴ء - ۷-۱۱ مئی - السہام : کلیسا کی طاقت کا نسخہ (۲) کشتیاں چلتی ہیں ناہول کشتیاں۔ (تذکرہ صفحہ ۶۱۵)

۱۹۰۶ء - ۱۸ مئی - السہام : زندگی کے آثار - وحی = آثار زندگی۔ (تذکرہ صفحہ ۶۱۶)

۱۹۰۶ء - ۱۹ جون - السہام : (۱) کلمۃ العزیز (۲) کلمۃ اللہ خان (۳) وارڈ (۴) بشیر المدور (۵) شادی خان (۶) عالم کباب (۷) ناصر الدین (۸) فاتح الدین۔ (۹) ہَذَا يَوْمٌ مُّبَارَكٌ - (تذکرہ صفحہ ۶۲۶)

۱۹۰۶ء - ۱۰ جولائی - السہام : دیکھ میں آسمان سے برساؤں گا اور زمین سے لگاؤں گا پھر وہ جو تیرے مخالف ہیں پکڑے جائیں گے۔ (تذکرہ صفحہ ۶۲۶)

السہام : خدا کی فیصلہ اور خدا کی مہربانی نے کتنے بڑا کام کیا۔ (تذکرہ صفحہ ۶۵۲)

۱۹۰۶ء - ۳۰ جولائی - السہام : ایک دم میں دم رخصت ہوا مگر صاحب فرماتے ہیں یہ الہام ایک موزوں عبارت میں ہے مگر ایک لفظ درمیان میں سے بھول گیا ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۶۶۶)

۱۹۰۶ء - ۸ ستمبر - السہام : (۱) لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیر خدانے ان کو پکڑا۔ اور شیر خدانے فتح پائی۔ (۲) امین الملک جے سنگھ بہادر۔ (تذکرہ صفحہ ۶۶۶)

۱۹۰۶ء - ۲۴ ستمبر - السہام : (الف) موت تیرا ماہ حال کو (ب) بعد میں منہ دیا کہ سرعت الہام کے سبب بعض دفعہ ٹھیک الفاظ یاد نہیں رہتے اس واسطے تیرا لفظ تھا یا تیس کا یا بائیس کا۔ (تذکرہ صفحہ ۶۶۶)

۱۹۰۷ء - ۹ فروری - السہام : (۴) امید بھاری (۵) ہر ایک مکان سے خیر و حاجت۔ (تذکرہ صفحہ ۶۶۶)

۱۹۰۴ء۔ ۹ فروری۔ السہام : عمرنگی باعام ہو گیا نا پہلی زندگی سے۔ (تذکرہ ص ۶۹)

۱۹۰۴ء۔ ۲۰ فروری۔ السہام : (۲) پشادہ ہجوم (۳) افسوسناک خبر آئی ہے۔
(۴) بہتر ہو گا کہ اور شاہی کر لیں۔ (تذکرہ ص ۶۹)

۱۹۰۴ء۔ ۲ مارچ۔ السہام : (۱) پچیس دن (یا) پچیس دن تک۔

(تذکرہ ص ۷۱)

۱۹۰۴ء۔ ۹ مارچ۔ السہام : (۱) ہزاروں آدمی تیسرے پروں کے نیچے ہیں۔

(تذکرہ ص ۷۳)

۱۹۰۴ء۔ ۲۸ مارچ۔ السہام : میرا دشمن ہلاک ہو گیا۔ مَن اَسَد الیکھا خدا مال چاہیے
سلطان عبدالقادر۔ (تذکرہ ص ۷۹، ص ۸۱)

۱۹۰۴ء۔ ۲۹ مارچ۔ السہام : دولت اعلام بذریعہ الہام ہستی کمرہ میں نزول ہو گا۔
(تذکرہ ص ۸۱)

۱۹۰۴ء۔ ۱۲ اپریل۔ السہام : یہ دو گھر ہی مر گئے۔ (تذکرہ ص ۸۶)

۱۹۰۴ء۔ ۱۲ جولائی۔ السہام : غلام احمد کی بجے یعنی فتح۔ (تذکرہ ص ۹۳)

۱۹۰۴ء۔ ۲۰ جولائی۔ السہام : (۴) ایوشی ایشن۔ (تذکرہ ص ۹۴)

۱۹۰۴ء۔ جولائی۔ السہام : بیضہ کی آمدن ہونے والی ہے۔ (یہی لفظ ہیں۔ واللہ اعلم)

۱۹۰۴ء۔ ۲۴ اگست۔ السہام : آج الہام ہوا۔ (تذکرہ ص ۹۵)

۱۹۰۴ء۔ ۲۴ اگست۔ السہام : آج الہام ہوا، قبول ہو گئی۔ ۹ دن کا بخار ٹوٹ
گیا۔ (تذکرہ ص ۹۸)

۱۹۰۴ء۔ ۳۰ ستمبر۔ السہام : (۴) ہر ایک حال میں تمہارے ساتھ میں ہوں۔ تیری
منشا کے مطابق۔ (تذکرہ ص ۱۰۳)

۱۹۰۴ء۔ اکتوبر۔ السہام : آپ کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یعنی اُسندہ کسی وقت
لڑکا۔۔۔ پیدا ہو گا۔ (تذکرہ ص ۱۰۴)

۱۹۰۴ء۔ ۴ دسمبر۔ السہام : آمدن عید مبارک بادت۔ عید تو ہے چاہے کر دیا
نہ کرو۔ (تذکرہ ص ۱۰۷)

۱۹۰۴ء۔ ۲۰ دسمبر۔ السہام : واللہ! واللہ! سدا ہوا نزولاً۔ مطلب کج طبع

آدمی درست ہو گیا ہے۔ (تذکرہ ص ۴۶)
 ۱۹۔ ۹ فروری۔ السہام: آسمان ایک ٹھنڈی بھر رہا گیا (۲) آسمان ٹھنڈی بھر رہا گیا۔
 (تذکرہ ص ۱۵۱)

۲۰۔ اپریل۔ السہام: (۲) بیمار بہت ہی چھین مارتا ہے (۳) ماتم کر۔
 (۴) من هذا السرح یعنی من هذا الأفة فرمایا کہ اگرچہ اس میں
 بظاہر عبارت میں غلطی معلوم ہوتی ہے مگر خدا تعالیٰ اس حرف و نحو کا ماتم
 نہیں۔ اور ایسی مثالیں قرآن شریف میں بھی موجود ہیں۔ (تذکرہ ص ۱۵۳)
 السہام: پتی پتی کٹی۔ یہ ہے دوائے ہمزاد (اب) حب کچلا کونین فلا
 مساوی۔ نصف شرح۔ الہامی ہے۔ (تذکرہ ص ۶۲)

اس مسئلہ مضمون میں ملازمت گزشتہ کا مایہ، مرقیہ اور فیض دریکے انداز و اصل
 کتاب ہے۔ وقت آنہا کے مرزا غلام احمد تالیفات کو ہے اس میں آیت کا
 کوئی تصویر نہیں وہ تو مرزا صاحب کے اسلوب تحریر کو پیش کر رہا ہے۔
 تصویر دراصل تصویر کے ہے جس کے آئینہ کا سمجھ کر رہا ہے (ادارہ)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ تَعْلَمُ الْقُرْآنَ عِلْمًا

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

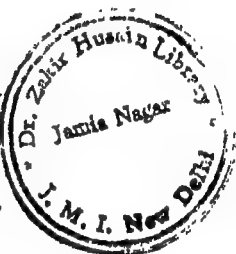
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا

يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک کامل، مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔



رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹپل روڈ سوہا بازار

۲۱۱۴۲ — ۲۰۲۲۲ ۶۲۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

امریکہ کا پہلا سفر سمر

۲۴ دسمبر ۱۹۸۳ء تا ۱۷ جنوری ۱۹۸۴ء

اسرار احمد

اگست ۱۹۷۹ء سے امریکہ کے سالانہ سفر کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ۸۳ تک بلاتوقف جاری رہا۔ چنانچہ جون ۸۳ء تک امریکہ کے پانچ پندرہ الگ گئے۔ اور وہاں کے لوگ کے پیش نظر یہ پانچوں سفر سوچ کر مایں ہوئے۔ اور آخر دسمبر ۸۳ء کا سفر جنوبی کالیفرنیا کے تواسانی تھا اور دوسرے شدید ترین سردی کے موسم میں ہوا۔ چنانچہ گذشتہ اسفار کے دوران تو 'سبز امریکہ' دیکھنے میں آیا تھا اس بار سفید امریکہ کی سیر کا موقع ملا۔ اس لئے کہ ہوائی سفروں کے دوران شمالی امریکہ کے تھوڑے سے جنوبی علاقے کے ہوا پودا بڑا عظیم سفید لٹھے کی ایک چادر کے مانند نظر آتا تھا جس پر یا تو شاہ جہاں کی کالی لکیری نظر آتے تھے یا قصبات اور آبادیاں جنہوں نے اس سفید چادر پر پریل بوٹوں کی سست اختیار کر لی تھی۔

اس اضافی سفر کی تقریب یہ ہوتی کہ مئی ۸۳ء میں ہوسٹن کے بعض احباب بالخصوص خواجہ سعید الدین صاحب کا شدید بیمار ہوا تھا کہ ہمارے یہاں بھی آؤ۔ اس وقت میں نے یہ کہہ کر جان چڑھائی تھی کہ اس وقت تو میں اپنے قیام امریکہ کو مزید طویل نہیں دے سکتا اس لئے کہ رمضان مبارک سے پہلے پہلے میں لازماً واپس لاہور پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ البتہ اگر آپ لوگ فرمائیں گے تو سردیوں میں ایک مختصر کلچر صرف جنوبی شہروں 'ہوسٹن' 'لاس انجلس' وغیرہ کے لئے لگا لو گا۔ اس لئے کہ ان علاقوں میں سردی شدید نہیں ہوتی بلکہ موسم معتدل رہتا ہے۔ پس اس بات کو خواہر مستحب نے وعدہ قرار دے کر اس کے ایفاء کا مطالبہ کر دیا جس کے سامنے راقم کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑی۔ میرا خیال تھا کہ یہ سفر زیادہ سے زیادہ درجنے کا ہوگا لیکن وسط دسمبر ۸۳ء میں شگاگو سے ریشم عزم ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے لئے تشریف لے گئے اور انہوں نے شگاگو کے لئے بھی وعدہ لے لیا اگرچہ صرف دو دن کا۔ چنانچہ ۲۴ دسمبر کو راقم نے رومانی کے وقت تک راقم کا مقیم ارادہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ۱۱ جنوری تک واپس لاہور پہنچ جاؤں گا اور ۱۳ جنوری کا جمعہ لاہور ہی میں ادا کر دوں گا۔ لیکن ۲۴ جنوری ہی کی سہ پہر کو جب نیویارک کے کبان ایئر ٹرمینل میں انٹرویٹ پر براءم الطاف احمد صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اسلامک سنٹر آف نیویارک کے وہ اس سال کے صدر بھی ہیں) کے سالانہ فنانس کے موقع پر جہاں خصوصی کے فرائض سرانجام دینے کی درخواست شدید امرار کیا کہ قدس کے بچاوت

لے۔ فارمیں اسے کن کن بٹ کی نقلی دیجھیں۔ پاکستان اور امریکہ کے فرق کے باعث کہ راقم سے نیویارک کا سفر اگرچہ ۲۲ گھنٹے سے زیادہ کا ہوتا ہے لیکن اس میں تاریخی تبدیلی نہیں ہوتی اسی حقیقت کو نظر انداز کرنے کی بنا پر راقم کو باقی گئے صوفیہ

کے ساتھ پیش کر دی جس کو رد کر دیا میرے ایسے کو در انسان کے لئے قطعاً ممکن تھا۔ یہ ٹور مہفتہ ہم اجودہ کی کوہونے والا تھا۔ اس طرح یہ اضافی سفر دہشتے سے بڑھ کر ساڑھے تین ہفتوں کو عبور ہو گیا۔

اس طرح میرا امریکہ کے سفر کے ضمن میں ”دخلة الشتاء والقشيف“ کا نصف ایک تو اس اعتبار سے فائدہ ہو گیا کہ میرا خیال تھا کہ گرمیوں میں شمالی شہروں (شکاگو، ٹوئٹو وغیرہ) کا چکر لگ جائے اور مردوں میں جنونی علاقوں کا۔ تاکہ یہ دونوں سفر طہر رہیں۔ اور دوسرے اس اعتبار سے بھی توقع کے برعکس ہو گیا کہ اس سال ہوشن میں بھی قیامت کی سردی پڑی چنانچہ وہاں کے مستقل رہنے والے بھی شدید پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ تابہ دیگر سال چار صد

۲۳، اور ۲۴ کی درمیانی شب کو ایک بچے (دفنی اعتبار سے ۱۲، دیگر کوٹلی الصبح) میں اور فرزند عزیز فخر عارف و حیدر سلتہ، کراچی سے روانہ ہوئے۔ اور ہمارا ٹی سی ۱۰ طیارہ قاہرہ، فریکلفٹ اور پیرس رکتا ہوا ۲۴ ہی کی سہ پہر کو چار بجے بیروناک پہنچ گیا۔ ایگلرشین اور کسٹم وغیرہ سے مجھ الٹا جلد ہی فراغت ہو گئی۔ باہر اٹے تو فریق محترم الطاف احمد صاحب بھی ملے اور محترم افتخار ملک صاحب کے صاحبزادے عزیز عمیران ملک بھی۔ پروگرام کے مطابق ہمیں سید سے ہوشن جانا تھا۔ اور اس کے لئے ہماری سیٹیں ایرٹرن انڈیز کی پرواز میں ریزرو تھیں جو لگ بھگ ڈھائی گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ ایرٹرن انڈیز کا ٹیٹل تقریباً دو فرما لگ کے فاصلے پر تھا۔ چنانچہ میرا خیال تھا کہ پہلی ہی دہائی تک چلے جائیں، لیکن الطاف صاحب نے خبردار کیا کہ باہر قیامت کی سردی پڑ رہی ہے جسے آپ لوگ ہرگز برداشت نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک عزیز کو گاڑی لانے کے لئے بھیجا اور واقعہً جب ہم نے لاؤنج سے باہر نکل کر گاڑی تک چند گز کا فاصلہ طے کیا تو اتنے ہی میں جان پرسن گئی اور پورا جسم ٹھل ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس موسم کی سرد ترین شام تھی!

ہوشن رات کو گیارہ بجے کے لگ بھگ پہنچے تو وہاں توقع یہ تھی کہ کراچی والا موسم ہوگا۔ لیکن وہاں بھی موزی کا دہری عالم تھا۔ اثر پورٹ پرسب سے پہلے براہرم م نسیم صاحب ملے (یہ جماعت اسلامی جند کے معروف کارکنوں بلکہ رہنماؤں میں سے ہیں اور جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر شیخ سلطان احمد صاحب کے برادر بھائی ہیں) اور کچھ دیر پہلے سے لاؤنج کے دروازے کے قریب ان کا انتظار کیا۔ اس دوران میں جب بھی کسی کے اندھانے یا باہر جانے کے لئے اٹھے بھر کے لئے وہ دوازہ کھٹکا اور باہر کی پابستہ ہوا کا جھونکا اندھانا تو جان پرین جانی اور دل سے بدن میں سنسنی سی دوڑ جاتی۔ خواجہ صاحب خود بھی کسی موسم کا ٹیٹا نہ تھے بغیر اپنے معمول کے کپڑوں میں چلے آئے تھے۔ لہذا ان پر تو مسلسل کپکپی طاری تھی۔ لاؤنج سے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھنے کے لئے جو چند گز دوبارہ طے کرنے گئے

(تسلیم) اپنے پہلے سفر امریکہ میں شدید کوفت کا سامنا ہوا تھا۔ اس لئے کہ رفیق محترم قاضی عبدالقدور صاحب نے بائی مورد جو امریز میں اُن کی اطلاع کا زمانہ کیا تھا اس میں میرے دواں پہنچنے کی تاریخ ایک دن بعد کی درج کر دی تھی چنانچہ ہمیں دواں ”قبل از وقت“ پہنچ گیا تھا۔

ہمکی اسانس دوبارہ جو اجونیو ایک میں ہو چکا تھا۔

یہ سفر چکر اٹھا ہوٹن (ٹکس اس) کے احباب کی کی دعوت پر جہا تھا لہذا فوری طور پر اس کے دودان۔
لوہل ترین قیام میں رہا۔ یعنی اتوار ۲۵ دسمبر ۸۳ء سے پیر جنوری ۸۴ء تک پورے گیارہ دن۔
ہوٹن میں مسلم کمیونٹی کی تنظیم بہت سائنٹفک انداز پر ہے۔ چنانچہ وسط شہر میں ایک بڑا اسلامی مرکز ہے۔
جو اسلامک سنٹر آف گریجویٹس کہلاتا ہے۔ مزید برآں پورے شہر کو چار سیکڑوں میں تقسیم کر کے ہر حصے میں ایک
مسجد اور ایک مرکز کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اعلان سب کا اختتام دافنر امی مرکز ہی کے تحت ہے۔ ایک اور مسجد
”مستحبہ دارالاستکلام“ کے نام سے بعض احباب نے طبعہ اختتام کے تحت بنائی ہے جس کے روح رواں علام
خورشید صاحب ہیں۔

۲۵ دسمبر کو اتوار تھا اسلامک سنٹر میں معمول کا مطالعہ قرآن کا پروگرام اغلباً برادر نسیم صاحب کے ذمے تھا
لیکن انہوں نے یہ دفتر دہلی تھے ہی پڑا لہذا طبیعت پر اگرچہ سفر کی ننگان اور اوقات کے رد و بدل کا بہت اظہار
ہے جدید اصطلاح میں ”JET LAG“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزید برآں یہ پروگرام انگریزی میں ہونا تھا جس
سے میری طبیعت ویسے ہی ابا کرتی ہے۔ لیکن قہر و درویش بر جان و درویش جیسے تیسے نسیم صاحب کے حکم کے
تعمیل کی۔ دہلی سے فارغ ہو کر تپاسا کوئی انکونشن سنٹر جانا ہوا جاں تبلیغی جماعت کا شمالی امریکی
کا اجتماع ہوا تھا۔ یہ اجتماع ہفتہ کے روز سے شروع ہوا تھا اور اسے پیر کی صبح تک جاری رہا تھا اور میں نیو یارک
میں دم لے بغیر سیدھا ہوٹن ہی لے آیا تھا کہ اس میں شرکت کا موقع مل جائے۔ وہاں تک جگ ایک ہزار
اشخاص جمع تھے۔ اور تقاریر کا سلسلہ جاری تھا اور ماحول پر معمول کے مطابق گہرا دینی رنگ قائم تھا۔ وہاں
پاکستان کے بہت سے احباب سے ملاقات ہوئی۔ جو نہ صرف یہ کہ نہایت تباک سے ملے بلکہ انہوں نے خود
حادثہ سنا کر میں ہونے کے باوجود شرمندہ کر دینے کی حد تک خاطر تواضع کی جس سے اندازہ ہوا کہ فرق کار
کے فرق کے اختلاف کے باوصف دین کے تمام خادموں کے قلوب میں ایک دوسرے کے لئے کتنی محبت
اور خلوص ہو سکتا ہے۔ دہلی امریکہ کے کوئے کوئے سے آئے ہوئے لوگوں میں سے بہت سے
بھروسے واقف تھے اور نہایت محبت کے ساتھ مل رہے تھے لیکن میں دہلی ہی دل میں شرمندہ ہو رہا تھا کہ
اکثر کو بالکل نہیں پہچان پاتا تھا۔ اس ماحول میں جب دفعہ لاس انجیلز کے رفیق تنظیم عظیم عظیم عدنان سستی
ملے تو نہایت خوشی ہوئی کہ ان کا دینی جذبہ انہیں وہاں بھی لے آیا تھا۔ فلوریڈا سے آئے ہوئے بعض
حضرات نے اس ملاقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے یہاں آنے کی پرزور دعوت دی۔ میں نے بہت
سذرت کی لیکن ان میں سے جس باغیوس برادر ملی جو پہلے آغا خانی تھے اور وہاں سے تائب ہو کر اہل سنت میں
شامل ہوئے ہیں اور برادر مفتی صاحب کے محبت میرے امرا پر انکا ممکن نہ رہا۔ اور عدنان کا وعدہ کرتے ہی بنی
راگ پر میں نے بعد میں فون پر گفتگو کر کے اس وعدے کی تکمیل کو اپنی آئندہ آمد تک مؤخر کر لیا۔

میں نے باوجود ہی سے بھی ہوٹن کے احباب کو یہ کچھ دیا تھا کہ میرے جلد درویشی و خطبات اردو میں بولنا
گے۔ سوائے ایک خطاب میرے کے لیکن وہاں اتوار ہی کے روز سے مجھ پر شدید دباؤ بنا شروع ہو گیا کہ چونکہ بہت
سے عرب، ترک اور مقامی مسلمان بھی استفادے کے خواہش مند ہیں لہذا جلد پروگرام انگریزی میں ہوں۔

[illegible]

۲۔ ہفتہ ۳۱ دسمبر کو اسی جگہ "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں" کے موضوع پر خطاب جو ٹوٹا ہوا گھنٹے کو محیط تھا اور اس پر مسند اٹھا سوال جواب کا اگر مارگم سیشن جس میں نہایت عمدہ اور موضوع سے متعلق سوالات پوچھے گئے۔

۳۔ اتوار یکم جنوری ۸ کو پھر اسی مقام پر بعد ظہر مطالعہ قرآن کا حسب معمول پروگرام اور بعد ازاں جہاد اور اس کے لوازم "کے موضوع پر دو گھنٹے کا مفصل خطاب۔

۵۔ سو سو اہل مذہب و مذہبی کو نارتھ زون سنٹر، آہل مدعو میں "حقیقتِ ایمان کے موضوع پر تفصیلی خطاب اہل سوال و جواب۔"

ہوشن کے گیارہ روزہ قیام کے دوران کئی جماعت کے اجتماعات کے علاوہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا کے فوجیوں کی ایک تنظیم کے سالانہ کنونشن میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ کنونشن ایک ہائٹ اعلیٰ پیمائش جیٹ ریجیسی کے وسیع و عریض کنونشن ہال میں منعقد ہو رہی تھی اور اس میں کم بیش دو ہزار فوجیوں کی شرکت تھی جن میں لوگوں اور لڑکیوں کی تعداد بالکل مساوی معلوم ہو رہی تھی۔ چنانچہ ہال کے ایک جانب طلبہ تھے اور دوسری جانب طالبات تھیں۔ اور دونوں طرف حاضری بالکل برابر نظر آ رہی تھی۔ فوجیوں کی تعداد کا معیار کچھ زیادہ بلند نہیں تھا۔ البتہ اس نشست کے مہمان مقرر ڈاکٹر احمد قرنی کی تقریر بہت عمدہ تھی۔ بھلا کر صاحب موصوف شاگوش میں رہتے ہیں لہذا میری ان سے شناسائی پائی ہے۔ تقریر کے دوران انہوں نے مجھے سامعین میں بیٹھے دیکھا اور تقریر میں بھی میرا ذکر کیا اور تقریر کے خاتمے پر والہاد ازم از میں بظاہر مجھ سے ہوا۔ ہر حال کنونشن سے اذانہ ہوا کہ لائشیا میں اسلامی تحریک بڑی صحت مند اور سرگرم بنیادوں پر اڑ رہی ہے۔ کنونشن میں ہماری شرکت ۲۸ دسمبر کی دیر کو ہوئی۔

ہوشن میں اس بار جن احباب سے خصوصی اور قریبی تعلق رہا ان میں سر فہرست تو جناب ام نسیم ہیں جن کا ذکر پہلے چکھا ہے۔ ان کے ساتھ کامل ذہنی ہم آہنگی قریبی ہی اس بار اندازہ ہو کر مزاحیہ مطابقت بھی پوری ہے۔ انہوں نے عزیزم لطف حیدر کو عمر کے نمایاں فرق کے باوجود جس طرح مانوس کیا اور بالکل دوستی کا رنگ پیدا کر لیا وہ ان کا اضافی نکال ہے۔ جس سے میں بالکل تہی دامن ہوں۔

دوسرے نمبر میں سید عید قرب ڈاکٹر محمد عطا اور ان کے حق سے خاندان سے رابطہ ڈاکٹر صاحب کنگ، انڈیا ڈاکٹر لکھنؤ کا ہے۔ جس سے مجھے دوسرا سال بعد کے فارغ التحصیل ہیں۔ الحمد للہ کہ معرف وہ خود گلبرگ ان کی انجمن سے بھی بڑی ہوئی، نیکی اور قریبی ذاتی سرگرمی میں جنابت خدائے اندازہ میں حق سے لینے کے اعتبار سے ہوشن کی مسلم کمیونٹی میں بہت نمایاں ہیں انٹر صاحب خود اور ان سے بھی بڑھ کر ان کی اہلیہ عمر میں کم کم ان کے پاس قیام کریں۔

لیکن ایک تو چور کو یہ منہ چھو بھی طے پا چکا تھا اور دوسرے اس سبب سے کہ ان کا قیام ہوشن کے مصافحات میں بہت ناؤن میں ہے جو اس ملک کی نظر سے کہیں چلتا نہیں میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ لہذا مستقل قیام تو ان کے یہاں ملے تھا البتہ دونوں اور چار راتوں کا قیام ان کے یہاں ہو چکا گیا۔ اول تو پہلی رات کو انہوں نے دعوت کا اہتمام کیا جس میں اہل برادران، یعنی ڈاکٹر عارف الہی اور ڈاکٹر اسلم الہی بھی مدعو تھے۔ ان دونوں سے دور شے تو کنگ، انڈیا ڈاکٹر لکھنؤ کا ہے طے ہے۔ اس یعنی ایک یہ کہ یہ دونوں بھی اس کے گریجویٹ ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ ڈاکٹر الہی بخش مرحوم مدفون کے صاحبزادے جو میرے میڈیکل کالج کے پورے عرصہ تعلیم کے دوران پرنسپل بھی رہے اور میڈیسن کے استاد بھی — مزید برآں ان نوں بھائیوں سے ایک خصوصی تعلق کالج کی یونین کے ایک انتخاب کے دوران رہا تھا جس میں اسلامی جمعیت طلبہ نے جبروت تہد لیا تھا اور یہ دونوں بھائی اس میں ہمارے حلیف تھے۔ پھر ۲۸ دسمبر کو دوبارہ ڈاکٹر عطا صاحب کے یہاں قیام رہا۔ اس لئے کہ انہوں نے میرے مکمل میڈیکل معائنہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنا پورا حاشا لکھ دیا۔ جس کے لئے میں ان کا ذاتی طور پر ممنون ہوں۔ آخری بد سہ کی رات کو درس وغیرہ کے پورے پروگرام سے فائدہ ہو کر میں ان کے ساتھ ان کے مکان پر جمع سامان منتقل ہو گیا اور دو راتیں اور کم کا پورا دن ان کے یہاں اہل آرام کیا۔ ام کی رات کو ڈاکٹر عارف الہی صاحب لائے اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا جس میں ڈاکٹر افتخار احمد شریک تھے۔ ام کی صبح کو ڈاکٹر عطا الہی نے مجھے ہوائی اڈے پر شکار گاہ کے لئے ۵۴۴ - ۵۴۵ کیا ۱۱۱

ڈاکٹر عطا الہی کی مصافحت سے ان کے برادران نسبتی بیاقت امین اور راحت امین سے ملاقات ہوئی۔ بولنے میں بھی ایک روز کھانے پر مدعو کیا۔ اور عزیزم عاطف وحید کو شہر کی سیر کرائی۔ عزیزم عاطف وحید میں نے ایک خاندان کے ساتھ انڈیا یکم جنوری کو لاس اینجلس بھیج دیا تھا۔ یہ لوگ بدراہم کاریہ کے لئے تلوار بٹا گئے تھے اور وہاں سے واپسی کے دوران ہوشن رک گئے تھے اور چند دروس میں شریک رہے تھے اور اب واپس اس اینجلس جا رہے تھے۔ وہاں سے آفونر بھی ۵ کی شام کو براہ راست بدراہم ہوائی جہاز شکار گاہ گئے۔

ہوشن میں جن مزید احباب سے قریبی رابطہ قائم ہوا ان میں برادر ام دیم اختر صاحب، برادر ام عبدالصمد صاحب، برادر ام ناقد صاحب، جناب ابدالی صاحب، اور برادر ام محمد علی سارو کی صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے دیم اختر صاحب سے میری دوستی عزیز داری بھی ہے۔ اور وہ تحریک مجاہدین پاکستان بیرون وطن سے مرکز تعلق رکھتے ہیں۔ اور ناقد صاحب سعودی عرب میں مقیم برائی برادران اور ڈاکٹر شجاعت علی برائی اور عبد جت علی برائی کے خاندان بھائی ہیں۔ یہ پاکستان واپسی کا حتمی فیصلہ کر چکے ہیں اور تنظیم میں شمولیت کا بھی ان

کا اردہ تھا کہ وہ شاگرد اور نیا ملک دیو بھی میرے ساتھ جائیں گے لیکن کسی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔
 یوسٹن کے اس گیارہ روزہ قیام کے نتیجے میں تنظیم اسلامی کا پہلا بیج بھی پڑ گیا اور چار احباب نے تنظیم میں
 شمولیت اختیار کر لی۔

یوسٹن کی یہ روداد نامکمل رہے گی اگر ایک ترک بھائی کا ذکر نہ کیا جائے۔ ان کا نام عبدالحلیم ایرک ہے تعلیم
 پیشے کے اعتبار سے GEOLOGIST ہیں۔ وہ کینیڈا کے شہر ویکٹوریہ سے تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے پیش
 آئے تھے لیکن پھر انہوں نے میرے دروس میں شرکت کے لئے اپنے قیام کو طویل دیا۔ اور پورے پروگرام میں پارک
 کے ساتھ شریک رہے۔ نہایت نیک مخلص اور دودھ مند مسلمان ہیں۔ انگریزی کے کچھ کچھ SET انہیں پتہ
 کر دیا گیا تھا۔

شکاگو میں پانچ جنوری کی صبح کو یوسٹن سے شکاگو پہنچا۔ اور عزیزم عارف ماسی روز کاس انجیلز سے پہنچے میرے
 استقبال کو ایئر پورٹ پر براہدم احمد عبدالقدیر، امیر تنظیم اسلامی شکاگو کے علاوہ متعدد رفقاء موجود تھے
 عزیزم عارف کو شام کو عزیزم عدنان علی نے وصول کیا۔ ۵ رکی مات میا کو شکاگو کے جنوبی مسافرات میں ایک نئے
 قائم شدہ مرکز میں تقریر تھی۔ اس مرکز کے روح رواں ڈاکٹر غفری صاحب ہیں۔ وہاں تمام حاضری اور ویسٹنگ غفری
 حضرات پر مشتمل تھی۔ لہذا اردو میں خطاب ہوا۔ شہید ترین سرودی اور طوفانی کیفیت کے باوصف حاضری کا یہ تھی۔
 ان کو جمعہ تھا۔ خطبہ جمعہ انگریزی میں، ڈاؤن ٹاؤن اسلامک سنٹر میں دیا اور شام کو جناب احمد قمر صاحب
 کے قائم کردہ امریکن اسلامک کالج شکاگو میں، اسلام میں جہاد کا تصور کے موضوع پر تقریر کی۔ کالج کے دس بیچ دروس
 آؤٹچورم میں ڈیڑھ صمد کے الگ بجگ افروغ تھے۔ اودیہ حاضری امریکی معیار سے غیر معمولی ہے۔ تقریر کے
 بعد سوال و جواب کا سلسلہ بھی رہا۔ اور اکل و شرب، کامیابی۔ یہ دونوں پروگرام انگریزی میں ہوئے۔

پہلے ۲ جنوری کو الیٹن (ELSTON) ایونیو پر واقع مسلم کمیونٹی سنٹر میں، اسلام کا اجتماعی نظام پر
 اردو میں مشعل تقریر ہوئی۔ یہاں بھی تقریر کے بعد سوال و جواب اور اس کے بعد اکل و شرب کا سلسلہ رہا اور ان
 انجمن خدام القرآن شکاگو کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا۔
 اتوار ۸ جنوری کو وٹا پارک میں، اسلامک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کے فروغ
 پر انگریزی میں مشعل خطاب ہوا۔

سوموار ۹ جنوری کی صبح کو براہدم ڈاکٹر خورشید احمد ملک کے مکان واقع ڈاونز گروپ تنظیم اسلامی شکاگو کے
 رفقاء کا طویل اجتماع ہوا۔ جس میں تبلیغی مسائل زیر بحث آئے۔

ڈاکٹر خورشید احمد ملک خود اٹلی ویمبر میں پاکستان آئے تھے اور ان سے کراچی میں ملاقات ہوئی تھی اور وہیں
 انہوں نے شکاگو کے لئے دو دن کا دورہ لے لیا تھا۔ پاکستان سے وہ اٹل پلچ گئے تھے اور وہاں سے ۵ مارچ تک
 ان کی شکاگو واپسی تھی لیکن انہیں اپنی ملک عزیز کے پرنسپل کی وجہ سے ان کی واپسی ٹوٹ کر گئی۔ ادواب ان کی
 آمد کو متوقع تھی۔ ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کا گھر نہ صرف ہماری قیام گاہ بلکہ تنظیم کی مجلس گرمیوں کا مرکز بنا
 ہوا تھا۔

یوسٹن میں براہدم ڈاکٹر عبدالقدیر، امیر تنظیم اسلامی ٹورنٹو نے قبل پر
 دعوت دی تھی۔ میں نے اپنے بھائی ملک دگر کے لئے کی کردی کے باعث ان کو دعوت دی۔ بعد میں خیال آیا کہ ہفتہ وار تعلیمات

ایام تو شکا گو میں صرف یہ دعائیں گے۔ دوسری ہفتہ گونزو جانے کا کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ لہذا ابراہیم، احمد عبدالقدیر مصطفیٰ و ذریعہ معذرت کر دی۔ لیکن شکا گو ہر معلوم ہوا کہ اس سے رفتائے گونزو ہفتہ "بدول" بلکہ "دول گونزو" چونکہ پانچ ماہ جنوری کو کینیڈا کے کنسلٹ میں حاضر ہو کر دیر حاصل کیا۔ لہذا گیارہ کی دوسرے کو براہدم احمد عبدالقدیر دوسرے مہینے کا طرف ویدی کی معیت میں گونزو جانا ہوا۔

دور دراز مہم کا حلقہ وسیع کی مسیت میں لڑکر جانا پڑا۔ اور اس دوران میں تنظیم کے نقصان ہی کے ساتھ انفرادی طور پر بھی قیام صرف دودن اور دودن رہا۔ ایک مائٹ ڈاکٹر عبدالغفار صاحب کے مکان واقع دائرو میں مقامی تنظیم کے کماٹ کے ساتھ رفقاء کی مسیت میں بسر ہوئی۔ دوسری شب جناب صدیق باٹ صاحب کے مکان پر بسر ہوئی اور وہاں تنظیم کے رفقاء کا بھرپور اجتماع ہوا۔ اور دوسرے روز صبح ہی صبح کے تنظیم میں شامل ہوئے۔ بعد میں خود مجھے امانہ دیا کہ ڈیوٹی کی پچھترین VISIT بھی تنظیمی اور تحرکی اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوئی۔ یقیناً دین کے خدمتوں کی محنت بھی ملاقات بھی دینی اور تنظیمی دونوں اعتبارات سے بہت اہم ہے۔

نیو یارک اگر کسی سیدے والے اسٹریٹ میں واقع مسجد جاتا تو براہاں خطہ مجھ دیا۔ یہاں اخوان المسلمون کے بہت سے مگر کم کانگروں سے ملنا ہوا۔ جن میں سے بعض تو اتنے قریب آگئے کہ میرے تمام پر وگروا ملوں میں جکا ہٹم کے ساتھ شرکت کرتے رہے۔

اسی شام کو بعد از مغرب فلشنگ (FLUSHING) میں واقع اسلامک سنٹر میں دس قرآن پڑھا۔
 ہفتہ مارکی واپس کو کوشین آئی لینڈ (STATEN ISLAND) میں واقع ڈاکٹر حاج حسین قیس صاحب
 کے مکان پر شربت پوئی۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق حیدر آباد دکن سے ہے اور ان کے یہاں اس سے قبل بھی دوبار جانا
 ہو چکا ہے۔ ان کے یہاں اکثر باغی حیدر آبادی حضرات کی کوئی ہے۔ اس بار چند پاکستانی حضرات بھی شریک تھے۔
 جن سے فری ڈسپنٹکشن ہوئی۔

شام کو وہ اصل تقریر بھی جس کے لئے میرا اس بار کا قیام امریکا ایک ہفتہ بڑھ گیا تھا۔ یعنی اسلامک سنٹر کلفورنیا۔ اس کے لئے خشک کی میونسپل کارپوریشن کا مال حاصل کیا گیا تھا۔ جنہو تین وحضرتؑ کے کچھ کچھ سہرا ہوا تھا۔ یہاں میں نے اسی کوئی بیوٹی انگریزی میں ایک مفصل تقریر حقیقت جہاد کے موضوع پر کی اور اس میں میں اوروہ فرانس دینی کے جامع تصور کو تمام د کال پیش کرنے کی کوشش کی۔ الحمد للہ کہ اس پر بھلا مردہ مولیٰ میں تمام لوگوں نے نہایت فخر اور مسکوں کے ساتھ یہی تقریر سنی۔ اور صاف اعانہ ہو رہا تھا کہ بات کا فائل سے گزرا کر دل و دماغ میں اترتی جا رہی ہے۔ ﷲ الحمد!

۱۰۔ اقرار ہے کہ جو ری کوئی دینا ایک مضافات میں ایک بڑے اسلامی مرکز میں جانا تھا۔ جہاں مستقل خطاب بھی ہوتا۔ اور دھمپ سوال و جواب بھی۔

اور دیکھ سہاں و جواب بھی۔
 ہمارے ملک کو میں اور میرا درم احمد عبدالقدیر نیویا لکھا ہے شاگو اُسے۔ جہاں اسی دلی لاکر خود شیک
 صاحب اُنہیں سے پہنچے اور شاگو کو کہہ دیا کہ میں ہر شخص ان سے ملاقات کی خاطر جاتا تھا۔

۱۶. کی مہج کو ان کے مکان پر برادر مہر خان احمد خان اور مولانا عبداللہ سلیم صاحب سے خطات ہوئی اور شہم کو تین تمام ملتان شہر کو گواہ عبدالاحد اس جس میں عبداللہ کا کیا انتخاب ہوا جس کے قبیہ میں برادر محمد فضل

فردوسی صاحب نے محمد مقرر ہوئے۔
 ۱۷۰۱ء کی صبح کو شکاگو سے نوبارک واپسی ہوئی۔ دن میں ایک مختصر سا چکر بازار لگایا۔ شام کو پی آئی ہے
 واپسی کے ڈیڑھ سی منٹا پیار سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ کراچی سے نوبارک جاتے ہوئے دن لمبا ہوتا چلا جاتا
 ہے اور ایک ہی تاریخ میں پورا سفر طے ہو جاتا ہے۔ واپسی میں معاطہ بالکل برکس ہوتا ہے۔ چنانچہ تین تاریخیں قابل
 ہوجاتی ہیں۔ یعنی بدھ کی شام کو نوبارک سے روانہ ہو کر کراچی آمد ۱۹ کو صبح جاریجے ہوئی۔ دن میں کراچی برادر دم نکلی ہوئی اور
 صاحب کے مکان پر آرام کیا اور شام کو رات سے چھ بجے کراچی سے چل کر گلجگ آٹھ بجے لاہور پہنچ گئے۔
 بِسْمِ اللّٰهِ وَحَسْبُكَ وَحَمْلُهُ دَرْجَاتُكَ كُنْتَ - اَيْسُونَ تَابِعُونَ لِرَبِّتَا حَاصِدُونَ -

اس بار امریکہ میں جہاں بھی جاتا ہمایہ سوال فرد ہوا کہ آپ نے "دال مشیٹ جرنل" دیکھا ہے؟ معلوم ہوا کہ
 میں میٹن کی مشہور روزانہ دال اشریٹ سے شائع ہونے والے اس روزنامے نے جملہ کچھ کے مرایہ داروں اور
 کاروباری لوگوں کے حلقے کا اہم ترین ترخان ہے۔ اپنی کم و بصرہ ملکی اشاعت میں ایک طویل مضمون اپنے شائقین پڑھ
 پان لگوٹ کے قلم سے سفر اڈل پر شائع کیا تھا جس میں پاکستان میں موجود حکومت کی تقاضا اسلام کی سامعی اور ان کے
 پاسے میں مختلف مقلوں کی رائے کا ذکر تھا۔ اور اس میں نہایت بوشادی اور چالاک کے ساتھ ایک ترے تین شمار
 کئے گئے تھے۔ یعنی ملاد کا استہزاء، موجودہ حکومت کا سفر اور خود اسلام کی تضحیک۔ اس تحریر میں میرے موقف کے ساتھ
 ساتھ جناب جسٹس رینارڈ محمد فضل چیمہ، سابق چیئرمین، اسلامی ایڈیٹوری کونسل پاکستان، جناب اعجاز حسن (ایڈیٹر
 سیاست دان)، جناب اقبال جعفری (صحافی)، جناب مصلح الدین (پاکستان ٹیلیوژن)، جناب انیس احمد (اسلامی ٹیلیوژن)
 اسلام آباد، حنا جیلانی (ایڈیٹر وکیٹ)، اور ایک بے نام چھٹی لادانی کی آزاد دی گئی تھیں۔ لیکن سب سے
 طویل ذکر بھی میرا تھا اور سب سے زیادہ نشانہ تضحیک بھی میری ذات کو سنایا گیا تھا۔ (دارمیں مثنیٰ کے نقشہ طبع
 کے لئے اس مضمون کے متعلق حقے کا نوٹوسٹیک آئی پرپے میں شائع کیا جا رہا ہے)

عجیب بات ہے کہ ڈیڑھ سال قبل جب میں برادر دم قاضی عبدالقادر صاحب اور عزیزم عارف رشید سلمو
 کی معیت میں لاس انجلس پہنچا تھا تو میں اسی دن اسی طرح کا ایک سفر اقل کا مضمون کیلیفورنیا کے سب سے بڑے
 روزنامے "لاس انجلس ٹائمز" میں چھپا تھا۔ اور اس سے قبل اسی قسم کا ایک مضمون کینیڈا میں ٹورنٹو کے سب سے بڑے
 روزنامے "ٹورنٹو سٹار" میں چھپ چکا تھا۔ مجھ سے اس قسم کے مضامین کے بارے میں جب ہی تغیر
 ہوا کہیں تو میں نے جواب میں غموض مکر و کثرت کی برکتا کی اور کہیں "مذہب نام اگر بول گے تو کیا نام نہ ہوگا" کہنے لگا
 بنایا۔ دل کے گہرائیوں میں میں نے اس پر محمد اللہ کوئی تشویش محسوس نہ کی بلکہ ایک گونہ اطمینان ہی محسوس کیا کہ
 اس سے ابک جا نہ ب۔ "وَلَسْتَ مِنْ أَهْلِ الْدِّينِ أَذْهَبُ الْكُفْرُ وَمِنْ أَهْلِ الْدِّينِ أَشْرُكُوا
 أَذَى كَيْفَ تَبَيَّنَ" اور دوسری جانب بلا تشبیہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کا مکس نظر آتا ہے۔ فَلَمَّا لَحِقَ رَبَّهُ

استدراک: وطن میں شبِ روز

ہرگز میں جو بیس روزہ قیام کے دوران مصروفیات کا علم راہِ تقررہ بالا میں سامنے آگیا۔ اب ذرا اندرونِ میانِ دعوتی دوسری اور دوسری خطابات کے طوفانی زمانہ کی ایک جھلک کے طور پر ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء (ارکحہ سے واپسی کو پہلی شنبہ) ۱۹ فروری ۱۹۸۴ء تک ایک ماہ کے پروگرام کا خلاصہ حاضر فرمایا جائے:

۱ جنوری۔ جمعہ خطاب جمعہ مسجد والا سلام • دس قرآن اجتماع عمومی تنظیم اسلامی لاہور، قرآن اکیڈمی، بعد نماز مغرب — مسجد بن (مکمل)

۲ جنوری۔ ہفتہ • لاہور کا کراچی ذریعہ پی آئی اے۔ ملاقات ڈاکٹر سید سلمان ندوی خلف الرشید مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳ جنوری۔ اتوار • تقریر سیرت النبیؐ، سندھ میڈیکل کالج، کراچی، دوپہر • خطاب دسوال و جواب برسرِ کان کنش جسبدا حکیم صاحب، الفینس سوسائٹی، محضرہ عشاء • ۴ جنوری۔ پیر • مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن (ردار) مفتی، انڈیا اور برادرم نذیر حسین علی دسوی عربی اور برادرم یونس علی (داز) مصر سے ملاقاتیں۔

۵ جنوری۔ جمعہ • مجلس مرکزی مجلس مشاورت، تنظیم اسلامی۔
۶ جنوری۔ جمعہ • خطاب مرکزی جامع مسجد و شلاٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔
• رات کو پھر مجلس مرکزی مجلس مشاورت۔
۷ فروری۔ جمعہ • خطاب نکاح و تزئین از سرسٹو شید گارڈی، بعد عصر۔
• شرکت اجتماع خصوصی، رفقاء تنظیم اسلامی لاہور و شمالی، بعد عشاء۔

۸ فروری۔ جمعہ • خطاب جمعہ مسجد دارالسلام۔
• دس قرآن اجتماع عمومی تنظیم اسلامی لاہور، قرآن اکیڈمی، بعد نماز مغرب، سورۃ تزل (مکمل) • ۹ فروری۔ ہفتہ • بعد مغرب، خطاب "مصلحت قرآن" عربی کلاس، دیال سنگھ ٹرسٹ، لاہور میں۔
• شرکت اجتماع خصوصی رفقاء تنظیم اسلامی لاہور (دوسری) بعد عشاء۔

۱۰ فروری۔ اتوار • خطاب پی ٹی سی ٹیکسٹری جیلیم، محضرہ مغرب، مغرب تا عشاء۔
۱۱ فروری۔ پیر • دو قرآن، کیونٹی سنٹر اسلام آباد۔ سورۃ تغابن (مکمل)، پورے نین گھنٹے۔
۱۲ فروری۔ منگل • سہ پہر اجتماع رفقاء تنظیم اسلامی راولپنڈی / اسلام آباد • بعد نماز عشاء، خطاب انجینئرنگ کالج ٹیکسٹلا۔

• رات کے بارہ بجے ٹیکسٹلا سے روانہ ہو کر پونے تین بجے کوٹ پتیسہ۔ وہاں برادرم کی کریم علی شاہ کے مکان پر چند گھنٹے قیام کے بعد سیدہ سے ملنا۔

۸، فروری۔ بدھ • سائنسے گیارہ بجے سے یک بجے دبیر خطاب بارائیسوی ایشین، بقول۔

• بعد نماز، خطاب، عظمت قرآن، جامعہ علوم شرعیہ،

• بعد عشاء، مقتل خطاب جامع مسجد، ٹانچی بازار

۹، فروری۔ عجرات • بعد نماز درس قرآن جامع مسجد، ٹانچی بازار

• نوی بجے روانہ ہو کر ساتین سوسیلہ کاسفرے کے کلمات کو دلچسپی لاہور

۱۰، فروری۔ جمعہ • خطاب جمعہ، مسجد دارالہم • بعد مغرب تقریر قرآن کانفرنس، مسجد شاہ اسلام، گلبرگ۔

• بعد عشاء درس قرآن، مسجد بازار دالہ شاہ عالم چوک۔

۱۱، فروری۔ ہفتہ • تقریر پوچھنا اجتماع خصوصی رفقاء تنظیم اسلامی، لاہور۔

• بعد نماز عشاء — درس قرآن، چوک شاہ عالم مارکیٹ۔

۱۲، فروری، اتوار • سوا گیارہ بجے سے پونے دو بجے تک خطاب نیشنل انٹیلیجنٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (NPA)۔

• بعد نماز درس قرآن چوک شاہ عالم مارکیٹ۔

۱۳، فروری، پیر • بعد مغرب شاہ عالم مارکیٹ، کے تین روزہ، درس قرآن کے ضمن میں سوال و جواب کی نشست

• بعد عشاء بارہ حضرات کی بیعت اور شمولیت تنظیم دبیر اذکار روحانی برائے ہمیں بارخانہ تبلیغی

۱۴، فروری، منگل • رحیم یار خاں • گیارہ بجے خطاب بارائیسوی ایشین اور

• بعد مغرب خطاب عام، جامع مسجد رحیم یار خاں

۱۵، فروری۔ بدھ • نواز خیر کے فوراً بعد رحیم آباد، جہاں سردار محمد اعلیٰ خاں لطافتی، سردار محمد امین خان لطافتی

ان کے صاحبزادگان و خواہر زادگان سے تفصیلی ملاقات دی — دہاں سے قبل انظر صلحہ

صادق آباد • بعد نماز خطاب عام، جامع مسجد تحصیل مالی، ادھر • بعد مغرب سوال و جواب،

ملاقات کلب، صادق آباد۔

۱۶، فروری، جمعرات • کراچی • دبیر کوثر ریسرٹ الہام، دختر بود آف سینکڑی ایکویشن۔

• بعد مغرب اجتماع خصوصی رفقاء تنظیم اسلامی، کراچی۔

۱۷، فروری۔ جمعہ • خطاب جمعہ، جامع مسجد زمین سوسائٹی، نزد شہید قیامت روڈ، کراچی

• بعد نماز خطبہ نکاح دختر نیک اختر کوثر دہاں صاحب، اس پورے پروگرام میں صد پکارتا

جزل محفلیہ الخی می شریک رہے!

• بعد مغرب، اسی مقام پر درس سورۃ صاف

۱۸، فروری۔ ہفتہ • ملاقات صوفی ریاض احمد صاحب (تعلیمی کالج، بہمدی روڈ) مولانا طاسین صاحب

(پلیس ٹی)، اور بعض دیگر احباب دلفقار (رات کو دلچسپی لاہور بیچنے والے آئی اے)

۱۹، فروری۔ اتوار • لاہور • خطاب سیرت کانفرنس، اسے چائے نوش لاہور۔

— پر فرست من اندامیات پر مبنی ہے جو میری

میں، ہو سکتا ہے کہ کوئی پروگرام درج ہونے سے پہلے ہو گیا ہو۔ بہر حال میں خود جب اس پر فکرمند ہوں تو یہ ناقابلہ

پیشہ سائنسے کے لئے ہے۔ اور اب کہ میں اپنے اپنے کام میں مصروف ہوں اور صحت بھی اکثر خراب

ہے اتنی مشقت ظاہر ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی خصوصی آئید و توفیق کے ناکامی برداشت ہی نہیں ہو سکتی ہے۔
 اے اہل ایمان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اگر برپیشی فرویات کے سوا میرے اوقات کا کوئی حصہ اور میری تھلائیوں
 اور صلاحیتوں کی کوئی رقم سوائے خدمتِ قرآن اور خدمتِ اسلام کے اندکسی کام میں صرف نہیں ہوتی۔ — اور
 ہر سچی ہرگز کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ اس نے اسی خدمت کے لئے قبول
 فرمایا ہے۔

منتِ مہذہ کہ خدمتِ سلطان بھی گنتی منتِ شناس اذاد کہ خدمتِ بادشاہت !!
 سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حیاتِ دنیوی کے آخری سانس تک اس خدمت کی توفیق عطا کرے۔
 دوسری درجے میں ایک نسبت معنوی قائم ہو جائے اس کیفیت سے جو صحابہ کرام کی زبانوں سے ادا ہونے والے
 ماحول میں سامنے آئی ہے کہ

نَحْنُ الَّذِينَ بِأَعْوَا مَحَمَّدًا
 عَلَى الْحِمَا مَا لَقِينَا أَبَدًا
 وَنَحْنُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْهُمْ وَأَوْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ — آمین۔

Gen. Zia led that 1977 coup, and ever since, he has had to deal with the mulavis' political demands. In Lahore on a recent Friday (the Moslem Sabbath), hundreds of the male faithful sit, cross-legged and skull-capped, under canvas awnings at the mosque of scholar Israr Ahmad. (Women and children are hidden from men in another tent.) Cross-legged himself, his gray beard touching a generous stomach, Mr. Israr bellows his message through loud-speakers: "The way to salvation is through the Koran!"

The 51-year-old Mr. Israr has more than Allah on his mind, however. Politics, for example: "Hypocrisy and duplicity are the order of the day!" he shouts, criticizing Gen. Zia's regime. And women: "Not observing purdah is a sin!" he roars, upholding the Koranic injunction that women cover themselves from head to toe in public.

Public-Relations Skill

His sermons are influential because in Pakistan the mosque is often the focus of public life. And modern mulavis extend that influence with astute public-relations skill of a Jerry Falwell. Outside Mr. Israr's mosque, the faithful can buy tapes of his last 300 sermons, and there are hundreds of

copies of his pamphlet, "Islamic Renaissance." Until recently Mr. Israr even impressed his orthodox views on a weekly national TV audience.

Like many mulavis these days, Mr. Israr isn't pleased with Gen. Zia's Islamization. "It is sloganism," he says in an interview. Instead, Mr. Israr wants all laws studied for their "repugnance" to Islam. For example, he wants interest purged from the banking system, and he doesn't want women to vote anymore. "We want a . . . total revolution," he says. But aren't revolutions bloody? Mr. Israr replies, "There must be bloodshed in revolutions."

تاریخ متوجہ ہوں!

• ماہنامہ میثاق کا سالانہ ذریعہ تعاون اندرون ملک - ۲۰/- روپے ہے جبکہ دوسرے ممالک کے لئے ذریعہ تعاون حسب ذیل ہے:

کینیڈا - ۱۵۰/- روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، تائیچریا - ۱۵۰/- روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات - ۱۰۰/- روپے

سعودی عرب، البنگلہ دیش، مصر، ایران - ۹۰/- روپے

انڈیا - ۸۰/- روپے

• پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی ذیلی شاخیں قائم ہیں وہاں میثاق درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

★ پشاور: دفتر تنظیم اسلامی، ٹنڈو الہنگ پل پختہ نزد چوک یادگار، پشاور

★ ملتان: عبدالغنی صاحب ملتان پولری کالرز، بالمقابل قلمیہ جناح ہسپتال ملتان، فون: ۵۸۹۱

★ کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ ایف ٹوری انٹرنر احمد صاحب خطیب مسجد روضہ کوئٹہ، فون: ۷۷۲۵

★ کراچی: دائرہ منزل، نزد آرام باغ، شاہدہ یاقوت کراچی، فون: ۷۱۴۴۷۱

★ راولپنڈی: ڈی ایس ایس سکول ۱۴۰-۵-۱، راولپنڈی سٹریٹ ٹاؤن فون: ۳۷۳۶

★ گوجرانوالہ: جناب پاشا مارون برکی، بی-۵۸۱، سٹریٹ ٹاؤن

★ سیالکوٹ: جناب محمد مزین اقبال، معرفت و حیدر کلینک چوک کوٹلی بہرام فون: ۳۴۲۲

★ وہاڑی: ڈاکٹر منظور حسین منظور محمدی ہسپتال - ۱۰۷، پیلیز کالونی

”اک دیا اور بچا....“

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے نام کے ساتھ مرحوم و مغفور کے الفاظ لکھنے پر طبیعت تامل آمادہ نہیں ہے۔ تاہم واقعہ کا انکار ممکن نہیں!۔ تحریک پاکستان کا یہ پرجوش کارکن اور شعلہ بیان خطیب، بانی پاکستان کا قریبی رفیق اور ان کے اور مسلمان والیان ریاست کے مابین خصوصی رابطے کا ذریعہ علامہ اقبال مرحوم کی خدمت میں مسلسل چودہ برس (از ۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۸ء) روزانہ پابندی کے ساتھ مودبانہ ماضی دینے والا طالب علم جس نے ان کی تمام کتابوں کی ایسی داغ و داغ اور عام فہم شرح لکھ دی جس سے اقبال کے افکار عالیہ تک متوسط صلاحیت کے لوگوں کی رسائی بھی ممکن ہو گئی، تاریخ اور فلسفہ تاریخ، مذہب اور فلسفہ مذہب، فلسفہ اور تاریخ فلسفہ اور ادیان عالم اور ان کے تقابلی مطالعے کے متن میں معلومات کا بحر ذخار اور گنج گرانمایہ، صاحب طرز انشاء پرداز اور فنِ خطابت میں ولولہ انگیزی اور رقت آمیزی کو بیک وقت سمونے کی صلاحیت رکھنے والا مقرر۔ بالآخر قضاۃ خداوندی سے خود تو ۲ فروری ۱۹۸۴ء کو راہی ملک بقا ہو گیا اور اس کا جسدِ خاکی ۴ فروری کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تفہیم اسلامی کے داعی و امیر اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مونس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے موصوف کا ۱۹۶۶ء سے تادمِ آخر نہایت مشفقانہ تعلق قائم رہا۔ ادھر کچھ عرصہ سے تو انہوں نے لکھنا ترک کر دیا تھا جب تک ان کا قلم چلتا رہا، میناشقے کے ساتھ تعلق قائم رہا اور ان کے رشحاتِ قلم قارئین کی منیافت طبع اور استفادہ علمی کا ذریعہ بنتے رہے۔ انجمن

کے تحت منعقد ہونے والی قرآن کافروں کی ایک نشست کے مقرر اعلیٰ ہمیشہ وہی ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بارہا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے مرحوم بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ پایا۔

اللہ تعالیٰ اُن کی غطاؤں سے درگزر فرمائے۔ اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حساباً لیسیراً۔ آمین یا رب العالمین۔

آخری عمر میں موصوف پر فقر اور درویشی کا غلبہ ہو گیا تھا۔ غالباً یہ اُسی کا منظر ہے کہ شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ علاؤ الدین نقشبندی مدظلہ اپنی ملازمت طبع کے باوجود ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچ گئے اور ان ہی کی امامت میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ البتہ نماز جنازہ میں شرکار کی حاضری حضرت اکبر الہ آبادی کے اس شرکی تصویر، تھی جسے مرحوم اپنے بائے میں اکٹرا کر رکھا کرتے تھے۔ یعنی

شرک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا
میری کوئی موسائی ہی نہیں

عجیب معاملہ ہوا کہ حکومت پنجاب کے ایک نہایت نیک سیرت اور فرشتہ خصلت افسر شیخ احمد طارق صاحب ریجٹ انجینیئر، حکمہ انہار، بھی چشتی صاحب کے انتقال کے چند ہی روز قبل بطاہر ایک معاہداتی حادثے، لیکن باطن قنائے الہی سے رحلت فرما گئے۔ گذشتہ چند سالوں سے احمد طارق صاحب نہایت قریبی نیاز مندانہ بلکہ عقیدت مندانہ تعلق چشتی صاحب کے ساتھ تھا اور تقاریر و خطبوں پر کئی مرتبہ چشتی صاحب کو لانے لے جانے کی ذمہ داری ان ہی کے کندھوں پر تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف نے ملک بھاکا کی جانب اپنے مہذب اور مذہم سے پیش قدمی اس لئے کی کہ وہاں ان کا استقبال کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب موصوف کو بھی اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور حدیث نبویؐ ”المسافر مع من احب“ کے مصداق عالم برزخ میں بھی انہیں چشتی صاحب کی مصیبت عطا فرمائے۔ آمین۔

بھارت سے ایک خط

مکتوب گرامی مولانا افتخار احمد شری از مراد آباد ہند

حضرت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہم، السلام علیکم۔ بزاج گرامی! بھائی عبدالکریم پاریکھ صاحب کے خط سے یہ خوشخبری معلوم ہوئی کہ وہ لاہور قرآن کانفرنس میں تشریف لے گئے تھے اور آپ سے خوب ملاقات رہی خدا مجھے بھی نصیب فرمائے، 'میشاق' اور 'حکمت قرآن' سے آپ کی مساعی حسنہ کا حال معلوم ہو کر آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں بعض ڈاک واک والوں کی مہربانی سے نہیں ملتے جن کا تعلق رہتا ہے جنوری والا میثاق ماشاء اللہ بڑا جادو ہے جہاں تک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتہم کو آئندہ سالانہ کانفرنس میں شرکت کیلئے ابھی سے خط و کتابت کرائیں بھائی پاریکھ حضرت مولانا کے بہت ہی تعلق والے ہیں ان کو بھی ذریعہ بنائیں خدا کرے ان کی شرکت اس سال ہو جائے ابھی تو وہ جنوبی ہند کے اسماعیلیوں میں حق تعالیٰ شانہ نے پاریکھ صاحب کو بھی قرآن پاک کی خدمت و مسامتہ و جہی طور سے عطا فرمائی ہے جی چاہتا ہے اس دود کے قرآنی خدمت گزاروں کا جوڑ آپ کے ساتھ قائم ہو جائے۔

حضرت شیخ الہند پر اس میثاق میں خوب تفصیل سے کچھ باتیں آگئی ہیں جہاں کہ اللہ جی چاہا کہ اس سلسلہ کی کچھ باتیں زندہ بھی عرض کرے حضرت کے مجدد ہونے کی بات تو آپ کی ہی زبان مبارک سے سنی تھی اس پر غور کیا تو واقعی یہ ساری بہار ان کی ہی لگائی ہوئی ہے مولانا محمد الیاس صاحب شیخ التبلیغ بھی یمن سے ہی قیام لنگوہ سے ہی تعلق رکھتے تھے ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر وقت کے وقت بھی مفتی کھاتہ اللہ صاحب اور مولانا الیاس صاحب ہی تھے حکیم بلبل خان صاحب ڈاکٹر انصاری حکیم نابینا صاحب مولانا ابوالکلام آزاد مولانا

محمد علی جوہر صاحبزادہ آفتاب خاں صاحب جامی ترجمہ زنی پر سہی حضرت
 شیخ الہند کا خوب اثر پڑا تھا۔ یہ سب حضرت کے خدائی تھے سالہائیں دیوبند کا
 جلسہ ہوا جس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب شریک ہوئے اس وقت
 یہ بات طے ہوئی تھی کہ دیوبند کے کچھ بونہار جدید تعلیم کے لئے علی گڑھ جایا کریں گے اور اس
 طرح علی گڑھ کے کچھ دیوبند کی تعلیم کے لئے آیا کریں گے۔ مالٹے سے واپسی پر پڑیوں
 کے گھنٹے والے انسان نے علی گڑھ یونیورسٹی کی جامع مسجد کے ایک ستون سے کمر لگا
 کر یہ ارشاد فرمایا کہ مدرسوں مخالفا ہوں سے زیادہ تم سے اُمید لگاتا ہوں جس
 طرح حق تعالیٰ نے تاتاریوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی کیا عجیب ہے اگر نیندیں
 کو بھی اس دور میں یہ شرف مل جائے اگر یہ ہوتا ہے تو یہی طبقہ اس کام کے لئے
 کار آمد ہوگا۔ حضرت شیخ الہند کی ایک ہی یادگار انسان آپ کے خط میں پایا جاتا ہے
 مولانا عزیز گل صاحب دام مجد محمد خدا کرے حیات ہوں خط عمر میں اُن سے
 بھی ایک دفعہ ضرور ملاقات فرمائیں۔ اگر ان تک پہنچنے کے لئے ضرورت رہے گی کہ
 تو قاری سعید الرحمن صاحب پنڈی والے یا مدرسہ عقانیاہ کو ٹرہ خٹک سے کسی کو لے
 لیا جائے۔

اُپ کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک کی خدمت کے لئے قبول فرمایا ہے اُس
 لئے عرض کر رہا ہوں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا تھا کہ میری زندگی
 بھلا تجربہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا قُرب جتنا میں نے تہجد کے وقت قرآن پاک کی
 تلاوت میں پایا اور کسی چیز میں نہیں پایا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اُس وقت دیکھ
 کر پڑھا جائے اور معنی و مطلب کا دھیان نہ کرے صرف یہ کہ اللہ کے کلام کی تلاوت
 کر رہا ہوں۔ والسلام۔

محتاج دعا

غلام افتخار صدیقی

چمنستان کے کراچی میں فصلے بہار

امیر تغلق محمد ثانی کو اکثر امراء احمد کے ۱۹۵۷ء میں اختتامی دورہ کراچی کو ایک عنوان کے تحت پیش کیا جائے تو زیادہ مناسب لگتا ہے۔ یعنی وہ عنوان ہے "چغتائین کراچی میں فصل بہار" اس طرح ماہ مبارک سے جس میں کہ یہ دورہ ہوا ایک فضلی مناسبت کے ساتھ ساتھ تعوی مناسبت بھی ہو جاتی ہے۔ چونکہ عربی لغت میں موسم بہار کو "ربیع" کہتے ہیں اس امر پر ربیع الاول کو اگر دماغی فصل بہار سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ربیع الاول یعنی روحانی بہار کی آمد کے ساتھ ہی عالم اسلام میں مسوئہ اور پوری دنیا میں عموماً مسرور و عالم
رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیات مطہرہ کے ذکر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بدین رب و ملک
جمع انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونہ کامل آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی ذات پاک ستی نے انسانوں
کو ان کے مقصد حیات سے آگاہ کیا۔ اور آپ ہی جن کے نقش پا پر چل کر سعادت و فلاح دارین ماسل کی مابین
ہے۔ آپ کی محبت و وجہ نجات، آپ کی اطاعت و سیلۂ فلاح و فوز دارین اور آپ کے نقش پا کا اتباع عطرہ ندی،
لا مایابی و کامرانی اور شوکت و شہمت کا زینہ ہے۔ مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو نہابی طور پر ان حقیقتوں کا اعتراف
نہ کرتا ہو۔ اس حقیقت سے سب آگاہ ہیں، ملتے ادر جاتے ہیں۔ اپنی محاسن، مذاکرات، تحریریں اور تقریریں، بیان
بھی کرتے ہیں۔ یہ سب درود کی سیرت کی محافل، میلاد کے جلسے و مجلس اور ذکر رسول کی محاسن اس غنیمت کی یادگار
ہیں کہ مسلمانوں نے کبھی بھی ذکر رسول میں کمی نہیں آنے دی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی نقص
کو ہم اس ذکر رسول کو محض زبان تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسے اپنی شخصیت میں جذب کریں اور ہمیں حقیقی محبت اور
واہما نہمت کے ساتھ ساتھ رسول کامل کی اطاعت و اتباع بھی نصیب فرمائے جو ہر راہ ہے وہ ہر راہ ہے لیکن
ہمیں سوچنا ہو گا کہ کیا یہ کچھ کافی ہے کہ ہم جلسے کر لیں، جلسے نکالیں جس کا کوئی ثبوت قرآن میں نہیں ملتا۔
دھواں جھلٹاتا رہ کر لیں، فتن خطابت کا مظاہرہ کر لیں اور لوگوں سے داد حاصل کر لیں۔ گلیوں، بازاروں اور ملاقاتوں
کو جھنڈیوں اور نمونوں سے سجایا جاتا رہے۔ قرآن کریم صرف کر کے اور آئرش اور مجلس کا اہتمام کیا جاتا رہے۔ یہ سب
؟ فرکس لئے؟ کیا رسول کامل کی اس عالم میں تشریف آوری کا مقصد وحید یہی ہے کہ تھا؟ کیا آپ نے حق تعالیٰ
کے مقررہ پراخت کے کاغذوں پر جو دفتر جاری ڈالی وہ یہی تھی کہ وہ محض زبانی کلامی حد تک خراج عقیدت و محبت
وہ بھی جنت بھانہ ادا کر کے بری الذمہ قرار پائے گی۔

۱۲۔ ۱۹ جولائی ۱۹۷۱ء کو پاکستانی کونسل کے زیر اہتمام خالقہ جناح مال کراچی میں منعقد ہوا۔

مالی مخالفت میں بعد نماز غروب امیر محمد بن عبد الوکیل اسرار احمد صاحب نے انقلاب محمدی اعلیٰ صاحبہ اہلسلاطینہ کے قریب حاضر ہو کر خطاب فرمایا۔ خطاب کا یہ سلسلہ ۱۲ دسمبر سے ۱۷ دسمبر یعنی پانچ ایام پر محیط تھا۔ ۱۷ ایام میں امیر محمد بن عبد الوکیل نے اپنی تقریر کے بعد وہ سب کے سب مراحل شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیے۔ ان کے بیان کے بعد وہ سب کے سب مراحل کو اب تک میں نے اپنی تقریر میں لکھ دیا ہے۔

سب زبانی محبت تھی، عملی محبت کے اثرات فرود مرتب ہوئے ہوں گے۔ دفاثرین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ان خطابات کو ٹیپ میں محفوظ کر لیا گیا ہے جو تنظیم اسلامی کراچی کے دفتر سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے امیرِ محترم نے پانچ ایام میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ سیرتِ مطہرہ کو سمجھنے کے لئے رسولِ کاملؐ کی انقلابی جدوجہد کو ہر مسلمان اپنے سامنے رکھے تو سب سے بڑی سخت جو حضورؐ کی چارے باندھنے لگے گی وہ اللہ کے دین کا غلبہ ہے اور یہی نبیِ کاملؐ کی محبت کا نقطہ شروع ہے جس کو قرآن میں تین مقامات پر بغیر کسی تفسیر کے بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے تشریف لائے۔ "اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو "الہدیٰ" اور "دین حق" (مکمل نظامِ زندگی) دیکر بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام دنیا کے تمام باطل نظام ہائے اطاعت پر غالب کر دے۔"

رسولِ کاملؐ نے اپنی ۲۳ سالہ مختصر حیات طیبہ میں علیہ دین، اقامتِ دین، فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تمکینِ دین کے لئے مسلسل جدوجہد فرمائی اور آپؐ کی تیار کردہ صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کا ولیفہ زندگی بھی اقامتِ دین رہا۔ انہوں نے دینِ حق کو غالب کرنے کے لئے رسولِ کاملؐ کا دستِ دباؤ دین کے جدوجہد کی۔ اس راہ میں دیکھ جھیٹ، سختیاں سہیں، ماریں برداشت کیں۔ اور اس راستے میں آنے والی غمشوں کے سامنے اپنی ہلکیوں سے بچنے۔ لیکن کے چھپائے ہوئے ان کانٹوں کو اپنے مقدس ہوس کے قطروں سے میراب کیا اور اللہ کی زمین پر اس کے دینِ حق کے پرچم کو بلند کر دیا۔ "حَکَمَ مَاقَ وَّوَحَّیَ اِلَیْہِ اِنَّہُ عَلَیْہِ اِنۡعَ اَلۡکِبَیۡلَ اَنَّہُ لَکَانَ نَحۡمُوۡنًا" اور "وَرَجَعۡتُ اِلَی اللہِ صَیِّ اَلۡعِیۡبِ اَیۡ فِیۡ فِضَا قَاۡمَ کَرۡوِیۡ" فصلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ ہیں وہ احساسات و جذبات جو رسولِ کاملؐ سے علی تعلق استوار کرنے کے لئے امیرِ محترم کے سیرت کے خطابات کے بعد راقمِ الحروف کی طرح ہزاروں فرزندانِ توحید کے قلوب میں جاگزیں ہوئے۔ اس کے بعد یہ بات بغیر کسی جھجک کے کہی جاسکتی ہے کہ جس عظیم المرتبت، سچی، اپنی امت کے سامنے علی نمونہ اور اسوہ حسنہ پیش فرمایا ہوس کی بارگاہِ عالی میں گفتار کے چند رسمی مظاہرے خارجِ حقیقت اور محبت نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ نبیِ رحمت سے حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم علی سلمان نہیں اور اپنے حق میں کو ادنیٰ عالم کے مشن کی تکمیل کے لئے لگے لگاویں۔

... علاوہ انہی امیرِ محترم نے تین دن سورہ شوریٰ کے کچھ منتخب مقامات کا درس بھی دیا۔ ۱۳ دسمبر سے ۱۵ دسمبر تک درس کا یہ سلسلہ بعد نمازِ شام مسجد جامع الصفا مقب الاظم اسکوٹر میں جاری رہا۔

۱۶ دسمبر کو دہلی مرکز آئی سو سائٹی میں امیرِ محترم نے اجتماعِ جمعہ سے خطاب فرمایا اور ازاں بعد اپنے ایک رفیقِ اقبال صاحب اور ایک دوستِ صحیحہ کا نکاح مسنون بھی پڑھایا۔

رفقاء تنظیمِ اسلامی کراچی کے لئے ایک تربیتی پروگرام بھی ہوا۔ یہ پروگرام ۷ دسمبر سے ۱۹ دسمبر تک صبح ساڑھے نو بجے سے نمازِ ظہر تک کے اوقات میں ہوتا ہے۔ دو دنوں میں امیرِ محترم نے تنظیمِ اسلامی کی قرارداد پانچ سو نو نئی اکڑم کا مقصد بحث، نامی کن بجلی کا مطالعہ کر دیا۔ تیسرے دن سوالات و جوابات کی نشست ہوئی۔ واضح رہے کہ تربیتی پروگرام بھی مسجد جامع الصفا میں منعقد ہونے۔

۲۰ دسمبر کو دفترِ تنظیمِ اسلامی میں بعد نمازِ عشاء امیرِ محترم کے ساتھ خصوصی نشست کا انعقاد ہوا۔ سوال و جواب کے بعد ائمہ اہلِ حق نے فرما دی "۲۰ مرسکم بخمس بالجماعت والسمع والطاعت والجمہی تا والجمہاد فی سبیل اللہ" کی تعمیل میں امیرِ تنظیمِ اسلامی کے ہاتھ پر صبح طاعت کی بیعت کی۔ اسی نشست کے

ساتھ امیر محرم کی کراچی میں مصروفیات اختتام پذیر ہوئیں اور دفتر ہی سے موصوف لاہور مراجعت کے لئے تقریباً ۱۲ بجے شب ہوائی اڈے روانہ ہوئے۔

دو دن کے وقفے کے بعد ۲۲ دسمبر کو پیر امیر محرم سابق رئیس بلدیہ حیدرآباد مولانا سید موسیٰ مظہر ندوی صاحب کی دعوت پر لاہور سے حیدرآباد تشریف لے گئے اور مولانا موصوف کے مدد سے جامعہ اسلامیہ واقع ٹھنڈی سڑک حیدرآباد میں سیرت النبی کے حوالے سے مفصل خطاب فرمایا۔ معاون خصوصی برائے نائب امیر صوبہ سندھ سید داحد علی قزاق صاحب بھی امیر محرم کی آمد پر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ رضوی صاحب کے ساتھ عجیب حادثہ پیش آیا۔ حیدرآباد جانے کے لئے اپنی موٹر سائیکل پر نائب امیر جناب ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب کے گھر روانہ ہوئے تاکہ ان کی میت میں حیدرآباد جا سکیں۔ اپنی رہائش گاہ واقع ڈیفنس سوسائٹی سے نکلنے کے بعد پھلک تمام اتھار میل گئے ہوں گے کہ موٹر سائیکل سلپ (دھانسی) ہو گئی اور آپ گر پڑے۔ نتیجہً بازو میں چوٹ لگی، لیکن ایمان کی حرارت انہیں اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکی اور وہ اسی حالت میں حیدرآباد پہنچ گئے۔ وہاں پر جا کر انہیں تکلیف کی شدت کا احساس ہوا۔ چنانچہ دوسرے دن کراچی واپسی پر جب ایکسے ایگیا تو معلوم ہوا کہ بازو زخمی ہے۔ جب انسان کو اپنے مقصد حیات سے اس قدر نکلن ہو جائے تو وہاں واقعہ ایسے زخمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر احساس ہو تا تو ہال جیسی رشی اللہ عنہ اپنے سینے پر زخموں کا پتھر تیتی دھوپ میں لٹ کر برداشت نہ کرتے اور مادہ ہڈی صلا پر گرنے لگاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے مقصد حیات سے ایسی لگن نصیب فرمائے۔

۲۳ دسمبر کو امیر محرم دوبارہ شہر کراچی تشریف لائے۔ اور جامع مسجد ابو جعفر صدیق واقع ڈیفنس سوسائٹی میں اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا اور ہزاروں فرزندانِ توحید نے آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی نماز جمعہ کے بعد اسی مسجد میں سوالات و جوابات کی مجلس ہوئی۔ یہ علاقہ تعلیم یافتہ افراد کی آبادی ہے۔ جس میں فوج کے بڑے بڑے ریٹائرڈ آفیسرز رہائش پذیر ہیں۔ یہ محفل ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ ہر نوع کے سوال و جواب ہوئے۔ امیر محرم نے ہر سوال کا ختمہ پشانی سے تسلی بخش جواب دیا۔ اس مجلس میں تقریباً ڈیڑھ سو افراد شریک رہے۔ ہر ایک نے اس مجلس کی افادیت کا اعتراف کیا۔ مجلس کے اختتام پر امیر محرم قریب ہی کپٹن کریم صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں امیر محرم داحد علی رضوی صاحب کی عیادت کے لئے صبح چند رفقہ ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ اسی موقع پر داحد علی رضوی صاحب کے برادر آصف علی رضوی نے بیعت کی۔ ان کی اہلیہ محترمہ اور بہنوئی محترمہ بھی امیر محرم کے ہاتھ پر بیعت مسنونہ کی۔ واضح رہے کہ خواتین کی بیعت اذروئے قرآن و سنت ہے اور اس کا طریقہ بھی وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اختیار فرمایا تھا۔

حالیہ دورہ کراچی کے موقع پر امیر محرم کا قیام جناب قاضی عبدالقادر صاحب کے ہاں تھا۔ قاضی صاحب شمالی ناظم آباد میں رہائش پذیر ہیں اور تنظیم اسلامی کے بیرون محکمہ کے روابط کے سلسلے میں مصروف عمل ہیں۔ آپ نے گھر پر ہی دفتر بھی قائم کر رکھا ہے۔ رضوی صاحب کی عیادت کے بعد امیر محرم قاضی صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں پر مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے صاحب زادے صہیب حسن صاحب سے ملاقات طے تھی۔ اتفاق سے مولانا موصوف بھی تشریف لے آئے۔ اس طرح امیر محرم کا مولانا موصوف کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا۔ اسی شب یعنی ۲۳ دسمبر کو ہی امیر محرم امریکہ روانہ ہو گئے۔

امیر محرم دورہ کراچی کے دوران رفقہ تنظیم اسلامی کراچی گزشتہ کی طرح سرگرم عمل رہے۔ پروردگار

حسب سابق شعبہ نشر و اشاعت کے تعاون سے عمدہ کاغذ اور بہترین ڈیزائن میں طبع کرائے گئے تھے اور شہر کے نمایاں مقامات پر چسپاں کرنے کے علاوہ انفرادی طور پر بھی لوگوں کو بذریعہ ڈاک بھیجے گئے تھے۔ حیدرآباد کے رفقاء نے بھی ان پروگراموں میں شرکت کی۔

خالدینا مال اور جامع الصفا میں مکتبہ بھی لگایا گیا۔ الغرض رفقاء نے بھرپور طور پر اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ **بجزنا حسدا اللہ احسن الجزاء**

مرتب: ضحید اختر خان، رفیق تنظیم اسلامی کراچی

کراچی کا مختصر دورہ !!

امیر محترم نے ۷ دسمبر سے ۱۹ دسمبر ۸۲ تک کراچی میں قیام فرمایا تھا۔ اور ۱۹، ۲۰ دسمبر کو درمیانی رات کو شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر عازم سفر ہوئے تھے۔ جہاں سے ۱۹ جنوری ۸۳ کو صبح مراجعت ہوئی تھی۔ ۱۹ تاریخ کو شام کو موصوف نے کراچی ہی میں آرام کیا۔ چونکہ قریباً بیس گھنٹے کے ہوائی سفر کے باعث کافی تھکان ہوئی تھی۔ اسی تاریخ کی شام کو امیر محترم لاہور تشریف لے گئے۔ سندھ میڈیکل کالج اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے امیر محترم سے ۲۲ جنوری ۸۳ کی تاریخ کالج میں سیرت انجیلی مل صاحبہا الفضلۃ والسلام پر تقریر کا وعدہ امریکہ جانے سے قبل لے رکھا تھا۔ بلکہ موسوف ۲۲ جنوری کو دور در کے لئے کراچی تشریف لائے۔ اس روز کالج میں اس موضوع پر تقریر کی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے دولت کے انقلابی جدوجہد کے پہلوؤں کو واضح کیا۔ اس اجتماع میں کالج کے طلبہ و طالبات کی کثیر تعداد بڑے ذاتی و شوق سے شریک ہوئی۔ چند پروگرامز اور سیکرٹریز حضرات نے بھی شرکت کی۔ عام تاثر یہی تھا کہ تمام شرکاء نے اس نئے انداز و اسلوب سیرت کے بیان کو کافی پسند کیا۔ اکثر شرکاء کا خیال تھا کہ سیرت کا یہ پہلو نہایت وضاحت اور مربوط طریقہ پر پہلی بار سامنے آیا ہے۔

اسی شام عصر سے مغرب تک ٹولینس ہاؤسنگ سوسائٹی میں محترم جناب کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالکریم صاحب کے مکان پر امیر محترم نے ایک خصوصی انجی اجتماع کو خطاب کیا۔ جس میں چیدہ چیدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات شریک تھے۔ اس تقریر میں بھی امیر محترم نے انقلابی اور اصلاحی یا سیاسی جدوجہد کے فرق کو واضح کرتے ہوئے سیرت مجاہد کے انقلابی پہلو کو بیان کیا۔ بعد نماز مغرب سوال و جواب کی مجلس رہی جو نماز عشاء تک جاری رہی۔

۲۳ جنوری ۸۳ کو زیاہ تر وقت ملاقاتوں میں صرف ہوا۔ جن میں امیر محترم کی ڈاکٹر سید سلیمان ندوی، خلیف الرشید مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جناب سید صباح الدین عبداللہ صاحب مدیر رسالہ ماہنامہ معارف اعظم، گورنر یوپی (صحافت)، جناب ذہیر حنیف، اذکمہ مکرمہ اور بحالی یونس علی رفیق تنظیم اسلامی حال مقیم اسکندریہ (مدرسے ملاقاتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں) آخر اللہ کریمین حضرات ان دنوں کراچی تشریف لائے تھے۔ ان ملاقاتوں میں مختلف دینی، ملی، ملکی، بین الاقوامی امور پر تبادلہ خیال ہوا۔

۲۴ جنوری کو صبح امیر محترم لاہور تشریف لے گئے۔ اس طرح ان دونوں کا مختصر دورہ اختتام پذیر ہوا۔

مرتب: رفیق تنظیم اسلامی کراچی

گوجرانوالہ گوجرانوالہ کو پنجاب کا ہی نہیں بلکہ پاکستان کے ایک مشہور صنعتی شہر کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے خصوصاً بجلی کے پنکھوں، پکڑانے کے ۱۵۰۰۰

مائی اور دھلائی کی مشینیں بنانے میں یہ شہر کافی مشہور ہے پھولوں کی دھبے سے بھی اس شہر کو شہرت مل رہی ہے امیر تنظیم اسلامی اس سے قبل خطابات جمعہ و درس قرآن و دیگر تقاریف کے لیے وہاں تشریف لے جاتے ہیں لیکن غالباً پچھلے دو سال سے اس کا موقع نہیں ہوا تھا۔ گوجرانوالہ کی ایک معروف سماجی شخصیت نواب چودھری عبدالباری صاحب کا امیر محرم سے شدید اصرار تھا کہ وہ ایک جمعہ کا خطاب گوجرانوالہ کے سیٹلائٹ ٹاؤن کی جامع مسجد میں فرمائیں۔ موصوف نے چودھری صاحب کی یہ دعوت قبول کر لی تھی اور امیر محرم تشریف لے جانے سے قبل ہی ۲۶ جنوری ۸۴ء کو وہاں جمعہ کو خطاب کرنے کا وعدہ فرمایا تھا امیر محرم ۱۱ جنوری کو ادیکہ سے واپس تشریف لائے تھے اور تقریباً سات جہول کی غیر حاضری کے بعد ۲۱ جنوری کو موصوف نے مسجد دارالسلام میں اجتماع جمعہ میں خطاب کیا تھا۔ اگلے جمعہ ۲۶ جنوری کا پیرانہ بھاری معلوم ہو رہا تھا لیکن ایسا وعدہ بھی پیش نظر تھا چنانچہ امیر محرم ۲۶ جنوری کو چند رفتار کے ساتھ بذریعہ کار گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔

گوجرانوالہ سیٹلائٹ ٹاؤن کی جامع مسجد نہایت کشادہ اور وسیع دھریض ہے شاید یہ گوجرانوالہ شہر کی سب سے بڑی مسجد ہو۔ مسجد کے خطیب مولانا طلحہ قدوسی، مسجد کے امام جناب محمد عبداللہ صاحب نیز مسجد کی انتظامیہ اور شہر کے چند معززین نے مسجد کے صدر دروازے پر امیر محرم کا استقبال کیا چودھری عبدالباری صاحب مسجد تک رہنمائی کرنے کے لیے مقررہ وقت پر اپنی گاڑی کے ساتھ بل پر موجود تھے۔ مولانا طلحہ صاحب نے امیر محرم اور دیگر حضرات کیلئے ناشتہ کما ہتمام مسجد سے ملتی اپنے مکان پر کر رکھا تھا۔ یہ گویا منزل تھا جو مولانا موصوف نے بڑی ہی محنت کے ساتھ شرکار میں پیش فرمایا۔ اس نشست میں امیر محرم اذان کے درمیان مختلف دینی بزرگوں کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔

جامع مسجد میں خطاب کیلئے سارے بارے کا وقت مقرر تھا چنانچہ وقت پر خطاب شروع ہوا۔ موضوع تھا: ہمارے علمی اور دینی فرائض "مسجد کا وسیع دھریض ہال اور قریباً اتنا ہی بڑا محفل حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ شرکار کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ ہوئی وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ جدیدین پر اس مسجد میں جو حاضری ہوتی ہے اس جمعہ میں شرکار کی تعداد اس سے بھی تجاوز کرتی۔ گوجرانوالہ کے علاوہ بہت سے دیگر شہروں کے لوگ امیر محرم کا خطاب سننے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ سب سے خوش آئند بات یہ تھی کہ شہر کے تقریباً ہر ملک سے متعلق حضرات کی کافی تعداد موجود تھی اور یہ اجتماع اتحاد سالک کا ایک بہترین منظر تھا۔

امیر محرم نے خطبہ منورہ اور ادعیرہ ماقرہ کے بعد سورہ بلد کی آیت لَعَنَّا خَلْقَنَا الْاِنْسَانَ فی کُندہ اور حدیث شریف امرکم بحکم مجسنا لجماعة والسمع والطاعة

۱۔ الاحاد فی سبیل اللہ سے اپنی تقریر کا اظہار فرمایا اور تہجد کے طور پر

بنایا کہ اس دنیا میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے مشقت میں پیدا کیا ہے یہ مشقت انسان کا مقدر ہے
گیت و کیفیت میں توفیق ہے لیکن انسان کو اس سے بھر نہیں ہے ہر انسان کو محنت و مشقت
گرنی ہوتی ہے۔ کوئی جسمانی محنت کرتا ہے تو کوئی ذہنی سہ چھٹکارا کسی کو بھی نہیں ہے
اس دنیا میں انسان پر ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ ہے جن میں تین ذمہ داریاں وہ ہیں جن کو پورا
کرنے کے داعیات اس کی جبلت میں ودیعت کیے گئے ہیں ان کے تقاضے اندر سے اُٹھتے
ہیں جیسے بقائے ذات کے لیے معاشی جدوجہد، بقائے نسل کے لیے شادی گھر گرہستی اور
پرچھانے کے لیے دین بسیر۔

ان تعلقوں کو پورا کرنے کے لیے کسی وعظ و نصیحت اور تلقین کی ضرورت
نہیں پڑتی۔ تین ذمہ داریاں یہ ہیں جن کا تعلق اس کے شعور، ذہن اور فکر سے ہے ان کو
پورا کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے سمجھایا جائے۔ اس کے شعور، فکر اور ذہن
کو بیدار کیا جائے ان ذمہ داریوں کا تعلق — اس کی قوم، وطن اور دین سے — ہم پاکستانی
خوش قسمتی سے وہ قوم تھے کہ ہماری قومیت — اسلام ہمارا وطن اسلام — اس لیے کہ ہم نے
پاکستان بنایا نہ تھا اس مقصد کے لیے کہ پاکستان کا مطلب کیا — لا الہ الا اللہ — اور ہمارا دین
تو اسلام ہی —

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر یہاں قوم تھے استعمال کیا ہے ورنہ
حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں اگر ہم دین کا کام کرتے یہاں فی الواقع اسلامی نظام
کا نفاذ ہوتا تو ہمارا ملک، ہمارا وطن پاکستان بھی مستحکم ہوتا اور بحیثیت قوم و ملت بھی ہم متحد
اور باہم شیردش کہہ سکتے۔ یعنی دین کے کام سے پہلے دو تقاضے بھی باطن و درجہ پورے ہو جاتے
لیکن ہم نے اس سے انحراف برتا اور اعراض کیا اس کی ایک سزا تو اس صورت میں ہمیں مل
چکی ہے کہ علاقائی و صوبائی قومیتوں نے سراٹھایا جس کے نتیجہ میں پاکستان و وحدت ہوا اور
شرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔ ادب موجودہ پاکستان میں پنجاب کو چھوڑ
کر تین صوبوں میں علاقائی ادب فی فتنے پیمانہ چڑھ رہے ہیں جس میں سندھ کا معاملہ کافی
تشویش ناک ہے۔ اگر ہم نے زبانی کلامی نہیں بلکہ عرصہ و اخلاص کے ساتھ فی الواقع دین
کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا تو پاکستان کا ایک باوقار، آزاد و خود
مختار ملک کے مستقبل کا محذور ہونا اس کا منطقی نتیجہ ہوگا۔ امیر مہتمم نے مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں
کو بدترین انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے کہ جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہے اس پر از روئے کین
تین ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

پہلی یہ کہ جب وہ خود کو مسلمان کہتا ہے — تو فی الحقیقت وہ اللہ کا بندہ بنے اور
اس کے احکام پر کاربند ہو۔
دوسری یہ کہ وہ اس دین کو دوسروں تک پہنچائے۔

تیسری یہ کہ وہ اس دین کو عملاً ایک نغلام حیات کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد سے ان فہم داریوں کی ادائیگی سے اگر وہ غفلت برتنے گا تو وہ دنیا میں بھی بے حیثیت فردِ قومِ ملت و دچار ہوگا اور آخرت میں بھی خسران سے اُسے سابقہ پیش آئے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زبانی کلامی خود کو سہماں کہنا یا کہلوانا ہرگز کافی نہیں ہوگا چوں کہ وہ یہ مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ شرف اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اب اگر وہ اسپر عمل پیرا نہ ہوں تو دوسرے مجرم ہوں گے ایک "افرنانی" کے دوسرے کو ان نعمت کے ۔ ڈاکٹر صاحب نے زید فرمایا کہ دین کی طرف سے عائد کردہ جو ذمہ داریاں میں نے بیان کی ہیں ان کو ادا کرنے کیلئے من فہم داریاں اور میں جو بطور لوازم عائد ہوتی ہیں وہ ہیں تنظیم، تربیت اور جہاد۔ اس کے بعد امیر محترم نے ان تینوں امور کو اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا۔ بعد امیر محترم نے حدیث "انکم نخمس بالجماعة والسمع والطاعة والجمعة والجهاد في سبيل الله" پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں جماعتی زندگی کے بغیر زندگی بسر کرنا صحیح نہیں ہے جماعت میں بھی وہ جو بس میں ایسا ڈسپلن ہو کہ فی المعروف امیر کے ہر حکم کی تعمیل ہو۔ سنو اور اطاعت کرو۔ جماعت کا مقصد ہو ہجرت جہاد" پھر ہجرت کے وسیع ترین مفہوم کو بیان کرتے ہوئے امیر محترم نے فرمایا کہ ہجرت یہ ہے کہ ہر اس فعل اور چیز کو چھوڑ دیا جائے جو اللہ کو ناپسند ہے اس کی بلند ترین چوٹی یہ ہے کہ اگر ضرورت متقاضی ہو تو گھر بار اور وطن کو بھی چھوڑ دیا جائے اس کے بعد امیر محترم نے جہاد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی پہلی منزل اپنے نفس سے جہاد ہے۔ کہ اس کو اللہ کی اطاعت کا خوگر بنایا جائے۔ دوسری منزل یہ ہے کہ معاشرے میں جو بھی باطل نظریات اور فسطا انکار دامال پھیلے ہوئے ہیں ان کا مکمل ابطال کیا جائے اور اس کے لیے ہتھیار قرائی کو بطور آلہ استعمال کیا جائے۔

تیسری منزل یہ ہے کہ اللہ کے دین کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے اور اس کا نام ہے اقامتِ دین۔ اس کی بلند ترین چوٹی قتال فی سبیل اللہ ہے امیر محترم نے فرمایا کہ ان کاروں کے لیے جو جماعت بنے اس کی تشکیل کا ایک ہی طریقہ کتاب و سنت اور تعاملِ سلف سے ملتا ہے اور وہ ہے ہجرت کا طریقہ۔ اس مسئلہ پر بھی امیر محترم نے تشریح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی انہیں امیر محترم نے فرمایا کہ میں نے تنظیم اسلامی کے نام سے اپنی مقاصد کے لیے ایک جماعت قائم کی ہے جس کو ایک انقلابی جماعت کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے چوں کہ دین اگر کہیں گئے گا تو وہ انتخابی سیاست کے ذریعہ نہیں بلکہ انقلابی عمل کے ذریعے ہی آئے گا۔

خطاب کے بعد شرکاء نے امیر محترم کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی مجلس ہوئی جو ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی زائد وقت جاری رہی اس میں تقریباً چار سو حضرات شریک رہے امیر محترم نے ہر نوع کے سوالات کا خذہ پستانی اور تحمل سے ثنائی اور تسلی بخش جواب دیا۔ بعد دعا پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ ہمارے رفقاء نے مسجد کے صدر دروازے کے ساتھ کتبہ بھی لگایا تھا الحمد للہ

کہ گوجرانوالہ کے عوام نے اس میں بھی سہر لپو دی جیسی کامیاب ہو گیا۔ اور کثیر تعداد میں کتب اور کیسٹ خریدیں۔
جناب چودھری بدایاری صاحب نے دوپہر کے کھانے کا اپنے مکان پر انتظام کر رکھا تھا چنانچہ امیر محترم
ان کے ساتھ تشریف لے گئے کھانے سے فاسخ ہو کر امیر محترم اور لاہور سے جانے والے رفقاء نے
اس مسجد میں نماز عصر ادا کی بعد لاہور مراجعت ہوئی۔ **فَللّٰہُ الْحَمْدُ وَالْمُنْتَہٰی**
(مرتب) رحمت اللہ بٹہر
(نائب امیر تنظیم اسلامی برائے پنجاب)



صافی اور صحت بخش خون ہی
انسان کی اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔
 خون میں فاسد مادوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں،
 غارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔
 ہر روکی صافی خون کو صاف اور صحت مند کرتی ہے۔
 صافی کا باقاعدہ استعمال جلدی بیماریوں
 سے محفوظ رکھتے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے۔

صافی

جلدی بیماریوں سے
 تیار شدہ
 صافی
 سے خون بھی صاف
 جلد بھی صاف



ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آزمائش
 ہڈی زہن کا سرطان ہے

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریٹیلو انٹرنیشنل

درآمدی اشیاء

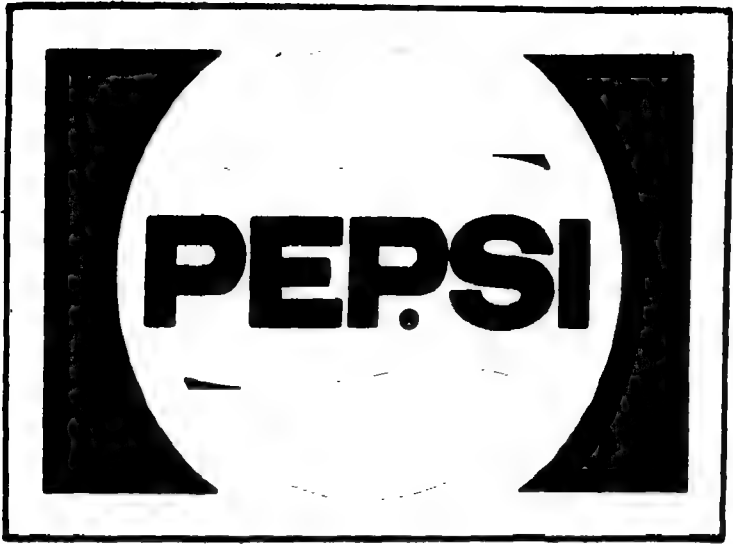
آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
 کاٹن کلاٹھ : کاٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
 ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فنر نیچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکھ فلم : سوچ سٹارٹ
 ربرٹسٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفتر

I غلو غلام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
 ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -



پنجاب یونیورسٹی کمپنی لمیٹڈ - فیصل آباد - فون: ۲۶-۳۱
۲۳۹ ۳۱

سیرت نبویؐ کے ضمن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

ہدایت موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور دامیسر تنظیم اسلامی کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ درجہ کاغذ پر خوش طبع کے ساتھ



رسول کا

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائض دینی اور اسوۂ رسولؐ

سُورۂ احزاب ۲ کو ع ۲، ۳ کی روشنی میں

یعنی مقاصد کے پیش نظر ﴿﴾ یہ تصریح جو دئیے فی کتاب ﴿﴾ محمول دُک و علاوہ

مکتبہ مرکزی نجین خدام القرآنؐ ۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور

فون سے۔ ۸۵۲۶۱۱

۲۱۴۰۹: واؤ و منزل، نہ و اکرام مارغ، کرام، مے، فونہ برائے رابطہ

سرکزی نمبرن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ



سائنس کی کلا

ڈاکٹر اسرار احمد
ایک اہم تقریر جواب کتابی شکل میں
شائع کی گئی ہے

صفحات — ۴۸

قیمت : ۳ روپے مرن

میں کا پتہ

۳۶ — کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون — ۸۵۲۶۱۱



ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط اردو
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریدیم ٹیڈنٹ
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب

آزاد فرنیچر اینڈ کمنی لیمٹڈ

۹۳۶۰۷۷۵۵



ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممتاز ادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

مطالعہ فطرت اور ایمان

ایک صاحبِ خیر کی فکر انگیز تحریر

شائع شدہ 'حکمتِ قرآن' مایچ اپریل ۱۹۷۳ء

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نظر ثانی کے بعد کتابی صوت میں شائع ہو گئی ہے

اور مندرجہ ذیل پتوں پر ہدیۂ طلب کی جا سکتی ہے

۱۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴

۲۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵۸۸ کراچی ۲

وَنَزَّلْنَا الْقُرْآنَ فَاهُوشًا

وَلَا حَمِيلٌ لِّلْهُومِينَ

نُورُ الْإِسْرَاءِ - الآية ٥٢



عطية: حاجی محمد سلیم



حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۲۲۸/۳۰۵۲۶۶





THE ORIGINAL



پاکستان کی قومی بندرگاہ....

... پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز کر
کر رہی ہے۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں

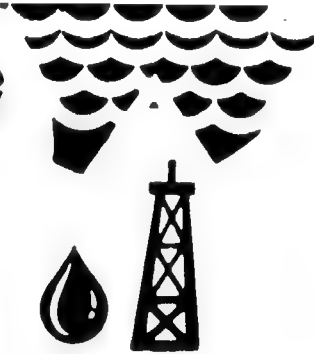
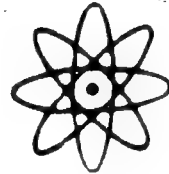
کراچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندرگاہ



قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر ذریعہ بادل صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی کپانی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔
اسے ضائع نہ کیجیے

سوئے ناردرن گیس پائپ لائنز لیمیٹڈ



وَقَدْ اخْتَرْنَا قَلَمَ الْكَلِمَةِ مِنْ مَنَاسِدِ

مِثاق

لاهُوت

مابینہ

میں

۶/۶

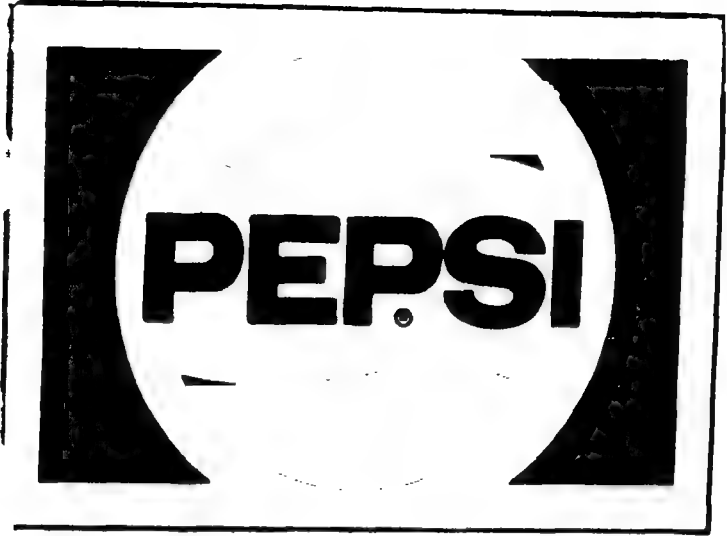


مذہب منقول

حاکم الراشد

مرکزی مکتبہ تنظیم برائے اسلام

۳۶۔ کمر ماڈل ٹاؤن — لاہور



پنجاب بیوٹیکز کمپنی لمیٹڈ - فیصل آباد - فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالَّذِينَ جَاءَهُدُ وَإِنْعَمَ الْفَعْدُ يَتَّبِعُونَ سَبِيلَهُ
وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ
اِنْ شَاءَ اللَّهُ الْعَزِيزُ
وَبِفَضْلِ اللَّهِ وَعُونِهِ

تنظیم اسلامی پاکستان

کا آسٹوان سالانہ اجتماع

۲۵ تا ۳۰ مئی ۸۲ء، قرآن اکیڈمی

۳۶-۳۷ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوگا

دکراچی میں کوئی مناسب جگہ دستیاب نہ ہو سکے کے باعث یہ تبدیلی کی گئی ہے

تمام رفقاءِ تنظیم

ابھی سے شمولیت کے لئے رخصت وغیرہ کا
انتظام شروع کر دیں اور حتی الامکان سفر
کا بھی اجتماعی اہتمام کریں۔

المعلن

قمر سعید قریشی، قلم تنظیم اسلامی پاکستان

۱۔ سالانہ اجتماع میں تمام رفقاء تنظیم اسلامی کی شرکت لازمی ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو پیشگی معذرت ضروری ہوگی۔

۲۔ خواتین اگر سہولت آسکیں تو مناسب ہوگا۔ پیشگی اطلاع سے انتظامات میں سہولت ہوگی۔

۳۔ مناصب یہ ہوگا کہ رفقاء ۲۵ مئی ۸۴ نماز جمعہ مسجد الاسلام میں ادا کریں۔ اور وہاں سے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئیں۔

۴۔ سالانہ اجتماع کی پہلی نشست کا آغاز ۲۵ مئی ۸۴ نماز مغرب کے فوراً بعد ہوگا۔ اور رفقاء ۳۰ مئی ۸۴ بدھ بعد دوپہر واپس روانہ ہو سکیں گے۔

۵۔ اجتماع کے دوران تمام رفقاء ریشمول رفقار لاہور کا قرآن اکیڈمی میں رہائش پذیر ہونا لازمی ہے۔ معذرت کی صورت میں پیشگی تحریری درخواست ضروری ہوگی۔

۶۔ ضروریات کا مختصر سامان بمطابق موسم ہمراہ لانا ضروری ہے۔

۷۔ اگر کوئی رفیق کوئی تجویز پیش کرنا چاہے یا کسی مسئلہ پر اظہار خیال کرنا چاہے تو اسے ۳۱ اپریل تک تحریری شکل میں دفتر کو ارسال کر دے۔

بشاور

شماره ۳۲ | رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق اپریل ۱۹۸۷ء

مشمول

- ۲ عرض احوال ————— عارف سعید
- ۳ امیر تنظیم اسلامی کے شب و روز ————— ادارہ
- ۵ الہدی دیر میں نشست ————— محقرہ: ڈاکٹر اسرار احمد
- ۱۹ توحید عملی اور فرفیہ اقامت دین ————— ڈاکٹر اسرار احمد
- ۲۷ شرک اور اقسام شرک ————— ڈاکٹر اسرار احمد
- ۴۳ ولایت اور تقویٰ کا اصل دینی تصور ————— ملک تقی الرحمن
- ۴۹ عورت اور اسلامی معاشرہ ————— اسرار احمد
- ۶۳ افکار و آراء —————
- ۷۵ رفت و آراء —————

ادارہ تحریک

سید محمد عتیق الرحمن
عزیز الرحمن

سالانہ رقم ۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ ۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری شہید احمد

مطبع
معتد بہ شارع نادر حسن لاہور

۷۱۶۱۱
مکتبہ تحریک اسلامی

تلفن: ۸۵۲۶۱۱
سب آفس: ۱۱ داؤد منڈل
زرد آرم باغ، شاہراہ قیامت کراچی
کراچی فون ہائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

۱۔ ملت اسلامیہ کا المیہ
۲۔ این چر برائے بحیثیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عرض احوال

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ

اپریل ۸۲ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ — ۲۵ مارچ سے محاضرات قرآنی کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس کی اجمالی رپورٹ تو قارئین آئندہ ماہ کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیگی۔ تاہم قارئین کے لئے یہ امر یقیناً اطمینان کا باعث ہوگا کہ ان محاضرات کے مرکزی مقرر مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب دہلی سے تشریف لائے ہیں۔ ان محاضرات میں وہ قرآن حکیم سے متعلق مختلف موضوعات پر تین لیکچرز دیں گے۔ جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دعوت قرآن اور اس کا مخصوص اسلوب

۲۔ تفسیر قرآن اور اس کے اہم اصول

۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد: سیرت و شخصیت — علمی و عملی کارنامے اور حضرت شیخ الحدیث کا ان سے خصوصی تعلق۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد اقبال انصاری صاحب کی شرکت بھی بہت حد تک یقینی ہے۔ یہ تمام مقالے ان شاء اللہ میثاق یا حکمت قرآن کے صفحات میں قارئین کی نظر سے گزریں گے۔

ہمارا ملک ان دنوں جس طرح کے پریشان کن اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہے ان سے ہر باشعور شہری آگاہ ہے۔ اور ہر سوچنے سمجھنے والے شخص کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ عجیب یاد آیا کہ مغرب لندن میں مقیم پاکستانی حضرات دہلی ایک کنونشن کا اہتمام کر رہے ہیں جس کا عنوان یہی ہے کہ — *What Future for Pakistan?* — اس بار ۲۳ مارچ کو موقع کے مناسب حال والد محترم ڈاکٹر ابرار صاحب نے خطبہ جمعہ میں ”اسلام اور پاکستان“ کے موضوع پر تقریر کی ہے۔ ان شاء اللہ

آئندہ شمارہ میں اس خطاب کے چندہ چندہ حصے شائع کئے جائیں گے۔

تنظیمِ اسلامی کے شب و روز

گذشتہ شمارے میں سفرِ ہیکل کے ساتھ بطور ضمیمہ تنظیمِ اسلامی ٹکا گڑ اسرار محمد صاحب جے کے قلم سے، وطن میں شب و روز کے عنوان سے ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء کے دو قے دور رس اور دور رس و خطا بہت کے خبریت گئے تھے۔ یہ نئے محسوس کیے کہ یہ سلسلہ جاری رہے تو مفید و مناسب ہے۔ حسن اتفاق سے پہلے کے آخری شمارے آج ۲۰ مارچ کو پورے ہیں۔ اس مناسبت سے ڈاکٹر صاحب کے ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء مارچ کے ایکے ماہ کے شب و روز کا خلاصہ فرمایا ہے!! (ترجمہ تنظیمِ اسلامی)

۲۰، ۲۱، ۲۲ فروری • قیام لاہور
۲۳ فروری • جموں • گو جسہ انوار اللہ • ساڑھے گیارہ آدھ کینجے، تقریر سیرت النبیؐ گزشتہ کالج گوجرانوالہ، حضرت تقریر: تنظیمِ اسلامی کی دعوت • جامع مسجد شیلڈ ٹاؤن، پھر تاجر - بعد مدرس حضرت کی تعلیم میں شمولیت کے لئے بیت۔

۲۴ فروری • جموں • لاہور • خطبہ مسجد دارالسلام، باغ جناح
بعد مغرب تقریر مسجد باغ والی شاہ عالم چوک • ختم نبوت و تکمیل نبوت

۲۵، ۲۶ فروری • قیام لاہور

۲۷ فروری • سکولار • حویلی لکھا • عصر، مغرب خطاب جامع مسجد بقیعہ

بعد شام تقریر سیرت النبیؐ، زیرِ اہتمام مدرسہ حویلی

۲۸ فروری • منگل • بعد نماز فردوسِ رسال و جواب کی پڑھ گھڑی کی طویل نشست — ۳۱ حضرت نے تنظیم میں شمولیت اختیار کیا۔

۲۹ فروری • بدھ • اکوڑہ ٹھک • ملاقات مولانا عبدالحق صاحب و مولانا سمیع الحق صاحب دارالعلوم حقانہ

• پشاور • بعد عصر تقریر: سیرت النبیؐ انقلابی پہلو • دارالعلوم مولانا راحت گل صاحب شعل پر نیو سٹی

بعد شام تقریر: سیرت النبیؐ جامع مسجد جہانت خان

یکم مارچ • جموں • سوال و جواب مسجد جہانت خان ۱۰ تا ۱۲ بجے دن — بعد ازاں دفتر تنظیم اسلامی پشاور میں نشست جہاں

۱۲ حضرت نے تنظیم میں شمولیت اختیار کیا۔

۲ مارچ • جموں • لاہور • خطبہ مسجد دارالسلام، باغ جناح

بعد مغرب خطاب مسجد باغ والی • تکمیل رسالت اور اس کے تقاضے

۳ مارچ • ہفتہ • ایسٹ آباد • تقریر بعد نماز عشاء "مسلمانوں کی دینی و فرائض و تہذیب"

۴ مارچ • اتوار • صبح ایسٹ آباد میں سوال و جواب کی ایک طویل نشست

دارالعلوم مولانا صاحب

۵، مارچ، سومر • صبح اجتماع خصوصی رفعتہ تعلیم اسلامی راولپنڈی / اسلام آباد
بعد مغرب درس قرآن کیونٹی سنٹر کب پارہ اسلام آباد (سورۃ آل عمران کا آخری رکوع)

۶، مارچ، منگل • کوٹاٹ • منتقل خطاب جامع مسجد حاجی بہادر
۷، مارچ، بدھ • ایچ خطاب بار ایسوسی ایشن۔ سہ پہر خطاب اجتماع خواتین۔ بعد عشاء تقریر جامع مسجد کراچی کینٹ
۸، مارچ، جمعرات • صبح تفصیلی نشست سوال و جواب۔ ۸ مردوں اور ۳ خواتین نے بیعت کی۔ شام کو باجی لاہور
۹، مارچ، جمعہ • لاہور • خطاب جمعہ مسجد دارالسلام۔ بعد مغرب درس قرآن اجتماع عمومی تعلیم اسلامی لاہور سورۃ مدثر
نصف اول

۱۰، مارچ، ہفتہ • کراچی • درس قرآن جامع مسجد مین سوسائٹی بعد عشاء
۱۱، مارچ، اتوار • سوال و جواب کی نشست اور اجتماع رفعتہ تعلیم اسلامی، دفتر تعلیم اسلامی
متعدد حضرات نے تعلیم میں شمولیت اختیار کی۔
۱۲، مارچ، پیر • ٹنڈو جام • تقریر سیرت النبیؐ بعد نماز عشاء تا تک ایگریکلچرل دیسٹرکٹ ٹیوٹ
بعد فجر درس قرآن نشست سوال و جواب (ٹنڈو جام)

۱۳، مارچ، منگل • ٹنڈو آدم • بعد عشاء تقریر سیرت النبیؐ
۱۴، مارچ، بدھ • صبح نشست سوال و جواب، سینپل لاٹری ٹنڈو آدم
• حیدر آباد • بعد عصر اجتماع رفعتہ تعلیم اسلامی۔
• کوٹری • بعد عشاء تقریر سیرت النبیؐ
۱۵، مارچ، جمعرات • کراچی • خطاب جلسہ سیرت النبیؐ زیر اہتمام کانٹیکس ٹیڈ بعد مغرب
واپسی لاہور بذریعہ ٹاٹ کوچ

۱۶، مارچ، جمعہ • لاہور • خطاب جمعہ مسجد دارالسلام
• فیصل آباد • بعد مغرب خطاب اجلاس پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن
• ہفتہ • دوپہر خطاب بار ایسوسی ایشن فیصل آباد
بعد عشاء منتقل خطاب شعلہ تعلیم اسلامی کی دعوت جامع فتح الدین عبداللہ پور فیصل آباد
۱۸، مارچ، اتوار • منتقل نشست سوال و جواب جامع فتح الدین عبداللہ پور۔ حضرات نے تعلیم میں شمولیت

الہدی

(تیرہویں نشست)

(مباحثہ ایمان)

قرآن مجھے فلسفہ و حکمت کی اساس کامل

سُوۃ فاسلحہ

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۴)

السلام علیکم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد
 فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ؕ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حِیْثُ لَا
 مُلْكَ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ
 نَسْتَعِیْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ؕ
 صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ لَا غَیْرَ الْمَغْضُوْبِ
 عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ؕ

(راہنیں یا رب العالمین)

مدد کی شکر اور نکل جانا کا سزاوارحقیق اللہ سے ہے پوری کائنات کا مالک
 اور پروردگار ہے۔ بہت رحم فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔
 جزا و سزا کے دن کا مالک و مختار ہے۔ اے رب! ہم تیری ہی
 بندگی کرتے ہیں اور کر گئے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور پائیں گے۔

اے رب ہمیں ہدایت بخش سیدی راہ ان کی جن پر تیرا انعام ہوا
جو نہ تو مغضوب ہوئے کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو نہ گمراہ
ہوتے۔“

اے تمام جہانوں کے آقا ایسا ہی ہو)

کرم ناظرین اور محترم سامعین! سورہ فاتحہ کے مطالعہ کے ضمن میں جسے اتم القرآن اور اساس القرآن بھی کہا گیا ہے اور جو ہماری نماز کی ہر رکعت کا جزو و تفکک ہے ہم نے پہلی نشست میں چند بنیادی باتیں بطور تہید سمجھی تھیں۔ جن میں یہی عرض کیا تھا۔ کہ اس سورہ مبارکہ کی اگرچہ آیات سات ہیں لیکن نحوی اعتبار سے ان سات آیات سے تین مکمل جملے بنتے ہیں۔ پہلا جملہ ابتدائی تین آیات پر مشتمل ہے۔ ہم نے محدود وقت میں امکانی حد تک ان تین آیات پر مشتمل پہلے جملہ کے مغایم و مطالب پر دوسری نشست میں اور اس کی چوتھی آیت پر جو اس سورہ کی مرکزی آیت بھی ہے تیسری نشست میں غور کیا تھا۔ آج ہم اس مختصر وقت میں جو ہر جملہ پاس ہے۔ آخری تین آیات پر جو ایک مکمل جملہ پر مشتمل ہے غور کریں گے۔

نہدایا:

إِصْدِنا الْمِصْرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ مِصْرَاطَ التَّذْنِیْنِ
أَلْفَمْتُ عَلَیْهِمْ ۝ غَیْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ
وَلَا الضَّالِّیْنَ ۝ (آمین)

”اے رب ہمارے، ہمیں ہدایت بخش سیدی راہ کی۔ راہ ان لوگوں
کی جن پر تیرا انعام ہوا۔ جو نہ تو مغضوب ہوئے کہ جن پر تیرا غضب
نازل ہوا اور جو نہ گمراہ ہوئے۔“ اے تمام جہانوں کے مالک ایسا
ہی ہو۔“

پہلی تین آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ ایمان باللہ یا توحید اور ایمان بالآخر یا معاویہ تک تو ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان عقل و فطرت کی رہنمائی میں از خود ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جس کے نتیجہ

ہاں ایک بے پناہ جذبہ عبادت و استغانت اس کے باطن میں ابھرتا ہے۔ لیکن
 یہاں تک صراطِ مستقیم یعنی زندگی بسر کرنے کے معتدل اور متوازن طریقہ کا معاملہ
 ہے وہاں انسانی عقل بالکل بے بس اور مجبور ہے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں
 بندہ سراپا احتیاج بن کر اور گھٹنے ٹیک کر ایک استدعا، ایک درخواست اپنے
 مالک کے حضور پیش کرتا ہے: **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**۔ اے رب!
 ہماری رہنمائی فرما، ہمیں دکھا، ہمیں چلا اس راستہ پر جس میں کوئی کمی نہیں،
 کوئی ٹیڑھ نہیں، جس میں افراط و تفریط کے دھکے نہ ہوں جو ہمیں سیدھا
 تیری رضا تک پہنچانے والا ہو، جو ہمیں سیدھا آخرت کی کامیابی و کامیابی سے ہمکنار
 کرنے والا ہو۔ لفظ ہدایت عربی زبان کا ایک بڑا وسیع المفہوم لفظ ہے۔
 اس میں یہ بھی شامل ہے کہ راستہ دکھا دیا جائے، سوچا دیا جائے۔ اس
 میں یہ بھی شامل ہے کہ اُس راستہ پر دل کو کھول دیا جائے، اس میں یہ بھی
 شامل ہے کہ انگلی پکڑ کر اُس راستہ پر چلا دیا جائے اور اس میں یہ بھی شامل
 ہے کہ منزل مراد تک پہنچا دیا جائے۔ یہ ہدایت کے مختلف مراحل ہیں سورہ
 محمد میں فرمایا: **وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا ضَلَّ عَنْهُمْ هُدًى وَ تَلَّوْا الْقَوْمَ**
 — وہ لوگ جو ہدایت کے راستہ پر آتے ہیں، ہم ان کی ہدایت میں اضافہ کرتے
 ہیں اور انہیں ان کے حصہ کا تقویٰ عطا کرتے ہیں۔ سورہ مریم میں فرمایا: **وَيُزَيِّدُ**
اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى اور اللہ ان لوگوں کی ہدایت اور
 راست روی میں اضافہ فرماتا ہے جو ہدایت اور راست روی کا راستہ
 اختیار کرتے ہیں۔ یہ ہدایت مسلسل بڑھتی چلی جاتی ہے، اس میں ترقی
 ہوتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام مدارج و مراحل مؤمنین
 صادقین کو طے کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی منزل مراد تک پہنچتے ہیں
 اور جنت میں داخلہ کے وقت ان کی زبانوں پر یہ ترانہ حمد جاری ہو جاتا ہے:
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا
أَمْرٌ هَدَانَا اللَّهُ۔ وہ سارا شکر و سپاس اور ساری تعریف و ثناء اللہ ہی
 کے لئے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔ ہم خود راہ یاب نہ ہو سکتے تھے اگر

ہی ہماری رہنمائی نہ فرماتا۔ اصلاحی عقل بنیاد ہے ایمان بالرسالت کی
بدھدایت الہی رسولوں ہی کے واسطے سے بنی نوع انسان تک پہنچی ہے۔

مذہب سورہ اعراف کی جو آیت ابھی میں نے آپ کو سنائی ہے اس کے آخر
کا ماباب و بامراد مومنین کا یہ قول بھی نقل ہوا: لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ
بِسَبَإٍ بِالْحَقِّ وَإِذْ هُمْ عَلَىٰ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ واقعی حق لے کر ہی تشریف لائے تھے۔

یہاں ایک اہم بات سمجھ لینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ہمیں یہ مغالطہ نہیں
فنا چاہیے کہ وہ شخص جو بنیادی حقائق تک پہنچ چکا ہے۔ جس نے اللہ کو پہچان
یا اس کی توحید کو پہچان لیا، اس کی صفات کمال کو پہچان لیا، اس کی

کی ربوبیت، رعایت و رحمت کا اعتراف کر لیا، اس کے مالک یوم الدین ہونے
کا اقرار کر لیا۔ پھر امتحان کی بندگی اور پرستش کا عہد و پیمان کر لیا۔ اُسے گویا
معرفت الہی تو حاصل ہو گئی اب اُسے کون سی ہدایت مطلوب ہے، جس کے

لئے وہ دعا کر رہا ہے کہ: اَعِدْنَا الْمُسْلِمِينَ پس معلوم ہونا
چاہیے کہ ہدایت کا انسان ہر مرحلہ پر محتاج رہتا ہے۔ یہاں درحقیقت جس
احتیاج کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے وہ احتیاج یہ ہے کہ انسان اس دنیوی

زندگی کے مختلف معاملات میں جو نہایت پیچیدہ ہیں، ان مسائل میں جو باہم
گتھے ہوتے ہیں۔ ان میں اعتدال کی روش، ان میں متوازن طرز عمل کا محتاج
ہے۔ یہ انسان کی وہ ضرورت ہے جس کے لئے انسان ہمیشہ سے محتاج ہے

اور ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اس لئے کہ یہ زندگی، اس کی پیچیدگیاں اس کے
گوناگوں تعلق، اس کے مختلف مطالبے اور ان کا آپس میں تضاد۔ یہ
وہ ضرورت ہے کہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ مجرد اپنی عقل اور

تجربے کی بنیاد پر وہ صراطِ مستقیم، وہ سواذ السبیل، وہ متوازن اور معتدل
راستہ تلاش کر سکے کہ جس پر چل کر وہ زندگی کی سعادتوں سے پرسکون طور پر
ہلکا رہ سکے۔ یہ ہے درحقیقت انسان کی ضرورت۔ یہ بات اچھی طرح

سمجھ لینی چاہیے کہ جہاں تک ایمان کے بنیادی تصورات ہیں وہاں تک پہنچنے
کے لئے انسان اپنی عقل اور فطرت سے بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

ہا کہ پہلے سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کے مطالعہ میں یہ بات ہمارے سامنے
 آئے ہے کہ توحید اور معاد تک انسان کی رسائی ہو جاتی ہے لیکن زندگی کی ان
 پیچ راہوں میں سیدھی راہ کی تلاش میں انسان کے بس میں نہیں ہے یہاں
 مجبور ہے کہ گھٹنے ٹیک کر اپنے مالک سے درخواست کرے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
 الْمُسْتَقِيمَ - اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں یہی واحد
 سہ (The only way) ہے -

اس بات کو چند مثالوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے - پہلی مثال ہے
 مرد اور عورت کے مابین صحیح توازن کے معاملہ میں تاریخ انسانی میں ہمیں
 فراڈ و تقریب نظر آئے گی - کسی معاشرے میں عورت بالکل بھیڑ بکری کی طرح
 ایک مملوک کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی حیثیت جوتی کی نوک کے برابر بھی
 نہیں ہوتی - کہیں ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عورت قلوب پھر بن کر کسی ملک کی تقدیر
 کا فیصلہ کر رہی ہے - اس نے ملک کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم کیا ہے -
 مرد و عورت کے درمیان توازن اور عدل یہ عقل انسانی کے بس میں نہیں
 ہے - یہاں انسان اس فاطر فطرت کی رہنمائی کا محتاج ہے جس نے مرد کی
 تخلیق بھی کی ہے اور عورت کی بھی - جو دونوں کے عواطف اور میلانات
 کا جاننے والا ہے - جو تہذیب و تمدن میں دونوں کے حقوق اور فرائض کا صحیح
 صحیح تعین کر سکتا ہے کہ جس کی بدولت انسانی تمدن کی گاڑی دونوں پہیوں
 پر ہموازی کے ساتھ سیدھی راہ پر اُگے بڑھ سکے -

دوسری مثال فرد اور اجتماعیت کے باہمی تعلق و توازن سے متعلقہ
 ہے - اگر افراد کی انفرادی آنا دمی پر زیادہ emphasis دیا جاتا ہے -
 ان کے حقوق پر زور دیا جاتا ہے تو پلڑا ایک جانب کو جھک جاتا ہے - کہیں
 ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعیت اس طور پر مستط ہو جاتی ہے کہ فرد اس کے نیچے
 سسکنے لگتا ہے، اس کے حقوق پا مال ہو جاتے ہیں - اس کو اجتماعیت
 کے بمینٹ چڑھا دیا جاتا ہے ان کے مابین توازن قائم رکھنا واقعہ یہ ہے کہ
 عقل انسانی اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ ایسے صحیح نقطہ اعتدال کا تعین کر

کے کہ جہاں فرد کے حقوق بھی برقرار ہیں۔ اس کی انفرادی شخصیت کے ارتقاء کے امکانات بھی موجود ہیں۔ پھر یہ کہ فرد کہیں بھی معاشرے کے لئے ایک مفید اور نقصان دہ عنصر کی حیثیت اختیار نہ کر سکے بلکہ ان دونوں کے مابین ایک مبنی بر عدل کامل توازن قائم ہو سکے۔ انسانی عقل اور تجربات ایسا نظام قائم کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔ ان کے تجویز کردہ نظام لازماً افراط و تفریط سے دوچار ہوں گے۔

تیسری مثال۔ انڈسٹریل انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) کے بعد ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور وہ سرمایہ اور محنت کے مابین صحیح توازن۔ اس میں اعتدال اور اس میں نقطہ عدل و قسط کی تلاش میں انسان کتنی سرگرداں ہے، وہ کیسے کیسے تجربے کر رہی ہے وہ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ کہیں وہ انفرادی ملکیت کی نفی، کئی کی طرف جا رہی ہے جس سے انسان کی شخصی آزادی اور اس کی آزاد شخصیت کچل کر رہ جاتی ہے۔ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ سرمایہ ایک بہت بڑے ڈکٹیٹر کی شکل اختیار کرتا ہے اور ایک سرمایہ دارانہ نظام معاشرے پر مسلط ہو جاتا ہے جسے فی الواقع Dictatorial Capitalism کہنا چاہیے۔ جس میں مزدور پس جاتا اور دب جاتا ہے۔ اس لئے ایک باعزت اور آسودہ زندگی بسر کرنا محال ہو جاتا ہے۔

یہ ہیں وہ پیچیدہ معاملات اور مسائل جن میں سے میں نے صرف تین مثالیں دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے انسانی زندگی کے یہ مختلف تقاضے و مطالبے گونا گوں ان کے شعبے اور ان کے مابین تفاوت، ان کے مابین تصادم اور اس کو دور کرنے کے لئے توازن اور نقطہ عدل کا تعین کرنے سے انسان قاصر ہے۔ ان کے حل کے لئے جب بھی انسان سوچے گا وہ اپنے غروغ و احوال میں رہ کر سوچے گا۔ انسان جب بھی ان کا حل تلاش کرے گا وہ اپنی ذات کو ملحوظ کر کے کوئی معتدل راہ تلاش نہ کر پائے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کی سوچ میں کہیں نہ کہیں کجی واقع ہو جائے گی۔ کسی نہ کسی طرف اس کا جھکاؤ ہو جائے گا اور صحیح، متوازن و عادلانہ نظام تجویز نہیں کر سکے گا۔

یہ صراطِ مستقیم یہ سوادِ السبیل، یہ قصدِ السبیل، یہ سبیلِ السلام، قرآنِ مجید
معتدل و متوازن راستے کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتا ہے۔ سورہ فاتحہ میں
صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ سیدھا راستہ۔ کہیں اسے سوادِ السبیل کہا گیا ہے
ب۔ صراطِ السوی، درمیان کا راستہ جیسے خطِ استوا ہے جو ہمارے کرہ ارضی کو
برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پس سوادِ السبیل وہ راستہ ہوگا جس میں
ل توازن ہو، افراط و تفریط نہ ہو، کسی ایک جانب جھکاؤ نہ ہو جائے۔ کہیں
السبیل سے تعبیر کیا گیا۔ ہموار راستہ جس میں اونچ نیچ نہ ہو۔ کہیں اسے
ل السلام کہا گیا سلامتی کا راستہ جس میں امن و سکون ہو، ظلم و عدوان
ہو، تعدی و استحصال نہ ہو۔

یہ ہے درحقیقت انسان کی وہ امتیاج جس کے لئے وہ گھٹنے ٹیک کر اپنے
دروکار کے سامنے استدعا کرنے پر مجبور ہے کہ: اِحْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔
میرے رب میں نے تجھے پہچان لیا، تیری تومید کو جان لیا، ادنیٰ درجہ
مجھے تیری صفاتِ کمال کی معرفت بھی حاصل ہو گئی۔ میں نے یہ بھی جان
یا کہ مجھے مرنے کے بعد تیرے حضور میں حاضر ہونا ہے، میں یہ بھی جان چکا ہوں
ہ اُس دینِ اختیارِ مطلق تیرے ہاتھ میں ہوگا: اِنِّیْ هَلَاکُ مُتَخَلِّکُ نَفْسِیْ
فَسُبَّ شَیْئًا رَّیْ الْاُمْرِیْوْ مَبْدِیْ لِلّٰہِ و د وہ دن وہ ہوگا جب کسی جان
لے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا، اس دن کامل اختیار صرف اللہ
لے ہاتھ میں ہوگا۔ میں نے یہ ارادہ بھی کر لیا ہے کہ میں تیری ہی بندگی
در پرستش کروں گا اور اس کے لئے میں تیری امانت اور امداد کا محتاج
ہوں۔ لہذا اب میں تجھ سے دست بستہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ زندگی
میرے لئے کا وہ صراطِ مستقیم، وہ سوادِ السبیل، وہ سبیلِ السلام مجھ پر واضح
رہا، مجھ پر کھول دے، مجھے اُس کی ہدایت عطا فرما۔ اس کے لئے
میرے دل کو انشراح بخش۔ مجھے اس پر چلنے کی توفیق دے۔ اس پر چلتے
سے مجھے میری فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی آخری منزل تک پہنچا
دے۔ یہی ایمان بالرسالت کی عقلی بنیاد ہے چونکہ ہدایتِ ربانی کو انسانوں

ایک پہنچانے کے لئے رسولوں کی مقدس جماعت فائز ہوتی رہی ہے۔ قَا
لِکُنْ تَوَّابًا ۝ اور اس سلسلۃ الذہب کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم النبیین آخری ہادی اور آخری کڑی ہیں۔

اس کے بعد ایک قاعدہ بیان ہو رہا ہے جس سے ہم سب اچھی طرح
واقف ہیں۔ وہ یہ کہ جس چیز کی انسان کی نظر میں اہمیت ہوتی ہے وہ اسے
مزید کھولتا ہے، اسے خوب واضح کرتا ہے۔ انسان کے دل میں جس چیز کی
محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ لہذا اس صراطِ مستقیم
کی اہمیت کے لئے آگے اس کی وضاحت ہو رہی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ ”اے رب ہمیں سیدھے
راستہ کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستہ کی جن پر تو نے انعام نازل
فرمایا جن پر تو نے فضل فرمایا۔ یہ لوگ کون ہیں؟ اس سورہ مبارکہ میں
اجمال ہے اختصار ہے۔ ظاہرات ہے کہ یہاں ساری تفصیل ممکن نہیں
تھیں۔ لیکن قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اصول ذہن میں رکھیے کہ اَلْفُرَاتُ
يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ ”قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔

اس پہلو سے اگر تلاش کیا جائے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر قرآن مجید میں
کہاں وارد ہوئی! تو سورہ نساء کی یہ آیت سامنے آئے گی: وَمَنْ يُطِيعِ
اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ
الرَّسُولِ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالْمُسْلِمِينَ وَحَسَنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو

جائیں، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔
پس یہ وہ لوگ ہیں جن کو معیت اور رفاقت نصیب ہوگی ان کی جن پر اللہ
کا انعام ہوا یعنی انبیاء کرام (علیہم السلام)، صدیقین عظام، شہداء کرام اور
صالحین اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو پیسر آجائیں۔ یہ چار گروہ ہیں
مُتَّبِعُونَ عَلَیْهِمْ سَلَامٌ، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام اور فضل ہوا۔ انبیاء
سب بلند سب اچھے، اعلیٰ مرتبت، کے بعد درجہ ہے حضراتِ صدیقین کا،

اس کے بعد تیسرے نمبر پر آتے ہیں شہداء کو امر - پھر عام مومنین صالحین ہیں -
 اے رب ہمیں ان مُنْعَم عَلَیْهِمْ کے راستے کی ہدایت بخش، ہمیں ان
 کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما - ہمیں بالفعل ان کے راستے پر ملا کر ان
 ہی کی رفاقت و معیت عطا فرمائے کہ ہم انہی کے ساتھ شامل ہو جائیں: اَلْحَقْنَا
 بِالصَّالِحِیْنَ - اے پروردگار ہمیں ملحق کر دیجیو ان ہی کے ساتھ صالحین
 ہیں - وہ بندے جن سے تو راضی ہوا، جن پر نیرالغام نازل ہوا -

اس مثبت انداز کے بعد ایک سلبی اور منفی انداز میں بھی وضاحت کی
 گئی: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ - جو نہ تو مغضوب علیہم میں شامل ہیں،
 وَلَا الضَّالِّیْنَ اور نہ ہی گم کردہ راہ ہیں اور غلط راہوں میں بھٹک رہے
 ہیں - درحقیقت یہ دو کیفیات ہیں جنہیں ان الفاظ میں بیان کیا گیا - ایک
 مغضوب علیہم ہے - جو بہت ہی ناپسندیدہ ہے گویا جن کا حَصْلَ ضَلٰلَةٍ بَعِیْدًا
 والا معاملہ ہے جب کوئی قوم یا امت یا کونسی مجموعہ افسر او یا کوئی انسان
 ہدایت کی راہ کو اپنے نفس کی شرارتوں کے باعث اور اپنی خواہشات و
 شہوات کا اتباع کرتے ہوئے جان بوجھ کر چھوڑ دے - مذاقت و ہدایت
 کی راہ سے جان بوجھ کر اعراض کرے اس سے مُنْه موڑے تو ان لوگوں کے
 بارے میں قرآن کہتا ہے: مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ - جن پر اللہ کا غضب نازل
 ہوا - لوگ حق کو حق اور باطل کو باطل جان کر بھی اپنے تعصبات کی وجہ
 سے اپنی خواہشات کی وجہ سے یا اپنے مفادات کی بنیاد پر حق کو چھوڑ کر باطل
 کو اختیار کرتے ہیں تو وہ لوگ ہیں مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ -

ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو مغالطوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے
 معاملہ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نیکی کے بذبح کے تحت وہ
 غلط راستہ پر چل پڑتا ہے - اس گروہ میں چند لوگوں کا اچھا جذبہ غیر
 معتدل ہو کر کسی غلط صورت میں ڈھل جاتا ہے اس گروہ کے متعلق
 قرآن کہتا ہے ضَالِّیْنَ - وہ لوگ جو بھٹک گئے جو گم کردہ راہ ہیں
 وہ قافلہ جو اپنا صحیح راستہ بھول کر کسی دوسری جانب بھٹک گیا - اس لفظ

مثال کا ایک دوسری صورت پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ جو شخص تلاش حقیقت میں سرگرداں ہو اس کے اندر طلب ہدایت موجود ہو لیکن ابھی وہ غور و فکر کے مراحل طے کر رہا ہو اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سورہ ضحیٰ میں اسی لفظ کا اطلاق کیا گیا: **وَجَدَ لَكَ مَالًا فَهْدَىٰ** ”اے نبی آپ کو پایا آپ کے رب نے تلاش حقیقت میں سرگرداں تو آپ پر ہدایت کا راستہ کھول دیا۔“ آپ میں تلاش حقیقت کا جذبہ شدت کے ساتھ ابھرا تھا۔ غار حرا کی خلوت گزیر یعنی اسی لئے تقی تو پیر و دگار کی جانب سے پڑے امٹا دیئے گئے وحی کا آغاز ہو گیا۔

الغرض منافقین کا لفظ مضمون علیہم کی بہ نسبت ہلکا ہے۔ مضمون علیہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرارت نفس کے طفیل اپنی خواہشات اور شہوات کے اتباع میں اور اپنے مفادات کے تحفظ میں حق کو جان بوجھ کر ترک کر دیا اور منافقین وہ ہیں جو یا تو کسی مخالط میں راہِ حق سے کسی گمراہی کی طرف بھٹک گئے یا ابھی تلاش حقیقت میں سرگرداں ہیں مفسرین کے نزدیک مضمون علیہم کی سب سے بڑی مثال یہود ہیں کہ جنہوں نے جو ٹھوکر کھائی ہیں، وہ کسی اندھیرے کے باعث نہیں کھائی ہیں، بلکہ اس وقت کھائی ہیں جبکہ سولج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ ان کے پاس اللہ کا کلام موجود، اللہ کی ہدایت موجود، اللہ کی شریعت موجود لیکن اپنی شرارت نفس کے باعث انہوں نے اس میں تحریفات کیں۔ اس کے بجائے کہ اپنے آپ کو اللہ کی مشاک کے مطابق ڈھال لیتے انہوں نے اللہ کے کلام اور اس کے قانون کو اپنی خواہشات کی منشا پر ڈھال لیا۔ وہ جو علامہ اقبال نے ہمارے علماء مسیحی کے لئے فرمایا ہے

خود بولتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوتے کس نبی و نبیہاں حرم بے وقوف
اس طرزِ عمل کی انتہا تک علمائے یہود پہنچے ہوئے تھے اور ان کے متبعین
یہ مضمون علیہم کے زمرے میں شامل ہیں ان کے متعلق قرآن آگے کہتا ہے:

وَمَنْ بَتَّ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاؤُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ
 ”ان پر ذلت اور مسکنت تنوید دی گئی، وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔“

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے حامل ہونے کے باوجود اپنی شرارتِ نفس کے باعث اس ہدایت سے روگردانی کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کا اتباع کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت پر پیش پیش ہے۔ سابقہ ام میں سے مثالیں کی نمایاں مثال نصاریٰ ہیں متبعینِ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام۔ اس لئے کہ غلو میں انہوں نے حضرت مسیحؑ کا مقام بڑھایا۔ فرطِ عقیدت میں انہیں اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ ساتھ ہی عملی طور پر بھی ان میں غلو آیا۔ رہبانیت کی بدعت انہوں نے اختیار کی جس کے متعلق سورۃ مدید میں ارشاد ہوا: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَنْ عَوَّاهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

”رہبانیت کی بدعت خود انہوں نے اختیار کی ہم نے ان پر لازم نہیں کی تھی انہوں نے یہ اللہ کی رضا کے لئے کی تھی لیکن پھر وہ اس کی پابندی بھی نہ کر کے جیسی کہ کرنی چاہیے تھی۔ یہ درحقیقت ایک خلافِ فطرت

نظام تھا جو انہوں نے خود اپنی مرضی سے اپنی نیکی کے جذبہ کے غلو اور اس میں غیر متوازن پابندیاں عائد کرتے ہوئے اختیار کر لیا تھا۔ ان میں کچھ لوگ بہر حال ایسے باہمت نیکے جوان پابندیوں کو نباہ گئے لیکن ان کی اکثریت ان پابندیوں کو نباہ نہ سکی۔ نتیجتاً جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔ وہاں راہب

خانوں کے تہہ خانوں میں ناجائز اولاد کے قبرستان بن گئے۔ یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے فطرت کے خلاف کام کیا۔ چنانچہ مفسرین کے نزدیک سورہ فاتحہ میں مغضوب علیہم سے مراد یہودی ہیں اور صالحین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ویسے اس مفہوم کو عام رکھا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس کو ان دو نمایاں مثالوں سے سامنے رکھا جائے تو یہی بات درست

ہے۔

بہر حال یہ سچے تیسرا جزو سورہ فاتحہ کا جس میں انسان کی ایک اعتدیل

اللہ کی معرفت اس کی صفات کمال کی معرفت، جزاؤں کے دن کی معرفت اللہ کی بندگی و پرستش کا عہد و پیمان، اسی سے استعانت و اسکا مدد کی کا قول و استدراپاں تک تو عقل و فطرت کی رہنمائی میں اللہ خود بھی پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی جس رہنمائی کا محتاج وہ یہ ہے کہ زندگی کی ان پربہج وادیوں میں وہ سیدھا راستہ کونسے ہے۔

معتدل صراط مستقیم سواء السبیل کونسے ہے جس پر چل کر وہ ٹھوکر و لٹاؤ و تعزیر کے دھکوں سے بچتا ہوا اپنی منزل مراد کو پہنچ جائے۔

کے لئے وہ اپنے پروردگار سے دست بستہ ہو کر درخواست کرتا ہے
 اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
 عَلَيْنَا الْمُعْظُومِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ یہ ہے وہ حصہ

بالے میں اس حدیث قدسی میں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے یہ الفاظ
 ہوتے ہیں: هَذَا الْعَبْدِي وَالْعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ سورہ فاتحہ
 میرے بندے کے لئے ہے میں نے دیا اپنے بندے کو جو اس نے طلب

الطافِ غمروانہ اور انتہائی فضل و کرم کے انداز میں اللہ تعالیٰ فرماتے

لِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث قدسی اس سورہ

کے تجزیہ میں بھی بہت مفید ہے اور اس کی عظمت کو بھی بہت واضح

بجس و خوبی ظاہر کر رہی ہے۔ یہ فطرت انسانی کی وہ ترجمانی ہے

واقعہ کوئی شخص گہرے احساس و شعور کے ساتھ یہ الفاظ اس

و ذہن کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ہوں تو ان کی تاثیر کا عالم وہی۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا۔ اور مرندہ ایک ایک جملہ کہتا ہے

کی طرف سے اس کا جواب ملتا چلا جاتا ہے بقول علامہ اقبال

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر

اٹھتے ہیں جاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

سورہ فاتحہ کے تیسرے اور آخری جزو کی قدر سے توضیح و تشریح

میں پاؤں لگا کر وہ حدیث قدسی آپ دوبارہ سن لیں جس کا ان مجاہد

رأى ابنه حديث قدسی یہ ہے :-

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی نصفین فنصفہا لی و نصفہا لعبدی و لعبدی ما سأل اذا قال العبد الحمد للہ رب العالمین قال اللہ حمد فی عبدی و اذا قال الرحمن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی و اذا قال ملک یوم الدین قال عبدی و اذا قال ایاک نعبد و ایاک نستعین قال هذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیب المغضوب علیہم ولا الضالین قال هذا لعبدی و لعبدی ما سأل - رواہ مسلم

یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ سورہ فاتحہ ایک نہایت خوبصورت و انتہائی موزوں مقدمہ اور دیباچہ ہے قرآن مجید کا - صراطِ مستقیم کی ہدایت کی وہ احتیاج جس کے لئے قرآن حکیم نازل ہوا چنانچہ اس سورہ مبارکہ کے فوراً بعد آغاز ہو جاتا ہے : اَللّٰهُ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رٰیْبَ بِنِیْلِهِ هٰدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ - یہ ہے وہ کتاب جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے - یہ کسی فلسفی کے اپنے خیالات، اپنے نظریات اور اپنے تئجین وطن پرستی کتاب نہیں ہے یہ کسی فلسفی کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے یہ کتاب وہ ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ الحق ہے - ہر اس حق پر مبنی ہے - یہ کتاب ان لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے - جن میں سیدھے راستہ کی طلب موجود ہے جو اپنے پروردگار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے - یہ ہے درحقیقت اس سورہ مبارکہ کا پورے قرآن مجید کے ساتھ تعلق اور

ہمارے منتخب نصاب میں مباحث ایمان کے ذیل میں اس سورہ مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ایمان و معرفت الہی کے ممن میں فطرت انسانی کہاں تک پہنچ سکتی! انسان اپنی عقل کی رہنمائی میں کہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے! یہ ہے وہ بات جسے علامہ اقبال نے کہا ہے

عقل گواہاں سے دور نہیں اسکی قسمت میں پرصورت نہیں
عقل آستان سے دور نہیں ہے اس کی رہنمائی میں انسان بہت کچھ
حاصل کر سکتا ہے وہ فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کی رہنمائی میں معرفت ربانی
بھی حاصل کر سکتا ہے۔ معاد کا اجمالی علم بھی اُسے حاصل ہو سکتا ہے۔
لیکن جہاں وہ محتاج ہے وہ درحقیقت وہ ہدایت رہنمائی سے جو اُسے اپنی
زندگی کے گوناگوں اور مختلف پہلوؤں میں ہر ہر لحظہ اور ہر ہر قدم پر عمل
کے لئے درکار ہے۔ اس ہدایت کے لئے وہ وحی آسمانی کا بالکل یہ محتاج
ہے اسی کے لئے اس کی فطرت پکارتی ہے استدعا کرتی ہے۔ اِھْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ اس فطرت کی پکار کا جواب ہے۔ پورا قرآن مجید
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اس پر استقامت
کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

توجہ فرمائیے!

خط و کتابت کرتے وقت،

براہ کرم خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اَد
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فرضیہ اقامتِ دین

سے ربط و تعلق

— ڈاکٹر اسرار احمد —

کے خطاب و درس کی تیسری قسط

•

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَضٰی بِهِ نُوْحًا وَ الَّذِیْ اَوْحٰیْنَ اِلَیْكَ
وَمَا وَضٰیْنَ اِلَیْهِ اِبْرٰهَیْمَ وَ مُوسٰی وَ عِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ
لَا تَغْفَرْ قُورَافِیْمٌ كَبُرَ عَلٰی الشِّرْكِیْنَ مَا تَدْعُوهُمْ اِلَیْهِ اللّٰهُ یَجْتَبِیْ
اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝ وَاَتَقَرَّقُوا اِلَّا مِنْ
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغِیًّا بَیْنَهُمْ ۝ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ
اِلٰی اَجَلٍ مُّسْتَقٰی لَقَضٰی بَیْنَهُمْ ۝ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُورِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ
بَعْدِهِمْ لَغٰی شَكًّا مِنْهُ مُرِیْبٌ ۝ فَلِذٰلِكَ فَاَدْعُ وَ اسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتُ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاَءَهُمْ ۝ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ
لَا اَعْبُدُ بَیْنَكُمْ اللّٰهُ رَبَّنَا وَ رَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا

حُجَّةَ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَآلِيهِ الْمَصِيدُ ۝ وَالَّذِينَ
يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ
الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْيِزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ
مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ إِلَّا الَّذِينَ يُبَايِعُونَ فِي السَّاعَةِ
لِقَىٰ صَلْبٍ بِعِينٍ ۝ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ
الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ
وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
ثَمَرٍ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ
اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

حضرات دو تین اکل ہمارا زیادہ وقت بعض تہسیدی باتوں کے بیان پر صرف ہوا جن میں
امور شامل تھے کہ کمیات و مہنات کس ترتیب سے مصحف میں آئی ہیں اور ان کے چھوڑے بڑے گرد پ
کون سے ہیں؛ کمیات کے مشترک مضامین و موضوعات کیا ہیں؛ پھر ان گروہوں کے جو بنیادی و مرکزی
مضامین ہیں ان کے جو نمود ہیں ان میں کیا فرق ہے؛ ان میں باہمی نظم و ربط و تعلق کیلئے پھر خاص
طور پر چار سورتوں، سورہ زمر، سورہ مؤمن، سورہ طہ، سورہ شوریٰ اور سورہ شوریٰ میں وہ کون سا اہم مضمون
ہے جو تدریجاً تدریجاً کرتا ہوا سورہ شوریٰ میں اپنے عروج کو پہنچا ہے۔۔۔ علاوہ ازیں میں نے سورہ
شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کے ایک حصہ کی کچھ تشریح و توضیح بھی بیان کی تھی۔ اس ضمن میں اس ہنوسناک
صورت حال کا بھی ذکر کیا تھا جس سے ہم اپنی بدامالیوں کی وجہ سے فی الواقع دوچار ہیں۔

صحیح معنوں میں آج باقاعدہ درس کا آغاز ہو رہا ہے۔ آج ہم کوشش کریں گے کہ ان نوکات کا
مطالعہ مکمل کریں جن کی آغاز میں، میں نے تلاوت کی ہے۔ ارادہ ہمارا ہے لیکن اس کے پورے پہنچنے

اللہ تعالیٰ کی توفیق پر دار و مدار ہے۔ مصحف میں آپ دیکھیں گے کہ ان نوایات میں سے تین آیات ہم کے اعتبار سے نسبتاً بڑی بھی ہیں اور جب مطالعہ شروع ہوگا تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مضامین کے اعتبار سے بھی ان تین آیات کی بڑی اہمیت ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا کہ اقامتِ دین کے موضوع پر یہ قرآن مجید کا ذوقِ ستام ہے، CLIMAX ہے، چوٹی ہے۔ اب ہم اللہ کے نام سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔ جن حضرات کے سامنے مصحف موجود ہیں وہ متن پر اپنی نگاہوں اور ذہنوں کو مرکوز فرمائیں۔ چونکہ اتنے بڑے مجمع میں ہر شخص کے سامنے مصحف ہونا ممکن نہیں ہے لہذا ذریعہ درس حصہ کی فلوٹیٹ جملہ حاضرین میں تقسیم کرادی گئی ہے تاکہ Text ان کے سامنے بکھرا ہے۔ اس لئے کہ درس اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس کے بغیر تقریر ہوتی ہے۔ وعظ ہوتا ہے۔ درس کے لئے متن کا سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ قرآن مجید کے جو الفاظ مبارکہ ہیں جو حقیقتِ کلام اللہ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہمارا ذہنی تعلق قائم ہوتا چلا جائے۔ چونکہ کسی شے کو ذہن میں مستحضر اور یاد رکھنے کے لئے الفاظ کے ساتھ — Mental Association بنیاد بنتی ہے۔

آغاز ہوتا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ سے۔ میں کل یہ عرض کرچکا ہوں کہ ”لَكُمْ“ میں خطاب کی جو ضمیر ہے یعنی کن سے بات کی جارہی ہے! مخاطب کون ہیں؟ تو خطاب ہے امتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے۔ میں نے کل اس بات کی بھی وضاحت کر دی تھی کہ پوری نوعِ انسانی امتِ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرق یہ ہے کہ جو لوگ آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں، آپ پر ایمان رکھتے ہیں، آپ کو اللہ کا آخری نبی و رسول مانتے ہیں۔ خود کو آپؐ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتے ہیں وہ امتِ اجابت ہیں اور باقی تمام انسان امتِ دعوت ہیں۔ نبی اکرمؐ کی بعثت ہوئی ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ حضورؐ کی بعثت سے لے کر تا قیامِ قیامت جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئیں گے وہ سب آپؐ کی امتِ دعوت میں شامل ہیں۔ لہذا فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ: اب میں بغرض تفہیم اس کی ترجمانی یوں کر دل لگا کہ ”اے امتِ محمدؐ! علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام“: مِنَ الدِّينِ: تمہارے لئے دین میں ہے یا از تم دین یا از جنسِ دین یا دین کے ضمن میں۔ یہاں آگے بڑھنے سے قبل لفظ شَرَعَ کے معنی سمجھ لیجئے: ”شَرَعَ“ کے معنی ہیں ”کسی چیز کو مقرر کر دینا“۔ ہمارے یہاں عام طور پر استعمال ہوتا ہے ”یہ شارعِ عام نہیں ہے یا سڑکوں کے نام، شارع“ کے ساتھ رکھے جانے لگے ہیں۔ جیسے ”شارعِ فیصل“ راستہ اور سڑک چلنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس لئے شارع کہلاتا ہے۔ کو کسی چیز کا تعین اور مقرر ہو جانا لفظِ شرع کا اصل مفہوم ہے۔

اب میں متن ”تم مجھ اور تمہارے تشریح ساتھ ساتھ بیان کرتا چلا جاؤں گا۔ فرمایا شَرَعَ لَكُمْ

تَبَرَّأَ السَّيِّئِينَ مَعْرُوفِيَا تَبَارَكِ لَہُ دین میں سے ، مَا دَسَّحٰی بِہُ نُوْحًا وَالَّذِیْنَ
 اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ وہی کچھ جس کی وصیت کی تھی (اللہ نے) نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی
 وحی کی ہم نے (اے محمد) آپ کی طرف یہاں خطاب میں واحد کا صیغہ آگیا۔ (الْبَیِّنَاتُ ، مراد
 ہیں شخص صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَہَا وَہُنَّ یَا اِبْنَ اٰدَمَ کُوْنْ عَلٰی نَبِیِّکَ وَہُنَّ
 وَہُنَّ عَلٰی۔ اور جس کی ہم نے وصیت کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو۔ عَلٰی نَبِیِّکَ وَہُنَّ
 الْقِسْمَةُ وَالسَّلَام۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ جن پانچ رسولوں کا ذکر یہاں آیا ہے آخر تحقیق
 کے نزدیک یہی پانچ رسول اولوالعزم من الرسل ہیں۔ ان میں اولین ہیں حضرت نوح علیہ السلام
 اور آخری ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ درمیان میں حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت
 عیسیٰ علیہم السلام۔ یہاں پہلے قول و آخر کا ذکر آگیا پھر زمانی ترتیب کے ساتھ تین رسولوں کا۔
 اَنْ اَقِیْمُوا السَّیِّئَاتِ وَلَا تَنْفَسْ تَوْافِیْتِ کہ قائم کرو دین کو یا قائم رکھو دین کو یہ دونوں
 ترجمے ہوں گے۔ دین قائم ہو تو اسے قائم رکھو۔ قائم نہ ہو تو اس کو قائم کرو۔

اقامت دین کا حکم | اَقِیْمُوا کالْفِطْرِ اَقَامَ ، یَقِیْمُ ، اِقَامَہ (مصدر،
 سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے باب افعال سے معنی ہوں گے

کسی چیز کو کھڑا کرنا یا کھڑا رکھنا۔ تقسیم کے لئے اگر خیمہ پر قیاس کریں تو اگر خیمہ کھڑا ہے تو کھڑا
 رکھا جائے گا اور اگر گر گیا ہے تو اسے کھڑا کیا جائے گا۔ کھڑا ہے اور آندھی آ رہی ہے
 طوفان آ رہا ہے۔ تو اسے کھڑا رکھنے کا اہتمام ہو گا۔ کھڑے مضبوط ہوں رسولوں کو بعض
 اوقات مضبوطی سے تھام کر رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں خیمہ نہ گر جائے۔ پس خیمہ کھڑا ہے تو اسے
 کھڑا رکھو۔ اور اگر گر گیا ہے تو کھڑا کرو۔ تو یہ دونوں مفہوم اَقِیْمُوا کے فعل امر میں شامل ہیں
 میں یہ دونوں مفہوم اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ تراجم میں اگر یہ لفظی فرق آپ کو نظر آئے تو اس
 کی وجہ سے پریشان نہ ہو جائیں کہ ترجمہ کھڑا رکھو درست ہے یا کھڑا کرو درست ہے۔
 دونوں ترجمے درست ہیں۔ دونوں مفہوم اَقِیْمُوا السَّیِّئَاتِ میں موجود ہیں۔ دین کو قائم
 رکھو یا قائم کرو۔

قابل غور مقام | آیت کے اس حصہ کے آخر میں فرمایا: وَلَا تَنْفَسْ تَوْافِیْتِ
 "اور اس بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا"۔ یہاں یہ

لفظ بہت اہم ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنا ہو گا۔ اس مقصد کے لئے لفظ دین کو
 مرتبہ پھر اچھی طرح جان لیجئے کہ دین کس کو کہتے ہیں! پھر میں عرض کروں گا کہ دین میں

کے معانی کیا ہوں گے! کل میں نے دین اور تفرقہ کی تشریح میں کچھ عرض کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا یہ عمود اور مرکزی مضمون ہے لہذا ہمیں ایک بار پھر ان کو اچھی طرح سمجھنا اور ذہن نشین کرنا ضروری ہوگا۔

لفظ دین کی مزید تشریح | عربی زبان میں دین کا لفظ بنا ہے دَانَ يَدِينُ سے۔ اس کے

مِلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ۔ بدلے یا جزا و سزا کے دن کا مالک۔ سورۃ مَاعُون میں فرمایا:

اَرْمَيْتَ الَّذِي يَكْذِبُ بِالْـدِّينِ، کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو (آخرت کے بدلے

اور جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ سورۃ انفطار میں فرمایا: كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالْـدِّينِ، ہرگز

نہیں بلکہ تمہارے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم بدلہ اور جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔

قرآن مجید کی ان تین آیات کے حوالے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان میں دین کے معنی

بدلہ اور جزا و سزا کے ہیں۔ یہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے۔ اسی معنی میں لفظ دین آتا ہے۔

جس کے معنی قرض کے ہیں۔ آپ کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دیں تو وہ واپس نہیں لی جاتی۔ وہ ہبہ ہے۔

عطیہ ہے۔ دین کیا ہوتا ہے! آپ نے کسی کو قرض دیا۔ اب اسے آپ نے واپس لینا ہے۔

دین اور دین میں حروف کا فرق نہیں ہے۔ دونوں میں د، ن، ن استعمال ہوئے ہیں۔

فرق پہلے حرف د پر زبر اور زیر کا ہے۔ حروف اصلی ایک ہی ہیں۔ ہبہ، ہبہ، عطیہ۔ آپ

اسے جو بھی کہیں وہ واپس نہیں ملتا جبکہ اس کے بالمقابل دین واپس ملتا ہے۔ لہذا جزا و سزا

کا واپس آنا ہے۔ نیکی کی سبب بدلہ ملے گا جزا کی صورت میں۔ یہ اس عمل کا Re-sound

ہے۔ اس کا واپس آ جانا ہے۔ بدی کی سبب تو سزا کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ یہ بھی اس برے عمل کا

واپس آ جانا ہے۔ پس دین کے ائمہ بھی یہ بنیادی مفہوم موجود ہے۔ اس لفظ کا دوسرا

بنیادی مفہوم ہے اطاعت۔ اس کا تعلق بھی بدلہ اور جزا و سزا سے قائم رہتا ہے۔ ظاہرات یہ

کہ جزا و سزا کسی قانون کے تحت ہی دی جاتی ہے۔ جنگل کا قانون ہو تو دوسری بات ہے لیکن

ہنڈب اور متمدن معاشرے میں جزا و سزا کسی قانون کو مستلزم ہے۔ قانون کے مطابق کام

ہو رہا ہو تو جزا ملے۔ تحسین ملے۔ اگر اس کے خلاف کام ہو رہا ہو تو سزا اور لعین ملے پھر اس

کے ساتھ کسی ایسی سستی کا تصور لازماً ہوگا جو قانون دینے والی ہو جس کی اطاعت کی جائے

لَا مَخْلُوعَاتٍ لِلدِّينِ اور مَخْلُوعَاتٍ لِّلْـدِّينِ کے مترادف اور صاحب موصوف کے خطاب

میں جو دو لہجے آئے تھے ان میں "لفظ دین" اطاعت ہی کے معنوں میں آیا ہے۔ (درتب)

جزائے اور اس کی نافرمانی کی جائے تو سزا ملے۔ لفظ دین کے بنیادی مفہیم ہیں۔
 فہرہ زمانی کا ایک مصرع ہے۔ دِنًا هَذَا كَمَا دَاوُا "جیسا انہوں نے ہمارے
 ساتھ کیا تھا اس کا ہم نے بھلہ پور بدلہ لے لیا۔" عربی کا ایک مقولہ ہے: كَمَا تَدِينُ تَدَانُ
 اس کے معنی بالکل وہی ہیں جو اردو کے اس محاورے کے ہیں: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ہندی میں
 اسے کرنی کا پھل، کہا جاتا ہے۔ ان بنیادی مفہیم کی توضیحات سے یہ بات ہمارے سامنے آجاتی ہے
 کہ "دین" کے اساسی معنی ہوئے "بدلہ"۔ جزا و سزا کی شکل میں کسی قانون اور مضابطہ کے تحت اور
 کوئی ہستی جو قانون دینے والی ہو جس کی اطاعت ہو تو جزائے نافرمانی، ہو تو سزا ملے۔

قرآنی اصطلاحات | یہ بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ عربی زبان تو نزولِ قرآن حکیم سے پہلے
 موجود تھی۔ اسی عربی مبین میں قرآن نازل ہوا۔ پس عربی ہی کے الفاظ
 ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے لئے چن لیا اور معتد بہ الفاظ کے مفہیم و معانی میں بخت
 دے کر اصطلاحات کی شکل عطا فرمادی۔ جیسے لفظ صلوة پہلے بھی تھا۔ زکوٰۃ پہلے بھی تھا۔ سوم پہلے بھی تھا۔
 لیکن جب ان الفاظ نے قرآنی اصطلاحات کی شکل اختیار کی تو اب ان الفاظ کو جب اسعداً خابروا
 جائے گا تو اس کے معنی و مفہوم وہی پیش نظر ہیں گے جو قرآن مجید میں اصطلاحات کی صورت میں ان
 میں شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح لفظ دین کو قرآن مجید نے اپنی ایک اہم اصطلاح بنایا۔ اس لیے
 اصطلاح کیا بنی؟ وہ یہ کہ:

وہ کسی ہستی کو مطاع مطلق مان کر اس کی کامل اطاعت کے اصول پر جو نظام زندگی
 بنے گا وہ اس ہستی کا دین قرار پائے گا۔

غور سے سماعت فرمائیے کہ جہاں بھی کوئی نظام ہو گا وہاں پہلے یہ طے ہو گا کہ کون ہے مطاع
 مطلق؟ اور مختار مطلق! کون ہے اصل قانون ساز! کون ہے حقیقی معقن۔ یہ طے ہو جانے کے بعد
 اس کی اطاعت کے اصول پر پورا نظام بنے گا اور تو انین مدون ہوں گے۔ اس کے جو احکام ہوں گے
 ان ہی کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلائے جائیں گے۔ اس طرح جو نظام بنے
 گا وہ اس ہستی کا دین ہو گا۔

دین الملک | مثال دے دوں کل کی تقریر میں اجمالاً میں اس کو بیان کر چکا ہوں۔ بادشاہی
 نظام کیا ہے! بادشاہ SOVEREIGN ہے۔ حاکمیت اس کی ہے
 اس کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون ہے۔ لہذا اس اصول پر جو نظام بنے گا اسے کہیں گے دین الملک
 بادشاہ کا نظام۔ یہ لفظ قرآن مجید میں سورۃ یوسف میں آیا ہے، اُس موقع پر جب حضرت یوسف

علیہ السلام اپنے بھائی بن یامین کو روکنا چاہتے تھے لیکن وہاں بادشاہی قانون نافذ درائج تھا۔ حضرت یوسف مصر کے بادشاہ نہیں تھے بعض لوگوں کو مغالطہ ہو گیا ہے۔ بلکہ اس حکومت میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔ وزیر خزانہ، وزیر خزانہ کہہ لیں، وزیر خزانہ کہہ لیں۔ خود حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا تھا کہ: قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ۝۵۵ اور: نے کہا ملک کے خزانے پر میرے سپرد کر دو، میں انتظام کروں گا۔ بندوبست کروں گا (اس قطعہ حالات کا جو بادشاہ وقت کو ایک خواب کی صورت میں دکھایا گیا تھا جس کی صحیح تعبیر حضرت یوسف نے کی تھی) میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور ظلم بھی رکھتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ ایک بہت بڑے عہدیدار تھے۔ چیف سیکرٹری کہہ لیجئے لیکن بادشاہ تو نہیں تھے۔ بادشاہ وقت کے غور کی تعبیر تاکہ تو آپ جیل خانے سے رہا ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں شاہی نظام تھا۔ اس کی رو سے بلا سب کے کسی باہر کے شخص کسی غیر ملکی (FOREIGNER) کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ لہذا ایک خاص شکل اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

كَذَلِكَ كُنَّا نُمِيتُ مَا
كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دَنِيبِ
الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَنْشَأَ اللَّهُ
(سورہ یوسف جز آیت ۷۶)

کے لئے بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی

قانون) کے تحت اپنے بھائی کو پکڑنا ممکن نہ تھا۔ الایہ کہ اللہ ہی نے ایسا فرمایا۔

قرآن کے حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بادشاہی نظام کو بھی قرآن "دین کہتا ہے"

یہ کہلاتا ہے "دین الملک"

موجودہ دور میں جمہوریت کی جس نلیم پری کی دنیا دیوانی ہے وہ کل کی تقریر میں اس پر مبنی

دین جمہوریت

مقتضیٰ انہار خیال کہہ چکا ہوں۔ آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ دیکھئے دین الملک"

دین اللہ تو قرآنی اصطلاحات ہیں۔ البتہ دین جمہور کی اصطلاح ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتی

چونکہ اس وقت جمہوریت کا زمانہ نہیں تھا۔ اس کا تصور موجود نہیں تھا لہذا کتاب و سنت میں دین

جمہور کی اصطلاح کیسے آتی۔ اس لئے کہ جو چیز عوام کے ذہن اور ادراک میں ہے ہی نہیں جس

چلن تو چلن تصور تک موجود نہیں ہے اس کو قرآن و حدیث میں لاکر لوگوں کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈ

گیا ہے۔ البتہ دو انتہائیں بیان فرمادیں۔ دین الملک اور دین اللہ۔ اب اس کے درمیان اور

خود خانہ کرے اگر لے۔ اور قدر گفتہ ہوا کہ کوہار کہ مصداق ہے، جو۔

ملکہ کریں۔ آپ کو اول و آخر بتا دیا گیا۔ درمیانی کام آپ خود کیجئے۔ نظام جمہوریت کے ماحول سبب دی چونکہ وہی ہیں جو دین الملک اور دین اللہ کے ہیں تو ان پر قیاس کرتے ہوئے کہائے گا کہ جمہوریت فی الواقع ایک دین ہے۔

ہوایہ ہے کہ جب مذہب کو انسان کی زندگی کا محض ایک بخی (Private) معاملہ بنا دیا گیا اور سیاست کو دور قریبا ختم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ نظام کے لئے انسانی ذہن کوئی راہ تلاش کرے اور نئی اصول وضع کرے۔ لہذا طے کیا گیا کہ ہر ملک کے رہنے والے اپنے ملک میں SOVEREIGN ہیں۔ حاکمیت جمہور کی ہے، عوام کی ہے۔ قانون سازی اور نظام کی ہیئت اس کے اصول و مبادی سے لرنے کا اختیار بالکل عوام کو حاصل ہے۔ ان کے منتخب کردہ نمائندے پارلیمان یا اسمبلی میں اکثریت رائے سے ہر نوع کا قانون بنانے کے مجاز و اختیار رکھتے ہیں۔ ان کے لئے کسی آسمانی شریعت و مہایت اور کسی اخلاقی قدر کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک فیصلہ کن اور حتمی و قطعی بات اپنے عوام کی پسند و ناپسند ہے۔ عوام کا منتخب ایوان مجاز ہے کہ اکیلا ولی فیصلہ اکثریت سے جو چاہے قانون بنائے وہ لواطت جیسے کردہ فعل کو بھی جائز قرار دے دے، وہ چاہے قسے کر دے کہ دودھ بھی شورہ اور پیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ ان کا یہ فعل قانونی طور پر یہ رشتہ از درواج میں منسلک ہونا قرار پائے گا۔

یہ محض خیالی و نظری بات نہیں ہے۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ یہ سب کچھ طے کر چکی ہے۔ اس کے بہرہ فعل کو وہاں قانونی حلقہ حاصل ہے۔ پارلیمان چاہے تو شارع عام پر پارکوں میں، گلیوں میں، ڈراموں میں، اسٹیج پر جنسی فعل اور اختلاط کو جائز قرار دے دے جیسا کہ یورپ کے اکثر ممالک اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں اس فحاشی پر کوئی قدر نہیں۔ بلکہ اس شیطانی فعل کو قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ وہ چاہے تو شراب نوشی، قمار بازی، سٹو، لائٹری اور اسی قبیل کے منکرات کو تفریح یا ضرورت کا مقام دے کہ قانونی طور پر جائز قرار دے دے جیسا کہ دنیا کے اکثر ممالک میں عادی ہو رہا ہے۔ یہ ہے اصل جمہوریت جس میں جمہور کے نمائندوں کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ ان پر کوئی تحدید (Limitation) نہیں ہے۔ چونکہ جمہوریت میں اصل حاکمیت (Sovereignty) عوام کی ہے اور اسمبلی ان عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔۔۔ اسمبلی جمہور کی بات چھوڑ دیجئے۔ اول توئی الوقت صحیح معنوں میں یہ کہیں قائم ہی نہیں مگر ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ اس میں Legislative Assembly یا پارلیمنٹ کو اس محدود دائرہ میں قانون سازی کا اختیار حاصل ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اس میں بھی وہ شریعت کے کسی حکم سے تجاوز کر کے نہیں نہ اعراف۔ اسے لامحدود (Un-Limited) اختیارات کسی

شِرک اور اقسامِ شِرک

شِرک فی الصفاۃ (۴)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

دورِ حاضر کا ہمہ گیر شرک | شیطان کے اغوا اور فریب نے جب سے شرک نے ایک طرح کے دہائی اور بھوت کے مہمن کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ دورِ جدید میں جن انواع و اقسام کے شرک موجود ہیں۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئے نہیں ہیں بلکہ یہ وہی ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں یہ مشرکانہ نظریات و عقائد زمانے کے مطابق مختلف روپ اور بھیس بدلتے رہتے ہیں۔ پرانی شراب نئی بوتلوں میں نئے لیبلوں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اور مختلف مذاہب میں یہ مختلف (SHADES) روپ دھار لیتے ہیں۔ مثلاً اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایک نوع کے شرک میں مبتلا ہیں تو فلسفیانہ مذاہب دوسری نوع کے۔ وہ لوگ بھی جو کسی خالق (CREATOR) کو مانتے ہیں تو اُس طرح نہیں مانتے، جیسا کہ اس کو ماننے کا حق ہے بلکہ وہ اُسے محرکِ اول، اور علتِ العلل کی حیثیت سے مانتے ہیں جو اس کائنات کی تخلیق کے بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہے اور اب یہ کائنات قوانینِ طبعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت آپس آپ رواں دواں ہے۔ پھر یہ کہ منکرِ جدید نے اشیاء اور مادہ کی تاثیر و خاصیت (PROPERTIES) کو بافضل اس کا ذاتی اور متصل وصف اور اس کو حقیقی (Real) تسلیم کیا ہوا ہے جسے میں دورِ جدید کے شرک سے تعبیر کرتا ہوں۔

ہمارے تبلیغی مہمائی کہا کرتے ہیں کہ ”امرِ حاضر کی پہچان ضروری

مادہ پرستی | ہے۔ لہذا میں بڑے اعتماد اور وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ

معاشرہ کا ہمہ گیر شرک یہی مادہ پرستی ہے جس میں غیر مسلم ہی نہیں بڑے بڑے مدعیانِ یدِ مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جدید ذہن مادہ پرستی کے لئے پوجا پاٹ پر پرستش کے جذبہ سے آزاد ہے۔ لیکن دورِ جدید کے نظریے کے مطابق مائے کو قیمتی (REAL) مان لینا اور اس کی تاثیر اس کے خواص اور اس کی صفات اور صاف کو بالذات تسلیم کر لینا اپنی روح کے اعتبار سے خاصِ مشترک نہ نظریہ ہے۔ اس کا رائج مطلب تو یہ ہوگا کہ انسان نے مادے کو اسی مقامِ جا بٹھا لیا ہے جہاں خدا کو نہ پا بیٹھے۔ اس کے ذہن و قلب میں جو سنگھاسنِ خدا کے لئے تھا اس سے یا تو خدا کو بالکل بے دخل (DE-THRONE) کر دیا گیا ہے اور وہاں بالکل مادے کو براجمان کر دیا گیا ہے۔ بلا شرکتِ غیرے۔ جو الحاد ہے۔ یا پھر یہ کہ خدا بھی ہے لیکن ساتھ ہی مادہ (MATTER) اور اس کی تاثیر اور خواص واد صاف (PROPERTIES) کو بھی اسی تحتِ خداوندی پر براجمان سمجھ لیا گیا ہے۔ جو ماسرِ شرک ہے۔ بد قسمتی سے آج مسلمانوں کی عظیم تر اکثریت بھی شعوری اور غیر شعوری طور پر اسی نوع کے شرک میں مبتلا ہے۔ زبان سے ہم میں سے کوئی بھی اس نوع کے شرک کا منکر نہیں ہوگا لیکن ذہن و قلب کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو ہمارا بھی حال کم و بیش یہی ہوگا کہ ہم مادے اور اس کے خواص و اثرات پر اور ذرائع و وسائل پر ذہنی طور پر اسی طرح یقین و توکل اور اعتماد رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کو ہر خدا پر رکھنا چاہیے جو توحید کا تقاضا ہے۔

میں نے جو بات اس تقریر کے بالکل ابتدا میں عرض کی تھی اس کو تازہ کر لیجئے کہ ہمارا خدا سے جو ذہنی و قلبی اور عملی تعلق (ATTITUDE) ہونا چاہیے اگر وہ ہی تعلق کسی اور سے قائم ہو گیا تو یہی شرک ہے۔ اس موقع پر مجھے سورتِ یوسف کی وہ آیت بھی پھر یاد آئی، جس میں دراصل مدعیانِ ایمان و توحید کے اسی نوع کے شرک کی طرف اشارہ بھی نکلتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ
بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ يَحْسِبُونَ

”اُن میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں

(آیت ۱۰۶)

لیکن اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شرک ٹھہراتے ہیں۔

اب آئیے اس نوع کے شرک کو چند مثالوں سے سمجھنا چاہیے۔

فکل ہمارے دین میں لفظ "توکل" کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں مختلف مقامات پر کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔
نہیں مسلمانوں کے لئے ابدی ہدایت و رہنمائی دی گئی ہے جس کو ترک سے اجتناب
در توجہ پر ثبات کے لئے عروۃ الوثقیٰ کا مقام حاصل ہے۔ بات کو سمجھنے کے لئے
یہ آیات بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ سورہ ہود میں فرمایا :-

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلٰی اللّٰهِ
وَرَتَّبْتُ مَامِنْ دَآئِرَةٍ
اِلَّا هُوَ اَخِذْ بِمَاصِیَتِهَا
اِنَّ رَحْمٰتِیْ عَلٰی صِرَاطِیْ سَبِیْعٍ
(سورہ ہود - ۵۶)

میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب
بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔
کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی
پیشانی دچوٹی اس کے ہاتھ
میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب
سیدھی راہ پر ہے۔

سورہ ہود کی آیت نمبر ۸۸ میں فرمایا
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ
عَلِیْہِ تَوَكَّلْتُ وَہِیْہِ
اٰیٰتِہٖ ۵

میرا تمام انحصار اللہ کی توفیق پر
ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا
اور ہر معاملے میں اُسی کی طرف
میں رجوع کرتا ہوں۔

سورہ یوسف میں فرمایا :-
اِنَّ الْحُکْمَ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْہِ
تَوَكَّلْتُ وَہِیْہِ فَلِیْ تَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلِیْنَ (۱۲۴)

اُس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔
اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور
جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اُسی پر
بھروسہ کرے۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا
وَمَا اَخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ
شَیْءٍ فَاِنَّکُمْ اِلَیْ
اللّٰهِ ذٰلِکُمْ اَللّٰهُ

تمہارے درمیان جس معاملے میں
بھی اختلاف ہو اُس کا فیصلہ کرنا
اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا رب۔

ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ)
کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

”اُن سے کہہ دو“ ہمیں ہرگز کوئی
ربائی یا بھلائی، نہیں پہنچتی مگر وہ
جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے
اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان
کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں
لہذا ایمان والوں کو اللہ ہی پر
بھروسہ رکھنا چاہیے۔“

”اے نبی، اُس خدا پر بھروسہ رکھو
جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا
نہیں اسکی حمد کے ساتھ اس کی
تسبیح کرو اور اپنے بندوں کے
گناہوں سے بس اسی کا بآخر ہونا
کانی ہے۔“

”اور موشیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو اگر تم
واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی
پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔“

ہشیا امیرے سوا کسی کو اپنا وکیل کرنا نہیں

رَبِّ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ

فَالْيَسَارُ اَزِیْبُ • (۱۰)

سورہ توبہ میں فرمایا :-

قُلْ لَنْ یَصِیْبَنَا اِلَّا مَا کُتِبَ

اَللّٰہُ لَنَا جِہُوْمُوْلُنَا

وَعَلٰی اللّٰہِ فَلِیَتَوَكَّلِ

اَلْمُؤْمِنُوْنَ • (۵۱)

سورہ تغابن میں فرمایا :-

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ط

وَعَلٰی اللّٰہِ تَوَكَّلْ

اَلْمُؤْمِنُوْنَ • (۱۳)

سورہ فرقان میں فرمایا :-

وَتَوَكَّلْ عَلٰی الْحَبِیْطِ

الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

وَسَیَّجُ یَحْمَدُ ط

کَفٰی یٰہٰذَا نُوْبٌ

عِبَادِہٖ خَیْرًا • (۵۸)

سورہ یونس میں فرمایا :-

وَقَالَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ فَعَلِیْہِ تَوَكَّلُوْا اِنْ

کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ • (۸۴)

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا :-

اِنَّہٗ یَتَّخِذُ اٰمِنِ دُوْلٰی وَکِیْلًا •

سُورَةُ الْمَزْمِلِ فِي فِرْيَا بَابٍ -
 رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
 وَكِيلًا ۝ آیت (۹)

وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے جس کے
 سوا کوئی الٰہ و معبود اور صاحب اختیار
 نہیں ہے لہذا اسی کو اپنا وکیل

(کارساز) بناؤ۔

ان آیات کے مطالعے سے باطنی تامل یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ”توکل“ اس
 روئے اور طرز عمل کو کہتے ہیں جس کا مفہوم ”قلبی یقین و اعتماد ہے“ یعنی جس ہستی اور
 جس شے پر بھی ہمارا یہ بھروسہ ہو گیا کہ یہ ہماری حامی، دستگیر، پشت پناہ اور کارساز
 ہے۔ یہ ہمارے لئے از خود باعث نفع و نقصان ہے تو گویا اس ہستی یا شے کو ہم نے
 اپنا وکیل بنالیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے
 کہ ”لَا تَتَّخِذْ دُونِي وَكِيلًا“ ”میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل بنایا“
 ”توکل“ دراصل اُس ریتے اور طرز عمل اور *Attitude* اور

نظریہ و خیال (IDEA) کو کہتے ہیں کہ جس کا مفہوم اعتماد اور بھروسہ
 (FAITH) ہے۔ اگر ہم کو پانی کے بارے میں یہ یقین ہے کہ پیاس بجھانے کی صفت
 اس کی ذاتی صفت ہے اور دائم و قائم رہنے والی ہے اور اسی نے میری پیاس
 بجھائی ہے تو اس نوع کا یقین شرک فی الصفات میں شمار ہوگا۔ اس کے برعکس
 اگر ہم یہ بات پرے دھوک کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ پانی کی اپنی اور ذاتی کوئی
 تاثیر نہیں۔ اس کی تاثیر تابع ہے اذن رب کے۔ پانی ہرگز پیاس نہیں بجھا
 سکتا جب تک اذن باری تعالیٰ نہ ہو تو یہ توحید ہے۔ ایک عارف باللہ
 کا قول ہے کہ ”ہر قلم جو انسان کھاتا ہے۔ معدے میں پہنچنے سے پہلے اذن رب کا
 طالب ہوتا ہے کہ میں اس کھانے والے کے لئے غذا بنوں یا نہ ہوں“ اسی طرح ہر چیز
 کی تاثیر اذن رب کے تابع ہوتی ہے۔ پانی پیاس نہیں بجھا سکتا، آگ نہیں جلا
 سکتی، غذا مفید نہیں ہو سکتی، دوا کوئی اثر نہیں کر سکتی، جب تک اذن رب
 نہ ہو۔ اس یقین و اعتماد کا نام توکل باللہ اور ایمان باللہ ہے۔ یہی توحید ہے
 اور اس کے خلاف ہر نظریہ باطل اور شرک ہے۔ اس خیال کو علامہ اقبال نے یوں

نہ کیا ہے۔
 بتوں کے تہ کو اُمیدیں خدا کی نوبت دی
 مجھے بتا تو سہی اور کافر کی کیا ہے
 مادی اشیاء کی تاثیر پر اعتماد اور مادی اسباب و مسائل پر بالکل تکیہ اور
 بروہہ دراصل اپنی روح کے اعتبار سے شرک ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ مادی
 اسباب و مسائل مال و اسباب اور ذرائع موجود ہیں تو بے شکری ہے دل کو مکمل
 لیٹان دسکون ہے اگر وہ حاصل نہیں یا ان میں کمی ہے تو دھڑکا لگا ہوا ہے،
 شکر ہے، بے چینی ہے۔ رات کا آرام اور دن کا چین اڑا ہوا ہے تو یہ نقد
 مزا ہے جو مادی اسباب پر توکل کی وجہ سے ہم کو اس دنیا میں ملتی ہے۔
 حالانکہ ایمان کا لازمی نتیجہ ”امن“ یعنی اطمینان سکون ہے۔
 بھولائے آیت قرآنی۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ
 يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
 أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ
 وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ط
 جو لوگ ایمان لاتے اور انہوں
 نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک)
 سے آمودہ نہیں کیا، وہ ہی لوگ
 ہیں جن کے لئے امن (سکون) ملے گا
 ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔“
 (الانعام ۸۲)

حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں جو لفظ ”ظلم“ استعمال ہوا ہے،
 اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ شرح و تفسیر فرمائی ہے کہ یہاں ظلم
 سے مراد ”شرک“ ہے اور اس کی تائید میں حضورؐ نے سورہ لقمان کی آیت ۱۳
 کا یہ حصہ پیش فرمایا ہے، ”إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ط“

حاصل کلام یہ ہے کہ مادی اسباب و مسائل اور مادے کے خواص و
 اوصاف اور اس کی تاثیر پر اعتماد و شرک فی التوکل ہے۔ چونکہ
 اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذات باری تعالیٰ کو جو حقیقت نفس الامری
 میں اصل مسبب الاسباب ہے اس کے مقام رفیع سے ہٹا کر اس
 کی جگہ مادے کو براہمان کر دیا گیا، انسان کی یہ ذہنی و قلبی کیفیت
 توحید کی عین ضد خدا سے محبہ اور اپنی روح کے اعتبار سے شرک

ہے اور یہی دور جدید کا ہمہ گیر شرک ہے جس میں کھلے مشرک کا فر
ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مدعیان توحید مبتلا نظر آتے ہیں ۔ ملاحظہ
ماشاء اللہ ۔

سورہ کہف استشہاد | اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے میں آپ کے سامنے
سورہ کہف کے پانچویں رکوع کی آیات ۴۲ تا ۴۴
پیش کرتا ہوں ۔ جس کے ترجمہ کے بعد تدریج میں آگے بیان کروں گا فرمایا ۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ
جَعَلْنَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّمَّا جَعَلْتَنِي
مِنْ اَعْنَابٍ وَخَفَضْنَاهُمْ
بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا
زُرْعًا ۱۱ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ
اَتَتْ اَكْثَمَاهَا وَلَسْتَ لَظَلَمَ
مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَبَرْنَا
بَيْنَهُمَا نَهْدًا ۱۲ وَكَانَ لَهُ
شَكْرٌ فَقَالَ لِيصَاحِبُهُ وَ
هُوَ يُحَاوِرُهُ اَنَا الْكُرُ
مُكَ مَا لَوْ اَعْرَضْتُ
نَفْسًا ۱۳ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۱۴
قَالَ مَا اُظُنُّ اَنْ يَبْدُ
هَذِهِ اَبَدًا ۱۵ وَكَانَ
اُظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً
وَلَكِنْ لُّدَّتْ اِلَى رَجُلٍ
لَّوْجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا
مُنْقَلِبًا ۱۶ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ

اور (اے نبیؐ)، ان کو دو شخصوں
کی تمثیل سناؤ ۔ ان میں سے
ایک کے لئے ہم نے انگوروں
کے دو باغ بنائے، ان کو کھجوروں
کی قطار سے گھیرا اور ان کے
درمیان کھیتی کے قطعات بھی
رکھے ۔ دونوں باغ خوب پھل
لائے، ان میں ذرا کمی نہیں کی
اور ان کے بیچ بیچ میں ہم نے
نہر بھی دوڑا دی اور اس کے
پھلوں کا موسم ہوا تو اس نے
اپنے ساتھی سے بحث کرتے
ہوئے کہا، میں تم سے مال میں
بھی زیادہ ہوں اور تعداد کے
لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور
ہوں ۔ اور وہ اپنے باغ میں
اس حال میں داخل ہوا کہ وہ
اپنی جان پر آفت ڈھا رہا تھا۔
’اُس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں

وَهُوَ يَكْأُورُكَ الْكَرْبُ
 مَا لَمْ يَخْلُقْكَ مِنْ
 شَرَابٍ شَرِبَ مِنْ نَظْفِي
 شَرِبَ سَوَّكَ رَجُلًا ۲۴۰
 لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رُبِّي وَلَا
 أَشْرَكَ بِرُبِّي أَحَدًا
 وَكُلُّهُ إِذْ خَلَقْتَ جَنَّتَكَ
 قُلْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ
 لَوْ تَوَلَّى لَوْ بِاللَّهِ جَلَّتْ
 شَرْدَنَ أَنَا أَفْئَلُ مِنْكَ
 مَا لَا وَكَذَاهُ فَعَسَى
 رُبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي
 حَيْرًا أَتَنُ جَنَّتَكَ وَ
 يُزِيلُ عَلَيْهِ مَا حُسْبَانَا
 مِنَ السَّمَاءِ فَتَضَعُ صَعِيدًا
 رَفَقًا أَوْ يُصْبِحُ مَا دُهَا
 غَوَا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ
 طَلِبًا ۲۴۱ وَأُحِيطَ بِمَكْرِهِ
 فَاصْبِرْ يَقْلِبْ لِقَائِهِ عَلَى
 مَا أَتَقَرَّقُ فِيهَا وَهِيَ
 نَحْمُودِي عَلَى عُرْوَشِهِمَا
 وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أَشْرَكَ
 بِرُبِّي أَحَدًا ۲۴۲ وَلَمْ
 تَكُنْ لَمْ فَتَنِي تَنْصُرُونَهُ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ

کرتا کہ یہ کہیں برباد ہو جائے گا اور
 میں قیامت کے آنے کا بھی گمان
 نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب
 کی طشت لٹایا ہی گیا تو اس سے
 بھی بہتر مرتبہ پاؤں گا، اس کے
 ساتھی نے بحث کرتے ہوئے
 کہا، کیا تم نے اس ذات کا انکار
 کیا جس نے تم کو مٹی سے بنایا،
 پھر پانی کی ایک بوند سے پھر
 تم کو ایک مرد بنا کر کھڑا کیا۔
 لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے
 اور میں اپنے رب کا کسی کو شریک
 نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تم اپنے
 باغ میں داخل ہوئے تو تم نے
 یوں کیوں نہ کہا کہ یہ جو کچھ ہے
 سب اللہ کا فضل ہے۔ اللہ کے
 سوا کسی کو کوئی قوت و قدرت
 حاصل نہیں۔ اگر تم مجھے بالادلاء
 کے اعتبار سے اپنے سے کم تر
 دیکھتے ہو تو امید ہے کہ میرا رب
 تمہارا باغ سے بہتر باغ مجھے دے
 اور تمہارے باغ پر آسمان سے
 کوئی ایسا آفت نازل کرے کہ
 وہ پھیل میدان ہو کہ وہ جلے۔
 یا اسی کا پانی نیچے اتر جائے اور تم

تو وہ اس گمنام میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو مال و منال ساز و سامان اور اسباب و نبوی میرے پاس ہیں، وہ میری ذاتی کوشش و محنت تدبیر اور صلاحیت کا نتیجہ ہیں۔ اسی گمنام میں تارون بھی مبتلا ہوا تھا اس کے پاس جو لاتعداد دولت تھی اس کو وہ اپنی مساعی و تدبیر کا ثمرہ سمجھتا تھا۔ یہاں جس شخص کا ذکر ہے اس کے دماغ میں بھی یہی خناس سما یا ہوا تھا کہ جو نعمتیں مجھے حاصل ہیں جن اسباب و نبوی کا میں مالک ہوں وہ میری قابلیت و صلاحیت کا ثمرہ ہیں۔ اسی پسندار کی وجہ سے وہ قیامت کے بائے میں تشکیک میں مبتلا اور اس مغالطے میں گرفتار رہا کہ اس کا مال و منال اور اس کی وجاہت و حیثیت اس کی ذاتی اور لازوال ہے۔

تیسری بات خصوصی توجہ دیجئے کہ اس کے ساتھی نے اس رفیق پر اس کے ساتھ جو محاورہ کیا اور بحث و تمحیص کی، وہ یہ ہے کہ یہ نظر یہ اپنی روح کے اعتبار سے کفر ہے اور مال و اسباب و نبوی پر اس نوع کا اعتماد شرک ہے۔ اس مرد مومن اور حق پرست نے کہا تو یہ کہا کہ لَکِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اَشْرِكُ بِرَبِّيْ اَحَدًا ۝۱۵ سلا لکھ اُس مرد متکبران نے کسی بُت کیسی غیر اللہ کے معبود ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ چوتھی بات جو اس تمام گفتگو کا حقیقی مآل ہے وہ یہ ہے کہ جب آیت سَلَوْنَا زُلْفٰی جُوْیْ اور بادِ موم کا ایک جھونکا آیا، جس نے دیکھتے دیکھتے اس باغ کو جلا کر دیران کر دیا تو اس خلافِ فراموش نے کف افسوس ملتے ہوئے جو کہا وہ یہ ہے کہ وَیَقُوْلُ یٰلَیْقَیْ لَکُمُ اَشْرَکٌ بِرَبِّیْ اَحَدًا ۝۱۵ ”لے کاش! میں نے کسی کو اپنے رب شرکینے ٹھہرایا ہوتا۔“ غور کا مقام ہے کہ وہ کس نوع کے شرک پر اٹھایا رہا کر رہا ہے۔ اس پورے رکوع میں کسی دیوی یا دیوتا کسی لات و منات یا بل کا ذکر نہیں ہے۔ وہ شرک یہی شرک ہے کہ اس نے مادی اسباب و وسائل اور اپنی وجاہت و حشمت کو اپنے ذہن و قلب میں اس سنگھاسن پر براجمان کیا تھا جو خالصتہً صرف اللہ ہونا چاہیے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ مال و اسباب اور وجاہت و حشمت کو اپنی قابلیت و صلاحیت اور اپنی کوشش و محنت کا ثمرہ و نتیجہ سمجھنا اپنے استحقاقِ ذاتی کا کرشمہ خیال کر لینا اور یہ سمجھ بیٹھنا کہ یہ چیزیں اس سے کچھ نہیں سکتی۔ اور پھر ان چیزوں کو بذاتہ نفع بخش اور موثر سمجھ لینا۔ شرک

اسی نوع کے شرک سے مرد و من و شکر نے اظہارِ برأت کیا تھا اور اسی نوع کے شرک کے ارتکاب پر اس سنگبرِ ناشکرے اور خدا کی ربوبیت کے نظام سے مجبور شخص نے اظہارِ انسوس و ندامت کیا تھا۔ توحید تو یہ ہے کہ بندے کو جو نعمت بھی ملے جو اسباب و وسائل بھی اس کو حاصل ہوں جس وجاہت و حشمت سے وہ نواز جائے وہ اسباب کو خدا کا فضل و عطیہ سمجھے اور اشیا کے خواص و اوصاف کو اذنِ رب کا تابع سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ خدا جب چاہے اس نعمت کو چھین سکتا ہے اور جب چاہے وہ مادی اشیا کی تاثیر اور خواص کو سلب کر سکتا ہے۔ اس کا رد یہ ہے ہونا چاہیے کہ ہر اس نعمت پر جو اس کو حاصل ہے اور ہر شے کی اثر پذیر ہی سے اس کی زبان پر تراءُ شکر و سپاس جاری ہو۔ اور وہ کہے الحمد للہ۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔ یہ فروتنی اور عجز و انکساری اور سپاس گزاری توحید کے مقتضیات کے لازم میں شامل ہے۔ اس طرزِ عمل کے متعلق سورہ نبی اسرائیل کی دوسری آیت کے آخری حصے کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ اَلَّذِیْ تَخِجُّ ذَمٰنًا دُوْنِیْ وَ کِیْلًا ۚ مِّمَّیْرَے سوا کسی اور پر توکل نہ کرنا۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی اور پر توکل ہے تو یہ شرک فی التوکل ہوگا۔ وہ چاہے افراد ہوں، اشخاص ہوں، صاحبِ اقتدار و اختیار لوگ ہوں، مال و اسباب و دیوی ہو، اشیا کے خواص اور اس کی تاثیر ہو۔ چاند اور سورج اور کواکب کی گردش اور کشش ہو مومنوں کا تغیر و تبدل ہو۔ اگر ان میں سے کسی کے ساتھ بھی اعتماد اور مبروئے کا ذہنی و قلبی رشتہ قائم ہو گیا تو یہ شرک فی التوکل ہے اور یہ دراصل فرع ہے شرک فی الصفا کی مادہ پرستی ہی کا یہ شاخ و پتہ ہے کہ آج کے دور کے مغرب کے فکر و فلسفے سے مطربِ سلیم یافتہ انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہے کہ یہ کائنات قوانینِ طبیعی (PHYSICAL LAWS) کے تحت خود بخود رواں دواں ہے۔ اور یہ پورا کا پورا نظامِ نقل و کشش، اور رد و ثقل میں بکڑا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ مادے ہی کا عمل اور رد و عمل ہے جس کے باعث مختلف قد و کھل اور کیمیکل تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔ اس منکر و نظریے کے حامل اذہان میں قرآن مجید کا یہ فیصلہ بیٹھا ہی نہیں کہ مَدَبْدَبُوا فَمِنْ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ (وہ اللہ ہی ہے)

جو آسمان سے زمین تک دنیا کے نظام کی تدبیر کرتا ہے۔ اور نہ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آلاءکم الخَلْقُ وَالْأَوْضَافُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ اگاہ رہو اسی اللہ کی خلق ہے اور اسی کا امر و حکم و نظم و تدبیر ہے۔ بڑا بابر ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار۔ ان کے ذہن میں اگر خدا کا تصور ہے بھی تو بس اتنا کہ کوئی ہستی کوئی قوت ایسی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا تو کیلیے لیکن اب اس کا اس کائنات اور اس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی ہستی یا قوت کو وہ محرک اول اور علت العلل کی اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں جیسا کہ میں اشارتاً پہلے بھی عرض کر چکا۔

الغرض مادہ پرستی ہی اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے اور اس کے بارے میں میرا شدید احساس یہ ہے کہ خال خال وہ سعید لوگ ہوں گے جو ذہناً و قلباً اس نوع کے شرک سے محفوظ ہوں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کبھی نفا میں 'DUST' (SUSPENSION) ہو جائے تو شاید ہی کوئی شخص ہو جس کے پیچھے پڑوں میں کچھ نہ کچھ گرد نہ پہنچ رہی ہو۔ لہذا میرے نقطہ نظر سے موجودہ دور میں جس شرک نے غبار کی شکل میں پورے کرہ ارض کو اپنی پیٹ میں لے رکھا ہے وہ یہی شرک ہے۔ اور اس سے بچنا آسان نہیں لَوْلَا اَنْ يَكْتَسَا اللّٰهُ۔

عقلیت پرستی | اسی شرک فی الصفات کے ضمن میں ایک اور مسئلہ کو بھی سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید نے جو توحید کی تلواریں ایک مومن کے ہاتھ میں دی ہے، وہ ہر نوع کے شرک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اس سے پہلے بھی اور موجودہ دور میں بھی ایک اور گمراہی رہی ہے اور وہ ہے عقلیت قدیمہ اور عقلیت جدیدہ (RATIONALISM) اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے تو یہ مادہ پرستی ہی کی فرع ہے۔ لیکن اس نے ایک دوسرا لبادہ اوڑھ کر رکھا ہے، جس کو عقلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا ابتدائی حملہ اسلام اور مسلمانوں پر اُس وقت ہوا تھا جو جب یونان و ایران کے فلسفوں اور ارسطو کی منطق سے ہمارے چند دانشور "دورِ اموی کے اواخر میں متاثر ہوئے اور جو دعوے کسی میں بڑی شدت کے ساتھ اپنے عروج کو پہنچا۔

اسی کو میں نے عقلیتِ قدیمہ سے تعبیر کیا ہے۔ عقلیتِ جدیدہ کا حملہ اس دور میں کسی وقت شروع ہوا جب مغرب کی عقلیت RATIONALISM سے آگاہی حاصل ہوئی۔ یہ عقلیت اسلام پر نئے اسلوب اور نئے ہتھیاروں سے حملہ آور ہوئی اور برصغیرِ پاک و ہند میں اس کے اولین نشانہ بنے۔ سرسید احمد خان مرحوم۔

اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ پاک

وہ نہیں اس عقلیت کے پہلے پر چلے گئے تھے۔ اس عقلیت کی جڑ وہی مادے کے خواہش کو اٹل تسلیم کر لینا ہے اور یہ تسلیم کر لینا ہے کہ یہ خواہش مادے میں قائم و دائم ہیں اور یہ کبھی اس سے منفک نہیں ہو سکتے۔ کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جو مادے کی صفت کو اس سے زائل کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ”معجزات کا انکار کیا گیا اُس وقت بھی اور اس وقت بھی“ معجزہ ”کیا ہے“ اس کو ایک دو مثالوں سے سمجھئے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا سمندر پر مارتے ہیں اور سمندر پھٹ جاتا ہے۔ پانی کی صفت تو یہ ہے کہ وہ اپنی سطح پر قرار رکھتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عصائے موسیٰ کی ضرب سے پانی اپنی صفت ترک کر دے۔ ناممکن۔ محالِ مطلق۔ پانی اپنی صفت نہیں چھوڑ سکتا۔ لہذا کوئی تاویل کیجئے۔ اور وہ تاویل یہ ہے کہ بس مد و جزر کا کوئی معاملہ تھا۔ جزر کے وقت حضرت موسیٰ نکل گئے۔ مد کے وقت فرعون اور اسکی لشکر آیا اور وہ عرق پھر ہلاک ہو گیا۔ گویا کہ اُس وقت کے فرعون اور اسکی حواریوں کو مد و جزر کا وہ علم ہی حاصل نہیں تھا۔ جو ان لوگوں کو حاصل ہوا ہے، جو اس کی یہ تاویل کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے تو وہ الفاظ استعمال کئے ہیں، جس میں کسی تاویل کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے۔ فرمایا۔

فَاَوْحَيْنَا لِلْاِيْمَانِيْنَ
اَضْرِبْ بِعَصَاكَ
الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ
كُلُّ وِزْقٍ كَاتِبُوْدٍ
الْعَلِيِّوْہ (الشعراء آیت ۲۵۳)

”پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ مادہ اپنا عصا سمندر پر“۔ یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔“

غور کیجئے کہ قرآن تو یہ بتا رہا ہے کہ سمندر پٹا اس شان سے کہ پانی دونوں طرف
 میں چٹانوں کی مانند کھڑا ہو گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا۔ دنیا آج تک مد و جزر
 لی اس کیفیت سے ناواقف ہے جس میں پانی چٹان کی طرح کھڑا ہو گیا ہو۔ کسی
 تجربے اور مشاہدے میں یہ بات آج تک نہیں آئی۔ لیکن یہ تاویل کیوں کی گئی؟
 اس کی بنیادی گمراہی کو سمجھئے، وہ یہی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانی اپنی صفت کو
 ترک کر دے؟ یہ بات سائنٹفک تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ مادی قانون
 گویا اہل ہے اس کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ پس اس طرح تو درحقیقت مادے کو
 ”خدا“ کے مقام پر بٹھا دیا گیا۔ اگر یہ بات یقین کے درجے تک پہنچی ہوئی
 ہوتی کہ مادہ مخلوق ہے اور اس کی ہر صفت خدا کی عطا کردہ ہے اور وہ اسی
 وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا۔ وہ حکم خداوندی کے تابع ہے۔ خدا
 جب چاہے گا مادے کے خواص کو سلب کر لے گا اور جب چاہے گا لوٹائے گا۔
 اس لئے کہ کسی میں اس کا کوئی ذاتی وصف ہے ہی نہیں۔ میرا ہجے میں کچھ نہیں۔
 جو کچھ ہے سو تو ہے۔ آگ میں حرارت اس کی ذاتی نہیں کہ وہ جلانے۔ گوشت
 قانون یہی ہے کہ آگ جلانے گی لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس سے اس کی یہ
 صفت سلب فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے نہیں جلایا۔
 اس لئے نہیں جلایا کہ خدا کا حکم آگیا تھا کہ ”قُلْنَا إِنَّا دُكِّنِي بِرَدِّكَ
 سَكْمًا عَلَيَّ نَارِيًّا هَيْمَرَهُ (الانبیاء ۶۹)“ ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی
 ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔“ اور آگ نے اس فرمان کی تعمیل کی اور
 وہ گل و گلزار بن گئی۔ اونٹنی سے اونٹ پیدا ہوتا ہے، اس کے لئے ایک قانون ہے
 وہ مچا بن ہوگی۔ اس پر کچھ عرصہ گزرے گا۔ پھر وہ بچہ بنے گی۔ لیکن یہ کیا کہ ایک
 چٹان میں سے ایک لاکھس اونٹنی برآمد ہو گئی اور اس نے پھر مچا بنا۔ یہ کیسے ممکن
 ہے! لہذا اس کی بھی کوئی سائنٹفک توجیہ کرنی پڑے گی۔ مرد اور عورت کے جنسی
 اختلاط سے بچہ رحم مادر میں قرار پایا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ اور جنسی
 اختلاط کے پیدا ہو گئے! اس کی بھی کوئی تاویل کرنی پڑے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ
 چھوٹے چھوٹے پرند اپنی چونچوں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے لاکر برساتیں اور وہ ابرہ

کے شکر کو تبس نہس کر دیں۔ محال مطلق۔ لہذا اس کی بھی کوئی عقلی توجیہ کی جائے گی۔ یہ ہے عقلیت سے معروفی کا عالم — لیکن اگر اللہ تعالیٰ کو علیٰ کُلِّ شئی مَکْدِبُہُ اور فَعَالٌ لِّمَکَا یُؤِیِّدُہُ تسلیم کیا جائے تو قرآن میں بیان کردہ کسی معجزے کی کسی تاویل کی سرے سے حاجت ہی نہیں۔ اس کے برعکس اگر کسی بے چارے خدا کو مانا ہے۔ کسی ایسے خدا کو مانا ہے کہ جس کے ہاتھ اُسی کے بنائے ہوئے قوانین طبعی نے جکڑ دئے ہیں اور وہ ان میں تبدیلی نہیں کر سکتا تو ایسا عاجز و ”مخلد“، قرآن کا بتایا ہوا خدا نہیں ہے یہ ذہنوں کا تراشا ہوا کوئی خدا ہے۔

شُرک فی الصفات کی بحث کو میں یہاں ختم کرتا ہوں۔ اب شرک فی الحقوق یا شرک فی العبادت کے موضوع پر گفتگو ہوگی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس سے قبل آپ شرک فی الصفات کے ضمن میں بطور اصول میں نے جو نکات بیان کئے تھے۔ ان کو ذہن میں پھر تازہ کر لیجئے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہی الفاظ مخلوق کی صفات کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں لہذا ایک مغالطہ لازماً لاحق ہوتا ہے۔ اس مغالطہ و التباس سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تین ماہر الامتیاز امور و نکات ذہن میں مستحضر رہیں جن میں :-

- ۱۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اپنی ہے۔ کسی اور نے اس کو وجود نہیں بخشا بلکہ وہ از خود موجود ہے۔ ہمیش سے ہے اور ہمیش رہے گا۔
- ۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح ذاتی ہیں کسی اور کی عطا کردہ نہیں۔ اور وہ قدیم ہیں۔ ہمیش سے قائم و دائم ہر لحاظ سے کامل و اکمل۔ اور لازوال و لا فانی اور ہر احتیاج اور ہر ضعف سے مبرا اور منقرض ہیں۔

۳۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مساویہ ہر مخلوق کی ذات بھی عطائی، وجود بھی عطائی اور اس کی صفات اور صفات خواص اور تاثیر بھی عطائی نیز ناقص، محدود، خارجی اسباب کی پابند اور اذن رب کی تابع۔ یہ تینوں امور اگر ذہن و قلب پر نقش کا لجر کی طرح ثبت ہو جائیں تو یہی توحید ہے اس میں مغالطہ اور التباس ہو جائے تو وہ شرک فی الصفات ہو جائے گا (جاری)

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فِي كِتَابٍ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحجہ ۱۰ ص ۶۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ اینپرس روڈ۔ لاہور

ولایت اور تقویٰ کا اصل تصویری

از: ملک اقبال واحد - فیصل آباد،

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
 بعد نبوت سے جس طرح سے دین کی بیشتر اصطلاحات معلوم ہو چکی ہیں،
 جیسے عبادت، جہاد فی سبیل اللہ، احسان، مراقبہ، ذکر و فکر کہ اُن کے معانی اور
 مفہیم اپنے اصل معانی اور مفہیم اپنے اس مدلول سے بدل کر کچھ سے کچھ ہو چکے ہیں۔
 اُن میں سے ایک اصطلاح ولایت و تقویٰ ہے۔ جو قرآن و سنت، ایمان و یقین
 کی ایک وسیع المعانی وسیع الاطراف اصطلاح ہے۔ تاریخ کے صدیوں کے خانقاہی
 تسلسل نے ولایت و تقویٰ کو ایک خاص مفہوم دے دیا ہے۔ جو عوام کے اذعان میں
 رچ بس گیا ہے۔ اُس کی صورت اس کا خاکہ اُس کا نقشہ اُن کے نزدیک یہ ہے۔
 کہ ولی اور متقی ایک ایسا شخص ہے۔ جو عبوسا قنطریا ہو۔ چہرہ خشک اور تلخ ہو
 لمبی شبیح، غلیظ پوری، بوسیدہ چہرہ۔ میلہ کچھلا اور بوسیدہ لباس بد مزہ طعام پکڑی
 اور رکھی روٹیوں کے ٹکڑے، معاشرہ سے الگ تھلگ کسی قبر مشید کا مجاور
 بن کر بیٹھ جانا پلہ کشیاں گندھے اور تعویذ کا دھندلا غرس اور میلے ہوئی کے نورے
 و برمال سماع و قوال پیری مریدی بے سرو پا گفتگو رطب و یابس اقوال شعلیت
 کھنی والی لمبی ٹوپی گیروانہ یا سبز چوٹے دم درود پھونکیں مارنا گوبیش جابتیں پیش
 کرنے والوں کا جھوم اور اس جھوم میں بے سرو پا مکاتبتیں اور روایتیں بیان کرنا۔
 فرائض سے تساہل، نوافل کی کثرت، طہارت سے فساد اور گندگی سے پیار، یہ ہیں
 وہ معیارات جن پر عام طور پر جاہل تو جاہل بسا اوقات اچھے پڑھے کلمے لوگ
 ولایت اور تقویٰ کو ناپتے اور تولتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت میں ہر رسالت
 میں دور خلافت میں دور تابعین میں دور تبع تابعین میں چودہ سو سالہ اہل علم و فضل

بس اس نوع کا تقویٰ اور اس نوع کی ولایت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اثباتِ مدد کے لئے قرآن کی سورہ یونس کی ایک ہی آیت کافی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔
 اِذْ رَاكَ اللهُ كَے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ کوئی حزن ہے۔ اور وہ اللہ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور پارسی اختیار کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے دنیا و آخرت میں تبشیر ہے۔ اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فوزِ عظیم کے مالک ہیں (دیکھ) تقویٰ کا اصل مفہوم ڈرنا بچنا میں۔ لیکن یہ ڈرنا اور بچنا وہ نہیں ہے۔ جو آدمی کسی موزی جانور کو دیکھ کر بربنائے دہشت ڈرتا ہے۔ یہ ڈرنا اور بچنا وہ ہے۔ کہ خالق کائنات خالقِ انس و جان کے خوف و خشیت سے انس و جنت سے غفلت و غلامت سے آدمی اُن فواجی سے بچے جو اس کے پروردگار کے نزدیک منکرات ہیں۔ اور ولایت یعنی دوستی یہ ہے۔ کہ اُن معروفات کو اختیار کرے جو اُسکی خوشنودی کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ معروفات میں سر فہرست جو شے ہے۔ وہ مجاہدِ مع النفس ہے۔ خدا کے دین کی راہ میں جہادِ بالمال ہے۔ جہادِ بالنفس ہے۔ فرائض کا اہتمام شدت سے ہو کیا ہے بے تہمت شدت سے ہو اور یہ سب کچھ کسی غار کوہ میں نہ ہو۔ معاشرہ کے درمیان بچ میلان اُن کے ہو۔ گویا اس کی زندگی میں زندگی کے قلم نامور و معاملات میں حاکمیت سروری جہاں بانی کا کوئی مقام نہ ابلیس کے لیے ہو نہ شیطان کے لئے نہ النفس کے لئے ہو نہ الہ سماج کے لئے ہو نہ الہ اقتدار کے لئے ہو وہ معاشرہ کا ایک مفید فرد ہو۔ یہ اعتبارِ سیرت معاشرہ میں ممتاز و نمایاں ہو۔ خدا کی اطاعت میں اللہ کی ایت عمر میں پیکرِ اخلاص ہو پیکرِ محسوس ہو۔ مجاہدہ فی سبیل اللہ میں دعوتِ محبت کا کوہ ہالیا ہو۔ یکتا شہیٰ علیا کا کوہ طور ہو۔ حقوقِ عباد میں محبت و مروت رحم و کرم شفقت و ہمدردی مدد و انصاف امانت و دیانت صدق۔ راستی فضیلت اخلاق میں حسن اخلاق میں کردار میں حسن کردار میں معاملات میں سچا اور کھرا ایمان و یقین میں منبع و سرچشمہ ایمان و یقین علم و فضل میں عبقری اقامتِ دین اور اقامتِ حق کی جدوجہد میں اپنے اوقات اپنی تمام تر صلاحیتوں سے لے کر نقد جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہو۔ اُس کی تمام تر تنگ و تازہ سرگرمیاں دلچسپیاں

بس اس مرکز اور محور سے وابستہ ہوں۔ کہ خدا کی زمین پر خدا کا دین سر بلند ہو گا۔
ہو مشط ہو حکمران ہو اسی ایک مقصد کے لئے اسی ایک نصب العین کے لئے
اسی ایک آدرش کے لئے وہ مڑتا اور جیتا ہو۔

دور رسالت میں کدو صحابہ میں دور تابعین میں دور تبع تابعین میں بعد کے
پندرہ صدیوں کے علم و فضل کے ادوار میں ولایت یہی معنی ولایت کا یہی مفہوم
تھا۔ تقویٰ یہی تھا۔ تقویٰ کا انداز و مقام یہی تھا۔ کوئی امتیازی لباس
نہیں تھا۔ کوئی امتیاز طرز بود و بند نہیں تھی کوئی امتیازی شان نہیں تھی کوئی
امتیازی کلام نہیں تھا۔ کوئی امتیازی عبادت نہیں تھی۔ کوئی تکیے اور زانیے
نہیں تھے۔ کوئی بود و منزلت کے مجاور نہیں تھے۔ کوئی جلے جلوس میلے ٹھیلے جس
و جد و حال کی گرم بازیاں نہیں تھیں۔ بس ان کی امتیاز کشان یہی تھی۔ کہ ان میں
سے ایک ایک فرد خدا کے دین کا دستگار تھا۔ وہ کاشفہ سوار تورات کا شب زندہ
بیدار تھا۔ وہ سب کے سب معاشرے کے درمیان زندگی گزارتے تھے۔ منہ
تھے بولتے تھے کام کرتے تھے۔ کاروبار کرتے تھے شادیاں کرتے تھے بیاہ کرتے
تھے۔ اہل و عیال کی کفالت میں ذرائع معاش اختیار کرتے تھے اور فرست کے
لمحات تیسرا جاتے تو اپنی معنوں میں مزاح بھی کرتے تھے شعور معنی سے بھی
لطف اندوز ہوتے تھے۔ تاہم خدا کی تابعداری دین کی اقامت میں ان کے قدم
ایسے مضبوط کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلائے جاسکیں تو ہل جائیں۔ ان کے قدم نہیں
ہلائے جاسکتے تھے۔ اپنے فکر و نظر اپنے ایمان و یقین اپنے جہاد و قتال اپنے
مشن اقامت دین اقامت حق میں وہ مضبوط چٹان مجبور مخالف تہذیب مخالف نظریات
آئے۔ وہ اُس چٹان سے اپنے سر پھوڑنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے۔ اُن کی
پوری تاریخ دعوت عزیمت میں کوئی تعدی کوئی استہزاء کوئی تضحیک کوئی دھمکی
کوئی خوف کوئی میدان حرب و حرب کوئی حربہ ظلم و تشدد اثر انداز ہونا تو ایک
طرف رہا پر چھائیں بھی نہیں ڈال سکا۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امور خلافت کی انجام دہی کے ساتھ بے سہارا
مستورات کا سودا سلف بازار سے خرید کر لاتے، برتن مانجھے جھاڑ دیتے شکر اسامہؓ

کو بتوک روانہ کرتے مرتدین کی سرکوبی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ امور خلافت کے ساتھ ساتھ بائیس لاکھ مربع میل علاقہ پر سلام کا پرچم لہرا دیتے ہیں چند سالوں میں رومن امپائر اور پرشین امپائر ایسی سپر طاقتوں کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حقوق عباد اپنی رعایا کے حال میں بے چینی کا یہ حال ہے کہ عام الرہاد کے قحط میں فاقوں پر فاقے کرتے ہیں۔ کہ کھال جگہ جگہ سے چٹخ جاتی ہے۔ منہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دور خلافت کی ذمہ داریوں کے ساتھ جان توڑے دیتے ہیں۔ لیکن عامۃ المساکین کے درمیان خون ریزی کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ مساکین کے مشرب واکل کے لئے ملک بھر میں لشکر کھول دیتے ہیں۔ اور خود روٹی پانی میں جھگو کر کھاتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز کا حال یہ ہے۔ کہ اپنے دور خلافت میں دو غلطے راشدین کے عہد وادوار کو ذمہ دہ کرتے ہیں۔ اپنا نور نظر بیت المال کے سیب کو منہ میں ڈال لیتا ہے تو انگلی منہ میں ڈال کر سیب باہر نکالتے ہیں۔ کہ یہ عوام مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہے۔ تابعین میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نفیس لباس پہنتے ہیں۔ نفیس کھانا کھاتے ہیں۔ کہ شوربہ عطر آمیز ہوتا ہے۔ یائیں ہمہ خوفِ خدا کا یہ حال ہے۔ کہ ہر وقت خدا کے خوف سے آنکھیں اشک بار رہتی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کپڑے کی تجارت کرتے ہیں کسی ایک تھان میں معمولی نقص واقع ہو جاتا ہے کانٹوں کو فہاش کرتے ہیں۔ کہ تھان کا فروخت پر گاہک کو نقص سے آگاہ کر دیا جائے۔ لیکن کارندوں سے سہو ہو جاتا ہے۔ آپ اس کی تلافی میں سینکڑوں تھان راہِ خدا میں خیرات کر دیتے ہیں۔ محمد بن بکر رضی اللہ عنہ تیل کی تجارت کرتے ہیں۔ کسی ایک تیل کے ڈرم میں جو ہار کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ احتیاط کے طور پر درجنوں تیل کے ڈرم نالیوں میں بہا دینے کا حکم دیتے ہیں یہ چند مثالیں ہیں ورنہ اسلامی تاریخ کے اوراق میں سے اس نوع کی مثالوں کو اگر اکٹھا کیا جائے تو قلعہ ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔ کیا یہ سب لوگ ولی اور متقی نہیں تھے۔ اگر تم قوم کے اپنے روایتی پیمانوں میں ناپاؤ تو شاید تم کو اس میں ایک بھی ولی

درستی نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے ان کی زندگیاں اُن کی زندگیوں کے مشاغل و غم و احوال وہ نہیں تھے جو کچھ کہ بھی قصوف کے مائے ہوئے کو نوں کھڑوں میں ولایت کی لمبی چوڑی دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔ اور جن کی ساری ولایت غلط سلسلہ روایات یہودہ اقوال شطیحات کے سہارے پر قائم ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں۔ کہ جب لوگ اس پہانے کو لے کر ایک مومن صادق مسلم کامل دعوت حق کے مجاہد کو داعی حق کو داعی رجوع الی القرآن کی تحریک کے راہ ناکناپتے پھرتے ہیں جو بے شمار عزیمتوں کے پل طے کر کے خدمت دین خدمت حق کی وادی میں اپنے جان و مال کو پھیل پر لے کر پہنچے ہے۔ اور جس نے اپنی پوری زندگی کو زندگی کی تمام تر صلاحیتوں کو اوقات کو مصروفیات کو اس واؤ پر لگا دیا ہے۔ کہ تخت یا تختہ یا خدا کا دین غالب ہوگا۔ ورنہ جان و مال کا نذرانہ تو اُس کے حضور بہر حال ہے۔

ولایت اور تقویٰ کا معیار جو قرآن و سنت سے متباد ہے۔ اچھی طرح سے جان لینا چاہیے۔ وہ یونان اور ایران سے نہیں آیا ہے۔ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے دور کے لاکھوں امتیوں کے سینوں میں سفینوں میں علم میں عمل میں جہد میں جہاد میں موجود ہے۔ جو چشم سر سے دیکھا جاسکتا ہے جس کو دیکھنے کے لئے سمجھنے کے لئے کسی لمبی چوڑی عقل کی نکر و نظر کی ضرورت نہیں ہے۔ اقامت دین کے لئے ان کی استقامت تاریخ کے ایک ایک ورق پر رقم ہے۔ اور استقامت ایک بڑی کرامت ہے یہ کوئی کرامت نہیں کہ انسان ہوا میں اڑنے لگے سمندر میں چلنے لگے اس کرامت میں پرندے اور مچھلیاں انسان سے آگے ہیں، اس نوع کی کرامتوں سے اُس کرامت کو کیا نسبت جس کرامت کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے تو دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے وہ اپنے علم و عمل سے انہماک و بیان سے قرآن کا چلتا پھرتا اشتہار ہے۔ انہماک ہے۔ معاشرہ کے ایک ایک فرد کے بالمقابل بھی اور پورے معاشرہ کے روبرو بھی حتیٰ کہ عند سلطان جائے کے سامنے بھی۔ وہ توحید کے ذرہ سنام پر کھڑا ہوا کائنات بشری کے ایک ایک فرد کو لگا رہا ہے۔ ایک خدا ایک ایمان ایک کتاب ایک رسالت ایک حق

ایک الحق ایک نظام حیات کی جانب مسلسل بلائے جا رہا ہے۔ گویا وہ دستِ ظلمت میں اعلائے کلمۃ الحق کی تکمیل مسلسل ہے۔ اور اس تکمیل مسلسل کے نتیجہ میں ہر مصیبت کو ہر آفت کو ہر باطل کو باطل کے ہر ظلم کو تشدد کو خندِ عینی کے ساتھ محض خوشنودی رب کے لئے انگیز کئے ہوئے ہے۔ ہر باطل کے لئے وہ بلائے بے درمان ہے۔ ہر قیصر کے لئے وہ پیام موت ہے ہر کسریٰ کے لئے ذہِ پیغام مرگ ہے۔ بتاؤ کیا نسبت ہے۔ اُس نام نہاد ولایت کو مصنوعی اور جعلی تقویٰ کو جو خاک کی خوش میں خوشی و مناجات ہے۔ محض سامانِ ناؤ نوش ہے۔ محض دوکانِ پیری مریدی ہے۔ محض ایک ڈھونگ ہے۔ محض ایک دکھا داس ہے۔ محض ریا و فرائض کا ڈنیکے مفاد کے لئے ایک کھیل ہے۔ تماشا ہے۔ جس کے پاس چند جھوٹی سچی خواہیں ہیں۔ چند بے سرو پا کماتیں ہیں۔ چند منتر منتر ہیں۔ چند الٹی سیدھی کرامتیں ہیں۔ جن میں بیشتر مصنوعی ہوتی ہیں۔ یہ جوگ سنیاں اور بدھ مت کا تقویٰ اور ولایت لوگ اُس کے سامنے لے آئے ہیں۔ اور اس پہلے سے اُس کو ناپا چاہتے ہیں۔ جو حق کا علم بردار ہے۔ جانِ شاہ ہے جانِ باز ہے۔ ہر باطل کا دشمن جان ہے۔ ہر باطل کے لئے کوہِ گراں ہے۔ اس ظلمتِ بدروشِ باطل کی شبِ بھڑا اُس کا وجود ایک روشنی ہے۔ ایک مشعلِ راہ ہے۔ جو ان ظلمتوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں تزکیہٴ نفوس کی شمعیں ملارہا ہے۔ تصفیہٴ قلب کے چراغِ روشن کر رہا ہے۔ وہ ایمان کا ایک سدا بہار درخت ہے وہ یقین کا ایک سیلِ رو وہ علم کا ایک سمندر وہ عمل کا ایک جہان جو الکتاب کی تلاوتِ آیاتِ تعہد کتاب سے کائناتِ انسانی کے زمین و آسمان بدلنے کے لئے رسولوں انبیوں کے مشن پر اکھڑا ہوا ہے۔ کہ جس ولایت اور تقویٰ کی روشنی روشن گری سے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کا ورق و ورق اپنی تازہ در شہوار ہے۔ آفتاب اور بدرِ کامل ہے۔ جس کی رات بھی اُسی طرح روشن ہے۔ جس طرح سے اُس کا دن روشن ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین -

عورت — اور اسلامی معاشرہ

مغربی معاشرہ اور عورت | آج کا امریکہ اور یورپ وغیرہ میں عورتیں تقریباً ہر شعبے میں کام کر رہی ہیں لیکن ایسی عورتیں شکل سے چند فیصد ہیں جو کسی بڑے عہدے پر فائز ہوں۔ خواتین کی اکثریت کو بچے دے کے کم کرنا پڑتے ہیں۔ وہ پاتورے ستورائوں میں دیڑھیں ہوتی ہیں یا ہٹھکوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور چادریں بدلنے پر مامور ہوتی ہیں۔ انہیں یا تو دفاتر کے استقبالیے پر بٹھا دیا جاتا ہے یا دکانوں پر مال بیچنے کا فرض سونپ دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انادائی نسواں کی لمبی چوڑی بخشوں اور جلسے جلوسوں کے باوجود مغربی عورت غلام ہے۔ پہلے اس پر صرف ایک مرد کا تسلط تھا۔ اب وہ ان گنت مردوں کیلئے تفریح اور عیش کا سامان پیدا کرتی ہے، کب معاش کے لئے آٹھ آٹھ گھنٹے کی سخت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرتی ہے، اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بدکرداری، بے راہ روی اور آوارگی کا کا ذریعہ بن رہی ہے۔

مغرب میں عورت کا مقتدر ذلت، رسوائی، عریانی اور بے چارگی سے عبارت ہے۔ ذرا جوانی کے قریب پہنچی کہ ہوس پرست مردوں کا فٹ بال بن جاتی ہے جو لٹی گزر جائے تو اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ نہ شوہر جو اس کی حفاظت اور دستگیری کرے نہ اولاد جو اسے آرام پہنچائے۔ اس کا احترام اس وقت تک کیا جاتا ہے جب تک وہ دوسروں کے دل بھلانے کا سامان کر سکے۔ بوڑھی عورتوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ حتیٰ کہ وہ بسوں اور ٹرینوں میں کھڑے ہو کر سفر کرتی ہیں اور ان کے لئے کوئی جوان مرد

اپنی جگہ چھوڑنے کے لئے رضا مند نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں عورتوں کا سہارا صرف محتاج مگر
 رہ جاتا ہے۔ جہاں انہیں تفریحات تہنائی کی جاتی ہیں مگر اس عمر میں ان
 لئے واحد خوشی یہ ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو دیکھ سکیں۔ مگر یہ بات ان کے لئے سولہاں
 رح ہے کہ جوان اولاد بات کرنا تو درکنار صورت دکھانے کی بھی روادار نہیں۔ اسی
 نا اذیت اور احساس تہنائی کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ موت کی منزل تک جا پہنچتی ہیں۔

منفی انتشار | مغرب میں فحش کتابیں، رسالے، فلمیں اور گھانے جس تیزی کے ساتھ
 لوگوں کو اخلاقی لحاظ سے پستی میں ڈھکیل رہے ہیں اس کا اندازہ اس امر سے
 کیا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے نظریات کس طرح تبدیل ہو رہے ہیں۔ جو باتیں اور کام کچھ
 پہلے تک سخت میسج سمجھے جاتے تھے وہ آج عین ترقی اور تہذیب و شائستگی کی
 امت بن گئے ہیں۔ ماحول میں منفی انتشار اس حد تک رچ بس گیا ہے کہ معصوم بچے بھی
 اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ برطانوی مؤرخ آر نلڈ ٹائن بی نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے یہ

"ہماری غیر عقلی معاشرانہ بے صبری جس تیزی کے ساتھ رواں ہے اس نے ہمارے
 بچوں کی تعلیم کیفیت میں ایک طوفان پا کر رکھا ہے۔ ہم اس تیزی کے ساتھ انہیں بڑا
 کرنے کی کوششوں میں معروف ہیں گویا وہ چوڑے ہیں اور ان کے اندوں کو مشینوں
 کے ذریعے قبل از وقت سیاہ چکا ہے۔ انتہا تو یہ ہے کہ ہم انہیں جنسی بوفت کے دہ
 سے پہلے ہی جسمانی حظ سے آشنا کرنے پرتے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے
 بچوں کو اس جسمانی حق سے محروم کر رہے ہیں جس کے تحت انہیں بچپن یا روپن کے زمانے
 سے مستفید ہونا چاہیئے۔"

بچوں میں منفی ہیجانات پیدا ہونے کے نتائج یہ نکلے ہیں کہ صرف وٹنگٹن کے علاقے
 میں ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک کے درمیانی عرصے میں تقریباً دو سو لڑکیاں جن کی عمریں چودہ
 سال سے زیادہ نہ تھیں، شادی کے بغیر بیاہن چکی ہیں۔ جبکہ ایک برس کی مدت میں آٹھ ہزار
 کی چار سو لڑکیوں نے ماں بننے سے پہلے اپنے بچوں سے نہات حاصل کر لی۔ ان لڑکیوں کو
 عمریں ۱۴ سال یا اس سے کم تھیں۔ ایک سماجی کارکن نے انکشاف کیا کہ ان میں سے ایک ٹال

صرف ۹ سال کی تھی جبکہ اس کا بواسٹے فرنیڈ ۴ برس کا تھا۔

بچوں میں جنسی سرگرمیوں کی کثرت کے باوجود قانون کی نظر میں انہیں مجرم سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں واشنگٹن کی سٹی کونسل میں طویل بحث آرائی کے بعد یہ اصول مرتب کیا گیا ہے کہ اگر سولہ سال سے کم عمر کے بچے اپنی باہمی رضا مندی سے اپنے ہم عمروں کے ساتھ جنسی مشاغل میں مصروف پائے گئے تو انہیں مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔

بچوں کا یہ حال صرف امریکہ میں ہی نہیں بلکہ دیگر مغربی ممالک میں بھی یہی صورتحال ہے۔

برطانیہ میں ۱۶ سال سے کم عمر کی غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

سرکاری طور پر اسکولوں کی بچیوں کو متوقع ناجائز اولاد سے نجات دلانے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد چار ہزار تھی۔ اگلے برس باقاعدہ ناجائز پیدائش کا تناسب

بڑھ گیا۔ برطانیہ کے دفتر برائے مردم شماری اور سرورے کے مطابق ۱۹۸۰ء میں زیر تعلیم

لڑکیوں کے ۸۱۰۴ بچوں کی پیدائش متوقع تھی۔ ۴۴ فیصد نے بچے پیدا کئے تھے۔

کچھ عرصے پہلے تک یہ حالت تھی کہ اسکول کی کسی لڑکی کے متعلق یہ افواہ بھی اڑ جاتی

کہ وہ ماں بننے والی ہے تو اس کو اسکول چھوڑنا پڑتا تھا۔ مگر اب سماجی روایات اور

نظریات کی تبدیلی کی وجہ سے ناجائز ولادت کوئی مسئلہ نہیں رہی۔ برطانیہ میں بیس برس سے

کم عمر لڑکیوں سے پیدا ہونے والے ۵۴ فیصد بچے ناجائز ہوتے ہیں۔ غیر شادی کے پیدا

ہونے والے بچوں کی تعداد سالانہ ایک لاکھ ہے۔

درجنیہ کے ایک اسکول کے پرنسپل نے اپنے اسکول کی حاملہ طالبات کے متعلق کہا

کہ ان معصوم لڑکیوں کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کتنی بڑی مصیبت مول رہی ہیں، اوجیب

وہ مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں تو پھر معاشرے کا فرض ہے کہ ان کی معاونت کرے۔ اس

معاشرت اور حوصلہ افزائی کے نتیجے میں ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

ایلین گٹ میجر انسٹیٹیوٹ نے ایک جائزے کے بعد بتایا کہ امریکہ کے ہائی اسکول

کی ہر درس میں سے چار لڑکیاں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ ان لڑکیوں سے نرم سلوک کا ایک سبب

بتایا جائے کہ یہ ناجائز کار ہوئی ہیں اور محکمہ سے محفوظ رہنے کے لئے مناسب تدابیر پر عمل نہیں کرتی ہیں۔
اس اپنے انٹری میں ان کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ناجائز بچوں کی تعداد جائز بچوں سے برصغریٰ جا رہی ہے۔
امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں ۱۹۸۰ء میں جن جن بچے پیدا ہوئے ان میں سے ۵۸ فیصد ناجائز
تھے۔ ان کی ماؤں میں ۲۰ فی صد ترو سال سے کم عمر تھیں۔

یہ حال بچوں کا تھا۔ بڑوں میں ذہنی اور اخلاقی دیوالیہ پن انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ امریکہ میں ہندو
لاکھ سے زائد جرمن شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کی عمر
۲۵ سال سے کم ہے۔

برطانیہ میں شادی کے بغیر مردوں کے ساتھ رہنے کا رجحان ۲۵ فی صد ہو گیا ہے۔ اس وقت
سائے تین لاکھ کے قریب جوڑے شادی کے گھنٹھ میں پڑے بغیر میاں بیوی میں ہے۔ برطانیہ میں
یہ سوال عام ہو گیا ہے کہ کیا شادی ضروری ہے؟ ظاہر ہے کہ جب دونوں صنفوں کو اپنی خواہش نفس
کی تسکین کے ذرائع نہایت آرام سے مل جاتے ہیں تو انہیں باہر شادی بیاہ کے بکر میں الجھنے کی کیا
ضرورت ہے۔ اسکاٹلینڈ، نیوین ممالک (ڈنمارک، سویڈن، ناروے اور آئرلینڈ) میں بھی شادی کو
فرسودہ رسم سمجھنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ یہ لوگ آزاد محبت (

ہیں۔ جب تک نیچے اکٹھے رہتے ہیں اور جب گذر نہ ہو سکے تو علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ فلاحی ریاست
ہونے کی وجہ سے بچوں کی پرورش حکومت کے ذمے ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں والدین کو پریشان
نہیں ہونا پڑتا اور وہ اپنی آزاد محبت کو کوئی نیا ساتھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ برازیل میں بھی یہی صورتحال
ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق وہاں ناجائز بچوں کی تعداد پچاس لاکھ کے قریب ہے۔

طلاق اور تفریق | ترقی یافتہ ممالک میں طلاق اور تفریق کے واقعات بہت بڑھ گئے ہیں۔
صرف برطانیہ میں گزشتہ ۲۰ برس کے مقابلے میں طلاق کے واقعات میں چھ
فیصد اضافہ ہوا ہے اور اگر یہی رجحان رہا تو آئندہ پانچ برس میں اتنی فیصد میاں بیوی کو طلاق ہوگی
ہوگی۔ وہاں ہر ۲ میں سے دو شادیاں طلاق پختہ ہوتی ہیں۔ ایک معاشرے میں جہاں مرد اور عورت
دونوں اپنا کاتے اور کھاتے ہیں، عورت کو کوئی نئے ایک مرد کے ساتھ بندھے رہنے پر آمادہ نہیں

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۷ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

کرتی مغربی ممالک میں طلاق ایسی ایسی باتوں پر لی جاتی ہے جنہیں سن کر روتا ہوا آدمی ہنس پڑے۔ کچھ عرصہ پہلے تلی پالنے کے مسئلے پر طلاق ہوئی۔ شوہر کو تلی پالنے کا حقوق تھا، بیوی کو نفرت تھی، معاملہ عدالت تک جا پہنچا اور تفریق ہو گئی۔ شوہر نے کہا: بیویاں تو بہت ہیں مگر اس نسل کی تلی بلنا دشوار ہے۔ لہذا میں بیوی کو طلاق دے سکتا ہوں، تلی کو نہیں!

طلاق کا ایک اہم سبب خواتین کی معاشی خود مختاری ہے۔ ڈاکٹر سڈنی لیکر کا کہنا ہے: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر شادی شدہ عورت اپنے شوہر سے زیادہ کمائی ہے تو وہ احساس برتری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ادیدہ احساس برتری شوہر سے ان کی کاباحت بن جاتا ہے۔ پھر لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور دائمی کون فادرت ہو جاتا ہے یہ۔

امریکہ کے مردم شماری کے یوکر کے مطابق جو خواتین کلیدی عہدوں پر فائز ہیں ان میں طلاق کا رجحان دوسری عورتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ مثلاً جو خواتین افسرین اور پچاس ہزار ڈالر سالانہ سے زیادہ کماتی ہیں ان میں طلاق یافتہ عورتوں کی تعداد دوسری عورتوں کے مقابلے میں چار گنا ہے۔ جبکہ ۲۵ ہزار ڈالر سالانہ کمانے والی عورتوں میں طلاق یافتہ عورتیں دوسری عورتوں کے مقابلے میں دو گنی ہیں۔ باہرین نفسیات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جو خواتین دفاتر میں اہم فیصلے کرتی ہیں انہیں دوسروں پر حکم چلانے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ چپتی ہیں کہ جب وہ معقول مشاہرہ لے رہی ہیں تو انہیں شوہر کے سہارے کی کیا ضرورت ہے۔ ان خیالات نے طلاق اور علیحدگی کے رجحان میں اضافہ کر دیا ہے۔

جبرائلم مغربی ممالک میں معاشرتی اور قانونی نظام کے نقصان نے برنوع کے جرائم کے فروغ میں مدد دی ہے۔ برطانیہ کے مختلف علاقوں میں رہنے والی ہر ساٹھ عورتوں

میں سے چالیس سمجھتی ہیں کہ اب باعزت طور پر زندہ رہنا دشوار ہو چکا ہے۔ غریب انتخاب کے بعد گھر سے نکلنا غیر محفوظ ہے۔ لیکن بہت سی خواتین کو بامجبوری یہ خطہ مول لینا پڑتا ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کا نشانہ وہ افراد زیادہ بنتے ہیں جو شراب پی کر سڑکوں پر گھومتے ہیں۔

ایک مضمون میں تفصیل آئی ہے کہ جب کسی اسکول سے لڑکیوں کی چھٹی ہوتی ہے تو پولیس کی پارٹیاں کاروں میں گشت کرتی ہیں اور فضلے سے سیلی کا پڑ دور دور تک نگاہ رکھتا ہے اور پولیس

سے رابطہ رکھتا ہے تاکہ جہاں کہیں اغوا کا کوئی واقعہ ہو، مجرم کو فوراً گھیر لیا جائے۔ ان تمام اختلاطات نے باد صفر و زمانہ سو سے دوسو تک جبری اغوا کی وارداتیں ہو جاتی ہیں۔

بے راہ روی مغربی معاشرے میں نہ ناکاری کی کثرت نے تمدن کی بڑھ لاٹ دی ہے اور خانہ دلی نظام کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وہاں عورت کا واحد مقصد حیات یہ بات رہ گیا ہے کہ

روں کے سامنے اپنے آپ کو زربادہ سے زیادہ پرکشش بنا کر پیش کرے۔ مغرب میں جو بات زندگی پسند ہوتی ہے وہ عورت کا فیشن بن جاتی ہے عورت انتہائی مختصر لباس میں ہوتی ہے اور اس کے ساتھ مرد پورے کپڑوں میں لبوس ملے گا۔ پھر یہ نظر کرنے کی خواہش میں فائدہ نشی کا جنون بھی بڑھ رہا ہے۔ عورت کو اپنی غذا اور خوراک تک پر حق حاصل نہیں رہا ہے جسمانی حسن کا جو معیار ماہرین نے مقرر کر دیا ہے، ہر عورت اس پر پورا اترنے کے لئے، وزن گھٹانے، درد شیں کئے اور خودکام میں کمی کرنے پر تہمتی رہتی ہے۔ برطانیہ میں خواتین کے دس میگڈین اسی موضوع پر شائع ہوتے ہیں کہ دلا اور چھریا بننے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں گے۔

امراض خبیثہ ترقی یافتہ ممالک میں فحاشی اور عریانی کی شدت کا ایک لازمی نتیجہ امراض خبیثہ کی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ آج سے تیس چالیس برس پہلے امریکہ کی

قریب قریب ۹۰ فیصد آبادی ان امراض سے متاثر تھی۔ وہاں کے سرکاری ہسپتالوں میں ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ آج کا یہ نیل سانس کی ترقی اور طبی معلومات کی کثرت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء میں صرف واشنگٹن کے علاقے میں ۱۴ سال اور اس سے کم عمر کے تقریباً ایک لاکھ بچوں کو خطرناک جنسی بیماریوں میں مبتلا پایا گیا اور ان کا علاج کیا گیا۔ جبکہ بڑی عمر کے لوگوں میں یہ اوسط اس سے چھ گنا زیادہ تھا۔ یہ

احتجاج مغربی ممالک میں برصغری اور چینی ہوئی بے حیائی سے خود اہل مغرب کے اہل نظر عاجز آ گئے ہیں۔ عظیم زنیورٹی کے پرفیمینر گلشن کہتے ہیں :

"ہم نے، بلکہ سامنے مغربی ممالک نے عورتوں کو آزاد کر کے جس قدر اخلاقی، تمدنی اور

سیاسی غلطی کی ہے، شاید اس قدر شدید اور فاش غلطی کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری عورتیں قومی اور ملکی اقص خدمات انجام دینے کے بجائے گھر کی

تنگ و تاریک چار دیواری میں رہیں اور خانہ داری کے امور انجام دیتیں۔“

۲۹ مارچ ۱۹۴۳ء کو برطانیہ کے ایک شہر ٹونگم میں پچاس ہزار افراد نے ناجائز بچوں اور اسقاطِ حمل کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ اس شہر میں صرف ۱۹۴۲ء میں ۱۵۹۲۵۰ ناجائز بچے پیدا ہوئے تھے۔ یہ ۱۹۴۳ء میں دس لاکھ بیویوں نے شکاگو میں اس صدی کا سب سے بڑا جلوس نکالا۔ ان کے ہاتھوں میں کئی لاکھ کتبے تھے جن پر لکھا تھا

’مذہب کی طرف واپس چلو‘

تبصرہ | یونان، روم، عرب، ایران اور ہندوستان کی تہذیبوں میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب صنعتی جذبات کو بے لگام چھوڑا گیا تو نتیجہ سلطنت کی تباہی کی شکل میں برآمد ہوا۔ آج مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں اس سے زیادہ برے حالات ہیں لیکن وہ پھر بھی ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ کیوں؟ اس کی دو وجوہات ہیں :

اول: یہ کہ مغرب کے قصرِ عظمت کو جس چیز نے سہارا دیا ہوا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے۔ دوسرے حیاتی کی دیکھ اس کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔

دوم: یہ کہ ترقی اور ترقی کے مطابق ہمارے نظریات بدل گئے ہیں، جس چیز کو ہم ترقی سمجھ رہے ہیں وہ بدترین زوال ہے۔ اخلاقی دیوالیہ پن کے ساتھ ترقی ناممکن ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مغرب جہاں ایک طرف مادی بلندی کی سمت رواں دواں ہے تو دوسری طرف اخلاقی زوال کی جانب بھی بڑھ رہا ہے۔ اور اس کی عظمت کا مثل اب کوئی دن کا جہان ہے۔ جوہری ہتھیاروں کی طاقت، ایک مضبوط اخلاقی نظریے کے بغیر اپنی خودکشی کے سوا کسی کام نہیں آسکتی۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط تمدن کے لئے ستم قاتل ہے۔ ڈاکٹر جے۔ ڈی۔ آٹون نے لکھا ہے :

”جنس اور تہذیب میں گہرا تعلق ہے۔ جذبہ جنس پر قابو پانے کے بعد انسان میں ایک خاص توانائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے معاشرہ کے کسی بلند منصب اہلین کی تکمیل کا کام لیا جاسکتا

۱۔ بحوالہ ”دورِ جدید کے مائیکسرفٹے“

۲۔ ”سیری آخری کتاب“ از غلام جیلانی برقی

۳۔

ہے جو لوگ میاشی میں پڑ جاتے ہیں ان کی توانائی اتنی کم ہوجاتی ہے کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ
سراجام نہیں دے سکتے یہ

لہذا ہمارا فرض ہے کہ مغرب سے وہ چیزیں جو اس کی ترقی کا سبب ہے یعنی علوم و
فنون اور قوتِ عمل، مگر وہ شے نہ لیں جو اسے زوال اور پستی کی طرف لئے جا رہی ہے مغرب
کی مادی ترقی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کا اخلاقی نظام بھی درست اور قابلِ اتباع ہے۔
بقول شاعر مشرق :-

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے نہ قصِ دخترانی بے حجاب
نے نہ سحرِ احزانِ لالہ دوست!
نے نہ زریاںِ ساقِ دے از قطعِ موت!
عکس اورانہ از لادینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افروغ از علم و فن است
از ہمیں آنکس چراغش روشن است

ترجمہ : مغرب کی قوت کا راز نہ تو چنگ و رباب میں ہے نہ بے پردہ بیٹیوں کے
قص میں نہ گلِ ردسا حروں کے سحر میں، نہ عریاں پنڈلیوں اور بال تراستے میں،
انکے استحکام اور مضبوطی کا انحصار نہ تو لادینی نظامِ زندگی پر ہے اور نہ روغنِ دمِ لاطین کے
فروغ پر۔ افروغی کی قوت تمام کی تمام علم و فن کی بدولت ہے۔ یہی وہ آگ ہے جس سے
ان کا چراغ روشن ہے۔

اسلام اور عورت

ہم دیکھ چکے ہیں کہ دورِ قدیم میں عورت کو نہایت پست درجے کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ عصرِ جاہلیہ
میں عورت کو ہر معاملے میں آزادی دی گئی ہے لیکن اس کے جوتباہ کن نتائج برآمد ہو رہے ہیں وہ
اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ آزادی غیر فطری ہے۔ ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر

لے سیکس اینڈ کلچر ڈاکٹر جے ڈی آؤن

راہ عمل کیا ہے؟ رابطہ مستقیم کون سا ہے؟ اسلام — پہلا اور آخری دین ہے۔ وہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے کے لئے واضح، غیر مبہم اور مکمل ہدایات دیتا ہے۔ یہ دین فطرت ہے۔ لہذا اس کا ہر حکم فطرت کے عین مطابق اور اس کا ہر ضابطہ فطرت سے ہم آہنگی رکھتا ہے جو عورت کا معاشرے میں کیا مقام ہو؟ مرد کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہو؟ اسے کیا کیا حقوق حاصل؟ اور کون کون سے فرائض اس کے ذمے ہوں؟ ان تمام سوالوں کے تفصیلی جوابات قرآن حکیم اور کونے رسول میں دے دیئے گئے ہیں اور جو مسلمان ہیں، انہیں چاہیئے کہ ان احکامات کے سامنے سرباطِ غم نہ کریں۔

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دے دیں تو پھر اسے اس معاملے میں خود بھی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ مریدِ گمراہ میں پڑ گیا۔“ (اعزاب ۳۶)

اسلام میں عورت کی حیثیت کو سمجھنے کے لئے چند اساسی اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ جہاں تک اخلاقی اور بنیادی مساوات (۱) مرد و زن کے درمیان اخلاقی مساوات کا تعلق ہے، اسلام نے مرد اور عورت کو برابر قرار دیا ہے۔ جس طرح مرد پیدا ہوتا ہے، اسی طرح عورت بھی پیدا ہوتی ہے۔ دونوں نسل انسانی کے افراد ہیں اور انسان ہونے کے ناطے ایک جیسی عزت کے مستحق ہیں:

”لوگو! اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو۔ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے“

(نساء - ۱)

اسلام میں عورت کا الگ اخلاقی اور دینی تشخص ہے۔ اس کا دین اس کے شوہر یا باپ تابع نہیں بلکہ وہ اپنے اعمال کے لئے خود جواب دہ ہے۔

”اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہودہ مومن تو ایسے ہی لوگ بنت میں جائیں گے اور ان کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔“ (نساء ۱۲۴)

”میں تم سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو انصاف کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو۔“ (آل عمران - ۱۹۵)

یہ بتانے کے لئے کہ عورت کا جہاد اخلاقی تشخص ہے، سورہ تھوم میں چار عورتوں کی مثالیں دی گئی ہیں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں، جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور انبیاء کی رحمت میں ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ فرعون کی بیوی جن کا شوہر بدترین دشمن خدا تھا مگر وہ عموماً نہایت خدا پرست اور خدا ترس عورت تھیں۔ حضرت مریم جن کی خود اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی۔ اب بھی کسی کو مرد و زن کے درمیان نیکی کے سلسلے میں مساوات میں کوئی شبہ ہو تو یہ آیت ملاحظہ ہو۔

”بے شک جو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں ایمان لانے والے اور ایمان لانے والیاں ہیں، صلیح فرمان ہیں، راست باز ہیں، صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں، اللہ کے سامنے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں، صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں، عذہ رکھنے والے اور عذہ رکھنے والیاں ہیں اور انڈیشہ کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں ہیں اور اللہ کو کفر سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں۔“ (احزاب - ۳۵)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اور جتنے اخلاقی اوصاف مردوں میں ہو سکتے ہیں، وہی عورتوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اخلاقی زاویہ نگاہ سے مرد اور عورت میں کابل مساوات ہے۔

(۲) قانونی مساوات نہیں ہے | مرد و زن کے درمیان اس اعتبار سے تو قانونی برابری ہے کہ دونوں کے جان و مال کو مساوی قیمت حاصل ہے اور جس طرح مرد کی جان اور مال کی حفاظت حکومت کا فرض ہے، اسی طرح عورت کی جان اور مال کا تحفظ بھی قانون کی ذمہ داری ہے۔ لیکن دو اہم معاملات ایسے ہیں جن میں مرد کو عورت پر تفوق دیا گیا ہے۔ یعنی قانون وراثت اور قانون شہادت !!

قانون وراثت

اسلام کے قانون وراثت میں عورتوں کا حق مردوں سے آدھا رکھا گیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے۔ ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ

دو۔ (نساء - ۱۱)

اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصہ نصف ہے۔ کیا یہ نا انصافی ہوئی؟ نہیں یہ

عین انصاف ہے۔ کیونکہ :

(الف) مرد پر اس کے بیوی بچوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(ج) عورت پر کسی کی 'حشی' کہ خود اس کی اپنی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی گئی۔ عورت کی کفالت باپ اور شوہر کے ذمے ہے۔ اس کو بہر اور نفقہ کے حقوق بھی حاصل ہیں جن سے مرد محروم ہے۔ فرض کیجئے ایک مرد کو وراثت میں کہیں سے دس ہزار اور عورت کو پانچ ہزار روپے ملے ہیں۔ مرد کے دس ہزار اس کے بیوی بچوں اور دیگر زیر کفالت افراد پر تقسیم ہو جائیں گے۔ لیکن عورت پر چونکہ کسی کی ذمہ داری نہیں لہذا وہ اپنے پانچ ہزار کی اکیلی حقدار ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگرچہ مرد کو عورت سے دو گنا حصہ ملتا ہے مگر حقیقتاً عورت فائدہ نہیں رہتی ہے۔

قانون شہادت

اسلامی نظام عدل و تعزیرات میں گواہی اور شہادت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے عورت کا قانون شہادت میں کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-
”اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کر دو تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری

اسے یاد دلا دے“ (بقرہ - ۲۸۲)

اس آیت مبارکہ میں ایک مرد کی گواہی کو دو عورتوں کی گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ عام تعزیرات کا ہے۔ حدود و قصاص کے نفاذ کے لئے عورتوں کی گواہی کافی نہیں، مردوں کی شہادت چاہیے۔ تاہم ایسے معاملات میں محض عورت کی گواہی بھی بہتر تسلیم کی جائے گی جن تک مردوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت کے مقابلے میں نصف اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ عورت اپنے فطری جذبات، رجم، عروت، نرم مزاجی، نیک نفسی اور سادہ دلی کے باعث کسی ایسے مقدمہ میں تنہا شاہد بننے کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی جس میں ملزم کو موت یا ایسی ہرے کوئی سخت سزا دی جا سکتی ہو۔ اس آیت کے الفاظ سے یہ امر بھی سامنے آتا ہے کہ عورتوں کو بھول چوک اور لیاں لاجی ہونے کا امکان مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کم از کم دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے تاکہ اگر ایک اپنے بیان میں واقعہ کا کوئی پہلو فراموش کرے

نشر القرآن کی نئی کیسٹ سیریز



ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

درس قرآن

کے ۳۰ کیسٹس سی 60 T-D-K جاپانی
کیسٹ پر ریکارڈ کروائے گئے ہیں جس کی قیمت
-/۷۵ روپے ہے۔ لاہور سے باہر ہاتھس
پذیر خواہش مند حضرات ۷۰/- روپے پذیر خواہش
ڈرافٹ / منی آرڈر نشر القرآن کے نام درج ذیل
پتہ پر بھیجا کر کیسٹس حاصل کر سکتے ہیں۔

نشر القرآن
تظیم اسلامی
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
کیسٹ سیریز

۸۵۲۶۱۱۱۱۱۱

طالبانِ علم قرآنِ سنّت کیلئے خوش خبری

ڈاکٹر اشرف

کے ڈھائی سو سے زائد کیسٹس سے درج ذیل طریقہ کار
کے مطابق استفادہ کر سکتے ہیں
طریقہ کار

- ۱ - ہر شخص کیسٹ لائبریری کا ممبر بن سکتا ہے۔
 - ۲ - ممبر شپ فیس دس روپے سالانہ ہوگی۔
 - ۳ - ہر اس شخص کو جو کیسٹوں کا اجراء کرنا چاہے - ۳۰ روپے فی کیسٹ کے حساب سے زر ضمانت جمع کروانے ہوں گے جو قابل واپسی ہوں گے۔
 - ۵ - جاری کئے گئے کیسٹس ہر صورت میں دس دن بعد واپس کرنے ہوں گے۔
 - ۶ - کیسٹ واپس نہ آنے کی صورت میں کیسٹ فروخت تصور کی جائے گی۔
 - ۷ - لاہور سے باہر رہائش پذیر ممبر ایک ماہ تک کیسٹس اپنے پاس رکھ سکیں گے نیز انہیں یہ ہولت بھی حاصل ہوگی کہ وہ ایک وقت میں دس کیسٹوں کا اجراء کر سکیں۔
 - ۸ - بیرون لاہور کیسٹ بھجوانے کے لئے ڈاک پیکنگ کا خرچ ممبر کے ذمہ ہوگا (ایک سے دس کیسٹس تک) خرچ - ۸ روپے، بذریعہ منی آرڈر زر ضمانت کے ہمراہ لہری کیسٹ لائبریری کے نام ارسال کرنا ہوگا۔
- نوٹ: خواہش مند حضرات خط لکھ کر کیسٹ کی فہرست طلب فرمائیں

الہدیٰ کیسٹ لائبریری: دفتر تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

مرکزی مخزن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ



سائنس کی روشنی

ڈاکٹر اسرار احمد
کی
ایک اہم تقریر جو اب کتابی شکل میں
شائع کی گئی ہے

صفحات — ۴۸

قیمت: ۳ روپے مرن

بنے کا پتہ

۳۶ کے ماڈل نمون لاہور

۸۵۲۶۱۱



ایگل
ایک عالمگیر قلم

خوشخط رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
ایڈیم پیڈ ٹب
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب



آزاد فرنیچر اینڈ فیکٹری

۷۷۵۰



”ملتِ سلامیہ کا المیہ“

آج یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اختلافات عروج پر ہیں، مگر وہوں کے درمیان علاقوں اور صوبوں کے درمیان، برادریوں اور فرقوں کے درمیان، تو اس کی سب سے اہم وجہ یہ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اس وقت تک اپنا کردار نہیں بناسکیں گے، جب تک ہم اپنے ہم عصر لوگوں کا کردار خراب نہ کر دیں۔ ہماری اس منفی سوچ نے اتفاق و اتحاد میں رخنوں کا لامتناہی سلسلہ دراز سے دراز تر کر دیا ہے اور ہم مجموعی حیثیت سے تعمیر کی بجائے تخریب کی راہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔

یہ صورت حال اس وقت اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے جب ہم اپنے مذہبی گردہوں کو ایک دوسرے کی تذلیل اور تحقیر کرتے دیکھتے ہیں۔ مذہبی فرقوں کی پس کشمکش اور چپقلش سے وہ گردہ انسانیت فائدہ اٹھا رہا ہے جو باطل کا حامی اور اسلام کا دشمن ہے اور وہ گردہ نقصان اٹھا رہا ہے جو حق پرست ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں کو دنیا میں عملاً قائم کرنے کا خواہشمند ہے۔ اسلام کے باغیوں اور کفر و الحاد کے پیروؤں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی نوجوان نسلوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں کہ اسلام، خدا اور رسول سب انسانی اختراع ہیں اور یہ مولویوں نے لوگوں کو بیوقوف بنایا ہوا ہے۔ پھر یہ کہ مولویوں کا اسلام ایک نہیں ہے تو اُسے نوجوانوں! تم کون سے اسلام کو اسلام کہتے ہو؟ اگر اسلام ایک دین ہوتا تو یہ مسجدیں علحدہ علحدہ کیوں ہوتیں اور یہ ایک فرقے کا دوسرے فرقے کے خلاف کیوں محاذ بناتا۔

بہر حال اسی قسم کی باتوں سے نوجوان نسل کو ادھر اسلام سے برگشتہ کیا جا رہا ہے، ادھر ہم اپنا اعتماد قائم کرنے کے لئے دوسروں کے اعتماد کو ختم کرنے پر، ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور موقع کس قدر نازک ہے۔ ہم کو اس کا ذرا احساس نہیں ہے۔ ہمارے مذہبی گردہ دین کے تقاضوں سے غافل ہو کر مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بونے اور حقارت کی کھیتیاں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

اس وقت کو جو اللہ تعالیٰ بحیثیت امت مسلمہ ہم کو دے ہوئے ہے غنیمت جانتے ہوئے ہم کو ایک ایسا نقطہ اشتراک دکا رہے جو ملتِ اسلامی کو امت واحدہ میں سمو دے اور کفر و الحاد کے مقابلے میں بنیان مرموم بنا دے۔ دینی جماعتوں میں یہ لبّہ دودی، حسد اور عداوت عام مسلمان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ ان کے درمیان کوئی

۱۔ اختلاف نہیں ہے جو انہیں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے سے روکتا ہو۔ ان تمام فرقوں بنیادیں قرآن، سنت، اجماع اور اجتہاد پر مبنی ہیں جو سب کے نزدیک معتبر اور مشترک ہیں۔ ان بزرگوں نے اس باب میں جو کچھ کیا ہے وہ اس قدر قیمتی سرمایہ ہے کہ خود ان کے برہوں کو اس کی خبر نہیں ہے تو آئیے ذرا اپنے ائمہ میں سب سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابتؒ ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ کے زمانہ میں چار صحابی باقیہ حیات تھے۔ بصرہ میں انس بن مالکؒ، کوفہ میں عبداللہ بن ابی ادنیٰؒ، مدینہ میں سہیل بن سعدؒ، مادی اڈہ میں ابوالفضل عامر بن واصلہؒ۔ ان کے ہزاروں شاگردوں میں سے دو بہت معروف و مشہور ہوئے۔ ایک امام محمدؒ اور دوسرے امام ابو یوسفؒ۔ دونوں نے بعض مسائل میں اپنے محترم استاد ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا لیکن نہ عقیدت مجرد ہوئی نہ محبت میں فرق آیا۔ نہ انہوں نے خود کو حنفی کہا اور نہ اس مسلک کی بنیاد ڈالی۔ وہ خود کوفہ میں اور صرف مسلمان کہتے تھے کیونکہ اللہ نے دین اسلام کو قبول کرنے والوں کا نام قرآن میں مسلم اور مومن رکھا ہے۔ ہم نے اللہ کے رکھے ہوئے ناموں پر قناعت نہ کرتے ہوئے خود کو حنفی مسلمان کہلانے پر فخر کیا، وہ ایسا کیوں کرتے اور کرتے تو خدا کی پناہ یہ تجاویز شمار ہوتا۔

دوسرے امام مالک بن انس بن مالکؒ ہیں۔ سنہ ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں سنہ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ آپ امام ابوحنیفہؒ (امام اعظم) سے عمر میں پندرہ سال چھوٹے ہیں۔ احادیث کی سب سے قدیم کتاب 'موطا'، آپ ہی کی مرتب کردہ ہے۔ ساٹھ سال کی محنت کے بعد دس ہزار احادیث نبویؐ ہر کسوٹی پر پرکھ کر منتخب کیں۔ آپ مدینۃ الرسولؐ کے استاد الحدیث تھے اور ساٹھ سال تک روایت حدیث میں مشغول رہے۔ آپ کے ہزاروں شاگردوں میں امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر لوگ گزرے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے نہ خود کو مالکی کہا اور نہ مالکی مسلک کی بنیاد ڈالی۔ بس اللہ کے دئے ہوئے نام مسلم اور مومن ہی میں سب سمجھ جانا اور اسی کو کافی سمجھا۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ مجھے تو حضرت امام مالکؒ سے زیادہ کوئی قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ان سے کوئی روایت ملے تو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لو۔ اس قدر عقیدت کے باوجود انہوں نے خود کو کبھی مالکی نہیں بنایا۔

تیسرے امام شافعیؒ بمقام غزہ سنہ ۲۰۵ھ میں تولد ہوئے اور سنہ ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں اور امام مالکؒ سے موطا کا دس لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ شافعیؒ کون کون تھے؟ میں تو جواب میں انہیں ملنے فرمایا کہ پیارے بیٹے! امام شافعیؒ دن کے آفتاب کی مانند ہیں اور گور کے حق میں وہ امن و عافیت کی طرح ہیں۔

دعوت ختم ہو جائے گا اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔“ پھر اسی طرح آج ہم اس خوشخبری کو بھی نظر انداز کر گزرے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے ارشاد فرمائی:

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں دوستی رکھتے تھے میری بزرگی کے واسطے۔ آج کے دن میں ان کو سائے میں رکھوں گا۔

یہ وہ دن ہے جس دن کوئی سایہ نہیں سوائے میرے سائے کے: یہ کیسی بدیقہی ہے کہ اللہ کی بے پناہ شفقتوں اور انعامات کی بارشوں کو ہم غفلتوں کے دبیر پردوں میں چھپائے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کے دین کو جگہ جگہ پامال ہوتے دیکھ رہے ہیں لیکن ہماری غیرت ایمانی بیدار نہیں ہوتی۔ آپس کی بحث و تکرار سے فرصت ملے تو سوچیں، کہ امت مسلمہ کیوں اور کس مقصد کے لئے وجود میں آئی، نبی پاک کا دنیا میں بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟ قرآن کریم کی کیا تعلیم تھی؟ اور اسے نبی پاک نے کس طرح قوی و عملی طریقہ پر انسانوں کے لئے رائج فرمایا؟ بس یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات پر ہماری دین و دنیا کی کامیابی کا انحصار ہے۔ (محمد صدیق خاں ۹۶/۴ - ڈرگ روڈ - کینٹ کراچی ۷۷)

ایل چہ لبو العجلیست؟

د گذشتہ سے پیوستہ ، از عبدالرحمان خاں ہمند

اور اب تکلف بر طرف ، قیام پاکستان کی اصلی اور حقیقی اسس کہ جسکی زبردست قوت از کے بغیر یہ نئی ریاست شاید کبھی معرض وجود میں نہ آتی اور جس سے بے رغبی و بے وفائی کے نتیجے میں خسارے اور جنگ ہنسائی کے سوانی الحقیقت ملک و قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ شہد میں ایک بار پھر قوم کی نیم مردہ رگوں میں زندگی کی انتہائی رقت و درگمی اور ملت پاکستان نے اجتماعی طور پر اپنے حقیقی مقاصد کی تحصیل کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ نتیجتاً دودر سیاہ کو اپنی بساطِ لطیفنا پڑی اور نئی روشنیوں کی جھلک دکھاتا ہوا دودر نور و روح ہوا۔ عزائم اس دور کے بانی کے بھی بڑے خوش کن اور اسامی نظریات و مقاصد سے ہم آہنگ تھے مگر کیا اس کا عمل ان ادبے عزائم کے متقاضی اقدامات سے کوئی لگا کھاتا ہے؟ یا اگر بیج بدلی ہے تو کیا اسکے لائڈی نتائج بھی سائے آئے ہیں؟ اس کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں وسیع نقطہ نظر سے معاملے کی تمام گروہیں کھولنا پڑیں گی اور پچھلے تقریباً چھ برس کی کارگزاری اور نتیجے کی سان پر چڑھنا پڑے گا تاکہ آئندہ کے لیے تحصیل خیر اور صلاحِ امت کے تقاضے پورے ہو سکیں!

لیکن یہاں ہم یہ امر واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصود شخصیت موضوع

میں کیڑے ڈالنا نہیں ہے اور نہ ہی اس کے کوئی منفی اثرات کسی بھی ذکی فہیم قاری کے ذہن پر ترسہم ہو سکتے ہیں بلکہ اصل نیت جرات کی تہدیں کا رد ہے، وہی اگر اس کے حقیقی غامضین پر واضح ہو جائے کہ ایک رجائیت پسند پر قیاس کر سکتا ہے کہ شاید تاریخ کا دھارا ایک بار پھر میسج رخ پر ڈالنے کی کوئی سنجیدہ کوشش مستقل عزم کیساتھ شروع کر دی جائے۔ بصورت دیگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جن قوموں کے لغوس ماطقہ غلط پگڑیوں پر سفر کریں، ان کی تقدیریں گہنا جایا کرتی ہیں اور یہ وہ تلخ سچائی ہے کہ جتنی جلدی اس سے اکتساب فکر کیا جائے گا، کاروانِ امت اتنی ہی جلد

سرداروں کی لعنت وغیرہ سے نکل کر عظمت پارینہ کی طرف گامزن ہو گا۔ !!

فی الاصل کسی بھی بڑے کام کے بحسن و خوبی تکمیل پذیر ہونے کے لیے چند بنیادی چیزوں کا ہونا ایک جزو لازم کی حیثیت رکھتا ہے ان میں اولین اور سب سے ضروری عنصر اس کام کے سببی برقی ہونے کا عمل یقین و ایمان ہے ایک ایسا ایمان جو کسی بھی درجے میں متزلزل نہ ہو۔ اور مخالف ہذا کا کوئی تیز ترین جھونکا بھی اسمیں لرزش پیدا نہ کر سکے اور جب یہ پہلی اینٹ بنیادیں مضبوطی سے بچھ جائے تو اس پر اگلے تعمیر مراحل طے کرنے کے لیے بہترین اخلاص، صحیح ترین ہنج پر اعلیٰ ترین منصوبہ بندی، بندہ حکم اور جہد مسلسل کا ہونا ناگزیر لوازمات میں شامل ہوتا ہے پھر ان ٹیل اساسی تقاضوں کے مترادف ایک اور عنصر بھی حصول مقاصد کے ضمن میں نہایت اہم رول ادا کرتا ہے اور وہ یہ کہ اس راہ کی مسافت میں رفیقانِ سفر بھی اپنے اندر مندرجہ بالا خوبیاں بدرجہ اتم رکھتے ہوں اور کسی بھی نازک مرحلے پر ٹانگ کھینچنے والے خیران کی بجائے متعین کردہ منزل کے یاق میں صائب الرائے صحاب کا تعاون حاصل ہو۔ علاوہ انہیں جب ایک بات حکم ہو جائے تو پھر بغیر کسی امتیاز و ذہنی تحفظ مکمل اطاعت کا جذبہ اپنی حسن ترین شکل میں کار فرما ہو!

چنانچہ ان دایمنا اصولوں کے مطابق کوئی بھی حکمران اگر نفاذ اسلام کی کوشش ملک میں کبھی کرتا تو یہ ممکن نہیں تھا کہ کامیابی کے دورِ اوس پہ وانا نہ ہوتے۔ کیوں کہ یہ بات توحی کی قدرت میں داخل ہے کہ اگر اس کے لیے کوئی سعی و جہد اس کی مطلوب ہنج پر، مطلوب کردار کیساتھ کی جائے تو کامرانی منطقی طور پر لازماً قدم چومتی ہے مگر افسوس کہ یہاں اقل تو بحیثیت نظام زندگی، اسلام کے فی زمانہ قابل عمل ہونے کے بارے میں یقین ہی نہیں تھا اور جب حکومت کی باگ دوڑ اللہ کے کسی ایسے بندے کے ہاتھ میں آئی جو اس کے قابل عمل اور تعاضل عمل پر یقین حکم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی تنقید کی نیت بھی فی الواقع رکھتا تھا تو بات یوں الٹ پڑی کہ کام نہ تو کسی مضبوط منصوبہ بندی کے تحت ہوا اور نہ ہی سلیقے و دھتک کا مشمول مطلوب نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا گیا اور یہ ماطقہ سر بگڑیاں ہے، اسے کیا کہیے۔

کہ انتہائی بنیادی اور اولین درجے کے اقدامات کیے بغیر ہی اسلام جیسے اعلیٰ و منزہ دین کو اہل ثب نافذ کرنے کی کوشش ناتمام کی گئی۔ ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کے لیے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روٹا اکٹھا کر کے یہ سمجھ لیا گیا کہ ہم نے جسے کو سیر سے پکڑ لیا ہے اور عقل

ماہر پھر جان رہ جاتی ہے کہ بغیر سے بیشتر مجوزہ جگہ پر پڑے ہوئے گندگی و غلافت کے ڈھیر
نے بھی ضروری نہیں سمجھے گئے۔

بدی اور خیانت کے سونے بند کیے بغیر اور حقیقی معنوں میں نفیث و تحقیق اور انصاف
ملکہ کی مراد مشنری کی عدم موجودگی میں جب جدو آؤ ڈینس نافذ کیا گیا تو یہ بات اس
ت ہی اظہارِ انکس بھی کہ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکے گی۔ پھر اقتصادی میدان میں مطلوبہ
ملاحات کے بغیر نظامِ زرّہ کی پوری افادیت کبھی نکھر کر سامنے نہیں آسکتی اور سماجی زندگی میں
عزت و وقار کی غلط قدروں نئے پن کی صورت آپ لوگوں میں حقیقی اسلامی شعور کیلئے اُٹا کر
کر سکتے ہیں، جہاں حال یہ ہو کہ جلد ذرائعِ ابلاغ بے جانی و تشدد کا آواز دہن کر رہے ہوں۔ ریڈیو
ٹی وی، فلم اور رسائی و جرائد پاکیزگی کی نفس اور اعلیٰ تعریٰ سوچ پیدا کرنے کی بجائے گندگی ذہن
در خیانت قلب پھیلانے کا "فرس" منصبی برسرِ عام ادا کر رہے ہوں۔ بازاروں میں کھلے عام
عورت کو "شو پیس" کے طور پر پیش کیا جاتا ہو کوئی اشتہار اس وقت تک مکمل نہ سمجھا جا رہا ہو کہ
بیب تک عورت کی جاذبیت و کشش کے سائے رنگ اس میں زیادہ سے زیادہ حد تک بھر
نہ دیے جائیں پھر جس ملک کے بعض بیٹھاؤں میں انتہائی قابلِ ملاحظہ پھر نہیں پورے دھڑلے کے ساتھ
دکھائی جاتی ہوں۔ جہاں بعض بد قماش جلبِ زر کی خاطر دی سی آر کے ذریعے لوگوں میں جرائم
بے غیرتی پھیلا رہے ہوں اور مختصر یہ کہ چاروں طرف سے حیا، ہنجری کا محول پیدا کرنے کی کوشش کی جا
رہی ہو، وہاں اگر آپ پوری قوتِ نافذہ رکھنے کے باوجود بھی ان چمکتی آنکھوں، اور خاموش و
بولتی زبانوں کی حقیقی بنیادوں پر اصلاح نہیں کرتے، بلکہ محض زبانا آؤ ڈینس نافذ کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں
کہ آپ نے دین کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے اور تنفیذِ اسلام کا ایک بڑا مرحلہ اخباری سطح کی
حد تک طے کر لیا ہے تو حالات و مقتضیات کے تناظر میں اگر کسی صاحبِ نظر کی رائے لی جائے
تو نرم ترین الفاظ میں صرف یہی کہا جاسکے گا کہ

سے دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے !

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ آپ جلتی ہوئی آگ پر رکے ہوئے پانی میں برف ڈالتے چلے جائیں۔
اور پھر جان ہوں کہ پانی ٹھنڈا کیوں نہیں ہوتا؟ جس ریاست کی پولیس کا یہ حال ہو کہ ظلم و جور کی
وہ کونسی منزل ہے کہ جہاں تک اس کی رسانی ممکن نہیں اور رشوت جیسی لعنت جس کی گھڑی میں
پر چمکی ہے، وہاں اگر اس ناسور کا بڑا آپریشن کیے بغیر حدود و تعزیرات کے نفاذ میں نفیث
و تحقیق کے لیے اس ادارے کو ہی دست و بازو بنایا جائے تو فضا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ
اسے اسلام کے نظامِ تعزیرات کو بدنام کرنے کی ایک لاشعوری کوشش نہیں سمجھا جائے گا؟
اس کے علاوہ جس معاشرے میں اقتصادی عدم توازن، اقدار کی حدوں کو بھلانگ چکا ہو
اور تمام ذرائعِ ابلاغ بلا واسطہ و بالواسطہ سوسائٹی کے غریب و امیر طبقوں کے مابین موجود وسیع
خلج کو نمایاں کرنے میں پیش پیش ہوں، وہاں اسلام سے متصادم بہ مغز مگر بظاہر معاشی سلطنت

کے علوار نظریات کو پاؤں پھیلانے سے کیے روکا جائے گا اور بدعنوانی کے بہتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنا کیسے ممکن ہوگا؟

پھر جس ملک کے اندر رہنے والی فلموں کی غالب اکثریت انتقام اور قتل و دہشت کے موضوعات پر مبنی ہو اور ویسی ویسی غیر از شعاردیں فلموں کے ذریعہ چوری، ڈاکہ اور قتل جیسے قبیح افعال کو دربار انداز میں پیش کیا جاتا ہو وہاں اگر چوری، ڈاکہ اور بربریت پر مبنی واردات قتل میں روز افزوں اضافہ ہو تو اس میں حیرانی کی چندال کوئی علامت نہیں پائی جاتی؛ اور پھر اگر بغیر کسی ابتدائی اصلاح اسی حالت میں حدود و دیگر شرعی سنزائیں نافذ کر دی جائیں تو دین اسلام کی حقیقی روح اور انصاف کے بین نقطہ نظر سے یہ کوئی خدمت اسلام نہیں ہوگی۔

بلکہ اس کا بالآخر نقیم موجودہ دور کے لیے اسلام کی فعالیت کے بارے میں تشکیک و ریب کے آثارات کے پھیلاؤ کی صورت ہی نکلے گا!

پھر جس مملکت میں ٹیکسوں کا ایک ایسا غیر منصفانہ نظام رائج ہو کہ دیانت دار لوگ بھی اسکی ضرروں سے بچنے کے لیے خود کو جھوٹ بولنے پر مجبور سمجھیں، دہلی سچائی کی عظمت کا نقش کیے ابر کے گما، ہمال سامان تعیش کی بے محابا درآمد کو ملکی ترقی اور معنوی چمک دمک کے لیے ضروری قرار دے دیا گیا ہو، جس سوسائٹی میں دنیوی عزت اور پاس ناموس کی ساری کی ساری اس دولت کی کثرت میں مرکوز ہو کر رہ گئی ہو اور اللہ کے بندوں کو تقویٰ و پرہیزگاری اور علم و فہم کی بجائے معیار زندگی اور سبکدوشی کے ترزدیں تو لا جاتا ہو وہاں اگر طرز زندگی بدلے بغیر اور اصلاح کے ٹھوس زمینوں پر قدم رکھنے سے پیشتر اسلام کا باہم نہایت مربوط ضابطہ حیات بغیر کسی ربط کے ٹکڑوں ٹکڑوں میں، نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے خاطر خواہ نتائج بھی نہیں نکل سکتے۔

در اصل نصب العین کے حصول کے لیے ایک واضح مہرحدہ دار اور قابل عمل منصوبہ بنایا جانا چاہیے تھا کیوں کہ اصلاح کی اولین منزل ایک ایسی فضا کا قیام ہوتا ہے جس میں بڑی اور گناہ کی طرف جانے والے راستے دشوار اور نیکی و بلند کرداری کی تحصیل میں آسانیاں و عزت کے سامان رکھ دیے جائیں، لوگوں کے سوچنے کا انداز ہی بدل دیا جائے اور اجتماعی طور پر تعمیر کے لیے وحدت فکر پیدا کی جائے۔ مگر ان بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے حکومت کو ہر جہتی سطح پر کوشش کرنا پڑتی ہے اور اس کوشش میں فعال ترین اور سہر وقت جو کسی درنگانی کار کا دار خود سربراہ مملکت اور کاتب تہم عمل کام شروعات سے پیشتر یہ ابتدائی سیج اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتا جب تک ذرائع ابلاغ و اشاعت میں ایسی انقلابی تبدیلیاں نہ کی جائیں کہ جو دباؤ اور ناروا کھٹ پیرا کیے بغیر معاشرے میں ایک صحت مند عمومی اخلاقی حالت کی تیاری کا باعث بن سکیں لہذا ہر ایک لائڈی ضرورت تھی کہ ایک ایسی مربوط و موثر پالیسی ڈیکلارڈ (DECLARED) کی جاتی کہ جس کے مکمل نفاذ کے بعد بے حیائی و دہشت اور سفلی ترغیبات کی اشاعت و پھیلاؤ کو زبردست تحدیدی قنات

کے ذریعے معدوم کر دیا جاتا اور بد اخلاق، اذولیدہ ذہن اور بُر خود غلط عناصر سے سختی کے ساتھ نئے
کا ایک حکم دیا تاکہ نظام قائم ہو جاتا!

تفصیلات و جزئیات سے گریز کرتے ہوئے اب ذیل میں ہم یہاں اس مجوزہ پالیسی کا
ایک اجمالی ڈھانچہ پیش کرتے ہیں کہ جس کا نفاذ پیش آمدہ حالات کے اندر کم از کم درجے میں ناگزیر
کی حیثیت رکھتا تھا اور جسے معاشرے کے انتہائی اخلاقی نگار کو آئیڈیل اسلامی ماحول میں تبدیل
کرنے کی خاطر ایک درمیانی واسطے کے طور پر اپنانے بغیر جارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حکومت
کی جانب سے نفاذ کی نیت حکم کے ساتھ اعلان کیا جاتا کہ۔

اولاً :- رومانس، انتقام و تشدد اور طبقاتی تعصب کے موضوع پر کوئی بھی فلم نہیں بنائی جاسکے گی۔
ثانیاً :- جرم و سزا اور پراسرار کہانیوں کے انکاس کو کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔
ثالثاً :- غیر ملکی فلمیں درآمد نہیں کی جائیں گی الا یہ کہ کسی خاص ٹیکنیکل یا اچھوتے موضوع پر بے
جانی سے بال کسی فلم کی نمائش حکومت کی خاص اجازت سے کی جائے۔

رابعاً :- کسی بھی اشتہاری فلم میں عورت برسرے سے نہیں لائی جاسکے گی۔
خامساً :- کسی بھی دستاویزی یا فوجی فلم میں کوئی عورت کسی بھی کردار میں غیر سارہ لباس میں پیش نہیں
کی جاسکتی اور مزید یہ کہ اوڑھنیاں (دوپٹے) اپنے صحیح ترین مصرف میں آ رہی ہوں۔
سادساً :- کسی بھی فلم میں شراب، جوا، رقص اور Rame کے سین نہیں دکھائے جاسکتے۔ نیز
کوئی بھی کردار اخلاق سے گریہ ہوئے بے حیا رویے کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

سابعاً :- کسی بھی فلم کا کوئی بھی فقرہ مضامین سے بالکل متضاد ہوگا بلکہ اس کے برعکس اس میں اسلامی
وہابی آثار اور مشرقی روایات کا رنگ مثبت طور پر چھلکتا ہونا چاہیے۔

ان مذکورہ بالا نو اہمی کے علاوہ صرف ایسی فلموں پر ہی ملک و ملت کا سر بایہ کنٹرول کرنے کی
اجازت ہوگی جن کا بنیادی مقصد لوگوں کو اپنے اسلاف کے صحیح کارناموں یا اعلیٰ کردار سے واقف
کرانا، تقویٰ و پرہیزگاری کی اہمیت دل چسپ کہانی کے ذریعے میں اجاگر کرنا اور دین و ملک کے
یہ جذبہ جہاد بیدار کرنا ہوگا یا پھر گھریلو و معاشرتی زندگی کے گونا گوں مسائل کے حوالے سے اسلامی
احکامات و شعائر کے بیان میں اعلیٰ اخلاقی رویوں کا درس ایک فرضی مگر حقیقی زندگی کے قریب
قرین قریب کی صورت، مختلف کرداروں کے طرز عمل کے ذریعے دینا ہوگا۔

ٹی۔ وی کے لیے یہی پالیسی حکومت کے براہ راست کنٹرول کے باعث زیادہ چابکدہ
کے ساتھ اپنائی جاسکتی تھی اور اس موثر ترین میڈیا کے ذریعے مثبت و تعمیری ماحول پیدا کرنے
کا کامیابی کے راستے اور کشادہ ہو جاتے۔ اسی طرح ریڈیو کو بھی راہ خاما اصل وضع کر کے دیئے جاسکے
تھے جن کی تعمیل کی صورت ”ڈراموں“ اور ”نغموں“ کی بجائے نئی نسل کے کانوں میں اسدی آواز
نقطہ نگاہ سے بہتر و مفید شہرینی گھولی جاسکتی تھی۔ پھر رسائل و جرائد کے ضمن میں اصلاح کی ابتلا
اور فلمی ستاروں کے سینیٹرز (SCENARISTS) پر مبنی تمام صحافت پر مکمل پابندی سے

کوئی رسالہ و اخبار دیکھ لائی کہانیاں، جرائم کی ترفیہ آمیز داستانیں اور فضیلت زدہ مواد شائع کرنے کا مجاز نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی دوکاندار اس نوع کا کھلی وغیر کھلی، قلمی یا تصویریں سامانِ فاسد بیچ سکتا۔

علاوہ ازیں بازاروں میں ”وطن افروز“ اشتہاری جلد ڈیا کسی دکان پر اور زبان کوئی غیر کسی بھی خالق کو کسی بھی حوالے سے *expose* نہ کر رہی ہو تو اور نہ ہی کوئی شخص ایسی وبہیسی بے چوہہ نعیموں کے ریکارڈز اور کیسٹ فروخت کرنے کا کاروبار چکا سکتا۔

مذکورہ بالا ہندسوں کے ساتھ قوم کو ایک نئے اور عظیم انقلابِ زندگی سے آہستہ آہستہ اور پہلو پہلو روشناس کرنا اور اس کی فی غلبہ عظمت و برتری کا نقشِ عام کے ذہنوں میں بڑی عمدگی کے ساتھ بٹھانا، جلد ذرائع ابلاغ و اشاعت کا مقصد قرار دیا جاتا۔ مزید برآں دین اسلام عیسیٰ نعمتِ عظمیٰ سے اکتسابِ فکر و عمل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حلاوتوں اور زندگی کے وسیع کینوس پر بکھرنے والے خوبصورت رنگوں کو مختلف دلکش طریقے ہائے تعلیم و تہذیب کے ذریعہ عام کے سامنے پیش کیا جاسکتا تھا جس سے ان کی آتشِ شوق بڑھتی اور ذہن ایک نئے طرزِ زندگی کو اپنانے کے لیے تیار ہو جاتے !

ابلاغِ عام کے ذریعے مجموعی اخلاقی حالت کی درستگی اور تیاریِ ذہن کے اس عمل کے ساتھ دوسرے معاشرتی لوگ سمجھنا اور ان کے صحیح علاج پر پوری توجہ دینا بھی ایک انتہائی ضروری امر تھا اور علاج کے اس مربوط پروگرام کا نقطہ آغاز شعبہ پولیس سے ہونا ایک لازمی تقاضا : یہ ہماری سوجھی بھئی رائے سے کہ چاہے کتنی ہی مراعات کیوں نہ دے دی جائیں اور جیکنگ کا انتظام کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔ موجودہ پولیس سے من حیث المجموع خیر کی توقع رکھنا ایک بہت فعل ہی ہو گا۔

وجہ یہ ہے کہ ایک بلے عرصہ کے غلط نظامِ کار کی بدولت ایسی عیسیٰ اس کے مزاج میں راسخ ہو چکی ہیں کہ اب دین کے نظامِ عمل کو نافذ کرنے کے لیے ایک بہت بڑے آپریشن کی ضرورت اور ایک نئی اٹھان کی احتیاج ناگزیر کے درجے میں داخل ہے۔

لہذا اسلام کے پورے کے پورے نظامِ عمل و قبضہ اور خاص طور پر شرعی حدود کے نفاذ سے قبل ضروری تحقیقی و تفتیش کے لیے انتہائی مناسب و موزوں تعداد پر مشتمل دس کا اپنا الگ کیڈر سسٹم ہو، ایک نئی پولیس باڈی تیار کی جاتی اس نئی باڈی کے تمام کیڈرز کے لیے تعلیمی شعور و دینی فہم اور اخلاقی کردار کا معیار سخت کرنا رکھا جاتا اور اس کے چناؤ کو مختلف مرحلہ وار باریک چیلنجز میں سے گزار کر پور کیا جاتا نیز اس میں ذہین اور اعلیٰ خاندانی افراد کی کشش کے لیے باعزت و پردہ دار گزران پر مبنی تنخواہوں کا ایک الگ گریڈ سسٹم اپنایا جاتا۔ اور طمانیت بخش مراعات ہتیا کی جاتی !

پھر مخصوص اوصاف کی حامل منتخب کردہ اس نئی تنظیم کو قرآن و سنت کے مطلوبہ معیار و دائر میں رکھنے اور جرائم کی تحقیق و تفتیش کے لیے اعلیٰ درجے کی فنی ہنرمت پیدا کرنے کی

اہم خاص طور پر وضع کی گئی ایک الگ ایڈی میں دو سال کی تربیت دی جاتی۔ اور اس
 مرحلہ ذہنی و جسمانی تربیتی مرحلہ سے گزرنے کے بعد افراد کامیاب نکلنے ان میں مومنانہ فکروں اور
 ایک نمایاں جھلک ضرور نظر آرہی ہوتی۔ اب اس مرحلہ پر دوسری طرف ایک ضرب کاری
 نکلنے کا موقع آجاتا۔ چنانچہ پہلے سے موجود ساری پولیس نفری میں سے آفیسر کلاس میں دو تہائی
 اور ماتحت کلاس میں نصف افراد کو پیش ہے کہ فارغ کر دیا جاتا دیکھو کہ فی الحقیقت
 اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور اس جبری ریٹائرڈ طبقے کے چاند کا کام نہایت دیا نندار،
 ملاجیت اور قابل اعتماد وسیع مشینری سے لیا جاتا ان میں جن سے کم جرم سرزد ہوئے ہوتے
 انہیں کم سزا ملتی مگر جن کا اعمال نامہ بالکل سیاہ ہوتا انہیں ایک کھلی عبرت بنا دیا جاتا تاکہ بعد میں
 آنے والوں کے لیے وہ ایک ذہنی تازیانے کا باعث بنے رہیں۔ پھر موجود نفری میں آنے والی
 اس کمی کو نئی تیار شدہ پولیس سے پُر کر دیتے اور پھیلی ہڈی میں سے بیج رہنے والوں کو بھی
 ایک سال کے اندر، چھ ماہ کی نئی تربیتی بھٹی میں سے گزار کر من حیث المجموع نئی تنظیم کی
 رہی سہی آلائش بھی دور کر دی جاتی۔ اور ساتھ ہی ان کے لیے بھی نئی تنخواہ و مراعات کا
 نظام اپنا کر ساری پولیس میں یکساں پیڈ کر دی جاتی۔ اور یوں تین سال کے اس عرصہ میں پولیس کا
 کام ایک ایسا نیا اور مضبوط ڈھانچہ بکھرا ہوا جاتا کہ جس کی ضمانت، اعلیٰ اخلاق و کردار اور صلاحیت کا
 پُرکمل اعتماد کیا جاسکے۔

اس کے بعد اگر اس نئی تشکیل شدہ پولیس میں سے کوئی ذرا سا بھی راہِ راست سے
 ہٹتا تو پریش و تعزیر کا بے رحم کوڑا اس پر فوراً برستا۔ تاکہ شریعت کے سارے نہام عدل کو
 نافذ کرنے کے لیے اس بنیادی امدادی شعبے کی تمام جوڑوں پر امداد بجالا رہے۔ اب جہاں
 تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ان اضافی اخراجات کا بوجھ کس طرح اٹھایا جاتا تو جواباً عرض ہے کہ
 انہی تین سالوں میں نظام اسلام کی تیاری کی ہم کسی ایک شعبے تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے
 تھی۔ بلکہ اقتصادی و صنعتی میدان میں اگر باغِ نظری اور کسی حرف سے دباؤ میں آئے بغیر وسیع تر
 قومی مفاد میں راست و منصفانہ فیصلے کیے جاتے اور بدعنوانی و بددیانتی کے گندے نالے
 سخت مارشل لا، ریگولیشنز کے مثالی اطلاق سے بند کر دیئے جاتے۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے
 ہمارا قومی بجٹ جس کا انداز تقریباً تیس فیصد قوم کے اجتماعی مفاد کی بجائے انفرادی و گروہی
 مفادات کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے، میں اتنی گنجائش ضرور نکلتی کہ نئے مگر انتہائی ضروری
 اخراجات کی کفالت ہو سکے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ اللہ کے دین
 کے احیاء کے لیے نیک نیتی کے ساتھ کیا جانے والا کام اپنے اسباب و وسائل خود ہی پیدا کر لیتا
 یہاں ہم تیاری کے
 انہی تین سالوں میں بعض دوسرے اقدامات کے ذریعے بھی قوم کا مزاج سطحی رُخ سے
 اعلیٰ و تعمیری رُخ پر ڈالا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ اس عرصہ کے لیے اخلاقی جرائم، ظلم و تعدی

کی مختلف نوعیتوں اور ملاقاتیئت کی جملہ کردہ صورتوں کو مارشل لار کے سمیت مضامین کی بجلی میں ہر مہینہ حد تک پسینے کا کام جاری رہتا۔ تاکہ ملک میں امن و امان کی ایک خوشگوار فضا پیدا ہو اور جرائم پیشہ و دیدہ دلیر لوگوں کی طنائیں کسی جا سکیں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ اور بنیادی حرکات کے خاتمے کی غرض سے گھروں سے باہر نکلنے والی عورتوں پر شرعی ساتر لباس اور چادر کا استعمال لازمی کر دیا جاتا۔ ایک زبردست ہم کے ذریعے سنگٹنگ کی بیج گئی کردی جاتی اور اس پر چیکنگ کا ایک مضبوط نظام برقرار رکھا جاتا۔ مکانات کی تعمیر میں رقبہ دارائی میٹرنگ کے استعمال میں چند ضروری قدریں لگا دی جاتیں۔ ہر قسم کے غیر ضروری سامان قبض کی آمد پر سخت پابندیاں عائد کر دی جاتیں اور تمام ضروری مصنوعات اپنے ملک کے اندر ہی تیار کرنے کی تحکیم بنیادیں رکھ دی جاتیں۔

پھر جدید دنیا اور اپنے دین کے اساسی نظریات کے جملہ تعانوں کے ساتھ مطابقت رکھا ہوا نیا نسبیتی ڈھانچہ ایسی PREPARATION PERIOD میں کھڑا کیا جاسکتا تھا۔ نئے نظام میں درکار ”حدود“ کے سلسلے میں بالخصوص اور دوسرے امور میں بالعموم اسلامی فقہ کے اعتبار سے نئے قوانین کی تدوین کے علاوہ ماہرین اور قاضی حضرات تیار کیے جاسکتے تھے۔ دفعہ میں پبلک لاز میں اکثریتی مسلک اور پرائیویٹ لاز میں انفرادی مسلک کے اطلاق کا اصول ایک محکم روش کے طور پر اپنایا جاتا۔

حکومت فرقہ بندی میں انتہائی حکمت و مؤثر قوت کے ساتھ قابل ذکر حد تک کمی کر سکتی تھی اور قوم کو منتشر گردہوں سے بہت واحدہ کی شکل (جس حد تک محبت مند غلو پر ممکن ہے دینے کا آغاز ہو جاتا۔ پھر شریک کے سوتے خشک کرنے میں مختلف النوعا مددگار اقدامات کے ذریعہ کامیابی حاصل کی جاسکتی تھی سود کے خاتمے اور زکوٰۃ کے نفاذ کے لیے بہترین پالیسی کی مدد و تزیین و تشکیک کی جاسکتی تھی۔ جو روکری کی تربیت نو کے ذریعہ انتظام مملکت کی بنیاد ایٹ بھی درست زاویے پر رکھی جاسکتی تھی۔ اس کے علاوہ وفاقی نقطہ نظر سے فوجی سطح پر بالخصوص اور قومی سطح پر بالعموم ذہن و عمل میں ایک انقلاب برپا کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ تین سال کے اس انتہائی فوج و محنت طلب ’مہم درگ‘ کے نتیجے میں حقیقت یہ ہے کہ ایک صاحب غریمت و باصلاحیت حکمران کے لیے یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ بنیادی وابستہ نیازی اس کم از کم سطح پر ضرور ہو جاتی کہ پھر ہم اس عبیدہ و ترقی یافتہ قدر میں اسلام کے روشن و مکمل ضابطہ حیات کو بغیر کسی ذہنی تحفظ، بچکھاہٹ، احساس کتری اور اندرونی و بیرونی سطح پر مختلف پریشیز کی بردہ کیے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنی نیک نیتی و محبت کے بیروہ پر چڑھی قوت تاثر کیساتھ متعارف کروا سکا اگر ایسے ہو جاتا تو اس مختلف جذبہ کے نتائج اس قدر اثر انگیز نکلتے کہ اندلیں حاکمہ شاید ہم ان کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ تاہم ایک لمبی استراحت کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی زندگی نامہ کے حوالے سے ایک نئی گروتھ یعنی اور اس مہتری قدر کی نبرد کہ چاہتی کہ جس کے اثر

میں نہ جانے کتنی نہیں اس ہفتہ پہتی سے معدوم ہوئیں اور سنت اللہ اور قوانین فطرت کے حکم وائل تجربہ کی روشنی میں یہ بات طبعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ پھر ہمارے ہر قدم و نبوی علاج اور اخوی سرخوئی کی جانب ہی اٹھنا زمین اپنے خزانے اٹھنا شروع کرتی اور آسمان سے فضل برستا — اور مختصر یہ کہ طویل تاریخی کوتاہیوں کا قرض ملت اسلام اس دود میں اس سرزمین پر چکانے کا آغاز کر دیتی! مگر وائے نصیب کشتک و شبہ سے بالاتر اخلاص اور بلند عزائم رکھنے کے باوجود حقیقی تحصیل کامیابی کی کوئی ٹھوس منزل بھی ملے نہیں کی جاسکی اور حصول مقاصد کی طرف جانے والے راستوں میں پائی جانے والی ساری کساری خلیجیں ابھی تک پائے جانے کے لیے کسی مرد قلندر کے نعرہ مساد کی منتظر ہیں اب تو امید کا پھال ہی اس رستے ہوئے زخم کا مرہم بن سکتا ہے۔

وَرَطَب كَوْشٍ وَمَدَدُ دَامِنٍ أَمِيدُ زَدِ دَسْتِ

دوستے ہست کہ یابی سر راہے گا ہے

رفقار تنظیم کے لئے ایک خوش کن خبر!

امیر تنظیم اسلامی - ڈاکٹر اسرار احمد اپنے درس میں اکثر شیخ الہند کے ترجمے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی کا حوالہ دیتے ہیں - اور لگاہے لگاہے رفقار کو اس کے مطالعے کی تلقین بھی کرتے ہیں -

رفقار کی سہولت کے لئے ادارے نے، قرآن کے وہ نسخے جن میں شیخ الہند کا ترجمہ اور علامہ عثمانی کے حواشی شامل ہیں، ایک محدود تعداد میں منگوائے ہیں - کراچی میں یہ نسخہ ۱۰ روپے سے زائد قیمت پر دستیاب ہے جبکہ قارئین میثاق کے لئے یہ نسخہ ۹۰ روپے میں ہدیہ کیا جائے گا۔ (علاوہ محصول ڈاک)

آفٹ کاغذ، عمدہ طباعت اور پلاسٹک کا جزدان اس نسخے کی اہم خصوصیات ہیں - (میثاق کے پتے پر حاصل کیجئے،

چارشہر ○ پانچ دن

(امیر تنظیم اسلامی کے جہلم تائبوں کے دوے کی اجمالی رپورٹ)

یہ بات اب کوئی نئی اور غیر معمولی نہیں بلکہ آئے دن کا معمول ہے کہ امیر محترم ڈاکٹر امجد صاحب، انڈرون اور بیرون ملک دعوت الی اللہ، دعوت رجوع الی القرآن کے داعی کی حیثیت سے لوگوں کی طلب اور پیاس بجانے کے لئے اکثر و بیشتر دورہ پر جاتے رہتے ہیں اور اب ان کا لاہور میں قیام نسبتاً کم ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک پانچ روزہ دعوتی سفر پانچ ہی مقامات (جہلم، اسلام آباد، راولپنڈی، ٹیکسلا اور بٹولہ) کے لئے ۵ فروری ۸۴ء کی دوپہر سے شروع ہو کر ۹ فروری کی شام کو مکمل ہوا۔

ابتدائی دور و روزگ امیر محترم کے یمن و یسار کی حیثیت صرف بھائی کاکف سید صاحب اور بھائی سعید اسعد صاحب کو حاصل رہی اور تیسرے دن سے (۷ فروری تا ۹ فروری) راقم الحروف کو بھی امیر محترم کی رفاقت میں آئی۔

۵ فروری: ۵ فروری کو پاکستان ٹویکیو کمیٹی، نزد جہلم، افسر ڈکانوئی میں ایک مخصوص اجتماع سے امیر محترم کا خطاب تھا۔ جس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی تھی، واضح رہے کہ ہمارے لاہور کے ایک تنظیمی رفیق محترم جو لاہور کی کسی فرم میں A.C. کا کورس مکمل کر رہے ہیں، مذکورہ کمیٹی میں سالانہ *Annual* کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ (خبر بات ہے کہ کسی بھی دینی و اصولی فکر و نظر کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اقلًا تو اپنے حلقے کی زندگی میں عملی روپ دھارے اور برسرِ طبعی طور پر اپنے اطراف و جوانب کو متاثر کرے گا یا عمل کے ساتھ ساتھ اصلاح و دعوت کا بھی مرحلہ آئے گا۔ اور ایک مرد مومن "الدين الصليحي" کے پیش نظر انفرادی عمل و دعوت کے ذریعے نصیح و غیر غوی کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہے۔ یہ اصولی و انقلابی تنظیم کا خاصہ ہے کہ اس کے افراد اور رفقاء میں بندہ یکجہ اور انقلابی عمل محسوس بھی ہوا اور ظہورِ پندیر بھی ہو۔ ورنہ وہ ایک انجمن یا ادارہ تو ہو سکتا ہے لیکن وہ اصولی و انقلابی تنظیم کے ذمے میں نہیں آتی۔

الحمد للہ! بعض ایسے واقعات بھی ہیں جو اصلاح ذات کے ساتھ ساتھ مجرد وقت و مجرد فکر و جذبہ رکھتے ہیں۔ فکری و عملی جذبہ سے سرشار ہو کر پانچ روزہ دعوتی اور ذاتی تشفی کے لیے اجتماعی، اصولی اور انقلابی تشفی کے طلب و ارباب بن جاتے ہیں۔ پھر وہ جہاں کہیں بھی ہوں خواہ سفر یا حضر، دن و رات، آرام ہو یا بے آرامی، اپنے مشن کو نہیں بھولتے، ان کے نزدیک وقت کا صحیح مصرف و مجہد استعمال، افراد اور معاشرہ کی اصلاح اور انقلاب ہوتا ہے۔ موصوف نے توضیح کچھ اور قلم سے ذکر و ادائی کے ساتھ اصل اور حقیقی ذکر و ادائی کو نبھایا اور محکمہ تک لوگوں تک دین کی بات چیلانی اور پہنچانی، انہی کی مخلصانہ کوشش کا ثمر ہے کہ مسئلہ لوگ امیر محترم کو بانی دین کے صحیح اور جامع تصور کو بانٹا نہ سن سکے۔ اللہ ہم سب کو ملنا بیشہ قدمی کی توفیق بخئے۔

جموں و کشمیر تنظیم اسلامی سے یہ توقع ہے جہاں ہوگی کہ وہ خاص رضامندی اور اخروی احساس مسئولیت کے پیش نظر اپنی ذکر و ادائی اور وفاداریاں اعلان بھر پوری کرنے کی کوشش کریں گے اور ہر رفیق اپنی جگہ پر فکر و نظر، علم و عمل اور تبلیغ و دعوت کا روشن مینارِ نعت ہرگا۔ آمین یا رب العالمین!

۱۶ فروری: ہر روزی بعد نماز عشاء اسلام آباد کی ٹی سنٹر میں امیر محترم نے سورۃ تغابن کا درس قرآن مجید دیا۔ ایمانیات محاذ اور ایمان کے ثمرات کو وضاحت سے بیان فرمایا۔ درس تقریباً تین گھنٹے جاری رہا۔

دانشج رہے کہ اسلام آباد کی ٹی سنٹر میں امیر محترم اگر پاکستان میں موجود ہوں تو براہ کرم پہلے یہ کہہ کر کافی عرصہ سے باہر گئے ہیں۔ اس دفعہ باوجود سخت سردی و بارش کے کیونٹی سنٹر کا فرش ایل پورا کچھا کچھ بھر گیا تھا۔ اللہ ہمارا قوم کو توفیق دے کہ وہ شوقِ امتناع سے آگے بڑھ کر شوقِ علی کی بھی محسوس کر ڈالیں۔ درز خدشہ ہے کہ نقل و جمود اللہ کے حضور۔

۱۷ فروری بروز منگل: راقم الحروف آج صبح ہیجے راولپنڈی پہنچا اور بقیہ پر دیگر کاموں میں امیر محترم کا شریک سفر محض رہا۔ ۹ بجے صبح کے بعد سے ایک بجے دوپہر تک کا وقت اسلام آباد میں گزرا۔ راقم الحروف نے جہانی حافظہ کاف سید صاحب کی صحبت میں یہ وقت شاد و فیصل مسجد اور اس سے ملحقہ جامعہ اسلام آباد کو دیکھنے اور پچھنے میں گزارا۔

ایک بجے کے بعد سے ملا سب تک کا وقت امیر محترم نے محرم جناب اکرم واسطی صاحب کی راضی گاہ، جو ان کے اسکول سے ملحق ہے میں گزارا۔ اس دوران راولپنڈی و اسلام آباد کے امیر محترم اور شکار گاہ اور سیکے سے آئے ہوئے وہاں کے ارادے ملاقاتوں کے علاوہ تعلیم کے فائدہ کی امیر محترم کے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی جس میں دوسرے نوجوان رفقاء جو ملی کالج میں زیر تعلیم ہیں بیعت کر کے تعلیم میں شامل ہوئے۔ اس موقع پر واسطی صاحب کی پرنٹنگ اور خصوصی ضیافت و مروت کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ اس خصوصی نشست کے باوجود مزید ایک روزہ امیر محترم کے ساتھ خصوصی نشست کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں وقت بھی کھلا ہوا تھا۔ یہی پوری ذہنی تیاری کے ساتھ اس کا بعد پورا فائدہ اٹھائیں، غالباً ہمارے کو اس کا انعقاد ہوگا، امید ہے کہ رفقاء جمعی کے کرتا رہیں گے۔

اس اجتماع کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ تعلیم صاحب جن کا تعلق دیر سے ہے اللہ خدا کتابت کے ذریعے تعلیم میں شامل ہونے تھے، وہ پہلے سے امیر محترم کے مقرر تھے آج انہوں نے امیر محترم کے اقتدار واسطی صاحب کے گھر میں بیعت کی اور ان کے ہونے جذبات اور رقت قلبی کے ساتھ مزاحمت اور ذاتی جیسے ہر جگہ کرنے کے ساتھ ہی اللہ ساتھ ہی امیر محترم سے تعلیمی رحمت جو وہ خود بخود بعد کیسٹ و تعلیمی لڑ پڑے کے بچے ہیں بصورت درس قرآن و خطاب آگے پہنچنے کی اجازت مانگی جاتی تھی۔

بعد نماز سب تک کا وقت راقم الحروف نے ایک انجیرنگ یونیورسٹی کی جانب رہاں و دہلی جوا جبکہ سب سے قبل آٹھ دس مقامی رفقاء و تعلیم، کتبہ و کتبس سرزد کی رہی ہے کہ ٹیکسٹ اور داند ہو گئے تھے۔

انتہا میں کرتا جوں کر ایکسٹ انجیرنگ یونیورسٹی میں امیر محترم کے خطاب کے پروگرام کے سلسلے میں اگرچہ وہاں کی اسلامی جمیہ طلباء کی خواہش کا زیادہ تر عمل دخل ہے لیکن اس سلسلہ میں فیصلہ کی کردار جہانی سید احمد صاحب کا ہے جنہوں نے مذکورہ یونیورسٹی سے سولی انجیرنگ میں ۵۔۵ کیسے اور ادب و تعلیم اسلامی میں شامل ہیں اس سے پہلے اسلامی جمیہ طلبہ سے شائع تھے۔ موصوف امیر محترم کے دو چکر شہنشاہ جہاں ہیں یعنی امامان اور گئے تھے۔ اور ایک تیسرا رشتہ بھی ہے جو ہمارے نزدیک سب سے اہم تیری ہے وہ یہ کہ ان کی ونگری اور ملی اعتبار سے فہم و فہم کے ہمارے رفیق سفر ہیں۔ سید احمد صاحب لاہور سے تھیں اور تھیں سے وہیں لاہور تک اپنے گاڑی سیت امیر محترم کے رفیق سفر ہے اور جہانی کاف سید صاحب کے تعاون سے ہفت روزہ ڈیڑھ گنگ کی خدمات انجام دی ہیں اس اعتبار سے بھرپور ان کا شکریہ ادا کرنا انشاء اللہ واجب ہے۔

جملہ کی جہاز کی گاڑی انٹرنیٹ کے احاطہ میں، انبال دلی پہنچی، جہاں پہلے سے موجود یونین کے زیر اہتمام متاع: باری سماء طلبہ نے امیر محترم کی آمد پر پرجوش اور جذباتی تحریروں سے استقبال کرتے ہوئے خوش آمدید کہا اور لاڈلوں سے بھرپور جہان گری کی آمدنی ملان کی اگرچہ انٹرنیٹ میں پہنچنے سے قبل راولپنڈی میں ہبہ کے باہر کشتہ کی اور تاک مسودہ حال کاظم ہو گیا تھا اور شہر سے بھی اس کے قریب تھے، مگر ہاں تا کہ وہ گنڈہ کو بھر لے وہ خطاب کے دوران ذکر کوئی تاؤ ٹھکانا اور ہمارے ساتھ آیا اور یہی ہرگز کی انتظار

کی سب کیفیت، بلکہ اس پر سے دوسرے میں جملہ طلبہ اپنے استاد کو ورنہ پیل صاحب سمیت پر سکون اور ہر حق مقتدر ہے۔ امیر عزم نے جملہ امور انتصاب کے معاملہ پر بروہو گفتگو فرمائی، جس پر پرنسپل صاحب کے علاوہ طلبہ کا بھی کیا اور تھا کہ ایسے خصوصیات میں سے جو ملاوٹ سے اس قبل یہاں انہما غیاں کیا مگر آج کا خطاب ان سب میں منظور اور مقلد و محقق تھا۔ اقبال ہاں کی طرف جملہ فرائض پر جو کچھ میں مگر اچھے سے لے کر جملہ اطراف و جانب طلبہ سے بھر گئے۔ جیسے بھی جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھے یا کوشش کر کے شوق اسرار پر ماکتہ ہے۔ الشکالی ہم سب میں بھی جذبہ و شوق ملی پیدا فرمائے۔ آمین

۱۱۔ ایچے فادرغ ہوئے تو فتنہا میں جس نے کھانے کا بندوبست بھی کر دکھاتا، اس سے قبل پہنچے پر بھی انہوں نے چائے وغیرہ سے ہلکا قرضہ کی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مجلس ماحول کو جزا دے اور یہ سب اللہ ہی پر بخش و جزا پر گزار دے۔ لگ بھگ بارہ بجے رات کو کھانا بنے ہیں اور اصرار کیا اور ہم منزل مقصود پر تلی کی جانب رہاں وہاں وہاں ہو گئے۔ پشاور سے جاتے جاتے ہم نے تین بجے رات کو کوٹھ کی حدود میں داخل ہوئے تو آگے اپنے کوٹھ کے متعلق میرزا خان کا کڑھو علیہ اللہ صاحب کو اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ سلا خنجر لایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کوٹھ شہر میں رات کو گھروں سے ادا نہ نکلا نظر سے غالی نہیں ہے۔ چونکہ بعض قبا ئی لوٹ مار اور اخلاقی دار و اوقاف میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی کیفیت بتوں شہر جا کر بھی معلوم ہوئی کہ پیسے بڑھنے کی خاطر مالدار اور پڑاں شہر میں کوٹھ کے لئے قبا ئی افراد کو کسے لے جاتے ہیں۔ ۱۲۔ روضہ درسی جلد ۵: پارسہ میرزا خان عزم کا کڑھو علیہ اللہ صاحب ایک سیرت و کردار اور عمدہ اخلاق اور دینی جذبہ کے حامل شخص ہیں اس میں سے امیر عزم کی پہلے سے کوئی واقفیت نہیں ہے بلکہ تعارف محض ماہنامہ "بیان" کے توسط سے ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کوٹھ نے اپنے اقرباء اور عزیزین شہر کو اپنے یہاں امیر عزم کی آمد کی اطلاع اور ملاقات کی دعوت دی تو انہوں نے قبول ان کے "مصلیٰ بڑے" سے تھیر کیا۔ اگرچہ یہ بات حقیقت کی کلی قہر حضرات کو امیر عزم سے ملاقات کر کے قہر اور ملی سرت ہوئی۔ ہمارے میرزا خان عزم کے گھر سے متصل بڑی مسجد میں نمازیوں کے اصرار و تقاضے پر امیر عزم نے مسجد کی نماز کی امانت کی اور ہاتھ پر ہمارے ساتھ عزیزین شہر لے بھی شرکت کی اور دوبارہ عہدہ آنے کی رحمت دے کہ بعد از شقیقہ و اصرار وقت ملا۔ بغرض ملاقات آنے والے حضرات میں سے چند کے اسرار گرائے یہ میرزا شاکر بن صاحبزادہ صادق اللہ صاحب، جناب ڈپٹی ناظمی نور ثانی پرنسپل جناب محمود شوکت صاحب، جناب حاجی حلیف شاہ اور کوٹھ کی کشتہ کے دانش چرمین جناب مدف شاہ صاحب۔

۱۳۔ یکے بعد دیگرے جنوں شہر کے لئے روانہ ہوئے تو صاحب خاد جناب ڈاکٹر محمد علیہ اللہ صاحب کے ہمراہ چند دیگر افراد ہیں۔ دارا کہنے کے لئے کوٹھ شہر کے حدود سے باہر تک ہمارے ساتھ گئے (بجز انہم اللہ احسن الجزا)

کوٹھ سے صاف سچی سے قبل کوٹھ سے امیر عزم نے استاذ محترم مولانا الطاف الرحمن صاحب سے ٹیلیفون پر بات چیت کی اور یہ بات کوٹھ موجودگی اللہ تعالیٰ کی طرف روانگی کی اطلاع دی اس استاذ محترم نے فرمایا کہ ہم جنوں شہر سے باہر آپ کا انتظار کریں گے جب اس بڑے میل پہنچے تو جنوں شہر سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر پر پہنچے آئے تو ہم نے کالج میں کی موجودگی میں تھوڑا سا طلبہ کا ہجوم دیکھا جو مستعد تھے کہ کسی آنے والے کے منتظر معلوم ہو رہے تھے۔ جو یقیناً امیر عزم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی تھے مگر عجیب اتفاق کہ ہم جھٹکے کے ساتھ کہ بھی گھر کو ملا الطاف الرحمن صاحب کو ان میں ڈاکٹر کوٹھ کی جلی پر رہے۔ ایک دو میل پہنچ کر بڑے گھر سے آئے دس بارہ کلومیٹر پر تھیں ایک قافلہ مخالف سمت سے جاتے دیکھا اگمان تو نہیں بھی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے میرزا خان حضرت ہوں مگر ایک توبہ تیرہ کلومیٹر پہنچا ہوا تھا اللہ دوسرے یہ کہ متعدد انجمنیں یعنی پہلی کار میں استاذ محترم مولانا الطاف الرحمن موجود تھے۔ چاہے کسی دوسری کار میں آنا کہ اندر دیگر حضرات کو اتار دیا کہ ہم کوٹھ لگ گئے۔ اتنے میں کالج اسٹوڈنٹس سے ملے پیسے کچھ بھری ہوئی بس پہلا جیپا لے کر پلائی۔ ہر طرف سے سنا دہانی سنا دیوں سے فکر کمزور یہاں کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ عجیب ماحول اور قابل فراموش منظر تھا۔ چوبیس بجی انڈیا کی ہمتاں تھی مگر قربان ہاتھ پیڑ آخر الزمان اللہ ہی عربی علم اور ان کے لئے جوئے ہے دین اسلم کے کہ اچھا وقت

و غزوت وطنی و نفسی، الحوت و محبت اور دینی جذبات کے ملاپ سے پیدا ہے اہل جہانین سے غرض دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنی اسلامی اور دینی محبت و غرضوں کا احساس و یقین دلا دیا ہے، امیر عزم کا یہ استقبال محض دعوت و رجوع الی القرآن کے سچے دینی و خادم کی حیثیت سے ہوا ہے جس میں غرضوں کے علاوہ Gun firing، جو بھی ہے، سوزن شہر کے علاوہ طلباء کا جوش و خروش اور چٹائی جاذبہ روئی تھا، چر جائیکہ مجوزہ پروگرام (یعنی کالج میں امیر عزم کا خطاب) اپنی اصل صاحب کے اجازت و دست پر شروع ہو چکا تھا باوجود اس کے طلباء نے اپنی دینی حیثیت کا بھرپور مظاہرہ کیا، اس ہنگامہ خیز استقبال اور غرض احمد کے بعد استقبالی قطار میں یہ قافہ جوں جوں شہر کی طرف روانہ ہوا اور پھرے بانادوں سے گزر کر امیر عزم باہر ایسوسی ایشن کے احاطہ میں پہنچے راستے میں بڑی کے شہر لوں نے ہاتھ کے شانہوں اور آنکھوں کی چابک سے استقبال کیا۔

پروگرام کے مطابق ٹھیک گیارہ بجے دن امیر عزم کو بڑی باڑی میں پیش سے خطاب کرنا تھا مگر استقبال کی وجہ سے پورے گھنٹہ تاخیر ہو گئی، احاطہ عدالت میں ولاد اور سچ صاحبان نے غرض احمد کہا اور پھر سچے ہی کا دروائی کا آغاز ہو گیا۔ بارہ بجوایا کے بعد سوزن شہر کے مہمان کا بھائی اور غرض صاحبان کی دعوت پر باڑی میں تشریف آوری کا غرض احمد سے جذبات ایلانی کے ساتھ شہر کے ادا کیا اور امیر عزم کو دعوت خطاب دی، امیر عزم نے سچ صاحبان کے مناسب حال، اسلام اور پاکستان کے موضوع پر ۲۰ منٹ خطاب فرمایا، جس میں قیام پاکستان کے محرکات کا تجزیہ پیش کیا اور نظریاتی ملکیت کی سالمیت و بقا اور ہمارے لئے، لغز اسلام، کو منطقی استدلال سے ثابت کیا، خطاب کے بعد چند افراد نے سوالات بھی کئے جس کے امیر عزم نے جوابات دیئے، وقت کی کمی کے باعث یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔

اس کے بعد میں مہمان خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ اور میرزا باکی کاشف پر فیض طویل اقبال صاحب اور جلیق اقبال صاحب نے حاصل کیا۔ بنیادی طور پر ہمارے مریز زبان اور دعوت کنندہ استاد محترم حضرت مولانا الطاف الرحمن صاحب تھے جنہوں نے یہ ساما پروگرام جناب حضرت مولانا حامی محمد صاحب جالب اور دیگر ملاکرام کے تعاون سے ترتیب دیا تھا۔ اس موقع پر ہمارے طرف سے جلیق اقبال نے اس کا بغیر میں دلچسپی اور مخلصانہ شکر کے ساتھ تہنیتیں دیں۔ خصوصاً مولانا الطاف الرحمن صاحب جو اصل تو اپنے کسی ذاتی کام کے لئے گھر (بھائی) تشریف لے گئے تھے مگر محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ چند دن فاقہ غل کے بجائے اس پروگرام کی ذکر کر دیئے۔ فی الواقع انہوں نے جس عقیدہ اور تہذیب کا ثبوت دیا، اس سے محسوس ہوتا تھا کہ گویا وہ پھر کی تعلیم اسلامی کے رفیق اور کارکن ہیں۔

بحیثیت استاد قرآن اکیڈمی مولانا محترم کو جس قریب سے ادھر کھل کر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کا کھرا پن، دلوں کا اغلا، عبادت دہ کی اہم فوج و ذریعہ کا جذبہ، ان تہذیب و تقید ہے۔ اس حرم میں جہاں مولانا محترم نے علامہ علی ترمذی کی طرف سے اور محض کی معتدلاتہ تعمیر و تادیب سے ہمیں متاثر کیا ہے وہاں کھلے دل کے ساتھ اخلاقی و اخلاقی تعلیم و تہذیب سے ہمیں کام لیا ہے۔ مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بیچ اور کھلے ظرف کے ساتھ بات سنتے ہیں اور جرات و استقامت کے ساتھ استدلال و اشتہا کرتے ہیں۔ سچ بات کہتے ہیں اور مولانا سے بھی، حقیقت یہ ہے کہ اگر احساس مسئولیت کا جذبہ انسان کے جن میں کام لیا ہو تو نقب، ہیئت باطن اور مختلف ہونے قرعہ سے بات چل کر نکلتا ہے۔ دھڑیہ کہ وہ دھارے میں غلغلا محال ہے اور شہر مروجہ دہرہ، ہم کی کھانا کھانہ، انصاف، عظیمین کی شکر و حمد، جدہ کر ہی تو چنگ و دیب یا تہذیب صلیح و غلام

بڑی خدمت ہو گئی ہے۔
 باقی صلیب کی نسبت صاحب مرحوم کے حرم کی انکساریت کی دین کے ساتھ عملی و باطنی علامہ حنیف احمد علی کا واضح ثبوت ہے۔
 دیکھیں یہ نئی شہر کے ملاکرام کے ثبوت اور پھر غرض طویل کو دیکھ کر دل میں ان کے لئے حقیقت و احرام کے جذبات میں اضافہ ہوا۔
 احمد کے لئے اشد دعا ہے کہ وہ اپنے وفادار کے لئے طلباء، ماہرین، محبت اور شراک کا متحدہ کے جذبات کو دیکھ

ٹھکانے تاکہ ہماری اجتماعی وحدہ قوت اس کے دین کی نفرت اور اس کے اعدا کی مذمت میں صرف ہو۔ (امین)

دوہرہ کا کھانا پرفیسر صاحب کے ہاں کھایا اور رات کا کھانا اور قیام بھی انہی کے ہاں رہا جب کہ صبح کاشترے جناب بہاء الدین صاحب کے ہاں تھا۔ جس میں انہوں نے ملا کر ام، معززین شہر، علمبرداروں کے عزیزین اور کونسلر، حضرات کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ پرفیسر صاحب اور ان صاحب کے ہاں دعوت میں شریک ہو کر ہم نے سرحد کے مسلمانوں کی جہان نوازی اور چابک کا خوب مظاہرہ دیکھا۔ نماز ظہر کے بعد جامع مسجد میلاد انہی میں امیر محترم نے "عظمت قرآن" پر ایک گھنٹہ خطاب فرمایا۔ واضح رہے کہ اسی مسجد میں ہم دینی مدرسہ جس کے مہتمم جناب مولانا حضرت علی صاحب اور ناظم جناب مولانا حاجی محمد صاحب جانب ہیں، کیلئے امیر محترم نے مدرسہ خدمات و کارکنان کی سرگرمیوں کے اخراجات بھی جہانوں کے درجن میں ظہر کئے۔ اللہ تعالیٰ اس دینی مدرسہ کو دن دو گنی رات چوٹی ترقی عطا فرمادے۔ قبل اور بعد امیر محترم کی ملا کر ام کے ساتھ خصوصی نشست بھی ہوئی اور اسی طرح پرفیسر صاحب اور جناب صاحب کے مکان پر جہاں خبر سے پہلے تھے ملا کر ام دو گنیز معززین شہر کے ساتھ بھی بعد نماز مغرب تعارفی و مذاکراتی نشست رہی۔

بعد نماز وشاد امیر محترم نے جامع مسجد پانی بازار، جس کے خطیب داماد جناب حضرت مولانا حاجی محمد صاحب جانب ہیں، تقریباً پانچ گھنٹے "ہماری دینی ذمہ داریاں اور انقلاب کے مراحل" پر گفتگو فرمائی اور اسی مسجد میں پھر صبح کی نماز کے بعد سورہ اقل عمران میں آیات ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴ اور ۱۰۵ کا درس قرآن دیا اور اس کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

امیر محترم کو بڑی دوبارہ تعریف لانے کی دعوت ملا کہ ام، معززین شہر اور نوجوان طبقہ نے جلسہ اشتیاق و عقبت کے ساتھ جس پر امیر محترم نے امانتِ ظاہر کی، ان شاء اللہ، ماہ مارچ ۸ میں کوٹ اور بڑوں دونوں شہروں میں خطابات اور درس قرآن کیلئے امیر محترم تشریف لے جائیں گے۔

دوسری صبح کے درس قرآن اور نشست سے فارغ ہو کر ہم بڑوں سے امیر کی جانب ملازم سفر ہوئے، "واپسی پر مولانا کاظمی بیٹے بھی فریاد کار بڑوں سے ہو کر ایک سفر ہمارے ساتھ کیا۔ صبح نو بجے بڑوں سے روانہ ہوئے۔ دوہرہ کا کھانا نیاوالی میں امیر محترم کیلئے کالج کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد انور صاحب کے ہاں کھایا اور عصر کی نماز اور چائے گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل

ان پرنسپل اور اس طرح تقریباً ۹ بجے شب قرآن کی کئی میں سفر کا اختتام ہوا۔ مرتب: (حافظ) محمد رفیق

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین
فیہو قرآن کیسے ہی !!

گوجرانوالہ میں ایک دن

۲۳ فروری جمعرات کو میر تقی میر اسلامی جناب ڈاکٹر، سر احمد صاحب طلبہ کی دعوت پر گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں تشریف لائے۔ آپ کے لئے طلبہ اس طرح امنگ کر گئے کہ ڈیوٹی کے تنگ دھانی نمایاں ہو گئی جب ان میں تل وھرنے کو گوجرانوالہ کی سٹیج پر مینٹا شروع اس موقع پر اپنے گنگے گجھی ہوئی میز پر سے میز پرش اناکر خود ڈاکٹر صاحب نے سٹیج پر بچھا دیا۔

بعض وجوہات کی بنا پر چونکہ طلبہ میں ایک جھڑپیں اور اضطراب سا تھا اس لئے خدشہ تھا کہ کڑے خطاب سے پہلے اغصاب کے دور ان دس ہائی انڈسٹری خروہ ہادی کسے نہیں گئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی تقریر بڑوں کا خوف سے سکون و سکوت سے سنی گئی۔ پورا دن خروہ نہ کی بات سننے میں نوجوان نسل کا اشتیاق و انتہا کی بڑا خوش بے انداز اور امید افزا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا موضوع تھا "مدرسہ متقی مدرسہ علم و حکم بطور قائد انقلاب" آپ نے فرمایا حضور مسلم نے جس بے مثل و بی مثال انقلاب لکھنؤ دیا وہ ان چھ مراحل سے گزرا تھا: ۱۔ صبحی مگر ہم اسلامی انقلاب چاہتے ہیں تو ان مراحل سے گزرنے پر مجبور نہیں۔ اول تخلیع، سوم تربیت، چہارم جدوجہد و مصابہت، پنجم تقدم اور ششم تصادم۔ لیکن یہ اس طرح نہیں ہے کہ ایک مرحلہ سے گزر کر

نہا ہے۔ جس وقت کہ تمام مراحل مل جائیں،

کاٹے میں خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب قریب ہی واقع جامع مسجد شلائٹ ماڈن میں تشریف لے گئے۔ جہاں انہر کی نماز کے بعد ختم ہوئے۔ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اگرچہ آپ کی گوجرانوالہ آمد کی تشہیر نہ ہو سکی تھی اور ویسے بھی یہ ایک کاروباری دن۔

(Working day) تھا۔ لیکن پھر بھی سامعین کی کچی خاصی تعداد مسجد میں چشم برہہ تھی۔
ڈاکٹر صاحب نے معروف قرآنی آیت "وَلَئِنْ رُسُلُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ" کی بجائے "الَّذِينَ آمَنُوا كَفَرُوا بِكُمْ" دینے لگے۔ اس طرح کہ مفسرین اپنی تمام ہار کیوں، نزاکتوں اور رعنائیوں کے ساتھ عرب میں ارتعاج لگایا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی دعوت پیش فرمائی جس پر بہت سے حضرات نے بلیک کہا۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد 581/8
شیلائٹ ماڈن گوجرانوالہ میں دس سے زائد صاحب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تنظیم کے پرانے رفیق جناب شیخ عبداللطیف صاحب کی
مقامی تنظیم کا ناظم مقرر کیا گیا۔ ادریں گوجرانوالہ کا میاں دودھہ اختتام پذیر ہوا۔ گوجرانوالہ کے لوگ چورڈاکٹر صاحب کی جلد تشریف آوری
کی امید رکھتے ہیں۔

مرتب

حویلیے لکھا۔ ۲۶-۲۷ فروری ۱۹۸۲ء

مرتبہ: جلال الدین (رفیق تنظیم اسلامی)

۲۶ فروری کو صبح سو گیا۔ یہ بجے ہم بذریعہ کار حویلی کھاکے لئے روانہ ہوئے۔ اور تقریباً ۱۲ بجے حویلی پہنچے۔ کار سبیل
حویلی کے اڈان الہی پہنچی۔ جہاں چیرمین املا صاحب نے ایتھنٹک اسلامی ڈاکٹر امجد احمد کا استقبال کیا۔ چیرمین کے کھانے کا اہتمام
چیرمین صاحب نے اپنے اہل خانہ کیا تھا۔ اس کے بعد میں ریاست علی خان لودھی صاحب کی رہائش گاہ پہنچے گیا گیا۔ جہاں چارے تمام اہل خانہ
کیا گیا تھا۔ نماز فجر صحت ادا کرنے کے بعد تقریبی زیر آرام کیا۔ نماز عصر سانسے چار بجے جامع مسجد بتقیہ میں ادا کی۔ اس
کے بعد یہ تنظیم نے حویلی کے علاقے کلام، اساتذہ کرام، اخباری اخبار گان اور کلا حضرت سے مختصر خطاب کیا اور سوالات کے جواب دینے
پسلسلہ متروک جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کا وہ منتقل خطاب جس کے لئے انہیں حویلی آنے کی دعوت دی گئی تھی، چورنگو مشاء کے بعد تھا لہذا نماز متروک کے
بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنی قیام گاہ پر کچھ آرام کیا۔ رات کا کئی تاہی چیرمین صاحب کے اہل خانہ کھانے میں ملنا حضرت، کلا، دیگر متروک
شہر اور جیلے کے جوان خصوصی جناب میاں منظور احمد صاحب کو چیرمین ضلع کونسل اور کلا بھی شریک تھے۔ نماز عشاء جامع مسجد بتقیہ
میں ادا کرنے کے بعد چیرمین ماڈن ال کے بار جلسہ گاہ میں پہنچے گئے۔ یہاں خصوصی جناب منظور احمد کو صاحب نے ابتداء میں ڈاکٹر صاحب
کو خوش آمد کہا اور تعارفی کلمات کہے۔ بعد ازاں رات ۱۲ بجے سیرت اہل بیت پر ڈاکٹر صاحب کا منتقل خطاب شروع ہوا جو تقریباً
پہننے بارہ بجے تک جاری رہا۔ یہ ایک بحر پرورد تھا جس میں ایک اندازے کے مطابق ۳ ہزار مرد اور پانچ چھ سو سے زائد خواتین
شریک تھیں۔ جلسہ گاہ کے باہر تنظیم کی کتابیں کاشاں بھی لگایا گیا تھا۔

رات لودھی صاحب کھان قیام کیا اور صبح فجر کے بعد ایتھنٹک تنظیم جامع مسجد بتقیہ میں رہ کر قرآن پڑھا۔ اور ہادی
دینی دفتر دابولہ کو دفعات سے بیان فرمایا۔ بعد میں سوالیہ جواب کی نشست ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۲ بجے تک جاری رہا۔ اس موقع
پر ۲۹ افراد نے ایتھنٹک کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہی میں سے ایک صاحب کسان کا ناظم بنایا گیا۔ بعد ازاں لودھی صاحب
اں مزید دعا و افراد بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہو گئے۔ ہفت گئے بعد ڈاکٹر صاحب نے اجلاس نامی اجلاس ہونے کے
رہانہ ہو گئے۔ اس طرح حویلی کھاکہ ہاتھ لیکن جبریل پر وگرام اختتام کو پہنچا۔

امیر تنظیم کا دورہ پشاور

(۲۹ مئی ۱۹۸۷ء تا یکم مارچ ۱۹۸۷ء)

موجودہ پیمپ کے سال نے ماہ فروری میں ایک دن کا اضافہ کیا اور یہی اضافہ پشاور کے رفعاہ تنظیم کے لئے خصوصی طور پر ادارہ اہلیان پشاور کے لئے عمومی طور پر موجب خیر و بکثرت ثابت ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی ہے کہ رفعاہ تنظیم اسلامی کے اہلکار پر اور جناب حاجی عبدالرشید صاحب کی دعوت پر امیر محترم جناب اکرم سرمد صاحب اور قیوم تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب دورہ پشاور سے پریشاد و تشریف لائے۔

امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی سے جہلمہ کارا کوڑہ خٹک تشریف لائے جہاں پلانہوں نے مشہور عالم دین جناب مولانا علی صاحب سے ملاقات کی اور کچھ دیر قیام فرمایا۔ کوڑہ خٹک نوشہرہ سے چند میل دور ایک بہت بڑا قصبہ ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد یہاں پر مولانا عبدالغنی صاحب نے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جس کا شمار آج کل پاکستان کی تنظیم دینی درسگاہوں میں ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالغنی اور مولانا یحییٰ الحق صاحب سے ملاقات کے بعد امیر تنظیم اسلامی بعد دوپہر پشاور پہنچ گئے۔ اسی دوران قیوم تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب پہلے راستہ راولپنڈی سے پشاور تشریف لائے اور اپنی آمد کے فوراً بعد تنظیم کے قارئین نے انے جہاں تمام رفعاہ پیمپ سے موجود تھے اور تنظیمی امور کے بارے میں ایک اجتماع ہونا قرار پایا تھا۔ قیوم صاحب کے پہنچنے ہی اجماع کا ہوا۔ مجاہد مسلم صاحب نے تلاوت کی۔ اس کے بعد قیوم صاحب نے اجتماعات خصوصی و عمومی کی کیفیات اور دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات فرمائے اور چند ضروری ہدایات دیں۔ دفتر کی لاٹھری کے لئے کتب اور دوسرے مالی معاملات پر گفتگو ہوئی۔ جبکہ راقم نے فوراً حضور کی کار کوڑہ کی پیدائش پر کھڑے ہو کر تائی۔

اس اجتماع کے لئے ۱۷ مختلف نکات پیش کیے گئے، ایک بیحد اچھی بنیاد ملی تھی جنہیں صلاح الدین صاحب (امیر پشاور) نے قریب دار پڑھا اور ان نکات پر بات چیت ہوئی۔ اس موقع پر لاٹھری کی سیت لملال اور یشاق و حکمت قرآن و دیرہ کی تمام ٹائیس اور رجسٹر دیرہ قیوم صاحب کو دکھائے گئے۔

یہ اجتماع تنظیمی اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔ متعدد تنظیمی معاملات نمٹائے گئے اور دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں بھی قیوم صاحب نے تفصیلی ہدایات دیں۔

امیر محترم کا یہ مختصر دورہ بنیادی طور پر دو خطاب ہائے عام اور ایک سوال و جواب کی نشست پر مشتمل تھا۔ امیر محترم کا پہلا خطاب بعنوان "مسلمانوں کی دنیا و مافیاء میں راحت آباد نہ پشاور یونیورسٹی جو تقرر پایا تھا جس کے لئے حضرت مغرب لاوت مقص تھا۔ امیر محترم ٹھیک پونے پانچ بجے محرم بلکہ میر تشریف لے گئے۔ ان دنوں نذ کے بعد مولانا رام گل صاحب (بانی مدرسہ) نے امیر محترم کا بٹے چاک سے استقبال کیا اور آپ کو اور چھت پر لے گئے جہاں اجتماع ۱۷ اختتام کیا گیا تھا۔ امیر محترم نے سورتا لہجرات کی آیات ۱، ۲، ۵، ۱۵ اور ۱۷ دیا اور پھر ان آیات کی روشنی میں اسلام اور ایمان کے مابین فرق واضح کیا اور ایمان کے لوازمات کی تشریح فرمائی۔ امیر محترم کا یہ خطاب سوا گھنٹے پر مشتمل تھا جسے تقریباً پانچ سو مائیں نے سنا جن میں کثرت یونیورسٹی کے طلباء پر مشتمل تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا راحت گل صاحب نے چائے وغیرہ ۱۷ اختتام کر رکھا تھا۔ جبکہ چائے کے بعد انہوں نے امیر تنظیم کو مدرسے کے مختلف حصے دکھائے اور بعد میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ خدمت کی۔

اجتماع کے دوران تنظیم کے رفعاہاتے مدرسے کے گیٹ کے قریب مکتبہ بھی لگایا جس میں لوگوں نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا اور خامی تعداد میں کتب خریدیں۔

امیرِ عزم کا دورہ خطاب بھی اسی دن یعنی ۲۹ فروری کو بعد نماز عشاء و پشاوری کی تاجی مسجد جہاں بت خان میں تھا جس کا عنوان تھا "بیت بنوئی کا انقلابی پہلو"۔ امیرِ عزم عشاء کی نماز کے لئے مسجد جہاں بت خان تشریف لائے۔ نماز کے بعد مولانا اشرف علی قریشی صاحب خلیفہ جامع مسجد جہاں بت خان نے چند تعارفی کلمات ادا کئے۔ امیرِ عزم نے سب سے پہلے قرآنی آیات کی روشنی میں اس وقت رسول کی پروردگی کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ اس کے بعد حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو کی تشریح کی اور تہمت دین کے لئے حضورؐ کے لئے اٹھائے گئے انقلابی اہدائات کا یہ مفصل خاکہ سامعین کے سامنے پیش کیا۔ امیرِ عزم کا یہ خطاب سوا دو گھنٹے جاری رہا۔ جسے سننے کے لئے تقریباً ایک ہزار افراد مسجد میں موجود تھے۔ جنہوں نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ یہ خطاب سنا۔

یہاں پر حسبِ معمول تین گھنٹے کا سائے گئے جس میں لوگوں نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور کئی کتب خریدی گئیں۔ اس موقع پر یونیورسٹی اور صدر واپسی کے لئے دو دھندوں میں بھی اختتام کیا گیا تھا جس کے لئے تشکیلِ صاحب نے مالی اعانت کی۔

دوسرے دن ساڑھے دس بجے سوال و جواب کی نشست تھی۔ جس میں تقریباً دو سو لوگوں نے شرکت کی اور امیرِ عزم کے خطاب کے علاوہ متعدد دوسرے امور کے بارے میں بھی انتہائی دلچسپ سوالات کئے گئے۔ نشست دو گھنٹے تک جاری رہی۔ بعد میں تنظیم میں شرکت کے خواہش مند حضرات کو تنظیم کے دفتر پہنچنے کی تاکید کی گئی اور اس طرح نشست اختتام کو پہنچی۔ امیرِ عزم مسجد سے رخصت ہو کر تنظیم اسلامی کے دفتر تشریف لائے۔

تنظیم اسلامی کے دفتر میں امیرِ عزم نے سب سے پہلے قرآن اور حدیث کے حوالے سے بہت کے نظام کی تشریح فرمائی۔ اس کے بعد دس افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے امیرِ عزم کے اہد پر بیعت کی اور پھر سب نے علی کریمؑ کا وہ خداوندی میں دین پر اعتقادات کے لئے دعا کی۔ امیرِ عزم نے اس موقع پر رفقہ کو چند فرد کی ہدایات اور مفید مشورے بھی دیئے۔

تنظیم اسلامی کے دفتر سے امیرِ عزم وقار بٹ صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں امیرِ عزم کے ساتھ ساتھ رفقہ و نظام اور چند دیگر حضرات بھی مدعو تھے۔ کھانے اور نماز سے فراغت کے بعد حاجی عبدالرشید صاحب کی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔ چونکہ اس دورے کے دوران امیرِ عزم کی جائے قیام تھی۔ وہاں کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد امیرِ عزم اور جنابِ تہم صاحب نے واپسی کی تیاریاں کی اور ساڑھے تین بجے لاہور واپسی کے لئے ہوائی اڈے کی جانب روانہ ہو گئے اور اس طرح امیرِ عزم کا پشاور کا یہ دورہ جملہ کمزور چوبیس گھنٹوں پر مشتمل تھا بغیر و غلبی اختتام کو پہنچا۔

امیرِ عزم کے اس مختصر لیکن جامع دورے کے نتیجے میں دس نئے رفقہ و تنظیم میں شامل ہوئے اور اس طرح پشاور میں اس قافلوہ انقلاب کی تعداد اکیس ہو گئی۔

اس دورے کے سلسلے میں اگرچہ حاجی عبدالرشید صاحب کا شکر برادار کریں تو یہ بات اصحابِ مندی کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ حاجی صاحب نے نہ صرف امیرِ عزم کو دوسرے کی دعوت دی اور خطابات کئے بلکہ اس دوسرے کے دوران تمام وقت وہ امیرِ عزم کے کھاتہ رہے۔ اس دوسرے کے سلسلے میں ہم حاجی فقیر محمد صاحب اور حاجی راحت گل صاحب کے بھی مشکور ہیں۔ جنہوں نے یونیورسٹی میں امیرِ عزم کے پروگرام کو مقبوض بنایا اور ہمارے ساتھ پورے تعاون کیا۔ رتبہ : راجہ مسعود اور احمد قیوم تنظیم اسلامی پشاور !!!

پہلا پیغام

(امیرِ عزم تنظیم اسلامی کا دورہ کوہاٹ)

پشاور کے جنوب میں چالیس میل کی مسافت پر پہاڑوں کے ماس میں آباد ایک وادی کو اٹ کے ہم سے پہچانی جاتی ہے۔ فوٹا

کے بعد جتنے بزرگ اسلامی نے قبول جاتے ہوئے چند گھنٹے یہاں مقیم کیا۔ مگر اس مختصر قیام کے دوران بھی اپنے عقیدت مندوں کی ایک چھٹی خاصی تعداد کو شرف ملاقات بخشا۔ فجر کی نماز کی امامت محلہ مسجد حجام میں کی اور اس بات کا وعدہ فرمایا کہ آئندہ ماہ کو باٹ کے لئے وقت نکالیں گے۔ یہ وعدہ وفا ہوا اور ۸ مارچ کی شام امیر تنظیم اسلامی کو لاٹ میں تھے۔ راقم کو مزرائی کا اعزاز حاصل ہوا۔ خواہشمند ملاقات مستقبل کے لئے سرشام ہی راقم کے گھر منتظر تھے۔ امیر تنظیم نے نماز عشاء کے بعد شہر کی سب سے بڑی مسجد مسجد حضرت حاجی بہادر میں خطاب عام فرمایا۔ اس خطاب سے عقیدہ ہونے کے لئے ہر طبقہ کے لوگ نہ صرف شہر بلکہ مصافحات سے بھی پہنچے ہوئے تھے۔ یہ مسجد کے تاریخی جلسوں میں سے ایک تھا جس کی صدارت کرنل صفدر پراچہ نے کی۔ امیر تنظیم کی تقریر ۲۰ گھنٹے جاری رہی اور لوگوں نے بڑی توجہ اور عقیدت سے خطاب سناسرات کا کھانا حاجی حنیف شاہ کے ہاں کھایا۔ یہاں پشاور سے نہ ہونے تنظیم کے رفقاء بھی موجود تھے۔

۸ مارچ کی صبح سے عقیدت مندوں کی حاضری اور ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ مختلف مسائل اور موضوعات زیر بحث آئے۔ بچہ معافی کا راز ایسوی اسٹین سے خطاب کا پروگرام تھا۔ شکیک وقت پر باروم پہنچے تو باسکے عہدے داران نے امیر تنظیم کا قبیل کیا۔ باسکے موجودہ صدر کی شخصیت پر اسلامی اعمال و کردار کا رنگ غالب ہے۔ صدر بارانے انتہائی تقریر میں نہ اکثر اسلوب حسب کا غیر مقدم کرتے ہوئے نہیں شوری سے متعلقہ پروجسٹین پیش کیا۔ بعد ازاں امیر تنظیم نے دلاسے ملی قیام کے پس منظر پر موجود صورت حال پر روشنی ڈالی۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل پیش کیا۔ سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ دلاسے کی جانب سے شکیک نے کہا تھا کہ میں تھا۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد کھانے کی دعوت میاں خیل جیل کے سربراہ جناب شوکت محمود کے گھر تھی جو کہ خود ایک بیٹا کرڈرپل میں ۳ بجے شام امیر تنظیم نے خواتین کی ایک نشست سے خطاب کیا۔ اندازہ تھا کہ ۱۵۰ کے قریب خواتین جمع تھیں گی۔ لیکن سخت حیرت ہوئی جب ہم کے قریب خواتین شکیک وقت پر پہنچ گئیں تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کام فہم بکچر اور دہ طرز بیان سے خواتین بے حد متاثر ہوئیں تقریر کے بعد سوالات بھی کئے گئے اور بعد میں مکتبہ سے کتب کی خریداری بھی ہوئی۔ بلا حصر و مصلحتاً بات ہے۔ شام کی چائے کے لئے برادرانہ منصوبہ ملی شاہ (کینیڈا، انجینئر) نے دعوت دی ہوئی تھی۔ بھراؤ میں ات اور نماز عصر کے بعد حاجی حنیف شاہ صاحب کے ہاں سوال و جواب کی نشست تھی جس میں شہر کے پڑھے لکھے اہل دانشور نے کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ نشست نماز مغرب تک رہی۔ نماز مغرب کے بعد امیر عزم نے کچھ آرام کیا اور پھر آئندہ پروگرام کے لئے ریتہ ہو گئے۔ مولیٰ مسجد نبی لاٹنی میں نماز عشاء ادا کی۔ نماز کے بعد درس قرآن کا پروگرام تھا جو کہ ۱ بجے شب اختتام پذیر ہوا۔ اگلے بعد لوگوں نے یہاں بھی مکتب پر خریداری کی۔ رات کے کھانے کی دعوت کرنل بدینا کرڈرپل ڈاکٹر صادق ندر کے ہاں تھی۔ برعزم و نقاد کے برادر دعوت میں تشریف لے گئے۔ لیچے اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لائے۔

۸ مارچ کی صبح نماز فجر مسجد حجام میں ادا کی۔ نماز کے بعد لاپچی کے سعادت سحر نے امیر عزم کے ہاتھ پر کو لاٹ میں پہلی بات کی۔ کئی عقیدت مند ملاقات کے لئے بھی آئے۔ اس دوران مزید آٹھ افراد اور تین خواتین نے امیر عزم کے ہاتھ پر بت کی۔ اس دوران کیڈٹ کالج کو لاٹ اور ایک دینی مدرسہ کے منتظمین کی جانب سے خطاب عام کی دعوت آئی۔ سیکن سائز طبع نے آج کے دن کے لئے خطاب کی اجازت ددی۔ اور اسے آئندہ کے لئے مؤخر کر دیا گیا۔ شکیک ۱۱ بجے دن برعزم اپنے خاندان کے ہمراہ واپس پشاور روانہ ہوئے۔

عزم امیر تنظیم نے ہے اس دورے میں اہل کو لاٹ کے دل پر اپنی دعوت اور شخصیت کے انٹ نقوش چھوٹے ہیں۔ ما کو لاٹ آج کھان کی دعوت خصوصاً انقلاب اسلامی کے مختلف مراحل کے حوالے سے مختلف مجالس میں ہو گئیں۔ کسما ملی کی مدت کا بھی پہلا اہم مرحلہ ہوتا ہے جہاں وہ اپنی بات کو *تلاش* کے تحت بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر طبع اللہ شاہ۔ کو لاٹ

امیر تنظیم کا دورہ سندھ

۱۴ فروری ۸۴ دوبروجہ الہادک ہمارے شفیق بزرگ ڈاکٹر پروفیسر رحمن نورانی صاحب کی صاحبزادی کا نکاح کراچی میں ہوا۔ محترم ڈاکٹر نورانی صاحب نہ صرف امیر عزم کے پرانے شفیق دوست ہیں بلکہ انہیں کے حوشین میں شامل ہیں۔ یہودیہ کے کوامیر عزم ان کی صاحبزادی کے نکاح میں آنے کی دعوت کو انکار نہ کر سکے۔ اسی تقریب کے سلسلہ میں امیر عزم کا کراچی کا دورہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک پروگرام پورٹو آف انٹرنیشنل یونیورسٹی کراچی میں بعد نماز عصر پتار پتار ۱۶ فروری کو رکھ لیا گیا۔ جس میں امیر عزم نے سیرت النبی کے جلسہ سے خطاب فرمایا اور اپنے مخصوص امانت میں سیرت النبی کے اخلاقی پہلو اور طریق کار کو خطرات سے سامنے لے کر بیان کیا۔ جمعرات کو دفتر تنظیم کراچی میں امیر عزم کی رونق سے ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں آپ نے رنفا سے خطاب کیا اور ایک سوال کے جواب میں امریکہ کے دورہ کے اثرات بھی بیان فرمائے۔ دوسرے دن یعنی جمعہ ۱۶ فروری کو آپ نے کراچی یمن سوسائٹی کی گولڈن میمن مسجد میں خطبہ نکاح سے پہلے خطاب جمعہ فرمایا۔ آپ کی تقریر کا موضوع تھا "حکمت و احکام جمعہ"۔ اس خطبہ میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بھی شرکت فرمائی اور مکمل خطاب بڑے غور سے سماعت فرمایا۔ جمعہ کی گانہ کے بعد امیر عزم نے خطبہ نکاح کی تقریر و تقریر بیان کی اور عزم ڈاکٹر نورانی صاحب کی صاحبزادی کا نکاح پڑھایا۔ بعد نماز صبح اسی مسجد میں امیر عزم نے "جہاد و قال فی سبیل اللہ" مقصد و فرضیت اور لوانہ سورۃ الصف کی روشنی میں نئے موضوع پر خطاب فرمایا۔ وقت چوتھا ایک ہی دن تھا اور ظاہر ہے کہ سورۃ صف جیسی عظیم سورۃ کا درس یا اس کے مضامین کا خلاصہ ایک نشست میں بیان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے امیر عزم نے وعدہ فرمایا کہ وہ مستقبل قریب میں انشا مافراٹس مضمون کو مکمل فرمائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ ابھی وہ وعدہ تھا جو امیر عزم کے مستقبل قریب میں دورہ سندھ کا سبب بن گیا اور آپ عزم نے ۱۰ مارچ سے ۱۵ مارچ تک سندھ کا دورہ فرمایا۔

۱۰ مارچ کو آپ جہاد، بھائی جہاد، دوپہر میں کراچی پہنچے اور بعد نماز عشاء آپ نے اپنے جلسہ کے مطالبہ کراچی میں سوسائٹی مسجد میں سلسلہ خطاب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اسی مضمون کو مکمل فرمایا۔ ۱۱ مارچ کو صبح ۱۰ بجے کراچی میں ایک تنظیم اسلامی کے ملازم پر خواتین کا اجتماع ہوا۔ جس میں تقریباً ۱۰۰ سے زیادہ خواتین نے شرکت کی۔ موضوع خطاب تھا "جہاد میں خواتین کا کردار"۔ خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جو تقریباً ایک بجے تک چاٹکار رہی۔ ۱۱ مارچ ہی کو بعد نماز عصر تنظیم اسلامی کے دفتر میں ۱۰ مارچ کے خطاب بھی کی کڑی کے طور پر سوال و جواب کی نشست ہوئی اور بعد نماز صبح رنفا سے تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماع ہوا جس میں امیر عزم نے رنفا سے خطاب بھی فرمایا۔ اس اجتماع میں چار افراد نے امیر تنظیم کے اہتمام پر بحث کی۔ ان میں سے ایک کا تعلق پشاور سے ہے جو اپنے کس کام کی وجہ سے کراچی آئے ہوئے تھے۔ امیر عزم کی تقریر کا اشتہار دیکھ کر مسجد تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ خطاب منسلک آخر کا رعیت کر لی۔

۱۲ مارچ کو امیر عزم نے مختلف اصحاب سے ملاقات فرمائی اور سرپرستین بچے منڈ و جام کے لئے تیار ہو گئے۔ منڈ و جام میں امیر عزم کا پروگرام پاکستان انٹیمک انرجی کمیشن کے ذریعہ تحقیقی ادارے میں ملے تھا۔ میزان ادارے کے نمائندے ڈاکٹر محمد اشرف صاحب، ٹانگہ انرجی کالونی مسجد کے پیش امام صاحب اور مزید دو اصحاب منڈ و جام سے ایک نئی زمین میں پروگرام کے مطابق امیر عزم کو لینے کراچی پہنچ گئے۔ کراچی میں مزید ایک کار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ محترم عبدالرشید صاحب، محترم عبدالوہاب صاحب اور شعیب میاں بشمول مکتبہ ہمارے ہمراہ تھے۔ اس طرح یہ چھوٹا سا قافلہ منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں صبح سے چند منٹ پہلے منزل منصور پہنچ گیا۔ ٹانگہ انرجی کالونی کی مسجد میں باجماعت صبح کی گانہ ادا کی اور مسجد کے قریب مغرب سے پہلے

ہی رہنما نے کتبہ لگا دیا۔ یہ اودھ پوچھ کر تحقیق ہوا۔ وہ ہے۔ اس لئے یہاں پر اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنسدان حضرات رائل انشٹیٹیوٹ
مسک کیٹی کے صدر محترم ڈاکٹر محسن اقبال صاحب ہیں جو کہ بہت سادہ طبیعت اور عطا داری ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد شرف صاحب
جو رفیق محرم عبداللہ صاحب عالم کے اعزاء کے بہت ہی قریبی دوست تھے۔ ہماری یزانی میں بہت پیش پیش تھے جبکہ
صدر مولانا دھرم پور دی صاحب بھی عشاء سے پہلے ٹنڈو جام پہنچ گئے۔ بعد نماز مشاء جلسہ کا آغاز ہوا۔ تلاوت کلام پاک
کے بعد ڈاکٹر محسن اقبال صاحب نے محرم ڈاکٹر اسرار احمد کو خوش آمدید کہا اور تعدادی کلمات کہے۔ اس کے بعد امیر محترم کا
خطاب شروع ہوا جو سیرت النبی کے انقلابی پہلو پر مشتمل تھا۔ یہ خطاب تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا۔ سامعین میں
اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے علاوہ ٹنڈو جام سے بھی کافی حضرات نے شرکت کی۔ شرکاء کی تعداد کا تخمینہ اندازہ ۳۰۰ سے
۴۰۰ تک تھا۔ سامعین نے بڑی توجہ سے خطاب کو سنا۔ ان کے سامنے سیرت النبی کو امیر محترم نے ایک نئے انداز میں
پیش کیا تھا۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد صدر مجلس نے فرمایا کہ میں اس وقت کچھ کہہ کر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کے اثر
کو نائل کرنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ دعا پر یہ نشست اختتام کو پہنچی۔ ۱۲ مارچ کو بعد نماز فجر مسجد جامعہ میں سوالیہ جواب کے
نشست ہوئی۔ جس میں امیر محترم نے سامعین کے سوالات کے تسلی بخش جواب دیئے۔

اس نشست کے بعد لاٹنی کے ریٹ ڈاؤس میں خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میں مختلف سائنسدان
اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات نے امیر محترم سے ملاقات اور مختلف دینی اور سیاسی امور پر گفتگو کی۔ جن حضرات نے ملاقات کی ان
میں ڈاکٹر خوشنواز احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر محسن اقبال صاحب، ڈاکٹر محمد شرف صاحب، ڈاکٹر انصاری صاحب، ڈاکٹر
محمد صاحب اور ڈاکٹر ارشد احمد خاں صاحب قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ارشد احمد صاحب کا تعلق جہالت اسلامی سے ہے۔
آپ ٹنڈو جام کی بہت معروف شخصیت ہیں۔ آپ امیر محترم کے ہم عمر بھی ہیں۔ دونوں کا سن پیدائش ۱۹۳۷ء ہے اور دونوں
حضرات نے تعلیم بھی تقریباً ایک ہی دور میں حاصل کی۔ یہ نشست ۱۲ بجے تک جاری رہی۔ اس دوران تنظیم
جلسان ٹنڈو آدم کے صدر جناب امجد آرائیں صاحب اور عبدالنصیر صاحب ٹنڈو آدم سے پر وگرام کے مطابق امیر محترم
کو لینے آئے۔ ٹنڈو جام سے ہمیں پرنسوس انڈیا میں رخصت کیا گیا اور دون کے بارہ بجے ٹنڈو آدم کے لئے روانہ ہو گئے
امجد آرائیں صاحب ہماری کار میں بیٹھ گئے جبکہ بقیہ ہمارے سامعین مکتبہ کے ساتھ امجد صاحب کی کار میں تھے۔ راستہ میں
سربراہ کعبیوں سے ہوتے ہوئے ہم بچہ و عافیت ایک بچہ ٹنڈو آدم پہنچے۔ وہاں شہر کے باہر ہی چار سوڑ سا شیل
سوار ہمارے منتظر تھے۔ وہ ہمیں جلوس کی شکل میں شہر میں گھماتے ہوئے ہوئے صدر تنظیم جلسان امجد آرائیں صاحب کے
قیام گاہ لے گئے۔ وہاں پر تکلف گزار کا اہتمام تھا۔ راستہ میں ہم نے ہزار ہا اور اہم مقامات پر بیٹرز دیکھے جو کہ صرف تنظیم جلسان
کی طرف سے تھے بلکہ اندوہ سر سے کلب کار و اندازوں کی طرف سے آویزاں تھے۔ جن میں استقبالیات لکھے ہوئے تھے اور
امیر محترم کو بڑے بڑے القابات سے نوازا گیا تھا۔ مثلاً عالم اسلام کے عظیم فرزند، مفکر قرآن۔ امیر تنظیم اسلامی، عالم اسلام کے
ماہ نامہ مفکر و دفرہ۔ اس موقع پر اگر تنظیم جلسان ٹنڈو آدم کا تعداد ہو جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ تنظیم ٹنڈو آدم کے کھارے
نوجوانوں پر مشتمل ہے جو کہ ہیو و سکا ایسٹنڈ سٹوڈنٹس کے کالوں میں جیسے چہرہ کر سٹوڈنٹس ہے۔ علمائے حق کو اپنے پروردگاروں میں
حرمت دینا تاکہ صحیح فکر کو رنگ نیک بنیں، ان کے متادم میں شامل ہے۔ ان کی بڑی دیرینہ خواہش تھی کہ امیر محترم کو ٹنڈو آدم بلائیں۔
اس کے لئے وہ کافی حوصلہ سے کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے علوم کی بنا پر ان کی خواہش برآئی۔ اور امیر محترم کا
ٹنڈو آدم کا دورہ طے پا گیا۔ کھانے کے بعد ہمیں میزبانی ریٹ ڈاؤس یا میاں جہاں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ عصر کے بعد متعدد
احباب نے ریٹ ڈاؤس میں امر عزم سے ملاقات کی اور مزہ کی نگاہ کے بعد ٹنڈو آدم حاجی مسجد کے خطیب علامہ احمد میاں صاحب

نے امیر عزم سے ملاقات کی۔

منہر و آدم میں جلسہ کا اہتمام میں بلانویں کیا گیا تھا جلسہ شروع ہونے سے کافی پہلے مکتبہ کا اہتمام کر دیا گیا۔ جلسہ میں منہر و آدم میں پریس کلب کے چتر مین عبداللہ صاحب خودی نے بھی شرکت کی۔ امیر عزم نے حضور اکرم کی سیرت کے انقلابی پہلو کو پیش کیا اور دعوت نکودی کو ہم بحیثیت مسلمان کس حد تک حضور اکرم کے مشن میں شریک ہیں۔ جاری زندگیوں کا رخ کس طرف ہے۔ امیر عزم کا یہ خطاب درگفتہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد ۴ مارچ کو صبح ۹ بجے میونسپل لائبریری میں امیر عزم کا دس قرآن پڑھا۔ وہاں پر لاکھ پیکر کا انتظام نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود امیر عزم نے اپنے گلے پر شدید بھوڑ لگے ہوئے ۵ م منٹ تک سورہ اللہ کے ابتدائی آیات کا دس دیا۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑی خدمت خلق کو اللہ کی طرف بلانا اور جہنم کے راستے سے جنت کے راستے کی طرف ڈالنا ہے۔ دنیا کی تکالیف ماضی ہیں جو ختم ہو جائیں گی۔ لیکن آخرت میں جو منظر پیش آنے والا ہے اس کی فکر کرنی چاہیے۔ لوگوں کو عذاب جہنم سے بچانا اصل میں سب سے بڑی خدمت خلق ہے۔

درس قرآن کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی جو مزید ایک گھنٹہ تک جاری رہی اسے بھی امیر عزم نے لاکھ پیکر کے بغیر اپنے گلے پر شدید بھوڑ پہنے نصاب اور معارفین کے سوالات کے جوابات دیے۔ اس نشست کے بعد قرب میاد میں پریس کلب کے چتر مین جناب عبداللہ صاحب خودی نے امیر عزم کو جانے پر مدعو کیا۔ اس کے بعد ۸ منہر و آدم سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ امیر عزم ریش صاحب اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ہیں حیدر آباد تک چھوڑ دئے آئے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے اور ان کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ حقیقی اور دائرہ بین خدمت خلق کو سمجھیں اور اپنی مصطفیٰ میں اس کے لئے وقف کر دیں آمین !

حیدر آباد میں ہم رفیق تنظیم اسلامی جناب عبداللہ صاحب کے مکان پر پہنچے۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ منہر و آدم کے ذکر میں ایک بات بھول گیا کہ جاری تنظیم کے بزرگ لیکن جواں عزم ساتھی عزم سیدی صاحب اپنے طور پر کراچی سے منہر و آدم پہنچ گئے۔ آپ کا تعلق بلتستان سے ہے۔ دین کے غلبہ کا جذبہ لوہاروں سے زیادہ ہے۔ اور اسی غلبہ میں گئے رہتے ہیں۔ ان کے انکوائزات اس کام کے لئے وقف ہیں۔

حضر کے وقت جناب دارائی صاحب کے مکان پر لطیف آباد میں حیدر آباد کے رفعا کا اجتماع ہوا جس میں امیر عزم نے رفعا سے ملاقات کی۔ یہیں پر قاضی حیدر الدین صاحب بھی تشریف لے آئے جو کہ امیر عزم کے بہت عقیدہ مند ہیں۔ آپ نے ٹیلیویشن پر وگرام الہدیٰ بڑے شوق سے سنا اور اس کو محفوظ بھی کر لیا۔ میثاق میں انہوں نے پڑھا کہ سورہ فاتحہ کی جو چھ نشست اور سورہ فتح مسجدہ کی تیسری نشست کا درس ادارے کے پاس نہیں۔ اس لئے وہ یہ دونوں دیکس لاہور بھیجے والے تھے۔ امیر عزم کے پروگرام کا سنا تو محمد دین کے لئے آگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ اس طرح ادارہ کے پاس الہدیٰ مکمل ہو جائیگا اور قارئین اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

اسی دن یعنی ۱۴ مارچ کو امیر عزم نے کوٹری میں جلسہ سیرت النبی سے خطاب فرمایا۔ انجمن خاد میں ملت کوٹری کی مشہور انجمن ہے جس کے پروگراموں میں جلسوں کا اہتمام بھی ہے۔ ان کی پڑھیں خواہش تھی کہ عزم کی اکثر اسرار احمد صاحب کوٹری میں تشریف لائیں۔ اس کے لئے انہوں نے خط بھی لکھے اور ذاتی طور پر بھی ملاقات کر کے زور دیا۔ اس وجہ سے امیر عزم کا سندھ کا پروگرام بتاتے لوگوں کے غلبہ کی بنا پر ترجیح دی گئی اور خطاب طے پا گیا۔

امیر عزم نے دو گھنٹہ سے زیادہ کے خطاب میں انقلاب کے مراحل اور سیرت النبی کا جامع خاکہ پیش کیا اور سامعین کو دعوت نکودی۔ قارئین میثاق جانتے ہیں کہ امیر عزم کا خطاب ایک دعوت عمل لئے ہوئے ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک

واضح منہ ہے جس میں امیر عزم نے اپنے آپ کو گھلادیا ہے

یہاں پر بھی مکتبہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سامعین نے کتاہوں میں بڑی دلچسپی لی اور خاص تعداد میں کتاہیں حاصل کیں۔ امید ہے کہ امیر عزم کے ان پروگراموں سے بہتر نتائج حشر تب ہوں گے۔ امیر عزم کے لئے دل سے تین دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ امیر عزم کو عداوت پر قائم رکھے، ان کو صحت کاملہ عطا فرما اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ برکت کے نام سے مجھے برکت اللہ صاحب صدیقی یاد آئے۔ آپ باشرع فوجوان ہیں۔ آپ امیر عزم کے پروگرام کے لئے خیر کاروں کا سے تشریف لائے۔ دینی جذبہ و شوق رکھتے ہیں۔ انہوں نے دس قرآن کا حلقہ قائم کیا ہوا ہے۔ جس میں فوجوانوں کی کثیر تعداد شامل ہوتی ہے۔ کتاہوں کے بہت ہی قدردان ہیں۔ ہزاروں کتاہیں ان کے پاس موجود ہیں۔ امیر عزم سے ملاقات کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے لا لاکہ میں امیر عزم کے پروگرام کی خواہش کا اظہار کیا۔

ایک بات جس کا ذکر یہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ٹنڈو جام میں احباب نے ڈاکٹر صاحب کا کتاہجہ - نبی اکرم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں ۵۰۰ کی تعداد میں خرید کر مفت تقسیم کیا۔ ٹنڈو آدم میں ۳۰۰ کی تعداد میں تقسیم کی گئیں جس میں ایک سو افراد پروگرام کے دعوت ناموں کے ساتھ جو کہ تنظیم جلیان نے اہل علم اور ٹنڈو آدم کی اہم شخصیات کو بھیجے تھے تقسیم کی گئیں۔ کوٹری کے احباب نے بھی ۵۰۰ کی تعداد میں یہی کتاب خریدی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جتنا خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے صحیح علم اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جلسہ کے بعد عبدالقادر صاحب کے مکان پر قیام ہوا اور بعد نماز فریم امیر عزم کے ہمراہ کراچی روانہ ہو گئے۔ ۱۵ مارچ کو امیر عزم نے کانٹیکس کے زیراہتمام سیرت کے جلسہ سے خطاب فرمایا۔

رات کو گیارہ بجے روزنامہ حریت کے نمائندے جناب شہزاد چغتائی صاحب نے امیر عزم کا انٹرویو لیا جس میں مختلف قومی مسائل پر گفتگو ہوئی جس کی تفصیل آپ نے اخبارات میں چھپی ہوگی۔

اس طرح امیر عزم کا یہ دوسرا سفر مکمل ہوا اور امیر عزم لاہور کے لئے مازام سفر ہو گئے۔ بربت: سید و احمد علی رضو: معاون نائب امیر تنظیم اسلامی برائے صوبہ سندھ

بقیہ: عورت اور اسلامی معاشرہ

تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ گواہی عینا فرض ہے۔ حق نہیں ہے۔ قرآن میں گواہی کے لئے کڑی شرائط مقرر کی گئی ہیں اور سخت تنبیہات آئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت دینا کھیل نہیں بلکہ اس کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسلام نے عورت کو ان سخت حالات، عدالت کی جرح و قدح اور منظر عام پر لانے سے بچانے کے لئے اس پر گواہی دینے کا فرض عائد نہیں کیا۔ اگر کوئی دوسرا مرد گواہ نہ ملے تب ہی عورت کو زحمت دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور

”جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے“ (البقرہ: ۱۷۰)

ٹینٹ اور تربالے

بنانے کا امت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

THE ORIGINAL



امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریپبلو انٹرنیشنل

بحرآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیکس کارمنش : بیڈ شیٹس
 کاٹن کلاٹھ : کاٹن کارمنش : امرام تولیہ : تولیہ
 ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فرائیگر -

درآمدی اشیاء

لالکھ دانہ : سنگھ فلم : سوچ سٹارٹ
 ربرٹسٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I قلمو عکرام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
 ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ رِزْقًا مَّا هُوَ شِفَاءٌ
وَلِحُجَّةٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ

نُورُ الْإِسْرَاءِ - الآية ٨٢



عطیہ: حاجی محمد سلیم



حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۶۲۲۸
۳۰۵۴۶۹



Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ

سائنحہ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک اہم تقریر جو اب کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے۔

۶۸ صفحات

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ، فون : ۸۵۲۶۱۱

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَرَحْتِي يَحِبُّ لَأَخِيهِ مَا
يَحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

مپل روڈ سوہا بازار

۳۱۱۲۲۰ — ۳۲۲۲۳ ۶۲۲۲۳ — ۵۶۲۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

عَنِ الْخَلِيفَةِ الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَمْرُكُمْ بِخَيْرٍ
 بِالْجَمَاعَةِ وَالسُّنَنِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 (مشكاة المصابيح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

زوج فکر

انسان وقتے کے دھارے پر بہتا جا رہا ہے
 اور حالات کے اتھول پہلے ہیں
 لیکن کئی دھن کا چھاپتی سمیت خود مقرر کرتا ہے،
 ہتے نہیں ہارتا اور ہاتھ پیر ہارے ہاتا ہے
 اور پھر منزل اس کے قدم چوم لیتے ہے
 باشعور انسان اپنی زندگی خود بناتے ہیں اور جب
 ایک کے وقتے میں آگئے ہوں گے ساتھ ایچھا انسانوں کے
 بڑی تعداد ایک سے ہی منزل کے طرف سے فرستے ہے
 تو قوم کے تاروں پر مل جاتی ہے۔ ۲۰ رمضان المبارک کو
 ایک تار کا قیام اس حقیقت سے کام لیا ہے
 تاہم قوموں کے عروج و زوال کے اساتذہ
 ہر وقت کا ہر مسئلہ ایک ہی ہے
 عمل اور مسلسل عمل، جدوجہد اور ہم جدوجہد
 اور ہر فعال عزم اور عمل کے فقدان کا فوہ ہے
 اپنے عزم و عمل سے تاہم کام لے کر ملے بیچے

زوجہ آرزو کو سمجھے



آپ کو پریسٹر لیڈ ٹکنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمید تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

• صدر دفتر : ۶- کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کوشن بنگر) لاہور۔

فون ۱- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۳

• پچیسواں کیلومیٹر۔ لاہور شیخوپورہ روڈ۔

• جی۔ ٹی روڈ کھٹالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات

• پچیسواں کیلومیٹر شیخوپورہ روڈ۔ فیصل آباد۔

• فیصلہ پور روڈ۔ نزد جامد اشرفیہ۔ لاہور۔ فون ۱- ۴۱۳۵۶۹

• شیخوپورہ روڈ۔ نزدیشنل ہوزری فیصل آباد۔ فون ۱- ۵۰۶۲۶

• جی۔ ٹی روڈ۔ مرہ کے۔ فون ۱ : ۷۰۰۳۸۹

• جی۔ ٹی روڈ۔ مہرائے عالمگیر

• جی۔ ٹی روڈ۔ سوال کیمپ۔ راولپنڈی۔ فون ۱- ۶۸۱۳۷

• ۸۷۶-۵ فریڈ ٹاؤن سانبھال۔ فون ۱- ۳۳۸۲

مختار سنز گروپ آف کمپنیز

پاکستان کی قومی بندرگاہ....

...پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز تر
کر رہی ہے۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں

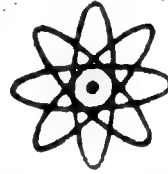
کراچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندرگاہ



قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیسے بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر ذریعہ مادہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام لے گی۔

قدرتی گیس بہت
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



وَقَدْ اخْتَرْنَا قَلَمَ الْكَلِمَةِ مِنْ مَنَاسِنِ

مشاق

مجلد ۱

ماہنامہ

مجلد



مذہب مسنون

حاکم الامام احمد

ہرگز مکتبہ تنظیم برائے

Siddiq Sons Industries Ltd.



Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS.

TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS

PRODUCTS,



HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,

M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.

TELEPHONE : 870512 880731

بشائر

جلد ۳۳ : شماره ۵ شعبان المعظم ۱۳۸۷ مطابق مئی ۱۹۶۷ء

مشمولہ

۲ عرض احوال شیخ جمیل الرحمن

۵ الہدایے (چودھویں نشست) مقرر ڈاکٹر اسرار احمد

۱۵ توحید عملی اور فرضیہ اقامت میں ڈاکٹر اسرار احمد

۳۳ اسلام میں عملی زندگی ملک اقبال احمد

۴۵ اظہار حق (قادیانیت اپنے آپ کو کھینچ کر لے گئیں) قادی نعیر احمد غفرانی

۵۹ عورت اور اسلامی معاشرہ احمد افضل

۷۹ افکار و آراء

رفتہ کار (۱) بیعت (۲) گنج ماسدہ ۸۳

ادارہ تحفہ

شیخ جمیل الرحمن
حافظہ کبریٰ سعید

سالانہ تعداد
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
محبت پریس شائع ہمارے جنس لاہور

۲۱۵۱۱۹
۲۱۵۱۱۹

ضلع : ۸۵۲۶۱۱

سب آئیں : ۱۱ داؤد منڈل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کلیں قربانے رابطہ
۲۱۳۷۰۹

عرض احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
بفضلہ تعالیٰ سبحانہ شعبان المعظم سے اچھے مطابق منیٰ مکہ کا شمارہ پیش خدمت ہے شعبان المعظم کی عظمت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا جہیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ نبی اکرمؐ اس ماہ میں کثرت کے ساتھ نعلی روزوں کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو نبی اکرمؐ کے اتباع میں اس ماہ میں نعلی روزے رکھنے کی توفیق و سعادت بادگاہ رب العزت سے عطا ہو۔ اس سال شعبان المعظم اور رمضان المبارک کے مہینے مٹی اور جون میں آئے ہیں جو گرمی کے اعتبار سے نہایت شدید ہوتے ہیں۔ نیز ابھی کم از کم پانچ چھ سال یہ مہینے موسم گرما میں آئیں گے۔ ایسے موسم میں اگر کائن اسلام میں سے ایک رکن یعنی موسم رمضان کی بجآوری کا جو لوگ بھی ایمان اور احتساب کے ساتھ اہتمام کریں گے۔ ان شاء اللہ وہ جب عظیم کے مستحق و مستوجب ہوں گے۔

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بیرون پاکستان دعوتی دوروں کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ تنظیم اسلامی کا اٹھواں سالانہ اجتماع مئی ۱۹۸۴ء کے آخری عشرے سے قبل منعقد کیا جاتا۔ امیر محترم فی الحال حیدرآباد دکن (بھارت) کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ واپسی پر دہلی اور علی گڑھ میں امیر محترم کے درس قرآن یا خطاب کے پروگرام کا بھی امکان ہے۔ حیدرآباد دکن (بھارت) کے دورے کی تقریب یہی ہے کہ شمالی امریکہ سے امیر محترم کے بے شمار دوس و خطابات کے کیسٹ بھارت خاص طور پر حیدرآباد دکن پہنچے ہیں اور ایک وسیع ترین تعلیم یافتہ اور متدربین طبقہ امیر محترم کی شخصیت و تنظیم اسلامی کی آفاقی اسلامی انقلابی دعوت سے متعارف ہو چکا ہے جو اس دعوت کے دائمی و قائم سے ملاقات اور خود مصروف کی زبان سے اسلامی انقلاب کے عالم گیر اصول و مبادی سننے کا عرصہ و مدار سے متمنی تھا اور قریباً دو سال سے وہاں سے امیر محترم کو حیدرآباد دکن تشریف لانے کی ہمارے ساتھ دعوت مل رہی تھی۔ مشیت الہی میں جس کام کے لئے جو دعوت مقرر ہوتا ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اس میں تغیر و تبدل انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس دورے

کے علاوہ سعودی عرب سے بھی امیر محترم کو دعوتی دوروں کی کافی عمدہ قبل سے دعوت آئی ہوئی تھی۔ اور کوشش ہو رہی تھی کہ اس مرتبہ جو دورہ ہو تو وہ محض جتہ، مگر مکہ، مدینہ منورہ تک محدود نہ رہے بلکہ امیر محترم کو سعودی عرب کا Visit - Visa حاصل ہو جائے تاکہ اس دورے میں سعودی عرب کے دوسرے ان اہم و شہور شہروں میں بھی موصوف تشریف لے جا سکیں جہاں بھلا اللہ تنظیم اسلامی کے رفقاء اور اس کی دعوت کے متاثرین کی تعداد موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مساعی کو مشکور فرمایا اور مطلوبہ ویزا حاصل ہو گیا جس کو مئی ۸۴ء کے داخلہ تک استعمال کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ بھارت سے واپسی کے بعد ایک ہفتہ امیر محترم کا پاکستان کے مختلف شہروں میں دعوتی پروگرام طے ہے۔ جس سے ہم مئی تک موصوف فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ مئی کو سعودی عرب کے لئے عادم سفر ہوں گے۔ جہاں عمرہ اور مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت کے علاوہ مختلف شہروں میں امیر محترم کے درس، خطابات اور مذاکروں کے پروگرام ہوں گے اور ۲۰ مئی یا اس کے متصلاً بعد پاکستان مراجعت ہوگی۔

ان حالات کے پیش نظر جنوری ۸۴ء کے مجلس مشاورت کے اجلاس میں تنظیم اسلامی کے اٹھویں سالانہ اجتماع کے لئے ۲۵ تا ۳۰ مئی ۸۴ء کی تاریخیں طے ہو گئی تھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا تھا کہ یہ سالانہ اجتماع اگست کراچی میں منعقد کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ چونکہ لاہور کی نسبت کراچی میں گرمی کم ہوگی۔ لیکن تنظیم اسلامی کراچی انتہائی کوشش کے باوجود کراچی میں کوئی ایسا مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی جہاں پانچ روز تک قریباً چار سو اشخاص کی رہائش اور پھر اجتماع کی کالہوائی کے انتظامات بحسن و جورہ ہو سکیں۔ لہذا فیصلہ کیا گیا کہ یہ سالانہ اجتماع بھی حسب سابق قرآن کیتھیڈی ہی میں منعقد کیا جائے۔ توقع ہے کہ اس کی اطلاع مذاق کے اپریل ۸۴ء کے شمارے کے ذریعہ تمام رفقاء کو مل چکی ہوگی۔

اس موقع پر اچانک راقم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول یاد آیا کہ عرفت ربی بضمخ العزائم۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر انسان کو فطرت سلیمہ اور عقل صحیح ہو تو وہ دوزخ کے مختلف انواع و اقسام کے حوادث اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک نئی کٹی ہوئی ہستی ہے جس کے قبضہ قدرت میں اس کائنات کی تدبیر ہے اور یہاں ہر مل اور کوشش اسی وقت بار آور اور کامیاب ہو سکتی ہے جس کا اندازہ اور اس کا مشق ہو۔ و ما کنت تعلمون الا آدم و نوح و ابراہیم علیہم السلام

اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات الحکیم ہے لہذا عزائم کے فسخ میں بھی یقیناً اس کی کوئی نہ کوئی حکمت بالغہ کار فرما ہوتی ہے۔ جس کے اشارات ہمیں سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۹ کے آخری الفاظ مبارکہ فَنُنْظِرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، سورہ یونس کی آیت ملا کے آخری الفاظ لِنُنْظِرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ اور سورہ ملک کی آیت نمبر ۲ کے اس حصے سے مل سکتے ہیں، جس میں موت و حیات کے اس سلسلہ کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔

لہذا تنظیم اسلامی کے رفقہ کو اس نقطہ نظر سے غور کرنا چاہیے کہ یہ سب کچھ بارگاہ رب العزت سے ان کے امتحان کی حکمت کے پیش نظر بھی ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی آزاد مرضی سے اپنے دینی فرائض کی بجا آوری کے لئے جس میں عبادت رب، شہادت علی الناس، اقامت دین بھی شامل ہیں، بیعت کے مسنون طریق کے مطابق خالصتاً رضائے الہی کے حصول کی خاطر تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ہے وہ اس موقع پر عزمیت کا روتہ اختیار کرتے ہیں یا اختص کا۔ ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبت لاہور کے شدید گرم موسم میں پانچ دن تک کا قیام ساتھ ہی اجتماعات کی مصروفیات کی وجہ سے بے آرامی اور اپنے روزمرہ کے معمولات کی قربانی ایک ایسی کسوٹی ثابت ہو سکتی ہے جو اس امر کی نشاندہی کرے کہ تنظیم کے رفقاء کو اپنے مقصد سے کتنا تعلق خاطر اور اپنے عہد کو پورا کرنے کا کتنا عزم اور ولولہ ہے!!

توقع ہے کہ رفقاء تنظیم اس اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام کریں گے اور کوئی معمولی عذر ان کی راہ میں حائل نہیں ہوگا الا یہ کہ واقعی ایسا عذر درپیش ہو کہ جس کے متعلق ان کا ضمیر مطمئن ہو کہ یہ عذر ہے جسے عذر شرعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

یوں تو ہر نظریاتی و انقلابی جماعت کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن جب کوئی جماعت خالصتاً اپنے دینی فرائض کی انجام دہی کے لیے قائم ہو تو اس کی اہمیت کا کسی دینی نظریاتی جماعت سے ادنیٰ سا مقابل بھی خارج از امکان ہے۔ ہمارا دین تو وہ ہے، کہ جس کے محیط اختیار سے اس کے ماننے والوں کی انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ بھی باہر نہیں ہے۔ ہمارا دین جہاں ایک طرف فرد کی اپنی سیرت و کردار کی تطہیر و تعمیر پر زور دیتا ہے، تو دوسری جانب ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس کی رگ و پے میں توحید جلدی

المَدِی

(چودھویں نشست)

أُولُو الْأَلْبَابِ كَيْفِيَّتِ

سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ كَيْفِيَّتِ
آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کے روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

تے ٹیلیویشن کے دروس کا سلسلہ

(۱۱)

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ - نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ اِمَّا بَعْدُ:

حاضرین کرام و سامعین عظام!

اُمّ القرآن یعنی سورہ فاتحہ کے بارے میں چار نشستوں میں کسی قدر
تکو کے بعد آج ہم اللہ کے نام سے اس سلسلہ دروس قرآنی کے پانچویں
ق کا آغاز کر رہے ہیں جو سورہ آل عمران کی چھ آیات پر مشتمل ہے یعنی
ت نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۵ - یہ آیات مبارکہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع کے
زمین وارد ہوئی ہیں۔ آیت پہلے ہم ان مبارک آیات کی تلاوت کر لیں
ان کا ایک سلیس ترجمہ ذہن نشین کر لیں تاکہ ان میں جو مضامین آ رہے ہیں
کا ایک اجمالی نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہو جائے۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَلَأَةِ وَالنَّهَارِ

لَا يَتْلُو الْاُولَى الْاَلْبَابَ هَ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
 قِيَامًا وَقَعُودًا وَّ عَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
 سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا اِنَّكَ مِّنْ تُدْخِلِ
 النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ
 رَبَّنَا اِنَّمَا سَمِعْنَا مَآدِيَّا يَتَادَعُوْنَ اِلَآهِيَّاتٍ اَنَّا اٰمَنُوْا
 بِرَبِّكَ فَاَمْسِكْهُمْ رَبَّنَا فَاَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ
 عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاِنَّا مَكَا
 وَعَدْتُنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ
 لَا تَخْلِفُ الْاَمْعَادَةَ فَاسْتَجَابْ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَا اُصْنِعُ
 عَمَلًا غَآمِلًا فَمِنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرُوا اُنْشِىْ بِغَضَبِكَ
 مِّنْ بَعْضِهِمْ فَالَّذِيْنَ هَاجَسُوا وَاٰخِرُ حَوَامِشِ
 دِيَارِهِمْ وَاَوْذَوْنِىْ سَبِيْلِيْ وَقَتْلُوْا وَقَتْلُوْا
 كَفَرْتُمْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا اُخْلِفْنَاهُمْ حِجَّتِ نَجْرِيْ
 مِّنْ تَحْتِهَا الْاَشْهُرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَ
 حَسَنِ الثَّوَابِ ه

صدق الله العظيم

” یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے
 الٹ پھرنے میں نشانیاں ہیں ہوش مند اور باشعور لوگوں کے لئے۔
 وہ لوگ جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر
 لیٹے ہوئے اور غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق
 میں۔ وہ بچار اٹھتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بیکار
 اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے، تو اس سے پاک ہے۔ پس ہمیں
 اگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! جسے تو نے آگ میں داخل
 کر دیا اُسے قند سوا کر دیا اور ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا۔

لے رب ہمارے! ہم نے ایک پکاسنے والے کی پکار کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دے رہا ہے کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ پس ہم ایمان لے آئے۔ سو لے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری بُرائیوں کو ہم سے دُور فرما دے اور ہمیں اپنے نیکو کار بندوں کے ساتھ درجات دے دے۔ اور لے رب ہمارے! ہمیں عطا فرما جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اپنے رسولوں کی واسطت سے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو۔ یقیناً تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ تو اُن کی دعا قبول فرمائی ان کے رب نے کہ میں تو کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو منافع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔ تو وہ لوگ جنہوں نے بھرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا میں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے جنگ کی اور جنہوں نے اپنی گردنیں کٹوا دیں ان کی بُرائیوں کو میں لازماً دُور کر دوں گا اور ان کو لازماً داخل کر دوں گا ان باغات میں جن کے مَن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔۔۔ یہ بدلہ ہو گا اللہ کے خاص خزانہ فضل سے اور واقعہ یہ ہے کہ اچھا بدلہ تو اللہ ہی دیتا ہے۔“

اس سے پہلے کہ ہم ان آیات مبارکہ میں وارد معنائیں پر سلسلہ وار غور کریں۔ ہمارا اب شک جو معمول رہا ہے اس کے مطابق ان آیات کے بارے میں تہمیدی باتیں نوٹ فرمائیں۔

سب سے پہلی بات جو قرآن مجید سے ایک ذہنی مناسبت پیدا کرنے میں مدد دے کہ قرآن حکیم میں جو طویل سورتیں ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کے آغاز مقام پر جو آیات وارد ہوتی ہیں وہ بالعموم جامع ترین ہوتی ہیں۔ یہ بات عام دنیوی اصول کے مطابق بھی ہے۔ جیسے کسی اچھی غزل کے مطلع اور لوہیت اہمیت حاصل ہوتی ہے اور کسی اعلیٰ خلیفہ کے خطبہ کے اختتامی کلمات طرزی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔۔۔ معاف فرمائیے۔

کی اکثر طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام میں وارد ہونے والی آیات میں نظر آتا ہے۔ انہیں اصطلاح میں فواتح و خواتیم سُوْر کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی بطبی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ یہی وصف بکمال وقام سورہ آل عمران کی ان آیات مبارکہ میں ہے جن کی آغاز میں آپ نے تلاوت سنی۔

دوسری بات ان آیات کی عظمت کے سلسلہ میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان میں سے دو کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔ پہلی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے جسے شان نزول بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان سے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فرمائش کی کہ اُمّ المؤمنین! مجھے آپؐ وہ واقعہ سنائیے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و واقعات میں آپؐ کو سب سے زیادہ پیارا لگا ہو۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک گہرے احساس کے ساتھ یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توساری ہی باتیں نہایت پیاری تھیں۔ آپؐ کی توہرات نہایت دل آویز تھیں۔ تاہم تم نے فرمائش کی ہے تو میں تمہیں ایک واقعہ سناتی ہوں۔ ایک شب کو حضورؐ میرے پاس تشریف لائے لیکن اچانک آپؐ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ! مجھے اجازت دو میں اس وقت اپنے اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا حضورؐ! مجھے آپؐ کا قرب نہایت عزیز ہے لیکن جو چیز آپؐ کو پسند ہو وہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہے لہذا آپؐ کو اجازت ہے۔ تو آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور آپؐ روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا اس میں بھی گریہ طاری رہا جس کی بنا پر سجدہ گاہ گیلی ہو گئی۔ پھر آپؐ کچھ دیر لیٹے لیکن وہ کیفیت آپؐ پر برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور آپؐ پر رقت اور گریہ کی وہی کیفیت طاری رہی۔ حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ

کی اس کیفیت کو دیکھا تو انہوں نے عرض کیا حضور! آپ اور آپ پر یہ رقت اور یہ گرہ یہ! حالانکہ اگر کہیں بالعرض آپ سے کوئی خطا اور لغزش ہوئی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خطاؤں کو بخش دینے کا اعلان فرما چکا۔ تو جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے بلال، میں کیوں نہ دعویٰ کہ آج کی شب میں میرے رب نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

الْاٰیٰتِ الْاَوَّلٰی وَالْاٰیٰتِ الْاٰخِرِ السُّوْرَةُ — دوسری روایت کے راوی ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول میں یہ شامل تھا کہ جب آپ رات کے وقت تہجد کے لئے اٹھتے تو انکھ کھلتے ہی بے اختیار آپ کی زبان مبارک پر یہ آیات جاری ہو جاتی تھیں۔ اب آپ چشمِ تصور سے دیکھتے کہ اللہ کا محبوب بندہ پچھلی رات کو اٹھا۔ اوپر آسمان ہے، ستارے ہیں، تاریکی اور سکون کی ایک کیفیت ہے۔ اس وقت جو واردات قلب پر طاری ہو رہی ہیں ان کی بہترین ترجمانی ان الفاظ مبارکہ سے ہو رہی ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاختِلَافِ النَّیْلِ وَالتَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ — الى آخر السورة — معلوم ہوا کہ اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات مبارکہ سے خصوصی شغف تھا۔ ان دونوں روایات کو امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں لائے ہیں۔

تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان آیات کا موضوع کیا ہے۔ ہاں ان آیات کے موضوع کو اگر میں عنوان دوں تو وہ ”ترکیبِ ایمان“ ہے یعنی *Synthesis of the Faith* ایمان کیسے وجود میں آتا ہے اور جو ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرسالت ہیں ان میں باہمی ترتیب کیا ہے! بالخصوص یہ بات کہ اس کے ضمن میں قرآن مجید کا اپنا مخصوص طرزِ استدلال کیا ہے! وہ کس اسلوب سے ایمان باللہ کی دعوت دیتا ہے۔ کن دلائل سے معاویہ یعنی آخرت کا اثبات کرتا ہے۔ پھر یہ کہ اس

ایمان کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں کیا کیفیات پیدا ہونی چاہئیں۔ یہ نہایت اہم موضوع ہے اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ ہمارے دین کی جڑ اور بنیاد تو درحقیقت ایمان ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ آج کے درس کے ذیل میں ایمان کے بارے میں چند بنیادی باتیں آپ حضرات ذہن نشین کر لیں۔

ایمان چند ماوراء حقائق اور چند امور غیبی کو مان لینے کا نام ہے۔ لیکن یہ جان لیجئے کہ اس ایمان کے دوزخ ہیں یا دودھلو ہیں یا دودھ جے ہیں۔ ایک رُخ یا یک پہلو یا ایک درجہ قانونی اور فقیہی ایمان کہے۔ جس کی بنیاد پر ہم اس دنیا میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کا تمام دار و مدار اقرارِ اُحسّٰ بِاللِّسَان پر ہے۔ زبان سے اقرار کرنا کہ میں مانتا ہوں اللہ کو اس کی صفاتِ کمال کو، اس کی توحید کو۔ میں مانتا ہوں۔ نبوت و رسالت کو، ملائکہ کو، کتابوں کو، نبیوں اور رسولوں کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین و المرسلین ہونے کو۔ میں مانتا ہوں۔ بعث بعد الموت کو، حشر و نشر کو حساب و کتاب کو، جزا و سزا کو، جنت و دوزخ کو۔ یہ زبان سے جو اقرار ہے یہ دنیا میں ہمارے مسلمان سمجھے جانے کی بنیاد ہے۔ ایمان کا دوسرا رُخ یا دوسرا پہلو یا دوسرا درجہ ہے حقیقی ایمان۔ اور وہ عبارت ہے قلبی یقین سے۔ ان تمام امور پر قلبی یقین پیدا ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ آخرت میں فلاح و نجات کا جو دار و مدار ہے وہ اس حقیقی اور قلبی ایمان پر ہے۔

جہاں تک پہلے ایمان یعنی اقرار باللسان کا تعلق ہے، اس کے بارے میں گفتگو کی ہمیں خاص حاجت نہیں ہے وہ تو ہمیں حاصل ہے۔ وہ تو ہمیں مولوثی طور پر مل گیا ہے۔ ہم مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تو در ثانیہ عقائد ہمیں منتقل ہو گئے۔ لیکن اصل چیز وہ یقین قلبی ہے جس پر آخرت میں نجات کا انحصار ہے، ہمیں اس کی فکر ہونی چاہیے بقول علامہ اقبال مرحوم۔

یقین پیدا کر لے ناداں یقین سے ماتھا آتی ہے

وہ درویشی کہ جس کے سامنے ہکتی ہے مغفوری

وہ یقین قلبی اور حقیقی ایمان ان آیات کا موضوع ہے۔ اس ضمن میں یہ

نکتہ نوٹ کر لیں کہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اگر ایک انسان حسنہ مسلمان معاشرے میں آنکھ کھولی اور وہ دین کے اوامر و نواہی پر کاربند ہے تو چاہے ذہن، فکر اور شعور کی سطح پر اسے ماوراء حقائق اور امور غیبی کی حقیقی معرفت و *Conscious Realisation* حاصل نہ ہوئی ہو تب بھی اس کو ایک نوع کے قلبی یقین کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح انسان کا باطن اس کے ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے اُسی طرح اس کا ظاہری طرز عمل، اس کا ظاہری رویہ اس کے باطن پر ایک عکس ڈالتا ہے، چاہے آپ اسے ایک غیر شعوری یقین کہیں لیکن وہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیں اس وقت اس کے بھی بحث نہیں ہے۔ ان آیات میں جو گفتگو ہو رہی ہے وہ اکناسی اور شعوری ایمان کی ہے۔ جس کو ایک ذہین و فطین اور صاحب شعور و ادراک انسان اپنے ذاتی غور و فکر کے نتیجے میں حاصل کرتا ہے جن کو ان آیات مبارکہ میں پہلی آیت میں اولوالالباب قرار دیا گیا۔ یعنی ہوش مند لوگ، عقل سے کام لینے والے لوگ، صاحب خرد لوگ۔ ان کا معاملہ کیا ہوتا ہے!

تفصیلات میں تو ہم ان شاء اللہ اگلی نشستوں میں جائیں گے۔ فی الحال! ائمہ میں یہ نکات نوٹ کیجئے کہ ان آیات میں ان اولوالالباب کے بارے میں پہلی بات یہ سامنے آئی کہ یہ لوگ کتاب فطرت کے مطالعے اور مظاہر فطرت کے مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اللہ کو پہچاننے کے بعد اس کی ذات اقدس سے ایک مضبوط ذہنی رشتہ و تعلق استوار کر کے مزید غور و فکر کرتے ہیں اور بقول علامہ اقبال مزید خود کی گتھیاں سلجھاتے ہیں تو ان کی رسائی ایمان بالمعاد یعنی ایمان بالآخرہ تک ہو جاتی ہے۔ گویا کہ معرفت الہی اور قانون مکانات و مجازات عمل تک رسائی ان کے اپنے مطالعہ و مشاہدہ اور تعقل و تفکر کے عمل (Process) کا حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب کسی نبی کی دعوت ایسے لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہے جو ان ہی امور پر مشتمل ہوتی ہے تو ایسے لوگ دالہانہ انداز میں اس پر لبیک

دیکھنا تفسیر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا ہی میرے دل میں ہے

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ آخر میں ایسے لوگوں کی سیرت و کردار کی ایک جھلک دکھا دی گئی کہ یہ بڑے لوگ نہیں ہیں۔ یہ جہاں عقل و شعور کے اعتبار سے بچتے ہیں وہاں ان کا کردار اور ان کی سیرت بھی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اس کا نقشہ آیت نمبر ۱۹ میں آگیا ہے۔

اس درس کے ضمن میں تیسری اور آخری بات نوٹ کر لین تاکہ اس ہمارے سابقہ درس کے ساتھ جو ربط و تعلق ہے، وہ ہمارے سامنے آجائے وہ یہ ہے۔ کہ سورۃ العصر میں انسان کی نجات اخروی کی چار ناگزیر شرائط ہمارے سامنے آئی تھیں۔ ایمان، عمل صالح، تواضعی بالحق اور تواضعی بالعصر۔ یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایمان اور صبر یعنی پہلی اور آخری شرائط کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ درمیان دو شرطیں گویا یہاں *Understood* ہیں۔ مقدر ہیں۔

بین السطور ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت لقمان کی شخصیت ہمارے سامنے آچکی ہے وہ نبی نہیں تھے نہ ہی کسی رسول کے اُمّی تھے لیکن فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ کی رہنمائی میں وہ ایمان باللہ اور توحید اور قانونِ مجازاتِ عمل تک پہنچ گئے تھے۔ یہی بات ہم سورہ فاتحہ میں دیکھ چکے ہیں کہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان کہاں تک پہنچ پاتا ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور روزِ جزا و سزا کا شعور بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ زندگی کے پیچیدہ مسائل میں تفصیلی رہنمائی کا محتاج ہوتا ہے جس کے لئے وہ دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ *اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ* کہ یہاں سے رات کی ضرورت کی احتیاج کے لئے دلیل قائم ہوتی ہے۔ ان مباحث کے پس منظر میں آج ہم نے غور و تدبر کے لئے ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ ان شاء اللہ ان آیات پر تفصیلی گفتگو آئندہ ہوگی۔ البتہ اس نشست میں میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کے بارے میں کوئی سوال ہو یا وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوالے جواب

سوال : ڈاکٹر صاحب ! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان کا ذکر کیا ہے جو اُسے ہر دم یاد کرتے ہیں۔ عملی طور پر ہر دم اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کس طرح ممکن ہے۔ ؟

جواب : اصل میں ذکر کے معنی ہیں استحضار اللہ فی القلب۔ دل میں اللہ کو مستحضر رکھا جائے اور یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی دنیوی مصروفیت میں ہو اس کے ہاتھ اس کام میں لگے ہوئے ہوں لیکن اللہ کی یاد اس کے دل میں موجود ہو۔ بلکہ ہمارے اکثر و بیشتر کام وہ ہیں جن کے دوران ہم اپنی زبانوں کو بھی ذکر الہی سے ترکہ کر سکتے ہیں باقی ان آیات سے جو اصلاً مقصود ہے وہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب شعور میں مستحضر رکھے۔ اُسے یاد رکھتے۔ اُسے یہ یقین ہے کہ ایک عالم

غیب ہستی اس کے ہر عمل کو دیکھنے والی، ہر برائے کو جاننے والی ہر قول کو سننے والی موجود ہے۔ اس کی نگران ہے۔ یہاں اصل میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس کائنات کی الجھی ہوئی طور کو سمجھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے۔

خرد کی گتھیاں سمجھا چکا میں میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر
تو جو لوگ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ یہ کائنات کیا ہے ! وجود کی حقیقت کیا ہے !
زندگی کی حقیقت، کیا ہے ! ہم کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ !!
وہ اگر اس غور و فکر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی یاد کا التزام نہیں کریں گے
ان کا فکر کسی غلط سمت اور رخ پر مڑ جائے گا۔

سوال : ڈاکٹر صاحب ! آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی جو طویل سورتیں ہیں ان کی ابتدا میں اور آخر میں وہ معنایں آتے ہیں جن کا ہماری فلاحی اور عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے تو کیا ان سورتوں کے درمیان ایسے معنایں نہیں آتے جن کا تعلق ہماری اخلاقی، روحانی اور علم، زندگی،

سے ہوتا ہے - ؟

جواب : آپ نے اچھا کیا کہ یہ بات آپ نے پوچھ لی۔ پہلے تو اس بات کی تصحیح کر لیجئے کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام پر وہ مضامین آتے ہیں جن کا ہماری روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ فواج و خواہش میں نہایت جامع باتیں آتی ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں نے عرض کیا تھا کہ جیسے کسی اچھی غزل کا مطلع اور مقطع بہت شاندار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان مجالس میں اس سے پہلے بھی یہ بات آئی ہے کہ جب ہم قرآن مجید کی کسی آیت یا سورت یا کسی خاص مقام کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کی خصوصی اہمیت ہے یا عظمت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دوسری آیات غیر اہم ہیں۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان ایسا کہنا تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں اپنی بات کے مفہوم کو دوبارہ عرض کئے دیتا ہوں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اکثر طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام پر بہت جامع آیات آتی ہیں۔ یعنی جو مضامین ان سورتوں میں طویل مباحث کی صورت میں آتے ہیں تو ویسے بھی منطقی اور عقلی طور پر بھی اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آخر میں انہیں طہ sum کیا جائے اور جامعیت کے ساتھ ان مضامین و مباحث کو تھوڑے الفاظ میں سمو کر ایک *Lessening Impression* قاری یا سامع کے ذہن پر قائم کیا جائے۔ تو خواہش سورہ عموماً اس خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں۔

حضرات ! اس مختصر نشست میں ان چھ عظیم آیات کے بارے میں جو تمہیدی اور ابتدائی باتیں آج چلے سائے آتی ہیں ان کو اچھی طرح اپنے ذہنوں میں تازہ اور مستحضر رکھتے تاکہ آئندہ نشستوں میں ہم کسی قدر تفصیل میں جائیں تو آپ کے ذہن میں یہ خاکہ موجود رہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فريضة اقامت دين

رابطہ و تعلق

ڈاکٹر ابرار احمد

کے خطاب درس کی چوتھی قسط

دین اللہ | اب تیسرے مسئلہ کی طرف آئیے۔ جب اللہ کو مان لیا جائے کہ مطابح مطلق وہ ہے۔ قانون حاکمیت مطلقہ امتح کی ہے۔ جب تسلیم کر لیا جائے کہ بادشاہ حقیقی صرف وہ ہے۔ قانون دینے کا اصل مجاز وہ ہے۔ شارع حقیقی وہ ہے۔ اس کے نمائندے کی حیثیت ہے رسول ہیں۔ لیکن اصل محکومت اللہ کی ہے۔ مطلقہ اطاعت اس کی ہے۔ امدیہ اطاعت بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی۔ اس بات کو قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ يَتْلُمِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی: یہاں الرسول سے مراد ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک جگہ فرمایا: وَمَا آتَاكُم مِّنْ رَّسُولٍ اِلَّا يَطِيعَا بِاِذْنِ اللّٰهِ اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی نے بھیجا ہے کہ اذن الہی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اس آیت میں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات آگئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کو واسطہ رسول ہی بجا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا مختلف امالیب سے بیان ہوا ہے۔ وقت
لڑکی کے لحاظ سے میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان سب کا احصاء کر سکوں۔ لہذا چند آیات پیش کرتا
ہوں۔ سورۃ یوسف میں ایک عجم حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے پہلوایا گیا : اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا
لِلّٰهِ يَتَّبِعُوْنَ اَلَا مُنْذَرًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذٰلِكَ السِّیْرُ الْقَبِيْمُ : ”فرمان روائی اور حکم دینے کا عقیدہ
اللہ کے جواسکا ہے“۔ اس پر مذکور کیا ۔ کہ اگر اس کو کہہ اسکا کہنا : اگر نہ کہہ

طریق زندگی ہے۔ اسی سورۃ یوسف میں دوسرے مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ادا کیا گیا: **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ** ۵

حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو کسی پر بھروسہ کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرے۔ سورۃ انعام میں ایک دوسرے انداز سے اس بات کا اظہار فرمایا گیا کہ **اَلَا هُوَ حَاقِقٌ حَاكِمُ الدِّينِ** کی ہے اور وہ (اپنی رعایا) انسان کا حساب لینے میں بڑا تیز ہے۔ **اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ** ۵ حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے۔ **لَهُ الْحُكْمُ** قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مزید برآں یہ مضمون مختلف اسالیب سے قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ **وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجٰتِ**۔ اور **لَهُ الْمُلْكُ**۔ یہاں دونوں جگہ جو حرف جار لام آیا ہے یہ لام تکیک بھی ہے اور لام اتحقاق بھی۔ یعنی **DE-FACTO AND DE-JURE** اسی کی بادشاہت ہے۔ اور یہ بادشاہت دنیا کے مام بادشاہوں کی طرح کی نہیں بلکہ اس شان سے ہے کہ وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے: **تَبَارَكَ الَّذِي يَبْدِئُ الْمَعْلٰمَ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** ۵ نہایت بزرگ و برتر والا ہے وہ ہستی (اللہ) جس کے ہاتھ میں (کائنات) کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا اس کے آڑے آنے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ کی حاکمیت مطلقہ پر جو نظام بنے گا وہ دین اللہ ہوگا۔ آخری پارے کی مختصر سورہ:

”سورة النصر“ میں یہ مہلح آتی ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا

”اے نبی! جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہوگئی تو آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہیں!“

ان آیات میں فتح مکہ کے بعد کائنات کھینچا گیا ہے۔ جب جزیرہ نمائے عرب کے چہار اطراف سے قبائل پر قبائل مدینہ منی میں چلے آ رہے تھے۔ اللہ کی اطاعت اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسول اور اللہ کا نائندہ تسلیم کر رہے تھے۔ آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے آمادہ اور اس طرح اسلام میں شامل ہو رہے تھے۔ گویا وہ دین اللہ میں داخل ہو رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو عمل کی جو تھوڑی سی آزادی دی ہے اور اسے یہاں دیا ہے کہ **إِنَّمَا مَنَاسِكُنَا**۔ چاہے شکر گزار بندہ بن کر رہے چاہے ناشکر۔ تو اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اپنی آزاد مرضی سے انسان اللہ کا مطیع، فرمانروا، اطاعت گزار بن کر

اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں امتی کی ہدایت پر عمل پیرا ہو۔ یہ ہے لفظ دین کا حقیقی مفہوم اور مَخْلَصَاتُ الدِّين کا اصل تقاضا۔ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ”دین“ اس نظام زندگی کو کہتے ہیں جس میں انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کی زندگی ایک

مطابق کی اطاعت کے تابع ہو تو ایک حقیقت اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ہر دین ”اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ قائم ہو اور غالب ہو۔ بادشاہ کا دین قائم و نافذ ہو تو بادشاہ کا دین کہلانے کا بادشاہ مغلوب ہو گیا تو پھر بادشاہ کا دین کہاں رہا ! وہ تو ختم ہوا۔ جب تک بادشاہت قائم ہے جب تک دین الملک ہے ورنہ نہیں۔ جیسے آپ سورۂ زخرف میں دیکھئے جہاں فرعون کا قول نقل ہوا اس نے اپنی قوم کو منادی کرائی : وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِي مَلَكٌ وَرَسُوْلٌ وَاَلَمْ اَعْطِمْ ثَجْرَتِي مِنْ تَحْتِي“ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا۔ ”اے میری قوم کے لوگو ! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور کیا یہ سارا آپ باشی کا نظام میرے اختیار میں نہیں ہے ؟“ میں جس کو چاہوں پانی دوں جس کے لئے چاہوں پانی روک لوں۔ پھر سورۂ بقرہ میں اس محتاج کو دیکھئے جو فرعون سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا : اَلَمْ نَرِ الْاِلٰهَ الَّذِي هَآجَمَ اِبْرٰهِيْمَ فِيْ رَيْبٍ اَنْ اَتٰهُ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكُ“ (اے نبی ! کیا آپ نے اس شخص (فرعون) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا ان کے رب کے بارے میں اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ اس حکومت کی بنیاد پر اس کو نرم ہو گیا تھا کہ مختار مطلق اور اعلیٰ الاطلاق حاکم و بادشاہ وہ ہے۔ وہ بھی خدائی کا تدعی تھا۔“ جب حضرت ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے : اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّیْ اَلَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔ تو وہ سرکش ہوا۔ ”زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے“ قَالَ اَنَا مُخِيْ وَ اُمِیْتُ۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے دو قیدی جیل سے بلوائے۔ ان میں سے ایک کو آزاد کیا کہ جاؤ تم بری ہو اور دوسرے کی دہ باری میں گردن اڑاؤ وادی اور حضرت ابراہیم سے کہا کہ دیکھو میں نے ایک کو زندہ رکھا اور ایک کو مراد دیا۔ تو کیا میرے پاس زندگی و موت کا اختیار ہے کہ نہیں ! حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ یہ تو کچھ بھی پرانگیا ہے تو انہوں نے آخری بات کہہ دی کہ میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، طلوع کرتا ہے، تو خدا اسے مغرب سے نکال لا“ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یُنٰٓئِلُ بِالْغٰیْبِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاِنَّیْ یَعٰی مِنَ الْمَغْرِبِ۔ اگر تجھے واقعی اختیار حاصل ہے تو یہ کہہ کے دکھا۔ لیکن اس بات

پر وہ کافر مہوہن حیران اور ششدر ہو کر رہ گیا۔ قَبِلْتَ الَّذِي كَفَرْتُ۔ وہ لاجواب ہو گیا،
 بغلیں جھاکنے لگا جس طرح غمزدہ نے کہا تھا کہ زندگی اور موت میرے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح فرعون
 نے کہا تھا کہ اب باپشی کا نظام اور حکومت کا انعام میرے ہاتھ میں ہے۔ اَلَيْسَ لِي بِكَ مِصْرٌ وَطَنٌ؟
 اَلَا مَنُورٌ تَجْسِي مِنِّي مَنَ تَحْتِي۔ لہذا برا حکم چلے گا۔ تو جب تک اس کا حکم چل رہا ہے تو دین الٰہی
 ہے۔ یہ نہیں تو دین کہاں رہا! ختم ہو گیا۔ اسی طرح جب جمہور کو انتخاب کا حق حاصل ہے اور وہ
 اپنے نمائندوں پر مثل پارلیمان یا اسمبلی منتخب کرتے ہیں اور یہ منتخب پارلیمان جمہور کی حاکمیت کے
 اصول پر کاروبار حکومت چلاتی ہے تو جمہوریت بالفعل قائم ہے لیکن اگر کوئی فرد یا سربراہ اپنے
 ساتھیوں کے تعاون سے اسمبلی یا پارلیمنٹ توڑ دے اور مارشل لا نافذ کر کے بحیثیت چیف مارشل لا
 ایڈمنسٹریٹر حکومت کا انتظام و انعام اور جملہ اختیارات سنبھال لے تو جمہوریت کہاں رہی! دین الٰہی
 ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ نظام تو وہی ہے جو بالفعل قائم ہو اور واقعتاً اس کے اختیارات کا سکہ چل رہا
 ہو۔ بالکل اسی طرح دین اللہ قائم و نافذ اسی وقت سمجھا جائے گا جب امر واقعی میں وہ نظام قائم
 ہو جس میں بالفعل اللہ ہی کو Supreme Authority مانا گیا ہو۔ Sovereign
 فی الحقیقت اللہ ہی کو تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی کے احکام کے آگے سب کے سر جھکے ہوئے ہوں اور
 عملاً صورت حال یہ ہو کہ لَيْسَ كُنُوفٌ كَلِمَتُهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْعُلْيَا۔ اللہ کا کلمہ سب سے اونچا
 ہو جائے۔ اللہ کی بات اس کافر مان بالاترین ہو جائے۔ اور یہ ہو پورے نظام زندگی پر —
 جزوی نہیں۔ بلکہ کل نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہو۔

کامل غلبہ درکار ہے | جیسے کل میں نے بتایا تھا کہ انفرادی توحید جنوی مطلوب نہیں ہوتی۔
 بلکہ کلی مطلوب ہوتی ہے۔ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
 ۵ اَوَّلَ إِلَهِ السَّبْطَيْنِ الْخَالِصِ ۵ پس بندگی کرو اللہ کی، پرستش کرو اللہ کی اطاعت کو اس
 کے لئے خالص کرتے ہوئے اور آگاہ ہو جاؤ اللہ کے لئے تو دین خالص مطلوب ہے: اللہ
 اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ چلو آدھا دین میرا مان لو کچھ اطاعت میری کرو۔ آدھا
 دین کسی اور کا مان لو اس کی اطاعت بھی کرو۔ یہ طرز عمل درکار نہیں ہے۔ اللہ کا مطالبہ تو یہ
 ہے کہ کل کا دین۔ کامل اطاعت اسی کے لئے خالص ہو جائے اور دین میں انسان پورا کا
 پورا داخل ہو جائے۔ اَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔ چنانچہ اس آیت کو نوٹ کیجئے جو سورۃ
 انفال کی آیت ہے کہ قتال کی آخری منزل کیا ہے؟ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کا آخری ہدف کیا ہے؟

فرمایا: وَقَاتِلُوا حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَبِالْمُؤْمِنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ
 • (اے مسلمانو! ان (کافروں اور مشرکوں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد
 بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے: یہ نہیں کہ اس کا کوئی جزو مان لیا
 جائے۔ مسجد میں تو اللہ کی مرضی چل رہی ہو، پارلیمنٹ میں نہ چلتی ہو۔ سپریم کورٹ امدانی کوڈس اور
 ماتحت عدالتوں میں نہ چلتی ہو۔ ذرائع اطار میں نہ چلتی ہو بازار میں نہ چلتی ہو۔ منڈی میں نہ چلتی ہو۔
 گھر میں نہ چلتی ہو۔ یہ تو معاذ اللہ تم نے اللہ کو ٹرنا دیا ہے۔ ایک بڑا ہی جزوی اور چھوٹا سا حصہ تو
 اس کو دیا ہے باقی سب دوسروں کو الٹ کر دیا۔

تفریق دین | یہ ہے وہ حقیقت تفریق دین جس کے متعلق میں نے کل بھی کچھ عرض کیا تھا اور
 آج بھی شروع ورا میں کہا تھا کہ ہمیں لفظ دین کے ساتھ: وَلَا تَقْصُرُوا فِيهِ
 پر بھی گہرائی میں اتر کر غور کرنا ہوگا۔ خاص طور پر یہاں فیض قابل توجہ ہے۔ فَرَّقَ، يَفْرِقُ
 تَفْرِيقًا کے کیا معنی ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ علیحدہ علیحدہ کر دینا، بچا کر دینا۔ دین ایک وحدت
 ہے۔ پورا نظام زندگی۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ ایک وحدت بن کر اللہ کے تابع آجائے تو یہ
 ہے دین اللہ۔ گویا کہ مکمل دین قائم ہو گیا۔ اگر یہ نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ فَرَّقُوا دِينَهُمْ۔
 دین کو بچا کر دیا کچھ حصہ میں نے لے لیا، کچھ آپ نے لے لیا، کچھ کسی اور کو دے دیا۔ دین کے
 ٹکڑے کر دیئے کہ کچھ حصہ کو ہم مانیں گے کچھ کو نہیں مانیں گے۔ یہ ہے تفریق دین۔ کل میں بیات
 آپ کو سنا چکا ہوں کہ: الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَلَسَتْ مِنْهُمْ فِي
 شَيْءٍ مِّنْ آيَاتِي حُجَّةٌ جو لوگ اس دین کے ٹکڑے کر دیں، اس کو بچا کر دیں، اس کے حصے بچے
 کر دیں اور خود تفریق میں بٹ جائیں تو ایسے لوگوں سے آپ کا کوئی تعلق نہیں، ان سے آپ کو
 کوئی سروکار نہیں: لَرَزَجَا نَا اور ٹورنا چاہیے اس وعید سے کہ کس طور پر اللہ عزوجل ایسے
 لوگوں سے اعلان برأت فرما رہے ہیں جو اللہ کے اس دین میں جو تمام انبیاء و رسل کا دین ہے
 تفرقہ ڈالنے کی روش اختیار کریں کہ ان سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فیض میں
 یہ مفہوم غالب ہے۔

لے یہی وجہ تھی کہ مانعین دکوۃ سے خلیفہ تزل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کیا تھا۔ ان
 میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو دکوۃ کے منکر نہیں تھے البتہ مرکزی بیت المال کو دکوۃ ادا کرنے
 کے لئے تیار نہ تھے۔ (مرتب)

تفریق دین کا دوسرا مفہوم | اس کا ایک مفہوم اہل حق ہے جس کو میں کل بھی بیان کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے امت کو یگانہ موصوف بن جانا لازم ہے۔ فقہی مسائل میں رائے فقہیہ کا اختلاف بالکل دوسری چیز ہے۔ یہ اختلاف صرف فقہ کے چار شہوہ و معروف ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یا سنی المسلک علماء کرام کے درمیان نہیں ہوا بلکہ صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے، بین بھی رہا ہے۔ یہ فقہی مسلک کے اختلافات اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی میں اگر روک بن جائیں۔ گروہ بندی ہونے لگے، امن و دیگر تو دیگر ہی والا معاملہ ہو جائے تو یہ وحدت الہی کے لئے ہلک نہیں بلکہ اقامت دین کے فریضہ کی انجام دہی میں بھار کا دھب بن جائے گا۔ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِیْہِ میں اس نوع کے تفرقے سے بچنے کا بھی یہی کے اسلوب میں حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لئے پوری امت کی اجتماعی قوت و کار ہے۔ دین دنیا کے صرف ایک حصہ پر قائم کرنا تو مطلوب نہیں بلکہ پورے کونہ ارض پر اللہ کا دین قائم کرنے کی جدوجہد کرنی ہے۔ پوری دنیا کو نور توحید سے منور کرنا ہے۔ گروہ بندی اور تفرقہ بازی کیوں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا ذکر اسی درس میں ایک آیت کی تشریح و توضیح میں آگے آئے گا۔

فقہی اختلافات حدود کے اندر ہوں تو تفرقہ نہیں | دین ایک ہو، اور وہ ہو دین توحید اس کے تحت تفصیلی قوانین میں متحول و متحولہ فرق

ہو | تعبیر *detachment* کا فرق ہو، استنباط کا فرق ہو، اجتہاد کا فرق ہو لیکن توحید کا اصول سب کے نزدیک ایک ہی ہو توحید کا میں نے ابھی عرض کیا یہ تفرقہ نہیں ہے۔ ہمارے تمام فقہاء اور سنی المسلک ائمہ کے نزدیک اصول ایک ہی ہے کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے اور اس کے نائضہ کی حیثیت اس کے رسول کی ہے۔ اللہ اور رسول یہ ہیں اصل ستون بن پر دین قائم ہے وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَلَا تَمَّا عَلَى رَسُولٍ لَّكَ الْغَيْبُ۔ اس اصول کے تحت مختلف نئے مسائل میں استنباط کیا جا رہا ہے۔ ہر عقیدہ اور ہر فقہیہ اللہ اور اس کے رسول کے مشاد کے مطابق کسی نئے مسئلہ میں حکم تلاش کر رہا ہے۔ اس میں کچھ کچھ فرق واقع ہو سکتا ہے موجودہ دور کی ایک مثال | آپ کو معلوم ہے کہ مجسٹو صاحب کے خلاف قتل کا مقدمہ جب سپریم کورٹ میں آیا۔ یہ مقدمہ تو پاکستان کی تاریخ کا ایک حقہ بنے گا تو اس کے باوجود کہ قانون ایک ہی ہے۔ نئی شہادتیں سپریم کورٹ میں پیش نہیں ہوئیں۔ وہ تو آئی کورٹ میں مقدمہ کی جو مثل تیار ہوئی تھی اور اس پر جو فیصلہ ہوا تھا اسکا پر بحث و تھیس

جرح و تعدیل ہوئی ہے۔ اس نوع کے مقدمات کے سابقہ فیصلوں اور نظائر سے استدلال و استنباط ہوا ہے۔ مختلف شہادتوں کے مابین تضادات کی نشاندہی کرنے کی کوشش ہوئی ہے۔ مثل پر جو مختلف شہادتیں دیکھا رہے ہوئی تھیں ان میں سے ہر شہادت میں تضاد تلاش کیا گیا۔ سابقہ فیصلے کے ستر بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر فرقہ بندی کے دلائل نے بحث کی ہے اور اپنے اپنے دلائل دیئے ہیں۔ اب دیکھئے قانون ایک، ساری مثال ایک، لیکن سپریم کورٹ کے جج صاحبان اختلاف کر رہے ہیں۔ اختلاف ہو سکتا ہے جنہوں نے پچاسی کی سزا کا حکم دیا اور جنہوں نے بری کرنے کا فیصلہ دیا ان میں سے کسی نے اصول سے اختلاف نہیں کیا وہ سب قانون کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں لیکن شہادتوں سے استنباط و استدلال میں اختلاف کر رہے ہیں۔ یہ اختلاف ہوا۔ پوری دنیا کو معلوم ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ فیصلہ کرنے والوں نے بدعتی سے مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ اور تو اور صرف دو جج ایک قانون کے تحت ایک ہی مقدمہ کو سنتے ہیں تو ان کی آراء میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

اصل الاصول | البتہ جب اصول یہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واضح احکام یعنی نصوص قرآن و سنت کی اطاعت اور تابعداری کی جائے گی۔ اور صرف اسی دائرے میں رہ کر جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کر دیے ہیں معاملات طے کئے جائیں گے۔ تو یہ تفرقہ نہیں ہوگا۔ بلکہ دین اللہ ہوگا۔

دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے | دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ دین جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا وہی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ دین ہے دین توحید۔ اللہ کو احد مان لینا۔ اسے وحدہ لا شریک نہ جان لینا۔ جب تک توحید کو آپ محمد انفرادی زندگی میں لے آئیں گے۔ چوتھ صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے۔ تو وہ ہوگی اللہ کی عبادت کرنا، اپنی کل اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اسی توحید کو جب آپ اجتماعی نظام کے ذیل میں لائیں گے تو یہ ہوگی پورے نظام زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع کر دینا۔ یہ ہوگا اجتماعی طور پر عملی توحید کا برپا کر دینا یا دین اللہ کو بالفعل قائم کر دینا۔ یہ ہے اقامت دین۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ | ہمارے اہل جو فقہی اختلاف پاتے جاتے ہیں۔ ان سب میں اصل اصول ایک غلط فہمی کا ازالہ | توحید ہی ہے۔ مسلمات دین سب کے نزدیک مشترک ہیں۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اطاعت مطلقہ کا سزاوار صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور یہ اطاعت بواسطہ

رسولؐ ہوگی۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت رسول اللہ مطاع ہیں۔ آپ کے احکام آپ کے فیصلے، آپ کی سنت، آپ کے فرمودات واجب اطاعت اور واجب اتباع ہیں۔ انجوائے آیات قرآنہ: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ "جس نے بھی (محمدؐ، رسول اللہ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی؛ اور وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْسِقَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَلَا مَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا" کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ مرجع گمراہی میں پڑ گیا۔ سورہ نساء میں فرمایا: فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَجِئَكَ مَوْفِقٌ فِي مَآ شَجَعْنَا بَيْنَهُمْ۔ (اے محمدؐ، آپ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ہی کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں: علاوہ ازیں أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کا حکم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت دین کے دو درجہ ہیں۔ جن پر دین توحید قائم ہے۔ لہذا تمام فقہاء اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا دین بھی دین توحید ہے۔ وہ چاہے امام ابوحنیفہؒ ہوں۔ امام مالکؒ ہوں امام شافعیؒ ہوں، امام احمد بن حنبلؒ ہوں۔ امام بخاری ہوں وغیرہم۔ کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہوئے جو تفاسیل طے کی جائیں گی تو بعض مسائل کے استنباط، تعبیر اور بعض میں اجتہاد و قیاس، راجح و مرجوح، افضل و مفضول کی آراء میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور ہوا ہے۔ ان ائمہ عظام کے مابین معاذ اللہ دین کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ فقہی مذاہب اور مذاہب میں۔ سب کا دین، دین اسلام ہے۔ مسکلوں کے اختلافات میں کوئی حرج نہیں۔ سب حق ہیں۔ دین میں تفرقہ درست نہیں ہے یہ تو کفر ہو جائے گا۔ اس بات کو اس طرح بھی سمجھ لیجئے اور فرض کیجئے کہ کسی ملک میں غالب اکثریت امام مالکؒ کے مسلک پر چلنے والوں کی ہے تو جب وہ اپنے ملک میں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں مالکی فقہ رائج ہو جائیگا۔ کسی جگہ پر احناف کی عظیم اکثریت ہو تو وہ جب اپنے یہاں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں فقہ حنفی نافذ ہوگی۔ دوسری ذالک: لیکن فقہ کے اختلافات کے باوصف سب کا دین ایک ہی ہو گا اور وہ ہو گا دین اسلام، دین توحید۔ اس بات کو آج بھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اور شریعت یا دین اور فقہ میں

کیا فرق ہے! یہاں بات دین کی ہو رہی ہے۔ شریعت کی نہیں۔ دین کے معاملہ میں متفرق نہ ہو۔ اس پر مجھے رہو۔ اللہ ہی کو مطابح مطلق ماننا ہے۔ انہی کی حاکمیت تسلیم کرنی ہے۔ انہی کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنی ہے۔ انہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ انہی کی اور اس کے بول کی اطاعت پر مبنی اپنا نظام حیات بنانا ہے۔ یہ ہے اقامت دین۔ اس کے بارے میں تفرق میں نہ پڑ جانا۔

دین اللہ کا قیام مشرکین پر بھاری ہوتا ہے

اس آیت مبارکہ میں آگے جو مضمون آ رہا ہے اس کی تفہیم کے لئے مجھے تہیذاً کچھ باتیں عرض کرنی ہوں گی۔

دیکھئے قرآن مجید چونکہ ایک خاص دور میں نازل ہوا
نزول قرآن کا پس منظر اور تاویل خاص | ۶۳۲ عیسوی سے لے کر ۶۳۲ عیسوی تک جو بتا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے نزول کا زمانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص ملک یعنی عرب میں پورا کا پورا قرآن نازل ہوا۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب محمد رسول اللہ پھر انہیں انہوں سے اولین مخاطب وہی لوگ تھے جو عرب میں آباد تھے۔ لہذا قرآن حکیم کی ایک تفسیر اس انداز میں ہم کریں گے کہ جب فلاں آیت یا فلاں سورت نازل ہوئی تو اس خاص پس منظر (Immediate Spectacle) میں اس کا کیا مفہوم سمجھا گیا؟ یہ ہوگی قرآن مجید کی تاویل خاص۔ ہمیں اس آیت یا آیات یا سورت کو اس خاص پس منظر میں رکھ کر غور کرنا ہوگا کہ یہ کب نازل ہوئی؟ کس مرحلہ پر نازل ہوئی؟ اس وقت اس کا مفہوم کیا سامنے آیا؟ اس پر کیا عمل ہوا۔! یہ ہوگی تاویل خاص۔

لیکن — یہ لیکن بہت اہم ہے اس کو غور سے سنئے! لیکن قرآن حکیم صرف اس دور
تاویل عام | کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ابد الابد تک کے لئے یہ قرآن ہدایت و رہنمائی ہے۔ صرف

عربوں کے لئے نہیں پوری فوج انسانی کے لئے ہے۔ ہمدیقت اس ہے۔ لہذا دوسری تاویل ہوگی تاویل عام۔ جس کے لئے مفسرین کا اصول یہ ہے کہ الاعتبار بالعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ خاص حالات جن میں آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں ان کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ الفاظ کو دیکھ کر ان کے عموم سے جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ قرآن مجید کا ابدی مفہوم و مطلب ہوگا

لیکن اس تاویل عام کے لئے ضروری ہے کہ تاویل خاص کو انسان سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عام تاویل میں قرآن کے منشاء سے بہت دور چلا جائے۔ اس کا امکان ہے اور غالب امکان ہے۔ لہذا پہلے تاویل خاص کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے جو عام اصول نکل رہے ہوں یا استنباط کئے جاسکتے ہوں تو ان کو پتے باندھ لینا چاہیئے کہ یہ ہے قرآن مجید کی ابدی رہنمائی۔ یہ ربط و تعلق ہے تاویل خاص اور تاویل عام کا۔

اب آپ تاویل خاص کے اعتبار سے اس پس منظر کو دیکھئے کہ جب یہ آیت نازل ہو رہی تھی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخاطب! جن ہمک حضور دعوت توحید پہنچا رہے ہیں۔ یا اے محمد کے نام پوراؤ! جنہوں نے اس دعوت توحید پر لبیک کہا ہے، اے قبول کر لیا ہے۔ تمہارے لئے ہم نے دہی دین مقرر کیا ہے جو حضرت نوح کو دیا۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کو دیا۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور جواب ہم نے وحی کی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب: اور تمہارا فرض کیا ہے؟ یہ کہ اس دین کو قائم کرنا اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑنا۔ اب سمجھئے کہ کون کون لوگ اس وقت عرب میں تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین تھے۔

اولین مخاطب مشرکین عرب | سب سے پہلے مخاطب تو مشرکین عرب تھے جو ہدایت ربانی سے بہت دور جا چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی ہدایت

کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر و بیشتر عرب حضرت اسمعیل کی اولاد ہیں۔ یہ عرب متعصب کہلاتے ہیں۔ ان میں کچھ عرب عارہ ہیں، اصل عرب کے پرانے رہنے والے۔ اس لئے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام تو اصل عرب کے نہ رہے دالے نہیں تھے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں جن کا اصل وطن تو عراق تھا۔ جنہوں نے حضرت اسمعیل کو عرب میں آباد کیا تھا۔ لہذا آیت قرآنی: رَبَّنَا آتِنَا اِسْکَنْتَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ يٰوَدُّ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ۔ لہذا حضرت اسمعیل خود اور ان کی ذریت عرب متعصب کہلاتی ہے۔ یعنی عرب بن گئے ہیں اصل عرب نہیں ہیں۔ یمن وغیرہ سے جو قبائل نکلا وہ اصل عرب ہیں۔ مدینہ میں ادس و خزرج کے جو دو قبیلے تھے یہ اصل یمنی تھے۔ جو وہاں اگر آباد ہوئے

ان کا تعلق عرب عارہ سے تھا۔ ایک تو یہ قبائل ہیں لیکن ان پر اور عرب کے تمام قدیم قبائل پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کا اتنا اثر ہوا کہ ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر ہی قرار دے دیا۔ حضرت ابراہیم کا ایک لقب حنیف بھی ہے۔ قرآن میں بھی اُن جناب کے ساتھ

استعمال ہوا ہے۔ لہذا تمام عرب خود کو ملتِ حنیفی پر عمل پر قرار دیتے تھے اور بنی اسماعیل تھے۔ پھر چونکہ حضرت ابراہیم کی نسل میں حضرت اسماعیل کے بعد نبی کوئی نہیں آیا اور تناسل ہے، آپ کو اندازہ ہونا چاہیے۔ وہ سب قریباً ڈھائی ہزار برس۔ اس عرصہ کے دوران نبی نہیں، کوئی رسول نہیں، کوئی کتاب نہیں۔ نبی آئے، رسول آئے، کتابیں نازل ہوئیں، اللہ کی سلسلہ جاری رہا لیکن دوسری نسل میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے حضرت اسحق علیہ السلام سے چلی اور جو فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئی۔ حضرت اسحق بنی ان کے ن کے بیٹے حضرت یعقوب نبی ہیں۔ ان کے بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف نبی علیہ السلام حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا لہذا اب یہ بنی اسرائیل کہلائے۔ اب نبوت و رسالت سلم اس نسل میں چلتا رہا۔ ان ہی میں حضرت موسیٰ ہیں، حضرت داؤد ہیں، حضرت سلیمان ہیں، اسلام۔ ان ہی میں سے حضرت عزیر ہیں، حضرت زکریا ہیں، حضرت یحییٰ ہیں اور بے شمار کا سلسلہ ہے جن کا ذکر تواریخ میں ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اس سلسلہ کے بنی نبی و رسول ہیں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام۔

بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر عرب میں عربوں کے یہ دو گروہ عرب حنفرہ اور عرب عاربہ موجود تھے جو اپنے آپ کو حضرت اسماعیل کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بنی اور توحید سے بہت دور جا چکے تھے۔ کہنے کو وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم کے پیروکار ہیں بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی، ستارہ پرستی ان کے یہاں ہو رہی ہے، فرشتوں کی لمبی بیٹیاں قرار دیا ہوا ہے۔ توحید کی کوئی رمق ان میں باقی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو دنیا کے یہاں چھوڑ گئے تھے ان میں بھی رد و بدل کر لیا ہے۔ مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرنے کو انکی کا کام سمجھ رہے ہیں۔ یہ معلوم ان کے یہاں اور کیا کیا غرافات آگئی ہیں۔ عربوں کے گروہ ہیں جن کو قرآن مجید کہتا ہے اُمّیین اور مشرکین۔

دوسرا گروہ جو مخاطب تھا وہ نسل حضرت ابراہیم کے مرے خلیفین: اہل کتاب | دوسرے بیٹے حضرت اسحق سے چلی تھی جن کے بیٹے

یعقوب جن کا لقب اسرائیل تھا اس کا نام بنی اسرائیل پڑ گیا تھا۔ یہی آگے چل کر دو حصوں میں ہو گئی۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ اودان کے بعد آنے والے نبیوں کو تو مانتے تھے لیکن حضرت کا انکار کرتے تھے۔ یہ کہلاتے یہود۔ دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ انجیل

اللہ کے نبی و رسول تھے۔ البتہ ان کی کثرت نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دے رکھا تھا۔ وہ کہلائے نصاریٰ (عیسائی)۔ یہ دونوں گروہ بھی عرب میں آباد تھے۔ یہود کے مدینہ میں تین قبیلے تھے۔ خیر میں ان یہود کا بہت بڑا گروہ تھا۔ نجران میں نصاریٰ آباد تھے۔

لہذا البعث محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت عرب میں دو جماعتیں مخاطب دو جماعتیں | تھیں۔ ایک تو وہ جو دین سے بہت بعید، جاہل، ان کے پاس نہ

شریعت نہ کوئی آسمانی کتاب اور بدترین شرک میں مبتلا۔ دوسری جماعت وہ تھی جن کے پاس آسمانی کتاب بھی تھی گو وہ کافی تحریف ہو چکی تھی اور شریعت بھی تھی۔ کم از کم یہود و شریعت رکھتے تھے مگر اس میں بھی کافی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں علماء تھے، فضلا تھے، مفتی تھے، قاضی تھے۔ ان کا سارا کام ان نظام پر قرار تھا۔ اسی طریقہ سے نصاریٰ تو رات کو بھی مانتے تھے اور ان کے پاس انجیل بھی تھی گو اس میں بھی کافی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں بھی بڑے بڑے علماء تھے، احبار بھی تھے اور رہبان بھی۔ ان دونوں طبقوں کو ذہن میں رکھئے۔ اب اس پس منظر میں دعوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اسے سمجھئے!

دعوت محمدی کی مخالفت | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت شروع کی اور آپ نے دیکھا کہ لوگ اس مطابق فطرت دعوت کو قبول نہیں کر رہے، ایمان

نہیں لا رہے، مخالفت ہو رہی ہے کیشمکش ہو رہی ہے، مٹھی بھر جو سعید رحیم ایمان لے آئی ہیں، ان پر تشدد ہو رہا ہے، ان کو شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسی مکہ کے رہنے والے اجرائے وحی اور آغاز دعوت توحید سے قبل آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ الصادق کا خطاب حضور کو کس نے دیا؟ الامین حضور کو کس نے قرار دیا؟ ان ہی مکہ والوں نے۔ وہ تو آپ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بھاتے تھے، لیکن ہوا یہ کہ سب آں حضور نے دعوت توحید شروع کی تو وہی مکہ والے جو بان چھڑکتے تھے۔ اب وہی خون کے پیاسے ہو گئے۔

بنو ہاشم کی حمایت | وہ تو اب طالب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی، طبعی اور قلبی محبت۔ وہ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن اس محبت کی وجہ سے انھوں نے

کوان کی حمایت حاصل تھی۔ اب طالب چونکہ بنو ہاشم کے قبیلہ کے سردار تھے۔ لہذا قبائلی دستور کے مطابق پورا قبیلہ سردار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم کی ہر قریش کا سب سے بااثر قبیلہ تھا، حضور کو حمایت حاصل تھی۔ اس لئے قریش کو نبی اکرم کے خلاف کوئی براہ راست اقدام کی جرأت نہیں

وئی قریش جانتے تھے کہ اگر ہم نے محمد کو نقصان پہنچایا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس نظام کے تحت
 ذہاشم کا پوتا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ چاہے وہ ایمان لایا نہ ہوتا۔ اس طرح
 یہ خون ریز خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ پورے عرب میں ان کا
 لب اور دبہہ قریش کے تمام قبیلوں کے متحد ہونے کے سبب سے تھا۔ آپس کی جنگ ان کے
 بے بڑی نازک صورت حال پیدا کر دیتی اور حال یہ ہوتا کہ — *A house divided* —
Amongst itself cannot stand — قریش کو اندیشہ تھا کہ اگر
 اسے مابین تفرق ہو گیا تو ہماری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ اس لئے وہ اس حضور کے خون کے
 اسے ہونے کے باوجود آپ کی جان لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے لیکن مخالفت شدید تھی
 رطرح طرح سے نبی اکرم اور آپ کے اصحاب کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری تھا۔

دوسری طرف دعوتِ توحید قبول کرنے کی توقع اہل کتاب سے
 ہو سکتی تھی کہ چلو قریش تو جاہل ہیں ان کے پاس کتاب نہیں ،
 رعیت نہیں ، دی کا نود ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب بھی ہے شریعت
 ہے ، دین کا علم بھی ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نبی اکرمؐ کے منظرِ حق ان کی
 ت کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ تیرے آخری نبی کے ظہور کا وقت کب آئے گا۔
 دکی جب اصل عربوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ مار کھاتے تھے ، پٹتے تھے۔ جیسے آپ کو معلوم
 کہ سرمایہ دار تو مار کھاتا ہے جس طریقے سے ہندوستان میں مسلمان چاہے قتل ہوئے ہوتے
 ، اقلیت میں ہوتے تھے لیکن جب فساد ہوتا تھا تو بنیاد مار کھاتا تھا۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہوتا
 ۔ وہ طبعی طور پر بزدل تھے لہذا وہ مار کھاتے تھے۔ لیکن جب وہ پٹتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ
 یک سہ اس وقت تو ہم تم سے پٹ گئے ہیں لیکن آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے جب
 ناکی زیرِ قیادت تم سے جنگ کریں گے تو تم پر غالب نہیں آسکو گے۔ — یثرب میں رہنے
 وادس و خندرج کے عرب قبائل کو وہ دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ یہودی بھی دھمکیاں جس کو
irony of Fa کہیں گے ، مدینہ والوں کے ایمان لانے میں سبقت کا فریضہ بن گئیں۔
 رنے سن رکھا تھا کہ ہمارے یہاں یہود کے بڑے بڑے علماء ہیں ، وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ اتنی
 کے ظہور کا وقت ہے۔ لہذا جیسے ہی اذات کی تاریخ میں مکہ کی وادی عقبہ میں مدینے سے آئے
 نے چھدا اشخاص کی نبی اکرمؐ سے ملاقات ہوئی۔ آپ تبلیغ کے لئے گشت فرما رہے تھے۔ آپ نے

دیکھا کہ وادی عقبہ میں چھ آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کے سامنے دعوتِ توحید پیش فرمائی۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو لکھنویوں سے دیکھا کہ ہل نہ ہوں یہ وہی نبی ہیں جن کی بعثت کا یہود ذکر کیا کرتے تھے۔ لہذا انہوں نے طے کیا کہ ہم سبقت کر کے آپ کے ہاتھ پٹان لے آئیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی سبقت کر جائیں۔ یہودی کی ادنیٰ ہوئی غروں کے ذریعہ سے ان چھ حضرات کو توبہ دایت حاصل ہو گئی اور یہ ایمان لے آئے۔ لیکن یہود کے علماء کا حال وہ رہا جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: **يَعْرِضُونَ كَمَا يَفْرُقُونَ آيَاتِ اللَّهِ**۔ یہ اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور قرآن مجید کو چھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس حضور کی دشمنی میں یہود سب سے آگے بڑھ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان ان میں سے مبعوث ہوں گے۔ ڈھائی ہزار برس سے نبوت ہمارے ہاں چلا آرہی ہے۔ یہ تاریخی ٹوٹا ہی نہیں لیکن ان کی توقع کے خلاف بنی اسرائیل میں خاتم النبیینؑ المرسلین کا ظہور ہو گیا۔ یہ بات ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی کہ ہم بنی اسرائیل کے ایک فرد کے آگے کیسے جھک جائیں۔! وہ تو آخری قوم ہے، ان پڑھ قوم ہے، ان میں دین نہیں، ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ یہ نبی کہیں سے فارغ التحصیل نہیں۔ ان کے پاس کسی دارالعلوم کی سند نہیں۔ ان کے پاس کسی صاحب علم کی جانب سے کوئی *Testimonial* نہیں۔ ہم ان کو نبی کیسے مان لیں! ہم تو پھر بہت گھٹیا ہو جائیں گے۔ ہماری عظمت، ہماری سیادت ہماری قیادت ختم ہو جائے گی۔ ان کا یہ استکبار اور پنداران کے قبول حق کی راہ میں آڑ ہے۔

آگیا۔۔۔!!!

نبی اکرمؐ کو تشویش | یہ ہے پس منظر۔ اس آیت کے اگلے حصہ کے مبنی اسلوب کا ایسا عموماً ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ اپنی دعوت کے نتیجے کو دیکھ کر کچھ تشویش میں ہیں کو لوگ کیوں ایمان نہیں لا رہے! آخر انہیں کیا ہو گیا ہے! میری دعوت کتنی صاف اور سادہ ہے۔ کتنی مطابق فطرت ہے۔ انسان کی فطرت کی برہنہات کو پیل کرنے والی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے! اس پس منظر کو پیش نظر رکھئے اور اگلے حصے کو پڑھئے۔ فرمایا:-

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بھاری ہے مشرکین پر وہ چیز جس کی طرف

آپ انہیں بلا رہے ہیں۔ دعوت دے رہے ہیں۔“

آپ اسے سادہ بات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ دعوتِ توحید ان کے رائج نظام کو درہم برہم اور تپٹ کر دینے والی ہے۔ ان کا تو پورا نظام شرک پر قائم ہے۔ ان کے مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کی چودھراہٹیں اس مشرکانہ نظام کی رہیں منت ہیں۔

مشرکانہ نظام سے وابستہ مفادات | اس بات کو ابھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہزار دعوتِ توحید مطابق فطرت ہو لیکن اس کے جو لوازم،

مقتضیات اور مستغنیات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو مشرکانہ نظام میں قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دعوتِ توحید کی ان کے مفادات پہلیں کہاں ضرب پڑتی ہے؛ دیکھیے اگر کسی بت کا استھان ہے اور لوگ وہاں اگر چڑھا دے چڑھتے ہیں تو کیا وہ بت کے پیٹ میں جاتے ہیں؟ وہ تو مجاوروں کے پیٹوں میں جاتے ہیں۔ وہاں کے جو پجاری اور دھمے دھمے ہیں سارے چڑھا دے تو ان کو مل رہے ہیں۔ کہنے کو وہ بت پر چڑھا دے۔ اسی طور پر جو چڑھا دے قبروں پر چڑھتے جاتے ہیں، ان کے متعلق آپ نے کبھی سوچا کہ وہ جاتے کہاں ہیں؟ وہ سب مجاوروں اور گدی نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ تو جب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے تو ایسی درگاہوں پر مقفل صندوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ نقد نذر دنیا و نذران میں ڈالی جائے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم ہو کہ جب محکمہ اوقاف کا نظام زیر ترتیب تھا اسی دوران بڑی بڑی درگاہوں کے جو حضرات تہمتی سجادہ نشین تھے، وہ ان زمینوں کو جو درگاہوں اور مقبروں کے نام وقف تھیں، اپنے ناموں پر منتقل کر چکے تھے۔ اصل دولت تو محکمہ اوقاف کے سرگرم عمل ہونے سے قبل ہی وہاں سے جا چکی تھی۔ یہ بڑے بڑے پیر جو بڑے بڑے زمیندار اور دویسے بنے نظر آتے ہیں یہ کہاں سے بنے ہیں۔ انہی زمینوں کی بدولت بنے ہیں جو ان مقبروں اور درگاہوں کے نام وقف کی گئی تھیں اور اب وہ ان کی ذاتی ملکیت بنی ہوئی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ شرک کا پورا نظام ہوتا ہی ہے مفادات کا۔ اس نظام میں تو صرف اوپر کی دکھا دے کی چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ مناد و مقابر ہیں۔ یہ دیوتا اور دیویوں کے بت ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی قبور ہیں۔ اصل مقصد تو ان ناموں، ان استھانوں اور ان درگاہوں کی اڑ میں قیادت و سیادت اور حصولِ دولت ہوتا ہے۔ سومات کے مندر کے اندر جو دولت تھی وہ کس کی ملکیت تھی؛ وہاں کے پجاریوں کی ملکیت تھی۔ لہذا مشرکین کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔

تھے کہ نظام توحید قائم و نافذ ہو۔

آیت کے اس حصہ کے بین السطور نبی اکرم کو تسلی و تشفی دی جا رہی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ٹھیک ہے کہ آپ جو دعوت دے رہے ہیں وہ فطرت کے مطابق، عقل کے مطابق اور بالکل سیدھی بات ہے۔ توحید سے بڑھ کر سیدھی بات اور کونسی ہوگی! توحید کے سوا مطابق فطرت بات کونسی ہوگی! توحید سے بڑھ کر مطابق عقل بات کونسی ہوگی! لیکن کسی بات کا مطابق فطرت و عقل ہونا اس کے قابل قبول کرنے کے لئے کافی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ آتا ہے مفادات کا، چودھری کا، اس بات کا کہ مسند اور سجادہ محفوظ رہتا ہے کہ نہیں! وجاہت اور قیادت پر تو آنچ نہیں آ رہی! اور ظاہر بات ہے کہ دعوت توحید ان تمام باتوں کو خواہ وہ مٹی اور تھکے ہوں، خواہ مفادات، قیادت، سیادت کے ہوں، توڑ پھوڑ کر اور میا میٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ لہذا مشرکین پر یہ دعوت بہت بھاری ہے۔ یہ اسے آسانی سے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ لہذا فرمایا:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ

اضطراب کا فطری سبب میں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ ایک کریم و شریف النفس انسان جبکہ رسالت کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد ہو یہ سوچتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کوئی نقص نہیں! لوگ جو ایمان نہیں لارہے تو میری کوشش میں تو کوئی کمی نہیں! میری محنت میں تو کوئی کوتاہی نہیں! دعوت دینے کے میرے انداز میں تو کوئی خامی نہیں! انبیاء اور رسل علیہم السلام تو اس بارے میں بے نہایت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں چونکہ ان کو یہ ضابطہ الہی معلوم ہوتا ہے کہ: قُلْنَا سَلِّتِ الَّذِينَ آمَنُوا سَلِّتِ الْيَهُودَ وَلَنْتَلِیَنَّ الْمَسْئِلُیْنَ پس یہ لازماً ہو کر رہتا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے کہ جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے رسالت کے فرض منصبی کو کہاں تک اور کس طرح انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا۔ لہذا حضور کو یہ تشویش ہوتی تھی کہ کہیں میرے کوئی کوتاہی نہ ہو جس کے باعث مجھے اللہ کے ان جواب دہی کرنی پڑ جائے۔

نبی اکرم کی دلجوئی قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اسالیب سے جو

تسلی دی گئی ہے اس بات کی وجہ دلجوئی کی گئی ہے وہ اسی لئے کہ اس حضور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر تشویش میں مبتلا ہو کر اپنی جان کو نہ گھٹائیں: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا أَلَّا يَكُونُوا الْمُؤْمِنِينَ (اسے نبی!) شاید آپ رنج، صدمے، تشویش اور غم میں اپنی جان کھودیں گے کہ یہ لوگ ایمان

رکھیں، نہیں لاتے : حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
 السَّمْعَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ؕ وَمَا اَنْتَ بِهَادٍ الْعَمٰی عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ (زلے
 نبی،) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے نہ بہرہوں تک اپنی دعوت، اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر جاکے
 جا رہے ہوں اور نہ ہی آپ اندھوں کو سیدھا راستہ بتا کر چلنے سے بچا سکتے ہیں — یہ وہ لوگ
 ہیں جو اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ : خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی
 أَبْصَارِهِمْ غِشَاقًا ؕ — ”ان کے کفر پراڑے رہنے کے باعث، اللہ تعالیٰ نے ان کے
 دلوں پر مہر کر دی ہے۔ ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔“ بظاہر یہ جلتے پھرتے نظر
 آ رہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ مر چکے ہیں۔ ان کی معنوی موت واقع ہو چکی ہے۔ بظاہر ان کے
 اس سماعت سمجھنا ہے بصارت سمجھنا ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ بہرے اندام سے ہیں جیسے پھر
 قبر سے ہیں۔ یہ جلتے پھرتے حیوانات ہیں۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا ہے — آپ کی تبلیغ و
 موت میں کوئی کمی نہیں ہے لہذا آپ تشویش نہ کریں۔ آپ یہ نگر دامن گیر نہ کریں کہ یہ ایمان کیوں
 نہیں لا رہے۔ !! اس تمام پس منظر، تشریح و توضیح کو پیش نظر رکھ کر آپ آخری بار میراث
 لے اس حصہ کو دیکھئے کہ :

كَتَبَ عَلٰی الْمَشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوهُمْ اِلَيْهِ ؕ (عباری ہے)

لے اس موقع پر سورۃ النسا کی آیت نمبر ۱۱ پر پیش نظر ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے حضرت
 عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سننے کی فرائض کی اور وہ جب اس آیت پر پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا : حَسْبُكَ
 حَسْبُكَ — حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ”اس موقع پر جب میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو
 حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے“ یہ اس ضمن منصبی کی گہرائی کا گہرا احساس تھا جو آنحضرتؐ کے سرور
 کیا گیا تھا۔ آیت یہ ہے : فَكَيْفَ اِذَا جِئْتُمُوْا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی
 كُلِّ لَآءٍ شَهِيدًا ؕ اے نبیؐ جو رکھیں کہ اس دنیا کی ہر گاہ جب ہم ہر امت پر اس کے
 رسول کو بطور گواہ لا میں گئے اور (اے نبیؐ) آپ کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔“
 (مرتبہ)

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّى يُحِبَّ لَاحِيَهُ مَا
يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک مکمل (مومن) نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

سویل روڈ سوہا بازار

۳۱۱۴۴۰ — ۲۰۲۲۲۲ ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

اسلام میں عملی زندگی

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں
ایمان باللہ اور اس کے تقاضے

اہمیت و مقام حضرت عثمان رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہرایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔ (مستلم)

مدارِ نجات حضرت ابوبکر صدیق رضی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدارِ نجات کیا ہے؟ آپ نے منہرایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ۔ بس یہی اس کے لیے باعثِ نجات ہے۔ (دارقطنی)

اللہ کا ہمہ وقتی احساس حضرت عبادہ بن عامر رضی سے روایت کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تیرے ساتھ ہے۔ جہاں بھی تُو ہو۔ (طبرانی)

اللہ کا ڈر حضرت ابوذر غفاری رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہرایا تم جہاں ہو جس حال میں ہو خدا سے ڈرتے رہو اور ہر بُرائی کے بچے نیکی کرو وہ اس کو مٹا دے گی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ

حُسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔“ (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

صرف اللہ سے حاجت روائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ مایا تم کو چاہیے کہ اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چیل کا تسہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“
(ترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت

اللہ ہی کے لیے محبت و نفرت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

ایمان کے افضل اور اعلیٰ درجے کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیلئے اور اسے کس ذریعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے تمہاری کسی سے محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے دشمنی ہو۔ اور دوسرے یہ کہ تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر و یاد میں لٹکا کے رکھو اور یہ کہ دوسروں کے لیے بھی وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔“
(مسند احمد)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللہ کی اطاعت کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے

منہ مایا۔ اے لڑکے تو اللہ کے احکام کا خیال رکھ۔ اللہ تعالیٰ تیرا خیال رکھے گا۔ اور دنیا و آخرت کی آفات سے تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ کو یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہیے تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ۔ اور جب کسی ضرورت میں مدد کا محتاج ہو تو اللہ سے اعانت طلب کر اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری دنیا بھی تعلق ہو کر تجھے کسی چیز سے نفع پہنچانا چاہے تو اسی قدر نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر ساری دنیا بل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی قدر نقصان پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے پہلے سے لکھ دیا ہے۔“

(مسند احمد و ترمذی)

ایمان بالرسالت اور اُس کے تقاضے

حضرت جابر رضی سے روایت ہے کہ رسول

رسالت محمدی کا مقام

خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم اُس

ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر مونس تمہارے سامنے آجائیں اور تم اُن کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم بلاشبہ سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر مونس زندہ ہوتے اور میرا زمانہ نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت معاذ بن جبل رضی روایت کرتے ہیں کہ

رسالت کی گواہی

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سچے دل

سے گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اُس پر حرام کر دے گا۔“ (ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ

اتباع رسالت

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی خواہشات نفس میری لائی ہوئی ہدایت (اسلامی قانون زندگی) کے تابع نہ ہو جائیں۔“ (شرح السنۃ)

حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ

محبت رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص مومن

نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اُسے اپنے والدین، اولاد حتیٰ کہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ عزیز اور محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اطاعت رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کا ہر فرد جنت

میں داخل ہوگا۔ سوائے اُس کے جس نے میرا انکار کیا۔ پس جس نے میری نافرمانی کی اُس نے درحقیقت میرا انکار کیا۔ (بخاری)

اتباع سنت | حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پاک و حلال کھایا اور طریق سنت کے مطابق زندگی گزاری اور جس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تجھ سے ممکن ہو تو صبح سے شام تک اس حال میں بسر کر دے کہ تیرے دل میں کسی سے کھوٹ اور کینہ نہ ہو۔ اے میرے بیٹے! میرا طریقہ اور میری سنت ہے۔ پس جس شخص نے میری پسند اور میرے طریقہ کو اختیار کیا اس نے مجھے دوست رکھا۔ اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

ایمان بالکتاب اور اس کے تقاضے

اہمیت و مقام | حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں ارشاد فرمایا میں تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں۔ اگر تم نے اس پر عمل کیا اور اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔" (صحیح مسلم)

عمل بالقرآن | حضرت مہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھا وہ درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں لایا۔ (ترمذی)

ایمان بالآخرت اور اس کے تقاضے

اہمیت و مقام | حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم! اس ذات کی جس

کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر آخرت کے ہولناک احوال کے متعلق تمہیں وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور تمہارا رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ

محاسبہ آخرت

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن آدمی اپنی جگہ سے اُٹھ سکے گا جب تک پانچ باتوں کے بارے میں ان سے سوال نہ کر لیا جائے۔ اُس نے بحیثیت مجموعی اپنی زندگی کو کن کاموں میں کھپایا۔ اُس نے اپنی جوانی کن مشاغل میں گزاری۔ مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں سے اُس کو حاصل کیا۔ اور کن کاموں اور کن راہوں میں اُس کو صرف کیا اور آخری بات یہ کہ جو کچھ علم (علم دین) حاصل کیا، اُس پر کس حد تک عمل کیا۔ (ترمذی)

حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بدترین آدمی وہ ہوگا جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنی آخرت کو ضائع کر دیا۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے وہ شہداء

منکر عاقبت

رات میں چل دیتا ہے اور وہ عافیت و الطینان کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ منکر اللہ کا سودا سستا نہیں مہنگا ہے۔ یاد رکھو اللہ کا سودا جنت ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مرتبہ

بدترین انسان

کے لحاظ سے بدترین انسان وہ ہوگا جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت برباد کر دے۔ (مشکوٰۃ)

اسلام

نظم زندگی | حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور ایمان کی لذت اُسے ملی اور ایمان کے فائدے اُسے حاصل ہوئے جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی بنانے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

پوری زندگی پورا اسلام | حضرت زبیر بن نعیمؓ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چار باتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں مسخر قرار دیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج جو شخص ان میں سے تین ادا کرے وہ اُس کے لیے مفید نہیں ہو سکتیں تا وقتیکہ سب ادا نہ کرے۔“ (مسند احمد)

فضیلت ایمان و اسلام | حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے درمیان اخلاق کی بھی تقسیم ہے۔ وہ دنیا تو سب کو دیتا ہے۔ اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اُس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن دولتِ ایمان صرف اُس کو دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔“ (مسند ک حاکم)

عبادات

ارکان اسلام | حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ ایک اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود خالق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔ تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھے حج کرنا۔ پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن شفیق بیان کرتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

موائے نماز کے کسی اور چیز کو الیا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔“ (ترمذی)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پایا کہ جو شخص دو

رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ درمیان میں بالکل غافل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے گا۔“ (مشکوٰۃ)

حضرت زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز اس طرح سے پڑھے کہ درمیان میں بالکل غافل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت البراء بن العزازیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے منہ پایا، جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو جب کو الوداع کہنے والا ہو۔“ (مسند احمد)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین عمل کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے منہ پایا، وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل بہتر ہے۔ آپ نے منہ پایا ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل فضیلت رکھتا ہے۔ آپ نے منہ پایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔“ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پایا:

جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو (بقدر نصاب) اور وہ اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے سونے اور چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی جن سے اس کی پیشانی اور پہلوؤں کو داغ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ عمل متواتر اور ابدی ہو گا۔“ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال کم نہیں ہوتا۔
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ اور کسی کا قصور معاف کر دینے سے عزت میں کمی نہیں ہوتی۔ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ
 حج (اہمیت و مقام) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہ کرے خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔" (دارمی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مقبول و مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے۔
 حج مقبول (اہمیت و مقام) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رمضان میں بلا کسی عذر کے ایک دن روزہ نہ رکھے تو ساری عمر روزے رکھنے سے بھی اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ
 ایمان و اعتساب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزہ رکھا ایمان و اعتساب کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فاقہ نہیں روزہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جھوٹ بولنا، جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑنے خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔

نہایت
 (پسندیدہ اخلاق)

حضرت مسرورؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اخلاص نیت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

نیت پر ہے۔ آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔ جس شخص نے اللہ اور رسولؐ کے لیے ہجرت کی درحقیقت اس کی ہجرت اللہ اور رسولؐ کے لیے ہوئی اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے مہاجر بنا تو فی الواقع جس دوسری غرض و نیت کے لیے اس نے ہجرت کی ہے بس اُسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔“ (بخاری مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور

اخلاصِ عمل

تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرایا امون اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ

حسنِ اخلاق

سے قائم الثلیل اور صائم الثہار کا مرتبہ و مقام حاصل کر لیتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرایا تم میں سے بہترین آدمی وہ

بھلائی

ہے جس سے لوگ بھلائی کے امیدوار ہوں اور جس کے شر سے محفوظ و امون زندگی بسر کرتے ہوں۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سچائی کو لازم پکڑو۔

راست گفتاری

ہمیشہ سچ بولو۔ سچ بولنا نیکی کے رستہ پر ڈال دیتا ہے۔ اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ جھوٹ سے بچتے رہو۔ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو فسق و فجور کے رستہ پر ڈال دیتی ہے اور فسق و فجور اس کو دوزخ تک پہنچا دیتا ہے۔ (بخاری)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ایسے نہ بنو کہ کہنے لگو لوگ احسان

احسان

کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے۔ اور اگر دوسرے لوگ ظلم اختیار کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ نہیں لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ ظلم و برائی کا رویہ اختیار کریں جب بھی تم ظلم کی روش اختیار نہ کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم لوگ ظلم کرو گے تو میں بھی ظلم کروں گا۔ (بخاری)

کے جنت میں جائیں گے۔ اور یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگون بد نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“ (بخاری)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح سے روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے لوٹتے ہیں۔“ (ترمذی)

رسم حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت سے محروم رہیں گے۔
جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے۔“ (بخاری)

عفو و درگزر حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا میں اپنے خادم کا قصوروں میں کتنی دفعہ معاف کروں۔ آپؐ نے مندرمایا ہر روز ستر دفعہ۔“ (ترمذی)

نرمی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا: دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے جو مزاج میں تیز نہ ہو۔ لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے والا اور نرم بخوبی ہو (ابوداؤد)

حیا حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا: حیا ایمان کا ایک حصہ ہے اور ایمان کا تمام جنت ہے۔“ (مسند احمد)

خندہ پیشانی حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا: نیکی میں سے تو کسی نیکی کو حقیر اور معمولی نہ سمجھو۔ اگرچہ وہ نیکی یہ ہو کہ تو اپنے بھائی سے بٹاش چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے۔“ (مسلم)

قناعت حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا: کامیاب ہو جاؤ بندہ جن کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور روزی اس کو بقدر کفایت ملی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قلیل روزی پر نفع بنا دیا۔“ (مسلم)

استغفار [حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دولت مندی مال و منال سے حاصل نہیں ہوتی۔ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (بخاری)

امانت داری [حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں امانت داری نہیں اُس میں ایمان نہیں۔ (شعب الایمان)

ایمانی عہد [حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں عہد کی پابندی نہیں، اُس میں دین نہیں۔ (شعب الایمان)

سمان نوازی [حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ جہان کی عزت کرے۔ (الادب المفرد)

سادگی اور شرافت [حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان دار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مسند رک حاکم)

تواضع اور خاکساری [حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدیث قدس ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہوتا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ (ابوداؤد) (ہادی ہے)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ فِي الْقُرْآنِ عَلَيْهِ

تادیانیت

اپنے لڑچکر کے آئینے میں

(گذشتہ سے پیوستہ) —————
عربی الہام

انت الشیخ المسیح الذی لا یضاع وقتہ و کثرت دُرُ لا
یضاع و اریحک و لا اُجیعک و اخرج مِنْک قِثْمًا۔ اَصْحَابُ
الصُّفَّةِ مَا اَدْرَاکَ مَا اَصْحَابُ الصُّفَّةِ و انت وجیه فی
حضرتی و شَأْنُکَ عجیبٌ و اَجْرُکَ قریبٌ و یا احمد فاضلت
الرحمة علی شَفَّتِکَ ۝ (تذکرہ ص ۶۵۹)

اُردو الہام : یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر ہلکا کر کے
انویم مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی بیوی سے کسی قدر ربانی سختی کا برتاؤ کیا تھا۔
اس پر حکم ہوا اس قدر سخت گوئی نہیں چاہیے۔ (ضمیمہ تختہ گولڑویہ ص ۳۷، ۳۸)
اُردو الہام : آپ کے ساتھ الگہ بزرگوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اسی طرف خدا
تعالیٰ تھا جو آپ سے۔ (ضمیمہ تختہ گولڑویہ ص ۳۷)

الہام : مردوں کو جتنے چاہو ساتھ لے جاؤ۔ مگر عورتیں نہ جاویں۔ (تذکرہ ص ۳۲)
ساتھ ہی یہ بھی الہام ہوا کہ موتا موتی لگ رہی ہے ۶ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ص ۱۵۷
فارسی الہامات

الہام : شخصے پلئے من بوسیدہ من نفعم کہ سنگ اسوئتم۔ (تذکرہ ص ۳۷)

الہام : صادق آن باشد کہ ایام بلا می گذارد با محبت با و ن (تذکرہ ص ۳۷)

الہام : دست تو۔ دلعئے تو ترم ز خدا۔ (تذکرہ ص ۱۵۷)

الہام : رسیہ بود بلائے و لے بخیر گذشت (تذکرہ ص ۳۷)

السہام، مباحث یمن از بازی روزگار - تاریخ ۱۹۰۸ء ۲۶ اپریل -
(تذکرہ ص ۵۵)

۱۸۹۳ء - ۵ اپریل - پشت بر قبیلے کسند نماز (۲) ۷ اپریل - السہام،
(تذکرہ ص ۶۹، ۷۸)

السہام، ہرچہ باید نزع و سے راہمہ سال کنم

ایک مرتبہ مجھے یہ الہام ہوا تھا - السہام : اے عی بازی خوش کردی - دمر
انفس بسیار دادی

بلا توقف یہ الہام ہوا - السہام : اے بسا آرزو کہ خاک شد - و تراق اقلوب ص ۱۱۱
جاء فی السیل و اختار (ترجمہ) میرے پاس آئیل آیا اور اس نے مجھ چن لیا۔
ملا اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار رجوع کرتا ہے۔
(تذکرہ ص ۶۵۹)

وحي : اِنَّ الدِّينَ كَفَرُوْا وَاصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَذَعَلِيْهُوَ
رَجُلٌ مِّنْ فَاْرِسٍ شَكَرَ اللّٰهُ مَسْعِيًّا يَعْنِيْ جَوْلُوْكَ كَاْفِرٌ هُوَ كَرِهَ اللّٰهُ اَعْمَالِي
کی راہ سے روکتے ہیں - ایک فارسی الاصل نے ان کا رد کیا ہے خدا اس کی کوشش
کا شکر گزار ہے -

وحي : لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالشَّيْءِ لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ
فَاْرِسٍ - (تذکرہ ص ۶۳۴)

{ خط کشیدہ جمعہ قرآن مجید سے ہے ص ۲ یہ حدیث شریف ہے {
اس میں ہے "اَوْ رَجَالٌ" کم کر دیا ہے - نصیر احمد

نورط : عقل حیران ہے کہ خالق نے مخلوق کے کلام کو اپنا کلام بنا کر کیسے نازل کر دیا۔
فارسی کی اصطلاح میں ایسے کلام کو تواریخ سہد کہتے ہیں - نشان زدہ
میںوں مصرے فارسی کی مشہور ضرب الامثال سے ہیں - (نصیر احمد)

یسع موعود، مثیل یسع، یسع ابن مریم

معنی اولے : وہی یحییٰ ہے جو یسع موعود کے نام سے موسوم ہے - جس کی سہ

ماہریت میں وجہ تسمیہ مسیح ہونے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی شدت اور
ست اور ابتلا کا غبار جو دجال کی وجہ سے ان کے طاری حال ہو گا ان کے چہرے سے
پنچھ دے گا یعنی دلیل و محنت سے ان کو غالب کر دکھائے گا۔ سو اس لیے وہ مسیح
ہلائے گا۔ کیونکہ مسیح پر پنچنے کو کہتے ہیں۔ جس سے مسیح مشتق ہے اور ضرور ہے کہ وہ
تال معبود کے بعد نازل ہو۔ سو یہ عاجز و جال معبود کے فروغ کے بعد آیا ہے۔

(ازالہ ادھام - حصہ دوم صفحہ ۴۸۸)

صفحہ دوم : حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی سیاح تھے۔ پس اگر وہ صلیب کے
تقریریں جسم آسمان پر چلے گئے تھے تو سیاحت کس زمانہ میں کی۔ حالانکہ اہل
نت بھی مسیح کے لفظ کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ مسیح سے نکلا ہے اور
سیاحت کو کہتے ہیں۔ (از حقیقت صفحہ ۱۵۱)

صفحہ سوم ۱۔ دراصل مسیح اس صدیق کو کہتے ہیں جس کے مسیح یعنی چھوٹے میں خدا
ء برکت رکھی ہو اور اس کے انفاس اور وعظ و کلام زندگی بخش ہوں۔

(ایام الصبح صفحہ ۲۹۴)

مسیح موعود

نمبر ۱ : مسیح موعود ۱۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں۔ جس
نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت توریت اور
بخیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے۔ (دافع البلاء صفحہ ۲۳۸)

نمبر ۲ : میرا یہ دعویٰ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ کتاب اللہ اور احادیث سے میرے پر
ٹھل گیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ عین صدی کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص
بجوائے مسیح موعود پیدا ہو گیا۔ (کتاب البرہ صفحہ ۱۸۶ و نجم الہدی صفحہ ۱۹۰ و تحفہ گوشتیہ صفحہ ۲۲۱)

مثیل مسیح

نمبر ۳ : میں نے یہ دعویٰ کر کر نہیں کیا ہے کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ بلکہ میری طرف
سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔

(ازالہ ادھام حصہ اول صفحہ ۱۹)

اس عاجز کے دعویٰ مجدد اور مثیل مسیح ہونے اور ہم حکام الہی ہونے پر اب
بفضلہ تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔ کیا یہ نثانی نہیں ہے۔ (نثانی آسمانی ص ۳۹)

ابن مریم

نمبر ۴۱، اس امت میں ایک شخص ہو گا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا۔ پھر اس
میں عیسیٰ کی رُوح چھوٹتی جاوے گی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا۔ یعنی وہ
مریم کی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت
نے عیسیٰ ہونے کا پتہ دیا اور اس طرح پر وہ ابن مریم کہلائے گا۔ جیسا کہ براہین احمدیہ
کے حصہ چہارم صفحہ ۴۶۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفع کی گئی
اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے بعد جو دس مہینے
سے زیادہ نہیں بند رہے اس الہام کے جو سب سے آخر میں براہین احمدیہ کے حصہ
چہارم صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں
دکشتی نوح ص ۴۸۵ و ص ۴۸۶ ص ۴۸۷ ص ۴۸۸ ص ۴۸۹ ص ۴۹۰

ابن مریم ٹھہرا۔

چند مزید اقتباسات

اول تر یہ جانتا چلے گی کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو
ہماری ایمانیات کا جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ صرف
پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جس
زمانہ تک یہ پیشگوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب
یہ بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا۔ (ازالہ ادھام حصہ اول ص ۱۹۱)

میرا یہی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل مسیح ہونا میرے ہی پر ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے
نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں ممکن
ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے ظاہری الفاظ صادق
آسکیں۔ (ازالہ ادھام حصہ اول ص ۱۹۱ ص ۱۹۲)

گوئی اس بات کو تو ماننا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم

بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موعود بھی ہو اور کوئی ایسا دجال بھی آئے
جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے۔ (ازالہ ادہام حصہ دوم ص ۳۷۱ ص ۳۷۲)

اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود
خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں... میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں
مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگا دے وہ سراسر مغتری اور کذاب ہے۔
(ازالہ ادہام حصہ اول ص ۱۹۲)

اب یہ سوال بھی قابل حل ہے کہ مسیح ابن مریم تو دجال کے لیے آئے گا۔ آپ
اگر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں تو آپ کے مقابل پر دجال کون ہے؟
میرا مذہب یہ ہے کہ اس زمانے کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجال پیدا ہوا
ہے نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ (ازالہ ادہام حصہ دوم ص ۳۷۱ ص ۳۷۲)

خدا نے اس امت میں مسیح موعود کو بھیجا جو اس مسیح سے اپنی تمام شان میں
بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔

(دافع البلاء ص ۲۳۳ ص ۱۳ ص ۱۴)

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑنا اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (دافع البلاء ص ۲۳۳ ص ۱۴)

اشتہار چندہ منارۃ المسیح

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قادیان کی مسجد جو میرے والد صاحب مرحوم نے
مختصر طور پر دو بازاروں کے وسط میں ایک اونچی زمین پر بنائی تھی۔ اب شوکت
اسلام کے لیے بہت وسیع کی گئی... میرے دعویٰ کی ابتدائی حالت میں اس مسجد
میں جمعہ کی نماز کے لیے زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس آدمی جمع ہوا کرتے تھے لیکن اب
خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ تین یا چار سو نمازی ایک معمولی اندازہ ہے اور کبھی سات سو یا
آٹھ سو تک بھی نمازیوں کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اب اس مسجد کی تکمیل کے لیے ایک
اور تین چار روپے لگائی گئی ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسجد کی شرقی طرف جیسا کہ احادیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہے ایک بہت اونچا منارہ بنایا جائے... جس سے

حدیث نبوی میں جو مسیح موعود کی نسبت لکھا گیا تھا کہ وہ منارہ بیضا کے پاس نازل ہوگا۔ اس سے یہی غرض تھی کہ مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔ احادیث نبویہ میں متواتر اچھا ہے کہ مسیح آنے والا صاحب المنارہ ہوگا۔ یعنی اس کے زمانے میں اسلامی سچائی باندی کے انتہائی پہنچ جائے گی جو اس منارہ کی مانند ہے، جو نہایت اونچا ہوگا۔ ایسا ہی مسیح موعود کی مسجد بھی مسجد اقصیٰ ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے؟ و مبارک و کل امر مبارک یجعل فیہ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا قرآن شریف کی آیت ہاں کنا حوالہ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ۔ اور اس معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر فرما رہے تھے، وہ مسجد اقصیٰ یہی ہے۔ جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے جس کا نام خدا کے کلام نے مبارک رکھا ہے۔ یہ منارہ وہ منارہ ہے جس کی ضرورت احادیث نبویہ میں تسلیم کی گئی اور اس منارہ المسیح کا خروج دس ہزار روپیہ سے کم نہیں ہے۔ اب جو دوست اس منارہ کی تعمیر کے لیے مدد کریں گے میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بھاری خدمت کو انجام دیں گے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ ایسے موقع پر غرق کرنا ہرگز ہرگز ان کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا وہ خدا کو قرض دیں گے اور مع سود واپس لیں گے۔ کاش ان کے دل سمجھیں کہ اس کام کی خدا کے نزدیک کس قدر عظمت ہے۔ جس خدا نے منارہ کا حکم دیا ہے اس نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اسلام کی مژدہ حالت میں اسی جگہ سے زندگی کی روح پھونکی جائے گی۔

خطبہ ام المیہ ۱۵ سے ۲۸ تک - ۲۸ مئی ۱۹۱۹ء

نوٹ: قابل غور بات یہ ہے کہ مسیح صاحب پہلے نازل ہو گئے۔ منارہ

کی تعمیر کا اشتہار بعد میں دیا جا رہا ہے۔

(۱-ن)

ستادیاں کی تعریف

جس قدر فقراء و علماء و مشرفاء و نجباء قادیان میں موجود تھے سب نکل گئے تھے۔ اور مختلف بلاد و امصار میں جا کر آباد ہو گئے اور یہ جگہ ان شہرِ بدی اور بڑی بدی بطبع لوگوں سے پُر ہو گئی جن کے خیالات میں بجز بدی اور بدکاری کے کچھ نہیں تھا اور قادیان کو جو خدا نے تعالیٰ نے دمشق کے ساتھ مشابہت دی اور یہ بھی اپنے الہام میں فرمایا کہ اخرج منه الیٰ یزیدون بہ شبہہ لہم جو ان لمحدوں اور شہریروں کی جو اس قصبہ میں رہتے ہیں... دن رات دنیا کے فریبوں میں لگے رہتے ہیں... جو خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے۔ میں ان کے دلوں کو دیکھتا ہوں کہ زنا سے لے کر خونِ ناحق تک اگر موقع پادیں ان کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ یہ سب کام تعریف کے لائق ہیں۔... (اور) جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑی بدی بطبع اور بڑی ملیہ کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی کچھ قیمت نہیں۔ اور احکامِ الہی کی کچھ عظمت نہیں جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

(الزلاۃ اولم - حصہ اول م ۱۳۵ م ۱۹۵ م ۱۹۵ م ۱۹۵ م)

ایک خط کے جواب میں غدرِ حج

قولہ۔ باوجود قدرت کے حج نہیں کیا (یہ میری ذات پر حملہ ہے)
اقول۔ اس اعتراض سے آپ کی شریعت دانی معلوم ہو گئی۔ گویا آپ کے نزدیک مانعِ حج صرف ایک ہی امر ہے کہ زادِ راہ نہ ہو۔ عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بداندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کا فر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لیے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جب کہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ فتنہ کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حج نہیں کیا۔ اور حدیث

اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنے کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا اور پھر بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا۔ نعوذ باللہ من شرورہم۔ ذرا سوچنا چاہیے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں ٹکڑے کر دی گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت ان کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ کو جائیں اور پھر چند اشراک الناس پیچھے سے مکہ پہنچ جائیں اور شور قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہیے۔ مراض فتن سے اپنے تئیں بچنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکہ میں عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھہراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذا سے کچھ فرق کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ پس ہم گنہگار ہوں گے اگر دیدہ دانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے حج کرنا مشروط بشرائط ہے مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لیے قطعی حکم ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جس کی شرط موجود ہے۔

میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو کیا اول اس کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو دجال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے یا ظاہر ہوتے ہی حج کو چلا جائے۔ اس بات کا جواب دو کہ انویسٹ (۱) یہ بالکل غلط ہے۔ حج نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ نسبی کا سال تھا۔

اور جاہلیت کے پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا۔ بشیر الدین محمود احمد صاحب لکھتے ہیں نسبی یہ تھی کہ کسی سال وہ محرم کو حلال کر دیتے تاکہ لوٹ مار میں آسانی ہو جائے اور صفر کو محرم بناتے تھے۔ اس طرح اب مہینوں کو بدل کر تیرہ مہینوں کا سال کر دیتے تھے۔ پھر تفسیر کر کے سال کو اپنی حالت پر لاتے۔

انویسٹ (۲) مرزا صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ صحیح مسیح موعود نہ تھے۔ اگر واقعی وہی مسیح موعود ہوتے تو حدیث کے مطابق دجال فتنہ

مرزا صاحب کا نبی ہونے سے انکار

نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ کیا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ (ازالہ ادہام - حصہ اول ص ۳۲ - ص ۴۲)

اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیے۔ کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آلے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہو گا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہو گا۔

(توضیح المرام ص ۵۵ - ۱۵ - ۱۸۹۱ء)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن تَسْمُوهُ لِمَا تَدْعُوهُ النَّبِيُّ • یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔ یہ آیت صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا اب وہی رسالت تا قیامت منقطع ہے۔ (ازالہ ادہام حصہ دوم ص ۴۳ - ص ۴۴)

• خدائے تعالیٰ ایسی ذلت اور رسوائی اس امت کے لیے اور ایسی ہشک اور کسر شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاء کے لیے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک سول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی اُٹا دیوے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ (ازالہ ادہام حصہ دوم ص ۴۴ - ۱۸۹۱ء)

• قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پھرانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل یہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود متفق ہے کہ دنیا میں رسول تو آدے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔ (ازالہ ادہام حصہ دوم ص ۵۵ - ۱۸۹۱ء)

• خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب مخالفانہ پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں اور میں کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے ہی
کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (آسمانی فیصلہ ۳۳ جنوری ۱۹۵۷ء)

• جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اور اس کے فرمودہ پر اور
کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کی آزمائش انبیاء کی طرح آزمائش کرنا ایک قسم
کی ناسمجھی ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام حصہ اول ص ۳۳۲)

• میر صاحب کے دل میں سرسرفاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں
ایک نیچری آدمی ہوں۔ معجزات کا منکر اور لیلۃ القدس سے انکاری اور نبوت کا مدعی
اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے منہ پھیرنے والا۔
سو میں ان ادھام کے دُور کرنے کے لیے میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنقریب میری
طرف سے اس بارہ میں رسالہ ستقلہ شائع ہوگا۔

(آسمانی فیصلہ ۳۴ جنوری ۱۹۶۲ء)

• اگرچہ میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمہ
کفران میں نہیں ہے نہ مجھے دعویٰ نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات
اور ملائک اور نہ لیلۃ القدس سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر حکم
ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت
کے لیے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ (نشان آسمانی ص ۲۹۱ جون ۱۹۷۷ء)

• میں ایک مسلمان آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پیروی کرتا ہوں اور قرآن شریف
کی تعلیم کی رُو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں۔ میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں
یہ آپ کی غلطی ہے۔ آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا
دعویٰ کرتا ہے وہ نبی ہو جائے۔ میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسول کا
متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب کی رُودان
نشانوں کا نام کرامات ہے۔ جو اللہ اور رسول کی پیروی سے دیے جاتے ہیں۔

(جنگ مقدس ص ۱۵۶ ۲۶ مئی ۱۹۷۷ء)

• خدا تعالیٰ نے میرا نام مسیح موعود رکھا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس راز پر غور کرو۔ اور جلد ہی نہ کرو۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو بھیجے۔ بعد اس کے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے۔ ہرگز ہرگز ہمیں ہوگا کہ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کے بعد دوبارہ جاری کیا جائے۔

(ترجمہ) (آئینہ کمالات اسلام حصہ دوم ص ۳۹۹ صفحہ ۳۸ فروری ۱۸۹۱ء)

• میں نبی نہیں ہوں لیکن محدث اللہ و کلیم اللہ ہوں۔ اس لیے کہ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجدید کروں۔ (ترجمہ) (آئینہ کمالات اسلام حصہ دوم ص ۳۸۹ فروری ۱۸۹۲ء)

• ہمارے سید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم نبی نہیں آ سکتا۔ اس لیے کہ اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن ص ۳۳۳ ص ۳۳۸ جون ۱۸۹۴ء)

• میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور نافرمان قوم کے ساتھ مل جاؤں... یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی قرآن کے خلاف ہے وہ جھوٹ اور بے دینی اور کفر ہے۔ پس میں کس طرح نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں۔

(اردو ترجمہ۔ حاتمہ البشری ص ۲۹۱ صفحہ ۲۹ فروری ۱۸۹۷ء)

• قرآن کا مد نظر انسان کی تمام استعدادیں تھیں اور ہر ایک استعداد کی اصلاح منظور تھی اور اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا تھا۔ (دست بچن ص ۲۶۳ نومبر ۱۸۹۵ء)

• اگر کوئی کہے کہ فساد اور بدعتیہ گی اور بد اعمالیوں میں یہ زمانہ بھی تو کم نہیں پھر اس میں کوئی نبی کیوں نہیں آیا تو جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ توحید اور راست روی سے بالکل خالی ہو گیا تھا اور اس زمانہ میں چالیس کروڑ لاکھ الہ الا اللہ کہنے والے موجود ہیں اور اس زمانہ کو بھی خدا تعالیٰ نے مجتہد کے بھیجے سے محروم نہیں رکھا۔

(دور القرآن ص ۳۳۹ ۱۸۹۵ء)

• کیا ایسا شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت **وَلَكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّیْنَ** - کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔

(انجام آئتم مثلاً ۱۸۹۵ء و ۲۲ جنوری ۱۸۹۶ء)

• جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا... حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی بند نہیں۔

(سراج میز ص ۱۸۹۶ء)

• ہمارے مخالف جب کہ اس بحث سے عاجز آ جاتے ہیں تو افتراء کے طور پر ہم پر تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تمام افتراء ہیں۔

(کتاب البریہ ص ۲۱۵ و ۲۲ جنوری ۱۸۹۸ء)

• قولہ - مسیح نبی ہو کر نہیں آئے گا اُمتی ہو کر آئے گا مگر نبوت اس کی شان میں مغیر ہوگی۔

• اقول - جب کہ شان نبوت اس کے ساتھ ہوگی اور خدا کے علم میں وہ نبی ہو گا تو بلاشبہ اس کا آنا نعم نبوت کے منافی ہو گا کیوں کہ درحقیقت وہ نبی ہے اور قرآن کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ممنوع ہے۔
• اگر کوئی اور نبی نیا یا پُرانا آوے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر خاتم الالہیہ رہیں۔ ال دمی ولایت اور مکالمات الہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔

(ایام الصلح ص ۳۰۹ و ۲۳ جنوری ۱۸۹۵ء)

• میں ولایت کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں۔ جیسا کہ ہمارے سید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہیں اور میں خاتم الالہیہ ہوں۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۹۱ و ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء)

منوٹے ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۲ء تک کی ۱۵ کتابوں کے ۲۲ - اقتباسات سے

ظاہر ہو رہا ہے کہ مرزا صاحب نبوت کے مدعی نہیں تھے۔ وہ بھی جملہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق مدعی نبوت کو خارج از اسلام، کافر اور ملعون سمجھتے تھے۔

ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عورتِ اسلامی معاشرہ

قسط ۳

امجد افضل

(۳) خاندانی نظام میں مرد کی قوامیت | اسلام میں عورت کے مقام کو سمجھنے کیلئے تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ عائلی اور خاندانی

نظام کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کو عورت پر قوام بنایا گیا؛ ارشادِ باری ہے:-

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس نصیحت کی بنا پر جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے

پر عطا کی ہے اور اس بنا پر کہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو عورتیں صلب ہیں

وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے

حقوق کی نگرانی کرتی ہیں۔ (نساء - ۳۴)

اس آیت میں خاندان اور گھر کے نظام اور مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت کو واضح کر سنے کے لئے تین باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔

(۱) مرد عورتوں پر قوام ہیں

(۲) کیوں قوام ہیں — (۱۷)

(۳) ان کی قوامیت عورت سے کس شے کی مقتضی ہے

قوام یا تیم عربی زبان میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے کے انتظام کو ٹھیک

ٹھیک چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات کا بندوبست کرنے

کا ذمہ دار ہو۔ مراد یہ ہے کہ خاندان کے نظام کی خاطر مرد کو گھر کا سربراہ اور محافظ و نگران مقرر کیا گیا

ہے۔ جس طرح ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک خاندان کے دو نگران یا دو

سربراہ نہیں ہو سکتے۔ گھر کا سربراہ مرد کو کیوں بنایا گیا، عورت کو کیوں ذبا دیایا گیا؟ سورہ نساء

کی اس آیت میں اس حکم کی قد و حوات بیان کی گئی ہیں۔

آئے: وہ فطری تفوق اور فضیلت جو صنفِ قوی کو صنفِ ضعیف پر حاصل ہے۔ مرد کو فطرت نے بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو عورت کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں مرد میں فعل اور تاثیر کا مادہ رکھا گیا ہے اور عورت میں انفعال اور تاثر کا۔ غامدانی نظام کے بقا اور استحکام کے لئے فردی ہے کہ ایک فرد فاعل ہو اور دوسرا مفعول۔ اگر دونوں میں ایک جیسی سختی ہو اور کسی کو کسی پر غلبہ حاصل نہ ہو تو دوسرے سے فعل ہی نہ ہو سکے۔ پس نسلِ انسانی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے فردی تھا کہ مرد یا عورت میں سے ایک کو دوسرے پر غلبہ حاصل ہو اور دوسرا پہلے کے مقابلے میں لطیف اور ضعیف ہو۔ عورت پر جو بچہ پتہ کی پیدائش اور تربیت کی بھاری ذمہ داری رکھی گئی ہے لہذا غلبہ اور قوامیت مرد کو دیا گیا اور یہ عین فطرت کا تقاضا تھا۔

دوم: مرد کی قوامیت کو دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کا کفیل ہے۔ یہ کفالت دو طرح کی ہے (۱) مہر (۲) نفقہ

مہر: مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کو مہر ادا کرے کیونکہ اس کو بیوی پر جو حقوقِ زوجیت حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

”اور عورتوں کے ہر خوشدلی سے ادا کرو“ (نساء - ۴)

نکاح کے وقت عورت اور مرد کے مابین مہر کا جو معاہدہ طے ہوا ہے اسے پورا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ مہر ادا کرنے سے انکار کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے۔ یہ ایسا فرض ہے جس سے سبکدوش ہونے کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں کہ عورت شوہر کی ناداری کا لحاظ کر کے معاف کر دے یا احسان کر کے اپنے حق سے بڑا در غیبت دست بردار ہو جائے یا کچھ عرصہ کی مہلت دے۔ مہلت دینے کا جو مسئلہ ہے اسے مہر متقبل کہتے ہیں۔ یعنی جس میں واضح طور پر مدت کا تعین ہو کہ اتنے مدت میں مرد اسے ادا کرے گا جس مہر کی قرارداد میں مدت کا تعین نہ ہو وہ عند الطلب

۱۔ اس سلسلے میں رضا و رغبت شرط ہے۔ اگر بیوی کسی دباؤ کی وجہ سے مہر معاف کرے اور بعد میں اس کا مطالبہ کرے تو حضرت عمرؓ اور قاضی شریحؒ کے فیصلے کے مطابق شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس کا مطالبہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے خوشدلی سے مہر معاف نہیں کیا تھا۔

جا جائے گا شریعت نے مہر کی کوئی مخصوص مقدار مقرر نہیں کی۔ اس کا تعین تمدنی حالات
مرد کی معاشی کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے کیا جانا چاہیے۔

نقحہ: مرد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بیوی بچوں کے لئے کھانے، پہنے اور رہنے سے
کا انتظام کرے اور زندگی کی دوسری ضروریات فراہم کرے۔ اگر وہ اس کام میں سستی
اور کوتاہی کا مظاہرہ کرے گا تو حکومت اسے اولئے فرض پر مجبور کرے گی بیوی اگر دقت مند
ہو تب بھی شوہر نفقہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ مرد۔ عورت پر فطری فضیلت اور انفاق مال کی وجہ سے قوام ہے۔ اس کی
امیت بیوی سے دو باتوں کا تقاضا کرتی ہے :

(۱) اطاعت شکاری (۲) حفاظت للغیب

طاعت: خاندان کے نظم کو برقرار رکھنے کے لئے فردی ہے کہ بیوی سربراہ خاندان کی
طاعت کرے اور بچے اپنے والدین کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
”بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم سے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے۔“

یہ اطاعت مشروط ہے۔ یعنی شوہر کسی ایسے کام کا حکم دے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا
حدا کے حائل کر دہ کسی فرض سے رکنے کا حکم دے تو اس کی اطاعت سے انکار کر دینا بیوی کا
فرض ہے۔ اس صورت میں اگر وہ شوہر کی اطاعت کرے گی تو دراصل خدا کی نافرمانی کرے گی۔
البتہ نفی عبادات کے سلسلے میں اگر شوہر منع کرے تو اس کی بات ماننا چاہئے۔

حفاظت للغیب: اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کی غیر حاضری میں بیوی اس کے مال
حقوق، اہر وادرازدوں کی حفاظت کرے۔ حضور نے فرمایا :

”بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہارا دل خوش ہو جائے، جب تم
اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو تمہارے
مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔“

حجتہ الوداع کے خطبہ میں آپ نے فرمایا :

”بیویوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے فرش کو ایسے لوگوں سے نہ روندوائیں جن کو تم
ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم
ناپسند کرتے ہو۔“ (ترمذی)

اگر بیوی میں بد اخلاقی کی مشتبہ علامتیں پائی جائیں اور وہ سرکشی کی طرف مائل ہو تو شوہر کو سختی کرنے لائق دیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

”اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ (زمانیں تو) خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ ہو، تب بھی باز نہ آئیں تو مارو بھرا اگر وہ تمہاری طبع ہو جائیں تو غور کرو ان پر دست درازی کے لئے بہانے نہ تلاش کرو“ (نساء: ۳۴)

اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

- (۱) جہاں ملکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہ لینا چاہئے۔
- (۲) بیوی کو مارنے کی اجازت محض احتیاطی اور اصلاحی تدبیر ہے۔ اسے عمومی طور پر پسندیدہ نہیں سمجھا گیا ہے کسی شوہر کو حق نہیں کہ دو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بیوی کو زد و کوب کرتا رہے۔ حکم ہے کہ بلا ضرورت نہ مٹو۔ چہرے پر نہ مارو اور نہ اس طرح مارو کہ نہ غم پیدا ہو جائیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی یا خادم کو کبھی نہیں مارا اور نہ کسی شخص پر کبھی اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ان اللہ کی راہ میں یا حرمت الہی کی بے حرمتی کی وجہ سے اللہ کی خاطر کسی کو سزا دی ہو تو قید اور بات ہے۔“

عورت کی اہم حیثیتیں

اسلام میں عورت کے مقام کے سلسلے میں تین اساسی اصول سمجھ لینے کے بعد آئیے عورت کی معاشرے میں اہم حیثیتوں کو بھی پہچان لیں۔ مغربی معاشرے میں عورت کی صرف ایک حیثیت مقبول ہے اور وہ ہے محبوبہ۔ اسلام میں بس یہی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں عورت کے جو اہم روپ سامنے آتے ہیں وہ نہایت مقدس رشتوں سے عبارت ہیں۔ عورت یا تو ماں ہے، یا بہن ہے، ورنہ بیوی ہے یا بیٹی ہے۔ ان قابل احترام رشتوں کے لئے عزت کا جو بلند مقام اسلام نے عطا کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب، فلسفے یا نظامِ حیات

میں نہیں ملتی۔

اسلام نے والدین کی خدمت و اطاعت پر زور دیا ہے لیکن ماں کا حق زیادہ بتایا گیا
ماں ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے:

”درحقیقت ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی
 ماں نے ضعیف پر ضعیف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس دودھ پھونٹنے
 میں لگے۔“ (لقمان - ۱۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

”ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ
 مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”تیری ماں“ پوچھا: ”اس کے بعد کون؟“
 فرمایا: ”تیری ماں“ پوچھا: ”پھر کون؟“ فرمایا: ”تیری ماں“ پھر پوچھا: ”اس کے
 بعد کون؟“ جواب ملا: ”تیرا باپ۔“

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے حقوق کو باپ کے مقابلے میں تین
 گنا زیادہ بتایا ہے۔ فقہانے کہا ہے کہ اگر والدین کو کچھ دینا ہو تو پہلے ماں کو دے اور باپ
 سے چار گنا زیادہ دے۔ اگر دونوں ایک ساتھ پانی مانگیں تو پہلے ماں کو پلائے۔ مزید یہ کہ
 جب والدین میں سے دونوں کی رعایت بیک وقت مشکل ہو تو والد کا حق مقدم رکھے۔ مگر
 خدمت میں ماں کو اولیت دے دیے۔

ماں کی عظمت اور حقوق کی فوقیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ
 مشرک اور کافر ہو تب بھی حسن سلوک کی مستحق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ”خدا نے تم پر ماؤں کی حق تلفی اور نافرمانی حرام کی ہے۔“
 آپؐ کا ارشاد ہے کہ:
 ”جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔“

بیوی ہم دیکھتے ہیں کہ فطری قانون کے مطابق ضعیف کو قوی کے مقابلے میں زیادہ رعایت

۱۔ فتاویٰ عالمگیری

۲۔ بخاری و مسلم

دی جاتی ہے۔ مثلاً درخت اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے۔ لہذا انہیں کھڑے کھڑے خوداک
بل جاتی ہے۔ جانور چل پھر سکتے ہیں اس لئے انہیں اپنی غذا خود چاکر تلاش کرنا پڑتی ہے۔
انسان نباتات اور حیوانات دونوں سے افضل اور برتر ہے۔ لہذا اسے کم رعایت ملی ہے۔
انسان کو محنت کر کے پیسہ کمانا پڑتا ہے اور کھانا بھی پکائے بغیر نہیں کھا سکتا۔ اسلام دینِ فطرت
ہے اس لئے اس نے اپنے ہر حکم میں فطری قانون کو ملحوظ رکھا ہے۔ مرد کو اگر عورت پر فضیلت
دی ہے تو عورت کو مرد کے مقابلے میں زیادہ رعایتیں بھی عطا کی ہیں۔ مردوں کو حکم ہے کہ
وہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ بیوی کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ قرآن
کہتا ہے:

”اور عورت کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو۔ پھر اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں
تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اس میں (تمہارے لئے) بہت
کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“ (نساء - ۱۹)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”کوئی مومن شوہر اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اس کی ایک عادت پسند
نہیں آتی تو دوسری عادتیں پسند آئیں گی۔“
آپ کا ارشاد ہے:

”تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں۔“
ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:
”دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے بڑھ کر نہیں ہے۔“
آپ نے مردوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ
”غیب یاد رکھو بیویوں کا تم پر حق ہے کہ تم ان کے لباس اور خدک کے لئے حسن
انتظام کرو۔“
نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

”بیوی کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب تو پینے تو اسے پہنائے

اور اس کے چہرے پر مذمہ اور اس کے لئے بد دعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو خوف گھر میں کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

”عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر دیئے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق

ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔“ (بقرہ - ۲۲۸)

مرد کو ایک درجہ زیادہ اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی نگرانی و نگہبانی کا فرض انجام دے سکے اور گھر کا نظام بھی طرح چل سکے۔ لیکن مرد کے معمولی سے حقوق کا ان حقوق پر اثر نہیں پڑتا جو اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی دیئے ہیں۔ مثلاً خلع کا حق جس طرح مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی اختیار ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہے اور کسی طرح اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس سے خلع حاصل کر لے۔ قرآن مجید میں ہے :

”تمہارے لئے مباح نہیں کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی

واپس لو، الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے۔

ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کہ عقد نکاح سے

آزاد ہو جائے۔“ (بقرہ - ۲۲۹)

یعنی اگر زن و شوہر میں موافقت نہیں ہو پارہی، یا شوہر کسی وجہ سے بیوی کے لئے ناقابلِ برداشت ہے تو بیوی کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور قاضی صورتحال کا جائزہ لے کر تفریق کرادے۔ اگر شوہر پاگل پن یا کسی اور مرض کی وجہ سے بیوی کے لئے تکلیف دہ ہو تب بھی عدالت کو تفریق کرانے کا اختیار ہے۔

اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے واعیات نفس کو پورا کرنے سے کسی جائزہ دہرے بغیر، محض اسے تکلیف پہنچانے کے لئے پہلو تہی کرے۔ اسے اصطلاح میں ایٹلاء کہتے ہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ ہے۔ اس عرصے کے اندر مرد پر لازم ہے کہ اپنی بیوی سے تعلقِ زن و شو قائم کرے۔ ورنہ مدت

نذر سنے کے بعد اسے مجبور کیا جائے گا کہ عورت کو چھوڑ دے۔ اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ شوہر اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بیوی پر ظلم نہ کر سکے۔

اسلام نے اس سے بھی منہ کیا ہے کہ بیوی پسند نہ ہو مگر ستانے کی نیت سے بار بار طلاق دے کر رجوع کیا جائے جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں رواج تھا۔ قرآن کی رو سے جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کر چکا ہو، وہ اپنی عمر میں جب کبھی اسے فیسری بار طلاق دے گا، عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

”اور جب تم عورتوں کو (دو مرتبہ) طلاق دید اور ان کی عدت پوری ہونے

کو آجائے تو یا تو بھلے طریقے سے انہیں رد کر لو

یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ محض ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے رد کر لو

رکھو۔ جو ایسا کرے گا وہ اسے اوپر خود ظلم کرے گا۔ (بقرہ: ۲۲۱)

ضرر و نقص کی دوسری شکلیں مثلاً مار پیٹ، کالم گولچ اور روحانی اور جسمانی اذیتیں پہنچانا سب حرام ہیں۔ ایسی صورت میں بیوی اس کی مستحق ہے کہ قانون کی مدد لے کر اس مرد سے چھٹکارا پالے۔

پیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بیٹی کی پیدائش پر غم کے اہل بیٹی چھا جاتے تھے، اکثر اوقات اسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور جب قیامت میں زندہ گاڑی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی؟ (الکہف: ۹۰-۹۱)

اسلام نے بیٹی کو بہت عزت بخشی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوئیں تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ اس طرح آئے گا یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کرے، نہ بیٹے کو اس

پر ترجیح دے اللہ اسے جنت میں داخل کرسے گا۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود تمہارے لئے شرم کا باعث
 نہیں بلکہ اس کی پرورش اور حق رسانی تمہیں دوزخ سے بچانے کا سبب بن جائے گی۔ آپ کا
 منہ مان ہے:

”جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرسے تو یہی لڑکیاں
 اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔“

نیز آپ نے فرمایا:

”جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں اللہ تعالیٰ فرشتے بھیجتا ہے جو
 اکر کہتے ہیں، گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ پھر فرشتے سچی کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں (۳۱)،
 کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے
 جو اس کی پرورش اور تربیت کرسے گا اور حضرت اللہ تعالیٰ کا مدد اس کے قابل حال ہوگی۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں جبکہ بیٹے نو عمری ہی میں وفات پا گئے تھے۔ آپ
 کی بیٹیوں سے محبت کا اعانہ اس بات سے نکایا جاسکتا ہے کہ سفر پر جاتے تو بیٹی سے مل کر جاتے۔
 واپسی پر ان کے گھر بطور خاص تشریف لے جاتے۔ وہ ملنے آتیں تو پیار سے کھڑے ہو جاتے
 اور ان کی پیشانی چومتے۔

۱۔ اہم دلائل ۲۔ مسلم ۳۔ طبرانی

نوٹ۔

”امیر تنظیم اسلامی کے شعبہ ورور“ کا جو مستقل عنوان ہم نے
 شروع کیا ہے، اسے بار امیر تنظیم کے بھارتی تشریف لے جانے کے
 باعث ہمارے پاس اس کے تفصیلات ناممکن رہیں۔ چنانچہ اس
 ماہ وہ شائع نہیں کیا جا رہا۔ آئندہ ماہ ان شاء اللہ دو ماہ کے مصروفیت
 کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

THE ORIGINAL



paragon 1

افکار و آراء مسئلہ بیعت

مکلف بھائی! سلام سزون

لاہور میں آپ سے ملاقات پر عاجز نے عرض کیا تھا کہ ایک مقالہ بیعت کے عنوان و موضوع پر تیار ہے۔ جو دو دن (یعنی لاہور میں) مکمل میرے پاس نہیں تھا۔ گھر آ کر دیکھا تو اسے کئی اعتبارات سے نامکمل پایا۔ چنانچہ از سر نو اسے مرتب کیا اور کچھ عنوانات کا اضافہ بھی کیا۔۔۔۔

دو ماہ تک یہ مضمون طاق نسیاں کی زینت بنا رہا کہ اچانک ایک بار پھر اس مضمون کی یاد آئی۔ جب "مشاق" کے ایک شمارے میں ہولانا سید مودودی مرحوم کا ایک مکتوب بیعت کے متعلق سامنے آیا۔ جس کے لیے ایک ادارتی نوٹ بھی لکھا گیا تھا جس میں مجھے مرحوم پر طنز کا سا انداز نظر آیا۔ جس سوالیہ نشان پر یہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس کا جواب بھی اس مضمون میں موجود ہے۔ یہ معاملہ اس بات کی تہسید بنا کہ مجھے یہ جرأت ہوئی کہ اس مضمون کو اس کی تمام تر کمزوریوں کے ساتھ ارسال کر دوں۔۔۔۔

طالب خیر و دعا آپ کا بھائی

قاضی ظفر الحق

(واہ کینٹ)

حقیقت بیعت ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة فيقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون وقت وعذا عليهم حقا

في التوبة والاخيل والعركن فمن اوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذي بايعتم به وذال الله العزيم

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ انہیں جنت ملے۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کتے

میں اور قتل کیسے جلتے ہیں۔ اس (طرز عمل) پر سچا وعدہ کیا گیا ہے، توراۃ میں بھی، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنا عہد کن لوہا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

یہ کیا ہے اس حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ معاملہ حق تعالیٰ اور مومنین کے درمیان طے ہوا ہے جس میں مشتری یعنی خریدار اللہ تعالیٰ میں اور بایع یعنی فروخت کنندہ مومنین میں اور معاملہ یہ ہے کہ مومنین کا دم قلبہ دین حق کے لیے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد و قتل فی سبیل اللہ کریں گے جس میں یا تو کفار کو قتل کر کے دین حق کو غالب کر دیں گے یا پھر اس کو شش میں ان کے ہاتھوں جام شہادت نوش کریں گے۔ اس کے سبب میں اللہ جل شانہ انھیں جنت عطا فرمائیں گے جو یاقین بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس صلے کا پکا وعدہ اللہ جل جلالہ کے قودات، انجیل اور قرآن میں فرمایا ہے تو جو شخص یہ تجارت کرے جان لے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عہد نبھانے والا کوئی نہیں۔

بیعت کے دو حصہ یا دو قسمیں اَلْیَاھِ الدِّیْنِ اٰمَنُوْھِلْ اَدْلَکُمْ عَلٰی تِجَارَۃِ تَبٰیئِکُمْ مَعَنْ

مَذٰبِ الْیَمِیْنِ تَوٰمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ مَسْوَیْہِ وَ تِجَہَدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱﴾ اَصْفٰہُ ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو درد کاک و غذاب سے

بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر تم کچھ سمجھ سکتے ہو۔

(بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی ایک ایسی تجارت کی طرف فرمائی ہے جس کے کرنے سے ہی مسلمان درد و ناگ و غذاب سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں خرید یہ کہ اس تجارت کے سبب سے ان کے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔ انہیں ایسی جنت میں داخل کر دیا جائے گا جس میں نہریں بہتی ہوں گی، اس میں انہیں رہنے کے لیے پاکیزہ ٹھکانے مہیا کیے جائیں گے جو ظالم ہے کہ بہت عظیم کامیابی ہے اور اس کے کرنے سے دنیا میں انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کتاب کے عطا فی فتح و فتح جلد ہی نواز دیا جائے گا۔ اکیلت میں بیان کر رہے تجارت دو اجزا پر مشتمل ہے یعنی ایمان باللہ و بالرسول اور جہاد فی سبیل اللہ ہم یہاں ان اجزاء کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔

ایمان کا تہ صے امن جس کے معنی سکون اور عدم انتشار یا عدم غلبہ اس کے دس اصطلاح میں اس سے مراد دل میں یقین کی ایسی کیفیت کا پیدا ہونا ہے جس سے اللہ، رسالت اور آخرت کے بارے میں سب

سلیک کلسایہ بھی دل پر نہ پڑے۔ یقین کے تین درجات ہیں جو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہیں۔ حق الیقین کو قرآن الہدین قلہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں جیسے سورۃ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور یونس کے قصے میں مذکور ہوا ہے اور حدیث سے احسن کا نام دیتی ہے یعنی ایمان کی بلند ترین مرحلہ جیسا کہ حدیث جبرائیل میں وارد ہوا ہے کہ ان تعبدوا اللہ کانک تراء فان لم تکن تراء فانہ یدرک۔ یقین کے یہ درجات معرفت الہیہ میں مسلسل ترقی ہونے اور حدیث واسوۃ نبوی کا میکانہ علم حاصل کرنے سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس فرض کے حصول کے لیے کسی طریقہ نبوی کے عالم اور اس پر عامل شخص کے باوجود ارشاد کی جاتی ہے تاکہ شریعت محمدی کے تمام کلیات و جزئیات کی حقانیت صبر و ہمت پر مبنی ہو کہ دل میں مانگزیں ہو جائے۔ اور اتباع نبوی کا کامل التزام ہونے کے سبب سے ذات باری تعالیٰ کی محبت دل میں راسخ ہوتی ہے اور نتیجہ حق تعالیٰ کی محبت اس بندے کی طرف التفات کرتی ہے۔ جس کے بغیر ترقی ایمان ناممکن ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی وحببکم اللہ۔

بیعت ارشاد کا اصل مقدمہ ہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ علمی طور پر نوبت حق کا احقاق اور ظلمت باطل کا ابطال کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیعت عین مطابق قرآن و سنت ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اس تجارت کا دوسرا اور لازمی جزو ہے اس کے بغیر یہ تجارت مکمل نہیں ہوتی جہاد فی سبیل اللہ کی غرض و غایت غلبہ حق علی الدین کا اور اتمام نوبت حق ہے جب تک یہ مقصد باقی ہے تمام امت مسلمہ پر جہاد فرض ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بیعت جہاد کی جاتی ہے اور یہ بھی عین مطابق قرآن و سنت ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ غلاب الیم سے چٹکارا اور دیگر انعامات تک وقت یہ دونوں کام کرنے پر ملیں گے اگر مسلمان اس وعدی تجارت کریں گے تو امید بھی دیے، یہی صلے کی کوئی پالیسی۔

بیعت جہاد کا ایک نمونہ | ان الذین یمایعونک انما یمایعون اللہ طیلہ اللہ فوقی ایدیم وھم فکھن نکث فلنما ینکث علی نفسہ

وَمَنْ ادْنٰی بِمَا عٰخٰذَ عَلَیْہِ اللّٰہُ فسیؤتیہ لعلّٰ عظیمًا (الفق)
ترجمہ: جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ واقع میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر بعد بیعت کے جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے بیعت توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر بیعت میں خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا تعالیٰ اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

(بیان القرآن)

یہ آیت مبارکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و السلام نے عمر بن خطابؓ سے کابلہ لینے کے لیے عہد کلام سے جاں فروشی کی بیعت لی اس بیعت پر حق

ان نے پندیرگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا۔ لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت
شجرة۔ اسی لیے یہ بیعت بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ اس آیت مب۔ کہ سچے خدا مہر کی وضاحت
ہوتی ہے۔ اولاً یہ کہ بیعت در حقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے ثانیاً یہ کہ بیعت لینے کا طریقہ ہاتھ میں ہاتھ
سے کہ بیعت کرنا یا لینا ہے۔ ثالثاً یہ کہ بیعت کر کے بلا قوی و وجہ کے توڑی نہیں چاہیے اس سے
نہا ہوتا ہے۔ رابعاً یہ کہ جس امر کی بیعت کی جائے۔ اسے نبھانے پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر
عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بیعت ارشاد کا ایک نمونہ
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَلَسْتَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يَبَايِعُكَ عَلَى
أَنْ لَا يُشْرَكَنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ
وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُمْ وَلَا يَأْتِينَ بِمِثْمَارٍ يَفْتَرِيْنَهُ يَبْنِيْنَ أَيْدِيَهُمْ وَأَمْرُهُمْ
وَلَا يَعْمِلُونَكَ فِيْ مَعْرُوفٍ فَلْيَايِعْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَاللَّهُ انَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ (المتن)

ترجمہ: اے بنی نبی! آپس میں سے پاس مسلمان عورتیں، اقرار کرنے کو اس پر کہ
شریک نہ ٹھہرائیں، اللہ کا کسی کو اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد نہ ماریں اور طوفان
نہ لادیں، ہاتھ نہ لپٹیں ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری بے حکمی نہ کریں۔ کسی بھلے
کام میں توان سے اقرار کر اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ بے شک اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔ (موضع قرآن از شاہ عبدالقادر)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے اس لیے
چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ اول یہ کہ بیعت ارشاد لینے وقت کبائر اور شرک سے اجتناب کا
اقرار کرنا چاہیے دوم یہ کہ فی المعروف میں اطاعت کا اقرار لینا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ جب
فی المعروف کی قید رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے لگائی تو پھر اور
کون ایسا ہی وقت اور صاحب امر و اطاعت ہے جس کی اطاعت غیر معروف میں جائز ہو حدیث لا اطاعة
لمخلوق فی معصیۃ الخالق اس میں کی تشریح بیان کرتی ہے۔ اس آیت سے اس امر کا بھی اظہار ہوتا
ہے کہ عورتوں کے لیے صرف بیعت ارشاد ہی ہے کیونکہ بیعت جلد و عرف مکلفین جہاد ہی سے ہے
اور عموماً عورتیں اس کی مکلف نہیں۔ اس آیت سے یہ اشارہ بھی ہوتا ہے کہ معاشرے میں مرد و عورتوں
اور دیگرات سے اجتناب کا بیعت ارشاد میں عہد لینا چاہیے۔ اس آیت کے آخری حصے صحیحہ بھی
معلوم ہوا کہ بیعت ارشاد لینے والے کو بیعت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کرنی چاہیے
اور ان کے لیے استغفار کرنی چاہیے۔

ایک اشکال اور سلف صالحین کے عمل کی روشنی میں اس کا حل

جب دونوں بیعتیں ایمان و جہاد اور تقویٰ و اقامت دین کے لیے ضروری ہیں تو پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی شخص کے ہاتھ پر کی جائیں؟ اگرچہ یہ درست ہے کہ اصل مقصود دونوں بیعتیں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا مگر یہ ضروری نہیں کہ انہیں ایک ہی فرد میں جمع بھی کر دیا جائے۔ غلط فہمیوں کے بعد جب سند خلافت پر کبھی اہل اہل اور کبھی نااہل افراد رونق افروز ہونے لگے تو یہ ممکن نہ رہا کہ ان کی صحبت میں بھی ایمان و تقویٰ کمال درجے تک پہنچ سکے چنانچہ ائمہ تابعین نے بیعت جہاد و اقامت دین تو انہیں کے ہاتھ پر باقی رکھی اور بیعت تقویٰ کے لیے دیگر کبار اہل علم اور اقلیہ سے جمع کیا میرے علم کے مطابق سب سے پہلے بیعت ارشاد امام حسن بصری نے لی پھر یہ سلسلہ عمل نکلا اور تصوف کے سلاسل اس کام کے لیے وجود میں آ گئے۔

احادیث میں بیعت کی تاکید | بیعت کی احادیث مبارکہ میں بھی بہت تاکید آئی ہے ازالۃ الخفاء

نقل فرماتا ہے جو یہ ہے من مالت و لیس فی عنقه بیعة قسات میتة جاہلیۃ۔ جو شخص اس مال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں (یعنی کسی امیر کی بیعت کا طوق گردن میں نہیں) وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس حدیث مبارکہ میں بغیر بیعت کے زندگی پر بڑی شدید وعید آئی ہے۔ اس لیے کہ بیعت کر کے آدمی اپنی زندگی اسلامی نظم و انضام اور قانون الہی کے مطابق گزارنے کا عہد کرتا اور اس کے مطابق پابند ہوتا ہے۔ جو شخص امیر کی بیعت نہیں کرتا تو کیا وہ قانون الہی سے ڈرے اور آزاد رہ کر زندگی گزارنا چاہتا ہے لہذا وہ جاہلیت میں زندہ رہا اور جاہلیت میں مرے دوسرے یہ کہ بیعت قیام خلافت و امارت شرعیہ کے حصول کا ذریعہ ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ قیام خلافت اسلام کے ذریعے جہاد و قضا، احیائے علوم دین اور اقامت ارکان اسلام کریں نیز کفار کے شر کو حوزہ اسلام سے دفع کریں لہذا جو شخص بیعت نہ کرے ان امور و فرائض کی انجام دہی سے غافل رہتا ہے وہ اسلام کو گزند اور باطل کو توانا کرتا ہے چنانچہ جاہلیت کی موت مڑتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ حدیث بیعت جہاد و اقامت دین کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور بیعت تقویٰ صرف سنت ہے علمائے امت اور علماء دین نے اس کے تاکر پر ملامت نہیں کی اور یہ اجماع امت ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بیعت کا بہت اہتمام فرماتے۔ اور اسی قدر تاکید بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

ومتلا شکت فیہ ولا شیعۃ اذۃ اذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ

۱. علیہ وسلم فعلٌ علی سبیل العبادۃ والاهتمام بشانہ فانہ لا یُنزل عن کونہ سنة فی الدین۔

ترجمہ: اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جب ثابت ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عمل بطریق عبادت (نہ کہ بسبیل علت) اور اہتمام کے ساتھ ہو تو وہ عمل سنت دینی سے کمتر نہیں۔ (القول الجمیل)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ثابت شدہ بیعتوں کو جمع فرماتے ہیں۔

واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کالو بیاء یعونہ تارۃ علی الحجۃ والجماد وتارۃ علی اقامۃ ارکان الاسلام وتارۃ علی الثبات والقرار فی معرکۃ الکفار وتارۃ علی التمسک بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ والحرص علی الطاعات کما صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم یابیع نسوۃ من الانصار ان لا ینحنا۔

ترجمہ: اور احادیث مشہورہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لیتے تھے کبھی ہجرت و جہاد پر، کبھی اقامت ارکان اسلام پر اور کبھی کفار کے مقابلے میں معرکے میں ثبات و قرار پر، کبھی سنت پر چمکنے اور بدعت سے بچنے پر اور کبھی طاعت میں حرص و رغبت پر اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے انصار کی عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی۔

صحیح بخاری میں غزوہ خندق کے وقت کا ایک ترانہ جو صحابہ کرام نے مل کر پڑھا، منقول ہوا ہے۔ اس میں بھی بیعت جہاد کا ذکر موجود ہے۔

نحن الذین یابیعنا محمدًا علی الجہاد ما بقینا ابداً

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد سے جہاد پر ابدی بیعت کی ہے جب تک جان میں جان ہے۔

جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہم لا عیش الا عیش الآخرة اللہم اغفر للانصار والمہاجرۃ ترجمہ: اے اللہ ہماری زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے (مہاجرین و انصار کے اس عمل یعنی بیعت پر) مہاجرین و انصار کی مغفرت فرما دے۔

غزوہ و فقات بیعت | اشرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی

ويعسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه - (الزمرہ کی آیت نمبر ۱۳)

بیعت فی نفسہ مطلوب نہیں ہے بلکہ بیعت اقامت دین کے حصول کا ذریعہ ہے۔ بیعت امامت یا اہمیت سے مقصود یہ ہے کہ اقامت دین کا کام منظم اور مشروع طریقے پر ہو سکے۔ اور ایک امیر کی اہمیت میں مسلمان جمع اور متحد رہیں کیونکہ تفویض دین میں حرام ہے۔ اور ایک امیر کی اہمیت میں جمع ہو کر اس تفریق کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔

بیعت تفویض کیونکہ عام اور رائج ہے اس لیے اس کی اہمیت عوام و خواص میں مسلم ہے مگر بیعت اور کیونکہ نعلی امت کے وقت سے متروک ہے اس لیے طبیعتیں اس سے نا آشنا ہو گئی ہیں۔ اور اس سے اس کی عظمت و اہمیت نکل گئی ہے ہم یہاں اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اس کی من و غایت اقامت دین اور اہمیت اسلامیہ کی اہمیت کو واضح کرنے والی آیات اور احادیث بان کرتے ہیں۔ جن کو حجت نمونہ از غرواے سمعنا چاہیے۔

قال اللہ
اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم (القرآن)
ولو ردوا إلى الرسول فإلى اولى الامر منكم القرآن

قال النبی

من خرج من بیتمہ مجاہداً واصلح ذات البین واطاع الإمام فثمرة و
یتخذہ حسنة من لم یعرف إمام زمانہ فقد مات میتة جاهلیة۔
وقال انا امرکم بخمس بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والمجاهد
فی سبیل اللہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل مباح ہے۔

لا اسلام الا بالجماعة ولا جماعة الا بالاسماعلة ولا سماعلة الا بالاطاعة لمصلحة
یہ آیت اور احادیث اس بات کی بھارحت نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلام میں اقامت دین
اور جماعت و اہمیت کی کیا اہمیت ہے جس بات کا انھوں نے علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنے اہتمام
کے ساتھ حکم فرمایا جو اور اس کو پورا کیا بغیر یا اس جد و جہد میں شریک ہوئے بغیر جو شخص مر جائے
اسے جاہلیت کی موت کی وعید سنائی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کا پایہ دین میں کسی سے متنی
نہیں وہ یہ فرمائیں کہ بلا جماعت اسلام ہی نہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حکم مطلق
اطاعت کے بارے میں کہ امیر کی اطاعت کرو اور محلات میں اس سے رجوع کرو کیا یہ اہل فہم حضرات

کے لیے قیام خلافت و امارت اسلامیہ کی جدوجہد کرنے اور اس مہم کے لیے بیعت کرنے اور لینے کے حق میں کم اور ناکافی دلائل ہیں۔

قیام خلافت اسلامیہ تقریبی امیر صحابہؓ کے نزدیک کئی اہمیت کے حامل کام تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی ہر صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سے پہلے اسے سراہا اور کیا کیا عمل اس بات پر گواہ ہے کہ امت کو حتی الامکان تین دن بھی بغیر امیر کے نہ گزارنے چاہئیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ امیر کے چنانچہ فیصلہ تین دن میں کر لینا مگر دوسرا مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ پوری پوری زندگیاں بغیر امیر اور اسلامی نظم و جماعت کے گزر جاتی ہیں مگر اس فریضے کی ادائیگی کا خیال تک نہیں آتا اور اگر کوئی اللہ کا بندہ اقامت دین کے لیے کچھ سعی و جدوجہد کرنا بھی چاہے تو اس پر طرح طرح کے اعتراضات اور الزامات مانڈ کیے جاتے ہیں اور کیا عوام اور کیا خواص اس کے کام میں کڑے نکلنے کا مستحق قرار دیتے کھڑے ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت و راہنمائی عطا فرمائے۔ اور حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے اور اسے طاقتور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خلافت راشدہ کی بنیاد بھی بیعت پر رکھی گئی تھی مگر ہم یہ جھٹھ خذف کر رہے ہیں کیونکہ یہ بات اتنی ہی مسلم الثبوت ہے جتنی کہ آفتاب کی روشنی۔

بیعت اور تحریکیں | اس برصغیر پاک و ہند میں ایک عظیم تحریک جہاد و تنظیم، اصلاح و تجدید اور ایمانے خلافت و امارت اسلامیہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

نے اٹھائی تھی۔ اس تحریک کی بنیاد بھی بیعت تھی۔ ہم یہاں حضرت مولانا علیؒ کی تصنیف گول تدریس سید احمد شہیدؒ سے اس کے ثبوت میں ایک مکتوب سید احمد شہید علیہ الرحمہ کا ایک حصہ نقل کر رہے ہیں۔ ”قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کچھ و مقام میں کہیں نظم نہیں تھا اس لیے بال غیبت شرع شریف کے قانون کے مطابق تقسیم نہ ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر قلم مسلمانوں نے جو موجود تھے جن میں سادات، علماء، مشائخ، اہل اہل اور خواص و عام تھے بالانفاق اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کھڑا کرنا کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسلمانوں اور شرعی طریق پر انجام نہیں پاسکتا اس بنا پر ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۶۲ھ کو ان سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا“ میرے پاس سرسوت اندونیشیا اور سوڈان میں اٹھائی گئی اسلامی تحریکیں جو خالص اقامت دین کے لیے اٹھائی گئی تھیں جنہیں امام جو محمول اور سید احمد ہند سوڈان نے اٹھایا ان کا کوئی مستند حوالہ موجود نہیں مگر ذاتی علم کے بنا پر عرض کر سکتا ہوں کہ ان کی بنیاد بھی بیعت پر تھی۔ موجودہ دور میں اقامت دین کے لیے دو عظیم الشان تحریکیں برصغیر پاک و ہند اور ہندوستان، جہاد، حبیب، جماعت، اسلام، اور الاخوان المسلمین کے نام سے سہانا جاتا ہے۔

ت اور طریق کار نیز مروج و زوال سے قطع نظر ہم صرف وہ شے جسے ان تحریکوں نے نظم جماعت
 لیے بنیاد بنایا بیان کرتے ہیں۔ وہ چیز بیعت ہے یا نہیں، ان میں الاخوان المسلمون کی بنیاد
 بننا بھی بیعت پر تھی یعنی اس کی ہیئت نہیں بدل گئی تھی، البتہ جماعت اسلامی کی بنیاد بیعت کی
 نہ شکل کو بدل کر غیر روایتی شکل پر رکھی گئی جیسا کہ آگے ثبوت کے طور پر مکتوبات مودودیؒ میں ملے گا
 ۔ امام حسن البنا، شہید کے قریب ترین ساتھی جناب امین اسماعیل صاحب اپنی تصنیف ”الامام
 سید“ کے صفحہ ۱۱۰ پر رقم طراز ہیں: ”ایک روز اچانک اجلاس نے مجھے اپنے گھر طلب فرمایا، اور
 دیکھتے ہی میرا ہاتھ تمام کر لوے آئیے ہم بیعت کی تجدید کریں چنانچہ میں نے ان کے ہاتھ
 بنا لیا۔ تھک کر خدا اور رسول کی وفاداری کا اکر سر نو عہد کیا۔“

مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور بیعت [ہندوستان کے ایک غیر محدود سوانح نگار نے حیدرآباد
 دکن سے بیعت کے اسلامی دستور پر وضاحت طلب

کی۔ اس کا جواب امام سید رحمۃ اللہ علیہ نے مارچ ۱۹۷۱ء میں اپنے ایک مکتوب کے ذریعے دیا
 ۔ ہم محترم سید اسماعیل گیلانی کی تصنیف ”سید مودودی دعوت و تحریک“ کے باب مکتوبات و
 ہاتھ سے نقل کر رہے ہیں۔ اس مکتوب میں سے ہم نے وہ چیزیں جو نفیس مضمون سے غیر
 متعلق تھیں حذف کر دی ہیں مثلاً ان صاحب یا پیروں اور گدیوں سے متعلق باتیں۔

و اصطلاح میں بیعت سے مراد اطاعت، اوپر بیرونی کا اقتدار ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔
 — وہ بیعت جو کسی خاص موقع پر کسی خاص معاملہ کے لیے ہو جیسے بیعت رضوان تھی کہ
 عثمان کی شہادت کی افواہ سنی کر حضورؐ نے اہل مکہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور اس وقت
 یہ کرام سے اس امر پر بیعت کی کہ وہ ہمیشہ آمدہ ہم میں آپ کے ساتھ جاں فروشی کریں گے
 — دوسری وہ بیعت جو تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق و روحانیت کی نیت سے ایک مرشد
 اس شخص سے لیتا ہے جو اس کے پاس تربیت حاصل کرنے کے لیے آئے۔ یہ وہ بیعت
 بالعموم اس شخص کو کرنی پڑتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا۔ آپ اس سے
 مراستے تھے کہ وہ شکر، زنا، چوری وغیرہ سے پرہیز کرے گا۔ اور جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف
 آپ پہنچائیں گے۔ ان کی اطاعت کرے گا۔ اس بیعت کے لینے کا حق یا تو نبی کو بنتی ہے
 جس شخص کو جو نبی کے طریقے پر ہو، یعنی طریقہ نبوی کا صحیح علم رکھتا ہو اس پر خود بھی عامل ہو
 حجت لینے سے اصلاح و ارشاد کے سوا قطعاً کوئی دوسری نیت نہ رکھتا ہو۔

— تیسری وہ بیعت ہے جو اسلامی جماعت کے امیر یا امام کے ہاتھ پر کی جاتی ہے اس کی
 بت نہ ہے کہ جب تک امام با امام خدا اور اس کے رسول کا مطیع ہے اس وقت تک

جماعت کے تمام اراکان پر اس کی اطاعت فرض ہے ”من مات ولیس فی عنقہ بیعة“ اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت پر زور دیا گیا ہے ان میں سے مراد تیسری بیعت ہے کیونکہ اس پر اسلامی جماعت کی زندگی اور اس کے نظام کا قیام منحصر ہے اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے لیے تشریف لائے تھے اور جس امر عظیم کا بار اُپٹ امت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے،
 دوسید مودودی و عورت و ترکہ، مطبوعہ مدینہ منورہ، صفحہ نمبر ۲۳۷، ۲۳۸، مکتوب نمبر ۱۳۔

کتاب مذکورہ بالا میں ان مستفسرہ حب کے استفسارات تو موجود نہیں ہیں البتہ حضرت ممدوحؑ کے دوسرے جوابی مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی میں نظام بیعت کی عدم موجودگی پر استفسار کیا ہو گا۔ جس کاشانی جواب مولانا نے ۲۸ جون ۱۹۶۷ء کو دیا اسے بھی ہم مذکورہ بالا کتاب کے باب مکتوبات و فتاویٰ کے مکتوب نمبر ۱۴ سے نقل کر رہے ہیں جو صفحہ ۲۴۱ اور ۲۴۲ پر درج ہے۔

”اصل یہ ہے کہ ایک چیز تو طریقہ بیعت و ارشاد کی روح ہے اور دوسری چیز وہ خالص ہیئت و شکل ہے جس میں یہ طریقہ صدیوں سے متواتر چلا آ رہا ہے جہاں تک اس کی اصل روح کا تعلق ہے وہ بالکل برحق، صحیح اور پاک ہے مگر جہاں تک اس کی ہیئت و شکل کا تعلق ہے وہ گمراہ کن ہے۔ اس لیے اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس قدر انحطاط کا شکار ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات، اس قدر غلط ہو گئے ہیں کہ اصل روح نہ صرف یہ کہ اس کے اند باقی نہیں رہی بلکہ جہاں تک ہیئت و شکل میں کوئی صحیح خدمت بھی کرتے ہیں وہاں بھی بہت جلدی اس کے خراب لوازم عموماً کرتے ہیں۔ اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ پیری مریدی کی وہ خاص شکل بدل دی جائے اور اس کے بجائے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں سلسلہ بیعت و ارشاد کی اصل روح تو موجود ہو مگر وہ خراب لوازم اور ایٹلغات نہ ہوں۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو صورت تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اولاً ہاتھ میں ہاتھ کے بیعت نہ لی جائے بلکہ صرف زبانی عہد لیا جائے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے لیا کرتے تھے (گویا بنیاد بیعت ہی جوگی مگر عام دستور اور موجب طریقہ سے ہٹ کر) ثانیاً سلسلہ کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اسلام کی طرف منسوب ہو تاکہ شخص خاص کی وابستگی آگے چل کر شخصیت پرستی تک نہ پہنچ سکے۔ ثالثاً تزکیہ نفس اور اجرائے احکام اور اقامت نظم و انضباط وغیرہ کا کام جس شخص کے ہاتھ میں ہو وہ اس کی ذاتی حیثیت میں نہ ہو بلکہ جماعت کا سردار ہونے کی حیثیت میں ہو۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص سردار نہ رہے اور مددگار شخص اس کی جگہ آئے تو لوگوں کی اطاعت

وابستگی بھی پہلے شخص سے ہٹ کر دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائے۔ نہ یہ کہ لوگ کسی شخص
 اسی کے گرد بیٹھ رہیں جس کے امر پر ایذا میں انہوں نے عہد کیا تھا یہ دونوں باتیں غلطی ناشدین
 کے دور کی تنظیم سے نہیں نے اخذ کی ہیں۔ ان کے مبارک دور میں اسلامی جماعت اسلام کی طرف
 منسوب تھی نہ کہ صدیق یا فاروق یا عثمان یا علی رضی اللہ عنہم کی طرف اسی طرح لوگوں کی وابستگی
 شخص صدیق یا شخص فاروق سے نہ تھی بلکہ امیر المؤمنین سے تھی جو بھی وقت کا امیر ہو اور
 اطاعت نظام کی تھی نہ کہ شخص خاص کی۔
 اس سے معلوم ہوا کہ جماعت اسلامی کی بنیاد بھی اصلاً بیعت پر رکھی گئی تھی البتہ بعض مصالح
 کی بنا پر معروف طریقہ بیعت بدل دیا گیا تھا۔

بیعت کے عنوان سے یہ مضمون تقریباً جا مع ہے کیونکہ اسلامی دنیا میں سینکڑوں تحریکیں
 اٹھیں اور تقریباً سب ہی کی بنیاد بیعت تھی اور ہر ایک کا افاضہ بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں
 بلکہ صرف یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ تنظیم اسلامی کوئی نئی نوعیت کی تنظیم یا تحریک نہیں جس کی بنیاد بیعت
 پر رکھی گئی ہے بلکہ اس سے پہلے ہی اقامت دین کے لیے لٹنے والی تحریکیں بیعت کی بنیاد پر ہی
 قائم کی گئیں۔ چنانچہ ہم نے انتہائی معروف تحریکوں کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔
 وما توفیتی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

(۲)

اج کا مسئلہ

جناب آج کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی اور کارس طرح حاصل کی جائے اور تک یلنس کس طرح
 نایا جائے کیونکہ اس کے بغیر آج کسی کی کوئی عزت نہیں ہیں تنگ گلی کا رہنے والا ہوں میرے کئی رشتہ دار امیر ہو
 گئے ہیں، انہوں نے باہر کو ٹھیلے بخوالی ہیں سیواہ شلاوی پران سے ملاقات ہو جائے۔ تو وہ میرے سلام کا سرری
 جواب دیتے ہیں اور کوئی بات نہیں کہتے، لیکن میرا رشتہ دار سرریہ دار ہے۔ اس کے ساتھ خندہ پیشانی کے
 ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ ان کے سلام کے جواب کے ساتھ خیر خیریت دریافت کرتے ہیں اور کوئی ان کی پرالہم ہو
 ناس کے لیے اپنی مدد کی پیش کش کرتے ہیں۔ میرے سلام کے جواب کے بعد وہ میری طرف دیکھنے کی حرکت
 محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ میرے پاس بگلا، بیوک، بنگک یلنس میسی کوئی چیز نہیں ہیں ان کے کسی کام نہیں سکتا۔
 د میرے بچوں کے ساتھ چاہے بچوں کا رشتہ نہیں کر سکتے، بلکہ وہ میری گلی میں نہیں آ سکتے جس گھر میں ان کے بزرگ
 رہتے تھے اور جہاں انہوں نے خود سرریہ دار بنگک نک زعمی گماری تھی وہاں آنا ان کے لیے شرمندگی کا باعث

جا گیا ہے۔ دوستو! اب میں تمہیں ایک بات بتانے لگا ہوں کہ میں بھی سرمایہ دار بننے کی سوچ رہا ہوں
 میں دفتر میں ملازم ہوں یہی کوشش کروں تو میرے لیے کئی سستے کھل سکتے ہیں۔ دوسرے بت کیا چپانی ہے میرا کام
 شروع ہو چکا ہے۔ تم میری گھڑی اور میرے کپڑے جنیں دیکھتے۔ پر دوست یہ فٹکے حکموں کی نافذانی کر کے ملے ہیں۔
 اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ لیکن میرے دفتر کے ساتھی کہتے ہیں کہ شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے، انسان
 تو ایسا عوس ہوتا ہے کہ وہ فٹکے دور ہونا شروع ہو گیا ہے، لیکن آہستہ آہستہ دل کا کرب فوٹس کے بٹنل میں
 دب جاتا ہے پھر اپنی منزل، کوٹھی اور کار بھی اپنے سہانے روپ کے ساتھ نظروں کے سامنے آجاتی ہے اور
 دل کا بوجھ ہٹا کر دیتی ہے۔ بس دوست آج کل میں اس معرکہ کو دہراتا جاتا ہوں۔ عیسیتہ ختم گام نین
 منزل بادور نیست۔ میں نے ایک فریج خرید لی ہے۔ ایرکن ٹیشر لے لیا ہے۔ بچے کہتے ہیں کہ رنگین ۷-۸
 لے آؤ۔ لیکن اسے میں کوٹھی بنا کر لاؤں گا۔ میں دفتر تک میں بھٹتا ہوں۔ وہاں رقم اتنی ہو گئی ہے کہ اس سے
 زیادہ رکھی مناسب نہیں۔ اب میں رقم گھر میں جمع کرنا ہوں۔ آج کل میں کچھ فکر مند بنے لگا ہوں۔ ماں کا ایک
 عجیب بات ہوئی۔ ۷-۸ میں ملاوت بدور ہی تھی۔ سکریں پر اس کا ترجمہ آیا۔ یہ سورہ فرقان کی آیتیں ہیں
 اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب کر کے پوچھتا ہے ”کہیں تم نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی
 خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہوا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں اکثر لوگ
 سنتے اور سمجھتے ہیں یا نہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ راہ بھولے ہوئے ہیں۔“ دوستو
 ان آیتوں کو پڑھ کر میرا ذہن سوچوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ میری سوچ کہتی ہے کہ کیا تم نے اپنی خواہش
 ”بنگلا، بیوک اور بنگ بیٹنس“ کو خدا نہیں بنایا ہوا؟ کیا تم نے اس کی خاطر خدا کو نہیں چھوڑ دیا؟ کیا تو اس
 کے حکموں کی خلاف ورزی نہیں کر رہا؟ کیا تو اپنے دل میں اس خواہش کے بت کو برا جان نہیں کر بیٹھا؟ میں
 کل سے پریشانی ہوں۔ یہ خیال بار بار میرے دل میں آتا ہے۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ اس راہ میں میں کیلا
 نہیں۔ آج کل سب اس راہ پر چل رہے ہیں۔ کادو باری لوگ ناجائز منافع کما رہے ہیں۔ ملاوٹ کر رہے ہیں۔
 بلکہ وہ میاںوں کو بھی محاف نہیں کرتے، دوانیوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ نقلی مال بیچتے ہیں۔ سلنگ کرتے
 ہیں۔ کلک دولت باہر کے بنکوں میں جمع کرتے ہیں۔ کاریگروں کا مال کم سے کم قیمت پر خریدتے اور زیادہ سے
 زیادہ قیمت پر بیچتے ہیں۔ صنعتکاروں سے جہاں تک جو سکے مزدوروں کو تھوڑی تنخواہ پر ملازم رکھنے کی
 کوشش کرتے ہیں اور خود ڈھیروں مال مناتے ہیں۔ ملت کے سب طبقے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔
 سیاسی رہنما بھی کرسی چاہتے ہیں۔ دینی رہنماؤں کا ایک گروہ بھی دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ یہ اپنے
 انتخابی جلسوں میں حکومت کی تمام غلطیاں گناتے ہیں۔ لیکن سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین جن نافذاتی
 میں مبتلا ہیں۔ ان کے متعلق نہ انہیں تنبیہ کرتے ہیں نہ انہیں نصیحت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ
 اس سے انہوں نے ووٹ لینے چاہتے ہیں۔ سو دوستو! میں کیا بتاؤں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کلاں لب

جب کہ میں اپنی منزل کے قریب کہہ رہا ہوں نہیں اسے کیے چھوڑ سکتا ہوں۔ صاحبو میں دلدل میں

پھنس گیا ہوں۔ دلدل میں۔

یہ کہانی ایک شخص کی نہیں۔ آج ہماری اکثریت کی یہ کہانی ہے۔ دنیا پرستی نے آج سب کی زندگی
ابیرن کر دی ہے۔ آج کوئی کام کرنا آسان نہیں۔ قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اگر اچکے پاس پیسے ہیں
تو آپ کے سب کام ہو جائیں گے۔ ہماری قومی زندگی کی شیرازی دن بدن جام ہوئی جاتی ہے۔ یہ اس
وقت کام کرتی ہے جب اس میں نہ کا تیل دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالْمُتَّقِينَ أَغْنَىٰ وَٱلْعَالُونَ هُمْ هُمُ ٱلْمُتَقَرِّقُونَ ۚ
فَسُئِلَ سَيِّدُهُ ٱلَّذِي سَمِعَهُ ۖ وَٱلْمُتَّقِينَ هُمُ ٱلْمُتَقَرِّقُونَ ۚ
وَكَذَّبَ ٱلْمُتَّقِينَ ۚ فَسُئِلَ سَيِّدُهُ ٱلَّذِي سَمِعَهُ ۖ
(ابیل : ۵ سے ۱۰)

جس نے راہِ خدا میں مال خرچا اور پرہیزگاری اختیار کی
اور ہدایت کی نصیحت کی اس کی زندگی ہم آسان سے آسان
کرتے جائیں گے اور جس نے نکل کیا اور خدا سے بے پرہیزی
اختیار کی نیز ہدایت کو غلط جانا تو اس کی زندگی ہم مشکل
سے مشکل کرتے جائیں گے۔

ہم جو کہتے وقت خدا کے ملکوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس کی راہ میں خرچ کہاں کریں گے۔ اس ہدایت
کے مطابق چونکہ ہم بخیلوں کی قوم ہیں اور ہم نے خدا سے بے پرواہی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ ہماری
زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی جاتی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ آج کل ہم اسلام کو
نافذ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں ہم پہلی صدیوں میں بھی اسے نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ پر اسلام
تو اختیار کرنے کی چیز ہے ہم میں سے کوئی اسے اختیار کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ سب اسے نافذ کرنا چاہتے
ہیں۔ منزل ہماری دنیا ہے اور ہم کدھر پہنچنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ پیسے
کوئی گاڑی کا فرسٹن کی طرف جا رہی ہو۔ ہم اس کا رخ موڑنے کی بجائے اس کی اصلاح شروع کر دیں کبھی
کھڑکیاں بدل دیں، کبھی چھت تبدیل کر دیں۔ اور کبھی سیٹیں اٹھا کر دسی قالین بچھا دیں۔ ظاہر چاس سے
گاڑی کے کافرستان پہنچنے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم نے اگر کعبہ کی طرف جانے کے تو رخ اس کی
طرف موڑنا پڑے گا۔ ہم کو رہائے خدا کی منزل اختیار کرنی ہوگی جس معاشرے کی ہم کو تلاش ہے۔ وہ
اس وقت پیدا ہو گا جب ہم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی راہ میں حامل ہونے والی سب آزمائشوں
میں کامیاب ہو جائیں گے۔ صرف وہی دل کی پیاریوں سے شفا پاتے ہیں جو اس راہ میں ثابت قدم
رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اسلام نافذ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ خود اسے اختیار کر کے ہوتے
ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دینے والوں میں وہ معجز پیدا ہوتی ہے جو اسلامی
اصولوں کی جان ہے۔ اسلام کے اصولوں پر صرف ایسے لوگ ہی عمل کر سکتے ہیں۔ ہمدام معاشرہ صدیوں
سے اس روح سے محروم ہو چکا ہے۔ ایسے بے جلی معاشرے میں اسلامی اصلاحات کا جو حال ہوتا تھا۔ وہ

ہم سب کے سامنے ہے۔ لوگ بدستور رہیں ہیں۔ اسی قریب میں ہم اونگ زیب عالمگیر اور سید احمد شہید کی اصلاحی تحریکوں کے تجربے کو چمکے ہیں حال میں ہم نے خاکسار تحریک کی کوششوں کو دیکھا ہے۔ آج کل جماعت اسلامی اور جناب غنی یہ تجربے کر رہے ہیں ہم ہزار سال تک بھی ایسی اسلامی اصلاحات کستے رہیں تو تب بھی ہمیں پاک اور شریف معاشرہ کبھی نصیب نہ ہو گا۔ جب تک ہم "مومن سبحانہ تعالیٰ" دل اپنے دل دی ہمارے نہ ٹوڑاں گے۔ اس وقت تک کامیابی نہیں ہوگی۔ اور یہ ہمارا ہمیشہ مفکر دس اور بدیروں کا اٹھ میں ہوتی ہے جس قوم کے دانشور دنیا کی اصول بھیلوں میں گم ہوں۔ وہ کبھی نجات نہیں پاسکتی۔ آج سوچنے سمجھنے والے ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ خود اس منزل کی طرف سبقت کریں۔ اپنی نگارشات کے ذریعے مسلمانوں کو رہائے خدا کی منزل کی طرف متوجہ کریں۔ اپنے مضمونوں افانوں کہا نہیں اور نظموں میں اس حقیقت کو اجاگر کریں۔ ملت کو محسوس طریقے اور غیر محسوس طریقے سے یہ ذہن نشین کر دیں کہ نظر تبدیل کر دے تو تہادی جانی بدل جائے گی، جان بدلے گی تو جہلی بدل جائیگا۔ دوسرا کام صاحب قلم حضرات کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے جن گمراہیوں میں ہم پھنس گئے ہیں۔ ان کی پروردہ دردی کریں۔ ہم اپنے دین کو مسخ کر بیٹھے ہیں۔ سجادین قرآن حکیم اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے نمونے میں پایا جاتا ہے۔ کوشش کئے والوں کو اللہ کریم بخیر و برکت دے دھکاتے ہیں۔ تیسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ اپنا رخ سیدھا کریں۔ انہیں آپس میں ربط پیدا کرنا چاہیے کیونکہ ان کی زندگی میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ جائز نافع باتیں گے تو دوسرے کا انداز سے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ رشوت سے پھیں گے تو ان کے دفتر کے ساتھی ان سے خط و محسوس کریں گے۔ ان سے پھٹکارا ہانے کی کوشش کریں گے۔ ان کی آمدنی کم ہو جائے گی۔ ان کے گھروں میں تمخیال پیدا ہو جائیں گی۔ ان صاحبوں کو آپس میں تعلق پیدا کر کے ایک دوسرے کا درد بانٹنا چاہیے۔

اب ہمیں اپنی خیر سنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ زندگی کا بوجھ ناقابل برداشت ہو جائے۔ اور اگلی نسل یاس ہو جائے۔ دشمن ہمارے دائیں اور بائیں دونوں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں ہیں۔ وہ ہمیں چمک کے پاؤں میں پیس دیتا چاہتے ہیں۔ وہ ہم سے سب کچھ چھین لیں گے پھر اپنی مرضی کا منتق دیں گے۔ مجبوری ہو تو معذرتی ہمارا مقدر بن جائے گا۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کیوں تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

محمد شریف — لاہور

رفتار کار

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ فیصل آباد

فیصل آباد مورخہ ۱۶/۱۷/۱۸ مارچ کے ایام میں امیر محترم ڈاکٹر امجد احمد صاحب نے فیصل آباد کا دورہ کیا۔ ۱۷ مارچ کی شام کو امیر محترم ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کے ہمراہ بذریعہ کار فیصل آباد تشریف لائے اور بعد نماز مغرب زرعی یونیورسٹی ہال میں اہلانتے مدید (ٹاکٹر ٹول) کے اجلاس میں ایک گھنٹہ سے زائد خطاب فرمایا۔ پورا ہال سامعین (عبداللہ شہید پشتمل تھا) اہی تگنی داناں کی شکایت کر رہا تھا۔ خطاب کا موضوع تھا "اسلام کا فلسفہ جہاد اور اقامت دین" جو پوری توجہ سے سنا گیا۔ ۱۸ مارچ کو صبح سے ۱۲ بجے دن تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ اسی دن ٹھیک ایک بجے دن آپ نے باریسری ایشن میں وکلاء سے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر خطاب کیا۔ پاکستان کے قیام کے پس منظر اور پیش منظر اور موجودہ صورت حال پر آپ نے بڑی تفصیل سے جامع اور مدلل اور مؤثر انداز میں روشنی ڈالی۔ سامعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ پورا ہال باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامن پر شکوہ منہ تھا۔ کمبوش مافری دو تین ہزار ہوگی۔ بعد کو سوال و جواب بھی ہوئے اور وکلاء کی طرف سے امیر محترم کی چلنے سے تواضع کی گئی۔ مکتبہ بھی لگایا گیا تھا جس سے خاصی تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں۔ اسی دن رات کو بعد نماز عشاء امیر محترم نے عبداللہ پور کی ایک جامع مسجد میں "جودار العلوم فتح دین کے نام سے موسوم ہے" ڈیڑھ دو گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ خطاب کا موضوع دعوت دین، مفہم مراحل کے ساتھ یعنی مجاہدہ مع انفس، شہادت علی الناس، اقامت دین، نظم و جماعت، اہمیت بیعت پشتمل تھا۔ سامعین کا اندازہ کم کمبوش دو تین ہزار تھا۔ ۱۸ مارچ کی صبح کو اسی مسجد میں ابتداء طولی جواب کا نشست ہوئی اور بعد میں بیعت جس کے نتیجے میں کمبوش ۱۰ افراد نے بیعت کی۔ اسی دن نماز فجر کے بعد آپ نے اپنے قیام کی تفصیل مسجد صدیقیہ میں بھی درس قرآن دیا جو خاصی توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ ۱۸ مارچ کی دوپہر کو بعد از طعام آپ صبحت فرمائے لاہور ہوئے۔

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ ملتان و ہاڑی

ملتان میں گرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ یکے چنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور لوگوں کی آمد آمد ہے اور ہر طرف پھول کھلے ہیں۔ مگر دوپہر کو خاصی دھوپ ہوتی ہے۔ ایسے موسم میں امیر تنظیم اسلامی کی آمد سے دو دن قبل بارش کے پھینٹوں نے بہت خوش گوار اثر چھوڑا۔

۲۰ مارچ ۱۹۸۳ء کی صبح کی پرواز سے امیر محترم ڈاکٹر امجد احمد صاحب ملتان پہنچے۔ امیر ملتان حافظ غلام حیدر ترین اور فریق مسعود احمد، امیر اور عملی خاں نے ان کو پورے استقبال کیا۔ باقی تمام رفقاء امیر ملتان کے گھر جمع تھے جہاں اس تنظیم کا نیا دفتر کھل چکا ہے جس کے ساتھ ایک مددگار خانہ بھی تعمیر ہو چکا ہے۔ امیر محترم سب سے پہلے گھر سے

ابھی جاری تھی کہ ہواؤ الدین زکریا یونور علی میں اسلامک سٹڈیز کے شعبے کے پروفیسر جناب حافظ قمار احمد صاحب ایک ٹیچر احمد وہاب ملوں کے ساتھ تشریف لائے۔ ایک سلیک کے بعد حافظ صاحب نے تنظیم کی تربیت کے بارے میں متوجہ سوالات پر بھی جن کاؤ اکثر صاحب نے خندہ پیشانی کے ساتھ منقول جواب دیا۔ آخر میں امیر محرم نے تنظیم کا منتخب نصاب اور دوسری چند کتب حافظ صاحب کو پیش پیش کیں تاکہ وہ اپنی لائبریری میں انہیں رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب اور ان کے ساتھی کو ان کتب کا مطالعہ نصیب کرے اور دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر امیر محرم نے کچھ دیر آرام فرمایا۔ کیونکہ پچھلے تین ماہ سے مسلسل سفر میں تھے جیسا کہ پچھلے ماہ کے بیٹاق میں شائع ہو چکا ہے۔

عصر کے بعد رفقاء تنظیم کے اجتماع میں امیر محرم نے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کا درس دیا جس کے بعد سات فقہاء نے بیعت کی گوکہ تنظیم میں پہلے شریعت کو چکے تھے۔ ان میں حکیم عاشق حسین صاحب، عبدالرشید صاحب، حق نواز، محمد علی مسعود احمد، میز احمد اور محمد اکبر صاحب شامل ہیں۔

رات کو بعد نماز عشاء جلسہ شروع ہوا۔ تعارفی جلسے راقم نے ادا کئے۔ اس کے بعد امیر ملکان نے مختصر تقریر کی انشاء فرمیں امیر محرم نے اقسام شرک کے موضوع پر نہایت ہی جامع مدلل اور علی تقریر کی۔ ماضی ۶۰ کے قریب تھی۔ مگر ہماری توجہ سے کم۔ کیونکہ اسی دن اسی وقت مصر کے قاری عبد الباقی صاحب خیر المذکر اس میں قرأت فرما رہے تھے۔ لہذا کافی تعداد میں لوگ اس محفل میں گئے ہوئے تھے۔ بہر حال الحمد للہ جلسہ نہایت کامیاب رہا اور نظم برقرار رہا۔ تمام دفاع نے جلسے کو کامیاب بنانے میں خوب محنت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کے نتیجے میں تنظیم کو تقویت عطا فرمائے۔ آمین !!

۲۱ مارچ: صبح نو بجے سوال و جواب کی نشست ہوئی جو کہ گیارہ بجے تک جاری رہی۔ امیر محرم نے تمام سوالوں کا جواب نہایت احسن طریقے سے دیا اور اس بات پر زور دیا کہ ہم اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر دین کی خدمت کریں اور اقامت دین کے پہلو پر مدبر کریں۔

سوال و جواب کے اختتام پر تین اشخاص نے بیعت کی جن میں سے جناب محمد مزین صاحب اور محمد ظاہر صاحب کا تعلق سودر ج میانی کے علاقے سے ہے اور دوسرے ساتھی جناب غفر خان صاحب برادر محمد المجدد خان صاحب کے ساتھ یک طرفہ ڈسٹریکٹ ٹیڈیکلری میں انجینئریں۔ آخر میں تنظیم کا ایک مختصر اجتماع ہوا جس میں بتایا گیا کہ امیر ملکان جو کھانے اپنے ایک اہم کام کے سلسلے میں لاہور منتقل ہو رہے ہیں اور جب تک وہ واپس نہیں آتے برادر محمد عبد المجدد خان کو ان کی قائم مقام امیر اور جناب شفیع صاحب پانچراج بیت المال کے فرائض انجام دیں گے۔

عصر کی خانہ کے بعد دو کاروں پر شعل ہمارا مختصر قافلہ لاڑکی کے محلے روانہ ہوا۔ مغرب کی نماز وہیں جا کر ادا کی۔ وہاں قیام کا بندہ دست جناب اسلام الدین رحمہم کے گھر گیا تھا۔ بعد میں امیر محرم نے بتایا کہ لاڑکی میں جو قافلہ جھونڈے سے پاکستان پہنچا تھا اس کے امیر اسلام الدین صاحب تھے اور ڈاکٹر صاحب خود اس قافلے میں شامل تھے۔ ڈاکٹر منظور احمد ان کے رفقاء دیروڑی تھے جنہوں نے نہایت شاعرانہ اختتام کیا ہوا تھا۔ ہمارا پرچہ تک استقبال کیا۔ رات کو بعد نماز عشاء ٹائمن ڈال کے گراؤڈ میں امیر محرم نے ہمارے دینی فرائض کے موضوع پر نہایت جامع اور پر زور تقریر کی اور کچھ کچھ ہمارا ہوا تھا۔ حاضرین نے خطاب نہایت توجہ اور اچھل سے سنا۔

لکھنؤ و بڑی کی سب سے بڑی مسجد (باغ والی) میں بعد نماز عشاء امیر محترم نے سورۃ توبہ پر مشتمل درس دیا اور سیرت نبوی کی روشنی میں بیعت کی اہمیت کو واضح کیا۔ آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کا ذکر بھی کیا کہ جس کے بعد یہ سلسلہ ایسا ٹٹا ہے کہ اب تک ٹوٹ نہیں پایا اور اسی سلسلے کے احیاء کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام کل میں آیا ہے۔ درس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی اور صبح کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ دوسرے روز کو کہ ہماری ملتان واپسی تھی مگر دلاؤ کے ایک وفد کے پرزور دعوامر پر امیر تنظیم گیارہ بجے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اقامت دین کے بدلے پر ایک مختصر خطاب کیا اور سوالات کے جواب دیئے۔ جب ایک دلیل صاحب نے امیر تنظیم سے پوچھا کہ انقلاب کی راہ میں کون کون سی دشواریاں آپ کو پیش آ رہی ہیں اور جواب یہ ملا کہ میرا اور آپ کا نفس تو ساتھ ہے مجھے جسے اس کی ترنہ تائید کی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اقامت دین کی اہمیت کا شعور عطا فرمائے اور اسے جس طرح حضور سرور کائنات نے اکیا اس طریقے پر جس سے اسے بحالانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین !
دو بجے تک ہم واپس ملتان پہنچ چکے تھے اور نماز ظہر ادا کر کے جہتے۔ امیر تنظیم کی روانگی سے قبل جناب شوکت مند صاحب جو کہ ڈاکٹر صاحب کے پرانے کلاس فیلو بھی ہیں، نے بیعت کی۔

پانچ بجے راقم اور رفیق محمد اکبر صاحب امیر تنظیم کو اسٹریٹ پر اوداع کہنے گئے۔ وہ ہم سے بظاہر بوڑھے اور لاٹھی کی جانب بڑھے۔
مرتب : ڈاکٹر محمد طاہر خاں

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ بالاکوٹ، گڑھی جیب اللہ و مظفر آباد

جناب سلیم خان صاحب صدر مرکزی سیرت کمیٹی گڑھی جیب اللہ کی دعوت پر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۷ مارچ ۱۹۸۸ء کو بالاکوٹ، گڑھی جیب اللہ اور مظفر آباد کا دورہ کیا۔

اس دورے کے پہلے مرحلے میں محترم امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہم اسپرلی کو صبح قریب ۸ بجے وادینڈی سے ایبٹ آباد پہنچ گئے۔ ایبٹ آباد میں کچھ دیر آرام فرمانے اور مقامی رفقاء سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر صاحب مع فرسید قریشی صاحب، قیوم تنظیم اسلامی، محمد احمد صاحب، اشرف صاحب، ڈاکٹر جمیل اختر راجپوت صاحب، خالد وحید صاحب، عبدالقیوم صاحب، محمد جمیل خان صاحب اور سلیم خان صاحب صدر مرکزی سیرت کمیٹی گڑھی جیب اللہ تقریباً دس بجے صبح بالاکوٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی قافلے میں ایکہ اور دوست جناب شیر انگن صاحب بھی ہمہو سے شامل ہو گئے۔ سوا بارہ بجے یہ قافلہ بالاکوٹ پہنچ گیا۔ جہاں مقامی علماء و اہل دوسرے حضرات نے ایک خوبصورت جگہ پر واقع خوبصورت پارک ہوٹل میں ڈاکٹر صاحب کا خیر مقدم کیا۔

پارک ہوٹل کے لاؤنج میں ہی متعدد حضرات نے جن میں مقامی علماء اور دوسرے حضرات شامل تھے، ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور مختلف امور پر تبادلہ خیالات کیا۔ ڈیڑھ بجے دن ایک مقرر تکلف کھانے کا اہتمام ہوا۔ جس کے بعد ڈاکٹر صاحب مرکزی جامع سید احمد شہید مسجد روانہ ہوئے جہاں بعد از نماز ظہر ڈاکٹر صاحب نے تحریک شہیدین بالاکوٹ

میں نے غرضی ایک مستقل بیان دیا۔ اس بیان کا مونسور جاد تھا اور یہ بیان تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہا۔ جس دوران میں نماز عصر پڑھی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان سننے کے لئے مختلف طبقہ لائے نکل کر ایک بہت بڑی تعداد جو دھبی۔ بیان کے بعد سوانات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ بہت سے حضرات نے بڑی اہم نوعیت کے سوالات کھڑے کر پیش کئے جن کے جوابات ڈاکٹر صاحب نے نہایت مدلل طور پر دیئے۔

ڈاکٹر صاحب کی کتب اور کمیشن لوگوں نے بڑے جوش و بند بے سے خریدیں اور اجماعی خاصی تعداد میں کتب ریسٹس فروخت ہوئیں اس مجلس کے بعد جائے کا اہتمام کیا گیا تھا

بالاکوٹ سے تقریباً سو چوبیسے شام گزری حبیب اللہ کے لئے روانہ ہوئے مغرب کی نماز سادہ میں آئے بن گئی۔ گزری حبیب اللہ میں قیام کا انتظام خان خان گزری کے مہمان خانہ میں تھا۔ وہیں کچہرہ آرام کرنے اور تھکا کھٹکے کے بعد قریب ایک نو تقریب بڑی اور خوبصورت مسجد میں عشا کی نماز پڑھی گئی۔ نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سلام میں جماعت کے قیام اور اس کے لازماً مشہد اللہ کے موضوع پر تقریر کی۔ شروع میں ماضی بہت زیادہ تھی بتے بعد میں لوگ آنا شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ مسجد کا مال بھر گیا۔ یہ خطاب تقریبات کیا رہے بیک جا رہا۔ ۱۵ اپریل کو صبح ایبٹ آباد کے دو نئے اصحاب، جناب عبدالقیوم صاحب اور شیرنگن صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر خلیفہ میں شمولیت کی بیعت کی۔ اس طرح ایبٹ آباد میں تسلیم کے رفاہ کی تعداد چھ ہو گئی ہے جس کے بعد قمر امیر تنظیم اسلامی نے خالد وحید صاحب کو مقامی تنظیم کا ناظم مقرر کر دیا۔

منظر آباد روٹ کی سبیلی جناب ڈاکٹر صاحب نے مقامی رفاہ سے تنظیم کے اختتامی امور پر تبادلہ خیال کیا اور نائب قمر سعید قریشی صاحب قیوم تنظیم اسلامی نے بھی مختلف امور کے بارے میں ہدایات دیں۔ ایبٹ آباد سے ایک اور

بن جناب محمد نذیر صاحب بھی گزری حبیب اللہ پہنچے۔

نوبت صبح تمام مذکورہ اصحاب ڈاکٹر صاحب کی معیت میں منظر آباد کے لئے روانہ ہوئے اور پھر جس سے یہ تقریر حاضرین یونیورسٹی کالج منظر آباد پہنچ گیا۔ جہاں کالج کے قریب اور دوسرے اساتذہ و طلبہ کے نمائندوں نے ڈاکٹر صاحب کو غیر مقدم کیا۔ کالج کی بزم اور بے یونیورسٹی کالج کے ہال میں مجلس کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس مجلس میں اساتذہ، علماء، انشورویں اور طلبہ و طالبات کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو کہ سعودی عرب سے تعلق رکھتے ہیں، نے کی۔ ان کی خوش الحان تلاوت نے روح میں ایک تازگی لایا دیا۔ تلاوت کے بعد جناب ڈاکٹر امیر احمد صاحب نے خطاب کیا۔ خطاب نہایت پختہ تھا۔ جس میں تحریک لسان، اتحاد میں المسلمین اور نظامِ رفاہ اسلام پر تفصیل گفتگو کی گئی۔ یہ تقریر قریباً ڈیڑھ گھنٹے جاری رہی جس کے بعد حالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت وسعت کے ساتھ سوالات کے جوابات دیئے۔ تقریر کے بعد ڈین صاحب کے کمرے میں جائے کا اہتمام تھا۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے علماء اور دوسرے حضرات سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ قریباً ایک بجے ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی کالج سے مع رفاہ رخصت ہوئے۔ دوپہر کا مائنا کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے لاہور کے رفاہ کے ساتھ منظر آباد سے لاہور راستہ مری، راولپنڈی اور دھبے دھبے اور ایبٹ آباد کے رفاہ و بہار گزری حبیب اللہ واپس روانہ ہو گئے۔

مرتب : ناظم ایبٹ آباد

(بقیہ عرض احوال)

وساری ہو اور اس میں اللہ کے دین پر مبنی نظام عدل و قسط بالفعل قائم ہو۔ چنانچہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں رسولوں کی بعثت اور ان کے ساتھ کتاب و میزان (شریعت الہی) کے انزال کی غرض و غایت اسی نظام عدل و قسط کا قیام بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر فاتحہ البیہ میں صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان بھی یہی اظہار دین الحق بیلین ہوئی ہے۔ مقام افسوس ہے کہ آج ہمارے ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے دنیا کے کسی بھی گوشے میں غالب و نافذ نہیں ہے۔ تنظیم اسلامی اسی مقصد کی جدوجہد کے لیے قائم کی گئی ہے۔ یہی مقصد ہے جس کے لیے یہ قافلہ ترتیب دیا جا رہا ہے۔ لہذا ایسی جماعت یا تنظیم کے سالانہ اجتماعات و دینی اعتبار سے جس اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں اس کا صحیح احساس ہر رفیق باطنی تاثر خود کر سکتا ہے۔

جس طرح ایک صاحب بعیت شخص کے لیے اس کی انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر میں اس کا شعور ذات ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی اصلی، نظریاتی اور انتظامی جماعت کی صحیح استحکام اور اس کے صحیح رخ پر ترقی کے لیے اس جماعت کے ہر رفیق میں شعور جماعت بلکہ جماعت کے مقصد کا شعور ہونا لازم ہے۔ جس بعیت اجتماعیہ کے نفاذ کے ذمہ داروں میں مقصد جماعت یا جماعتی نصب العین کا شعور مضمل ہو جاتا ہے وہ جماعت اپنے مقصد و مطلوب کی جانب پیش قدمی کرنا تو درکنار ملک و قوم اور دین کے لیے فتنہ بن سکتی ہے۔ لہذا اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ ہر اسلامی تنظیم یا جماعت کے وابستگان سال میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہو کر اپنے مقصد کی شعوری تجدید کے ساتھ اپنی تنظیمی سرگرمیوں پر بھی ایک ناقدانہ نگاہ ڈالیں۔ اور صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد آئندہ کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں اور اللہ کی نعمت و تائید کے بہرے پر اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی کے لیے نیا جوش و دلولہ اور عزم مصمم لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں۔

مرکزی انجمن فہام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے چھٹے محاضرات قرآنی کی تین نشستوں میں صدر و نمائندہ انجمن اور امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد نے ”جہاد و القرآن“ اور اسلامی انقلاب کے لیے التزام جماعت اور مسئلہ بیعت جیسے اہم موضوعات پر خطاب فرمایا۔ یہ نشستیں برصغیر پاک و ہند کی معروف دینی و علمی شخصیت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ العالی ڈائریکٹر شعبہ اہلنہد کیلچر و رکن مجلس شوریٰ فہم العلوم دیوبند کے زیر صدارت منعقد

ہوئیں صدر موصوف کے علاوہ ان شستوں میں دیگر جید علماء اور اصحاب دانش و بینش بھی موجود تھے، امیر تنظیم نے تمام اہل علم حضرات کو پورے علوم کے ساتھ دعوت دی، کہ قرآن مجید اور سیرت مطہرہ کے معروضی مطالعہ سے دینی فرائض کے جس جامع تصور اور نتائج تک وہ پہنچے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ انہوں نے بیان کرنے کی کوشش کی۔ اگر ان کے غور فکر اور استنباط اور استدلال میں کوئی غلطی ہو تو اسے ان پر دلائل کے ساتھ واضح کی جائے۔ ایسی صورت میں وہ پورے علوم کے ساتھ اس پر غور کریں گے اور اگر ان کا قلب و ذہن اس غلطی پر مطمئن ہو گیا تو ان شاء اللہ وہ اس کا برملا اعتراف و اعلان کریں گے۔ الحمد للہ تاحال ان نقادیر کے موقع پر شریک اہل علم کی جانب سے کسی غلطی کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ بلکہ ہماری معلومات کی حد تک تمام ہی حضرات نے اصولی طور پر امیر مہترم کے موقف کی تصویب ہی کی۔ امیر مہترم کے یہ خطابات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ لہذا کوشش کی جا رہی ہے کہ تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع تک یہ دونوں خطاب کتابی صورت میں شائع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو محکوم فرمائے۔ مزید برآں ان محاضرات میں جو بیش قیمت مقالہ جات پیش ہوئے تھے انشاء اللہ وہ با ترتیب شاندار محکمہ قرآن کی زینت بنتے رہیں گے جو انھن کا ترجمان ہے

عرصہ دراز سے یثاق میں طویل مضامین کا سلسلہ جاری ہے جن کو بالاقساط شائع کرنا تھا، ہو گیا ہے لیکن بعض اوقات چند ضروری اہم اور فوری اشاعت کے متقاضی مضمون کی وجہ سے ان مسلسل مضامین میں سے کسی کی تسطیر کوئی بھی پڑ جاتی ہے جس پر خود اداسے کو بھی ایک قدر فزہنی کوفت ہوتی ہے لہذا قارئین یثاق کو بھی یقیناً اس کوفت سے سابقہ پیش آتا ہوگا جس پر ہم اپنے جملہ قارئین کی خدمت میں معذرت پیش کرتے ہیں۔ گزشتہ ماہ کے شمارہ میں اس ادارے کا اظہار کیا گیا تھا کہ ۲۳ مارچ / ۸۴ کو یہ اسلام اور پاکستان کے موضوع پر امیر مہترم نے جو خطاب فرمایا تھا اس کے جیدہ چیدہ حصے آئندہ شمارے میں پیش کیے جائیں گے۔ لیکن اس کا موقع میسر نہ آ سکا۔ ویسے اس موضوع پر اہم مباحثہ اسلام اور پاکستان نامی کتاب میں شامل ہیں۔ اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہو تو کسی آئندہ شمارہ میں چند اہم نکات پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وَنَزَّلْنَا الْقُرْآنَ فَهُوَ شَفَاءٌ

وَلَا حَسْبُ لِلْعَوْمِ مَنِينٌ

نُورُ الْأَسْرَاءِ - الْآيَةُ ۸۹



عطیہ: حاجی محمد سلیم



حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۲۶۸ / ۳۰۵۲۶۶



فائزین متوجہ ہوں!

ہنہ عتہ قرآن کا سالانہ ذریعہ تعاون اندرون ملک - ۲۰ روپے ہے جبکہ دوسرے
 ملک کے لئے ذریعہ تعاون حسب ذیل ہے:

کینیڈا - ۱۵۰ روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، ٹائیچیا - ۱۵۰ روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات - ۱۰۰ روپے

سعودی عرب، الجزائر، مصر، ایران - ۶۰ روپے

انڈیا - ۸۰ روپے

پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی ذیلی شاخیں قائم ہیں وہاں میثاق درج ذیل تینوں سے حاصل
 کیا جاسکتا ہے۔

* پشاور: دفتر تنظیم اسلامی، ٹنڈو الہ آباد، مل پور، نزد چوک یادگار، پشاور

* ملتان: عبدالغنی صاحب، ملتان پولیٹری کارڈ، بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال، ملتان، فون ۷۵۸۹

* کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ، کوئٹہ ایڈمنسٹریٹو راج احمد صاحب، سبھوٹی، مسجد، ڈاکو، فون ۷۷۶۹

* کراچی: داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ قیامت، کراچی، فون ۷۱۴۷

* لاہور: ڈی ایف ایس اسکول - ۱۴۰۵-۱ - راولپنڈی سٹانڈ ٹاؤن فون ۴۳۷۳۶

* گوجرانوالہ: جناب پاشا، اردن برک، فون ۵۸۱ - سٹلائیٹ ٹاؤن

* سیالکوٹ: جناب محمد زید اقبال - معرفت و حمید کلینک، چوک کوٹلی، بہرام فون ۳۴۲۲

* دہرا ڈی: ڈاکٹر منظور حسین منظور، محمدی ہسپتال - ۱۰۷ - چیلنجر کالونی

* ایبٹ آباد: خالد حمید صاحب - ۱۷۹-۱۷۹ - سول لائٹنر فون ۲۴۲۹، ۲۴۳۳

* فیصل آباد: دفتر تنظیم اسلامی، بالمقابل گورنمنٹ جانیہ ایلی اسکول (مکان حاجی عبدالواحد تنظیم) - چیلنجر کالونی، فون ۴۳۳۹

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریلو انٹرنیشنل

آمدی اشیاء

آرٹ سلک فبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
 کاٹن کلاٹھ : کاٹن گارمنٹس : امرام تولیہ : تولیہ
 ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا منہ نیچر -

آمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سٹک فلم : موج سٹارٹ
 زبرٹ میٹکس : پولیسٹر بریان -

مرکزی دفاتر

I فلو غلام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
 ذیل دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

وَأَنْزَلْنَا الْحَاقَّةَ
فِي كَلْبٍ شَلِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحمد ۱۰۲)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز، ط ۱

۳۲۔ ایسبرس روڈ۔ لاہور

عن قسطنطين بن عمر قال: قال ابن كثير رحمه الله تعالى: هذا الكتاب من كتب

السمع والطعم

علاء الدين بن قسطنطين بن عمر بن كثير رحمه الله تعالى: هذا الكتاب من كتب

روح فکر



قطرے میں مندراد ذرے میں کائنات دیکھنا اب صرف
تصوراتی بات نہیں رہی۔
مدیوں سے علم و حکمت کے تجرباتی تسلسل نے ذروں کے جگر
جگ کے کائناتوں کا ایسا نظام دریافت کر لیا ہے جس کی بشارت
ہمارے دینِ نبیین نے اب سے چودہ سو سال پہلے دی تھی۔
تفسیر کائنات کا مسئلہ موسن کے لیے آسمانی دعوتِ عمل بھی ہے
اور ارضی چیلنج بھی۔

چار ستاروں کو فتح کرنا زلی ہی سے ہمارا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ لیکن
اس کے لیے جس سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت کی انتہائی
بلندیاں حاصل کرنی ہیں جو حصولِ علم کے بغیر ناممکن ہے۔
آجے کوشش کریں کہ یہ ہم ہماری نسل سے آغاز ہو۔
روحِ سائنس کو بچھیے۔



مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور
تے چھٹے مسکالانہ

محاضرات قرآنی

میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو فکر انگیز خطابات

(۱)

جہاد بالقرآن

اور
(۲)

اسلامی انقلاب

کیلئے
التزام جماعت

اور

مسئلہ بیعت

زیر تکمیل ہیں اور ان شاء اللہ العزیز
مئی ۱۹۷۷ء کے آخری عشرے میں
منفرد شہود بر آسمان کے

ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط رواں

اور دیرپا

اسٹین لیس

اسٹیل کی

ایریڈیم پیڈل

کے ساتھ

ہر جگہ دستیاب



بائٹ بریوئرز کمپنی لمیٹڈ - فیصل آباد - فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

ان شاء اللہ العزیز

حب اسلام

تنظیم اسلامی پاکستان

آٹھواں سالانہ اجتماع

۲۵ تا ۳۰ مئی ۱۹۸۴ء

قرآن اکیڈمی

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

میں منعقد ہوگا

• توقع ہے کہ رفقہ تنظیم نے اجماع میں اپنی شرکت کو یقینی

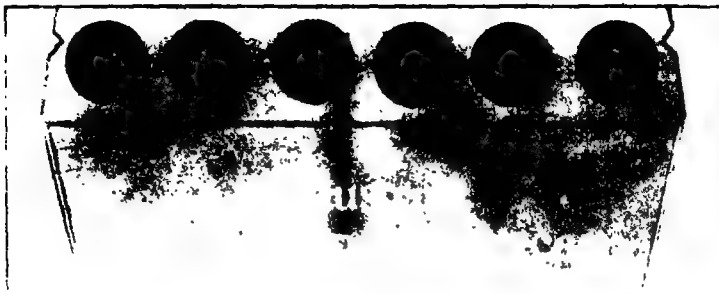
بنانے کے لیے مناسب اہتمام کر لیا ہوگا۔

• سالانہ اجتماع کی پہلی نشست کا آغاز چونکہ ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء

بعد نماز مغرب ہوگا لہذا مناسب ہوگا کہ رفقہ ۲۵ مئی کو نماز جمعہ مسجد

دارالسلام میں ادا کریں اور وہاں سے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئیں





Please contact us for your
requirements big or small

IZHAR LIMITED (INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of



mukhtarssons group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

”اظہار لمیٹڈ کے تیار چھتیں“

and the first & only producers of Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan

HEAD OFFICE

6-Kausar Road, Islampura, P.O. Box 1889, Lahore-1.

SALE LIAISON OFFICE:

41-Shere-e-Pakistan (Lower Mall near Secretariate), Lahore-1.

Phones : Lahore : 68622 - 61514 - 413569, Muridkey : 700389

Sahiwal : 3382, Faisalabad : 50828.

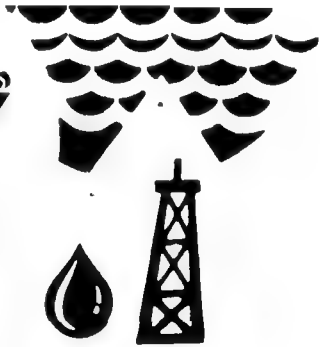
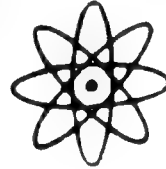
Rawalpindi : 68127.

قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر

قومی معیشت کو



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کم کیے ہیں۔ توانائی کی ضرورت کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہے۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجیے

سوئے ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



وَقَدْ اخْتَرْنَا قُلُومًا لَكُمْ مِنْهُمْ

پیشانی

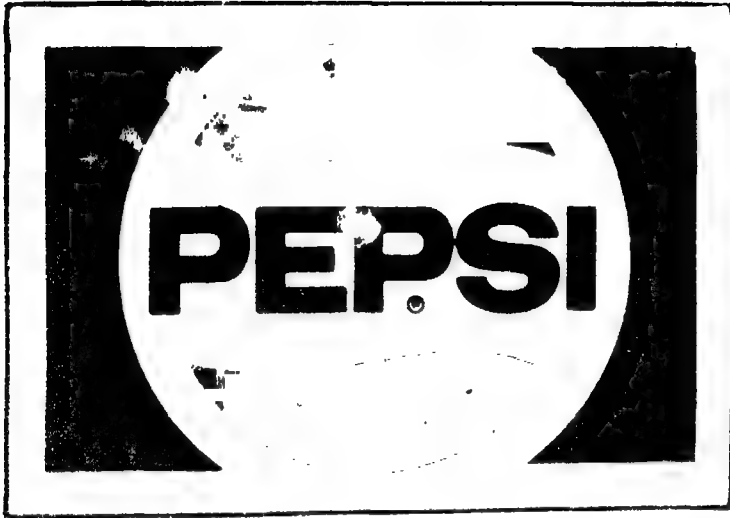
۱۱/۷/۵



دارالکتب الاسلامیہ

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلام آباد

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور



پنجاب یونیورسٹی کمپنی لمیٹڈ - فیمل آباد - فون: ۲۹۳۱



بشائر

نمبر ۳۳ شمارہ ۶ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۱۹۸۲ء



مشمولات

۳ عرض احوال

۱۱ الہدایے و پذیر عوی نشست) —
ڈاکٹر اسرار احمد

۲۲ توحید عملی اور فرضیہ اقامت دین —
ڈاکٹر اسرار احمد

۳۱ شذرات —
ڈاکٹر اسرار احمد

۹۱ انہماکِ حق (تقویٰ اپنے لہر پر کئے آئینہ میں) —
قاری نصیر احمد غزنوی

۷۳ ہندوستان میں پندرہ دن —
ڈاکٹر عارف رشید



ادارہ تحفہ

شیخ محمد بن عبد الرحمن
مذہب اہل سنت

سالانہ زکوٰۃ
۳۰ روپے
قیمت شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری شہید احمد

مطبع
محنت چید شایع خان جیلان لاہور

۱۶۱۶۱۶۱۶
محکم دلائل سے مزین

صفحہ : ۸۵۲۶۱۱

سب آئیں : ۱۱ داؤد سنہ
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کاپی فون برائے رابطہ
۲۱۲۷۰۹

آپکے احباب کے لیے بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

”مسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق“

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفہ پیش کیجئے
دورانِ ماورِ رمضان اہل و عیال اور اعزہ و اقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجئے!

نوٹ: اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طباعت ہے۔
اس کے حقوق اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے۔
————— شائع کردہ —————

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

عرض احوال

نحمدہ وفضل علی رسولہ الکریم

بفضلہ تعالیٰ و عونہ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ مطابق جون ۱۹۶۴ء کے میثاق کا شمارہ نمبر ۱
گرام کی خدمت میں پیش ہے۔ 'میثاق' کا اجراء جون ۱۹۵۹ء کو مکمل میں آیا تھا۔ اس اعتبار سے
اس شمارے سے دعوتِ اسلامی کا یہ نقیب پوری ایک ربح صدی کا عرصہ طے کر کے اب چھتیسویں
سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ پرچہ جہاں تائید و نصرتِ الہی اور نقد کی سعی و محنت سے صوری و
معنوی لحاظ سے ترقی پذیر ہے وہاں اس کی اشاعت میں بھی محمد اللہ ہر ماہ اضافہ ہو رہا ہے۔
مونا جرائد کی تعداد اشاعت کے اعتبار سے گریز کیا جاتا ہے لیکن ہم اس کے اعتبار میں کوئی بالکٹوس
ہمیں کرتے کہ اب الحمد للہ اشاعت سات ہزار سے تجاوز کر گئی ہے۔ توقع ہے کہ اگر قارئین میثاق کا
خادون اور رفقاء کی جدوجہد اسی طرح جاری رہی تو ان شاء اللہ ۱۹۸۵ء کی جلد کے خانے تک محبت
سلامی کے اس قلمبوار کی اشاعت دس ہزار سے تجاوز کر جائے گی۔ اس دور میں تفرکی جرائد و رسائل
س کثیر تعداد میں شائع ہو رہے ہیں اس کے اعتبار سے میثاق کی تعداد اشاعت قابلِ ذکر محسوس نہ
ہو سکتی ہو اس لئے یہ بات اس اعتبار سے باعثِ طمانیت ہے کہ اس سے انمازہ ہوتا ہے کہ ملک
کے متدین، فہم اہل دانش و بینش کے طبقہ میں جو سنجیدہ لکچرر پڑھتے اور اس پر غور و فکر کرتے ہیں،
اس دینی دعوتِ اسلامی حکومت کے معاشرے میں انھیں غیبا دلوں پر نفوذ کی رہنما رہا ہے !
ہمارے لئے یہ امر بھی شکرِ الہی کا موجب ہے کہ اس کے خاص فضل و کرم سے مرکزی انجمن
مقام القرآن اور تنظیم سلامی کے مطبوعات کی اشاعت بھی ہر ماہ زیادہ تر محترم قاریوں کے سامنے آ رہی ہے۔
صدر مؤسس انجمن اور امیر تنظیم سلامی کی تالیفات یا ان کے مددس و خطابات پر مشتمل ہیں،
محمد اللہ مدظلہ فرماتے ہیں۔ ایک دور وہ تھا کہ کسی کتاب کے ایڈیشن کو دو ہزار طبع کراتے تھے
یہ کہتا تھا کہ چہ نہیں یہ ایڈیشن کتنے عربی میں نکل سکے گا اور کتنے عربیہ سراپا ہمارے رہے گا۔
بھی احساس ہو گا صاحبِ موصوف کے مددس و خطابات کے کیسے تیار کراتے وقت تھا
خدا۔ لیکن الحمد للہ دعوتِ تالیفات اور امیر محرم کے کیسٹوں کی طلب و صرف اہمیان بخش ہو رہی ہے

موصولہ افزا ہے۔ اس سے بھی اسلام کے انقلابی فکر کے نفوذ کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ وہ تو سرمایہ کی کمی آٹھ آجاتی ہے، درنہ اب ماشاء اللہ امیر محترم کے خطابات و دروس کی ہر کتاب اس امر کی متقاضی ہے کہ ہر ایڈیشن کم از کم دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا کرے۔

اسی تذکرے میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انجمن اور تنظیم اسلامی کے مکتبوں سے شائع ہونے والی ڈاکٹر صاحب موصوف کی کسی کتاب کی کسی نوع کی کوئی رائٹنگی ادا نہیں کی جاتی۔ بلکہ ہر کتاب پر اب باقاعدہ یہ نوٹ تحریر ہوتا ہے کہ "اس کتابچے کی طباعت و اشاعت کی ہر شخص کو کھلی اجازت ہے" امیر محترم کی ہر تالیف و تصنیف ہوا اور پائی کی طرح عام ہے۔ جو شخص یا ادارہ چاہے اپنے طور پر جس طرح چاہے شائع کرنے کا مجاز ہے۔ موجودہ مارکیٹ کے لحاظ اور دعوتی اعتبار سے ہر کتاب کی قیمت کم سے کم رکھی جاتی ہے اور منافع کا دخل آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یہی صورت حال ڈاکٹر صاحب موصوف کے کیسٹوں کی ہے۔ ان کی بھی کوئی رائٹنگی ادا نہیں کی جاتی۔ اس میں جو ہمت ہوتی ہے وہ نشر القرآن کیسٹ سیریز کی توسیع پر ہی لگ جاتی ہے اور یہ اس ادارے ہی کی ملک رہتی ہے۔ جزیکیہ مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی کی کلیدی ذمہ داریوں پر جو حضرات فائز ہیں، ان میں سے اکثر حضرات اپنا پورا وقت اور بعض حضرات اپنی جزوقتی خدمات اعزازی طور پر صرف رضائے الہی کے لئے دے رہے ہیں۔

رجب المرجب ۱۴۲۸ھ کا آخری ہفتہ قرآن اکیڈمی میں علم و حکمت کے ادارہ کی بارش کا باعث ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا حسین علی (ذوال ہجرات والے) اور مولانا عبد اللہ بن محمد کے شاگرد رشید مولانا محمد طاہر مدظلہ (پنچ پیر والے) نے جمعہ ۲۷ اپریل کی شام سے مختصر دورہ قرآن اور تفسیر قرآنی کے باہمی ربط و تعلق پر اپنے درس کے سلسلہ کا آغاز فرمایا۔ ۲۸ اپریل سے یکم مئی تک یہ مجالس صبح و شام جاری رہیں۔ جبکہ ۲ مئی کو صرف صبح کی مجلس ہوئی۔ ہر مجلس چار گھنٹے کے وقت پر محیط ہوتی تھی۔ الحمد للہ مولانا مدظلہ العالی نے اس مختصر سے وقت میں جامعیت کے ساتھ تفسیر و اہم کام انجام دے لیا اور دورہ قرآن مجید کی تکمیل فرمادی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر و راز کرے اور انہیں صحت و عافیت کے ساتھ قرآن حکیم کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق اور بہت عطا فرمائے۔ ۲۷ اپریل کو مولانا موصوف نے جامع القرآن، قرآن اکیڈمی میں قبل از جمعہ خطاب بھی فرمایا اور صلوة جمعہ بھی پڑھائی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا موصوف کا مختصر تعارف بھی کرا دیا جائے۔

اور صفات کمال میں تہاد دیکتا ہے اور آخرت میں بڑی نفس کو اس کے حضور میں محاسبے کے لئے کھڑا ہونا ہوگا تو اس کے دل میں اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط قوتِ ارادی پر دان چڑھے گی۔ یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا: **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ هَوٰی** **الْعُطٰی دَانَ الْجَنَّةَ هٰی الْمَآدٰی ۝**

رونے کے لئے ایک اہم برکت ہے کہ وہ انسان کی قوتِ ارادی کی نہایت احسن طریق سے تربیت کرتا ہے۔ چونکہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو نگام دینے کے لئے بڑی مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر رونے کے رکن کو ان تمام شرائط کے ساتھ بجالایا جائے جو شریعت حقہ نے مقرر کی ہیں تو ایسے مسلمان کو اگلے گیارہ مہینے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کی وہ مشق حاصل ہو جاتی ہے جو اس کی سیرت کی صحیح تعمیر کے لئے ضروری ہے۔

اس مہینہ میں مسلمان کا دل غمائی و غمناہی طور پر دین کی طرف راغب ہوتا ہے۔ لہذا اگر رفقاء اس مہینہ میں اضافی طور پر یہ جو جمع بھی اجتماعیں کہ زیادہ سے زیادہ حضرات سے رابطہ قائم کر کے ان کو دعوتِ دعویٰ الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان - توبہ - تجدید عہد کا لٹریچر پہنچائیں تو انشاء اللہ یہ کام ان کی نیکیوں میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ لیکن یہ کام ایمان و احتساب کے ساتھ رونے سے رکھنے اور 'قیامِ میل'۔۔۔۔۔ میں حارج نہیں ہونا چاہئے۔ ہر چیز کا مقام و محل ہے اس کے اعتبار سے ہمیں اپنے معمولات میں نظر رکھنی چاہئے۔

یوں تو رمضان المبارک برکات کا مہینہ ہے۔ جہاں اکثر جگہ اس کی آمد کی بہانہ سے زیادہ پذیرائی ہوتی ہے وہاں قرآن اکیڑی میں بھی اس بابرکت ماہ کی خوب پذیرائی ہوتی ہے اور علم و عرفان کے انوار کی بارش ہوتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امیر محترم کا معمولاً یہ معمول ہوتا ہے کہ تراویح کے ساتھ ساتھ موصوفِ عبادت کردہ حصے کے اہم مطالب و مضامین پر روشنی ڈالا کرتے ہیں۔ اس سال امیر محترم کا ارادہ ہے کہ وہ ہر بارے کا رفاں ترجمہ کیا کریں گے اور ہم آیات کی مختصر تشریح بھی — پہلے بھی قرآن اکیڑی میں تراویح کی نماز بارہ بجے شب کے قریب ختم ہوتی تھی۔ اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ سلسلہ شروع ہوا تو ڈیڑھ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گویا اکیڑی میں رمضان المبارک کی ہر شب بیداری میں گزرے گی۔

تفہیمِ اسلامی کا اعلیٰ اجتماع ۲۰۵۲، مئی کو لاہور میں منعقد ہو رہا ہے۔ کوشش کی

جار ہی ہے کہ یہ شمارہ اجتماع کے اختتام سے قبل طباعت کے مراحل سے گزر کر پریس سے اُجالے۔ اسی طرح اس امر کی بھی بھرپور کوشش ہو رہی ہے کہ امیر محترم کے خطابات پر مشتمل تین نئی مطبوعات بھی اجتماع کے موقع پر پریس سے آجائیں۔ ایک کتاب امیر محترم کے خطاب "اسلام میں عورت کا مقام" پر مشتمل ہے۔ یہ خطاب مئی ۱۸۲ میں "میتاق" کی اشاعت خصوصی میں شائع ہو چکا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اس کو اتنا قبول عام حاصل ہوا کہ اس اشاعت خصوصی کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع کرا پڑا۔ یہ پریچر دفتر میں ختم ہوئے عرصہ ہو گیا لیکن اس کی مانگ برابر آرہی تھی۔ لہذا اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں امیر محترم کے خطاب کے علاوہ چند دوسری مفید چیزیں بھی شامل ہیں۔ "اسلام میں عورت کا مقام" وقت کا سب سے زیادہ زیر بحث، نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ توقع ہے کہ جو لوگ بھی خالص اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کو سمجھنا چاہیں گے ان کے لئے ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔ دعوتی نقطہ نظر سے بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص اپنی ان دینی بہنوں تک پہنچایا جائے جو یا تو معاشرے کے دباؤ میں یا مغلطوں میں آکر اس معاملہ میں تذبذب کی شکار ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ ان پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ نصف نازک پر اسلام نے کتنے عظیم احسانات کئے ہیں اور ان پر ان کی جسمانی ساخت اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے ایک اسلامی معاشرے میں کتنا بلند و اعلیٰ اور رفیع و باوقار مقام عطا کیا ہے۔ اور معاشرت کا دی شیعہ ان کے سپرد کیا گیا ہے جو عین ان کی فطری ساخت اور ذہنی افتاد سے کامل موافقت و مطابقت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ "مسادات مرد و زن" کا نعرہ درحقیقت ان کو مغالطہ دے کر ان کے کاندھوں پر وہ بوجھ جمے لادتا ہے جس کی خاطر فطرت کی طرف سے وہ ہرگز مکلف نہیں ہیں۔

دوسری کتاب امیر محترم کے خطاب بعنوان "دینی فرائض کا جامع تصور" پر مشتمل ہے موصوف نے قریب دو سال قبل کراچی میں مسلسل پانچ دن میں سورہ حدید مکمل اور سورہ صاف مکمل کا درس دیا تھا۔ اس پروگرام کی تکمیل جمہرات کو ہوئی تھی۔ متعلاً مجھے دن امیر محترم نے مندرجہ بالا موضوع پر جماعت مجتہد میں ایک مختصر لیکن جامع خطاب ارشاد کیا تھا جو اسی زمانے میں کیسٹ سے منسلک کر لیا گیا تھا۔ امیر محترم کا ارادہ تھا کہ وہ اس موضوع پر ایک مقالہ تحریر فرمائیں گے۔ اس کی ایک قسط انہوں نے تحریر بھی کر لی تھی جو محض قرآنی کے خصوصی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں پیش بھی کی گئی تھی لیکن دوسری قسط کی تحریر

رفیق کارمیاں حافظ عاکف سعید سلمہ کے ساتھ عمرے اور دعوتی دورے پر سعودی عرب تشریف لے گئے ہیں۔ اس مرتبہ امیر محترم کے پاس Visit - Visa ہے۔ لہذا عمرے اور مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت کے ساتھ ہی ان شاء اللہ سعودی عرب کے بعض مشہور شہروں میں دعوتی پروگرام بھی ہوں گے۔ ۲۰ مئی کو واپسی کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ امیر محترم کو صحت کے ساتھ اپنی حفظہ امان میں رکھے تاکہ دعوت کی توسیع کا کام جاری رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس طرح دعوتی سرگرمیوں میں مصروف و مشغول ہیں، وہ بظاہر احوال نہایت ہی صبر آزماتا ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی توفیق اور جذبہ صادق ڈاکٹر صاحب کو عطا نہ ہوا ہوتا تو یہ کام آسان نہ رہتا۔ امام ترمذی اور امام دارمی نے اپنی مرتب کردہ مجموعہ احادیث میں سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں جہبط جی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کی عظمت، اس کا مقام، ۲۱ کا مرتبہ و مرتبہ واضح فرمایا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: **مَنْ قَالَ يَهْ مُحَمَّدٌ وَ مِنْ صَدَقَ وَ مِنْ عَمِلَ بِهِ أَجْرَ مَنْ حَكَوْهُ عَدْلٌ وَ مَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ**۔ جس نے قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر ہوا، اور جس نے قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو مراد مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو اور ان لوگوں کو جو قرآن کی دعوت میں اپنی زندگیاں لگا رہے ہیں اور کھپا رہے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کا مصداق و مستحق قرار دے جو اس حدیث کے آخری حصہ میں بیان ہوئی ہے۔

ایں دعاؤں میں ارجحہاں آمین باد

جناب حافظ نصیر احمد غزنوی کی مرتب کردہ کتاب "افہار حق - قادیانیت اپنے لڑکچہ کے آئینہ میں" کی بالا قسط اشاعت 'بیثاق' میں ہو رہی ہے۔ اس کی ابھی قریب نصف قسط باقی ہیں۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جون کے شمارے کی قسط کے بعد اس کی اشاعت بند کر دی جائے۔ اللہ کو منظور ہو اتواب تک کی شائع شدہ قسط اور بقیہ قسط کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶ کے تحت

قرآن مجید کے متعلق یہ الفاظ مبارکہ وارد ہوئے ہیں: **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْهُ**۔ اس کا صحیح فہم اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب موجودہ دوسرے فتنوں کا معروضی طور پر مطالعہ کیا جائے۔ جو اپنے باطل نظریات کے حق میں دلائل کے لئے قرآن حکیم کی آیات ہی کو باز پیرا اطفال بناتے ہیں۔ قادیانیت اس کی بدترین ہے۔ پھر منکرین حدیث ہیں، اباحت پسند گروہ ہے جو اپنے مذہب و باطل نظریات کے لئے قرآن ہی کا غلط استعمال کرتا ہے۔ کہیں ستر و حجاب کے احکام کی من مانی تاہ کرتا ہے۔ کہیں عورت کے حدود کار اور اس کے حقوق و فرائض کا تعین قرآن ہٹ کر موجودہ ناخدا آشنا تہذیب کی بنیاد پر کرتا ہے لیکن اسے عین قرآن کے منہ دیتا ہے۔ کہیں ربا (سود) کو نئی شکلیں دے کر اودان کے دلفریب نام رکھ کر خدا کو دھوکا دیتا ہے کہیں سرمایہ داری اور زمینداری کے موجودہ استحصالی نظام تائید میں قرآن سے دلائل فراہم کرتا ہے کہیں اشتراکیت کے لادین فلسفے اور دیگر سے ثابت کرتا نظر آتا ہے۔ اسے ہی کچھ فہم بلکہ دنیا دار لوگوں کے متعلق قرآن میں ارشاد آیا: **فَأَمَّا الَّذِينَ يُتْلَوْهُمْ فَلَا يَخِفُّونَ وَلَا يَمْتَنِعُونَ مِمَّا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ**۔ **وَمَا يَعْزِمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ**۔ جن لوگوں کے دلوں میں بیزاری ہے وہ فتنے کی تلاش میں (قرآن کی آیات) متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو قرآن کی منشاء کے خلاف (معنی پہننے کا کوشش کرتے ہیں) حالانکہ ان کا حقیقی مفہم اللہ کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔“

البتہ راسخ العلم لوگوں کے سینوں کو اللہ تعالیٰ ان متشابہات پر بھی انشراح صدر عطا ہے اور وہ اس سے بھی دانائی و حکمت کی باتیں معلوم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ دین کا علم نہ ہونے یا ناقص و محدود ہونے کے باوجود کیا دشکاریوں کا بڑی آسانی سے ہمارے سادہ لوح عوام شکار ہو جاتے ہیں۔ ان میں فردری ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنی اصل قوت ان فتنوں کے سد باب کے محاذ پر جو وحدت املت کو پابہ پابہ کرنے اور اسلام کے حقیقی خدا و خالق کو مسخ کرنے کا باعث ہوئے ہیں اور اپنی صلاحیتیں، اپنا علم، اپنی توانائیاں اسلام کی حقانیت پر مبنی دعوے عام کرنے کی جدوجہد کریں تاکہ عوام ان فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر ہم ان فتنوں

الہدیٰ

(پندرہویں نشست)

اُولُو الْاَلْبَابِ کے ایمان کی کیفیت

سورۃ آل عمران کے آخری پارہ کے
آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کے روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

آئی ٹیلیویشن کے دروس کا سلسلہ

(۲)

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سَخْمَدٌ وَوَصَلِی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ - اَمَّا بَعْدُ
عُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَخْتِلَافِ الْاَنْبِیَآءِ
وَ الْفَعْلِ لَآیَاتٍ اِذْ وَحِیَ الْاَلْبَابُ ۚ لَا تَذٰیبُ
یَذْكُرُوْنَ ۚ اِنَّ اللّٰہَ قَیِّمًا وَ تَعُوْذُ اَوْ عَلٰی جُنُوْہِہُمْ
وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سَتَحْنٰکَ فِیْعًا عَذَابُ
النَّارِ ۚ رَبَّنَا اِنَّکَ مِنْ شَدِیْدِ النَّارِ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ
وَ مَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۚ

معزز حاضرین اور محترم ناظرین !

گذشتہ نشست میں ہم نے سورہ آل عمران کی چھ آیات یعنی آیت ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی تلاوت کی تھی اور ان کا ایک رواں و سادہ ترجمہ بھی ذہن نشین کر لیا تھا اور

ان کے بارے میں بعض تمہیدی باتیں بھی نوٹ کر لی تھیں۔ آج ہمیں ان آیات پر ذرا زیادہ گہرائی میں جا کر غور و فکر کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے میں نے آج ابتدائی تین آیات کی آغاز میں دوبارہ تلاوت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا ترجمہ بھی کر دوں تاکہ آپ اُسے پھر ایک بار ذہن نشین کر لیں۔ ترجمہ یہ ہے۔

”یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں نشانیاں ہیں جو ہوش مند اور باشعور لوگوں کے لئے۔ وہ لوگ جو بیٹھے اور کھڑے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے رب ہمارے! تو نے یہ سب کچھ بیکار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو اس سے پاک ہے۔ پس ہمیں اگ کے عذاب سے بچا۔ اے رب ہمارے! بے شک جسے تو نے اگ میں داخل کیا اُسے تو نے پوری طرح رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کے لئے یقیناً کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

ان آیات مبارکہ کے متعلق جیسا کہ پچھلی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں ایمان کی بحث آرہی ہے۔ ایمان کن کا! ہوش مند اور باشعور لوگ کا۔ پہلی آیت میں جو لفظ آیا ہے ’اول الالباب‘ سب سے پہلے اس پر اوجہ کو مرکوز کیجئے۔ ’الباب والے‘۔ ’الباب جمع ہے لب کی۔ لب کسی کے اصل جوہر کو کہتے ہیں۔ ہم اردو میں بھی بولتے ہیں کہ ’پوری بھ کالٹ لباب یہ ہے‘۔ تو کسی شے کا اصل جوہر اس کا لب کہلاتا۔ اب غور کیجئے کہ انسانیت کا اصل جوہر کیا ہے۔ آپ کو معلوم کہ اہل منطق اور اہل فلسفہ نے انسان کو حیوان عاقل قرار دیا ہے۔ لہذا انسان علامہ انسان کا اصل جوہر اس کا لب لباب انسان کی عقل۔ اولوالباب سے مراد وہ ہوش مند اور باشعور لوگ ہیں جو عقل سے اپنے ذہن میں یہ نتیجہ پہنچاتے ہیں کہ انسان کا اصل جوہر اس کا لب لباب ہے۔ لہذا انسان کا ایک اہم اور سہجی اصول ہے کہ: اَلْعَقْلُ اَنْ يَفْسِرَ بَعْضَهُ بَعْضًا

کرتے ہیں۔ جن کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھتے کہ ہر معاشرے میں ہر دور میں انسانوں کی عظیم اکثریت تو ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں اگر دو پاؤں پر چلنے والے حیوان قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ جس ماحول میں آنکھیں کھولتے ہیں وہاں جو کچھ ہوتا دیکھتے ہیں وہی کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی اپنی آزاد فکر کوئی نہیں ہوتی۔ آزاد سوچ کوئی نہیں ہوتی۔ وہ غور ہی نہیں کرتے کہ ہم کون ہیں! کہاں سے آئے ہیں! ہماری زندگی کا مال کیا ہے! مبداء کیا ہے! معاد کیا ہے! اس کا مقصد کیا ہے!۔ لیکن ہر دور میں ہر معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا مزاج تقلیدی نہیں ہوتا جو خود سوچنا چاہتے ہیں۔ جو اصل اور بنیادی سوالات فلسفہ اور مذہب کے مابین مشترک ہیں، وہ ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور گویا وہ زندگی کا راستہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر چلنا چاہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو اولوالباب ہیں ہوش مند لوگ، باشعور لوگ۔ ان کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کسی معاشرہ کا **BRAIN TRUST** ہوتے

ہیں، یہ کسی سوسائٹی کا **INTELLECTUAL MINORITY** ہوتے ہیں۔ ذہین و فطین اقلیت ہوتے ہیں۔ اب ان کے بارے میں قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اگر یہ لوگ کتابِ فطرت کا مطالعہ کریں تو انہیں اس کا ثبات میں ہر جہادِ طرٹ نشانیاں نظر آئیں گی۔ نشانیاں کس کی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ مراد ہے اللہ کی نشانیاں۔ ایمان باللہ کا ذریعہ کتابِ فطرت کا مطالعہ ہے۔ اور یہ جو مظاہرِ فطرت ہیں، ان کا مشاہدہ ہے کہ ان میں سے ہر ہر چیز اللہ کی نشانی ہے۔

دیکھئے عربی لفظ ”آیت“ کے معنی ہیں ”نشانی“۔ اب غور کیجئے کہ ہم نشانی کسے کہتے ہیں! کسی شے کی یا کسی شخص کی یا کسی ہستی کی نشانی دہے جس کو دیکھتے ہی ذہن بے اختیار اور بلا اادہ اُس شے، یا اُس شخص یا ہستی کی طرف منتقل ہو جائے۔ آپ کے دوست کی ایک نشانی آپ کے پاس تھی۔ آپ کی بہت عرصہ پہلے اس دوست سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ

آپ کی یادداشت کے انبار میں گم ہو گیا ہے یا محو ہو چکا ہے یہاں تک کہ آپ ایک روز اپنا سوٹ گیس کھولتے ہیں اور وہ رومال یا قلم یا کوئی دوسرا چیز آپ کی نگاہ میں آتی ہے جو آپ کے دوست نے اپنی نشانی کے بطور آپ کو دی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی دفعتاً وہ دوست آپ کو یاد آ جاتا ہے۔ یہ ہے نشانی کا حقیقی مفید اور اس کی اصل غایت۔ قرآن مجید کے نزدیک اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی نشانی ہے۔ یہ نشانیاں آفاق میں بھی ہیں، انفس میں بھی ہیں۔ یہ نشانیاں کائنات میں ہر چار طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ خود ہمارے اندر اور وجود میں بھی ہیں۔ جیسے ایک مقام پر فرمایا:

مَسْكُنٌ يَهْدِيهِمْ اِلٰى تَنَافٍ الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ

دکھلائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور خود ان کے اپنے وجود میں ان کے اپنے اندر ان کی اپنی ہستی میں گویا اس کائنات اور انسان کے اپنے باطن میں بے گنت اور بے شمار اللہ کی نشانیاں موجزن ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک صاحب خرد کو اللہ یاد آ سکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ قرآن مجید ایمان باللہ یا معرفت خداوندی کے لئے اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی ہستی کے اثبات کے لئے منطقی دلائل نہیں دیتا بلکہ مبسبات میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم بدیہیاتِ فطرت پر اپنے استدلال کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ جیسے کسی نشانی کو دیکھ کر کوئی یاد آ جاتا ہے ایسے ہی اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی نشانی ہے۔ اس کو دیکھ کر ان پر غور و فکر کر کے انسان اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے کسی درجہ میں منطقی کا جامہ پہنانا چاہیں تو اس کا تجزیہ یوں ہو گا کہ یہ وجود، یہ سلسلہ و کون و مکان عقلاً مستلزم ہیں ایک خالق کو۔ کوئی تو پیدا کرنے والا، کوئی تو بنانے والا ہونا چاہیے۔ آپ سے آپ تو کوئی چیز وجود میں نہیں آتی۔ کوئی ہستی ہے کہ جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔ گویا کہ اس کائنات کی اپنی جگہ پر جو موجودگی ہے اور عبادات و نباتات اور حیوانات کا جو وجود پایا جاتا ہے وہ خالق کے وجود

کے لئے دلیل ہے۔ لہذا اس معنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات ذاتِ واسمائے صفاتِ باری تعالیٰ کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کائناتِ مجملہ موجوداتِ نظام کائنات پر ہم جب غور کریں گے تو نظر آئے گا کہ اس کا پیدا کرنے والا عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا اندازہ کرو اور دیکھو اور سوچو کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کی خلاقیت کا کیا عالم ہے اور اس کی قدرت کا کیا ٹھکانا ہے! پھر یہ کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ بھی ہے۔ اس کے علم میں کہیں کوئی تکی اور نقص نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس کائنات کا خالق العزیز یعنی زبردست اور غالب بھی ہے۔ پوری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا مخلوق و مبیع ہے ساتھ ہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک حکیم کامل بھی ہے۔ اس لئے کہ اس نے جو کچھ تخلیق فرمایا ہے اس میں ہر چیز حکمت سے برہنہ یہاں کوئی چیز بے مقصد اور بلا غایت نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کائنات کے مشاہدے سے وجودِ باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال تک انسان کا ذہن پہنچے گا۔ یہ مفہوم ہے ان دو آیات کا یعنی سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کے درس کی پہلی آیت کا اور یہی مفہوم ہے سورۃ بقرہ بیسویں رکوع کی آیت نمبر ۱۶۴ کا جو میں نے ابھی آپ کو سنائی۔

اس کائنات کی گتھی کو سلجھانے کے لئے انسان کے ہاتھ میں یوں کہ الھمی ہوئی ڈوہ کا جو سرا ہا تھا آیا تو وہ ہے معرفتِ خداوندی۔ اللہ کو پہچانا۔ ظاہر بات ہے کہ اس الھمی ہوئی ڈور کو آپ نے مزید سلجھا ہے تو اس سرے کو ہاتھ سے نہ چھوڑئیے گا۔ ورنہ ساری کی کراتی محنت ضائع ہو جائے گی۔ اس میں یہی ربط ہے کہ اولوالالباب کے تذکرہ مثلاً بعد ان کے اوصاف ان الفاظِ مبارکہ میں بیان مسرما دیجیے :

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ - جب غور و فکر اور کتابِ فطرت کے مطالعے اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے سے اولوالالباب نے اللہ کو پہچان لیا تو ہر دم اور ہر لحظہ وہ اللہ کو یاد رکھتے ہیں

ان کے دل میں ہر آن مستحضر رہتا ہے۔ ذکر کے معنی میں عرض کر چکا ہوں کہ استغفار اللہ فی القلب ہیں۔ دل میں اللہ کی یاد موجود ہے اور اس سرے کو ہاتھ میں رکھ کر مزید گنتی سلجھائیں: وَتَيَقَّنْكَ رُؤْنِ فِي خَلْقِ الْمَسْمُوتِ وَالْأَرْضِ ” اور وہ مزید غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں ” آگے بڑھنے سے پہلے میں اس موقع پر یہ بات نوٹ کر دوں کہ ذکر و فکر یہاں جس کیفیت کے حامل ہو کر ساتھ ساتھ آئے ہوں وہ بڑی اہمیت پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کہ انسان کے غور و فکر کا عمل (PROCESS) صحیح رخ پر اُسی وقت آگے بڑھے گا جب کہ بیک وقت یہ دونوں چیزیں موجود ہوں۔ یہ گاڑی کے دو پہیے ہیں گاڑی ایک پہیہ پر نہیں چلے گی۔ ذکر بھی ہو اور فکر بھی ہو دونوں ضروری ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں یہ دو حلقے جدا جدا ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو ذکر کے لذت آشنا ہیں لیکن وہ فکر کے میدان میں قدم نہیں رکھتے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو غور و فکر کی وادی تو طے کرتے ہیں لیکن ذکر کی لذت سے محروم رہتے ہیں۔ لہذا دونوں چیزیں علمدہ علمدہ ہو گئی ہیں اور مطلوبہ نتائج اسی لئے پیدا نہیں ہو سکتے۔ مولانا رومؒ نے اس کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ کہا ہے۔

ایں قدر گفتم باقی فکر کن فکر اگر جامد بود ذکر کن
اتنا تو ہم نے تم کو بتا دیا آگے سوچو غور و فکر کرو اور اگر فکر میں کہیں رکاوٹ محسوس کرو وہ جامد ہو جائے تو پھر ذکر کرو و فکر آرد
فکر را در اہت نہ از! اس ذکر سے فکر میں پھر ایک حرکت پیدا ہو
گی۔ وہ صحیح رخ پر اور صحیح سمت میں آگے بڑھے گا۔ ذکر را خورشید
ایں افسردہ ساز۔ یہی بات علامہ اقبال بڑی خوبصورتی سے کہتے ہیں۔

جز بہ قرآن ضعیفی رو باہی است فقر قرآن مل شاہنشاہی است
فقر قرآن؟ اختلاط ذکر و فکر فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

”قرآن کے بغیر شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے۔ اصل شہنشاہی قرآن کے تعلیم کردہ فقر میں ہے۔ جانتے ہو یہ فقر قرآنی کیا ہے؟ یہ ذکر و فکر دونوں کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ ذکر کے بغیر فکر کامل نہیں ہو سکتا۔“

اس آیت مبارکہ میں دیکھئے فرمایا: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قَدَ وَقُوعًا ۖ وَ عَلَىٰ حُبِّهِمْ وَيَخْفَوْنَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ ۖ وَالْأَرْضِ ۖ هَٰؤُلَاءِ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ یہاں ذکر کی اہمیت کو تین حالات کے حوالہ سے جن سے عالم بیداری میں مسلسل دوچار رہتا ہے، بیان کیا گیا ہے یعنی کھڑے جس چلنا آپ سے آپ شاکل بیٹھے جس میں کام میں مشغول ہونا شامل۔ اور پہلوؤں پر لیٹے جس میں آرام کا مفہوم شامل ہے، اللہ کی یاد کا التزام کرتے ہیں۔ اس کے ذکر سے زبان سے تمہید و تسبیح، تہلیل کے مسنونہ کلمات کی ادائیگی بھی مراد ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کے جاننا اور علیم و خیر اور حفیظ و رقیب (نگران) ہونے کا یقین ہونا بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

ذکر و فکر کے اس اختلاط سے وہ جس نتیجہ تک پہنچتے ہیں اُس کا بیان فرمایا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَانَكَ فَقَدْ عَذَابُ النَّارِ۔ وہ پکار اٹھتے ہیں ”اے رب ہمارے! تو نے یہ سب بے مقصد اور بلا غایت اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے، منزہ۔ اس سے کہ کوئی کارِ عبث کرے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہاں قدسے تفصیل کی ضرورت ہے۔ ان اولوالیاء کے سامنے جو پہلو آئی وہ یہ ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز بے مقصد نہیں ہے۔ اور بات جس کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن جسے ہم اپنے دوسرے سبق۔ صحن میں سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس میں مجازات کے متعلق حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کر: يٰ بُنَيَّ إِنَّهَا

إِنَّ تِلْكَ مِثْقَالَ أَوْزٍ فِي الْأَرْضِ يَأْتِي بِهَا اللَّهُ تَجْفِئُ لَهُ السَّيِّئَاتِ أَوْ فِي الْبَرِّ يَأْتِي بِهَا اللَّهُ تَجْفِئُ لَهُ السَّيِّئَاتِ أَوْ فِي الْبَرِّ يَأْتِي بِهَا اللَّهُ تَجْفِئُ لَهُ السَّيِّئَاتِ

لہذا معلوم ہوا کہ فطرت انسانی میں نیکی و بدی اور تقویٰ و فجور کا شعور و امتیاز ودیعت شدہ ہے۔ الہامی طور پر اس کا ضمیر جانتا ہے کہ نیکی، نیکی ہے۔ بدی، بدی ہے۔ لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کے نتائج اچھے نکلیں۔ بدی کے نتائج بُرے نکلیں۔ گندم از گندم بروید جو زجہ۔ دنیا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر معاملہ الٹا ہے۔ نیکو کار لوگوں کے لئے یہاں مصائب اور تکالیف ہیں۔ آپ ذرا فیصلہ کر لیجئے کہ مجھے مہوٹ نہیں بولنا معلوم ہوا کہ زندگی اجیرن ہو جاتے گی۔ حرام و حلال کی حد پر کار بند رہنے کا فیصلہ کیجئے تو دو وقت کی سوکھی روٹی ملنی بھی مشکل ہو جاتے گی۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے ذمہ کچھ اصول ہیں نہ اقدار ہیں نہ ہی وہ کچھ قیود و حدود کے پابند ہیں۔ ان کو جہاں بھی موقع ملتا ہے اور ہاتھ پڑتا ہے۔ وہ دست درازی سے نہیں چوکتے۔ ان کے لئے یہاں عیش ہے اور آرام ہے۔ یہاں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے سہولتیں مہیا ہیں۔ ان دو متضاد و مختلف نتیجوں کو دیکھ کر چند سوالات ہر باشعور انسان کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ وہ یہ کہ یا تو یہ دنیا ناقص ہے مکمل نہیں ہے۔ یا پھر ہمارا وہ خیال غلط ہے کہ نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے۔ یہ صرف ہماری خوش فہمی (WISHFUL THINKING) ہے۔ پھر۔۔۔ اگر فطرت اس بات پر مصر ہو کہ نہیں حقیقت نفس لامری یہی ہے کہ نیکی نیکی ہے، بدی بدی ہے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہیں؛ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ تَوْبَعِ عَقْلُكَ اور ذہن انسانی یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہونی چاہیے جس میں اخلاقی نتائج بھرپور طریقے پر برآمد ہوں نیکو کاروں کو

لَهُمْ وَلَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشعش آیت ۷۸)

ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ ملے۔ بدکاروں کو ان کی بدی کی بھرپور سزا ملے۔
یہ ہے وہ عقلی سفر ایمان باللہ سے ایمان بالآخرت تک کا کرب اور اولالایا۔
اللہ کو یاد رکھتے ہوئے مزید غور و فکر کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہاں
کوئی شے بے مقصد و بیکار نہیں ہے۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے باطن
میں نیکی، تقویٰ اور بدی، غور کا جو شعور ہے وہ بے نتیجہ رہے۔ اس دنیا
میں ان کا نتیجہ نہیں نکل رہا۔ لازماً ایک دوسری زندگی ہوئی چاہیے جس
میں نیکی اور بدی کے بھرپور طور پر نتائج برآمد ہوں اور نیکو کاروں کو جزا
اور بدکاروں کو سزا ملے۔ جب وہ لوگ اس عقلی نتیجے تک پہنچ جاتے
ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر استدعا کرتے ہیں کہ ”اے
ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے۔ اے
ہمارے رب! اُس زندگی کی عقوبت اور سزا سے ہمیں بچاؤ۔ اُس زندگی
میں جو آگ میں جھونک دیا گیا وہ تو ذلیل و رسوا ہو گیا اور ہمیں اس
بات کا یقین ہے کہ وہاں ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ہوگا: رَبَّنَا مَا
خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ نَقْصًا عَذَابِ النَّارِ هَ رَبَّنَا إِنَّكَ
مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْذَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ
اَنْصَارٍ“

ان آیات میں خلاصہ ہے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے عقلی
سفر کا۔ یہ فطری اسلوب استدلال ہے جو ان تین آیات میں جس
جامعیت کے ساتھ سمودیا گیا ہے میرے محدود مطالعہ قرآن حکیم کی حد تک
اسکی کوئی دوسری نظیر موجود نہیں ہے۔ آج کے درس کے سلسلہ

ملے یہ بات سورہ قلم میں باری الفاضل مابکر فرمائی گئی: فَتَجَعَلُ الْمُسْلِمُونَ
كَامْتِحِينَ مِّنْهُ مَا لَكَ مِنْ حَيْثُ تَخْتَلِمُونَ“ ”کیا ہم (آخرت میں) امتحان
برداروں اور مجرموں کا ایک سال کریں گے؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے (وہی
و خیالی، حکم لگاتے ہوئے)“ آیات ۳۵-۳۶ (مرتب)

میں کوئی سوال ہو ————— یا کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں
حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال : ڈاکٹر صاحب! قرآن مجید کی رو سے عقل کا کیا مقام ہے؟
جواب : ان آیات مبارکہ میں تو یقیناً عقل کی توہ بڑی عظمت آئی ہے۔
ان کے متعلق فرمایا گیا ہے: **أُولَ الْأَلْبَابِ، قَوْمٌ يَعْقِلُونَ** ہوشمند
لوگ، صاحب خرد لوگ، وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ لیکن عقل کے
بائے میں بہت صحیح بات علامہ اقبال نے اس شعر میں کہہ دی ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نود چہ راغ راہ ہے منزل نہیں ہے
صرف عقل انسان کو منزل تک نہیں پہنچاتی۔ اگرچہ اس کو صحیح راہ
پر ڈال دیتی ہے۔ یہ **POINTER** ہے، چراغ راہ ہے راہ دکھانے
والی روشنی ہے لیکن منزل مقصود تک انسان کو پہنچانے والی چیسز
وہی آسمانی ہے۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا کہ کسی چیز کا وجود اس کے خالق
کو ثابت کرتا ہے۔ کارلائل جو مشہور فلاسفر ہے وہ اس چیز کو مانتا
تھا لیکن پھر وہ سوال کرتا تھا کہ اس خالق کا وجود ثابت کرنے کے لئے
پھر ایک خالق کا وجود ہونا چاہیے۔ اگر آپ سے اس سوال کا جواب
مانگا جائے تو وہ کیا ہوگا؟

جواب : یہ بات بالکل صحیح ہے کہ خالق منطق یقیناً اس کا تقاضا کرے گی۔
پھر آپ خود غور کریں کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو گا چونکہ ہر چیز کے خالق کا
وجود ثابت کرنے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہے گا۔ اسی لئے میں نے
عرض کیا تھا کہ قرآن مجید نے منطقی طرز استدلال اختیار نہیں کیا۔ واقعہ

ہے علامہ مرحوم کا یہ شعر بھی بڑا پسندیدہ ہے
عقل آستان سے دور نہیں اس کی تقدیریں پر حضور نہیں (مرتب)

یہ ہے کہ ہمارے بہت سے متکلمین نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ محض منطق سے وجود باری تعالیٰ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اور جیسا کہ آپ کے علم میں ہو گا کہ کانٹ نے اپنی مشہور کتاب THE CRITIQUE OF PURE REASON میں ثابت کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے وجود کے اثبات پر جو منطقی دلائل قائم کئے گئے ہیں منطق خود ان کا توڑ کر دیتی ہے لہذا منطقی دلائل سے اللہ کے وجود کو ثابت کرنا واقعہ یہ ہے کہ ممکن نہیں ہے۔ وجود باری تعالیٰ کا علم فطرت انسانی میں ودیعت شدہ ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ حکمت قرآنی کا بنیاد صرف منطقی استدلال پر نہیں ہے بلکہ اس کی اصل اساس بدیہیات فطرت پر ہے۔ آپ اپنی فطرت کی بنیاد پر جس چیز کو جانتے اور مانتے ہیں ان میں عقلی مسلمات کے اضافے سے حکمت قرآنی کا عقلی مکمل ہوتا ہے۔

حضرات! ان آیات مبارکہ کے بارے میں عرض ہے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس مختصر وقت میں ان کی عظمتوں کا بیان ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ہمارے سامنے ایک خلاصہ آیا ہے کہ اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے ضمن میں قرآن حکیم کیا عقلی استدلال پیش کرتا یا شعور و فکر کے لئے کوئی راستہ تجویز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس راہ سے یقین محکم عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۵

خریدار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ایسا نہ کرنے کے وجہ سے ادارہ کو غیر ضروری زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ ہماری گزارش کو ملحوظ خاطر رکھیں گے۔ (لا دار ۵)

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فَریضۃ اقامتِ دین

ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب و درس کی پانچویں قسط

اس آیت مبارکہ کے آخری حصہ میں علمی اعتبار سے ایک اہم مضمون آ رہا ہے۔ اسے بھی توجہ کے ساتھ سنئے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ فرمایا:

اللَّهُ يَجْتَنِبُ الْإِثْمَ مَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ الَّذِينَ يَنْتَهِبُونَ ۝

"اللہ ہی کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی جانب جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ بڑی اہم بات ہے کسی شخص کے راہ ہدایت پر آنے کے دو طریقے ہیں۔ یہ مختلف طبائع و مزاج کی بات ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ ہی فیصلہ کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعض ایک محنت کر کے کوشش کر کے رجوع کر کے اللہ کے راستے کی طرف آتے ہیں۔

جتناباً اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ چاہے تو کسی راہ چلتے کو بلا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستہ ہی سے کھینچ لیا۔

و کہہ طور پر نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپ سے کلام فرمایا: وَ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا۔
و کہیم اللہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ گھر سے ننگی تلواریں لے کر اس حضورؐ کے قتل کے پختہ ارادے سے نکلے تھے

لیکن راستہ ہی سے ان کا رخ اپنی ہمیشہ و گھر کی طرف پھرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے جو خود راہ ان کے شوہر حضرت سعید ابن زیدؓ ایمان لا چکے تھے۔ بہن کی عزیمت دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل موم

صوفیاء کی دو اصطلاحات

سالک مجذوب اور مجذوب سالک

ہمارے یہاں صوفیاء میں دو اصطلاحیں رائج ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ ہوتے ہیں سالک مجذوب اور کچھ ہوتے ہیں مجذوب سالک۔ سَلَّطَ عربی کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں چلنا۔

لہذا سلوک کے معنی راستہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح طریق اور طریقت بھی چلنے اور راستہ کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک سالک مجذوب وہ ہیں جو خود چل کر اللہ کی طرف آتے ہیں اور اللہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ بھی لیتا ہے، انہیں ہدایت دیتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے رجوع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، وہ تو پہلے سے حق کے متلاشی ہیں۔ اسی راستے پر چلے آ رہے ہیں حقیقت کے دروازے پر وہ بھی دستک دے رہے تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ دروازہ کھلا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسی لئے انہوں نے فوراً تصدیق کی اور حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ انہیں تصدیق کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کو میں نے دعوت پیش کی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ تردد نہ ہوا ہو اور اس نے کچھ نہ کچھ توقف نہ کیا ہو سو اے ابوبکرؓ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وجہ یہ تھی کہ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہی میرے دل میں تھا
مجزوب سالک وہ ہیں جن کو پہلے اللہ تعالیٰ خود ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے۔ پھر ان کو تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

مفہوم ہے سالک مجذوب اور مجذوب سالک کا۔ صوفیاء نے یہ اصطلاحات شاید آیت کے اسی حصہ سے اخذ کی ہیں کہ: **اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ** "اللہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو خود اس کی طرف رجوع کرے تو اللہ سے لارڈا ہدایت دیتا ہے"۔

آیت کے اس حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کو تسلی

احمت و مخالفت اور حمد و تعدی نیز انتہائی مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا اور وہ جہانک و سبحانہ کچھ لوگوں کو اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا اللہ ہمشکرین میں جو نیک سرشت ہوں گے جن کی فطرت سلیم ہوگی، جن کی عقل سلیم ہوگی جن میں

فدا بھی انا بت ہوگی، وہ خود چل کر آجائیں گے۔ اللہ ان کو بھی راہ ہدایت سے بہرہ مند فرمائے گا۔

اہل کتاب کی مخالفت کا سبب

اب آگے والی آیت میں دوسری جماعت یعنی اہل کتاب کی مخالفت کے سبب کو اختصار لیکن انتہائی جامعیت و بلاغت سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ مشرکین عرب تو بے علم تھے۔ ان پر پڑتے تھے۔ ان کے پاس شریعت نہیں۔ وہ وحی، نبوت و رسالت اور انزال کتب سماوی سے بالکل نا آشنا۔ ان کے مقابلہ میں تھے یہود اور ان کے علماء و فضلاء۔ ان کے پاس کتاب، ان کے پاس شریعت، وحی اور انزال کتب سماوی سے وہ واقف، سلسلہ نبوت و رسالت سے وہ آشنا۔ توحید سے وہ روشناس، بعث بعد الموت کے وہ قائل، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے وہ مقرر۔ ان کے لئے تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید میں کوئی اجنبیت نہیں تھی۔ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ تو خود نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے جن کتابوں کو وہ خود آسمانی کتابیں تسلیم کرتے تھے ان میں پیشین گوئیاں موجود تھیں کہ خاتم النبیین و المرسلین کی بعثت فاران کی چوٹیوں اور کھجوروں کے جھنڈ کے علاقہ میں ہوگی۔ وہیں ان کا ظہور ہوگا جس سے مراد عجم کے علاقہ کے سودا کوٹے دوسرا مقام نہیں ہو سکتا یہ حضرت سلمان فارسی ایک عیسائی راہب سے یہ اطلاع پا کر ہی حجاز کے لئے لازم سفر ہوئے تھے۔ پھر یہود اوس و خزرج کو دھمکیاں دیتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو لازماً تم پر ہمارے آئیں گے۔ لیکن قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ یہود ایں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر مشرکین سے بھی زیادہ شدید تھے اور آپ کی دعوت توحید کے خلاف قریش اور عرب۔ دوسرے قبائل سے رشتہ و دانیوں اور سازشیں کرنے میں معروف رہتے تھے۔ فقہانہ کو اکسانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی مخالفت کے سبب کو اگلی آیت میں یہ:

لے ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہود کے تین بڑے قبیلے فلسطین اور شام کے علاقہ چھوڑ کر
ادب خیر میں آکر آباد ہوئے ہوں۔ اور اوس و خزرج کے قبیلوں کو بھی آخر الزمان کے نبی
کا خیر میں دیتے ہوں۔ (مرتب)

کیا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے بھی پہلے شَرَعَ لَكُمْ دَالِ آیت کی طرح تین حصے ہیں۔
میں کو بخش کر دل لگا کر تمہیں حقوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح کر دے۔ فرمایا:

وَمَا لَكُمْ قُلُوبًا لَا مَعْلَمَ لَكُمْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُمْ
”اور ان لوگوں نے توفیق نہیں کیا مگر اس حال میں کہ ان کے پاس علم آچکا تھا (بلکہ

توفیق کا سبب یہ تھا) کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں“

یہ بات کلام سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آیت کے اس حصے میں اہل کتاب کے
تفرقہ کا ذکر ہے۔ اسی آیت کے آخری حصہ میں دراشت کتاب کا ذکر کیا ہے۔ وراثت کتاب
تو یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ آیت کے اس حصہ میں تفرقہ کا سبب نہایت جامعیت اور بلاغت سے
بیان ہو رہا ہے کہ ان اہل کتاب نے جو تفرقہ کیا ہے۔ وہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، وہ جو منقسم ہو گئے۔

تو اس کا باعث لاطمی نہیں ہے بلکہ بَفِئًا بَيْنَهُمْ ہے۔ دیکھئے کتنی عجیب بات ہے۔ دین
و شریعت ایک ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں تورات کے ماننے والے ہیں۔ پھر بھی تفرقے میں مبتلا
ہیں۔ پھر تفرقہ در تفرقہ ہے۔ یہود بھی مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ اور ایک دوسرے
کے جہانی دشمن ہیں۔ حالانکہ پوری تاریخ مشترک۔ آج بھی عیسائی جس کتاب کو بائبل کہتے ہیں،
اس کا بڑا حصہ تو OLD TESTAMENT ”عہد نامہ عتیق“ ہے۔ یہ دراصل تورات اور دوسرے

انبیاء بنی اسرائیل کے مصیوقی پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ”NEW TESTAMENT“ ”عہد نامہ جدید“
ہے۔ جس میں چار کتابیں وہ ہیں جو اناجیل اور انجیل کہلاتی ہیں۔ ان کے بعد پال اور دوسروں کے
خطوط ہیں، جن کو وہ ”رسولوں کے خطوط“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہودی جن انبیاء کو
مانتے ہیں، عیسائی بھی ان سب کو مانتے ہیں لیکن تفرقہ ہے۔ ضد در ضد ہے۔ ایک دوسرے
کے خلاف فتنے ہیں۔ یہ سب کیوں ادا کس لئے ہے؟ میں یہ ساری باتیں اس لئے عرض کر رہا
ہوں کہ جب بھی کوئی توحید کی خاص دعوت لے کر اٹھے گا۔ حالات یہی ہوں گے۔ اسے اسی
برج کے حالات سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ یہ صورت حال کبھی نہیں بدلے گی۔ بقول علامہ
سبیل

موجودہ دور میں صرف اسلام دشمنی میں عیسائی ان یہود کے حامی پشت پناہ اور حلیف بن گئے ہیں۔ دنیا بیکہ
ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوانے والے یہودی تھے۔ (در شب)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی ہے
 آج بھی اگر تجدید و احیاء دین کے لئے اور خالص دعوتِ توحید کے لئے کمرس کے کوئی
 قافلہ چلے گا تو اسے انہی نوع کے دو گروہوں سے واسطہ پڑے گا اور سابقہ پیش آئے گا۔ جیسے
 دورِ حاضر میں۔ یا تو ہمارے عوامِ اناس ہیں کہ جن کو دین کی کوئی خبر نہیں۔ ان کے نزدیک دین
 نام ہے محض ایک عقیدے کا اور چند رسومات کا۔ ان کو حقیقی دین کا علم سرے سے ہے ہی نہیں
 — ان کا دین تو قبر پرستی ہے یا تعزیر پرستی۔ ان کے دین کا سب سے بڑا منظر یا محسوس ہے یا
 تعزیوں کے جلوس ہیں۔ یا اب ایک اور جلوس کا اضافہ ہو گیا ہے جو عید میلاد النبی کا جلوس ہے
 ان کا دین تو ان ہی چیزوں کا نام ہے ان کے سوا ان کو دین کا اور کوئی علم اور خبر ہے ہی نہیں۔
 نماز سے انہیں سروکار نہیں روزے سے انہیں بحث نہیں۔ ان کا گل گل دین بس ان سے
 چیزوں کا نام ہے۔ یہ گروہ تو گویا ان لوگوں کے مشابہ ہو گیا جو حقیقتِ نفس الامری سے بہت
 دور نکل گیا تھا۔ صَلَّ صَلَّ لَا بُعِیْذُ ۱۔ ان کے لئے خالص توحید والے دین کی طرف
 آنا بڑا ہی مشکل ہے۔ آسان کام نہیں ہے۔ اَلَا مَاشَئِ اللہ۔ ہمارے یہاں دوسرا گروہ وہ ہے
 جن کے فتوے ملتے ہیں۔ دین کے مسائل کے لئے جن کی طرف لوگوں کا رجحان ہے۔ جن کی دنیا مندی
 ہیں۔ جن کے اونچے اونچے مناصب ہیں۔ ان میں سے خاص طور پر جن کا سرکارِ دہراد سے ربط و
 تعلق قائم ہو جائے وہ تو یوں سمجھ کر کر بلا اور نیم چڑھا۔ ان میں جو جو خرابیاں پروان چڑھتی ہیں
 وہ سب کو معلوم ہیں۔ علمائے سوئی اکثریت بھی اکثر و بیشتر ان ہی میں سے ہوتی ہیں جو سرکاری دہراد کا
 علماء ہوتے ہیں۔ ایسے ہی علماء سو کے فتوے سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی پیٹھ پر کوڑے برستے
 رہے ہیں۔ ایسے ہی علماء کے فتوے سے مجددِ الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کو جیل میں ڈالا گیا ہے۔
 ان ہی کے فتوے سے امام ابوحنیفہؒ جیل میں ڈالے گئے اور ان کو کوڑے لگائے گئے۔ جب اہلِ مملکت
 کی شکایں کس کے کوڑے لگے ہیں اور گدے پر بٹھا کر ان کی مدینہ کی گلیوں میں جوتشہ کی گئی ہے تو
 اس کی پشت پر اس وقت کے دہلوی مفتیان کے فتوے موجود نہیں تھے۔ جن کے فتاویٰ ۱۲
 وقت کی حکومت کو حاصل نہ ہوں! یہ دہلوی سرکاری اقتدارِ وقت کے منہ چڑھے ہی
 عالم و فاضل لوگ تھے جنہوں نے جلال الدین اکبر کو ”دینِ الہی“ عطا کیا تھا۔ اکبر کا تو با
 بھی دینِ الہی خود تجویز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے تو ابو الفضل ادریشی تھے۔
 بہت بڑے عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم کہ ابو الفضل نے قرآن عید کی پوری تفسیر اس طور پر کیا

اس کے بعد کہ ان کے پاس "البیت" آگئی تھی۔ یعنی حق روشن دمیر سن صورت میں ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ ان اہل کتاب نے اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھائی بلکہ روزِ روشن میں جان پہچان کر وہ ماہِ حق سے بچے ہیں۔ ٹھیک ہے اہل عرب نے ٹھوکر کھائی، مگر والوں نے ٹھوکر کھائے تو اندھیرے میں کھائی۔ ان کے پاس تو روشنی تھی ہی نہیں لیکن یہود تو اندھیرے میں نہیں تھے۔ وہ تو نبی اکرم اور قرآن کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو: یَعْرِفُونَ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ۔ پھر بھی ایمان نہیں لا رہے۔ کیوں! اس کو آیت کے اس حصے کے آخر میں بیان کیا گیا: بَقِيتُ بَيْنَهُمْ۔ اس تفرقے کا اصل محرک ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خواہش اور کوشش۔ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی تمنا اور سعی۔ ایک دوسرے پر قد آنے کی فکر۔ پھر قومی و گروہی مفادات، مناصب، تفاخر، وجاہت و شہرت، مذہبی قیادت و سیادت، ان پر متبذاد مکتبر ہے، حد ہے کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کو کیوں مل گئی۔ یہ تو ہمارے خاندان کی میراث ہے۔ دوحائی ہزار برس تک نبوت کا سلسلہ ہمارے..... یہاں جاری رہا ہے۔ کسی اور کو یہ فضیلت مل جائے، یہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ PERSONALITY CLASH تھا۔ یہ شخصیتوں کا تصادم تھا۔ یہ کون اور کون نیچے کا جھگڑا تھا۔ بالاتر کون ہے اور کم تر کون! یہ سارا فساد دراصل اس کا تھا۔ یہ لوگوں کی انانیت تھی۔ جس کے باعث وہ تفرقے میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور مصالح کی خاطر حق سے اعراض ہی نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور دشمنی پس کر رکھی تھی۔ اب ان تمام تشریحات و تشریحات کے ساتھ۔ آیت کے اس حصے کو پھر دیکھ لیجئے: وَمَا لَنُتَقَدَّرُ إِلَّا بِأَنْفُسِنَا۔ مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بَقِيَّتِ بَيْنَهُمْ۔ (جاری ہے)



تسلّم حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا استعمال آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفات پر یہ آیات و احادیث ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

شذرات

مترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ۲۵ اپریل ۸۴ء کو ہندوستان کے دوسرے سے واپسی کے بعد ۲۵
اپریل کے جمعہ کی تقریر میں جن مبین موضوعات پر اظہار خیال فرمایا تھا اس کو "شذرات"
کے عنوان کے تحت کیسٹ سے منسلک کر کے قدر تک و اضافہ کے ساتھ میثاق کے قارئین
کرام کے غلط کے لیے پیش کیا جاوے گا (ادارہ)

ڈاکٹر صاحب نے خطبہ مسنونہ، سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت، سورہ النجم کی آیات ۸۸ تا ۹۱ کی تلاوت،
بعد اذیہ مسنونہ کے بعد فرمایا،

حضرات! دو مقتول کی غیر ماضی کے بعد آج ملاقات ہوئی ہے۔ آج متعدد ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں
جن کے بارے میں غور اظہار خیال مناسب ہے۔ میرے یہ دو ہفتے چونکہ ہندوستان میں گزریے ہیں۔ اور
اس سرزمین سے جدا تعلق یہ ہے کہ ہم میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو وہاں سے نکلے یا نکلے ہوئے ہیں۔
برصغیر پاک و ہند بہر حال ہماری جغرافیائی اور عمرانی اعتبارات سے ایک وحدت تھا۔ وہ اس لیے تقسیم ہوا کہ مسلمانوں
کی قومیت کسی زمین سے وابستہ نہیں بلکہ وہ ایک آفاقی قوت اور عالمی اُمت کے افراد ہیں۔ ہمارے تحت
الشعور میں یہ بات بھی بسی ہے۔ پھر شعوری طور پر یہ غلط محسوس ہوا کہ آزاد بھارت میں غیر مسلموں کی تنظیم کر دینے
مسلمانوں کی اقلیت کے دینی و قومی تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی، لہذا مسلمانوں کو ایک علاحدہ آزاد و خود مختار
مملکت جس میں ان کی اکثریت ہے، ملنا چاہیئے تاکہ وہ اس ملک پر اللہ کا دین قائم کریں چنانچہ تحریک پاکستان چلی
اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴ اگست ۴۷ء کو پاکستان کے نام سے ایک آزاد و خود مختار مملکت کا وجود
عمل میں آگیا۔ یہ مملکت دو حصوں میں منقسم تھی اور ان کے مابین ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلہ تھا۔ بلوچہ،
مشرقی پاکستان۔ جو بعد ہی تاقبیت اندیشوں، غلط پالیسیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے پاکستان سے کٹ گیا
اس کا نام بھی بلکہ دیش ہو گیا اور اب مغربی پاکستان ہی پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشہ پر موجود ہے۔
پھر پاکستان کو قائم ہونے سے پچیسویں سال قبل رہا ہے۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں رہنے والے تمام مسلمان

۱۷ اپریل ۱۹۸۴ء سے ۲۵ اپریل تک بھارت میں مید آباد دشمن و دھوتی دوسرے پر تشريف
لے گئے تھے۔ (مرتب)

نقل مکانی کر کے پاکستان نہیں آ سکے اور اس وقت کی قریباً نصف تعداد پانچ کروڑ کے گنگ بگ۔ چوں
 وہ گنگی۔ پاکستان آنے والے متعدد فائدہ مند ایسے ہیں جن کے اعزہ و اقارب تاحال ہندوستان میں مستقل طور پر
 مقیم ہیں۔ اس تہذیب کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم ہندوستان کے مسلمان شہریوں سے
 اپنے ذہنی کوفائی کر لیں۔ لہذا ہمارے مسلمانوں کو وہاں کے مسلمانوں کے حالات سے دلچسپی ہے۔ نمونہ پہلی
 مرتبہ ۸۰ء میں جب ہندوستان گیا تھا تو واپس آ کر انہیں وہاں کے اپنے مشاہدات و تاثرات تفصیل سے
 بیان کیے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی آپ حضرات کی یہ خواہش ہوگی کہ اس سلسلہ میں کوئی نئی بات ہو
 تو میں اسے آپ حضرات کے گوش گزار کروں۔

دوسرا معاملہ اس اہم خبر سے متعلق ہے جو آج ہی صبح آپ نے اخبارات میں پڑھی ہوگی۔ یہ نہایت
 ہی اچھی خبر ہے جو بیت عمر کے بعد پڑھنے میں آئی ہے۔ تقویمیں کے متعلق خواہ وہ دورہ سے وابستہ ہوں
 خواہ لاہوری مکتب فکر سے، صدر صاحب کے جاری کردہ انڈینس پریمی میں آج کچھ مرض کرنا چاہتا ہوں۔
 تیسرے یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج رجب کی ۲۴ تاریخ ہے۔ ہجرت سے ایک سال قبل اسی
 ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو وہ حجاز العقول و تحصیل کیا تھا جسے ہم واقعہ معالج بھی کہتے ہیں
 اور اس کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ارادہ یہ ہے کہ کچھ باتیں اس ضمن
 میں بھی آپ حضرات کے سامنے رکھوں۔ وَمَا لَوْ فُتِنِيَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

ہندوستان کے حالیہ دورے کے تاثرات و مشاہدات

جہاں تک ہندوستان کے سفر کا تعلق ہے تو جو باتیں میرے پہلے سفر کا مشاہدہ تھیں ان کو میں
 تفصیل سے پہلی واپسی کے بعد بیان کر چکا ہوں اس وقت بھی اور اب بھی میری رائے یہ ہے کہ ہندوستان
 میں مسلمانوں کا اور اسلام کا مستقبل بہت خدوش ہو جاتا اگر وہاں اللہ کے فضل و کرم سے ہندو خاص حالات
 پیدا نہ ہو جاتے۔ ان حالات کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں اور اسلام کے لیے اُس درجہ کی تشویش
 ناک اور خدوش صورت حال فی الوقت موجود نہیں ہے کہ جس درجے کا پہلے اندیشہ تھا۔ ایک تو یہ
 کہ ہندوستان میں بھی تاحال کوئی ایک مرکزی ڈیولپمنٹ (Central Development) نہیں ہو سکا۔ ہندوستانی قوم
 پرستی کا جذبہ اگر مضبوط ہو گیا ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے حالات وہاں ناگفتہ بہ ہو جاتے۔ وہاں بھی صورت
 حال کم و بیش وہی ہے جس کا ہمیں بھی کبھی کبھی تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ علاقائیت پسندی یا علاقائیت

لے 'مصحح النسخ' کے موضوع پر اسی نام سے عہدہ فاضل صاحب کا ایک خطاب مطلوبہ شکل
 میں موجود ہے (مرتب)

پرستی یا مصلوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے مطالبات — میں سمجھتا ہوں کہ وہاں یہ جذبات ہمارے یہاں کے مقابلے میں زیادہ شدید ہیں۔ جنوبی ہند اور شمالی ہند کے مابین ایک مستقل رسد کھینچی ہے۔ چونکہ ہندو کی بڑا فرق ہے۔ زبانوں کا بڑا بنیادی فرق ہے۔ آپ کو یہ بات بتاؤں گے کہ پہلے بھی بیان کی تھی یاد ہو، اور جنہوں نے نہیں سنی، وہ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اگرچہ شمالی ہند کا رہنے والا ہوں یا جنوبی ہند کا دونوں ہی ہندو کہلاتے ہیں لیکن ان کے یہاں اس بڑے فرق و تفاوت ہے کہ شمالی ہند میں رام چندر جی وہاں کے ہندوؤں کے ہیرو ہیں بلکہ وہ ایک طرح سے اوتار ہیں، موجود ہیں اور راون، باغی، فساد، بچہ، ڈاکو اور شر کی علامت ہے۔ اس کا پتلا شمالی ہند میں ہر سال درام لیا، اس کے تہوار پر جلایا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وہاں کے ہندوؤں کا ہیرو راون ہے۔ وہ اس کی ایک نوع کی پوجا کرتے ہیں اور رام چندر جی کو وہ اٹھیرا، خاصب، غلام اور جنوبی ہند کی آزادی سلب کرنے والا حاکم اور بکھتے ہیں۔ بعض شہروں میں رام چندر جی کا پتلا جلایا بھی جاتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا تضاد اور فرق و تفاوت موجود ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے یہاں بھی سندھ میں کچھ کچھ فہم اور PERVERTED ذہن کے لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو لٹیر اور ڈاکو کہا اور راجہ دھرم کو عجب وطن قرار دیا۔ درحقیقت یہ اس نوع کی پیڑیں ہیں کہ جب ملاقات پرستی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا نتیجہ اس طریقے سے ظہور کرتا ہے۔

دوسرا معاملہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پہلے بڑی شدت کے ساتھ آسام وغیرہ میں اور اس علاقے میں جو ہندوستان کا شمالی مشرقی کونہ ہے جو قریباً ہندوستان سے کٹا ہوا ہے۔ ایک چھوٹا سا کوئڈو ہے جو بنگلہ دیش کے شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ اس علاقے کو ہندوستان سے ملاتا ہے۔ اس علاقے کے چار پانچ صوبے ایک علاحدہ ساحل علاقہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ دھرم کے لحاظ سے سب ہندو ہیں پھر بھی ان کی تہذیب اور زبان ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ بہت فرق ہے۔ اس کے باعث ان کی آپس میں چٹک چٹکی رہتی ہے اور مرکزی حکومت سے بھی ان کے روابط ناخوشگوار ہیں اور ان میں رخنہ پڑتا رہتا ہے۔ اب ہماری سرحد سے متصل شمال مغرب میں بھارتی پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اور کھنور کے ایک مؤثر گروہ کی مرکزی حکومت سے جو کشمکش چل رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ روزانہ اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے ہندوستان کی لیڈر شپ کی توقعات ان گھمبیر مسائل کی طرف مرکوز ہو گئی ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع مل گیا ہے اور ان کے لیے یہ صورت حال تہیوہ کے اقتدار سے مفید ہے۔

تیسری بات جس کا ہندوستان کا گریحہ نوازہ ہوتا ہے، جسے میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں

یہ ہے کہ ہندوستان میں خود ہندوؤں میں تاحال ذاتیں اور چھوت نچات اسی طرح موجود ہے جیسی
 آندلی سے پہلے تھی۔ برہمنوں کے ہندو دھرم کو چھوڑنے کے بھی وہاں متعدد واقعات ہوئے ہیں۔ جن
 کی خبریں اخبارات کے ذریعے یہاں بھی پہنچتی رہی ہیں۔ مزید اس ضمن میں ایک اہم بات یہ ہے کہ
 ہندوستان میں ہندو مذہب کا کوئی ایسا نہیں ہو سکا اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندو دھرم
 میں اتنی جان، اتنا دم خم، اتنا ذوق نہیں ہے کہ دنیا میں جدید علوم اور Sciences کی ترقی کی
 بدولت جو نقطہ نظر پیدا ہوا ہے اس کا مقابلہ کر سکے۔ لہذا ہندو دیو مالا کے اہیا کی کوئی شکل پیدا ہونا
 مشکل ترین نظر آتا ہے۔ ہندو قوم پرستی تو پیدا ہو سکتی ہے لیکن ہندو مذہب کا ایسا میرے نزدیک
 قریباً غارج از بحث ہے۔ آزادی کے بعد یہ ہوتا کہ ہندو قوم کا اپنے مذہب سے زیادہ لگاؤ پیدا ہوتا
 اسے زندہ کرنے کے لیے زیادہ سرگرمی ہوتی تو وہ صورت حال وہاں پیدا نہیں ہوئی۔ یہ دونوں چیزیں

ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو ایک سہارا ملتا ہے۔ ہم اسے INDIRECT

RELIEF کہیں گے۔ لیکن ہر حال نتیجے کے اعتبار سے مسلمانوں کے لیے صورت حال نسبتاً بہتر ہوئی ہے۔

اس حالیہ دور سے میں میرا زیادہ وقت حیدر آباد دکن میں گزارا ہے۔ اس کا یہاں سے بڑا طویل

فائدہ ہے۔ وہ گویا جنوبی ہندوستان کا سرسبز ہے۔ حیدر آباد دکن استخلاص وطن تک ہندوستان کی
 بڑی عظیم ریاست تھی جو مسلمان تمدن کا بہت بڑا گہوارہ رہی ہے۔ جامعہ عثمانیہ اور اس سے
 متعلق جو ادارے تھے، انھوں نے اردو زبان کو حقیقی تقویت پہنچائی اور تمام علوم حتیٰ کہ ہر نوع
 کی سائنس، انجینئرنگ اور میڈیکل کی تعلیم تقسیم سے قبل وہاں اردو میں ہو رہی تھی اور انتہائی

زبردستی خرچ کر کے ہر شعبہ کے لیے نصاب اردو میں مدقن و مرتب کر لیے گئے تھے۔ اتنی عظیم
 خدمات جامعہ عثمانیہ نے اردو کے لیے انجام دی تھیں۔ پھر یہ کہ میر عثمان علی خان بعض عویلوں کے
 حامل بھی تھے۔ نوابوں اور راجہ بہار باغوں میں جس قسم کی خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہوئی ہیں۔

وہ اپنی جگہ ہیں۔ لیکن میر عثمان علی خان میں علم دوستی اور علماء کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی
 ان کے دور میں ہندوستان میں جہاں کہیں بھی مسلمان اصحاب علم و فضل اور علم پرین فن موجود تھے۔

ان میں سے اکثر کو کونے کونے سے کیجئے کہ حیدر آباد میں بلانا اور مختلف اداروں میں ان کی خدمات سے
 فائدہ اٹھانے کے لیے ان کو لگانا ان کا قابل ستائش کام تھا ہے۔ اس طرح حیدر آباد دکن میں اتنا

بڑا علمی سربا جمع ہوا کہ اس کے گہرے اثرات تاحال حیدر آباد کی فضا میں موجود ہیں۔ اگرچہ ہندوستان
 کی حکومت کی جانب سے ستمبر ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے دوران اس کے متعلقہ اہل ریاست حیدر آباد

دکن پر جو کچھ ہوتی تھی اس کے ایک وقتی رد عمل کے طور پر ایو سی کی کیفیت سے وہاں کے مسلمان بھارت

چھوٹے تھے۔ اتنی بڑی ریاست کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین جانا بڑا عظیم سانحہ تھا پھر وہاں ان

حالات کی وجہ سے ہندوؤں میں جو سرکشی پیدا ہوئی اور ان میں جو اجتماعی جذبات مشتعل ہوئے تو اس دور میں بڑے ہی سخت اور کٹھن حالات سے حیدرآباد کے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا۔ لیکن بحمد اللہ اب جو صورت حال چلتی ہے بیت حد تک سکون کی کیفیت ہے۔ البتہ کبھی کبھی وہاں کھٹ پٹ ہو جاتی ہے فرقہ وارانہ فسادات ہو جاتے ہیں لیکن اب وہاں کا مسلمان ذہن اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ اگر اسے ایسی صورت حال سے ٹھٹھا پڑ جائے۔ تو اسے اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ کم و بیش پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی کیفیت یہی ہے کہ وہ اس نوع کے حالات سے نکلنے کے لیے ذہناً اور عملاً تیار رہیں۔ میں وہاں کے مسلمانوں کے اس عزم اور حوصلے کے لیے اپنی گفتگوؤں میں آج کل ایک مثال دے رہا ہوں۔ وہاں بھی میں نے یہ مثال دی ہے کہ جیسے بعض امراض ایسے ہیں کہ وہ جب کسی کو لاحق ہو جائیں تو ڈاکٹر مریض سے کہا کرتا ہے کہ بھائی اب تمہیں

اسی مرض کے ساتھ زندہ رہنا ہے YOU HAVE TO LIVE WITH IT

اب اگر کسی کو ذیابیطس ہو گئی ہو تو یہ جڑ سے جلنے والی بیماری نہیں ہے۔ ایسے مریض کو اپنی علالت و مرغوبات اپنی خوراک کو اس بیماری کے ساتھ *live with it* کرنا ہو گا۔ اپنے معمولات میں کچھ ترمیم کر کے اسے اسی مرض کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ تو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس بات کو ذہناً قبول کر لیا ہے کہ ہمیں اسی صورت حال کے ساتھ یہیں زندہ رہنا ہے۔ لہذا جب کبھی کوئی مذہبیر، کوئی فساد، کوئی خون ریزی ہوتی ہے تو مسلمان اس صورت حال کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ویسے بحیثیت مجموعی یہ صورت حال جنوبی ہند میں نہیں ہے۔ یعنی تامل ناڈو، کرناٹک اور کیرالہ وغیرہ جو قالع جنوبی ہند کے صوبے ہیں۔ یہ نام بھی آپ میں سے بہت سے لوگوں کے لیے نئے ہوں گے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں گنتی کے صوبے اپنے سابقہ ناموں کے ساتھ باقی بھگے ہیں۔ وہاں نئے نئے صوبے وجود میں آئے ہیں نئے پردیش میں نئے نام ہیں۔ پھر حکومت ہند نے صوبوں کی جو نئی عدندی کی ہے وہ قالع لسانی **LINGUISTIC** بنیاد پر رکھی ہے۔ صوبے کی اپنی ایک زبان ہے۔ وہاں کے تمام انڈوینی معاملات اسی زبان میں طے ہوتے ہیں۔ صوبے کی حکومت کا تمام کاروبار صوبے کی حد تک صوبائی زبان میں ہو گا۔ مرکز سے ان کا رابطہ انگریزی کے ذریعے ہو گا۔ ہندی زبان کی بالادستی **DOMINATION** کو جنوبی ہند نے کسی طرح تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ ہندی کو پورے ہندوستان کی سرکاری زبان نہیں ہے۔ بلکہ صوبوں کی مرکز سے رابطہ کی اور صوبوں کے باہمی رابطہ کی زبان انگریزی ہے۔ اس طرح وہاں صورت حال بڑی حد تک بدل چکی ہے۔

جہاں تک جنوبی ہند کے تین بڑے بڑے صوبوں کا تعلق ہے تو وہاں مسلمان بڑے امن

اور سکون سے ہیں اور ان صوبوں کی حد تک فرقہ وارانہ فسادات کی کوئی تائید نہیں ہے۔ شمالی ہند میں فسادات ہوتے رہتے ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہاں بھی مسلمانوں نے طے کر لیا ہے کہ ہمیں یہاں اسی صوبت حال کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنی ہے۔ یہیں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ شمالی ہند میں میرے پہلے سفر کے موقع پر کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اے ایک تو ہماری ذہنی کیفیت یہ تھی کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا محافظ پاکستان ہے۔ جب پاکستان دولخت ہو گیا اور ظاہرات ہے کہ دو خطوں کے ملاوہ ہوجانے کے باعث اس کی مجموعی طاقت نصف ہی نہیں ہوتی بلکہ کئی گنا گھٹ گئی۔ پھر ہمارا جو رعب اور بھرم تھا۔ تو اے میں سقوط پاکستان کا جو سانحہ حادثہ ہوا تو وہ ختم ہوا۔ ساتھ ہی ہمارا وقار اور ہماری عزت بھی پہلے جیسی نہیں رہی۔ دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارے یہ سوچا کہ پاکستان اپنی ہی حفاظت کسلے، یہی کافی ہے۔ باقی دلیاں کا معاملہ، تو یہاں خود ہمیں اپنی حفاظت کرنی ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہے اور اب اگر کوئی نازک مرحلہ دہریش ہو گا تو مار کھریں گے، بھیڑ بکریوں کی طرح نہیں مریں گے۔ الحمد للہ وہ اپنے اس عزم اور ارادے میں نکتہ ہیں اور ان میں اب مرغوبیت اور شکست خوردگی کے آثار نہیں ہیں۔ یہاں پاکستان میں بیٹھ کر ہمارا لگان ہوتا ہے کہ ہندوستان کا مسلمان بڑی پریشانیوں سے دوچار ہو گا۔ لیکن وہاں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ جیسے انگریز کی غلامی کے عہد میں ہوا تھا کہ مسلمانوں میں سرکار پرست حلقے کے لوگ انگریزی تہذیب میں بالکل

لگے گئے تھے۔ ہمارے ہاں بھی اس نہانے کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کچھ CIVIL MARRIAGE ہو گئیں۔ میں نام نہیں لینا چاہتا لیکن اس نہانے میں یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کچھ بڑے TOP کے لیڈ تھے۔ جن کی پچیسوں نے ہندوؤں سے، سکھوں سے یا کسی دوسرے سے شادیاں کر لی تھیں۔ اس طرح کی کوئی آکاؤگٹا مثال اب وہاں بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ مثالیں شاف کے دیے میں ہوں الشاذ کا لحدوم۔ اس پر آپ یہ قیاس نہ کریں کہ شاید بحیثیت مجموعی وہاں یہ معاملہ ہو گیا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دینی اعتبار سے وہاں کا مسلمان ہمارے مقابلہ میں بہت بہتر حالت میں ہے۔ ہمیں دولت کی ریل تیل، فراوانی اور سائنسوں نے دین سے بہت دور کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آسائشیں اور دولت کی فراوانی دینی اعتبار سے مفید ہونے کے بجائے ہمارے حق میں نقصان دہ ہوتی ہیں۔ وہاں چونکہ ہر وقت مقابلے کی کیفیت رہتی ہے۔ لہذا وہاں اپنے دینی شخص کو برقرار رکھنے کا احساس و جذبہ زیادہ ہے اور وہ اپنے دین کی رفتار کے لیے ہم سے زیادہ فعال اور ACTIVE ہیں۔ ہم سے زیادہ اپنی جگہ دینی کام کر رہے ہیں۔ اس وقت بھی ہندوؤں کی طرف سے کوششیں

ہو رہی ہیں خاص طور پر راجستان میں کہ بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو شدھی کر لیا جائے۔ اسی لیے وہاں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے یو قوم بھی کہ افغانی میں کسی بزرگ سے مشابہ ہو کر اس کے ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن نہ ان کی تعلیم ہوئی، نہ قربیت ہوئی تو ناہ بھی ملے جلے سے ہے۔ ان میں مسلمانیت بھی تھی اور ہندو عیت بھی۔ رہیں سہیں خالص ہندو اسی طرح راجستان کے بہت سے اسی قسم کے قبیلوں کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ ہندو ان شدھی کرنے کی بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمان اس طرف سے غافل نہیں ہیں، بیدار ہیں، اس کی روک تھام کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسری طرف یہ صورت حال بھی ہے۔ کہ جنوبی ہند میں ہندو مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہاں گاؤں کے گاؤں ایک ساتھ مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہاں ہندوستان کی اصل ڈال اور قوم کے لوگ اسلام کی طرف راغب اور داخل ہو رہے ہیں۔ اور وہاں مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا بار بار اندازہ ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تبلیغی کوششیں ہندوؤں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔

ایک بہت اچھی بات جو میرے خیال میں اسی صورت حال کا نتیجہ ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان دو چار ہیں۔ یہاں کے مقابلے وہاں مجھے صورت حال بہت بہتر نظر آئی وہ یہ کہ جس طرح ہمارے یہاں بھی علاحدہ علاحدہ فقہی مکاتیب نکلیں، ان میں اختلافات ہیں۔ اسی طرح وہاں بھی ہیں۔ وہاں بھی مختلف مسلک کے لوگ موجود ہیں۔ بلکہ پاکستان میں شیعہ ہیں، اہل حدیث ہیں اور شیعہ ہیں۔ جب کہ ہندوستان میں شافعی مسلک کے لوگ بھی کافی تعداد میں ہیں۔ مہاراشٹر اور کیرالہ ہندوستان کے مغربی ساحل کے دو ایسے صوبے ہیں جہاں شافعی مسلک مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ چونکہ اسی علاقہ میں عرب تاجروں کی تبلیغ سے اسلام پھیلا تھا جو زیادہ تر شافعی مسلک تھے۔ بمبئی کی جامع مسجد جو سب سے بڑا مسجد ہے وہ شافعی مسلک کی ہے، وہاں کے خطیب و امام شافعی ہیں۔ تو یہ فقہی اختلافات وہاں بھی ہیں۔ اسی طریقے سے جس طرح مختلف جماعتیں دین کے لیے یہاں کام کر رہی ہیں۔ جیسے یہاں جمعیت العلماء ہے تو جمعیت علماء ہند وہاں بھی ہے اور بڑی قوت اور مؤثر ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا احمد میاں اس کے سربراہ ہیں۔ پھر جماعت اسلامی یہاں ہے تو جماعت اسلامی وہاں بھی ہے۔ تبلیغی جماعت یہاں ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعت کا اصل مرکز ہے ہی ہندوستان میں۔ تو جو تحریکیں اور جماعتیں ہمارے یہاں سرگرم عمل ہیں، وہاں بھی برسر کار ہیں۔ لیکن جو اچھی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ہمارے مختلف مکتب ہائے فکر میں اور تحریکوں میں جو تلخی ہے جو فتنہ ہے، وہ

وہاں نہیں ہے بلکہ وہاں بحیثیت مجموعی روادری بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر باہمی تعاون کی فضا موجود ہے۔ میں جنوبی ہندوستان میں جہاں بھی گیا وہاں میں نے یہی بات دیکھی۔ دہلی میں اور علی گڑھ میں بھی میں نے یہی خوشگوار کیفیت دیکھی۔

اس باہمی تعاون و اشتراک کی دو وجوہات ہیں جو باسانی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ یہ کہ چونکہ وہاں ایک مشترک دشمن سے مقابلہ ہے اور ہر وقت ہے لہذا مسلمانوں کے اندر اختلاف کی علیحہ نہیں پاتی۔ چونکہ ان کو اندازہ ہے کہ یہاں ہم کن حالات سے دو چار ہیں اور ہمیں کس طرح اپنا تحفظ کرنا ہے یہ طرز عمل اس لحاظ سے نہایت مفید ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ اور اختلافی مسائل پر مناظرہ و مجادلہ سے حتی الامکان اپنا دامن بچاتے ہیں۔ میں نے پچھلے سفر میں بھی مشاہدہ کیا تھا اور اس موقع پر بھی کہ وہاں اکثر دیوبندی اور اہل حدیث حضرات بریلوی کتب خانہ کے مساجد میں ان کے امام کی اقتداء میں نمازیں ادا کھیلتے ہیں۔ یہی موعظ اکثر بریلوی حضرات کی بھی ہے۔ یہ روادری یقیناً باہمی اشتراک و تعاون میں بے حد مدد ہے۔ — ثانیاً یہ کہ وہاں سیاست کے میدان میں کوئی خاص توقع نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہاں پاکستان میں انتخابی سیاست نے زیادہ خرابی پیدا کی ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی کو بھی انتخاب میں جانا ہے لہذا اسے بھی ووٹ چاہئیں۔ لہذا فی میاں کی جمعیت کو بھی ووٹ چاہئیں۔ اور مفتی محمود مرحوم کی جمعیت کو بھی ووٹ چاہئیں۔ ان سب کے پاس اپیل تو ایک ہی ہے۔ ووٹ اسلام ہی کے نام پر مانگے جائیں گے۔ لہذا جب تک وہ اپنے اپنے اسلام کو ممیز نہ کریں اور اس کا ایک جداگانہ تصور و تاثر اور تشخص قائم نہ کریں۔ تو اپنے لیے علاحدہ ووٹ کیسے حاصل کریں گے۔ یہ وہ چیز ہے، جس نے یہاں فقہی و کلامی اختلافات نے فرقہ واریت کی شکل اختیار کر رکھی ہے اور اسے کھل کی آگ کی طرح بڑھا دیا ہے۔ انتخابات میں حصہ لینے کی خاطر یہی اختلافات دینی اعتبار سے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جمہوریت کے قیام کے لیے اتحاد جو ملے گا چاہے اس اتحاد میں سوشلسٹ اور علاقائی قومیت کے نظریات رکھنے والے ہوں یا نہیں، لیکن دین کیلئے آپس میں تعاون و اشتراک نہیں ہو گا۔ ماشاء اللہ۔

اے پاکستان میں جماعتی مصیبت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں کے زیر اہتمام جو قتل کافرنہیں اور عافرت منعقد ہوئے۔ ان میں امرائے مسلمانہ حکومت کے باوجود جماعت اسلامی کے اکابر نے اس مذکرہ بنیاد پر حصہ لینے سے معذرت کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کو جماعت اسلامی سے اختلافات ہیں حالانکہ ہم اختلاف پھیلنے کی طرح نہ لگتا ہے۔ الحمد للہ ان میں دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مسالک کے علماء اور اہل دفتش نے بھرپور تعاون کیا اور اس

ہندوستان میں یہ چیز نہیں ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ یہاں مسلمان اتنی اقلیت میں ہیں کہ سیاسی اعتبار سے غیبت دین مطلقوں کے لیے اس میدان میں کوئی CHANCE نہیں ہے۔ ویسے لبرل قسم کے مسلمان کانگریس (آئی) میں بھی ہیں، دوسری کانگریس اور جنتا پارٹی میں بھی ہیں۔ مسلم لیگ کا سیاسی پلیٹ فارم بھی موجود ہے، کچھ مسلمان ان کے ذریعے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں منتخب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہ من حیث المجموع کسی مسلمان جماعت کا اقتدار میں آنا خارج از امکان و محض ہے۔ یہ بات بھی اس خیر کے لیے مدد ہو گئی ہے کہ دینی جماعتوں میں اپنا اپنا علاحدہ تشخص قائم کرنے کا جذبہ زیادہ نہیں ہے۔ کافی بڑی حد تک دبا ہوا ہے۔ یہ جماعتیں اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہی ہیں تبلیغی جماعت اپنے طوطے پر کام کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی کا اپنا ایک انداز ہے۔ علماء کے جو دوسرے طبقے ہیں۔ وہ اپنے اپنے طریقوں پر دین کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ان میں اشتراک و تعاون بھی ہے۔ شک نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ان جماعتوں کے علاوہ وہاں بہت سے مقامی طوطے پر نئے ادارے قائم ہو گئے ہیں جو اپنی اپنی بلکہ علمی و تحقیقی انداز سے دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ پورے ہندوستان میں یکشیت مجموعی ان سب کے مابین فضا تعاون کی ہے۔ وہ فضا آپ کو یہاں دیکھنے میں نہیں گئے گی۔ میں نے اس حالیہ سفر کے سولہ دفنوں میں سے دس دن حیدر آباد دکن میں گزارا ہے۔ وہاں خاص طور پر نہیں نے دیکھا کہ وہاں محمد اللہ یہ فضا بہت نمایاں ہے۔ وہاں باہم بڑا تعاون ہے۔ وہ ادارے ہیں۔ مختلف جماعتوں اور اداروں کا اپنا علاحدہ علاحدہ طریق کار بھی ہے لیکن صاف محسوس و مشہود ہوتا ہے کہ بل غل کر کام کر رہے ہیں۔ اس تعاون و اشتراک کی بڑی برکات ہیں جو وہاں ظاہر ہو رہی ہیں۔

ایک اور خاص بات جو اس مرتبہ سامنے آئی ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کا کام وہاں بڑی تیزی کے ساتھ ہولے۔ اس کا سب سے بڑا CREDIT وہاں کی جماعت اسلامی کو جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت سرکاری طور پر تسلیم شدہ OFFICIALLY RECOGNIZED سترو زبانیں ہیں۔ ویسے تو زبانیں اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی لیکن ان کو بولیاں کہیں گے۔ جو لاطینی زبانیں ہیں ان کی تعداد ستر ہے۔ ان میں سے الحمد للہ ثم الحمد للہ بارہ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ وہاں لوگوں نے بتایا کہ جب کسی مقامی زبان کے ترجمہ قرآن مجید کے تعارف کے لیے تعاریف منعقد ہوئیں تو ان میں ہندوؤں خاص طور پر ان کے نوجوانوں نے بھی شرکت کی۔ اس واقعہ کا حال بھی ایک معزز ذریعہ سے مجھ تک پہنچا ہے۔ کہ ایسی ہی ایک تقریب میں کچھ ہندو نوجوانوں نے خطبہ میں سے ایک مسلمان کا گویا بیان پکڑ لیا اور کہا کہ ظالموں نے ہزار برس تک اس کتاب کو کہاں چھپائے رکھا؟

آج تم اسے INTRODUCE کرنا ہے ہر ایک ہزار برس سے تم یہاں جو کتاب الہی تمہارے پاس تھی، تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ (یہ روایت بالمعنی مفہوم ہے) — واقعہ یہ ہے کہ یہ ہمارا قومی و ملی جرم ہے جس کی سزا ہم نے بھگتی ہے۔ جب ہندوستان کا جند و چہچہ پچے پر مسلمان تہذیب کے آثار اور مسلمانوں کے تمدن کی باقیات، الصالحات، فطری عظیم مساجد، عالی شان عمارات دیکھتا ہے تو اس کے دل میں استقامی آگ بجھکتی ہے کہ ہماری سر زمین پر ہم سے کئے والوں کی تہذیب و تمدن کا سکھ چلتا رہا اور ہم سینکڑوں سال ان کے غلام رہے۔

حیدر آباد شہر کا یہ حال ہے کہ اگرچہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن تناسب کے لحاظ سے وہ شہر کی موثر اقلیت ہے۔ تیس لاکھ آبادی کے شہر میں مسلمان چودہ لاکھ ہیں۔ شہر میں ۴۵ فیصد ان کی آبادی بن جاتی ہے۔ لیکن حیدر آباد شہر کے درجے میں ایک قدیم حیدر آباد اور ایک جدید حیدر آباد قدیم شہر میں مسلمان تقریباً ۵۰ فیصد آباد ہیں جدید میں تعداد بہت کم ہے۔ وہاں کوئی گھومتا ہے تو ایک چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جو اب ہمارے ان قریباً ۱۵۰ برس ہو گئی ہے۔ جملے یہاں دی سی آر کی وجہ سے ظالموں کا جو سیلاب آ رہا ہے، اس کے باعث ادنیٰ درجہ میں سہی یہ فائدہ ہوا ہے کہ سینکڑوں بڑے بڑے نیم عریل نوع کے بڑے بڑے اشتہارات اور قدماؤں کا تصاویر کا جگہ جگہ لگے ہوئے اب ہمارے یہاں زیادہ نمایاں نہیں رہا۔ یہ وبا حیدر آباد میں بہت شدید نظر آئی۔ اور ہندوستان میں جو قمیص بن رہی ہیں ان کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ ان میں عربی اور بے حیائی ہمارے یہاں سے بہت زیادہ ہے۔ اس کا مظہر جابجا بڑے بڑے پوسٹروں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس کو خدا نظر انداز کر دیں تو حیدر آباد شہر پر مسلمان تہذیب کی چھاپ بھل کر ہے۔ ہر جگہ شاندار مساجد دیکھنے میں آئیں گی کوئی چھوٹا سا مندر کہیں نظر آجائے تو آجائے۔ حال ہی میں ایک پیٹری پر برلا مندر کے نام سے ایک نیا مندر تعمیر ہوا ہے جو بھند ی پر ہونے کی وجہ سے دو سے نظر آتا ہے۔ یہ ملاحظہ بات ہے، کم از کم ہمیں حیدر آباد شہر میں کوئی بڑا مندر نظر نہیں آیا۔ اس کے برعکس مسجدیں ایک سے ایک شاندار اور فن تعمیر کا شاہکار۔ مگر مسجد جو شہر کے وسط میں ہے جیسے ہمارے ہاں شاہی مسجد ہے۔ البتہ مگر مسجد اتنی بڑی نہیں ہے، اس سے چھوٹی ہے۔ لیکن شہر کے بالکل وسط میں واقع، جمی ہے اور اس کی COMMANDING حیثیت ہے۔ پھر محل میں بڑی بڑی مساجد ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہر حیدر آباد دکن اسلامی تہذیب و تمدن کا کتنا عظیم گہوارہ رہا ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر ایک حسرت کا دل پر تاثر تو قائم ہوتا ہے کہ آخر یہ ہمارے ہاتھ سے کیوں چھین گئیں۔ ہندوستان میں یہ پتہ مسلمانوں پر کیوں آئی۔ لیکن اس کی وجہ بھی مجھ میں آجاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے حکمرانوں نے عیش کیے ہیں، علامتیں بنائیں ہیں، باغلات لگائے ہیں

اور مقبرے بنانے میں تو ————— باقاعدہ دوطرہ میں عقدہ لیا ہے۔ لیکن بحیثیت مسلمان دعوت تبلیغ، شہادت علیٰ اہلسنت کے جو دینی فرائض مانگہ جوتے تھے۔ ان کو ادا نہیں کیا۔ قرآن حکیم کا توحید پر مبنی انقلابی فکر و سرور تک کیا پہنچاتے خود مسلمان اس سے ناواقف رہے۔ اور اب تک اس سے ناواقف ہیں۔ **الہامشاء اللہ۔**

نہیں یہ سمجھتا جس کو ڈاکٹر اقبال کا ایک مصرع ہے کہ **مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ غیب نے** تو ہندوستان کا مسلمان اسلام کے لیے اب زیادہ بیدار، فعال اور چوکس ہے اور اب وہ اپنی مناسب پنج سے دعوت و تبلیغ کا کام پورہ ہے۔ مستقبل کے حالات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس خیال کو خارج از بحث نہیں کہا جاسکتا کہ جو سکتا ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہندوستان میں ہو اور اللہ تعالیٰ اپنا فضل اس طور سے فرمائے کہ۔

ہے عیاں فتنۂ تمار کے افسانے سے

پاساں مل گئے کہے کو صنم خانے سے

ہم یہیں پیش و آرام اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی فکر میں پڑے ہیں۔ ہمارے سیاسی نظام اپنے اختلافات سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ ہمارے ملے کو ام اپنے عظم و فضل سے لوگوں کی اصلاح اور ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کرنے کے کیانے فقی اور محمدی تعلقات کے چکر میں پڑے ہیں اور انقلابی سیاست ہی میں لیجے رہیں، سیاسی سرگرمیوں میں ہی نہمک رہ جائیں۔ اور ہندوستان کا مسلمان ان مشکلات اور نامساعد حالات کے باوجود جو کام کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور وہاں اسلام کا کام بہتر شکل میں ابھر کر ہمارے سامنے آجائے۔ **وَمَا لَیْلَی عَلَی اللّٰہِ یَغْزِیْظُ**

دہلی، علی گڑھ اور فاس طور پر حیدر آباد دکن میں دینی لحاظ سے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہاں تاحال پردہ موجود ہے۔ ہمارے یہاں سے کوئی تقابل ہی نہیں۔ ہمارے یہاں سے تو پردہ قریباً ختم ہو چکا ہے۔ کراچی اور لاہور سے شہروں میں آپ کو برقعے شاذ ہی کہیں نظر آجائیں گے۔ مسلمانوں کی تقریبات، شادی بیاہ کے معاملات میں، میرا یہ خیال ہے کہ کہیں سینکڑوں میں کوئی ایک خاتون برقعہ والی جو ورنہ برقعہ ہمارے یہاں معدوم کے دیے میں لگی ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں نظر آتا ہے کہ وہاں اس لحاظ سے حالت بہت بہتر ہے۔ وہاں مسلمانوں کی معاشرت و تہذیب کا جو نقشہ تقسیم سے پہلے تھا وہ برقرار ہے۔ کثرت کی یہی کیفیت ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کہ وہاں کی مسلمان عورت بیدار نہیں ہے۔ یا جدید تعلیم سے بالکل بے پروا ہے۔

کے ساتھ برقع بھی تھا، پردہ بھی تھا۔ دیں گے کسی نہ کسی وجہ میں شغف بھی تھا۔ ذرا سی بھی کشادگی حاصل ہو گئی ہے تو بہت سی چیزوں کو چھوہا سہ دیں اور تہذیب کے شعار میں شامل ہیں اور شامل رہی ہیں، اٹھا کر بیٹنگ دیا گیا ہے۔ ہر حال میں **ASSESSMENT** ہے کہ دینی اعتبار سے ہندوستان کا **AVERAGE** مسلمان پاکستان کے **AVERAGE** مسلمان سے بہت بہتر حالت میں ہے۔ اور وہاں اسلام کا مستقبل کسی درجہ میں بھی قطعاً اندیشہ نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ہمیں اندازے میں بظاہر احوال جو صورت نظر آئی ہے۔ دیئے تو سب کچھ اللہ ہی کو معلوم ہے واللہ اعلم۔ اس اعتبار سے شاید پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان میں اسلام کا مستقبل بہتر ہو۔

قادیانیوں کے متعلق اردو ٹینس

دوسری بات مجھے اس تاریخی فیصلہ کے متعلق عرض کرنی ہے جس کا ایک اردو ٹینس کے ذریعہ تعزیرات پاکستان میں اضافہ ہو گیا ہے جو آج صبح کے اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ یہ دراصل ایک انجیرل اور منطقی قدم ہے، ۷۳ء کے دستور میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے متعلق جو شوق شامل کی گئی تھی، اس کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ یہ قدم فوراً ہی اٹھایا جاتا۔ لیکن سابقہ حکومت میں اس طرف کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی۔ موجودہ حکومت کو بھی یہ فیصلہ کرنے میں بہت وقت لگ گیا ہے۔ سات سال گزر گئے تب یہ قدم اٹھایا گیا ہے لیکن ہر حال اسے دیر آید درست آید کہہ لیں یا **'BETTER THAN NEVER'** بالکل نہ ہونے سے جو ناہر کیف بہتر ہے کے مصداق یہ بہت مستحسن قدم ہے، اس لیے کہ کافی عرصے سے واقعتاً یہ محسوس ہو رہا تھا کہ قادیانیت کا رویہ پھر **OFFENSIVE** ہو گیا ہے۔ ان کا رویہ شدید جاننا ہو گیا ہے۔ اور بڑے شہر و مد کے ساتھ ان کی اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں آتے وقت ایک صاحب نے ان کا ایک کتابچہ مجھے دیا ہے جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اخبارات کے ساتھ وہ بڑے پیمانے پر تقسیم ہوا ہے۔ ان کی جڑا تیں اتنی بڑھتی چلی جا رہی تھیں جن کی وجہ سے انہوں کی شکل میں عوام میں یہ بدگمانی بھی پھیل گئی تھی کہ صدر ضیاء الحق صاحب قادیانی ہیں۔ بہت بڑے بڑے جونیوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ قادیانی ہیں۔ اگرچہ میں نے کبھی اس قسم کی باتوں کو تسلیم نہیں کیا۔ ایسی باتیں اڑا دی جاتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ تاثر قادیانیوں ہی کی طرف سے دیا گیا ہو۔ ان قادیانیوں کی طرف سے اپنی سرگرمیوں کے اعتبار سے جارحیت کی ایک کیفیت کافی عرصہ قبل سے پیدا ہو گئی تھی اس لیے بھی یہ شک و شبہات

پہلی اور اہم ترین بات تو یہ ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر ٹھہرا لیا ہے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی تکفیر کی ہے۔ انہوں نے قرار دیا ہے کہ جو غلام احمد کو نبی نہیں مانتا، وہ کافر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بالکل منطقی نتیجہ ہے دعویٰ نبوت کا۔ اگر کوئی کسی حقیقی نبوت کا انکار کرے تو وہ لازماً کافر۔ اسی طرح اگر کوئی جعلی اور پھوٹی نبوت ہے تو جو اس کا انکار کرے تو وہ کافر۔ نبوت تو اس دنیا میں اللہ کی عدالت ہوتی ہے۔ یہ شے قاطع ہے یہ علاحدہ کر دیتی ہے۔ آپ سوچئے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں فرق کیا ہے۔ اللہ کے دو نبی ایسے ہیں، جن کو وہ نہیں ملتے۔ باقی تو سب کو ملتے ہیں۔ انہوں نے انکار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ دونوں کے انکار کی وجہ سے من و دیرم تو دیکری۔ ہم اور ہو گئے وہ اور ہو گئے۔ اسی طریقہ سے عیسائیوں کا معاملہ ہے وہ حضور کو نہیں مانتے حضرت مسیح کو ملتے ہیں۔ وہ غلو کرتے ہیں حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، یہ علاحدہ بات ہے بہر حال انکار تو نہیں کرتے۔ انکار صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ لہذا یقیناً ہمارے نزدیک وہ کافر اور ہم حضرت عیسیٰ کو ماننے کے باوجود ان کے نزدیک کافر ہیں معلوم ہوا کہ یقیناً نبوت کا دعویٰ تقسیم کر دینے والا اور علاحدہ کر دینے والا دعویٰ ہے۔ لہذا اپنے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر کے PROCESS کا آغاز انہوں نے کیا۔ بلکہ ہم نے بہت عرصہ صبر کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جو غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں ملتے ایسی ایسی گالیاں دی ہیں اور مسلمان عورتوں کے متعلق ایسی ٹکلیک اور سیہودہ زبان استعمال کی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان کو سنا کر اپنی زبان کو ناپک کر دوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ قائد اعظم نے سر ظفر اللہ خاں قادیانی کو کس طرح اٹھایا اور اعداد ادا کتنے بڑے مقام تک پہنچایا۔ ذاتی طور پر وہ کتنے بڑے محسن تھے ظفر اللہ خاں کے۔ لیکن اس شخص نے جو طے کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ یا تو وہ اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا کہیں باہر چلا جاتا لیکن قائد اعظم کے جنازے کی نماز تک موجود رہا لیکن نماز میں شرکت نہیں کی۔ اخبار والوں کے استفسار اس نے بہ ملا یہ کہا کہ ”آپ چاہیں تو ایک کافر حکومت کا مجھے مسلمان وزیر سمجھ لیں اور چاہیں تو ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لیں، یہ معلوم ہوا کہ یہ کام شروع انہوں نے کیا۔ مسلمان تو جب سادہ جنگ آمد والا معاملہ ہوا ہے اور محسوس کیا ہے کہ ایک تو انہوں نے نبوت کی بنیاد پر اپنی مذہب ایک امت اور ملت بنائی اور وہ بہت منظم اور مضبوط ہو گئی۔ اس لیے کہ نبوت کی بنیاد پر کردہ لٹے گا، اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کس کی ہوگی۔ کوئی جماعت اتنی مضبوط نہیں ہو سکتی۔ فی نبی کی جماعت ہوتی ہے اس لیے کہ باقی مقلد جانتیں ہوں گی، ان کے سربراہوں سے ان کے بدلے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ کیا نبی سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے؟ نبی سے اختلاف

کہتے ہیں تو ایلی کے لائے پڑتے ہیں۔ لہذا مرزا غلام احمد نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایک آ۔ اس کا بھرپور فائدہ اٹھالیا۔ اپنی تنظیم اس نے بڑی مضبوط کر لی۔ دوسری طرف انگریزی حکومت کی اس نے ہاپلوسی، کاسہ گدائی اور اپنی اور اپنی جماعت کی وفاداریوں کی یقین دہانی کر کے اس کی سرپرستی حاصل کر لی۔ انگریز کا اصول ہی یہ تھا کہ

DIVIDE AND RULE

مسلمانوں کے اندر افتراق پیدا کرنے اور ان کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے لیے ایک مہر و مل گیا ہے انہوں نے اپنی بساط سیاست پر خوب استعمال کیا اور اس سے خوب فائدہ اٹھایا پھر یہ کہ ان قادیانوں کی جہالت اتنی بڑھی کہ انہوں نے دینی اصطلاحات کے ساتھ دھڑلے سے

وہ بھی اصطلاحات استعمال کیں جو نبی اور ان کے اہل بیت اور حواریین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کے نام سے موسوم کیا اذان کا وہی طریقہ نکھار جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کا راستہ نکالا۔ وہ لوگ جن کو خان چیزوں کی خبر نہیں ہے۔ دفع اور نزول مسیح کے متعلق انہیں صحیح دینی معلومات نہیں ہیں ماقلم و اکال نبوت کے مسائل سے کون کون صحیح واقفیت نہیں ہے۔ قادیانیوں نے یہ چند مسائل یکٹے جوئے

۴ میں اور مسلمانوں میں لغو ذکر رہے تھے۔ اور اندر ہی اندر وہ ہمارے جسمی کو دیمک کی طرح چلٹ رہے تھے۔ اس لیے جو مسلمان اٹھ کھڑا ہوا وہ ۱۳۵۳ھ میں ایک عظیم تحریک ان کو بغیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے چلی۔ یوں کہنے کو چھارادہ دور اچھا قد تھا۔ لیکن اس قد میں جو کچھ ہوا ہے وہ آپ کو یاد ہو گا۔ وہ ہماری تاریخ کے بد نما داغوں میں سے ایک داغ ہے۔ یہی ہمارا شہر لاہور اس دور میں بدترین لاش لاد کی گرفت میں تھا اور یہاں جو خون ریزی ہوئی تھی اور ہوائے ایک جبریل صاحب نے مسجد وزیر خاں کو اس طرح فتح کیا تھا۔ بیسے ایک بیرونی عمارت کی شہر کو فتح کرتے یہ سانچہ ہم میں سے اکثر کو یاد ہو گا۔ ہمارے تاریخ کا یہ ایک تاریک افسوس ناک باب ہے بہر حال اس وقت کی قربانی رائیگاں نہیں گئی اگرچہ اس کے بعد میں برس بیت گئے۔

لیکن جب وہ تحریک دوبارہ اٹھی تو محمد اللہ ۱۳۷۰ھ میں جو تحریک اٹھی تھی، وہ چونکہ مخالف غیر سیاسی تھی۔ اس کے سربراہ تھے مولانا محمد یوسف بنوری رحمت اللہ علیہ بالکل سیاسی شخصیت نہیں تھے بلکہ ایک جتید اور شہور و معروف عالم دین تھے۔ یہی چیز اس تحریک کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئی۔ پھر یہ کام اس شخص کے قدر اقدار میں ہوا جس کا اس وقت نام دینا بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ بحث میں جو کچھ خرابیاں تھیں، وہ تھیں لیکن اس نے جو چند اچھے کام کیے تھے اس کا CREDIT بہر حال اسے دیا جانا چاہیے۔ ایک کام اس نے یہ کیا کہ اس ملک کو ایک متفقہ دستور دیا۔ اس معاملہ میں اس نے اپنے اندر کافی لچک پیدا کی اس نے

دوسری سیاسی پارٹیوں کے نقطہ نظر کو دستور میں ACCOMMODATE کیا۔ پھر یہ کہ دستور پر سب جماعتوں کے دستخط لیے گئے کہ یہ ہمیں منظور ہے۔ اس کا بہت بڑا کام تھا۔ اگرچہ بعد میں اس نے خود یہ CREDIT خالص کر دیا کہ اس نے اس دستور کو ترمیم در ترمیم کے ذریعے موم کی ناک بنادیا۔ دستور کی اہمیت اس اعتبار سے بھی جوتی ہے کہ وہ ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے کہ جس میں آسانی سے تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ تاکہ اس کا تسلسل قومی زندگی میں برقرار رہے۔ لیکن بھڑنے ملک کو ایک متفقہ دستور دینے کے CREDIT کو خود خالص کر دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا خود دوسرا کام ہوا تھا وہ اتنے صحیح، نہج پر ہوا تھا کہ دنیا کا کوئی شخص اس پر انگلی نہیں رکھ سکا۔ حالانکہ برطانیہ، امریکہ، جو اور دوسری بڑی طاقتیں جوں وہ سب ان کی پشت پناہ ہیں۔ تمام ان کے ساتھ ہنڈی رکھتی ہیں۔ دنیا کا عام طور پر SECULAR ذہن ہے۔ مذہب کی بنیاد پر یہ ذہن تفریق قبول نہیں کرتا اور یہاں چونکہ یہ تفریق مذہب کی بنیاد پر جوتی تھی لہذا احمدیہ کے ذہن کے خلاف ہم نے یہ قدم اٹھایا تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ قادیانیوں کی برطانیہ کے ساتھ فلاحی کا جو معاملہ رہا ہے اس کا کوئی بدلہ وہ چکانا چاہے تو بت سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی خاص بہمدیاں ان کے ساتھ تھیں لیکن یہ کہ جس PROCESS کے تحت یہ کام ہوا تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وقت ملک کا جو منتخب با اختیار ادارہ تھا۔ یعنی نیشنل اسمبلی اس نے اس کا فیصلہ کیا۔ اسمبلی نے پہلے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس نے قادیانیوں کو بھرپور موقع دیا کہ آؤ اور اپنی صفائی پیش کرو۔ تمہارے لٹریچر سے جو اقتباس پیش کیے جا رہے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بے شمار دعوے کیے تھے اور اس کا آخری دعویٰ نبوت کا دعویٰ تھا۔ مگر یہ بات غلط ہے تو اپنی صفائی پیش کرو۔ انہوں نے کمیٹی کے سامنے جا کر اپنی صفائی بھی پیش کی ہے۔

چنانچہ بالکل عدالتی عمل PROCESS کے مطابق اور اس کے نہج پر تمام FINDINGS کی گئیں پھر فیصلہ نہ کسی فرد و احد کا ہوا اور نہ ہی اس کمیٹی نے کیا جملہ سن پائی FINDINGS ملک کے با اختیار منتخب ادارے میں پیش کیں اور یہ اس کا فیصلہ تھا۔

یہ ایک بہت اچھا کام تھا جو اس وقت ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد اس فیصلہ کے فضیلت پر عمل درآمد کا مرحلہ تھا۔ اس پر کچھ بھی کام نہیں ہوا۔ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے۔ دھڑلے سے کہتے رہے۔ ان کی عبادت گاہ مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ مسلمان دھوکہ کھا جائے گا۔ جس شخص کو پتہ نہ ہو وہ وہاں نماز ادا کرنے داخل ہو جائے گا۔ اور وہاں اس کو کوئی ایسی DOSE پلائی جائے اور ایسی تبلیغ اس پر کر دی جائے یا اسے دنیوی ترقی کا سبز باغ دکھایا جائے کہ وہ بہک

جائے بجے یاد آ رہا ہے کہ اس بات پر سپریم کورٹ میں مقدمہ بھی چلتا رہا ہے کتنا دیا نہیں گورنر کا چلنے
 سہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہ کہیں۔ سب تو اس سے بھی آگے کی بات طے کر دی گئی ہے کہ نہ
 صرف یہ کہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہ کہیں بلکہ اسے مسجد کی شکل دینے کے بھی وہ مجاز نہیں ہیں۔
 وہ کسی اور طرز کی عبادت سنانا چاہیں تو بتائیں۔ لاہور میں گولہ سی شاہو میں ان کی ایک مسجد
 ہے۔ اس کی وضع اور ساخت بالکل مسجد کے مطابق ہے لیکن وہ اسے مسجد نہیں کہتے۔ اس کا
 نام انہوں نے "دارالذکر" رکھا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے وہ جو چاہیں نام اختیار کر لیں لیکن یہ کہ وہ
 اس کی شکل مسجد کی نہ کہیں اور اسلامی اصطلاحات قطعی استعمال نہ کریں۔ اس کے بعد بحال
 ایک MINORITY کی حیثیت سے ان کو تمام حقوق حاصل ہیں اور حاصل رہیں گے۔
 پیسے ہمارے یہاں عیسائی اور دوسری مذہبی اقلیتوں کو حقوق دیے گئے ہیں۔ لیکن وہ اسلام کی
 چادر اور اس کے لبائے میں خود کو چھپا کر مسلم معاشرے میں جو زبردستی ہے تھے۔ اور انہوں
 نے جاویدیت کا جو انداز اختیار کیا ہوا تھا اس کا راستہ صدر صاحب کے جاری کردہ آرڈیننس کے
 ذریعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ رک جائے گا۔ میں اس اقدام پر صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب
 کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان علماء کرام کی خدمت میں بھی ہدیہ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں
 نے اس سلسلہ میں مٹیں کی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل سے تحفظ ختم نبوت کی مجلس عمل چونکہ کافی فعال و
 متحرک ہو گئی تھی اور ملک کے بہت سے ممتاز شہروں میں نہایت کامیاب ختم نبوت کانفرنسیں
 منعقد ہو چکی تھیں اور اسلام آباد، راولپنڈی میں وہ کانفرنس آج منعقد ہونے والی ہے تو میں سمجھتا
 ہوں کہ یہ جو حرکت مٹوںی ہے یہ اسی کی برکت ہے جو ظاہر ہوئی ہے اس کا CREDIT بھی
 حکومت کو دینا چاہیے۔ کہ صورت حال بگڑنے دینے کے بجائے اس نے اس کا بروقت اندازہ کر لیا
 اور پہلے ہی صحیح قدم اٹھا کر ان مطلبیت کو جو علماء کی طرف سے پیش کیے جا رہے تھے بڑی حد
 تک تسلیم کر لیا۔ میں پھر ایک بار ان علماء کرام اور تنظیموں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے
 اس سلسلہ میں مٹیں کیں۔ اور اس میں حصہ لیا ہے ان کے ہم احسان مند ہیں ان سب کا شکریہ
 ہم پر واجب ہے اور حکومت بالخصوص صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کا بھی ہم شکریہ ادا
 کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈیننس کے تمام مقصدیات پر صحیح طور پر عمل درآمد فرما
 شروع ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ موجودہ کرسی اس کے EARNESTLY
 نفاذ میں قسطنطنیہ دے اسے IGNORE کرے اور ہو سکتا ہے کہ یہ آرڈیننس صرف توہین
 میں درج ہو کر رہ جائے اگر وہ خواستہ ایسا ہوا تو کیا عجیب ہے کہ مواد پیر انداز ہی اندیشے اور پھر
 دھماکے کی محنت اختیار کر لے اس قسم کا کوئی دھماکہ بھی اس وقت پاکستان کے لیے انتہائی

مہلک ہو گا۔ اور ہمیں کہا جاسکتا کہ کون کس وقت اس دھماکے سے فائدہ اٹھائے۔ لہذا ہم
 نوع کی دھماکہ خیز SITUATION سے بچ کر رہنے ہی ہیں پاکستان کی
 مانیت ہے۔

معراج النبی

تیسری بات مجھے شب معراج کے متعلق عرض کرنی ہے جو دودن کے بعد آنے والی ہے۔ ۲۰۵
 سال پوری قبل یہ غیر العقول واقعہ پیش آیا ہے۔ یعنی ہجرت سے قریب ایک سال پہلے۔ اس کا ذکر قرآن
 مجید میں بھی ہے اور اس واقعہ کے متعلق کم از کم اٹھائیس احادیث مروی و منقول ہیں جن میں
 چند بڑی طویل احادیث بھی ہیں۔ یہ دور چونکہ حکمت پرستی کا دور ہے۔ اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے
 اٹھارویں اور ایسویں صدی عیسوی کا جو Scientific Rationalism ہے اس کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ نیوٹن فزکس کا دور اور تھا اور یہ دور جس میں ہم سائنس
 رہے ہیں وہ آئن اسٹائن کی فزکس کا دور ہے۔ اب نظریہ اضافت کی بات ہم یہی ہے لیکن ہم
 یہاں ابھی تک کچھ لوگ ایسے ہیں جو کچھ دو صدیوں کی جو ذہنی فضا تھی اسی میں تاحال رہ رہے ہیں ا
 اسی نقطہ نظر سے واقعہ معراج کی ایسی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ اس غیر العقول واقعہ کی اہمیت بالکل نہ
 ہو کر رہ جاتی ہے یہاں یہ بات ابھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ واقعہ معراج کے ایک واقعہ ہونے کا جہاں
 تک تعلق ہے تو اس کا انکار کر کے دے تک جا پہنچے گا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ قرآن مجید اور احادیث و روایات
 میں مذکور ہے جن میں متفق علیہ روایات بھی شامل ہیں جس سے اور کوئی درجہ سند کے اعتبار سے
 نہیں ہے۔ جس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں کا اتفاق ہو جائے۔ یوں سمجھیے کہ اب
 وہ حدیث کے لحاظ سے قریباً قرآن مجید کے ہم پلہ ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید بھی ہم تک بیشیئت روایت
 ہی پہنچا ہے۔ عقائد کی زبان مبارک سے صحابہ نے سنا، اس کو یاد کیا، محفوظ رکھا، کتابت بھی ہوئی ہے
 لیکن قرآن کی جو حفاظت ہوئی ہے وہ سن کر ہوئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ
 ادا ہوا ہے جیسے الفاظ ادا ہوتے ہیں جنہوں نے خود تو کہا نہیں۔ لہذا قرآن بھی اصلاً منقول ہے۔ احادیث
 میں اگرچہ درجہ میں ضعیف بھی ہیں مگر بھی ہیں۔ لیکن وہ احادیث جو ان روایت حدیث جنہوں نے
 احادیث کو چلنے پورے کر رکھے یعنی جرح و تعدیل کے جو بحث ترین معیارات قائم کیے تھے وہ حدیث کی سند
 کے اعتبار سے جس پر متفق ہو جائیں تو وہ قریباً قرآن مجید کے ہم پلہ روایت شمار ہوتی ہے۔ لہذا واقعہ
 کے متعلق ایک طویل متفق علیہ روایت بھی موجود ہے

یہ واقعہ تھا کیا؟ اسے اس محدود وقت میں جو ہمارے پاس ہے۔ اجمالاً سمجھئے قرآن مجید جس لحاظ
 نظام کو حکومت اسوۂ و امامت کہتا ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے جیسے ظالموں کی جو نہ معلوم کیوں

موجود ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ بھی دود و فرشتے موجود ہیں جو اس کے تمام اعمال اور اداوں کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ انہی اعمال میں نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ علامہ اندراج ہو رہا ہے پھر ایک حدیث شریف میں حضورؐ نے خبر دی ہے جو میں نے بار بار سنائی ہے کہ: عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ وغشیتہم الرحمة وغطتہما الملائکۃ و ذکرہم اللہ فیمن عندہ۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں لوگ اس کام کے لیے جمع ہوں کہ اللہ کی کتاب پڑھیں اور آپس میں سمجھیں اور سمجھائیں تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے۔ رحمت خداوندی ان کی گردن چھایا لیتی ہے اور ملائکہ ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔“ تو ملائکہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی جو عالمی و حکومتی سلطنت و حکومت ہے اس کے یہ ملائکہ کائنات میں یہ اس کی رسول مرسوس ہے۔ یہ مرسوم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ میں لگے ہوئے ہیں لیکن مہادی آنگھوں سے پوشیدہ ہیں۔ یہ طیب کا عالم ہے اسی طرح سے جنت و دوزخ یہ غیب کے امور ہیں۔ اسی طرح سے جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے، قیامت کس طور پر ہوگی! یہ مستقبل کے معاملات ہیں یہ بھی غیب سے متعلق ہیں۔ پھر یہ کیا ایمان بالغیب دین اور ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات طیب میں ہے یا ہم اس سے غیب میں ہیں۔ بہر حال ہمارے اور اللہ کی ذات کے درمیان طیب کا ایک پردہ مائل ہے یہ کہنے سے کہ اللہ غیب میں ہے یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ہم اللہ سے غیب میں ہیں ہم محبوب ہیں، اللہ تو علیل ہے تو ہر جگہ موجود ہے، حَقُّ مَعْلُومَاتِہٖنَّ مَا لَمْ نَشْہُرْہٖ اسی لیے شیخ علی حشری نے اپنی کتاب کا نام ”کشف المحجوب“ ہم محبوب نہیں ہیں۔ لہذا اس حجاب کا پردہ چاک کر کے محتات کو روشن کر دینا یہ اس کتب کا موضوع ہے لہذا اس کا نام ”کشف المحجوب“ پر اب ان تمام غیبی امور کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو تو ایمان کی جڑ اور بنیاد ہی قائم نہیں ہوتی۔ اس یقین کو پیدا کرنے کے لیے اللہ نے بیسوں اور رسولوں کو بھیجا۔ اب اگر ان انبیاء و رسل میں وہ یقین کامل ہو گا تب ہی وہ دوسروں تک پھیلے گا اور متعدد ہو گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہمیں اور رسولوں کو گاہ گاہ چند امور غیبی کے مشاہدات کراتے رہے ہیں۔ یہیے فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِیْ لِبٰنِیٖم مَلٰٓئِکَۃَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیُکُوْنُوْا مِنْ اٰتُوْقِیْنِ ط۔ اور اسی طرح ہم ہر ایم کو اسلن و نبیوں کی جو غفیلہ حکومت ہے، اس ملکوت کا مشاہدہ کراتے رہے۔ سیر کراتے رہے تلمذہ اصحاب یقین میں سے ہو جائے۔ اس لیے کہ تشہید کے بور مانند ویدہ۔ ایک ہے خیر اور ایک ہے شاہدہ عربی میں جس کے متعلق کہا جائے۔ لَیْسَ الْخَبْرُ مَخْلُوعًا فِیْہٖ۔ خبر اور معاشہ میں زمین و آسمن کا فرق ہے۔

پس یہ مشاہدات ہیں جو انبیاء و رسل کو کرائے گئے۔ توہدات میں آپ دیکھیں گے کہ بہت سے انبیاء کے مکاشفات، ان کے مشاہدات، ان کے دنیا، ان کے خوابوں کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے۔ جس طرح محمدؐ کی ذات مبارکہ میں نبوت و رسالت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ اسی طرح مشاہدات و مکاشفات کا معاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت گرامی میں اپنی انتہائی چوٹی تک پہنچ گیا۔ اور اسی کا نام ہے معراج یا اسراء۔

اس واقعہ کی تفصیل میں احادیث میں بقول انصاری فرق ہے۔ اس فرق کو کچھ لوگ ابن اعلیث کی نفی کی بنیاد بنا لیتے ہیں حالانکہ یہ فرق ہی یہ ثابت کر رہا ہے کہ واقعہ حقیقی ہے۔ جو کہنے کے ایک واقعہ بیان ظہور پذیر ہو اور دس آدمی اس کو دیکھنے والے ہوں۔ ایک گھنٹے کے بعد آپ ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ پوچھتے کہ یہ واقعہ کیا تھا؟ وہ سب کے سب بے ہوش گئے، دیانت دار ہوں گے، لیکن ان کے بیان میں فطری طور پر فرق واقع ہو جائے گا۔ کئی کسی بات کو پہلے بیان کرے گا۔ احمد و سنی باتوں کو بعد میں کوئی اس کے بالکل برعکس آخری باتوں کو پہلے اور پہلی بات کو آخر میں بیان کرے گا۔ اسی طرح سنی ہوئی بات کے بیان میں بھی تقدیم و تاخیر فطری ہے پھر ہر شخص کا اپنا ذاتی ذوق بھی ہے۔ کسی کے نزدیک کوئی چیز اہم تھے۔ کسی کے نزدیک دوسری چیز اہم تھے۔ کسی کا مشاہدہ کسی ایک پہلو سے زیادہ ہے اور کسی کا دوسرے پہلو سے زیادہ۔ تو بیان میں یہ فرق و تفاوت در حقیقت خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ واقعہ حوالہ ہے۔ اسے بہت سوں نے دیکھا ہے بہت سوں نے معتبر لوگوں سے اسے سنا ہے۔ لیکن جب وہ آگے بیان کریں گے تو اس میں فرق و تفاوت ہو جائے گا۔ یہی صحت حال احادیث کے فرق کی ہے۔ البتہ جو روایات باہم متعارض و متضاد ہیں، ان کی ہمارے علماء کو اہم یہ ترجیح و تاویل کرتے ہیں کہ واقعہ معراج ایک سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ یہ بات قطعی طور پر سمجھ میں آنے والی ہے۔ بہر حال یہ بات سمجھ لیجئے کہ واقعہ معراج امت میں تقریباً مجمع علیہ ہے۔

ان تمام احادیث اور متفق علیہ روایت سے اس واقعہ کی تصویر یہ بنتی ہے کہ ہجرت سے تقریباً ایک سال قبل رجب کی ستائیسویں شب کو آنحضورؐ حلیم میں استراحت فرما رہے تھے۔ حلیم کعبہ شریف کا ہی ایک حصہ ہے جو چہار دیواری کے باہر نکلا ہے۔ سیلاب کی وجہ سے کعبہ اجڑائے وحی سے قبل گر گیا تھا۔ تو جب قریش نے دوبارہ تعمیر کی تو ان کے پاس سامان تعمیر کچھ کم تھا تو انہوں نے اس کا ایک حصہ باہر جمع کر دیا، وہی حلیم کہلاتا ہے۔ اب اس کے گرد ایک گول سادہ اٹھ بنا ہوا ہے۔ جو لوگ حج یا عمرے کو آتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ لوگ وہاں جا کر بڑے ذوق شوق سے نواظر ادا کرتے ہیں، ان کی بڑی فضیلت ہے۔ جتنوں نے فرماتے ہیں کہ میں

اب اس معصومہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ کو سنا رہا ہوں جو متفق علیہ روایت ہے۔
 پھر اس نے میرا سینہ چال کیا، حضور نے حلق کے گوشے سے ناف تک کے حصہ کی طرف اشارہ فرمایا۔
 پھر میرا دل نکالا اور ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر اس سے میرا دل
 دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیے گئے۔ اس قسم کی باتیں عقلیت گزیدہ یا عقلیت
 ست لوگوں کو عجیب معلوم ہوتی ہیں لہذا وہ انکار کر دیتے ہیں۔ علاوہ سرسری اب بھی حد تک
 پہنچ گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ چیزیں کسی درجہ میں ناقابل تصدیق نہیں ہیں OPEN

HEART سرسری کن جو رہی ہے انسانوں کے احوال و آفات کی مدد سے ہو رہی ہے تو اس
 بن استیعاد کی کیا بات ہے کہ اللہ جو علیٰ کل شئی قدیر ہے اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام
 کے احوال یہ کارنامہ سر انجام دلایا۔ ویسے نبی اکرم کا سینہ مبارک ایمان سے منور اور حکمت
 سے لبریز ہی تھا۔ لیکن درجات کا معاملہ ہے اسے پھر دھویا گیا ہے اور مزید الفاوار ایمان و
 حکمت اس میں بھر کر پھر اسے سی دیگیا ہے۔ حضورؐ اگے اشارہ فرماتے ہیں ”پھر میرے پاس ایک
 پیالہ لایا گیا جو پھر سے چھوٹا اور گندے سے بڑا تھا، وہ سفید تھا اس کا نام براق ہے۔ اس کا
 ہر قدم حد نگاہ تک پہنچاتا تھا۔ پھر مجھے اس پر سوار کرایا گیا۔ اور جبرئیلؑ میرے ساتھ چلے یہاں
 تک کہ وہ مجھے کر آسمان دنیا تک پہنچ گئے۔“ اب اس روایت میں زمینی سفر کے حصہ کا بیان
 نہیں ہے۔ اسے سورۃ بنی اسرائیل کی جس کا دوسرا نام اسراء ہے پہلی آیت اور احادیث کی
 ساری روایات کو ہا کر اس غلام کو چڑھایا جاتا ہے۔ پہلے آپ مسجد اقصیٰ پہنچے ماسی کو اصل میں کہتے ہیں
 مراد۔ اسراء کے معنی میں رات کے وقت کسی کو کہیں لے جانا، سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں
 رَآیَا: مَجْنُوعَ الذِّیۡنَۃِ اَسْرٰی بَعْدَہٗ لَیْلَۃً مِّنَ السَّجْدِ الْحَرَامِ اِلَی السَّجْدِ الْاَقْصَا الَّذِیۡ بَلَغْنَا
 حَوْلَہٗ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ سفر گھر سے نہیں بلکہ مسجد حرام سے شروع ہوا ہے اس
 آیت کے بعد مضمون ہے: بَاۡنًا لَّنَا حَوْلَہٗ۔ اس مسجد اقصیٰ کے (جو یہ قولم قدس میں ہے) حول
 تو ہم نے بابرکت بنایا۔“ وہ علاقہ ظاہری اعتبار سے بھی بابرکت ہے کہ بڑا ہی سرسبز شاداب
 و درخشاں علاقہ ہے۔ دیکھا جانی برکات توین کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ہمیں یہ معلوم
 ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں نبی ہیں جو وہاں دفن ہیں۔ اندازہ شکل ہے کہ وہ علاقہ کتنے انبیاء علیہم
 السلام کا مدفن ہے اور کتنوں کا وہ مسکن رہا ہے مسجد اقصیٰ میں کتنے نبیوں نے مجھے کیے ہیں۔
 تھے نبیوں نے وہاں احکامات اور مرتبے کیے ہیں بعد ان کے وہاں جو اثرات ہیں، پوری فضا میں
 اس کی جو برکات ہیں اس کی قرآن مجید گواہی دے رہا ہے: اَلَّذِیۡ بَاۡنًا لَّنَا حَوْلَہٗ وہاں نبی
 اکرم کو کس مقصد کے لیے لے جایا گیا! اس کا ذکر اسی آیت میں آگے فرمایا: لِّتُرَیۡہُ مِّنۡ اٰیٰتِنَا۔

”تاکہ ہم اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی آیات (نشانوں) میں سے کچھ نشانیاں دکھائیں“
اب وہاں کون سی آیات (نشانیاں) دکھائی گئیں۔ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بیان اور تعبیر کے لیے ہمارے ذہن میں الفاظ نہیں ہیں۔ ان کو بیان کیا جائے تو مفہوم صحیح طور پر CONWAY نہیں ہوگا اور بہت سے مغلطے پیدا ہو جائیں گے بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا بیان نہ کرنا بیان کرنے سے بہتر قرار پاتا ہے۔ اس لیے سکوت مناسب ہوتا ہے چونکہ اس کو بیان کرنا محققہ ممکن نہیں ہوتا۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا: **اِنَّهُ هُوَ الشَّيْنُ الْعَظِيمُ** ”سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہی ہے“ یہ صحر کا اسلوب ہے یعنی یہ اس کے علم کامل کی شرح ہے۔ باقی وہ جس کو چاہے سنا تا اور دکھاتا ہے۔ انہما علیہم السلام کو ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ کرانے کی غایت میں بیان کر چکا کہ انہیں محکم یقین بنانا ہوتا ہے تاکہ ان کے وجود سے یقین پھوٹے اور ماحول میں سرایت کرے۔ ان کی مبارک محبت سے لوگوں کے اذہان و قلوب ایمان و یقین سے متودھوں۔ انبیاء کرام کو یکسر یقین اور یقین جسم بنانا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ انہیں دکھاتا ہے جو دکھاتا ہے۔ سنتا ہے جو سنتا ہے۔ لیکن سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا وہ اکیلے اللہ ہی ہے۔

اب پھر آئیے سفر مروج کی طرف۔ یہ پہلا سفر بیت المقدس سے مسجد اقصا تک زمینی سفر ہے۔ جس کا ذکر سورۃ اسراء کی پہلی آیت میں بغیر کسی ایہام، ایہام کے بیان ہوا۔ اس کے بعد آسانی سفر شروع ہوا۔ مسجد اقصا کے حالات کی تفصیل ہمیں احادیث میں ملتی ہے۔ وہ یہ کہ وہاں تمام انبیاء موجود تھے اور ان کی امامت فرمائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس کی جو غایت ہے۔ اور اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے اب اس کو سمجھئے۔ تمام انبیاء و عظام کی امامت کرائے کی غایت باوقی تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ دوسری غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے جو دو شاخیں چلیں ایک بنی اسرائیل اور ایک بنی اسماعیل۔ بنی اسماعیل کا اقل روزے دہائی مرکز خانہ کعبہ ہے۔ بنی اسرائیل کا وہائی مرکز بیت المقدس بنا۔ نبی اکرم مکہ میں پیدا ہوئے۔ خود بنی اسماعیل میں سے ہیں تو گویا خانہ کعبہ کی آپ سے آپ وراثت آپ کو حاصل ہے ہی۔ جو فتح مکہ کے بعد بالفعل بھی حاصل ہو گئی۔ اس سفر مروج کے ذریعہ بیت المقدس کی وراثت اور وہاں کی برکات بھی اللہ تعالیٰ نے نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں تو کیا کہ دونوں آقبیلے نبی اکرم کی تحویل میں دے دیے گئے۔ لہذا دراصل تاقیام قیامت امت محمد علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام ہی کا حق ہے کہ یہ دونوں قبیلے اس کی تحویل میں نہیں یہ دوسری بات ہے کہ جیسے بنی اسرائیل کے عروج کے دور میں ان

کے جرائم کی پاداش میں دوسرے مسجد اقصا کی بے حرمتی ہوئی ہے انبیاء کے انھوں۔ اس میں مسجد کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اس کا ذکر ہے۔ اسی طرح ہمارے جرائم کی وجہ سے ہماری تولیت میں آنے کے بعد دوسرے مسجد اقصا کی بے حرمتی ہو چکی ہے۔ اس موضوع پر میرے ایک مضمون کا انگریزی ترجمہ "THE RISE AND DECLINE

OF MUSLIM UMMAH" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہے اور اردو

مضمون میری کتاب "سرافگندیم" کی ابتدا میں شامل ہے جو حضرت دہلوی دیکھتے ہوں۔ وہ تفصیلات کے لیے لی کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ پہلی مرتبہ ۱۰۹۹ء میں ہماری بد اعمالی اور جرائم کی پاداش اور صلیبی جنگوں کے نتیجے میں بیت المقدس اور فلسطین کا پورا علاقہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واپس لے لیا تھا۔ اس دور میں اٹھاسی برس تک مسلمانوں کا یہ قبلہ اول عیسائیوں کے قبضے میں رہا اور عیسائیوں نے وہاں مسلمانوں پر جو بیہیمانہ مظالم کیے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ صرف ایک دن میں بیت المقدس کے شہر میں ستر ہزار مسلمان قتل کیے گئے۔ اب ہماری زندگیوں میں دوسری بار ۱۹۷۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں بیت المقدس اور تمام فلسطین نیز اردن و شام کے بیت سے ملنے والے پیر یودیوں کا قبضہ ہے۔ یہ بھی ہماری بد اعمالیوں اور جرائم کی سزا ہے۔ کہ ہمیں یہ دست برداریوں کے ہاتھ لگنا پڑی۔ اس پر یودیوں کے قبضہ کو ستر سال تو بیت لگے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یودیوں کے ہاتھوں یہ علاقہ کب واپس لیا جائے گا۔ یودیوں نے جب سے بیت المقدس پر قبضہ کیا ہے اسی وقت سے وہ کسی دیکھی بہانے سے مسجد اقصا کی بے حرمتی کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال میں نے یہاں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ فقہی باتیں عرض کر دی ہیں۔ اب یہاں سے اسی براق پر جو آسمانی سفر شروع ہوا ہے اس کی تفصیل ہی اگر تم نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہے جو حضرت ملک ابن حصصہ سے مروی ہے اور متفق علیہ روایت ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ جس آسمان پر پہنچے وہاں حضرت جبریلؑ نے دستک دی ہے، سوال جواب ہوئے ہیں اور ہر آسمان پر حضورؐ کی چند جلیل القدر انبیاء و اولیاء سے ملاقات ہوئی ہے۔ چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو ان حضورؐ کے جدِ امجد ہیں ملاقات ہوئی۔ جلیل اللہ بیت المعمور سے پیچھے لگائے ہوئے تھے تھے۔ یہ بیت المعمور جو ہے درحقیقت۔۔۔۔۔ اس کا ہی ایک عکس بیت اہرام کا کعبہ شریف ہے۔ وہ ہے اصل بیت اللہ۔ ہماری زمین والا کعبہ اس کا ایک عکس یا نمونہ ہے۔ اس بیت المعمور کے متعلق روایات

میں آتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس میں مددگار داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہوا تو اسے دوبارہ داخل ہونے کی قوت نہیں آتی ہے۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے: **وَمَا يَخْلُقُ جُودٌ رَبُّكَ إِلَّا خَوْفًا** اللہ کے لشکروں کو جلانے والا کوئی نہیں سوائے اس کی ذات سبحانہ و تعالیٰ کے تین کی تعداد کا ایک تصور اس سے کیجئے کہ ستر ہزار فرشتے اس میت الممعدوم میں مددگار داخل ہو کر مگر وہ بھلا اور اللہ کی تمہید و تسبیح کرتے ہیں اور ان کے دعوئلہ داخل ہونے کی باقی نہیں آتی۔

پھر آگے حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **سُدَّةُ الْمُتَّقِينَ** تک پہنچے۔ وہاں آنحضرتؐ کو جو مشاہدات ہوئے۔ قرآن مجید میں سورۃ نجم میں اس کا ذکر موجود ہے: **فَرَايَا مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا نَأْيُ** ہمارے دل نے جھٹلایا نہیں جو کچھ دیکھا اس میں ایک عجیب کیفیت کا بیان ہے۔ کسی وقت آپ کسی خاص چیز کو دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن دل میں بے تعین کی سی کیفیت ہوتی ہے کہ پتہ نہیں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں حقیقی شے ہے کہ نہیں اور وہ پکاراٹھتا ہے، آنحضرتؐ پیغمبر بیلاری است یا رب یا نجواب؟ اے اللہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں بیلاری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں دیکھ رہا ہوں؟ کوئی ایسی حقیقت جو آپ تک کے سامنے منکشف ہو گئی ہو۔ جیسے آپ کے کوئی قریبی عزیز ہوں، وہ کئی سال سے کہیں گئے ہوئے ہوں، آپ کو ان کی کوئی خبر نہ ہو اور وہ آپ تک آپ کے سامنے آجائیں تو آپ سوچیں گے کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا حقیقت دیکھ رہا ہوں۔ کوئی اطلاع نہیں تھی کوئی خبر نہیں تھی۔ پہلے سے آدمی مطلع ہو ڈھنسا تیار رہے لیکن یہاں فرمایا: **مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا نَأْيُ** ہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ دل نے یقین کیا کہ صحیح دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہے انسان کے حواس ظاہری اور اس کی باطنی کیفیت کا کامل منطبق ہونا۔ کوئی شبہ کوئی دوسوہل میں نہیں ہے کہ میرے اس دیکھنے میں کوئی مغالطہ تو نہیں، کوئی تحیل تو نہیں، کہیں میری نگاہ کا دھوکہ تو نہیں۔ اگے فرمایا: **أَفَتَعْمُرُونَ عَلَى مَا يَذُوقُ وَلَا تَذُوقُونَ** کہ کیا تم ان سے جھگڑتے ہو جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ شک انہوں نے اس کو (مراد میں حضرت جبریل) پھر ایک بار اُتار دیا دیکھا ہے۔ یعنی حضورؐ کو کوئی سنی سنائی بات نہیں کہہ سبے ہیں، ان کا مشاہدہ ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ جس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اسے کوئی جھٹلاتا ہے۔ اسے تو اپنی بات کہنی ہے۔ وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے گا۔ اگے فرمایا: **عِنْدَ سُبْحَةِ الْمَطْلِقِ** جبند صلیقۃ الما فوجی ہ حضور کو یہاں حضرت جبریل کی جو ملکوتی صمدت میں رویت ہوئی ہے۔ وہ بدلہ الملقی کے پاس ہوئی ہے جس کے پاس ہی جنت الما فوجی ہے۔ سُدَّةُ الْمُتَّقِينَ کیلئے؛ دیئے تو اس کا ترجمہ ہو گا: ”میری کا وہ درخت جو مخلوق کی انتہا ہے“ امتنعی ختم ہو جانے والا مقام یہاں سے آگے وہ حرم ذات ہے جہاں مخلوق میں سے کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اگے بائند۔

سدرۃ المنتقی وہ مقام ہے جہاں احکام نازل ہوتے ہیں اور فرشتے یہاں سے تلقین کرتے ہیں اور ان کی تعمیل میں معروف ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہاں سے ہمارے سلف سے ایک اختلاف رہے چلا آ رہا ہے۔ دلائل کی بنا پر کوئی ان میں سے کوئی رائے رکھے تو اسے کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے سلف میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سدرۃ المنتقی پر نبی اکرمؐ نے ذاتِ باری تعالیٰ کا براہِ راست مشاہدہ کیا ہے۔ یہ رائے رکھنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے صحابی بھی شامل ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں ہوا بلکہ آیاتِ ربانہ کا مشاہدہ ہوا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی فقہیہ یہ رائے رکھتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: **اللَّهُ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَلْيَكُ فَرْجُكَ** اے کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ تو کے ذریعے کسی چیز کو دیکھا جاسکتا ہے۔ تو تو توڑ ہے۔ اے کہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ سورۃ النجم کی اگلی آیت اسی رائے کی تصدیق کرتی ہے۔ فرمایا: **إِذْ يُخَشِىُ السِّدْرَةَ مَا يُخَشِىُ** ”جبکہ اس پیری کے درخت کو ڈھانچے ہوا تھا جو ڈھانچے ہوئے تھا۔“ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ ہم تم کو کیا بتائیں کہ اسے کیا ڈھانچے ہوئے تھا۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ تمہاری زبان میں اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ بہت سے حقائق اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ انسانی زبان میں ان کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ سنئے الفاظ لائے جائیں تو ابلاغ و اعلام کا حق ادا نہیں ہو گا۔ انہیں گن بجھے گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس بات کو عمل بکھا۔ اے کھولا نہیں: **إِذْ يُخَشِىُ السِّدْرَةَ مَا يُخَشِىُ**۔ معلوم ہوا کہ تجلیاتِ ذاتِ باری کا وہاں نزول ہو رہا ہے۔ اب اس کی تعبیر کے لیے ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ اس آیت سے گئے درمیان میں ایک آیت چھوڑ کر الفاظ یہ ہیں:

لَقَدْ زَيَّنَّا مِنْ آيَاتِنَا فِي الْقُرْآنِ ”وہاں نبی اکرمؐ نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات (نشانیوں) کا مشاہدہ فرمایا۔“ یہاں بھی لفظ آیت آیا ہے۔ اس کی طرف میں توجہ دلاتا چاہتا ہوں کہ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی لفظ آیت آیا تھا۔ وہ مجر د آیات آیا تھا **لَقَدْ زَيَّنَّا مِنْ آيَاتِنَا فِي الْقُرْآنِ** لیکن یہاں آیا، **مِنْ آيَاتِنَا** ”آیاتِ الٰہی“۔ سب سے عظیم آیات۔ گویا اللہ کی عظیم ترین آیات وہ ہیں جن کا مشاہدہ فرمایا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتقی پر۔ پس قرآن کا ذکر تو یہیں تک ہے حدیث میں بھی اس سے آگے کوئی مراحت نہیں ہے۔ اگر ذاتِ حق کا بھی مشاہدہ ہوا ہوتا تو اس کا قرآن میں یا حدیث میں ذکر ہوتا۔ لیکن اس کی کوئی مراحت قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ ہمارے سلف میں سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ اخذ فرور کیا ہے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ کوئی یہ رائے رکھے تو نہ کہہ سکتا ہے۔ رہا ہماری شاعری کا معاملہ تو اس میں بڑے مبلغ ہیں وہ مبلغ درست نہیں ہیں۔ مثلاً علامہ اقبال یہ کہہ گئے ہیں۔

مکنی بے ہوش رفت بیک جہوہ صفات تو عین ذات می نگری و تبسمی !

یہ بت درست نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کو جو چیز بے ہوش کرنے والی تھی۔ وہ جلوة ذاتی تھا۔ جلوة معناتی نہیں تھا۔ جلوة معناتی تو ہم میں سے ہر شخص دیکھ رہا ہے۔ یہ کائنات کیلئے ہے! یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا جلوة ہی تو ہے۔ کل کائنات صفت الہی کی جلوة گاہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کے الفاظ میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے اظلال ہیں۔ ان کا سایہ ہے۔ یہ پوری تخلیق اللہ کی صفات ہی کا مظہر ہے۔ تو کوہِ طور پر جلوة صفات نہیں بلکہ جلوة ذاتی تھا کہ اس کا پر تو جب پہاڑ پر ڈال لے تو پہاڑ اس کا تحمل نہ کر سکا اور زلزلہ زلزلہ ہوا نیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ سدة المنتهی پر ذات باری تعالیٰ کا دیدار ثابت نہیں ہے نہ قرآن سے نہ حدیث سے۔ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ یہ ہے: **وَلَا تَقْهَرْ آيَاتِنَا**۔ آیاتِ نہ تہرہ الگ تہی کہ آتھو نہ اپنے مذہب کی عظیم قرین (نشانیوں) آیات کا مشاہدہ کیا۔

حدیث میں البتہ یہ مذکور ہے کہ یہاں مکالمہ ہوا ہے۔ سورہ بقرہ کی آخری دو لکیت حضور کو عطا ہوئیں میں یہ تحفہ ہے امت محمدیہ صلی علیہا وسلم کے لیے جو شبِ حراج میں دیا گیا۔ چنگانہ ناناں کی فرضیت ہوئی ہے اور حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کی امت میں سے ہم ہر اس شخص کو آخر کار بخش دیں گے جو مشرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، یہ ہمارا وعدہ ہے۔ آپ کی امت کا جو فرد مشرک کے ارتکاب سے انکلیبِ عتب رہے گا۔ ہم اس کی مغفرت فرما دیں گے۔ نماز میں جو التعلیل ہم پڑھتے ہیں یہ وہ مکالمہ ہے جو مولیٰ کی شب کو باری تعالیٰ اور نبی اکرمؐ کے مابین ہوا۔ اسی موقع پر آپ کے سامنے دودھ، نبد اور شراب کے برتن لائے گئے اور آپ نے دودھ کا برتن اٹھا لیا۔

اب مجھے اس آیت کی تشریح میں کچھ عرض کرنا ہے: **مَا تَزَاغُ الْبَصَرُ وَمَا لَغَىٰ**۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اگر عوام اقبال کا ایک شعر میرے مطالعہ میں نہ آتا تو شاید اس آیت کا مفہوم میری کچھ میں کمی نہ آتا۔ اگرچہ اس شعر میں برعکس کیفیت بیان ہوئی ہے جو میں آگے عرض کروں گا۔ اس آیت کے سیاق میں آیت ہے: **إِذْ يُغْشَى السَّيْدَةُ مَا يُغْشَىٰ** اور سابق میں یہ آیت ہے: **لَقَدْ نَامِيَ جَنِّ ابْنِ نَبِيٍّ الْكَلْبِيِّ**۔ ان کے درمیان میں یہ آیت وارد ہوئی ہے: **مَا تَزَاغُ الْبَصَرُ وَمَا لَغَىٰ**۔ غلطی نہ حضورؐ کی نگاہ نہ تو کج ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ یہ دو باتیں بڑی عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی وقت میں کسی شے کے نظام کے تحمل کی طاقت نہ ہو جیسے کسی وقت ایسا ہوتا ہے نہ روشنی بہت تیز آتی ہے کہ اس کے سبب سے یا آنکھیں چندھیا جائیں گی یا بند ہو جائیں گی۔ ہم فوٹو اچھیں جٹالیں گے چونکہ ہماری بصارت میں اتنی طاقت اور اتنا تحمل نہیں ہے کہ اس در اس روشنی کو برداشت کر سکے۔ اس کو کہا جائے گا۔ **تَزَاغُ الْبَصَرُ**۔ نگاہ ٹیڑھی ہو گئی۔ وہ

اس سیلابِ نذر کا تحمل نہ کر پائی جو سامنے آیا اندھ کچ ہو گئی، یا ہٹ گئی۔ دوسری یہ ہے کہ بے ادبی کا کیفیت پیدا ہو جائے اور عذاب سے تھوڑا ہوجائے۔ دونوں کیفیتوں کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جو مشاہدہ کیا۔ وہ آیاتِ کبریٰ و تجلیاتِ ربانی کا جو یہ حضرت علی کی رائے کے مطابق خود ذاتِ ہامی کا ہوا ہو تو اس شان سے وہ مشاہدہ ہوا ہے کہ نہ نگاہ چکا چونہ ہوئی اور نہ ہی اس نے ہر ادب سے تھوڑا ذکیہ ادب کا جو مقام ہے وہ طوفانِ سیلاب میں نے کس کبھی کہ یہ آیت میری پھر میں نہ آئی اگر علامہ اقبال کا ایک شعر میرے مطالعہ میں نہ آیا ہوتا تو اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں۔ بالی جبریل میں علامہ کی ایک نظم ہے ”ذوق و شوق“ مجھے یہ نظم بہت پسند ہے۔ اس میں وہ شعر ہے جو علامہ عجیب کیفیت میں کہہ گئے ہیں۔ جو سکتا ہے کہ یہی آیت مبارکہ ان کے ذہن میں ہو جس نے یہ شعر کہلوا دیا ہو۔ جس میں کتنی متضاد کیفیات کو سمو دیا گیا ہے۔ علامہ کہتے ہیں ہے

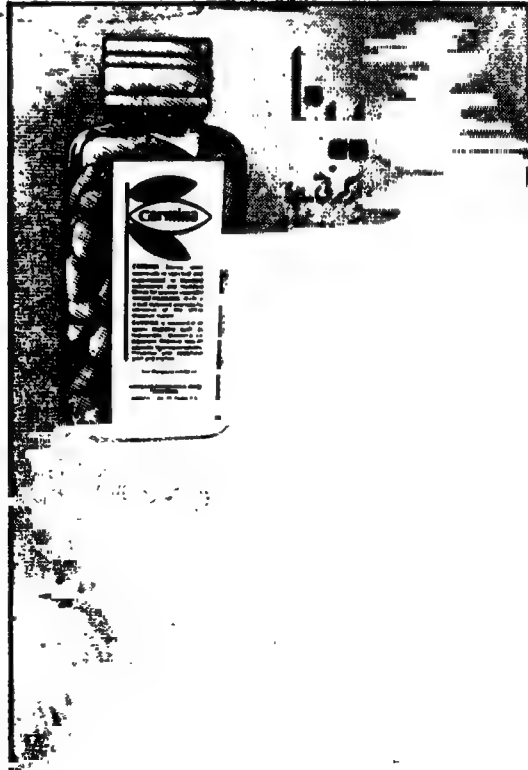
میں وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا! گرچہ پہلے جو رہی میری نگاہ بے ادب
اب یہ باتیں بالکل برعکس ہیں، ایک یہ کہ حوصلہ نہیں۔ وہ حسن و جمال اس درجہ مکمل کا ہے کہ اس نے عرب کیلیہ کہ نگاہ جا کر اس کو دیکھنے کا مجھے حوصلہ نہیں۔ اگرچہ یہی نگاہ میں ایک شوخی اور بے ادبی تھی۔ میں یہاں ہی تماش کر تا ہوں۔ لیکن حوصلہ نظر یہاں ہو سکا۔ ان دونوں چیزوں کا جب تقابل کریں گے۔ تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ برعکس کیفیات اس کثرت میں ہیں، مَا تَلَفُ الْبَشَرُ وَمَا ظَفَرُ الْبَشَرِ نگاہ نہ ہر ادب سے آگے بڑھی اور نہ کچ ہوئی کہ تحمل نہ کر سکے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی دکھایا اسے آپ نے دیکھا اور ایسے دیکھا جیسے دیکھنے کا حق ہے۔ پورا تحمل آپ کی ذاتِ مبارک میں موجود تھا۔ لیکن عہدیت کے مقام سے آگے نہیں بڑھے۔ عہدیت کے حوالے سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے ابھی عربی کا یہ شعر بہت پسند ہے جو میں نے بار بار آپ کو سنایا ہے۔ یہ

موازن ہر دم سلمے رہنا چاہیے کہ ہے

الْعَبْدُ يَنْبَغُ أَنْ يَسْتَرْقِيَ ! ! وَالْثَرَبُ يَنْبَغُ أَنْ يَنْتَزِلَ !

”بندہ بندہ ہی رہنا چاہیے چاہے اسے کتنا ہی عروج حاصل ہو جائے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سداۃ المنتقى تک پہنچ کر بندے ہی رہے۔ اُمّ بنی یحییٰ اور خاؤسی الخی یحییٰ سعد بنی اسرائیل اور سعد بن نمیر میں اسی مقامِ عہدیت کو نمایاں دکھایا۔ ایک صحیح حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں سمانے دنیا پر نازل ابلاس فرماتا ہے۔ لیکن اس پہلے آسمان پر نازل فرمانے کے باوجود وہ اللہ ہی رہے گا۔ مجبور ہی رہے گا۔ خالق ہی رہے گا۔ غلو ق نہیں بن جائے گا اور سداۃ المنتقى تک پہنچ کر جیسا کہ میں نے بھی عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہی رہے اور عہدیت کی شان

میں نے یہ چند باتیں واقعہ معراج کے بارے میں اس مختصر وقت میں عرض کی ہیں۔ میں نے تین چار سال قبل اوّل ٹاؤن میں واقعہ معراج پر ایک تقریر کی تھی۔ پہلے بزدگ ساتھی شیخ جمیل الرحمن صاحب بڑی ہمت اور ذوق و شوق کے ساتھ میرے مددس قرآن اور تفسیر کو شیپ سے اتارنے کا کام کر رہے ہیں جن میں سے اکثر شائع ہو چکی ہیں۔ معراج انبی والی تقریر بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ میں نے آج ہی صبح اس کو پہلی بار پڑھا ہے۔ میں تحریف بالغتہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ میں خود حیران ہوا کہ میں نے ایک مختصر تقریر میں اتنی اہم باتیں کہنے سمجھیں۔ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس کتاب میں وہ حدیث بھی مکمل طور پر شامل ہے جس کا حوالہ میں آج کی گفتگو میں دے چکا ہوں۔ نیز قرآن مجید کے دونوں محالمت پر بھی کا ذکر آج آیا ہے اس میں قدسے تفصیل کے ساتھ گفتگو موجود ہے۔ یہ وجہ کا آخری مشورہ۔ دونوں کی مناسبت سے ایک ذہنی آمادگی اور طبیعت کا ارجحان ہو تا ہے اگر طبیعت میں اس مسئلہ کو مزید سمجھنے کا میلان پیدا ہوا ہو تو میں آپ سے عرض کروں گا کہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اپنے احباب تک پہنچائیں۔



۶۰
نشر القرآن کی نئی کیسٹ سیریز

الہدٰی

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

درس قرآن

کے ۳۰ کیسٹس سی۔ ۶۰ T-D-K 60 مایانی
کیسٹ پر ریکارڈ گروائے گئے ہیں جس کی قیمت
۷۵۰/- روپے ہے۔ لاہور سے باہر ہائش
پذیر خواہش مند حضرات ۷۶۰/- روپے بذریعہ بینک
ڈرافٹ / منی آرڈر نشر القرآن کے نام حوالہ ذیل
پتہ پر سمجوا کر کیسٹس ۲۰ مل کر سکتے ہیں۔

نشر القرآن تنظیم اسلامی

۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
۸۵۲۶۱۱۰۵

قادیانیت

اپنے لٹریچر کے آئینے میں

— (گزشتہ سے پیوستہ) —

مرزا صاحب کا شکم مادر سے بنی ہونے کا دعویٰ

ہمارا اجتہاد و خطا کر جائے تو اس میں الہام الہی کا کیا قصور ہوگا۔ کیا نبیوں کے اجتہادات میں اس کا کوئی نمونہ نہیں۔ (آسمانی فیصلہ ۳۱ جنوری ۱۸۹۲ء)

افسوس کہ ان لوگوں نے ان خیالات کے ظاہر کرنے کے وقت یہ نہیں سوچا کہ ان تاویلوں سے دنیا میں کسی نبی کی پیشگوئی قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ ہر ایک جگہ اس وہم کا دردناک کھلبلا ہے کہ اتفاقی واقعہ ہے۔ پس اگر یہی رائے سچی ہے تو انہیں استدرا کر چاہیے کہ تمام نبیوں کی نبوت پر کوئی ثبوت نہیں۔ اور سب اتفاقی واقعات ہیں۔ تو ریت اور شہر ان نے سب سے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیشگوئی کو قرار دیا ہے۔

(استفتاء ص ۱۱۱ ۱۲ مئی ۱۸۹۵ء)

اور یہ اعتراض جو قائم کرتے ہوئے نہیں۔ دشمنوں کو پڑھو کہ پہلے بد فہم لوگوں نے بھی ایسے ہی اعتراض نبیوں پر کیے ہیں۔ تمہارے دل ان سے مشابہ ہو گئے۔

(استفتاء ص ۱۵۹ ۱۲ مئی ۱۸۹۵ء)

کیا کسی کو یاد ہے کہ کاذب اور مغتری کو افتراؤں کے دن سے ۲۵ برس تک مہلت دی گئی جیسا کہ اس بندے کو کاذب برل ملا جاتا ہے جیسا کہ کھٹل اور ایسا نابود کیا جاتا ہے جیسا کہ جلد اگر کاذبوں اور مغتریوں کو اتنی قہمت تک مہلت دی جاتی اور صادقوں

کے نشان ان کی تائید کے لیے ظاہر کیے جاتے تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔

(سراج منیر ص ۳۱۱ مئی ۱۹۹۷ء)

بعض نادان کہتے ہیں کہ ہر دفع خدایاہرموت کی پیشگوئیاں کیوں کی جاتی ہیں۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ ہر ایک نبی انذار کی پیشگوئیاں کرتا رہا ہے۔ (سراج منیر ص ۳۱۱ مئی ۱۹۹۷ء) تیسویں پیشگوئی: اور پھر فرمایا کہ جو لوگ تیرے پر ایمان لائیں گے ان کو خوش خبری دے کہ وہ اپنے رب کے نزدیک تدم صدق رکھتے ہیں اور جو ہیں تیرے پر دمی نازل کرتا ہوں تو ان کو سنا خلق اللہ سے منہ مت پھیر اور ان کی ملاقات سے مت تنگ۔ اور اس کے بعد یہ السہام ہمارا دوسع مکانک یعنی اپنے مکان کو وسیع کرے۔ اس پیشگوئی میں صاف فرمادیا کہ وہ دن آتا ہے کہ ملاقات کرنے والوں کا بہت ہجوم ہو گا۔

میں تمہارے پاس تمہینا بیس برس سے آیا ہوں۔ پس سوچ لو کہ کیا یہ دروغ گو کی مدت ہے۔ (جز اللہ ص ۸۶ م ۲۳۱ ۱۲ مئی ۱۹۹۷ء)

نوٹ: فرق لاحظہ ہو ایک ہی ماہ اور ایک ہی سن کی کتابیں ہیں۔ پہلی میں

وقت ۲۵ سال دوسری میں ۲۰ برس بتائی ہے (ن ۱)

یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی شخص کھلا کھلا خدا پر افتراء کرے اور کہے کہ میں اس کا نبی ہوں اور اپنا کلام پیش کرے اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ حالانکہ وہ نہ نبی ہو نہ اس کا کلام خدا کا کلام ہو۔ اور پھر اسے بچوں کی طرح مہلت دے دے۔ یہ وہی قانون خدا تعالیٰ کی قدیم سنت میں داخل ہے کہ وہ نبوت کے جھوٹا دعوے کرنے والے کو مہلت نہیں دیتا بلکہ ایسا شخص جلد پکڑا جاتا ہے اور اپنی سزا کو پہنچ جاتا ہے۔

(تحد قیصرہ ص ۲۵۱ ۲۵ مئی ۱۹۹۷ء)

جواب میں اتنا کھنا کافی ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت ثابت ہوتی رہی ہے اسی طرح میرے اس دعوے کو میرے خدا نے ثابت کیا ہے۔

(کشف الغطاء ص ۲۱۱ ر ص ۲۱۴ ۲۴ دسمبر ۱۹۹۷ء)

معمورین کے پہچاننے کا یہ اصول ہے کہ ان کو اس طریق سے پہچانا جائے جس طریق سے انبیاء کی نبوت پہچانی جاتی ہے۔ اس لیے میری تکذیب کوئی انوکھی بات

نہیں کیونکہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا اور استہزاء کیا گیا۔ (نجم الہدیٰ ص ۱۵۳، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۵ء)

دیکھو صفحہ ۵۰۴ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے جو علی اللہ فی حلل الانبیاء جس کا ترجمہ یہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں اس الہام میں میرا نام رسول بھی رکھا گیا۔ اور نبی بھی جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوفی ہے۔ (ایام الصلح ص ۳۸۳، ۵ جنوری ۱۹۹۶ء)

جب کہ اجتہادی غلطی ہر ایک نبی اور رسول سے بھی ہوئی ہے تو ہم بطریق تنزیل کہتے ہیں کہ اگر ہم میں سے بھی کوئی اجتہادی غلطی ہوئی ہے تو وہ سنتِ انبیاء ہے۔

(تزیان القلوب ص ۲۹، ۲۹ ستمبر ۱۹۹۹ء سے ۱۹۰۲ء)

اور سچ پچ میرا رب میرے ساتھ ہے میرے بچپن سے میری لحد تک۔

(خطبہ الہامیہ ص ۱۱، اپریل ۱۹۷۵ء)

معی رسالت کو تیس برس تک مہلت دی اور لَوْ تَقُولَ عَلَيْنَا كَ وَعْدِهِ كَ کچھ خیال نہ کیا تو اسی طرح نعوذ باللہ یہ بھی مستریب قیاس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود کاذب ہونے کے مہلت دے دی ہو۔

(اربعین نمبر ص ۳۹، ص ۳۱، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء)

اور مغلہ دلائل صدق کے یہ بھی ایک دلیل ہے اور خدا تعالیٰ کے قول کی بھی نصدیق تھی ہوتی ہے کہ جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہلاک ہو جائے ورنہ منکر پر کچھ جنت نہیں ہو سکتی۔ (اربعین نمبر ص ۳۹، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء)

(اعتراضات) جو میری نسبت اُن کے منہ سے نکلے ہیں تو ان میں تمام نبی شریک ہیں یہاں نسبت جو کہا جاتا ہے پہلے سب کچھ کہا گیا ہے۔

(اربعین نمبر ص ۳۹، ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵ء)

کیونکہ ہماری تمام بحث وحی نبوت میں ہے جس کی نسبت یہ ضروری ہے کہ بعض کلمات پیش کر کے یہ کہا جائے کہ خدا کا کلام ہے جو ہمارے پر نازل ہوا ہے غرض پہلے تو یہ ثبوت دینا چاہیے کہ کونسا کلام الہی اس شخص نے پیش کیا ہے۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر بعد اس کے یہ ثبوت دینا چاہیے کہ جو تیس برس تک کلام الہی نازل ہوتا رہا ہے وہ کیا ہے (اربعین نمبر ص ۳۹، ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵ء)

براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا۔ میری
نہوت اور رسالت باعتبار محمد اور احمد ہونے کے ہے۔۔۔ اور چونکہ میں نقلی طور پر
محمد ہوں۔ (یک نقلی کا ازالہ۔ (۵ نومبر ۱۹۰۱ء تا ۲۰۸ تا ۲۱۶)

اب میں بموجب آیہ کریمہ وَأَنَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنی نسبت بیان کرتا
ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تیسرے درجے میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ جو
میری کوشش سے نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۶۹ ص ۱۵ مئی ۱۹۰۶ء)

منور طے ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۶ء تک کی ۱۲ کتابوں کے ۱۸ اقتباسات سے

ثابت ہوا ہے کہ مرزا صاحب دعوت کے آغاز ہی سے نہیں بلکہ شکم مادر سے
نعمہ کو نبی سمجھتے تھے۔ (۱۸)

مرزا صاحب کے ایام بعثت

(۱) میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا ہے کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔۔۔ بلکہ میری طرف
سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔
(انالک ادلم حصہ اول ص ۱۹۲ تا ۱۹۳ ص ۱۹۹ء)

منور طے ۱ اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۷ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۵ سال ۴۴، ۲۶، ۵۱ دن ہوتے ہیں۔ (۱۸)

(۲) براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ظاہر ہو گا کہ یہ عاجز تجدد پر دین کے لیے اپنی عمر کے
سن چالیس میں مبعوث ہوا۔ جس کو قریباً گیارہ سال برس کے گزر گیا۔

(نشان آسمانی ص ۳۴۔ جون ۱۸۹۶ء)

منور طے ۱ اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۷ء ثابت ہوتا ہے۔

صفت تک ایام بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۰، ۲۶، ۵۱ دن ہوتے ہیں۔ (۱۸)

(۳) واضح رہے کہ یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لیے بالہام
خاص مامور کیا گیا اور بذات دی گئی کہ اسی برس یا اس کے قریب تیری عمر
ہے۔ سو اس الہام سے چالیس برس دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے

دس برس کامل گذر بھی گئے۔ دیکھو براہین احمدیہ ص ۲۳۸۔

(نشان آسمانی ص ۱۴۴ جون ۱۸۹۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۵ سال ۱۱ ماہ ہوتے ہیں (ن ۱)

(۴) اس عاجز کے دعوئے مجدد اور منیل مسیح ہونے دعوئے مکمل الہی ہونے پر اب بفضلہ تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔ کیا یہ نشان نہیں ہے۔

(نشان آسمانی ص ۱۴۴ جون ۱۸۹۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۶ سال ۱۱ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ اس کتاب

کے میوں اقتباسات کے خط کشیدہ حتمی قابل خود ہیں۔ (ن ۱)

(۵) یہ عاجز تسلیم کیا کہ برس سے شرف مکالمہ الہی کے مشرف ہے۔

(برکات الہیہ ص ۲۶ اپریل ۱۸۹۲ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۲ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۶ سال ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ (ن ۱)

(۶) میں آج تم میں ظالم نہیں ہوا بلکہ سولہ برس سے حق کی دعوت کر رہا ہوں۔
تمہیں یہ بھی سمجھ نہیں کہ مغتری جلد ضائع ہو جاتا ہے۔

(ضیاء الحق ص ۳۱۴ - ۱۸۹۵ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۹ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۲۹ سال ۴ ماہ ۲۶ دن ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی

قابل خود ہے کہ ۱۸۹۳ء میں گیارہ برس ۱۸۹۵ء میں سولہ برس لکھے ہیں۔

(ن ۱)

(۷) میرے دعوئی الہام پر پورے بیس برس گذر گئے اور مغتری کہ اس قدر

مہلت نہیں دی جاتی۔ (انجام آہم ص ۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء ۲۲ جزوی ۱۸۹۷ء)

نوٹ: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۵ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت۔ ۳۱ سال ۱۱ ماہ ۲۵ دن۔ (ن ۱)

(۸) کیا کسی کو یاد ہے کاذب اور مفتری کو التراؤں کے دن سے پچیس برس تک مہلت دی گئی جیسا کہ اس بندہ کو۔ (سراج منیر ص ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۶ سال ۴۲۶۵۴ دن ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی
مطلوب ہے کہ انجامِ آتم (۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء) میں مدت بعثت بیس برس اور
سراج منیر (مئی ۱۸۹۷ء) میں مدت بعثت پچیس برس تحریر فرمائی ہے۔

(۱ ن)

(۹) میں تنہا رہے پاس تھینا بیس برس سے آیا ہوں۔ بس سوچ لو کہ کیسا یہ
دروغ گوئی مدت ہے۔ (جنتہ اللہ ص ۹۶ ص ۱۲۴ - ۲۹ مئی ۱۸۹۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔
وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۱ سال ۴۲۶۵۴ دن ہوتے ہیں۔ (۱ ن)

(۱۰) اگر میں جھوٹا ہوتا تو دعوے کے بعد تیس سال تک کیسے زندہ رہتا۔

(خطبہ الہامیہ ص ۳۱۳ - ۱۱ اپریل ۱۸۹۷ء سے اکتوبر ۱۸۹۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۶ سال ایک ۱۵۵۵۵ دن ثابت ہیں (۱ ن)

(۱۱) براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوے مغائب اللہ مہمنے
اور مکالمات الہیب کا قریباً بیس برس سے ہے اور اکیس برس سے

براہین احمدیہ شائع --- ہے۔ (اربعین نمبر ص ۳۹ ص ۱۵ دسمبر ۱۸۹۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۷ سال ۱۲۵۵۵ دن ہوتے ہیں۔ (۱ ن)

(۱۲) قریباً تیس سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ (دائع الجلا ص ۲۴ - ۲۲ اپریل ۱۸۹۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۷ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۶ سال ایک ۴۵۵۵۵ دن ہوتے ہیں۔

(۱۳) حافظ صاحب علم سے بے بہرہ ہیں... کسی عیسائی یا یہودی کو طاقت نہ ہو
کہ کسی ایسے شخص کا نشان دے جس نے افتراء کے طور پر یہ امور من اللہ ہو۔



(۱۹) میں خدا تعالیٰ کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رو کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴ تا ۱۵۵ مئی ۱۹۰۷ء منوٹے ۱) اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۴ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت ستر یا ۲۴ سال ہوتے ہیں۔ (ن ۱)

(۲۰) میرے اس دعوے اور الہام پر پچیس سال سے زیادہ گزر چکے ہیں جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام بعثت سے بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ تئیس برس تھے اور تیس برس کے قریب اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک خدا تعالیٰ کے علم میں میرے آیام دعوت کا سلسلہ ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۲۰۶ تا ۲۱۵ م ۲۱۵ تا ۲۱۵ مئی ۱۹۰۷ء منوٹے ۱) اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۴ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت قریباً ۳۱ سال ۱۲ دن ہوتے ہیں۔ (ن ۱)

(۲۱) جب مجھ کو یہ الہام ہوا، اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا قُرْآن میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۵ تا ۲۱۵ مئی ۱۹۰۷ء منوٹے ۱) یہ الہام غالباً سنہ ۱۸۸۰ء کا ہے۔ اس کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۰ء معلوم ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت ستر یا ۲۸ سال ۲۶ دن ہونے چاہئیں (ن ۱)

(۲۲) میں سچ کہتا ہوں کہ جب سلسلہ الہامات کا شروع ہوا تو اس زمانہ میں میں جوان تھا اب میں بوڑھا اور ستر سال کے قریب عمر پہنچ گئی اور اس زمانہ پر قریباً پچیس سال گزر گئے۔ (اتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴ تا ۱۵۵ مئی ۱۹۰۷ء منوٹے ۱) اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۴ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت ستر یا ۳۶ سال ہوتے ہیں۔ (ن ۱)

(۲۳) ہر ایک کو معلوم ہے کہ میرے اس دعوے پر کہ میں خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر آیا ہوں اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں۔ چھتیس برس کے ستر یا عرصہ گزر گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴ تا ۱۵۵ مئی ۱۹۰۷ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت تقریباً ۲۷ سال ہوتے ہیں۔ (۱۸)۔

سب سے پہلے کچھ برس میرے زیادہ اس گھری (۲۴)

سال ہے اب تیسواں دھوئے پہ از روئے شمار

در فہم ۱۵ منقول از براہین احمدیہ صحت پیغم ۱۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۸ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت تقریباً ۳۰ سال ہوتے ہیں۔ (۱۸)

(۲۵) ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ آج سے تیس برس پہلے یا کچھ زیادہ میری

یہ حالت تھی کہ ایک احد من الناس تھا اور ایسا گناہ تھا کہ صرف چند آدمی

ہوں گے جو میرے صورت آشنا ہوں گے اور کسی عزت اور وجاہت کا مالک

نہیں تھا۔۔۔ اس زمانہ میں خدا نے میرے آئندہ مدح اور شوکت و جلال کی

خبر دی جو دو سال بعد میری کتاب براہین احمدیہ میں چھپ کر شائع ہو گئی جس

کو آج پچیس برس گزر گئے۔ (چشمہ معرفت۔ دوسرا حصہ ص ۱۵۷ ۱۵۸ء)

نوٹ ۱: اس عبارت کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۸۱ء ثابت ہوتا ہے۔

وفات تک ایام بعثت تقریباً ۲۷ سال ۱۱ دن ہوتے ہیں۔ (۱۸)۔

(۲۶) میں تخمیناً بیس برس سے خدا کے مکالمہ اور مخاطبے مشرف ہوں۔

(پیغام صلح ص ۴۷۷ ۴۷۸ء مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

نوٹ ۱: یہ مرزا صاحب کی وفات سے دو دن قبل کی کتاب ہے۔ اس عبارت

کے مطابق سنہ بعثت ۱۸۷۸ء ثابت ہوتا ہے۔ وفات تک ایام بعثت

تقریباً ۳۰ سال ۲ دن ہوتے ہیں۔ (۱۸)

نوٹ ۱: مرزا صاحب کے ایام بعثت پڑھ کر آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان

کے دوائے نبوت میں کتنی صداقت ہے۔ ایک سہ کے کتابوں

ہی میں نہیں ایک کتاب میں بھی کہیں کچھ اور کہیں کچھ مدت

تقریر کی ہے۔ منصب نبوت پر فائز ہونا تو نہایت اہم بات ہے،

جتنی کرام تواریخ ادا کرنے کے سال کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک

بہت بڑا انعام عطا دندی ہے۔ یہی حال دنیاوی اعزازات و محالقات کا ہے۔ ہر شخص اپنے ڈاکٹر، انجینئر، جسٹس، چیف جسٹس، وکیل، بیرسٹر، ٹیکسٹ، پروفیسر، وی سی، ایس پی، آئی جی، کرنل، جنرل، سفیر، وزیر یا صدر مملکت ہونے کے سُننے کو نہیں بھولتا۔ ایسے ہی اور اہم محالقات، مثلاً شادی بیاہ، موت میت، دکان کا افتتاح یا مکان کے تعمیر وغیرہ کا سُن یاد رکھنا بھی عام سی بات ہے۔ حیرت و تعجب ہے کہ مرزا صاحب کے کو اپنا سالِ بعثت کیوں صحیح یاد نہیں رہا، جبے کہ پانچ استادوں کے شاگرد اور (بقولِ خود) پڑھے لکھے بنے تھے۔ انہوں نے اپنی پہلی وحیِ مزدور لکھی ہوگی۔ اگر نہیں لکھی تو یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ یا تو وہ وحی کا مطلب نہیں سمجھے یا وہ بھول گئے ہوں۔ سوال یہ ہے جو شخص اتنا غبی ہو کیا وہ غبی ہو سکتا ہے؟

(نہ ۱)

مرزا صاحب کے ایامِ بعثت کے تضاداً۔ ایک نظر میں

- (۱) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۵ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۲) سنِ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۶ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۳) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۵ سال ۱۱ ماہ۔
- (۴) سنِ بعثت ۱۸۸۱ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۶ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۵) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۶ سال ۲۶ دن۔
- (۶) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۲۹ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۷) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۳۱ سال ۵ ماہ۔
- (۸) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۳۶ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۹) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۳۱ سال ۶ ماہ ۲۶ دن۔
- (۱۰) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۳۶ سال ایک ماہ ۱۵ دن۔
- (۱۱) سنِ بعثت ۱۸۸۴ء : ایامِ بعثت مترباً ۳۷ سال ۵ ماہ ۱۲ دن۔

- (۱۲) سنہ بعثت ۱۸۶۲ء : آیام بعثت متدیبا ۳۶ سال ایک ۵۱ م دن۔
- (۱۳) سنہ بعثت ۱۸۶۹ء : آیام بعثت متدیبا ۲۸ سال ۸ م دن۔
- (۱۴) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : آیام بعثت متدیبا ۲۷ سال ۸ م دن۔
- (۱۵) سنہ بعثت ۱۸۸۸ء : آیام بعثت متدیبا ۲۸ سال ۷ م دن۔
- (۱۶) سنہ بعثت ۱۸۹۷ء : آیام بعثت متدیبا ۳۰ سال ۸ م دن۔
- (۱۷) سنہ بعثت ۱۸۸۶ء : آیام بعثت متدیبا ۲۶ سال ۹ م دن۔
- (۱۸) سنہ بعثت ۱۸۹۳ء : آیام بعثت متدیبا ۲۵ سال ۷ م دن۔
- (۱۹) سنہ بعثت ۱۸۹۲ء : آیام بعثت متدیبا ۲۴ سال۔
- (۲۰) سنہ بعثت ۱۸۹۷ء : آیام بعثت متدیبا ۳۱ سال ۱۲ دن۔
- (۲۱) سنہ بعثت ۱۸۸۸ء : آیام بعثت متدیبا ۲۸ سال ۳ م دن۔
- (۲۲) سنہ بعثت ۱۸۹۷ء : آیام بعثت متدیبا ۳۶ سال۔
- (۲۳) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : آیام بعثت متدیبا ۲۷ سال۔
- (۲۴) سنہ بعثت ۱۸۷۸ء : آیام بعثت متدیبا ۳۰ سال۔
- (۲۵) سنہ بعثت ۱۸۸۱ء : آیام بعثت متدیبا ۲۷ سال ۱۱ دن۔
- (۲۶) سنہ بعثت ۱۸۹۵ء : آیام بعثت متدیبا ۳۰ سال ۲ دن۔

نوٹ

ہم جملہ مسلمان، خواہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوتے ہوں، کسی بھی رنگ و نسل کے ہوں، کسی بھی زبان میں گفتگو کرتے ہوں، کسی بھی ملک کے پیرو ہوں، اسیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور حق و بروری نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اولاد سیدنا حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں بے مثال اور بیکتا ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ جل جلالہ اپنی ذات و صفات میں بیکتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جسے اپنی ذات و صفات میں یکتا ہیں۔ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں، احباب
 رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے مسلمانوں کا عقیدہ
 یہی ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک یہی رہے گا۔ ہم اس بات پر پختہ
 ایمان و یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی آپ کے کا مثیل و نظیر
 نہیں ہو سکتا۔ مگر حجاب کرشن، رام چندر، مرزا غلام احمد دہلوی و دیگر بال
 صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اس متفقہ فیصلے اور عقیدے
 پر حرب لگانے اور آپ کے یکتائی کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔
 اگر کسی بے مثال و بے نظیر سستی یا شے کی یکتائی ختم کرنے ہو تو
 اس کے مثال و نظیر پیدا کر لی جائے۔ پھر وہ ہستی یا شے بے مثال و
 بے نظیر نہیں کہا سکتی۔ کیونکہ اس کے مثال و نظیر موجود ہو گئے۔
 مرزا صاحب نے بھی طریقہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے بے مثال و بے نظیری و یکتائی کو ختم کرنے کے لیے آپ کے
 کا مثیل و نظیر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے دو ہی ممکن صورتیں تھیں،
 یا تو وہ آنحضرتؐ کو اپنے جیسا بنالیتے، یا خود اُن جیسا بن جاتے۔ جس سے
 اُن کے بے مثالی و یکتائی ختم ہو جاتی۔ انہوں نے دوسری صورت
 اختیار کی۔ اپنا جیسا تو بنا نا بہت مشکل کیا نا ممکن تھا۔ اس لیے زبردستی
 اُن جیسا بننے کی کوشش کی، اور بزرجم خود اُن جیسا ہونے کا دعویٰ
 کر دیا۔ یہ ویسے بھی آسان تھا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے ہم فضائل و دشائے کتابوں میں مغلوظ ہیں، صرف مطالعہ کر کے اپنے
 اوپر چسپاں کرنے کی ضرورت تھی اور یہ انھوں نے ایک سوچے سمجھے
 منصوبے کے تحت کیا تھا۔ مرزا صاحب نے اپنے خیال کے مطابق
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان و بزرگی بڑھانے کے لیے
 اُن کے مثیل و نظیر ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ مگر حقیقت اس کے
 برعکس ہے۔ واصل انہوں نے تو قیر کے پردے میں تنقیص کی ہے۔

بقولہ شاعر فصیح قریب بھ گئی یہ کس نے ٹھنڈی سانس لی

ہائے ہمدردی کے بندے میں اندھیرا ہو گیا

ہندوستان میں پندرہ دن

از قلم : ڈاکٹر عارف رشید، نیکو قرآن الیڈی !!!

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قارئین میثاق کے علم میں ہوگا کہ آج جان عرصہ پانچ سال سے ہر سال بغرض درس قرآن امریکہ جارہے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والے حضرات جو کم و بیش گزشتہ بیس سال سے وہاں مقیم ہیں ان میں سے عظیم اکثریت حیدر آباد وکن رائیڈ سے متعلق ہے جو وہاں کی مذہبی اور سماجی سرگرمیوں میں پیش پیش ہیں۔ ایسے بہت سے حضرات نے حیدر آباد وکن میں موجود اپنے عزیز واقارب کو امریکہ میں ریکارڈ شدہ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کے کیسٹ CASSETTES بھیجے۔ ان کیسٹ کی وہاں بے شمار نقول تیار کی گئیں اور لوگوں میں پھیلائی گئیں۔ لوگوں نے ان کیسٹ کو سنا اور اب وہ اس بات کے خواہش مند ہوئے کہ کس طرح ڈاکٹر صاحب کو یہاں مدعو کیا جائے۔ ان ہی حضرات میں سے ایک صاحب جناب حیدر علی الدین خود ہی صاحب گزشتہ سال امریکہ کو مستقلاً غیر آباد کہہ کے حیدر آباد آ گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے مزید کئی کیسٹ ساتھ لائے۔ ان کے بقول ان کیسٹ کی ہزاروں نقول تیار کی گئیں اور حیدر آباد کے دینی شغف رکھنے والے حلقے میں پھیلا دی گئیں۔ نتیجہً لوگوں کی پیاس مزید بڑھی اور گزشتہ سال ماہ اکتوبر، نومبر میں ان کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے لئے دعوت نامے موصول ہونا شروع ہو گئے۔ بہر حال انڈیا کے لئے پاسپورٹ پر ENDORSEMENT کروائی گئی۔

ادیلوں ہیں انڈیا کے تین شہروں یعنی حیدر آباد، دہلی اور کھنوا کا میز اہل گیا۔

9 اپریل ۱۹۸۴ء : لاہور سے روانگی | مورخہ ۹ اپریل بروز سوموار باقم اور آج جان شام چار بجے کی انڈیا کی پرواز

سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ پرواز کل ۱۰ منٹ کی تھی لاہور اور دہلی کے مابین کل فاصلہ لگ بھگ تین صد (۲۰۰) میل ہے لیکن حکومت انڈیا اور پاکستان کی طرف سے جو قوانین وضع کئے گئے ہیں وہ کچھ ایسے پیچیدہ ہیں کہ اس چالیس منٹ کی فلائٹ کے لئے مہینوں خوار ہونا پڑتا ہے۔ بہر حال انڈیا کے وقت کے مطابق ہم لوگ شام پونے چوبیس بجے

دہلی اٹریوٹ پر تھے۔ امیگریشن اڈہ کسٹم سے فارغ ہوئے، کسٹم والوں نے ہم سے صرف ایک سوال کیا کہ آپ لوگوں کے پاس با دام تو نہیں ہیں، جواب نفی میں تھا۔ بہر حال اللہ کا حکم ہے کہ ہمارا سامان کسٹم کے ملنے کی دست درازیوں سے محفوظ رہا۔ اٹریوٹ پر جناب وحید الدین خاں صاحب مدیر ماہنامہ "الرسالہ" دہلی اور ان کے فرزند ثانی الثین صاحب موجود تھے۔ جناب وحید الدین خاں صاحب دہلی کے معروف دینی سکالر ہیں موصوف کے فکوار و آبا جان کے فکر میں مکمل ہم آہنگی نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود دلی لگاؤ بہت ہے۔ اٹریوٹ سے گھر جاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں کسی کو رسیو (receive) کرنے سے اٹریوٹ پر بہت کم جاتا ہوں لیکن باوجود مصروفیت کے آپ (آبا جان) کو لینے آگیا ہوں۔ رات دہلی میں بسر کی، رات گئے تک دہلی کے اصحاب علم آبا جان سے ملاقات کے لئے آتے رہے۔

۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء: حیدر آباد کے لئے روانگی۔ اگلے روز یعنی ۱۱ اپریل کو صبح سے حیدر آباد کے لئے روانگی تھی۔ کل ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ کی پر واز کے بعد ہم لوگ حیدر آباد پہنچ گئے۔ بہت سے حضرات دن وے کے قریب ہاتھوں میں پھولوں کے مار لئے آبا جان کے استقبال کو کھڑے تھے۔ اٹریوٹ سے ایک قافلے کی شکل میں ہم اپنی جائے قیام "المركز الاسلامی" حیدر آباد پہنچ گئے۔ طے والوں کا ہجوم تھا، چیو چیو لوگوں سے تفصیلی تعارف ہوا۔ جن کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آجائے گا۔ نماز عصر کے بعد گھر سے نکلے۔ اور سابق امیر جماعت اسلامی آندھرا پردیش جناب محمد یونس صاحب سے ملاقات کی غرض سے ان کے گھر پہنچ گئے۔ موصوف کئی ماہ سے طیل تھے۔ دل کا عارضہ تھا۔ بہر حال مختصر ملاقات کے بعد ہم لوگ واپس آگئے۔ بعض حضرات کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ موصوف، آبا جان سے ملاقات کے خواہشمند تھے۔ لہذا اڈل روز می ان سے ملاقات ہو گئی۔ حیدر آباد سے واپسی سے دو روز قبل ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ نماز جنازہ، ان کی خواہش کے مطابق آبا جان نے ہی پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی خاص رحمت سے نوازے۔ آمین !!

اسی روز نماز عشاء کے بعد "مسجد یک مینارہ" میں آبا جان کا منفصل خطاب ہوا۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴ پر بیان تھا۔ لوگوں کا دینی ذوق شوق دیدنی تھا۔ مسجد کا وسیع صحن بھر گیا اور لوگ باہر سڑک پر کھڑے ہو کر درس قرآن سنتے۔

رہے۔ حکومت سے اجازت لے کر سڑک کے دونوں طرف رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں اور لوگوں کے لئے جگہ بنادی گئی تھی۔ یہ درس قرآن لگ بھگ پونے دو گھنٹے جاری رہا۔ سات سال سے گیارہ بجے واپس اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے۔

۱۱ اپریل بروز بدھ | نماز فجر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ چند حضرات ملاقات کی۔ حیدر آباد میں انجینئرنگ کالج میں لیکچرار ہیں۔ ان سے پاکستان اور اس کے مستقبل پر غماز گفتگو ہوئی۔ وہ اپنے ساتھ ایک انگلش میگزین Young Muslim Digest لائے تھے جس کے کئی نمبر لے آئے انہوں نے آبا جان کو پڑھنے کے لئے دیئے۔ اندیا نظام تعلیم میں جو جو خرابیاں ہیں اور جس طرح مسلمان بچوں اور نوجوانوں کو اسلام سے بظن کیا جاتا ہے مذکورہ میگزین اس کے خلاف ایک جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمان بچوں کے اندر ان کے اسلاف کے واقعات کے ذریعے دینی جذبہ بیدار کیا جاتا ہے اور اس کو احساس دلایا جاتا ہے کہ خدا

خبر وہ کیا کردوں تھا تو جس کا سبب اک ٹوٹا ہوا تارا
دوپہر کے اوقات میں حیدر آباد پولیس آفس، جانا ہوا تاکہ اپنا پاسپورٹ دکھا کر حیدر آباد میں پہنچ جانے کا اندراج کرایا جاسکے۔ نماز عصر کے بعد پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میڈیکل کالج سے متعلق دو نوجوان ڈاکٹرز تشریف لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ غیر مسلم ڈاکٹرز (بشمول مسلمان ڈاکٹروں کے) کے ساتھ ایک نشست رکھی جائے جس میں آبا جان کا ایک خطاب ہو اور پھر سوال و جواب کا ایک سیشن ہو۔ بہر حال اس کام کے لئے ۱۵ اپریل کے دن دوپہر ساڑھے تین بجے کا وقت طے پا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور گزشتہ رات کی مسجد یک مینار والی تقریر کے بارے میں بعض حضرات نے سوالات کیے جن کا تشفی بخش جواب بل جانے پر وہ حضرات مطمئن ہو گئے۔

بعد نماز عشاء عیضا اسکول کے گراؤنڈ میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بہت بڑا میدان تھا۔ جس کے نصف حصہ میں دریاں بھی تھیں۔ ساڑھے نو بجے تک حاضرین خاصی تعداد میں جمع ہو گئے۔ آبا جان کی تقریر شروع ہوئی جس میں سورۃ الحجرات کے آخری رکوع کی چند آیات کو بنیاد بنا کر اسلام اور ایمان کا فرق واضح کیا گیا۔ ایمان کے رکن رکین یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے مراحل کا بیان اور پھر قتال فی سبیل اللہ کا بیان

بھر پور اظہار نہیں ہوا۔ راقم سوچ رہا تھا کہ سرزمین ہند میں اسلام کے غلبے کے لئے جنگ و
ل کی ترغیب و تحریک گویا کھلی بیاد کے مترادف ہے، پھر یہ کہ چونکہ وہاں کے جہاد
آج کی تقریر کا اشتہار بھی تھا تو انڈین گورنمنٹ کے انٹیلی جنس کے شعبے سے متعلق افراد لازماً
برہم ہوں گے۔ اور ان کے سامنے اسلام کے غلبے کے لئے کوشش کا بیان.....!! بہر حال
رکاشک ہے کہ پسند و بدبختی کی تقریر میں گفتی کے افراد کے علاوہ کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے
بہ اٹھا۔ لگ بھگ دو ڈھائی ہزار کا مجمع تھا اور خواتین کے لئے بھی انتظام موجود تھا۔ اس
مجموعہ سے فارغ ہو کر تقریر بارات باہر بجے واپس اپنا جائے قیام پر پہنچ گئے۔

اپریل بروز جمعرات | لئے آگئے۔ کل بم پولیس آفس میں حیدر آباد آمد سے متعلق اندراج
بنے گئے تھے۔ لہذا اگلے روز معمول کے مطابق وہ لوگ سوال و جواب کے لئے پہنچ گئے۔
یہی ان سے فراغت حاصل ہوئی اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ دوپہر کے کھانے تک جاری رہا۔
شام مصر کی نماز سے فارغ ہو کر حیدر آباد کی ایک مشہور شخصیت سے ملاقات کی غرض سے
۲۔ ضعیف اللہ حسینی صاحب جو کئی کتابوں کے مصنف اپنی سوچ کے مطابق دینی کام میں مشغول
ہیں خالصہ ضعیف ہیں۔ ان کے زبانی معلوم ہوا کہ راجستھان میں مسلمانوں کو بندوبست کا
مذہب دشود سے جاری ہے۔ اس ضمن میں ضعیف اللہ حسینی صاحب اور ان کے رفقاء سرگرم
ہیں۔ نماز عشاء کے بعد عینا سکول کے گراؤڈ میں آج پھر خطاب تھا۔ سامعین کے
سادکل کی نسبت زیادہ تھی۔ تقریر کا عنوان تھا "ختم نبوت سیرت النبی کی روشنی میں"
حیدر آباد میں قادیانیوں کی سرگرمیاں کافی ہیں اور وہ اپنے حق سے کتابچے مسلمانوں میں
فیلے رہے ہیں۔ لہذا آج کا موضوع اس ضمن میں خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور وہ لوگ جن کے
بنوں پر قادیانیت کی تبلیغ کے زیر اثر شبہات پیدا ہو گئے تھے، کافی مطمئن ہوئے، جس کی
ابھی اگلے روز وہاں کے مقامی حضرات نے بھی دی۔

چلتے چلتے ایک بات وہاں کی معاشرت سے متعلق بھی عرض کرتا چلوں۔ عینا سکول کے
دورہ بالا پردہ گرام کے لئے زمین سے تین چار فٹ بلند ایک شیڈ تیار کیا گیا تھا۔ راقم معمول
لے مطابق سامعین کے ساتھ ہی دریلوں پر بیٹھا تھا کہ جناب قاری قطب الدین صاحب نے مجوز
کے شیڈ پر بٹھا دیا۔ وہاں اور بھی کئی حضرات تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر بعد محسوس ہوا
آج ان کو تقریر کرنا ہی رہے تھے، بقیہ حضرات جو شیڈ پر بیٹھے تھے، ان کے منہ بھی مسلسل ہل رہے
ہے۔ اب جو سامعین کے بارے میں خود کیا تو وہاں بھی یہی عالم تھا۔ خود کرنے سے معلوم

ہوا کہ کسی کے منہ میں پان ہے، کسی کے چھالیہ ہے، کسی کے سونف ہے۔ سٹیج پر بیٹھنے والوں میں سے صرف راقم ہی تھا جس کا منہ ساکت تھا، میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک بزرگ کی پوٹلی میں سے (جوان کے سامنے پڑی تھی) ان کی اجازت کے ساتھ تھوڑی سی سونف نکالی اور ظہر یہاں اب میرے ملازداں اور بھی ہیں کے مصداق ان کی صف میں شامل ہو گیا۔

۱۳ اپریل بروز جمعہ المبارک | آج صبح ناشتہ کا پروگرام وسط شہر میں واقع جناب معین الدین صاحب کے مکان پر تھا۔ ناشتہ کافی

پر تکلف تھا۔ دسترخوان انواع و اقسام کی نعمتوں سے پُر تھا۔ حیدر آباد کے رہنے والے اکثر حضرات صبح نو ساڑھے نو بجے ثقیل ناشتہ کر کے گھر سے نکلتے ہیں اور پھر عموماً شام کو جلد کھانا کھا لیتے ہیں۔ اسی مناسبت سے ان کا ناشتہ بہت ثقیل ہوتا ہے۔ ناشتہ کے بعد ان ہی کے مکان پر ایک نشست سوال و جواب کے لئے مخصوص تھی۔ کئی حضرات کی جانب سے سوالات ہوئے جن میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں آپ کا طریق کار کیا ہوگا؟ جو آبا جان نے فرمایا کہ ایک مسلمان حکومت کے ہوتے ہوئے، جو اگرچہ صرف نام کے اعتبار سے مسلمان ہے، اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک ایسی تنظیم کا قیام فرمادی ہے جس کے رفقاء ایک امیر کے ہاتھ پر سمیع و طاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کی بیعت کریں۔ ان کی بحر پور تربیت کی جائے اور جب ایک ایسی جمیعت فراہم ہو جائے کہ امیر کو ان کے بارے میں اعتماد ہو کہ وہ جان ہتھیلیوں پر بدھ کر آئے ہیں اور امیر کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں تو وہ اس نظام کے کسی منکر کے خلاف ایک سیدہ بلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔ مثلاً جماعت کا امیر اگر فیصلہ کرے کہ ۱۱ اگست کو خواتین کی کچلے بندیل جو پریڈ ہوتی ہے اس کو نہیں ہونے دیں گے۔ تو اب اس منکر کے خلاف ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوگی۔ اگر حکومت وقت اس پر رضامند ہو جائے کہ پریڈ نہیں ہوگی تو کسی اور منکر کے خلاف بھی طرز عمل اختیار کیا جائے گا اور منکرات کو ختم کرنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس طرح بجائے اس کے کہ خود اقتدار کے طالب بن کر سامنے آئیں، اسی حکومت کے ماتحتوں منکر کی تشکیل کرائی جائے گی اور معروف کو دہرای کر لیا جائے لیکن اگر حکومت وقت اس پر تیار نہ ہو تو ظاہر ہے اسے اس منکر کے خلاف جانوں کو ہتھیلی پر بدھ کر میدان میں اترنا ہوگا۔ گولیاں کھانی ہوں گی۔ ماریں سہنی ہوں گی، جیل کی صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی۔ لیکن یہ سبہ منحصر ہے اس بات پر کہ امیر کو یقین اور اعتماد ہو اسے ساتھیوں کی تعداد پر بھی اور ان کی جانفروشی پر بھی۔۔۔۔۔ یہ ہے وہ طریق کار جس کے ذریعے کسی نام نہاد اسلامی حکومت میں حقیقی اسلامی انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ آج کا پروگرام اس اعتبار سے آبا جان کے لئے خاص دشوار ہو گیا کہ جمعہ ۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء

کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ لہذا نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد معظم پورہ میں خطاب ہوا جس میں حکمت و احکام جمعہ کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا خطاب تھا۔ یہ مسجد حیدر آباد میں تبلیغی جماعت کا مرکز ہے اور شہر کے خاصے بارونق علاقے میں واقع ہے۔ نماز جمعہ کے فرائض ادا کر کے فوراً ”مسجد سلیمہ خاتون“ کے لئے روانگی ہوئی۔ اور وہاں سورۃ رحمن کی ابتدائی تین آیات پر خطاب ہوا۔ اس مسجد میں نمازی حضرات جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر بہتر متن انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی آغا جان پہنچے خطاب شروع ہو گیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ اور دس منٹ جاری رہا۔ اسی روز بعد نماز عشاء جامع مسجد دارالاشفا میں آیہ بر (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷) کا درس تھا۔ اگر مسجد کا اپنا مضمون بھی کافی کثادہ تھا لیکن وہاں کی منتظرین نے مسجد سے ملحقہ گراؤنڈ منتخب کیا۔ لیکن یہ بھی کافی ثابت ہوا اور لوگوں نے سڑک پر کھڑے ہو کر درس قرآن سنا۔ آیہ بر کے حوالے سے ”نیکی کی حقیقت“ کا جو مفہوم حاضرین کی سمجھ میں آیا وہ ان کے بقول عام تصور نیکی سے بالکل الگ تھا۔ عموماً نیکی کو عبادات کے مترادف خیال کیا جاتا ہے یعنی جو شخص نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل کرے گا وہ نیک انسان ہو گا۔ جبکہ اس کے بالکل برعکس سورۃ بقرہ کی آیت زیر درس میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر بالکل آخر میں ہے۔ اولین شے ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کے بعد اتفاق مال فی سبیل اللہ ہے۔ پھر نماز اور زکوٰۃ ہے اور پھر اللہ کے عہد اور سختی کی حالت میں یا جنگ کی صورت میں صبر۔ اور آخر میں ایک جامع حکم کہ تم نیکی کو اپنے چنانوں سے ناپتے ہو، حقیقتاً متقی اور نیک تو یہ لوگ ہیں! حیدر آباد کے رفقا کا ایک تقاضا راقم سے بھی تھا کہ وہ بھی کسی پروگرام میں درس قرآن دے یا مختصر سا خطاب کرے۔ راقم نے اس سے تو معذرت کی لیکن آج آغا جان کے درس سے قبل راقم نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور ان آیات کا سلیس ترجمہ بھی کیا۔! گویا وہاں کے پروگراموں میں جزدی شرکت راقم کی بھی ہو گئی۔ آغا جان کے بقیہ پروگراموں سے قبل تلاوت کے لئے منتظرین بعد میں بھی راقم کو موقع دیتے رہے۔

۱۴۔ اپریل بروز ہفتہ | مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ سے متعلق ہیں اور صوبہ

یوپی اور اڑیس کے گورنر بھی رہ چکے ہیں۔ حیدر آباد آمد کے انعقاد پر بھی ہم ان سے ملاقات کی غرض سے گئے تھے۔ ان کا شدید تقاضا تھا کہ انسٹی ٹیوٹ میں آغا جان کا ایک خطاب ہو۔ آج صبح دس بجے کا وقت اسی لئے معین تھا۔ انسٹی ٹیوٹ کے آڈیٹوریم میں ”ماضی قریب کی احمائی تحریکیں“ کے ذیل میں مولانا ابوالکلام آزاد اور دعوت جہاد اور قرآن پر

مقتل خطاب ہوا۔ اس پر دو گرام میں عثمانیہ یونیورسٹی کے پوٹینیکل سائنس کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ جناب ایس اسے باری بھی موجود تھے جنہوں نے اس تقریر کے بارے میں ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا کہ ”ڈاکٹر صاحب! میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پوٹینیکل سائنس میں بے شمار حضرات کو پئی ایچ ڈی کروا چکا ہوں لیکن آج کی تقریر میں تحریک شہیدین، تحریک آزادی ہندوستان مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک حزب اللہ اور پھر ان میں دو تحریکوں یعنی تحریک شہیدین اور حزب اللہ کی بنیاد کا بیعت پر ہونا، معرکہ تحریک اخوان المسلمون، سوڈان کی مہدی سوڈانی کی تحریک، طرابلس (موجودہ لیبیا) کی سنوسی، برصغیر کی تحریک اسلامی اور دیگر تحریکوں کا تجزیہ جس انداز میں آپ نے فرمایا ہے یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔“ **ذَٰلِكَ فَضَّلَ اللَّهُ يُونُسَ عَن يَثْرَجَ** دے اللہ ذوالفضل العظیم۔۔۔۔۔ دو پہر کے آٹام کے بعد مولانا تقی الدین صاحب کے مدرسے کی طرف سے دعوت تھی۔ وہاں پہنچے ہی ان کی جانب سے پُر تکلف عصرانے کا اہتمام تھا۔ پھر مدرسے سے طحہ مسجد، مسجد اچالے شاہ، میں جو لگ بجگ ڈھائی سو سال پرانی ہے سورۃ الحج کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ**..... الخ پر درس دیا۔ شدید گرمی کے باوجود کثیر تعداد میں لوگ مجتمع تھے۔

واپسی پر جناب نعمت اللہ صاحب کے، جو مجلس اشاعت اسلام حیدر آباد کے صدر ہیں اور حیدر آباد کے کاروباری حلقے میں اونچے مقام پر ہیں، آفس کی سیر کی۔ آبا جان کی آمد سے ان کا آفس ایک کیسٹ درکشاپ کی صورت اختیار کر چکا تھا جہاں ان کے بقول حیدر آباد میں کی گئی تمام تقریروں کی کیسٹ کی نقول تیار کی جا رہی تھیں۔ روزانہ ڈھائی سو کیسٹ تیار ہوتے تھے جو نماز عشاء کے اجتماع کے بعد ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کی آمد سے ایک ہفتہ قبل ایک خصوصی ہم کے ذریعے راہ نجات اور ”اسلام کا معاشی نظام“ پر مشتمل کیسٹ، چار پانچ ہزار کی تعداد میں ریکارڈ کئے گئے اور انتہائی ارزاں قیمت پر فروخت کئے گئے۔۔۔۔۔ رات کا ذہن ایران کے انقلاب کی جانب منتطف ہوا، وہاں بھی یعنی صاحب کے وہ کیسٹ ہی اس انقلاب کی بنیاد بنے تھے جو لاکھوں کی تعداد میں ایران میں پھیل گئے تھے۔ آج بھی حسب معمول نماز عشاء کے بعد جامعہ انوار العلوم میں سورۃ طہم اُسجد کی منتخب آیات **إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا** پر درس ہوا جو لگ بھگ سوا دو گھنٹے جاری رہا۔ حاضرین کی تعداد تین ہزار سے کم مگر نہ تھی۔ دعوت الی اللہ کے موضوع پر قرآن کا فدوہ سنایا یعنی **وَمَنْ أَحْسَنُ كَوْلًا يُمْكِنُ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ہر مفصل گفتگو ہوئی۔ اسی کے ذیل میں دعوت

إِلَى اللَّهِ كَتَبْنَا بِرَحْمَةِ اللَّهِ إِلَيْنَا وَإِلَى اللَّهِ نَرْجِعُكَ وَإِلَى اللَّهِ نَرْجِعُكَ وَإِلَى اللَّهِ نَرْجِعُكَ
وَجَاءَ إِلَهُكَ بِالسَّيِّئَةِ هِيَ أَحْسَنُ مَا بَدَأَ بِهَا — رات سوا بارہ بجے اجتماع کا
سے واپسی ہوئی۔

۱۵ اپریل بروز اتوار | کا جو سلسلہ شروع ہوا تو ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا۔
دو تین دنوں سے حیدر آباد کا موسم شدید سے شدید تر ہو رہا تھا اسی لئے آج ایک صاحب
نے ہمارے کمرے میں انٹرکنٹیننٹل فٹ کلب یا جس کی وجہ سے دوپہر کے امام میں مدد ملی۔ اللہ
تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ آج دوپہر ساڑھے تین بجے کو جو ان ڈاکٹرز کے
تشکیل کردہ پروگرام کے مطابق حیدر آباد کے سب سے بڑے تھیٹر 'ریویندر ساجداتی'
میں اسلام ایک مکمل مضابطہ حیات کے موضوع پر خطاب تھا۔ چونکہ اس پروگرام
میں مخصوص دعوت ناموں سے ہی شرکت ہو سکتی تھی اس لئے اجتماع عام کی سہی فضا تو نہیں
پیدا ہو سکی۔ سامعین کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی جن میں غیر مسلم ڈاکٹر بھی شامل
تھے۔ سوا گھنٹے کی تقریر کے بعد یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔ بعد میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا
کہ پہلی مرتبہ اس تھیٹر میں قرآن کی آیات کی تلاوت کی گئی ہے۔ اور اسلام کے موضوع پر
کوئی پروگرام ہوا ہے۔ دہن یہ تھیٹر تو رقص اور گانوں وغیرہ ایسے پروگراموں کیلئے
مخصوص ہے۔ اس پروگرام کی وجہ سے شہر حیدر آباد میں ایک خوشگوار فضا پیدا ہو گئی۔
نماز عصر اسلامک سنٹر میں پڑھی اور پھر مغرب تک لوگوں سے گفتگو کا وعدہ جاری رہا۔
— نارعدنا کے بعد آج پھر جامعہ انوار العلوم کے گراؤنڈ میں
جلسہ عام کا اہتمام تھا۔ آج درس قرآن کے لئے آبا جان نے سورۃ الشوریٰ کی آیات
۱ تا ۱۵ کا انتخاب فرمایا تھا۔ یہ خطاب بھی لگ بھگ سوا دو گھنٹے جاری رہا۔
سورۃ الشوریٰ کے الفاظ و آموزت و اصول و بنیہ کم کے حوالے سے 'قیام نظام
عدل اجتماعی' پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ رات سوا بارہ بجے واپس اپنے جائے قیام پر پہنچ
گئے۔ — ۱۱

۱۶ اپریل بروز سوموار | آج صبح کانشتہ (حیدر آبادی ناشتہ) جناب
حسن الدین صاحب کے یہاں تھا۔ جو مرکز
الاسلامی کے رکن ہیں۔ — موصوف خاصا عمرہ امریکہ میں بھی گزار چکے ہیں اور
دہاں بھی دینی سرگرمیوں میں زور و شور سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ ناشتہ کے بعد قیام

نیچے تو وہاں جماعت اسلامی کے سابق رکن جناب عبدالقادر صاحب آبا جان سے ملاقات
 لئے موجود تھے۔ دوپہر سو ابادہ بجے گھر سے روانہ ہوئے اس لئے کہ جامع مسجد
 جنگ میں آج ظہر سے قبل یعنی ساڑھے بارہ بجے درس قرآن کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام
 آبا جان نے سورۃ الحج کی آخری آیت کا درس دیا۔ درس کے فوراً بعد نماز ظہر ادا کی اور
 یہاں ہی موجود جناب معین صاحب کے گھر ظہرانے میں شریک ہوئے۔ دوپہر ساڑھے تین
 کے قریب واپسی ہوئی اور تھوڑے آرام کے بعد پھر تیار ہوئے۔ اس لئے کہ ”مدینہ
 یکل انسٹی ٹیوٹ“ میں نماز عصر کے فوراً بعد ”اسلام کا معاشی نظام“ کے موضوع پر خطاب
 مغرب تک تقریر جاری رہی۔ نماز مغرب کے بعد تھوڑا آرام کیا اور پھر جامع مسجد
 سو ابادہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جہاں حسب معمول نماز عشاء کے بعد خطاب تھا۔
 رات لقمان کے رکوع ثانی کا درس ہوا۔ یہ مسجد چار سو سال قدیم ہے یعنی مستلجم میں
 ہوئی تھی۔ اونچے اونچے محراب اور وسیع و عریض صحن۔ درمیان میں وضو کے لئے ایک محض
 برکے صحن میں اونچے اونچے کھجور کے درخت۔ رات ساڑھے نو بجے تقریر شروع
 اور سو اگیارہ بجے ختم ہوئی۔ دورانِ درس منتظمین میں سے ایک صاحب نے آبا جان
 پٹ بھیجی کہ لوگوں سے قریب قریب ہونے کی درخواست کی جائے۔ اس لئے کہ سامعین کی
 دہڑھ رہی ہے۔ آبا جان نے اس کام کے لئے دو تین منٹ کا وقفہ بھی دیا۔
 قریب ہونے میں سستی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس پر آبا جان نے برکت کہا۔ وہ
 بتا دئے جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔ میرے قریب حضرت داروغہ سے ملتے جلتے پرانے زمانے
 ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ ان کے آگے خالی جگہ موجود تھی لیکن وہ ٹیس سے مس نہیں
 ہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ ”حضور! ملاکر صاحب یہ آپ ہمارے
 شاد فرما رہے ہیں۔“ انہوں نے خاص نظروں سے راقم کی جانب دیکھا اور سامنے
 خالی جگہ پر کمر لی۔

اپریل بروز منگل | نماز فجر کے بعد حیدر آباد کی ایک بزرگ شخصیت جناب محمد
 احمد دسی صاحب سے ایک طویل نشست رہی۔ موصوف

ن قبل پاکستان تشریف لائے تھے۔ ایکڑی میں بھی چند دن قیام کیا تھا اور لاہور بھی میں ایک
 کے ایکسٹنٹ میں ان کی دونوں ٹانگیں کٹی جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں۔ اس موقع پر جس پر
 ہو آپ نے کیا وہ ہیں ہمیشہ یاد رہے گا۔ آج ناشتے کے لئے ہم قاری قطب الدین
 بک کے ہاں مدعو تھے جو مجلس اشاعت اسلام کے سیکرٹری ہیں۔ انہی رائٹس گاہ کے قریب ہی

انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا جو اسے۔ جہاں لگ بجگ ایک سوطالب علم پڑھتے ہیں۔ موصوف نے ہمیں اپنے مدرسے کی سیر بھی کرائی۔ دوران سیر موصوف نے ایک احاطے کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس آبادی کا "خیرستان" ہے۔ عام آدمی خیرستان سن کر بھی سمجھے گا کہ غالباً یہاں سے خیریں نثر ہوتی ہیں۔ دراصل حیدر آباد کے حفرات "قی" نہیں بول سکتے، اس کی بجائے "خ" بولتے ہیں۔ موصوف نے جو خیرستان کہا تھا وہ اصل میں خیرستان کہنا چاہتے تھے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد دہاں کے رفقاء کے اصرار پر "ہر روز دو دو جیکل ایڈر" کی سیر کی۔ واپسی پر "طوبیت المال" کو بھی دیکھا جس کے سربراہ جناب وزارت پاشا صاحب نے ہمیں اس بیت المال کے قیام کے پس منظر اور موجودہ طریق کار سے آگاہ کیا۔ نظر آنے کا اہتمام جناب حیدر محمد الدین خوری صاحب نے کیا تھا۔ دوپہر میں آرام کے بعد "اقبال اکیڈمی" کے لئے روانہ ہوئے جہاں عمر نامنوب "آبا جان کو خطاب کرنا تھا۔ دوران خطاب آبا جان نے اکیڈمی کے کام کو سراہا اور تجویز پیش کی کہ اس منہج پر اگر "قرآن اکیڈمی" کا قیام ہو تو اس کے قیام میں اللہ بہت سفید ثابت ہو گا۔ آج "مکہ مسجد" میں یمن روزہ خطاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو روزانہ نماز عشاء کے بعد ہوتے تھے۔ مکہ مسجد اندرون شہر واقع ہے اور حیدر آباد میں اس کا وہی مقام ہے جو لاہور میں "شاہی مسجد" کا۔ بہت وسیع و عریض صحن جس کے وسط میں بڑا ساقیاباب۔ اونچے اونچے دو مینار۔ مسجد کے ستون اور محراب کی دہلیز سا محفل بلند۔ خطاب کا عنوان تھا "حقیقت و اقسام شرک"۔ آج صرف شرک فی الذات اور شرک فی العقائد پر گفتگو ہوئی۔ آج کے اجتماع کی خاص بات یہ تھی کہ حیدر آباد میں گاندھی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے چیرمین شیشا چاری بھی ایلیج پر موجود تھے جو عقیدے کے لحاظ سے ہندو ہیں۔ انہوں نے بھولوں کا ایک بہت بھاری مارا آبا جان کو پہنایا۔ تمام تقریب سے غور سے سنی اور اس دوران نوٹس بھی لیتے رہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آج شرک فی الذات کا بیان تھا جس کے ضمن میں ہندو عقیدے کا ذکر بھی آیا۔ درس کے دوران راقم نے کئی بار ان کے چہرے کی جانب دیکھا کہ شاید یہ جو رنگ بگڑے ہوئے ہوں۔ لیکن شیشا چاری گھر واپس سے بے غرہ مرتن درس کی جانب متوجہ تھے اور درس کے نوٹس لے رہے تھے اگلے روز ڈاکٹر صاحب کے نام ان کا خط موصول ہوا جو تحسینی کلمات اور ڈاکٹر صاحب کی شان میں ایک قصیدہ پر مشتمل تھا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح اس پر دو گرام سے فارغ ہو کر رات ساڑھے بارہ بجے اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔!!

۱۸ اپریل بروز بدھ ۲۰۰۵ء صبح نماز فجر کے بعد "مجلس قرأت و تجوید" سے متعلق حضرات کے خصوصی و مختلف امور پر گفتگو جاری

ہی۔ ناشتہ ایک صاحب کے ہاں تھا جہاں امیر تبلیغی جماعت، آذھرا پر دیش، سے بھی ملاقات ہوئی۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر ادارہ ملیہ کے بانی مولانا جمیل احمد صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے مدرسے گئے۔ موصوف نے کل نماز فجر کے بعد ادارے کی مسجد میں آنا جان کا ایک پروگرام بھی طے کر لیا۔ واپسی پر حیدر آباد کے عجائب گھر، سالار جنگ میوزیم، کی سیر کی اور۔ چار مینار (ایک تاریخی مقام) سے ہوتے ہوئے واپس قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ نماز عصر جامع مسجد معظم پورہ میں ادا کی جہاں نماز کے بعد آنا جان نے مولانا محمد یونس صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اللہ نماز جنازہ سے قبل ایک مختصر سا خطاب بھی فرمایا۔ مجلس اشاعت اسلام کی جانب سے آج ایک دعوت کا اہتمام مرکز الاسلامی ہی میں تھا۔ نماز مغرب سے قبل لگ بھگ پون گھنٹہ اراکین مجلس اشاعت اسلام اور دیگر دعوتیین سے خطاب فرمایا۔ نماز عشاء کے بعد مکہ مسجد کے لئے روانہ ہوئے جہاں آج حقیقت شرک کے ضمن میں شرک فی العبادت کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔

19 اپریل بروز جمعرات | نماز فجر کے فوراً بعد مختصر سا ناشتہ کیا اور پروگرام کے مطابق ادارہ ملیہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ صبح ساڑھے چھ بجے خطاب

شروع ہوا اور سوا گھنٹہ بجے تک جاری رہا۔ عنوان تھا "ہماری دینی ذمہ داریاں"۔ جامعہ ملیہ سے واپسی پر ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ دوپہر کے آرام اور نماز عصر کے بعد مرکز الاسلامی کے تحت ایک اجتماع تھا۔ جس سے آنا جان نے خطاب فرمایا جو لگ بھگ سوا گھنٹہ جاری رہا۔ آج نماز عشاء کے بعد حیدر آباد میں آخری پروگرام تھا۔ مسجد کا محسن کچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ کم دیش بیس ہزار کا مجمع تھا۔ جن میں خاصی تعداد میں خواتین بھی شامل تھیں۔ "حقیقت و ماہیت ایمان" کے موضوع پر لگ بھگ ڈھائی گھنٹے کا خطاب ہوا۔ رات پون بجے واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ یاد رہے آج رات کا کھانا حیدر آباد کی مشہور و معروف اور متمول ترین لوگوں میں سے ایک شخصیت جناب ابراہیم مستطی صاحب کے ہاں تھا۔ موصوف کے والد ماجد کا تعلق عرب سے تھا اور والدہ حیدر آباد کی تھیں۔ کھانے میں 'مرق' نامی ایک عربی ڈش بھی تھی، جو انہوں نے بطور خاص تیار کروائی تھی۔ آج کی رات اس اعتبار سے بہت برکت کی حامل تھی کہ رات 'ڈھائی بجے' مرکز الاسلامی کی ہجرت پر کھلے آسمان تلے، گیارہ حضرات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صبح نماز فجر کے فوراً بعد مزید تین حضرات نے بیعت کی۔ اس طرح حیدر آباد میں کل ۱۴ حضرات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔

۲۰ اپریل بروز جمعہ المبارک | صبح ساڑھے پانچ بجے اٹروپٹ کے لئے روانہ ہوئے

ہوئی اور وہاں سے نو بجے ہم لوگ دہلی پہنچ گئے۔ اٹریوٹ پر جناب ڈاکٹر اقبال انصاری صاحب موجود تھے جو علیگڑھ یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات سے وابستہ ہیں۔ موصوف نے آبا جان کے علیگڑھ میں پر دگرام کی تشکیل کے سلسلے میں بہت محنت کی اور کسی نہ کسی طرح علیگڑھ کا خصوصی ویزا حاصل کر لیا۔ نماز جمعہ جامع مسجد دہلی کے قریب ہی چٹلی قبر کے علاقہ میں واقع مدرسہ حسین بخش میں ادا کی در معلوم ہوا یہ وہی مدرسہ ہے جہاں سالہا سال تک سبحان الہند مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو شرو تسنیم میں دہلی ہوئی زبان میں اجتماع جمعہ کو خطاب فرمایا کرتے تھے اور اسی مدرسہ کے ہتتم بھی تھے۔ ان کا قرآن حکیم کا درس بھی اسی مدرسہ میں ہوا کرتا تھا۔ مولانا اخلاقی حسین قاسمی صاحب اس مسجد کے خطیب ہیں۔ موصوف اکتوبر ۸۲ء میں سالانہ محافزات قرآنی میں شرکت کے لئے بطور خاص لاہور بھی آئے تھے۔ موصوف نے مسجد میں اعلان فرمادیا کہ خطاب جمعہ کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب ادا کریں گے۔ لہذا محنت و احکام جمعہ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی ریلوے اسٹیشن روانہ ہوئے۔ علیگڑھ کی گاڑی کپڑی۔ مغرب کے بعد علیگڑھ یونیورسٹی کے وسیع و عریض ہال 'کینیڈی ہال' میں 'اقامتِ دین اور اس کا طرین کار' کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔

۲۱ اپریل بروز ہفتہ | صبح کی ٹرین سے دہلی واپس آئے۔ آج شام مغرب کی نماز کے بعد مرکز الاسلامی 'دہلی' میں آبا جان کا ایک خطاب تھا۔ یاد رہے کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی رہائش بھی اسی مرکز میں ہے موصوف نے اپنے انتہائی قریبی دوستوں کو دعوت دی تھی۔ یہ خطاب بھی لگ بھگ دو گھنٹے جاری رہا۔ خطاب کا موضوع تھا "تاریخ امت مسلمہ اور اس کی بنی اسرائیل کی تائید سے مماثلت۔"

۲۲ اپریل بروز اتوار | ناشتے کے لئے ہم جماعت اسلامی ہند کے مرکز میں مدعو تھے۔ اس دورہ ہند کے ضمن میں آبا جان کا ایک شدید خواہش یہ بھی تھی کہ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب سے ملاقات ہو جائے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مرکز میں مولانا سے ملاقات ہو گئی اور آبا جان نے اپنی کتابوں کا ایک سیٹ ہدیہ ان کو دیا۔ 'جماعت اسلامی ہند' کی مجلس شوریٰ کا اجتماع دو دن سے جاری تھا۔ لہذا تمام ہندوستان سے جماعت کے امراء اور قلم اور ارکان شوریٰ جمع تھے۔ ناشتے سے قبل اور بعد میں بھی پاکستان میں اسلام کا مستقبل اور اس ضمن میں جماعت اسلام پاکستان کا کردار کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ واپس دہلی میں مقیم مولانا خاں

فریدی صاحب سے ملاقات کی ان کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ آج مات دہلی تشریف لائیں گے۔ اس پر آبا جان نے کھٹو کا کھٹ کیسل کر دیا۔ اس لئے کہ کھٹو صرف مولانا علی میاں (مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب) سے ملاقات کے لئے جاتا تھا۔ نماز عشاء کے بعد مولانا علی میاں سے ملاقات کی۔ موصوف کو کل اپنے کسی پردگرم کے سلسلے میں 'اردن' روانہ ہونا تھا۔ لہذا ان کے آرام کے پیش نظر ہم لوگ جلد ہی ان سے اجازت لے کر واپس آ گئے۔

۲۲ تا ۲۴ اپریل | یہ دن ہم نے دہلی میں ہی گزارے۔ دہلی کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے جگہ جگہ آپ کو مسلمانوں کی عظمت کے نشانات ملیں گے۔ مسلمانوں کی تعمیر شدہ مساجد، قلعے اور باغات اور لال قلعہ عرشہ پہاڑ نے تعمیر کیا جو فن تعمیر میں خصوصی مقام رکھتا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہند ہے جہاں مسلمانوں کے آٹھ سو سال انتہائی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی ہے۔ لیکن میں تجھ کو بتانا ہوں تقدیراً تم کیا ہے؟

ششستر و سناں اول طاؤس و بیابان آخر
کے مصداق شان و شوکت کا ذہ دور ختم ہوا اور اب مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں وہ انہیں اشمس ہیں۔ اب بھی مزدورت ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان نوجوانوں میں ان کے اسلاف کے حوالے سے جذبہ جہاد پیدا کیا جائے۔

کبھی اسے نوجوان مسلم بزرگ بھی کیا تو نے!!
وہ کیا گردوں تھا تو جس گہے اک ٹوٹا ہوتا تھا

دہلی کے مختلف حضرات سے ملاقاتیں کیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کے بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنا قائم کردہ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس شریز اور ہمدردیتہ کالج دکھایا اور بڑے تکلف چائے کے ساتھ تواضع کی۔ ان ہی کسے گاڑی میں 'ہمدردی' (پرانا دہلی) اور قطب مینار کی سیر بھی کی۔ قریب ہی واقع خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر حاضری دی۔ جی کے فرید ہیں خواجہ فرید الدین شکر گنج رح اور ان کے مرید ہیں حضرت نظام الدین اولیاء۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے ہاتھوں پر لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ۲۴ اپریل کو مغرب کی نماز کے بعد علی ایڈیٹی کے ہال میں آبا جان کی ایک تقریر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تھی۔ جس کا اہتمام 'ادارہ ہمدرد' نے کیا تھا۔

۲۵ اپریل بروز بدھ | صبح ناشتہ کے بعد مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب سے ملاقات کی غرض سے درگاہ شاہ رحیم الدین گئے

مدرسہ سے ملتی ہی ایک احاطہ ہے جہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے چاروں بیٹے یعنی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ علیہم مدفون ہیں۔ ان حضرات کی قبور پر حاضری دی۔ دل ان حضرات کی عظمت کے احساس سے معمور تھا۔ ذہن علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی جانب منتقل ہو جو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قبر پر حاضری کے بعد فرمایا تھا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

وہ خاک ہے زیر فلک مطلع انوار

وہ مہند میں سرمایہ ملت کا نگہاں

اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(اللَّهُمَّ تَوَدَّ مَرَقَدَهُمْ وَأَكْبَهُمْ مَنْزِلَهُمْ وَالْقِفْلُ بِالْمُصْلِحِينَ)

شام ۵ بجے کی پرواز سے ہم واپس لاہور پہنچ گئے الحمد للہ والہیت

حیدرآباد میں جناب عبداللہ صدیقی صاحب، جناب حیدر غوری صاحب

جناب قطب الدین صاحب، جناب قاری عبدالعلیم صاحب، جناب شفیع بھائی،

اور جناب قاری تقی الدین صاحب نے جس طرح ہمارے آرام کا خیال رکھا۔ اس لئے

ان حضرات کے حق میں دلی دعا نکلتی ہے اور مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ

اللہ (جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا)۔

مصدق ہم ان حضرات کا زبانی شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ اور دہلی میں جناب وحید اللہ

خاں صاحب ان کے صاحب زادے ثانی الثمین اور جناب نور الدین آزاد صاحب

بھی انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے دہلی میں ہمیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہونے

آخر میں قارئین میثاق سے عرض کر دل گاکہ وہ دعا فرمائیں کہ ہندوستان

ان پندرہ دنوں کے دوران جو محنت کی گئی ہے۔ اللہ اس کو قبول فرمائے اور اس

کو لوگوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین !!



عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لَخِيهِ مَا
 يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت
 تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
 بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جیسے وہ اپنے
 لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

مپل روڈ سولہ بازار

۲۰۱۱۲۲۰ — ۲۰۱۲۲۲ — ۶۲۲۲۲ — ۵۶۲۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

وَأَنْزَلْنَا الْحَائِلَ
فِي جَانِبِ شَاكِلٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ

(الحمد: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اُتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز: ۱۰

۳۲۔ ایسپرس روڈ۔ لاہور

THE ORIGINAL



paragon 6

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریبلو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیکس کارمنش : بیڈ شیٹس
کائٹن کلاٹھ : کائٹن کارمنش : اہرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فنر نیچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سٹیکر فلم : سوچ سٹارٹ
اربرٹ مینکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I فلو غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہرہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد -

ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممتاز ادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

بزمی انجمن خدام القرآن - لاہور
تے چھٹے مسکالانہ

عاضراتِ قرآنی
میں
ڈاکٹر اسرار احمد
کے دو فکر انگیز خطابات

(۱)

جہاد بالقرآن

زیر طباعت ہے۔

(۲)

اسلامی انقلاب
کیلئے
متزائم جماعت
اور
مسئلہ بیعت

پُر تکمیل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز
۶ جولائی کے وسط میں منقہ شہر دہلی
آجائے گا۔

ایگل
ایک عالمگیر قلم

خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
ایڈیٹیم ٹیڈنٹ
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب

آزاد فریڈ رائیڈ کینی میٹ



Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
is our profession

IZHAR LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Constructors and leaders of



Mukhtarssons
group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

انفار لمیٹڈ

and the best for Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan



وقت کے اہم، نازک اور زیر بحث موضوع

اسلام

میں
عورت کا مقام

ڈاکٹر اسرار احمد

کامل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔
جس میں اس خطاب کے علاوہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ”نقوش اقبال“ سے ماخوذ

عورت اقبال کے کلام میں

نہیں اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا مہنامہ ”آجکل“ کراچی میں
شائع شدہ انٹرویو اور روزنامہ جنگ لاہور میں بتائیت بھی شامل ہیں

عمدہ آفٹ پیپر۔ اعلیٰ طباعت۔ صفحات ۱۲۰

قیمت — فی نسخہ دس روپے (علاوہ محمولہ ڈاک)

(چلنے کا پتہ)

- (۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - ۳۶، کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
(۲) مکتبہ تنظیم اسلامی - نمبر داؤد منڈل نزد آرام باغ کراچی

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں ایک مزید اہم اضافہ

معراج النبی

جلالہ علیہ السلام فی اللیلۃ البیضاء واللیلیۃ السیئۃ

۷۲ موضوع پر

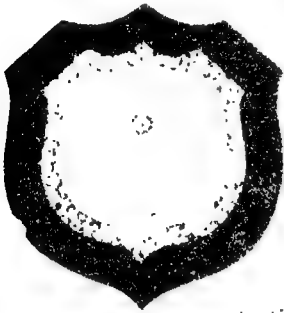
ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک اہم خطاب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
جس میں موصوف نے اس معجز العقل واقعہ کو قرآن مجید اور
امادیت شریف نیز عقلی استدلال سے واضح و مبہن کیا ہے

عہدہ آفٹ پیر - اعلیٰ طباعت - صفحات ۴۰
قیمت — فی نسخہ تین روپے — (علاوہ محمولہ ڈاک،
ٹپنے لاپتہ)

(۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور - ۱۴
(۲) مکتبہ تنظیم اسلامی ۱۱ داؤد سنڈل نزد آرام باغ کراچی ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



الحمد لله ایک اور اعزاز

ایک ایسی کامیابی جو ہر انسان کے لیے ہے۔ جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔
جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔ جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔

بہترین برآمدی کارکردگی کی طرف

جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔ جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔

اس میں ایک نیا راستہ بنا سکے۔ جس سے وہ اپنے لیے ایک نیا راستہ بنا سکے۔

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سٹریٹیجی



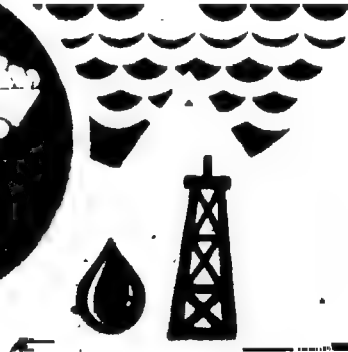
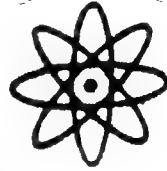
44543 NOOR PK

25480 NOOR PK

قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل خراب ہو رہے ہیں ہم توانائی کے ضیاع کو متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



معیشت کو توانائی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ گیس ایک اہم ترین توانائی کا ذریعہ ہے۔ اس کا ضیاع ہمارے مستقبل کے لیے خطرناک ہے۔ اس لیے ہمیں گیس کا صحیح استعمال کرنا چاہیے اور اس کے ضیاع کو روکنا چاہیے۔

قدرتی گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

سو فیصد نادر درجے کی گیس پانچپانچ لاکھ لیٹر فی گھنٹہ



وَقَدْ اخْتَرْتُمْ لَكُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكُمْ

مِثَاقِ

16/7/54



مقام مسئول

حاکم کتابخانہ

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلام آباد

۳۶ - کے مارڈ ٹاؤن - لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS.*



HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE
TELEPHONE 870512 880731

بشائر

جلد ۳۳ شمارہ ۷۰ شوال المکرم ۱۴۰۴ھ مطابق جولائی ۱۹۸۴ء

مشمولات

۳ عرض احوال ————— جمیل الرحمن

۹ الھدیٰ (سولہویں نشست) ————— ڈاکٹر اسرار احمد

۲۱ توحید علی اور فطرتِ اقامت دین (۶) ————— ڈاکٹر اسرار احمد

۳۷ غیبت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ————— شبیر احمد

۴۹ درس حدیث ————— ڈاکٹر عبد الباقی السبع

۵۷ عورت اور اسلامی معاشرہ ————— احمد افضل

۷۹ اسلام میں عملی زندگی (۲) ————— محمد تقی عثمانی

۱۵ رفتار کار ————— محمد رفیع عثمانی

ادارہ تحفہ

سینچ منیر الرحمن
عزیز علی بک سید

سالانہ ذریعہ
۳۰ روپے
قیمت شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

صحت چھپڑ شائع ہمارے جرنل لاہور

۱۹۸۴ء
۱۹۸۴ء
۱۹۸۴ء

ضمت ۸۵۲۶۱۱۱

سب آئیں : ۱۱ داؤد منگل
زود آرام باغ، شاہراہ قیام آباد

کراچی فون پلٹے ۲۱۴۷۰۹



عرسہ اہل حق

بفضلہ تعالیٰ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ مطابق جولائی ۱۹۸۲ء کا شمارہ ہریہ قارئین ہے، اسال تقریباً پورا ایک گھنٹی کی جس شدید لہر کی زد میں آیا ہوا ہے، اس کا اندازہ ہمارے قارئین کرام کو بخوبی ہو گا۔ اس پر مستزاد اس شدید ترین موسم گرما میں رمضان المبارک کے روزے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرم ہو کہ اس شدت کے اکثر و بیشتر مضامین مئی ۸۳ ہی میں کتابت کے مراحل سے گزر چکے تھے۔ اسی باعث ہم اس قابل ہوئے کہ پرمیٹا ہفتہ وقت پر منفعہ شہود پر آجائے گا۔

بحمد اللہ و عونہ تنظیم اسلامی کا نوں سالانہ اجتماع ۲۵ مئی کو شروع ہو کر ۳۰ مئی کو اختتام پذیر ہوا۔ (سابقہ شمارے میں غلطی سے اس اجتماع کو آٹھواں سالانہ اجتماع لکھا گیا تھا۔ حالانکہ یہ نوں سالانہ اجتماع تھا) اس گرمی کے شدید موسم میں کراچی سے لے کر پشاور تک جہاں جہاں بھی مقامی تنظیمیں ماسرہ جات اور منفرد رفقاء ہائش پذیر ہیں وہاں سے رفقاء کی اکثریت نے اس اجتماع میں شرکت کی۔ جی کا گو (شالی امریکہ) سے بھی جناب ڈاکٹر محمد افضل فردوسی صاحب نے اس اجتماع میں شرکت کی۔ موصوف صرف اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ رفقاء کے علاوہ متعدد حضرات بحیثیت مبصر اس اجتماع میں شرکت ہوئے جن میں سے چودہ افراد امیر مخرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے۔

اس اجتماع میں مرکزی تنظیم کی سالانہ رپورٹ کے ساتھ ساتھ مختلف مقامی تنظیموں کے امراء کی جانب سے اپنے اپنے ملاقوں میں تنظیم کے دھوکے و تبلیغی کاموں اور سرگرمیوں کی پلورہ

بخش ہوئی۔ مزید برس امریکہ اور کینیڈا کی قسطنطینوں اور بیرون ملک جہاں جہاں عظیم کے مفرد
 موجود ہیں، ان کی سرگرمیوں کی رپورٹ بھی پیش ہوئی۔ اس اجتماع کی اہم ترین
 وصیت یہ تھی کہ یہ محض تنظیم کی سال بھر کی کارگزاریوں اور سرگرمیوں کی رپورٹوں اور مضامین
 رپورٹوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ اس کی نوعیت ترقیاتی اجتماع کی بھی تھی چنانچہ پانچ
 جنگ امیر محترم نے دروس قرآن حکیم اور لکچرز کے ذریعہ تنظیم کی دعوت کے اصول و مبادی،
 ان کی خصوصیات اور ان امور پر جو دوسری دینی جماعتوں کے مقابلے میں تنظیم اسلامی کے
 لیے مابالامتیا ہیں، بڑے شرح و بسط اور مستحکم استدلال کے ساتھ روشنی ڈالی ساتھ ہی
 قرآن حکیم کے مختلف مقامات کے حوالے سے وہ اوصاف بھی بیان فرمائے جو اس حیثیت
 بقامیہ کے رفقاء میں مطلوب ہیں جو وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ
 بِالْعُرْوَةِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ كَذَلِكَ هِيَ صَفْوَةُ السَّامِعِينَ
 صرف اور صرف آخرت میں رخصتے الہی کا حصول اور آخری نجات و خلاص ہو۔۔۔۔۔
 رقم کا عطا نامہ ہے کہ اس سالانہ اجتماع میں امیر محترم نے روزانہ تقریباً چھ سات
 مختلف مختلف موضوعات کے ذیل میں خطاب فرمایا۔ سوائے کے جوابات دیے،
 شکالات کو رفع کیا۔ پھر تنظیم کی پیش کردہ رپورٹوں پر تبصرہ فرمایا اور مفید مشورے دیے۔ واقعہ
 یہ ہے کہ امیر محترم جس طرح اپنی زندگی اور صحت جیسی متاع عزیزہ کو اللہ کے دین کی سرفرازی
 کے لیے لگا رہے ہیں، اس میں رفقاء کے لیے ایک اہم سبق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 امیر محترم کی ان مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آخرت میں ان کو اجر عظیم سے نوازے
 امیر محترم نے اس مقصد کے لیے قرآن حکیم کے جن مقامات کا انتخاب فرمایا تھا، ان شاء اللہ
 اس پر مشغل جلد ہی دوسرا منتخب نصاب مرتب ہو کر شائع ہو جائے گا نیز کوشش ہو
 گی کہ ان دنوں کو ٹیپ سے منتقل کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ وَصَّادُ الْبَلَدِ
 عَلَى اللَّهِ بِعَزِّ ذِيهِ

اس اجتماع میں تین دن تک نماز فجر سے پہلے امیر محترم نے ان سورتوں کے مطالب
 و مضامین بھی اختصار سے بیان کیے جن کی اس روز نماز فجر کی دونوں رکعات میں قرات
 ہوئی تھی۔ مزید برآں تین دن تک نماز فجر کے بعد جناب ڈاکٹر تقی الدین صاحب
 پٹی ایچ ڈی اور فارغ التحصیل وہ بن نظامی (نائب امیر تنظیم اسلامی برائے سندھ) نے

ایک گھنٹہ تک درس حدیث دیا جس کا موضوع یہ تھا کہ جو میثیت اجتماعیہ عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کے لیے قائم ہوئی ہو، اس کے نفاذ کو تعلق مع اللہ کے لیے ان مسنونہ اذکار و اواراد کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سابقہ شمارے میں اس ارادے کا اظہار کیا گیا تھا کہ امیر محترم نے مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام چھٹے محاضرات قرآنی میں ”جہاد بالقرآن“ اور ”اسلامی انقلاب کے لیے التزام جماعت اور مسئلہ بیعت“ پر جو دو تقاریر کی تھیں، ان کو نويس سالانہ اجتماع تک شائع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بحمد اللہ اب یہی ہی میں دونوں تقاریر کو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر لیا گیا تھا۔ لیکن انسان کے چاہے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے چنانچہ ایک خوش نویس صاحب اپنی چند ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے جہاد بالقرآن والی تقریر کی کتابت کا کام وقت پر مکمل نہ کر سکے حالانکہ ان کو ڈیڑھ ماہ کا وقت دیا گیا تھا۔ بہر حال انشاء اللہ یہ دونوں تقاریر اب جولائی کے اواخر یا اگست کے اوائل میں شائع ہو جائیں گی۔ الحمد للہ امیر محترم کے دو خطابات پر مشتمل ایک ”اسلام میں عظمت کا مقام“ اور دوسرے ”دینی فرائض کا جامع تصور“ تنظیم اسلامی کے نويس سالانہ اجتماع کے اختتام سے قبل ہی منصفہ شہود پر آگئی تھیں۔ امیر محترم کے یہ دونوں خطابات نہایت اہم ہیں۔ بالخصوص پہلا خطاب وقت کے اہم اور نازک ترین مسئلہ یعنی ”اسلام میں عورت کا مقام“ پر کتاب و سنت کی روشنی میں نہایت مدلل بحث کی گئی ہے۔ ہم قارئین و شائق کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان دونوں کا بالاسمعیلاب مطالعہ فرمائیں اور اگر ان کا دل گواہی دے کہ ان میں حق بات کہی گئی ہے تو ان کو اپنے حلقہ تعارف و اثر میں پھیلائیں انشاء اللہ ان کا یہ تعاون، تعاون علی البر شہاد ہوگا۔

جیسا کہ پیشاق کے قارئین کو علم ہو گا کہ ۱۹۷۹ء سے ہر سال امیر محترم کا شمالی امریکہ کے لیے دعوتی دورہ ہوتا رہا ہے۔ ۸۳ء میں تو یہ دورہ دوسرے ہوا۔ ایک جولائی میں اور دوسرا دسمبر میں۔ برصغیر پاک و ہند کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات شمالی امریکہ میں مقیم ہیں۔ یہ کہنا ہے جائز ہو گا کہ برصغیر کے Talent کا کثیر حصہ شمالی امریکہ میں مقیم ہے چنانچہ

ان تک تنظیم اسلامی کی دعوت پہنچانا انشاء اللہ مستقبل قریب میں پاکستان میں توسیع و استحکام دعوت کے لیے انتہائی مفید ہوگی۔ چونکہ ان میں سے متعدد حضرات جلد ہی مراجعت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان دوروں کے نتیجہ میں بحمد اللہ شکاگو (امریکہ) اور ٹورنٹو (کناڈا) میں تنظیم اسلامی قائم ہو چکی ہے اور رفقاء میں ایسے تعلیم یافتہ حضرات کی ابھی خاصی تعداد ہے۔ جو مختلف علوم و فنون میں بی ایچ ڈی ہیں۔ بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے کئی ضلعیں میں بی ایچ ڈی کر رکھا ہے۔ مزید براں امریکہ اور کناڈا کے چند دوسرے شہروں میں بھی دعوت کا بیج پڑ چکا ہے اور مختلف مقامات سے لوگ منفرد طور پر تنظیم اسلامی سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ اس جہود و یرت زندہ دہ میں انتہائی تعلیم یافتہ افراد کا سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کے لیے بیعت کے نظام کو قبول کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت و تحقیقت خالصتہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے۔

اس سال امیر محترم ۷ جولائی کو سال رواں کے لیے پھر شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس دورے میں ہمارے رفیق ڈاکٹر عبد السمیع صاحب فیلو قرآن اکیڈمی انشاء اللہ امیر محترم کے ہمراہ ہوں گے۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے یہ عبادت عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے نہ صرف دعوت کے تمام اصول و مبادی کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ بلکہ امیر محترم کے دروس و خطابات کو اپنے ذہن و قلب میں اچھی طرح جذب کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطابت کے وصف سے بھی نوازا ہے۔ اس وقت تک ڈاکٹر سمیع صاحب دروس قرآن اور خطاب کے لحاظ سے صف دوم میں سب سے ممتاز شخصیت ہیں۔ امیر محترم کا ارادہ ہے کہ ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کو کچھ عرصہ کے لیے شکاگو کے مرکز کے لیے وقف کر دیا جائے۔ تاکہ موصوف اس مرکز میں مستقل طور پر بیٹھ کر ایک طرف دعوت قبول کرنے والوں کی تربیت اور تنظیمی اعتبار سے استحکام کی کوشش کریں تو دوسری طرف امریکہ کے مختلف شہروں میں مقیم برصغیر پاک و ہند کے لوگوں میں توسیع دعوت کے لیے بھی سعی و جہد کر سکیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کو استقامت عطا فرمائے، ان کی مساعی کو شکور فرمائے اور ان سب کو ان کے لیے توشہٴ آخرت بنادے۔

عزیز ڈاکٹر امجد احمد صاحب ایتھنٹیم اسلامی ۵ مئی ۱۹۸۸ء کو عمرہ ادا کرنے کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے۔ اس مبارک سفر میں ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ اور ان کے منجیلے بیٹے حافظہ عارف سعید ان کے ہمراہ تھے۔ ایتھنٹیم کا سفر ۱۱ دنوں پر محیط تھا۔ اس دورے میں موصوف کو وزٹ دینے (Visit Visa) کی سہولت حاصل تھی جس کے باعث آپ کے لئے یکن جوڑ کا کر آپ حیدرہ، انکہ اور مدینہ کے علاوہ سعودی عرب کے دیگر شہروں کا بھی دورہ کر سکیں۔ چنانچہ ۶ مئی کو عمرہ ادا کرنے کے بعد امیر محترم ایک روز کے لئے ڈاکٹر شجاعت برنی کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے۔ سعودی عرب میں چونکہ حکومت کی جانب سے حادثہ پابندیوں کے باعث کوئی کھلا (Open) اجتماع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ڈاکٹر برنی صاحب نے ایک صاحب کے مکان پر اجتماع کا اہتمام کیا تھا۔ جہاں ایک Selected Gathering سے ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ ۱۰ مئی کو ایتھنٹیم حیدرہ تشریف لے گئے تھے جہاں احباب نے ایک اجتماع کا اہتمام کیا تھا۔ یہ اجتماع رفیق فطیم اسلامی فیض اللہ خاں صاحب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا جہاں ہم کے لگ بھگ افراد موجود تھے۔ امیر محترم نے ہماری دینی ذمہ داریاں کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ حیدرہ سے بذریعہ ہوائی جہاز ڈاکٹر صاحب ریاض تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر برنی آپ کے شریک سفر تھے۔ وہاں دو مقامات پر خطاب کا موقع ہوا۔ جہاں سامعین کی بھی خاصی تعداد اجتماعات میں شریک ہوئی۔ یہاں سے ایتھنٹیم دہران تشریف لے گئے۔ انٹرویوٹ پر پرائم انٹرسٹریک کے شہباز چودھری صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا قیام دم میں رہا۔ یہاں دو میسرور پر دو گرام ہوئے۔ پہلا پر دو گرام چرڈیم یونیورسٹی دہران میں ہوا۔ جہاں ایک حمد و اجتماع سے امیر محترم نے خطاب فرمایا۔ بعد ازاں ایک پر دو گرام پاکستان کمیونٹی سکول میں ہوا کھول کے گھٹان جناب عباس حسین ملک صاحب نے بڑے پیمانے پر اجتماع کا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ سکول کے احاطے میں تقریباً دو ہزار افراد کے ایک بحریرہ اجتماع سے ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ سعودی عرب کے مخصوص حالات کے اعتبار سے یہ ایک بہت بڑا اجتماع تھا۔ دہران سے ڈاکٹر صاحب ریاض تشریف لائے اور وہاں سے بذریعہ کار مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس طویل سفر میں رفیق فطیم جناب محمد رفیق صاحب ان کے ”رفیق“ تھے۔ راستے میں بریدہ میں چند گھنٹے قیام کیا جہاں ذہیر محمد علی صاحب سے ملاقات رہی۔ ذہیر محمد صاحب نے موقع کو فہیمت جانے ہوئے کچھ احباب کو جمع کر لیا اور ایک اجتماع کی صورت بن گئی۔ مدینہ منورہ میں دو دن قیام رہا اور تیسرے دن یعنی ۱۷ مئی کو حیدرہ واپس ہوئی۔ وہاں شام کو پھر ایک اجتماع سے خطاب تھا۔ یہاں موضوع تھا ”جماعت کی حریت اور نظام بعیت“۔ یہاں لگ بھگ ۱۶ افراد کا اجتماع میں شریک تھے۔ اگلے روز جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر حضرت برنی کی معیت میں مسجد حرام تشریف لے گئے اور اگلے روز ۱۹ مئی کو رات ۸ کی فلائٹ سے کراچی کے لئے حرم سفر ہوئے۔ اس طرح دو ہفتوں پر محیط بحریرہ پر دو گرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

رمضان المبارک صحت، مغفرت اور اتق من النار کا مہینہ ہے۔ یہ شہر المعبر ہے۔ اس مبارک مہینے میں ہر سال قرآن الکریم میں قرآنی علوم و فرقان کی پکڑ ہوتی ہے۔ اس سال میں ہمارے ۲۲ رمضان المبارک تک کی رواد اور اقام کے رفیق کارمیاں حافظ عارف سعید تکر کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔
(جمیلہ الرحمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رمضان اور قرآن کا جو باہمی تعلق ہے دینی ذوق رکھنے والے حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ عزم والہ صاحب امتیاز عظیم اسلامی رمضان المبارک سے متعلق اپنی تقاریر میں اس نکتے پر خاص زور دیا کرتے ہیں کہ دیگر تمام مہینوں پر رمضان المبارک کو جو فضیلت حاصل ہے وہ حقیقت قرآن کی وجہ سے ہے کہ یہ نازل قرآن کا مہینہ ہے۔ شَعْرُ رَوْحَانَ الْكَذِّبَى اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ۔ اور اس مبارک مہینے کی رات میں قیام اہل یا تراویح کا جو نظام دین میں قائم ہے یہ دراصل قرآن حکیم کے ساتھ تجدید تعلق کا ایک پروگرام ہے۔ لہذا اس ماہ کے دوران اس بات کا بھرپور اہتمام کیا جانا چاہیے کہ قرآن حکیم کے ساتھ ہمارا تعلق صحیح خطوط پر استوار ہو اور ہم زبان سے زیادہ وقت اس قرآن کو سننے اور اس کے مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش میں صرف کریں۔ جامع القرآن، قرآن الکریم میں یوں تو ہر سال ہی تراویح کے ذیل میں خصوصی پروگرام قریب دیا جاتا رہا ہے لیکن اس سال دورہ ترجمہ قرآن کا جو پروگرام یہاں چل رہا ہے وہ ایک منفرد شان کا حامل ہے اور غالباً اپنے طرز کی پہلی کامیاب کوشش ہے۔ نماز تراویح کی ہر چار رکعتوں سے قبل ان میں بڑھی جسنے والی آیات کا ترجمہ مستمراً صاحب بیان کرتے ہیں اور جہاں فہرست موسس ہوتی ہے ربط آیات کی جانب بھی اشارہ فرمادیتے ہیں۔ اس طرح کل پانچ مرحلوں (Sessions) میں تراویح کا پروگرام مکمل ہوتا ہے۔ ہر چار رکعتوں اور اس سے قبل ترجمے کے بیان میں ادسٹا ۵۵/۵۰ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر چار سے ساڑھے چار گھنٹوں کے مابین یہ پروگرام مکمل ہوتا ہے۔ رات ۹ بجے مشاد کی جماعت کھڑی ہوتی ہے اور صبح ۲ بجے بیسٹاپہ انتظام کو پہنچتا ہے۔ اور چونکہ اس کے فوراً بعد صبحی کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ اس طرح گویا تمام رات نماز تراویح اور دورہ ترجمہ قرآن کے پروگرام میں گزرتی ہے۔

۱۔ حافظہ فرمائیے ذکر صاحب کا تقریریں حقیقت موم

پروگرام کی طوالت اور موسم کی شدت کے پیش نظر ابتداء خیال یہ تھا کہ یہ پروگرام بہت کٹھن ہو جائے گا اور اس میں شرکاء کی تعداد بہت کم رہے گی۔ لیکن یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے اس بظاہر کٹھن پروگرام کو شرکاء کے لئے بہت آسان بنادیا اور ان کا عام تاثر یہ ہے کہ یہ پروگرام اتنا مفید اور کثیر شے ہے کہ پوری رات جاگنے کے باوجود کسی مرتلے پر بھی بوریٹ یا گرانی کا احساس نہیں ہوتا اور یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور اس کے کلام کی برکت کا مظہر ہے۔

اس ماہ مبارک کے آغاز میں مذکورہ بالا پروگرام میں شرکاء کی تعداد تقریباً دو صد تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہدیہ شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اب آخری عشرے کے آغاز سے یہ تعداد ساڑھے تین صد سے متجاوز ہو چکی ہے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ



حاصلاتِ اہم قرآن مجیم متوجہ ہوں

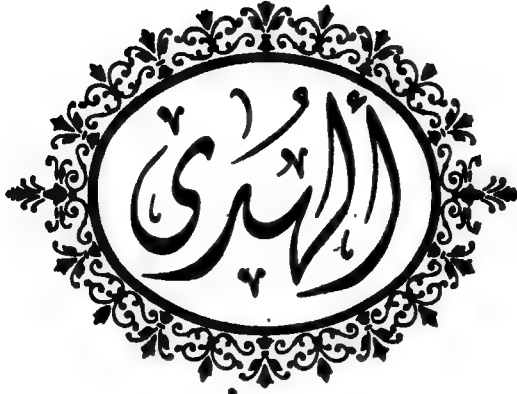
دورۂ ترجمہ قرآن کے کیسٹ

موجودہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

ہر چار رکعتوں سے قبل اُن میں پڑھے جانے والے حصہ قرآن کا ترجمہ اور آیات اور سورتوں کا بابی ربط بیان فرمایا ہے۔ جسے کیسٹوں میں محفوظ کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ پورے قرآن حکیم کا یہ ترجمہ ۹۰-۱۰۰ سی کے ۵۵ کیسٹوں میں مکمل ہوگا۔ خواہشمند حضرات اپنے آرڈر جلد بک کرائیں۔

نشر القرآن کیسٹ سی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور



(سولہویں نشست)

اُولو الالباب کے ایمان کی کیفیت
سورۃ آل عمران کے آخری رکوع
آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کے روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

تے ٹیلیویشن کے دروس کا سلسلہ

(۳)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علی رسولہ الکریم اما بعد
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
رَبَّنَا اَنْتَا سَمِعْنَا مَنَادًا يَّائِيْتَاوَعْدُ لِلْاِيْمَانِ اَنْتَ اَمِنُوْا
بِرَبِّكُمْ فَاَمَّا نَا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ
عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاتِنَا مَا
وَعَدْنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ
لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِيْعُ

عَمِلَ عَامِلٌ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرِ أَوْ أَتَىٰءَ يَفْعَلُكُمْ
 مِّنْ بَعْضِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ هَٰذَا جُرْءَاؤُا خِرَاجُ امِث
 وَيَا رِهْدَ وَاوْدُ وَاِنِّي سَمِيعٌ وَّقَلُو اَوْفَعَالَا كَقَرَنَ
 عَنْهُمْ مَّكَاتَرُهُمْ وَلَا وَخَلَتْهُمْ جَحَّتْ جَحْرِي مِث
 تَحْتَهَا اَلْوَنُفُجْ شَوَابَا مِّنْ هِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ
 حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (صدق الله العظيم)

حاضرین کرام اور محترم ناظرین !

یہ اس سلسلہ دروس کے پانچویں درس کا نصف ثانی ہے جو سورہ آل عمران کی آیات ۱۹۳، ۱۹۴ اور ۱۹۵ پر مشتمل ہے۔ ان سے پہلے کی آیات پر ہم نے گذشتہ نشست میں جو قدرے تفصیل گفتگو کی تھی، ایک محقق و مفسر اور مفکر کے قول کے مطابق اس کا حاصل ہے ایمان عقلی۔ یعنی ایک سلیم الفطرت انسان اپنی عقل کی رہنمائی میں جب ذہنی و فکری سفر طے کرتا ہے تو کتاب فطرت کے مطابق اور مظاہر فطرت کے مشاہدے اور اپنے عقل و تفکر سے وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک خود پہنچ جاتا ہے۔ اب ان آیات میں جو ہم آج پڑھ رہے ہیں ایمان سمعی کا ذکر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی عقل کے سفر کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ چکے ہوتے ہیں جس کا ابھی ذکر ہوا۔ تو ان کے کانوں میں جب کسی نبی کی دعوت پہنچتی ہے جو ان ہی امور پر مشتمل ہوتی ہے کہ مانو اس حقیقت کو کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک ہے وہ علیٰ کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے وہ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہے۔ وہ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ہے۔ مانو اس بات کی زندگی صرف اس دنیا کی زندگی نہیں ہے اور موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں ہے بلکہ موت زندگی کا ایک وقفہ ہے یعنی آگے برہیں گے دم لے کر۔ اصل زندگی کا سفر موت کے بعد شروع ہوتا ہے: وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَا نٌ لَّکُمْ لَئِیَّ تَعْلَمُونَ ط۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے کاش کہ انہیں معلوم ہو۔

پر مشتمل جب کسی نبی کی دعوت ان اذلالہا کے سامنے آتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ پھر ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کی دعوت پر دالہانہ لپک کہتے ہیں۔ ان کی تصدیق کرتے ہیں بالکل اس کیفیت کے ساتھ جو اس شعر میں ہے کہ
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
 میں نے یہ جاننا گویا یہ بھی شیر دل میں ہے

ان کے اس موقع پر جو احساسات اور جذبات ہوتے ہیں انہیں الفاظ کا جامہ پہنا کر ان آیات الہیہ میں دعا کی صورت میں ہمارے سامنے دکھا گیا۔ ذرا ترجمہ کو ایک مرتبہ پھر ذہن میں تازہ کر لیں :-

”اے رب ہمارے! ہم نے سنا ایک پکانے والے کی پکار کو کہ وہ ایمان کی صدا لگا رہا ہے، ایمان کی منادی کر رہا ہے کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لے آئے۔ تو اے ہمارے رب! ہماری اب تک کی زندگی کی جو خطائیں ہیں، غفلت کی جو زندگی اب تک گزری ہے، اس میں جو گناہ اب تک ہم سے سرزد ہوئے ہیں، ان کو معاف فرما دے اور اگر ہمارے دامن کو مار پر کوئی دھبہ اور داغ ہیں تو انہیں تو اپنے فضل و کرم سے دھو ڈال : وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا۔ اور جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں جب تو ہمیں وفات دے تو اپنے نیکو کار بندوں کی معیت میں عطا فرما۔ انہیں ہمیں شامل فرما : وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ پھر اے رب ہمارے! ہمیں وہ سب کچھ عطا کیجیو جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسول کے توسط اور وسالت سے کیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو یقیناً تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں ہے“

یہ بڑی عظیم دعا ہے اور عجیب حسن اتفاق ہے کہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں جو بہت امور مشابہت کے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے سورہ بقرہ کے اختتام پر بھی ایک عظیم دعا آتی ہے :- رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ لَيْسَ بِاِثْمِنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (الہٰی اخیر السورہ)۔ اسی طرح یہ عظیم دعا ہے جو سورہ آل عمران کے آخری رکوع

میں وارد ہوتی ہے -

اب جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم دینی اصطلاح میں ”مصدقین“ کہتے ہیں۔ جو نبی کی دعوت کو قبول کرنے میں پیش قدمی کرتے ہیں، کوئی توقف نہیں کرتے۔ انہیں اس بارے میں کوئی اشتباہ لاحق نہیں ہوتا۔ وہ کوئی اعتراض وارد نہیں کرتے۔ وہ کوئی جرح نہیں کرتے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ آپ ہم کو یہ دعوت دینے والے کون ہوتے ہیں!۔ بلکہ ان کے قلوب کی کیفیت وہ ہوتی ہے کہ جیسے کوئی نمازی وضو کر کے نماز کے لئے تیار بیٹھا ہو اور صرف انتظار کر رہا ہو کہ اذان کی آواز جیسے ہی کان میں آئے وہ فوراً مسجد کا رخ کرے۔ یہی کیفیت صدیقین کی ہوتی ہے جن کی فطرتیں صالح ہوتی ہیں۔ جن کی عقل سلیم ہوتی ہے جو خود غور و فکر کے نتیجے میں ان نتائج کے اس پاس پہنچ چکے ہوتے ہیں کہ جن کی دعوت دہی کے ذریعہ سے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتی ہے۔ پھر وہ اس دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان صدیقین کو اس دعوت کو قبول کرنے میں کوئی تذبذب، تاثر اور تردد نہیں ہوتا جو محض یہ تو خود ان کی اپنی فطرت کی پکار ہوتی ہے۔ یہ تو ان کے باطن کے مضمر حقائق ہوتے ہیں جو نبی کے قلب پر وحی کا جامہ پہن کر وارد ہوتے ہیں اور اب نبی کی زبان سے ان کے کانوں میں پڑ رہے ہیں۔ لہذا ان کی جو شانِ تصدیق ہے، وہ جس کیفیت کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، اس میں ایک والہانہ انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جس کے سامنے بھی دعوت رکھی اس نے تھوڑی دیر کے لئے ضرور کچھ توقف کیا۔ سوائے ابو بکرؓ کے کہ انہوں نے ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر فوراً میری تصدیق کر دی۔ اب آپ خود سوچئے کہ ایسا کیوں ہوا! معلوم ہوا کہ ان کے قلب و ذہن کے اندر یہ کیفیات پہلے سے موجود تھیں لہذا ان کو ان حقائق کے درک کا شعور اور پہچاننے میں کوئی وقفہ نہیں ہوتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ واقعہ معراج کی تصدیق کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ کو بارگاہِ نبوت و رسالت سے ”مدیق“ کا لقب اور خطاب ملا تھا۔ اور پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اکبر ہیں رضی اللہ

تعالے عنہ وارضاه۔ انبیاء کرام کے بعد اُن جنابِ صدیقیت کی کامل ترین مثال میں
اسی لئے ہمارے مجھ کے غلطوں میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ: بفضل البشر بعد الانبیاء
بالتحقیق ابوبکر الصدیق۔ مفسرین کا اس امر پر اجماع ہے کہ سورۃ التیل کی یہ آیات
صدیقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: فَأَمَّا مَن آعطَىٰ وَآتَعَفَا
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ۔ اور ان کی مصداق کامل ہے ذاتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ

یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی بعثت کے وقت اگرچہ پورے عرب میں بالعموم جہالت کی شدید و گہری
تاریکیاں تھیں اور مکہ میں بالخصوص ظلمت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور عالم یہ تھا
کہ جس دنیا کے بنگلوں میں وہ پہلا گھر خدا کا ہے وہ گھر جو تعمیر ہوا تھا تو حیر کیسے
اور اقامتِ صلوة کے لئے وہ گھر تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ شرک کے
گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فطرتِ
انسانی بالکل مسخ ہو چکی تھی۔ اسی مکہ کی سرزمین میں عین اسی دور میں ابوبکرؓ بھی
موجود ہیں۔ جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وہی
نبوت کا آغاز بھی نہیں ہوا لیکن ابوبکرؓ پہلے سے مودع تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان
غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ابتداء ہی سے مودع تھے۔ اور بھی مثالیں موجود تھیں۔ ایک
صاحبِ زید بن عمر بن نفیل تھے جن کا اُن حضورؐ پر وہی کے آغاز سے قبل انتقال ہو گیا تھا،
ان کا حال روایات میں یہ آتا ہے کہ وہ کعبہ کے پرے پکڑ پکڑ کر اللہ سے دعا کیا کرتے
تھے کہ ”اے رب! میں صرف تیری پوجا کرنا چاہتا ہوں میں ان تمام معبودانِ باطل
سے اعلانِ برأت کر رہا ہوں جن کو اہل مکہ پوجتے ہیں اور جن سے تیرے گھر کو آباد کر
رکھا ہے۔ میں تیری ہی پرستش کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ کیسے کروں!“
ان ہی کے صاحبزادے ہیں حضرت سید ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یکے از عشرۃ
مبشرہ ہیں۔ جو حضرت عمرانؑ خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ ظاہر بات
ہے کہ زید جیسے مودع کی آغوش میں تربیت پانے والے کی فطرت میں ان تمام
حقائق کا موجود ہونا بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے
حضورؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ روایات میں چند اود حضرات کا بھی ذکر ملتا

ہے جو اپنی فطرت سلیمہ اور عقل صحیحہ نیز اپنے غور و فکر سے توحید اور معاد کی معرفت حاصل کر چکے تھے لیکن ان کا نبی اکرم پر آغاز وحی سے قبل انتقال ہو گیا تھا۔

تو یہ ہیں درحقیقت اولیاء اللہ، ہوش مند اور باشعور لوگ جو عقل کی رہنمائی میں سفر کر رہے ہیں، جن کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے۔ فطرت میں وحیت شدہ حقائق ابھی اجاگر ہیں۔ لہذا ایسے لوگ جب انبیاء علیہم السلام کی دعوت سنتے ہیں تو کسی رد و قدح کے بغیر فوری طور پر اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال قرآن مجید میں ایک اور بھی ہے۔ ساتویں پارے کی پہلی آیت ہے:

فَاِذَا مِمَّعُوْا۟ اٰمَنَّا۟ اَنْزَلْنَا۟ اِلَیْكَ الرَّسُوْلَ تَرْاٰی اَعْلٰیٰہُمْ تَفٰیضٰی۟ مِّنَ الدِّیْنِ مِمَّا عَرَفْتُوْا۟ مِنَ الْحَقِّۚ یَقُوْلُوْنَ رُبَّنَا۟ اٰمَنَّا۟ فَاٰکُنَّا۟ مَعَ الشَّہٰدِیْنَۚ اور جب انہوں نے سنا جو کچھ نازل ہوا ہے رسول پر صلی علیہ وسلم، تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلی ہیں۔ شدت تاثر کی وجہ سے۔ مِمَّا عَرَفْتُوْا۟ مِنَ الْحَقِّ۔ معرفت حق کا اتنا گہرا اثر ان کے قلوب پر ہوا۔ اور جذبات کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوئی کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ۔ ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے پس چارے نام بھی حق کے گواہوں میں فرمائے۔ رَبَّنَا۟ اٰمَنَّا۟ فَاٰکُنَّا۟ مَعَ الشَّہٰدِیْنَۚ

اس کے بعد اب اس دعا کا جواب آ رہا ہے۔ اس جواب میں ایسے حضرات کی عمل زندگی اور انکی سیرت و کردار کی ایک جھلک بھی دکھا دی گئی۔ پہلے اجابت دعا کی بشارت اور نوید سنائی گئی: فَاَسْتَجٰبَ لَہُمْ رَبُّہُمْ بِمَا اٰیِسِی۟ کِفٰی۟ ہے جیسے فارسی کے اس شعر میں بیان ہوا ہے:

چاہے تو آہِ مظلوماں کہ جنگامِ دھم کروں

اجابت از در حق پہراستقبال می آید

اس شعر کا اردو میں شعر بھی میں ترجمہ کر دیا گیا:

دُور و مظلوم کی آہوں سے جیسا جھٹکتی ہیں سینوں سے

قبولیت ہے کرتی غیر مقدم چہرے سے آ کر

تو ان مدد یقین کی دعا کا جواب گویا کہ فردی طور پر مل رہا ہے۔ اور دوسرا
 زبان سے نکلی ہے اور اسے شرف قبولیت عطا ہو گیا۔ "فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ
 رَبُّهُمْ"۔ پس ان کی دعا کو قبول فرمایا ان کے دلے" اور اس کیفیت کے ساتھ
 کہ فرمایا: اَلْحَبْ لَآ اُحْبِبُّ عَمَلًا عَامِلًا مِّنْكُمْ۔ وہ میں تو کسی
 بھی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو مانع نہیں کرتا۔ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی
 میرے یہاں مانع ہونے والا نہیں۔ مَعَتْ ذُكْرًا وَاُنْثٰى" وہ عمل کرنے
 والا خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ "بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ"۔ تم ایک دوسرے
 ہی سے ہو، تم آپس میں ایک ہو۔ تمہاری جو بڑا صنعتیں ہیں تو یہ ایک
 تمدنی ضرورت کے تحت ہیں۔ ورنہ نوع کے اعتبار سے تم ایک ہی ہو۔ عورتوں
 کے اپنے اعمال ہیں، ان کی اپنی نیکیاں ہیں۔ ان کی اپنی کمائی ہے جس کا اللہ
 کے یہاں انہیں بھرپور صلہ مل جائے گا۔ دین میں، نیکی میں، خیر میں اور دین
 کے لئے قربانیاں دینے میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ مردوں کے لئے بھی
 میدان کھلا ہے عورتوں کے لئے بھی۔ اس کے بعد الفاظ آئے، جیسا کہ میں نے
 عرض کیا مؤمنین مادیات کی عمل روش سامنے لائی گئی۔ پہلے تو اپنی یہ سنت
 بیان فرمادی کہ میں تو کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی مانع کرنے والا نہیں۔
 تمہارے اعمال تو بہت بڑے ہیں۔ تمہارے ایشیا و قربانی کی تو بہت ادنیٰ شان
 ہے۔ فَاَلَّذِينَ هَآجَبُوا وَاُخْسُوا جُؤَامِنًا دِيَارِهِمْ۔" تو وہ
 لوگ جنہوں نے ہجرت کی، تو جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ یہاں ہجرت اور اخراج
 بن دیار کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ بظاہر تو یہ ہم سنی اور ہم مہنوم ہیں، ان کی
 مراد ایک ہی ہے۔ لیکن ہجرت کا لفظ ہمارے دین کی ایک وسیع المفہوم اصطلاح
 اس کا ایک مہنوم تو یہ ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا
 جہاں عبادت رب کا فریضہ انجام دینے میں غیر معمولی اور ناقابل برداشت
 مشکلات نہ ہوں۔ اس کے دوسرے بھی متعدد دماغیم ہیں۔ جیسے نبی اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا: اَمَحْتِ الْحِجْرَةَ اَفَعَمَلْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
 "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیے کہ سب کے اعلیٰ و افضل ہجرت کون

سی ہے؟“ اب جواب سنئے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں: اَنْ تَلْجُرَ مَسَا
 كِرًا ذَرْبُكَ۔ ”کہ تو ہر اس چیز اور ہر اس کام کو چھوڑے جو نیرے رب
 کو پسند نہیں ہے۔“ ایک اور حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا: هَاجِرٌ ذَا اَوْلَا
 تَلْجُرُ ذَا۔ ”صحیح طور پر غلط عمل ترک کر کے مہاجر بنو صرف زبانی کلامی مہاجر
 نہ ہو۔“ لہذا یہاں اس لفظ کو اس کے عموم پر رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس
 طرح فَالَّذِيْنَ هَاجَرَ ذَا کا مفہوم ہوگا کہ ”وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی
 خاطر ہر اس چیز کو چھوڑ دیا، ہر اس چیز سے ترک تعلق کر لیا جو اللہ کو پسند
 نہیں ہے۔ کوئی چیز ان کے لئے راہ حق میں روڑا نہ بن سکی۔ کوئی چیز اس راہ
 میں ان کے پاؤں کی بیڑی نہ بن سکی۔ وہ جب اپنے رب سے جڑے ہیں تو اس
 شان کے ساتھ جڑے ہیں کہ جو چیز بھی اللہ کو ناپسند ہے، اس سے کٹ گئے
 ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ۔ کسی سے محبت
 ہے تو صرف اللہ کے لئے اگر کسی سے بغض و عداوت ہے تو صرف اللہ کے لئے۔
 یہاں ان لوگوں کی کیفیت بیان ہو رہی ہے: فَالَّذِيْنَ هَاجَرَ ذَا۔
 ”وہ لوگ جنہوں نے ہجرت اختیار کی۔“ وَ اٰخِرُ جُؤَامِنٍ دِيَارٍ هِذِهِ
 ”اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔“ وَ اٰذُ وَاٰتٍ مَّسِيْنِيْ۔ اور جنہیں میری
 راہ میں ایذا میں پہنچائی گئیں۔“ جو کچھ بتایا ہے حضرت بلالؓ پر حضرت جناب
 بن ارتؓ پر، حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت ثُمَیْہَہؓ پر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہا اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام پر رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سے
 ایذاؤں کا اندازہ کیجئے۔ ان حضراتؓ نے صرف کلمہ توحید ہی تو قبول کیا تھا۔ کوئی
 اور جھگڑا تو نہیں تھا۔ زر، زمین اور زن کے جھگڑے جو دنیا میں مشہور و معروف
 ہیں ان میں سے کوئی تنازعہ اور قضیہ نہیں تھا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 جو مخالفت تھی! وہ کس لئے تھی! فِیْ مَسِيْنِيْ، میرے راستہ کی وجہ سے
 محکفیں پہنچائی گئیں، میرے کلمہ توحید قبول کرنے اور اس کی دعوت دینے کی وجہ
 سے یہ مقدس حضرات تشدد اور مصائب کا نشانہ بنے۔ Peace and Love کا نالہ
 بنے۔ وَ قَتَلُوْا وَ قَتِلُوْا۔ اس سے قبل بن ایذاؤں کا ذکر یہاں تھا مطلق

تو مئی دور سے ہے۔ اب مدنی زندگی کے دور کا ذکر آ رہا ہے۔ سورۃ آل عمران مدنی ہے۔ اس دور میں قتال اور جنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنگ کیا ہے۔ جیسا کہ آیت برکے مطالعے کے دوران ہمارے سامنے یہ بات آپکی ہے کہ نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے ایک بندہ مومن معرکہ قتال اور میدانِ جنگ میں آجائے اور یہ نیکی کی بلند ترین چوٹی ہے۔ ”وَقَاتِلُوا“ اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ ”وَقَاتِلُوا“ اور انہوں نے اس راہ میں اپنی گردنیں کٹوا دیں۔ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ ”تو جن لوگوں کا یہ مقام ہے۔ جن کے یہ مراتب ہیں۔ جن کے ایثار و قربانی کی یہ شان ہے۔ تو لاکھ قُرآنِ عظیمِ سَیِّدِ اَرْشِدِ - ”ہم لازماً ان سے ان کی بُرائیوں کو دور کر دیں گے۔ بر بنائے طبع بشری کہیں کوئی لغزش ہو گئی ہو۔ کبھی جذبات کی زد میں آکر کسی غلط حرکت کا صدور ہو گیا ہو۔ اس سے ہم ہمیشہ پوشی فرمائیں گے۔ ہم ان کو معاف فرمائیں گے۔ ان کے دامنِ کردار پر اگر سابقہ زندگی کی سابقہ عادات کی وجہ سے کوئی داغ اور دھبہ ہے، ہم اُسے دھو ڈالیں گے۔ ان کے نامہ اعمال میں سابقہ زندگی کی وجہ سے اگر سیاہی کے کچھ داغ ہیں تو ان کو سم صاف کر دیں گے۔ یہاں پر لایم دل، مفتوح اور آخر میں نورِ دن، مشدّد لاکھ قُرآن، آیا ہے۔ یہ عربی زبان میں تاکید کا سب سے بڑا (Mention) اسلوب ہے۔ مفہوم ہو گا کہ ”میں لازماً دور کر دوں گا۔ ان سے انکی برائیاں“ ”وَلَا تُدْخِلَنَّاهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“ اور میں لازماً ان کو داخل کر دوں گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں“ ”ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“۔ یہ بدلہ ہے خاص اللہ کے پاس سے۔ ”یہاں پر مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ ہے اُس میں خاص کیفیت ہے۔ یعنی میں اپنے خاص خزانہ فضل سے انہیں نواز دوں گا۔ یہ لوگ میرے وہ مقربین بارگاہ ہوں گے کہ جن کو جو کچھ میں عطا کر دوں گا وہ اپنے خاص خزانہ فیض سے عطا کر دوں گا۔ وَاللَّهُ عِنْدَهُ خَيْرُ الْمُنَاقِبِ“ اور یہ جان لو کہ اچھا بدلہ اور صلہ صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہاں عِنْدَ لَاحِلے لاکر اس میں صحر کا مفہوم پیدا کیا۔ میں صحر کے اسلوب کے متعلق

پہلے آپ کو بتا چکا ہوں۔ یہاں اس اسلوب کے ”مرث“ کا مفہوم پیدا ہوا۔ ”اچھا بدلہ تو مرث اللہ ہی کے پاس ہے۔“ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ انسان محنتیں کرتا ہے، بھاگ دوڑ کرتا ہے تو کسی نہ کسی فائدہ، نفع اور بدلہ کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اولاد پر انسان محنت کرتا ہے، اپنے آپ کو بہتر کرتا ہے اس اُمید میں کہ ہمارے بڑھاپے میں یہ ہمارا سہارا بنیں گے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد کی طرف سے خلاف توقع ایک غلط طرز عمل سامنے آجاتا ہے۔ انسان کو مدد سے پہنے پڑ جاتے ہیں۔ اولاد کے غلط طرز عمل کی وجہ سے اس میں نفسیاتی و ذہنی کرب پیدا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرث وہ محنت، وہ کوشش لازماً سچل اور نتیجہ خیز ہوگی جو اللہ کے لئے کی گئی ہو۔ اس کا اچھا بدلہ مل کر رہے گا۔ ہر وہ وقت امر ہو جائے گا جو اللہ کے لئے مرث کیا ہو اور اس کے دین میں لگا ہو۔ ہر وہ پیہ محفوظ ہو جائے گا جو اللہ کے دین کے لئے خرچ ہوا ہو۔ **وَاللّٰهُ عِنْدَکَ حُسْنُ الثَّوَابِ**۔

اس طرح آپ نے دیکھا کہ ان آیات مبارکہ میں ایک مکمل انسانی شخصیت کا مبیوئی آگیا۔ اس کے باطنی فکر، اس کی سوچ کا نقشہ ابتدا میں آیا۔ اس کی عملی روش، اس کا کردار، اس کا عملی رخ، یہ آخر میں آگیا۔ ان دونوں کو جمع کر لیجئے۔ ایک بندہ مومن کی ایک مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اب اس ضمن میں کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال کے جواب

سوالے : ڈاکٹر صاحب! ایک شخص شروع میں دانستہ یا نادانستہ غلط راہ اختیار کرتا ہے، کفر کی راہ پر چلتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور نیکی کی راہ پر آجاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے؟ اور اس کی سابقہ غلطیوں کو ختم کر دیں گے؟

جواب : جی ہاں بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اس کے لئے ہماری دینی اصطلاح ہے توبہ۔ اگر توبہ خلوص و اخلاص کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ سابقہ زندگی کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص صدقِ دل کیساتھ

کفر سے اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اس کے حالتِ کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں داخل ہوتے ہی اس کی بالکل نئی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

سوال : آج کے درس میں چند دعائیں آئی ہیں، میں چاہوں گا کہ آپ ذرا دُعا کی اہمیت کو مزید واضح کریں !

جواب : اصل میں یہ مضمون ان مجالس میں چوتھے درس کے دوران زیر بحث آچکا ہے۔ میں نے حدیثِ نبویؐ بھی سنائی تھی کہ اَلدُّعَاءُ مِفْتَاحُ الْعِبَادَةِ - دُعا عبادت کا اصل جوہر ہے۔ دُعا درحقیقت وہ چیز ہے جو اُس نسبت کو ظاہر کرتا ہے جو بندے اور رب کے مابین ہے۔ عباد اور معبود کے مابین تعلق کو دُعا استوار اور مستحکم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جب یہ ایمان و یقین ہے کہ صرف وہی علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ ہے تو بندہ سراپا احتیاج بن کر اسی کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کرے۔ عبادت کا جو مظہر اتم ہے وہ دُعا ہے۔ نماز بھی حقیقت اپنی رُوح کے اعتبار سے دُعا ہی ہے۔

حضرات ! آج کی اس نشست میں مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا پانچواں درس جو نصاب کے حصہ ثانی ”مباحثِ ایمان“ پر مشتمل ہے، اس کو دوسرا سبق ختم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اولوالالباب لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے جو کتابِ فطرت کے مطالعے اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے سے معرفتِ ربّانی کی دولت حاصل کرتے ہیں اور جن کی سیرت و کردار کا ایک اہم گوشہ اس درس کی آخری آیت کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی سیرت و کردار کا حامل بنائے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَرَحْتِي يَحِبُّ لِأَخِيهِ مَا
يَحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

میل روڈ سوہا بازار

۳۱۱۴۲۰ — ۳۰۲۲۲۲ ۶۲۲۳۳ — ۵۶۲۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فریضہ اقامت دین

ربط و تعلق

ڈاکٹر اسد احمد

کے خطاب و درس کی چھٹی قسط

اب اگلی آیت پر آئیے۔ فرمایا:

وَلَوْ لَا كَلِمَتُهُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُضِيَ بَيْنَهُمْ ط

”اور اگر اے محمدؐ آپ کے رب کی طرف سے ایک کلمہ طے نہ ہو چکا ہوتا، ایک وقت مقرر نہ ہوتا،

تک کے لئے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے مابین قسمہ چکا دیا جاتا۔“

یعنی ابھی مہلت عرصہ ہے۔ افراد کو بھی اس وقت تک کے لئے مہلت ہوتی ہے جب

تک موت نہیں آتی۔ مَا لَمْ يَخْرُجْ۔ جب تک موت کا گھونگر و نہیں بولتا، تو یہ کاروازہ

کھلا ہے۔ ہر نفس کے لئے یہ ضابطہ مقرر ہے کہ وَلَوْ لَا يُؤْخِرُ اللَّهُ أَنْفُسًا إِذْ لَجَاءَ أَجَلُهَا ط

”اللہ کسی کو قطعی مہلت مل نہیں دیتا جب موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے۔“ اجل ستمی کے اندر لاندہ

عمل کا اختیار ہے۔ یہ مہلت و اختیار نہ ہو تو پھر آزمائش کیسی؟ بِالْجُرْأَتِ اللّٰہِ ہدایت دے دے

تو اس ہدایت پر انعام کیسا؟ بالکبریٰ کو غلط راستے پر ڈال دے تو اس کی سزا چر معنی دارد؛ لہذا اللہ

عز و جل یہ اختیار اور مہلت دیتا ہے، افراد کو بھی اور امتوں کو بھی۔ چنانچہ فرمایا کہ چونکہ ہماری

طرف سے مہلت کا ضابطہ پہلے ہی سے مقرر ہے۔ ابھی ان کو ڈھیل دینی ہے۔ ابھی ان کے لئے

مہلت مل ہے۔ ابھی ان کو اختیار حاصل ہے بدرجہا میں جائیں۔ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ

اِنَّا سَاكِنُوْا اَوْ اِنَّا كَاٰثِرُوْا۔ اور یہ کہ: وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَمَنْ مَّشَاءَ فَاٰثِرٌ مِنْ

وَمَنْ مَّشَاءَ فَلْيُكَلِّمْهُ۔ اگر ہمارا یہ مضابطہ امتثالوں نہ ہوتا، ہماری یہ سنت نہ ہوتی تو ہم ان کا قلم چکا دیتے۔ ابھی جھگڑا طے کر دیتے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علاحدہ کر دیتے آیت کے اس حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توسط سے اہل ایمان کے لئے بھی تسلی کا ایک پہلو موجود ہے کہ تشویش نہ کیجئے۔ ابھی وقت لگے گا۔ اللہ کا آخری فیصلہ آکر رہے گا۔ احقاقِ حق اور باطل باطل ہو کر رہے گا۔ اور انجامِ کار کے طور پر سب کو ہمارے حضور مافر ہونا ہی ہے۔ وہ فیصلہ کی آخری ساعت بھی آکر رہے گا۔ اہل سنی ملک آپ بھی انتظار کیجئے اور مخالفین بھی۔ اس تشہیح اور توضیح کے ساتھ آیت کے اس حصے کو پھر پڑھئے: وَ لَوْلَا كَيْدُهُمْ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى تَقْضِي بَيِّنَاتٍ

دارِ ثمن کتاب کا نقشہ

اب اس آیت کے آخری حصہ پر لکھیے! فرمایا۔
وَالَّذِينَ أُذِنُوا لِكِتَابٍ مِنْ بَعْدِهِمْ لَنْ نَشَقَّ مِنْهُ مُرَيْبًا
”اور جو لوگ جو کتاب کے وارث بنائے گئے، ان کے بعد درحقیقت وہ اس (کتاب) کے بارے میں ایسے شک اور شبہ میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے ان کے دلوں میں طمان پیدا کر دیا ہے۔“

آیت کے اس ٹکڑے کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ یوں تو قرآن مجید کا ہر لفظ اور ہر آیت عظمت کی حامل ہے لیکن میرا گہرا تاثر ہے کہ سورہ شوریٰ کی زیرِ مدس یہ تین آیات عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔ اقامتِ دین کی جدوجہد میں جو بھی ۲۴۷:۵۱ تا ۲۴۷:۵۳ سامنے آتے ہیں ان سب کا حل اور جواب ان تین آیات میں موجود ہے۔ جب کبھی یہ کوشش ہوگی تو اس وقت جو مسائل اٹھیں گے ان سب کے لئے یہاں رہنمائی موجود ہے۔ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ أُذِنُوا لِكِتَابٍ مِنْ بَعْدِهِمْ لَنْ يَشَقَّ مِنْهُ مُرَيْبٌ۔ رسولوں کے اتنی عالمین کتاب تشکیک میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے ان کے اذان و غروب میں طمان اور انتشار پیدا کر دی ہے۔ یہ کتاب کے ماننے اور جاننے والوں کا حال ہے۔ جو امتیں ہیں ان کی کیفیت یہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس تو سرے سے کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ یہ گفتگو درحقیقت اہل کتاب کے بارے میں ہو رہی ہے کہ جن کے پاس علم، کتاب اور شریعت موجود ہے وہ سب نام لیا ایک رسول کے ہیں لیکن آپس میں درست و گریباں ہیں۔ نتیجہ نکلتا ہے کہ تشدد و فساد کا

لے اشارہ ہے یہود و نصاریٰ کے متعدد فرقوں کی طرف (درتب)

اعتماد ہی اٹھتا چلا جاتا ہے۔ آج آپ جو دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل کا اعتماد ہی دین سے اٹھتا چلا جاتا ہے۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا روز کا مشاہدہ ہے کہ ملک کے علماء حضرات کی اکثریت دین کی نام لیوا ہے لیکن ایک دوسرے سے دست درگیاں ہیں۔ اَلَا مَآ شَاءَ اللہ۔ سب کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہے کہ دین کو قائم کیا جائے۔ اسلامی نظام بالفعل نافذ ہو۔ لیکن ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹی جا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا منفی اثر ہمارے معاشرے پر پڑ رہا ہے۔ لوگ اندر سے بہرے تو نہیں ہیں۔ نوجوان بڑے حساس ہوتے ہیں۔ تفرقہ کا یہ نقشہ دیکھ کر انہیں بھر دین ہی کے بارے میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْفَعُ عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَ الْفَسْخِ وَ اللّٰهُ كَرِيْمٌ لیکن نوجوان دیکھتا ہے کہ نازی تو بڑا پاک ہے لیکن جتنا پاک نازی ہے اتنا بڑا بلیک مار کیٹر بھی ہے۔ اس کا اعتماد نازی پر قائم ہو گا کہ ہے گا؟ نازی پر سے اعتماد ہٹے گا۔ قرآن پر سے اعتماد ہٹے گا کہ قرآن دعوٰی کرتا ہے کہ نازی بڑے کام سے روکنے والی شے ہے اور یہ سب کچھ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ نازی بڑا پاک ہے۔ ایسے ہی ہمارے معاشرے میں وہ لوگ ہیں جو کثرت کے ساتھ حج اور عمرہ کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اسمگلر بھی ہیں۔ اَلَا مَآ شَاءَ اللہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے باعث نوجوانوں کا دین پر سے اعتماد اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی غلط طرز عمل کی حکمت کی گئی ہے ایت کے اس حصہ میں: **وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْدِرُوْا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ دِیْحٰہُ** اور جو لوگ وارث بنائے گئے کتاب کے ان کے بعد یہاں خود کہیے کہ ”ان کے بعد سے کیا مراد ہے۔! وہ لوگ جو تفرقہ ڈال کر چلے گئے، اب ان کے بعد اگلی نسل کتاب الہی کی وارث ہوئی۔ جیسے ہم قرآن حکیم کے وارث ہیں۔ یہاں جو ذکر ہو رہا ہے وہ قورات اور انجیل کا بعد رہا ہے۔ لیکن جو لوگ تفرقہ ڈال گئے تو ان کے بعد آئندہ ان تفرقوں کے سبب سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ **لَیْسَ شَیْءٌ مِّنْهُ مُسْتَنِیْبٌ** ۵ یہاں مرید شک کی صفت ہے۔ شک جب دل میں یہ ضلعان پیدا کر دے کہ یہ نہیں کچھ ہے بھی یا نہیں؟ واقعی یہ کتاب الہی ہے کہ نہیں؟ یہ گردہ بھی اسی کتاب کو ماننے کا مدعی اور وہ گردہ بھی اسی کتاب کے ماننے کا مدعی۔ یہی اسی کتاب کو بڑھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روشنی کا مینار اور ہدایت کا منج دسر خیمہ ہے۔ وہ بھی اسی بات کے دعویدار ہیں لیکن حال یہ ہے کہ آپس میں دست درگریاں ہیں۔ بیان کو کافر کہہ رہے ہیں اور وہ ان کی تکفیر کر رہے ہیں۔ ہوتا ہے کہ اس تفرقہ پر سے عوام بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد دین پر سے، کتاب الہی پر سے اور علماء پر سے اٹھتا چلا جاتا

—!!

یہ پس منظر ہے۔ دو جماعتیں دعوت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر موجود تھیں۔ ایک تو مشرکین کا گروہ۔ ان کے متعلق فرمایا گیا: **كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ** **إِلَٰهُهُمُ اللَّهُ يَخْتَلِفُ عَلَيْهِ مَعَنُ يَتَشَاءُ وَ يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ** اے نبی آپ کی دعوت توحید ان مشرکین پر بہت بھاری ہے۔ یہ اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے لوٹنا آسان نہیں ہے ان میں سے اللہ ہی جس کو چاہے گا اس دعوت توحید کے لئے سچے لے گا اور اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا۔ اور جن کے دل میں تھوڑی سی بھی انابت ہے وہ جلد یا بدیر آپ کے جانشینوں میں شامل ہو جائیں گے۔ رہا دوسرا گروہ اہل کتاب کا گروہ تو ان کے متعلق حضور کو جو حکم لاحق ہو رہی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لارہے تو اس کا ازالہ اس آیت میں فرمادیا گیا: **وَمَا لَكُمْ كَذِبُوا إِلَّا مِنْ بَيْنِ مَا حَكَاكُمْ هُمْ أَلَيْسَ لَكُمْ بُعْدًا** اے نبی آپ تو پھر بھی ایک نئی کتاب لے کر آئے ہیں۔ آپ کی دعوت نبوت ان کے لئے نئی ہے۔ حضرت موسیٰ کو تو یہ بھی مانتے ہیں اور وہ بھی۔ پھر بھی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ اور تو اور خود بھی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ تو جو اتنے انانیت پرست ہیں کہ ایک کتاب کے ماننے کے باوجود متفرق ہیں وہ آپ کی بات کیسے تسلیم کر لیں گے۔! یہی بات علامہ اقبالؒ نے جواب شکوہ میں ہمارے لئے بھی ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سبب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!

کیا زمانے میں پیچھے کی یہی باتیں ہیں!

ہماری فرقہ بندی کس سے پوشیدہ ہے۔ نہ معلوم کتنے فرقوں میں ہم بٹے ہوئے ہیں! اس کے نزدیک وہ کافر، اس کے نزدیک یہ کافر۔ اس کے سوا کوئی اور بحث سننے میں نہیں آتی۔ اقامت اللہ!

لہذا حضور کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ آپ کے لئے راستہ نکالے گا لیکن آپ ان بہو سے توقع نہ رکھئے کہ کیونکہ یہ تو کتابوں کو جاننے والے ہیں۔ توحید کو ماننے والے ہیں۔ ان کے یہاں بڑے بڑے علماء ہیں۔ لہذا یہ تو فوراً مان لیں گے۔ لیکن نہیں ان کی انانیت ان کے

راہ کا وہ پتھر ہے جو کسی طرح بھی انہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا بلکہ یہی آپ کی دشمنی میں سب سے آگے ہوں گے: لَقَبَدْنَا اسْتَدَلْنَا بِسَعْدَادٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْعَمَلِ
— اہل ان حالات اور اس پس منظر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کرنا ہے! اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ بڑی عجیب آیت ہے۔ عجیب کے لفظ سے کہیں آپ اور کوئی مفہوم نہ لے لیں۔ عربی میں عجیب کے معنی ہیں۔ بہت دلکش، بڑی پیاری، دل کو لہانے والی بات، چیز اور کام۔ ہمارے ہاں عجیب و غریب کا جو مفہوم ہے حیرت والی بات، تو اسے اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔

عجب ایمان | اس لفظ عجیب پر مجھے ایک حدیث یاد آگئی۔ تصور کیجئے کہ ایک مرتبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جلوہ افروز ہیں۔ آپ صحابہؓ سے سوال فرماتے ہیں کہ ”تمہارے نزدیک سب سے زیادہ العجب ایمان کس کا ہے؟“ — یہ بھی حضورؐ کی تعلیم و تربیت کا ایک انداز ہے۔! عجیب ہے عجیب کا اسم تفضیل۔ حضورؐ صحابہؓ سے دریافت فرما رہے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں سب سے زیادہ پیارا، سب سے زیادہ دلکش ایمان کس کا ہے! صحابہؓ نے کہا فرشتوں کا۔ حضورؐ نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ”وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں“۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان کے لئے غیب میں ہوتے ہوئے بھی مشہود ہے۔ وہ ہر لمحہ اور ہر آن تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ احکام الہی ان کے پاس براہ راست آتے ہیں، جن کی وہ تنفیذ کرتے ہیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے حقائق منکشف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں تو کون سا کمال کرتے ہیں! وہ تو ابوجہل کے کے سامنے بھی جہنم لے آئی جلتے تو وہ فوذا ایمان لے آئے گا۔ لہذا ان کے ایمان کے عجیب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا ”فالا انبیاء“ نبیوں کا ایمان تو حضورؐ نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ ”وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ وحی ان پر نازل ہوتی ہے“ یعنی انبیاء پر اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ انہیں غیب کی خبریں دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی نشانہوں میں سے کچھ نشانہوں کا ان کو مشاہدہ کرتا ہے۔ لہذا ان کا ایمان عجیب کیسے ہو گا! تیسری بار صحابہ کرامؓ نے دُرتے دُرتے ہوئے عرض کیا: فَخَوَّيْنَا عَنْهُمْ ”پھر ہم ہیں۔ ہمارا ایمان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَعْيُنِكُمْ“

﴿یٰۤاٰیْمٰنُ لَا تَلْعَبُوْا بِالْاٰیْمٰنِ سِوَ الَّذِیْ نَحْمَدُہٗ بِہٖ وَنُحَمِّدُہٗ بِہٖ وَنَعُوْذُ بِہٖ وَنُتَمَتِّعُ بِہٖ اَیْمٰنًا یَّاتُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ یُجَدِّدُوْنَ صَحَافِیْہِ کِتٰبِ اللّٰہِ فِیْہِ مُنَوَّنٌ بِمَا فِیْہَا﴾ میرے نزدیک سب سے زیادہ دلکش ایمان والے وہ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کو تو اوراقِ ملیں گے جن میں اللہ کی کتاب درج ہوگی۔ اور وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ یہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اعجب ہوگا۔ سب سے دلکش ہوگا۔ اس مقام پر ایک اہم بات سمجھ لیجئے۔ یہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی۔ دلکش ہونے کی بات ہے۔ افضل ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے پوری امت میں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کا ایمان بھی بڑے سے بڑے دلی اللہ سے افضل ہے۔ یہاں میں نے سمجھانے کے لئے ادنیٰ استعمال کیا ہے ورنہ کسی صحابی کے لئے بھی ادنیٰ کا لفظ مناسب نہیں ہے۔ لہذا یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ افضلیت بالکل جذبات ہے اور یہ شرف صرف صحابہ کرامؓ کو حاصل ہے۔ ایمان کا پایا ہونا۔ دلکش ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ اس کو *عمر بن الخطاب* نہ کر لیجئے گا۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ آپ خود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہیں، عظیم ترین معجزہ، لہذا ان کے لئے ایمان لانا آسان تھا ان کی بہ نسبت جو بعد میں آئیں گے اور جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور نہ جنہوں نے اس جناب کے چہرہ انور کا دیدار کیا۔ اور وہ قرآن مجید کے منبع، سرچشمہ اور نذر سے ایمان اخذ کر رہے ہیں تو دلکش ایمان ان کا ہے۔ اس معنی میں میں نے کہا تھا کہ اگلی آیت نمبر ۱۸ بڑی دلکش آیت ہے۔

نبی اکرمؐ کی رسالت کا فرض منصبی: دعوت اور قیامِ عدل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے۔ طویل آیت ہے اور اس میں نہایت اہم مضامین جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ لہذا میں آیت کی محنتوں میں تشریح و تفسیر کروں گا۔ پہلا حصہ ہے:

قُلْ لِّیْلَاحٌ نَّادٍ ۖ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پس آپ اسی کی دعوت دیجئے رہے؟

اب آیت کے اس حصے کو سمجھنے کے لئے میری کل کی تقریر پس منظر میں لے آئیے۔ میں نے توحید کی دو شاخیں بیان کی تھیں۔ پہلی توحید علمی یا نظری یا توحید فی المعرفة یا توحید

فی العقیدہ — دوسری توحید عملی۔ پھر اس توحید عملی کی بھی دو شاخیں ہیں۔ ایک توحید
 انفرادی و ذاتی۔ دوسری توحید اجتماعی — ذاتی و انفرادی توحید یہ ہے کہ "اللہ ہی کی بندگی
 اور پرستش کرو اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے: فَاَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصِينَ
 لَهُ السَّيِّئَاتِ اُولَٰئِكَ لِلَّهِ الْبَرِّ الْخَالِصِ" اگلا وہ ربو اللہ کے لئے تو خالص دین ہی ہے۔
 آپ نے انفرادی سطح پر یہ کر لیا تو آپ کی ذات کی حد تک عملی توحید نافذ ہو گئی۔ اب عملی
 توحید کی دوسری منزل ہے کہ اجتماعی نظام پر بھی اس کو قائم اور نافذ کر دے۔ پورا نظام زندگی
 اس کا منظر بن جائے کہ لَيْسَ كُودُنَ السَّيِّئِ حُكْمُ اللَّهِ — یہ ہو گی توحید اجتماعی، یہی
 اقامت دین ہے۔ اسی کا حکم سورہ شوریٰ کی زیر درس پہلی آیت میں آچکا ہے: اَنْ يَّقُوْا
 السَّيِّئِ وَلَا يَتَفَقَّحُوْا فِيْهِ — توحید عملی کا انفرادیت سے اجتماعیت تک پیش رفت
 کے مابین نقطہ ماسکہ (۱: ۱۱۶) کیا ہے؟ وہ ہے دعوت — ایک فرد نے ذاتی
 طور پر توحید اختیار کی تو فطری تقاضا یہ ہو گا کہ وہ اس کی طرف دوسروں کو بلائے۔
 دوسروں کو دعوت دے۔ ان کو بھی توحید کی طرف راغب کرے۔ انہیں بھی اللہ کی
 بندگی کی طرف پکارے۔ پھر جو اس دعوت پر لبیک کہیں ان کو وہ معیت کرے۔ ان کو منظم
 کرے۔ ان کی تربیت کرے۔ یہاں دعوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل
 کا ذکر آگیا ہے پھر اس کے لئے لازم ہو گا وہ ان تین مراحل سے گزر کر ایک طاقت فراہم کرے
 اور نظام باطل کو تلخ کر کے رکھ دے۔ اسے بیخ و بن سے اکھڑ کر دین اللہ کو قائم کر دے۔
 تاکہ اجتماعی توحید کی تکمیل ہو جائے۔ اب انفرادی توحید اور اجتماعی توحید کے درمیان
 (۱: ۱۱۶) کیا ہے؟ نقطہ ماسکہ کیا ہے؟ وہ ہے دعوت۔ سورہ لہم اسجدہ کی آیت نمبر ۳۲ کو
 ذہن میں رکھئے جس کا ذکر میری کل کی تقریر میں آچکا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا لِّاٰمِنٍ دَعَا اِلٰى
 اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اور یہاں فرمایا: فَلْيَدْعُ لِكَ فَاذْعُ
 یہاں کلمہ "فا" اور لام فایت نے ذلیل سے مل کر اس آیت کو سابق آیات سے بھی مربوط

سے دعوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انقلابی پہلو اور ان کے جملہ مراحل کی تفہیم کے لئے
 عزم کرنا اور احمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی قرآن اور خطاب کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید رہے گا۔
 جو حال ہی میں "مسلمانوں کے فرائض دینی اور اسوۂ رسول" کے نام سے کتابی شکل میں منعقد شدہ
 ہوا ہے۔ (مرتب)

کر دیا ہے اور اس پس منظر سے بھی جو اس پوری سورہ شوریٰ کے نزول کے وقت مجھوت تھا جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ اس دعوت کا ہدف کیا ہوگا! وہ ہوگا اقامتِ دین: اَنْ اَتِيَهُمُ السَّيِّئَاتُ وَلَا يَنْتَفِعُوا فِيْهِ۔ اسے نبی! اسی کی دعوت دیکھئے کہ اللہ کے دین کو قائم کرو، نافذ کرو، برپا کرو، مجتمع و منظم ہو جاؤ، باطل سے ٹکراؤ اور اس تصادم کے لئے خود کو قربانی ادا تیار کے لئے تیار کرو۔ نَلِيْذِكْ فَادْعُ كِيْ يَهْتَدِيَ لَتُخْرِجَ لِّلْغَيْبِ اسْتِغْفَارًا كَمَا اَمَرْتُ " اور ڈٹے رہئے۔

استقامت کا حکم | مجھے رہیے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے: آپ کو کیا حکم ہوا تھا۔ وہ قدرِ تفصیل سے میری کل کی تقریر میں بیان ہو چکا ہے۔ آج بھی اس کا حوالہ آیا ہے۔ اس کا پھر اعادہ کر لیجئے۔ کیا حکم ہوا تھا فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مَخْلَصًا لِّلْدِيْنِ ط۔ پھر کیا حکم ہوا تھا اَقْلُ اَتِيَتْ اَمَرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مَخْلَصًا لِّلْدِيْنِ كُوْ اَمَرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ط۔ پھر کیا حکم ہوا: قُلِ اللّٰهُ اَعْبُدْ مَخْلَصًا لِّلْدِيْنِ ط۔ کہہ دیجئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے فرمان کے سامنے سر جھکاؤں سب سے پہلے میں اس کا فرمانِ بارِ نبول۔ اور کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں اور کروں گا۔ یہاں انشائیہ اسلوب سے آپ سے فرمایا جا رہا ہے: وَاسْتَغْفِرْ كَمَا اَمَرْتُ " پس آپ ڈٹے رہئے، مستقیم رہئے اس پر جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ یعنی مخالفت تو ہے۔ کوئی شک نہیں۔ دباؤ پڑ رہا ہے کوئی شک نہیں۔ آپ کے لئے مصائب کے بڑے بڑے طوفان آتے نظر آ رہے ہیں، یہ سب صحیح ہے لیکن آپ نے کھڑے رہنا ہے اور جے رہنا ہے۔ آپ کی ادھلی سورتوں کو ڈھکیں گے تو اس استقامت کے لئے آپ کو نظر آئے گا کہ آنحضرت کو بار بار صبر کی تلقین و وصیت کی جا رہی ہے اور اُن جناب کے توسط سے یہ تلقین اہل ایمان کو بھی ہو رہی ہے۔ سورہ مدثر میں فرمایا گیا: وَلِيْلَكَ فَاصْبِرْ " اے محمد! اپنے رب کے راستے کی دعوت میں پیش آنی والی مشکلات پر صبر کیجئے " سورہ احقاف میں فرمایا گیا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعِزْمِ مِنَ الرُّسُلِ " صبر کیجئے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اولو العزم پیغمبر مبرک کرتے آئے ہیں: سورہ نحل میں فرمایا گیا: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ " اے محمد! صبر کیجئے اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے، یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا

درا کر ہے تو آپ کا سہارا ہم خود ہیں۔ آپ کے صبر کی بنیاد تو ہم سے تعلق اور محبت ہے۔ سورہ قلم میں فرمایا گیا: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ** (اے محمدؐ، پس صبر کیجئے اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے۔ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا)۔ یہاں صاحب الحوت سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے خدا جلدی کی تھی۔ جھلت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ معاذ اللہ کسی گناہ کا کوئی سوال نہیں، کسی نبی سے کسی گناہ کا مدد در نہیں ہو سکتا۔ جو ایہ تھا کہ دین کی حقیقت وغیرت اتنی غالب آگئی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنے بغیر اپنی قوم سے ان کے کفر پر اللہ سے رہنے کے باعث متنفر اور مایوس ہو کر اس قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ ایسا کیجئے گا سورہ مزمل میں فرمایا گیا: **وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَلَا تُجِبْهُمْ هَهُوَ أَجَبٌ** (اے نبیؐ صبر کیجئے اس پر جو کچھ یہ مشرکین کہہ رہے ہیں اور ان سے بہتر دامن طرق سے کنارہ کشی اختیار کیجئے یہ نقل کو کفر نہ باشد، دعوتِ توحید پیش کرنے کے نتیجے میں مشرکین میں سے کوئی پالگی کہہ رہا ہے، کوئی کہہ رہا ہے کہ دماغ خراب ہو گیا ہے، کوئی شاعر کہہ رہا ہے، کوئی ساحر کہہ رہا ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ مافوق نہیں بلکہ مسحور ہیں، ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہے۔ یہ اس جادو کے زیر اثر ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہے، آسیب زدہ ہیں ان پر کوئی جن آگیا ہے یہ جنوں ہیں۔ یہ ساری باتیں سن رہے ہیں جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ادا حکم ہو رہا ہے کہ صبر کیجئے اس پر کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں: **وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ**۔ پھر ان خصوصیات کو تسلی اور تسفی بھی دی جا رہی ہے۔ سورہ قلم میں فرمایا گیا: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ كَذِلَ لَوْلَا جِئْتَ بِغَيْرِ مَعْنُونٍ** (اے نبیؐ، تُو اپنے رب کے فضل سے جنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لئے کبھی غم نہ ہونے والا جو ہے اور (اے نبیؐ)، تحقیق آپ اطلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں)۔ لہذا ان مشرکین کی باتوں کا اثر نہ لیجئے۔

یہ سہ سارا پس منظر جس میں حضورؐ سے فرمایا جا رہا ہے: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ**۔ دباؤ، کتنا ہی سخت ہو، مخالفت کتنی ہی شدید ہو، استہزاء اور مسخرگفتا ہی دل آزار اور اذیت ناک ہو، حالات کتنے ہی ناموافق و نامساعد ہوں، ماحول کتنا ہی ناسازگار ہو، اے نبیؐ! آپ کو عبادتِ ربِّ دعوتِ الٰہی اللہ اور اقامتِ دین کی جہد و جداد کا جو حکم ہوا ہے، اس پر جبر رہیے، ڈٹے رہیے۔ نوٹ کیجئے مگر سورہ طہ اسجدہ کی جو آیت دعوتِ الٰہی اللہ کے ضمن میں، میں نے کل آپ کو سنائی تھی، اس سے دو آیات پہلے والی آیت نمبر ۲۰ میں استقامت کا ذکر آچکا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا
 وَلَا تَحْزَنُوا وَأَلَّا تَكُنَ الْجَنَّةُ إِلَٰهِيكُمْ تُوَفَّدُونَ ۝ میں کہا کرتا ہوں کہ اس لفظ
 استقامت میں قیامت پوشیدہ اور مضمر ہے۔ کہو کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر چٹان کی مانند ہم
 جاؤ۔ اب کوئی طوفان کتنا ہی سخت اور شدید آئے تمہارے قدموں میں جنبش اور لغزش پیدا
 کر سکے۔ لہذا قولی اور عمل ہر نوع کی مخالفت کو اسے محمد! آپ بھیجئے۔ وَاسْتَقِيمْ لِمَا أَوْصَيْتُ؟

مصالحانہ رویہ کی ممانعت

اس آیت کا اگلا حصہ ہے، فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ

”اور راے نبی، ان (شُرکوں اور کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے؟“

دباؤ کی ایک صورت یہ بھی ہوئی ہے کہ قریش کے مشرک سرداروں نے جب یہ عیسوس کیا کہ اس
 دعوت توحید کو روکنے میں ہر نوع کے استہزاء و تمسخر اور شدید جوہد و ستم کے باوجود ان کی کوششیں
 کامیاب نہیں ہو رہی ہیں اور وہ نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید سے روک سکے ہیں نہ ان کے
 مقام سعید لوگوں کو دعوت قبول کرنے سے باز رکھ سکے اور نہ ہی دعوت قبول کرنے والے کسی شخص کو
 مصائب سے ہراساں کر کے دین چھوڑنے پر آمادہ کر سکے تو مشرکین کی طرف سے نبی اکرم کے پاس
 سفارتیں اور پیشکشیں آنی شروع ہو گئیں اور آپ کے سامنے مصالحت کا یہ فارمولا پیش کیا جانے لگا
 کہ کچھ ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں کچھ آپ ہماری بات مان لیں۔ سورہ قلم میں آغاز ہی میں یہ فرمان
 آیا تھا کہ: فَلَا تَطِيعُ الْمُكْذِبِينَ ۝ وَذَٰلُوا تُذْهِبُونَ فَبِذَٰلِكَ ۝ پس اس
 نبی! آپ ان مجھلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آئیں یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑیں، کچھ
 ممانعت کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑیں اور ممانعت کا رویہ اختیار کریں؟ انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا
 کہ آپ کے قدموں کو ذرا بھی لغزش نہیں آئی یہ پورا زور لگا کر بھی ان کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب
 نہیں ہو سکے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ مصالحت ہو جائے کچھ مان لیجئے کچھ منوالیجئے۔
 7۔ کامعطلہ کیجئے۔ کچھ دیکھ کر لیجئے۔ ہماری بھی تو ناک رہ جائے۔ ہماری بھی کچھ عزت
 جائے۔ ساری کی ساری بات آپ کی مان لی جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کو پیشکش کی گئی کہ اگر
 اس دعوت توحید کے ذریعے آپ کو دولت و مکار ہے تو اشارہ کر دیجئے ہم دولت کے انبار

کے قدموں میں لگا دیں گے۔ اگر آپ اقتدار چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ کسی خاص خاتون سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو اشارہ کر دیجئے وہاں نکاح ہو جائے گا۔ یہ پوتا ہے دام ہم رنگ زنیں۔ اللہ کی طرف بلائے والا اللہ کا بندہ شدید مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ حالات اتنے نامساعد اور ناموافق ہیں کہ بظاہر کہیں راستہ نکالنا نظر نہیں آ رہا۔ ان حالات کا ہم تھوڑا بھی نہیں کر سکتے جس سے اس وقت اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان دوچار تھے۔ اس وقت ایسی ایسی پیش کشیں آتی ہیں تو نفس تو کہتا ہے کہ قبول کرو۔ مگر اس وقت یہ سونی صد نہیں مانتے، پچاس فی صد ماننے کے لئے تیار ہیں، اسی کو غنیمت سمجھ کر مصالحت کر لی جائے۔ رفتہ رفتہ ان کو دام کر لیا جائے گا اور پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان کو آمادہ کر لیا جائے گا۔ لیکن حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ نہیں۔ ٹوٹے ہوئے دین کی کاکل قبول کریں تو ٹھیک ہے۔ جزوی دین، دین بے بی نہیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا: **رَأَيْتُمْ كَيْفَ كُنَّا أَمِيرًا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هَٰؤُلَاءِ** ان ہی احکام الہی کے ہمیشہ نظر مشرکین کی دام ہم رنگ زنیں پیش کنوں اور نقل کرنے کی دھمکیوں کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے جو تاریخ میں اب زندہ سے لکھے جائیں تو مجھے اس جواب کی شان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مشرکین کو جواب دیا:

• اگر تم میرے دہانے ہاتھ پر سورج اور ہانپنے ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آ سکتا۔ یا تو میں اس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دیدے گا یا اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔

یہ تھی اس حکم کی عمل اور قول میں تعمیل کہ **فَلْيَذْ لِكْ مَا دُعِيَ وَاسْتَقِمْ لِمَا كُنْتُمْ عَلٰی** **تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هَٰؤُلَاءِ** علامہ اقبال نے اس بات کو بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں ادا کیا ہے

باطل دولی پسند ہے حق و شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!
نوٹ کیجئے کہ یہی صورت حال مدینہ منورہ میں بھی پیش آگئی تھی۔ وہاں بھی یہود کے حاکم کا مطالبہ یہی تھا کہ کچھ نیچے کچھ دیجئے۔ کچھ ہماری باتیں مانئے کچھ ہم آپ کی باتیں مان لیں گے۔ اسی پس منظر میں سورہ بقرہ میں جو مدنی سورت بتلایا گیا: **وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَبِيعَ وَبَلَغَ** اے نبی! یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں

گے جب تک آپ ان کی سنت (طور طریقوں) کا اتباع نہ کریں؟ یہ تو اپنے غضب اور اپنی عصیت کی وجہ سے اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ آپ اگر انہیں کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ ہو جائیں تب بھی یہ آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ اصل مسئلہ یہی تھا۔ آپ ان کے پیچھے چلیں تب یہ خوش ہوں گے۔ یہ اہل کتاب ابھی طرح جانتے تھے کہ آپ بحیثیت رسولِ دین کے معاملہ میں کسی مصالحت کے لئے تیار ہی نہیں ہو سکتے تھے اس لیے ان کی مصالحت پیش کش بھی اخلاص و خلوص پر مبنی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس لئے ہوتی تھی کہ اپنے عوام اور حلقہ اثر کو یہ مظاہر دیں کہ کم تو مصالحت کی برابر کوشش اور پیش کش کر رہے ہیں لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اپنے موقف پر بند ہیں۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کے لفاظ کو مختلف اسالیب سے فاش کیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۸ طویل آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں پہلے تو ان اہل کتاب کے ان جرائم کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کتاب اور اپنی شریعت کی خلاف ورزیوں کے طور پر کرتے تھے۔ جو کام خود ان کی شریعت میں حرام تھے ان کا ارتکاب کرتے تھے پھر بھی اس بات کے دعوے دیتے کہ ہم شریعتِ موسوی پر کاربند ہیں۔ اس پر کمال ایمان رکھتے ہیں — ان کے چند جرائم گنوا کر فرمایا گیا:

اَنۡتَوۡمِیۡسُوۡنَ بَبۡعِیۡنِ الْمَلٰٓئِیۡمِ	”تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان
وَتَكْفُرُوۡنَ بِبَعۡضِہٖۤ اِمَّا	لاستے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر
حِزۡاۡوۡمِنۡ یُّفَعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ	کرتے ہو! پھر تم میں سے جو لوگ
اِلَّاخِرَتِیۡ فِی الْحَیٰوِۃِ الدُّنٰیۃِ	ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے
وَلِیۡوۡمِ الْیَقِیۡمِۃِ یُرۡدُّوۡنَ اِلَیَّ	کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر
اَسۡسَدَ الْعَدَآئِیۡہِ وَ مَا اَلۡلہُ	رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب
یُعَآذِلُ عَنَّا لَعَلَّکُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝	کی طرف پھر دیئے جائیں۔ اَللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ

سے بچ رہے ہیں ہے جو تم کو رہے ہو؟

آیت کا یہ حصہ یہود کے اس طرزِ عمل کی مکمل عکاسی ہے جو انہوں نے اللہ کی شریعت کو حصوں میں تقسیم کر کے اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے کچھ حصوں پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ یا ان کے بالکل خلاف عمل کرتے تھے۔ گویا ان کی اطاعت، اخلاص و خلوص سے خالی تھی اس میں ملاوٹ شامل

ہو گئی تھی۔ اس میں نفس کی چاہت اور خواہشات کی پیروی کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس طرز عمل میں آیت کے اس حصے میں جو سخت وعید آئی ہے وہ لہذا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین شریعت کے ساتھ جو بھی یہ معاملہ کرے گا کہ ایک طرف اللہ کی توحید، اس کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا دعویٰ ہو، دوسری طرف اس کے دین اور اس کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ ہو کہ کچھ حصے پر عمل ہو اور کچھ حصہ کو چھوڑ دیا جائے یا اس کے برخلاف عمل کیا جائے تو اس اُمت کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ وہی معاملہ کرے گا جو سابقہ اُمت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَفْصِيْلًا اور وَلَا تَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا آج ہم بحیثیت اُمت دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ ہمارا کوئی وقار نہیں، ہمارا کوئی وقعت نہیں۔ یہ نقد سزا ہے جو ہم کو دنیا میں مل رہی ہے اس جرم کی کہ ہم نے بھی یہودی کی طرح دین و شریعت کو اجزا میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مسجدوں میں تو اللہ کا حکم چلے، مدارس میں، اسمبلیوں میں، معاشیات میں، معاشرت میں ملک کے مجموعی اور اجتماعی نظام میں اللہ کے احکام بے دخل رہیں۔ ان چند جملہ نامائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کی طرف آئیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ فَلْيَذْوَكَ ذَا مَعْرَضٍ اسْتَقْبَحَ كَمَا أَمِئْتُ اود منع فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرین حق کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کیجئے۔ مگر دلیل اس اسلوب میں ان کفار اور مشرکین کو متنبہ کرنا ہے کہ تم ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ توقعات نہ رکھو کہ وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کریں گے۔ یہ سب ملامت و معافیت آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سموئے ہوئے ہیں کہ: وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ

ایمان بالکتاب

آگے چلے اور قرآن مجید کا یہ اعجاز دیکھئے کہ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں نہایت جلد معنی کے ساتھ نہایت اہم مضامین و موضوعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ کوزے میں سمندر بند کرنے کا محاذہ اگر صدی صدی سے آتا ہے تو وہ قرآن مجید کی ہر آیت پر راسخ آتا ہے۔ اب اسی آیت کا احاطہ پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک بات ڈنکے کی چوٹ کہنے کا کافی کرم کو حکم ہو رہا ہے۔ فرمایا:

وَكُلُّ أَمْنٍ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۝

”اور اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے“

یہاں توقف کر کے پہلے ”میں کتاب“ کی کچھ شرح سمجھ لیجئے تفصیل کے لئے وقت نہیں لہذا اشارات ہی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ یہاں ”میں“ بحتیاب ”فرما کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نبی اکرم صوف قرآن کریم ہی کو منزل من اللہ تسلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر آسمانی کتاب کو ماننے کا اقرار فرماتے تھے۔ اسی بات کو سورہ بقرہ کے آخری لکڑے میں اس طرح صریح فرمایا گیا ہے: اَمَّا التَّوْسُوتُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمَّا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِمْ وَرُسُلُهُمْ۔ ہمارے یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس ہدایت یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی جانب سے ان پر نازل کی گئی ہے اور وہ بھی ایمان رکھتے ہیں جنہوں نے ہمارے رسول کی تصدیق کی ہے۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر اور اس کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہمارے رسول اور ان کے صحاب کا قول یہ ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ۔ ہم اللہ کے رسولوں کے مابین تفریق نہیں کرتے؛ مطلب یہ ہوا کہ توہرات، زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے جو بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ان سب پر بھی اور قرآن پر بھی ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ قرآن مجید درحقیقت تمام آسمانی کتابوں کا صمیم و مصدق ہے۔ پہلی کتابیں محرف ہو گئیں، صحیفے گم ہو گئے۔ قرآن ان سب کا جامع ہے اور تا قیام قیامت محفوظ رہے گا۔ چونکہ حضور خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ اسی طرح اللہ کے تمام رسولوں کی بھی خاتم النبیین والمرسلین اور آپ کے صحابی تصدیق کرتے ہیں۔ اب آئیے آیت کے اس حصے کی طرف۔ آپ نے دیکھا کہ آیت نمبر ۱۸ میں لفظ کتاب آچکا ہے: وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ هٰذَا لَیْسَ شَیْءٌ مِّنْهُ مُرْتَبِ۔ بظاہر یہ کتاب کے ماننے والے ہیں، بظاہر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان توہرات پر ہے۔ لیکن ان کا یقین منزل نازل ہو چکا ہے اپنے دینی سربراہوں کا کردار دیکھ کر ان کے رویہ کو دیکھ کر، ان کے قوت کو دیکھ کر ان کتابوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ رہا ہے۔ ان کا ایمان ہل چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہاں نبی اکرم کی زبان سے کیا کہلوا رہا ہے۔ اِیْرَکُمْ اَمَنْتُ بِمَا اُنْزِلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ مِّرَکَیْہِ تواس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور میرا سارا عمل اس کے مطابق ہے۔ میر

اس پر جا ہوا ہوں —

قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ | سورہ یونس میں مشرکین کے اس مطالبہ کا حوالہ آیا ہے جو وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے لئے کرتے تھے۔ وہ کہتے

تھے کہ اگر یہ ہو جائے تو ہماری اور آپ کی صلح ہو سکتی ہے۔ سورہ یونس میں فرمایا: **وَإِذَا تَشَاءُ عَلَيْهِمْ أَلَيْسَ الَّذِینَ لَا یُزْجُونَ لِقَاءَ مَا نَأْتِیْهُمُ بِالْقُرْآنِ خَیْرٌ مِنْ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ** ط اور جب انہیں ہماری روشن اور بین آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو آخرت میں ہم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اسی میں رد و بدل کر دو۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ قرآن بہت *Requid* ہے۔ یہ بالکل بے جگہ ہے۔ اس کا موقف بہت سخت ہے۔ آخر دوسروں کو بھی *Accommodating Attitude* (Compromising Attitude) معلوم کیا جانا چاہیے۔ معالجانہ رویہ بھی تو ہونا چاہیے۔ لہذا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا پھر اسی میں تغیر و تبدل کرو۔ کچھ اسے کی سختی کم کرو اور اسے نرم بناؤ۔ **إِنِّیْ لَیَقْنُ أَنْ خَیْرٌ مِنْ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ** ط جواب کیا دلوایا گیا۔

ثُمَّ لَیَقْنُ أَنْ خَیْرٌ مِنْ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ	اے نبی کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ
مِنْ تِلْكَ لَیْقَیْ لَیْقَیْ لَیْقَیْ لَیْقَیْ	مکمل ہی نہیں کہ میں اپنے جی سے اس میں
إِلَّا مَا یُؤْتِیْ السَّحَابُ مِنْ مَّاءٍ فَیُخْرِجُ مِنْهُ نَبَاتٌ	کوئی تغیر و تبدل کر دوں۔ میں تو خود اسی
إِنْ عَصِیْتَ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ	کے اتباع پر مامور ہوں جو مجھ پر وحی
عَظِیْمٍ (آیت عطا)	کیا جاتا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی
	کر دوں تو مجھے بڑے ہولناک عذاب کا خوف ہے۔

یعنی اگر یہ باتیں میں اپنے جی سے کہہ رہا ہوتا۔ یہ میرے اپنے نظریات ہوتے۔ میرا اپنا کوئی پرکھ ہوتا۔ کوئی پارٹی منشور ہوتا جس کو چند لوگوں کی مشاومت سے بنایا گیا ہوتا تو میں اس میں ترمیم و ترمیم کرتا تھا۔ کوئی رد و بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ اللہ کا کلام ہے اس کے فرامین ہیں جو میں نہیں چڑھ کر مٹا رہا ہوں۔ میں آپ کو کل کی تقریر میں سورہ زمر کی یہ آیت سنا چکا ہوں: **وَأَمْرٌ مِّنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ** ط مجھے تو حکم ملا ہے کہ اللہ کا پہلا فرمان میں خود نہیں۔ چنانچہ اللہ کے احکام کے مطابق سر جھکانے والا اور اس کی تائید اور اس کرنے والا سب سے پہلے میں خود ہوں۔ اس لئے میرے لئے

یہ کہاں ممکن ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بندگی کر سکوں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ یہی تو بات تھی کہ اسی زمر کے آخر میں کس قدر جلالِ امان ہے کہ: قُلْ أَفَتَذَرُوكُم مَّا فَوَّضَ إِلَيْكُم مِّنْ دِينِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ اے نبی! کہہ دیجئے۔ جانور! کیا تم مجھے بھی حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش شروع کر دوں۔ اے حرص و ہوا کے بندو! مجھے اپنے اور پریتاس نہ کرو مجھے مصلحتوں کے راستے نہ دکھاؤ۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کر دوں۔ مجھے تو حکم ملا ہے: بَلِّغِ اللہَ فَاَعْبُدْ وَتَحَنَّنَ عَلَيْنَا مَحْنَتًا ۝ میں اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا رہوں اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں۔ وہی حکم جہاں ہے کہ: قُلْ اَمْسِكُوا ذُرِّيَّتَكُمْ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ۝ (جاری ہے)

بقیہ ’درس حدیث‘

اللہ کے راستے میں جدوجہد ایک اجتماعیت کے بغیر ناممکن ہے اور اس عمارت میں اجتماعیت کو میسر ہی کے ایک طرف لگے ہوئے کٹہرے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ پہلی سطح پر لوگ جب مل جل کر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اللہ کی بندگی کریں گے تو اگرچہ معاشرے کے لوگ اسے ناپسند کریں گے مگر اس کے ساتھی جماس راہ پر چل رہے ہیں وہ اسے گلے سے لگائیں گے اسی طرح دعوتِ دین کے کام میں اللہ کے پیغام کی نشر و اشاعت میں سرمایہ، قوت، تحریر، قوتِ تقریر اور دوسرے تمام وسائل کو بروئے کار لایا جائے گا تب جا کر بات بنے گی۔ اسی طرح تیسرے اور آخری مرحلے کو صبر کرنے کے لئے تو ایک ^{ARMY} DISCIPLINE والی جماعت تیار کرنا ہوگی جو اپنے امیر کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہو۔ جس طرح نماز کے لئے وضو شرط ہے اور یہ شرط فرض کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ اسی طرح دین کی تبلیغ و دعوت، شہادتِ عمل الناس اور اقامتِ دین جو فرضِ دینی میں شامل ہیں، لزومِ جماعت شرط ہے اور اس طرح ایک دینی جماعت کا قیام و استقامت بھی فرض کے درجہ میں آجاتا ہے۔

وَأَحْسِنُوا نَافِلَ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

غیب

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

شمس احمد فورانی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو انتہائی قیمتی نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے ایک نعمت زبان ہے جس کا صحیح استعمال انتہائی خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے لیکن اگر اسے غلط استعمال کیا جائے تو ہر قسم کے فساد اور غم کی جڑ بن جاتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ اور سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْتًا مِّنْكَ لَا تَسْمَعُونَ (الاسراء: ۳۶)

ترجمہ: کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ گوس جو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً انکھ کان اور دل سب کی باز پرس ہوگی۔

۲۔ مَا يَلْفُظُونَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۱۸)

ترجمہ: کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کر کے لیے ایک حاضر باش گمان موجود نہ ہو (جو لفظ بھی زبان سے نکلتا ہے اسے ضبط کرنے والا ایک حاضر باش گمان موجود ہوتا ہے)

۳۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (المؤمنون)

ترجمہ: یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں غشوع اختیار کرتے ہیں اور لغویات سے دور رہتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا مسلمان بہترین ہے؟

فرمایا، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت ہیں (بخاری، مسلم، نسائی)
اسی معنی کی روایت بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی
روایت کی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
زیافت کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہترین عمل کن سہ ہے؟ ارشاد ہوا: وقت
پر نماز کی ادائیگی۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا؟ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ لوگ تیری زبان سے محفوظ رہیں۔“
(امام طبرانی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

۳۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہ نجات
کیسے؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی زبان قیام میں رکھو۔ اپنے گھر پر قناعت کرو اور اپنے گنہوں پر روؤ۔ (ابوداؤد،
ترمذی، بیہقی)

اسی معنی کی حدیث طبرانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے — اور طبرانی و بیہقی نے حضرت
ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

۴۔ حضرت ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے
ارشاد فرمایا ”جو مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں؟“
(بخاری، ترمذی)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جسے اللہ
تعالیٰ نے زبان اور شرمگاہ کے حصے محفوظ کر دیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔“ (ترمذی - ابن حبان)

۶۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ
نے تمہارے لیے تین باتیں ناپسند فرمائی ہیں۔ ۱۔ فحش باتیں کرنا۔ ۲۔ مال خالص کرنا۔ ۳۔ بلا مقصد سوال
کرتے رہنا۔ (بخاری - مسلم - ابوداؤد)

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”انسان کے اسلام کی غولی یہ ہے کہ غیر حلال باتیں چھوڑ دے“ (ترمذی)

۸۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: جو کچھ بھی پہنستے
ہیں کیا وہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”تیری طرح کو بھٹنے
لوگ اپنی زبانوں کی وجہ سے ہی جہنم میں اوندھے منہ ٹاٹے جائیں گے۔ تیری سلامتی اس میں ہے کہ تو ہمیشہ

ناموش رہے۔ جو نبی تو نے بات کی یا تیرے حق میں جانے کی یا تیرے خلاف (طبرانی)
 زبان کی مخالفت اور کم از کم گفتگو کے متعلق ذخیرہ حدیث میں غالباً ساٹھ کے قریب حدیثیں پائی جاتی ہیں
 جن میں سے چند کا ذکر بطور نمونہ قوانین کے ساتھ پیش کر دیا ہے تاکہ یہ فیصلہ فرمائیں کہ زیادہ گفتگو دنیا و
 آخرت میں مفید ہے یا کم از کم؟

مسلمان کی عزت | مسلمان کی عزت کا کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے
 کیا مقام دیا ہے؟

اس کے لیے مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ اہل بس ضروری ہے۔

۱۔ حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے
 سنا: بلاشبہ تہا ہے غنی، مال اور عزت تم پر اسی طرح حشر میں جیسے کچ کا دل، اس جینے میں اور اس شہر کے
 اندر، توجہ کرو! میں نے بت تم تک پہنچا دی ہے۔ (بخاری، مسلم)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان پر مسلمان
 کا خون، عزت اور مال قابل احترام ہیں“ (مسلم، ترمذی)

۳۔ حضرت بلزبن غائب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”سود
 کی بہتر اقسام ہیں سب سے چھوٹی قسم کا گناہ ایسا ہے جیسے آدمی اپنی والدہ کے پاس شہوت سے جائے
 اور بدترین قسم اپنے بھائی پر زیادتی کرنا ہے۔“ (طبرانی)

اس معنی کی روایت ابن ابی الدنیائے نے کتاب ذم الغیبہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے

نقل کی ہے۔

۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

”اللہ کے اہل بدترین گناہ کسی مسلمان کی عزت سے کھینٹا ہے“ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَا تَسْبُوا أَحَقُّد لَعْنَتُهُمْ

بَغْشًا وَإِنْ أَمَّا مِنْهُمْ (الاحزاب: ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بغیہ قصور افزیت دیتے ہیں۔ انہوں نے

ایک بڑے یتان اور مرد کے گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔

(ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

۵۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا: ”بدترین خیانتی

مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے" (ابوداؤد)
 کیا اس کے بعد بھی کسی مسلمان کا دل یہ بات گوارا کرے گا کہ وہ کسی مسلمان کی عزت کو نشانہ بنا کر اس سے
 ہتھیار لگائے اور لطف اندوز ہو۔ یہ چند احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ ذخیرہ حدیث اس طرح کے احکام
 سے مالا مال ہے۔

غیبت کیلئے | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
 صحابہ سے دریافت کیا۔ تمہیں معلوم ہے غیبت کیلئے؟ انہوں نے کہا اللہ اور
 اس کے رسول ہیتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بھائی کا تذکرہ اس طرح کرو جو
 اسے ناپسند ہو کسی نے پوچھا۔ جو کہ میں کہہ رہا ہوں یا اگر میرے بھائی کے اندر یہ بات موجود ہو؟ آپ نے
 فرمایا جو کہ تم کہہ رہے ہو اگر تمہارے بھائی میں موجود ہے تو تم نے غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں موجود
 ہی نہیں تو تم نے بہتان بانٹا۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)
 پناچہ غیبت کی تعریف میں ہوئی کہ کسی مسلمان کا اس انداز میں تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔
 اور اس کی تحقیر مقصود ہو۔

غیبت کی حرمت | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْجَنَّتَيْنِ الْكُفْرَ آمَنَ الْكُفْرُ بِنَبِيٍّ
 الْقَلْبِ ائْتَعُوا وَلَا تَحْسَبُوا أَنْ يَنْفُسَ كُفْرُكُمْ بَعْضُ مَا عَصَيْتُمْ أَلَمْ تَكُنْ أَنْ تَبْأَلِ
 كُفْرُكُمْ بِنَبِيِّكُمْ فَكَمْ مِمَّا كُفَرْتُمْ وَأَتَقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ لَكَلِمَاتٍ خَوِشْتُمْ (الحجرات ۳۸)
 ترجمہ ہمارے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، بعض گمان گناہ ہوتے
 ہیں جس سے نہ کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا
 ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تمہیں خود یہ ناپسند
 ہے۔ اللہ سے ڈرو اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

توبہ طلب | اس فقرے میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ
 دے کر اس فعل کے انتہائی گناہنا ہونے کا تصور دلایا ہے، مراد کا گوشت کھانا
 بدلے خود عزت کے قائل ہے بلکہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہوا اور انسان بھی کوئی
 مرد نہیں خود اپنا بھائی ہو۔ پھر اس تشبیہ کو سوا الیسا انداز میں پیش کر کے اور زیادہ مؤثر بنادیا گیا ہے تاکہ ہر
 شخص اپنے غمیرے نوچ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار

ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی طبیعت اس چیز سے بھی کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے؟ جہل وہ اپنی مافعت نہیں کر سکتا اور جہل اس کو یہ خبر تک نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جارہی ہے؟ اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزمائی نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو، بلکہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا جائز ہے۔ غلام ہے قلعہ نظر اس سے کہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور اس کو اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ سرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں ہے کہ شرف کو اس سے تکلیف جوتی ہے، مڑوہ بے چارہ تو اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس کے منے کے بعد کوئی اس کی لاش بھینڈ رہا ہے۔ مگر یہ فعل بجانے خود ایک گناہ ناجائز ہے۔ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو، اس کو بھی اگر کسی ذلیل سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بے خبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کوئی لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظریں وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئیں۔ اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی اذیت نہ پہنچے گی۔ مگر اس کی عزت پر بہر حال اس سے حرف کئے گا، اس لیے یہ فعل اپنی نوعیت میں مڑوہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۵ ص ۹۴)

مذکورہ آیت کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز میں بیان فرمائی ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اسلام قبیلہ کا ایک آدمی (معاذ بن مالک الاسلمی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے باپ سے میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتے ہوئے کہا میں نے کسی عورت سے بدکاری کی ہے۔ ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے شرع پھر لیا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم یہ اقرار کیوں کر رہے ہو، اس نے عرض کی میری خواہش ہے کہ آپ مجھے پک کر دیں چنانچہ آپ نے سنگسار کئے کا حکم دیا۔ اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو دوسرے سے یہ کہتے سنا لیا۔ ”اے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ مگر اس کے نفس نے اس کو چھپا نہ چھوڑا۔ جب تک یہ کتے کی موت نہ مر گیا۔“ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر کچھ دیر چلتے رہے۔ آپ ایک گدے کی لاس سے گڑے جس کی ٹھونسنے کے بعد ٹانگ بھی اٹھی جہاں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قلل قلل کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو (غیبت کرنے والا اور سننے والا) حکم دیا کہ ”اس گدے کی لاش کھاؤ“ انہوں نے عرض کی؟ اللہ کے رسول اے کون کھا سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”میں بھی

جو پہلے بمبائی کی عزت پر حرف زنی کر رہے تھے وہ اس گمراہی کی بدبودار لاش کھانے سے زیادہ بُری ہے۔“ (ابن حبان)

دیگر کتابوں میں بھی اس معنی کی حدیث پائی جاتی ہے۔ گھجہ الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہے۔ میری گزارش ہے کہ اس حدیث کو دوبارہ سہ بارہ پڑھیں اور غور فرمائیں !!!

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ اچانک بدبودار جوا آئی اسی وقت آپؐ نے سوال کیا تم جلتے ہو یہ ہوا کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں۔ (مسند الامام احمد رحمہ اللہ - سندنا کمال صحیح ہے)

غیبت سننا اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی غیبت کرے تو شریعت کی نگاہ میں انتہائی قبیح اور گناہنا جرم ہے اسی طرح کسی کی غیبت سننا بھی شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔ حسب ذیل شرعی دلائل پر غور فرمائیں اور نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعَصِّمُونَ ۝ (النومن: ۳)

ترجمہ: جو لوگ لغوات سے اعراض کرنے والے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ

كَانَ عَنْهُ مُنْشَوٰةً ۝ (الاسراء: ۳۶)

ترجمہ: کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً اگلا کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوئی ہے۔

وَإِذَا سَأَعُوا اللَّغْوَ عَصَوْا طَعْنَهُ وَقَالُوا إِنَّا عُمَّانُنَا وَنَحْنُ أَهْمُ الْكَلَامِ سَلَامٌ

عَلَيْكُمْ لَا تَنْتَفِي الْجَوَابِلِينَ ۝ (القصص: ۵۵)

ترجمہ: اور جب انھوں نے بے ہودہ بات سُنی تو یہ کہہ کر اس سے کن رکش ہو گئے کہ

ہمارے اعمال جا رہے ہیں، تمہارے احوال تہلے لیے۔ تمہیں دُور سے ہی سلام ہے ہم

جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

۱۔ حضرت متین بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

حیالت کیا ٹھکری انہم کہاں ہے؟ ایک آدمی نے کہا وہ منافق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

آپؐ نے فرمایا: ایسا مت کہو، تمہیں خبر نہیں کہ اس نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دے کر ایمان لے لیا ہے۔

انی نے آگ برلاس آدمی پر حرم کر دی ہے جس نے لا الہ الا اللہ اس کی رضا کے لیے کہا ہو۔
 — حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غیبت کرنے بلکہ سننے والے کو بھی حکم دیا کہ وہ کہے کی یہ بولد لاش کھائیں کیونکہ جرم میں وہ دھن بابر کے قصور وار ہیں۔
 اس موقع پر تو ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا محافظ بن جائے اور حتی الوسع بھائی کا دفاع کرے جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے۔
 — حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اسے آگ سے بڑی کوفے خدا امام احمد۔

— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے چہرے سے آگ نکل کر رکھے گا۔ (ترمذی)
 — حضرت جابر بن ابی طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کی تذلیل کی جا رہی ہو اور اس پر حملہ کیا جا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو۔
 اُن شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی تذلیل کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے۔
 (رواؤں)

نسط : مذکورہ بالا احادیث اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔

بت کرنے والے کا حال قبر؟ | حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اور ایک دوسرا آدمی آپ کے بائیں ہاتھ پر چڑھ کر آپ کے سر پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہے۔ انسان کو کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا جبکہ وہ اللہ کے ان عذاب کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔
 آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی ایک شغل نہ کرے گا ہم دونوں دفن ہوئیں آگے نکل گیا میں ایک نے آپ نے اسے دھکوتے کیا اور ہر قدم پر ایک ایک ٹھٹھا دیا عزت فرمایا جب تک یہ تردد نہیں گی، ان کو کم عذاب ملے گا۔ ایک کو بعض غیبت اور دوسرے کو پیشاب کے تھپتھپ کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

امام احمد نے اپنی سند میں صحیح سند کے ساتھ روایت فرمائی ہے۔
دیگر کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

غیبت کرنے والا امید ان حساب میں | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، تم جانتے ہو مفلس کون

ہے؟ صحابہ نے عرض کی جس کے پاس مل و متاع نہ ہو، آپ نے ارشاد فرمایا ”میری امت میں مفلس وہ ہے جو نماز روزہ کی ادائیگی کے ساتھ روز قیامت حاضر ہو (اور اس کے ساتھ ساتھ) کسی کو گالی دی، کسی بچہ بہتان لگایا کسی کا دل کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا۔ پھر ہر ایک کو اس کی نیکیاں اس کے حق کے مطابق بانٹ دی جائیں گی۔ اور اگر حقیقی ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں۔ تو ان کی ٹرائیاں لے کر اس کے فے مثال دی جائیں گی پھر اسے آگ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، الترمذی)

غیبت کرنے والے کا عذاب | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کھائی گئی تو آپ نے آگ میں ایک گروہ کو دیکھا جو بدو دروش کھا رہا تھا۔ پوچھا جبریل! یہ کون ہے؟ کہایہ وہ ہیں جو لوگوں کی غیبتیں کرتے تھے۔ (صحیح سند کے ساتھ امام احمد نے ذکر کیا ہے)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مجھے معراج ہوا تو ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے نام نہ تھے۔ اپنے سینوں اور چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبریل! یہ کون ہیں؟ کہایہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (غیبت کرتے تھے) اور ان کی عزت پر حملہ آور ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

غیبت کا کفارہ | اگر کسی مسلمان سے اپنے بھائی کی غیبت سنا ہو جائے تو اس کا کفارہ حسب ذیل ہوگا۔
۱۔ جس آدمی کی غیبت ہوئی ہے ادا وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔
تو غیبت کرنے والا اس کے حق میں اس قدر استغفار کرے کہ اس کا اپنا دل مطمئن ہو جائے۔ کہ میں نے اپنے بھائی کی حق دہی کر دی ہے۔

اخت کے معتبر ظاہر کا یہی فتویٰ ہے۔ ادا اس کے علاوہ کوئی صحت ممکن بھی نہیں۔

۲۔ اور اگر وہ زندہ ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس سے معذرت کر لی جائے۔ تو غیبت کرنے والا اس سے معذرت کرے۔

دلیل | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو

کے ذمے اس کے بحالی کا حق ہو رہا ہے اس دن سے پہلے معاف کر دالے جس دن کوئی دیندہ ہو گا نہ دم۔
تو وصف اس کی نیکیوں کی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں تو دوسرے کی برائیاں اسے سونپ دی جائیں گی (بخاری ص ۱۷۸)
ایک بچے سلمان کا یہ مقام ہے کہ اگر اس سے کوئی خواہ مسلمان یا کافر بھی غصہ و درگزر کی
درخواست کرے تو وہ فوراً اسے خندہ پیشانی سے قبول کر لے کیونکہ اللہ حکم الٰہی میں کارشامہ ہے۔

— خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَنْتَ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (اعراف: ۱۹۹)

ترجمہ: نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

اور بندہ مومن کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

وَالْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالْعَافِي عَنِ النَّاسِ ۝ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (ال عمران: ۳۴)

ترجمہ: جو نرمی کو اپنی بات میں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگوں

کو اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے۔

مزید اشارہ ہوا۔

وَلَكِنْ صَبْرٌ قَسِيْرٌ ذَٰلِكَ بَنَىٰ عَزْمٌ ۝ (الشوریٰ: ۴۳)

ترجمہ: اور جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑا عزم اور عزمی کے کامل میں سے ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو معاف کرنا اپنی طرف سے معافی کا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے۔

وَلْيَغْفُوا ۚ وَلْيَغْفُوا أَلَّا تُحِبُّوا أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نور: ۲۲)

ترجمہ: انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف

کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔

سنت مطہرہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو تا ہے کہ معاف کر دینا، درگزر کرنا اللہ تعالیٰ کے ان انسانی

بہند یہ ہے اور رفع و دعوات کا موجب ہے۔

حضرت عیاض بن مرداضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر کسی آدمی سے کام لیں۔ تم میں سے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر نفرت سے

(مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہن تو یہ تھی کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی
کسی سے انتقام نہیں لیا البتہ حدود اللہ کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ کی جہا کے لیے ضرور سزا دی ہے (بخاری ص ۱۷۸)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ سے مال

کم نہیں ہوتا، مگر معاف کہے تو اللہ تعالیٰ اسے مقام حضرت عطا کرتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے اکہدی کی اللہ تعالیٰ اس کا مقام بلند فرماتا ہے (مسلم)
اسی معنی کی حدیث متعدد کتب میں موجود ہے۔

غیبت کی جائز شکلیں | خاتم المرسلین سید الاولین والاخرین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطلع سے مندرجہ قانون و قاعدہ سمجھ میں آتا ہے۔

کرمیست حرف اس صورت میں جائز ہے جب شرعاً اس کی ضرورت ہو اور واقعہ یہ ضرورت اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو۔ لہذا محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل شکلیں جائز قرار دی ہیں۔

۱۔ مظلوم اپنی شکایت ظالم کے خلاف عدالت یا حاکم کے سامنے پیش کرے۔

۲۔ بغرض اصلاح کسی فرد یا ادارے کی شکایت کسی فرد یا ادارے کو کرے جو اس کی اصلاح کر سکتا ہو۔

۳۔ مفتی کے سامنے بغرض فتویٰ صورت مسئلہ پیش کرے۔

۴۔ مسلمانوں کو شر سے محفوظ کرنے کے لیے حدیث کے راویوں، مقدمے کے گواہوں یا اہل تعنیف و

تایف کی کچھ روایوں سے آگاہ کرے۔ اسی طرح مشتے ناطے کے مشورے، کاروباری معاملے، امانتوں کے بارے میں اہل علم کی خاطر کسی کے بارے میں نامناسب بات کرنا بھی شامل ہے۔

۵۔ ان لوگوں کے خلاف آواز بلند کرنا جو فسق و بدعت علی الاعلان کر رہے ہوں اور ان کی وجہ سے معاشرے کا دینی معیار متلاطم ہو رہا ہو۔

۶۔ اللہ کا ایسا نام لینا جس سے وہ مشہور ہوں مگر یہ الفاظ نامناسب ہی کیوں نہ ہوں جیسے اعمی (انڈلی) امش (بھینٹگا)، اعرج (لنگڑا) وغیرہ وغیرہ۔

مجمع احادیث کو بنیاد بنا کر محدثین کرام نے قاعدے وضع کیے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: دو مگر قوم کا بدترین فرد ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کہ فلاں فلاں آدمی مجھ سے دیر کو بالکل نہیں سمجھتا۔ (بخاری)

۳۔ حضرت خاتم نبوت قیس کنتی میں کہیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابو الجہم، ابو سعید خدری

اللہ عنہا نے مجھ پر غلام نکاح یہ مجاہد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، معاویہ رضی اللہ عنہ فریب آور

ہے ابو الجہم رضی اللہ عنہ کی لاشیٰ ہمیشہ کندھے پر جمی ہے (بہت ادا ہے۔) یا بیت سحر کر رہا ہے

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ابو بکرؓ کی اہلیہ نہ بند، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور کہ ابو بکرؓ نے نخل آدمی ہے۔ وہ اسے خارج نہیں دیتا، جو مجھے اور میری اولاد کو پورا ہو۔ الایہ کہ از خود بلا اطلاع ملے لوں۔ آپ نے فرمایا مناسب طریقے سے جتنا چاہے اور تیری اولاد کو پورا ہوئے لیا کر۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (بخاری، مسلم)

الدین النصیحة غیبت کا باعث عام طور پر کسی بھائی سے ذاتی رنجش یا اس کی شرعی خلاف ورزی کی بنا پر دینی سمیت ہوتی ہے۔ لہذا بھائی اس بھائی کی غلطی کو نامناسب طریقے سے اچھلنے کے (جس سے غلطی اور برائی کو تشہیر بھی ملے اور بھائی کی عزت بھی جائے) مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس مسلمان بھائی سے براہ راست رابطہ قائم کر کے اس سے وضاحت طلب کر لی جائے اگر کسی کو غلط فہمی ہوگی تو ازالہ ہو جائے گا۔ اور اگر کھانا اس سے خطا سرزد ہوئی ہے تو اس کو بہتر اور مناسب طریقے سے توجہ دلائی جائے۔ دو تین دن اس پر پشیمان ہو گا۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت چاہے گا۔ اور اگر کسی وجہ سے اس سے رابطہ ناممکن ہو تو کسی دوسرے صاحب اثر مسلمان بھائی کے ذریعے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، غیر غریبی کا بھی یہی تقاضا ہے۔ غیر اقریب سے دو مثالیں برائے خود حاضر خدمت ہیں۔ خالی الذہن، بوکران پر خود فرمائیں۔

حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان کسی بات پر ٹکنا ہو گئی۔ حضرت عمرؓ، ابو بکرؓ سے ناراض ہو کر پلے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کے پیچھے معذرت کے ارادے سے گئے۔ لیکن انہوں نے معذرت قبول نہ کی بلکہ دوا ازہ بندہ کے بیٹھے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو الدرداءؓ کا بیان ہے کہ ہم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھتے ہی کہا کہ مدتہماری ساتھی نیکی میں آگے بڑھ گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے کیے پر شرمسار ہوئی۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگئے اسلام کیا اور آپ کے پاس بیٹھ کر سدا واقعد سنایا۔ حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے جبکہ حضرت ابو بکرؓ مسلسل یہ کہے جا رہے تھے۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بخدا قسم میرا بھائی ہے آپ نے ٹکنا فرمایا۔ یہ کیا تم میرے ساتھی سے درگزر نہیں کر سکتے کیونکہ اس نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب تم نے جھٹلایا تھا الخ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (بخاری، کتب تفسیر)

حضرت عثمانؓ نے بیان فرماتے ہیں کہ جب اُن جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سب صحابہ کو شدید صدمہ ہوا۔ حتیٰ کہ بعض تو بالکل پریشان حال ہو گئے۔ میرا حال بھی یہی تھا، میں اسی حال میں تھا

کہ حضرت عمرؓ سے اور سلام کیا جس کی جگہ قطعاً خبر نہ ہوئی چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس شکایت کی پھر وہ دونوں میرے پاس آئے اور سلام کیا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا کیا بات تھی؟ کہ تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے کہا، میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب کیا، بھائی! تم نے ایسا ہی کیا ہے حضرت عثمانؓ کہتے ہیں، میں نے کہا مجھے آپ کے گزرنے اور سلام کرنے کی قطعاً خبر نہیں، حضرت ابو بکرؓ نے کہا چشمیں پر ہوتا ہے، اس تجھے اس اہم معاملے (وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے بے خبر کر دیا تھا۔
(مکذوۃ بحوالہ مسند الامام احمد)

آخری گذارش | قانون کرام ۱۔

اس سلسلہ بحث میں کوشش مرفذ یہی کی گئی ہے کہ صرف آیات مبارکہ اور سنت ثابتہ کو من و عن بلا تبصرہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ اقوال وغیرہ سے دانستہ اعراض کیا۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور قابل اعتماد سنت آپ کے سامنے آجائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقِ دل سے عمل کر سکیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر غور کر کے فیصلہ کریں گے کہ موجودہ رویہ بہتر ہے یا کہ سنت کے مطابق عمل کہتے ہوئے غیبت کو ترک کرنا۔
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

پہرہ درگاہ: ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما، اور آگ کی سزا سے محفوظ کر دے۔

اعتذار

گذشتہ ماہ وجون کے میثاق میں آیا جان کے دورہ ہند، پر مشتمل راقم کی ایک مفصل روداد شائع ہوئی تھی جس پر کراچی سے ہمارے ایک قابلِ احترام قاری نے 'اغلاط نامہ' مرتب کر کے راقم کو ارسال کیا تھا۔ راقم اُن کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ آئندہ بھی میثاق کی تحریروں کے ضمن میں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں گے۔ البتہ چند نو ایسے ہیں جن کی صلاح ضروری ہے۔ اولاً: حیدر آباد دکن میں آبا جان کا ایک خطاب 'اعزہ اسکول' کے میدان میں تھا جس کو راقم نے 'عیضناو' اسکول لکھا تھا اور 'حیدر آباد' میں آبا جان کے خطاب کے ضمن میں جو کارڈ انہوں نے تقسیم کئے تھے، اُن پر 'عیضناو' اسکول ہی تحریر تھا۔ ثانیاً: بعض غلطیاں ایسی بھی تھیں جی پرنٹ ریڈنگ کرتے ہوئے راقم نے نشان دہی کر بھی دی تھی، بعض سبوتا کی وجہ سے انکی تصحیح رہ گئی۔ ثالثاً: حیدر آبادی حضرات کے حق کو 'خ' تلفظ کرنے کا جو ذکر راقم نے کیا تھا، اُس سے کسی وجہ میں بھی اُن کا استہزاء مقصود نہیں تھا بلکہ ایک واقعہ کا بیان تھا۔ راقم کو پوری امید ہے کہ ہمارے چند آبادی بزرگوں اور بھائیوں نے اُس

درسِ حشر

ڈاکٹر عبدالسمیع

حدیث ۱

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَ
إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى
”بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر
ہے اور یقیناً ہر شخص وہی

کچھ پائے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو بہت سے محدثین نے ایمان و سلام
کی اصل بنیاد قرار دیتے ہوئے اپنے مرتب کردہ مجموعہ ہاتے احادیث میں پہلے نمبر
پر رکھا ہے اس حدیث کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث
کو بہت سے اصحاب رسولؐ نے بیان کیا مگر جہاں اکثر احادیث اگر مختلف لوگ
بیان کریں تو مفہوم کے مشترک ہونے کے باوجود الفاظ کا کچھ نہ کچھ فرق رہ ہی جاتا ہے
جس طرح ایک واقعہ بہت سے لوگوں نے دیکھا اس واقعے اور اس کے دو ان
ہونے والی گفتگو کو ہر شخص اپنے الفاظ میں بیان کر گیا یہی معاملہ اکثر احادیث کا
ہے لیکن یہ حدیث ان چند احادیث میں سے ہے جس کو بیان کرنے والے بھی
سینکڑوں لوگ ہیں مگر اس کے الفاظ بھی تمام روایات میں ایک ہی ہیں۔
فہم حدیث کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو ”متواتر لفظی“ کہتے ہیں۔

اس ارشادِ نبوی کے اندر سب سے پہلی بات تو یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ

”لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى“ میں ”کُلِّ“ سے پہلے جو ”ل“ آئی ہے وہ اشارہ

کر رہی ہے کہ کسی شخص کے حق میں جو انعام آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ پہلے

مے میں جن اعمال کا تذکرہ ہے وہ نیک اعمال ہی ہیں جبکہ نیک نیتی کے ساتھ

برائی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ البتہ بھول چوک میں کی گئی برائی اس کے سخت آسکتی ہے کہ اس برائی کا اخلاقی نتیجہ جو آخرت میں ظاہر ہونا چاہیے وہ زائل کر دیا جائے گا جبکہ دنیا میں اس برائی کا اثر بہر حال ظاہر ہو کر ہی رہے گا مثلاً اگر کوئی شخص غلطی سے کسی پرندے کا شکار کرنا ہو انسان پر غائر کر میٹھے تو اس کی غلطی کا لحاظ کرتے ہوئے آخرت کی سزا تو معاف ہو سکتی ہے مگر گوئی اپنا طبعی اثر تو دکھا کر رہے گی یعنی کسی کو زخمی کرنا یا قتل کرنا وغیرہ علاوہ ازیں اور بھی برائیاں تو بتا انصوح کے ذریعہ معاف ہو سکیں گی۔

نیک اعمال کے سلسلے میں یہ حدیث بلاشبہ بہت بنیادی ہے کہ ایک عمل بظاہر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن اگر اس سے مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اللہ کی فرمائش اور آخرت کا اجر نہ ہو تو وہ عمل دنیوی شہرت یا اس طرح کا کوئی دنیوی فائدہ تو شاید دے سکے مگر آخرت کے دن اللہ کے ترازو میں کوئی وزن نہ پائے گا۔

اس حدیث سے مطلوب اعمال میں خلوص پیدا کرنا ہے۔ خلوص کے معنی خالص ہونے کے ہیں اور خالص کا اطلاق اسی چیز پر ہوتا ہے جو سو فیصد خالص ہو۔ علامہ اقبال نے ٹیپو سلطان پر اپنی مشہور نظم میں فرمایا تھا۔

باطل و دنی پسند ہے حق لاشدیک ہے
شرکت میانہ حق و باطل ذکر قبول

لہذا اللہ کو خوش کرنے کی بجائے انسانوں سے وا لینے کی خاطر سخاوت اللہ کے راستے میں جنگ اور قرآن مجید کو پڑھنے پڑھانے جیسے بہترین اعمال بھی حضور کے ایک اور فرمان کے مطابق قیامت کے دن بیکار ثابت ہوں گے اللہ جب اپنے ان بندوں سے لینے احسان جتلا کر یہ پوچھے گا کہ تم کیا کر کے لاتے ہو تو سخی اپنی سخاوت شہید فی سبیل اللہ اپنی قربانی اور قاری و عالم قرآن اپنی خدمت کا حوالہ دے گا۔ جس پر پروردگار کیسے لاقم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے یہ کچھ اس لئے کیا تھا کہ لوگ تمہیں ”سخی“ ”بہادر“ یا ”قاری اور عالم“ کہیں۔ تو وہ دنیا میں کہا جا چکا اب یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ لہذا انہیں اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائیگا یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اخلاص نیت کا بنیادی تقاضا اللہ کی فرمانبرداری ہے۔

لہذا حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس حکم کو بجالانا نہ چاہتے ہوئے بھی ضروری ہوگا۔ بس بنیادی نیت کے صحیح ہونے کے بعد اگر اخلاقی طور پر انسان کے اندر یہ خیال پیدا ہو کہ لوگوں میں شہرت بھی ہوگی تو کوئی مضائقہ نہیں بس انسان اس خیال کو حتی الامکان دل میں جگہ نہ دے اور اس کو کسی بھی صورت اصل محرک عمل نہ بنے دے۔ اس خیال کی نفی کرنے کی غرض سے نیکیوں کو ترک کرنا کسی صورت روا نہیں بلکہ فرائض کی بجا آوری سرعام کرنا اور نوافل کی ادائیگی چھپکے کرنا مشکور ہوگی۔ تنہائی میں چھپ کر ادا کئے گئے نوافل انشاء اللہ فرائض میں خلوص کی کمی کی تلافی کا سبب بنیں گے اور فاسد خیالات رفتہ رفتہ کم ہوتے چلے جاتیں گے۔

حدیث ۷۲

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	بنی الاسلام علی خمس
اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے	شہادۃ ان لا الہ الا
سوا کوئی اللہ نہیں ہے اور یہ کہ	اللہ وان محمدًا رسول اللہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول	واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ
ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ	وحج البيت وصوم رمضان
ادا کرنا اور تنہا بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا،	

اس حدیث مبارکہ میں حضور نے اسلام کی پانچ بنیادوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ان پانچ میں سے ایک یعنی "نماز" کو دین کا ستون قرار دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کے نزدیک دین اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے۔ جس کی پانچ بنیادوں میں چار کی حیثیت ستونوں کی ہے اور ایک یعنی ایمان راقراز باللسان اور تصدیق بالقلب، کی حیثیت معروف معنوں میں عمارت کی بنیاد کی ہے۔

کسی عمارت کی بنیاد کے بھی دو حصے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو

ایمان / بنیاد زمین کو دگر رکھی جاتی ہے اور بنیاد کا دوسرا حصہ جو زمین سے

باہر نظر بھی آتا ہے جسے جدید تعمیر میں (PLINTH) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اول الذکر اسلام کی پیش نظر عمارت میں تصدیق قلبی یا دل سے مان لینے کی مثال ہے جبکہ مؤخر الذکر یعنی : اقرار باللسان یعنی زبانی اقرار کی ۔

اسلام کی اس عمارت میں ارکان اور ستونوں کی عبادات / ارکان حیثیت حاصل ہے ان چار عبادات کو جن کو اکثر و بیشتر کل اسلام سمجھ لیا جاتا ہے جو انتہائی نامعقول روش ہے ۔ چونکہ کسی عمارت کی بنیاد اور ستونوں کی اہمیت کا انکار تو ممکن ہی نہیں ہے لیکن ان کو مطلوب اور مقصود کہی نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی ستونوں اور بنیاد کو عمارت کہا جاتا ہے البتہ بنیاد صحتی گہری ہوگی اور بنیاد اور ستون جس قدر مضبوط ہوں گے عمارت اور اس کی مندریں اسی قدر مضبوط اور دیر پا ہوں گی ۔

اگر کوئی عمارت بغیر بنیاد کے کھڑی کر دی جائے یا اس کی بنیاد زیادہ گہری نہ ہو یا اس کے ستون اور بنیاد ناپختہ ہوں تو کون نہیں جانتا کہ ذرا سی تیز آندھی شدید بارش اور معمولی زلزلہ بھی اس عمارت کو زمین بوس کر دے گا ۔ لہذا اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کی بنیاد یعنی ایمان اگر سطحی دینی زبانی اقتدار ہو یا کمزور ہوا سی طرح اس کے ستون یعنی نماز روزہ حج اور زکوٰۃ اگر مضبوطی سے کھڑے نہ کئے گئے ہوں تو ایسی عمارت دین کے راستے میں آنے والے مصائب کی ایک آندھی اور جان مال کے نقصان کی دھمکی زلزلے کی شکل میں ایک ہی جھٹکے سے زمین پر آ رہے گی ۔

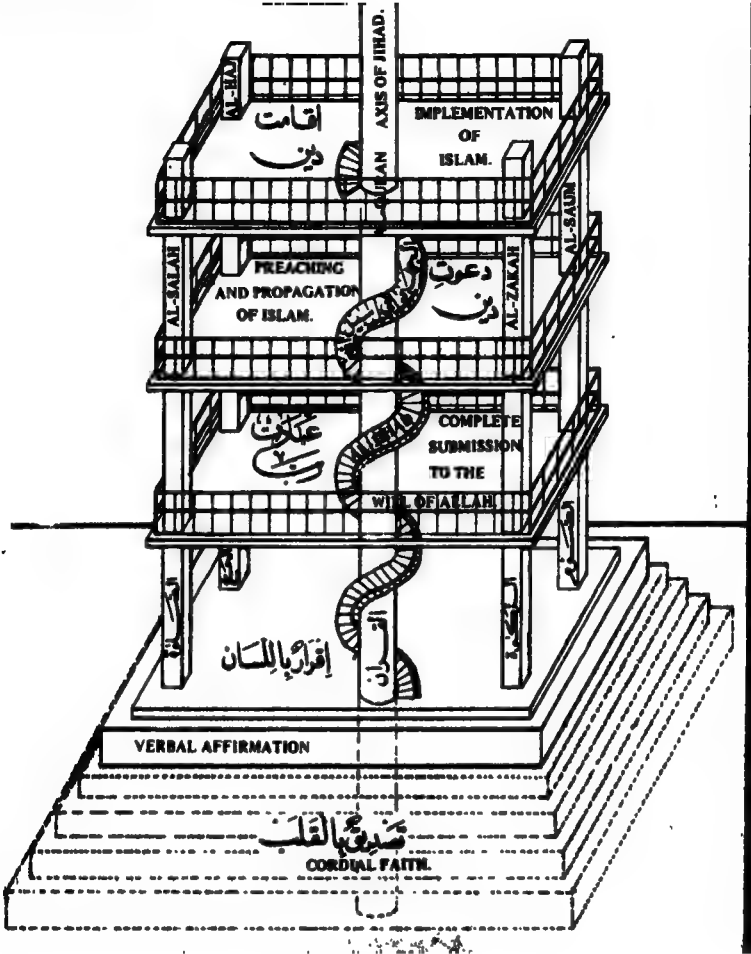
تین مندریں : قرآن و سنت کی روشنی میں دین اسلام کے تین تقاضے

پس ۔

i) عبادت رب :- اللہ کی غلامی کو اختیار کرنا اور اللہ اور رسول کے تمام احکام کو بجالانا ۔

ii) دعوتِ دین :- دوسروں تک اللہ کے پیغام کو پہنچانا اور اللہ کا بند بننے کی دعوت دینا ۔

iii) اقامتِ دین :- دین کو قائم کرنا ۔ اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ۔ اسلام کے پیش نظر نقشے میں ان تینوں مطالبوں کو تین چھتوں کی صورت میں دکھایا



فرائض دینی کا خاکہ

کیا ہے ... ان تینوں میں پہلا مطالبہ جسے پہلی چھت کی حیثیت حاصل ہے عبادت رب ہے یہ ایمان کا اولین تقاضا ہے یعنی ایمان کی صورت میں جس ہستی کو پناہ خالق و مالک اور پالنے والا مانا ہے اس کے احکامات کو مانا جاتے اور اسکی بلا چوڑ چڑا پوری زندگی میں اطاعت کی جاتے اس کے احکام جو اس کے رسول کی وساطت ہم تک پہنچے ہیں ان کو بجالایا جاتے اگرچہ وہ نفس کو ناپسند ہی کیوں نہ ہوں خواہ کسی

خاص وقت میں دل ان پر آمادہ نہ ہو بلکہ ”تو کر کی تے نخرہ کی“ کے مصداق مالک کا ہر حکم ایک مخلص تو کر کی طرح مانا جاتے۔

اسلام کا دوسرا تقاضا ہے دوسری چھت سے دکھایا گیا ہے، دوسروں کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت ہے یہ بھی ایمان کا تقاضا ہے چونکہ ایمان صرف اللہ کو اپنا مالک رب ماننے پر نہیں تمام مخلوقات کا خالق و مالک ماننے پر لایا گیا تھا لیکن بالفعل چاند سورج زمین ہوائیں پوسے پرند و چرند تو اس کا حکم مانتے نظر آتے ہیں مگر انسان اس کا نافرمان ہے جبکہ یہ بھی اس کا دیا ہوا رزق کھانا اور اسی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس سطح پر بندگی کی یہ دعوت انسان کو ذاتی سطح پر ہوگی بغیر باد کے ہوگی یعنی یہ کہ لوگوں کو اپنی آمادگی سے بندگی رب کو اختیار کرنے کی دعوت دی جائے گی۔

اسلام کا تیسرا تقاضا اقامتِ دین ہے یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام کو نافذ کرنا جہاں دوسری سطح پر افراد کو کھلی اجازت تھی کہ وہ چاہیں تو اللہ کو مانیں اور چاہیں تو انکار کریں وہاں اس سطح پر مذکورہ بالا اجازت کے ساتھ ساتھ ان دوسرے افراد کو اسلام میں رکاوٹ کی اجازت نہیں ہوگی یعنی ملک کا قانون اسلام ہی کا ہوگا بالفاظِ دیگر (کی مدت تک ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر رہنے کی اجازت ہوگی جبکہ اللہ ہی کا ہوگا۔)

اسلام کی اس عمارت پھڑھنے کے لئے جس سیرٹھی کی ضرورت پڑتی ہے (جو اس نقشے میں گول سیرٹھی کی شکل میں دکھائی گئی ہے) وہ ”جہاد“ ہے۔ جہاد کا لفظ جہد (کوشش) سے نکلا ہے اور جہاد کے معنی ہیں کسی مخالف قوت کے ساتھ کشمکش کرنا۔ یہ کشمکش ہر سطح پر مطلوب ہوگی۔ پہلی منزل پر چڑھنے کے لئے بھی انسان کو ایک طرف اپنے نفس کے حیوانی تقاضوں اور شیطان کے کشمکش کرنی ہوگی تو دوسری طرف معاشرے کیساتھ جو مکھی جنگ لڑنا ہوگی۔ اسی طرح دوسری منزل یعنی دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینے کیلئے معاشرے کے تمام باطل نظریات کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا اور دعوتِ دین کے لئے ارشادِ باری ”أُذِعْ الْخَلْفَ مَبِیْلَیْکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَاوِبْ لَهُمْ بِآیٰتِیْهِیْ أَحْسَنَ“

ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عورت

اور

اسلامی معاشرہ

احمد افضال

سورۃ احزاب میں ارشاد الہی ہے:

۱۰ اپنے گھروں میں جمک کر رہو: (آیت - ۳۳)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"عورت مستور رہنے کے قابل چیز ہے۔ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو ہانکتا ہے

اور اللہ کی رحمت سے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر میں ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے لئے جواب دہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ عورت اور مرد دونوں

کے فرائض بالکل جدا اور علیحدہ ہیں۔ دونوں کی جسمانی اور ذہنی ساخت اور صلاحیتیں مختلف

ہیں۔ مزاجی و عقلی اعتبار سے دونوں کی پختگی اور خامی بھی ظاہر ہے۔ عورت کو نرم مزاج،

لطیف جذبات، شیرینی اور نزاکت دی گئی ہے جبکہ مرد کو مضبوط جسمانی اور دماغی عصاب،

جذبات سے زیادہ عقل سے کام لینے کی صلاحیت اور شدائد (جنگی یا کاروباری مصائب)

کا مقابلہ کرنے والی فطرت عطا کی گئی ہے۔ عورت کی ساخت میں قدرتی طور پر جھنے اور ٹھہرنے

کے بجائے جھکنے اور ڈھل جانے کی خاصیت ہے۔ جبکہ مرد کی فطرت میں شدت سخت گیری

سرد مزاجی، قحط اور مزاحمت ہے۔ عورت کی فطرت گریز اور فرار سے عبارت ہے۔ جبکہ مرد کے

فطرت میں اقدام اور جرات ہے۔ درحقیقت دونوں صنفوں کی فزوتوں اور صلاحیتوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس صنف کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ عورت اپنی رائے، عقل، مزاج اور ظاہری و باطنی ساخت کے لحاظ سے صاحب عقل مرد اور بے عقل بچے کے درمیان کی کڑی ہے۔ اگر فطری قانون میں بالغ اور بچے کے عمل کی حدود جدا جدا ہیں تو عورت اور مرد کے فرائض بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہ درست ہے کہ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کے اعتبار سے مردوں کی کم پڑھتی ہیں؛ ایسے مرد بھی ہوتے ہیں جو جذبات کے اعتبار سے عورتوں جیسے ہوں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ قانون اور مضابطے اکثریت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ استثناء اپنا کڑی نہیں بناتے بلکہ دوسرے کلیات کو ثابت کرتے ہیں۔ مرد اور عورت کے دائرہ ہائے کار کا تعین اکثریت کے مزاج اور اکثریت کی صلاحیتوں کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اور کہنے والا خود خالق کائنات ہے جس کے علم اور جس کی حکمت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ ہم اور آپ لوگوں کی صلاحیتوں کا تعین زیادہ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں یا وہ سستی جس نے ہم سب کو تخلیق کیا ہے؟

”کیا وہی نہ جلنے کا جس نے پیدا کیا ہے! حالانکہ وہ ایک بین ادبافر ہے؟“

(الملک - ۱۲)

پس معلوم ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے اور سب کی کزوریوں اور صلاحیتوں کو بھی جانتا ہے۔ لہذا اس بات کا فیصلہ کرنے کا حق بھی اسی کو ہے کہ کس کا دائرہ کار کیا ہو؟ ہمارا فرض تو یہ ہے کہ اس کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیں۔

اسلام اور فطرت نے عورت پر جو فرائض عائد کئے ہیں۔ وہ اس قدر اہم ہیں کہ انہیں غیروہ سمجھ کر ترک کر دینا نہایت خطرناک غلطی ہے۔ عورت کے فرائض اس قدر وسیع اور بھرپور ہیں کہ وہ اگر ان کی طرف کما حقہ توجہ دے تو اسے کسی دوسری سرگرمی کی جانب دیکھنے کا وقت بھی نہ ملے۔ ملک کی ترقی کے لئے جتنی ضرورت اچھے سائنسدانوں، منتظموں، سپہ سالاروں اور سیاستدانوں کی ہے جتنی ہی ضرورت اچھی ماڈوں اور اچھی بیویوں کی بھی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت پروردگار خدہ مرگرمیوں میں الجھ کر بھی بچوں کی درست پرورش اور صحیح نگہداشت کر سکتی ہے وہ حقیقت سے نادانف ہیں۔ نوع انسانی کی تکثیر اور حفاظت کے لئے فطرت نے چارہ اور وار مقرر کئے ہیں۔ عمل، وضع عمل، رضا عمت اور تربیت۔ ان میں سے ہر دور عورت کی زندگی کا انتہائی مشکل دور

جس سے غفلت برتنانہ صرف اس کے لئے بلکہ بچے کے لئے بھی ہر ملک ثابت ہو سکتا
نہیں انسانی کی فلاح کے نقطہ نظر سے ان میں سب سے اہم دور تربیت کا زمانہ ہے
جب عالم غیب سے دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کا ذہن ایک ایسی تختی کی مانند ہوتا
جو ہر قسم کی تحریر لکھے جانے پر آمادہ ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں جو بات بھی اسے سکھائی
ئے وہ نقش کا بھر ہو جاتی ہے۔ ماں کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اچھی تربیت دے اسے
ہرے کی تربیت سکھائے۔ بظاہر ہے کہ ایسی ماں جسے معاشی اور سیاسی سرگرمیوں سے فرصت نہ
ہو اپنی اولاد کی درست تربیت نہیں کر سکتی۔

اسلام نے معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کو مرکزی مقام دیا ہے۔ ماں اپنے بچوں کی
یت کے ذریعے سارے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ اگر پردے میں رہے تو اس کا
بہا نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسے عضو معطل بنا دیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ہماری نگاہوں
ادھیل ہونے کے باوجود سارے کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے۔ اسی طرح عورت بھی چار دیواری
مرد و اور مستور ہونے کے باوجود اپنے فرائض انجام دے سکتی ہے اور ملک و ملت کی تعمیر
میں اپنا حصہ ادا کر سکتی ہے۔

جہاں تابی نہ نور حق بیاموزد کرد با صد تجلی در حجاب است

در حقیقت عورت کا اصل رُوپ اور اس کی اصل معراج اُس کا ماں ہونا ہے۔ عورت کا
فیکہ طریوں میں اشیاء کی پیداوار نہیں ہے بلکہ انسانیت سازی ہے۔ وہ نوع انسانی کی اکثر
اس کی حفاظت و تربیت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسی میں اس کی عظمت ہے۔ راجعہ بھرت
لہی نے طنز کہا کہ عورتیں نبی نہیں بنیں۔ آپ نے جواب دیا "صحیح ہے ہم نبی نہیں
بنیں جنہاں کہتی ہیں۔"

یہ امر ناقابل تردید ہے کہ اقوام کا عروج ان کی ماؤں کے فیض کا نتیجہ ہوتا ہے اور حقیقت
ہے کہ کسی قوم کی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہیں۔
خنک اہل طے کز دار دانش
قیامت اب بیند کا نشانش!

چہ پیش آید چہ پیش افتاد اور
تواں دید از جبین اقبالش

یاد رکھنا چاہیے کہ عورت کا جسمانی نظام، ساخت، ذہنی صلاحیتیں اور جذبات و احساسات سب اس لئے ہیں کہ وہ ماں بنے لہذا ہر وہ کام جو فریضہٴ امومت کی راہ میں رکاوٹ ہو عورت پر ظلم کے مترادف ہے۔

پردہ

اسلامی معاشرے میں عورتوں اور مردوں کو آناؤانہ میل جول کی اجازت نہیں۔ عورت کو گھر تک محدود رہنے کا حکم ہے۔ ضرورتاً باہر نکلے تو چادر میں مستور ہونا لازمی ہے۔ ان احکام کو بعض کم فہم لوگ وقتاً نویست، رجعت پرستی اور انتہا پسندی بتاتے ہیں لیکن ہمیں اسلام کے کسی حکم کو اس کے پورے نظام سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہیے۔ پردے کا لفظ جن احکامات پر بطور عنوان استعمال ہوتا ہے وہ خود دوسرے احکامات سے مربوط ہیں۔ ان سب احکام و ضوابط کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ قائم کیا جائے جہاں مرد اور عورت دونوں اپنے فطری فرائض کی طرف متوجہ رہیں اور اجتماعی ماحول میں صنفی ہیجانات نہ پھیل سکیں۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام نے جو بیاریات دی ہیں ان ہی کا ایک جزو، پردہ ہے۔ پردے کی ضرورت اور اہمیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ بدکاری اور اس کے محرکات کے انسداد کے لئے اسلام نے جو نظام دیا ہے وہ مربوط شکل میں سامنے ہو۔ اسلامی نظام معاشرت میں بے حیائی کی روک تھام کے لئے جو نظام وضع کیا گیا ہے اس کے تین حصے ہیں

۱۔ اصلاح باطن

۲۔ حدود و تعزیرات

۳۔ انسدادی تدابیر

(۱) اصلاح باطن | اسلام نے لوگوں کی بطنی اور قلبی حالت کو پاکیزہ رکھنے کے یہ احکامات دیئے ہیں:

(الف) بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ کھلی ہوں یا پوشیدہ (انعام ۱)

(ب) کہہ دو، میرے رب نے تمام بے حیائیوں کو حرام قرار دے دیا ہے خواہ وہ

(اعراف ۳۰)

ہوں یا خفیہ۔

ذبح، حیاء سے صرف جھلائی پہنچتی ہے۔
 سب سے بُرا آدمی وہ ہے جس کی بخش گشتگو سے بچنے کے لئے لوگ اسے چھوڑ
 دیں۔

(ج) شرم و حیا کی صفت مردوں کے لئے بھی پسندیدہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی۔
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے سفر میں دو دیرہائی لڑکیوں سے سابقہ پڑا تھا۔
 ان لڑکیوں کی جو خوبی قرآن میں درج کی گئی وہ حیاء ہے۔ فرمایا: "قرآن دو لڑکیوں میں
 سے ایک شرفی ہوئی ان کے پاس آئی" (قصص-۱۲۳)

جنت کی عورتوں کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ شرمیلی لگا ہوں والی ہونگی۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحابہؓ کہتے ہیں کہ آپ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلی
 تھے۔

(د) زمانہ کے قریب مکان جاؤ۔ یہ بے حیائی ہے اور بہت بے لاد است ہے (نبی اسرائیل-۲۲)
 کوئی بندہ اس حال میں زنا نہیں کرتا کہ وہ مومن بھی ہو۔ (حدیث)

(۴) اسلام نے عصمت و عفت کو خاص اہمیت دی ہے۔ پاکبازی اللہ کے پیغمبروں
 کی صفت ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے جس غبطہ نفس اور پاکبازی کا مظاہرہ
 کیا اس کی گواہی خود عزیز مصر کی بیوی نے دی "اور میں نے اس کو چاہا تو وہ بچا رہا"
 (یوسف-۲۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس لئے ہوا "تا کہ ہم اس سے بدی اور بھائی
 کو دور کر دیں۔ درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا (یوسف-۲۲)

۲) حدود و تعزیرات | اسلام نے زنا اور قذف کے لئے باقاعدہ سزائیں مقرر کی
 ہیں۔ فرمایا:

"تہااری عورتوں میں سے جو بیکاری کی مرکب چل ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں
 کی گواہی لو۔" (فساد-۱۵)

جسم ثابت جو نے پر زانی مرد اور زانی عورت ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو (نور-۲)

یہ سزا غیر شادی شدہ زانی کے لئے ہے۔ اگر ان میں سے کوئی شادی شدہ ہو تو اس کے لئے سنگسار کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ یہ سزائیں یقیناً سخت ہیں۔ مگر اسلام چند افراد کو سخت سزا دیکر لاکھوں کو بے شمار تمدنی، اخلاقی اور عمرانی مفرتوں سے بچانا چاہتا ہے۔

قذف (زنا کی جھوٹی جہمت لگانا) کے مجرم کے لئے دو سزائیں ہیں:

(۱) اسی کوڑے مارے جائیں۔

(۲) آئندہ ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔

اگر شوہر اپنی بیوی پر الزام لگائے یا اس کے بچے کو اپنا تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو اس کے "لعان" کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ یعنی شوہر اور بیوی عدالت کے سامنے پیش ہوں۔ قاضی پہلے دونوں کو موقع دے گا کہ اپنے قصور کا اعتراف کر لیں۔ جب دونوں اپنی سچائی پر اصرار کریں تو لعان کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر بے کاری کا الزام لگائیں اور اپنے سوا اس کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار قسم کھا کر کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح مل جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں بار قسم کھا کر کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔" (نور - ۹۶۶)

لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا اور پھر ان دونوں کا باہم نکاح نہ ہو سکے گا۔ بچہ، ماں سے منسوب ہوگا، آپ سے نہیں۔ لہذا لعان کے بعد کسی کو حق نہیں ہوگا کہ وہ عورت کو زانی کہے، اگر اس نے کہا تو قذف کی سزا جگھٹتی ہوگی۔

(۳) انسدادی تدابیر | یہ تدابیر کئی طرح کی ہیں اور انہیں چند بڑے خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

(۱) نکاح

(۲) گھر سے باہر کا پردہ

(۳) گھر کے اندر کا پردہ

(۴) مردوں کے لئے کچھ احکامات

۱. نکاح | اس سلسلے میں اسلام نے دو اہم کام کئے ہیں :
ایک یہ کہ نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور دوسرے یہ کہ نکاح کو
حاجی اور معاشی لحاظ سے آسان بنایا ہے :

اسلام کی رو سے انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت
سے وجود میں آتی ہے۔ اسلام نے انسان کے جنسی داعیہ کو نہ تو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ
ہاں چاہے اور جس طرح چاہے اپنا کام کرے، اور نہ اسے دبانے اور ختم کرنے کا حکم دیا ہے جیسا
بعض مذاہب کی تعلیم ہے۔ بلکہ اس نے قوانینِ فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے اس داعیہ کے لئے
مرد و مقرر کئے ہیں تاکہ وہ اپنے دائرے کے اندر آزاد رہے۔ نہ تو اسے کچل دیا جائے اور نہ
بے لگام کر دیا جائے۔ ارشادِ ربّانی ہے :

”اور اس کی نشانیں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری بیماں سے
بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت پیدا کر دی

(رودم - ۲۱)

اسلام نے اسے گوارا نہیں کیا ہے کہ معاشرے میں کوئی ایک مرد اور عورت منفعی خواہش
کہتے ہوئے بھی مجبور رہ جائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

”اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کر لے
کیونکہ نکاح غصّ بصر اور شرنگاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا :

”جب ایسا رشتہ اٹھلے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو
ورنہ زمین میں بڑا فتنہ افساد برپا ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ تین چیزوں کو مؤخر نہیں کرنا چاہئے۔ ان میں سے ایک مجبور
عورت کا نکاح ہے جب کہ اس کی برابری کا رشتہ مل جائے۔
مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ رزق کی تنگی یا ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے نکاح نہ

کے۔ بلکہ اسے کوشش کرنا چاہیے اور خدا سے فضل و اعانت کا امیدوار ہونا چاہیے :
اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

تم میں سے جو لوگ مجرّم ہوں اور تمہارے لوٹنے والوں میں سے جو صالح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اگر وہ مخلص ہوں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے نفعی کر دے گا۔

(نور - ۲۲)

نکاح کے فرض کو یہاں تک ضروری قرار دیا ہے کہ اگر کوئی غریب مسلمان کسی خاندانی شریف خاتون کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو تو مسلمان باندی ہی سے نکاح کر لے۔ یہ ان تمام افراد کو جن کے نکاح طلاق یا طلاق کی وجہ سے فسخ ہو گئے ہوں، دوسرا نکاح کرنے کی غیر ضروری اجازت ہے۔ یہ وہ عورتوں پر بھی نکاح ثانی کے لئے کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔
تعدد ازدواج : بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ :

(۱) جنگوں وغیرہ میں مردوں کی بڑی تعداد ختم ہو جاتی ہے اور معاشرے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۲) کچھ لوگ ایک بیوی پر قناعت نہیں کر سکتے اور تھوڑے عرصے کے لئے بھی بیوی سے تھک جاتے ہیں۔ یہ افراد معاشرے میں منفی اثرات پھیلانے لگتے ہیں۔

اسی کبھی کبھی بیوی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی یا کسی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں شوہر اسے جدا کر دے گا اور کوئی دوسرا اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔

اوپر کی تینوں صورتوں کا حل اسلام میں یہ دیا گیا ہے کہ مرد ایک وقت میں چار نکاح کر سکتا ہے۔ یہ اس اجازت سے یہ تینوں مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

(۱) اگر عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں بڑھ جائے اور ہر عورت کے لئے الگ مرد سے شادی کرنا ناممکن نہ رہے تو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت عورتوں کی مشکل آسانی کر دیتی ہے۔ اس طرح ہر عورت کو شوہر کا مہیا مل جاتا ہے۔

جو شخص ایک بیوی پر قناعت نہیں کر سکتا، بجائے اس کے کہ وہ دائرۃ نکاح کے
اہر اور اگی کرتا پھرے، اسے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

نر بیوی اولاد پیدا نہیں کر سکتی یا دائمی مریضہ ہے تو اسے طلاق دے کر بے سہارا نہ
چھوڑنا چاہیے۔ اسے رکھتے ہوئے دوسرا نکاح کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

تعداد ازدواج کی صورت میں شرط صرف ایک ہے اور وہ ہے عدل۔ اللہ تعالیٰ
عدل کی اجازت دے کر فرماتا ہے:

لیکن اگر تمہیں انڈیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو (نساء ۳۰)

عدل کا مطلب ہے، نفقہ اور معاشرت اور تعلقات زن و شو میں برابری۔
اور قلبی میلان میں عدل نہ تو ممکن ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جو شے مطلوب ہے
یہ کہ

”ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ٹھٹھا پھوڑ دو“ (نساء ۱۲۹)
مصور صلی اللہ علیہ وسلم معاشرتی لحاظ سے اپنی ازدواج میں انصاف فرماتے تھے لیکن

خدا یا یہ میری تقسیم ہے۔ جہاں تک میرے بس میں ہے اور جو تیرے بس میں ہے اور
میرے بس میں نہیں ہے اس پر گرفت نہ ذرا ہے۔“ (یعنی اگر ایک بیوی سے میری قلبی رغبت
زیادہ ہو تو یہ میرے بس میں نہیں ہے، اس پر میری گرفت نہ فرما)

اوپر کے مباحث سے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد اور ہر عورت
ح کا انتظام کر دیا ہے۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اسلام میں نکاح کوئی مشکل اور پیچیدہ
ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شارع نے نکاح کو آسان بنالیا ہے۔
اس میں مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

چند بہت ہی قریبی رشتوں کو چھوڑ کر باقی تمام افراد سے نکاح جائز ہے۔ اس کے لئے
ذات پارت کے عدلوں میں پڑنا بھی نہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے۔

” نکاح میں لوگ عورت کے حسب و نسب کو اس کے خُسن کو اور اس کی دولت کو دیکھتے ہیں۔ مگر تم مسلمانوں کو عرف اس کا دین اور اخلاق دیکھنا چاہیے ^۱“

زیادہ سے زیادہ جس بات کا لحاظ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی معاشرتی حیثیت میں برابر ہوں۔ اس سے ان کے درمیان موافقت کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

(۲) مہر اور جہیز میں بھی اعتدالی کا حکم دیا گیا ہے۔ اتنا بڑا مہر مقرر کرنا حرام ہے۔ جسے شوہر ادا نہ کر سکتا ہو اور جیسا جہیز آج کل دیا اور لیا جاتا ہے، عہد رسالت میں اس کا نام واثع نامک نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

” سب سے اچھا نکاح وہ ہے جو مشقت میں آسانی ہو۔“ ^۲

نیز آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

” سب سے زیادہ برکت ایسی عورتوں میں ہوتی ہے جن کے نکاح میں زیادہ تر پہلے ذکر کا پابندی

اسلام نے شادی کے اخراجات کا تمام تر بار مرد پر ڈالا ہے۔ لڑکی والے اس سے بری ہیں۔ ان پر نہ جہیز دینا واجب ہے نہ کھانا کھانا۔ ولیمہ کی دعوت البتہ منوں پہ گروہ شوہر کے دوتے ہے۔ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نکاح کرنے والے نے جب کہا کہ وہ ولیمہ کے لئے کچھ پیش نہیں کر سکتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاضرین اپنے اپنے گھروں سے کھانا لائیں اور سب مل کر کھا لیں، ولیمہ پوچھانے لگا: اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے دین نے نکاح کو کتنا آسان بنایا ہے اور ہم نے اسے کس قدر مشکل بنا ڈالا ہے۔

(۳) اسلام میں نکاح کے لئے نہ لمبی چوڑی رسومات کی کوئی ضرورت ہے اور نہ مذہبی پیشوا یا حاکم کی۔ دو گنا بھل کے سامنے مرد اور عورت اپنی رضامندی کا اظہار کر کے خود ہی اس مقدس فریضے کو انجام دے سکتے ہیں۔

(۲) گھر سے باہر کا پردہ | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

” اپنے گھروں میں تک کر جو اور ساتی و در بہایت

کی طرح سچ دکھائی مجھ کو“ (احزاب - ۳۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے زیادہ پسندیدہ طرز عمل یہی ہے کہ وہ گھر میں سکون اور کے ساتھ رہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کہ "ساری فضیلت تو مردوں کو ملے گئے۔ وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بیسے کام کرتے ہیں۔ ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر جہاد ملے؟" جواب دیا: "جو تم میں سے گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی؟"

اسلام میں مسجد اور جماعت کی اہمیت کوئی معنی امر نہیں مگر حضورؐ نے عورتوں کو جمعہ کی بے مشتقی فرمایا ہے:

"جمعہ کی نماز جماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے مگر چار شخص اس مشتقی ہیں: غلام۔

عورت۔ بچہ اور مریض ہے۔"

اجماع نماز میں عورتوں کو شرکت کی اجازت ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں مسجد میں عورتوں کے لئے الگ دروازہ تھا اور علیحدہ صحنیں بنتی تھیں۔ مگر یہ تعریج بھی کر دی گئی ہے کہ اس کے لئے ان کے گھر کی نماز مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنی عورتوں کو مساجد میں آنے سے زبرد کو، اگرچہ ان کے لئے اللہ کے گھر زیادہ بہتر ہیں۔"

نیز فرمایا:

"عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کے گھر کے اندر وہ جتنی جتنی ہے۔"

حضرت عائشہؓ بنتی امیہ کے دور کے حالات دیکھ کر فرماتی ہیں:

"اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے یہ رنگ دیکھتے جواب میں تو ان کا مسجدوں

میں آکا اسی طرح بند فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کا آئینہ کیا گیا تھا۔"

اگرچہ عورت کا دائرہ عمل اس کا گھر ہے، تاہم اس کا گھر سے باہر نکلنا بالکل ہی ممنوع نہیں

یا حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"اللہ نے تم کو اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔"

عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ باہر نکلیں تو "اپنی سچ دھج نہ دکھائی پھریں۔"

(احزاب ۱۲)۔ اصل میں لفظ "تبرج" آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے نمایاں ہونا، ابھر کر اور کھل کر سامنے آنا، ظاہر ہونا۔ عورت کے لئے تبرج کا مطلب ہے اپنے حسن کی نمائش کرنا، لباس اور زیور کی خوبصورتی کا اظہار کرنا اور چال و چال سے اپنے آپ کو نمایاں کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے نمایاں کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ احتیاد کے ساتھ چادر میں مستور ہو کر نکلیں۔ ارشادِ ربانی ہے :

"اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی پادریوں کے پوشاک لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اللہ نرساںی جائیں۔ (احزاب - ۵۹)

اصل میں حجاب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حجاب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو بھاپے۔ مراد یہ ہے کہ چادر اچھی طرح لپیٹ کر اس کا ایک مقدمہ اپنے اوپر لٹکا لیا کرو تاکہ جسم اور لباس کی خوبصورتی کے علاوہ چہرہ بھی چھپ جائے۔ البتہ آنکھیں کھلی رہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس حکم پر کس طرح عمل کیا گیا، یہ جاننے کے لئے مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ ہوں :

کسی جنگ میں ایک خاتون اُمّ خلدؓ کے رٹے شہید ہو گئے۔ وہ ان کے متعلق معلوم کرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، لیکن اس دہلا دینے والے حادثے کے باوجود ان کے چہرے پر نقاب پڑا ہوا تھا۔ ایک صحابیؓ نے حیرت سے پوچھا "بی بی! اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب ہے؟" خاتون نے اطمینان سے جواب دیا "ہاں۔ میں نے مٹا کھڑا ہے، مٹا نہیں کھوئی"۔

حضرت عائشہؓ نے واقعہ انک کی روایت میں فرماتی ہیں :

".....جنگل سے واپسی پر میں نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے تو وہیں بیٹھ گئی اور ایسی نین آئی کہ وہیں پڑ کر سو گئی۔ صبح کو صفوان بن مہطل اور میرے گزیرے تو دور سے کسی کو پٹے دیکھ کر وہاں آگئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ مجھ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو ان کی آواز سے یکایک :

”نیکہ کھل گئی اور میں نے چاند سے اپنا منہ چھپا لیا۔“
 عورتوں کو باہر نکلنے کی صورت میں ہدایت ہے کہ ایسی خوشبو نہ لگائیں جو لوگوں کو
 متوجہ کرے جیسوہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرما ہے۔
 ”جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔“
 نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”مردوں کے لئے وہ عطر مناسب ہے جس کی خوشبو نمایاں اور دلگدگنی ہو اور عورتوں کے
 لئے وہ عطر مناسب ہے جس کا دلگدگنا نمایاں اور خوشبو غنی ہو۔“
 حکم ہے کہ عورتیں چست یا باریک لباس پہن کر مردوں کے سامنے نہ آئیں۔ حدیث میں ہے:
 ”اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی لگی رہیں۔“
 حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ
 ”اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چلت ہوں کہ سارے جسم کی بشت
 نمایاں ہو جائے۔“

حفصہ بنت عبد الرحمنؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک
 روپڑہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو پھاڑ دیا اور ایک موٹی اور صنی ان پر ڈالی۔
 حکم ہے کہ اس طرح نہ چلیں کہ زیوروں کی جھٹکا رہ پڑے ہو:
 ”وہ اپنے پاؤں زمین پر دیتی، موٹی نہ چلا کریں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا
 لوگوں کو علم ہو جائے۔“ (نور - ۲۱)

۳۱۔ گھر کے اندر کا پردہ | اسلام نے گھر کے اندر رہنے کے لئے بھی بعض ضابطے مقرر
 کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے نبیؐ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرٹا ہوں
 کی حفاظت کریں۔“ (نور - ۲۴)

نگاہیں بچانے کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں نا عرم مردوں کو بلا لہجہ اور بلا ضرورت نہ دیکھیں۔

لے مؤطا امام مالک، صحیح مسلم لے ترمذی، ابو داؤد لے
 لے المبسوط لے مؤطا امام مالک لے وہ مرد جن سے شادی جائز ہے

ورنہ اگر نقتہ کا اسکان نہ ہو تو عورتیں مردوں کو دیکھ سکتی ہیں۔

روایت ہے کہ سرحد میں حبشیوں کا وفد مدینہ آیا اور اس نے مسجد نبویؐ کے پاس تہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہؓ کو یہ تماشا دکھایا۔
شرعاً ہوں کی مخالفت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کریں اور دوسرے یہ کہ وہ اپنا ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ شوہر کے سوا باقی تمام مردوں کے لئے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم عورت کا ستر ہے۔ ناف سے گھٹنے تک کا مقدمہ عورت، عورت کے سامنے بھی ظاہر نہیں کر سکتی۔

”اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔“ (نور - ۲۱)

یعنی عورتیں گھر میں رہتے ہوئے بھی غیر مردوں کے سامنے اپنے بناؤ سنگھار اور حریمت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ زینت سے مراد جسم کے وہ حصے بھی ہیں جن میں مختلف آرائشیں جاتی ہیں اور وہ چیزیں بھی مراد ہیں جن سے بناؤ سنگھار کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ گھر میں جو ناخو ہوں یا باہر سے آئیں ان کے سامنے عورت اپنی خوبصورتی کا اظہار نہ کرے۔ ہاں اگر کبھی اتفاق سے بلا ارادہ کوئی زینت ظاہر ہو جائے مثلاً چادر سر سے ٹوٹ چک جائے یا ہاتھ پاؤں کی کسی کا اظہار ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہے۔

”اور اپنے سینوں پر اپنی اڑھنیوں کے انچل ڈالے رہیں۔“ (نور - ۲۱)

یعنی چادر سے اپنا گریبان چھپائے رکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”جب عورت باطن ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے اور اس کے۔“ (یہ فرما کر آپؐ نے اپنی لٹائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور تھیلی کے درمیان صرف ایک میٹھی بھر بکھر رہی تھی)۔
گھر میں رہتے ہوئے، محرم رشتہ داروں کے سامنے عورت کا پردہ یہ ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم چادر میں چھپا ہوا ہو۔ البتہ کام کاج کے دوران اگر پٹو لیا ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اجازت ہے۔

”وہ اپنے بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے:-

(۱) شوہر (۲) باپ (۳) خسر (۴) بیٹے (۵) شوہر کے بیٹے جو اس کی دوسری بیوی سے ہوں (۶) بھائی (۷) بھتیجے (۸) بھانجے (۹) اپنے میل جول کی عورتیں (۱۰) اپنے ملوک (۱۱) وہ زبردست مرد جو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے (۱۲) وہ بچے جو عورتوں کی پرشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے ہوں (۱۳) (نور - ۳۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت ان رشتہ داروں کے سامنے اظہارِ زینت کر سکتی ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ مقصد یہ ہے کہ گھر میں رہنے اور کام کاج کرنے میں کوئی تنگی اور دشواری نہ ہو۔ اس آیت میں ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیونکہ وہ باپ کی جگہ ہیں۔ بعضی رشتہ دار بھی محرموں میں شامل ہیں۔ لہذا ان کے سامنے زینت کا ذکر ناجائز ہے۔ عورتوں کے سلسلے میں تصریح ہے کہ وہ اپنی عورتیں ہوں۔ یعنی جانی پہچانی، باپا اور نیک اطوار ہوں۔ دوزخ آوارہ اور بد اطوار عورتوں سے مسلم خواتین کو پردہ بھی کرنا چاہیے۔ رہیں وہ عورتیں جن کے اخلاق و تہذیب کا علم نہ ہو، تو ان سے ایسا بھی پردہ ہونا چاہیے جیسا نامحرم رشتہ دار سے، ہوتا ہے۔ یعنی ہاتھ اور چہرے کے علاوہ سارا جسم اور زینت چھپانا چاہیے۔

لوہڈی اور غلام کے سامنے اظہارِ زینت جائز ہے، نیز ان مردوں کے سامنے بھی جائز ہے جو تاج، زبردست اور ماتحت ہوں اور بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے صنفی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ نیز دس باہ سال تک کے لڑکوں کے سامنے عورت زینت کا اظہار کر سکتی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”بہن کی بیوی! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دلی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ وہ کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لہجے میں پڑھاٹے، بلکہ صاف بھی بات کرو۔“ (احزاب - ۳۲)

یعنی عورتوں کو اگر جنسی مرد سے بات کرنا پڑے تو سیدھے سادے، کھربے اور کسی حد تک خشک لہجے میں گفتگو کی جائے، آواز میں کوئی شیرینی یا لہجے میں کسی قسم کی نگارٹ نہ ہوتا کہ سننے والا کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔

تو بڑھی عورتیں اب نکاح کی امید نہیں رکھ کر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنا مقصود نہ ہو۔ تاہم وہ بھی حیا دار کی ہی برتیں تو ان کے حق میں بڑا مادہ بہتر ہے۔ (نور - ۶۰)

یعنی جو عورتیں جوانی کی حد سے نکل کر بڑھاپے کی منزل تک پہنچ گئی ہوں اور جن میں بن ٹھون کر رہنے کا شوق ختم ہو گیا ہو وہ اگر چاہے اتنا کر گئے سر رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔
 (۴) مردوں کے لئے کچھ احکامات | پردے کے احکام صرف عورتوں تک محدود نہیں بلکہ ایک صالح معاشرے کے

تیا م کے لئے مردوں کو بھی کچھ احکامات دیئے گئے ہیں :

۱۱۔ استیذان : ہدایت کی گئی ہے کہ اچانک اور بلا اطلاع کسی کے گھر میں داخل نہ ہو جایا کر د۔ اسلام سے پہلے اہل عرب میں رواج تھا کہ وہ صبح بخیر یا نہم بخیر کہتے ہوئے بے تکلف دوسروں کے مکان میں گھس جاتے تھے اور بسا اوقات اہل خانہ اور خواتین کو ایسی حالت میں دیکھ لیتے جس میں دیکھنا خلاف تہذیب ہے۔ اس لئے خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کے گھروں میں نہ داخل ہو جب تک یہ معلوم نہ کر لو کہ تمہارا آقا صاحب خانہ کے لئے ناگوار تو نہیں ہے اور اُن سے پہلے سلام کر کے اجازت لے لیا کر د۔ اجازت لینے کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ مناسب دُفعوں سے پکارا جائے۔ اگر جواب نہ ملے یا کہا جائے کہ پہلے جاؤ تو دروازے پر جم جانا درست نہیں ہے بلکہ بُرا مانے بغیر لوٹ جانا چاہیے اپنی ماں بہنوں جی کہ بیوی کے پاس بھی بلا اطلاع نہیں پہنچ جانا چاہیے۔ بلکہ اجازت لیکر اور اطلاع دے کر آنا چاہیے۔

حکم ہے کہ جن وقتوں میں لوگ عموماً کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں ان اوقات میں طہاز اور بچے وغیرہ بلا اجازت کمروں میں داخل نہ ہو جایا کریں۔ ان وقتوں کے ہوا دوسرے وقتوں میں اگر وہ بغیر اجازت آ جایا کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔
 (۲) غصّی بصور : مردوں کو حکم ہے کہ وہ نامحرم خواتین کو نہ گھوڑیں، دوسرے لوگوں کے ستر پر نگاہ نہ ڈالیں اور ہنّش منظر پر نظر جمائیں۔ ارشادِ ربّانی ہے :

”اے نبی ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں سچا کر رکھیں اور اپنی شرعاً ہوں کی مخالفت کریں، یا ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔“ (نور -)
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

”جس مسلمان کی نگاہ کسی عورت کے شہن پر پڑے اور وہ نگاہ بٹلے تو اللہ اس کی عبادت میں لطف اور لذت پیدا کر دیتا ہے بلکہ

نیز آپؐ نے فرمایا:

”اے علیؓ! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا۔ پہلی نگاہ تو محاف ہے مگر دوسری نہیں“

کسی اجنبی عورت کو دیکھنے کی بعض صورتوں میں اجازت ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اسے اجازت ہے کہ چہری جھیسے، اس پر ایک نظر ڈال لے اس کے علاوہ عدالتی کاڑوائی یا گواہی کے لئے قاضی کا کسی عورت کو دیکھنا، فقہی شہ جرم کے لئے پولیس کا کسی عورت کو، یا علاج کے لئے طبیب کا مریضہ کو دیکھنا بھی جائز ہے۔

مردوں کو حکم ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد کے ستر پر نگاہ نہ ڈالیں یعنی کسی کی ناف سے گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے“

(۳) تخلیہ اور لمس کی ممانعت: اسلام نے حکم دیا ہے کہ کوئی مرد کسی ایسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے جو نہ بیوی ہو اور نہ ان رشتہ داروں میں سے جو حرام نکاح ابدی طور پر حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ ہو جہاں کوئی محرم موجود نہ ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان دو کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“

نیز آپؐ کا ارشاد ہے:

”عورتوں کے پاس خلوت میں رہنے سے بچو“

ایک انصاری نے پوچھا ”اے اللہ کے رسول! دیوار اور جھوٹے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ فرمایا:

لے مسند احمد

لے مسند احمد

لے مسند احمد

لے مسند احمد، ابو داؤد

”وہ تو موت ہے۔“ (یعنی اس سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے) اسلام نے اسے بھی پسند نہیں کیا ہے کہ مرد، نامحرم خواتین کو چھوئیں یا ان سے مصافحہ کریں۔ حضور کا ارشاد ہے۔

”یہ تو گوارا کیا جاسکتا ہے کہ آدمی کے سر میں لوسہ کی یا، ٹھونک دی جائے لیکن یہ گوارا نہیں کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لئے حلال نہ ہو۔“ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تو مصافحہ نہیں کرتے تھے، صرف زبانی اقرار کرتے تھے۔ یہ بیعت نامحرم خواتین کے لئے۔ باپ بیٹی کو، بھائی بہن کو یا شوہر بیوی کو چھو سکتا ہے۔ بوجہ عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز ہے ادا ان سے مصافحہ کرنا بھی منع نہیں۔

(۲) مسلمان مردوں کو جوہریت کی گٹھی ہے کہ اگر انہیں اجنبی عورتوں سے کوئی کام ہو تو زبردستی ہو کر بات نہ کریں۔ اوداؤ الہی ہے :

”نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کر دینا۔“ اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے (احزاب - ۵۳)

متفرق احکام

اسلامی مذاہب کے ضمن میں اسلام نے چند متفرق احکام بھی دیئے ہیں۔ مثلاً

- (۱) شراب حرام کی گٹھی
- (۲) عورتوں کا مردوں کے سامنے گھانا یا قص کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ مردوں کے لئے اجنبی عورت کی آواز سننا بھی نا پسندیدہ ہے۔ لہذا عورت کو اذان دینے سے منع کیا گیا۔
- (۳) شرعاً پر پابندی لگائی گئی کہ وہ کسی عورت کے حسن کی خوبیاں نظم میں بیان نہ کریں۔
- (۴) معاشرے میں جیائی پھیلنے کے باقی تمام ذرائع یہ کہہ کر بند کئے گئے کہ ”جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل بیان کے گروہ میں غاشی پھیلے ان کے لئے دنیا و آخرت

میں مردانگ مذہب ہے۔ (نور - ۱۹)

چند شبہات کا ازالہ

ستر اور حجاب کے احکامات کے ضمن میں بعض شبہات پیدا ہو گئے ہیں یا پیدا کئے گئے
نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں ان کا ازالہ کر دیا جائے۔

پردہ عورت کی ترقی میں رکاوٹ ہے: یہ شبہ سراسر غلط ہے۔ پردہ عورت کے
میں رکاوٹ نہیں، بلکہ اس کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے۔ درحقیقت عورت کی ترقی
ہے جو وہ عورت کی حیثیت سے کرے۔ مرد بننا نہ تو عورت کا فرض ہے، نہ حق، نہ مردانہ
ہمیں اس کا حصہ لینا معاشرے کے لئے فائدہ مند ہے اور نہ وہ اس زندگی میں کامیاب
ہے۔ پس عورت کی اصل امتحان اور ترقی یہ ہے کہ وہ بہترین بیٹی، بہترین بیوی اور بہترین
بہن بنے یہ نہیں کہ وہ سائنس دان یا سیاست دان یا ماہر معیشت بن جائے۔ اور اسے اچھی بیٹی
اور ماں بنانے کے لئے پردہ یقیناً مدد و معاون ہے۔

پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے: یہ شبہ بھی قطعی غلط ہے۔ پردہ ملک کی ترقی
میں ملک کی بربادی میں رکاوٹ ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کی ترقی کے لئے عورت
دروں کا معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا ضروری ہے وہ غلطی پر ہیں۔ فطرت کا تقاضا یہ
ہے کہ مرد کھائے اور بیوی گھر کے نظام کو کفایت اور بچت کے ساتھ چلائے اور شوہر کو گھر اور
کی طرف سے مطمئن رکھے تاکہ وہ کون سے اپنے فرائض ادا کر سکے۔ اگر کسی وجہ سے عورتوں
اقتصادی پیداوار میں حصہ لینا ضروری ہو تو اسلامی حکومت ان کے لئے گھر پر صنعت و
کار اور سہولتیں وغیرہ کا انتظام کر سکتی ہے۔ بہر حال ملک کی ترقی کے لئے عورتوں کا یہ پردہ
کل بے بنیاد دلیل ہے۔ وہ پردے میں رہتے ہوئے بھی مادی ترقی میں مددگار ثابت
ہیں۔

عورت پردے کی وجہ سے جاہل رہ جاتی ہے: یہ ایک بالکل بے اصل دعویٰ ہے
انے تعلیم نسواں کی کہیں حوصلہ شکنی نہیں کی۔ عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم سکھانے کی نہ
اجازت دی ہے بلکہ ان کی تعلیم کو اسی قدر ضروری سمجھا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم کو
رسالتی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ایک دن مخصوص فرما دیا تھا۔ جب آپ باقاعدہ علم

خواتین کو جمع کر کے وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ آپؐ کی ازواجِ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہؓ اپنی فقہی بصیرت کی وجہ سے نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کی بھی معلمہ نہیں۔ تعلیم نسواں کے سلسلے میں اسلام کی دوشراائط ہیں:-

۱۔ عورتوں کو وہی تعلیم و تربیت دی جائے جو انہیں ان کے اصل دائرے یعنی گھر میں مفید بنائے۔

۲۔ حصولِ تعلیم کے دوران وہ شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ مثلاً مخلوقِ تعلیم کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۴) عہدِ رسالت میں عورتیں جنگوں میں حصہ لیتی تھیں: یہ صحیح ہے کہ غزوہ بدر اور غزوہ احزاب میں صحابیات نے بھی شرکت کی۔ بعض نے زخمیوں کو پانی دیا، ان کی مرہم پٹی کی اور تیراچھا اٹھا کر مجاہدین کو دیئے۔ کچھ خواتین نے باتا سارہ جنگ میں حصہ لیا اور شہید ہوئیں۔ لیکن یہ دونوں غزوات پر دس کے احکام نازل ہونے سے پہلے ہوئے تھے۔ لہذا ان میں عورتوں کی شرکت سے مردوں کے شاذ و بے شانہ کام کرنے پر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ ستر و حجاب کے احکامات نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے عورتوں کی غزوات میں شرکت کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ تمہارے لئے سب سے افضل نیکی حجِ بدر ہے۔“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”تمہارا حج جہاد ہے۔“

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر و حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد بھی خواتین اسلام نے جنگوں میں مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمت انجام دی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا جنگ میں حصہ لینا، مجاہدین کے لئے کھانا پکانا اور زخمیوں کی تیمارداری کرنا بالکل منع نہیں ہے بلکہ فردت کے تحت خواتین یہ کام کر سکتی ہیں اور اس کے لئے کسی حد تک پر دے میں تخفیف بھی جائز ہے۔ لیکن جب جنگی حالات متمم ہو جائیں تو

ب کو بھرا اپنی حدود پر قائم ہو جانا چاہیے جو مقرر کئے گئے ہیں۔

(حضرت عائشہؓ کا عملی سیاست میں حصہ لینا: یہ درست ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ریت عثمان غنیؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ کیا اور اس کے نتیجے میں حضرت عائشہؓ سے وہ سب ہوئی جسے جنگ جمل کہتے ہیں۔ لیکن اس واقعے سے عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ قطع نظر اس کے کہ کونسا فریق حق پر تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک غیر جانب دار شخص تھے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا گھرانہ کئے لئے ہو دج سے بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ام المؤمنینؓ کو جو ضبط رکھا اس میں معاملے کے صحیح یا غلط ہونے پر بحث نہیں کی بلکہ فرمایا:

”عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق؟“

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:

”اب گئے شکوے کا وقت نہیں رہا“

معلوم ہوا کہ انہیں اپنی فطری کا اعتراف تھا۔ اور وہ مانتی تھیں کہ انہیں میدان سیاست میں آنا چاہیے تھا۔ مگر حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے اور ان کے لئے اٹھائے ہوئے دیوایں لینا ناممکن ہو چکا تھا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو آخر وقت تک طبعی پرکھتا دارا اور مدہ توبہ واستغفار کرتی رہیں۔

(مردوں کو نظریں پچانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کو جو نظریں پچانے کا حکم دیا ہے، اس سے بعض لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورتوں کے لئے چہرہ نے کا حکم نہیں ہے۔ یہ استدلال مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر غلط ہے۔

- بعض اوقات مرد و تا ایک مسلمان عورت کو چہرہ ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

- غیر مسلم عورتوں کے چہرے کھلے ہوں گے

۲۔ حج کے موقع پر نقاب پہننا منہج ہے لہذا ایسی صورت میں مردوں کی نگاہ عورتوں پر پڑ سکتی ہے۔

۳۔ لوگ جب دوسروں کے گھروں میں جائیں گے تو وہاں بھی عورتوں پر نظر پڑ سکتی

۴۔ حرفِ آخر

جیسا کہ آپ نے دیکھا دنیا کی کوئی تہذیب معاشرے میں عورت کے مقام کا تشکیک نہیں کرتی۔ یہ کام صرف اسلام کا ہے کہ اس نے ایک مکمل نظام حیات دیا اور ہر فرد کو اس کی صلاحیتوں کے اعتبار سے فرائض سونپے عورت کا جو مقام اور رتبہ اسلام نے مقرر کیا ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو چاہا فرض ہے کہ خدا و رسول کی اطاعت دہر دی کریں اور دنیا کی گمراہ قوموں کے نقش قدم پر نہ چلیں۔

”یہ مشرک تمہیں آگ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے

تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے“ (بقوہ ۲۱)

آپ کا انتخاب کیا ہے؟

کارمینا

نظام ہضم کو تیز کرتی ہے
سببہ اور آنتوں کے امراض کو
منظم و درست کرتی ہے۔

کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھئے۔

سلاطین عملی زندگی

ارشادِ رسول ﷺ کی روشنی میں

ملک اقبال واحد

خاموشی | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خاموشی اختیار کی، اس نے نجات حاصل کر لی۔“ (ترمذی)

متانت و وقار | حضرت سہیل بن سعدی رضی عنہ سے روایت ہے، کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔“ (ترمذی)

سنجیدگی | حضرت ابن عباس رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بڑی باری، سکون، اور سنجدگی کو پسند کرتا ہے۔“ (مسلم)

شفقت و احترام | حضرت ابن عباس رضی عنہ سے روایت ہے، کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے، نیکی کا حکم نہ دے اور بُرائی سے منع نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (ترمذی)

صدقہ | حضرت ابو ذر رضی عنہ سے روایت ہے، کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر مسکرا

دینا صدقہ ہے۔ کوئی نیک بات کہہ دینا بھی صدقہ ہے، کسی کو بُری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے، کسی کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے رکاوٹ کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے (ترمذی)

سخاوت | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم دوسروں کو خرچ کرتے رہو تم پر خرچ کرتا رہو گا۔" (بخاری)

طہارت | حضرت ابومایک اشعریؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا، طہارت و پاکیزگی کا نصف ہے۔" (مسلم)

چھ باتیں | حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم چھ باتوں کی ضمانت دو۔ میں نے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بات کرو تو پرجہ بولو۔ وعدہ کرو تو پورا کرو۔ جب کوئی تمہارے پسرو ہو تو ٹھیک ٹھاک ادا کرو۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ لنگاہوں کو نیچا رکھو۔ اپنے ہاتھوں کو کسی کو سنبلنے اور کسی کا مال حرام لینے سے منہ بند کرو۔" (مسلم)

اخوت | حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے رحم کرنے میں، محبت کرنے میں ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کے پاؤں کے جس طرح ایک عضو کو تکلیف ہونے پر تمام بدن جاگ کر مدافعت کرتا ہے (متفق علیہ)

محبت | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا: تم جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو گے کہ ایمان لاؤ اور تم ہرگز ایمان پر قائم نہیں رہ سکتے جب تک کہ ایک دوسرے کو محبت نہ کرو۔" (مسلم)

مُنکرات

(نا پسندیدہ احلاق)

شِرک | حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے۔ مگر اُس شخص کے گناہ کو نہیں بخشا جائے گا جو حالتِ شِرک میں مرے یا کسی مسلمان کو جان سے مار ڈالے۔“ (ابوداؤد)

مُنافقت | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین لٹیاں بتائیں۔ جب بات کرے تو محجوط ہو لے۔ جب وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے۔ اور جب اُس کے سپرد کوئی امانت کی جائے تو خیانت کرے۔“ (بخاری)

قتلِ مُسلم | حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کے بالمقابل ہلکی ہے۔“ (مشکوٰۃ)

سب و شتم | حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔“ (بخاری)

زنا اور شراب | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے زنا کیا یا شراب پی۔ اللہ تعالیٰ اُس کا ایمان اس طرح سے نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اُتار لیتا ہے۔“ (مسند رک حاکم)

مسکرات اور لہو و لعب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پیئے، جوا کھیلے اور مرد و شہزادوں کا دربار سے منع کیا ہے اور مندرجہ بالا ہر شے لالنے والا چیز حرام ہے۔“ (ابوداؤد)

خیانت نظر | حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ اچانک پڑ جانے والی نگاہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے مندرایا: میں اپنی نگاہ پھیلوں۔ (مسلم)

معوذ | حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت لسمائی ہے سو دینے والے اور سو لینے والے اور سو دے

گواہوں پر۔ اور مندرایا وہ سب برابر میں گناہ میں۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو دے گناہ کی بجائے کے ستر جتنے ہیں۔ جس کا ایک معمولی حصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی مال سے جوار کرے۔

ریاء | حضرت شاد بن ادسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا: جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ و خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

غیبت | حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا: غیبت زلمے سے بھی زیادہ شدید اور سنگین ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ کس طرح؟ فرمایا: آدمی زنا کرتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اُس کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ مگر غیبت کرنے والے کو جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اُس نے غیبت کی ہے، اُس کی مغفرت نہ ہوگی۔ (شعب الایمان)

غیبت کیا ہے؟ | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرایا: تم جلنے ہو غیبت کیا ہے؟ فرمایا تمہارا اپنے بھائی کی ایسی بات کرنا جو اُسے ناگوار ہو۔ کہا گیا اگر ہمارے بھائی میں واقعی وہ بات موجود ہے تو پھر؟ فرمایا اگر واقعی وہ بات اُس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اُس کی غیبت کی۔ اور اگر نہیں پائی جاتی تو تم نے اُس پر بہتان لگایا۔ (مسلم)

بہتان | حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاکیزہ کو بہتان لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ (البزازی)

چغل خوری | حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ”آپؐ فرماتے تھے چغل خور آدمی جنت میں نہ جاسکے گا۔“

غصہ | حضرت یزید بن حکیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا

ایوان شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (بخاری)

جھوٹ | حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبان کے ثمرات (جھوٹ اور غیبت وغیرہ) لوگوں کو مرد کے بل جہنم میں گراتے ہیں۔ (ترمذی)

دور خاپن | حضرت ابوسہیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن سب زیادہ بُرے حال میں اُس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اُس کا رُخ اُدھر ہوتا ہے اور دوسروں کے جاتا ہے تو اُدھر ہوتا ہے۔ (بخاری)

درشت کلامی | حضرت حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخت کلام اور درشت مزاج آدمی جنت میں نہ جاسکے گا۔ (ابوداؤد)

فحش گوئی ببد کلامی | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن لعن طعن کرنے والا فحش گو اور بد کلام نہیں ہوتا۔“ (ترمذی)

خیانت | حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دھاگہ اور سُئی تک ادا کر دو اور خیانت نہ چھو اس لیے کہ خیانت قیامت کے دن رسوائی و ندامت کا موجب ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

رشوت | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوامرؤ سے روایت ہے کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

رشوت کے چور دروازے

منہ دیا، کسی نے کسی کی سفارش کی اور سفارش پر اُسے دیر ملا اور اُس نے قبول کر لیا تو وہ بلاشبہ سود کے دروازوں کے بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔" (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حسد ارشاد فرمایا حسد سے بچو۔ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح
 آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔" (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تکبر نے منہ دیا، جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل
 نہ ہو سکے گا۔" (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ
ظلم علیہ وسلم نے منہ دیا، مسلمان وہ ہے، جس کی زبان دراز یوں سے
 مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جاتوں اور مالوں کے بارے
 میں لوگوں کو کوئی خوف و خطر نہ ہو۔" (ترمذی)

حضرت اوس بن شریحیلؓ سے روایت ہے کہ
اعانت ظلم "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کسی ظالم کی مدد
 کے لیے اور اُس کا ساتھ دینے کے لیے چلا۔ درآن حالیکہ وہ جانتا تھا کہ یہ ظالم ہے،
 وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔" (شعب الایمان)

حضرت اشعث بن قیسؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ
جھوٹی قسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر
 مارے گا وہ اللہ کے سامنے کورھی ہو کر پیش ہو گا۔" (ابوداؤد)

حضرت دائودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
بشامت "تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس
 کو اُس مصیبت سے نجات دے دے اور تم کو مبتلا کر دے۔" (ترمذی)

(جاری ہے)

تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ اجتماع کی رپورٹ

از ۲۵ تا ۳۰ مئی ۱۹۸۲ء

مرتبہ: محمد آسرہ بھٹو

مسلمانانِ لاہور واقعہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں رب العزت نے اس بار بھی مملکتِ خدا داد پاکستان اور بیرونِ پاکستان سے آنے والے ان خوش بخت حضرات کی میزبانی کا شرف بخشا جو کہ میرٹھان کے طرزِ فکر پر مبنی اقامتِ دین کے لیے برپا کی گئی تحریکِ تنظیمِ اسلام کے نویں سالانہ اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور آئے۔ مئی کے شدید گرم موسم میں ایک نظم کے تحت دفترِ تنظیمِ اسلامی کا اجتماع اور اس اجتماع کے پروگراموں سے صحیح طور پر استفادہ اور اقامتِ دین کے لیے تین من وھن نہ بھرا اور کرنے کا عزم مصمم حاصل کرنے کے لیے اس باریخبر سے لے کر کراچی تک کے ہم مقصد عزم جواں کے حامل رفقاء کا یہ اجتماع ترقی اور تنظیمی دونوں پہلوؤں پر محیط رہا۔ دفعتاً کراچی، کوئٹہ اور راولپنڈی اپنی تمام تنظیمی حیثیت کے ساتھ اجتماع میں شریک ہوئے۔ آزاد کشمیر، گلگت، فیصل آباد، ملتان، دہلی کی ابتدائی مراحل طے کرتی ہوئی تنظیموں کے رفقاء اک دولہ تازہ لیے شریکِ اجتماع تھے۔ اور یقیناً اس دولہ تازہ کی آبیاری امیرِ تنظیم اسلامی نے بڑی جان کاری سے کی۔

ابتداءً اجتماع ۲۵ مئی کو بعد نماز مغرب امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب سے ہوا۔ جس میں امیرِ محترم نے سورۃ المدثر کی ابتدائی چار آیات کی روشنی میں فریضہ اقامتِ دین اور اس کے لوازم اور تقاضوں پر گفتگو کی۔ پہلے روز کی کاروائی نمازِ شفاء پر اختتام پزیر ہوا ۲۶ مئی کے پروگرام کا آغاز جناب ڈاکٹر تقی الدین صاحب نائب امیرِ تنظیم اسلامی سندھ کے درسِ حدیث سے ہوا ڈاکٹر صاحب موصوف نے ولایت کی منزلِ ازل یعنی ذکرِ الہی کی ضرورت اور اس سے حاصل ہونے والے نتیجہ یعنی قربِ الہی کا احادیثِ رسولؐ کی روشنی میں بڑے نامحاذ انداز میں درس دیا۔

اس روز کی نشستِ دوم میں امیرِ محترم نے دین کی جانب سے مسلمانوں کی اجتماعی

اور انفرادی ذمہ داری کا تصور اور اس ذمہ داری کے جملہ مراتب کو واضح کیا۔ درس کی دوسری نشست میں امیر محترم نے سورہ نور کی آیات ۵۴ تا ۵۶ اور ۶۲ تا ۶۴ کی روشنی میں مسیح طاعت اور امیر و مامور کے تعلق پر مبنی تنظیمی حیثیت کو بجا کر کیا اور واضح کیا کہ تنظیم اسلامی پنج پر کام کر رہی ہے۔

۲۶ مئی کے تیسرے پروگرام میں پاکستان میں قائم مختلف علاقائی تنظیموں کا تعارف سلسلہ شروع ہوا۔ تنظیم اسلامی کراچی کی تالیس سے مئی ۸۴ تک کی مختصر رپورٹ جناب تقی الدین نے پیش کی۔ اسی روز بعد نماز عصر کے اجتماع میں تنظیم اسلامی کوئٹہ کی روزہ جناب میاں محمد نعیم نے پیش کی۔ اس رپورٹ کی خاص بات ان اصحاب کے عزیز کا ذکر تھا جنہوں نے بھی عن المنک کے معاملے کو اپنی ذات سے شروع کیا اور سودی ذات بنی شک کی طرز مت کو ترک کیا۔ اور جنہوں نے شادی و مرگ کے ضمن میں تمام غیر رسومات کو ترک کر کے جہادِ علی کا آغاز کر دیا۔ اس رپورٹ نے یقیناً تمام ساتھیوں کا عطا کیا۔

۲۶ مئی کا آخری پروگرام امیر محترم کے چار روزہ درس قرآن کے پروگرام کی دو ٹری تھا۔ جس کے ذریعہ امیر محترم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نظامِ بیعت پر حاصل بحث کی۔ آج کے درس قرآن سے جو سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳۵ تا ۱۳۷ پر محیط اور شریعت کا فرق واضح کیا۔ اصحاب رسول اور ان کے بعد کے اہل ایمان کا تقابلی پیش کرتے ہوئے امیر محترم نے یہ بات بھائی کہ تفرقہ و اختلاف کے نتیجے میں خود و کتاب ہی کتب کے معاملہ میں شک میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اس طرح دین سے جاتے ہیں پس ہر داخلی حق کو لازم ہے کہ وہ اقامتِ دین کے لیے سرگرم عمل ہو۔ بڑے بڑے لوگوں کی تقلید میں یا خوشنودی کے لیے کام نہ کرے بلکہ اللہ کے دین ہی لوگوں کو دعوت دے۔

۲۷ مئی۔ آج کے پروگرام کا آغاز بھی بعد نماز فجر جناب ڈاکٹر تقی الدین نے حدیث سے ہوا۔ دوسری نشست سلسلہ نظمِ جماعت میں امیر محترم نے نظمِ متعلق احادیث کا درس دیا۔ بمطابق پروگرام تیسری اور چوتھی نشست تنظیمی تنظیموں کے تعارف پر مبنی تھی۔ آخری نشست بعد نماز مغرب ڈاکٹر اسرار

اسلامی کے درس قرآن پر مبنی تھی۔ آج کی نشست میں امیر محترم نے سورہ شوریٰ کی آیت ۱۵، سورہ فتح کی آیات ۲۸ اور ۲۹ کی روشنی میں اقامت دین کے ایک اہم ریع یعنی نظام عدل کا بندوبست اقامت دین قیام پر تفصیلی بحث کی اور اقامت دین کے لیے قائم ہونے والی جماعت میں شامل لوگوں کے شب و روز کے اوصاف اور معاشرہ کے ساتھ ان کے برتاؤ کے پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

۲۸۔ مئی کا آغاز بھی رفعتی تنظیم نے نماز فجر کے بعد درس حدیث میں شمولیت سے کیا۔ آج کا درس بھی ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے ذکر الہی کے مدارج پر دیا۔ آج کا دوسری نشست میں امیر محترم کا درس قرآن بسلسلہ اسلامی نظم جماعت، سورہ انفال کی آیات ۴۵، ۴۶ اور ۴۷ اور سورہ آل عمران کی آیات ۱۵۲ اور ۱۵۹ پر مبنی تھا۔ اس درس کا حاصل اطاعت امیر تھا کہ مامورین کو ہر دائرہ معروف کے اندر رہتے ہوئے اپنے امیر کی سمیع و طاعت کے نظام پر مبنی اطاعت کرنا لازم ہے وگرنہ نظم جماعت تہہ و بالا ہو جائے گا۔ اور جماعت کے اندر انتشار اور افتراق پیدا ہو جائے گا۔ امیر موصوف نے نہایت فصاحت کے ساتھ امیر اور مامور کے تعلق پر روشنی ڈالی اور غلو و درگزر اور ایک دوسرے کے لیے استغفار کی بنیاد پر ان تعلقات کی استواری پر زور دیا۔

آج کی نماز مغرب تک کی بقیہ نشستوں میں تنظیمی امور پر گفتگو رہی۔ بعد نماز مغرب کی آج کی نشست ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن پر مبنی تھی جو کہ انہوں نے سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں دیا۔

۲۹۔ مئی کے پروگرام کے آغاز پر ذکر و فکر پر مبنی احادیث کے درس سے ہوا جو کہ ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے دیا۔ دوسری نشست میں بسلسلہ نظم جماعت امیر تنظیم اسلامی کا درس قرآن تھا۔ جو کہ سورہ المائدہ کی آیات ۵۴ تا ۵۶ اور سورہ المائدہ کی آیات ۱۱۲ تا ۱۱۹ اور ۲۱ تا ۲۲ پر مشتمل تھا۔ اس میں امیر محترم نے دینی جماعت میں امتداد کا مفہوم اور اس کے مضمرات، نجومی اور اس سے پیدا شدہ نتائج اور آداب مجلس کا تفصیلی ذکر کیا۔ اور رفتائے تنظیم پر واضح کیا کہ ان باتوں سے پرہیز جماعت کے لیے از بس ضروری ہے۔

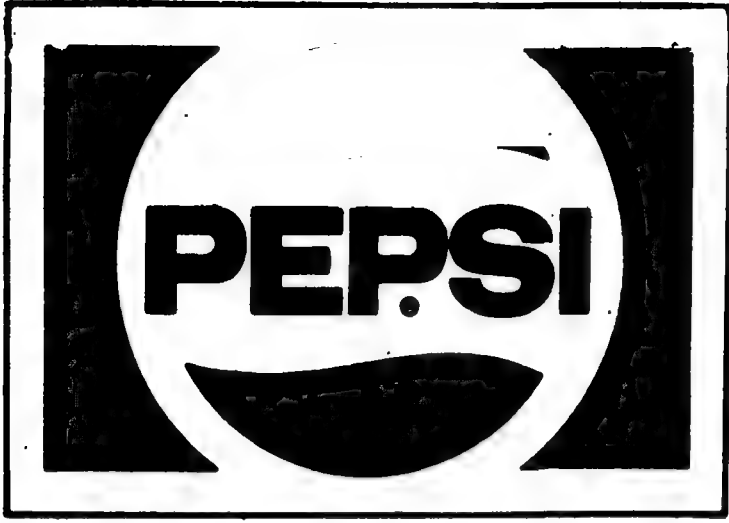
نماز مغرب سے پہلے کی نشست میں حسب معمول تنظیمی امور زیر بحث رہے۔ بعد نماز مغرب آج امیر موصوف کا خصوصی خطاب تھا جو کہ سورہ فتح کی آیات ۱۰ اور ۱۱ اور

سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ پر درس کی شکل میں تھا۔ لیکن آغا بزرگسودہ توبہ کی آیات ۱۱ اور ۱۲ سے ہوا کہ اللہ نے مومنین کے ساتھ جنت کا سودا ان کے جان و مال کے بدلے میں کر لیا ہے۔ کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگائیں۔ امیر موصوف نے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اپنا مال و جان کھیلنے والوں کی شیرازہ بندی کی صورت کی وضاحت کی اور تفصیلاً بیان کیا کہ یہ جماعت صبح و طاعت کی بنیاد پر ہیعت کے فدیہ قائم ہونے والی جماعت ہی ہو سکتی ہے۔ امیر موصوف نے اس افتخامی درس قمرکن میں حاضرین مجلس کے سامنے تعلیم اسلامی کی دعوت کو مکمل کر پیش کیا۔

۳۰ مئی کا دن خصوصی اہمیت کا حامل دن تھا کہ وطن عزیز کے چیدہ چیدہ سے آئے ہوئے رفقاء کی روانگی اور اس سے پہلے امیر محترم کا خصوصی افتخامی خطاب تھا۔ امیر موصوف نے تعلیم کے قیام سے اب تک کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے خوشی و طمینان کا اظہار فرمایا کہ کل جس قافلہ کے وہ واحد فرد تھے آج اس میں سالار قافلہ کو جان نثار ساقی میسر کر گئے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس قافلے نے اب سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ بعد نماز ظہر بیرون لاہور سے آئے ہوئے رفقاء کی روانگی تھی کہ وہ تو ولولہ تازہ، جذبہ جاوداں اور عزم لازوال لیے اقامت دین کے سفر پر رواں دواں ہو گئے۔ لیکن رفقاء لاہور کو افسروگی اور وقتی فراق دے گئے۔ انشاء اللہ العزیز یہ قافلہ اپنی منزل (یعنی صرف اور صرف رضائے الہی) کے حصول کی طرف استقلال اور جذبہ صادقہ کے ساتھ رواں دواں رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ہمیں امید ہے کہ اس کے شرکاء جنت الفردوس میں بھی شرکاء ہی ہوں گے۔



متن مکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا استعمال آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

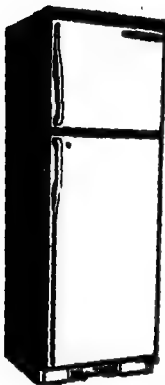


پنجاب یونیورسٹی کمپنی لمیٹڈ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سانپو
SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS



NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

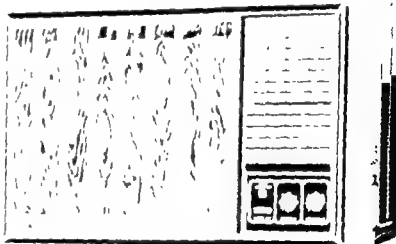
- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.



CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency
Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto
Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.



Available at all

SANYO
Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avoid any other false service.



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)

GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 828161-66 (8 Lines)
CABLE: "WORLDWIDE" TELEX: 20195 WWTCD PK

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریجنل انٹرنیشنل

درآمدی اشیاء

آرٹ سلک فبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
کائٹن کلاٹھ : کائٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فرنیچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکر فلم : سوچ سٹارٹ
رہزٹ میٹکس : پولیسٹریاں -

مرکزی دفاتر

I قلمی علامت رسول بلڈنگ 4 شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فِي كِتَابٍ شَرْيْهٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحجۃ: ۲۵۱)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں جنگ کی بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کیلئے
بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایس پرس روڈ - لاہور

مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور
تے چھٹے مسالانہ

محاضرات قرآنی
میں
ڈاکٹر اسرار احمد
کے دو فکر انگیز خطابات

(۱)

جہاد بالقرآن

زیر طباعت ہے۔

(۲)

اسلامی انقلاب
السنز اقم جماعت
اور
مسئلہ بیعت

زیر تکمیل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز
ماہ جولائی کے وسط میں منصفہ شہر و پیر
آجائے گا۔

ایگل
ایک عالمگیر قلم

خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
ایڈیٹڈ ٹیپ
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب

آزاد فریڈ رائیڈ کمپنی لمیٹڈ

THE ORIGINAL



The Original and the
Coca-Cola
The Coca-Cola Company
Beverage Division
Atlanta, Georgia 30303

paragon &

Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
is our profession

require

IZHAR LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Constructors and leaders of



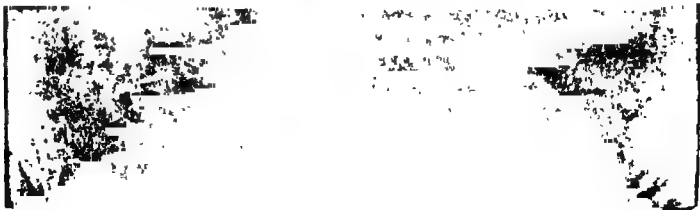
mukhtassars
group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

”اظهار لمیٹڈ کمپنیز گروپ“

and the first & only manufacturer of Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan



مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس منتظمہ کے فیصلے کے مطابق آئندہ

ان کے اکیڈمی سے رفاقت (فیصلہ) آپ ایکم

کے لئے نوجوانوں کے انتخاب کیلئے تہدید کے طور پر

دو سالہ تدریسی نصاب

کاملاً شروع کیا جائیگا جس میں پہلے سال اکثر بیشتر وقت عربی قواعد و ادب کی تعلیم پر صرف ہوگا اور دوسرا سال فارسی بھی پڑھائی جائیگی! اور دوسرا سال تفسیر قرآن میں مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (مرتبہ) و اکثر اسرار احمد، حدیث شریف میں مشکوٰۃ المصابیح، منطق میں مرقاۃ، اصول فقہ میں نور الالوار اور فقہ میں نور الایضاح اور منتخب حصے کنز الدقائق کے پڑھائے جائیں گے۔ اور جو نوجوان اس کو پس کرکے کوامیابی سے پورا کر لیں گے اور ان کے بارے میں محسوس ہوگا کہ تحقیقی و تخلیقی کام کی صلاحیت رکھتے ہیں صرف ان ہی کو رفاقت یکیم میں لیا جائے گا۔

اس کو دس کے لئے ایم اے۔ ایم ایس سی۔ اور بی اے، بی ایس سی کے امتحانات کم از کم سیکنڈ ڈویژن میں پاس شدہ نوجوانوں کو لیا جائے گا اور اس دو سال کے عرصے کے دوران مقدمہ الذکر کو ایک ہزار روپے ماہانہ اور مقررہ الذکر کو آٹھ سو روپے ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ اگرچہ اس میں سے ماہانہ ادائیگی صرف پچھتر فیصد کی ہوگی (یعنی علی الترتیب ۵۰/- اور ۶۰۰/- روپے ماہانہ) بقیہ پچیس فیصد انجمن کے پاس ان کے حساب میں جمع رہے گا اور کوئٹہ کی کامیابی کے ساتھ تکمیل پر پچیس ادا کر دیا جائے گا۔ جو طالب علم درمیان میں چھوڑ جائیں گے یا ان کے نامناسب طرز عمل یا غیر تہمتی بخش رفتار کار کی بنا پر اکیڈمی ان کا اخراج کر دے گی ان کی یہ جمع شدہ رقم ضبط کر لی جائے گی!

اس کو دس کا آغاز ان شاء اللہ یکم اگست ۸۴ء سے ہو جائے گا۔ شمولیت کے خواہاں نوجوان زیادہ سے زیادہ ۱۵ جولائی تک اپنی درخواستیں اپنی سندات کی نقول کے ساتھ زیرِ ملاحظہ کرنا چاہئے ۳۶- سکے، ماڈلے ٹاؤن، لاہور۔ ۱۴۱ کے پتے پر ارسال کر دیں۔

(نوٹ)۔

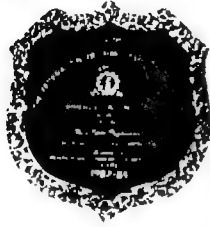
ایم بی بی ایس، بی ڈی ایس اور بی ایس سی انجینئرنگ کو بھی ایم اے

اور ایم ایس سی کے مساوی شمار کیا جائے گا!

المعلن: ڈاکٹر ابصار احمد، انریس ڈائریکٹر، رتہ آن اکیڈمی، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله یک اور اعزاز



اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران
ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن کے لیے بیشتر زرمبادلہ لمانے پر فائزریشن آف
پاکستان پیپہرز آف کامرس اینڈ اسٹریکیٹیائیٹی کے جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی
کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد منیا، انجمن صاحب صدر پاکستان نے ایک پروتازہ تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی

تھیں جیسے۔ تریپالین اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

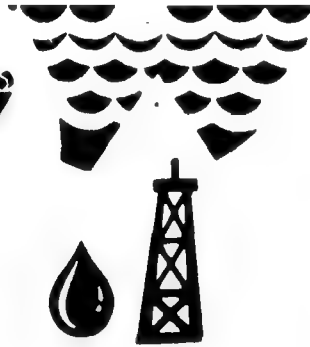
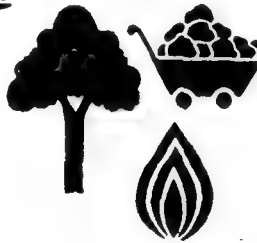
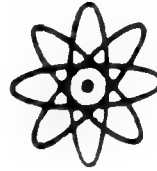
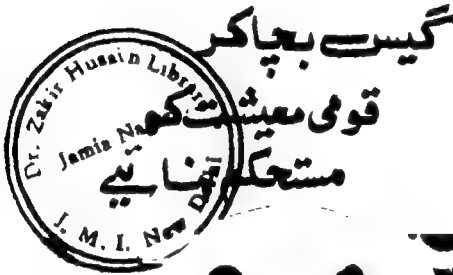
حاجی شیخ نور الدین اینڈ سترلیٹڈ



پاکستان میں بیس سو مصنوعات سے سب سے بڑے برآمد کنندگان
ہماری۔ محفوظ چیمبرز۔ ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم لاہور۔ پاکستان
فون: ۳۰۶۴۶۹-۳۰۶۴۶۹۔ ۳۰۶۴۶۹۔ شاہی خیمہ ٹیکسٹ: 44543 NOOR PK
اکھنڈ: ۶۱۹-۶۱۴۔ کامرس سٹریٹ، چیمبرز، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی پاکستان
فون: ۲۱۳۵۳۰-۲۱۳۵۳۰۔ ۲۱۳۵۳۰۔ TAPPAULIN ٹیکسٹ: 25480 NOOR PK

قدرت گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضرورت کثیر زرعی پیداوار صرف کر کے پوری کی جاتی ہے۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی کھائی ہوئی توانائی ان بہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرت گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجئے

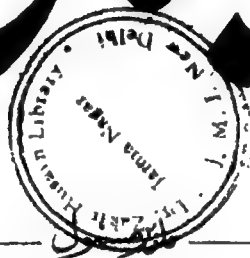
سوئے ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



جس ادب و آفرین
کے اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطبہ ہے

الحمد لله
والصلاة والسلام
على سيدنا محمد
والآله الطيبين
الطاهرين

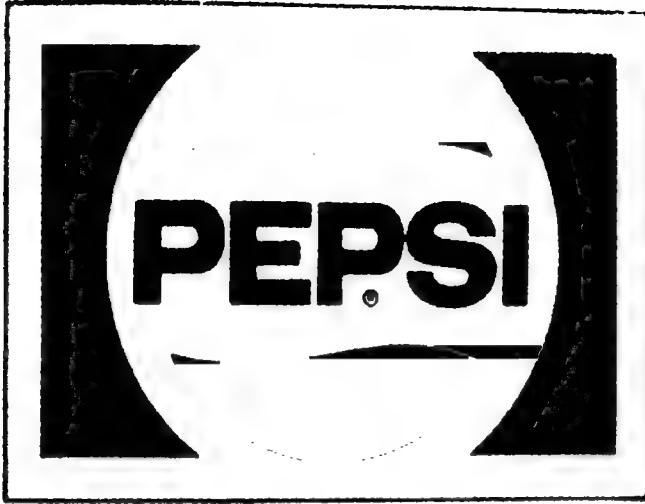
مِثاقِ ماہنامہ



حاکم ترسیل از محمد

مرکزی مکتبہ تنظیم برائے اسلام

۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰



پنجاب یونیورسٹی کمپنی لمیٹڈ فیصل آباد فرنا: ۲۱۱۲۱

بشاق

ایقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۳ء

جلد ۳۴ شمارہ ۸

مشمول

۲ عرض احوال — جیل رومن

۴ الھدیٰ (سترہویں نشست) — ڈاکٹر اسرار احمد

۱۴ جہاد با القرآن — ڈاکٹر اسرار احمد

۳۹ توحیدی اور فزیضہ قیامت دین (۱۶) — ڈاکٹر اسرار احمد

۵۴ فصل بہار (قرآن کیٹی مین نو فترجہ قرآن) — جیل رومن

۶۴ دورہ ترجمہ قرآن کے شمر کا تحلیلی تاثرات — محمد احمد

۷۱ ہدایات (امیر تنظیم اسلامی) — مرتضیٰ محمد علی نظام محمد

۷۵ اسلام میں عملی زندگی — تنظیم تنظیم اسلامی

۸۱ افکار و آراء — محمد اقبال احمد

ادارہ نقوی

سید نجم محمد بن الحسن
عزیز الرحمن

سالانہ رقم ۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ ۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
محبت چھپائی خانہ جنس لاہور

۱۰۶۱۶۱۰۹
مکتبہ تحفہ القرآن لاہور

تلفن : ۸۵۲۹۱۱

سب آفس : ۱۱ واٹر منسل
نزد آرام باغ، شاہراہ قیامت کراچی

کراچی فون برائے بعد
۲۱۴۰۹



عرض احوال

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہ تعالیٰ و عونہ ماہنامہ میثاق کا شمارہ بابت ذیقعدہ ۱۳۸۵ مطابق اگست ۱۹۸۴ء
قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ شمارہ کافی وقت کے ساتھ منفقہ شہود پر آسکا ہے اس لئے کہ ہمارے
دوستقل خوش نویس صاحبان رمضان المبارک کے آخری عشرے میں طویل ہو گئے اور تاحال اپنی
طرح صحت باب نہیں ہوئے۔ تاہم انہوں نے پرچہ کی تیاری میں ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔
جزا ہما اللہ خیراً۔ قارئین سے ان کی مکمل صحت یابی کی دعا کی درخواست ہے۔

اس شمارے کی اہم چیز تیرنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اس خطاب کی پہلی قسط ہے
جو تہجد بالقرآن کے موضوع پر موصوف نے انجمن خدام القرآن لاہور کے چھٹے سالانہ محفل قرآنی
قرآنی کے افتتاحی اجلاس میں ۲۵ مارچ کو ارشاد کیا تھا۔ یہ اجلاس جیسا کہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے
برصغیر پاک و ہند کی شہرہ معروف ملحق شخصیت جناب مولانا سید احمد اکبر آبادی مدظلہ العالی
کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ موصوف ان محافرات کے لئے خاص طور پر ہندوستان سے
تشریف لائے تھے۔

امدادہ یہ تھا کہ یہ خطاب کتابی صورت میں تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ اجتماع کے موقع پر
منفقہ شہود پر آجائے۔ اس کے لئے تیاری بھی کر لی گئی تھی اور ۱۲ اپریل ۱۳۸۵ء تک اس کو کیسٹ
سے صفحہ قرآن پر منتقل کر کے کتابت کے لئے ایک نئے خوش نویس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان کا
دعہ تھا کہ وہ مکمل کتابت ۱۲ اپریل کو دے دیں گے۔ لیکن انسان بے سچ ہوتا ہے۔ جو
منفقہ خدا ہوتا ہے۔ خوش نویس صاحب نے اس کتابت کو ۱۲ جولائی کو مکمل کئے کے ہمارے حوالے
کیا۔ اس تاخیر میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کارفرما نظر آ رہا ہے کہ اپریل سے ۱۲ جولائی ۱۸
تک امیر محترم کی موضوع پر متعدد خطابات ارشاد فرما چکے ہیں۔ ہر خطاب میں چند نئے نکات اور
اور نیا مستحکم طرز استدلال سامنے آتا رہا ہے۔ گویا مکمل جو محافرات قرآنی کے افتتاحی اجلاس میں

انہی رفتہ رفتہ ایک شگفتہ چھول کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس میں مزید حسن اور نگارہ رہا ہے۔ لہذا اپنے معاون میاں حافظ عارف سعید ٹکڑ کے مشورے کے مطابق اب اسے خطاب کی پہلی قسط اس شمارے میں قارئین کے استفادہ کے لئے پیش ہے۔ ان شاء اللہ العزیز عزم اس موضوع پر اب تک جو خطابات ہوئے ہیں اور جو مستقبل قریب میں ہوں گے ان میں سے کوئی بے منتخب کہے کہ کتنی شکل میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ دہندہ پہلا خطاب تو تیار ہے ہی۔ یاق! میں اس کی اشاعت کی تکمیل کے بعد اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا جائے گا۔

اس شمارے میں دوسرے خاصے کی چیز اس پر دو گرام کی روداد ہے جو رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ میں اترے تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن اور اس کی مختصر تشریح و توضیح کی صورت میں قرآن الکریم کی پائیدگی کیلئے کو پہنچا تھا۔ ماقم کی معلومات کی حد تک برصغیر پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے اس نوع کا کام پہلی بار مکمل طور پر انجام پذیر ہوا ہے۔ اس طرح یہ کام ایک تاریخی نوعیت کا حال ہو گا۔ جیسے گرم مہینہ میں جبکہ اسی سال موسم گذشتہ سالوں کے مقابلے میں شدید ترغار ہر شب کو بچے تک دورہ ترجمہ قرآن اور صلوٰۃ تراویح کی ادائیگی کے لئے وقت دینا باوی انظر میں بڑا مشکل ضمن کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو تہلیل فرمائی اور امیر عزم کی جس طرح نصرت فرمائی اس مگر الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کام درحقیقت ماقم کے نزدیک ذلک الذین جہا جہاؤا فینا سیدیتھو سببنا کی علی تفسیر تھی۔

جیسا کہ گذشتہ شمارے میں تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ رجولائی کو امیر عزم شمالی امریکہ کے دعوتی دورے شریف سے جانے والے ہیں۔ محمد اللہ پر دو گرام کے مطابق امیر عزم تشریف لے جا چکے ہیں۔ چھ رجولائی کو جمعہ ۱۔ امیر عزم نے جامع الصفا عقب الاعظم الکوثر کراچی میں خطبہ جمعہ سے قبل ”جہاد باقرآن کے موضوعات نہایت دل نشیں اسلوب سے خطاب ارشاد فرمایا۔ یہ خطاب محاضرت قرآنی کے چھٹے سالانہ اجلاس میں دیا گیا تھا۔ جس کی پہلی قسط اس شمارے میں شامل ہے) حاضری خواف تو قریب بہت تھی۔ یہ وسیع و عریض مسجد بھی ٹنگی داماں کا سماں پیدا کر رہی تھی۔ صلوٰۃ جمعہ کے بعد امیر عزم نے ”قرآن کے نام پر اٹھنے کی تحریکیں اور علماء کے خدشات کے موضوعات پر خطاب ارشاد فرمایا۔ جمعہ سے قبل والے قریب نصف سے زائد افراد اس میں شریک رہے۔ (ان شاء اللہ یہ خطاب ستمبر کے شمارے میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس دورے میں ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کے علاوہ قرآن الکریم کی ڈاکٹر کٹر بناب لڑا بسا احمد صاحب ایم۔ اے لی ایچ ڈی۔ ایم ایل، رفیق تنظیم اور اعجازی مدیر ”ماہنامہ حکمت قرآن“

بھی امیر محترم کے شریک سفر ہیں۔ ان شاء اللہ ۱۰ اگست ۱۹۸۸ تک امیر محترم کی پاکستان خراجعت ہوگی موصوفہ کی ہم موجودگی میں مسجد دارالاسلام میں تقریر، خطبہ اور مصلوۃ جمعہ کے فرائض و اذکار فقہ الدین صاحب انجام دے رہے ہیں۔ اور قائم مقام امیر تعظیم محترم قمر سعید قریشی صاحب ہیں۔

تنظیم اسلامی کا تعلیمی و تربیتی چالیس روزہ پروگرام

یہ بات کسی دُعاست کی محتاج نہیں کہ کسی انقلابی تحریک کے کارکنوں میں جذبہ عمل پیدا کرنے کے لئے مقصد کا شعور اور اپنے نقطہ نظر کی حیثیت پر انشراح صدر ہونا اشد ضروری ہو پھر ان میں وہ صلاحیت اور سلیقہ بھی ہونا چاہیے جو کسی دوسرے فرد کو اپنی دعوت سے متعارف کرانے کے لئے ضروری ہے۔ نیز انہیں لوگوں کے اشکالات اور حوائج و معاندین کے اعتراضات اور الزامات کا جواب بھی معلوم ہونا چاہیے۔

مندرجہ بالا اوصاف کو پیدا کرنے کے لئے ایک نہایت وسیع الاطراف اور جامع تعلیمی نظام سے کارکنوں کو گزارنا ناگزیر ہے۔ پھر چونکہ کسی دعوت سے متعارف ہونے کے بعد اس میں عملی طور پر شریک ہونے والوں کے سابقہ بنی نظریہ کے اعتبار سے مختلف استعداد کے لوگ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ لہذا کسی ایک دور میں سب کے لئے دلچسپی پیدا کرنا مشکل کام ہے اور اس کے پیش نظر تعلیمی نظام کا مختلف مدارج پر مبنی ہونا ضروری ہے جس میں مختلف لوگ مختلف مراحل میں شریک ہو سکیں اور جن کے لئے ضروری ہو وہ بالکل ابتدائی مراحل تعلیم و تربیت سے سلسلہ تعلیم سے گزریں۔

مزید برآں ایک اسلامی انقلابی تحریک کے کارکن یا بالفاظ دیگر داعی الی اللہ کے لئے یہاں کتاب اور سنت کے علم اور فرائض دینی کے شعور کو پیدا کرنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے دوسرا ان کی عملی تربیت یعنی تزکیہ نفس اور ان میں تعلق مع اللہ کو پیدا کرنے کی سعی کرنا اس سے بھی زیادہ اہم کام ہے۔ آپ چاہیں تو اسے تعمیر سیرت و کردار کا نام دے لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نظری طور پر جس اعلیٰ نصب العین یعنی رضائے الہی کے حصول کی طرف نوع انسانی کو متوجہ کرتا ہے۔ اس کے یقین اور ایمان کا لازمی نتیجہ ایک اعلیٰ سیرت و کردار کی حامل شخصیت کا معرض وجود میں آنا ہے۔ اسی سے آگے چل کر ایک اعلیٰ اقدار پر مبنی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ اور بالآخر ایک عدل و قسط پر مبنی نظام حکومت کا قیام ممکن ہوگا لہذا مؤثر اور مقصدی دینی ہو سکتا ہے کہ جس کے ظاہر اور باطن، قول و فعل میں پوری مطابقت پائی جاتی ہو۔ جب ہم ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ایک انقلابی اسلامی تحریک کے کارکنوں کے

ترتیب کے نظام کا کوئی ناگوار اپنے ذہن میں لانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ کام نہایت
 دیکھن معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری طرف یہ ناگزیر بھی ہے لہذا صرف اللہ کی تائید
 ہی کے بغیر اسے پر تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لئے بیس بیس دن مشنتی تعلیمی و تربیتی
 مرتب کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا کورس بحمد اللہ تعالیٰ ۱۰ جولائی ۱۳۸۸ء سے شروع
 ہے اور اس پہلے مرحلہ کے اختتام کے متعلق بعد دو مہینوں میں ردزہ کورس رکھا گیا ہے
 لوگ پہلے مرحلہ کو کامیابی کے ساتھ مکمل کر لیں اور ان کے لئے چالیس دن کی چھٹی پر آنا
 ہی ہو تو وہ ایک ہی سفر میں دو نصابی مراحل طے کر لیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ
 اس قسم کے بیس بیس ردزہ آٹھ مراحل کو مکمل کر لیں گے انہیں کام کرنے کے
 صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس پہلے پروگرام میں تاحال تیس رفقاء شریک ہوتے ہیں
 پروگرام کا مختصر تعارف یہ ہے کہ دن کے اوقات میں تجوید کے بنیادی اصولوں کی تعلیم
 ابتدائی و بنیادی تعلیم۔ فارسی کی ابتدائی و بنیادی تعلیم، نیز دعوتی تالیفات کا مطالعہ، اس
 اور انہام و تقسیم۔ رکھی گئی ہے۔ صبح صلوٰۃ فجر اور شام صلوٰۃ مغرب کے بعد احادیث شریفہ
 دس رکعت گئے ہیں۔ ان احادیث کا درس پیش نظر ہے جن سے محاسبہ اخروی پر قلوب میں
 و پختہ یقین پیدا ہو سکے چونکہ انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز ہونے والا مؤثر ترین ایمان
 آخر ہے۔ علاوہ ازیں ان احادیث کا درس بھی شامل کیا گیا ہے جن میں آداب،
 توارہ، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار وغیرہ کے معمولات پر مبنی تعلیم ہے۔ تاکہ
 ماکو زبانی یاد کر کے ان کو اپنے معمولات میں شامل کرنے کی توفیق پائیں۔ مزید برآں
 یہ قرآن حکیم کی صحت کے لئے بھی پروگرام رکھا گیا ہے اور قیام الیل کا بھی بند و بست
 طے ہے۔

اس تعلیمی و تربیتی پروگرام کے منتظم و نگران اعلیٰ کے زائنس محترم ڈاکٹر نعیمی الدین صاحب
 ڈی کو توفیق کئے گئے ہیں جن کو محترم ڈاکٹر امیر احمد امیر تنظیم اسلامی نے مرکز میں نائب
 نے تعلیم و تربیت مقرر کیا ہے۔ اسی مقصد کے لئے ڈاکٹر نعیمی الدین صاحب کراچی سے
 منتقل ہوئے تاکہ انتظام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جب مغربی جرمنی میں بی ایچ ڈی
 ہے تھے تو ان کا الاخوان المسلمون سے تعلق رہا ہے تعلیم سے فارغ ہو کر ان کا
 سعودی عرب میں بھی قیام رہا ہے۔ عربی زبان پر انہیں پہلے سے عبور حاصل ہے اور
 سنت پران کی گہری نگاہ ہے۔ سعودی عرب سے کراچی مراجعت کے بعد موصوف
 و پر کراچی میں دعوت و تبلیغ اور قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس کا کام کر رہے تھے۔ قرینا

چار سال قبل موصوف تعلیم اسلامی سے متعارف ہوئے اور اس کی دعوت کو اپنے فکر و نظر کے مطابق اس پر عمل کی تنظیم میں شامل ہونے کے بعد موصوف نے درس نظامی کے نصاب کی تشکیل کی طرف توجہ دی۔ چونکہ محمد اللہ عربی زبان پر عبور پہلے ہی سے حاصل تھا اور قرآن و حدیث کا ذاتی مطالعہ تھا۔ لہذا بہت کم عرصہ میں درس نظامی کی تکمیل کر لی۔ اب وہ باقاعدہ مستند عالم دین ہیں۔

اس تعلیمی و تربیتی پروگرام میں عربی کی تعلیم کے لئے حافظ احمد یار صاحب سابق صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی اور فارسی تعلیم کے لئے جناب شبیر احمد صاحب بخاری سابق ڈائریکٹر آف ایجوکیشن صوبہ پنجاب نے اپنی خدمات پیش کی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے خیر سے فوازعے۔ دیگر امور کے لئے قرآن الیکٹری کے فیوض میں سے حافظ عارف سعید اور حافظ محمد نذیر کے پروردگار کو ذمہ داریاں کی گئی ہیں درس حدیث کے مڈم ڈاکٹر تہمتی الدین صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

و ما ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر و ادنیٰ کوشش کو بار آور فرمائے اور اس میں حصہ لینے والوں کو اس سے سبب استغناء نہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پروگرام کو تنظیم اسلامی کے عقائد کیلئے غیر جوہریت اور رحمت و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

۲۸ جولائی، تازہ ترین اطلاع یہ ملی ہے کہ محترم ڈاکٹر اسٹاپ پریس | اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کے برطانیہ کے دعوتی دورے

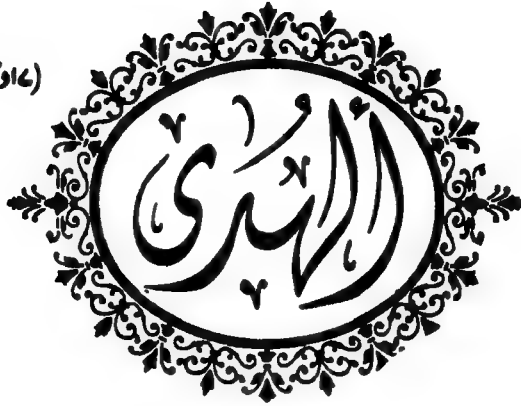
کا پروگرام بھی بن گیا ہے موصوف کا وصال قریباً ایک ہفتہ قیام ہے گا۔ آپ کی واپسی ۱۴ اگست متوقع ہے

(بقیہ الحدیث)

حضرات! ہم نے اس مختصر وقت میں اس آیت مبارکہ کو سمجھنے کی مقدور مہر کوشش کی ہے۔ ہم پر آج کے سبق میں واضح ہوا کہ ایمان درحقیقت ایک نور ہے، ایک روشنی ہے جس سے انسان کا باطن منور ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب انسان کا باطن منور ہو جائے گا تو اس کے کچھ آثار اس کے رشتے میں، اس کے اخلاق میں، اس کی دلچسپیوں میں، اسکی سیرت و کردار میں نمایاں ہوں گے۔ اب اگلے درس میں ان شاء اللہ ہم اسی رکوع کی آیات کے حوالے سے ان اثرات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

والاخر دعوانا انہو۔ الحمد للہ در ۱۱/۱۱/۱۱

(۷۰ ویں نشست)



نور ایمانی کے اجزائے ترکیبی:

نور فطرت اور نور وحی

(مباحث ایمان - درس ثالث)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویشن کے دروس کا سلسلہ

(۱)

السلام علیکم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ نور السموات والأرض مثل نوره کمشکوۃ
فیہا مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجہ
کأنہا کواکب دیر می یوقد من شجرة مبارکة
زیتونة لا شرقیة ولا غروبہا یکاد أن یشتعل فیضی
ولو لم تمسسه نارا نور علی نور ۛ یشہدی اللہ

لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَلَا يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

صدق اللہ العظیم

وہ اللہ ہی روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ اس کے نور کی مثال یوں ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ ہو۔ چراغ ایک شیشے (فالوس) میں ہو اور وہ شیشہ ایک پکڑا رستے کے مانند روشن ہو۔ اس چراغ میں جلتا ہے تیل ایک ایسے مبارک زیتون کے درخت کا جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا روغن بھر کر اٹھنے کو تیار ہو خواہ اسے آگ نے نہ جھپٹا ہو۔ یہ روشنی ہے روشنی پر اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جانب جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے۔ اور اللہ تو ہر چیز سے کما حقہ واقف ہے اور سب کچھ جانتے والا ہے۔

معزز حاضرین و محترم سامعین!

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ وارد درس ان مجالس میں ہو رہا ہے، اس منہ میں یہ چٹا سبق ہے اور مباحث ایمان کے ذیل میں درس ثالث یہ درس سورہ نور کے پانچویں رکوع پر مشتمل ہے۔ جس کی پہلی آیت اور اس کا رواں ترجمہ ابھی آپ نے سماعت فرمایا۔

یہ رکوع کل چھ آیات پر مشتمل ہے۔ یہ رکوع پورے قرآن مجید میں بھی ایک منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ بالخصوص سورہ نور میں اس کی حیثیت بالکل ایسے ہے جیسے ایک بہت اعلیٰ اور خوبصورت انگوٹھی ہے جس کے درمیان میں نہایت قیمتی نگینہ جڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ سورہ نور کل رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ پانچواں رکوع عین اس کے وسط میں واقع ہے۔ چار رکوع اس سے قبل ہیں اور چار رکوع مابعد۔ اس میں ایمان اور اس کی اصل حقیقت کو تمثیلات کے پیرائے میں سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت جو ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے، اس میں ایمان کی حقیقت، اس کی ماہیت کے لئے تمثیل لائی گئی کہ وہ

ایک نور ہے، روشنی ہے جس سے انسان کا قلب، اس کا سینہ اور نتیجہ اس کا پورا وجود، اس کی پوری شخصیت منور ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ اس نور کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک وہ نورِ فطرت جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ ہے اور دوسرا نورِ وحی جس سے اس نور کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں تمثیلوں اور تشبیہوں کو اس قدر کثرت سے کیوں استعمال فرمایا گیا ہے۔ ایہ بات بھی جان لیجئے کہ صرف قرآن مجید ہی میں نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابوں کا یہ ایک وصفِ مشترک ہے خصوصاً انجیل میں تمثیلیں نہایت کثرت سے بیان ہوتی ہیں۔ نہایت اعلیٰ تمثیلیں، جو دنیا کے اکثر کلاسیکل ادب میں مزبِ المثل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ان کا اصل سبب یہ ہے کہ بعض مضامین اتنے لطیف ہوتے ہیں اور عام انسانی فہم و ادراک سے بالعموم اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اگر انہیں عام انداز میں بیان کیا جائے تو ہمو سکتا ہے کہ فائدے سے زیادہ نقصان ہو جائے اور عوام اس سے مغالطے میں مبتلا ہو جائیں۔ دوسری طرف ان حقائق کا ایک اجمالی تصور دینا بھی انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ضروری ہے لہذا آسمانی کتابوں میں ایسے حقائق کے ضمن میں تمثیل یا تشبیہ کا یہ اختیار کیا گیا تاکہ اس سے ہر شخص اپنے فہم و شعور کے مطابق اس کا مطلب اخذ کر لے۔ چنانچہ انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک حواری نے سوال کیا کہ ”اے باپ! آپ تمثیلوں میں گفتگو کیوں کرتے ہیں؟“ حضرت مسیحؑ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ”تاکہ وہی سمجھیں کہ جن کا سمجھنا مفید ہے“ یعنی تمثیل کی احتیاج انسان کو ہے، اللہ کو نہیں: **وَلَا يَشْرِبُ اللَّهُ ۖ وَلَا مِثَالُ لِبَاسٍ ۖ**۔ ”اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے“ **وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝**۔ ”اور اللہ کو تمام چیزوں کا علم ہے“۔ اور عظیم کا حقد بھی ہے اور کما ہی بھی۔ ہر شے کی اصل حقیقت اس پر روشن ہے۔ تمثیل کی احتیاج معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ کو نہیں ہے بلکہ اصلاً نہیں ہے۔ اسکی ایک اور مثال بھی میں آپ کے سامنے رکھ دوں کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ تافانِ اسلامی کی بنیاد صرف قرآن مجید پر نہیں ہے بلکہ سنتِ رسول بھی اس کی دوسری

بنیاد ہے اور مزدوری ہے۔ تو بعض لوگ نا سمجھی میں یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو سنت کی ضرورت ہے! قرآن سنت کا محتاج ہے! معاذ اللہ۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم قرآن کو سمجھنے اور زندگی کے تمام گوشوں اور معاملہ میں عمل رہنمائی کے حصول کے لئے سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے محتاج ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا: **وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہم نے آپ کی جانب یہ ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے واضح کریں جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔“ قرآن کی تمییز، قرآن کی تشریح و توضیح یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی ہے اور ہم قرآن کو سمجھنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور ارشادات کے محتاج ہیں۔ بالکل یہی بات یہاں ہے کہ تمثیلوں کی احتیاج اللہ کو نہیں ہے: **وَيُضَرِّبُ لَنَا مَثَلاً لِّلنَّاسِ ط۔** ان کی احتیاج ہمیں ہے۔

اب آئیے اس تمثیل پر غور کیجئے ارشاد ہوتا ہے: **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط۔** آسمانوں اور زمین کی روشنی اللہ ہی ہے۔ ظاہر الفاظ سے یہاں ایک مغالطہ ہو جاتا ہے کہ شاید یہاں نور کا اطلاق باری تعالیٰ کی ذات پر ہو رہا ہے اس مغالطہ سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ جان لیجئے بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ ذات **وَرَادِ الْوُحَاظُ وَرَادِ الْوُحَاظُ وَرَادِ الْوُحَاظُ** ہے۔ یا جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: **أَلْعَجَبُ عَنكَ ذَٰلِكَ الذَّاتِ إِذْ مَلَكَ**۔ ”اللہ کی ذات کے ادراک سے عاجز ہو جانے ہی کا نام ادراک ہے۔ معلوم شدہ کہ ہر معلوم شدہ۔ جب انسان جان لیتا ہے کہ میں اللہ کی ذات کو جان نہیں سکتا تو یہی کمال عرفان ہے۔ یہی بات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی: **وَالْبَحْثُ عَنْ كُنْهِ الذَّاتِ إِشْرَآك**۔ ”اللہ کی ذات کے بارے میں بحث اور کھود کرید سے انسان شرک اور فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔“ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے انجیہ تفسیر کبیر میں بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ یہ نور کوئی مادی شے ہے یا یہ کوئی عارضی کیفیت ہے۔ اودان دونوں کی نسبت باری تعالیٰ کے ساتھ محال ہے، ناممکن ہے لہذا نور کا اطلاق ذات باری تعالیٰ

پر نہیں ہے۔ پھر ایک دلیل یہاں بھی موجود ہے۔ اس آیت میں دو مرتبہ آیا ہے ”نوریں“۔ یہ مرکب اضافی ہے جب کسی شے کی اضافت کسی کی طرف کی جائے تو وہ شے اس کا غیر ہے۔ جیسے میرا قلم۔ قلم علیحدہ ہے۔ میں علیحدہ ہوں۔ یہ نسبت میرے اور قلم کے مابین ہے۔ تو نور کے معنی میں اس کا یعنی اللہ کا نور تو نور کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر درست نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں لفظ نور بطور استعارہ آیا ہے۔

اب آپ سمجھتے۔ ہم جس نور سے واقف ہیں، اُسے نورِ خارجی کہتے۔ خارجِ روشنی۔ یہ نور یا روشنی اصل میں اشیاء کے ظہور کا ذریعہ بنتی ہے۔ ہم سب یہاں موجود ہیں۔ روشنی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ لیکن کسی سبب سے یہ روشنی چلی جائے۔ قیود ہو جائے تو ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے در اں حایہ ہم سب کی آنکھوں میں دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہ اشیاء کا ظہور بواسطہ نور ہو رہا ہے۔ یہ ہے نورِ خارجی۔ اسی طرح ایک نورِ باطنی ہے۔ جس سے حقائقِ اشیاء ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا اَذِّہ اللہم ارنی حقیقۃ الاشیاء کما ہی۔ اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا جیسی فی الواقع وہ ہیں۔ شاید اسی سے شاعر نے خیال لے کر کہا، اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب، لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا؟

تو وہ جو ایک بصیرتِ باطنی ہے اُسے ایک نورِ باطنی کی ضرورت ہے اور وہ نورِ باطنی ہے معرفتِ نورِ خداوندی ہے اسی نورِ خداوندی کا ذکر ہے سورہ بقرہ میں آیت الکرسی سے متصلاً دوسری آیت میں: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ اللہ کو پہچان لیں گے۔ تو اس کائنات کے جملہ حقائق، حقائقِ کونیہ، حقائقِ تکوینی، حقائقِ تشریعی، سب کے سب روشن ہو جائیں گے، نظر آئیں گے۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آغاز کیا ہے! اختتام کیا ہے! اس کائنات کی حقیقت کیا ہے! حیات کی حقیقت کیا ہے! موت کی حقیقت کیا ہے! خیر کی حقیقت کیا ہے! شر کی حقیقت کیا ہے! علم کسے کہتے ہیں۔ مہازات و مکافات کیوں مزدی ہیں؟

یہ ساری چیزیں انسان کو معلوم ہوں گی اگر وہ اللہ کو جان لے۔ جس طریقے سے ہماری
بعبارت ظاہری کے لئے نورِ خارجی ضروری ہے اسی طرح اندرونی بصیرت کے لئے
نورِ باطنی، نورِ معنوی ضروری ہے جو عبارت سے معرفتِ خداوندی سے: اللہ
نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ -

اب آگے چلیے ارشاد فرمایا: مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ
یہاں جو ”نور“ ہے، اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ متکلمین کی
اکثریت نے اسے نورِ ہدایت قرار دیا ہے کہ یہاں تمثیل نورِ ہدایت کے لئے ہے۔
بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہاں مراد ہے قرآن۔ چونکہ خود قرآن مجید میں کئی
مقامات پر قرآن کو ”نور“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہاں سے
مراد ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کے ہائے میں فرمایا گیا: سِرَاجًا
مُنِيرًا۔ آپ ایک روشن چراغ ہیں۔“ ویسے ہم تینوں کو جمع کر لیں تو کوئی
حرج نہیں یہ ایک ہی بات ہے۔ جیسے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا: لَنُؤَيِّدَنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ
حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ۔ یہ سارے اہل کتاب اور یہ سارے مشرکین باز
آنے والے نہ تھے اپنے کفر اور شرک سے جب تک کہ ان کے پاس تنبیہ نہ آجاتی۔
اُگے فرمایا کہ وہ الْبَيِّنَةُ کیا ہے۔ دَسُّوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَشْلُقُوْا صُحُفًا مَّطْلُوْرًا
فِيْهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ۔ ”رسول اللہ کی طرف سے جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن
میں بالکل راست اور درست باتیں لکھی ہوئی ہوں گے رسول اور صحیفہ بالکتابیں
یہ مل کر ایک وحدت بنتے ہیں اور یہ ہے قیَمہ۔ یہ ہے اللہ کی دلیل، یہ ہے اللہ کی
محبت، یہ ہے اللہ کی برہان۔ ویسے مَثَلُ نُورٍ کے صنف میں دو صحابہؓ
کی رائے نہایت قابلِ غور ہے۔ یہ دونوں صحابہؓ وہ ہیں جن کی قرآن نہی کی خصوصی
فضیلت حضورؐ نے بیان فرمائی ہے۔ ایک ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت اُبی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد ہے: مَثَلُ نُورٍ مِّنْ
أَمْنٍ۔ ”مثال اس کے نور کی جو ایمان لے آیا۔“ اس کو جو ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ایک نور عطا ہوتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد ہے: **مَثَلُ نُورٍ كَفِ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ**۔ ”اللہ کا ایک نور وہ بھی ہے جس کی جلوہ گاہ بنتا ہے ایک مومن کا قلب۔“ مراد ہوا ایمان۔ ایمان کا عمل و مقام قلب مومن ہے۔۔۔۔۔ اس میں جو نور ایمان پیدا ہوتا ہے اُس کے اس کی تمثیل بیان کی گئی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے۔ اب ذرا آپ خود کیجئے اور اپنے جسم کی ساری ہڈیوں کے پتھرے کو اپنے تصور میں لائیے۔ تو سینے کی جو ہڈیاں اور پسلیاں ہیں وہ بالکل ایک طاق کے مانند ہیں۔ **وَلِیَا فَرْغ (DIAPHRAGM)** جو ہمارے سینے کو معدے وغیرہ سے جدا کرتا ہے، اس کا فرش ہے اور اس پلاس کا قلب رکھا ہوا ہے۔ جب یہ قلب ایمان سے منور ہو جاتا ہے تو اب یہ ایک چراغ ہے: **كَشْكُوۡةٍ فِیۡہَا وِضْبَاحٌ**۔ ”جیسے ایک طاق ہو اور اس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہو۔“ یہ چراغ ایک شیشے میں ہے: **اَلْمِضْبَاحُ فِیۡ زُجَاجَہٗ**۔ دیکھتے اگر چراغ شیشہ (فانوس) میں نہ ہو کسی قندیل میں نہ ہو تو چراغ کی تو ہوا سے ادھر ادھر منتشر ہوتی رہتی ہے۔ جب چراغ شیشے میں آ جاتا ہے تو وہ ایک مرکز پر، ایک جگہ پر قائم رہتی ہے جس سے روشنی بالکل یکساں طریقے اور ہموار طور پر اپنے ماحول میں سرایت کرتی ہے۔ اس چراغ میں جو تیل جلتا ہے۔ اب اس تیل کی جو اصل فصاحت و بلاغت ہے وہ اُدری ہے: **اَلزُّجَاجَہُ كَا شَہَا كُكُۡبٍ دُرِّیۡمٍ یُّوۡقَدُ مِنْ شَجَرۡةٍ مَّبْرُكَۃٍ زَیۡتُوۡنَہٗ لَا شَرۡقِیَّۃٍ وَلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّكۡاۡدُ زَیۡتُہَا یُضۡیِیۡ وَّوَلَّوۡا تَمۡسَسُنَّ نَارُہٗ**۔ ”فانوس کی کیفیت یہ ہو جیسے چمکتا اور جگمگاتا رہتا ہے۔ اس چراغ میں جلتا ہو ایک ایسے بابرکت زیتون کے درخت کا تیل ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا روشن آپسے آپ سلگ جانے کے لئے بیتاب ہو۔ چاہے آگ نے ابھی اُسے چھوا نہ ہو۔“ اس زیتون کے درخت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اُس سے ایسا خدمت مراد ہے جو یا تو کسی پہاڑی کی چوٹی پر ہے یا کسی میدان میں تنہا درخت ہے ایسے درخت پر صبح سے لے کر شام تک سولح کی حرارت و نفاذات اثر انداز ہوتی ہے۔ لہذا درختوں کا کوئی جھنڈ ہو تو اگر اس کے شرقی گوشے میں کوئی درخت ہو گا تو شام

کی دھوپ اُسے نہیں ملے گی۔ اگر غری گشتے میں گرفت ہوگا تو صبح کی دھوپ اُسے میسر نہیں آئے گی۔ لَا شَرْفَ لِفَتْنَةٍ وَلَا غَنًى لِّبَيْتَةٍ - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایسے درخت کا تیل نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے۔ وہ بھڑک جانے پر تیار ہوتا ہے۔ اس شرقی و غربی کے لفظ سے میرا ذہن علامہ اقبال کے اس مصرع کی طرف منتقل ہوا: درویشِ فدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی۔ یہ جو نسبتیں ہوتی ہیں انکی وجہ سے بھی انسان میں عصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ حقائق سے محروم ہو جاتا ہے۔

زیتون کے اس درخت کے روغن کی خصوصیت و کیفیت یہ بیان ہوتی ہے کہ وہ اتنا صاف و شفاف ہے کہ بھڑکنے اور مشتعل ہونے کے لئے بیتاب ہے پھل رہا ہے چاہے اُسے آگ نے نہ چھوا ہو۔ جدید دور میں اس کی اگر ہم مثالیں گے تو وہ پٹرول ہے۔ آپ مٹی کے تیل سے بھی دیا جلاتے ہیں۔ لیمپ اور لالٹین روشن کرتے ہیں۔ سروسوں کے تیل سے بھی دیا جلائیں گے۔ لیکن اس کے لئے بڑے متن کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے لئے بتی چاہیئے، کپڑا چاہیئے۔ تب وہ جلے گا۔ اس کو براہ راست دیا سلائی دکھائیے تو وہ نہیں جلے گا۔ اس کے برعکس پٹرول ہے کہ دیا سلائی اس سے ابھی دور ہے۔ قریب بھی نہیں لیکن پٹرول اس روشن دیا سلائی کو خود آگے بڑھ کر آگ کو پھوٹنے اور لپکنے کے لئے بیتاب ہے۔ دھڑنگے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے۔ یہاں یہ انداز ہے۔

پس اس روغن سے درحقیقت ایک سلیم الفطرت انسان کی مثال دی گئی ہے جس نے اپنی انسانیت کے جوہر کو اپنی فطرت کو محفوظ رکھا۔ اس میں کشافیتیں نہیں آئے پائیں۔ اس میں عصیتیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنی اصل حقیقت پر سلامتی طبع اور سلامتی فطرت کے ساتھ قائم و برقرار ہے۔ یہ روغن بھڑک اٹھنے کو تیار ہے اگر نوری ذرا اس کے قریب آجائے تو اس کا باطن جگمگا اٹھتا ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زیدؓ، عمارؓ اور سابقون الاولونؓ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جیسے خدیجہؓ کا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ درحقیقت یہ مثال ان مدلقین کے ایمان کی ہے کہ جو خود بیتاب ہوتے ہیں کہ جیسے توحید کی دعوت سامنے آئے اُسے آگے بڑھ کر قبول کر لیں۔ جیسے ہم نے سودہ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کے مطالعہ میں اس آیت کا بھی مطالعہ کیا تھا: **وَبَنَّا إِبْنًا سَمِعْنَا مَنًا وَيَا يَتَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ** **الْمُؤَايِسَ بِكُمُ فَمَا مَنَّا**۔ بس یہ ہے وہ ندر ایمان جس کے اجزائے ترکیبی دو ہیں، ایک نور فطرت اور دوسرا نور وحی۔ اسی حقیقت کو اس آیت مبارکہ میں آگے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **نُورٌ عَلَى نُورٍ** دو نور پر نور۔ دو انوار سے مرکب ہو کر نورِ ایمان تیار ہوتا ہے۔ جس سے انسان کا قلب منور ہوتا ہے، پھر وہ طاق منور ہوتا ہے، پورا سینہ اس سے منور ہوتا ہے۔ پھر ان نوار سے انسان کا پورا وجود، اس کی پوری شخصیت منور ہو جاتی ہے۔ پھر جو انسان وجود میں آئے گا، اس کا نقشہ اگلی آیات میں دیا گیا ہے جو ان شاء اللہ ہم اگلی نشست میں پڑھیں گے۔ اب آج پہلی آیت کے بارے میں، میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کے متعلق اگر کچھ سوالات ہوں تو آپ پیش فرمائیں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے درس کے دوران بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بحث و محیص سے گریز کرنا چاہیے اس وجہ سے کہ بعض اوقات بات شرک تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو جان لینا ایک بندہ سومن بننے کے لئے دلیل ہے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟

جواب: بڑا پیارا سوال ہے، بہت متعلق سوال ہے۔ اصل میں اللہ کو جان لینے یا اللہ کی معرفت کے دو اجزاء ہیں۔ ایک ہے اللہ کی ذات کو جان لینا۔ ایک ہے اللہ کی صفات کو جان لینا۔ ہم اللہ کی ذات کو نہیں جان سکتے وہ وراء لوری ہے ثم وراء لوری ہے۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے یا اس کی جو معرفت ہے وہ کل کی کل اُس کی صفات سے متعلق ہے۔ ہم اللہ کو اس کی صفات کے حوالے ہی سے جان سکتے ہیں۔ اس

کی ذاتِ سبحانہ کو جان لینا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس بات کی تفہیم کے لئے میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو صحابہ کرام میں سب سے اعلیٰ و ارفع عارف باللہ ہیں، یہ قول آپ کو سنایا تھا: **لَا يُحِزُّ هَکَ ذَکَ الذَّاتِ اِدْرَاکُ**؛ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عاجز آ جانا ہی ادراک ہے۔ ذات کا تصور مستلزم ہے محدودیت (limitation) کو اور اللہ کے متعلق چہاں محدودیت کا الحاق ہوا وہیں شرک ہو گیا چنانچہ یہی بات اُمت کے دوسرے بڑے عارف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس قول میں ہے جو میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ: **وَالْبَحْثُ عَنْ كُنْهِ الذَّاتِ إِشْرَکٌ**۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! اللہ تعالیٰ کے اسمِ علیم کی وضاحت تشبہ سی محسوس ہوتی۔ اس کی ذرا مزید توضیح فرمائیں۔

جواب: اس آیت میں لفظ **علیم**، آیا ہے۔ اس مقام پر یہ لفظ صفت کے طور پر آیا ہے۔ اسم کے طور پر نہیں آیا۔ جب اس پر الف لام داخل کر کے معرّف بنائیں گے یعنی **الْعَلِیْمُ**، تو یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی اسم بن جائے گا بہر حال جب صفت یا اسم صفت کے طور پر لفظ علیم اللہ کے لئے آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ ہر شے کو جاننے والا ہے اور شے کے ساتھ ہی اس کی اصل حقیقت کو جاننے والا ہے۔ ہم جن چیزوں پر لفظ علم کا اطلاق کرتے ہیں وہ اس شے کی ظاہری یا خواص یا تجربات سے متعلق کچھ باتیں ہوتی ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں پھر یہ کہ ہمیں ان کی تحصیل کرنی ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ ہر شے کی اصل حقیقت کو جاننے والا ہے۔ اُس ذاتِ سبحانہ کو معاذ اللہ تحصیلِ علم کی ضرورت ہے نہ اشیاء کے خواص و تاثر کے لئے تجربات کئے اس لئے کہ وہ ہر شے کا خود ہی خالق ہے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو وہ خود بنانے اور از خود جاننے والا ہے۔ جیسا کہ میں نے تمثیل کے متن میں بھی عرض کیا تھا کہ معاذ اللہ اس کی اللہ کو حاجت نہیں ہے۔ تعلیم و تفہیم اور شعور و ادراک کے لئے تمثیلوں کی احتیاج ہم کو ہے۔ ہم اس کے محتاج ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

جہاد بالقرآن

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ فِي سُورَةِ الْفُرْقَانِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
فَلَا تَطْغِبِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِمْ جِهَادًا كَبِيرًا ۝
صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ ۝

صدر مجلس، مکرم علمائے عظام اور معزز حاضرین کرام !
آپ حضرات کو اخباری اعلان سے یہ علم ہو چکا ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
پر ابہتمام ہونے والے اس چھٹے سالانہ محاضرات قرآنی میں مجھے بطور افتتاحیہ :
بالقرآن کے موضوع پر کچھ عرض کرنا ہے چنانچہ میں نے اس وقت کی اپنی گفتگو
ان کے طور پر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ کی تلاوت کی ہے۔ اس میں نبی اکرم
ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

فَلَا تَطْغِبِ الْكَافِرِينَ ۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ان کافروں کا کہنا بالکل نہ مانئے۔ ”وَجَاهِدْهُمْ بِهِمْ جِهَادًا
اَکْبَرًا“ اور ان کے ساتھ مجاہدہ کیجئے، کشمکش کیجئے۔ اس قرآن کے ذریعے سخت مجاہدہ اور
یہ کشمکش ”چونکہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام اسی بنیاد پر عمل میں آیا تھا چنانچہ اس
پر ابہتمام دسمبر ۱۹۷۳ء سے مسلسل سات سال تک قرآن کافرنوں کے انعقاد کا سلسلہ
بار بار اور لاہور اور کراچی میں بعفیلہ تعالیٰ ہم نے سات نہایت عالی شان سالانہ قرآنی
میں منعقد کیں۔ اس کے بعد بعض اسباب سے ہم نے عنوان بدلا۔ جن میں سب سے
سبب یہ تھا جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے باعث مسرت اور یہ
اگر رب العزت میں ہماری ان حقیر کوششوں کے مقبول ہونے کا کسی درجہ میں ہسی،
ہنگامہ بھی ہے کہ قرآن کافرنس کا لفظ اتنا مقبول ہوا اتنا معروف اور مشہور ہوا کہ جا بجا
یہ متعدد قرآن کافرنس، جنہیں بجا طور پر قرآن کافرنس قرار دیا جاسکتا ہے،

منفقہ ہوتی بلکہ بات یہاں تک جا پہنچی کہ اگر کسی تجوید کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد ہوتا تو اس کا عنوان بھی ”قرآن کا نفرنس“ قرار دیا جانے لگا تو ہم نے پھر اس کو چھوڑ کر محاضرات قرآنی کی اصطلاح سے ان مجالس کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں بنیادی طور پر پیش نظر یہ بات تھی کہ کانفرنسوں میں ایک طرف سامعین کا اور دوسری طرف مقررین کا جو ہجوم ہو جایا کرتا ہے اور تحریری مقالات و خطبات کی بجائے عام طور پر تقریریں زیادہ ہوتی ہیں تو مطلوبہ مقاصد کا حقہ حاصل نہیں ہوتے۔ گویا اس سے یہ فائدہ تو حاصل ہوا کہ قرآن مجید لوگوں کی نظر و التفات کا نقطہ ماسکہ و ارتکاز (FOCUS) بنا۔ اس کی طرف توجہات مرکوز ہوتیں۔ اس کی قیادت کے ساتھ اس کے مطالعے، اس کی تعلیم و تعمق اور اس میں تفکر و تدبر کے شوق و ذوق میں اضافہ ہوا۔ میرے نزدیک الحمد للہ یہ بھی بہت بڑا کام ہے۔

لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے جلسوں کی افادیت اتنی نہیں جتنی ایک پرسکون ماحول میں مقالہ پیش کیا جائے یا لیکچر دیا جائے، پھر اس پر گفتگو، مذکرہ ادا انہام و تہنیم کا بھی موقع ہو اور اس سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگرچہ میں اعتراض کرتا ہوں کہ محاضرات قرآنی سے جو مقصد حاصل کرنا پیش نظر تھا حال ا سے ہم پوری طرح رُو عمل نہیں لاسکے ہیں لیکن اس مرتبہ انشاء اللہ ان محاضرات کی ایک نشست اسی طرز پر منعقد ہوگی جس میں اُجاہد کی شریعی حیثیت کے موضوع پر ایک مقالہ پیش ہوگا اور اس پر دیگر علمائے کرام اور اہل دانش و نبش کو گفتگو کا موقع فراہم کیا جائے گا تاکہ اس موضوع کے تمام جوانب و اطراف کھلی کر سامنے آجائیں۔ بہر حال آج ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس چھٹے محاضرات سمرگانی کی پہلی نشست کا آغاز کر رہے ہیں جو برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف عالم دین ممتاز شخصیت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ، ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی دیوبند، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی (بجارت) کی صدارت میں منعقد ہو رہی ہے۔ مولانا کی یہ بڑی کرم فرمائی ہے کہ پیرائہ سالی اور شدید مصروفیات کے باوجود وہ ہماری درخواست پر بجا رت سے تشریف لائے اور ازراہ مطلق وقادون مصروف نے ان محاضرات کی تین نشستوں کی صدارت قبول فرمائی اور تین موضوعات پر اپنے گراں قدر ارشادات سے محاضرات کو مستفید فرمانے کی منظوری بھی عطا فرمادی جس کے لئے میں ذاتی طور پر اپنی جانب سے اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی طرف سے مزید جلد شکر کا مجلس کی

جانب سے مولانا موصوف کی خدمت میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ بدیہ تشکر پیش کرتا ہوں یہ شکر یہ عرض رسمی نہیں ہے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں غلوں میں اس کے ساتھ ہے کہ لَا تَشْكُرُوا اللَّهَ مِنْ لَدُنْكُمْ النَّاسُ۔

درحقیقت یہ محاضرات قرآنی جہاد بالقرآن ہی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ میں اس نشست میں جہاد بالقرآن کے موضوع پر چند باتیں ابتدا میں عرض کروں یہی باتیں درحقیقت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تمام مقاصد کی نشان دہی بھی کریں گی اور اس کے لئے ہمارے استدلال کو مضبوطی بختری ہے۔ انشاء اللہ اس کو بھی سامنے لے آئیں گی۔

جس آیت مبارکہ کی میں نے آغاز میں تلاوت کی ہے، اس میں دو چیزیں نہایت اہم ہیں۔ ایک لفظ جہاد جو اس آیت مبارکہ میں دو مرتبہ آیا ہے، ایک فعل امر کے طور پر جہاد اور دوسرے مفعول مطلق کے طور پر جہاد اکبر۔ نہ صرف جہاد بلکہ شدید جہاد۔ بہت بڑا جہاد۔ اس آیت میں اس کا حکم دیا جا رہا ہے، جناب محمد کو صلی اللہ علیہ وسلم، دیکھو لفظ رہب جہاد اکبر جہاد۔

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بات تو سب کی سمجھ اور فہم میں بڑی آسانی سے آجاتی ہے لیکن یہاں یہ کہہ کر جو چھوٹا سا لفظ آیا ہے، میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اکثر و بیشتر ہمارے اہل علم حضرات بھی اس کی اہمیت پر غور و فکر کے بغیر سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ میں نے اسے نوٹ کیا ہے کہ جہاں بھی قرآن کے لئے یہ لفظ ضرور ضرور مفعولی آیا ہے، ہمارے اہل علم لا مآثر اللہ اس کا وہ حق ادا نہیں کرتے جسے کما حقہ کہا جاسکے۔ اس پر ہم کی اہمیت کے اظہار کے لئے دو مثالیں پیش کرتا ہوں،

پہلی مثال سورہ بنی اسرائیل سے ہے، جہاں فرمایا: وَمِنْ الْآيَاتِ الَّتِي فَتَحْنَا بِهَا نَافِلَةً لَّكَ، میرا اعزاز ہے کہ تہجد کی فضیلت، تہجد کی اہمیت، تہجد کا مقام، اس کا مرتبہ، یہ تو ہمارے یہاں معروف ہے، مشہور ہے۔ کسی کو اس کی توفیق ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ اس کی عظمت سے، اس کی برکات سے میرے خیال میں ہر وہ مسلمان بخوبی واقف ہو گا جس کا حق تو اہت بہت بھی دینی مزاج ہے۔ لیکن یہاں بھی پہنچا پر اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہئے۔ تہجد میں اہم ترین شے قیام وہ بھی طویل قیام ہے اور اس میں ترتیل کے ساتھ تلاوت قرآن ہے،

قَدْ أَتَيْنَا الْقَلِيلَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ أَصْغَرَ أَفْئُتُفُ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زَيْدٌ عَلَيْهِمْ وَرَتَّلَ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا
 لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں مگر ماہ عام فرائض کی طرح آٹھ رکعتیں پڑھ
 لیتے ہیں پھر بیٹھ کر مختلف اوداد و وظائف میں مشغول ہو جاتے ہیں اور زیادہ وقت اس میں
 صرف کرنے ہیں۔ اَلَا مَآ شَرَّ اللَّهُ۔ یہ بھی بہت غنیمت ہے لیکن اس کی برکات سے کما حقہ
 استفادہ تب ہوگا جب اس میں طویل قیام ہو اور اس میں ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت
 ہو۔ دوسری مثال سورہ مریم کی ہے، جہاں فرمایا،

فَأَمَّا يَنْتَرِظُ رَبُّكَ لِتُشْرَبَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَتُؤْتَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَتُؤْتَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَتُؤْتَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ

یہاں بھی غور و ملاحظہ کیجئے کہ تشریب و انتظار کے لئے پہلے سے قرآن مجید ہی کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔
 لیکن ہوتا کیا ہے! یہ کہ ہمارے یہاں دُغلوں میں اور غلطیوں میں اکثر و بیشتر یہ کام اولیاء اللہ
 کے تذکروں یا مولانا روم کی شہسوار کی شہسوار سے لیا جاتا ہے۔ قرآن کی طرف بہت کم ہی توجہ دی جاتی ہے
 بعینہ یہی معاملہ اس آیت کریمہ کا ہے، وَجَاهُكَ هُوَ رُبُّهُ جِهَادُكَ أَجْبَلُ ۚ معلوم ہوا
 کہ یہاں جس جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے اس شد و مد کے ساتھ، اس اہتمام کے ساتھ، اس تاکید
 اور EMPHASIS کے ساتھ اس کے لئے ایک ذریعہ، ایک آلہ، ایک ہتھیار ہے جو
 جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ اس کے لئے بھی ایک قوار ہے جو آپ کے دست مبارک
 میں تھا ہی گئی ہے اور وہ ہے، قرآن حکیم۔ لہذا فرمایا کہ اے نبی! ان مشرکین و کفار کے ساتھ
 جہاد کیجئے۔ اس قرآن کے ذریعے سے بہت بڑا جہاد، میں صاحب صدر کی بالخصوص اور علماء
 کرام کی بالعموم اجازت سے اس وقت کچھ تھوڑی سی وضاحت اس لفظ جہاد کی کردوں گا۔
 میں جانتا ہوں کہ اہل علم کے لئے ہو سکتا ہے کہ میری یہ سخن تراشی کچھ گراں گزرے۔ لیکن یہ سمجھنا
 ہوں کہ یہاں جو دوسرے شہکار ہیں ان کے لئے یہ بات مفید ہوگی۔

پہلی بات یہ کہ میرے نزدیک جہاد ہمارے دین کا مظلوم ترین تصور (CONCEPT) ہے۔
 مظلوم ہونے کے اعتبار سے اس کے ہم پلہ دوسری شے جو آئی ہے وہ قرآن ہے۔ ہمارے
 دین کی یہ دو مظلوم ترین حقیقتیں ہیں۔ جہاد کے بارے میں اتنے مغالطے و غلط فہمیاں ہیں کہ حد شمار
 نہیں۔ پھر خاص طور پر ہماری تاریخ میں ایک دور وہ بھی آیا کہ جب ہم براہ راست محکوم و مظلوم تھے
 نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی۔ یعنی دوطرفہ غلامی کے
 پنجے میں ہم گرفتار ہوئے۔ اس وقت اہل مغرب کی طرف سے ہم پر جہاد کے حوالے سے

بڑے ہارمانہ محض ہوتے۔ استہزاء اور مسخر ہونا۔ انہی کی بات یوں کہی گئی ہے کہ:
۶۔ بوسے خون آتی ہے اس قوم کے اسفانوں سے

چنانچہ ماضی قریب میں ہمارا انداز معذرت خواہانہ (APOLOGETIC) رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر چاہیہ دو اصولاً گزر چکا ہے لیکن تاحال اس کے باقیات استیثات کچھ لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں اور جب تک ہم ان کو اچھی طرح کھرچ نہیں دیں گے اس وقت تک دین کی کوئی مثبت اور پابدار اور فعال تحریک جو نتیجہ خیز بھی ہو اٹھانا ممکن نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ جہاد کے بارے میں سب سے پہلا مغالطہ ذہنوں میں یہ بٹھادیا گیا اڈ اس کے نتائج بہت دور رس ہیں کہ جہاد کے معنی 'جنگ' ہیں۔ اس بارے میں میری رائے ہے کہ اختیار اور بیگانوں کی کارستانی کے ساتھ ساتھ یگانوں اور اپنوں کی بھی غلطیاں ہیں اپنوں کی بڑی اکثریت نے بھی جہاد کو 'جنگ' ہی قرار دیا ہے جب قرآن مجید مستقل طور پر دو اصطلاحات استعمال کر رہا ہے۔ ایک جہاد فی سبیل اللہ اور دوسری قتال فی سبیل اللہ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر ہمارے دینی لٹریچر میں جنگ کے تمام مدارج و مراحل کے لئے بطور عنوان لفظ جہاد استعمال ہو جاتا ہے اور جنگ کو جہاد ہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہوتے ہوتے ہمارے ذہنوں میں جہاد اور قتال مترادف کی حیثیت سے جاگزیں ہو گئے اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جہاد کے معنی ہیں جنگ۔

تیسری بات یہ کہ ظاہر ہے کہ جنگ ہر وقت اور ہمیشہ تو نہیں ہوتی لہذا جہاد فرض کفایہ رہ گیا اور فرض عین کی فہرست سے خارج ہو گیا۔ پھر یہ کہ جب کبھی جنگ کا مرحلہ آتا تھا تو قبضی نفری کی ضرورت ہوتی تھی وہ نکل آئی تو بقیہ لوگوں کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جاتا تھا۔ یہی فرض کفایہ کا تصور ہے اور بالکل صحیح تصور ہے۔ لہذا ہمارے یہاں جو فقہی تصور و معیار ہیں اور سوجھ بوجھ پیمانے ہیں ان میں گویا صاف اول کی شے جہاد رہا ہی نہیں۔ اس کا فرض عین ہونا پس منظر میں چلا گیا حتیٰ کہ ذہنوں سے اوجھل اور محو ہو گیا۔ الاماں اللہ۔

چوتھی بات یہ کہ اس پرستم بالائے ستم اور بناوا و فاسد علی الفاسد یہ بتوا کہ ہم نے یہ ویلو بنالیا کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے گویا وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان ذاتی حیثیت سے جہاں ناجور و فاسق ہو سکتا ہے وہاں ظالم بھی ہو سکتا ہے جیسے خود مسلمانوں کے متعلق ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ آتے ہیں: اَنْصُرْ لِحَاكٍ ظَالِمًا

اَوْ مَخْلُوفًا هَذَا سَلَامٌ لَكَ كَوْنِي بِدُشْمَانِ يَوْمٍ يَكُونُ قَوْمٌ يَكُونُ كَوْنِي بِدُشْمَانِ يَوْمٍ يَكُونُ كَوْنِي بِدُشْمَانِ
 ایک نافع جنگ بھی شروع کر سکتے ہیں صرف اپنے مفادات کے لئے، صرف اپنے اقتدار
 کو وسعت دینے کے لئے۔ اپنی سلطنت کی حدود کی توسیع کے لئے جبکہ ان کے پیش نظر دین
 کی کوئی خدمت نہ ہو۔ اعلیٰ لکھنؤ کا کوئی مقصد نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی جنگ کیسے جہاد
 یا قتال فی سبیل اللہ شمار ہو جائے گی! جبکہ ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
 واضح حدیث موجود ہے: عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلْتَجِدُ يُقَاتِلُ لِلْفَتْحِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلدِّعْوَةِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِبَيْتِهِ
 مَكَانًا مِمَّنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِيَكُونَ حَبْلًا لِلَّهِ هِيَ الْغَلَا ذَهَبِي سَبِيلِ
 اللَّهِ۔ ابی موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے
 دریافت کیا کہ حضور ایک شخص جنگ کرتا ہے یا نہیں؟ کے لئے اور ایک شخص جنگ کرتا ہے اپنے
 فخر کے لئے اور ایک شخص جنگ کرتا ہے۔ اپنی (یا اپنے قبیلہ کی) سرحد کی دیکھنے کے لئے
 پس کس کی جنگ اللہ کے راستہ میں ہوگی! حضورؐ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا مَنْ قَاتَلَ لِيَكُونَ
 حَبْلًا لِلَّهِ هِيَ الْغَلَا ذَهَبِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ صرف اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہوگی جو جنگ کے
 تاکہ اللہ کا کلمہ سب سے بڑھ جاتا ہو غیال ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ تو قتال فی سبیل
 وہ ہے جو اللہ کے جھنڈے کی سر بلندی کے لئے کیا جائے نہ کہ ہر مسلمان کی یا مسلمانوں کی
 حکومت کی ہر نوع کی جنگ جہاد و قتال فی سبیل اللہ قرار دی جانے لگے۔ بہر حال یہ ہیں وہ
 معاملے جو تہہ در تہہ کچھ اغیار کی کرم فرمائی اور کچھ اپنوں کی ستم فریبی سے ہونے والے ہیں
 ہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تصور کو نکھار کر سامنے لایا جائے کہ جہاد فی سبیل اللہ
 درحقیقت ہے کیا؟ اور جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ میں فرق کیا ہے؟
 میں نے بہت غور کیا کہ ایک عام اردو دان کے لئے وہ لفظ کونسا ہو گا جو اس لفظ
 جہاد کے مفہوم کو صحیح صحیح ادا کر دے۔ اب علم جانتے ہیں کہ لفظ جہاد باب مفاعلہ سے ہے اور
 باب مفاعلہ کے اکثر مصادر میں فریقین کی شرکت ہوتی ہے۔ پھر ایک دوسرے پر غالب
 آنے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہوتا ہے، جیسے بحث سے مباحثہ۔ اس طریقہ سے جہاد سے
 مجاہدہ اور قتل سے مقاتلہ۔ اسی مجاہدہ سے جہاد اور مقاتلہ سے قتال مصدر بنے۔ قتال میں
 بات دو طرفہ ہو جاتی ہے۔ جبکہ قتل یک طرفہ ہی ہے۔ کوئی شخص جارہا ہے کسی نے گولی
 مار دی یا خنجر گھونپ دیا ورنہ جان لیوا اس کے سان گھان میں بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ یہ

حادثہ ہو جائے گا۔ یہ محض ہے لیکن جب دو فریق آمنے سامنے ہو کر دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کے ارپے ہو جائیں تو یہ ان کا قتال یا مقابلہ ہے ان فریقین کے مابین۔ اسی طرح جہاد کا معنی ہے 'کوشش'۔ یہ عام فہم لفظ ہے اور جہاد کا لفظ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے لیکن جہاد یا مجاہدہ اس کے معنی و مفہوم ہوں گے کوششوں کا اقتصاد، کوششوں کا ٹکراؤ، کوششوں کا مقابلہ۔ جس کے لئے ایک لفظ ہوگا، کشمکش۔ انگریزی میں ہوگا "STRUGGLE" اور آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے بعد PREPOSITION کے طور پر AGAINST کا لفظ آتا ہے۔ یعنی کوئی وکادٹ ہے۔ کوئی چیز درمیان میں راستہ روکنے والی ہے تو TRUGGLE AGAINST ہے درحقیقت جہاد یا مجاہدہ کا صحیح صحیح لغوی مفہوم۔

میں اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے اپنے غور کے نتائج پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جب اس مسئلہ پر غور کیا تو جہاد کے تین بڑے بڑے درجے اور ہر درجہ کے تین پہلو یا تین چھوٹی تقسیمیں ہیں جو میرے سامنے آئی ہیں، میں ان کو اہل علم کے سامنے ان کی تائید و توثیق یا اصلاح کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ میں قرآن مجید کا آدنیٰ طالب علم ہوں، مجھے اہل علم سے رہنمائی حاصل ہونے پر دلی مسرت ہوگی۔ میں غلوں دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر میری غلطی واضح کر دی جاتے تو میں سر تسلیم خم کرتے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہیں کر دوں گا، بلکہ غلطی کی نشان دہی کرنے والے صاحب کا معیہ قلب ہے احسان مند ہوں گا۔

میرے نزدیک یہ تین بڑے بڑے درجے ان بنیادی فرائض سے متعلق ہیں جو ہمارا دین اپنے ماننے والوں پر عائد کرتا ہے۔ پچھلے محاضرات میں، میں نے اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ دین کی طرف سے ہر مسلمان پر جو تین بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی بنیادی تفہیم کے لئے ایک تین منزلہ عمارت کی تشبیل یا تشبیہ بہت ہی مفید ہے۔

پہلی منزل ہے خود اللہ کا بندہ بننا۔ اور یہ بندگی ہمہ وجہ ہوگی، ہمہ تن ہوگی۔ ہمہ وقت ہوگی۔ یہ جزیی نہیں ہوگی۔ قرآن میں فرمایا گیا، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِخْلُوْا فِيْ السَّبِيْعِ كَذٰلِكُمْ اَلَيْسَ اَنْ تَسْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْمِعُوْا لَهُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَتْكُمْ الْعَذَابُ فَتَقُلُّوا مَغْرُوْرُوْنَ ۔ اس روایت کا دینی اصطلاح میں نام

ہے اسلام۔ سر تسلیم خم کرنا۔ گردن نہادن TO SURRENDER اسی کے لئے مزید دو اصطلاحات ہیں، ایک اطاعت — مقاومت و مدافعت ترک کر کے برضا و خوشی،

فرمانبرداری قبول کر لینا جس کے لئے قرآن مجید میں بار بار حکم دیا گیا: **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ**۔ اسے انگریزی میں یہاں کہیں گے **TO GIVE UP ALL KIND OF**

RESISTANCE WHOLE HEARTEDLY

دوسرا تقویٰ۔ اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا۔ اس کی نافرمانی سے باز رہنا۔ تقویٰ کا علم قرآن مجید میں بڑی تکرار اور تاکید سے آیا ہے، اس میں چوٹی کی آیت ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ**۔ اطاعتِ تقویٰ میں مثبت و منفی رویت سامنے آتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ ایک ہی تعبیر کے دو رخ ہیں۔

اس پہلی منزل کے لئے چوتھی اور آخری جامع ترین اصطلاح ہے عبادت۔ اس میں اسلام، اطاعت اور تقویٰ کے تمام مفہیم آگئے۔ اس لفظ عبادت کے سمجھنے کیلئے فارسی کے دو الفاظ کو جو اردو میں متصل ہیں جمع کریں گے تو مفہوم ذہن نشین ہو جائے گا۔ وہ الفاظ ہیں بندگی اور پرستش۔ بندگی غلامی کو کہتے ہیں اس میں اطاعت کا پہلو غالب ہے۔ پرستش کے معنی میں مخلصانہ اور والہانہ محبت۔ سورہ ذمر میں نبی اکرم کو مخاطب کر کے فرمایا: **فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ**۔ پھر سورہ بقرہ میں ان دونوں کو نہایت حسین و جمیل اسلوب بیان میں جمع کر دیا گیا۔ **وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ**۔ اذ دوسرے قرآن مجید جن دامن کی تخلیق کی غایت یہی عبادت و پرستش قرار دی گئی ہے، بغوائے آیت مبارکہ: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**۔ آگے بڑھنے سے قبل میں چاہوں گا کہ اس موقع پر عرض کر دوں کہ اس پہلی منزل کو سر کرنے کے لئے ایک بندہ مومن کو سبہ گونہ جہاد یعنی مجاہدہ و کشمکش کرنی پڑے گی۔

اس پہلی منزل پر کشمکش کرنی پڑے گی اپنے نفس سے۔ نفس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا: **إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ**۔ نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے۔ اسے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ہی زیادہ اکساتا۔ نہایت ترغیب دینا۔ سختی سے حکم دینا۔ لہذا اللہ کا بندہ بننے کے لئے پہلی کشمکش خود اپنے نفس کے ساتھ کرنی پڑے گی چنانچہ جب حضور سے سوال کیا گیا **أَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ**۔ تو آپ نے فرمایا: **أَنْ تَجَاهِدَ نَفْسَكَ فِي طَاعَةِ اللَّهِ**۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس حضور نے فرمایا

ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ سو اس نے اپنے رب کے حکم سے رُودگردانی کی، وہ حد سے نکل گیا۔ اب اس آیت کا اگلا حصہ ہے جس کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان لعین اور اس کی ذریت کو اپنا دوست اور حامی بنا رہے ہو حالانکہ وہ تمہارے ازلی دشمن ہیں۔ اور کیا ہی جڑا بدل ہے جو ان ظالموں کو نصیب ہوا پس کشمکش ہوگی، مجاہدہ ہوگا شیطان اذ اس کی مصلیٰ و مضمویٰ ذریت کے ساتھ اور اس کو شکست دینا ہوگی۔ اس لفظ شکست سے میرا ذہن اچانک علامہ اقبالؒ کی فارسی کلام میں ان کی نظم ”نالہ ابلیس“ کی طرف منتقل ہوا مجھے بہت ہی پسند ہے۔ اس کے چند اشعار آپ کو سناتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے کہ پروردگار! یہ انسان تو میری چوٹ کا نہیں، میرے مقابلے کا نہیں۔ ایک مثبت شخص ہے جس کے لئے میری ایک چنگاری کافی ہے۔ اس انسان کو اگر ٹوکھی گھاس ہی بنانا تھا تو مجھ میں اس قدر تیز و تند آگ رکھنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے

ابنِ آدم پست یک مشتِ خس است : مثبتِ خس را یک شرارِ اذمن بس است
اندیسِ عالم اگر جسُزِ خس نبود : ایں قدر آتش مراد اودن چہ سود؟
نظم کا آخری شعر تڑپا دینے والا ہے۔

اے خدایک زندہ مردِ حق پرست

لڑتے شاید کہ یامِ در شکست!

”اے! کوئی تو زندہ مردِ حق پرست ایسا ہو جو مجھے شکست دے دے۔ تاکہ میں بھی تو کبھی شکست کا لذت آشنا ہو سکوں“ تو دوسری کشمکش اور دوسرا مجاہدہ یہ ہوگا۔

تیسری کشمکش ایک بگڑے ہوئے معاشرے کا بر سماجی دباؤ (SOCIAL

PRESSURE) ہے، اس سے ہوگی۔ معاشرہ کا دباؤ آپ کو ایک خاص رخ

پر دھکیلے گا۔ اس لئے کہ ایک جگہ جس سمت میں جا رہا ہو اس سمت میں چلنا بہت آسان ہے آپ کو کوئی زور نہیں لگانا پڑے گا وہ آپ کو خود دھکیل کر لے جائے گا۔ لیکن اس کی مخالف سمت میں چلنا بہت مشکل ہے۔ ع۔ زمانہ باتو نسا زد تو با زمانہ بساز۔ اسی طرح کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ کوئی کشمکش نہیں ہوگی۔ کوئی FRICTION نہیں ہوگی۔ دنیوی نقطہ نظر سے عافیت اس میں ہے، چین ہے، سکون ہے زندگی بسر ہوگی کہ زمانہ تم سے موافقت

نہیں کر رہا تم زمانے کے ساتھ موافقت کرو۔ لیکن غیرت و محبت کا تقاضا بالکل برعکس ہے
۶۔ زمانہ باتو نسا زد تو بازمانہ سستیز۔ زمانہ تم سے موافقت نہیں کرتا تو تم اس سے
لڑو۔ پس پہلی منزل پر تین اطراف و جوانب میں یہ تین کشمکشیں ہیں جو ہر اس شخص کو کرنی
ہوں گی جو واقعہ اللہ کا بندہ بننے کا ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔

دوسری منزل ہے اس دین کو عام کرنا، دوسروں تک پہنچانا۔ اسے پھیلانا۔ اس کے
لئے چار اصطلاحات اہم ہیں۔ پہلی دو اصطلاحات ہیں تبلیغ و دعوت۔ یہ بھی اطاعت و تقویٰ
کی طرح تصویر کے دو رخ ہیں جس طرح وہ دو الفاظ مثبت و منفی مفہوم کے حامل ہیں۔ بات
چاہیک ہی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور کار بند رہنا،
اطاعت ہے۔ اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا تقویٰ ہے۔ اسی طرح تبلیغ پہنچانا ہے اور
دعوت لوگوں کو کھینچ کر راجع پر لے آنا ہے۔ یہ بھی ایک ہی عمل کے دو رخ ہیں۔ تبلیغ کے
لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکیدیں مل چکی ہیں، لَیْسَ بِکُمْ جُنْدٌ لِّیْ وَلَیْسَ بِکُمْ
وَحِیْثُ مَا کُنْتُمْ فَاَنْذِرُوْهُمْ بِرِسَالَتِیْ ۚ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاَنْذِرُوْهُمْ لَعَلَّکُمْ تَخْشَوْنَ اللّٰہَ ۚ
میں امت کو جو آخری تاکیدیں مل چکی ہیں، فرمایا: کُلِّیْبِلَہُ الشَّہَادَةُ
الْفَاعِلَةُ ۚ مزید ہر اس حضور نے یہ فرما کر ہر مسلمان کے لئے ذریعہ تبلیغ آسان ترین فرمایا
بَلِّغُوْا رِیَاضَیْ ۚ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاَنْذِرُوْهُمْ لَعَلَّکُمْ تَخْشَوْنَ اللّٰہَ ۚ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکیدیں مل چکی ہیں، اَدْعُمُوْا
اِلَیَّ سَبِيْلَ رَبِّکُمْ بِالْحِکْمَةِ وَالتَّوْحِيْدِ ۚ وَجَادِلُوْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۚ
یہ بڑی ہمت باشان آیت ہے۔ اس پر میں آگے کچھ عرض کروں گا۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اس
آیت میں دعوت کی تین سطحیں (LEVELS) بیان ہوئی ہیں۔ دعوت کیلئے
مزید ایک اٹل اور دھنما اصول اس آیت مبارکہ میں بیان کر دیا گیا، وَکُنْ اَحْسَنُ فَوْقَ الْمُتَمَتِّنِ
رَبِّکُمْ اِلَیَّ اللّٰہُ وَحْدَکَ صَلَاحٌ ۚ وَاَقَالَ اِیْنِیْ مِنَ الْمُتَمَتِّلِیْنَ ۚ دعوت اللہ کی طرف ہو، اس کے
ساتھ ہی داعی کی سیرت و کردار میں صلاح کا مظہر ہو۔ مزید برآں وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھے
مسلمان کہلاتے۔ کسی فتنی مسلک کی طرف نہ دعوت ہو اور نہ ہی اس کا یہاں چپاں ہو جو
شخصی اللہ کی طرف دعوت دے اس سے بہتر بات اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ میں نے پہلی دو
دوسری منزل سے متعلق جن اصطلاحات کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ عام
طور پر یہ باتیں لوگوں بالخصوص اہل علم کے سامنے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان پر عمل پیرا ہیں

یائیں۔ اگر میں قرآن کا تناسب کیا ہے! اسی دوسری منزل کے لئے دو اصطلاحات ہیں جو بڑی اہم ہیں لیکن ان کا ادراک دشوَر قریباً معدوم کے درجے میں آگیا ہے۔ معاشرے میں الاماناء اللہ چھٹی لگ ہوں گے جو ان کی اہمیت کو سمجھتے اور جانتے اس پر عمل کرتے ہوں گے۔ ان میں تیسری اصطلاح ہے: آخر بالمعروف والنہی عن نیکیوں کا پرچار۔ ان کی تلقین، ان کا حکم اور برائیوں سے، بدی سے لوگوں کو روکنا۔ برائی کے راستے میں آڑے آنا۔ ہماری ایک دینی تحریک میں امر بالمعروف پر ایک دو عمل بھی ہو رہا ہے تو اس میں بھی عن المنکر سے صرف نظر ہے۔ حالانکہ حدیث شریفہ پر عن المنکر پر زیادہ زور ہے EMPHASIS ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بَيِّنًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِعَنْتِ ذَلِكُمْ أَصْغَرُ الْإِيمَانِ۔ ایک اور حدیث کے آخر میں الفاظ آئے ہیں: وَمَا ذَكَرْنَا حِكْمَةَ خُزْدَلِ بْنِ الْإِيمَانِ۔ (اے مسلمانو! تم میں سے جو کوئی منکر دیکھے تو لازم ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ میں طاقت سے روکے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اس سے روکے یعنی نصیحت و تلقین کرے۔ اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم، دل میں اس دل میں پہنچ و تاب کھائے اور یہ کمزور ترین ایمان (کی نشانی) ہے۔ دوسری حدیث آخری حصہ کی ترجمانی یہ ہے کہ اگر دل میں کلمہ بھی نہ ہو، احساسات میں غم و غصے کا بھی پیدائش نہ ہو تو جان لو کہ تمہارے دل میں راتی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

ہمارے اس دور کے لحاظ سے، مسلم شریف کی ایک دوسری حدیث بہت اہم توجہ سے سنیے حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنکھوں نے فرمایا

مَا مِنْ بَيِّنَةٍ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّتِهِ قَبْلِي، إِلَّا كَانَ لَدَيْهَا أُمَّتٌ حَرَارِيُوفٌ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَعْتَدُونَ بِأَمْرِهَا ثُمَّ إِنَّهَا عَثَلَتْ بَرَصَةً خَلَفَتْ يَمِينَهُمْ مَالًا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بَيِّنَةً فَمَهُمْ مَوْتٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَمَهُمْ مَوْتٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبٍ فَمَهُمْ مَوْتٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حِكْمَةُ خُزْدَلِ بْنِ الْإِيمَانِ۔

ترجمہ: مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، اس کے اپنی امت حارثی اور ساتھی ہوا کرتے تھے جو اس نبی کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے پیروی کرتے تھے۔ پھر ان حارثیوں کے بعد ایسے تالان جانٹیں آتے تھے جو اپنے قول

کرتے تھے اور وہ کام کیا کرتے تھے جن کا انہیں اللہ کی طرف سے حکم نہیں ہوا کرتا تھا تو ایسے لوگوں سے جو ہاتھ سے جہاد کرے تو وہ (بھی) مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے تو وہ (بھی) مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے تو وہ (بھی) مومن ہے اور اس کے در سے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ "یہ ہے نبی عن المنکر کی ہمارے دین میں اہمیت۔ یہ فتویٰ ہے حقیقی مفتی اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اُن کا حق، نعوذ باللہ اُن کو رد کرے گا؟ اگر رد کرے گا تو کیا اس کا ایمان سلامت رہ جائے گا؟ اس دوسری منزل کے لئے چوتھی جامع ترین اصطلاح ہے 'شہادت علی الناس'۔ جیسے پہلی منزل کے لئے جامع ترین اصطلاح میں نے عبادت بیان کی تھی، دوسری منزل کیلئے شہادت علی الناس جامع ترین اصطلاح ہے۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ لہذا آپ کی امت بھی آخری امت ہے۔ یہ امت اس لئے برپا کی گئی ہے کہ تا قیام قیامت یہ امت نوع انسانی پر حق کی اپنے قول و عمل سے شہادت دے، وَكَذَلِكَ بَلَّغَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ اور اس طرح اُسے مسلمانوں! ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم نوع انسانی پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔ سورہ حج کے آخری رکوع کی آیت، اس موضوع پر بڑی عظیم آیت ہے۔ یہاں عکس ترتیب آئی ہے۔ یہاں پہلے رسول کا پھر امت کا ذکر ہے، فرمایا، وَكَلَّجْنَا فِي اللَّهِ حَتَّى جِهَادًا، مَا حُوَاجَتَكُمْ لَكُمْ اور جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اور جتنا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔ اور ذرا احساس تو کرو اپنے آپ کو پہچانو تو ہسی۔ اس نے تمہیں چُن لیا ہے، پسند کر لیا ہے۔ بہارا خاص مقصد کے لئے SELECTION ہو گیا ہے۔ درمیان میں ایک SUBORDINATE ہے، وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْإِسْلَامَ فَهُوَ سَعِيدٌ لَكُمْ فَاخْلَوْا بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اس کے بعد اجتہاد کا مقصد بیان ہوا، لِيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم پوری نوع انسانی کے لئے گواہ بن جاؤ، لوگوں پر اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دے کہ حجت قائم کرو تاکہ قیامت کے دن عدالت خداوندی میں گواہی دے سکو TESTIFY کر سکو کہ پروردگار ہم نے تیرا دین ان تک پہنچا دیا تھا۔ شہادت علی الناس وہ اصطلاح ہے کہ یہاں اگر امت محمد صلی ما جہا الصلوۃ والسلام کا تعلق کا برسالت

سے جڑ جاتا ہے چونکہ اس حضور آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ اب یہ آپ کی امت کی ذمہ داری کہ تبلیغ کے ذریعہ، دعوت کے ذریعہ اور اپنے قول و عمل کی ہم آہنگی اور یکسانی کی شہادت کے ذریعہ دین الٰہی کو بالفعل قائم کر کے اس کی برکات کے ذریعہ لوگوں پر رحمت قائم کرے۔ اس شہادت کی اہمیت کا اندازہ سورۃ النساء کی اس آیت سے لگائیے، فرمایا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ ”اُس دن کیا ہوگا؟ جس دن ہم ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اُسے نبی؛ ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے“ عدالتِ خداوندی میں رسول دراصل استغاثہ کے گواہ ہوں گے، وہ کہیں گے اُسے پروردگار نے ہم نے تیرا پیغام اپنے قول و عمل سے شہادت دیتے ہوئے بنی نوعِ انسان تک پہنچا کر ان پر رحمت قائم کر دی۔ شہادت علیٰ الناس کی ذمہ داری کی نزاکت کو سمجھ لیجئے۔ اگر بالفرض رسول کا پیغام نہ پہنچاتے تو اللہ کے یہاں وہ مسئول ہوتے۔ انہوں نے پہنچا دیا تو وہ بری ہو گئے۔ اب لوگ جواب دہ ہوں گے کہ نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ کے مجمع سے گواہی لے لی۔ اَلَا هَلْ يَلْعَنُ ۚ اور پورے مجمع نے بیک زبان ہو کر گواہی دی: قَدْ بَلَغْتُ ۚ وَ اَكَايْتُ وَ نَصَحْتُ۔ تین بار یہ سوال دجواب ہوئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے آسمان کی طرف پھر مجمع کی طرف اپنی انگشتِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ۚ امت کا ا جتلبو جہاں بہت بڑا اعزاز ہے وہاں بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اگر امت نے اس شہادت علیٰ الناس کا فریضہ انجام نہیں دیا تو بنی نوعِ انسان کی گواہی کے وبال سے عدالتِ خداوندی میں پچنا محال ہو جائے گا اور نبی اکرمؐ کی گواہی ہمارے خلاف ہو جائے گی۔ اس تبلیغ و دعوت کے بھی تین LEVELS ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس معاملہ میں مبتلا رہیں کہ ہم تو تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں اور آں حاجیکہ نہ صورتِ تبلیغ ہو، حقیقی تبلیغ نہ ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ محمدؐ اس دُور میں ایک خاص سطح پر

لے ہی بات سورۃ اعراف میں اس اسلوب سے بیان فرمائی۔

فَلَمَّا تَلَاثَتْ الْاُتْمِلُ اِلَيْهِمْ ۚ وَ كُنْتَ عَلَيْهِمْ اَمْرًا ۚ فَلَمْ يَأْتُوا بِالْحَقِّ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِي اَمْرًا ۚ فَلَمَّا تَلَاثَتْ الْاُتْمِلُ اِلَيْهِمْ ۚ وَ كُنْتَ عَلَيْهِمْ اَمْرًا ۚ فَلَمْ يَأْتُوا بِالْحَقِّ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِي اَمْرًا ۚ
کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے اور رسولوں سے بھی پوچھیں کہ
(انہوں نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا کہ نہیں ادا کر لیا جواب ۛ۔ (مرتب)

ادعوت کے لئے ایک بہت وسیع حرکت ہو چکی ہے۔ اس کے VOLUME کا جہاں تک اسے وہ بڑا متاثر کن ہے۔ میرا اپنا محتاط اندازہ یہ ہے کہ کم از کم ایک لاکھ افراد اس پر ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں۔ لیکن میں پوری ہمدردی اور دوسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغ اور دعوت کے لئے اگر ہم نے قرآنی ہدایات کو اپنا امام نہ بنایا اور ان کے نیک کام نہ کیا جاسکا تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔ اس ضمن میں میں وہی آیات و دوا کرتا ہوں جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں۔ پہلی آیت ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** تبلیغ کا اصل محور و مرکز قرآن مجید ہونا چاہئے۔ اس آیت مبارکہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** کا حکم دیا گیا ہے وہ قرآن مجید ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** کے ارشاد مبارکہ نے ہر مسلمان کے لئے قرآنی حکیم کی تبلیغ کے کام کو آسان بنا دیا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** میں میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت پہنچاؤ: یہاں ”تختی“ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ یہ لفظ یہاں جس معنی و مفہوم کا حامل ہے اسے انگریزی میں یا جائے تو وہ ہوگا **ON MY BEHALF**۔ قرآن مجید کی تبلیغ کی اصطلاح داری **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** اسی آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں فرمایا: **وَأَن تَكُونُوا تُخْتَصِمُونَ** اور اگر آپ نے (بالفرض) یہ کام نہیں کیا تو آپ نے تبلیغ رسالت کا حق کیا؟ میں نے ترجمہ میں لفظ بالفرض کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ نبی اکرم کے متعلق ذرا سا ان کہ آپ قرآن حکیم کی تبلیغ میں کوتاہی فرماتیں گے ایمان کے منافی ہو جائے گا۔ معاذ اللہ! **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنَعَكُمْ لِي إِلَيْكُمْ يَخْتَصِمُوا** یہ اسلوب بیان درحقیقت امت کے انتباہ **WARNING** کے لئے اختیار کیا ہے کہ کہیں وہ اس ذمہ داری سے غافل نہ ہو جائے جو پوری امت پر بحیثیت کل اور ہر انسان پر بحیثیت امتی رسولِ عائد ہوتی ہے۔ دوسری آیت جس کی تفصیل میں نے مؤخر فرمادی، اس کے حوالے سے دعوت کی تین سطحوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ آیت مبارکہ ہے: **وَأَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُجَّةِ وَالْمَعْقِلِ الْحَسَنِ دَعَا إِلَهُم بِالْقُرْآنِ هُوَ الْخَيْرُ** نے نبی!، دعوت دو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت و دانائی کے ساتھ اور عمدہ طو ت کے ساتھ اور ادب و حریم، خدای اور تعالیٰ لوگوں کے ساتھ مجاہدہ کرو، اس طریق پر ت ہی عمدہ ہو۔ ہر دور اور ہر معاشرے میں آپ کو لوگوں کی تین سطحوں میں لگی۔ ایک سب اند سطح کے لوگ ہوتے ہیں، **INTELLECTUAL MINORITY**، دین اقلیت۔ اس کی

عَالِي سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنَّوْظِ الْحَسَنِ۔ یہاں تک دوسری سطحوں کا نہ ہو گیا البتہ دوسری سطح کے لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ سننے والے یہ محسوس کریں کہ جو خط کر رہا ہے وہ ہم پر اپنی دینداری، علمیت اور شخصیت کی دھونس نہیں جمانا چاہتا، غصہ ہے۔ وہ ہماری خیر خواہی کے لئے بات کہہ رہا ہے، اسے کسی دنیوی اجراء و صلہ ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی انہیں یہ اعتماد ہو کہ یہ بھرو پیا نہیں ہے: اَنَا مُرَوَّنُ النَّاسَ بِكَ وَتَسْتَوِيكَ اَنْفُسُكُمْ والا معاملہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اپنی ذاتی اور نجی زندگی اس پر خود بھی عمل پیرا ہے۔ یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں، ایک موقعہ حسنہ دوسرے داعی کا اگر دارا تو معاملہ ہوگا، ازل دل خیزد و بر دل ریزد اور

- دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ یہ ہے عوامی سطح پر دعوت و تبلیغ۔ میں جانتا ہوں کہ اس دور میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک بڑے طبقے میں عام طور پر وعظ کو ایک اکی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ بڑے ہی استحقار کے انداز میں کہا جاتا ہے "ابھی وعظ کہہ رہے ہیں" حالانکہ وعظ بڑی عظیم اور مؤثر شے ہے اور قرآنی اصطلاح ہے لیکن اس کا ایک م، ایک جگہ ہے جہاں یہ تاثیر دکھاتا ہے۔ غیر موقع اور بے عمل یہ عمل ہوگا تو غیر مؤثر رہے۔ وَخَمُّ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مُحَلِّهِ یہ ہے ظلم۔ ان عوام کو آپ فلسفہ پڑھائیں گے تو حماقت نئی اور ان INTELLECTUALS کو آپ وعظ پلائیں گے تو یہ کام بھی غیر معقول ہوگا۔ شے کو اپنی جگہ پر رکھنا ہی عدل ہے۔ تیسری سطح ہے جو ہر معاشرے میں موجود ہوگی وہ ان کی پرستش ہوتی ہے جو سٹو دھرم ہوتے ہیں جو کبھی مان کر نہیں دیں گے جن کے اپنے ذات ہوتے ہیں جن کی CO-OPERATIVE SOCIETIES مبنی ہوتی ہیں۔ جن کے VESTED INTERES ہوتے ہیں جو اپنے مفادات کی وجہ سے کوربنا ہو چکے تے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اعلیٰ وجہ البصیرت لوگوں کو گمراہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان کے زہر کا تریاق فراہم نہ کیا جائے تو یہ عوام الناس کو گمراہ کرتے چلے جائیں گے۔ وجہ ہے کہ ہمارے یہاں منافرو کا فن وجود میں آیا۔ پھر اس نے باقاعدہ ایک خاص نیک اور SPECIALIZATION کی شکل اختیار کی۔ موجودہ دور میں کچھ لوگوں نے سے پیشہ ہی بنالیا تو اس میں چند خرابیاں آئیں۔ مجمع عام ہے، داد مل رہی ہے، تحقیر ہو رہی ہے، تالیاں بج رہی ہیں، نعرے لگ رہے ہیں۔ گویا اتنی بڑی جیوری JURY

ہے جس کے سامنے دو پہلوں عقلی کشتی ٹر رہے ہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے۔ لیکن قرآن مجید طے کر لیتا ہے وہ احسن طریق پر محکم دلائل اور برہان کے ساتھ ہونا ضروری ہے، دعوت کی تیسری سطح لازمی ہے۔ اگر یہ آپ نہیں کریں گے تو اختیار سے شکست کھائیں گے۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاشرے میں عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ ہم کوئٹہ کے مینڈک کی طرح ایک جی دابڑے میں چکر لگاتے رہے اور فقیہی تعبیرات، راجح و مرجح، افضل و مفضل کے رد و قبول میں آپس ہی میں مناظرے اور دنگل جاتے رہے اور چار رہے ہیں جبکہ اندر ہی اندر عیسائیت ایک کی طرح ہمارے معاشرے کو کھاتی چلی جا رہی ہے۔ اسی طرح دعوتی سطح پر اس دور میں قادیانیت بہت فعال ہو گئی ہے۔ میں اس کا اس اعتبار سے اس وقت فکر کرنا نہیں چاہتا کہ اس کا موجودہ سیاسی صورت حال سے کیا تعلق ہے۔ یہ پلیٹ فارم وہ نہیں ہے کہ اس موضوع پر گفتگو ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت قادیانیت جارحانہ انداز میں بہت فعال ہے اور یہ بات جان لیجئے کہ ایک عام آدمی تو کجا اچھا بھلا بڑھا لکھا بلکہ عالم دین بھی ان کے مناظرین و مبلغین کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ الا ماشاء اللہ۔ جب تک جس طرح خاص خاص موضوعات پر ان قادیانی مناظرین و مبلغین کو TRAIN کیا گیا ہے۔ اس کے رد اور ابطال کے لئے اسی طرح ہمارے ذہین و فطین لوگوں کو ٹریننگ نہ ملے۔ ایک وقت میں جب یہاں انگریز کی حکومت کی سرپرستی میں بڑے زور شور کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ شروع ہوئی تھی اور پادری فینڈر نے برصغیر میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اگر اس وقت، وہ مرد حق کھڑا نہ ہو گیا ہوتا جن کا نام نامی مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہے، رحمۃ اللہ علیہ۔ تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہندوستان میں مسلمان کس طرح عیسائیت کے اس سیلاب کی نذر ہو جاتے۔ اس پادری فینڈر نے پورے ہندوستان کے علماء کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر، OPEN CHALLENGE THROW کیا۔ مبارزت طلبی کی، للکارا۔ مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ خم ٹھوکر کو میدان میں آئے اور پادری فینڈر کو میدان چھوڑ کر ہندوستان سے بھاگنا پڑا۔ پھر وہ ترکی پہنچا وہاں بھی اس نے یہی چیلنج سے شروع کئے۔ عثمانی سلطنت نے مولانا کیرانوی کو ترکی آنے کی دعوت دی۔ مولانا تجب وہاں پہنچے تو پادری فینڈر وہاں سے بھی فرار ہو گیا۔ تو دعوت کی یہ بھی ایک سطح ہے یہ تیسری سطح ہے۔ کچھ لوگ اس کا اختیار کے انداز میں ذکر کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی کرنے کا کام ہے۔ اگرچہ قرآن اس

ہیں ایک امتیازی اخلاقی معیار قائم رکھنے کا حکم دے رہا ہے، کجا دِلْمَةُ بِالَّتِي هِيَ
اَحْسَنُ ط اس مجاہدے میں بھی بالکل ان کی سطح پر نہ اتر آؤ۔ تمہارا اعلیٰانہ کردار اور اس
کی ایک اخلاقی شان ضرور رہنی چاہئے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص ان تینوں سطحوں پر کام نہیں
سکتا۔ ہر کام کے اپنے اپنے تقاضے ہیں۔ جو سب سے اونچا کام ہے۔ اس کے لئے اس دُور میں
بس کی ضرورت ہے اس کو میں ایک لفظ میں ادا کروں تو وہ ہے "علم کو مسلمان بنانا" علم
ملمد ہو چکا ہے اس کے بارے میں بڑی پیاری بات علامہ اقبالؒ نے کہی ہے ۔

عشق کی تیغ جگر دار ادا کی کس نے ؟ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام لئے ساتی
معرفت خداوندی کی توار اس علم کی نیام میں سے نکلی ہوئی ہے۔ یہ خالی خول ہے بلکہ
مرف یہ نہیں ہے بلکہ اس میں الحاد کا خضر اس توار کی جگہ بیوست کر دیا گیا ہے۔ اس علم کو
مسلمان بنانا آسان نہیں ہے لوگ نفاذ تعلیم کی بات کیا کرتے ہیں۔ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ نفاذ
تعلیمی بات نہیں ہے یہ تو ایک تعلیم دینے کا ذریعہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی علم کہاں ہے جسے
ہنجایا جائے۔ محض دینیات کا ایک گھنٹہ یا اسلامیات کا ایک شعبہ قائم کرنے سے کام
میں چلے گا جبکہ طبیعیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات اور وہ جو دوسرے علوم جو ایک
الب علم حاصل کر رہا ہے۔ ان کی رگ و پے میں الحاد اور مادہ پرستی رچی بسی اور سرایت
تھے ہوئے ہے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ کا تقاضا

گلا تو گھونٹ دیا اہل درسد نے ترا ۵ کہاں سے آئے صد لا اِلَّا اللہ
پورے علم کی توحید کی بنیاد پر جب تک تدریس نہیں ہوگی، تمام علوم کو جب تک مسلمان
میں بنایا جائے گا، ہمدی نئی نسل کے اذہان کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں ظاہر
ت ہے کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ جب تک سینکڑوں اور ہزاروں اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے
الے نوجوان خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَكَ۔ کو اپنا اصول عمل MOTTO
ناکر میدان میں نہیں آئیں گے اور ان کو اداروں اور حکومت کی جانب سے مناسب ذرائع
تیا نہیں کئے جائیں گے اس وقت تک یہ کام کیسے ہوگا۔ ہاں دعوٰی کی سطح پر ہیں زیادہ
ہر قابل TALENT مل سکتا ہے۔ رہا مجاہدہ کی سطح پر افراد کی ضرورت تو اس کیلئے
موسیٰ تربیت گاہوں کی ضرورت ہے۔ میں نے صاف صاف عرض کیا تھا کہ ایک شخص یہ
بوں کام انجام نہیں دے سکتا۔ ہمیں درجہ بندی GRADATION کرنا ہوگی۔ اب تین

سطح پر کام کرنے کے لئے وہ باصلاحیت فوجران جن کے دل میں واقعی دین کا کام کرنے کی تڑپ ہے۔ دلولہ ہے۔ امنگ اور جذبہ ہے۔ وہ آگے بڑھیں ان اعلیٰ دارِ فاع مقاصد کے لئے اپنا دنیوی کیریئر قربان کریں اور اپنی جائیں ان مقاصد کے حصول میں کھپائیں جب ہی جا کر یہ کام ہو گا اور یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل۔ دین کی تبلیغ اور دعوت کے لئے مال و جان کو ان تینوں سطحوں پر کھپانا۔

میرا بھی ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ عجب حسن اتفاق ہے کہ میں نے نبی عن المنکرہ متعلق جو دو حدیثیں سنائی تھیں ان میں نبی عن المنکرہ کے کام کی انجام دہی کے لئے تین سطور ہی کا بیان ہوا ہے۔ پہلی سطح ہے: بدی اور برائی کو ہاتھ یعنی قوت و طاقت سے روک دینا۔ دوسری: اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے، وعظ سے اور قلعین و نصیحت سے اس کو روکا اس کی مذمت کرنا۔ تیسری: اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اسے برا جاننا۔ اس پر گھٹن محسوس کرنا۔ اس پر پتہ و تاب کھانا اور یہ آخری سطح ایمان کے کمزور ترین ہونے کا دلیل ہے۔ دوسری حدیث میں ان تینوں سطحوں کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جس رسول کو بھی اللہ نے مبعوث کیا۔ اگر کی امت میں حواری اور صحابی پیدا ہوئے جو ان کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھامتے تھے، اس خود عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور ان کو خلقِ خدا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان کے بعد ایسے نالوگ آتے تھے کہ جو ان کو حکم دیا گیا تھا وہ نہیں کرتے تھے اور وہ کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: فَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بَدَعَ فَمَنْ مَوَّعَ وَمَنْ جَاهَدَ رِبْلَانِهِمْ فَمَنْ مَوَّعَ وَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بَعْلَبِهِمْ فَمَنْ مَوَّعَ وَلَكِنْ ذِكْرًا مِنْ ذَلِكَ مِنَ الْإِمَامِ حَبِطَتْ هُكُومُهُ۔ اس کے بعد تو ایمان رالی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے۔

اس دوسری منزل کے لئے ایک دوسرا عنوان ہے اور وہ ہے نظریاتی کشمکش۔ یہاں تصادم ہے فکری تصادم۔ اگر آپؐ توحید کو پھیلانا چاہتے ہیں تو مشرکانہ ادہام رکھنے والے موجود ہیں ان سے نظریاتی سطح پر تصادم اور مقابلہ ہو گا آپکو WALK OVER نہیں مل جائے گا۔ کس قدر اہم بات ہے کہ قرآن مجید نے ہی لفظ جہاد و مشرک والدین کے لئے جگہ استعمال کیا ہے، ایک سورہ لقمان میں اور دوسرے سورہ عنکبوت میں۔ جو نوجوان بوا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے تو ان کے مشرک والدین ان پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دا

وَأَبَاقِي دِينَ پر آجائیں : وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى كَافٍ فَشَرِّكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُنْفِكُوا - معلوم ہوا کہ مشرک بھی مجاہد تھے ۔ وہ مجاہد فی سبیل اللہ اور مجاہد فی سبیل الطاغوت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ بھی مجاہد تھے اور وہ تھے مجاہد فی سبیل اللہ اور مجاہد فی التوحید - یہ کشمکش آپ کو ہر دور میں ملے گی اور یہ بات بغیر استثناء کے ، تب نفس الامری ہے ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بوبالی !
(جاری ہے)

کارمینا

نظام ہضم کو سیدھا کرتی ہے
معدے اور آنتوں کے امعاء کو
منظم و درست کرتی ہے۔






کارمینا ہمیشہ عمر میں رکھئے۔



Adarte CAR-2 84

وَأَنْزَلْنَا الْحَائِدَ
فِي جَانِبِ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحمد : ۶۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں جنگ کی بڑی قوت بھی تھی اور لوگوں کیلئے
بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایئیر سٹریٹ روڈ۔ لاہور

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فریضہ اقامت دین

ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب و درس کی ساتویں قسط

اب آگے اس آیت کریمہ کا نہایت ہی اہم حصہ آرہا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سورہ
لی آیت ۷۸ طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس آیت کے ہر حصہ میں معانی و معانی ہم
مدرپنہاں ہیں۔ اب اگلے حصہ پر توجہات کو مرکوز کیجئے فرمایا :

وَأَمْرٌ لِّأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ

”اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں“

یہ حصہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی صحیح تفسیر و تعبیر
”دین اللہ“ و حقیقت اجتماعی نظام عدل و قسط ہے۔ دین اللہ قائم کرنے کا مقصد کیا ہے؟
ہے کہ انسانوں کے مابین عدل و قسط اور انصاف کا نظام قائم و نافذ ہو۔ تمدن کی جو بھی پیچیدگی
ہے ”ان سب کو رفع کر کے ایک مبنی برانصاف نظام قائم ہو، معاشرے کے کسی فرد کے
حق تلف نہ ہوں۔ معاشرے کا کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ کا استحصال نہ کر سکے۔ عورت
کے درمیان توازن ہو اور مبنی برانصاف توازن ہو۔ سرمایہ اور محنت کے درمیان توازن
مبنی بر قسط و عدل توازن ہو۔ فرد اور معاشرے کے درمیان توازن ہو اور یہ توازن بھی عدل

قسط پر مبنی ہو۔ ان تمام اعتبارات سے عدل و قسط قائم کرنا یہی شریعت کا منشا و مدعا ہے اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے سورہ حدید کی چھ سوویں آیت دیکھئے جس کے آغاز میں فرمایا: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ بلاشبہ اور بالتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو تینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں۔ قرآن حکیم کی یہ بڑی مہتمم بات ان آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں رسولوں کی بعثت اور ان کو معجزات اور واضح دلائل و دلائل دیئے جانے کا مقصد بھی بیان ہوا ہے اور کتب نیز ساتھ ہی میزان یعنی شریعت کے نزول کی غایت بھی واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ ان تمام کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ نبی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں۔ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ایک ایسا اجتماعی نظام حیات نافذ اور جاری و ساری ہو جو مبنی بر عدل و قسط اور انصاف ہو۔ جس پر کاربند ہو کہ کوئی کسی کا خون نہ چوسے، کوئی کسی کا استحقاق نہ کرے۔ کوئی کسی کو ناجائز طور پر دباوئے نہیں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ کوئی کسی پر جور و ستم اور دست درازی نہ کرے۔ لہذا صرف دین اللہ اور میزان یعنی شریعت الہی کے ذریعے انسان کو وہ معیار حق و باطل مل سکتا ہے جو ٹھیک ٹھیک تول کر تادے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیسا ہے! نظریات و افکار میں حق کیا ہے! باطل کیا ہے! اخلاق و معاشرت میں طہارت و پاکیزگی کے معیارات کیا ہیں! یہی نظام متعین کرتا ہے کہ عبودیت و معبود کے درمیان صحیح تعلق کی اساسات کیا ہیں! اس حیات و نبوی کا آخرت کی ابدی زندگی سے ربط و تعلق کیا ہے!

اظہار دین الحق | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب میں نفیس نفیس بالفعل دین اللہ قائم، غالب اور نافذ کر کے دکھا دیا۔ خلافتِ راشدہ میں اسی نظام عدل و قسط کے مزید خد و خال نمایاں ہوئے۔ اسی لئے اسے خلافت علی المہاجراتین کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر جب بیعت خلافت ہوئی تو آپؓ نے جو پہلا خطبہ دیا یعنی POLICY STATEMENT کا اعلان کیا تو اس میں اسی عدل و قسط کے نظام کی وضاحت میں فرمایا کہ 'اے لوگو! میرے نزدیک تم سے ہر قوی کمزور ہو گا جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور ہر کمزور میرے نزدیک قوی

ہوگا جب تک کہ اس کا حق اسے دلوانہ دوں۔ پھر یاد کیجئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر کیا ارشاد فرمایا تھا جب اسلام کے نظام عدل و قسط کا جھنڈا عرب و عجم اور شمالی افریقہ کے وسیع علاقوں پر لہرانے لگا تھا اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہو گیا تھا کہ "عمر کو یہ اندیشہ مضطرب اور بے چین کئے رکھتا ہے کہ اگر کوئی کتنا بھوک سے عراق میں ہلاک ہو گیا تو آخرت میں مجھ سے اس کی باز پرس نہ ہو جائے۔ مجھ سے جواب طلبی نہ ہو جائے۔" جس نظام عدل و قسط میں اس کا سربراہ بھوک سے ایک نکتے کے ہلاک ہو جانے پر خوفزدہ اور ہراساں رہتا ہو، اس سے اندازہ لگائیے کہ انسان کے حقوق کی عدل و انصاف کے ساتھ پاسداری اور ادائیگی کا اس نظام میں کیا مقام ہوگا!!۔۔۔ یہاں ایک اور بات نوٹ کر لیجئے جس کو میں پہلے بھی اپنے دروس میں کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ فروریان ہوتے ہیں۔ سورہ حدید میں تو تمام رسولوں کے ساتھ کتا بول اور میزان کے نازل فرمانے کی غایت اور اس کا مقصد بیان فرمایا گیا کہ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ اسی سورہ شوریٰ کی سترھویں آیت میں نبی اکرم پر کتاب یعنی قرآن اور میزان یعنی شریعت کے نزول کا ذکر موجود ہے :

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيزَانَ ط لہ

پس یہ دین اللہ، یہ شریعت، یہ میزان درحقیقت نظام عدل و قسط ہے۔ یہ عادلانہ و منصفانہ اجتماعی نظام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو عطا فرماتا رہا۔ اور جس کا اکمال و اتمام ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر : اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَنْتُمْ عَلَيْنَا لَعْنَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط آج (یعنی نبی اکرم کے توسط سے آپ کے زمانہ بعثت میں) میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطور دین (نظام حیات) قبول کر لیا ہے :

لہ سورہ شوریٰ کی آیت زیر دیکھیں تو غصہ سے کھلویا جا رہا ہے کہ 'وَأَمْرٌ لِّإِعْدَلِ بَيْنَكُمْ' سورہ نسا کی آیت نمبر ۵۸ میں تمام اہل ایمان سے فرمایا گیا : وَإِذَا حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ط (اے مسلمانو!) جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اسی طرح سورہ نحل کی آیت کے آغاز میں نہایت تاکید سی اسلوب (باقی اگلے صفحہ)

ی واعظ اور رسول کی دعوت کا فرق | یہاں پر رَامِرُوتِ لَاَعْدِلَ بَيْنَهُمُ

کے ضمن میں ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ یہ بھی درودِ ربی بات ہے کہ ایک ہوتا ہے واعظ۔ واعظ کہا اور اگلی منزل۔ اگر کوئی پیشہ درو اعظ تو اس کا اصل مقصود و مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس کے واعظ کی دعوم ہو، اس کے نزدیک اس کے معین داد دیں، جہاں جائے لوگ نعروں سے استقبال کریں۔ وہاں گئے میں بار پڑیں۔ وہ سے عمدہ کھانا ملے، بطور نذرانہ خدمت ہو جائے پھر اگلی منزل ہے۔ وہاں بھی واعظ مطلوب حاصل کیا پھر اگلی منزل ہے۔ ایک وہ ہے جو کھڑا ہو جاتا ہے اور منادی ماسہ کر میں واعظ کہنے نہیں آیا نظام عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں۔ رَامِرُوتِ لَاَعْدِلَ نَعْمُ۔ اب تو زمین آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ ناجائز طور سے کمائی کرنے والے اور م خودی کرنے والے لوگ اپنی حرام اور ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت میں سے کسی ط کو کچھ نذرانے کے طور پر دے دیں۔ خوب مرغن کھانا کھلا دیں، ان کو کچھ نہیں بگڑتا۔ ہم دی رہے گا، نظام پر کوئی آنچ نہیں آئی چاہیے۔ ہمارے ظالمانہ نظام، ہمارے تشدد سے اتھھال، ہمارے دباؤ، ہمارے مشد کانہ یا بندگانہ عقائد، ہمارے جاہلیت پر رسم و رواج اور ہماری حرام خودیوں پر آنچ نہیں آئی چاہیے۔ ان پر نکرینہ ہو، ان کو نہ کیا جائے۔ نذرانے لے لو، چڑھو اٹھو، کوئی اور خدمت ہے تو بتاؤ، رہیں۔ چند سے لینے ہیں، حاضر ہیں۔ لیکن ہمارے نظام کو مت چھیڑنا۔ لیکن جہاں بات جائے کہ رَامِرُوتِ لَاَعْدِلَ بَيْنَهُمُ۔ میں صرف واعظ کہنے نہیں آیا ہوں میں نظام و قسط قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامورین اللہ ہوں۔ مجھے تو اس کا حکم ملا ہے۔ لہذا جو مل کا طرح طرح سے خون چوس رہے ہیں وہ تو مخالفت کریں گے۔ جن کے مفادات پر بنی ہو آنچ آتی ہو وہ کسی طور اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک غلط اور ظالمانہ نظام ناجائز انتفاع ہے جو VESTED INTEREST ہے وہ ختم ہو جائے۔ یہ بات کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی۔ وہ اس سے کبھی بھی دست بردار ہونے کے لئے

مل سے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (اے مسلمانو!) اللہ تمہیں عدل اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے: (مرتب)

آئادہ نہیں ہوں گے *They can't take lying down* کہ وہ آپ کو موقع دے دیں *Walk over* دے دیں کہ چلئے آپ نظام عدل و قسط قائم کر دیں۔ وہ تو مزاحمت کریں گے، مخالفت کریں گے، اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ عدل قائم کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جن لوگوں کو جو ناجائز مراعات حاصل ہیں، وہ ان سے عین لیں جائیں۔ لہذا اب تصادم ہوگا، اب لڑائی ہوگی، اب مقابلہ ہوگا، اب حزب اللہ اور حزب الشیطان آمنے سامنے آئیں گے۔ اب مقابلہ طے کرے گا کہ کون اپنے موقف میں سچا اور مخلص تھا۔ کون اس کے لئے کتنی قربانیاں دینے کے لئے تیار تھا، اب تو فیصلہ اس طور پر ہوگا۔ پس یہ چیزیں بڑی مختلف ہیں۔ ایک وعظ کی بات ہے، عقیدے کی دعوت ہے، اس کی تبلیغ ہو رہی ہے جیسے عیسائی مشنریز۔ نظام سے ان کو کوئی غرض نہیں، کوئی تعرض نہیں، اس پر کوئی تنقید و نیکر نہیں، تمہارا جو نظام ہے رکھو۔ ملکیت ہے تو رہے ہیں اس سے کیا لینا ہے۔ کوئی قوم دوسری قوم پر مستبدانہ طور پر مسلط ہے تو ہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں تو اپنے عقیدے کو پھیلانا ہے۔ وہ بھی اکثر و بیشتر *Back Door* سے پھیلا جاتا ہے کہ معاشرے کے گرے پڑے طبقات میں کہیں دودھ اور گھی کے ڈبے بانٹ دیئے کہیں بسکٹ اور اسی نوع کی چیزیں تقسیم کر دیں۔ کہیں ان کے علاج و معالجہ کے لئے ہسپتال قائم کر دیئے کہیں ان کی تعلیم کے لئے مشنریز اسکول اور کالج کا انتظام کر دیا۔ ان طور پر تقویٰ سے ان کے ذہنوں میں اپنا عقیدہ داخل کر دیا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ ان کے پاس نہ کوئی نظام ہے نہ شریعت۔ محض عقیدہ ہے یا چند رسوم (*Rituals*) ہیں۔ ان کا کام اس پر ختم ہو جاتا ہے کہ پہلے کسی کا نام عنایت اللہ یا کرشن چندر تھا تو ان کے نام عنایت مسیح اور کرشن مسیح میں تبدیل کرادیئے۔ اور مردم شمارہ میں ان کا نام و مذہب بدلوا کر ان لوگوں کو مطمئن کر دیا جو اوپر بیٹھے اس کام کے لئے اربوں ڈالر سے بھی زیادہ رقم کے سالانہ بجٹ فراہم کرتے ہیں۔ تو یہ تبلیغ اور تبلیغ ہے اور ایک تبلیغ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ”مختصرتے“ ڈکنے کی چوٹ اعلان فرمایا *وَأَمَرْتُ لِعَادِلٍ بَيْنَكُمْ*۔ میں تمہارے مابین عدل قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامور من اللہ ہوں۔ میری بعثت کا تکمیل مقصد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ

قائم کر دوں کہ جس سے تل کر حق کے مطابق ملے جس کو جو کچھ ملے۔ کوئی شخص اور کوئی طبقہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے جو ظالم کا ہاتھ پکڑ لے اور مظلوم کی وادہی کرے۔ وہ نظام جو عدوان، جور، ظلم اور استحصال سے پاک و صاف نظام ہو۔ میں محض داعظ بن کر نہیں آیا ہوں۔ آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں دعوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انقلابی پہلو کو زسے میں سمندر کی مانند سمویا ہوا ہے۔ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلابی پہلو عموماً لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ حالانکہ آنحضرت کی بعثت کی امتیازی شان ہی اللہ کی کبریائی، اس کی حاکمیت پر مبنی نظام عدل و قسط کا قیام اور اس کا غلبہ ہے۔ بالکل آغاز ہی میں اس حضورؐ اس منصب پر فائز فرمائے گئے تھے۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی تین آیات ذہن میں لائیے جو اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری وحی ہے: **يَا أَيُّهَا الْمَسْدُورُ هُمْ نَأْذِرُكَ وَكَذَّبْتَ فَلْيَكْبِرْ** یہی بات سورہ فتح، سورہ توبہ اور سورہ صف میں باری الفاظ میں بارگھائی گئی: **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ** دنیا میں جو بھی نظام ملے اطاعت رائج ہیں ان سب پر اللہ کے دین کو غالب کرنا آنحضرتؐ کا فرض منصبی ہے۔ اپنی حیات طیبہ میں آپؐ نے بنفس نفیس جو یہ نمائے عرب میں بالفعل یہ نظام قائم کر کے اور چلا کے دکھایا۔ اسی انقلابی نظریہ اور دین کو خلافت راشدہ نے اس وقت کی معلوم دھند بٹایا کے بڑے حصہ پر غالب کر دیا۔ اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے اس حصہ میں کہلوا یا گیا ہے:

وَأَمْرٌ لِّأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ

حجت بازی سے کنارہ کشی کا اصل الاصول

اگے چلے۔ ابھی آیت نمبر ۱۵ ہی چل رہی ہے جس میں پہلے حضورؐ سے فرمایا گیا کہ **فَبِذَلِكَ نَادَعُ** یعنی مشرکین کی شدید ترین مزاحمت اور اہل کتاب کی بدترین مخالفت کے باوجود آپؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت پر مبنی اقامت دین کی دعوت دیتے رہیے۔ ان معاندین کی طرف سے جو تشدد اور تعذیب ہو رہی ہے اس پر صبر کیجئے اور اپنے موقف پر مستقیم

سے قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم اللہ سے اجر پالیں گے۔ ہم تمہارے اعمال کا اجر نہیں لے سکتے۔ تم ہمارے اعمال کا اجر نہیں پاسکتے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے اعتبار و لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئلوں و ماجور ہوگا۔ مَحَلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَحِينَتُهُ دہرزی نفس اپنی کمائی کے عوض اللہ کے ہاں رہن ہے۔ جو نیکی یا بدی وہ کمائے گا اسی کے مطابق اسے بدلہ مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق تخلیق فرمایا ہے۔ تاکہ آخرت میں ہر نفس کو اس کی اس دنیا میں کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے۔ وہاں لوگوں پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَاحْتَقِ وَيَجْزِي مَحَلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ — لہذا لَوْحَةً بَيِّنَةً وَبَيَّنَّا اللَّهُ لَكُمْ رَبَّكُمْ سُبُوحٌ جَبَّارٌ۔ اللہ یَجْمَعُ بَيِّنَاتٍ۔ اس حصہ کی شرح میں آگے بیان کروں گا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ اور ہم سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔

ہمارے لیے عظیم رہنمائی

موجودہ حالات میں اس آیت کے آخری حصہ میں ہمیں بڑی عظیم رہنمائی ملتی ہے۔ امت کی تاریخ پر چودہ صدیوں کا زمانہ بیت گیا ہے۔ امت میں فرقے موجود ہیں۔ لوگ اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں بہتر فرقوں کا ذکر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہتر کی تعداد کثرت کے لئے آئی ہے۔ درنہ اتنے فرقے موجود نہیں رہے۔ مشہور فرقے تو سنی، شیعہ، خارجی اور مغزلہ رہے ہیں۔ ان میں بھی سنی اور شیعہ اصل فرقے ہیں جن کے مابین قریباً ساڑھے چودہ سو برس سے مسلسل کشمکش چلی آرہی ہے۔ چونکہ ان کے مابین نہایت بنیادی و اصولی اور اساسی (FUNDAMENTAL) اختلافات ہیں۔ خلافت کا تصور اور امامت کا تصور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ سنی مکتب فکر کے نزدیک معصومیت خاتم النبوت ہے۔ نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ نبوت ختم ہوئی تو معصومیت بھی ختم ہوئی جبکہ شیعہ مکتب فکر میں امام کی معصومیت جزو ایمان ہے۔ پھر ان کے ہاں امامت

صرف آلِ فاطمہؑ میں منحصر ہے اور ان کے لئے مختص ہے۔ ان کے اہل البتہ کئی فرتے ہیں جن میں وہ بھی ہیں جو امام غائب کے قائل اور ان کے ظہور کے منتظر ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا امام مسلسل چلا آ رہا ہے۔ اور ہر دور میں حاضر و موجود رہتا ہے۔ ان میں حلول کے قائل بھی موجود ہیں۔ مجھے اس وقت اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنی۔ صرف اتنا جان لیجئے کہ اس مکتبہ فکر یعنی اہل تشیع میں ہزار فرتے ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ باقی رہا اہل سنت والجماعت کا معاملہ تو یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ حنفی ہوں، مالکی ہوں، شافعی ہوں، حنبلی ہوں، اہل حدیث ہوں ان کے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ چند فقہی امور و مسائل کی تفصیلات کی تعبیر، توضیح، تشریح، تفسیر، ترجمانی (INTERPRETATION) اور انطباق و استنباط

(IMPLICATION) میں تھوڑا تھوڑا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کو پہلے بھی وضاحت سے بیان کر چکا ہوں۔ یہ تو ہماری بد قسمتی ہے کہ چند پیشہ ور و اعلیٰوں اور چند علمائے سونے اپنی سندیں، اپنی قیادتیں، اپنی چودھراٹھیں اور اپنی سیادتیں قائم رکھنے اور چمکانے کے لئے چند فردی مسائل پر جن کی دین میں گنجائش موجود ہے، زامی مسائل بنا کر مورچہ بندی کر رکھی ہے اور اپنی اتانیت کے تحت اہمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ اس وقت مجھے ان سے بھی بحث نہیں ہے بلکہ مجھے اس موقع پر جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ خلوص و اخلاص اور نیک نیتی سے دین کا کام کرنے والوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ رائے کا بھی اور طریق کار کا بھی۔ یہ اختلاف بھی مبنی براخلاص ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے اس وقت میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں چونکہ یہ عملی مسئلہ ہے۔

ایک ایسے پرانے مریض کا تصور کیجئے جو کسی ایک مرض میں نہیں بلکہ بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی حالت متعدد امراض کی وجہ سے ناگفتہ بہ اور زار ہے۔ اس کے دل میں بھی ضعف ہے اس کا جگر بھی خراب ہے۔ اس کے گردے بھی ماؤف ہو رہے ہیں۔ نزلے اور زکام میں بھی لاہ مبتلا ہے۔ اب اگر آپ اس مریض کے علاج و معالجہ کے لئے چار حکیم یا ڈاکٹر لا کر کھڑے کر دیں گے۔ ظاہرات یہ ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر کی ولی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مریض اس کے علاج سے شفا پائے اور صحت یاب ہو جائے۔ وہ مریض کے لئے چاہتا ہے یا اپنی نیک نامی، شہرت اور منفعت کے لئے چاہتا ہے اس کو چھوڑیئے۔ بہر حال وہ مریض کی شفا فرد چاہے گا لیکن ہو سکتا ہے کہ پورے خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے باوجود ان چار ولی کی تشخیص اور تجویز میں بھی فرق ہو۔

ایک کی تشخیص و تجویز ہو کہ اس کے جنگی فکر کرو۔ اہمیت جنگی ہے۔ دوسرے کا خیال ہو کہ اہمیت گردوں کی ہے ان کی فکر کرو۔ کہیں گردوں نے کام چھوڑ دیا تو مرضیں اٹھ سے گیا تیسرے کی رائے ہو کہ اس وقت اصل توجہ پھیروں پر دی جانی چاہئے اور پہلے نزلہ و زکام کی فکر کرنی چاہیئے چوتھے کا امر ہو کہ دل کا معاملہ اولین اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی پہلے فکر لازم ہے۔ چاروں معالج مخلص ہیں۔ دل سے مرض کی شفا کے متقنی ہیں لیکن تشخیص و تجویز میں اقدمیت و اولیت اور اہمیت کے معامل میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس مثال میں اب مریض کی جنگ امت مسلمہ کو رکھ لیجئے۔ کوئی مخلص دینا خدا را در دہند اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ شیطان کے ہتھکنڈوں، اغیار کی ریشہ وانیوں، دوست نما دشمنوں کی سازشوں کے باعث امت صدیوں سے بیمار ہوتے ہوئے فی الوقت اعتقادی، فکری و نظری اور عملی و اخلاقی اعتبارات سے بے شمار بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے۔ اللہ کے دین کا جھنڈا اہتمام و کمال کہیں بھی سر بلند نہیں ہے۔ جو دین فاران کی چوٹیوں سے آفتاب عالم تاب کی طرح طلوع ہوا تھا، جس نے نور توحید سے کتبہ ارضی کے ایک بڑے حصہ کو منور کر دیا تھا، آج اس دین پر غربت و مسکنت طاری ہے۔ کفر و الحاد، شرک و زندقہ، بدعات کے انحصار و دل میں یہ آفتاب ہدایت گہنا گیا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ چند لوگوں کے دلوں میں اپنے دین اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا درد پیدا فرماتا ہے۔ وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں کہ تجدید و احیاء دین اور اصلاح امت کے کام کا آغاز کس طور سے کیا جائے۔ کس کام کو اقدمیت و اولیت دی جائے۔ جس رائے پر ان کا دل ٹھک جاتا ہے۔ انہیں انشراح صدر حاصل ہو جاتا ہے اس کے مطابق کام کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تمام معاملہ اجتہادی ہوتا ہے اس لئے کہ دینی کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا۔ نبوت تو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ لہذا جو دہند شخص احیاء دین اور اصلاح امت کے لئے اٹھتا ہے وہ اجتہادی طور پر کوشش کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر طریق پر دین کی تجدید کا، اسلام کی سر بلندی کا، اقامت دین کا، امت کی اعتقاد و عملی خرابیوں کی اصلاح کا کام کر دے۔ اس کی تشخیص اور تجویز سے پورے اخلاص و خلوص اور نیک نیتی کے باوجود بھی اختلاف ممکن ہے۔ اس بات کو سامنے رکھئے اور آیت کے آخری حصے کو پڑھئے اور نتیجہ اخذ کیجئے کہ ایسے اشخاص اور ایسی جماعتوں کو باہم دست و گریباں نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے اپنے طریقوں پر دین کی خدمت اور احیاء اسلام کے لئے خلوص و اخلاص

کے ساتھ مل پیرائیں لیکن ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں، ایک دوسرے کی مانگیں نہ گھسیٹیں اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات پر دان نہ چڑھائیں بلکہ جہاں تک ہو سکے تعاون و اشتراک کا معاملہ کریں۔ ایک دوسرے کی غیر خواہ رہیں اور اندازہ اختیار کریں جس کی طرف ہیں اس آیت مبارکہ کے ان الفاظ میں رہنمائی مل رہی ہے کہ **اللَّهُ رَئِیْنَا وَرَبُّنَا** ”اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے“ **لَنَّا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ** ”ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال“ **لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَکُمْ** ”ہمارے اور تمہارے مابین حجت، بحث و تمحیص اور منظرہ کی کوئی ضرورت نہیں“ **اللَّهُ يَجْتَمِعُ بَيْنَنَا**۔ اگر ہم غفلت میں اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تم بھی غفلت ہو اور غلو سے کام کر رہے ہو تو اللہ ایک دن ہمیں جمع کر دیگا منزل اگر ایک ہے تو لازماً سب ایک دن ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ میں اس کے لئے یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ ۹ ذی الحجہ کو منی سے لاکھوں انسان چلتے ہیں، سب کو جانا عرفات ہے۔ وقوف عرفہ کرنا ہے، وہی اصل حج ہے۔ عرفات جانے کے لئے ہزاروں قافلے بنے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا جھنڈا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اور اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ اس قافلے کا کوئی آدمی ذرا ادھر ادھر ہو جائے تو اپنے جھنڈے کو دیکھ کر قریب آجائے ورنہ بھڑک گیا تو گیا۔ اب ملنا مشکل ہے۔ اب یا تو ارذی الحجہ کو منی میں ملاقات ہوگی یا تبین چاروں بعد مکہ مکرمہ میں۔ لہذا لوگ قافلوں کی شکل میں چلتے ہیں لیکن منزل سب کی ایک۔ جن لوگوں کو حال ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی ہو وہ بھی طرح جانتے ہیں کہ اب تو منی سے عرفات کے لئے چھ بڑی کشتادہ سڑکیں ہیں۔ لیکن یہ سب سڑکیں قافلوں کو کہاں پہنچائیں گی! عرفات۔ سب قافلے وہاں جمع ہو جائیں گے۔ پس دین کی خدمت یا اقامت دین کی جدوجہد جو لوگ اور جو جماعتیں بھی غلو و اخلاص کے ساتھ کر رہی ہیں اور ان کے طریق کار میں اختلاف ہے۔ طریق راستہ ہی کو کہتے ہیں۔ تو جیسے منی سے عرفات کے لئے چھ طرائق یعنی راستے جارہے ہیں، اسی طرح ان لوگوں اور جماعتوں کے طریق کار بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ اجتہادی معاملہ ہے اب یہاں اور کہیں بھی نبوت نہیں ہے۔ لہذا طریق کار میں اختلاف ہو تو فکر مندی کی کوئی بات نہیں۔ مگر منزل ایک ہے تو قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پریوں منزل پر پہنچ کر تو سب ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں گے۔ چلئے اگر دنیا میں ہم قریب نہ بھی ہوتے تو ایک دن آنا ہے جس انداز کے مفہوم ارشاد فرماتا ہے: **اللَّهُ يَجْتَمِعُ بَيْنَنَا**

ذَٰلِیْہِ الْعَصِیُوۡۃِ۔ آخر لوٹنا تو وہیں ہے۔ وہیں پہنچ جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا !
 ۸ وہیں حقیقت کھل جائے گی کہ کس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں بندھ گئی تھیں۔ کون جماعتی
 مصیبتِ جاہلیہ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کون غلوں کے ساتھ چل رہا تھا ! کون کس شخصیت کی عقیدت
 کا غلام ہو گیا تھا ! ہر ایک کی حقیقت کھل جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو جائے گا
 کون مخلص تھا اور کون غیر مخلص ! وہاں سب عیاں ہو جاتا ہے۔ جو مخلصین ہوں گے وہ باہم درگزر و شکر
 ہو جائیں گے۔

۸ اس موقع پر میرا ذہن ایک واقعہ کی طرف منتقل ہوا ہے۔ سورۃ ہجر میں الفاظ آئے ہیں : ذَرْنَا
 مَا فِیْ سُدُورِہِۭۤ اٰیٰۃٍ غٰلِیۡۃٍ اٰخُوۡۡا عَلٰی سِرِّہِۭۤ اٰیٰۃٍ مُّتَعَدِلٰتِیۡنَ ۝۵ اور ہم ان کے دلوں
 میں اگر ایک دوسرے کی طرف سے میل ہوا تو ہم اسے نکال دیں گے اور وہ آپس میں مباحی بجاٹی بن
 کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے : یہ اہل ایمان کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب ان سے کہا جائے گا کہ
 جنت میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ ! اَدْخُلُوۡہَا بِسَلٰمٍ اٰیٰۃٍ ۝۵ تو
 اہل ایمان کے دلوں میں بر بنائے طبع بشری اپنے کسی مباحی کے دل میں کوئی رنجش اور میل ہو گا تو
 جنت میں اللہ اس کو دلوں سے نکال دے گا۔ جس واقعہ کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا ہے وہ یہ
 ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے اور معاویہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں میل نہ آتا تھا۔ جب تلواریں نیا مولوں سے
 باہر آگئی تھیں۔ تو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے سے آئینہ کی طرح صاف تھے۔
 شکوہ شکایت اور گلا ایک دوسرے سے پیدا ہوا اسی لئے حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں کہ جنتی ہم دونوں
 ہیں۔ رنجش کی وجہ سے اس دنیا میں دلوں میں جو میل آ گیا ہے، جو کہ دست پیدا ہو گئی ہے تو
 اللہ تعالیٰ جنت میں ہمارے دلوں کو صاف کر دے گا۔ اس کے لئے سورہ ہجر کی حضرت علیؑ نے
 وہ آیت پڑھی جو میں نے آپ کو سنائی ہے۔

لٰہٰذَا دُنِیَا فِیْ غُلُوۡۡۢمٍ وَّاَخْلَاصَۃٍ سَاۡتِدِیۡنَ کَے لئے کام کرتے ہوئے ایک دوسرے
 سے گلے و شکوے ہو جاتے ہیں۔ اگر حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے مابین رنجش پیدا ہوئی اور اللہ
 تعالیٰ عنہما جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو ہم کیسے یہ دعویٰ کریں گے کہ ہمارے
 دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کسی کوئی میل آتا ہی نہیں، کوئی رنجش کبھی پیدا ہوتی ہی
 نہیں۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور ذہن میں رکھا جائے کہ : اَللّٰہُ رَٰبِعُنَا وَرَبُّ کُلِّۭۤ اٰمَآلِنَا

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَلَا حِجَّتُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَالْيَسِيرُ الْمُسِيرُ ۝۱۵
 ضمن میں، میں ایک اور بات بھی کہا کرتا ہوں۔ ہم جمع نہ بھی ہوئے تو کوئی حرج نہیں۔ ہمارا کام
 توجہ ہو جائے گا۔ آپ بھی محنت کر رہے ہیں دین کے لئے اور میں بھی دین ہی کے لئے محنت کر رہا
 ہوں تو ان جنتوں کے ثمرات کہاں جمع (CREDIT) ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ دین کے
 کھاتے میں۔ فرض کیجئے کہ کوئی ایک شخص کسی ایک جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آجاتا
 ہے اور کوئی دوسرا شخص کسی دوسری جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آیا تو کام تو جمع
 ہو گئے چاہے وہ قافلے جمع نہ ہوئے ہوں۔ اللہ یَجْمَعُ بَيْنَنَا وَالْيَسِيرُ الْمُسِيرُ ۝۱۵

حاصل گفتگو | میں نے آقا زہی میں عرض کیا تھا کہ اقامت دین کے موضوع پر یہ تین
 آیات اہم ترین ہیں۔ اس کے مخالفین، اس کے مخالفین، مخالفت کی
 وجہ، تفرقہ کا سبب، ان سب کا علاج، پھر خود اعلیٰ ہو اس کا کردار، اس کو کون باتوں کو ملحوظ
 رکھنا ہے۔ ان تین آیات میں یہ تمام مضامین آگئے اور میں نے اپنی امکانی حد تک ان کے
 تشریح و توضیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ عہد
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آقا زہی میں نے اس سورہ مبارکہ کی نو آیات ۱۳ تا ۲۱ کی تلاوت کی تھی۔ اب چھ آیات
 باقی رہ گئی ہیں جن کا مختصر تشریح کے ساتھ ان شاء اللہ ہم مطالعہ کر لیں گے۔ میں آپ سے گزارش
 کروں گا کہ آپ اسی ضرورت مہینان اور توجہ کے ساتھ تشریف رکھیں جس کا اب تک آپ نے مظاہرہ
 کیا ہے تاکہ درس کا جو نصاب اس نشست کے لئے پیش نظر تھا وہ مکمل ہو جائے۔

مخالفین و معاندین کے لیے انتباہ

فرمایا: وَالَّذِينَ يُؤْمِنُ بَلَدًا ثُمَّ يَنْتَحِبُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ ۝ اور جو لوگ اللہ کے
 باب میں ابھی بحث و مباحثہ اور محبت باندی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں فی اللہ سے مراد فی
 دین اللہ ہے۔ ابھی تک جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں مجھڑوں ہی میں پڑے ہوئے
 ہیں حالانکہ اللہ کی پکار پر لبیک کہی جا چکی۔ آگے بڑھنے سے قبل آیت کے اس حصہ کو وضاحت

کو اس کی Face Value پر قبول کر لیتے ہیں اور ان میں اتنی جرأت بھی ہوتی ہے کہ : ط
ہرچہ بادا باد۔ ماکشتی درآب انداختیم۔ اب جو ہوسو ہویم نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اب
تیریں گے تو اس کے ساتھ اور دو ہیں گے تو اس کے ساتھ۔ لیکن سب لوگوں میں اتنی ہمت
نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جن کو حقیقت تو معلوم ہو جاتی ہے کہ بات صحیح ہے لیکن منہ بھار
میں چلاؤنگ لگنے کے لئے جو ہمت دیکار ہوتی ہے اس کا ان میں فقدان ہوتا ہے۔ اس کی مثال
یوں سمجھئے کہ جیسے ایک جنگل ہے۔ اس میں جانے کا کوئی راستہ ہونا تو درکنار کوئی پگڈنڈی بھی
جنی ہوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بڑی ہمت والا ہی ہوگا جو اس میں داخل ہوگا لیکن
اگر کچھ لوگوں نے چل کر کوئی پگڈنڈی نادہ ہو تو نسبتاً کم ہمت لوگ بھی اس پر چل پڑنے کا اپنے
اندروں میں پیدا کر لیں گے۔ چونکہ ان کو نظر آ رہا ہے کہ راستہ بنا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس پر چل کر جنگل
میں داخل ہو گئے ہیں اور ہوسے ہیں۔ یہی بات یہاں کہی جا رہی ہے : وَالَّذِينَ يُتَخَوَّنُونَ
فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُمُ اللَّهُ كَذِبٌ عَنَّا لِيُخْرِجُوا مِنْ دِينِكُمْ وَيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَبُوا
بِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ اللہ کے دین کی دعوت پر تنبیہ کہے جانے کے بعد
بھی جو لوگ دعوت کو قبول کرنے والوں سے محبت بازی کر رہے ہیں اس آیت میں وہ لوگ مراد
ہیں۔ میرے مطالعہ اور اندازے کے مطابق سورہ شوریٰ کے نزول کا زمانہ کئی دور کا آخری
تیسرا حصہ یعنی سن آٹھ ہوی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت تک بہت سے ایسے لوگ بھی ایمان
لا چکے تھے جو قریش میں ایک باحیثیت مقام رکھتے تھے اور ایسے بھی جو دے ہوئے طبقے سے تعلق
رکھتے تھے۔ گویا کہ بہت سے لوگوں نے پیچ منجد حاد کو ذکر دکھا دیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے
تشدد و جھیل کر مصائب برداشت کئے اور قربانیاں دے کر اعلیٰ مثالیں قائم کر دی تھیں۔
اس طرح ان لوگوں کے لئے جو کم ہمت تھے پگڈنڈی بن گئی ہے۔ راستہ بن گیا ہے۔ اب ان کے
لئے اس پر چلنا آسان ہو گیا ہے۔ جو اب بھی تعویذ میں ہوں، میت و لعل میں ہوں، جو اب
بھی محبت بازی میں پڑے ہوں معلوم ہو کہ اب ان کا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں لائق
پذیرائی نہیں رہا۔ حُبُّهُمْ دَاخِلَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ ان کی محبت، ان کی دلیل ان
کے رب کے پاس بالکل باطل ہے۔ پاور ہوا ہے : وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيدٌ ۝ اور ان پر اللہ کا شدید غضب نازل ہو کر رہے گا۔ ان کے لئے بہت بڑا
عذاب ہے۔ ”قرآن حکیم کا یہ اجماع ہے کہ اس آیت میں ان کم ہمت لوگوں کے لئے بھی
انتباہ ہے جو دعوت کو حق سمجھ لینے کے باوجود مشرکین و منافقین کے تشدد اور تعدی کے خوف

سے دعوت کو قبول کرنے میں ہچکچا رہے ہیں اور ان کے لئے بھی شدید وعید ہے کہ جن کے دعوے کی حقانیت تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنے مفادات، اپنے تعصبات اور اپنی عصبیت کے باعث دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کی راہ میں معاند بنے ہوئے ہیں اور اُدھر دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ان کا ساتھ دے رہے ہیں؟ مریخ گراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ سرے سے دعوت کی حقانیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں تینوں قسم کے لوگ مخاطبین ہیں۔

الکتاب والمیزان = قرآن و سنت

اگلی آیت میں مضمون اُردھا ہے جو میں نے بِالْعَدْلِ بَيِّنَاتِ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں سورہ حدید کی ایک آیت کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ میرے نزدیک سورہ شوریٰ مکی سورتوں میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی مدنی سورتوں میں سورہ حدید — سورہ حدید میں رسولوں کی بعثت، ان کو بیانات عطا کرنے، ان کے ساتھ کتابیں اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غرض و غایت ان الفاظ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی تھی کہ: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ یہاں فرمایا:

اللَّهُ الَّذِي أُنْزِلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ط

”اللہ ہی ہے وہ ذات جس نے حق کے ساتھ کتاب اُناری اور میزان بھی اُناری“

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات نازل ہوئی تو اس کے ساتھ شریعت موسوی اتری۔ ویسے ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو اس کے ساتھ المیزان یعنی شریعت یا دین الحق نازل ہوا۔ یہی بات اس آیت مبارکہ کی ابتداء پر ایک دوسرے اسلوب سے فرمائی جو سورہ توبہ، سورہ فتح اور سورہ صف میں بایں الفاظ وارد ہوئی۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ — وہ اے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین الحق کے ساتھ — یہاں ”و“ داد عطف ہے۔ دین الحق، الہدی سے مختلف شے ہے، علیحدہ

چیز ہے۔ اس معنی میں کہ الہدٰی یعنی قرآن مجید میں ملے ہدایت ہے، اصولی ہدایت ہے اور سنت رسول ملی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اس کی ملے تفسیر ہے، اس کا ملے مظاہرہ (Demonstration)

ہے۔ جب قرآن حکیم کے ساتھ سنت رسول جمع ہو جائے گی تو دین الحق بنے گا۔ وہ میزان یعنی شریعت سامنے آنے لگی کہ کس کا کیا حق ہے اور کس کے کیا فرائض ہیں۔ کیا واجبات ہیں! اور ملے ہو گا کہ

WHAT IS DUE TO HIM AND WHAT IS DUE FROM HIM اس پر لازم

کیا ہے اور اس کا حق کیا ہے۔ یہ ہے کتاب اور میزان جو اللہ نے نازل فرمائی —

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان کس لئے نازل فرمائی! ایسے ہی رکھی رہے

غور طلب بات | یا اس میں تو لا جائے! میزان تو اس لئے اتاری گئی کہ نسب ہو۔ دین اسے

لئے دیا گیا کہ قائم ہو۔ دین اگر قائم نہ ہو تو وہ دین ہے ہی نہیں پھر تو وہ مذہب بن گیا۔ وہ صرف ایک عقیدہ بن گیا۔ وہ صرف ایک cult بن گیا۔ وہ محض چند رسوم (Rituals) کا مجموعہ بن گیا۔ دین تو وہ ہوتا ہے کہ ایک نظام کی حیثیت سے بالفصل قائم و نافذ ہو۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھ لیجئے۔ انگریز کے دورِ غلامی میں جس نظام کی اصل حکمرانی تھی وہ ”دین انگریز“ تھا۔ تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطابق مطلق برطانوی پارلیمنٹ تھی۔ تمام فوجداری اور دیوانی قوانین اس کے بنائے ہوئے تھے اور ان کے مطابق ہی ملک کا نظام چل رہا تھا۔ البتہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل تھی کہ نجی زندگی میں نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کو چلے جاؤ، اپنے طور پر نکاح ادا کرو۔ شادی بیاہ کی رسوم اپنے طور پر بجالاؤ۔ Private اور شخصی معاملات میں انگریز سرکار کو کوئی سروکار نہیں لیکن ملک کا نظام اور قانون Law of the Land انگریز کا بنایا ہوا رائج و نافذ رہے گا۔ اسی صورت حال کے پیش نظر یہ علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

”تا کہ جو ہے ہند میں محمدؐ کی اجازت ناداتاں سمجھتا ہے کہ سلام ہے آزاد فرمایا کو تو حقیقت کے اظہار کے لئے برسبل تذکرہ دوبارہ ہو گئی۔ اب پھر آیت زیرِ درس پر توجہ مرکوز کیجئے فرمایا: اللہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الْحَقِیْقَیْہِ الْمُبِیْنٰتِ ۝ اللہ ہے وہ جس حق کے ساتھ اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی“ سورہ حدید میں بعثت رسول، انزال کتب و میزان کی جو عرض و غایت بیان فرمائی گئی تھی کہ لَیَقُوْۤہُمُ الْاَنۡاَمُ بِاَقۡبَعِہٖ ۝ تاکہ لوگ ہلکو قطع پر قائم ہو جائیں۔ اس کو آیت کے اس حصے کے ساتھ ذہن و قلب پر ثبت کر لیجئے تو آئینہ صاف

الذین اور دَامُوتٌ لِأَعْدِلَ بَيْنَهُمُ کے جملہ مقصیات و معصیات واضح ہو کر آپ کے سامنے آجائیں گے۔

انجام سے متعلق تنبیہ

آگے چلیے۔ اسی آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا :

وَمَا يَذُرْنَ لَكُمْ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبًا •

"اور اسے بچا، آپ کو کیا معلوم کہ قیامت قریب ہو سر پر آئی کھڑی ہو"

یہاں انداز مختلف ہے۔ اس میں انسانوں کی ایک فطری اور نفسیاتی کمزوری پر متنبہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ حقیقت کو انہوں نے پہچان بھی لیا لیکن دل کے اندر جو چور ہے اور مفادات و لذات دنیوی سے جو انس ہے اس کی وجہ سے تقویٰ و تافیر کا معاملہ ہوتا ہے۔ سوچ کا انداز یہ ہو جاتا ہے کہ بات تو حق ہے قبول کرنی چاہئے اور ہم فرد قبول کریں گے ذرا فلاں فلاں کاموں سے فارغ ہو جائیں پھر ہم بھی میدان میں کود پڑیں گے۔ بس یہ یہ ذمہ داریاں ہیں ان سے غلط لیں، ذمہ بچوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں ان سے عہدہ برآ ہو جائیں تو پھر ہم اتنا مت دین کی جدوجہد میں ہمہ وقت اور ہمہ تن لگ جائیں گے اور اپنی ساری توانائیاں اور اپنے تمام اوقات اللہ کی راہ میں لگا دیں گے۔ اس سے بڑا فریب اور دھوکہ کوئی نہیں اور دھوکہ کس کو دے دیں گے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی ہو سہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ہر کارہ دنیا کے تمام ذمہ داری اپنی بچوں سے فارغ ہوں گے تو آگے نواساں اور پرتیاں ہوں گیں۔ اپنی ذمہ داریوں سے فراغت کیسے ہوگی، نسل تو آگے پیسلے گی، بڑھے گی اور نہ معلوم کیا کیا معاشرتی پیچیدگیوں سے سابقہ پیش آگئے گا۔ اور جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہوں گے۔

PROBLEMS سے سابقہ پیش آگئے گا۔ اور جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہوں گے۔

— اول تو فراغت ملتی نہیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ کسی نے سوچ رکھا ہو کہ ریٹائر ہو جاؤں پھر دین کے لئے کام کروں گا تو حکومت بھی اس وقت ریٹائر کرتی ہے جب صلاحیت و اہلیت برائے ہم رہ جاتی ہے۔ ایسی حالت و کیفیت میں آپ دین کے لئے کریں گے کیا؟ اس لئے کہ حکومت نے ریٹائرمنٹ کی مدت خوب سوچ سمجھ کر رکھی ہے۔ توانائیاں تو خدمت سرکار میں ختم ہوئیں اب تو آپ کی حیثیت SPENT UP FORCE کی ہے۔ یہ ہیں وہ دھوکے اور فریب جو انسان کا نفس خود اسے دیتا ہے۔ سورہ حدید میں یہ مضمون اہل ایمان کے لئے مختص ہو کر آیا ہے۔ وہاں فرمایا: اَلَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّهَّرِينَ اَنْ مَّنَّوْاْ اَنْ تَخْشَعُ قُلُوْبُهُمْ لِيَذْكُرَ اللّٰهُ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

”کیا وقت آ نہیں گیا ہے اہل ایمان کے لئے کہ جبک جائیں ان کے دل اللہ کی یاد میں اور اس کے سامنے جو حق سے نازل ہوا ہے۔۔۔ یہ تاخیر اور تعویق۔ اور یہ بات کہ یہ کرلوں وہ کرلوں پھر دین کے کام میں لگ جاؤں گا۔ خود فریبی کے اس چکر سے کب نکلو گے؛ وہی بات نبی اکرم سے مخاطب ہو کر بطور واقعہ اور حقیقت فرمائی جا رہی ہے۔ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ اور اسے بتا، آپ کو کیا خبر کہ قیامت (فیصلہ کی گھڑی) قریب ہی آگئی ہو۔“

انتہائی قابل توجہ بات | اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ ایک قیامت تو آخری قیامت ہے اور ایک میری اور آپ کی انفرادی (INDIVIDUAL) قیامت ہے۔ یعنی میری اور آپ کی موت۔ وہ تو ہم سب کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہم میں سے کون جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی؛ جگر مراد آبادی مرحوم کا بڑا پیارا شہر ہے۔۔۔
اربابِ ستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری
دنیا سے قیامت دور رہی دنیا کی قیامت دور نہیں

موت کی صورت میں ایک قیامت انسان پر اس دنیا میں بھی آتی ہے جسے ہم قیامت منقری کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَن مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ“ جو مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہو گئی؛ مہلت عمر اور مہلت عمل ختم ہوئی۔ کیا معلوم وہ چھوٹی قیامت میرے سر پر منڈلا رہی ہو۔ مجھے لاہور جانا نصیب نہ ہو۔ کسے یقین ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ علی صبح حرم ہونے والا سورج میں لا زماً دیکھوں گا۔ اگر دل میں یہ یقین ہو تو بہت بڑا دھوکہ ہے۔ فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ کس برتے پر، کس امید میں تم یہ چیزیں مؤخر کر رہے ہو! اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض ادا کرنے کی فکر کرو۔ اس کے لئے جدوجہد کرو۔ اَنْ اَقِيْمُوا لَدِيْنِ وَلَا تَتَّبِعُوْا فِتْنًا ۝ اس کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ سرکف ہو کر میدان میں نکلو۔ باطل سے بچہ آزمائی کے لئے تیار ہو کر آؤ۔ اَجُودُ لَا عُدَّةَ بَيْنَكُمْ وَكَانَ خَائِمُ النَّبِيِّنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ کے انتہی کی حیثیت سے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ تنظیم پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی قرآن مجید اور میزان یعنی شریعت محمدی صلی علیہا وسلمہ و اسلام حق کے ساتھ نازل کی ہے، اس پر مبنی نظامِ مدلل و مسلط قائم کرنے کی جدوجہد کرو ورنہ تم کو کیا پتہ کہ موت تمہارے سرانے کھڑی و۔ تم اسی تعویق و تاخیر میں رہو اور مہلت عمر تمام ہو جائے۔۔۔ یہ جملہ مفاہیم اسی آیت مبارکہ میں بیان ہوئے کہ اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الَّذِیْ اَنْزَلَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝

(جادو ہے)

فصل پہلے

جون کے مہینے میں قرآن الکریم میں قرآنی علوم و معارف کے انوار کی بدش

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَلَفُوْا

علیٰ افضلہم خاتم النبیین محمد الامین وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین

انت مسلم اس امر متفق ہے اور اس پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی سورہ طہ کی ابتدائی پانچ آیات کی شکل میں نازل ہوئی: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ ۝ ان آیات میں دو مرتبہ لفظ اِقْرَأ آیا ہے جس کے معنی ہیں 'پڑھ'، قَدْ اَقْرَأَ سے یہ فعل امر ہے۔ اسی سے فعلان کے وزن پر لفظ 'قرآن' بنا۔ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی شے "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اس وصف اور اسم صفت ہی کو اپنی کتاب میں کاسب سے زیادہ مشہور و معروف بلکہ اہم علم "القرآن" قرار دے دیا۔ اس کتاب حمید کے متعدد صفاتی نام اور بھی ہیں لیکن اس کا اہم علم "القرآن" ہی ہے اور پوری دنیا یہ تسلیم کرتی ہے جس میں یگانے بھی شامل ہیں اور بیگانے بھی، جس میں اس کتاب پر ایمان رکھنے والے بھی ہیں اور اس کے وحی الہی ہونے کے منکر بھی کہ قرآن ہی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ شرف صرف قرآن ہی کو حاصل ہے کہ یہ کتاب اس پر ایمان رکھنے والوں میں سے لاکھوں انسانوں کے سمونوں میں محفوظ ہے اور دنیا میں جہاں بھی معتد بہ تعداد میں مسلمان بستے ہیں وہاں ہر سال رمضان المبارک میں ہزاروں حفاظ تراویح میں پورا قرآن سناتے ہیں اور لاکھوں سے بھی متجاوز قرآن کی تلاوت سنتے ہیں۔ ان خصوصیات میں کوئی کتاب بھی قرآن جمید کی شریک و ہمہ نہیں ہے لیکن اپنی جگہ یہ بھی واقعہ ہے جو درجہ انوسناک بھی ہے کہ اول تو اس کتاب کے منزل

من اللہ ہونے پر ایمان رکھنے والوں کی عظیم اکثریت عربی زبان سے تاملدہ ہے۔ جبکہ قرآن حکیم کی زبان عربی ہے۔ دوسرے یہ کہ جن کی زبان عربی ہے یا جو عربی سے بخوبی واقف ہیں ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو محض ایک کتاب مقدس کا مقام دے رکھا ہے اور وہ محض اس کی تلاوت و قرائت پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اور اسی کو باعثِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیٰ للناس ہے، انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو، کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے اس کتاب الہی میں ہدایت و رہنمائی موجود نہ ہو۔ اور اس کے نزول کا اولین مقصد یہ ہے کہ قرآن کے اصولوں پر مبنی نظامِ اجتماعی قائم اور نافذ کیا جائے۔ مسلمان بحیثیت مسلمان اس دنیا میں عزت و وقار حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ بحیثیت امت و ملت اس قرآن کو عملی طور پر اپنا ہادی و امام نہ بنالے اور اس کتابِ ہدایت کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو استوار نہ کر لے۔ بقول علامہ اقبال ؎

گر تو می خواہی مسلمان زسیت نیست مکن مجز بہ مستزائے سیتین

بحمد اللہ در دور میں ایسے رجالِ دین پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے توفیق سے مسلمانوں کو ان کا مبعولاً ہوا سبقِ یاد دلانے اور اس فرقانِ حمید پر عمل کرنے کی دعوت دینے کے لئے اپنی زندگیاں کھپا دیں اور کھپا رہے ہیں۔ ان ہی خوش بخت حضرات میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی ایک خادمِ قرآنِ مجید کی حیثیت سے شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خالص سے یہ توفیق بخشی کہ انہوں نے دعوتِ رجوع الی القرآن کو ایک تحریک کی شکل میں پکارتے ہوئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اور وہ کتاب و سنت کی اساسات پر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں۔

اللہ رب العزت جو نعم المولیٰ اور نعم النصیر ہے اس کی تائید و نصرت کا مظہر اس سال ایک عجیب شان سے سامنے آیا اور اس نے دعوتِ رجوع الی القرآن اور تعلیم القرآن کے لئے وہ راہیں کھول دیں جن کی طرف وہم و گمان بھی نہیں جاتا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۱۶ یوم کے ہندوستان کے دعوتی دورے سے ۲۵ اپریل کو واپس آنے کے بعد حسب معمول پاکستان میں دعوتی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ اس کے پہلو پہ پہلو ۵ مئی کو عمرہ ادا کرے اور سعودی عرب کے بعض خبروں کا وزٹ ویزے کی بدولت دورہ کرنے کے لئے روانگی کے انتظامات بھی ہو رہے تھے۔ اس پر مستزاد تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ

اجتماع (۲۵ تا ۳۰ مئی) کے انتظامی مسائل بھی پیش نظر تھے۔ جن پر ۱۲ مئی کو میر موصوف محترم بھائی قمر سعید قریشی قیم تنظیم اسلامی سے تبادلہ خیال اور مشورے فرما رہے تھے۔ امیر محترم نے اس مشاورت میں راقم کو بھی طلب فرمایا۔ اسی مشاورت کے دوران یہ مسئلہ بھی زیرِ گفتگو آیا کہ آٹے والے رمضان المبارک میں جامع قرآن، قرآن الیکٹری میں تراویح کا کیا انتظام ہو۔ امیر محترم نے فرمایا کہ تردیح کے دوران تلاوت کردہ حصہ کے اہم مطالب و معانی پر کئی بار روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس کے کیسٹ بھی تیار ہیں۔ انہی باتوں کا احادہ کچھ جیت نہیں پھر موسم بھی گرمی کے لحاظ سے شدید سے شدید تر ہوتا چلا جائے گا۔ کوئی ایسا پروگرام سوچنا چاہیے کہ جس میں جدت بھی ہو اور افادیت بھی۔ نیز شرکاء کا ذوق و شوق بھی قائم رہے پھر امیر محترم نے فرمایا کہ "اس موقع پر اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ کیوں نہ اس رمضان المبارک میں تراویح شروع ہونے سے قبل چار کھیتوں میں جتنا قرآن حکیم پڑھا جانے والا ہو، اس کا روال ترجمہ اہم نکات کی ممکنہ حد تک مختصر تشریح، ربط آیات اور نظمِ سُور کے ساتھ بیان کیا جائے۔ پھر ہر تردیح میں اس سلسلہ کو جاری رکھا جائے۔ اس طرح اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت و تائید حاصل رہی تو ۲۹ رمضان تک دورۂ ترجمہ قرآن مکمل ہو جائے گا۔" بھائی قمر سعید صاحب تو امیر محترم کے اس خیال پر پھونک اٹھے۔ انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسا ضرور ہونا چاہیے نیز موصوف نے فرمایا کہ اس طرح ان شاء اللہ یہ ترجمہ مختصر تشریحات کے ساتھ کیسٹوں میں ریکارڈ ہو جائے گا۔ جس سے بے شمار طالبانِ فہم قرآن مستقل طور پر استفادہ کر سکیں گے۔

راقم نے بھی قمر بھائی کی رائے کی تائید کی۔ امیر محترم نے اس اندیشے کا اظہار فرمایا کہ "اگر یہ کام شروع کیا گیا تو ترجمہ قرآن کے اس کام میں اور بیس رکعات تراویح کی ادائیگی میں کم از کم چار ساڑھے چار گھنٹے کا وقت لگ جائے گا۔ اگر ہم صلوٰۃ عشاء ساڑھے نو بجے شب شروع کریں گے تو پیش نظر پروگرام دو بجے سے قبل ختم ہونا ممکن نہ ہوگا۔ شرکاء کے لئے یہ پروگرام بہت بھاری پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اندیشہ ہے کہ شرکاء زیادہ تعداد میں اور پابندی کے ساتھ اس پروگرام میں شرکت کر سکیں چونکہ اس طرح یورپی شب بیداری میں گزرے گی۔ مزید یہ کہ اس سال گرمی کا موسم شدید ترین ہونے کے آثار ہیں اور رمضان المبارک کا پورا مہینہ جون میں گزرے گا جو گرمی کے اعتبار سے اس کے شباب کا مہینہ ہوتا ہے۔ لہذا کوئی فیصلہ کرتے وقت ان تمام امور کو سامنے رکھنا ہوگا۔" بھائی قمر سعید کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت و تائید کے بھرپور سے پرہیز کرنا چاہیے اور انشاء اللہ حاضری پچھلے سالوں کے مقابلے میں زیادہ ہی ہوگی۔ اور اہم تر بات یہ ہے کہ اس طور پر قرآن مجید

ترجمہ اور اہم تشریحات ریکارڈ ہو جائیں گی جن سے مستقبل میں دعوت و رجوع الی القرآن تحریک بہرہ یامان۔ خوب۔ تجدید عہد کے کارکنان در فقاء کو بڑی مدد ملے گی جبکہ موجودہ معروفیات کے پیش نظر تحریری طور پر یہ کام ہونا بعید از امکان نظر آتا ہے۔ — امیر محترم نے فرمایا کہ وہ اس تجویز کے تمام پہلوؤں پر غور کریں گے اور سعودی عرب سے واپس آکر فیصلہ کریں گے لیکن اللہ کا کرنا یہ داکہ اس خیال کا بیشاق میں تذکرہ ہو گیا اور بات عام ہو گئی۔ نیز اکثر حلقوں سے اہرام ہونے کا کام پر دو گرام ضرور ہونا چاہیے۔

امیر محترم کی مجازہ مقدس سے ۲۱ مئی کو لاہور واپس تشریف آوری ہوئی اور موصوف نے یہ رنجری سنائی کہ انہوں نے مجوزہ پر دو گرام کو اللہ کی تائید و نصرت کے بھرے سے پر رومل لانے کا فیصلہ لیا ہے۔ امیر محترم کے اس فیصلے پر سب ہی کو خوشی ہوئی البتہ یہ اندیشہ راقم کے دامن گیر تھا کہ بر محترم بھارت اور سعودی عرب کے نہایت مشقت سے بھر پور دوروں سے واپس تشریف لائے یں۔ پھر ۲۲ مئی سے ۲۴ مئی تک تنظیم اسلامی کی مجلس مشاورت کے اجلاس بعد ۲۵ مئی سے ۲۶ مئی تک تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ اجتماع کے ضمن میں مسلسل اور شکا دینے والی معروفیات سے سابقہ میں آئے لاکھیں امیر محترم کی محنت متاثر نہ ہو جائے جس کے باعث یہ مفید کام در میان میں معطل نہ رہ جائے چونکہ یکم جون سے رمضان المبارک کے آغاز کا امکان تھا۔ لہذا ان خدیہ ترین معروفیات پر مشقت کے بعد موصوف کو آرام کے لئے کوئی وقت ملنا ممکن نہ تھا

لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا اظہار جس شان سے ہوا اور "ذَٰلِکَ یَظُنُّ جَٰہِلٌ مُّذُنَا مِیْنَا لَنَعْبُدَ یَنُحَیْضُ مِیْلَنَا" کا وعدہ الہی جس طور سے پورا ہوا اس کا کسی قدر اندازہ تو بالواقع صرف وہی کر سکتے ہیں جو اس پر دو گرام میں شریک رہے ہوں (تاہم اس پر دو گرام کا پس نظر داس کی تفصیلات اور اس کے بارے میں شدہ ساد کے تاثرات کو قارئین بیشاق تک پہنچانے کے لئے کچھ تھوڑی بہت کاوش اوائی کی جانب سے بیشاق کے ان صفحات میں ہو رہا ہے)۔ بنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید و توفیق کا مظہر تھا کہ رمضان المبارک کی دوسری شب سے زکآن اکبر می میں قرآنی علوم و معارف اور اس کے انوار کی بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلی شب کو حکومت کی طرف سے رمضان کے چاند کی رویت کا اعلان کافی تاخیر سے ہوا۔ اس لئے ہی بدو گرام کا اس شب آغاز نہیں ہوا، وہاں شیعہ جامع قرآن میں تراویح سے قبل چار رکعات میں تلاوت کئے جانے والے حصے کے ترجمہ اور ضروری تشریح کا محترم ڈاکٹر صاحب نے آغاز فرمادیا۔ پھر ہر

تجزیہ الگلی چار رکعات میں تلاوت کئے جانے والے حصے کا ترجمہ و تشریح اور ربط و نظم آیات و سورت کا سلسلہ ۲۹ رمضان المبارک کی شب تک مسلسل جاری رہ کر فیضہ تعالیٰ و عونہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا جس کو ترجمہ کے مقابلے میں ترجمانی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

پروگرام کے بارے میں بھائی قمر سعید قرشی کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ابتدائی ہی سے شرکاء کی تعداد پچھلے سالوں کے مقابلے میں زیادہ تھی بلکہ روزانہ اس تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ انجن کی طرف سے اس پروگرام کا ۲۱ مئی کی اشاعت میں لاہور کے چند اخبارات میں اشتہارات کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا تھا۔ لیکن حاضری میں اضافہ کا ایک اہم سبب یہ بنا کہ جو حضرات اس پروگرام میں شریک ہوئے جب انہوں نے اس کی افادیت کو محسوس کیا تو انہوں نے اس کا اپنے حلقہ تعارف و اثر میں تذکرہ کیا جس کے نتیجے میں شرکاء کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ قرآن الہدیٰ میں موسم بہار کے جشن کی کمی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آخری عشرہ میں توبہ کیفیت تھی کہ ہر شب کو قریباً ایک صد موٹریں جامع قرآن کے اطراف میں گج ہو جاتی تھیں اور یہی کیفیت موٹریں ٹیکوں کی ہوتی تھی۔ شدید گرمی کے باوجود شرکاء کا ذوق و شوق اور شغف دیدنی تھا۔ شرکاء کی کثیر تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پر مشتمل تھی جس میں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، وکلاء، ممتاز صنعت کار اور تجار غرض کہ ہر

کے افراد شامل تھے جو دن میں اپنے معمولات و مشاغل بھی ادا کرتے تھے اور شب میں اللہ کے گھر میں حالت قیام میں قرآن مجید کا طبع ہوتا اور حالت قعود میں تلاوت کئے جانے والے حصے کے پہلے سے ترجمہ اور تشریحات و توضیحات کے ذریعے قرآن حکیم کے علوم و معارف، حکم و جزا، مستفید و مستفیض ہوتے۔ یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا روزانہ ظہور ہوتا رہا ہوگا کہ: **ما جتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ و**

یتدارسونہ بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ و غشیہم الرحمة و جفا قہم
للسلائکۃ و ذکرہم اللہ فیمن عندہ۔ اس پورے پروگرام میں خواتین کی بھی اچھی خاصی تعداد شریک رہی۔ اس مدد ترجمہ قرآن کا یہ فائدہ بھی یقیناً ہوا ہوگا کہ تلاوت کردہ قرآن مجید کے حصے کے کم از کم پچیس فیصد مطالب و مفاہیم سامعین کے شعور و امارک کی گرفت میں آتے رہے ہوں گے۔

اس تجویز کی ابتداء میں حاضری کی کمی کا اندیشہ تھا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ جامع قرآن

کے ہاں اس سے طبع گیلری اور صحن میں قریباً سات سو غازیوں کی گنجائش ہے لیکن پہلے ہی عشرے کے بعد تنگی واماں کا سماں پیدا ہو گیا اور آخری عشرے میں تو صورت حال یہ ہوئی کہ بعض مرتبہ حرکت کے بعض خواہش مند اصحاب مگر نہ ملنے کی وجہ سے واپس جانے پر مجبور ہوئے۔ گئی بھی پورے شباب پر تھی لیکن اصلاً تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور اس کتاب عزیزہ کا فیضان کہ اس کی کتاب مبین کے مطالب و مغایم سے واقفیت حاصل کرنے والے مشاقان کے لئے اس پورے پروگرام میں تسہیل پیدا ہو گئی۔ اور کسی درجے میں سہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ایک کیفیت اور جھلک سامنے آگئی اور اس کا اعلیٰ تجربہ ہو گیا کہ: **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ يَرَوْنَ مَسْئَرَهُ** (فَلْيَلْهِمُ الْخُتَمُ) معلوم ہوا ہے کہ ماضی میں اس ضرورت کے پیش نظر کہ جو کچھ نماز تراویح میں پڑھا جائے اس کا کچھ مفہوم بھی لوگوں کے علم میں آئے بعض مشہور دینی درسگاہوں میں اس کا اہتمام کیا گیا کہ نماز تراویح کے آخر میں یا ہر چار رکعتوں کے بعد پڑھی گئی آیات کے چیدہ چیدہ نکات کا بیان ہو جائے لیکن اس سلسلے کے ابتدائی تجربات لوگوں کی عدم دلچسپی کے باعث نہ چل پائے اور جن دینی درسگاہوں میں یہ مبارک سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہاں اس سلسلے کو جلد ہی بند کرنا پڑا۔ شاید وہاں جو سلسلہ تھا وہ بعض اہم اور چیدہ چیدہ نکات کا بیان تھا۔ ہماری معلومات کا حد تک پورے قرآن مجید کے ترجمے کی کوشش نہیں اور نہیں کی گئی۔ بہر حال ہر کام کے لئے اللہ کی مشیت میں ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق محرم ڈاکٹر صاحب کے شامل حال ہوئی۔

اسی تبارک و تعالیٰ نے موصوف کے دل میں یہ خیال ڈالا۔ پھر ان کو انشراح قلبی عطا فرمایا۔ ان کو صحت

دی۔ اہل سعادت بزورِ باذنیت کا بخشتہ خدا نے بخش دیا! اہم پروگرام کے دوران ڈاکٹر صاحب کی دوتین دن خامی طبیعت خراب رہی لیکن عین تراویح کے وقت اسی رب الکریم فدا الرحمہ نے ان کی طبیعت بحال فرمادی۔ نیز لوگوں کے دلوں میں اس سے استفادہ کا ارادہ اور اشتیاق پیدا فرمایا اور پھر اپنے خاص فضل سے اس کی تکمیل کے لئے ان کو بصیرت اور توفیق بخشی

تخلیم کے رفیق بھائی حافظ محمد رفیق سلمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نواڑے جن کے صحن قرأت نے نور علی نور کا کلام کیا۔ شرکاد کا یہ تاثر ہے کہ ان کی قرأت کا یہ انداز تھا کہ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ سامعین کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَهُوَ أَعْلَمُ

اس دورہ تجربہ قرآن یا ترجمانی قرآن کے تجربے کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب موصوف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم معاشرے میں فی الوقت جو بے شمار شرکانہ و مبتدعانہ اداہم اور رسوم جاری و ساری ہیں اور شفاعتِ باطلہ کے جس عقیدے نے جڑیں بکڑ رکھی ہیں ان سب کا بڑی حد تک ازالہ عمومی سطح پر دورہ ترجمہ قرآن سے ہو سکتا ہے اور خالص توحید کا فہم عوام الناس میں راسخ کیا جاسکتا ہے۔

رمضان المبارک کی عظمت اور صوم و قیام، قیام کی افادیت نیز ان کے باہمی ربط و تعلق کے متعلق راقم اپنی جانب سے کچھ عرض کر لے سکے بجائے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نہایت نفیر لیکن حدود و جہ جامع تالیف "عظمت صوم" کے چند اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجائے گی کہ زبانِ یاد من ترکی و من ترکی کی دائمی و الے معاط کو حل کرنے کے لئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی فرمائی اور ان کو اس سعادت سے نوازا اور ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا اہل و مصداق بننے کا موقع مرحمت فرمایا :

مَنْ قَامَ يَوْمَ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ
وَمَنْ دَعَا إِلَيْهَا هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

"اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں۔ ایک دن کا روزہ اور دوسری رات کا قیام اور اس میں قرات و استماع قرآن : اور اگرچہ ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام وعلی نے شارفہ اور کنایتہ واضح فرمایا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزو و لا ینفک ! (یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک نماز تراویح واجب کے درجے میں شمار ہوتی ہے)۔ چنانچہ قرآن نے وضاحت فرمادی کہ روزوں کے لئے وہ رمضان معین ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا، گویا یہ ہے یہ نازل قرآن کا سالانہ جشن !!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي
أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن
مجید نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ :

۱۔ امام بیہقی نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعب الایمان میں نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں ۔

جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا
دَرَقِيَامٍ لَيْلِيَّةٍ تَطَوُّعًا فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر

گویا قیام اتیل اگرچہ "تَعَوُّظًا" ہے تاہم اللہ کا جانب سے "مجبول" بہر حال ہے۔

۲۔ بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا جس نے روزہ رکھے رمضان میں ایمان
وِاجْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس
ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا کے تمام سابقہ گناہ۔ اور جس نے راتوں
وِاجْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ کو قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب
ذَنْبِهِ کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ

۳۔ امام بیہقی نے 'شعب الایمان' میں حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

الْقِيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ روزہ اور قرآن بندہ مومن کے حق میں
لِلْعَبْدِ يَقُولُ الصِّيَامُ أَيْ رَبِّ سفارش کریں گے۔ روزہ کہہ گا۔ اے
إِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ رب ! میں نے اسے روکے رکھا دن میں
بِالنَّهَارِ فَشَفَعْنِي فِيهِ کھانے اور خواہشات سے پس اس کے
يَقُولُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن
بِاللَّيْلِ فَشَفَعْنِي فِيهِ کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو
فَيَنْدُفِعُ عَنْهُ اسَ حَقِّهِ ختم سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اور اب خود فرمائیے صوم رمضان کی حکمتوں پر !

حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصد ایک جملے میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ : — ایک طرف روزہ انسان

کے جسہ حیوانی کے ضعف و انحلال کا سبب ہے تاکہ روح انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی پڑیا کچھ ٹپکی ہوں اور بہیمیت کے عبادی اور مجتہدے دہی ہوئی اور سکتی اور کرہا ہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے۔ اور دوسری طرف قیام اقلیل میں کلام ربانی کا روح پرورد نزل اس کے تغذیر و تقویت کا سبب بنے۔ تاکہ ایک جانب اس پر کلام الہی کی عظمت کما حقہ کشن ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کرے کہ یہی اس کی جھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دکھ کا علاج اور درد کا درمان ہے۔ اور دوسری جانب روح انسانی از سر نو قوی اور تازہ ہوتا ہو کہ ”اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز“ ہو گیا یا اس میں تقرب الی اللہ کا دائمی شدت سے میداد ہو جاتے اور وہ مشغول دعا و مناجات ہو جو اصل روح ہے عبادت کی اور کتب کتاب ہے نشہ و ہریت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم : رمضان سے متعلق آیات میں :
اَقْلَامٌ — مجر و صوم کی مشروعیت اور اس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض دعائیت بیان ہوئی ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ کے الفاظ میں اور
ثَانِيًا — صوم رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیل احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر :

ایکٹ — ”وَلِيُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَوْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ“
 کے الفاظ میں جو عبادت ہے بکثاف عنکب نعمت قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں بدیہ تکبر و شکر پیش کرنے سے — اور

دوسرے — ”وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ دَعْوَةُ السَّاجِدِ اِذَا دَعَاكَ..... لَعَلَّكُمْ تَزِدُّونَ“ کے الفاظ میں جو عبادت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلا شمع قرب الہی اور مشغول دعا اور محو مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادت رب کا :

الغرض : صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کر لے اور پوری شدت و قوت اور کمال ذوق و شوق کے ساتھ اپنے خدایہ کی جانب متوجہ ہو جائے ۔“

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریلو انٹرنیشنل

فون ۳۰۳۳۵۵
۳۰۳۳۷۷

درآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
ہاٹن کلاک : کاٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈ کرافٹس : لکڑی کا فرائیگر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکرفلم : سوچ سٹارٹ
ریئر میٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفتر

I فلو غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء کے تاثرات

مرتبہ: محمد احمد

(ریکارڈنگ انجینیئر نشر القرآن)

الحمد للہ! ۲۹ ویں شب کو ۱۲ بجے دورۂ ترجمہ قرآن کا نہایت بابرکت مگر کسی قدر کٹھن پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ دورۂ ترجمہ قرآن کو ۹۰ کے ۷۷ کیسٹوں پر مشتمل سیٹ میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ادارہ نشر القرآن کا یہ سب سے طویل اور مشکل ترین پروجیکٹ ہوگا۔ یہ سیٹ ادارہ نشر القرآن سے رابطہ قائم کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اختتام پر گرام پر کچھ شرکاء کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ سب سے پہلے ملک کے مشہور و معروف سائیکا لو بسٹ ڈائریکٹر نوٹین ڈاؤس لاہور ڈاکٹر شہید چوہدری صاحب نے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے سب سے بڑی کمزوری عربی زبان سے ناواقفیت ہے کہ ہم قرآن مجید کے مفہیم کو براہ راست سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہمیں اپنی پہلی فرصت میں ہی عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم اس مقدس کتاب ہدایت کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو سکیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دورۂ ترجمہ قرآن کی سماعت کے دوران بعض بہت اہم نکات جو ہمیں آج تک معلوم نہ تھے ان سے واقفیت حاصل ہوئی اور قرآن حکیم کا تصویر حیات حقیقی معنوں میں سامنے آیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر خود عامل ہوں، اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ اہل بالفعل قرآن و سنت پر مبنی ایک معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ہم کو پورے قرآن حکیم کی تلاوت کی ناکہ کے ساتھ ترجمہ اور فردی تشریحات سننے کی جو سادگی ملی ہے اس کا حق اور شکر اسی طرح ادا ہوگا۔ وزیر خزان صاحب محمد شہلی گرافٹیلیفون میں ڈائریکٹر ڈاؤس ہیں۔ اس مرتبہ وہ جامع القرآن ہی میں معتکف بھی تھے۔ انہوں نے بھی عربی زبان پر عبور کو بنیادی ضرورت قرار دیا۔

اور فرمایا کہ اس پروگرام کا فائدہ تو ہوا مگر صحیح معنوں میں ہم حق اس طرح ہی ادا کر سکتے ہیں کہ اپنی زندگیوں میں احکامات ربانی کو حوں کا توں داخل کر لیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ اپنی مسئلہ سب العزت کی رضا ہی کو سمجھیں۔ آخرت منوانے میں لگ جائیں۔ یہی ہمارا مقصد حیات ہے۔ اسی کے لئے ہمیں کوشاں ہو جانا چاہیئے۔

ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب، خواجہ صاحب شاد باغ کے سابق کونسلر ہیں اور بہت ہی معروف اور ہر روز ٹی وی پر نظر میں ہیں۔ بچوں میں تعلیمات قرآنی کا شوق پیدا کرنے کے لئے چلندین قرآن سوسائٹی کے پلیٹ فارم پر کام کر رہے ہیں۔ موصوف نے پنجابی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے ماحول کی کیفیت کو بدل دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس کے بعد امیر موزم اس پروگرام کی نیچر تکمیل پر مہمکباد کے مستحق ہیں اور امیر موزم نے جس آسمان اور قابل فہم انداز میں قرآن حکیم کا ترجمہ و آیات کے سیاق و سباق اور ربط و نظم کو بیان کیا ہے اس سے ہر پڑھنے والے کو یگانہ ہے اور ہمارے ادب پر ایک واضح محنت قائم ہو گئی ہے۔ اب پڑھنے والے کی توجہ کو قرآن کو اگر سمجھ لیا جاتا تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ لمحہ نگریہ یہ ہے کہ ہمارا جواب کیا ہوگا۔ آئیے آج حید کریں کہ اپنی زندگیوں اور ماحول کو احکام قرآنی میں رنگ لیں۔ انتخاب قرآنی کے لئے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک امت کی حیثیت سے تمام نوع انسانی پر رحمت قائم کر دیں۔ یہ ایک فرض ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر عائد کیا تھا اسے پورا کر دیں تاکہ آخرت میں سرخورد ہو سکیں۔ خواجہ صاحب نے مزید کہا کہ ”جہاں شر کا دہرہ پروگرام نے باقاعدگی سے شدید گرمائی میں رہنے رکھے اور راتوں کو پروگرام میں بھرپور شرکت کی وہاں ان کی روزمرہ کی معروضیات حسب سابق جاری رہیں۔“

یہاں ایک محترم دوست کا ذکر کر دینا باعث دلچسپی ہو گا جو کہ گئی کال پوریشن میں جزلہ ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں روزانہ شیخ چیلہ جایا کرتے ہیں۔ دوران رمضان ان کی معروضیات میں دورہ ترجمہ قرآن بھی شامل ہو گیا اور وہ اس میں باقاعدگی سے شریکیت کرتے ہیں۔ انسان پکا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ کٹھن کام کو بھی آسان کر دیتا ہے۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ رب کریم ہماری زندگیوں کو کتاب مبین کے تابع کر دے اور ہمیں حقیقی معنوں میں مومن بنا دے۔ اور ہمیں ہمت و توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب اللہ حقیقی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا حق ادا کر سکیں۔ آمین یا رب العالمین !

جناب محمد اشرف صاحب نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اظہار کیا کہ وہ سعودی

میں جامہ امام القزوی کو کمرہ سے متعلق ہیں۔ تعطیلات گناہنے اپنے وطن لاہور آئے ہوئے
 اخبارات میں تراویح کے ساتھ جناب ڈاکٹر امیر احمد کے دودھ ترجمہ قرآن کا اشتہار دیکھا چونچ
 یہی ہے اس میں شرکت کی لیکن تین چار دن ہی شرکت ممکن تھی چونکہ تعطیلات ختم ہو رہی تھیں۔
 برام بالخصوص قرآن حکیم کے مطالب و مفاہیم پر ڈاکٹر صاحب کی عمیق نظر اس پر سزا دان کا انتہائی خوش
 دل میں گداز پیدا کرنے والا اسلوب بیان، ان چیزوں نے ذہن و قلب پر اتنا گہرا اثر کیا کہ اس پر گرام
 ریکر سعودی عرب جانے پر کسی طرح دل آمادہ نہیں تھا۔ لیکن ملازمت کا معاطرہ موجود رہی تھی۔
 اہل خواستہ ڈیوٹی منہ ج کرنے کے لئے سعودی عرب چلا گیا۔ حرم شریف پہنچ کر عروہ ادا کیا اور
 سے لپٹ کر نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ وہ اپنے خاص فضل سے کوئی ایسا
 زہم کر دے کہ میں فوراً ہی لاہور پہنچ جاؤں تاکہ اس پر گرام میں آخر تک شریک رہ کر اس سے
 نہ ہی، اقلب اور روح کو قرآن حکیم کی سماعت کے ساتھ اس کے مطالب و مفاہیم سے منور کر سکوں۔
 لی سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ کے مصداق دعا قبول ہوئی۔ دوسرے روز صبح ہی
 یوٹی پر پہنچا خود ہی طور پر ایک ایسا سبب پیدا ہو گیا کہ مجھے سرکاری کام سے پاکستان آنے کے
 اہل گئے۔ چنانچہ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ تفویض کر دہ کام سمجھا اور عجلت عازم سفر ہو کر لاہور
 نیا۔ اور اس طرح دوبارہ اس باریکت اور مفید پروگرام میں اللہ تعالیٰ نے شرکت کی سعادت عطا
 — موصوف نے مزید کہا کہ مطالعہ اور ترجمہ قرآن حکیم کی افادیت اپنی جو مسلم ہے۔ لیکن
 الحانی کے ساتھ صحیح قرآن میں جو کیف ہے اور ڈاکٹر صاحب کے حد درجہ پُر تاثیر اور جامع انداز
 سے قرآن حکیم کے جو معارف اس پروگرام میں منکشف ہوئے ہیں اور پہلے نہیں ہوئے تھے۔
 نا وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب و سنت کا محض سالکی حیثیت سے مطالعہ
 کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسے اپنے قلب و ذہن حتیٰ کہ روح میں جذب کر لیا ہے
 جس سے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے کلام پاک میں معجزانہ طود پرکشش جاذبیت اور بے نہایت
 فاسدہ دیاں ڈاکٹر صاحب کے سینے کو اپنے کلام کے معارف اس کے عرفان کا اعلیٰ درجہ عطا
 ہے اور ساتھ ہی انتہائی پرتاثر اسلوب و انداز بیان بھی عنایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر
 سب کی مسامحہ کو دنیا و آخرت میں مشکور فرمائے۔ پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ
 ڈاکٹر صاحب جیسا مخلص خادم قرآن حکیم میرا گیا ہے۔ اب اہل پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ
 طرف وہ اپنی زندگیوں قرآنی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کی کوشش کریں دوسری طرف

اس خادمِ دین کے ساتھ حق، امن، امن سے عملی تعاون کر کے کتاب و سنت کی تعلیمات کی دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسلامی انقلاب عظمیٰ برپا کرنے کی راہ ہموار کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔ اسی میں دنیا اور دین کی فوز و فلاح منقسم ہے۔

جناب شبیر احمد صاحب بخاری سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن پنجاب نے اپنے مراسلہ میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس میں سے اس پر دو گرام سے متعلقہ حقہ حسب ذیل ہے:

”بر عظیمِ پاک و ہند میں تراویح کا جو روحانی طریق جاری ہے وہ اپنی پوری سعادتوں برکتوں اور روحانی لطافتوں کے باوجود اس روح اور جذبے سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے جو قرآنِ اولیٰ کے مسلمانوں کا امتیاز و خصوصیت تھا اور وہ حرف و معنی (قرأت و فہم) کا باہمی باعنی اور نتیجہ خیز رابطہ تھا جو ایک باشعور اسلامی زندگی کی محسوس اساس فراہم کر سکتا تھا ہمارے ساتھ یہ المیہ بھی ہوا کہ برطانوی استبداد نے اپنی سامراجی مصلحتوں کے پیش نظر ہمارا رشتہ عربی اور فارسی سے بے حد کمزور کر دیا اور گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں ہم فائزہ المسلمین کے لئے تراویح میں تلاوت کردہ قرآنی آیات سمجھنے کا کوئی متبادل نظام برسرِ کار نہ کر سکیں۔ میرے بعض دوست جنہیں دیوبند ڈھابیل اور دیگر دینی اداروں سے تعلق رہا ہے محسوس کرتے ہیں کہ بلاشبہ اس غصوں میں جسزوی، تشنہ اور سخی، ہنگامی معامی کے ہوا ہم کوئی مستقل اور مستحکم نظام برپا نہیں کر سکے جن میں ہر چار رکعت سے پہلے پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور ضروری مقامات کی تشریح کی جاسکے۔

کچھ لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ مسلسل سماعِ قرأت کا کیف اور ذوق درمیان میں کسی وعظ و کلام کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے برعکس کچھ لوگ ذہنی کیف و سرور کو اتنا اہم نہیں سمجھتے اور ان کا موقف یہ ہے کہ اصل مقصد تو ہم غیبیوں کے لئے قرآن مجید سمجھنا ہے محض حسنِ سماعت ہی کافی نہیں مقصود حسنِ شعور ہے حسنِ معنی ہے۔

امیرِ خدام القرآن مہتمم حضرت ڈاکٹر امجد صاحب کا اس سال کا تجربہ نما تراویح افادیت کا ایک روشن تجربہ سامنے لاتا ہے جو حسنِ سماع اور حسنِ شعور کا امتزاج ہمیل ہے شب بیداری کا عمدہ اگرچہ طویل تر ہے اور بعض کمزور طبائع اس سے متاثر بھی ہوں گی لیکن ڈاکٹر صاحب کی عزیمت نے اسے سہل کر دیا ہے۔ دراصل اس تجربے کی کامیابی میں ان کا ذاتی شغف قرآنی اور وہ جذبہ حبِ قربانی کا فرما ہے جو وہ اپنے رفقاء میں پیدا کر سکے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۷۲ پر)

ہدایات

از: ڈاکٹر اسرار احمد: امیر تنظیم اسلامی

مترجم: چوہدری غلام محمد امیر تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان کے ۹ ویں سالانہ اجتماع کی مختصر پورٹ بٹاعتہ یشاق کے جولائی ۸۴ کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن اس اجتماع میں امیر تنظیم کے اختتامی خطاب کی تفصیلات اور بالخصوص اس موقع پر رفقہ کے یہ امیر تنظیم کی ہدایات شامل اشاعت نہ ہو سکی تھیں۔ یہ خطاب چونکہ خصوصی اہمیت کا حامل تھا لہذا اس کا خلاصہ اس شمارے کے ذریعے سے قارئین یشاق تک پہنچایا جا رہا ہے۔ ذیلے ان ہدایات میں دعوت دین کا کام کرنے والے ہر فرد کے لئے رہنمائی موجود ہے (ادارہ)

امیر محترم نے سورہ والضحیٰ اور سورہ انشراح کے حوالے سے گنگو کا آغاز فرمایا اور اس کے پس منظر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی کیفیات، ابتدائے احساس فرض کا بوجھ، مشکلات اور مایوسی کی تاریکیاں بعد فضل خداوندی سے آسانیوں کا ظہور اور صبح امید کی نمود کا تذکرہ فرما کر تنظیم اسلامی کے گزشتہ ادوار کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ کس طرح انتہائی مشکل مراحل میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے ہماری دستگیری کی۔ الحمد للہ ابتدائی مشکلات کا دور گزر چکا اور اب اس سالانہ اجتماع سے ایک امید افزا کیفیت کا احساس ہو رہا ہے۔ قافلہ تکمیل پا چکا ہے۔ اگرچہ ابھی ہم نے کچھ فاصلہ طے نہیں کیا تاہم سفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب انشاء اللہ العزیز قافلہ کی وسعت بھی بڑھے گی اور رفتار میں بھی اضافہ ہو گا۔ امیر محترم نے تحریریت نعمت کے طور پر بعض اطمینان بخش باتوں کا بھی تذکرہ فرمایا جن میں اہم تر سالانہ اجتماع کی مجموعی کیفیت، یشاق و حکمت قرآن کی روز افزوں اشاعت، مالیاتی معاملات کی اطمینان بخش کیفیت اور سب سے بڑھ کر سنت بیعت کے مردہ تصور کو زندہ کرنے کی توفیق شامل ہے۔ امیر محترم نے آئندہ سال کو استحکام کا سال قرار دیا۔ اور رفقہ کو ہذیب و تربیت ذات کی طرف متوجہ فرمایا اور آئندہ پروگرام میں اولین ترجیح ایک نوزوں

توحیدی نظام کے قیام کو قرار دیا۔ آپ نے اس کی متوقع تفصیلات کی طرف بھی کچھ اشارے فرمائے اور فقہاء کو ان سے استفادہ کی تلقین فرمائی۔ آخر میں امیرِ محترم نے چند عمومی ہدایات تلقین فرمائیں جن کا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ادب و احترام | ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ”با ادب بالنعیب ہے ادب بے نصیب“ پہلی تہذیب کا رخ یہی ہے۔ یہ احترام و تعظیم اور حفظ مراتب ہر پہلو سے ہونا چاہیے۔ عمرِ علم، مرتبہ و مقام اگرچہ وہ دنیاوی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر یہ ہمارے بھائی کو میسر ہے اور اس نے اس کو خدمت دین میں لگا دیا ہے تو وہ زیادہ لائق ستائش اور قابلِ احترام ہے۔ اسی طرح تنظیمِ اسلامی کے نظم میں بھی اس کا درجہ بدرجہ اہتمام ضروری ہے۔ امیرِ محترم نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآن کے حوالہ سے یہ بتایا کہ امیر اور مامورین کے مابین تعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مابین تعلق کا ایک عکس ہونا چاہیے، اس کے بغیر وہ فضا پیدا نہیں ہو سکتی جس میں برکات اور سعادتوں کا نزول ہو۔

۲۔ اسلاف سے تعلق | اسلاف سے بالخصوص ادب و احترام اور حسنِ ظن کا تعلق استوار رہنا چاہیے۔ اگرچہ وہ تنقید سے بالاتر نہیں اور ان سے اختلاف ممکن ہے۔ ہمارے لیے اصل رہنمائی اور رحمت کتاب و سنت ہے۔ دشمنانِ اسلام نے ہمارے بھگوان کے محفوظات اور کتب میں تسمیس کیا ہے۔ اگر ان کے کسی معاملہ کی تاویل ممکن نہ ہو تو اسے انہی دشمنانِ اسلام کے کھاتوں میں ڈال دینا اور اسلاف سے حسنِ ظن قائم رکھنا مناسب ہوگا۔ امیرِ محترم نے مزید فرمایا کہ اسلاف کی مستقر رائے سے اختلاف خواہ وہ کسی ایک ہی مسئلہ میں ہو انتہائی خطرناک ہے۔ اس طرح فقہوں کا آغاز ہوتا رہا ہے۔ قادیانیت اور پرویزیت کے نامور اسی طرح پیدا ہوئے۔ اگر کسی مسئلہ میں اسلاف کا اختلاف رائے ہو تو کسی ایک رائے کو اختیار کر لیا جائے لیکن مجمعِ علیہ مسائل سے انحراف اسلاف سے قطعِ تعلق کے مترتف ہے۔

۳۔ فقہی اختلافات سے گریز | فقہاء کے لیے ضروری ہے کہ فقہی اختلافات کو کبھی لٹکھو کا موضوع نہ بنائیں ان کا بیان ہماری تحریک سے مطابقت نہیں رکھتا۔ آپ جس فقہی مسلک پر مطمئن ہیں اس پر عمل کیجئے آپ کا خاموش عمل زیادہ اثر انگیز ہوگا۔

۴۔ الترغیہ کا مطالعہ | پہلی تحریک کا بنیاد قرآنِ حکیم سے اکتسابِ فیض ہے اور اس کے

یہ تلقین ہوتی رہی ہے۔ نتیجتاً لٹریچر کے معاملہ میں کچھ بے اعتنائی کی کیفیت ہے۔ لہذا ہم آہنگی پیدا نہیں ہو رہی۔ اس عدم توازن کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ امیر مخترم نے ہر رفیق کے لیے ضروری قرار دیا کہ اپنی پہلی فرصت میں مندرجہ ذیل چار کتب کا مطالعہ ضرور کریں۔

۱۔ تحریک جماعت اسلامی، ۲۔ سرنگندیم، ۳۔ قراردادنامہ، ۴۔ شرائط شمولیت نظام عمل۔
اول الذکر دو کتابیں ہمارے کام کا تاریخی جائزہ، تاریخی امت مسلمہ اور امیر مخترم کے پس منظر سے بحث کرتی ہیں۔ اور اس کام سے وابستہ خطرات کے لیے یہ بہت ضروری ہیں۔ آخر الذکر دو کتابچے انتہائی اہم ہیں اور خصوصی اجتماعات میں ان کا مطالعہ وقتاً فوقتاً ہوتے رہنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ بھی اب ہمارے پاس لٹریچر کا ایک اچھا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ رفقہا بالخصوص نوجوان اس کا اس طرح بغور مطالعہ کریں کہ استدلال کی کڑیاں ذہن میں محفوظ ہو جائیں۔ مضمون کو پوری طرح جذب کرنے کے بعد ہی بہتر پیش کش کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

۵ **تجوید و قرأت** | اس فن کو اس حد تک حاصل کرنا بہت ضروری ہے کہ قرآن مجید کا صحیح پڑھنا آجکلے امیر مخترم نے فریاد فرمایا کہ ہر رفیق کو کم از کم منتخب نصاب اور آخری پارہ ضرور حفظ کر لینا چاہیئے۔

۶ **ذاتی محاسبہ** | ہر رفیق کو اپنا جائزہ لیتے، ہونا چاہیئے اور یہ عادت پختہ کر لینی چاہیئے۔ کہ اپنے فرض پر کڑی نگاہ ہے لیکن دوسروں کی کوتاہیوں سے صرف نظر ہو۔ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا۔

۷ **تفریح اوقات** | امیر مخترم نے ارشاد فرمایا کہ رفقہا کچھ وقت فارغ کرنا اس وقت ہماری بہت بڑی ضرورت ہے۔ اب دعوتی مقاصد کے لیے ایسے نکلنا کچھ زیادہ صدمہ مند نہیں رہا۔ بلکہ لوگ قافلہ کی شکل میں نکلیں اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کام نبھالیں یہ کام ہر سطح پر جاری ہونا چاہیئے۔ مرکزی اور صوبائی سطح پر، شہروں، قریلوں اور محلوں میں قافلے ترتیب پائیں اور دعوت فروغ پذیر ہو۔ اس کے لیے مرکز سے منصوبہ بندی مشکل کام ہے۔ رفقہا کے احساس فرض اور ادائیگی فرض کی دھن ہی سے مسئلہ حل ہوگا اور توسیع دعوت کے نئے افق روشن ہوں گے۔

امیر مخترم، رفقہا، مرکز، صوبہ، اور کلا مصروف کی اہمیت۔ کو فروغ فرماتے ہوئے

کہا کہ اگرچہ جسم اور سب سے بڑا ذکر قرآن حکیم اور اس کی جامع ترین صودت نماز ہے جس میں انسان کے اعضاء و جوارح اور قلب و ذہن مصروف ذکر ہوتے ہیں۔ تاہم اذکارِ مسنونہ بالخصوص ادعیہ التورہ سے انسان کے معمولات کا احاطہ ہوتا ہے۔ اور زندگی کی ہر حرکت کی دو نسبتیں قائم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا الفاظ مجزی ہیں۔ اس کے علاوہ حضور اکرمؐ سے ثابت اذکارِ امراض قلب کے لیے تریاق کا اثر رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ قلب پر مسلسل معرفتِ الہی کا فیضان ہوتا ہے۔

وَ اخْوَدَعُوا اَنَا ابْنُ الْحَنُودِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(بقیہ تاثرات)

میں نے شاید کسی دوسری جگہ جہاں Motivation اس سطح تک نہ ابھرا یا ہو۔ یہ اتنا کامیاب نہ ہو سکے۔

لیکن خدام القرآن کی یہ عملی سعی قرآنِ نبوی کی جانب ایک جبرِ پُر قدم ہے جو انشاء اللہ اپنے لئے خود بخود نئی راہیں خود پیدا کرے گا جو منزلِ رسی کی دلیل ہوں گی۔

داد کی عشقِ بے درد و دراز است دلے

طے شود حبادۂ صد سالہ بر آہے گلے

تسلن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نقطہ (۳)

سلاحتیں

عملی زندگی

ارشاداتِ رسول ﷺ کی روشنی میں

مک اقبال واحد

بخیل | حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جاسکے گا۔“ (ترمذی)

حرم و ہوس | حضرت کعب بن مالکؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو بھوکے بیٹھے بے جن کو بکریوں میں چھوڑ دیا جائے، اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا نقصان انسان کی حرم و دولت مجاہد اس کے دین کو پہنچاتی ہے۔“ (ترمذی)

ضرر رسانی اور فریب | حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔“ (ترمذی)

ابرو ریزی | حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب بڑا ستودہ مسلمان کی بلا وجہ ابرو ریزی ہے۔“ (ابوداؤد)

ترک غیر مفید | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کے اسلام کے کمال میں یہ بھی داخل

ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید باتوں اور کاموں کو چھوڑ دے۔ (ابن ماجہ)

غیر ذمہ داری | حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو کچھ مٹنے سے بیان کرتا پھرے۔ (متفق علیہ)

بدگمانی | حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے۔ (متفق علیہ)

فضول خرچی | حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے فضول بحث و کلام کو، اور کثرت سے سوال کرنے کو اور مال کے ضائع کرنے کو۔ (مسلم)

گناہ صغیرہ | حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ حجیر اور رسولی گناہوں سے بھی بچو۔ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں بھی باز پرس کرنے والا ہے۔"

ہوس اقتدار | حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم امارت اور حکومت کے معرض ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ قیامت کے دن ندامت اور رسوائی کا سبب ہو گی۔

عصبت جاہلیت | کیا یا رسول اللہ عصبت جاہلیت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا عصبت یہ ہے کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرے۔ (ابوداؤد)

عیش و آرام طلبی | حضرت معاذ بن جبل رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: معاذ! عیش و آرام طلبی سے بچتے رہنا۔ خدا کے خاص بندے عیش و آرام طلب نہیں ہونا چاہتے۔ (مسند احمد)

حبط اعمال | حضرت ثوبان رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں باتیں ہیں جن کے ساتھ کوئی عمل نفع نہ دے گا۔

اللہ کے ساتھ شریک، والدین کی نافرمانی اور معرکہ حق و باطل سے منہ راندن (مسلم)

دراز امتیہیں | حضرت عروہ بن شعبہؓ اپنے دادا کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ راندنا اس

آفت کی پہلی اسلام و دولت یقین اور زہد پر مینرگاری کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی ہلاکت اور برمادی بخل اور دراز امتیہوں کی وجہ سے ہوگی۔ (شعب الایمان)

خودکشی | حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ راندنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو

شریک کرنا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ خودکشی کرنا اور دیدہ و دانستہ مجبوری بات کہنا (بخاری)

نمرہ داری سے منہ راندنا | حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ راندنا اللہ کے

لیے یہی گناہ کافی ہے کہ جس کا فیصل ہو اس کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے۔ (ابوداؤد)

گناہ | حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت منہ راندی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اگرچہ تم کو قتل

رٹا لاجائے یا جلادیا جائے اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تم کو اپنے اہل و عیال

برمال و منال چھوڑ دینے کا حکم دیں۔ ایک بھی فرض نماز قصداً نہ چھوڑو جس نے ایسا

کیا اس کے لیے اللہ کی حفاظت باقی نہ رہی۔ شراب کبھی نہ پیو اس لیے کہ یہ تمام خیریں

موجبہ۔ ہر گناہ سے بچو، اس لیے کہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ (مسند احمد)

حقوق و واجبات

نہ تعالیٰ | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ راندنا

جانتے ہو بندوں کا خدا پر اور خدا کا بندوں پر کیا حق ہے خدا کا حق بندوں

پر ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جب وہ

کریں تو اس پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔ (مسند احمد)

حضرت ابی امامہ رضی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو کہا: "اے رسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ باپ کے حقوق کے بارے میں سوال کیا۔" آپ نے فرمایا: "اے باپ اولاد کے لیے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی (یعنی ان کی حالت خوشنودی سے جنت اور ان کی نافرمانی و نافرمانگی سے دوزخ ملتی ہے۔)" (ابن ماجہ)

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کی نافرمانی، اس کو اذیت رسانی، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، بخل اور گداگری کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بے فائدہ بحث و کلام، زیادتی سوال، اور مال کو ضائع کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔" (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی رضا مندی باپ کی رضا مندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے۔" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" (ترمذی)

حضرت علی رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زندگی کے آخری کلمات کی روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نماز کی نگہداشت اور اتہام کرو اور جو تمہارے دست نگہ ہوں ان کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو۔" (الادب المفرد)

حضرت انس بن مالک رضی سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "کسی بندے کا ایمان راہِ راست پر قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل راہِ راست پر قائم نہ ہو اور کسی کا دل راہِ راست پر قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس کی زبان راہِ راست پر قائم نہ ہو اور کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔" (مسند احمد)

مسلم | حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ جب وہ بڑے تو سلام دے۔ جب وہ بیکار دے تو جواب دے۔ جب وہ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہے۔ جب بیمار ہو تو مزاج پُرس کی لیے جائے۔ جب مرے تو جنازہ کا ساتھ دے۔ (آخری بات یہ ہے کہ اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے۔) (ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لہمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ کوئی کسی کو بے یار و نگار نہ چھوڑے۔ جو کسی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ اُس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو کسی کی تکلیف دُور کرے گا، اللہ اُس کی تکلیف دُور کرے گا۔ جو کسی کی عیب پوشی کرے گا، اللہ اُس کی عیب پوشی کرے گا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا۔ بدگمانی جھوٹی بات ہے۔ غیبت نہ کرنا۔ در نہ سُنا۔ حسد اور بغض سے بچنا۔ اور اے اللہ کے بند و آپس میں بھائی بھائی نہ کرنا۔ جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ چنانچہ کوئی اپنے بھائی پر ظلم نہ کرے۔ حقیر نہ جلے۔ رُسوا نہ کرے۔ مسلمان کا مال خون اور عورت دوسرے مسلمان پر مطلق حرام ہے۔ (ترمذی)

اقتصاد و معاش

رق حلال | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان اور سناذ کی فرضیت بعد حلال و طیب روزی کی تلاش وجد و جہد فرض ہے۔ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص خدا کے مقرر کردہ رزق کو حاصل کیے بغیر موت کا شکار نہ ہوگا۔

سنتہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور رزق کے حصول میں ناجائز ذرائع سے کام نہ لو۔
رزق کے ملنے میں تاخیر تمہیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ اللہ کے پاس جو
کچھ بھی ہے وہ صرف اُس کی اطاعت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (شرح السنہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
شخص رزق حلال کھائے، میری سنت پر عمل کرے اور مخلوق کو اپنے شر سے محفوظ رکھے،
جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور دیانت دار
ماجر قیامت کے دن بیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“ (ترمذی)

حضرت ابو خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: خرید و فروخت کہلے والوں کو (خریداری نسخ
برکت

کرنے کا اس وقت تک) اختیار ہے جب تک اگ نہ ہوں۔ اگر وہ سچائی سے کام لیں، پچ بولیں
تو ان کی تجارت میں برکت دی جائے گی۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ اسے دوزخ سے
دور رکھا جائے اور اسے جنت میں داخل کر دیا جائے تو اُس کی کوشش یہ ہونی چاہیے
کہ اُس کی موت اللہ تعالیٰ اور ایمان بالآخرت کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اُس کو وہی
معاملہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے۔
جو خرید و فروخت میں اور اپنے حقوق کا تقاضا کرتے وقت نرمی و قیامت سے کام لے۔ (بخاری)

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: جس شخص کو پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کی سختیوں
سے بچائے نگہ دست مقرومن کو مہلت دے یا قرض معاف کر دے۔ (مسلم)
(جدی ہے)

بیعت علیؑ ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ میں رسول اللہ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت)

میشاق کے گزشتہ شماروں میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی جاتی رہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جماعت سازی کا جو اسوہ دیا وہ بیعت کی بنیاد پر تھا۔ اس بیعت کا ذکر جوہریت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ مدنی دوسرے شروع ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ اگرچہ مکہ کے نزدیک مٹی کے علاقہ میں کی گئیں لیکن علیؑ طو پر اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا کئی دور ختم ہو چکا تھا کیونکہ مکہ والوں نے حضورؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور آپ کے لئے اب شہر مکہ میں کوئی جگہ نہ تھی۔ مزید برآں بیعت کرنے والے تمام کے تمام لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے اور انہوں نے آنحضرتؐ کو مدینہ تشریف لے جانے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ یہ بیعت حقیقتاً مدنی دور کا آغاز تھا۔ کئی زندگی میں مسلمانوں کو حکمت دعوت کے ضمن میں ہاتھ باندھے رکھنے اور *Readiness* نہ کرنے کا حکم تھا۔ لیکن یہ بیعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تزکیہ نفس کی بیعت نہ تھی بلکہ اصلاً جہاد اور قتال کی بیعت تھی۔ تاریخ کی کتابوں نے اس کو بیعت قرطب یعنی جنگ کی بیعت کا نام بھی دیا ہے۔

دوسری بیعت عقبہ جو ذی الحجہ سالہ نبویؐ کو ہوئی اس میں ۳۰ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں۔ حضورؐ نے اس وقت فرمایا کہ جس کو بولنا ہو مختصر بولے اور بات کو قبول نہ دے۔ کیونکہ مشرکین کے حاسوس کو بوج میں لگے ہوئے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب نے بات کا آغاز کیا اور فرمایا "اے خزیج کے لوگو ہم نے محمدؐ کا فریضہ لوگوں کے خلاف حمایت و حفاظت کی ہے۔ اب وہ تمہارے ہاں جانے پر راضی ہیں تم ان کو مدعو کر رہے ہو تو سوچ لو کہ تم اس ذمہ داری کو اٹھا لو گے! اگر تم کسی درجے میں بھی اس بات کا اندیشہ رکھتے ہو کہ تمہیں ان کا ساتھ چھین دینا اور انہیں دشمنی کے حوالے کر دینا پڑے گا تو بہتر یہی ہے کہ ابھی سے ان کو معذور اور مذکورہ وہ اپنا قوم میں مضبوط حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں ہم نے کہا۔

پر حضور نے اپنی تقریر میں قرآن پڑھا۔ اللہ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کی طرف رغبت اس کے بعد فرمایا: میں تم سے اس بات پر بیعت لینا ہوں کہ تم میری اسی طرح حمایت کرو گے جس طرح خود اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔ برادر بن معرورؓ نے حضورؐ کا ہاتھ میں لے کر عرض کیا: جی ہاں اس اللہ کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل و اولاد کی کرتے ہیں۔ پس یا رسول اللہ! ہم سے بیعت لیجئے ہم جنگ آزمادہ لوگ ہیں۔ ہم نے سے اس کو دراشت میں پایا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں عقبہ میں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس بات پر آپؐ سے بیعت کریں۔ حضورؐ نے فرمایا اس بات پر کہ تم اچھے اہل دین میں مکمل سنو گے اور اطاعت کرو گے۔ غرض حال جو یا بد خالی ہر صورت میں مال خرچ کرو۔ حکم دو گے اور برائی سے روکو گے اور اللہ کے معاملے میں حق بات کہو گے اور کسی ملامت والے کی ملامت سے نہ ڈرو گے اور اس بات پر کہ جب میں تمہارے ہاں آؤں تو تم سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرنے کے بدلے میں تمہارے لئے جنت ہے۔ اس پر ہم اٹھ کر آپؐ کی طرف بڑھے اور اجماعت کے سب سے کس فوجوان اسعد بن زرارہ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا اے اہل غریب ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے ان کے پاس اس کے سوا کسی اور نہ آئے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج ان کو نکال کر اپنے ساتھ تمام عرب کی دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نو نہال قتل ہوں گے تمہارا خون چائیں گی۔ لہذا تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو؟ تمام لو اور تمہارا احمد اللہ کے دے ہے۔ لیکن اگر تمہیں اپنی جانوں کا خوف ہے؟ چھوڑ دو اور صاف صاف مذکورہ کیونکہ اس وقت مذکورہ دینا اللہ کے ہاں نفاذ قبول ہوگا۔ اس پر سب لوگوں نے کہا: "اسعد ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ خا اس بیعت کو ہرگز نہ چھوڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کینچیں گے: اس کے بعد نے بیعت کی۔

یہاں یہ بات قابلِ خود ہے کہ جب مدینہ و انہوں نے آنحضرتؐ کو نبی اور رسول تو ان پر واضح تھا کہ نبی کا ہر حکم مطاع ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے ہوتا انہوں نے باقاعدہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی اور وہاں موجود ہر آدمی اس پر آمین۔ رضی اللہ عنہم ورضوانہ

زیر نظر مضمون میں ہم دیکھیں گے کہ یہ بیعت صرف مدنی دور کا خاصہ نہیں بلکہ حضورؐ کی دعوت کے کئی دور کے بالکل ابتدائی زمانہ میں حضورؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام کی بیعت کی گئی۔ اس بات کے ثبوت میں صحیح مسلم شریف کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ حضرت ضامد (یا ضیلو) رضی اللہ عنہ تلمذ آئے اور ان کا تعلق قبیلہ شنودہ کے ازد سے تھا اور وہ جنوں کی پروردگار کے علاج جھاڑ چھونک (تقوینہ) سے کرتے تھے۔ پس انہوں نے مکہ کے بیوقوفوں سے سن لیا ان کو یہ کہتے ہوئے کہ محمدؐ مجنوں ہیں تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس آدمی کو دیکھوں تو شاید اللہ میرے ہاتھ سے ان کو شفا دے فرمایا پھر وہ آپ سے ملے پس کہا اے محمدؐ میں جنوں کی ہوا سے جھاڑ کرتا ہوں کیا آپ کو بھی یہ ماننا ہے؟ (یا میں علاج کروں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تم کو اللہ کے لئے ہے ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی

عن ابن عباس قال ان ضامدا قدیم مکة وکان من ازد شنودة وکان یرقی من هذا التریخ فسمع سنهاء اهل مکة یقولون ان محمدا مجنون فقال لوانی رأیت هذا المجل لعل الله یشفیہ علی یدای قال فلتقیہ فقال یا محمد انی ارقی من هذا التریخ فهدى له فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الحمد لله نحمده ونستعینہ من یجدہ الله فلا مضل له و من یضللک فلا هادی له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و اشهد ان محمدا عبده ورسوله اما بعد فقال اهدنی علی کلمات ھدی لا یر فاعاد ھن علیہ رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث مرات و فقل لقد سمعت قول الکھنۃ و قول السحرة و قول الشعراء فما سمعت مثل کلماتک ھذی و لقد بلغن قاموس البھرات

قال فبايعه دیتا ہوں کہ تمہارا اس کے بندے اور رسول

(رداء مسلم) ہیں۔ اس کے بعد حضرت مہمو نے فرمایا میرے سامنے یہ کلمات دہرائیے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کا تین بار اعادہ کیا۔ پھر انہوں نے فرمایا میں نے کاتبوں کے اقوال بھی سن رکھے ہیں اور لوگوں کی باتیں اور شعراء کی باتیں بھی سنی ہوئی ہیں لیکن میں نے آپ کے کلمات کی طرح کے کلمات نہیں سنے۔ ہم ہر گز سمندر کی گہرائی جیسی جامع باتیں پہنچ گئیں۔ لائیے اپنا ہاتھ میں اہلہم پر آپ کی بیعت کر دوں گا۔ فرمایا پھر نبی اکرم نے ان سے بیعت لی۔

نبی اکرم نے جب پوری تندرہا سے اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو ابتدائے میں جب کفار کو زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ اور وہ حضور کی اس محنت اور تندرہی کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ مجنون ہیں ان کو جنون ہو گیا ہے (فصوہ باللہ من ذلک) چنانچہ سورہ قلم کی دوسری آیت میں فرمایا: مَا أَنتَ بِمُعْجِزٍ رَبِّکَ بِمُعْجِزٍ ۝ آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون ہو گئے نہیں یہ بات یاد رکھو جب نبی اکرم کی دعوت آگے بڑھی اور اس کا ہدف عیال ہوا تو کفار آپ کو اس طرح مجنون نہیں کہتے تھے بلکہ خدیو تشدد پر اتر آئے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ جو کہہ کر بیوقوفوں کی زبان سے ادا ہوئے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعہ ابتدائی کمی دور کا ہے۔

عرب کے معاشرہ میں دو دوست جب کوئی معاہدہ کرتے یا کسی معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس قول کو پختہ کرتے۔ بالکل اسی معروف طریقے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام میں برقرار رکھا اور اس کی توثیق (Sanction) فرمائی۔ ظاہر بات ہے کہ جب دو آدمی ایک جھوٹے سے دنیاوی معاملے میں ہاتھ میں ہاتھ دے کر قول و قرار لیتے ہیں تو غلبہ دین حق کی بدوجہ جیسے اہم معاملہ میں کیوں نہ یہ عمل کیا جاتا۔ یہ ہی حضور کا عمل ہے جو مسنون ہے۔ (ریاض الحق)

نام اور شخصیت

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نام انسان کی شخصیت و کردار پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم نام اچھے رکھیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی شخص یا مقام کا نام برا دیکھتے تو تبدیل کر دیتے اور ایک بچے کے اپنے والدین پر جو متوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کا نام اچھا رکھا جائے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ

نام عبداللہ، عبدالرحمن اور عبدالعزیز ہیں یعنی جن ناموں کی نسبت عبودیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگائی جائے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے اچھے نام رکھے آپ کے ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا، جس کا لقب طیب و طاهر تھا اور آپ کے پہلے بیٹے کا نام قاسم تھا جس کی نسبت سے نبی کریم ابوالقاسم کنیت فرماتے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کنیت رکھنا بھی سنت محبوب الہی ہے۔

نام نہ صرف اس آدمی کے بلکہ اس شخص کے والدین کے خیالات و معتقدات کے ائینہ دار ہوتے ہیں۔ اکثر جب ہندوستانی حضرات سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے دین کا پتہ نہ ہو کہ یہ کس دین کے پیروکار ہیں تو دین معلوم کرنے کا مناسب طریقہ نام پوچھ لینا ہے۔

لوگوں کی طرح لڑکیوں کے بھی اپنے نام رکھنے کا ہنسیں۔ نبی کریم نے اپنی بیٹیوں کے نام بہترین تجویز فرمائے یعنی زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔ اور مرد کی طرح عورت کے نام کی بھی نسبت اس کے والد کی طرف ہوتی چلے۔ ہمارے معاشرے میں ایک غلط سوچ رواج پا گئی ہے کہ شادی کے بعد عورت اپنا نام تبدیل کر کے خاوند کے نام سے بلا لیتی ہے یہ طرز عمل سرسمرغیر اسلامی ہے۔ اور انگریزوں کی تقلید ہے۔ اسلامی لحاظ سے مثلاً ایک عورت کا نام رقیہ ہے اور اس کے والد کا نام عبدالکحیم ہے تو یہ رقیہ بنت عبدالکحیم کہلائے گی۔ اور شادی کے بعد بھی اس نام سے پکاری جائے گی، اور خاوند کا نام اس کے نام کا حقہ نہیں بن جائے گا۔ عورت کے نام کے ساتھ اس کے باپ کا نام بہنے کی وجہ سے اس کا اپنا شخص مجروح نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے خاوند کا نام بھی برقرار رہے گا اور پھر دوسری نہایت تکلیف دہ وہ صورت حال ہوتی ہے جب ایک عورت کسی سے شادی کرنے کے بعد اپنا نام تبدیل کر لیتی ہے اور اگر بعد از خواستہ طلاق ہو جائے تو اس کا نام تبدیل کرنا ایک مسئلہ بن جاتا ہے، کراچی میں قیام کے دوران مجھے ایک ایسی لیڈی ڈاکٹر کی کیفیت یاد ہے کہ جو شادی کے بعد اپنا نام تبدیل کر کے مسز فلان ہو چکی تھیں۔ اب ان کو طلاق ہو گئی ہے۔ لیکن وہ بدستور اسی نام سے معروف تھیں۔ اب جو شخص بھی ان کو اس نام سے پکارتا تو وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی کیونکہ اب ہر شخص سے جھگڑنا اور نام تبدیل ہو جانے کی وجہ سے ایک اچھا خاصا مشکل کام تھا۔

جہاں جہاں بھی سوشلسٹ انقلاب آیا تو انہوں نے سب سے پہلے ریکوشن کی کہ مسلمانوں کے نام تبدیل کر دیے جائیں تاکہ ان کا معنی سے رشتہ کٹ جائے۔ روس کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے نام بھی بالکل تبدیل ہو گئے ہیں اور البانیہ میں تو باقاعدہ قانونی طور پر اسلامی نام رکھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

بعض اوقات اکثریت میں بہتے ہوئے اقلیت بھی اپنے ناموں کا شخص ٹھہرتی ہے۔
جیسے ہندوستان کے صوبہ کیرالا کے ایک شخص کو نہیں جیسا کہ غیر مسلم سمجھتا ہے کہ چونکہ اس کا نام پریت
ہا۔ لیکن بعد میں واضح ہوا کہ وہ دراصل مسلمان ہے اور اس کا اصلی نام فرید ہے جو عدم
حرکت کی وجہ سے پریت بن گیا ہے۔

تاہم ہر معاشرے میں کچھ نام بوجہ زیادہ رواج پاتے ہیں۔ مثلاً سعودی عرب میں زیادہ
ام عبداللہ، عبدالعزیز اور عبدالرحمن وغیرہ ہیں یا پھر سعود، فہد اور خالد زیادہ نام ہیں، جبکہ
اس کے لکس میں زیادہ تر نام حسین، علی اور حیدر کے سابقہ لائق کے ساتھ ہیں۔ جیسے غلام علی،
ام حیدر اور غلام حسین اور اسی طرح خادم علی غلام حسین وغیرہ اور بعض اوقات غلام محمد اور
ام خورش بھی نام رکھے جاتے ہیں لیکن یہ نقطہ قابل غور ہے کہ ہمارے ہاں غلام حدیث، غلام خدوق
غلام عثمان یا پھر خادم حدیث، خادم خدوق اور خادم عثمان ایسے نام بہت ہی قلیل بلکہ بالکل
بر ہیں۔ اور یہ نام بھی بہت کم رکھے جاتے ہیں جو حدیث شریف میں اللہ کے محبوب نام
ٹھے گئے ہیں جن کی نسبت محمدویت اللہ کی ولایت بابرکات کی طرف ہو۔

کچھ ایسی ہی صورتیں عورتوں کے ناموں کی نسبت بھی ہے کہ ان کے نام بھی غلام
یا غلام زہرا اور غلام سکینہ تو بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن غلام عائشہ یا غلام خنص بہت
معدوم ہیں۔

ہمارے معاشرے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ہم مرکب نام رکھنے کے عادی ہیں
اس طرح ایک شخص کے تین تین نام ہو جاتے ہیں جیسے مثال کے طور پر میرزا نام ریاض حسین
ہا ہے جبکہ سعودی عرب میں ایک ہی نام رکھا جاتا ہے اور سعودی معاشرے میں میرزا نام
ن اور حسین میرے والد محترم کا نام شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں پر کسی آدمی کے نام کے
تے اس کے باپ دادا کا نام بھی عموماً لکھا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص پھر اس کا نام محمد عبداللہ خدوق
الرشیدی لکھے گا تو اس سے مراد اس کا نام محمد اس کے والد کا نام عبداللہ اس کے دادا کا
ا خدوق اس کے پردادا کا نام علی اور اس کا خاندان رشیدی ہوگا اس طرح اپنا سلسلہ
سب یاد رکھنا بھی بہت آسان ہے جبکہ ہمارے ہاں بہت ہی کم لوگ ہیں جو اپنے پردادا
وہ کا نام جانتے ہیں پھر ہندوستان کے تو کچھ ملے ایسے بھی ہیں جہاں والد کا نام اس
اپنے نام سے پہلے لکھا جاتا ہے جیسے مثلاً عبدالقادر مودین کجور تو اس میں اس شخص کا نام
یزید ہے اور اس کے والد کا نام عبدالقادر ہوگا۔

ماحول اور مکان بدل جانے سے بھی بعض اوقات ناموں کے سلسلے میں دشواریاں پیش

اجاتی میں جیسے ہمارے ایک دوست کا نام اللہ دتہ ہے جو کہ سعودی عرب کے لحاظ سے
بے غیر معقول نام ہے کیونکہ یہاں ایک شخص کا ایک ہی نام بکھا جاتا ہے اور اس قاعدے
کے لحاظ سے اس کا نام صرف اللہ بن جاتا ہے اس لیے اس کو ہمیشہ اپنے نام کی تشریح کرنی
پڑتی ہے۔ کہ اس نام کا عربی ترجمہ عطاء اللہ ہے اور عربی میں بندہ نام بھی لکھا جاتا ہے جو
ہمارے لیے عجیب ہے۔

ہمارے ہاں کے مرکب نام ہونے سے مزید کئی اشکال بھی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے کئی
زیباقی اپنے نام پیراں دتہ بھی رکھ لیتے ہیں یا پھر نذر عباس، نذر حسین ایسے نام بھی رکھے
جاتے ہیں اور پھر کلب عباس اور کلب حسین تک بھی نام سنے گئے ہیں۔ یہ نام اپنے
معنوں کے اعتبار سے غلط نظر ہیں۔

بعض اوقات نام اتنے لمبے بھی ہو جاتے ہیں کہ پھر پورا نام کہنے میں دشواری سے
پنچنے کے لیے صرف مختصات ہی لکھ دیے جاتے ہیں جیسے ایک صاحب اپنا نام کے بی ایس
ے حسین خان (K. P. S. A. Hussein Khan) لکھا کرتے تھے جب پورا
نام دریافت کیا گیا تو پتہ چلا کہ پورا نام تو خاک پائے ستم اسپ حسین خان ہے۔ یعنی حسین
کے گھوڑے کے پاؤں کی خاک۔ ہمارے لیے بے ناموں کے بارے میں مجھے سید ضمیر جعفری
کا وہ دلچسپ شعر یاد آ رہا ہے۔

نام جو پوچھا تو چھ سطروں میں نام آتا نہیں

کام جو پوچھا تو کوئی خاص کام آتا نہیں!

بعض مالک میں یہ رواج بھی پایا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص حج کرنے چلا جائے تو اس
کے نام کے ساتھ نفقہ حاجی کا سابقہ لگا دیا جاتا ہے بلکہ سوڈان میں تو اگر کوئی حج والے دن پیدا
ہو تو اس کا نام ہی الحاج رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ حج بھی تو اسلام کا اسی طرح رکن ہے جیسے نماز۔
پھر اگر کوئی نماز صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے تو اس کے نام کے ساتھ ”نمازی“ کا سابقہ نہیں
لگایا جاتا اور یہ معاملہ صرف حج تک ہی محدود کیوں ہے؟ حالانکہ حج تو اہلیت ہونے کی بناء
پر فرض ہے لیکن نماز ہر مائل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ (ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ)

(پیش کردہ افکار و ادراے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں ہے)

ٹینٹ اور تربالے

بنانے کا منت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



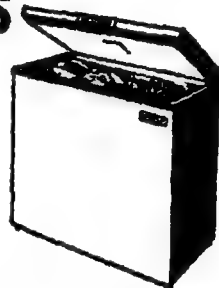
AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS



NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

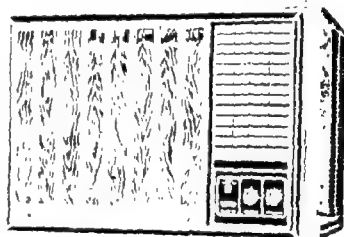


CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1 1/2 Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto
Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.



Available at all



Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avoid free after Sales Service



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 525151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDDEBT" TELEX 25186 WHITCO PK

پاکستان کی کھلی فضاؤں میں



=====

عَنْ النَّبِيِّ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قال

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لَاحِيَهُ مَا
يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہا الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت
تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے
بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے
لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

مپل روڈ سوہا بازار

۳۱۱۴۳۰ — ۳۰۲۳۳۳ ۶۲۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر

اے وحید

=====

THE ORIGINAL



Have a Coke and smile.

"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE MAIN PRODUCTS OF THE COCA-COLA COMPANY.

paragon &

Industrial
Precast

Please contact us for your
requirements big or small

IZHAR LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of



mukhtarsons
group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

”اظہار لیٹڈ کے تیار چھتیں“

and the first & only producers of Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan

Head Office

P.O. Box 1088, Lahore-1.

Branch Office

P.O. Box 1088, Lahore-1.

نشر القرآن

کی نئی کیسٹ سیریز
قرآن حکیم کے منتخب نصاب
پر مشتمل درس قرآن کے

۳۰ کیسٹ (سی۔ ۲۰-۵۰-۴۰)

کی قیمت / ۹۰۰ روپے ہے۔

خواہش مند حضرات / ۹۱۰ روپے

بذریعہ بینک ڈرافٹ / منی آرڈر

نشر القرآن کے نام بھیج کر

کسٹس حاصل کر سکتے ہیں۔



درس قرآن

نشر القرآن
کیسٹ سیریز
تظیم اسٹ
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۹۱۱

طالبان علم قرآن حکیم متوجہ ہوں

دورۂ ترجمہ قرآن کے کیسٹ

موجودہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

برپارہ کھتوں سے قل ان میں پڑھے جانے والے حصہ قرآن

اور آیات اور سورتوں کا باہمی ربط بیان فرمائیے ہیں۔ جسے سی۔

۴۷ کیسٹوں میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پورے سیٹ کی قیمت / ۱۴۷۵ روپے

ڈاک خراج ادارہ کے ذمہ ہوگا۔ خواہشمند حضرات اپنے آرڈر جلد بک

نشر القرآن کیسٹ سیریز میں ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی مطبوعات میں
ایک اہم اضافہ



سائنس کی کیرلا

۱۹۷۰ء

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک اہم ترین جین کا پہلا
ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا،
دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

صفحات — ۴۸

قیمت: ۳ روپے مرن

میںے کا پتہ

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون ۸۵۲۹۱۱-۱

ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط رواں

اور دیر پا

اسٹین لیس

اسٹیل کی

اریدیم ٹیڈنٹ

کے ساتھ

ہر جگہ دستیاب

آزاد فرنیچر اینڈ کپنی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



الحمد لله
ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ برسوں کی طرح ۱۳، ۱۹۹۲ء کے مہینے
 جن میں مذہبی برآمدگی اور ملین دین کے لیے گزشتہ مہینے نے فی ایشین آف
 پاکستان جیمبوز آف کاؤرس اینڈ اسٹڈی کی جانب سے ہم آہنگی پر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

یہ انی پنج جنرل محمد نیا، اہل حق صاحبہ پاکستان نے یہ بڑا بڑا قریب میں اپنے ہاتھوں سے میں ملاحظہ فرمائی۔

ہمیں خیمے، تریپالین اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سبب

سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سترلیٹڈ



تلفون: ۳۰۹۶۹۹-۳۰۹۶۹۸، شاہی محلہ، جسکی
44543 NOOR PK

۹۱۹-۹۱۸: در میان چینیان، است. باقی در یونان

25480 NOOR PK. تارپاؤن ۲۵۴۸۰-۲۵۴۸۰ فون

رقے گیسے کا ضیاع روکیے

ہے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیسے بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر ضروریات ہیں۔ ہم توانائی کی بچائیے۔
برقی کی بجائے ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی بچائیے۔
پڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائیے ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام



قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجیے

سوئے ناردرن گیس پائپ لائنز



دارالکتاب
 دارالکتاب
 دارالکتاب

دارالکتاب
 دارالکتاب
 دارالکتاب

۱۳۹۷/۱۱/۱۷

بیات
 بیات
 بیات



دارالکتاب
 دارالکتاب
 دارالکتاب

مرکزی مکتبہ تنظیم برائے
 مرکزی مکتبہ تنظیم برائے
 مرکزی مکتبہ تنظیم برائے

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
BUTTER, MILK, CREAM, ICE-CREAM, ETC.,
CONDENSED MILK, STERILIZED MILK,
Etc., Etc.,



HEAD OFFICE

10, THE TOWER, CANTONMENT, CALCUTTA

MANUFACTURING WORKS, CHANDLER ROAD, CALCUTTA

SOLE AGENTS FOR INDIA, BURMA & CEYLON
SIDDHANTH & CO., LTD.

پشاور

جلد ۳۳ شمارہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۲ ہجری مطابقت ستمبر ۱۹۸۲ء

مشمولات

● عرض احوال ————— ۳

جیل الرحمن

● الہدیٰ راضیہ ویس نشست، ۹

ڈاکٹر اسرار احمد

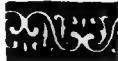
● قرآن کے نام پر اٹھنے والے [۴۴]

تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات

ڈاکٹر اسرار احمد

● جہاد بالقرآن ————— ۶۳

ڈاکٹر اسرار احمد



ادارہ تحفہ

شیخ محمد بن عبد الرحمن

عزیز اللہ سیفی

سالانہ زرقعہ

۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

صحت جدید شائع ہمارے جہاد لاہور

مکتبہ تحفہ

ضابطہ: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ واؤٹ سنڈل
نزد آرام باغ، شاہراہ قیامت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ

۲۱۴-۰۹

آئندہ ماہ کے دوران امیر تنظیم اسلامی کی متوقع مصروفیات

- ۳ ستمبر - بعد دوپہر - روانگی از لاہور برائے اسلام آباد۔
- ۴ ستمبر - بعد نماز مغرب - درس قرآن کیونٹی سنٹر اسلام آباد (آئیہ پیر)
- ۴ ستمبر - اجتماع خصوصی رفعتی تنظیم اسلامی راولپنڈی اسلام آباد (غیری لینڈ ٹائی سکول راولپنڈی)
- ۵ ستمبر - شام - خطاب عام - غیری لینڈ ٹائی سکول۔
- ۵ ستمبر صبح - نشست برائے سوال و جواب - غیری لینڈ ٹائی سکول۔
- ۶ ستمبر - دوپہر - روانگی از راولپنڈی۔
- ۶ ستمبر - ظہر تا عصر - خطاب عام - گوجر خان۔
- ۶ ستمبر - رات - خطاب عام - جلال پور جٹاں (امکان ہے)
- ۹ ستمبر تا ۱۱ ستمبر - کراچی میں قیام اور مختلف دعوتی پروگرام ہوں گے۔ ۱۱ ستمبر کو رفعتی تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماع خصوصی ہو گا۔ کراچی میں قیام کے دوران تفصیلات کے لئے جناب عبدالواحد عام صاحب قیم تنظیم اسلامی کراچی سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے (فون ۲۱۴۷۰۹)
- ۱۴ ستمبر بعد از عشاء - خطاب عام - عالی مسجد ملتان روڈ۔ لاہور۔
- ۱۶ ستمبر - بعد دوپہر - روانگی برائے پشاور۔
- ۱۷ ستمبر - شام - خطاب عام - گرین ہوٹل پشاور۔
- ۱۸ ستمبر - قبل از دوپہر - نشست برائے سوال و جواب
- ۱۸ ستمبر - اجتماع خصوصی تنظیم اسلامی پشاور۔
- ۱۹ ستمبر - بعد از دوپہر - روانگی برائے دیر - سوات۔
- ۲۰ ستمبر شام تا ۲۱ ستمبر دوپہر - قیام دیر - سوات۔
- ۲۰ ستمبر شام - واپسی لاہور۔
- ۲۱-۲۲-۲۳ ستمبر بعد از نماز مغرب - جامع مسجد صدر بازار لاہور چھاؤنی - رفعتی تنظیم اسلامی لاہور کے لئے تربیتی اجتماعات۔
- علاوہ انہیں حسب معمول مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں قبل از نماز جمعہ خطاب عام اور جمعہ بعد از نماز مغرب جامع مسجد باغ والی نزد گمانس منڈی شاہ عالم مارکیٹ لاہور اور سہتہ بعد از نماز مغرب قرآن اکیڈمی لاہور میں تنظیم اسلامی لاہور کے اجتماعات میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اب نشاء اللہ

عرض احوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ذو الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۴ء کا یہ شمارہ عید الاضحی سے قبل قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی کے خطاب ”جہاد بالمشہد آن“ کی دوسری اور آخری قسط کے ساتھ ہی موصوف کا وہ مکمل خطاب جمع بھی شامل ہے جو ۲۹ رمضان المبارک کو ”قرآن کے نام اٹھنے والی تحریکیں اور علماء کرام کے خدشات“ کے عنوان سے کیا گیا تھا۔ یہ دونوں خطاب نہایت توجہ سے مطالعہ کے متقاضی ہیں۔ قارئین کرام کو عید الاضحی کی تعطیلات کے باعث یقیناً معمول سے کچھ زیادہ فرصت مہیا ہوگی لہذا ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ گزشتہ شمارے میں شائع شدہ ”جہاد بالقرآن“ کی پہلی قسط اور موجودہ شمارے میں شامل قسط نیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے ۲۹ رمضان والے خطاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرمائیں۔

”جہاد بالقرآن“ کے موضوع پر خطاب کے دوران ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا تھا کہ ”میں ان باتوں کو اہل علم کے سامنے ان کی تائید و توثیق یا اصلاح کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ میں قرآن کا ادنیٰ طالب علم ہوں، مجھے اہل علم سے رہنمائی حاصل ہونے پر دلی مسرت ہوگی۔ میں خلوص دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر میری غلطی واضح کر دی جائے تو میں سر تسلیم خم کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہیں کروں گا۔ بلکہ غلطی کسے نشان دہی کرنے والے صاحب کا صمیم قلب سے احسان مند ہوں گا۔“ ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس پیش کش کے پیش نظر قارئین یشاق اور بالخصوص ان اہل علم و دانش کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے جن کی خدمت میں یشاق پہنچتا ہے یا جن کی نظر سے گزرتا ہے کہ وہ ان دونوں خطابات کے متعلق اپنی مفید تبصرے، مشورے اور آراء سے ہمیں اور ڈاکٹر صاحب کو مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرمائیں۔ ان خطابات کے طرز اسدلال

وامتشاف اور مضامین و مباحث میں کتاب سنت کی رو سے کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی دلائل کے ساتھ ضرور نشان دہی فرمائیں۔ ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر صاحب موصوف ان پر کھلے دل سے غور فرمائیں گے اور اگر مطلع کردہ غلطی پر مطمئن ہو گئے تو اس کا برملا اظہار و اعلان بھی کر دیں گے۔ نیز ضرورت متقاضی ہوئی تو موصول شدہ آراء کو 'میتاق' میں شائع کرنے پر بھی غور کیا جائے گا۔

ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ملک کی معروف دینی درسگاہوں اور علمائے عظام نیز اعلیٰ دانش و نیش کے مکمل پتے حاصل کر کے اگست و ستمبر کے شمارے ان کی آراء کے حصول کے لئے ان کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ اس ضمن میں ہمیں 'میتاق' کے قارئین سے یہ تعاون و ہکار ہے کہ وہ اپنے علاقے کے مشہور و معروف علمائے کرام کے مکمل نام پتے سے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اگر ان حضرات گرامی کے اسمائے گرامی ہماری مرتب کردہ فہرست میں شامل نہ ہوں تو ان حضرات کی خدمت میں بھی یہ شمارے ارسال کئے جاسکیں۔ قارئین کرام کا یہ تعاون انشاء اللہ تعاون ملی البر کے ذریعے میں شمار ہوگا۔

ان دونوں خطابات کی طوالت کے باعث میتاق میں قطعہ دار شائع ہونے والے اور چند دوسرے مضامین شامل اشاعت نہیں کئے جاسکے۔ جس پر ہم قارئین سے معذرت خواہاں ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز یہ مضامین آئندہ شمارے میں شامل ہوں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی شمالی امریکہ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا) کے بعض شہروں اور ساتھ ہی برطانیہ کے دعوتی دورے سے ۱۳ اگست کو بحمد اللہ بخیر و عافیت مراجعت ہو گئی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ اس دورے میں محترم ڈاکٹر البصائر ڈاکٹر کیتر قرآن الکیڈمی بھی امیر محترم کے ہم سفر تھے۔ موصوف سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس دورے کی حقیر لیکن جامع روداد 'میتاق' کے لئے تحریر فرمادیں۔ اگر شیت الہی سے یہ کام تمکمل پا گیا تو یہ روداد ان شاء اللہ 'میتاق' کے قارئین تک پہنچ جائیگی۔

ہمارے دین میں خوشی کی دو تقاریب (تہوار) مقرر ہیں جن کے لئے اسلامی اصطلاح "عید" ہے۔ ان "عیدین" کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فرض عبادات سے

متعلق فرما دیا ہے۔ عید الفطر کا تعلق روزے کی فرض عبادت کی تکمیل اور عید الاضحیٰ کا تعلق فریضہ حج کی ادائیگی سے ہے۔ حج اور عید الاضحیٰ۔ یہ دونوں شعائر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کے گرد گھومتے ہیں۔ حج کا رکن رکین تو وقوف عرفات ہے اس کے علاوہ سورۃ حج میں دو بنیادی ارکان کا ذکر ملتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور دوسرے طواف بیت اللہ شریف کا۔ کون نہیں جانتا کہ حج ارکان اسلام میں سے صلوٰۃ، زکوٰۃ اور صوم تینوں فرض عبادات کی روح کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لیکن ارکان حج صرف مقررہ تاریخوں اور دنوں میں صرف ارض مقدس کے مقررہ مقامات پر ہی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ جس میں مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کی شرط موجود ہے۔ اب تو اس میں حکومت کے مقرر کردہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے کی شرط بھی شامل ہو گئی ہے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ حج کے ارکان میں سے ایک اہم رکن قربانی بھی ہے۔ لہذا 'قربانی' کے عمل کو کتاب و سنت نے اتنی وسعت و توسیع دی ہے کہ وہ نئے زمین پر بسنے والا ہر ذی استطاعت مسلمان اپنے اپنے مقامات پر مقررہ دنوں میں جانوروں کی قربانی پیش کر کے حج کے ایک اہم رکن کی ادائیگی میں شریک ہو کر اللہ کی رحمت، برکت اور مغفرت میں سے حصہ لے لے۔ پھر دنیا بھر میں جانوروں کی قربانی کی ایک اہم حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمان ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتلاء و آزمائش سے پُر زندگی کی سب سے بڑی آزمائش کی سنت میں شریک ہو جائیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے راہ میں اپنی عزیز اور محبوب ترین چیز کو قربان کرنے کا جذبہ۔ فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ میں بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ قربانی کی حکمت معلوم کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی طرف سے حضورؐ سے سوال کیا گیا: مَا خُذَ بِالْاِضَاحِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔ "اے اللہ کے رسول! ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟" جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَنَةِ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيْمَ "یہ تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی سنت ہے" اس کی تعبیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ایک خطاب میں کی ہے یہ خطاب مطلوبہ شکل میں موجود ہے، اس کے دو اقتباسات کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جن سے قربانی کی حکمت اور ایک پیغام بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔

”یہ قربانی، اس عظیم اُشان واقعہ کی یادگار ہے کہ جس میں ایک سو سالہ بوڑھے باپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر جو نوجوانی کے دور میں قدم رکھ رہا ہے، چھری پھیر دی تھی جو گویا کہ اللہ کے راہ میں قربانی کی آخری صورت ہو سکتی ہے کہ اپنی محبت اپنے جذبات اور اپنے احساسات کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے قربان کر دیا جائے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو اس لحاظ سے نوع انسانی کی تاریخ کی ایک عظیم علامت۔ (Symbol) بن گیا ہے اور اس طرح یہ قربانی ہمیشہ کے لئے شعائرِ دین میں شامل کر دی گئی ہے۔ یہ اس قربانی کی روح کو بیدار اور برقرار رکھنے کا بھی ایک اہم ذریعہ بن گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک بندہ مؤمن سے مطلوب ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یادگار ہے جو ہر سال منائی جاتی ہے؟

اسی خطاب کے آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کو ان الفاظ میں ان کا فرض

یاد دلاتے ہیں :

”ہمارے لئے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ہم سوچیں، غور کریں اور اپنے اپنے گریبانوں میں سمجھیں۔ کیا واقعتاً ہم اللہ کی راہ میں اپنے جذبات و احساسات کی قربانی دے سکتے ہیں! کیا واقعتاً ہم اپنی محبوب ترین اشیاء کی اللہ کی راہ میں قربانیاں دے سکتے ہیں! کیا واقعتاً ہم اللہ کے دین کی خاطر اپنے وقت کا ایثار کر سکتے ہیں! چونکہ یہ زمانہ *Time is Money* کا ہے — کیا ہم اپنے ذاتی مفادات کو اللہ اور اس کے دین کے لئے قربان کر سکتے ہیں! اپنے علائقِ دنیوی، اپنے رشتے اور اپنی محبتیں اللہ کے دین کی خاطر قربان کر سکتے ہیں! اگر ہم یہ سب کر سکتے ہیں تو عیدِ انہمی کے موقع پر قربانی بھی فوڈ علی فوڈ — اور اگر ہم اللہ کے دین کے لئے کوئی ایثار کرنے کے لئے تیار نہیں تو جانوروں کی یہ قربانی ایک خول اور ڈھانچہ ہے جس میں کوئی روح نہیں ہے۔

رہ گئی رسم اذکار روحِ ہلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلقینِ مغزالی نہ رہی
 جانوروں کا ذبح کرنا رہ گیا ہے۔ اس میں جو روحِ ابراہیمی تھی وہ
 موجود نہیں ہے۔ اس نقطہ نظر سے ہم میں سے ہر شخص کو اپنے دل کو
 ٹھونکنا چاہئے کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ میری زندگی سنتِ ابراہیمی کے
 مطابق ہے یا نہیں! اگر ہے تو جانوروں کی قربانی کی بھی ہماری زندگی
 کے ساتھ ایک مطابقت ہے۔ اگر نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ نیم
 کے درخت پر ثمرِ بہشت کا ایک آم لاکر ہم نے دھاگے سے باندھ دیا
 ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا! — اس سے وہ درخت آم کا نہیں ہو
 جائے گا۔ وہ تو نیم ہی کا درخت ہے اور وہی رہے گا۔ ہماری جو
 کیفیات بالفعل ہیں وہ تو یہی ہیں کہ ہم نے نیم کے درختوں پر اھرام
 سے کچھ آم لاکر ٹانگ لٹے ہیں اور جس طرح ہم نے دین کے دوسرے
 بہت سے حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، اسی
 طرح قربانی کی اصل روح بھی ہمارے دلوں سے غائب ہو چکی ہے اور
 اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک ایک رسم کی ہے اور اکثر کے
 نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی — یہی وجہ ہے کہ اگرچہ
 ہر سال پندرہ بیس لاکھ سے بھی زائد کلمہ گوچ کرتے ہیں اور بلا مبالغہ
 پورے کڑھ ارض پر کروڑوں کی تعداد میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع
 پر قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی
 رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ے

رگوں میں وہ لبو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
 نساہ و نوزہ و قربانی و حج یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے
 یعنی اللہ کا تقویٰ مسلمانوں میں کم یا بکلی عفا شدہ بن کر رہ گیا ہے۔
 ضرورت اس امر کی ہے کہ اس طرف عقل و شعور کے ساتھ ہم میں اس
 بات کی طلب پیدا ہو کہ ہم متوجہ ہوں کہ معلوم کریں کہ کل روحِ دین
 کیا ہے!

روح قربانی کیا ہے! جس کا ایک نمونہ اور جس کی ایک یادگار ہم ہر سال جانوروں کی قربانیوں کی شکل میں مناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی اصل حقیقت کا فہم عطا فرمائے اور ہمیں ہمت دے کہ ہم واقعاً اپنے مفادات، اپنے جذبات، اپنے احساسات اور اپنی ہمتیں ان سب کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر قربانی کر سکیں۔ اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اصل روح قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کر لیں اور عید قربان پر جب اللہ کے نام پر جانور کی قربانی کریں اور اسے ذبح کریں تو ساتھ ہی عزیمت بھی کر لیں کہ ہم اپنا تن من وھن، اس کی فضا کے لئے، اس کے دین کی سر بلندی کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

گویا بقول شاعرؒ میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے
اور بغوائے الفاظ قرآنی: اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُسْلِمِيْنَ۔

اختتام پر ایک فروری گذارش یہ ہے کہ اسلامی اصطلاحات کا بے دریغ دوسری چیزوں کے لئے استعمال کسی طرح صحیح نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک یہ عمل آخرت میں مؤاخذہ رب العزت کا سبب بن سکتا ہے "عید" کی اصطلاح اصلاً اسلامی اصطلاح ہے اور اہل کا اطلاق انہی تقاریب پر درست ہے جو ہمارے دین میں مقرر ہیں۔ اس معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور فروری ہے کہ دوسری تقاریب کے لئے "عید" کی اصطلاح استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ اسی موقع پر ہم اپنے ان دینی جاثیلوں اور بزرگوں کی خدمت میں ہنایت دل سوزی سے عرض کریں گے جو ایک مخصوص انداز کی تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے یا ملکی قومی انتخابی مہمات میں حصہ لینے یا فحشی و کلامی تعبیرات کے اختلافات کے ضمن میں جلسہ و جلوس میں شرکت کرنے کو بدروا وعدو زمین کے معرکوں میں شرکت قرار دیتے ہیں۔ کہاں علانے کلمہ اللہ کے لئے جان نثاری کے وہ معرکے اور کہاں یہ چیزیں!! — توقع ہے کہ متعلقہ بزرگ اس گذارش پر بخیرگی سے غور فرمائیں گے۔ جزاہم اللہ خیراً

۱۰ (اٹھارھویں نشست) جی

(مباحث ایمان - درس سہمیں ثالث)

نور ایمانی کے اجزائے ترقیبی:

نور فطرت اور نور وحی

سورہ نور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیوژن کے دروس کا سلسلہ

(۲)

السلام علیکم - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اقام بعدہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

فَبِئْسَ بُيُوتٌ اُولٰٓئِكَ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيْهَا

بِالْعُدُوِّ وَالْاَصْحٰلِۃِ رِجَالٌ لَا تُلٰٓئِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ مِّنْ وَّكُنَّ لِلّٰهِ وَ

اِقَامِ الْمَسْلُوۡةِ وَاٰتٰٓءِ الْاَزْكٰوةِ مِّنْ يَّخَافُوْنَ لَوْمَةً مِّنْ قَلْبٍ ذٰلِكَ الْقُلُوۡبُ

وَالْاَبْصَارُ لَا يَجْزِيْهُمْ اِلَّا اللّٰهُ اَحْسَنُ مَا عَمِلُوۡا وَيَمُرِّدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ

وَاللّٰهُ يَمُرِّدُكَ مِّنْ يَّشَآءُ وَيَغْيِرُ حِسَابَهُ ۚ هٰذَا الَّذِيۡ اَعْلٰنُ

”ان گھروں میں کہ جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے، ان

میں اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے بیع کرتے ہیں، صبح کے اوقات

میں بھی اور شام کے اوقات میں بھی، وہ جو ان مردودہ باہمت لوگ بغضِ غافل نہیں کر

سکتی کوئی تجارت اور کوئی سودا اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ

کی ادائیگی سے۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن کے تصور سے کہ جس دن الٹ جائیں گے دل بھی اور نگاہیں بھی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو جزا عطا فرماتے ان کے بہترین اعمال کی اور انھیں مزید عطا فرماتے اپنے فضل سے۔ اور اللہ عطا فرماتا ہے جس کو چاہے بلا حد و حساب: ﴿وَسَخَّرَ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَمْ يُغَيِّرْ شَيْئًا وَلَهُ يَوْمَ الْحُكْمُ﴾

محرم حاضرین و معزز ناظرین !

یہ سورہ نور کے پانچویں رکوع کی دوسری تیسری اور چوتھی آیات ہیں، جن کی ابھی آپ نے تلاوت اور ان کا ترجمہ سماعت فرمایا۔ اس رکوع کی پہلی آیت کے بارے میں پچھلی نشست میں بیان ہوا تھا کہ اس میں ایمان کی حقیقت، ایمان کی باہت، ایمان کی ایک نور سے مشابہت سے متعلق حقائق بیان ہوئے ہیں، اور یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ ایمان حقیقی کا مرکز اور محل و مقلم قلب الہی ہے۔

جیسا کہ پچھلی نشست میں عرض کیا گیا تھا کہ اگر ایمان حقیقی کا یہ نور فی الواقع کسی قلب میں پیدا ہو جائے تو اس کے اثرات اس کی پوری شخصیت میں، اس کے کردار میں، اس کی سیرت میں، اس کے رویہ میں اس کی دلچسپیوں میں ظاہر ہوں گے۔ اسی کا ایک نقطہ ہے جو ان آیات میں ہمارے سامنے آتا ہے جن کی آج تلاوت کی گئی ہے اور اس کا رواں ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ سامنے آئی کہ اس روئے ارضی پر خارجی اعتبار سے اس نور ایمانی کے سب سے بڑے مراکز مسجدیں ہیں۔ اللہ کے وہ گھر جن میں اہل ایمان ہر روز پراچ مہر جمع ہوتے ہیں۔ نور ایمانی کا یہ ارکان ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ ان گھروں میں خاص طور پر نمایاں نظر آتے گا جن کو بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک بہت ہی عمدہ اور پیارا قول ہمیں ملتا ہے ﴿وَهُوَ تَحْنِيتُ الْمَسَاجِدِ بَيُوتِ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا﴾۔ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور آسمان والوں کو لکھا ﴿تَحْنِيتُ النُّجُومِ﴾۔ اسی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں جیسے کہ زمین والوں کو ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نور ایمان کے سب سے بڑے مراکز اللہ کے یہ گھر ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں وہ نور ایمان پیدا ہو جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی دلچسپیوں کا سب سے بڑا مرکز مسجدیں ہوتی ہیں چنانچہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے اشخاص وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شہر کے دن میدانِ حشر میں خاص اپنے عرش کے سامنے تلے جگہ دے گا۔ جب کہ کسی کو بھی کسی اور جگہ سایہ میسر نہیں ہوگا۔ ان میں ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہوں گے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُخَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ۔ وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔ وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے۔ اس کے گھر بار کی ضروریات ہیں، کاروبار کی ضروریات ہیں، معاش کی ضروریات ہیں، دیگر خواجج ہیں، لیکن اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے جیسے بچل کو پانی سے نکال دیا گیا ہو۔ وہ ایک ضرورت ہے، ایک مجبوری ہے، جس کے تحت وہ مسجد سے نکلا ہے، ورنہ اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے اور وہ فخر رہتا ہے کہ جیسے ہی پھر اذان کی آواز آئے، وہ فوراً ایک کمر مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے۔

فِي بُيُوتِ أَذُنَ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ۔ مساجد کو بلند کرنے کا مفہوم کیا ہے۔ اس کے متعلق ایک راستے تو یہ ہے کہ اس کا مفہوم مجرد تعمیر کرنا ہے۔ تعمیر کے لئے بھی لغو خرچ کرنا یہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جیسے سورہ بقرہ میں آیا ہے: وَإِذْ يُرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسماعيلُ۔ ایک راستہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے تعلیم و احترام۔ مسجد کو ہر نوع کی گندگی اور نجاست سے پاک رکھنا اور ہر قسم کے لغو کاموں اور لغو گفتگوؤں سے بھی اسے محفوظ رکھنا۔ تو ایک تعلیم و احترام ظاہری ہے جیسے کہ بیت الحرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَحَدِّثْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) سے یہ عہدے لیا تھا کہ وہ میرے گھر کو پاک و صاف رکھیں گے طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور وہاں رکوع و سجود کے لئے آنے والوں کے لئے۔ پھر یہ کہ وہ نجاست، معنوی سے بھی پاک ہو، شرک کی آلودگیوں سے بھی پاک ہو: وَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔ مساجد صرف اللہ ہی کے لئے ہیں وہاں اسفل کے سوا کسی اور کو پکارنا جائز نہیں۔ ایک راستے یہ ہے کہ بستی میں مسجد کی تعمیر بلند رکھی جائے تاکہ وہ دور سے نظر آئے اور اسے اس بستی میں نمایاں معلوم ہو، وہ اس بستی کا مرکز بنوس ہو۔ عربی بڑی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اس کے اکثر الفاظ معانی و مفاہیم کا گنجینہ ہوتے ہیں۔ لہذا امیری راستے ہے کہ یہاں ترفیع میں یہ تینوں ہی مفاہیم شامل ہیں۔

آگے چلئے: فِي بُيُوتِ أَذُنَ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ۔ اور ان گھروں میں ذکر کیا جائے اسفل کے نام کا۔ یہاں ہمارے دین کی ایک جامع اصطلاح ذکر کا بیان ہوا۔ اس اصطلاح میں ہر نوع کا ذکر آگیا۔ نماز خود ایک ذکر ہے: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ نماز قائم کرو میرے ذکر امیری یاد کے لئے۔ پھر قرآن حکیم اپنے آپ کو الذکر اور ذکر ہی قرار دیتا ہے: إِنَّا نَحْنُ مَزْنَنُا

الَّذِينَ كَرُوا أَنَّا لَهُ لَحَائِفُونَ۔ اور: وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ النُّحْتُ وَمَوْظِعُهَا وَذِكْرُهَا
بِذَلِكَ مَبْنِيٍّ۔ قرآن خود کو تذکرہ بھی کرتا ہے: كَذَلِكَ تَذَكَّرُ — تجوی خود قرآن حکیم
ذکر کامل اور ذکر مجمل بھی ہے۔ ایک بڑی پیاری حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا: مَا اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسون سنة
بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتمهم الملائكة وذكرهم
الله فيمن عنده۔ ”جب کبھی بھی کچھ لوگ اللہ کے گروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں اسلئے
کی کتاب کے درس و تدریس اور افتاء و تقسیم کے لئے تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے۔ رحمت الہی ان کو
اپنے سامنے میں لے لیتی ہے۔ فرشتے ان کے گرد گھیر ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا طائر اعلیٰ یعنی
ملائکہ المقربین کی غفل میں ان کا ذکر فرماتا ہے کہ اس وقت میرے کچھ بندے میرے ایک گھر میں صرف میری
کتاب کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں؟

آگے چلتے: فِي بُيُوتِ اِذْنِ اللّٰهِ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا
بِالْخُشُوَّةِ وَالْاِحْصَالِہ ان گروں میں اس کی صبح کے وقت اور شام کے اوقات میں تسبیح کرتے ہیں۔
یہاں غنۃ مصدر ہے اس کی جمع نہیں ہوتی، قرآن مجید میں یہ ہمیشہ واحد آتا ہے۔ احوال احوال جمع الجمع
ہے۔ احوال کی جمع اصل اور اس کی جمع احوال۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ صبح کے وقت تو
فرض نماز ایک ہی ہے۔ لیکن سورج کے ڈالنے کے بعد سے یعنی شام کے اوقات میں چار فرض
نمازیں ہیں کہ جن کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ لہذا یہاں احوال آیا جس کے معنی ہیں شام کے اوقات۔
اسی کی طرف اشارہ ہے سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت مبارکہ میں: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ
إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ۔ سورج کے ڈالنے کے بعد سے لے کر نماز
کو تمام کردرات کے تاریک ہو جانے تک۔ اس میں فجر، عصر، مغرب اور عشاء چار فرض نمازیں
آگئیں۔ اور وَقُرْآنَ الْفَجْرِ سے صلوۃ الفجر مراد ہے۔ اس طرح پنجگانہ فرض نمازوں کا ذکر
ہو گیا۔ یہاں بھی یُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْخُشُوَّةِ وَالْاِحْصَالِ سے احوال مراد پنجگانہ فرض نمازیں ہیں، تبعا
جملہ مسنونہ تسبیحات بھی اس میں شامل ہیں۔ آج کے سبق کی پہلی آیت کی قدر سے تشریح و توضیح
یہاں ختم ہوتی۔

اب آگے چلتے۔ یہ کہ لوگوں کا ذکر ہے: رِجَالٌ لَّا تُلَاقِيهِمْ فِي تِجَارَةٍ وَلَا يَبِيعُ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ جو اس ہمت لوگ جنہیں نافع نہیں کر سکتی کوئی تجارت اور کوئی سودا۔

پہلے تو یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ رجال سے یہاں صرف مردوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ تنہا اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ پھر یہ کہ یہاں یہ لفظ کنایہ کے طور پر آیا ہے۔ مراد ہے باہمت لوگ۔ اس لئے کہ اس دنیا میں نہ معلوم انسان کے لئے کتنے PRESSURE، کتنے دباؤ کتنے موانع، کتنی توجہات، کتنی ترغیبات، کتنی Temptations ہیں جن سے اسے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر وہ اللہ کے ساتھ کوٹھائے رکھنا چاہتا ہے تو اسے بڑی کشمکش سے سابقہ پیش آتا ہے، لہذا اللہ کی یاد سے قائل نہ ہونے کے لئے بڑی مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے، کیس تجارت آپ کو اپنے اندر گم کرے گی۔ اب اس لفظ گم سے مجھے علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آیا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق
کیس مومن دنیوی مشغولیتوں، مصروفیتوں اور دلچسپیوں میں گم ہو جائے گا۔ لہذا میں فرمایا گیا کہ تجارت اسے اپنے اندر گم کر کے گی اور نہ ہی کوئی سودا اور لین دین۔ تجارت علم ہے اور بیع خاص ہے۔ یہ عطف الخاص علی العلم کی ایک مثال ہے۔ ویسے بھی بیع میں فوری طور پر کوئی منفعت پیش نظر ہوتی ہے۔ تجارت تو ایک سلسلہ ہے جو جھپٹا ہوا ہے، لیکن جب کوئی سودا ہو رہا ہوتا ہے تو انسان محسوس کرتا ہے کہ اس سودے میں مجھے اس وقت کتنا نفع حاصل ہو رہا ہے اگر افغان کی آواز آگئی ہے تو کوئی بات نہیں، اگر جماعت چلی بھی جاتے تو میں علاحدہ نماز ادا کر لوں گا۔ اس وقت یہ سودا چھوڑنا بڑے گھٹائے کا معاملہ ہو جائے گا۔ لیکن ان باہمت لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بُعْدَ جَارَةٍ ذٰلِكَ يَنْبَغُ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، ایسے غافل نہیں کہ پاؤں کوئی تجارت اور نہ کوئی سودا، اللہ کی یاد سے یہاں ذرا ذہن میں لائیے سورہ منافقون کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت جس میں فرمایا گیا کہ اگر نفاق سے بچنا چاہتے ہو تو ہر دم ہر لحظہ اللہ کی یاد کا اہتمام کرو، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ اَلَّذِيْ كَفَّوْاْ لَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ تَفْعَلْ ذٰلِكَ فَآوْكَرْكُمْ هُمْ اَخْسَرُوْنَ، اے اہل ایمان تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں، اگر ان میں منہک ہو کر ان میں مصروف ہو کر ان میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے، اللہ ہی یاد نہ رہا تو جان لو کہ یہ بڑے خسارے کا سودا ہے۔ یہ بڑی ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والی بات ہے:

آگے چلیے۔ وَاقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَا الزَّكَاةَ۔ دنیوی مصروفیات میں انسان اتنا گم نہ ہو جائے کہ قیامت صلوٰۃ کا اہتمام ہی نہ ہے اور مال کی محبت اتنی غالب نہ ہو جائے کہ زکوٰۃ ادا

کے اعمال ہوں گے ان کے اعتبار سے ان کی جزا کا حساب لگایا جائے گا۔ ان کی جزا ان کے اعلیٰ ترین اعمال کی مناسبت سے مترتب ہوگی۔ جو کم تر درجے کے اعمال وہ نذر انذار کر دیئے جائیں گے اور جو کوتاہیاں اور خطائیں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنی شانِ عظمیٰ و ستاری سے ان کے نامہ اعمال میں سے دھو دے گا، صاف کر دے گا، ڈھانچ لے گا۔ جیسا کہ ہم سورہ آل عمران کے آخری رکوع کے مفاد کے دوران دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَذَكِّرُونَ عَنْهُمْ مَسِيئَاتِهِمْ فِي لَذَنَانٍ کی برائیوں کو ان کے نامہ اعمال سے محو کر دوں گا۔ وَلَوْ دَخَلْتُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ اور میں لاذنآن کو ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں نہریں رواں دواں ہوں گی۔ یا جیسے سورہ ہود میں یہ اصول بیان فرمایا: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ — لَمَّا ان کا آخرت میں جو مقام اور مرتبہ معین ہو گا وہ ان کے اعلیٰ اور احسن اعمال کی نسبت، مناسبت اور ان کے اعتبار سے ہو گا۔

آگے پیچھے۔ یہ جزا یعنی اجرت تو حساب کتاب سے ملے گی، جتنی محنت ہے، جتنی مشقت ہے اس کے مطابق جزا ملے گی۔ اس پر مزید یہ فضل جو اللہ تعالیٰ خاص اپنی طرف سے عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا: وَيَزِيدُكَ فَضْلًا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے گا۔ یہ فضل کسی استحقاق کی بنیاد پر نہیں ملتا، یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی دین ہے اور یہ فضل کسی حساب کتاب کا پابند نہیں ہے بلکہ: وَاللَّهُ يَزِدُّكَ مِنْ لَيْسَ يُغْنِيكَ حِسَابُهُ اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے بلا حساب و کتاب اس فضل کے لئے کوئی حساب کتاب نہیں ہے بلکہ یہ فضل بلا نہایت ہو گا۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ سے یہاں یہ سب کچھ مراد ہے۔

اب یہاں تصور اس توقف کر کے ہمارا جو سابقہ سبق تھا اس کے ساتھ آج کے اس سبق کو جو ذکر ایک حقیقی بندہ مومن کی شخصیت کا ایک مکمل نقشہ اپنے ذہن میں قائم کر لیتے — آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارا سابقہ سبق سورہ آل عمران کی آخری چھ آیات پر مشتمل تھا، اس میں بھی ایمان کی ترکیب

یعنی SYNTHESIS OF FAITH بیان ہوتی تھی کہ ایمان باللہ ایمان بالآخرہ اور پھر ایمان بالرسالت کیے وجود میں آتا ہے! — پھر وہاں بندہ مومن کی شخصیت کا نقشہ، تصویر کے ایک رُخ کی حیثیت سے سامنے لایا گیا۔ وہ نقشہ کیا تھا: سعی و جہد، ایثار و قربانی، حباد و قتال، صبر و مصابرت — چنانچہ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ الفاظ تھے: وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا حَرْبًا وَيَا دَاهِيَهُمْ أَؤُودُوا فِي سَبِيلِنَا وَكَانُوا أَوْفَاءً لِمَا عَاهَدُوا عِنْدَ رَسُولِنَا

میرے لئے اپنا گھر بار چھوڑا، جو میرے لئے اپنے وطن سے نکال دیئے گئے، جنہیں میری راہ میں ایذا تیس پہنچانی گئیں، تکلیفیں دی گئیں، جنہوں نے میرے لئے جہاد کیا قتال کیا، اور انہوں نے میرے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود اپنی جانیں بھی دیں۔ قَاتِلُوا وَفُتِلُوا۔ یہ ہے بندہ مومن کی زندگی کا ایک نقشہ — جدوجہد، کوشش و محنت، کشمکش و تصادم، صبر و ثبات، ایشیا و قربانی، حتیٰ کہ نقیبان کے نذرانوں کا گزراں، اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے۔ اس میں ذکر الہی کے ساتھ ایک قلبی انس، ایک محبت، ادوام ذکر۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کو دل میں بھی متحضر رکھنا اور اپنی زبان کو بھی اس کے ذکر سے تروتازہ رکھنا۔ پھر نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ اس میں ذوق و شوق، اس میں ذکر و شغل۔ پھر اس میں رقت قلبی، اس میں خوف اور خشیت، الہی یہ نقشہ ہے جو کچ کے سبق میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ جس طرح آپ کہتے ہیں کہ ایک تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں اور تصویر ان دونوں رخوں سے مکمل ہوتی ہے، اگر ایک رخ نقشہ سامنے رہے گا تو شخصیت بھی یک رخ رہے گی معاملہ

ONE SIDED رہے گا۔ اصل میں ایک بندہ مومن کی شخصیت کے یہ دونوں رخ ہیں جو مطلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک بندہ مومن کی شخصیت میں یہ دونوں رخ بیک وقت موجود ہوں۔ چنانچہ پوری امت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا جو امتیازی مقام ہے وہ ان دونوں مقامات پر بیان ہوا ہے۔ ان میں ہیں یہ دونوں رنگ بکمال مقام بیک وقت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ دشمنوں نے اس کی گواہی دی ہے — عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ الفضل ما مشہد بہ الاعداء۔ اصل فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن دیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب سلطنت کسریٰ سے مسلح تصادم ہوا ہے تو ایرانی افواج کے جاسوسوں اور مجزوں نے مسلمانوں کی افواج کا خوب اچھی طرح جائزہ لے کر ایرانی سپہ سالار کو جو رپورٹ دی تھی، اس کے یہ الفاظ نہایت قابل غور ہیں اور ان کی ذمات پر دلالت کرتے ہیں کہ: *خُفِرَ رُحْبَانٌ مَالِیلٌ وَفُزْ مَسَانٌ بِالنَّهَارِ* — یہ عجیب لوگ ہیں، دن میں یہ شہسوار اور میدان جنگ میں داد و شجاعت دیتے ہیں اور یہی لوگ رات کے وقت راہب بن جاتے ہیں، مصطلوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے آنسوؤں سے ان کی سجدہ گاہیں تر ہو جاتی ہیں۔ یہ اپنے رب کے حضور الحاج و زاری میں اپنی راتوں کا بیشتر حصہ گزارتے ہیں — دنیائے پہلے بھی راہب دیکھے تھے، اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔ وہ دن میں راہب ہیں تو رات میں بھی راہب۔ ان کو جنگ سے کیا سرکار! — اسی طرح پہلے بھی فوجیں ہر وقت تھیں۔ آج بھی ہیں۔ پہلے بھی اور آج بھی

لیفٹیت یہ ہوتی ہے کہ جہاں میں فوجوں کا پڑاؤ ہو جاتے وہاں آس پاس کی کسی خاتون کی عصمت محفوظ رہتی مشکل۔ ان فوجیوں کی راتیں شراب و مشاب سے شغل کرنے میں گزرتی تھیں اور ندرتی ہیں۔ جب کہ ان مومنوں کی راتیں اپنے رب کے حضور خشوع و خضوع میں بسر ہوتی ہیں۔ پس ایک بندہ مومن کی مکمل شخصیت: **هُنُورُ هَبَانٍ بَالِئِيلٍ وَفَرَسَانٍ بَالْتِهَارِ** کے مترادف ہے وجود میں آتی ہے۔ فرسان بالتہار والا رُح سورہ آل عمران کے آخری سبق میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ رحبان بانیل کی صحیح تعبیر رُح کے سبق سے سامنے آئی۔ اس طرح ایک بندہ مومن کی مکمل شخصیت کا ہیوئی ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کسی ادنیٰ درجہ ہی میں سے ان اوصاف کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب اس ضمن میں اگر کچھ سوالات ہوں تو آپ بخوشی پیش کر سکتے ہیں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! کیا فکر کے ساتھ ذکر ضروری ہے؟

جواب : اس سوال کا اجمالی جواب تو صرف ان میں ہے، لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کے سبق میں یہ بات تفصیل سے زیر بحث آچکی ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال کے جواب میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اس سبق میں ہم نے پڑھا تھا: **الَّذِينَ يُذَكِّرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَتَعَوُّدًا وَكُلَّ جُنُودٍ مِّنْهُمُ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا**۔ ذکر و فکر در حقیقت اسلام کی گاڑی کے دو پیسے ہیں۔ جب یہ دونوں بیک وقت موجود ہوں اور حرکت میں ہوں، تب ہی گاڑی آگے بڑھے گی۔

مسوال : ڈاکٹر صاحب! اللہ تعالیٰ کا فضل تو ہر حال میں شامل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہماری شعوری کوششوں کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

جواب : سوال غیر واضح اور گنجلک ہے۔ بہر حال جو کچھ میں سمجھا ہوں اس کے مطابق جو باطنی معنی کئے دیتا ہوں کہ اصل میں ہماری شعوری کوشش ہی فضل الہی کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کا اختیار مطلق ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ وہ ابوجہل اور ابولسب کو بھی ایمان کی ہدایت فرما سکتا تھا۔ لیکن قرآن حکیم کے معروضی مطالبے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی چیز ہے انسان کا اپنا ارادہ اور اپنی نیت اس کا اختیار انسان کو حاصل ہے کہ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كٰفِرًا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی

تائید اور اس کی توفیق جب انسان کے شامل حال ہوتی ہے تو بظاہر ہوتا ہے۔ یہاں بھی ہم نے دیکھا کہ پہلے ان باہمت لوگوں کی اپنی طبیعت، اپنے ارادے، اپنی نیت اور اپنی کوشش کی کیفیات بیان ہوئیں کہ وہ یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔ ان کی نوا اللہ کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ یاد الہی سے ان کو شائق الہی ہے۔ انتہائی مناسبت ہے پھر بھی وہ آخرت کی خشیت اور خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ لہذا اجر تو انہیں اپنے ان بہترین اعمال کی بنیاد پر ملے گا جن کے کسب میں ان کی شعوری کوششوں کا دخل ہوگا۔ البتہ اس راہ میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسانی اور تسہیل فرمائے گا۔ **فَسَيُجِزُّهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ**۔ اب اس اجرت کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا، اپنے فضل خاص سے مزید نوازے گا۔ اس کیلئے اللہ سبحانہ کسی حساب کتاب کا پابند نہیں ہے۔ ایک سادہ سی مثال ہے۔ آپ نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ اجرت پر کسی سے کوئی کام لیا۔ اس نے وہ کم نہایت اعلیٰ و احسن طریق سے انجام دے دیا، تو آپ مسترہ اجرت کے علاوہ اسے بطور انعام جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ اجرت سے نادمہ جو کچھ اسے ملے گا وہ فضل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ان دو اسباق میں ہمارے سامنے ایک بندہ مومن کی مکمل شخصیت کے جو اوصاف آتے ہیں، ان تمام اوصاف کو ہم اپنے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہماری طرف سے عزم و ارادہ ہوگا تو یقیناً توفیق تائید اور تسہیل اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے شامل حال ہو جائے گی۔

وَأَخُودَعُوا إِنَّا انْحَمِدُكَ رَبِّ الدُّنْيَا

قارئین متوجہ ہوں!

ماہنامہ ”مِثاق“ کے بعض مستقل فریادروں کی شکایت کے پیش نظر ادارے نے طے کیا ہے کہ آئندہ سے چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع پیشگی طور پر دو ماہ قبل دے دی جائے گی۔ تاکہ جو حضرات مئی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ بروقت مئی آرڈر بھیجیں اور سال کر دیں۔ اور اس طرح تکلیف وہ صورت نہ پیش آئے کہ آپ کی جانب سے مئی آرڈر بھیجا جا چکا ہو لیکن بروقت ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم یہاں سے رسالہ دی پی بھیج دیں (ادارہ)

قرآن کرام پر اٹھنے والی تحریکات

اُن کے بارے میں علماء کرام کے خدشات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے امسال رمضان المبارک کے تیسرے اور چوتھے اجتماعاتِ جموں میں مسجد دارالاسلام میں جہاد بالقرآن کے موضوع پر تعاریر کی تھیں۔ آخری جمعہ کو مندرجہ بالا موضوع پر اخبار خیال فرمایا تھا جس کو معمول حک و امانت کے ساتھ کیٹ سے قتل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى
 على افضلهم سيد المرسلين خاتم النبيين محمد الامين وعلى
 آله وصحبه اجمعين - اما بعد، قال الله تبارك وتعالى في سورة بقره:
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشَأْنُ لَكُمْ فِي
 الصُّدُورِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّمُؤْمِنِينَ

وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ:
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَعْجِلُ اَنْ يُّصْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَاَقْرَبَتْهُمَا الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا
 اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا لَّيْسَ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا
 الْفٰسِقِيْنَ

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي سُوْرَةِ اِلْ اِمْرٰنِ:
 وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا

رَبِّهِ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَأَخْلِلْ عُقْدَةَ بَيْنِ تِلْكَ السَّانِدِ
يَنْقُذُوا قَوْلِي ۝ اللَّهُمَّ أَنْهِنَا رُسُودَنَا وَأَعِزَّنَا مِنْ شُرُورِ الْفَسِينَا
اللَّهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَرُفْقًا اتِّبَاعَهُ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اخْتِبَاءَهُ
اللَّهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى ۝

امین۔ یا رب العالمین

حضرات اچھلے دو جموں سے میری گفتگو ایک موضوع پر چل رہی ہے جس کا جامع عنوان ہے
نہاد القرآن۔ اس ضمن میں میں نے پہلے جمعہ میں تنبیہی طور پر اپنی ان باتوں کو ایک نئی ترتیب
سے پیش کیا تھا جو بارہا میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ وہ باتیں یہ ہیں کہ قرآن مجید کے مطالعہ
سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلہ انقلاب قرآن حکیم ہے۔ حضور کی جدوجہد
کو ہم اگر دوسروں میں تقسیم کریں تو ایک سر ملے گی دور ہے۔ دوسرا سر ملے گا مدنی دور ہے۔
ہر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدنی دور میں نمایاں ترین چیز تموار ہے اور کئی دور کی نمایاں ترین چیز قرآن مجید ہے
یہ وہ معنوی تموار ہے جس نے نظریاتی اور اعتقادی سطح پر مشرک، کفر، الحاد اور زندقہ کا تلخ قمع
کیا۔ مدنی دور کی تموار حقیقی تموار ہے، جس نے مشرکین و کفار کے ساتھ نبرد آزمانی کی۔
اصل میں یہ دو تمواریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمائی تھیں بھروسے
آیت: سورہ حدید: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيُقِمْ النَّاسَ بِالنِّسْبَةِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ۔ یہی سبب ہے اس
بات کا کہ ہمارے تحت الشوریں ایک بندہ مومن کی شخصیت کا جو پہولی ہے اس کے ایک ہاتھ میں
قرآن اور ایک ہاتھ میں تموار نظر آتی ہے۔ ہمیشہ سے یہ ایک تصور ہے جو ہمارے اجتماعی تحت الشوری
میں موجود ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ جب اسی طرح میں نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ، آپ
کی بائیس تیس سالہ جدوجہد اور آپ کے انقلابی عمل پر غور کیا تو یہی دو اہم مراحل میرے سامنے آئے۔

۱۔ ان شانہ العزیز یہ تقدیر مستقبل قریب میں کئی شکل میں شائع کر کے کی کوشش کی جائے گی۔ نہاد القرآن کے
موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کی محاضرات قرآنی والی تقریر کی پہلی قطع گزشتہ شمارہ میں شائع ہو چکی ہے۔ دوسری
سطح شمارہ میں شائع کی جا رہی ہے وادعہ،

ان کو بھی میں بار بار بیان کر چکا ہوں۔ حضورؐ نے آغاز دوحی کے بعد توحید کے انقلابی نظریہ کی حق تنہا تبلیغ و دعوت کا آغاز فرمایا۔ اس کا اصل آلہ تھا قرآن مجید — آپؐ کی تمام مساعی کا قرآن مجید ہی محور و مدار تھا جو سعید روحیں آپؐ پر ایمان لاتیں، آپؐ نے ان کی تربیت و تزکیہ فرمایا، ان کو کتاب حکمت کی تعلیم دی۔ انہیں منظم فرمایا اور اس طرح ایسے سعید و متقی افراد کی ایک جماعت، ایک جمعیت تیار فرمائی جن کے قلوب میں ایمان و یقین اس طور سے پیوست اور نقش ہو گیا کہ ان کے اندر دین توحید کے لئے حق من و حق قربان کرنے کا جذبہ۔ اس راہ میں پیش آنے والے بڑے سے بڑے مصائب و شدائد کو برداشت کرنے کا عزم اور حوصلہ۔ راہ حق میں جام شہادت نوش کرنے کا فدا و شوق۔ یہاں تک کہ اگر اللہ کے دین کے لئے گھر بار، بیوی بچے، اعزہ و اقارب کو چھوڑنا پڑے تو اس کیلئے ہر حق آمادگی — الفرغ من اثیار و قربانی کے وہ عزائم جو کسی انقلابی تحریک کے لئے لازم ہوتے ہیں ان میں اپنے نقطہ مزوج و کمال کو پہنچنے ہوئے تھے — پھر یہ کہ اپنے ہادی اور رہنما صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ بھی اس جماعت کے ہر فرد کے لئے حکم کے درجہ میں تھا کہ جو بات آپؐ نے فرمادی اس پر تسلیم و خضوع ہے۔ اس پر نوز علیٰ زور یہ بات کہ یہ رویہ اور طرز عمل صرف رخصائے الہی کے پیش نظر تھا — جبہ اصطلاح کے بموجب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسے فدائین اور جاں نثاروں کی جماعت تھی جو مکمل طور پر COMMITTED افراد پر مشتمل تھی۔ پھر یہ کہ سمع و طاعت (DISCIPLINE) کا نظام کمال و تمام موجود تھا۔ ساتھ ہی جماعت کے ہر فرد کا تزکیہ نفس اس کمال تک ہو گیا تھا کہ جتنے بھی نفسِ انسانی کے ذیل تقاضے ہیں، شہوات و لذات کے جو ناشائستہ داعیات ہیں، دل کے جو امراض و بوجہ اخلاق کے جو ذمائم ہیں ان سب سے انہوں نے اپنے قلوب و نفوس کو پاک کر لیا تھا اور ان پر قابو پا ہوا گئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت کے اوصاف کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے۔

اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اس جماعت نے جدوجہد کی قربانیاں دیں، کفر کی طاقت سے پیڑہ آزمائی کی۔ متقاتلہ کیا، یَقْتُلُونَ وَ یُقْتَلُونَ۔ انہوں نے کفار کو قتل بھی کیا اور خود بھی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اس اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جزیرہ فیلادلفیا عرب میں انقلاب برپا کر دیا۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ جماعت کیسے وجود میں آئی، تو یہ درحقیقت جہاد بالقرآن کے ذریعہ وجود میں آئی — قرآن کے ذریعہ دعوت، قرآن کے ذریعہ تذکیر، قرآن کے ذریعہ انذار و تبشیر، قرآن کے ذریعہ تزکیہ نفس۔ راتوں کو کھڑے رہو قرآن کے ساتھ۔ پوری رات

کھڑے رہو یا دو تہائی یا نصف یا ایک تہائی، قرآن کے ساتھ: وَمِنْ أَيْلٍ فَتَهْجَذُ بِهِ. رات کا ایک حصہ جاگ کر گزارو، اس قرآن کے ساتھ۔ يَشْفَاؤُا لَعَافِ الْقُدُوْرِ بِهٖ قَسْرًا ۚ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ وعظ اور نصیحت یہی قرآن ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاؤٌ وَرَحْمَةٌ لِّمُؤْمِنِيْنَ۔ اور ہم جو یہ قرآن نازل کر رہے ہیں تو یہ اہل ایمان کے لئے شفا ہے اور رحمت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس جماعت کی تیاری میں مرکز و محور قرآن رہا ہے۔ قرآن کو اس کا ذریعہ کہہ لیں، اس کا ہتھیار کہہ لیں، اس کا آئینہ کہہ لیں، اس کا نسخہ کہہ لیں، یہ سب باتیں قرآن پر راست آئیں گی۔ مولانا مائی نے کیا خوب کہا ہے:۔

اتر کر حراسے سوئے قوم آیا اور اک فنو کیسیا ساتھ لایا
یا بقول علامہ اقبال:۔

مصطفیٰ اندر حرا غلوت گزیریں قوم و آئین و حکومت آفسیریں

میں نے دوسرے جمعو کی تقریر میں وہ پانچ محاذ گنوائے تھے جن پر اس وقت دینی اعتبار سے جدوجہد اور کش مکش کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی میں نے عرض کیا تھا کہ ان پانچ محاذوں کے لئے اصل ہتھیار، اصل تلوار قرآن ہے۔ ان محاذوں پر جہاد بالقرآن ہوگا۔ چاہے وہ جاہلیت قدیم کا محاذ ہو جس میں مشرکاد اوثام ہیں، بدعات ہیں، شفاعت باطلہ کا تصور ہے۔ اس کا توڑ ہوگا تو صرف قرآن سے۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ محض دورۂ ترجمہ قرآن اس کے لئے بہت کافی ہے۔ دوسرا محاذ جاہلیت جدیدہ کا محاذ ہے۔ یعنی الحاد ہے، مادہ پرستی ہے۔ ہر اس چیز کا انکار ہے جو انسان کے حواس کی گرفت میں آسکے جو VERIFIABLE نہ ہو۔ اس کے لئے بھی تلوار قرآن ہے، لیکن یہ ذرا محنت طلب معاملہ ہے کہ قرآن کی حکمت اور اس کے فلسفے کی گہرائیوں میں ڈوب کر، غوطہ زنی کر کے علم و حکمت کے موتی نکالنے ہوں گے۔ معرفت الہی کے جو حقائق فطرت انسانی میں جبلی طور پر منھیں ہیں، انکو قرآنی فطری استدلال کے ذریعے شعور کی سطح پر لانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ یہ بیسیات فطرت کو اپیل کر کے باطل کا ابطال کرنا ہوگا۔ اور دوسرا جدید کی اصطلاحات کے ذریعہ قرآنی طرز استدلال کا ابلاغ کرنا ہوگا۔ یہ کام اگر نہیں کریں گے تو جاہلیت جدیدہ کا مقابلہ نہایت مشکل ہوگا۔ تیسرے محاذ کے لئے میں نے عرض کیا تھا کہ بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت ہے اس کا علاج ہے محبت، اصحاب یقین۔ بقول علامہ محبت، صالح، مٹا اصل کنہ۔ یہ سب سے

زیادہ آسان اور سہل ذریعہ ہے۔ لیکن جو اصحاب یقینی کہاں سے آئیں گے، یہ بھی قرآن کے ذریعے ایسے لوگ جب قرآن میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے، جو تعلیمات پیش کر رہا ہے، جو استدلال کر رہا ہے۔ وہ ان کی بدنیاتِ فطرت کے مطابق ہیں۔ یہ حقائق ان کے باطن میں مضربیں، قرآن ان کو واضح گانہ اور مشکف کر کے تحت اشور سے شعور کی سطح پر لا رہا ہے۔ اس طرح قرآن ان کا باطنی تجربہ بن جاتا ہے۔ جیسے میں نے مثال دی تھی کہ آپ کو معلوم ہے کہ چینی میٹھی ہوتی ہے۔ یہ علم الیقین ہے۔ لیکن جب آپ نے اسے چکھا تو آپ کے اس تجربے نے بھی بتا دیا کہ واقعی چینی میٹھی ہے۔ تجربہ سے جو یقین حاصل ہوتا ہے، اس کا نام ہے حق الیقین۔ چنانچہ قرآن حکیم پر حق الیقین انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قرآن حکیم پر غور و فکر اور تدبر میں منہمک ہوتا ہے۔ اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے۔ میری فطرت اس سے مطابقت رکھتی ہے میرا قلب و ذہن اسے مان رہا ہے اور قبول کر رہا ہے۔ اس احساس سے مدحیقت وہ یقین پیدا ہوتا ہے جسے حق الیقین کہا جائے گا۔ اسی کو علامہ اقبال نے اپنے لیکچرزمیں INTERNAL

EXPERIENCE کہا ہے جیسے ہمارا EXTERNAL EXPERIENCE ہوتا ہے کہ ہم نے آگ پر کچے ہوتے کسی توڑے کو چھوا تو فوراً تجربہ ہو گیا کہ تو اگر گرم ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ اسی طریقے سے جب قرآن مجید پر غور و تدبر کرنے والا شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تو میری اپنی فطرت کی ترجمانی ہے۔ اس شعر کے مصداق، —

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا ہی میرے دل میں تھا

اس طور سے قرآن مجید پر حق الیقین پیدا ہوتا ہے۔

پہنچتے محاذ کے متعلق میں نے مومن کیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے فرقہ واریت کا محاذ ہے، اس فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے اور غیریت کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کوئی ایسی بنیاد، کوئی ایسی جڑ، کوئی ایسا مرکز درکار ہے۔ جو ذہنی ہم آہنگی پیدا کرے۔ پھر یہی ذہنی ہم آہنگی لوگوں کے اندر آپس میں قرب اور وابستگی کا ذریعہ بنے۔ یہی مفہوم جل اللہ کا ہے۔ میں بار بار یہ عرض کر چکا ہوں کہ جل اللہ سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ وقت کی گلی کے باعث میں اس وقت قرآن مجید کے جل اللہ ہونے کے احادیثِ صحیحہ سے دلائل چینی نہیں کر سکوں گا۔ — یہ دلائل آپ کو میری بہت سی تالیفات میں مل جائیں گے۔ اسی کی تنسیم کے لئے میں نے آغاز میں سورہ آل عمران کی ایک آیت کے پتلے حصے کی

چنانچہ اسی لئے انہوں نے کہا ہے۔

غذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں کہیں اس آگ میں ڈال دیا ہوں مثل نعل
اور دوسری شخصیت ہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد الحسن دیوبندی۔
جو دارالعلوم کی فضا سے نکلے تھے اور جو علمائے حقانی کے محبت یافتہ اور فیض یافتہ تھے۔
یہ ہیں میرے نزدیک دو عظیم ترین شخصیتیں۔ ان میں سے میں حضرت شیخ الہند محمد الحسن
دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو چودہویں صدی کا مجدد مانتا ہوں۔ ان دونوں کی طرف سے مجھے تائید ملی
علامہ اقبال کے اشعار بار بار آپ کے سامنے میں نے پیش کئے ہیں، مثلاً

گر تو می خواہی مسلمان زبیتن نیست ممکن جز بہ قرآن زبیتن
معلوم ہوا کہ جہاں سے سامنے تجدید و احیائے دینی کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم
قرآن حکیم کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ علامہ نے کتنے پُر تاثیر اسلوب سے کہا ہے۔

خوار از مجبوری قرآن شدی شکوہ سچ گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتد در بغل داری کتاب زندہ
امت مسلمہ کے زوال کا سبب قرآن سے دوری و مجبوری ہے اور اس کا علاج یہی ہے
کہ اس کتاب زندہ پر عمل پیرا ہو جو وہ بغل میں دبائے بیٹھا ہے یا اسے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔
یہی عصائے موسیٰ ہے جو جہاں سے پاس ہے، بلکہ میں بلا ارادہ تنقیص یہ عرض کروں کہ عصائے
موسیٰ کی قرآن کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ چونکہ عصائے موسیٰ
کی معجز نمانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رخصت ہوئی جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا لایا ہوا معجزہ قرآن مجید آج بھی زندہ ہے اور قیام قیامت زندہ و پائندہ رہے گا، اس کا یہ پہلچ
جو چودہ صدی قبل دیا گیا تھا، قیام قیامت تک قائم و باقی رہے گا، اِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ۔

علامہ اقبال کی ملی و خالص اسلامی ولولہ ایچ، شاعری سے تو میں زیادہ طالب علمی ہی سے روشناس

لے محترم اکثر صاحب کی مشہور تالیف علامہ اقبال اور ہم میں ایک مستقل باب اقبال اور قرآن کے عنوان
سے شامل ہے جس میں علامہ نے قرآن حکیم کے بارے میں جن جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے اس سے متعلق
اکثر ادوارہ فادسی کے اشعار شامل ہیں (مرتباً)

تھا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق مجھے بہت بعد میں معلوم ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب وہ ۱۹۲۰ء میں اسارت مانٹا سے رانی پاکستان واپس آئے۔ انگریزوں نے حضرت کو اس وقت چھوڑا تھا جب وہ ٹی بی کی تھراپی کو پہنچ چکے تھے، ورنہ وہ اس مروجہ پرست کو کب چھوڑنے والا تھا۔ تو حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک عظیم بات ارشاد فرمائی۔ یہ عظیم بات روایت کی ہے مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”مانٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مانٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر سدا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاد العلماء درویش نے انہی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنایاً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بہترین بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے یا

یہ عوامی درس قرآن کا لفظ ہم تک نہ پہنچا اگر مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس کو بیان نہ کرتے ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ وہ پاکستان کے مفتی اعظم تھے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں یہ لفظ عوامی استعمال فرمایا جب کہ یہ لفظ عوام و خواص میں سے کسی کی زبان پر آیا نہیں تھا۔ جیسا کہ عوامی کا لفظ ہمارے دور میں عام ہو گیا ہے۔ لیکن آج سے قریباً چونسٹھ برس قبل عوامی درس قرآن کا لفظ حضرت شیخ الہندؒ نے استعمال کیا۔ یہ بھی ان کی دور بینی اور دور اندیشی کی دلیل ہے۔ — GENIUS اُسی کو کہتے ہیں جو بہت بعد کے حالات کو دیکھ رہا ہو۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہندؒ کی اس بات پر بڑا خوبصورت اور وزوں تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جی حوادث و آفات سے دوچار ہیں، اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی دسجے میں بھی عمل ہوتا تو یہ غارتگری میں تک نہ پہنچتی“

واقعہ حضرت شیخ الہندؒ اور مفتی محمد شفیع کے خیالات و آراء سے مجھے بڑی تعظیف ملی کہیں اپنے غور و فکر اور سوچ، بچار کے نتیجے اور سخت اشعار میں علامہ اقبال کی دلولہ انگیز اسلامی رسی کے تاثر کی بدولت دعوت رجوع الی القرآن کا جو کام شروع کر رکھا ہے اس کی تابید ستاد الاساتذہ شیخ الشیوخ اور میری رائے کی حد تک چودہویں صدی کے مجدد ذہن مفتی اعظم ستان کی آراء سے حاصل ہو گئی۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمُنَدٰ**

ایک طرف تو صورت حال یہ تھی، دوسری طرف مجھے شروع ہی سے ایک دوسرے رے سے مسلسل سابقہ پیش آتا رہا۔ مجھے یہ کام کرتے ہوئے تقریباً بیس سال ہونے کو آتے ہیں نے اس کا آغاز اسی آپ کے شہلاہور سے کیا تھا۔ میں مجدد اللہ اسی کام میں مسلسل لگا ہوا ہوں۔ میں نے تو بہر حال اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ تجربہ یہ ہوا کہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے آگے بڑھنا شروع ہوا تو دیے دیے چند علماء کی طرف سے مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ ان کی جانب سے کچھ اندیشوں کچھ خطروں کا اظہار ہونے لگا کہ یہ دت کیا ہے؟ کہیں قرآن کا نام لے کر کوئی نیافتہ تو نہیں اٹھ رہا، میں حیران ہوتا تھا کہ اس کا سب کیا ہے؟ پھر یہ کہ مخالفت صرف ایسے علماء کی طرف سے نہیں تھی کہ جن کے بارے میں یوں کی مانتے اچھی نہ ہو بلکہ ثقہ علماء وہ جن کا میرے اپنے دل میں بھی بڑا احترام ہے۔ جن کے

متحد میرا حسن عقیدت کا معاملہ ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ سب کے سب کچھ **الرکب (ALLERGIC)** باقرآن کے نام کی دعوت سے بہت گھبراتے ہیں۔ انھیں کچھ اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن، تفسیر قرآن، ان کا جو لفظ لیا جا رہا ہے تو کہیں یہ انکار و سفت والی بات نہ ہو جائے۔ کہیں حدیث کا انکار نہ کرنے میں چلے۔ تو اس طرح کا کچھ تجربہ مسلسل ہوا اور یہ میرے لئے ایک پریشانی کا موجب

تو ہاں لیکن میں محمد اللہ کام میں لگا رہا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مزاج کچھ ایسا دیا ہے اور آج سے نہیں بچیں سے دیا ہے کہ جو بات حق معلوم ہو اس پر ڈٹے رہو۔ میری عمر چھوٹی میں برس کی محض جب میں نے جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ ماچھی گوٹھ میں کھڑے ہو کر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے جماعت کے انقلابی طریقہ کار کو سمجھوڑ کر انتخابی طریق کار اختیار کرنے کا پالیسی سے ڈٹ کر اختلاف کیا تھا۔ مولانا مرحوم میرے والد کی عمر کے تھے، پھر میرے محسن بھی تھے۔ کہ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے مجھے دین کا صحیح مفہوم اور ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل ہوا تھا۔ جس پر محکم یقین مطالعہ قرآن سے حاصل ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک مزاج دیا ہے کہ جو بات سمجھ میں آتی ہے اس کا برطانو اظہار کیا جاتے۔ لہذا مولانا مودودی مرحوم کی انتخابی سیاست کے موقف پر میں نے جماعت اسلامی کا رکن رہتے ہوئے اپنا اختلافی موقف دلائل کے ساتھ تحریر پر شکل میں بھی پیش کیا اور ماچھی گوٹھ میں اسٹیج پر کھڑے ہو کر کچلی۔ اگر کوئی دلیل سے میری رائے اور میرے موقف کو غلط ثابت کر دے تب تو میں فوراً ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہوتا ہوں اور اپنی غلطی تسلیم کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا لیکن اگر کوئی اسے دلیل سے غلط ثابت نہیں کرتا تو مجھے اس کی قطعی پردہ نہیں ہوتی کہ میری بات کی کون مخالفیت کر رہا ہے۔ کسے باشد۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے یہ مزاج دیا ہے۔ میں نے جہاں تک اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کی گہرائی میں جا کر ٹھٹھا ہے PROBE کیا ہے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ محمد میں انانیت اور عجب نہیں ہے اور میں شعوری طور پر اپنے رب سے پناہ طلب کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے اس روگ سے محفوظ رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عجب مصلکات میں سے سب سے زیادہ ہلک اور شدید مرض ہے۔

اس اعتبار سے میرا جو مزاج ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں مسلسل یہ سوچتا تو ضرور رہا کہ آخر علماء کرام کو یہ الہی کیوں ہے؟ وہ کیوں بدظن ہیں؟ کیوں ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ اندھے اور خدشات محسوس کر لے لگتے ہیں؟ لیکن چونکہ کوئی محسوس بات سامنے نہیں آتی تو میں اپنی دھن میں لگا رہا۔ کام میں میں نے قطعاً کوئی ڈھیل نہیں آنے دی۔ لیکن مجھے پچھلے سال کے دوران اس مسئلے کا حل مل گیا اور علماء کرام کے طرز عمل اور رویہ کا سبب میری سمجھ میں آگیا۔

یہ بیان تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ کے نام سے مطبوعہ موجود ہے (مرتب)

رے علماء کی طرف سے بالخصوص ان کی طرف سے جن کا ہمارے قدیم دینی معلقوں سے تعلق ہے، ہاندیشن اور خدشات کا اظہار ہوتا ہے، اصل میں اس کا سبب ان کا ایک طویل تجربہ ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ ماضی بعید و قریب میں مسلمانوں میں جتنی بھی گمراہ تحریکیں اٹھیں، وہ سب قرآن کا لے کر اٹھیں۔ چکڑا لیت اٹھی قرآن کے نام پر — اسی طریقہ سے پرویزیت اٹھی قرآن کے نام پر — اور تو اور قادیانیت اٹھی قرآن کے نام پر۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کام کی نذر قرآن کی عظمت کے بیان سے کی۔ ان گمراہ تحریکوں کی تکنیک (Technique) اور

پنیکار (METHODOLOGY) کو میں آگے چل کر قدرے تفصیل سے ذکر کروں گا۔ —
ان سب سے پہلے بہت سی گمراہیوں کا سرسید احمد خاں نے آغاز کیا قرآن کے نام پر — معلوم ہوا کہ پے پے اتنے چرکے گئے ہیں اور علماء کو ایسے غلط تجربات ہوتے ہیں کہ جیسے ہمارے ماں ایک کمات ہے کہ دودھ کا جلا چھچھو کو بھی چھونک چھونک کر پیتا ہے۔ یا ایک دوسری بات ہے کہ جو سانپ سے ڈسا ہو وہ دسی سے ڈرتا ہے یہی انداز اب ہو گیا ہے اور ایک تہہ لایض بن گیا ہے کہ ہمارے دینی معلقوں کا یہ مزاج ہے کہ قرآن کے نام پر اٹھنے والی کسی دعوت اور تحریک کے بارے میں ان کو فوراً ایک خطرہ، ایک اندیشہ اور ایک سسوعظن حق ہو جاتا ہے اور ان کی جانب سے خدشات کا برملا اظہار ہونے لگتا ہے جو مخالفت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ سبب غلط تجربات کی بنیاد پر ان کا اس قدر الرجک ہو جانا بڑی حد تک ابل فہم ہے۔

علمائے کرام کے بارے میں، ایسی بات صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ ان حضرات کا التزام محفوظ رکھنے اور ان سے حسن عقیدت رکھنے کے باوجود میں ان کے بارے میں دغدغہ کسی اور اور افراط و تفریط میں مبتلا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات مبتلا ہوں، ہمارے یہاں علماء پائے جاتے ہیں، ان میں علمائے حق بھی ہیں اور علمائے سوس بھی۔ علمائے سوس نے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ علمائے سوس زمانے میں بھی سرکار و بار سے بھی متعلق رہے اور عوام ان سے بھی جو زمانہ ہمارے دور سے کئی اعتبارات سے کہیں بہتر تھا۔ دنیا داری اور اصحاب اختیار و اقتدار، خوشنودی کے حصول کا معاملہ بہر حال ہر دور میں رہا ہے — امام دارالہجرہ امام مالک کی جب شکلیں کس کر، منہ پر سیاہی مل کر گدھے پر سوار کر کے مدینہ کی گلیوں میں گھمایا گیا تھا جب امام اعظم امام

تھے۔ جب امام احمد بن حنبل کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور وہ مار سنی پڑی محنت کی اگر نامتی کو بھی اس طرح مارا جائے تو وہ بھی بلبلاتھے۔ جب امام ابن تیمیہ کو جیل میں ڈالا گیا، وہ بھی انھوں نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی۔ جب مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی کو قید کیا گیا، اور جب چند خواجہ سرحد نے بیعت قبول کرنے کے باوصف بھی غازی و مجاہد سید احمد بریلوی سے غداری کی، مگر اللہ علیہم اجمعین، تو کیا آپ کے خیال میں ان تمام افعال کی پشت پر علمائے سو کے فتاویٰ موجود نہیں تھے جو وقت کے صاحبان اقتدار و اختیار کی خوشنودی کے لئے دیتے گئے تھے! — تو دنیا دار اور فتویٰ فروش علمائے سوہر و در میں موجود رہے ہیں۔ ہمارا زمانہ تو ظاہرات ہے کہ فتنہ کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پیشگی متنبہ فرما دیا تھا کہ یوشک ان یألف علی الناس زمان، اندیشہ ہے کہ لوگوں کو ایک ایسے زمانے اور دور سے سابقہ پیش آئے گا: لا یبقی من المسلمہ الا اسمہ، اسلام پر عمل ختم ہو جائے گا صرف اس کا نام رہ جائے گا: لا یبقی من القرآن الا رسمہ، اور قرآن پر عمل ترک ہو جائے گا، اس کی بطور رسم تلاوت باقی رہ جائے گی: ۱۔ صاحب دہم عامرة وہی خراب من الہدی مسلمانوں کی مسجدیں، اظہار آباد ہوں گی لیکن رباطن ویران اور حقیقی ہدایت سے خالی ہوں گی: ۲۔ علماء ہو مشر من تحت ادیوا السماء من عندہم تخرج الفتنۃ و فیہم قعود — حدیث کا یہ حصہ میری آج کی تقریر سے متعلق ہے۔ حضور نے فرمادی کہ آسمان کے نیچے مسلمانوں کی مبین مخلوق علماء ہوں گے، سارے فتنے ان ہی میں سے اٹھیں گے اور ان ہی میں لوٹ جائیں گے اس اعتبار سے ہمارے یہاں علمائے سوہمیں ہیں اور کثرت سے ہیں۔

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ انتباہ فرمایا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا وہاں یہ اشارات بھی دی کہ علمائے حقانی سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہے گا۔ یہ نعمات دی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: لا تزال طائفة من امتی قائمین علی الحق، میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا، ظاہرات ہے کہ علمائے حق کے بغیر دین کا کوئی تصور ہی نہیں، لہذا ہر دور، ہر زمان، ہر مکان میں علمائے حقانی بھی لازماً موجود رہیں گے۔ پس یہ دونوں چیزیں اپنی جگہ پر ہیں، جہاں تک علمائے سو کا معاملہ ہے، فتویٰ فروش مولوی ہوں یا اسی طرح کے جو گھٹیا کردار کے لوگ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، ان کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر علمائے حق کی طرف سے تشویش کا اظہار ہو، اگر انہیں بھی خطرات و خدشات اور اندیشے محسوس ہوں

نورینینا قابل غور مسئلہ ہے۔ ان علماء حق کی تشویش اگر وہ شخص نظر انداز کر دے گا جو خادم دین ہو، خادم قرآن ہو، خادم ملت ہو تو وہ اپنے ہی پاؤں پر کھٹاڑی مارے گا کسی اور کا نقصان نہیں کرے گا آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ کچھ عجمیوں نے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہم خیال دس بیس یا سو پچاس پیدا کر کے دنیا سے چلا جائے تو یہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس میں ذرا سی ذہانت ہو، صلاحیت ہو۔ کچھ دیکھ لوگ اُسے مل جائیں گے جو اس کے حواریتین بن جائیں گے، لیکن اگر کسی شخص کے پیش نظر یہ ہے کہ دین کی ایک ہر گیر دعوت اٹھا کر اقامت دین اور اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کرے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی کو دن اور رات ہی شخص ہو گا جو یہ سمجھتا اور توقع رکھتا ہے کہ علمائے حق کی اشیر باد کے بغیر علمائے حقان کی تائید و تعاون کے بغیر، ان اہلبیان علم و فضل، ان متقیان دین کی دعاؤں کے بغیر کوئی ایسی تحریک پروان چڑھ سکے اور نتیجہ خیز ہو سکے۔ ایسے شخص کے لئے اگر وہ مخلص ہے، ان علمائے حقان کا اعتماد حاصل کرنا لازم ہے۔ میں اس مسئلہ پر برابر اور مسلسل غور کرتا رہا مگر آخر کیا بات ہے کہ جن حضرات گرامی کو میں علمائے حق گرد آتا ہوں، جن سے حسن عقیدت رکھتا ہوں، مجھے ان کا تعاون حاصل کیوں نہیں ہو رہا۔ بلکہ دبی زبان سے اور کبھی برطان کی طرف سے اختلاف کا اظہار ہو رہا ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور یہ عقدہ کھل گیا کہ ان علمائے حقان کی خدمت کا سبب وہ گمراہ کن نظریات اور تحریکیں ہیں جو اس برصغیر پاک و ہند میں قریباً ایک صدی کے دوران وقتاً فوقتاً قرآن کے نام پر اٹھتی رہی ہیں۔ میں ان کی طرف ابتدا میں اشارہ کر چکا ہوں، اب میں قدرے تفصیل سے ان کے متعلق کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

۱۹۵۷ء کے بعد جب مسلمانوں کی نام نہاد حکومت بالکل ختم ہو گئی اور برصغیر پاک و ہند پر سیاسی اقتدار سے حکومت برطانیہ کا تسلط و استیلا کا دلور پر ہو گیا تو غلامی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ۱۹۴۷ء تک یہ نوے سال کا دور ہے، اس دور میں قرآن کے حوالے سے جو سب سے پہلی زور دار آواز اٹھی ہے، وہ سر سید احمد خاں کی ہے۔ پندرہ پاروں کی انہوں نے تفسیر بھی لکھی انہوں نے ایسے ایسے فتنے اٹھا دیئے کہ حد و بس ہے۔ جنات کا انکار، فرشتوں کا انکار، وحی کا قیام نہ انکار۔۔۔ ان سب کی ایسی توجیہ و تاویل جو سرسید قرآن کے خلاف مٹی۔ ظہر بات ہے کہ کھلم کھلا زکار و تو کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے جنات کا برطانوی انکار میں کیا لیکن یہ کہ قرآن نے مشعل زنج اور اجڑے قسم کے لاگوں کو جن سے تعبیر کیا ہے، وہ کوئی علیحدہ مخلوق نہیں ہے۔ فرشتوں کا بھی برطانوی انکار نہیں کیا۔ کسا تو یہ کہا کہ یہ جو FORCES OF THE NATURE ہیں۔ قوائے

۱۹۴۷ء

طبعیہ میں ان کو فرشتے کہا گیا ہے۔ ان کا کوئی علحدہ وجود نہیں، وہ کوئی علحدہ مخلوق نہیں۔ ان کا
 علحدہ کوئی تشخص نہیں۔ معجزات کا انکار۔ ان کی یہ تاویل کی گئی کہ یہ بھی PHYSICAL PHENOMENA
 تھے۔ طبعیات کے عجیب و غریب اور غیر معمولی مظاہر تھے، ان کو خواہ مخواہ معجزات سمجھ لیا گیا ہے
 حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سمندر سے نکل گئے اور فرعون کا لشکر غرق ہو گیا تو یہ مدار
 جزر کا کرشمہ تھا۔ سمندر مدد پر آگیا جب کہ فرعون اپنے لشکر کو لے کر سمندر میں اترا تھا اور جزر کی کیفیت
 میں حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ نکل گئے۔ گویا اپنے دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ مصری
 قوم مدو جزر سے ناواقف تھی۔ ایسی گمراہ کن تاویلات ہیں جو سرسید احمد خاں نے کیں۔ کھلم کھلا انکار کسی
 چیز کا نہیں کیا۔ ان کی پیدا کردہ گمراہیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان سب کا بیان اس وقت ممکن
 نہیں ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک طویل مضمون لکھا تھا جو میری کتاب اسلام اور پاکستان میں
 شامل ہے۔ اسی مضمون میں، میں نے ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب اسلام میں وحی کے بارے میں جو
 گمراہی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن سارے کا سارا بیک وقت خدا کا کلام بھی ہے اور کلام
 رسول بھی، وحی ایک چشمہ کے مانند قلب محمدی میں پھوٹا تھا۔ تو اس کے بارے میں نے لکھا تھا
 کہ اس گمراہی کا آغاز کرنے والے تو سرسید احمد خاں ہیں۔ یہ گمراہی تو نہ معلوم کتنی جگہ انڈس پینج
 دے چکی ہے۔ چنانچہ سرسید اس کے قائل نہیں تھے کہ جبریل امین وحی لے کر نازل ہوتے تھے اس
 طرح تو فرشتوں کا تشخص تسلیم کرنا پڑتا جس کے وہ انکار ہی تھے۔ چنانچہ ان کا شعر ہے۔

زجریل میں قرآن پہ پیغامی نمی خواہم ہم گفتار معشوق است قرآن لے کہ من دام
 ان گمراہ کن تاویلات کے باوجود ایک اچھی بات سرسید احمد خاں کے حق میں جاتی ہے اور
 یہ کہ اگرچہ انہوں نے اپنی تفسیر میں یہ باتیں کیں، لیکن یہ تو انہوں نے کوئی دینی جماعت بنائی :
 کسی دینی فرد کا انہوں نے آغاز کیا۔ وہ اصل میں مشہور و معروف ہوئے ایک سماجی مصلح SOCIAL
 REFORMER اور مسلمانوں کے ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے۔ چونکہ ان کا دینی معاملہ صرف
 نظریات کی حد تک رہا۔ انہوں نے ان کی بنیاد پر کوئی تنظیم قائم نہیں کی۔ کوئی جماعت نہیں بنائی نہ
 اس نے ایک فنڈ کی شکل اختیار نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ عملائے کرام نے ان کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔
 پھر دوسرے اعتبارات سے ان کے احسانات بھی مسلمانان ہند پر ہیں۔ لہذا ان کے معاملے میں کسی
 کسی حد تک نرمی کا معاملہ کیا جاتا رہا۔

لیکن اس کے پہلو پہ پہلو جو ایک بڑا اقتدار تھا اس کا بانی تھا مرزا غلام احمد قادیانی انجمنی۔

اس نے اپنی تحریک قرآن کے نام پر اٹھائی اور قرآن کے نام پر بات شروع کی۔ میں اس کے ابتدائی دور کے دو شعر آپ کو سناتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ شروع شروع میں اس نے اپنا اہتمام پیدا کرنے کے لئے کس طرح خدمت قرآن کا لبادہ اڑھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلمان ہے قر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے

دوسرا شعر ہے۔

اے بے خبر مسلمان قرآن کی خدمت کے لئے کمر کس لو، تیار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ آواز لگائی جائے کہ فلاں شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یعنی موت سے پہلے جو فرصت مہیا ہے اسے قرآن کی خدمت کے لئے لگاؤ۔ اب آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ اس کی تکنیک کیا تھی۔ پھر اس نے آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں سے بڑے کامیاب منافرت کئے۔ ان سب کا سراغ آپ کو اس کے ابتدائی لٹریچر میں مل جائے گا۔ لیکن پھر ہوا کیا، اس شخص نے اپنا اہتمام پیدا کر کے وہ گمراہی پھیلانی جو مسلمان کی طرح جس قدر جتنی سے چٹ گئی۔ جب لوگوں کا کثیر تعداد میں اس کی طرف رجوع ہوا، عقیدہ مندوں کی ایک معتد بہ تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی تو اس کے دماغ کے اصل خناس نے غمور شروع کیا۔ شیطان نے پیٹھ مٹھوئی اور سبز باغ دکھانے شروع کئے تو اس نے دعوؤں کا پے در پے آفا زکریا کیس مجدد ہونے کا دعویٰ، کیس مسیح موعود ہونے کا دعویٰ، اس سے آگے بڑھ کر فطی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ اور بالآخر صاحب دمی نبی ہونے کا دعویٰ۔ اور نہ معلوم اس نے کیا کیا دعاوی کئے ہیں۔ ہمارے ”ماہنامہ مشاق“ میں قسط وار ایک طویل مضمون چھپتا رہا ہے اور بھی ملک میں بعض علماء کرام اور اہل قلم نے اس کے لٹریچر سے اس کی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی تصویر پریش کی ہے۔ ان کو پڑھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ ان تحریروں کا کتنے والا شخص صحیح العقل انسان میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اسے نبی مان لیا جائے۔ مزید حیرانی اس وقت ہوتی ہے کہ جب نظر آتا ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس کے پیچھے لگ گئے، اس پر بحیثیت نبی ایمان لے آئے۔ ان میں سے کوئی انفرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا جج رہا ہے، کوئی نوبل پرائز ہولڈر ہے۔ اس کی بڑی وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ انگریزی سرکار کی سرپرستی مرزا غلام احمد کو حاصل ہو گئی تھی لہذا

اس کے متبعین کو حکومت کی طرف سے بڑی مراعات ملیں، ان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مواقع حاصل ہوتے، سرکاری ملازمتوں اور منصبوں پر وہ فائز ہوتے رہے۔ اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان لانا دیوبندی ترقی اور انگریزی دور حکومت میں اثر و رسوخ نیز اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کا ذریعہ بن گیا۔ — بہر حال یہ دوسرا بڑا چکر مسلمانوں کو لگا اور ابتداً یہ فتنہ دعوتِ قرآن کا نام لیکر اٹھا اور آگے بڑھا۔

پھر ہمارے دور میں غلام احمد پرویز ایں جہانی نے جو گمراہی پھیلائی اور جو مسلسل پھیل رہی ہے وہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ چکرالویت ہو، پرویزیت ہو اور دوسرے منکرینِ سنت کے جو ہیں ان کا تو سارے کا سارا اوڑھنا بچھونا قرآن کا نام ہے قرآنی نظامِ دہریت SHADEN کے نام سے اشتر اکیٹ اور الحاد کے علمبردار ہیں۔ ان کے نزدیک معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے دور کی حد تک واجبِ اطاعت تھے وہ بھی مرکزِ ملت کی حیثیت سے نہ کہ رسول کی حیثیت سے۔ رسول کی حیثیت سے تو بس ان کا کام قرآن کو پہنچانا اور حالات و ظروف کے مطابق اس کی عملی تعبیر (INTERPRETATION) کرنا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے شریعت کا جو نظام دنیا کو دیا تھا، جس کا کامل غور و خلافت راشدہ کے دورِ سعید میں ہوا، ان منکرینِ حدیث و سنت کے نزدیک وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اپنے دور کا ہر مرکزِ ملت قرآن سے اصول لے کر شریعت کا نظام رائج کرنے کا مطلقاً مختار و مجاز ہے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ، صوم و حج کو وہ مستقل ارکانِ اسلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کی راستے میں احوالِ فُرُوف کے مطابق ان میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور لازماً ہونا چاہیے۔ یہ گمراہ کن پوری تحریک قرآن کے نام پر اٹھی اور اسی نام پر وہ ہمارے معاشرے میں گمراہی پھیلا رہی ہے۔

ہمارے علمائے حق کو پہلے پہلے یہ جو چر کے لگے ہیں اور تجربات ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دودھ کا جلا چھاپھر چھونک چھونک کر پیتا ہے اور سانپ کا ڈسار بھی سے بھی ڈرتا ہے۔ یہ ہے اصل سبب جس کی وجہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ ہمارے ماں جو فقہی ملک ہیں اور علمائے کلام کے جو حلقے ہیں ان میں سے جو علمائے حق ہیں وہ بہت ہی متردد اور نکر مند ہو جاتے ہیں کہ قرآن کا نام لے کر کچھ لوگ آگے آرہے ہیں — میں نے آخائیں میں آیات کی تلاوت کی ہے، ان میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۵ بھی پڑھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں، اَلَّذِي يُدۡخِلُ فِيهِ الْغَيۡثَ اَوْ يُخۡرِجُہٗ مِنْہٗ بِاَمۡرٍ مِّنۡہٗ اِنَّہٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ یہ کثیراً قرآن ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ محبتوں کو گمراہ کرتا ہے اور

مبتوں کو اسی قرآن کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے۔ اصل میں فیصلہ کن چیز یہ ہوتی ہے انسان کی اپنی باطنی کیفیت۔ اگر کسی شخص میں عجب ہے، تکبر ہے، استکبار ہے، شہرت و وجاہت طلبی ہے، کچھ بننے کی اکرز وہ ہے، اپنی عقل و فہم پر اعتماد میں غلو ہے، اپنی بڑائی اور انفرادیت کا اظہار کی خواہش اور شوق ہے، وہ کسی ہندار اور گھمنڈ میں مبتلا ہے اور اس کا چلبے صبح و شام قرآن مجید سے کتنا ہی اعتناء ہو اور کتنا ہی تعلق ہو، ایسا شخص آج نہیں توکل خود بھی نفعے میں مبتلا ہوگا اور بہتوں کو نفعے میں مبتلا کرنے کا باعث بن جائے گا۔ لیکن اگر اس کی طبیعت میں غلو ص و اخلاص ہے، تواضع ہے، انکسار ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں قرآن کی جو خدمت کر رہا ہوں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے کر رہا ہوں۔ اس میں میرے کسی ذاتی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر یہ انداز ہوگا تو انشاء اللہ اللہ قرآن مجید اپنی ہدایت اس پر روشن کرنا چلا جائے گا۔

METHODOLOGY

اب اس ضمن میں ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اصل کیا ہوتی ہے۔ ان تمام مگرہ فرقوں اور تحریکوں کا طریق کار (METHODOLOGY) یہ ہے اور یہ سب میں مشترک وصف ہے۔ اور میں اس وقت اس کو اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ پھر ملاقات ہوتی ہے یا نہیں یا امیر مینائی کے اس شعر کے مصداق :-

امیر جمع ہیں احباب در و در دل کہلے پھر اتقا ستہ دل دوستاں بہہ نہ بہے

لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر میں اپنے غور و فکر کے نتائج اور اپنے خیالات و وضاحت سے آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں، وہ METHODOLOGY یہ ہوتی ہے، طریق کار یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک ادھ مسئلہ کو پھر ذکر جو اہمیت میں متفق علیہ رہا ہے، مجمع علیہ رہا ہے، تمام فقہاء کے کرام تمام محدثین عظام، تمام علماء متفقانی، تمام مفسرین کرام سب کے سب اس مسئلہ کو مانتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اس ایک مسئلہ کو اٹھا کر لوگوں کو اس معاملہ میں مبتلا کر دیجئے کہ یہ بات غلط ہے اس ایک تیسرے کتنے نکار ہو گئے اگر آپ نے اس متفق علیہ مسئلہ کے بارے میں لوگوں کو بد نظر کر دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب آپ نے اپنے عقیدت مندوں کے ذہنی و قلب میں یہ بات ڈال دی بلکہ بجا دی کہ سارے فقہاء کو دن تھے، سارے محدثین نا مجھ تھے، سارے مفسرین بے ہوش تھے، سارے علماء امت بے عقل تھے اور ہیں کہ اتنی سیدھی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، ہمارے ممدوح کی سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جو عموماً ایسے لوگوں کو تمام اکابر اسلاف سے سوجھ غن میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مثال دیا کرتا ہوں کہ یہ لوگ یا تو اُس

بلے لنگر جہاز کے مانند ہیں جو لہروں کے رحم و کرم پر ہے، لہریں اس جہاز کو جدھر چاہیں لے
یا کئی ہوئی تپنگ کے موافق ہیں۔ ڈور کٹ گئی، اب تپنگ ہوا کے رحم و کرم پر ہے وہ جدھر
اب جیسے ہی اسلاف سے بدظنی پیدا ہوئی، شیطان کو موقع مل گیا کہ وہ گمراہی پر گمراہی کا در
کھولنا چاہتا ہے اور ظلمات فوق ظلمات کا نقشہ مجادے — اس لئے کران کے دلوں میں
عنکبوت کا سکہ اپنے ممدوح کا بیٹھ جاتا ہے کہ جو بات خلفائے راشدین کی سمجھ میں نہیں
امام ابوحنیفہ کے پنے نہیں پڑی، امام مالک کے ذہن کی جہان تک رسائی نہیں ہوئی، امام ربیع
جس کو سمجھنے سے قاصر رہے، امام احمد ابن حنبل جس کی تہ تک پہنچ نہ پائے، رضی اللہ عنہم درہ
علیہم اجمعین — مزید یہ کہ امت کے تمام قابل اعتماد مفسرین چاہے وہ متقدمین میں
ہوں یا متاخرین میں سے جس بات کے فہم سے عاری رہے، تمام علمائے حقانی کی عقل چ
کے بجھنے سے عاجز رہی — قرن اول سے تا اب دور جس مسئلہ میں پوری امت کا توا
ساتھ اجماع رہا ہے وہ اجماع غلط رہا ہے۔ اس مسئلہ کا صحیح عقدہ تو ہمارے ممدوح عا
اور مفسر قرآن پر منکشف ہوا ہے۔ لہذا شعوری یا غیر شعوری طور پر ان معتقدین کے قلب
میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ ان تمام اسلاف کا امام مطلق اور مجتہد مطلق تو ہمارا ممدوح ہی —
غیبت مند لوگ جب اجماع امت کے خلاف ایک مسئلہ میں اپنے ممدوح کی رائے کو مان
تو بہت آسان ہو گیا کہ وہ جو چاہے زہر گھول دے۔ جو کڑوی گولی چاہے اپنے عقیدت مند و
حق سے اتروادے — یہ ہے مشترک METHODOLOGY یہ ہے مشترک طریق
ان لوگوں کو معتقدین کس طرح اور کہاں سے ملتے ہیں جو اس فتنہ کے فروغ کا ذریعہ
ہیں یہ بات بھی تجزیہ طلب ہے۔ اس بارے میں اپنے غور و فکر کا نتیجہ آپ حضرات کے سامنے
دیتا ہوں۔ علمنا وہ تعلیم یافتہ لوگ جو دین کے طالب علم ہوتے ہیں انہوں نے خود دین کا با
طور پر مطالعہ کیا ہوتا ہے۔ دنیوی تعلیم کے اعتبار سے وہ چاہے گریجویٹ ہوں، علوم جدید
سے کسی علم میں پی ایچ ڈی ہوں، کوئی قانون میں بار ایٹ لا ہو۔ کسی نے FUTIONAL LAW
میں SPECIALIZATION کیا ہو وہ ملکی آئین میں درجہ تخصص رکھتا
کسی نے سائنس اور انجینئرنگ کی اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کی ہوں۔ لیکن دین کے بنیادی علم
کوئی شغف نہیں، اس کا کوئی فہم نہیں۔ اس معاملہ میں بالکل کورے۔ الاما شاہد اللہ۔ زیادہ سے
تعلیم آبا کے طور پر نماز روزے سے کچھ تعلق رہا تو رہا اور نہ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ اس طبقے کے مت

ایک بزرگ کہا کرتے ہیں اور بالکل صحیح کہا کرتے ہیں پڑھے لکھے جاہل دین کے اعتبار سے تو یہاں پڑھیں جو کہ اس طبقے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ انہیں نافرہ قرآن تک پڑھنا نہیں آتا۔ یہ طبقہ ہے جس میں سے اکثر ایسے لوگوں کے پھندے میں چھن جاتے ہیں۔ انہیں نظر آتا ہے کہ دین اور قرآن کے یہ لوگ بڑے غلام ہیں، بڑے عالم ہیں، بڑے معقول لوگ ہیں، بڑے ذہین و فطین ہیں ان کی ذہانت و فطانت کا دنیا میں لوٹا مانا جا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا براہ راست دین کا اپنا مطالعہ نہیں ہوتا لہذا جس شخص کو بھی انہوں نے اس طور سے مان لیا کہ دین کی غلط اہم بات اس کی سمجھ میں آتی ہے جو آج تک کسی اور کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو پھر وہ شخص ایسے لوگوں کو جبراً چاہے لے جاتے۔ پھر ایسے لوگ اندھے اور بہرے ہو کر اس کا اتباع کرتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں۔

بغرض تعلیم میں چند مثالیں قدرے تفصیل سے پیش کرتا ہوں۔

سرسید احمد خان کا اس موقع پر میں تذکرہ نہیں کر دوں گا چونکہ وہ جن گمراہیوں کے بانی و مہمانی تھے ان کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان کی ذات سے کوئی فرقہ، کوئی جماعت، کوئی تنظیم وجود میں نہیں آئی۔ انہوں نے سماجی طور پر مسلمانوں کی خدمت کو اپنے لئے عملی جولان گاہ بنایا اور ہمیں اعتراض کرنا چاہیے کہ اس میدان میں انہوں نے مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ لہذا سرسید کی بات یہاں چھوڑ دیجئے۔ اب آپ دیکھتے مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا کیا۔ اس نے جب ابتداً قرآن کا نام لے کر اور آریہ سماجیوں نیز مسیحائیوں سے مناظرے کر کے اپنا ایک مقام بنالیا۔ معتد بہ افراد اس کے حلقہ امداد و عقیدت سے وابستہ ہو گئے تو اس نے ایک مسئلہ اٹھایا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا جبکہ شریعت زفرہ آسمان پر اٹھاتے جانا اور پھر انہی حضرت ابن مریم کا مجسمہ، بعینہ بنس شریعت دوبارہ آسمان سے نازل ہونا، یہ وہ مسئلہ ہے جو امت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک اس پر پوری امت کا اجماع چلا آ رہا ہے، متعدد احادیث صحیحہ اس مسئلہ پر موجود ہیں۔ تمام فقہاء امت جن کے علم و فضل تک آج کے دور کا انسان بیسیوں مرتبہ مکرر دوبارہ پیدا ہو جائے تو بھی نہیں پہنچ سکتا، وہ سب کے سب اس کو مانتے ہیں۔ تمام محدثین کرام اس کو مانتے ہیں۔ آج تک جتنے بھی امت میں قابل اعتماد مفکرین و مفسرین پیدا ہوئے ہیں وہ تمام کے تمام اس کو مانتے ہیں۔ لیکن غلام احمد قادیانی نے زرفع و نزول مسیح کے انکار کا مسئلہ کھڑا کر دیا جو نہ وہ وہ

(NEWTONIAN) دور میں متنی آئن اشٹن کا دور شروع نہیں ہوا تھا۔ لہذا اس زمانے میں یہ بات ایک انگریزی دان اور عقلیت زدہ شخص کے لئے بڑی عجیب سی متنی کہ ایک زندہ انسان کیسے آسمان پر اٹھایا جاسکتا ہے! پھر وہ کیسے آسمان سے نازل ہوگا! اس نے اس مسئلہ کو ہوا دی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو تو یہ مغالطہ دیا اور عوام کو اس دلیل سے قریب دیا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین ہیں، افضل الرسل ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرتؐ تو اشتغال فرما جائیں اور آپؐ کا جسد الطہرؑ زمین پر دفن ہو! اور حضرت مسیحؑ اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ ہوا اس طرح تو حضرت مسیحؑ ہمارے رسولؐ سے افضل قرار پاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کو ان کے حواریوں نے انجیل حبیب سے اتار لیا تھا وہ زندہ تھے، بغنیہ طور پر ان کا علاج و معالجہ ہوا۔ پھر وہ چھتے پھپھتے بیت المقدس سے نکل گئے اور کشمیر میں آکر آباد ہوئے، وہیں طبعی موت مرے اور دفن ہوئے، ہمارے حواریوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور غلط تاویلات کرتے رہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کو اس نے خوب ہوا دی اور اس کے ذریعہ سے اس نے اپنے معتقدین کو سلف سے کاٹ دیا۔ جب وہ لنگر کٹ گیا، ڈور کٹ گئی تو اب وہ ہمارے رحم و کرم پر ہیں، جس طرف چاہو ان کو لے جاؤ اور جو چاہو ان سے منوالو۔ اس لئے کہ معلوم ہمارے سب سے بڑھ کر عالم تو یہ ہے۔ اب اس نے بتدریج دعاوی شروع کئے۔ اس نے کہا کہ احادیث میں جس میں مسیحؑ کے آلے کی خبر ہے وہ ہذا تم مسیح مینس بلکہ مثیل مسیح کی ہے اور وہ مسیح موعود اور مثیل مسیح میں ہوں۔ نوبت بایں جاسید کہ پھر وہ صاحب وحی نبی بن بیٹھا اور اپنے ہزاروں ماننے والے اپنے گرد جمع کر لئے اور بہت سی خلق خدا کی گمراہی کا سبب بن گیا۔ اسی طریقہ کو فلام احمد پر دینے استعمال کیا۔ نوٹھی غلاموں کا مسئلہ اٹھا دیا، یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ اٹھا دیا۔ قتل مرتد کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ تعدد اولاد کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ یہ وہ مسائل ہیں جو قرن اول سے نامور و متفق علیہ رہے ہیں۔ اہل سنت کے تمام فقہی مکاتب کا ان پر اجماع ہے یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بڑا حساس (TOUCHY) ہے اس نے بڑے PATHETIC انداز میں اس مسئلہ میں رقت آمیزی (PATHOS) پیدا کی اور اپنے زورِ قلم سے یتیم پوتے کے لئے ہمدردیاں حاصل کیں۔ اس طرح قرآن کے نام پر ان تمام متفق علیہ مسائل کے خلاف ایک محاذ بننا کہ بہت سے لوگوں کو اس نے انکار حدیث و سنت کی قتلات میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی شریعت اسلامی کی الف با تا مسمی جانتے ہیں اور اس کی بنیادوں کو جانتے ہیں، اس کے دلائل کو جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے کے پڑے لکھے جاہل تو ایک کھلی چراگاہ ہیں اور ایک ایسا میدان

ہے کہ کوئی بھی ذہین انسان اپنی انشاء پر دہائی اور اپنے خاص اسلوب نگارش کو کام میں لے کر ان دھار کتابیں لکھے اور اس طبقے میں سے کثیر تعداد میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے ایک جمعیت کر لے۔ اب خود سوچئے کہ جو لوگ قائل ہو گئے ان کے اذان پر کیا اغماض مرتب ہوئے! میں ہلکے سے انداز میں یہ تاثرات بیان کر دوں تو وہ یہ ہوں گے کہ ہمارے ائمہ کرام ہمارے فقہائے عظام سے لائق احترام محدثین، مفسرین اور علماء بڑے بھولے بھالے تھے کہ ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں۔ ان کی حقیقت منکشف ہوئی ہے تو اس شخص پر ہلوی ہے۔ یہ ہے وہ METHODOLOGY سے قرآن کے نام پر اٹھنے والی دھوتوں اور تھرکیوں نے منہی انداز اختیار کیا۔ لوگوں کو اسلاف سے یاد دیا اور ان کا حال کٹھی ہوئی پٹنگ کا سا ہو گیا کہ ہوا جدمر چاہے اس کو لے جائے۔

میرے لئے اس معاملہ میں بہت بڑی تشویش والی بات ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ ایک بزرگ جن سے بھی طویل عرصہ تک قریبی تعلق و رابطہ رہا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں کی ہے اور ان کے فکر میں نے ان کی کتابوں کو شائع بھی کیا ہے۔ میرا متنازعہ کا سبب رجم کے مسئلہ میں آکر ان نے بھی وہی روش اختیار کی۔ ساری عمر قرآن کے پڑھنے پڑھانے میں بٹا کر آخر کار یہ ہوا کہ کے متعلق یہ رائے دے دی کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے اسلام میں حد ملحدہ ملحدہ ہے بلکہ شادی شدہ زانی کے لئے بھی سو کوڑے ہیں جو قرآن میں آئے ہیں۔ رجم کا معاملہ تو پر سے متعلق ہے۔ کوئی شخص غنڈہ ہو، اول درجے کا بد معاش ہو، جو معاشرے میں ساڈا بنا پتہ رہا ہو نہ پکڑ میں نہ آ رہا ہو، ایسا شخص جب پکڑ میں آجائے گا تو وہ رجم کر دیا جائے گا ورنہ رجم باقاعدہ نہیں ہے۔ عام شادی شدہ زانی کی سزا وہی سو کوڑے ہیں جو قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے! ابھی وہ زندہ ہیں اور انھیں توفیق دے کہ وہ رجوع کریں اور توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ لو اس کی ہمت دے۔ آدمی کے سر پر جب ایک فلسفہ سوار ہو جاتا ہے تو وہ تمام اعتیادوں کو انکار کر کے اپنی رائے کے حق میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جس کی اس سے توقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ رت ماعز، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن کی توبہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایت ہے کہ اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر ایک بڑے گروہ پر توبہ کر دی جائے تو کافی ہو جائے۔ ان صحابی

بل سنت کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک جن چہ کتب احادیث کو چھلستے کہا جاتا ہے، ان میں مسلم شریف کا شمار سب نمبر پر ہوتا ہے، حضرت ماعز ابن مالک اسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رجم کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے ان بزرگ نے اپنی تحقیق کے نتیجہ میں لفظ استعمال کر دیا نہایت بد فعلت فہم اور یہ اپنی تفسیر میں استعمال کیا، نقل کفر، کفر، باشد، یہاں تک لکھ دیا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کسی غزوے کے لئے نکلے تو یہ چلے گئے دیکھ کر بیٹھ رہتا اور مردوں کی ہدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شرین ہوسٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے۔ آگے اس سے بھی زیادہ ایک نہایت غیر شائستہ بات لکھی ہے۔ وہ ہیں آپ کو نہیں سنا ناچا ہوتا۔ آگے اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں نہیں آتا تھا اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپ نے اسکو بلو کر تکیے انداز میں پوچھ لیا۔ وہ تاذ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے لئے رجم کا حکم دے دیا: شاید اسی سے متاثر ہو کر شریعت کو رٹ نے یہ فیصلہ دے

دبقہ صغیر سترہ: یہ ارشاد مروی ہے: اَلْعَذَابُ نَارٌ نُّوْبَةُ نُوْبَةٍ نُّوْقِسِمَتْ يَنْفُ اُتَتْ نُوْمِسْعَتْ هُوَ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ماعز اسلمی کے بارے میں حضور کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: اِنَّهُ اَلَا نَ كُنِيَ اَنْهَارِ اَلْبُحْبُةَ يَنْفُسُ (مرتب)

لے ان بزرگ کی تحقیق کا تجزیہ کیجئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کے تھانہ داروں کی طرح THIRD DEGREE استعمال کہے ان صحابی کو اقرار جرم پر مجبور کر دیا تھا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ اس طور پر حاصل شدہ اقرار جرم کی قانون کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس طرح واضح ثبوت کے بغیر محض تکیے انداز سے پوچھ گچھ کے نتیجہ میں مجبور کہ اقرار جرم کا نہ کا الزام معاذ اللہ اس صحت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتا ہے جو نظام عدل و قسط قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئی تھی: اَوُ امْرِئَتٌ اَوْ غَدِيٌّ يُّبَيِّنُ كُفْرًا۔ عربیہ جہاں ایک نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ ان محقق مفسر قرآن نے متضاد مرتبہ لکھا ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے: لیکن کسی ایک روایت کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ جب کہ تحقیق کا حق انھوں نے اتنا غنا یہ تھا کہ ایک صحابی پر جب زبان طعن کھول دی ہے تو ان روایات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے کہ تحقیق کی جاسکتی کہ ان روایات کا مقام کیا ہے اکثر معتبر کتب احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی جبر و کلام کے نہ خود اقرار و نہ اقرار جرم کیا تھا۔ نبی اکرم نے ان کو طمانچا یا ایک دم مصر ہے کہ ان کو پا کر دیا جلتے حضور نے تحقیق فرمائی کہ یہ نشر تو نہیں کرتے ان پر دیوانگی کا تودہ نہیں پڑتا۔ جب ایسی کوئی بات نہیں نکلی کہ گفت کا فائدہ ان صحابی کو پہنچ سکتا تو آپ نے ان کے اصرار پر رجم کی حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا (مرتب)

دیا تھا کہ رجم اسلامی حد میں ہے۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ بعض حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو اسے خیر دے۔ حکومت نے اپنے ہی قائم کردہ شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ مجھے اس وقت اچھی طرح یاد میں کہ سپریم کورٹ نے از خود اس فیصلہ کو کالعدم قرار دے کر رجم کو اسلامی حد قرار دیا یا اس فیصلہ کو نظر ثانی کے لئے پھر شریعت کورٹ کو REFER کر دیا اور شریعت کورٹ نے بالآخر طے کر دیا کہ رجم معین اسلامی حد ہے اور اگر شادی شدہ زانی کا جرم ثابت ہو جائے یا وہ بغیر کسی باؤ کے خود اقرار کر لے تو اس کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت نہیں لہذا ایسے فرد پر چاہے وہ مرد ہو یا عورت، رجم کی حد جاری کی جائے گی۔ یہاں میں آپ حضرات کو یہ بھی بتا دوں کہ جتنے بھی رجم ہوتے ہیں، وہ اقرار کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ یہ گمراہی بڑے پیمانے پر تو نہیں آئی۔ اگر خدا نخواستہ شریعت کورٹ کا وہ فیصلہ برقرار رہتا تو آپ کو معلوم ہے کہ عدالتوں کے فیصلے تو لٹریچر کا مستقل جز بنتے ہیں، وہ نظر تربتے ہیں۔ ان کے حوالے دیتے جاتے ہیں ان سے سند پکڑی جاتی ہے۔ لہذا اس طرح ایک بہت بڑی گمراہی کو قانونی جواز حاصل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔

لیکن ان بزرگ کا ایک مستقل حلقہ تو ہے۔ ان کے معتقدین تو موجود ہیں جو امنی کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان ہی کے کانوں سے سنتے ہیں، ان کی مائے پراندہ حاحا اعداد رکھتے ہیں چنانچہ اسی حلقے سے ایک نوجوان ایسے نیکے کا انصوں نے آگے بڑھ کر جو جسارت کی ہے وہ بھی مسلمانوں کے کیلئے کچھ دیدنے اور چھلنی کر دینے والی ہے۔ اور وہ اس غامدی خاتون کے بارے میں کہتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ چمکا چلائی تھی وہ غامدی خاتون جن کے بارے میں احادیث صحیحہ میں تفصیلات ملتی ہیں کہ وہ خود چل کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضورؐ مجھ سے وہ خطا سرزد ہو گئی ہے جس کی سزا رجم ہے مجھے پاک کر دیجئے میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس کی سزا آخرت میں ملے۔ مجھے اس گناہ سے عیسٰی پاک کر دیجئے حضورؐ نے ہر طرح انہیں ٹالا کہ کیا کہہ رہی ہو! کیسے پاگل تو نہیں ہو گئی ہو! انہوں نے کہا حضورؐ مجھے تو اس گناہ سے محل ہے حضورؐ نے فرمایا کہ محل ہے تو قصور تمہارا ہے، اس غمی جان کا کیا قصور ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ باؤ وضع محل کے بعد آواز وضع محل کے بعد وہ اللہ کی بندی پھر گئی۔ آپ سوچئے کہ رجم کی سزا سے زیادہ واقعہ سخت سزا اور کوئی نہیں۔ پھر مار مار کر ہلاک کرنا سنگسار کرنا۔ لیکن وہ اللہ کی بندی چل کر پھر آ رہی ہے کہ حضورؐ ولادت ہو گئی ہے مجھے پاک کر دیجئے یہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ ابھی اس کا وجود تیرے وجود کا محتاج ہے، یہ زندہ کیسے رہے گا۔ جاؤ اس کو دو دھڑلاؤ وہ اللہ کی بندی چلی گئی

اور تیسری مرتبہ حاضر ہوئی۔ پھر اس کی گود میں ہے اور روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں ہے اور عرض کرتی ہے کہ حضور دیکھئے کہ یہ بچہ اب اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنی غذا حاصل کر سکتا ہے۔ یہ میرے دودھ کا محتاج نہیں رہا۔ مجھے پاک کر دیجئے؟ میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس خاتون کے رحم کا حکم دیتے وقت کتنا بڑا پتھر اپنے دل پر رکھا ہو گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس کی شان خود اللہ تعالیٰ نے رؤف درجہم بیان فرمائی ہے۔ لیکن حضور نے شریعت کا تقاضا پورا فرمایا اور اس خاتون کو رحمہم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس خاتون کے بارے میں جس کی توبہ مثالی توبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف آخرت اس کے دل پر کس طرح نقش تھا۔ لیکن ان بزرگ کے حلقے کے ایک نوخیز صاحب ایسے اٹھے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ چکلا چلاتی تھی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اپنے ممدوح کی وکالت میں اس حد تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اس واقعہ سے متعلق عام صحیح احادیث کو یکسر مسترد کر دیا۔ یہ ہیں وہ نئے جو اسی انداز میں آپ کے شہر لاہور میں اٹھ رہے ہیں۔

یہی صاحب جواب ان بزرگ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے اور رحم کے معاملے میں ان کے سب سے بڑے ADVOCATE ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ وہ آج سے قرینہ تین چار سال پہلے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم جمیعین سے بھی خود کو بالاتر سمجھنے کے نعش میں مبتلا ہیں۔ ابھی ان کی عمر اقلین تیس بتیس برس ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت قرآن کے قانون وراثت پر ایک مضمون لکھا تھا جو ان کے رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن کا قانون وراثت کسی کی سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ یہ تو قیاس تیار ہوں۔ اور یہ کہ کلام کے معنی تو آج تک کوئی سمجھ ہی نہیں سکا۔ کلام کا وہ قانون جو سورۃ النساء میں آیا ہے، جس کے بارے میں اسی سورۃ صبار کہہ آفریں ایک مزید توضیحی آیت آئی جس کے آخر میں اس توضیح کا سبب بیان فرمایا گیا، فَبَيَّنْتُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَبْشُرُوا، اللہ (اس قانون) کی تمہارے لئے تبیین فرما رہا ہے، مبادا تم گمراہ ہو جاؤ۔ ان صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اس کے باوجود اہمیت چودہ صدیوں تک گمراہ رہی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کلام کا قانون کیا ہے؟ اب میں اس کو بیان کر رہا ہوں۔ یہ بچے کوڑا کرکٹ اور نیم چڑھا والا معاملہ

۱۔ اسی صحیح میں غایہ قانون کے بعد میں اکتھو صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مردی ہے، قَوْلَ اللَّهِ لِي نَفْسِي مَبْدُوءُ لَعْنَةُ تَابَتْ تَوْبَةُ لَوْ تَابَتْهَا حَاجِبُ مَكْسُ لَعْنَةُ لَعْنَةُ لَعْنَةُ

جوان رج کے معاملے میں ان بزرگ کے ہم نوا بھی ہو گئے اور ان کے حلقہ متعقدین میں بھی شامل۔ تو یہ ایک فتنہ ہے جو اس وقت اسی شہر لاہور میں جڑیں پکڑ رہا ہے۔

میں نے ایک مرتبہ پہلے ایک صاحب دین کے متعلق کہا تھا کہ عموماً ہوتا ہے کہ جب فتنہ کا آغاز ہوتا ہے تو توجہ نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنی جڑیں زمین میں اتار لیتا ہے اور تناؤ درخت بن جاتا ہے کی شاخیں پھیل جاتی ہیں، تب کچھ لوگ اپنی کٹھیاں اور تیشے لے کر آتے ہیں۔ لیکن اس وقت نہیں جاتی۔ جو محدود فتنہ مضبوط تناؤ درخت بن چکا ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی جڑیں کافی مضبوط ہو چکی ہوتی ہیں۔ اسی لئے میں نے ضروری سمجھا کہ فتنہ کے متعلق آپ حضرات کو بروقت خبردار اور آگاہ کر دوں۔ جو ٹھیکہ کام بھی قرآن کے نام پر ہو۔ اس کے لئے بھی جو شور اور ہنگامہ ہے وہ بھی قرآن کے حوالے سے ہے۔ یہ ایک تازہ تیل لٹی ہے۔ اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے اس پر اتنی تشریش کی ضرورت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے ایک ہی مسئلہ رفع و نزول مسیحؑ کا ٹکڑا لٹکے لے اپنے متعقدین کو سلف سے خلف تک جس مسئلہ پر اجماع رہا ہے اس کے متعلق شک اور ہمتلا کر دیا تھا اور ان کو اپنے ماضی اور اسلاف سے کاٹ دیا تھا۔ اسی مسئلہ کو منکر وہ درجہ اگے بڑھا۔ مجتہد ہونے کا دعویٰ کیا۔ جن لوگوں نے یہ دعویٰ مان لیا تو پھر ان کے حلقے سے مسیح موعودؑ سج اور بالآخر نبی ہونے کے دعویٰ تسلیم کرالے۔ دروغور کیجئے کہ ختم نبوتؑ، رفع و نزول مسیحؑ وہ، وہ اکثر ان چیزوں کو ماننے ہیں جو ہمارے مان تسلیم شدہ ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج قابل۔ قرآن کو ماننے کے وہ مدعی، مکتبہ شریعت کو امت کا مرکز تسلیم کرنے کے وہ مقرر۔ اپنی امت کے مقام کو مسجد سے موسوم کرنے پر وہ حامل، یہ تو ہم نے ختم نبوتؑ کے انکار کی وجہ سے ان کے ان کو کاٹا۔ اور اب حال ہی میں صدارتی آؤڈینس کی رو سے ان کے لئے اسلامی اصطلاحات، تمثال کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ لہذا جان لیجئے کہ فتنہ کسی ایک یا چند مجمع علیہ مسائل کے میں نئی اور چھوٹی بات زور دار طریقے اور مخالف آمیز طرز استدلال سے پیش کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ اس کو ہمارے معاشرے کے تعلیم یافتہ تھلاؤں کے حلقے سے اترا دیا جاتے تو پھر ہی چراگاہ مل جاتی ہے۔ اور ایک ایسا میدان حاصل ہو جاتا ہے کہ اس میں ٹھکاری جس طرح سکار کھیلیں۔

میں نے چاہا کہ چونکہ ان بزرگ سے میرا بھی قریبی تعلق رہا ہے اس لئے بات وضاحت سے

آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔ جیسے ہی طباعت کے بعد ان کی تفسیر کی جو حقیقی جلد میں رجم کی بحث میرے علم میں آئی اسی وقت الحمد للہ میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اس جلد کو دوبارہ شائع نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میرا تعلق اسلاف کے ساتھ ہے۔ اور اسلاف سے خود کو کاٹ دینا طاقت کے مترادف ہے۔ میں نے دعوت رجوع الی القرآن شروع کرتے وقت چند اصول اپنے پٹے باندھ لئے تھے جن کا ذکر میں آگے کروں گا۔

میں یہ بات کئی بار عرض کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ میں عالم دین ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہوں۔ میں قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم اور ادنیٰ خادم ہوں۔ میں نے امت کے موجودہ زوال کے اسباب پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کیا تو جس شخص تک پہنچا وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ مجھے اس کی تائید الحمد للہ حضرت شیخ الحدیث سے ان کی عمر کے آخری دور کے عراقی سے مل گئی۔ میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔ مجتہد ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ فقہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود ہے۔ چنانچہ میں فقہی مسائل کے متعلق استفسارات کے جواب دینے سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہوں۔ میں نے ماہنامہ میثاق کے ذریعہ اعلان کر دیا تھا اور تنظیم اسلامی کے نوں سالانہ اجتماع میں اپنے رفقاء سے بھی کہہ دیا تھا کہ جس فقہی مسلک پر آپ مطمئن ہیں اس پر عمل کیجئے۔ کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اپنے مسلک کے مستند علماء اور دارالافتاء سے رجوع کیجئے۔ پھر یہ کہ میری نچتر رائے ہے اور میں اس پر جازم ہوں کہ کسی مسئلہ پر اسلاف کی متفقہ رائے سے اختلاف خواہ وہ کسی ایک مسئلہ ہی میں کیوں نہ ہو انتہائی خطرناک ہے۔ اس طرح فقہوں کا آغاز ہوتا ہے۔ تادیبیت اور پروہریت کے ناموں سے اسی طرح پیدا ہوتے۔ غور کیجئے کہ آج کل کے ہم لوگ جس نوعیت کے ہیں، ہادی سیرت و کردار کے جو معیارات ہیں ان کے اعتبار سے کوئی مجتہد مطلق بن کر کھڑا ہو جائے اور خلفاء اربعہ ائمہ اربعہ، تمام محدثین کی متفق علیہ اور مجمع علیہ رائے کے خلاف رجم کے معاملہ میں کہہ دے کہ یہ حد نہیں ہے۔ تو دینی اعتبار سے یہ کتنی خطرناک بات ہے۔ یہ تو تمام اسلاف کے فہم دین کے خلاف اظہار عدم اعتقاد ہے۔ رجم کا مسئلہ وہ ہے کہ جس سے خوارج اور چند معتزلہ کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا، مسلمانی مسلک کے ماننے والے بھی اس کو تحدّ قرار دیتے ہیں۔ امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ بھی اسے حد قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت کے تمام مسالک کے علاوہ اہل تشیع کے جتنے بھی SHADES ہیں وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ رجم حد ہے۔ ایسے متفق علیہ مسئلہ کے خلاف اپنا اجتماع پریش کرنا۔ یہ جوتا ہے دراصل کسی فتنے کے آغاز کا سبب۔

ان بزرگ کے بارے میں تو میں یہ نہیں کتا کہ ان کے پیشِ نظر کسی فتنہ کا افغان ہے۔ وہ عمر کے ایٹج پر ہیں وہ طبعی عمر کی قریباً آخری ایٹج کے زمرے میں آتی ہے۔ حسرت ہوتی ہے تو اس پر کہ عمر کے آخری حصہ میں کوئی شخص ایسی گمانی لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچے۔ ان کے لئے تو ملہ حسرت ناک اور افسوس ناک ہے۔ لیکن وہ نوجوان جو ہیں، ان کا جواٹھان ہے کہ آج وہ رجم کے طے میں ان بزرگ کے ہم نوا اور وکیل بنے ہیں۔ اس سے پہلے وہ کب کچے ہیں کہ قرآن کے قانون میراث و رکالہ کے معنوں کو ان کے سوا آج ہم کوئی سمجھا ہی نہیں۔ یہ دعویٰ یقیناً ایک بالقوۃ (POTENTIAL) نہ ہے اس کے اندر یقیناً وہ امکانات موجود ہیں جو کسی فتنہ کو جنم دیا کرتے ہیں۔

اب آخری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے اس DILEMMA میں اس ری مشکل کا حل کیا ہے؟ یہ DILEMMA کہ ایک طرف قرآن مجید اور سیرت مطہرہ سے یہ ہم ہوتا ہے کہ دین کا جو بھی نتیجہ خیز پائیدار اور مستقل کام ہو گا وہ قرآن کے ذریعہ ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اساسی منہج انقلاب قرآن مجید تھا؛ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وُیُؤْمِنُ بِهَا وُیُعَلِّمُ الْکُتُبَ وَانْجَمَتْ دُحُوْرُہُمْ وَنُجُوْمُہُمْ وَیُؤْمِنُ بِمَا نَزَّلْنَا مِنْ کِتٰبٍ مُّحْمَدٍ وُیُؤْمِنُ بِمَا نَزَّلْنَا مِنْ کِتٰبٍ مُّحْمَدٍ۔ صحابہ کرام کو بنیان مرموع بنایا تو قرآن کے ذریعہ کیا۔ اب اگر کوئی کام کرنا چاہے گا تو قرآن مجید کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ان محاذوں کے لئے کارگر اور مؤثر کموار ایک ہی ہے اور وہ قرآن ہے۔ ماضی قریب کے ہمارے

اکابر ایک شیخ المسند رحمۃ اللہ علیہ اور ایک علامہ اقبال مرحوم وہ اسی کے مؤید اور ADVOCATE۔ کام اگر ہو گا تو قرآن کے ذریعہ ہو گا۔ دوسری طرف قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کا یہ حشر ہے۔ دوسرے علمائے کرام کے اندر سو بوجھن ہے۔ وہ قرآن کے نام پر اٹھنے والی دعوت اور تحریک سے دھمکے کرتے ہیں، اندیشوں و خدشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ایں ہم بچو شتر است، ہو سکتا ہے شخص بھی کوئی یافتہ کھڑا کر دے۔ میں جب اس نتیجے پر پہنچا تو اس وقت سے مجھے علماء کرام اس موقف سے ایک ہمدردی پیدا ہو گئی، لیکن اس DILEMMA کا حل کیا ہے؟ اس کے ضمن میں میرے سامنے ایک پانچ نکاتی پروگرام ہے جو میں آج آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ مانوں پر قرآن مجید کے حقوق کے نام سے میرا ایک کتا چھپے جس میں، میں نے قرآن مجید کے حقوق بیان کئے ہیں۔ جہاں بالقرآن کے ضمن میں پانچ محاذ ہیں انہیں آپ کو گنوائے۔ پانچ ہی وہ نکات

کہا محالہ کام تو قرآن مجید ہی کے ذریعہ کرنا ہو گا۔ البتہ فتنہ سے بچنے کے لئے پانچ نکات، پانچ اصول ملحوظ رکھنے اور پانچ اقدامات کرنے ہوں گے۔

پہلا تو یہ ہے کہ اسلاف کے ساتھ دل کا، محبت کا، عقیدت کا، احترام کا ہمارا تعلق کسی طور سے بھی کٹنے نہ پائے۔ اس کا اس درجہ اور اس حد تک اہتمام کیا جائے کہ اگر ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں کوئی ایسی چیز نظر آجھی جائے جو ہمارے لئے بظاہر قابل احترام ہو تو اولاً ہم اس کی بہتر سے بہتر تائید کرنے کی کوشش کریں گے اگر تائید کی گنجائش موجود ہو، دیکھیں اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہم یہ طے قائم کریں گے کہ یہ قابل احترام بات ان کی کتاب میں کسی اور نے شامل کر دی ہو گی۔ اس لئے کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ اعداء نے بڑے پیمانے پر یہ کام کئے ہیں۔ اس مسئلہ پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بڑی تحقیق و تفتیش اور محنت و کاوش سے تاریخ تصوف نامی کتاب لکھی تھی۔ وہ تو فرقہ واریت کی نذر ہو گئی اور وہ منظر عام پر نہ آ سکی۔ لیکن اس کتاب کا ایک باب وہ شجاع کوئی سرکاری ادارہ شائع کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت دی اور میں نے اسے شائع کر دیا۔ اس باب کا عنوان ہے: اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نفریات کی آمیزش تہیں آپ کو دعوت دوں گا کہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ یہ کتاب ہمارے مکتبہ سے دستیاب ہے۔ اس میں چشتی صاحب مرحوم نے سیکڑوں مثالیں جمع کر دی ہیں کہ کتابوں میں باطل پرست خاص طور پر باطنی فرقے کے لوگوں اور عالی قسم کے اہل تشیع نے اہل سنت کے صحیح العقیدہ صوفیاء کرام کی کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دی ہیں جو ان کے مسلک صحیح عقیدے اور فرائض کے خلاف ہیں ان میں تین کیس ہیں۔ تحریر ہے۔ میان تک کہ انھوں نے صحیح حوالے کے ساتھ یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی مشہور اور بڑے عالم کی زندگی ہی میں ان کی کتاب میں تحریف و تدیس ہو گئی۔ وہ کہیں گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی کتاب میں وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں جو کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی تھیں۔ انھوں نے دریافت کیا یہ کیسا ہے؟ جواب ملا کہ یہ کتاب آپ کی ہے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک سازش کے تحت ہمارے بہت سے بزرگوں کی کتابوں میں تدیس و تحریف ہوئی ہے۔ لہذا اسلاف میں سے کسی معتبر و معتمد عالم اور بزرگ کی کسی کتاب میں کتاب و سنت کے اعتبار سے کوئی قابل احترام بات نظر آنے لگی تو اسے تدیس و تحریف سمجھا جائے گا۔ ایسے معتمد علیہ کسی بزرگ کی توہین کرنا، ان کی تنقیح کرنا، ان کے احترام کو مجروح کرنا یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ میں اس بارے میں بیان کر چکا ہوں کہ اسلاف سے منقطع ہو کر انسان بے فکر کا بھاریا کٹی ہوئی چٹنگ:

ہے کہ اہل سنت کے تمام مسالک جہن بر کتاب و سنت ہیں، تاکہ دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے ان کے دلوں میں غیریت کا احساس بالکل پیدا نہ ہو۔ رہا ان حضرات کا معاملہ جو دین کے خادموں جو میدان میں آکر دین کی خدمت کر رہے ہیں، جن کے سامنے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیائے دین منزل ہے، انھیں تو یقیناً اس تقییدِ جامد سے نکلنا پڑے گا۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ حب ہم مانتے ہیں اہل سنت کے تمام مسالک ہمارا COMMON HERITAGE ہے، ہمارا مشترکہ ہے، ہمارا علمی ورثہ ہے۔ ائمہ اربعہ کو تو ہم مانتے ہیں کہ یہ اہل سنت کے امام ہیں۔ اور امام بخاریؒ کی کتاب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ العظیم البخاری۔ تو کم از کم ان پانچ دائروں کی حد تک تو اپنے قلب اور ذہن کو کشادہ اور وسیع کیا جائے۔

نے مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے حوالے سے جو وحدت امت کے نام سے مطبوع ہے میں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن کی تبلیغ و دعوت کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کو سنا چکا۔ جن کا ائمہ و حضرت شیخ الحدیث نے اسارتِ مالٹا سے واپسی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں علماء کے اجتماع میں کیا تھا۔ اسی کتاب میں بہت ہی وقت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسا و مفتی صاحبؒ نے بیان کیا ہے کہ اسے اب زور سے جی مٹھا جائے تو جی اس کی غفلت کا حق ادا ہوتا اور جی کو جس قدر عام کیا جائے اسی قدر انشاء اللہ ہمارے یہاں فحقی معاملات میں جو تشویش اس میں بڑی حد تک اعتدال آسکتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اجازت لے کر مینا کی اس کتاب کو انجن کی طرف سے چھپوا کر زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ مفتی صاحبؒ راوی ہیں کہ حضرت انور شاہؒ نے ایک موقع میں تنہائی میں بڑی حسرت کے ساتھ مجھ سے کہا: مزاج کیا پوچھتے ہو، عرض کیا کہ دیوبندی صاحبؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت آپ کی عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں، عرض کیا ہوئی تو کس کام میں گئی؟ تو شاہ صاحبؒ نے کہا کہ میں اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں کام میں لگاتا ہوں کہ فتنہ حقنی کو دوسرے فتنوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ثابت کروں اور اسی میں دلائل لاؤں حالانکہ یہ بات اللہ کے ہاں پوچھی نہیں جائے گی۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ جو کچھ فرمایا اس کو سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیز جیسے میرے جو اہل سنت سے بھی تو لایا جائے تو میں شاہ صاحبؒ کا قول انشاء اللہ بجا رہے گا۔ مفتی صاحبؒ کہتے ہیں کہ حضرت شاہؒ نے فرمایا:

”اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابو حنیفہؒ ہماری تریح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوٹا منواتے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسک کو صواب محتمل الخطا۔ درست مسک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسک کو خطا محتمل الصواب غلط مسک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے، کہیں اس سے اگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم معروف ہیں؟

پھر فرمایا:-

”ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسک صواب تھا اور کون سا خطا۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہ حق تعالیٰ یا بالسر حق تعالیٰ، برزخ میں بھی اس کے مطلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا؟“

مفتی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزید الفاظ یہ تھے:-

”اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا؟“

وقت کی اہم اور شدید ترین ضرورت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کا قول اور حضرت مولانا انور شاہ

کاشمیری کے ان اقوال کو کم از کم دیہندہ اور تھانوی حلقوں میں جتنا پسندائیں گے، اتنا کر جواہر متوسلین ہیں، ان کے عقیدت مند ہیں کم از کم ان کی تو انہیں کھلیں کہ ہمارے نہایت ہی قابل متنبی، متدین یہ دو اکابر اپنی عمر کے آخری دور میں پہنچ کر اپنے تجربات کی روشنی میں کن نتائج پہنچے تھے، اعلیٰ اور جادو حقیقت کے اعتبار سے جہاں شیخ الحدیث کا بلند ترین مقام سمجھا جاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے اور سب ہی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ محدث فقہ ہونے کے اعتبار سے وہ چودھویں صدی کی شخصیت نہیں ہیں بلکہ وہ تو پرانے دور کی کے ساتھ تو لے جانے والی شخصیت ہیں۔ انہیں یہی وقت کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں نے اپنی آخری دور میں جو باتیں کہی ہیں، کاش ان کے متوسلین تو کم از کم ان پر غور کریں، سوچیں اور ان میں ان اکابر کی باتوں کے پیش نظر خوش گوار اور محنت مند تبدیلی لانے کی فکر کریں، ان اقوال کی دینے والے بزرگ کون ہیں، وہ ہیں مفتی پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ کاشمیری کے خیالات کے پیش نظر ایک در راستہ نکالنا ہوگا۔ خاص طور پر ان حضرات کو جو علمی میدان میں خدمتِ دین اور خدمتِ ملکہ ہوئے ہیں۔ میں نے اس کے لئے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے۔ میں اپنی بڑھ کر ہمت کر رہا ہوں۔ چونکہ بات سمجھانے کے لئے نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑتی ہیں اصطلاح میں نے اپنے فنی موقف کے لئے وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کتا ہوں ہوں۔ میں مقلد ہوں یا پیچ کا صرف ایک کا نہیں۔ چار تو اہل سنت کے متفق علیہ ائمہؒ ہیں پانچویں امام بخاریؒ، جن کی کتاب کے متعلق سب مانتے ہیں کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں ان پانچ کے دائرے کے اندر اندر رہنے میں اپنے لئے عافیت سمجھتا ہوں۔ اللہ کرے میں اللہ تعالیٰ کسی ایسی عظیم شخصیت کو کھڑا کر دے جس کے تقوٰے، جس کے تدبیر، جس کی احسانت راستے، جس کے خلوص و اخلاص پر امت کے بڑے حصہ کا بالخصوص علماء اکثریت کا اجماع ہو جائے تو وہ تمام فتنی مسلک میں عین غور و فکر کے بعد پوری للیت اور کے ساتھ امت کو ایک فتنی مسلک پر مجتمع کر دے تو کر دے اور کی مسئلہ کے متعلق دین کے اندر اجتہاد مطلق کو دے تو کر دے۔ اس دور میں میرے نزدیک ہم جیسے ٹھٹھہ جیسے طرح کی حرکت کریں گے تو دین کے خلاف بغاوت اور ایک بہت بڑے فتنہ کا آغاز کرنے کا گئے۔ ہمیں اس دائرے کا اندر لیکن یہ نہیں کہ بس ایک ہی ہو۔ عوام کا معاملہ اور ہے وہ

کے مطابق عمل بھی کریں اور روزمرہ کے مسائل میں اپنے ہی مسلک کے معتمد علماء کی طرف رجوع کریں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہی ہدایت میں نے تنہا اسلامی کے رفعا کو دی ہے۔ فحقی مسائل کے بارے میں، میں اپنی رائے کے اظہار سے بھی حتی الامکان گریز کرتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مزاج ہے۔ میں اسے چھپانا نہیں چاہتا۔ میں مقلد محض نہیں ہوں۔ میں نیم مقلد ہوں۔ میں ان پانچوں ائمہ کا مقلد ہوں، ان پانچوں دائروں سے باہر جانے کو میں قلم بھتا ہوں۔ یہ ہماری مشترک متاع ہے۔ ان دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنہ اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں: اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔ میرے مزاج، میری افتاد طبع اور میری احتیاط کا انداز اس واقعہ سے لگائیے کہ آپ کے اس شہر لاہور ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی مشہور علمی درس گاہ اور دارالعلوم کی ایک جلیل شخصیت، عالم دین، شیخ الحدیث کی خدمت میں آج سے قریباً ڈھائی سال قبل میں نے حاضر ہو کر اپنی تمام کتابیں ان کے قدموں میں ڈال دیں اور ان سے عرض کیا کہ اگر ان میں سے آپ کسی ایسی بات کی نشان دہی فرمادیں جو ائمہ اربعہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے دائرے سے باہر کی ہے تو میں ان کو اپنی کتابوں سے حذف کر دوں گا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف حنفیت میں منحصر ہے تو میرا راستہ اور ہے اور آپ کا اور۔ انھوں نے کہا ہم ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جب کہ ہم ان سب کو اہل سنت کے ائمہ تسلیم کرتے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ میں انشاء اللہ ان تمام باتوں سے رجوع کر لوں گا جو امت کے مسلمانانِ پارسہ ائمہ عظام کے دائرے سے باہر کی ہوں گی۔

اس پروگرام کی تیسری شق دعوت رجوع الی القرآن سے متعلق ہے۔ میں نے اشارہ کیا تھا جب میں نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو چند اصول پٹے باندھ لئے تھے۔ کام کے ساتھ ساتھ بلفظ: تعالیٰ ان اصولوں پر وثوق حاصل ہوتا رہا اور اللہ کی توفیق سے چند اصول بھی سامنے آئے۔ سب جن کو میں نے ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی حق الامکان کوشش کی ہے۔ وہ اہم اصول پیش کیے دیتا ہوں۔

دعوت الی القرآن کا ایک تعلق احکام سے ہے۔ اس ضمن میں میرا ایک مستقل اور اہل موقف رہا ہے۔ اور وہ بالکل منطقی ہے کہ اس کا سارا دار و مدار اور تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ حضورؐ سے جتنے زیادہ قریب تھے، اسی نسبت سے سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے کیا۔ یہ حضرات تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ زہر دو پیر، البعین، صحابہ کرام

کے تربیت و صحبت یافتہ اور نمبر تین پر آتے ہیں تبع تابعین۔ تابعین سے مستفیع و مستفید ہونے والے اور تربیت پانے والے حضرات رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اسی کی وضاحت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے آغاز میں ہیں ان الفاظ میں ملتی ہے کہ خَيْرُ اُمَّتٍ قُرْنٌ ثَوَّالَذِينَ يَلُوْنَهُمْ ثَوَّالَذِينَ يَلُوْنَهُمْ جو جتنا دور تھا، اس کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے جو جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی قابل اعتماد ہے۔ اس نے اگر حضورؐ کو نہیں دیکھا تو حضورؐ کے تربیت یافتہ لوگوں کو دیکھا ہے، ان کی صحبت اٹھائی ہے۔ مگر ان کو نہیں دیکھا تو ان کے تربیت یافتہ لوگوں کو دیکھا ہے ان سے فیض اور افادہ حاصل کیا ہے تو امت کا یہ جو تواتر عمل ہے یہ سنت کو معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لہذا احکام دین کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں کوئی نئی بات کسنا فتنہ ہے۔ یہ ہے اصل فساد کی جڑ۔ اس میں تو کوشش ہو کہ پیچھے اور پیچھے جاؤ حتیٰ کہ پہنچ جاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔

بہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اگر بہ اذن رسیدی تمام بولہبی ست

جہاں تک دین پر عمل کا تعلق ہے اس میں عرض کر دوں کہ ایک پارے کے بقدر بھی وہ آیات نہیں بنیں گی جو عملی طور پر احکام دین سے متعلق ہیں جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے عمل کا اصل میں سادہ و سہل پر ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی کتنی تاکید ہے۔ اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جس کا دین سے ذرا بھی تعلق ہے۔ بلکہ اس بات کو تو وہ بھی جانتے ہیں جن کا دین سے عملی تعلق منقطع ہے لیکن نماز کی حیثیت اور ترتیب کہاں سے طے گی! اوقات کہاں سے طے گئے! قرآن میں اشارات ہیں لیکن نماز سے متعلق پورا نظام سنت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے طے گا: حَسَبُوا كَمَا اُنْتُمُوْنَ اَصْلًا۔ نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہوئے لہذا جہاں تک احکام دین اور فقہی مسائل کا تعلق ہے وہ سنت میں ملیں گے سنت ہی احکام قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ اسی سے استنباط ہوگا، استشہاد ہوگا۔ حتیٰ کہ اجتہاد ہوگا لہذا اس معاملہ میں پیچھے سے پیچھے جا بیٹے۔ آگے مت جا بیٹے۔ احکام کے بارے میں اگر مجاہدین اور محدثین کے دائرے سے باہر قدم نہ نکالیے۔

دوسرا یہ اصول میں نے گزرا میں باندھ رکھا ہے کہ قرآن اور احادیث مجموعہ میں جو مجزبات، خالق عادات اور محیر العقول برکات و انکسائات مذکور ہیں ان سب پر ہمیں حرف بہ حرف (LITERALLY) ایمان لانا ہوگا۔ اس لئے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ جس

ب اور خالق کائنات سے انسان کا تعارف کراتا ہے، وہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدْرِیْذ کی شان
بھی حاصل ہے۔ وہ فَقَالَ لِّیْمَا یُنِیْدُ بھی ہے، اور صرف وہی الملك القدوس اور
العزیز الحکیم ہے۔ لہذا اس معاملہ میں، میں کسی تاویل کا رد ادا نہیں۔ ان کو جوں کا توں
زل کرنا میں ایمان کا لازمی جزو سمجھتا ہوں۔

تیسری بات یہ کہ قرآن مجید میں جن انبیاء و رسل اور جن اقوام و ملی کا ذکر ہے، وہ بطور تذکر
ر بطور عبرت ہے، قرآن تاریخ یا جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے کہ جس میں تمام معلومات بیان یا
ح کر دی گئی ہوں، اس ضمن میں میری رائے ہے کہ تمدن کی ترقی کے ساتھ، علم، جستجو،
تحقیق اور معلومات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ لہذا اس
حاملہ میں اگر ہمارے متقدمین علماء، محققین اور مفسرین کی آراء موجودہ تحقیقات و معلومات اور
اہم شدہ DATA سے مطابقت نہ رکھتی ہوں تو یہ بالکل فطری بات ہے، اس سے متوحش
نہ تشویش میں مبتلا ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ جوں جوں تحقیقات و معلومات
دائرہ وسیع ہو گا اس کے نتیجہ میں قرآن مجید کی حقانیت مزید مبرہن ہوتی چلی جائے گی اور قرآن
س جو اشارات ہیں وہ کھلتے پلے جاتے ہیں گے اور جو اجمال ہے وہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم سائنس کی کتاب بھی نہیں ہے۔ اصلاً یہ کتاب ہدایت ہے، ہڈی
نئاس ہے۔ لیکن یہ خالق کائنات کا کلام ہے لہذا اس میں بے شمار

SCIENTIFIC PHENOMENA کی طرف اشارے کئے گئے ہیں کوئی اشارہ GEOLOGY (علم طبقات الارض)
سے متعلق ہے، کوئی چیز ASTRONOMY (علم فلکیات) کے میدان کی ہے۔ کوئی چیز
BIOLOGY (علم الحیات) سے تعلق رکھتی ہے، کوئی چیز PHYSIOLOGY (علم الابدان)
اور کوئی چیز EMBRYOLOGY (علم جنینیات) کے دائرے کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن
مید میں EMBRYOLOGY کا کتنی بار REFERENCE آیا ہے کہ لفظ ہوتا ہے، علقہ

تھڑا، ہوتا ہے، مضغ، بوٹی، ہوتا ہے۔ پھر عظم و ہڈیوں کا مرقا آتا ہے۔ پھر اس پر لحم
نوشت، چڑھتا ہے، پھر وہ زندہ انسان کی صورت میں رحم مادر سے تولد ہو جاتا ہے۔ الغرض جتنے
جی ساٹھ تک پہنچا اور گشتے ہیں، ان سب کے متعلق قرآن مجید میں اشارات موجود ہیں۔ ان کے
تعلق جدید تحقیقات کی روشنی میں اگر یہ رائے دی جائے کہ ہمارے متقدمین علماء و مفسرین
ن امور کو سمجھ نہ پاتے تو یہ کوئی اچھٹا اور چونکا دینے والی بات نہیں۔ ان کے زمانے میں سائنس

کا علم جس STAGE پر تھا، ظاہرات ہے کہ وہ اسی کے مطابق قرآن مجید کے اشارات کی توجہ سے، تاویل، تشریح و توضیح کریں گے۔ ان کے دور تک سائنسی معلومات کا دائرہ بہت محدود تھا۔ اس سے آگے وہ کیے جاتے؛ کوئی بھی اپنے دور کی موجود معلومات کے دائرے سے آگے نہیں جاسکتا۔ سات آسمانوں کی انھوں نے جو تعبیر کی۔ برجوں کی انھوں نے جو توجہ کی، اُنْکُلُ ثَرْفٍ فَلَنْ يَنْسَبُحُوْنَ کی جو تعبیر کی یا جو بھی انھوں نے سَخَّرَ لَكُمْ مَآفِ السَّمٰوٰتِ وَمَآفِ الْاَرْضِ جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا مَّعْهُم بجاہ ان سب کو انھوں نے اس وقت کے فراہم شدہ DATA کی روشنی میں سمجھا اور بیان کیا۔ سائنس نے ہمارے دور میں جو ترقی، جو تحقیق کی ہے جو اکتشافات کئے ہیں ان کی روشنی میں اب ان کی جو تعبیر اور توجہ کی جائے گی، جو مفہوم بیان کیا جائے گا تو یہ بات غلط نہیں ہوگی اور نہ ال سے ہمارے متقدمین کی کوئی توہین یا تنقیص ہوگی۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں چند ایسے حقائق سامنے آئیں جو موجودہ تحقیقات سے بھی آگے کے ہوں۔ لہذا قرآن کے عجائبات بھی مزید واضح ہوتے رہیں گے۔

اسی طرح قرآن حکیم تخلیق کائنات کے جو احوال اور تخلیق آدم کے جو مدارج بیان کرتا ہے پھر آفاق و انفس سے توحید باری تعالیٰ کے متعلق جو بدیہی اور فطری استدلال پیش کرتا ہے ان سب کو جدید دور کے مسلمہ اکتشافات، تجربات اور SCIENTIFIC FACTS کی روشنی میں موجودہ تعلیم یافتہ طبقے کی تفہیم و تعلیم کے لئے جدید اصطلاحات کے حوالے سے بیان کرنا ضروری ہوگا۔ یہی ابلاغ کا تقاضا ہے۔ اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح موجودہ دور کے تمام مادہ پرستانہ نظریات، ملحدانہ افکار اور طاغوتی نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں قرآن کی انقلابی دعوت توحید پر ایمان لانے اور پھر اس ایمان و ایقان کے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق جو مقصدیات، مضمرات، مطالبات اور توحید کی جو COROLLARIES ہیں، اس کے جو سرخی و منطقی اور بدیہی نتائج ہیں، ان کو موجودہ دور کی اصطلاحات کے حوالے سے پیش کرنا ضروری ہے۔ یعنی انسان کی ابن آدم ہونے کے باوجود کامل مساوات۔ اللہ کے نزدیک اکرم و اشرف وہ ہے جو اللہ کا سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ لَكَرَمُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ — ہر نوع کی انسان کی ملکیت مطلقہ کی نفی۔ یعنی اِنْ اِلٰهَکُمْ اِلٰہٌ اِلَّا اللّٰہُ کی توضیح اور اثبات اور ملکیت کی جگہ خلافت کا تصور — ملکیت مطلقہ کی نفی اور اللہ مَآفِ السَّمٰوٰتِ وَمَآفِ الْاَرْضِ کی

نیرع اور ملکیت مطلقہ کی جگہ امانت کا تصور — حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن بارے میں جو ایک طویل حدیث آئی ہے۔ میرے نزدیک اس کے آخری الفاظ۔ ولو یشتبہ نہ العلماء ولو یخلق من کثرة السرد ولو تنفق عجاہب یعنی علماء کبھی کتاب سے سیر نہ ہو سکیں گے۔ نہ کثرت و تکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی۔ نہ ہی اس کے عجائبات یعنی نئے نئے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا اس کا حقیقی مفہوم ہے کہ دنیا میں قرآن مجید، فرقان حمید ہی اس ہدایت کی حامل کتاب ہے جو ہر دور کے مشرک و انما شتا اور ملحدانہ تمام نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں توحید پر مبنی، ہر نوع کے استحصال، تعدی، تبادلے، پاک اجتماعی نظام عدل و قسط انسان کی رہنمائی اور فلاح کے لئے پیش کرتا ہے۔ اسی نظام بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد ہی اقامت دین کی جدوجہد ہے اور میری پختہ رائے ہے کہ جب موجودہ اصطلاحات کے حوالے سے دین حق کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا نہ دعوت ملیح کا کما حقہ حق ادا ہوگا، نہ ابال، باطل ہوگا نہ احقاق حق — چنانچہ میں اپنی دعوت میں تمام امور کو ملحوظ رکھتا ہوں اور انشاء اللہ رکھوں گا۔ میرے نزدیک اسی طرز فکر و عمل کا نام ہے اہمیت دین — میں نے آج یہ باتیں آپ کے سامنے قدرے تفصیل اور مربوط طریقے سے بیان کی ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی اپنی استعداد و طاعت کے مطابق قریناً میں برس سے کام کر رہا ہوں اور دن رات جس کام اور جس وقت کی دُھن مجھ پر مسلط ہے وہ بحمد اللہ اسی اصولوں کے تحت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے "انہ فضل سے مزید توفیق و ہمت دے کہ اس کی کتاب عزیز کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر لوں اور اس کے علوم و معارف کی توضیح و تشریح کی سعادت پاسکوں اور اسی حال میں آخرت لئے رشتہ سفر باندھوں۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اس دورِ فتن میں جبکہ: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَيْرِ وَالْبَحْرِ كَانَتْ قَسْرَ رَجِي ننگا ہوں کے سامنے ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا انما شتا اور ملحدانہ نظریات، افکار، مریب اور نظام ہائے زندگی کے باعث پوری دنیا میں فساد رونما ہو چکا ہے، انسانیت تیزی ساتھ ہلاکت نیزی کی طرف چلی جا رہی ہے۔ امت مسلمہ جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت باللہ اور دعوت الی الخیر کے لئے پہلی گئی تھی، گنتہ تخیر اُمۃ اُخر جبت للناس تا مرون لغر و ف و منہون عن الشکر و تو مینون باللہ، وہ عود عواہبِ غفلت میں پڑی

ہوتی ہے۔ لہذا اس دور میں کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ وہ ہے نوع انسانی کو دعوتِ توحید دینا اور توحیدِ علمی و عملی کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔ اسی کا نام تکبیرِ رب ہے۔ اسی کا نام انصارِ دین الحق علی الدینِ کلم ہے۔ اب جو بھی دعوت اور تحریک اس مقصد کو لے کر اٹھے اس کے سربراہ اور رفقاء کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیے کہ وہ علماءِ حق سے ربط و ضبط رکھیں گے۔ اپنے اوقات و مصروفیات میں سے وقت نکالیں گے اور ان کی خدمت میں حاضری دیں گے۔ ان سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ معلوم کریں گے کہ ان کے معاملے کیا ہیں، ان کے خدشات کی نوعیت کیا ہے، ابا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انھیں کوئی غلط بات پہنچا دی جاتی ہے۔ ہمارے موقف متعلق انھیں غلطی دے دیتے جاتے ہیں۔ وہ اپنی نیک نیتی سے رادیوں پر اعتماد کر کے ان غلط خبروں کو درست مان لیتے ہیں، چونکہ جو شخص خود نیک نیت ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بہ حسن ظن کا معاملہ کرتا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے لئے بیعت کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے تو قریباً ڈیڑھ دو سال قبل اس کے خلاف اخبارات میں تین علماء کا فتوہ شائع ہوا تھا جس میں بیعت کے طریقہ کار کو کسی دینی ہئیتِ اجتماعی کی تشکیل کے لئے غلط قرار دیا گیا تھا۔ تو اس ضمن میں جب میں نے ایک عالمِ دین سے رجوع کیا، ان کی خدمت میں حاضر ہو تو آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ انھوں نے مجھے بتایا کہ مجھے تو وہ بیان دکھایا ہی نہیں گیا۔ مجھے آ فلاں صاحب نے ٹیلیفون پر کچھ بتایا تھا۔ اس میں بیعت کا مسئلہ تھا ہی نہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس پر آپ کا نام بھی دے دیا جائے۔ انھوں نے جن صاحب کا نام لیا وہ بھی ایک اہل حق ہوتی بڑی مذہبی شخصیت ہیں۔ لہذا انھوں نے نیک نیتی سے سمجھا کہ اتنی بڑی شخصیت جو بات بتا رہی ہے وہ صحیح ہوگی۔ اس لئے انھوں نے اپنے نام کی شمولیت کی منظوری دے دی۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضری کا یہ فائدہ ہوا کہ پھر ان بزرگ نے اپنا تریخی بیان اخبارات کو جاری کر کے میرے نزدیک دینی ہئیتِ اجتماعیہ کے لئے بیعت کے طریق کار کے اختیار کرنے میں شرم لگنے سے قطعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ بات ان بزرگ کی نیک نفسی اور غلوں کی دلیل ہے۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا ہوتا تو یہ غلط بات برحق، اس کے نہ معلوم کہاں کہاں کیا کیا اثرات مرتب ہوتے۔ لیکن ربط و ضبط کے ذریعہ سے معاملوں اور سوء ظن کو اگر بالکل منہ پر تو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ میں ان صاحب کے پاس بھی گیا جنھوں نے ٹیلی فون پر حق مان دین سے گنتگو کی تھی۔ ان سے تبادلہ خیال اور افہام و تفہیم بھی کی جو اگرچہ نتیجہ خیز نہیں ہوئی لیکن ہر جا

نے دلائل کے ساتھ اپنا نقطہ نظر ان کے سامنے رکھ دیا۔

پانچویں اور آخری نکتے کے متعلق میں پوری دیانت داری سے عرض کرتا ہوں کہ میرا موقف ہے کہ صرف وقتی تدبیر کے طور پر ہمیں بلکہ قلب کی گہرائیوں سے ہر وہ دعوت جو اقامتِ دین کو ہدف بنا کر کھڑی ہوئی ہو، اس کے لئے لازم ہے کہ علمائے حق کا اعتماد CONFIDENCE حاصل ہے۔ اس کے لئے پوری کوشش کرے، ممبر پور کوشش کرے۔ میں دعویٰ کے ساتھ یہ بات کہہ دوں کہ کوئی شخص اپنی جگہ کتنا ہی چھٹے خان بنا پھر تاہو، وہ اس وقت تک امت کے اندر دین جی متوشرکام نہیں کر سکے گا جب تک وہ ان علما کا اعتماد حاصل نہ کرے جن کے متعلق اسے یہ ناہوکہ ان میں اہلیت ہے، خلوص و اخلاص ہے، تقویٰ ہے اور ان میں انانیت و نفسانیت نہیں ہے۔ چھوڑ دیجئے ان کو جو علمائے سو ہیں، جن کو اپنی گتہ یوں کا خط و لاحق ہو جاتا ہے۔ میں یہ اندیشہ ہر وقت پریشان کئے رکھتا ہے کہ ہمارے گتے کی جھڑپیں ٹوٹ کر کسی اور کے گتے میں مل نہ ہو جاتیں۔ جہاں تک ہمارے علمائے حقانی کے اندیشوں اور خدشات کا تعلق ہے اس کے سبب میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ وہ ان کے تلخ تجربات کی وجہ سے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب بھی ان کے سامنے ان کے پورے احترام و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا موقف پیش کیا جائے اور ان سے مستقل و مسلسل ربط و ضبط قائم رکھا جائے گا تو انشاء اللہ العزیز ان کی تائید ان کی دعائیں ضرور حاصل ہوں گی۔

یہاں تک ان پانچ احتیاطی نکات کے متعلق میری معروضات ختم ہوتی ہیں۔ مجھے احساس ہے قرعہ وقت سے زیادہ وقت ہو گیا ہے۔ اب میں آپ کو چند باتیں یاد دلانا اپنی معروضات جلد ختم دل گا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتم ۱۹۷۱ء میں اعلیٰ پٹی قرآن کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں کون کون سے لوگ تشریف لائے تھے اس میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رہنما لائے تھے جو لوگ اس کانفرنس میں شریک تھے انہیں یاد ہو گا کہ اس وقت میں نے انتہا کہ ہمارے یہاں قرآن السعیدین اس ساعت اور گہری کو کہا جاتا ہے جب دو سعید چیزیں مل جائیں لیکن میں ان کو توفیق قرآن السعیدین ہو گیا ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس پٹی کانفرنس میں شخصیتوں کے جانشین موجود تھے۔ وہاں ایک طرف مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے غنی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ کے صاحبزادے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے ایڈیٹر پر مولانا

جمید اللہ انور صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے جو مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین
 ہیں اور تیسری عظیم شخصیت جو علمائے دارالعلوم دیوبند کی جانشینی کے اعزاز اور شرف رکھتے تھے،
 تشریف رکھتے تھے یعنی مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ و نور اللہ مقدمہ میری تو ہمیشہ سے
 یہ کوشش رہی ہے کہ جملہ مکاتب فکر کے علماء کو ایک ایسی پر قرآن کا پیغام خلق خدا تک پہنچانے
 کے لئے جمع کیا جائے۔ چنانچہ ہماری قرآن کانفرنسوں میں جو اہم دینی و علمی شخصیتیں شریک ہوتی
 رہی ہیں، ان میں سے چند نام پیش کرتا ہوں۔ مولانا شمس الحق اعفانی رحمۃ اللہ علیہ، نامور عالم و
 محدث حضرت مولانا محمد گونڈلوی مدظلہ..... مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مولانا مفتی
 تقی صاحب ثنائی مدظلہ خلف مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (موجودہ جسٹس شریعت کورٹ) مولانا ابوبکر
 غزنوی مرحوم، مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر یسٹ سلیم حشتی مرحوم، مولانا محمد طابین صاحب
 مدظلہ، ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمن صاحب مدظلہ موجودہ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، مزیہ پراں
 مجارت کے کئی نامور علمائے کرام اور اہل دانش و بینش نیشنل بہت سے ہمارے ملک کے
 نامور علمائے کرام اور دانشوران قرآن کانفرنسوں کی صدارت، ان میں شرکت اور اپنے پیش بہا
 خیالات سے حاضرین کو مستفیض فرما چکے ہیں۔ نیز مولانا حامد میاں مدظلہ خلیلہ مجاز حضرت مولانا حسین
 احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خود تشریف نہیں لائے، لیکن ہر کانفرنس کے لئے انہوں نے باہتمام اپنا
 دقیق مقالہ ارسال فرمایا۔ اس وقت جلدی میں جو نام نوک زبان پر آتے ان کو بیان کر دیا گیا ہے
 درنہ الحمد للہ ہر کانفرنس اس لحاظ سے بے مثال تھی کہ قرآن مجید کے پیغام کے لئے ہر ملک کے علماء
 نے تعاون فرمایا۔ جو حضرات میرے قریب ہیں وہ جانتے ہیں کہ رحم کے سلسلہ میں جن
 بزرگ کا ذکر ہوا ہے، اس وقت میرا ان سے بڑے قرب کا معاملہ رہا تھا۔ تو اس وقت انہوں
 نے میرے اس طرز عمل پر یہ کہہ کر تنقید کی تھی کہ ان مولویوں کو سر پر بٹھا کر کیا لینا ہے۔ ان مولویوں
 کی تو ہمیں تردید کرنی ہے؛ لیکن اللہ کا فضل یہ ہے کہ میرا مزاج یہ نہیں ہے۔ میں علماء کرام کی
 خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ مؤذبانہ حاضر ہوا کرتا ہوں ام میں تو یہ سمجھا کرتا ہوں کہ میرے لئے
 تحفظ کی ایک چیز یہ ہے کہ میں عالم دین نہیں ہوں، محض قرآن مجید کا ایک طالب علم اور ادنیٰ خادم
 ہوں۔ درنہ اگر کہیں مجھے بھی کوئی عرصہ علمی ہو گیا ہوتا، میں بھی کسی زعم میں مبتلا ہو گیا ہوتا تو اس
 محبوب کی وجہ سے میرے دماغ میں بھی خناس پیدا ہو گیا ہوتا جو میرے لئے آخرت میں ہلاکت کا
 سبب بن جاتا۔ میرے لئے سب سے بڑی ڈھال یہی ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں امی رسول

یہ وسلم کا اُمتی ہوں اور میں مصمم قلب سے اللہ تعالیٰ سے کسی عجب میں مبتلا ہونے کا طالب رہتا ہوں۔

جے ایک بات اور یاد آئی۔ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق نامی میرا جو کتا بچہ ہے، وہ میں میں لکھا تھا، اس کا پہلا ایڈیشن جو قریب انعم تھا اس کا ایک نسخہ ۱۹۷۹ء میں، میں نے پیسٹ بنواری کی خدمت میں پیش کیا تھا جب کہ وہ مسجد نبوی میں محنت تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کو بنظر فائز ملاحظہ فرمائیے چونکہ میں اسے بڑے پیمانے پر پھیلانے لکھا ہوں، ارادہ میرا ہے اس کو پورا کرنے والا اللہ ہے، مجھے آپ کی رہنمائی درکار ہے ملتی ہو تو نشان دہی فرمائیں، میں اس کو درست کر لوں گا۔ مولانا نے ارادہ شفقت اور۔

اون علی البزمیری درخواست قبول فرمائی۔ اعانت کاف کی حالت میں مسجد نبوی میں اسے صرف ایک جلد میں ترمیم فرمادی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس ترمیم سے وہ جملہ مزید نکل آیا۔

نوم تھا وہ اس ترمیم سے اور واضح ہو گیا، میرے جملہ سے جس مغلطے کے پیدا ہونے کا تھا، مجد اللہ مولانا نور اللہ مرقدہ کی ترمیم سے اس کا احتمال ختم ہو گیا، تو اللہ کے فضل و میرا راج تو یہ ہے۔ آج سے نہیں ہے ابتداء سے ہے۔ اس عجب اور عکبر کہ میں ہی بنے ہی بھا ہے، الحمد للہ میں اس سے بچنے کی شعوری طود پر اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ نبی اکرمؐ نے تین ملکات میں سے اس عجب کو شدید ترین باعث ہلاکت قرار دیا ہے

سے بھی درخواست ہے کہ میرے حق میں دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے بچائے

کم کرنے کی توفیق ملی ہے اسی کے فضل و کرم سے ملی ہے۔

کل رمضان المبارک کی ۲۹ ویں شب کو جامع قرآن، قرآن اکیڈمی میں ہمارا دورہ ترمیم ختم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے یہ کام تکمیل کو پہنچا ہے۔ آج صبح مجھے خیال آیا، اہل کو آپ حضرات کے سامنے بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تو دل سے بتا ہوں اور کھل بات سمجھے ایک امید ہوئی ہے کہ جیسے ہم نے قرآن کافرنس کے سلسلہ کا ہیں آغاز کیا تو وہ اتنا عام ہو گیا کہ جس کے بعد مختلف دینی حلقوں کی طرف سے قرآن سوں کا سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل جاری ہے۔ ہمیں اس پر خوشی ہے۔ ہم نے کچھ اور نئے شروع کئے تو اس سنج پر بھی کام شروع ہو گیا۔ اللہ سب کو توفیق دے اور سب کے کاموں تے دے ان کو دین کے لئے سازگار بنائے۔ ایک کام کے لئے بیسیوں ادارے ہوں سیکرٹری

اشخاص ہوں، لیکن آپس میں ٹکراؤ نہ ہو، تصادم نہ ہو تو یہ بڑی نیک فال ہے۔ اسی طریقے سے میری معلومات کی حد تک رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ دورۂ تہ قرآن پہلی مرتبہ پایہ تکمیل تک پہنچا ہے۔ جن لوگوں کو توفیق ملتی ہے اور جن میں ذوق و شوق ہے وہ تراویح پڑھتے ہیں، اگر تراویح سے قبل اور پھر ہر ترویج میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا صرف ترجمہ سنایا جائے تو میرا اندازہ ہے کہ شرکار چاہے وہ عربی سے بالکل ہی ناواقف ہوں کم از کم پڑھے جانے والے قرآن مجید کے پچیس فیصد حصے کے معنوم کو سمجھتے چلے جاتیں گے۔ اس لئے کہ ترجمہ کے ذریعہ قرآنی الفاظ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی قائم ہو جاتی ہے۔

ان کو فوراً سنا دیا جاتے تو یہ ذہنی رابطہ معنی اور معنوم کو سمجھنے میں مدد ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے اور بڑی بڑی مساجد میں بٹے پجانے پر ہمارے علماء کرام اس کام کی طرف توجہ دیں تو میرے نزدیک یہ بہت بڑا BREAK THROUGH ہو جائے گا اور جیسا کہ ہمارے بعض احباب نے کل ظہر قرآن کے موقع پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا کہ یہ کام جتنا کشن لکھنا تھا، اتنا کشن ثابت نہیں ہوا سینکڑوں کی تعداد میں جن لوگوں نے شرکت کی ہے، ان میں اکثر وہ حضرات بھی تھے جو رات دو بجے تک اس پروگرام میں شریک رہے اور دن کو انہوں نے اپنے معمولات کے مطابق کام پوسے بھی کئے۔ اور الحمد للہ نہیں ہوا کہ شروع شروع میں لوگ آگئے ہوں پھر جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہو۔ مسلسل ماٹری بڑھتی چلی گئی، ۲۰ ویں شب کو تو یہ حال ہو گیا تھا کہ ہماری جامع قرآن میں

بہت سے حضرات کو تراویح ادا کرنے کی جگہ نہیں ملی، انہیں کھڑے رہنا پڑا، کل رات بھی صورت حال یہ تھی کہ مسجد بالکل PACKED تھی، کل ہی بہت سے شرکاروں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا اور میری زندگی میں انکار رمضان آنا ہے اور مجھے اس کام کی دوبارہ توفیق ملی تو کیا کریں گے، مسجد میں تو زیادہ سے زیادہ سات سو اشخاص کے لئے مساز باجماعت ادا کرنے کی گنجائش ہے، اس میں وسعت کا کوئی امکان نہیں، بہر حال کم کوشش کر رہے ہیں کہ مال کھے اور پروگرام بال تعمیر کر لیں، کام کا آغاز ہو گیا ہے، انشاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا۔ لہذا DOUBLE STOREY تو ہم کر لیں گے، اس سے آگے ہم شاید فی الحال نہ جاسکیں۔

لیکن تیار ہے کہ اللہ کرے ہمارے واجب الاحترام رجال دین کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے اور وہ اس کام کو شروع فرمادیں تو میرے نزدیک یہ کام بہت مفید ہو گا، خاص طور پر جاہلیت قدیمہ کے تمام مشرکانہ اداؤں کی جڑیں کاٹ دے گا، اور شفاعتِ باطلہ کے جو عقائد ذہنوں میں بیٹھے

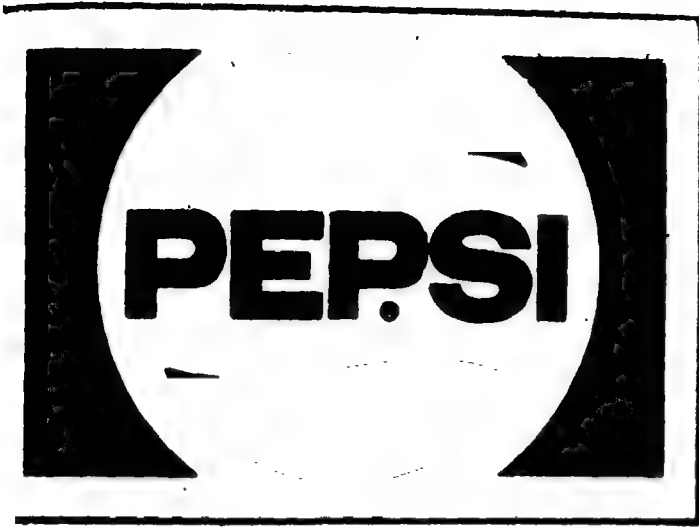
ن کو بیچ قرآن سے اکھاڑ پھینکے گا۔ اولام کا طومار انشاء اللہ تراویح کے ساتھ لفظی ترجمہ جٹا چلا جائے گا اور توحید خالص تکبیر کو اذان میں جاگزیں ہوتی جائے گی۔ اس لئے کے بعد جو شخص بھی تراویح کی نماز ادا کرے گا تو قرآن مجید کا اعجاز ظاہر ہوگا اور جاہلیتِ تہمت ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی اب رفیقِ نجات ہے وہ عز و جل وہ الشکور الرحیم اسے شرف قبولیت بھی عطا فرمائے۔ لوگوں کو بھی ہمت دے کہ اگر میرے ساتھ جہاد کر، مل کر اور میرے دست و بازو دانا چاہیں تو ان کے دلوں کو انشراح عطا فرمائے، سنیں تو ان کو توفیق عطا فرمائے کہ پر دین کا کام کریں۔ یہ صرف میرا کام نہیں ہے، یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ یہ کی سر بلندی اور سرفرازی کے لئے اپنا تن، من، دھن لگاتے اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی مساعی کو مشکور فرمائے۔ اگر ہمارے دلوں میں خلوص ہو تو آج نہیں تو کل ہم جمع گئے، اللہ یُجِیعْ بَيْنَنَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيرُ، ہو سکتا ہے کہ مجھے کسی بارے میں موتی اندیشہ ہو کسی کو میرے بارے میں فداشات ہوں تو اپنی اپنی جگہ خلوص و اخلاص الہی کے ساتھ کام کریں گے تو ہم یہاں جمع نہ بھی ہو سکے تو دین کی جو بھی جمع خدمت نشاء اللہ مستقبل میں ایک جگہ جمع ہوگی اور آخرت میں تو ہم سب کو بالآخر جمع ہے: اللہ یُجِیعْ بَيْنَنَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔

بِلقولِ هذا واستغفر الله لك ولكم ولجميع المسلمين والمسلمات



ترانِ حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔



پنجاب یونیورسٹی کمیٹی لمیٹڈ فیصل آباد۔ فون:

جہادِ بالقرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد کی تیسری منزل سب سے کمٹن، سب سے بجاہمی اور سب سے مشکل ہے۔ دین کو غالب کرنے کے لئے، قائم کرنے کے لئے، نافذ کرنے کے لئے، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے، اس مقصد کے لئے کہ دین کا تجزیہ اور اس کے حصے بجزے کئے بغیر وہ کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے، جہاد کو نابھے اندرادی سطح پر، دُعا آمیز دُعا لایکعبدا واللہ مخلصین لہ الدین حنفاء آیا تھا۔ ویسے ہی اجتماعی سطح پر دین کے غلبہ کے لئے جہاد کی بلند ترین جوتی ذرۃ: سام کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، جیسے فرمایا: وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ۔ یہ ہے سب سے کمٹن اور مشکل مرحلہ، اس کی وجہ بھی انہر من الشمس ہے۔ پہلی منزل پر ذاتی سطح پر نفس کے ساتھ کشمکش تھی۔ دوسری منزل پر اہل ذیغ کے ساتھ نظریاتی اور فکری سطح پر کشمکش تھی۔ اس تیسری منزل پر طاغوتی نظام کو ہٹانے کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، اس لئے کہ دو نظام کسی حال میں بھی CO-EXIST نہیں کر سکتے۔ پچاس مذہب بھی ایک بالاتر نظام کے تحت اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ مذاہب کے مابین PEACEFUL CO-EXISTENCE ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل علی بات ہے PRACTICABLE ہے۔ اس لئے کہ دنیا کا غالب تقویر ہی ہے کہ مذہب تو لوگوں کے انفرادی اور نجی مسائل و مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ اجتماعیات کے تمام امور میرا مذہب کا عمل دخل اس دور میں تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ یہ SECULAR FIELD ہے جیسا کہ انگریز کے دور میں ہندوستان میں اصل نظام اجتماعی (LAW OF THE LAND) سرکار انگلشیہ کا تھا۔ ہندوستان میں رہنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کو آزادی تھی کہ وہ اپنے شخصی معاملات (PERSONAL LAW) میں اپنے اپنے مذہب پر عمل کریں۔ انگریزی حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں

تھا۔ جیسے دستوری اور نظری طور پر تو فی الوقت موجودہ بھارت میں بھی یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ تمام مذاہب کے حقوق دستور میں معین ہیں۔ یہ دوسری بات ہے، کہ مذہب برقی گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر۔

بہر حال ایک ملک میں ذین یعنی نظام اجتماعی ایک ہی رہ سکتے ہیں۔ دو نظام نہ رہ سکتے ہیں نہ مل سکتے ہیں جس طرح ایک نیام میں بیک وقت دو تواریس نہیں سما سکتیں اسی طرح ملک میں دو نظام نہیں مل سکتے۔ ایک گڈی میں بہت سے درویش سما سکتے ہیں لیکن ایک شال میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ معلوم ہوا کہ ہر نظام اپنا غلبہ چاہتا ہے اور اگر اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے جیسا کہ فی الواقع وہ ہے اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ تو اس کو غلبہ درکار ہے۔ یہ منزل انگریزوں کی دو سو سالہ غلامی کی وجہ سے ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہو گئی تھی اور اب بھی بڑی مشکل سے یہ تصور لوگوں کے ذہنوں کے سامنے آ رہا ہے چونکہ غلامی کے قریباً ان دو سو سالوں کے درمیان اسلام دین نہیں رہا تھا، صرف مذہب بن گیا تھا۔ لہذا ہمارا تصور اکثر و بیشتر تو پہلی منزل تک محدود ہے یعنی عبادات اور حلال و حرام کے موٹے موٹے احکام ہم جانتے ہیں۔ دوسری منزل کی طرف بھی پیش رفت ہوئی یعنی تبلیغ دین کو پہنچنا ۱۱ سے عام کرنے کی کوشش کرنا لیکن یہ بات ذہنوں سے اوجھل ہو گئی کہ ہمارا دین اپنا غلبہ چاہتا ہے، اَلْحَقَّ يَعْزُبُ عَنْكَ الْيَافَىٰ۔ اسلام دین ہے اور دین ہوتا ہی وہ ہے جو غالب ہو۔ علامہ اقبال کا بڑا بیاد اشعر ہے

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

اور آزادی میں مجسّر بیکراں ہے زند گئی

میں بڑے جزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام جب غالب ہوتا ہے تو دین ہوتا ہے اور جب مغلوب ہوتا ہے تو صرف مذہب رہ جاتا ہے۔ ہماری دو سو سالہ سیاسی اور فکری غلامی نے اس مذہبی تصور کو اس طریقے سے ہمارے ذہنوں میں نقش اور راسخ کر دیا ہے کہ اگر بڑی محنت کے بعد کسی کے سامنے یہ تصور واضح ہوتا ہے کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے تو تصور عرصہ کے بعد مضمحل ہو کر ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر توجہ اس کے مذہبی تصور تک محدود ہو جاتی ہے۔ ہمارا اسلام کا محض مذہبی تصور اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ ہمارے بعض زعمائے انگریز کی حکومت کی بڑی مدح بھی کی تھی کہ اس نے ہمیں بڑی مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔

لہذا اس سوخت لے خلافت کوئی تحریک چلانا یا اس میں حصہ لینا مسلمانوں کے لئے قطعی نامناسب ہے۔ اسی پر مرد قلندر اقبال نے یہ چھٹی چٹت کی تھی

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اسلام کا غلبہ اور اسلام کا ایک دین کی حیثیت سے بافضل قائم و نافذ کرنا۔ یہ ہے ہمارے فرائض دینی کی تیسری اور بلند تر منزل۔

اب آئیے ! ایک قاعدہ کلیہ اور اہل اصول کی طرف۔ آپ اپنا نظام لانا چاہتے ہیں تو نافذ و قائم اوقت نظام کو ہٹانا ہوگا۔ جیسا کہ مولانا دروٹ نے کہا ہے
گفت رمی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد را دیراں کند

انقلاب کے لئے یہ عمل لازم و لابد ہے، ناگزیر ہے۔ سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ جو نظام بھی کہیں قائم ہوتا ہے اس کے ساتھ VESTED INTERESTS، مفادات، چودھراہیں، سیادتیں، قیادتیں، وابستہ ہوتی ہیں۔ مراعات یافتہ طبقات ————— جن کو اپنے حق سے زیادہ مل رہا ہے جو دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں جن کے پاس اختیار اور حقوق کا ناجائز ارتکاز ہو گیا ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی اس نظام کو چھیڑے۔ اسے ہتھ لگائے۔ علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں ابلیس کی زبان سے کہہ دیا ہے۔ ع
"نظام کہنہ کے پاسبازا یہ معرض انقلاب میں ہے۔" پوش میں آؤ، اپنی قوتوں کو مجتمع کر دو۔ یہ ایک آزمی آرہی ہے جو تمہارے مفادات اور تمہاری مراعات کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے جائے گی۔ یہ کشمکش بڑی شدید ہے۔ قرآن مجید دو مقامات پر کہتا ہے، هُوَ الَّذِي
اَنْشَأَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَيُعِيدُكُمْ عَلَيْهَا وَيُعِيدُكُمْ عَلَيْهَا وَيُعِيدُكُمْ عَلَيْهَا وَيُعِيدُكُمْ عَلَيْهَا
اَلْمُشْرِقِيْنَ هَـٓ يَـٰ هُوَ اُولُو الْاَرْشَادِ۔ مشرک کبھی دین حق کا غلبہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ تصادم ہو کر رہے گا۔ یہ ہے اصل تصادم۔ اب یہ تصادم بافضل (PHYSICAL) تصادم ہوگا
اب نظریاتی تصادم اگلے مرحلہ میں داخل ہوگا۔ اب طاقت طاقت سے ٹکرائے گا۔

اس بافضل تصادم (PHYSICAL COLLISION) کے بھی تین مرحلے ہیں۔ سیرت النبیؐ برتقاریر کے موقع پر میں نے ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس وقت ان کو محض جمع کر رہا ہوں

تاکہ اس خاکے میں یہ بھی سامنے آجائیں۔ اس باغض تصادم میں پہلے مرحلہ کو ہم کہیں گے صبر محض۔ ماریں کھاؤ مگر اپنی مداخلت میں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ بارہ برس قبل میں ہی حکم دیا کہ اگر کسی

تہیں دیکھتے ہوئے انکاروں پر ننگی پیٹھ لٹایا جا رہا ہے ریٹ جاؤ RETALIATE تہیں کر سکتے۔ اس کو جدید اصطلاح میں کہیں گے،

PASSIVE RESISTANCE قدم پیچھے نہ ہٹے۔ کلمہ توحید اور کلمہ طیبہ پر قائم رہو۔ لیکن ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ اگر طاقت اتنی فراہم ہوگئی ہے کہ اقدام کیا جاسکتا ہے تو آگے بڑھو اور باطل کو لکڑاؤ اور چیلنج کرو۔ اس نظام کی کسی دھتھی ہوئی رگ کو چھیڑو۔ اسے جدید اصطلاح میں کہا جائے کہ *Active Resistance*۔ تیسرا اور آخری مرحلہ ہے قتال - ARMED CONFLICT آج سے تمہارے ہاتھ بھی کھل دئے گئے ہیں، اِذِنْ بَلَدْنِیْنَ یُضَاقْنَ بِاَنَّهُمْ خَلْبُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَعَدِیْقٌ (آج سے، ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے)۔ کئی دور، صبر محض کا دور تھا۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد نبی اکرمؐ نے اقدام فرمایا اور چھاپے مار دئے بھیج کر قریش کی تجارت کے دونوں راستوں کو جو مکہ سے بین اور مکہ سے شام کی طرف جاتے تھے محذوش بنا دیا گو یا قریش کی دھتھی رگ کو چھیڑ دیا۔ چونکہ ان کی معاش کا بہت بڑا انحصار ان ہی راستوں کے ذریعہ تجارت پر تھا۔ اس کو جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا جدید اصطلاح میں *Active Resistance* کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر انقلابی عمل میں لازمی آخری مرحلہ آتا ہے اور وہ ہوتا ہے مسلح تصادم۔ یہ انقلابی دعوت وقت کے جن فرائض کے مفادات کو چیلنج کرتی ہے، وہ جب اس دعوت کو توسیع پذیر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس کو کچلنے کے لئے اپنی عسکری طاقت کو میدان میں لاتے ہیں۔ اور اس طرح مسلح تصادم کا تیسرا اور آخری مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر انقلابی دعوت کو لازماً اس آخری مرحلہ سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے جب یہ انقلابی دعوت RETALIATE کرتی ہے وقت کے رائج و نافذ نظام کے ساتھ۔ اب تک تو وہ جیس رہی تھی۔ برداشت کر رہی تھی۔ لیکن جب وہ اقدام کا مرحلہ شروع کرتی ہے تو نظام باطل اس کو کچلنے کے لئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ بڑھتا ہے اور آخری مرحلے پر مسلح تصادم کا آغاز ہو جاتا ہے اور انقلاب کا یہی مسلح تصادم جہاد کی آخری چوٹی قتال فی سبیل اللہ بن جاتا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ اپنی مداخلت

میں ہی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی لیکن آخری مرحلے پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جس کے متعلق حکم الہی آتا ہے: **صُحِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ**۔ اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے۔ **وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ**، **وَعَسَى أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**۔ ”ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو

اوراں حالیکہ اسی میں تمہارے لئے خیر ہو اور ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہو اوراں حالیکہ اس میں تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“ اس قتال کا ہدف، **TARGET** وہ ہے جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں کہ ”مسلمانو! اب جبکہ تمہاری تلوار

نیام سے باہر آگئی ہے تو یہ اُس وقت تک نیام میں نہیں جائے گی جب تک فتنہ و فساد بالکل فرو نہ ہو جائے اور اللہ کے خلاف بغاوت بالکل کچل نہ دی جائے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ **وَمَا تَلَوْا هُوَ حَتَّىٰ لَمْ يَكُنْ فِتْنَةٌ وَيَكُنَّ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ**۔

یہاں ’فتنہ‘ سے مراد کیا ہے! اس کی ہمارے اکثر صاحب علم مختلف تشریحات و توضیحات کرتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ چونکہ تصور غیر انقلابی بن گیا ہے لہذا جہاں کہیں بھی انقلابی بات آئی ہے تو پہلو بجا کر نکلنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فتنوں کا شمار مشکل ہے، استحصال بھی فتنہ ہے، نا انصافی بھی فتنہ ہے، لیکن وہ اصل فتنہ کیا ہے

جو اس آیت میں مراد ہے؟ اور جو اُم الفتن ہے۔ وہ یہ ہے کہ :

یہ زمین اللہ کی ہے، اس کا جائز حاکم صرف اس کی ذات ہے، **لَهُ مُلْكُ**

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اگر زمین پر تشریعی معاملات اور اجتماعی نظام حیات

میں اللہ کے براہِ کسی اور کا حکم چل رہا ہے تو یہ اس کے خلاف مرتع بغاوت

ہے۔ یہی سب سے بڑا فتنہ ہے۔

یہاں فتنہ اصلاً، ہی فتنہ مراد ہے۔ اسی کے متعلق ایک مقام پر فرمایا گیا: **وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِمَّا**

الْقِتَالِ۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: **وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقِتَالِ**۔ غور کیجئے :

قتال و مقاتلہ کن کے خلاف تھا! اپنی ہی قوم اور اپنے قبیلہ کے لوگ اپنے ہی بھائی بند

اپنے ہی اعز و اقارب پر مقابل تھے لیکن وہ طاغوتی نظام کے علمبردار تھے اور امت محمد علیہ

صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اس بات پر مامور کی گئی تھی کہ اجتماعی نظام خالصتاً توحید کے انقلابی

ہر تاہم ہو: **أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ**۔ اور اُن اَقِیْمُوا الدِّینَ وَلَا تَتَّبِعُوا هَوَیَّیْہِ۔ سورۃ

اور سورہ صف میں جہاں خاتم النبیین والمرسلین کی بخت کی تینا کی شان یہ بیان ہوئی ہے: هُوَ الَّذِي
 اَنْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَذِيْنَ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الْاَلْبَابِ ظُلُمَاتٍ تَوَدُّوْنَ مَقَامَاتٍ كَے
 آفریں فرمایا گیا: وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اور چاہے مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو جن لوگوں
 کے مفادات، جن کی قیادت و سیادت نظام باطل سے وابستہ ہوں، وہ اس بات کو کیسے برداشت
 کر سکتے ہیں کہ اُن کا طاغوتی نظام بیخ و بن سے اکھاڑ کر توحید پر نظام عدل و قسط قائم کیا جائے۔
 وہ تو مزاحمت کریں گے، مخالفت کریں گے اور اپنی پوری طاقت وین اللہ کے قیام و نفاذ کو روکنے
 کے لئے صرف کر دیں گے۔ لہذا اللہ کے فرمانبرداروں کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ کے باغیوں سے
 پنجہ آزمائی کریں۔ نبرد آزمائی کریں اور اللہ تعالیٰ کی تشریفی حکومت کو قائم کرنے کیلئے اپنا تن، من، دھن
 سب کچھ قربان کر دیں تاکہ حق ہی دار رسد والا معاملہ ہو جائے۔ جو لوگ یہ قربانی دیں تو وہ سرخرو ہیں
 مِنَ الْمُتَّقِيْنَ وَكَانَ صَدَقًا مَا عَاهَدُوا لِلّٰهِ عَلَيْهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَجْبَةً وَهُوَ عَنْهُمْ مُّؤْتٍ
 بِنَظَرٍ وَمَا يَسْتَوْفَوْنَ تَبَدُّدًا۔ لیکن اگر ایمان کے دعویدار بیٹھے رہیں، باطل کے ساتھ کوئی کشمکش
 نہ کریں بلکہ اس کے زیرِ عافیت ضمن کی باغیگری بجائیں۔ اپنے معیار زندگی کی بلندی ہی مقصود و مطلب بن جائے
 تو یہ طرز عمل دنیوی قانون میں بھی ABETMENT یعنی اعانت جرم شہاد ہوتا ہے۔ یہ باغیوں کے
 ساتھ ایک نوع کا تعاون قرار دیا جاتا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ كَا سَبَبٍ سے بڑا
 سبب ہی بناوت ہوئی ہے۔ کائنات کے تحوینی نظام پر جس اللہ کی حکومت قائم ہے یہ
 زمین اسی اللہ کی ہے۔ لہذا اس پر بھی اس کی تشریفی حکومت قائم ہونی چاہئے: اِنْ اَلْكُفْرُ
 اِلَّا بِلَهٍ يَّحْكُمُ دِيْنَهُ كَا اَخْتِيَارٍ مَرْفُوعٍ اِذَا كَا حَاصِلٌ ہے لیکن اس اصل الاصول کو چھوڑ کر کوئی
 فرد واحد ہو، کوئی قوم ہو۔ عوام ہوں۔ کسے باشد۔ کوئی بھی ہو، وہ اگر اپنا حکم چلوا رہا ہے تو
 وحقیقت وہ خدائی کا مدعی ہے اور اللہ کا باغی ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جو صرف اللہ کا وفادار ہو
 اس موقع پر اچانک میرا ذہن اس مقدمہ بناوت کی طرف منتقل ہوا جو ہمارے ہی شہر کراچی کے
 خالق و دینا ہاں میں ہمارے چند اکابر کے خلاف پہلی جنگ عظیم کے دوران قائم ہوا تھا۔ ہیں جہاں اپنی ہی
 کے طرز عمل کے سبب سے ندامت کے ساتھ اپنی گردن جھکا لینی پڑتی ہے وہاں یہ مقدمہ اس امر کی شہادت
 دیتا ہے کہ ہماری تاریخ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے ذکر سے ہمیں کسی درجے میں سہارا ملتا ہے
 کہ انہوں نے وہی طرز عمل اختیار کیا جو ایک مسلمان کے شایان شان ہے۔ ان اکابر نے پہلی جنگ عظیم کے
 اُس ٹریبونل کے سامنے جو انگریزی حکومت نے بناوت کے مقدمہ کے لئے قائم کیا تھا بر ملا کہا تھا
 کہ ہاں ہم انگریزی حکومت کے باغی ہیں۔ اس لئے کہ مسلمان صرف اللہ کا وفادار ہو سکتا ہے وہ بھی

خبر اللہ کا وفادار نہیں ہو سکتا ہر حال میں جہاد کے تین درجے۔ ان کو نزدیک پھیلائی گئی تو درجہ بن جائیں گے اور
 نویں منزل پر جا کر یہ جہاد قتال بنتا ہے۔ جو اس کی چوٹی ہے۔ اس کا CLIMAX ہے یہی
 درجہ ہے کہ سورۃ صف میں جہاں جہاد کی بات ہوئی وہاں یہ بات صراحت سے سامنے آتی ہے
 کہ جہاد تو ایمان کی بنیاد (BASE) ہے۔ جہاد نہیں کرو گے تو عذاب جہنم سے چٹکا لاپائے کی
 امید محض امید مہموم ہے۔ تِلْكَ أَمَانَةُكُمْ اس کی کوئی برہان اور دلیل تمہارے پاس نہیں
 ہے۔ عذابِ الیم سے دستگیری کے لیے ایمان اور جہاد لازم و ملزوم ہیں چنانچہ اس سورۃ مبارکہ
 میں فرمایا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُجْزِيكُمْ مِّمَّنْ عَذَابِ الْبُغْيِ
 قَوْمٌ مِّنْ بَالِغٍ دَعْوَاهُمْ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ۔

اے اہل ایمان! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تم کو عذابِ الیم سے نجات دلا دے؛ وہ
 یہ ہے کہ (ایمان ریختہ) دیکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنے مالوں
 سے اپنی جانوں سے (معلوم ہو کہ ایمان کے ساتھ جہاد ناگزیر ہے۔ اس سے تو مفر ہے ہی نہیں
 یہ تو نجات کی شرط لازم ہے۔ آپ فقہی اصطلاحات سے ذرا صوفی نظر کر لیں کہ یہ فرض ہے یا نہیں
 یا یہ کہ یہ فرض عین ہے یا کفایہ ہے۔ قرآن مجید تو یہ بتاتا ہے کہ جہاد نہیں تو ایمان نہیں۔
 دلیل کے لئے سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۵ سنئے فرمایا، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ
 رَسُولِهِ ثُمَّ كَانُوا يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔
 "مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر اس شان سے ایمان لائے کہ
 ان کے قلوب تشکیک اور غلبان میں نہیں پڑے بلکہ ان کو یقین قلبی حاصل ہو گیا اور جنہوں نے
 جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ پس صرف یہی لوگ ہیں جو اپنے
 دعوئی ایمان میں پہنچے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں صبر کے دو اسلوب آئے ہیں ایک اَشْأَوْ
 دوسرے اُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ اسی لئے میں نے ترجمانی میں اس اسلوب کو پیش
 نظر رکھا ہے۔"

آگے چلے۔ اگر کوئی دنیوی محبت اللہ کی راہ میں جہاد سے روکنے کے لیے پاؤں میں
 بیڑی بن کر پڑ گئی تو قرآن مجید کا فتویٰ کیا ہے! اسے سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۳۴ میں بیان
 کیا گیا، قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ يُحِبُّونَ دُنْيَاكُمْ دَارَ الْفَنَاءِ
 آمَنْتُمْ بِهَا وَتَجَارَعْتُمْ عَنِ غَفْوَةٍ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ كَافِرُونَ تَرْتَضُونَ مَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّمَّنْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِمْ تَرْتَضُونَ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔

معلوم ہو کہ جہاد سے تو مفہوم یہی نہیں۔ سورۃ ہجرات کی جو آیت میں نے آپ کو سنائی ہے وہ اس بات پر مبالغہ میرے طور پر فکر کی حد تک نہیں قطعی ہے کہ ایمان حقیقی کے دو رکن ہیں: ایک ہر نوع کے رب و تخلیک اور ذہنی غلبان سے برا تعین قلبی اور دوسرا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد۔

بلاشبہ کلہ شہادت، اقامت صلوٰۃ، ایٹائے زکوٰۃ، حج اور صوم رمضان، پانچ ارکان اسلام ہیں۔ ان میں شہادتین کو بنیاد اور دیگر چار کو ستون کا مقام حاصل ہے، بنیاد اور ستون کے بغیر کسی عمارت کی تعمیر کا تصور ممکن ہی نہیں، لہذا میں نے جو تین منزلہ عمارت کی مثال پیش کی تھی اس کی ہر منزل کے لیے یہ ارکان اسلام ناگزیر و لا بد ہیں، ایمان حقیقی کے دو رکن ہیں ایک قلبی تعین اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ، جہاں تک میں نے طور کیا ہے، نجات کا کوئی دوسرا راستہ اس جہاد کے بغیر کم از کم مجھے نظر نہیں آتا۔ سورۃ العصر میں نجات انفرادی کے جو چار ناگزیر لوازم بیان فرمائے گئے ہیں اس میں تیسرا لازمہ تیسری ناگزیر شرط، تو اسی بالحق قرار دی گئی۔ سورۃ ہود کی پہلی آیت مبارکہ میں یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے۔ **الَّذِينَ كَفَرُوا كُتِبَ عَلَيْهِمْ أَن يَضِلُّوا أَلَمْ يَضِلُّوا** میں لکھن حکم پر حبیروں پر چنانچہ اسی کے مطابق قرآن حکیم اسی تو اسی بالحق کی شرح کے لیے مزید کئی اصطلاحات بیان کرتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح بھی اس کی تفسیر و تشریح اور تفصیل ہے۔

ہاں اجمال فی سبیل اللہ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی چوٹی ہے۔ یہ اس کا ذرہ مسام ہے۔ یہ مقام مجاہدیت ہے: **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانُوا** **بُيِّنَ أَنْ قَرُوءِهِمْ**۔ یہ وہ اعلیٰ مقام ہے کہ اس راستے میں جان دینے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سورۃ بقور میں فرماتا ہے، **وَلَا تَقْرَأُوا لِلْمَنِّ يُعْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلَّ أَحْيَاءُ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ**۔ اور سورۃ آل عمران میں فرمایا، **وَلَا تَحْزَنْ** **الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ** **بَلَّ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ**۔ یہ وہ ارفع مرتبہ ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تمنا اور آرزو فرمایا کرتے تھے **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَعْرِضُ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَا قُتِلْتُ ثُمَّ أَعْرَضْتُ فَأَمُوتُ**۔

”اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، میری تمنا اور آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ

کروں اور قتل کر دیا جاؤں، کتب احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعائیں منقول ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ شَہَادَۃً لَا فِیْ سَبِیْلِکَ اور اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُکَ لیکن سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ سنت بیان فرمائی ہے: کُتِبَ اللّٰهُ لَا تُخْلِفْنَ اَنَا وَرَسُوْلِیْ اِنَّ اللّٰهَ فَرِیْقٌ عَصِیْزٌ ۝ اللہ تعالیٰ نے کلمہ دیا ہے یعنی طے فرما دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی زور آور اور زبردست ہے، رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے، البتہ انبیاء علیہم السلام کو یہ خصوصی تحفظ نہیں دیا گیا چنانچہ قتل کیے گئے ہیں جس کی سب سے بڑی مثال حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل ہے ضحّا میاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ رہنے آسانی کی یہ بھی ایک دلیل ہے چونکہ وہ بھی رسول تھے (علیہ السلام)۔ وَ اِذَا قَالَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنَیْ اِسْرَآئِیْلَ اٰخِثْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ ۝ پھر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی ہے کہ جس قوم کی طرف رسول مبعوث کیا جاتا ہے وہ قوم اگر رسول کا انکار کر دے اس پر صرف محدود دے چند لوگ ہی ایمان لائیں تو اہل ایمان کو بچا کر اس قوم کو عذابِ استیصال کے ذریعہ اسی دنیا میں ہی تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے، انہوں نے آنجناب کا انکار کیا لیکن انہیں عذابِ استیصال سے تاحال نیت و نابود نہیں کیا گیا۔ یہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے دلیل ہے حضرت مسیح قرب قیامت میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے نزول فرمائیں گے اور انشاء اللہ انہی کے ہاتھوں تمام یہودی عذابِ استیصال و ہلاکت کا مزہ چکھیں گے۔

البتہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا۔ موقع صل کے اعتبار سے ہوتا ہے اگر کوئی اسلامی حکومت بافضل قائم ہووے اسے غیر مسلموں سے فی سبیل اللہ جنگ کا مرحلہ درپوش ہو تو حالات کے لحاظ سے حسب ضرورت فوج مجبور ہے یا مزید ضرورت کے لیے لوگ جنگ کے لیے نکل آئیں تو قتال فرض میں نہیں فرض کفایہ ہو جائے گا۔ لیکن جہاد وہ چیز ہے جو ایک مسلمان پر شعور کی عمر کو پہنچے ہی فرض ہو جاتا ہے۔ اس جہاد کے مختلف طبقے ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق قدرے تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں اور بعض کی طرف محدود وقت کے باعث میں نے محض اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ قتال اس جہاد کے عمل کی

آخری چوٹی ہے اس کا فروغ منام ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغُزْ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِمَا نَفْسُهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِمَّنْ نَفَاقٍ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہ کرے اور اس کے دل میں اس کا خیال کیا ہو نہ اس کی تمنا اور آرزو پیدا ہوئی ہو تو ایسے شخص کی موت نفاق کی ایک شاخ ایک نور و قسم پر ہوگی۔"

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال قیمت نہ کشور کشائی

ایک اور بات میں آج آپ حضرات کے سامنے دکنی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگرچہ میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ میں حتی الامکان جدید اصطلاحات سے احتراز کرنا چاہتیے۔ میں کتاب و سنت کی اصل اصطلاحات کے ساتھ چمٹے رہنا چاہیے عافیت اسی میں ہے ورنہ بالکل غیر شعوری اور غیر محسوس طور پر غلط نظریات اذ بان میں ریگ کر آجاتے ہیں اور پیوست ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک یہ بھی دشواری پیش آتی ہے کہ ہر دور کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے، ہر دور کی چند مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں جو بات کی تفہیم کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اگر اس زبان اور ان اصطلاحات کے ساتھ بات نہیں کی جائے گی تو ابلاغ کا حق ادا نہیں ہوگا۔ COMMUNICA

TION GAP رہ جائے گا۔ لہذا میرے نزدیک VIA-MEDIA یہ ہے

درمیانی راہ یہ ہے کہ وقتی طور پر ابلاغ اور افہام کے لیے ان اصطلاحات کو

EMPLOY یعنی استعمال کیا جائے لیکن اپنے فکر کو مستقلاً ان اصطلاحات کے

حوالے سے استوار کیا جائے جو کتاب و سنت کی ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر میں

آپ کے سامنے عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ جہاد کے لیے آج کے دور

کی اصطلاح ہے، انقلاب، انقلابی عمل، میں جہاد ہے۔ اس انقلابی عمل پر میں نے

بہت مہموں کے حوالوں سے اور اصولی اعتبار سے متعدد تقریریں کی ہیں۔ البتہ اس میں

تقریباً سفر قیام واقع ہوتا ہے۔ میں نے جہاد کے حوالے سے جو تین سطحیں (LEVELS)

بیان کی ہیں، انقلابی عمل میں ان کی ترتیب بدل جائے گی۔ جب ہم انقلاب کی بات

کریں گے تو سب سے پہلے دعوت کا مرحلہ آئے گا۔ اس لیے کہ ہر انقلابی منکر کی PROPAGATION اس کی نشر و اشاعت، اس کو پھیلانا۔ اس کو عام کرنا اُسے ذہنوں میں اتارنا، اس کو دلائل کے ساتھ حق ثابت کرنا، اس انقلابی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ لہذا اس طرح درمیانی منزل اب پہلی ہو گئی ہے۔

انقلابی عمل کا دوسرا مرحلہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ جو لوگ اس فکر کو قبول کریں انہیں منظم کیا جائے۔ اس لیے کہ انقلاب بغیر جماعت کے نہیں آتا۔ ہمیں پھر عرض کر دوں کہ اس اجتماع میں جس میں بفضلہ تعالیٰ علمائے کرام اہل دانش و مہینش بھی موجود ہیں، میں اپنے مطالعہ اور غور و فکر کے نتائج کو واشگاف طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔ اس موقع پر اس امر کی صراحت بھی کر دوں کہ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ انفرادی طور پر دین کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ انفرادی سطح پر تبلیغ ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک اسی کی سب سے اعلیٰ اور درخشاں مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے کہ ساٹھ سو سو برس دعوت دیتے رہے۔ سورۃ نوح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب علیہ السلام نے کس کس طور اور طریقے سے دعوت تبلیغ کے ذریعہ کی انجام دہی کے لیے مساعی کی ہیں اور پھر کتنی حسرت کے ساتھ بارگاہ الہی میں عرض کیا ہے کہ تَالَيْتُ بَنِيَّ دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَايَ إِلَّا كِبْرًا فَرَارًا وَإِنِّي مُكَلِّمٌهُمْ لِنُفُوسِهِمْ لَتُحْمَضَّ كُفْرًا أَمْ أَبْعَدُكُمْ فِي آذَانِهِمْ وَأُشْعَبُوا نِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَامْتَنَكَبُوا أَسْتَكَبَارًا ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ثُمَّ إِنِّي أَعْلَلْتُ لَكُمْ وَأَسْرَرْتُ لَكُمْ إِنِّي أَرَاكُمْ

لیکن قوم مردہ ہو چکی تھی۔ اس نے حضرت نوح کی دعوت کو توحید کو قبول نہیں کیا۔ اس سے اعراض و انکار کیا۔ ساٹھ سو سو برس کی دعوت و تبلیغ کا جو نتیجہ نکلا اس کو سورۃ ہود کی آیت نبرہم کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ وَكَأَمِّنًا مَعَدًّا إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اس (نوح) کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ یہاں قلیل وہ معنی دے رہا ہے جو انگریزی میں A LITTLE دیتا ہے یعنی بہت ہی کم۔ معدود سے چند قرآن حکیم میں تدبر کر سنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر ان کے گھر والے ہی ایمان لائے تھے۔ اس میں بھی ایک بیٹے نے دعوت حق قبول نہیں کی تھی۔

نعرہ دہرائی اڑا رہا تھا ممکن ہے کہ چند انگلیوں پر گئے جانے والے اور لوگ بھی
 مان لاتے ہوں، بہر حال ساتھی نہ ملے، جمعیت فراہم نہیں ہوئی۔ اگلا قدم کیسے اٹھنا
 ان دانشوار نہ ہوں تو اگلی منزل کی طرف پیش رفت کیسے ہو۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام
 استقامت و مصابرت دیکھیے کہ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ میں لگا دیئے اور کہا
 یہ اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر دیا۔ ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ ایک مخلص
 میں اپنی پوری زندگی اس کام میں لگا دے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو اور کامیاب
 رہے گا۔ معاشرہ اگر مرچکا ہے۔ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت معدوم ہو چکی ہے تو کوئی
 RESPONSE نہیں ملے گا۔ ساتھی میسر نہیں آئیں گے۔ اس کا کوئی تصور نہیں،
 ہ سرخرو ہے۔ اگلا قدم اٹھانے اور اگلی منزل کی طرف پیش رفت کرنے کا موقع ہی نہیں
 اہلئہ اودہ بری الذمہ ہے۔ اسی طریقے سے تربیت، تزکیہ، تدریس، تعلیم، تصنیف
 یف یہ سارے کام دین کے ہیں اور یہ انفرادی طور پر ہو سکتے ہیں اور۔ الحمد للہ ہمارے
 ہاں یہ سب ہی کام ہو رہے ہیں۔

لیکن جب آخری منزل کی بات ہوگی، اصل ہدف کی بات ہوگی جس کو میں اب
 انقلاب سے تعبیر کر رہا ہوں، دین کا غلبہ، دین کا قیام، دین کا نفاذ، دین کی
 سر بلندی، میرا یہ حزن ظن ہے کہ یہاں کوئی اہم شخص ہو سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ یہ کام
 انفرادی طور پر ممکن ہے، میرے نزدیک اہم کا لفظ بھی بہت ہلکا ہے، ایسا خیال رکھنے
 بالخصوص خاتمہ العقل ہی ہو سکتا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ تنظیم کے بغیر
 کوئی اجتماعی کام نہیں ہو سکتا، چاہے وہ خیر کے لیے ہو چاہے شر کے لیے، جو اشخاص لوگوں
 کی جیبیں کاٹتے ہیں ان کی جی تنظیم ہوتی ہے، آج کل ڈاکے پڑتا دوزمرہ کا معمول ہو گیا
 ہے۔ ان ڈاکو قتل کے بھی گروہ GANGS ہوتے ہیں، تنظیم ہوتی ہے تحریک کاری
 کے لیے بھی تنظیمیں قائم ہیں۔ جو لوگ اس ملک میں اشتراک کی انقلاب لانا چاہتے ہیں،
 ان کی بھی باقاعدہ تنظیمیں موجود ہیں۔ لہذا اقامت اور اظہار دین کے لیے تنظیم اور
 جماعت ناگزیر ہے۔ اس سے مفر نہیں ہے۔

جوزدار اگر کوئی نضر ہو تو بتاؤ

ناچار گناہگار سوئے دار چلے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کے بائبل برعکس میں دوسری مثال حضرت محمد رسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیا کرتا ہوں، سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۲ میں بن پانچ
من الرسل کا ذکر ہوا ہے، ان میں زمانی ترتیب کے لحاظ سے اولین ہیں حضرت
علیہ السلام اور آخری ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، درمیان میں تین رسول ہیں
حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اس طرح حضرت موسیٰ
وسط میں آتے ہیں۔ اب دیکھتے ازل و آخر میں کتنی متغیر کیفیت ہے کہ ایک نے
دوسرے بر سر دعوت دی، کوئی اعوان و انصار نہیں، جمیعت ہی فراہم نہیں ہوتی تو انگلی
اٹھے، اور دوسرے کا معاملہ یہ ہے کہ کل میں برس میں دنیا کا عظیم ترین صالح انقلاب
فرما دیا میں بیس سال بیچ کر اور اس کے بعد غزوہ حنین کی کامیابی کے اعتبار سے
ہوں چونکہ اس کے ساتھ ہی جو یہ فاعرب تک انقلاب اسلامی کی تکمیل ہو گئی تھی
اور فیصلہ کن چیرکی ہے۔ اسے سورۃ فتح کی آیات نمبر ۲۸، ۲۹ کے حوالے سے بھیجے فرما
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا اَلَمْ يُجِبْ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ اَنْ يَّسْتَلْ
عَلَى الْاَنْصَارِ وَهُمْ لَا يَسْتَلُوْا اَهُمْ يَكْفُرُوْنَ اَمْ يَتَّبِعُونَ مَثَلًا مِّنْ اَللّٰهِ وَرَسُولِهِ
فَوَ اَللّٰهُ هِيَ جَسَءٌ لِّاٰنِمْ رَّسُوْلٍ كُوْهًا يَّتِيْنُ حَقُّكَ سَآءٌ مَّجَاجٍ هِيَ
اس کہ پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی ہے
ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت
آپس میں رحیم ہیں۔“

ہو حلقہ مبارک تو بریشم کی طرح نرم
ازم حق و باطل ہو تو فو لا دے مومن

صحابہ کرام کی وہ جمیعت، وہ تنظیم، اجتماعی طاقت COMMITTED
DEDICATED لوگ جو اپنے آپ کو TOTALLY IDENTIFY کر
نبی اکرم کے اعوان و انصار بنے ہیں کہ ہرچہ بادا باد و مکتی درآب اندامہم، جو غزوہ
سے قبل ایک مشاورت میں کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں۔ بسم اللہ کیجیے جو بھی آپ کا ارادہ ہو، کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعے آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمادے جو کہہ رہے ہیں کہ حضور آپ ہمیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھیوں پر قیاس نہ فرمائے جنہوں نے کہا تھا۔
 فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ

جہاں آپ کا پسینہ گرے گا وہاں اپنا خون بہانا ہمارے لیے سادت ہوگی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جملہ یا مکیجے جو کہہ رہے ہیں کہ حضور آپ ہم سے کیا مشورہ لے رہے ہیں: إِنَّا أَمْنَا بَكَ وَحَسَدًا قَتَاكَ۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں ہم آپ کی تصدیق کر چکے، ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے۔ اب خدا کی قسم اگر آپ ہیں مکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں سمندریں ڈال دیں گے۔ اگر آپ ہیں مکم دیں گے تو ہم اپنی اونٹنیوں کو دہلا کر دیں گے لیکن برک غاذئ تک جا پہنچیں گے جو عرب کا ایک دروازہ علاقہ ہے جس کی راہ میں قی و دق صحرا بڑھتا ہے۔ یہ ہے وہ فیصلہ کن اور مابہ الامتیازات اگر جمیعت نہ ہو۔ اس میں بنیان مروجی کی کیفیت نہ ہو۔ اس میں سمع و طاعت کا وصف و

جوہر نہ ہو۔ اس میں نظم و ضبط نہ ہو، وہ تربیت یافتہ نہ ہو، اس کو اللہ کی رضا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہو، اس کو زندہ بہنے سے زیادہ اللہ کی راہ میں جان دینا عزیز نہ ہو تو اگلی منزلوں کی طرف پیش رفت اور پیش قدمی کے مراحل آئیں گے ہی نہیں حضرت فوج کو ایسے ساتھی نہ ملے، اگلے مرحلے کا معاملہ درپیش ہی نہ ہوا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے احوال و انصاف مل گئے جنہوں نے دعوتِ توحید پر لبیک کہا۔ دعوتِ حق کو قبول کیا اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا اور انہوں نے دعوتِ الی اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے لیے شہداء و معائب، فقر و فاقہ، کشمکش و تصادم، جہاد و قتال کے مراحل میں جان نثاری، قربانی و ایثار، صبر و تحمل اور استقامت کی وہ مثالیں قائم کیں کہ جن کے متعلق ہیں و ثوق کے ساتھ عرض کیا کرتا ہوں کہ ان کی نظیر تاریخ انسانی نہ آج تک پیش کر سکی ہے۔ اور نہ آجہ پیش کر سکے گی۔ اللہ کی طرف سے حضور کو ایسے جان نثار اصحاب کا ملنا اس لیے بھی تھا کہ اہل بدرین الحق آپ کے فرائض منصبی میں شامل نہ فرمائیے۔ فَانْظُرُوا إِلَى الدِّينِ۔ کہہ رہا ہے جو کہ آپ آخری نبی اور رسول ہیں

ہلذا بنفس نفیس دین حق کو ایک نظام اجتماعی کی حیثیت سے قائم اور نافذ کر
قیامت نوبۃ انسانی پر جمعیت قائم کرنا بھی آپ کے فرائض منصبی میں ایک اہم
مکمل تھا۔ اب آئیے سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں اولاہم من الرسل میں
میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انجناب کی بعثت بھی دو نوعیتوں
کی ایک انجناب آل فرعون کی طرف رسول تھے۔ اذھب الیٰ فزعونک ان
اور دوسرے آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انجناب کی
کی عبادت کے لیے آپ کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرما
مصر میں دونوں حضرات علیہما السلام دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی تربیت
میں ہر وقت و ہر محل لگے رہے، حتیٰ کہ فرعون کے اعراض سرکشی دشمنی
کے باعث ہجرت کا مرحلہ آگیا اور آپ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ
نکل جائیں۔ آپ کے ساتھ لاکھوں کی جمعیت تھی۔ جب آپ بنی اسرائیل کے
سینا پہنچے تو اگلا اور آخری مرحلہ دین کے قیام، اہلار، غلبہ اور نفاذ کے لیے
درپیش آیا اور وحی الہی کے ذریعے حکم ہوا کہ ارض مقدس (فلسطین) میں
حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا: یَقْرَأُ اَدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اللّٰهُ لَكُمْ وَلَمْ تَكُنْ لَكُمْ اَرْضًا اَدْخُلُوا اَرْضَ اِسْرَآئِیْلَ خُشِعَ
لیکن قوم بودی نکلی، بزدلی نکلی، تھڑ دلی نکلی اور اس نے کورا جواب
قَالُوا یٰنَبِیُّنَا اِنَّا لَنَنْتَحِلُکُمْ اَبَدًا اَمَّا دَاۤمُوا فِیْہَا فَاَذْهَبْ اَنْتَ
فَقَاتِلْ اِنَّا لَہُمْ فَا تَعَدُّوْنَ

تجربہ نکلا کہ انقلابی عمل دیں رک گیا، اگر یہ اقامت دین کا کام اجتماع
منظم جمعیت کے بغیر ممکن ہوتا تو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ
ساتھی دوسرے پیغمبر حضرت ہارون موجود نہ علی بنیاد علیہما السلام
تے تکمیل پاتا۔ لیکن ساتھیوں کی بزدلی اور پیٹھ دکھانے کے باعث ان
تک نہ پہنچ سکا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ نے قوم کو بشارت دی تھی،
کہ ارض مقدس تمہیں دی جا چکی ہے اب تمہاری ہمت و کراہی ہے پیٹھ
تو ناکام و خاسر ہو جاؤ گے۔ آیت میں آپ کو سنا چکا ہوں، تو تم کو اگر

کا نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور پاداش اپنا حکم سنا دیا۔ قَالَ فَأَرْبَعُ مِائَةٍ عَلَيْهِمْ
 اَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ ان کی نافرمانی اور بزدلی کی وجہ سے ان پر
 ارض مقدس چالیس سال تک حرام کر دی گئی۔ اب یہ اسی صحرا میں اس مدت تک بٹکتے
 رہیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی اس ڈھٹائی، نافرمانی، بزدلی اور کورے
 جواب سے اتنے آزرده اور دل گرفتہ ہوتے کہ ان کی زبان پر آگیا: قَالَ رَبِّ
 اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَاَنْفَرْتُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْغُرُورِ الْفٰسِقِیْنَ ۔
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے سے سبق ملتا ہے کہ اگر جمعیت ہو لیکن وہ

INDISCIPLINE ہو۔ اس میں سمع و طاعت کا جوہر نہ ہو۔ اس میں نظم و ضبط
 نہ ہو تو بھی انقلابی عمل آخری مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے لیے وہ جماعت
 درکار رہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا: الامرکدجنس، المراجعة والسمع والطاعة
 والمجاعة والجهاد فی سبیل اللہ۔ ایک روایت میں الامرکدجنس کے بعد الفاظ آتے
 ہیں: اللہ امر فی بہمن۔ اس طرح یہ حکم مزید مؤکد ہو جاتا ہے۔ پس
 معلوم ہوا کہ اقامت دین کے مرحلے کو طے کرنے کے لیے ٹیٹھ اسلامی اصول سمع
 و طاعت پر مبنی ایک منظم جماعت ناگزیر و لابد ہے، یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں
 کہ جہاد کی میں نے جو سطحیں بیان کی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی جماعتی
 زندگی لازم ہے۔ ایسا شخص معاشرے کے دباؤ، نفس کی ترغیبات اور ابلیس لعین
 کی تحریکات کے مقابلے میں مشکل ہی سے ٹھہر سکتا ہے۔

دعوت کے ساتھ تربیت کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کی اہمیت کو اکبر الہ آبادی نے
 بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جیج خشت بنے تب کام چلے
 ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

علامہ اقبال نے ان کو اپنا مرشد معنوی مانا ہے۔ میرا گمان ہے کہ علامہ کے
 اس شعر میں جو میں آپ کو سنانے والا ہوں، اس کام کو ہی خیال علامہ نے اکبر کاسی شعر سے
 متعارف کیا ہے، لیکن اپنا اپنا اسلوب، اپنا اپنا مقام اور اپنا اپنا رنگ ہے۔ اقبال
 نے اسے جس طرح ادا کیا ہے اس کی اپنی ایک شان ہے۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو
اور علامہ کی فارسی شاعری میں یہ مضمون CLIMAX پر آتا ہے

بانشہ درویشی در ساز و دمام زک
ہوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن
یہ تربیت ہے، یہ تزکیہ ہے، یہ تعلق باللہ ہے۔ یہ رضائے الہی کے حصول
کی آرزو متنا ہے۔ ان چیزوں سے وہ اجتماعی طاقت وجود میں آتی ہے جس کو
سلطنت جم پر دے مارنا ہے جس کو باطل اور طاغوت سے ہامکھانا ہے۔

اگلے تین مراحل دی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں PASSIVE RESISTANCE

ہے (ACTIVE RESISTANCE) ہے۔ پھر ARMED CONFLICT
ہے۔ لیکن یہ جو پہلا مرحلہ ہے، جسے انقلابی عمل میں اصل حیثیت و اہمیت اور
اڈلیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دو مرحلے وہ ہیں جہاں جہاد قرآن سے ہو گا۔
پہلا مرحلہ ہے دعوت وہ نظریاتی تضاد، وہ نظریاتی کشمکش اس کے لئے بندہ
مؤمن کے ہاتھ میں جو تلوار ہے وہ قرآن ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهِم جِهَادًا كَبِيرًا
اس کے ساتھ حکمت بھی ہو: ذٰلِكَ مِتَّكَ اَوْحٰی اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنْ الْجَنَّةِ
اس حکمت کے ذریعے دعوت و تبلیغ، یہ قرآن موعظ حسنہ بھی ہے، وَتَذٰلِكَ اٰیٰتُ الْکُتُبِ

مَوْعِظًا لِّمَنْ زَكٰوٰی وَیُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِّلَّذِیْنَ عَلِمُوْا اِنَّ اٰیٰتِ الْکُتُبِ
سے، طہیدین سے، منافقین سے، اہل کتاب سے، ان کے ساتھ محاذ لہ کا ذریعہ بھی
یہی مسکن ہے، سورۃ نمل کی اس آیت میں یہ تمام طریقے نہایت حسین طریقے سے
آگئے: اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُجَّةِ وَالنُّعْظَةِ وَجَاهِدْهُمْ بِالَّتِیْ هِیْ اَحْسَنُ
پس قرآن کی تلوار ہاتھ میں لے کر نظریاتی تضاد و کشمکش کے میدان میں کود پڑو۔
انبار قرآن کے ذریعے سے: وَادْعُ اِلٰی هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِامْذَنْ نُّصَدِّقْ بِهِ وَمَنْ بَدَّلْهُ

بشیر قرآن کے ذریعے سے۔ میں آپ کو سورۃ مرم کی آیت سنا چکا ہوں جس میں انبار
اور بشیر دونوں کا ذریعہ قرآن ہی کو قرار دیا گیا ہے، فَاِنَّمَا یُؤْتِنُهُ بِیَسَارٍ لِّیُّبَشِّرَ
بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتَذٰلِكَ رِیْبُہٗ فَوْنًا لِّذٰلِکَ میں اپنے اس احساس کا اعادہ کر

رہا ہوں کہ اس، بلکہ ”ہر جہاں اکثر اہل علم نے کما حقہ توجہ نہیں دی، سورہ کہف کی پہلی دو آیات میں بھی انداز و تبشیر کے لیے ذریعہ نہایت جمیل اسلوب سے قرآن کو قرار دیا گیا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہٖ الْکِتٰبَ وَلَقَدْ جَعَلْنَا لَکَ ذِیْنَہٗا فِیْمَا لَیْسَ بِذِکْرِ بَاسًا شَدِیْدًا اِمِنْ لَّدُنَّہٗ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحِیْنَ اَنْ لَّہُمْ اَجْرًا حَسَنًا۔

تذکرہ قرآن سے۔ ”فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ مِّنْ یَّخَافُ وَ یَعِیْدُ۔“ معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ کہہ لیں یا نظریاتی تصادم و کشمکش کہہ لیں، اس کا ذریعہ اس کا آدھ قرآن ہے۔ ہم نے تو اس قرآن کو وعظ کا ذریعہ بھی نہیں بنایا۔ اقبال نے اس کے مرثیے کہے ہیں۔

واعظِ دوستان زنِ افسانہ بند معنیِ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او با ضعیف و شاذ و مرمل کارِ او

واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب ہانڈھتا ہے اس کے الفاظ بھی پر شکوہ اور بلند و بالا ہوتے ہیں لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے۔ اس کا سارا وعظ قرآن کے بجائے یا تو خطیب لہجہ آدمی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ یا دیلمی سے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور مرمل روایات سے رہ گیا ہے۔ ”ہمارے عام واعظین نہ معلوم کہاں کہاں سے ضعیف حدیثیں لاتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بد قسمتی سے ہمارے دور

میں ضعیف حدیثوں کے حوالے سے تبلیغ ایک باقاعدہ INSTITUTION کی صورت اختیار کر گئی ہے، فضائل کے بیان اور نیکیوں کی تلقین کے لیے اولیائے کرام کی غیر مصدقہ کرامات کا ذکر ہے۔ ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کا سہارا ہے۔ حالانکہ موعظ حسنہ تو یہ قرآن ہے۔ دل کی کا یا پلٹ دینے کے وصف کا حامل یہ قرآن ہے لیکن اس کو سمجھنا بھی مت، تفسیر تو درگزر اس کا ترجمہ بھی نہ پڑھنا۔ اس کی تو بس تلاوت کر کے ثواب حاصل کر لیا کرو۔ وعظ و نصیحت کے لیے ضعیف روایات یا بے ثمر باتیں کہیں نہیں جن کو ایک عام متقل انسان کا ذہن بھی قبول نہ کرے اور اسے فوراً روک دے امدان کو تسلیم کرنے پر اس کا دل تیار نہ ہو۔ اس کے ذریعہ سے ابلاغ کیا ہوگا۔ بس

پہلا جہاد بالقرآن ہے دعوت کے لیے۔ نظریاتی تصادم میں ہمدی تلوار قرآن اگرچہ اس کا حق ادا کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ۱۰۔
 نے ضروری ہے کہ حَزْبُكَ مِنْهُمْ تَعْلَمُ الْقُرْآنَ وَعَمَلُكَ۔ کی بشارت نبوی
 چند سعید رو میں اپنا مقصد زندگی بنائیں۔ ان کو اس کے لئے کھینا پڑے گا۔ اس کے
 زندگیاں لگانی ہوں گی۔

دوسرا مرحلہ ہے تربیت۔ اس کیلئے بھی ہمارے پاس اصل توار تہ آن۔
 دروغ تو کچھ کہے کہ قرآن اس کا مدعی ہے اس حقیقت کا کہ شَفَاءُ لِمَا فِي الْقُلُوبِ
 میں ہوں۔ لیکن ہم نے تزکیہ نفس کے لیے کہاں کہاں بھیک مانگی ہے اور پھر اس
 لیے فلسفے اور پورے پورے نظام مدون کیے ہیں مگر اس کو چپے نہ گزریں۔
 تو قرآن کا نہیں ہے اقبال نے اس کا بھی نوٹ کہا ہے۔

صُوْنِیْ پَشِیْمِیْنِ پوششِ حالِ مست از شرابِ نفسِ قَوالِ مست
 آتش از شعرِ عراقی در دلش درنی سازد بقرائِ محفلش

”پشیمین پوشش صونی اپنے حال میں مست اور قوالی کی شراب سے مدہوش
 اس کے دل میں عراقی کے شعر سے آگ بھڑک جاتی ہے لیکن اس کی عقل میں قرآن
 کبیں گزرتا ہے؟ اور بالفرض کچھ ہو بھی تو اس کا کوئی اثر نہیں جو مدعی ہے شفا
 کا جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا جس کے لیے وہ کہتا ہے: وَكَفِّرْنَا مِنَ الْقُلُوبِ مَا
 وَكَلَّمْنَا الْقُلُوبَ فَعِنْدَ لَيْكِنِ اس کی ناقدری کا یہ عالم ہے کہ اور سب کچھ استعمال ہو جا
 ہم نے سارے کو چپے گھنٹال لیے، دُور سے بھیک مانگ لی لیکن یہ دروازہ
 تزکیہ بھی اسی قرآن کے ذریعے ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کو بھی اس
 میں اقبال نے غائب پچانا ہے۔ مجھے معاف فرمائیں، میں علمائے کرام کی عظمت
 کے مقام و مرتبہ کا جس دلبے معترف ہوں وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن اس حقیقت
 بیان کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ان حقائق کا جو انکشاف اقبال پر ہوا ہے
 کا جو شعور و ادراک علامہ کو حاصل ہوا ہے وہ مجھے اس دور میں اور کہیں نہیں نظر آتا کہ
 سے کہتے ہیں۔

کشتن ابلیس کا بر شکل است : زانکہ او کم اندر حقائق دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی ۛ کشتہ شمشیر قرآنش کنی

شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ وہ انسان کے دلوں میں ڈیرا لگا لیتا ہے اور اس کی رسائی انسان کے دل کی گہرائیوں تک ہے بہتر راستہ یہ ہے کہ اسے قرآن کی حکمت و ہدایت کی شمشیر سے گھاتل کر کے مسلمان بنا لیا جائے غویجیجئے ہر شعر میں احادیث بنوۃ علی صاجھا الصلوۃ کو کس طرح سمو دیا ہے میں آپ کو یہ حدیث سنا چکا ہوں کہ : اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْاِنْسَانِ مِنْ خَرَفَتِهِ۔ شیطان انسان کے وجود میں اس طرح سراپت کر جاتا ہے جیسے کہ خون ۛ پہلے شعر میں اس کا حوالہ ہے۔ دوسرا شعر بھی ایک حدیث نبوی سے ۛ اخذ ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ کسی معافی نے بڑی ممت اور جرات کی ۛ اللہ تعالیٰ انہیں امر سے وہ دریافت نہ کرتے تو یہ حکمت ہم تک کیسے پہنچتی ۛ انہوں نے سوال کیا کہ کیا حضورؐ آپ کے ساتھ بھی ہے ۛ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ”ہاں ۛ ہے لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے ۛ یہ ہے وہ بات جو اس مصرعہ میں علامہ نے کہی ہے۔

خوشتر آں باشکو مسلمانش کنی ۛ لیکن وہ مسلمان کس طور سے ہوگا اسے علامہ دوسرے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں۔ کشتہ شمشیر قرآنش کنی۔ یہ قرآن شیطان کو مسلمان بناتا ہے ۛ اگر نہ ہر وہاں ہے جو پورے وجود میں سراپت کرتا ہے تو یہ قرآن بھی وہ تریاق ہے جو پورے وجود میں سراپت کرتا ہے ۛ ظاہر ہے اگر تریاق نہ ہر سے زیادہ موثر نہ ہو تو نہ ہر کا اثر کیسے ذاتی ہوگا۔ اس بات کو بھی اقبالؒ نے کہا ہے۔

سہ چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ قرآن جب کسی کے اندر سراپت کر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب آجاتا ہے۔ اب وہ انسان بالکل بدلا ہوا انسان بن جاتا ہے۔ یہ باطنی انقلاب ہے ۛ اندر کی تبدیلی ہے۔ میں بات کو مختصر کرنے کے لیے اس شعر میں اپنا مفہوم شامل کر رہا ہوں ۛ یہ باطنی انقلاب ۛ یہ اندر کی تبدیلی ۛ ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے ورنہ انقلاب کہاں سے آئے گا۔ جہاں دیگر شود کا پہلا اور اصل مفہوم تو یہ ہوگا کہ جس انسان کے اندر قرآن کے ذریعے تبدیلی آگئی ۛ اس کے لیے جہاں بدل گیا۔ اس کی دیکھنے والی

نگاہ بدل گئی۔ اس کا زاویہ نظر بدل گیا۔ اس کی اقدار بدل گئیں۔ اب اس کے لیے :
 جہان وہ نہیں ہے بلکہ جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا۔ یہ عالم بیر مژد رہا ہے والا معاملہ ہے
 جب کسی کے دل میں قرآن اتر جائے، اس کے لیے اب یہ عالم نیا عالم ہے۔ اس
 نقطہ نظر اور مطلوب و مقصود بدل گیا ہے اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اگر ایسے فلا
 کی ایک ڈسپلن جماعت جو دیں آجائے جس کے دل میں قرآن جاگزیں ہو جائے
 یہ تبدیلی عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، صیبا کرام رمضان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
 کے اندر حوشِ ایمانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایشیا و قربانی کا جذبہ اسی قرآن
 بدولت ہی پیدا ہوا تھا۔ یہ مختصر سی اور بے سرو سامان جماعت، ایک ہاتھ میں قرآن
 اور ایک ہاتھ میں تلوار لے کر کسری و قیصر کے وقت کی دو عظیم سلطنتوں سے جا ٹکرائی
 اور میں سال کے مختصر عرصہ میں اول الذکر کو بالکل نیست و نابود اور آخر الذکر کو مشرق
 اور شمالی افریقہ سے بالکل بے دخل کر دیا تھا اور ان علاقوں پر اللہ ہی کے دین کا
 برائے لگا تھا۔

حاصل کلام یہ کہ انقلابی عمل کی دو سطحیں ہیں یا دوں کہہ لیں کہ جہاد کے دو
 ہیں، مجاہدہ مع النفس کے لیے ہمارے ہاتھ میں تلوار قرآن۔ اور نظر یا تو کشمکش
 تصادم کے لیے بھی ہماری تلوار تکران، تحدیث بالحق کے طور پر عرض کرتا ہوں
 جہاد بالقرآن کا عزم لے کر میں ۱۹۵۵ء کے آواخر میں ساہیوال سے لاہور منتقل
 ہوا تھا۔ دسمبر ۱۹۵۵ء میں لاہور سے ایم ای بی ایس کر کے میں ساہیوال میں
 گیا تھا۔ لاہور آکر میں نے بالکل تنہا اس کام کو شروع کیا۔ اس وقت کوئی سا
 کوئی ادارہ نہیں، کوئی انجمن نہیں۔ نیشاق کا چارج سنبھالا تو تنہا، خود ہی
 ایڈیٹر خود ہی مالک، خود ہی پروف ریڈر، حتیٰ کہ خود ہی اس کا چیئر مین۔ پھر دارال
 الاسلامیہ قائم کیا۔ وہ بھی تنہا، وہی نیشاق، وہی صورت حال، ساٹھ ہی مولانا
 مولائی کے اس معرکہ کے مصداق۔ جسے محض سخن ہماری جگہ کی مشقت بھی مطلب ہم
 تھا۔ بیفیس بھی دیکھ رہا تھا اور نسخے بھی کھڑے رہا تھا۔ اسی دوران کئی علاقوں میں
 قرآن کے حلقے قائم کیے۔ اور منتخب نصاب کا درس شروع کیا۔ قرآن کی دعوت کا یہ
 اعوان و انصار ملتے چلتے گئے ۱۹۵۷ء کے اوائل میں جس نے نیشاق میں مرکزی انجمن

’خدام القرآن اور اس کے زیر انتظام قرآن اکیڈمی کے قیام کا خاکہ پیش کیا۔ الحمد للہ بعض دردمند اور اہل دل حضرات نے اس پر لبیک کہی اور ۱۹۷۲ء کے وسط میں باقاعدہ انجمن قائم ہو گئی۔ میں نے انجمن کے خاکے اور پھر دستور کی تقدیم میں یہ شعر درج کیا تھا۔

سے گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب سرے راز داں اور بھی ہیں

الحمد للہ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۷ء تک قریباً بارہ سال انجمن کے قیام پر گزر گئے۔

عرصہ میں جو بھی بن آیا ہے اور جس کام کی بھی اللہ کی طرف سے توفیق ملی ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے، انجمن کا قیام۔ اس کے لیے دفاتر، رہائشی کوارٹرز، بڑا جامع القرآن، قرآن اکیڈمی کی تعمیرات، علوم و معارف قرآن کی نشر و اشاعت۔ مکتبہ کا قیام۔ پاکستان کے چند دوسرے شہروں کے دعوت و رجوع الی القرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے دورے اور دروس و خطابات کے ذیلے دین کے جامع نقود کو ہمارے کرنے کی کوشش، قرآن کانفرنسوں اور ادب محضات قرآن کا انعقاد، مختلف شہروں میں قرآنی تربیت گاہوں کا انتظام، ساتھ ہی اسی پیغام کے لیے بیرون پاکستان کے اسفار۔ میں نے یہ کام صرف اس مقصد کے لیے گنوائے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ان سب کاموں کو آپ جہاد بالقرآن کے عنوان کے تحت اپنے حافطے میں درج کر لیں۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب خالصتہ اللہ ہی کی طرف سے اس دور کے سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ ٹیلی وژن پر پورے پندرہ ماہ تک ”الہدیٰ“ کے نام سے قرآن مجید کا پیغام اس ملک کے گوشے گوشے تک پہنچا، میرے ساتھی یہاں موجود ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ میرے یہاں آج تک ٹیلی وژن نہیں ہے۔ میں اس کوچے کا مسافر ہی نہیں۔ پہلی مرتبہ جب اسلام آباد سے ٹی وی کے ایک پروڈیوسر صاحب لاہور انجمن کے دفتر رمضان المبارک میں روزانہ ”الکتاب“ کے عنوان سے تقاریر کی تجویز لے کر تشریف لائے تو اس وقت انجمن کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر ان سے ملنے گیا۔ انہوں نے کہا کہ پورے رمضان میں روزانہ بارہ منٹ کا ”الکتاب“ کے عنوان سے ایک پروگرام ہو گا۔ اس میں آپ کو ایک پارے کے بارے میں کچھ بیان کرنا ہو گا۔ میں نے کہا مت مادی گئی ہے، مجھے ایک

آیت کے لئے بسا اوقات ایک گھنٹہ درکار ہوتا ہے اور آپ ایک پارے کے لئے مجھ بارہ منٹ عطا کر رہے ہیں۔ میں اس مختصر سے وقت میں کہوں گا کیا؟ میں نے خدمت کی کمرچ میں اس کی نہ صلاحیت ہے اور نہ جرات، آپ کسی اور کو تلاش کیجئے۔ میں دفتر والوں سے یہ کہہ کر ان کی چائے وغیرہ سے تواضع کر کے ان کو رخصت کر دو، انجن کے اجلاس میں واپس آ گیا۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ کون صاحب تھے؟ کیا معاملہ تھا۔ میں نے جب بتایا تو سب اراکین میرے سر ہونگے کہ آپ نے یہ کیا کیا، پانچ منٹ بھی دیں تو لاو! وہ اس ذریعہ ابلاغ کی اہمیت سے واقف تھے۔ وہ اس دنیا کے رہنے والے ہیں، میں اصل میں اس دنیا کا رہنے والا ہوں ہی نہیں، میری ایک چھوٹی سی مملکت دنیا ہے، میں اسی میں مگن ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں اسی دنیا میں دفن ہو جاؤں اور مجھے اس سے باہر کی ہوا نہ لگے، نہ مجھے ذیبرے اہل و عیال کو۔ بہر حال اراکین کے اصرار پر میں دوبارہ اٹھ کر گیا، وہ صاحب ابھی چائے پی رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ساتھیوں کے اصرار پر میں یہ پیشکش منظور کرتا ہوں۔ دو سال رمضان المبارک میں روزانہ ”الکتاب“ کا پروگرام ٹی وی پر نشر ہوا، پھر تیسرے سال رمضان ہی میں ”التم سیریز چلی۔ پھر ”الہدیٰ“ کا ہفتہ وار پروگرام شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے یہ راستہ پیدا فرما دیا۔ پھر جب بالکل درمیان میں ”الہدیٰ“ کا پروگرام ختم ہوا، درمیان میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ میں اس پروگرام میں ”مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا سلیڈ وار بیان کر رہا تھا۔ وہ نصرت ہوا تھا کہ اچانک یہ پروگرام بند کر دیا گیا۔ جب سے وہ ختم ہوا ہے، میں قطعی مطمئن ہوں کہ یہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے اور اس میں یقیناً خیر ہے، عَسَىٰ اَنْ يَّكُونَ شَيْئًا مَّوْحِيًا فَكَذٰلِكَ يُخَوِّشُ اَشْيَا وَهُوَ شَرٌّ لَّكَوَدَّ اللّٰهُ يَغْلِبَكَ اِنَّكَ تَغْلِبُونَ۔

اس ”الہدیٰ“ کے پروگرام کے ذریعے ملک بھر میں ایک پیاس پیدا ہو گئی، لوگوں کی سی پیس ہے جو مجھے کپینج کر جگہ جگہ لے جا رہی ہے اور عزمہ سے صورت حال یہ ہے کہ میں عموماً لاہور سے ہفتہ کی صبح کو نکلتا ہوں اور جمعرات کی رات یا جمعہ کی صبح کو یہاں واپس پہنچتا ہوں۔ اگر آج شہر شہر جا کر میں قرآن کا پیغام پہنچا رہا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے پہلے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ”الہدیٰ“ کے پروگرام کو بنایا۔ ورنہ کون

جانتا تھا۔ اور اگر ہم ابھی پچاس برس بھی لگے رہتے تو اپنے محدود ذرائع اور وسائل سے اتنا وسیع حلقہ تعارف پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور معاشرے میں آگنی پیکر پیدا نہیں ہو سکتی تھی جو ہر احوال نظر آ رہی ہے۔

بہر کیف میں گفتگو کے اختتام سے قبل عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن ہی ہمارا ذریعہ دعوت ہے۔ نظریاتی تصادم اور کشمکش کے لئے ہماری تلوار قرآن حکیم ہے، جہاد بالقرآن ہی ہمارا طریق کار ہے۔ نفس اور شیطان سے کشمکش کے لئے بھی ہمارے ہاتھ میں فاحشہ تلوار قرآن مجید ہے۔ وقت کی محدودیت کے پیش نظر اجمالاً عرض کر رہا ہوں کہ تزکیہ نفس کے لئے قرآن نے جو پروگرام دیا ہے، اس میں دو مؤثر ترین چیزیں ہیں۔ ایک قیامِ اتیل۔ دوسری اس قیام میں ترتیل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت و قرات، ابتدا میں قیامِ اتیل کا حکم اطلاقِ شان کے ساتھ آیا تھا: **يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ الْقَلِيلُ الْكَلِيلُ إِلَّا قَلِيلًا، يَضَعُ مَنَّهُ قَلِيلًا، أَدْرَأَ عَلَيَّهِمْ وَتَسْبِلُ الْفُرَاتِ تَزِيلًا**۔ بعد میں جب اس نے ایک معین شکل اختیار کی ہے تو حکم آیا: **وَمَنْ أَكَلِيلٍ فَتَهْتَجِدُنَّ بِهَا خَلْدًا لَكَ**، رات کا جاگنا اور مجروحان نہیں بلکہ قیام میں قرآن کی طویل قرات و تلاوت۔ یہ دو ہتھیار ہیں جس سے ایک بندہ مؤمن کی جہاد بالقرآن کے لئے تیرت کی تعمیر ہوئی اس کی دعوتِ موعظہ اور محادلہ میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

میں آج جہاد بالقرآن کے ذیل میں یہ باتیں آپ کے سامنے عرض کرنی چاہتا تھا، مجھے احساس ہے کہ میں نے اندازے سے زیادہ وقت لے لیا ہے۔ میں جناب صدر مولانا سید احمد اکبر آبادی مدظلہ علاتے کرام، دانشور حضرات اور مجملہ شکر کار کا انتہائی شکریہ گزار ہوں کہ تمام حضرات نے میری معروضات کو توجہ سے سماعت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہاتھ میں لے کر ہمیں باطل کے خلاف نبرد آزما ہونے کی سعادت اور خود اپنے شیطان اور اپنے نفس سے لڑنے کے لیے اس قرآن کی تلوار کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **اَللّٰهُمَّ اِنِّسْ وَخَشَّتَا بِنِي تَبَوَّرْنَا۔ اَللّٰهُمَّ اِجْنِبْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَنُورًا وَهُدًى وَنِعْمَةً۔ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَشِئُ اَوْ عَلَمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَذُرْنَا تِلَاوَتَهُ اِنَّهُ الْكَلِيلُ وَاِنَّهُ التَّهَارُ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَارَبَّ الْعَالَمِينَ۔**

وَأَنْزَلْنَا الْحَائِدَ
فِي جَانِبِ شَاكِدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ

(الحمد: ۲۵)

اور ہم نے لوہا امارا
جسید جنگ کی بڑی قوت سج اور لوگوں کیلئے
بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپرسس روڈ - لاہور

عارف القرآن

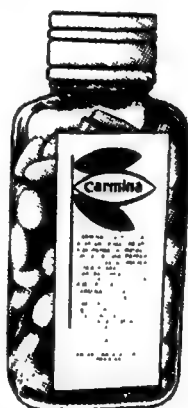
نیر کی بے نظیر تفسیر

حقائق و معارف کلام اللہ
اور علوم قرآن کا جامع ذخیرہ

جلد ۶

علامہ شیخ الحدیث و تفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان ہرمین و افسانہ نگار
: ۳۰۰ روپے اعلیٰ ڈاٹائی دارجلد شاہ محمد فرزاعمل کیجیے مکتبہ مدنیہ لاہور
ے اں ہر قسم کی دینی و نصائی کتب نیز روڈ شرک و بدعت پر لاجواب لشکر بھی دستیاب ہے
بایعینے کا خصوصی انتظام موجود ہے۔ اپنے مسک کے مکتبہ سے تعاون کر کے اس قابل بنائیں کہ
زید اپنے اکابر کی تالیفات شائع کر سکے۔ عمار اہل سنت دیوبند کی تصنیفات کا دوسرے مرکز

مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰- اردو بازار لاہور ۷۲۵۲۰



کارمینا

نظام ہضم کو پیدا کرتی ہے
معدے اور آنتوں کے افعال کو
منظم و درست کرتی ہے۔



کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھئے۔



امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریبلو انٹرنیشنل

فون: ۳۰۳۳۵۵
۳۰۳۳۷۷

برآمدی اشیاء

آرٹ سلڈ فیبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
ہٹن کلاکھ : کائٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈ کرافٹس : لکڑی کا فینر نیچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : شکر فلم : سوچ سٹارٹ
ربر میٹکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I قلعہ غلام رسول بلڈنگ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد -

ٹینٹ اور ترپالے

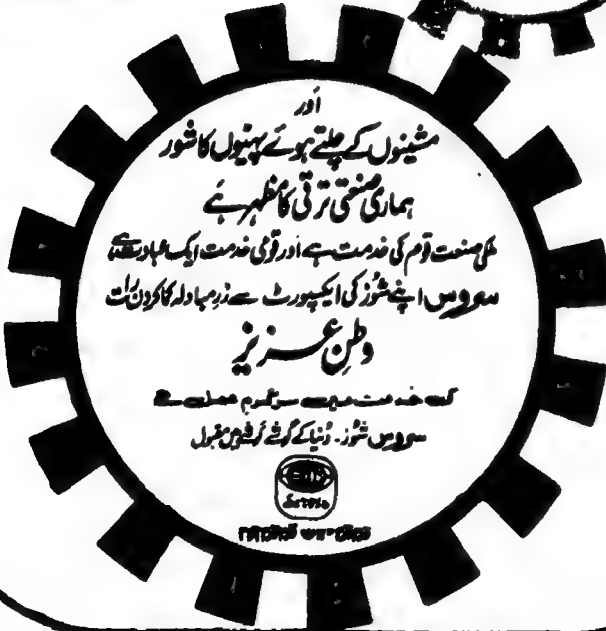
بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

پاکستان کی کھلی فضاؤں میں



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



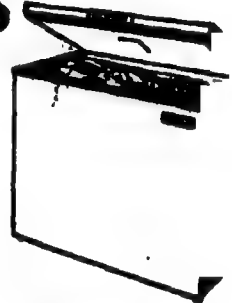
AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS



NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door With built-in lock.
- Specious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

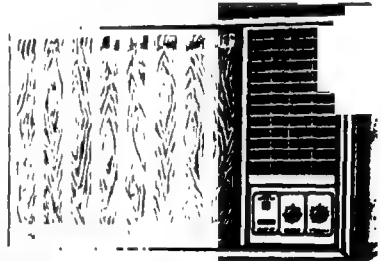


CHEST/UPRIGHT FREEZE

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto
Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.



Available at all



Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)

GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 526161-65 (5 Lines)

CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 26100 WWTCO PK

THE ORIGINAL

Have a Coke and...

Coca-Cola and the name are the registered trademarks of The Coca-Cola Company. The name and design are the COCA-COLA identity.

paragon

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت النبیؐ سے روایت ہے کہ نبیؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک کامل، مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جویلی ہاؤس لاہور

سولہ بازار



ٹپل روڈ

۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

۳۰۴۳۳۳ — ۳۱۱۴۴۰

پروپرائیٹر اے وحید

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

عید الاضحیٰ اور

فلسفہ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جس کا مطالعہ ان شاء اللہ
کئی شکوک و شبہات کو دور کر دے گا۔

صفحات - ۲۸

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۲۶۱۱

ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط رواں

اور دیرپا

اسٹین لیس

اسٹیل کی

ایڈیم ٹیڈنٹ

کے ساتھ

ہر جگہ دستیاب

آزاد فریڈ زائید

الحمد لله الذي جعلنا من عباده

الحمد لله

ایک اعزاز



ہر پڑھنے پر آمیدی کا کہہ گی کی لسانی

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ



4011 KODU PL

25, 180 KODU PL

قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل نہ صرف ہم تو عالمی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس سے بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنایا جائے



تو عالمی توانائی کے مسائل میں نہ ہوا عالمی توانائی کے مسائل میں ہوا
ہر لمحہ کی عالمی توانائی میں عالمی توانائی کے مسائل میں ہوا
تو عالمی توانائی کے مسائل میں ہوا عالمی توانائی کے مسائل میں ہوا

قدرتی گیس بہت
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



تذکرہ و تبصرہ
 شریعہ و فرائض
 دارالعلوم اسلامیہ

دارالعلوم اسلامیہ
 لاہور

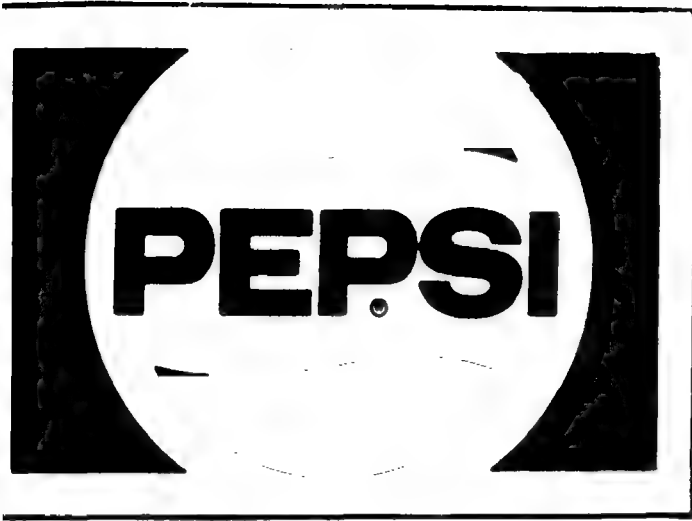


بیان مابینہ

دارالعلوم اسلامیہ
 لاہور

مرکزی مکتبہ اسلامیہ
 لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن — لاہور



پنجاب بیوریکمز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۱۰۱

بشائر

جلد ۳۳ شماره ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۴ء

مشمولات

- ۳: عرفیہ سوال — جمیل الرحمن
- ۷: { زقائے تنظیم کے نام
امیر تنظیم اسلامی کا خط
- ۹: الہامیہ — (۱۹ویں نشست)
- (سورہ نور کے پانچویں رکوع کا درس)
- ڈاکٹر اسرار احمد
- ۲۱: تذکرہ و تبصرہ — ڈاکٹر اسرار احمد
- ۵۹: اسلام میں عملی زندگی (آخری قسط)
- ملک محمد اقبال واحد
- ۴۷: { امیر تنظیم اسلامی کا حالیہ دورہ
شمالی امریکہ — ڈاکٹر ابصار احمد
- ۷۳: افکار و آراء
- ۸۳: زقار کار — ادارہ

اداریہ تحوی

شیخ محمد بن عبد الرحمن
عزیز بن عبد الرحمن

سالانہ ذریعہ
۳۰ روپے
قیمت ۱۰ شوا
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شریعہ و فہرستہ

۱۲۱۵۱۱
مکتبہ جدید شریعہ و فہرستہ

فصل : ۸۵۲۶۱۱

سب آئیں : ۱۱ داؤد منہل
زود آرام باغ، شاہراہ یاقوت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۷۰۹

ہر ہجری سال نو کے موقع پر

سآخہ کر بلا

تقاریر خطابات، مضامین اور مقالات کا مجموعہ بنتا ہے؟

اور اس ضمن میں عموماً اس شرط و تقریط کا مظاہر ہوتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

کا کتابچہ

ہجری سال نو اور

سآخہ کر بلا

مع کر بلا کی کہانی حضرت ابو جعفر محمد باقرؑ کی زبانی

اس مجموعہ پر حقیقت بینی اور اعتدال پسندی کے اعتبار سے ایسا شاہکار ہے جس نے

عوام و خواص سے خداج تحسین وصول کیا ہے

خود پڑھیے اور دوسروں تک پہنچائیے

۴۸ صفحات - اعلیٰ آفٹ پیپر - قیمت تین روپے

ناشر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نمبر ۴۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شیخ جمیل الرحمن

عزری احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بحمد اللہ محرم ۱۴۰۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۴ء کا شمار پیش خدمت ہے۔ اسلامی تقویم کے لحاظ سے اس ماہ مبارک سے پندرہویں صدی کے پانچویں سال کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس نئے سال کی آمد پر تارین کرام اور مجاہد مسلمانان عالم کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس سال کو عالم اسلام اور ارض پاکستان کے لئے بالخصوص اور پوری دنیا کے لئے بالعموم امن و سلامتی کا سال بنائے: **هَذَا لَئِیْ رُسُلُهُ وَخَیْرٌ مِّمَّزِیْرَآئِیْ** اس کے دوران اللہ تعالیٰ کے علم کامل کے مطابق جن مسلمانوں کی ہمت عترتِ مہم ہونے والی ہو ان کا خاتمہ ایمان پر ہو اور جن مسلمانوں کے لئے اس عز و جل کے علم کامل و ازیلی کی رو سے مزید ہمت عترتِ مہم کی زندگی اسلام کے رنگ میں رنگی: **اَللّٰهُمَّ مَنْ تَوَقَّيْتَهُ مِتَّ اَوْ قُتِلَ عَلَی الْوِیْمَانِ وَ مَنْ اَخْتِیْتَهُ مِتَّ اَوْ قُتِلَ عَلَی الْاِسْلَامِ**۔

اس شہادے میں محرم ڈاکٹر اسرار احمد دامت برکاتہم کا وہ مکمل خطاب تذکرہ و تبصرہ کے عنوان سے شامل ہے جو موصوف نے شمالی امریکہ اور انگلستان کے دعوتی دورے (۱۶ جولائی تا ۱۳ اگست ۸۴) سے مراجعت کے بعد ۱۸ اگست ۸۴ء کے جمعہ کو مسجد دارالسلام لاہور میں ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطاب میں سلطنتِ خدا واد پاکستان کے موجودہ حالات پر اور بعض دینی امور پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ خاص طور پر ان منکرات و بدعات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو شرع آزادی کے موقع پر اور مختلف انداز سے ہمارے معاشرے میں تیزی سے فروغ پا رہی ہیں۔ ایک طرف اب باب امتداد کی طرف سے یونیورسٹیاں سات سال سے سنائی جا رہی ہے کہ اس ملک میں اسلام آ رہا ہے دوسری جانب اس کی طرف سے منکرات و بدعات کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ یہ تضادِ قول و عمل اللہ تعالیٰ کی سخت بیزاری کا باعث ہوتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ هَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ** قارئین جب اس خطاب کا مطالعہ کریں گے تو انہیں محسوس ہوگا کہ اس کا اسلوب و انداز ناقہمانہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک اس وقت جن خارجی اور داخلی

خفیات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ کسی بھی باغ نظر شخص سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان نیکیں اور خشوش ناک صورت حال میں ہمارا قومی سطح پر برابر و پشت بمنزل رہنا اور قول و عمل کے تضاد میں مبتلا نظر آنا قیبتاً ایک دل حساس میں تلخ نوائی پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ دقت کا تقاضا ہے کہ بات دلیل کے ساتھ ساتھ تقید کے انداز سے کہی جائے۔ قرآن مجید میں بھی جو ہدئی بلتاس ہے یہ اسلوب موجود ہے۔ وہ جہاں ترفیع و تحویق دلاتا ہے، دل گداز و عظمت و نصیحت کا انداز اختیار کرتا ہے۔ دہاں وہ زبرد قویج، تقید اور صغیر کرنے کا اسلوب بھی اختیار کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال سورہ صف کی دو آیات سے پیش کی جا چکی ہے۔ مزید برآں سورہ حدید میں جو خطاب بہ اہل مسلمہ کے ضمن میں بڑی جامع سورت ہے۔ یہ انداز بہت نمایاں ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں **وَمَا لَكُمْ** اور کئی مقامات پر **اعلموا** فرما کر امت کو صغیر آگیا ہے اور ایک آیت کا حصہ تو لڑا دینے والا ہے **اللَّهُ يَأْتِيَنَّ لِلْذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ** **وَمَا تَزَلْ مِنَ الْحَقِّ** یہ بات محترم ڈاکٹر صاحب موصوف نے ارباب اقتدار اور پاکستان کے مسلمانوں سے کہی ہے کہ کیا اب بھی دقت نہیں آیا کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ اپنی کوتاہی کا اعتراف اور توبہ کریں۔ انابت الی اللہ اختیار کریں اور اخلاص کے ساتھ اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کے فیصلے کے لئے اللہ کے علم الہی میں جو مہلت مقرر ہے وہ ختم ہو جائے اور پھر خسران الدنیا والاخرہ کے ہوا کچھ ہاتھ نہ آئے اور ہم کف انوس ملتے ہی رہ جائیں۔ ہمیں ڈرنا چاہئے کہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو جائے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَتْلَمُونَ ۝ وَآمَلْنَا لَهُمْ أَنْ كَيْدِي مَتَيْنِ
اللَّهُمَّ دَرِّبْنَا شَرَّ مَا دَعَيْتُ -

راقم کے انداز سے کے مطابق جولائی ۸۳ء سے دسمبر ستمبر ۸۴ء تک ڈاکٹر صاحب موصوف کی دعوتی سرگرمیاں اس طرح پر رہی ہیں کہ پچھلے تمام ریکارڈ ذات ہو گئے ہیں۔ ۱۳ اگست ۸۴ء کو شمالی امریکہ اور انگلستان کے پرمشقت دورے سے واپسی ہوئی اور ۴ اگست سے بحریہ تنظیم اور دعوتی سرگرمیاں جاری ہو گئیں جن کا کچھ اندازہ ذرا کار کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ اس طویل سفر سے واپسی پر موصوف پر نکان اور فمحل طاری تھا۔ اور طبیعت مائل بہ علالت بھی نظر آتی تھی لیکن دعوت الی اللہ کی جو دھن ان پر مسلط ہے اس نے انہیں مصروف

رکھا اور وہ اسی جوش و جذبے کے ساتھ لگے رہے۔ ان دنوں میں اکثر اوقات تو موصوف نے دو دو بلکہ تین تین تہا ریر کیں۔ ساتھ ہی مسلسل سفر کی مشقت مستزاد۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عالم سبب و علل کے اصول پر تحقیق فرمایا ہے اور اسی عز و علا کے اذن سے طبعی قوانین کے اثرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ عرض ہے کہ فخر و عالم، سید ولد آدم، محسن انسانیت جناب محمد مصطفیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی اذن الہی سے ان طبعی قوانین کا ظہور ہوا۔ طائف کی گلیوں میں پتھروں کی بوچھاڑ سے جسم اطہر بولہبان ہوا۔ پائے مبارک اس پاک خون کے باعث فیلسن شریف میں جم گئے، ضعف کے سبب سے غشی کی کیفیت بھی طاری ہوئی۔ غزوہ احد میں فذلک مبارک شہید ہوئے۔ چہرہ مبارک خونِ اقدس سے رنگین ہوا۔ خود کی کڑیاں رنج اور میرے پیوست ہوئیں۔ جب حضور پران قوانین طبع کا اطلاق ہوا تو ڈاکٹر صاحب کی بساط کیا؟ ان پر بھی قوانین طبعی کا اطلاق ہوا۔ اس مسلسل مشقت کے نتیجے میں ۱۵ اکتوبر کی شب کو جبکہ تنظیم اہل سنت والجماعت کے اجلاس میں، جس میں ملک کے مشہور و معروف دائمی توحید جناب مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری، اس تنظیم کے امیر بھی شریک تھے، توحید کے موضوع پر قریباً پورے دو گھنٹے کی تقریر کر کے اور اتنا ہی وقت حضرت شاہ صاحب مدظلہ العالی کے گرانقدر ارشادات کی سماعت کے بعد قریباً سات کوڑھ بیچے تک قرآن اکیڈمی واپسی ہوئی تو کر کے درو کا جو امریکہ سے واپسی کے بعد مجھ سے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا شدید حملہ ہوا۔ ساتھ ہی تیز بخار بھی ہو گیا۔ کر کے درد کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگا جا سکتا ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ اب تادم تحریر ۲۲ ستمبر بحمد اللہ اتنا افتادہ ہوا ہے کہ بخار اتر گیا ہے اور فرض باجماعت تو کھڑے ہو کر ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن سنن و نوافل کی بیچھکسا دا ٹنگی ہو رہی ہے۔ موصوف لاہور کے معروف فریض جناب ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب قاضی کے زیر علاج ہیں۔ دوسرے مشہور فریض جناب ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب بھی علاج میں شریک مشورہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا مشورہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کم از کم دو ماہ تک مکمل آرام کریں اور ہر نوع کی جسمانی و ذہنی مشقت کے کاموں سے پرہیز کریں۔ خاص طور پر سفر سے اجتناب کریں۔ اسی کے پیش نظر وہ تمام پروگرام فی الوقت ملتوی کر دیئے گئے ہیں جو لاہور اور باہر سوات کے مختلف شہروں نیز پشاور کے لئے ستمبر کے اواخر تک انجام دینے تھے۔ راقم کو ڈاکٹر صاحب کی سیاح و ش طبیعت، اور دعوت کے کام سے ان ملک کے دہانہ لگاؤ کا

بخوبی اندازہ ہے۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ جوں ہی ان کی طبیعت ذرا اور سنبھلے گی تو دعوتی سرگرمیاں اور اسفار کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ بہر حال وہی ہوتا ہے اور وہی ہوگا جو مشیتِ الہی میں طے ہے: **وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ** ۵ انسان کی چاہت اور اس کا ارادہ بھی مشیتِ الہی کے تابع ہوتا ہے۔ قارئین گرام سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خادمِ دین اور خادمِ قرآن کو صحت و تندرستی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور انہیں اس خدمت کی مزید توفیق عنایت فرمائے۔

أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ دَاشِفِ آتَتْ الشَّيْ
لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا لَمْ

ایں دعا ازمن و ازبہلہ جہاں آمین باد
وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



صاف اور صحت بخش خون ہی
انسان کی اپنی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔
خون میں دسمہ مادن کی چند اشکال سے مجوزے پھنسیاں
حادثہ کو آنے اور رہا سے دیکھ کر جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔
بہرہ رسانی خونی کو صاف اور صحت مند بناتی ہے۔
صافی کا: تادیر استعمال چلدی بیماریوں
سے محفوظ رہے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے۔

نری تادیر ہے
خون
صافی
سے خون بھی صاف
جلد بھی صاف



مکمل صحت

رفقائے تنظیم کج نام میں تنظیم اسلامی کا ایک خط

محرم رفقاء تنظیم اسلامی، وَفَقْنَا اللَّهَ وَآيَاكُمْ لِيَمْلِكُنَا وَيُكْشِفَ
الاسلام عليكم ورحمة الله وبركاته! — امید ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ مع جمیع متعلقین بخیر و عافیت
ہوں گے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات کے علم میں میری حالیہ ملازمت آچکی ہوگی۔ اب سے دو
سال قبل بھی میری کمزوری شدید تکلیف دہ تھی، اس بار پھر اس کا اعادہ ہوا۔ سبب درپیش کی بڑی
کی کوئی غلطی ہے جس کی حتمی تشخیص فی الحال نہیں ہو پا رہی۔ اس کے اسباب میں سے ایک تو وہی
بات ہے جو متعدد مواقع پر بہت سے بزرگوں اور اصحاب کی جانب سے انگریزی محاورے
موسم پتی کو دونوں طرف سے جھلانے کے حوالے سے تنبیہ کی جاتی رہی اور دوسرا سبب
پے بہ پے تقاریر کے لئے اپنے گلے اور اس کی آواز کو درست رکھنے کے لئے ایک فیزی
طور پر سرجل الاثر لیکن دیر پا اثرات کے اعتبار سے نہایت مضر صحت دوا (BETHE LAN)
کا استعمال ہے۔ — بہر حال مجھے آئندہ کے لئے کچھ فیصلے کر لینے پڑے ہیں جن پر میں
انشاء اللہ العزیزہ کار بند رہنے کی پوری کوشش کروں گا۔ وہ یہ ہیں :-

(۱) ان شاء اللہ اس مضر صحت دوا کا استعمال آئندہ بالکل نہیں کروں گا جس کے لئے
لازم ہے کہ پے بہ پے تقاریر کے پروگرام اب ہرگز نہ رکھے جائیں اور تقریریں کا
معاظہ اب فی الجملہ بہت کم کر دیا جائے۔ اور

(۲) بیرون ملک اور اندرون ملک دورے بھی اب کم کروں گا۔ بیرون ملک سفر بالعموم
دو ہفتے اور زیادہ سے زیادہ تین ہفتے سے طویل نہ ہوگا۔ اور اندرون ملک
سفر کوں کے ذریعے طویل سفر سے بھی احتیاطاً الامکان اجتناب کرنا ہوگا۔

اس سلسلے میں اس وقت جو بات آپ حضرات سے عرض کرنے کی ہے وہ یہ کہ آئندہ
تنظیم اسلامی کی توسیع دعوت کے ضمن میں میرا ذاتی حصہ بہت کم ہو جائے گا۔ اور اس کے ضمن
میں سارا بوجھ اب آپ حضرات کو اٹھانا ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے گذشتہ بیس سالوں

کے دوران اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس نعم کی توفیق و تیسیر سے دین کے جامع اور ہم گیر تصور اور بالخصوص اس کے مطالبات و مقتضیات کا صحیح اور مکمل تصور قرآن حکیم اور سنتِ نبویہ رسولِ مسیٰ اللہ علیہ وسلم کی اساس پر تفصیلاً مبرہن اور واضح کر دیا ہے۔ جو زیادہ تر تو لاتعداد کیسٹوں میں محفوظ ہے اور اب بھگوان اللہ اس کا ایک بڑا اور بہت حد تک کافی حصہ تحریری شکل میں بھی موجود ہے، لہذا آپ کے پاس اس فکر اور دعوت کی اشاعت کے ضمن میں کافی ذرائع موجود ہیں۔ اور ضرورت مرف اس امر کی ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اب اس دعوت کی اشاعت کو اپنا ذاتی فرض سمجھے۔ اور توسیع دعوت کے ضمن میں میرے دورِ ول اور تقریروں پر بالکل انحصار نہ رکھے۔ جس کا میں "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی رو سے اب مکلف بھی نہیں رہا ہوں۔ اللہ کے ہر کام میں خیر مضمر ہوتا ہے، امید ہے کہ اس ظاہری شر سے بھی ان شاء اللہ یہ خیر برآمد ہوگا کہ میں ایسا تو کچھ تحریر کی جانب متوجہ ہو سکوں گا اور دوسرے، قرآن اکیڈمی، کے تعلیمی اور تربیتی منصوبوں کی نگرانی کے لئے زیادہ وقت نکال سکوں گا۔

بیدالتوفیق دعلیم التکلون !!۔۔۔۔۔ بہر صورت، دعوت کی توسیع و اشاعت کا سارا بوجھ اب آپ حضرات کو اٹھانا ہے، ہم میں سے ہر شخص کو اللہ کے حضور اپنا حساب پیش کرنا ہے۔ اور جے جتنی بات زیادہ سمجھ میں آگئی ہو اتنی ہی اس کی ذمہ داری زیادہ ہو جاتی ہے۔ آپ نے اگر دین کے تقاضوں کو سمجھ لیا ہے تو اب ان کی ادائیگی آپ کی ذمہ داری ہے اور جب تک ہم میں سے ہر شخص اسے اپنی ذمہ داری اور اپنا فرض اور اپنا کام سمجھ کر نہیں کرے گا تنظیم کا کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں اپنی کتاب عزیز اور دین حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے! فقط والسلام عَلَى السَّادَةِ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنًا

اسرار اللہ علی

مہم قلم الحرام ۱۴۰۵ھ

انسویہ نشست

(مباحثہ ایمان - درس ثالث)

نور ایمانی کے اجزائے ترکیبی

نورِ فطرت اور نورِ وحی

سورۃ نور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیوژن کے دروس کا سلسلہ

— (۳) —

السلام علیکم - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ
 يُخْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً وَحَتّٰی اِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّ
 وَجَدَ اللّٰهُ عِنْدَهُ فُوتَهٗ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ
 اَوْ كَظُلُمٍ فِیْ بَحْرٍ لَّجِيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ
 مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ لَّظْلُمٍ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ
 اِذَا اَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْذِبْهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ
 اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیْمُ

” اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب یعنی
 دھوپ میں چمکتا ہوا ریت جسے دور سے دیکھ کر ایک پیاسا پانی سمجھتا
 ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو نہیں پاتا وہ کچھ
 بھی۔ البتہ اللہ کو موجود پاتا ہے جو اس کا حساب چکا دیتا ہے
 اور اللہ کو حساب چکالے در نہیں لگتی۔ یا ان کی مثال
 ان اندھیروں کی ہے جو کسی گہرے سمندر میں ہوں۔ جنہیں ڈھانپنے
 ہوئے ہو موج اور اس کے اوپر ایک اور موج۔ اور اس پر سایہ
 کئے ہوئے ہوں بادل۔ تاریکیاں ہیں تاریکیوں پر۔ اگر وہ اپنا
 ہاتھ نکالتا ہے تو اُسے بھی نہیں دیکھ پاتا۔ اور جسے اللہ ہی روشنی
 عطا نہیں فرماتے پھر اس کے لئے کہیں سے بھی کوئی روشنی نہیں ہے۔“

معنا حاضرین و محترم ناظرین !

یہ سورہ نور کے پانچویں رکوع کی آخری دو آیات ہیں جن کی تلاوت اور
 جن کا رواں ترجمہ آپ نے سماعت فرمایا ہے۔ ان آیات میں کفر کی حقیقت
 کو بیان کرنے کے لئے دو تشبیہیں بیان ہوئی ہیں۔ یہ بالکل وہی اصول ہے جو
 عربی کی ایک مقولے میں سامنے آتا ہے کہ : تعرف الاشياء باضدادها۔
 کسی شے کی حقیقت ایک تو آپ خود اس شے پر غور و فکر کر کے سمجھتے ہیں دوسرے
 یہ کہ اس چیز کی جو ضد ہے اس پر اگر آپ غور کریں گے تو اس سے بھی اُس شے
 کی حقیقت پر روشنی پڑے گی اور وہ منہج و واضح ہو کر شعور و ادراک کی گرفت
 میں صحیح طور پر آ جائے گی۔ جیسے دن کی اصل حقیقت رات کے پس منظر میں
 خوب نمایاں ہوتی ہے۔ روشنی کی اصل حقیقت تاریکی کے پس منظر میں زیادہ
 اجاگر ہوتی ہے۔ اسی طرح ایمان کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے ایک طرف
 تو نہایت فصیح و بلیغ تمثیل سامنے آچکی۔ جس میں ایمان کو ایک نور سے
 تشبیہ دی گئی اور وہ نور مرکب ہے دو انوار سے۔ ایک نور فطرت ہے
 دوسرا نور وحی۔ ان دونوں کے امتزاج سے نور ایمان وجود میں آتا ہے۔

ہیں کا محل و مقام ہے قلب - جیسے سورہ حجرات میں فرمایا: وَلِلّٰهِ حَبِطَ الْيَكْمَلُ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوْبِكُمْ - صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خطاب ہے: ”و اللہ تعالیٰ نے تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں کھپا دیا ہے۔ تمہارے دلوں کو اس سے مزین و متور کر دیا ہے“۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا سابقہ دو اسباق میں کہ ایمان کے اس نورِ باطنی کا ظہور انسانی شخصیت میں کن کن اوصاف کی صورت میں ہوتا ہے۔ اب اسی حقیقتِ ایمان کو سمجھانے کے لئے دو تمثیلیں بیان ہو رہی ہیں۔ اس کی ضد کو بھی سمجھو۔ ان تمثیلوں میں پہلی تمثیل میں کچھ بین بین کی سی کیفیت بیان ہوتی ہے لیکن دوسری تمثیل میں گویا تاریکی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ ان دونوں تمثیلوں کے بارے میں ایک رائے تزیہ ہے کہ پہلی تمثیل میں اہل کفر کی جو سیات ہیں، ان کی جو بد اعمالیاں اور بدکاریاں ہیں، ان کی شہوات اور پھولے نفس کی پرستش کی جو کیفیت ہے اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ایک دوسری رائے ہے جو بڑی وسیع ہے۔ وہ یہ کہ پہلی تمثیل میں کفر کا جو انجام ہو گا، اُس کو واضح کیا گیا ہے اور دوسری تمثیل میں اس دنیا میں انسان جو کفر کے اندھیروں میں بھٹکتا ہے اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

بہر حال ان تمثیلوں پر غور کرنے سے قبل ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی ضروری ہے وہ یہ کہ یہاں کفر سے مراد قانونی کفر نہیں ہے۔ مبادا ہم یہ گمان کریں کہ یہ تو صرف غیر مسلموں اور کھلے کافروں کے متعلق بات ہو رہی ہے اور ہم مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر یہ گمان اور مغالطہ لاحق ہو گیا تو ان آیات مبارکہ میں قرآن حکیم کی جو ہدایت اور رہنمائی ہے اُس سے ہم محروم رہ جائیں گے۔ جیسے ایمان کے دو درجے ہیں، ایک قانونی ایمان ہے اور ایک حقیقی ایمان ہے۔ قانونی ایمان کا تعلق ”قول“ سے ہے، شہادت سے ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اور

حقیقی ایمان کا تعلق تَصَدِیقُ بِالْقَلْبِ سے ہے۔ اسی طرح سے کہ
 کی بھی دو قسمیں اور دو درجے ہیں۔ ایک کفر قانونی ہے، ظاہری ہے
 ایک شخص کھلم کھلا اللہ کا، رسالت کا اور آخرت کا منکر ہے ایک کفر باطنی ہے
 یعنی ظاہر میں تو اقرار ہے لیکن باطن ان سب کا انکار چھپا ہوا ہے۔ اور اس
 کے مطابق اس کا عمل نہیں ہے۔ جس کے بارے میں ہمارے اس دور
 کے ایک درویش کا ایک قول ہے جو وہ بڑے کیف کے عالم میں کہا کرتے تھے: ”
 سے سماعت فرمائیے۔ وہ کہا کرتے تھے: ”جو دم غافل سو دم کافر“ انسان کا جو
 وقت بھی غفلت میں بیتا ہے، وہ ایک ذرے کے کفر میں گزرتا ہے۔ جیسے علامہ اقبال
 کا یہ شعر میں نے آپ کو کچھ پچھلی نشست میں سنایا تھا۔

سے کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
 مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

تو جب انسان گم شدگی کے عالم میں اللہ کو بھولے ہوئے ہے۔ وہ اللہ سے محجوب ہو
 گیا ہے، اوٹ میں آگیا ہے، پردے میں آگیا ہے۔ تو یہ گم شدگی کی کیفیت ہے
 اگرچہ ہم اس کو قانونی کفر نہیں کہیں گے۔ کفر کے ایک معنی ناشکر اپن بھی ہیں
 تو یہاں دراصل کفر کی جو مثالیں بیان ہو رہی ہیں، وہ کفر حقیقی اور کفر معنوی
 ہیں۔ کفر قانونی اور کفر نفی کی نہیں ہیں۔ یہ وہ باطنی کیفیت ہے جس میں انسان
 کا قلب ایمان کے حقیقی نور اور حقیقی روشنی سے محروم ہوتا ہے۔

اب اس کفر حقیقی و معنوی کی بھی دو کیفیات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ
 ایسا شخص بھی کسی نہ کسی سبب اور جذبے سے کوئی نیکی، کوئی بھلائی، کوئی
 اور کسی نہ کسی رنہ عام کا کام کر رہا ہے۔ اس نے کوئی یتیم خانہ بنوا دیا
 ہے۔ کوئی کنواں کھدوا دیا ہے۔ کوئی شفا خانہ اور ہسپتال بنوا دیا ہے۔ کوئی
 قائم کر دی ہے۔ کوئی خیراتی ادارہ قائم کر دیا۔ کچھ
 اشخاص ایسے ہیں جو ان کاموں میں مدد و معاون ہیں۔ اگر یہ سارے کام اللہ کے

ہوگی۔ یہ تمام اعمال وہاں سراب ثابت ہوں گے۔ جیسے سراب کا معاملہ ہوتا ہے کہ دور سے چمکتا ہو ا ریت پانی نظر آتا ہے جبکہ حقیقت میں پانی کا وجود نہیں ہوتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ حساب چکا دے گا یعنی یہ تمام اعمال بے نتیجہ ہیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے دیر نہیں لگتی اس کی شان تو یہ ہے کہ : اللہُ سَرِيعُ الْحِسَابِ —

یہ مضمون ہمارے اس قرآنی منتخب نصاب کے درس نمبر دو میں بھی آچکا ہے۔ آیت البقرہ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حقیقی نیکی کیا ہے ! وَلٰكِنْ الْبِرُّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَمَلَتْكَ وَالْكِتٰبِ وَاللّٰمِيْنَ۔ کوئی عمل جس کی بنیاد میں ایمان نہیں ہے وہ نیکی نہیں ہے چاہے بظاہر وہ نیکی کا عمل نظر آتا ہو۔ بظاہر بھلائی ہے، نیکی ہے، خیر کے کام ہیں حتیٰ کہ نماز ہے، روزہ ہے، صدقہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ کام ریاکاری کے لئے، لوگوں پر اپنی دین داری کی دھونس جمانے کے لئے گئے ہیں تو یہ شرک ہے۔ مَنْ صَلَّاهُ يَرَاتِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يَرَاتِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يَرَاتِي فَقَدْ اَشْرَكَ۔ ”جس نے نماز پڑھی دکھا دے کے لئے اس نے شرک کیا۔ جس نے روزہ رکھا دے کے لئے اس نے شرک کیا۔ جس نے صدقہ و خیرات دکھانے کے لئے کیا اس نے شرک کیا“ اگمان چیزوں کی بنیاد ہے ایمان حقیقی پر۔ اللہ پر ایمان، آخرت کا یقین، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء کی تصدیق ان پر ایمان۔ اللہ کی رضا جوئی، آخرت کی جزا طلبی اگر اعمال کے اصل محرکات یہ ہیں تب تو یہ سب نیکیاں ہیں ورنہ یہ سب سراب ہیں۔

قرآن حکیم میں دو اور مقامات پر یہ تمثیل بڑے حسین پیرائے میں آئی ہے۔ سورہ نور کے فوراً بعد سورہ الفرقان ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے اور اس ارشاد میں عجیب کیفیت ہے۔ فرمایا : وَقَدْ مَنَّ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ حَبَآءً مَّثْنُوْنًا ۝۔ ”جنہیں یہ لوگ بڑے بڑے

مل سمجھ رہے ہیں، جن پر انہوں نے تکیہ کیا ہوا ہے۔ جن پر ان کو بھروسہ ہے۔ ہم قیامت کے دن ان اعمال کی طرف بڑھیں گے اور انہیں ہوا میں اڑا دیں گے۔ بلاشبہ نقشہ یہ ہوگا جیسے ٹھوکر مار کر کسی مشتِ غبار کو ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان اعمال کی بنیاد ایمان پر نہ تھی اور وہ خالصتہً لوجہ اللہ نہیں کئے گئے تھے۔ سورۃ ابراہیم میں فرمایا: **مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَسَمَادٍ لَّاسَتْ دُثَانًا**۔ جو لوگوں کو اپنے رب پر ایمان حقیقی میسر نہیں ہے، انکی نیکیاں، ان کے اعمال اُس رکھ کے مانند ہیں کہ جب ان پر ایک تیز جھکڑ چلے گا، شدید آندھی آئے گی تو رکھ منتشر ہو جائے گی۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، اُگے ارشاد فرمایا: **لَا يَقْدِرُنَّ كَيْفَ كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُمَا لَصَلُّ الْبَعِيدُ**۔ وہ تو سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم نے اُگے بڑے بڑے اعمال بھیج رکھے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ان کے ہاتھ نہ آسکے گا۔ اس طرح ان کا بہت دور کا گمراہ ہو جانا اور محروم ہو جانا ہے۔ پس کمزکی ایک تمثیل تو یہ ہے کہ ملمع کی جھوٹی کچھ نیکی ہے۔ جو خلوص و اخلاص سے خالی اور ایمان حقیقی سے ہٹی دست ہے۔

دوسری وہ انتہائی کیفیت ہے کہ یہ ملمع والی نیکی بھی نہیں ہے۔ خود غرضی ہے، اپنی ہی خواہشات، اپنی ہی شہوات، اپنی ہی اغراض کی پیروی ہے۔ انسان ان ہی کا بندہ بے دام بن کر رہ گیا ہو۔ کوئی جھوٹ موٹ کی نیکی اور دکھاوے کا خیر بھی زندگی میں نہ ہو۔ کوئی بھلائی چاہے وہ ملمع کی بھلائی ہو اس کی بھی کوئی کرن اس کی سیرت و کردار میں نظر نہ آئے۔ یہ گویا ضلالت اور گراوٹ کی آخری انتہا ہے۔ اس کو یہاں تعبیر کیا: **ظَاهِمَاتٍ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ**۔ یہ تو تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں۔ اس کے لئے یہاں جو تمثیل دی گئی ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک فرنجی ایڈمرل اس تمثیل کے مطالعہ سے ایمان لے آئے۔ انہوں نے تحقیق کی توان

و جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے۔ تو اس کو بھی نہیں دیکھ پاتا۔ وَمَنْ لَمْ
يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا - و اور جس کو اللہ ہی نے نور عطا نہ فرمایا ہو۔
فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ وہ اس کو نور کہاں سے میسر آجائے گا! - نور
اصل میں تو نورِ ایمان ہے۔ اگر نورِ ایمان میسر نہیں تو پھر تو تاریکیاں ہی
تاریکیاں ہیں

میں نے اس درس کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ جیسے نورِ خارجی اشیاء
کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے ویسے ایمان جو نورِ باطنی ہے وہ حقائق کے ظہور
کا ذریعہ بنتا ہے۔ نورِ ایمان نہ ہو تو حقائق کو دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ اسی کو
بصیرت یعنی باطن کا مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ رہی ہماری ظاہری بصارت تو وہ
توحیوانات کو بھی حاصل ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

وہم حیست! پیلے است شنیدی نہ شنیدی!

در خاک تو یک جلوة عام است نہ دیدی!

ویدن دگر آموز شنیدن دگر آموز

اُس ویدن دگر اور شنیدن دگر سے انسان محروم رہتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری و مسلم میں ہر اسناد
صحیح یہ دعا منقول ہے جو حضورِ خاص طور پر فجر کی سنتوں اور فرضوں کے
درمیان پڑھا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي
نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي يَمِينِي نُورًا
وَمِنْ يَسَادِي نُورًا وَفِي نَفْسِي نُورًا وَفِي أَمَانِي
نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا وَفِي لِسَانِي
نُورًا وَفِي عَصِي نُورًا وَفِي نَفْسِي نُورًا
وَشَعْرَتِي نُورًا وَبَشَرَتِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي نَفْسِي
نُورًا وَعَظْمَتِي نُورًا اللَّهُمَّ اعْطِنِي نُورًا -

”اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، میری بصارت میں نور عطا فرما میری سماعت میں نور عطا فرما۔ میری داہنی جانب سے نور اور میری بائیں جانب سے بھی نور عنایت کر۔ اور میرے اوپر سے دے اور میرے قدموں تلے سے نور دے۔ اور میرے آگے سے نور دے اور میری پشت کے پیچھے سے نور دے اور میرے لیے نور ہی نور کر دے اور میری زبان میں نور دے اور میری رگ و پلے میں نور بھرا اور میرے گوشت میں نور بھر دے اور میرے خون میں نور بھر دے میرے بالوں میں نور دے اور میری کھال میں نور دے میری جان کو سے لبریز کر دے اور میرے نور کو فراخ و وسیع فرما دے اور مجھے نور عطا کر!“

ایک اور روایت کے آخر میں الفاظ آتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اٰھِدْ لِتَوْرٰک۔ ”اے اللہ میری رہنمائی فرما اپنے نور کی طرف۔ اس سبق کی پہلی نشست میں ہم پڑھ چکے ہیں: یٰھٰدِیْ لِتَوْرٰک مِّنْ یَّبْتَغِیْکَ اللّٰہُ رَہْمٰتِیْ فرماتا ہے اپنے نور کو کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی یہ امنگ یہ وارز و پیدا فرما دے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کھڑ و شرک، الحاد و زندقہ پرستی، ریاکاری اور منافقت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان صالحہ کی طرف پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ اب آج کے ضمن میں کوئی سوال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال: ان آیات میں جس سراب کا ذکر آیا ہے، تو دیکھنے میں کہ اکثر لوگ اسی سراب میں مبتلا ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟
جواب: اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ حقائق سے محجوب ہیں اور

میں ہیں۔ ان کو اندھیرے اور تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاؤ۔ ان حضرات کی ذمہ داری ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان عطا کیا ہو۔ جیسے سورہ حدید میں فرمایا: **هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ جَعْلًا مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ**۔ ”وہ ہے اللہ جو اپنے بندے (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن مجیم کی روشن آیات نازل فرما رہا ہے تاکہ اُسے لوگوں میں کواندھیروں سے نکال کر روشنی میں آویں۔“ اب جن کی بھی آنکھیں کھل گئی ہوں، جو جاگ گئے ہوں جن کو نور ایمان کی کوئی رمت میسر آگئی ہو یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نور کو ایمان حقیقی کی دعوت دیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ مَا خَلِقَ مَا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ** ”تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص (حقیقی) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“ ایمان حقیقی کی روشنی کسی کو میسر آگئی ہے تو اس کو عام کرنا، اُسے پھیلانا اس سے لوگوں کو حصہ پہنچانا اُس کی ذمہ داری ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! آج کے درس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سربراہ الحساب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک الحسیب بھی ہے اس کی مرزا تو صریح فرماتیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام نامی اسم گرامی الحسیب بھی وہ قیامت کے دن ہر انسان کا اس دنیا کے تمام اعمال ہی کا نہیں، نبوت اور ارادوں کا بھی حساب لے گا۔ اس ذات سبحانہ کو حساب لینے کے لئے جمع تفریق کی ضرورت نہیں ہوگی جو ہمیں حساب کتاب میں لاحق ہوتی۔ اس کے جوڑ **COMPUTERS** ہیں، ان کا کوئی ان تصدق ہی نہیں کر سکتا۔ سورہ کہف میں تھوڑا سا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کافر جمع الہ گئے جب ان کا اعمال نامہ ان کے سامنے آئے گا اور کہیں گے: **يَوْمَئِذٍ**

مَالٌ هَذَا الْكُتُبُ لَا يُعَادِرُ مَغِيثَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَخْطَفَهَا۔
ہمارے ہمارے شامت! یہ اعمال نامہ کیسا ہے! اس میں تو ر

نہیں کیا ہے۔ چھوٹی مٹی (MINUTEST DETAILS) کو بھی

چھوٹی بات بھی اس میں موجود ہے اور جیسا کہ آخری پارے کی سورۃ زلزلہ میں فرمایا: مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ جو کوئی ذرے کے ہم وزن نیکی کریگا اپنے سامنے موجود پایکا اور جو کوئی ذرے کے ہم وزن بدی کما یگا تو اسے دیکھ لے گا۔

تو اللہ تعالیٰ ہر انسان کا پورا پورا حساب عداوتِ اخروی میں لے گا۔
بحسب میں یہ تمام مفہیم شامل ہیں۔

حضرات! آج مطالعۂ قرآن حکیم کے ہمارے منتخب نصاب کا چھٹا سبق تین اقساط میں بفضلہ تعالیٰ و سبحانہ مکمل ہوا۔ اس سبق میں ایمان کی حقیقت بھی ہمارے سامنے آئی اور ایمان کے مضمرات و ثمرات بھی ہمارے سامنے آئے اور ایمان حقیقی کی محرومی کی جو کیفیات ہیں، وہ بھی دو تشبیہوں کی شکل میں ہمارے سامنے آگئیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایمان حقیقی عطا فرمائے کی دعا کرنی چاہیے اور کفر سے بچنے کے لئے اسی کے دامن میں پناہ لیتے پابجیے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْاِيْمَانَ وَالْيَقِيْنَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

کراچی کے قارئینِ ميثاقے کے لیے خوش خبری ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ماہ اکتوبر ۸۴ء سے کراچی میں ہر ماہ کے آخری سو موارد (پیر) کو "مشام الہدی" کا آغاز ہوگا۔ تفصیلات کے لیے فون نمبر ۲۱۴۷۰۹ پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

تذکرہ و تبصرہ

محرم ۱۲۸۱ھ کو لاہور سے ہجرت کر کے لاہور کے قریب
 دہلی کے قریب ہجرت ہوئے تھے۔ موصوفہ کے ۱۲۸۱ھ کو لاہور
 مراجعت ہوئے۔ ۱۲۸۱ھ کو موصوفہ نے خطا باقیہ جمع کے ضمن میں یہ
 دارالاسلام لاہور میں جو خطا ہے ارشاد فرمایا وہ معمولی کام و اضافہ کے ساتھ
 پیشہ خدمت ہے۔ (ادارہ)

نعمدہ نصی علی رسولہ الکریم خصوصاً علی افضلہم سید
 المرسلین و خاتم النبیین محمد الامین و علی آلہ واصحابہ
 اجمعین : اما بعد قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی سورۃ الحج :

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اٰیٰتِ الْاٰزِیْنِ یَقْرَءُوْنَ یَا نَسُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرٌ
 ؕ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ لَیَعْرِجُنَّ اِلَّا اَنْ یَقُوْلُوْا رَبُّنَا
 اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفَعَ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضُہُمْ بَعْضًا لَّفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ
 الْاَرْضُ وَ الَّذِیْنَ یُذْکَرْنَ فِیْہَا اَسْمَ اللّٰهِ کَثِیْرًا ؕ رَ
 لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یُّنْصِرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَرِیْمٌ عَزِیْزٌ ؕ الَّذِیْنَ اِنْ
 مَّکَّنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ اَتَاْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَتَوْا النَّسَکَ وَ اَمَرُوْا
 بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاِلَیْہِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ؕ
 صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیْمُ ۔

عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال بایت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکوث
 وعلی اثرة علیتا وعلی ان لا تنازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق ینا
 کنا ولا نخاف فی اللہ لومة لائم۔ (متفق علیہ)

رَبِّ اَشْرَمَ لِيْ صَدْرِيْ وَ لَيْسَ لِيْ اَمْرِيْ وَ اَحْلَلْتُ عَقْدَةً بَيْنَ نِسَاتِيْ
 يَفْعَمُوْا قَوْلِيْ ۔

حضرات! وطن عزیز سے انتالیس^{۳۹} دن کے بعد جو ایسی ہوئی تو حسن اتفاق سے اگلا ہی دن ،
یوم استقلال یا جدید اصطلاح میں "عید استقلال" تھا۔ ساتھ ہی جب لاہور کی سڑکوں پر کچھ آنا جانا
ہوا تو بعض بالکل نئی چیزیں مشاہدے میں آئیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دوران میں اقامتِ صلوٰۃ ایک
نظام بھی موجود حکومت کی طرف سے بڑے زور شور، بڑے اہتمام، بڑی تشہیر اور بڑے دعاوی
کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ اس سے یقیناً عوام میں بھی ایک خوشگوار رد عمل ہے۔ میں نے آغاز
میں سورہٴ کی جو آیات مبارکہ تلاوت کی ہیں یعنی آیات ۳۹، ۴۰، اور ۴۱۔ قرآن میں سے
آیت نمبر ۴۱ کا اس وقت بہت چرچا ہے۔ لہذا یہ آیت کریمہ لوگوں کے ذہنوں میں بھی ہے اور زبانوں
پر بھی۔ پھر مضامین میں، بیانات میں، اور معلوم ہوا ہے کہ ٹی وی پر اس کا کافی تذکرہ ہو رہا
ہے۔ میری مراد ہے اس آیت کریمہ سے،

الَّذِينَ اٰتَيْنَاهُمُ الْاٰمَنَ الْاَمْنِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ وَآمَنُوْا
بِالْمَعْرُوْثِ وَهَٰذَا غَنَ الْاَمْنِ الْاَمْنِ وَبِاللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْدِ

عالیہ مشاہدات اور حاصل شدہ معلومات کے ضمن میں بعض باتیں ایسی ہیں جو دین کے
اس فہم و شعور کے نتیجے میں جو کسی بھی ادنیٰ درجہ میں سہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے
مجھے عطا فرمایا ہے کہ میرے لیے لمحہ فکریہ بن گیا ہے کہ اگر ان باتوں کو میں اس وقت بیان نہ کروں
تو میرے نزدیک وہ کتمانِ حق ہو گا۔ لہذا میں اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں کہ ان کو بلا خوفِ محبت
لائم آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں یہ یوم استقلال یا "عید استقلال" کو
جس شان و شوکت کے ساتھ، جس کڑ و فقر اور جس اسراف و تبذیر کے ساتھ منایا جا رہا ہے
یہ یقیناً دینی اعتبار سے معروفات کی فہرست میں کبھی بھی دیں سے نہیں آتا بلکہ "ملکرات" کی
فہرست میں آتا ہے۔ اول تو اس کے لیے لفظ "عید" کا استعمال ہی میرے نزدیک انتہائی

لے ۱۰ کَمَا تَلْبَسُوْنَ اَنْتُمْ بِاَنْبَاِ طَلَبٍ وَ تَلْبَسُوْنَ اَنْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَلْبَسُوْنَ ۝
"بائل پر حق کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور حق کو ہرگز نہ چھپاؤ۔
جب کہ تم حق کو جانتے ہو۔"

(البقرہ ۲۲) (مرتب)

قابل اعتراض ہے۔ ہمارے دین میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں ایک عید الفطر ہے اور دوسری عید الانبیاء ہے ان کے علاوہ کسی بھی یقین سے یا چوتھے دن کے لیے لفظ عید کا استعمال یقیناً دینی اعتبار سے محل نظر ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہیں قادیانوں پر یا اعتراض ہے کہ وہ اسلامی شعائر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جب کہ ان کو ان کے استعمال کا قطعی حق نہیں ہے۔ اسی طرح دینی شعائر کے لیے جو اصطلاحات ہیں، اگر جدید قسم کی قومی تقریبات آپ ماننا بھی چاہیں تو دینی اصطلاحات کا جابران کو پہننا یقیناً اُسی قبیل کی ایک شے ہے۔

مزید برآں اس میں جو اسراف و تبذیر کا معاملہ ہو رہا ہے۔ کڑ وڑ ہا رہا ہے جس طرح صرف ہوتا ہے میں اُسے بھی دینی لحاظ سے صحیح نہیں سمجھتا۔ میں تحریک پاکستان کے فلسفے کو اُس کے مقاصد کو لوگوں کے ذہنوں میں اتارنے اور اس کا شعور اجاگر کرنے کو یقیناً ایک بہت بڑی قومی ضرورت سمجھتا ہوں یقیناً پوری قوم کو بالخصوص ہماری نئی نوجوان نسل کو اس بات کا علم اور شعور حاصل ہونا چاہیے اور اس کا بار بار ادا عہد ہونا چاہیے کہ پاکستان کن مقاصد کے لیے قائم کیا گیا تھا! اس کی منزل کیا تھی! وہ منزل تا حال آئی ہے یا نہیں! ہم سنیں؟ برس کے بعد بھی اس منزل تک پہنچ پائے ہیں یا تا ہنوز تلاش منزل میں سرگرداں ہیں! یہ مسائل اپنی جگہ غور طلب بھی ہیں اور جواب طلب بھی۔ لیکن بہر حال اس ملک کے قیام کے جو مقاصد تھے، تحریک پاکستان کے جو عوامل تھے، اس کا جو پس منظر تھا، اس میں جن شخصیتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے، ان سے پوری قوم کو بالعموم اور نوجوان نسل کو بالخصوص واقف کرانا، میرے نزدیک مستحسن کام ہے اور اس کی بڑی ضرورت ہے البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ اسکے لیے طریقہ کون سا اختیار کیا جائے! اس کے لیے مثبت طریق تو یہ ہوگا کہ ہم اس منزل کی طرف صحیح خطوط پر پیش قدمی اور پیش رفت کریں جس منزل تک پہنچنے کے لیے یہ ملک قائم کیا گیا تھا۔ یہی چیز دراصل مستحکم اساس بنتی ہے مزید برآں یہ کہ اگر ہمیں یہ قومی تاریخ کے اعتبار سے ماننا ہی ہو تو ان بان، شان و شوکت، آرائش و زیبائش اور جوسوں کے بجائے، اس دن ملک بھر میں جلسے ہوں، ان میں تعاریر ہوں، مقالے پڑھے جائیں، اخبارات میں مضامین شائع ہوں۔ ذرائع ابلاغ عام ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر تحریک پاکستان کے پس منظر اور پاکستان کے قیام کے مقصد کو مؤثر طریقوں سے اجاگر کیا جائے۔

ثالثاً ہمارے نصاب تعلیم میں مسلم انڈیا اور خاص طور پر تحریک پاکستان کی مستند تاریخ کو مستقلاً شامل کیا جائے۔ یہ وہ طریقے ہیں جو مفید بھی ہیں اور مستحسن بھی۔ ان کی ہر اعتبار سے شدید ضرورت ہے۔ لہذا کوئی شخص بھی ان سے اختلاف نہیں کرے گا۔ لیکن میری دیانت دارانہ رائے ہے کہ چند سالوں سے یوم استقلال کو جس طور اور انداز سے ایک جشن اور تہوار کی صورت میں منایا جا رہا ہے وہ صحیح و موثر طریق کار نہیں ہے اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے بلکہ قوم کے لیے یہ ایک تہوار اور کھیل تماشوں اور تفریح کا دن بن کر رہ گیا ہے۔ موجودہ طریقہ دینی اعتبار سے بھی بدعات اور اسراف و تبذیر کی فہرست میں آتا ہے اور قومی اعتبار سے بھی یہ طریقہ مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ ہے۔ اس طرح ایک طرف ہر سال کروڑوں روپے بالکل بے مصرف خرچ ہوتے ہیں، آرائش و زیبائش، محراب سازی اور جلوسوں اور اسی نوعیت کے کاموں کی نذر ہوتے ہیں جو میرے نزدیک قومی سرمایہ کا ضیاع ہے۔ دوسری طرف قوم اسے ایک قومی تہوار کی طرح محض تفریحاً منانے کی عادی ہوتی جا رہی ہے۔ پھر ایک نہایت ہی قابل غور بلکہ حد درجہ قابل اعتراض بات یہ ہے کہ اس یوم استقلال یا جشن استقلال کو چند لوگوں سے "عید" کی خالص دینی اصطلاح سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ پھر جس شکل میں چند سالوں سے یہ عید منائی جا رہی ہے اس کے متعلق میں آج سوچ رہا تھا کہ ہمیں ہمارے دین نے "عید" کا جو تصور دیا ہے، اس میں جو وقار ہے، اس میں دینداری خدا پرستی کا جو مظاہرہ ہے وہ نہ تو کسی مذہب اور دھرم اور قومی تہواروں میں نظر آتا ہے۔ تمام مذاہب کے تہواروں میں یہ اعلیٰ اقدار مفعود ہیں اور نہ ہی اس نام نہاد عید استقلال میں۔ ہماری دونوں عیدیں کیا ہیں! عید گاہ کی طرف تکبیرات کے ترانے پڑھتے ہوئے جاؤ۔ واپسی میں راستہ بدلو اور پھر یہی ترانہ تمہاری زبانوں پر جاری ہو۔ فضا اس ترانے سے معمور ہو جائے۔ پھر یہ تکبیرات بھی وہ ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی، اس کی توحید اور اس کی حمد کا عظیم سطح پر اعلان و اقرار ہے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر واللہ الحمد

ادد اللہ اکبر، اللہ اکبر کبیر اللہ الحمد للہ کثیر اللہ سبحان اللہ بکرت اللہ امیلاً

پھر ان عید دن کے لیے ناکید ہے کہ صبح غسل کر کے اچھا لباس پہنو۔ خوشبو لگاؤ۔ طلحہ آفتاب کے بعد ایک جگہ جمع ہو، امام کی اقتدار میں دو گانہ باجماعت ادا کرو۔ یہ شکرانے کی ناز،

بہرام بحیثیت نائب رسول کھڑا ہو۔ خطبہ دے جس میں شرکار کے لیے تذکیر ہو، موعظہ ہو، نصیحت ہو۔ یہ ہے ہماری عیدین کا معاملہ جو ہمارے دین نے ہمیں تلقین فرمایا ہے۔

آپ نے کئی بار یہ حدیث سنی ہوگی جو حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ، ہجرت کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں قدم نہانے سے سالانہ ”جشنوں“ دو ہزاروں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ ان میں لوگ طرح طرح کے کھیل تماشوں کا سامان کیا کرتے تھے اور ہر بلعوب میں تہوار مناتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا اور جب بتایا گیا کہ یہ ہمارے سالانہ جشن اور تہوار ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے رب نے مسلمانوں کے لیے دو سالانہ عیدیں عطا فرمائی ہیں، جو تمہارے تہواروں سے کہیں بہتر ہیں۔ ان میں سے ایک عید الفطر ہے جس کا تعلق رمضان المبارک کے روزوں سے ہے یہ روزوں کو پورا کرنے کا شکر ادا ہے۔ اور دوسری عید الانبیاء جس کا تعلق یحییٰ اور قزبان سے ہے پھر یہ کہ جس شان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، آپ کے اصحابؓ نے اور آپ کے خلفاء راشدینؓ نے ان عیدین کو منایا وہ درحقیقت ہمارے لیے قابل تقلید ہی نہیں واجب تقلید معاملہ ہے۔

اس کے برعکس دوسری قومیں جس طریقے پر اپنے مذہبی جشنوں اور اپنے قومی تہواروں کو مناتی ہیں، وہ ہمارے سامنے ہیں، جن کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا کہ ان میں خدا پرستی اور وقار ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتا۔ بلکہ یہ سرتاسر لہو و لعب کا منظر ہوتے ہیں۔ ہر انصاف پسند انکھ یہ دیکھ سکتی ہے کہ ہم نے جو نئی عیدیں منانے کا ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ دوسری قوموں کے جشنوں اور تہواروں سے بہت مماثل ہوتا جا رہا ہے۔ دینی مزارع رکھنے والا شخص ان نئی عیدوں کے متعلق خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہماری قوم ان کو منانے کا جو رنگ اور طور طریقے اختیار کرتی چلی جا رہی ہے آیا وہ محمد رسول اللہ والذین منہ کے نقش قدم پر ہے یا انبیاء کی تقلید ہے!۔ میں آج سوچ رہا تھا تو میرا ذہن منتقل ہوا کہ قرآن مجید میں آل فرعون کے ایک تہوار کے لیے یوم السفینۃ کا لفظ آیا ہے جس کا سوسما کھٹے میں ذکر ہے۔ ہوا یوں کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں تشریف لا کر توحید کی دعوت پیش کی، لیکن اس نے دعوت رد کر دی۔

— حالانکہ حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر دو معجزے پیش کئے

تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمائے تھے یعنی عدا اور یدِ بیضیہ۔ ان کو دیکھ کر فرعون کو اس
سوا کوئی اور تدبیر اور چال نہ سوجھی کہ ملک کے تمام نامی گرامی جادوگروں کو بلا کر ان کا خا
موسیٰ عیادتِ عام سے مقابلہ کرایا جائے تاکہ اس وقت جس مودتِ حال سے سابقہ ہے
سے کسی طور پر گلو خلاصی ہو سکے۔

لہذا فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ کوئی دن مقرر کرو کہ جس روز ہمارے ہ
تہا مقابلہ کر سکیں تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا مَوعِدُکُمْ یَوْمُ الثَّيْنَةِ ذَا نِصْفِ
الْحَاشِی مَعْنٰی "ہمارے ساتھ یَوْمُ الثَّيْنَةِ ملے جوا۔ اور دن چٹے لوگ جمع ہوں۔"
ان کا کوئی بناؤ سنگھار، اپنی زینت، اپنی آرائش و زیبائش کے انہار اور اپنے رعب
و دببے کے مظاہرہ کا دن تھا جس کو وہ جشن کے طور پر مناتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے
دن مقرر فرمایا تاکہ مقابلہ علیٰ رؤس الاشہاد ہو۔ خلقِ خدا دیکھے کہ معاملہ کیا ہو رہا ہے
اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات کی شان کیا ہے اور جادوگروں کے جادو کی حقیر
کیا ہے!

ہیں تو اپنے قومی جشن کے طور پر دیکھ کر ایسا نظر آتا ہے کہ ہم تو یَوْمُ الثَّيْنَةِ کی
پراگے بڑھ رہے ہیں۔ نہ کہ ان بادشاہِ عیدین کے طور پر جو رسولِ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہیں عطا فرمائی تھیں۔ پھر ایک اور حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ ہر شخص کے سامنے
کی بات ہے کہ وہ دو عیدیں جو ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمائی تھیں، وہ ان نہ
عیدیں یعنی، عیدِ میلاد النبی اور عیدِ استقلال کے مقابلے میں پس منظر میں چلی جا رہی ہیں۔
عیدوں کی تو کے مقابلے میں حیثیت و اہمیت بہت کم رہ گئی ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ
کی عظیم اکثریت کا لگاؤ ان عیدوں سے تو برائے نام رہ گیا ہے۔ اصل لگاؤ ان دونوں
سے ہے۔ اس بات سے وہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جہاں بھی کوئی بدعت
لگنے لگی وہاں لامحالہ سنت پیچھے پڑے گی۔ یہ قانون ہے اگر آپ دینی و قومی اعتبار سے۔
کوئی نئی رسم ایجاد کریں گے تو دین کا کوئی نہ کوئی حقیقی شعار یقیناً پس منظر میں چلا جا
گا۔ ہر بدعت، سنت کو FADE AWAY کرے گی۔ لہذا یا تو سن
کی اہمیت کم ہو جائے گی یا وہ بالکل ختم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس چیز سے بچا۔
ہم سنت کو بالکل ہی ختم کر دیں لیکن اندیشہ یہ ہے کہ جس رُخ پر ہم آگے بڑھ رہے

س کا یہ نتیجہ تو بہر حال نکل آیا ہے کہ وہ اصل عیدیں پس منظر میں چلی گئی ہیں اور مسلمانانِ پاکستان کے لیے جو مدنی ”عیدیں“ ایجاد کی گئی ہیں وہ کالی نمایاں ہو گئی ہیں۔ ان کا جس طور سرکاری سطح پر انتظام ہوتا ہے اس سے تو ایسا ظہر ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر اصل عیدیں ”دو ہیں یعنی عید میلاد النبی اور عید استقلال۔“

میں نے شروع ہی میں عرض کیا تھا کہ میں بیرون ملک کے دعوتی دوروں سے ۲ اگست لارات کو لاہور پہنچا ہوں۔ اسی دن ان تین دنوں میں لاہور کی سڑکوں پر آنے جانے کا اتفاق کم ہوا۔ ۴ اگست کو تنظیم اسلامی لاہور کے اجتماع میں بعدہ دو دن مجلس مشاورت کے جلسوں میں شرکت کے باعث مصروفیت رہی۔ ذرا نکلا ہوں تو سڑکوں پر چڑا کاہر کی ”ڈیو میکل“ تصاویر نظر آئی ہیں۔ یہ گویا ”معروفات“ اور ”نیکمیں“ کا اضافہ ہے جو اس دور میں ہو رہا ہے تصویر کشی خاص طور پر ہاتھ سے بنائی جانے والی جانداروں کی تصاویر کے متعلق امت کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حرام مطلق ہیں۔ جدید زمانے میں چڑ جدید ذہن کے علماء خاص طور پر علماء عرب کی اکثریت نے اختلاف اگر کیا ہے تو کیرے سے اتاری ہوئی تصاویر کے بارے میں کیا ہے۔ جو عکس محفوظ کرنے کی تعریف میں آتا ہے، ہاتھ سے نہیں بنایا جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہاتھ سے جاندار اور غیر جاندار بنائی جانے والی تصاویر اور ہاتھ سے مجسمے بنانے کا رواج تھا اور یہ قدیم زمانے سے چلا آرہا تھا۔ مجسمے اور ہاتھ سے جانداروں کی تصاویر بنانے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید وعید ارشاد فرمائی تھیں اور اس کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے۔ مجسمہ سازی بھی طبعاً اسی وعید اور حرمت کے دائرے میں آتی ہے۔ البتہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحْمَقَ مَا يَذُبُّونَ لِيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقَالُ لَهُمْ أَحْمَقُ مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّورَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ (متفق عليه) ترجمہ :- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جاندار چیزوں کی) تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا مان کو حکم دیا جائے گا کہ جو تصویر تم نے بنائی ہے، اس میں روح بہرہک کر اسے زندہ کر دو۔ (لیکن وہ ایسا ذکر نہیں گے ہند عذاب جاری رہے گا۔) پھر فرمایا جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (مرتب)

جب کیمز ایجاد ہوا تو ایک اختلاف ہو گیا۔ پاک و ہند کے علماء کی بڑی اکثریت اس ہے اور اب بھی ہے کہ کسی جاندار کی کیمرے سے بنائی ہوئی تصویر پر بھی اسی کا جو ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر پر ہوتا ہے۔ لیکن اکثر علمائے عرب کی یہ رائے سا۔ کی تصویر پر ہاتھ سے جاندار کی بنائی جانے والی تصویر کی حرمت کا اطلاق نہیں برصغیر پاک و ہند میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے متعلق تو وثوق سے وہ بھی رائے رکھتے تھے۔ آج سے قریبا ستر سال قبل ان کے جو رسائل ”الہدال شائع ہوتے تھے وہ با تصویر چھتے تھے۔ مزید یہ کہ مولانا سید سلیمان ندوی ر بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی رائے بھی یہی تھی لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال ہمارے یہاں بھی ایسے اور اب بھی موجود ہوں گے جن کی رائے علمائے عرب کی اس رائے کے ہاتھ سے بنائی جانے والی جانداروں کی تصاویر اور مجسموں پر تو حرمت ہوگا جو ضمد علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لیکن کیمرے کی تصاویر اس نہیں آتیں، یہ مختلف شے ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے جو علماء کیمرے کی تصاویر قائل ہیں، انہوں نے بھی اس کی وہاں تک تو اجازت دی ہے، جہاں کوئی مذہب ہو۔ جیسے شناختی کارڈ کا معاملہ ہے۔ پاسپورٹ کا معاملہ ہے۔ مجرموں کا ہے بھی ضروریات کا معاملہ ہے۔ الغرض جہاں بھی ناگزیر تمدنی حقیقی ضرورہ لیے اسکے استعمال کو بکراہت قبول کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ بات جان لیجئے کہ اسی تصویر کشی میں اودا کی حرمت و اصل علت اودا اصل حکمت ہے، وہ شخصیت پرستی کے سبب کی علت یہی تصویریں ہیں جو بعد میں معبود بنتی رہی ہیں اور ان کو پوجا گیا ہے۔ آج میں جس پیمانے اور جس انداز سے یہ کام کیا جا رہا ہے اس میں اس علت نہور کا شدید احتمال موجود ہے لہٰذا اس لیے کہ یہ ان شخصیتوں کی تصاویر؛

لے آفاغانی لوگوں کو مرتب نے ”آفاغان“ کی تصویر کو ہار پہنتے، اس جلاتے اور مراقبہ کرتے اپنی منہلکہ آنکھوں سے دیکھا ہے (مرتب)

ایہ تصور ہے اور اسے مزید پختہ کیا جا رہا ہے کہ وہ ہمارے محسن ہیں۔ یہ ہماری تاریخ کی عظیم
 بین شخصیتیں ہیں، وہ ہماری قومی تحریک کے عظیم قائد ہیں لہذا ان حضرات سے ہمارا ایک ربط
 بنی ہونا چاہیئے، ان سے محبت ہونی چاہیئے، ان سے عقیدت ہونی چاہیئے۔ یہی تو وہ
 مل علت ہے کہ جب اس میں غلو ہوتا ہے تو ان بزرگوں کو معبود کے درجے تک پہنچا
 یا جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے شریعت میں تصویر کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن ہمارے یہاں اسی
 ن غلو پیدا کرنے کی یہ تمام وکال کوشش کی جا رہی ہے۔ اس طرز عمل سے معلوم ہوتا
 ہے کہ جدید دور میں دین کے تصورات میں جو اضافے ہو رہے ہیں شاید ان ہی معروفات
 افرست میں یہ چیز بھی شامل کر لی گئی ہے۔ ابھی تک معاملہ یہ تھا کہ نوٹوں پر قائد اعظم کی
 تصویر چل رہی ہے ابھی تک معاملہ یہ تھا کہ سرکاری بڑے دفاتر اور ایوانوں میں قائد اعظم مرحوم
 ، خصوصاً اور علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کی عموماً قد آور یا اوپر کے جسم کی باتھ سے بنائی ہوئی
 عادی مستقل طور پر آویزاں رہتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایوب خاں صاحب اور بھٹو صاحب
 ، ان کے دور اقتدار میں ان کی تصاویر لگائی جاتی رہی ہوں اور اب موجودہ صاحب اقتدار
 شخصیت کی تصاویر آویزاں ہوں۔

بہر حال کچھ عرصہ پہلے تک یہ معاملہ زیادہ تر بڑے بڑے سرکاری دفاتر اور حکومت
 کے ایوانوں تک محدود تھا۔ لیکن اب ان اکابر کی تصاویر کو جس انداز، جس شان اور جس ان
 ان کے ساتھ میزوں پر نصب کیا گیا ہے اس سے تو اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارا معاشرہ
 حروفات کے بجائے دینی اعتبار سے منکرات کی طرف ارتقا کر رہا ہے۔ اس کی پیش
 نڈی قطعی مخالف سمت میں ہو رہی ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ کیمرے کی بنائی تصاویر نہیں ہیں بلکہ ہاتھوں سے بنائی
 ہوئی تصاویر ہیں جن کے تعلق میں پورے عالم اسلام کے علماء کی رائے آپ کو بتا چکا ہوں
 ، سب اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ ابھی میں نے آپ کو بتایا کہ آجکل سورہ حج کی آیت تیسری
 یہ کا پڑا چرچا ہے۔ جسے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

الَّذِينَ اِنْ مَلَکْتُمْ فِي الْاَرْضِ اَنْتُمْ اَوْلٰی بِالْحٰیٰۤہِ الْاِنْسٰنِیَّةِ ۚ وَالْاَوَّلٰی الْاَوَّلٰی
 وَالْاَوَّلٰی الْاَوَّلٰی ۚ وَحَتّٰی تَنْتَظِرُوْہُ ۚ

آخری دو احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ صرف یہ کہ نظر انداز اور پس پشت

ڈال دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے برعکس کام ہو رہا ہے۔ معروفات کو دبایا اور منکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے تو یہ چند چیزیں وطن سے واپسی پر فوری طور پر میرے مشاہدے میں آئیں۔ لہذا ان کے متعلق جو بھی میرے تاثرات تھے وہ میں نے بلا خوف و ہمت لاکم آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

میں انہی حالات حاضرہ کے متعلق چند دوسری باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں معروف معنوں میں ہرگز ایک سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بھی کسی سیاسی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ میرا ابھی DECLARE فیصلہ ہے، علی رؤس الاشہاد اعلان ہے کہ اُنڈہ بھی کہیں کسی سیاسی تحریک میں جو سیاسی انداز میں اگر حکومت کے خلاف چلے گی تو میں اس میں حصہ نہیں لوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری چند PRIORITIES ہیں۔ چند کاموں کو میرے نزدیک اولیت و اقدمیت حاصل ہے۔ ہر شخص کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اصل میں کس کام کے لیے اپنی قوانینوں اور صلاحیتوں کو صرف کر رہا ہے میری ترجیحات میں مقدم ترین قرآن مجید کے اس فرمان کی تعمیل میں کہ اِنَّ الْاٰیٰتِ عِنْدَ اللّٰهِ الْاَسْلَامُ۔ صرف اور صرف اللہ دین اسلام ہے۔ باقی ساری چیزیں اور سارے کام اس کے تابع ہیں میں نے دین کی خدمت کے لیے جس طریق کار کو قرآن و سنت سے اخذ کیا ہے۔ ان دینی ذرائع سے سمجھا ہے میں اُس پر عمل پیرا ہوں۔ اسی کام میں اپنی زندگی کا کچھ حصہ لگا چکا اور جو باقی ہے وہ اسی میں لگا ہوں اور میری اللہ سے دعا ہے کہ مجھے اسی کام میں اپنی قوانینوں اور صلاحیتوں کو لگانے کی فریاد توفیق عطا فرمائے اور میں اسی حالت میں آخرت کے لیے رختِ سفر باندھوں۔

جہاں تک ملک کی سیاسی صورت حال کا تعلق ہے تو اسکے بارے میں جو بھی میری دیانت و ارادہ رائے رہی ہے، اس کا میں نفع اور خیر خواہی کے انداز میں بھی اور ناقداً انداز میں بھی متعدد بار برملا اظہار کر چکا ہوں۔ اسی ضمن میں میری رائے ہے کہ مارشل کا اتنا طویل عرصے تک تسلسل ہمارے ملک کی سالمیت، اس کی یکجہتی، اتحاد اور اس کی سلامتی کے لیے نہایت مضر اور خطرناک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا کو یہ با کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری قوم واقعتاً سیاسی اعتبار سے تعالیٰ ناطق ہے اور اس میں با شعور موجود نہیں ہے اس قوم میں جمہوریت کی نہ قدر ہے اور نہ اس کے چلانے کی صلاحیت

ہے۔ اس اعتبار سے قدم نابالغ بھی ہے اور یتیم بھی۔ بُرا زمانے کا بھاری سیاسی جماعتوں نے اسی خیال کو تقویت دینے کے لیے کئی بار PARTY PLAY کیا ہے اسی کے نتیجے میں فوج کو بار بار یہ موقع ملا ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھے اور اقتدار کی پاگ ڈور سنبھالے۔ آخر ہندوستان میں فوج کو آج تک اس کی عزت کیوں نہیں ہوئی! اس کا آخر کچھ سبب تو ہے! جب کہ دونوں ملک بیک وقت آزاد و خود مختار ممالک کی فہرست میں شامل ہوتے تھے۔ لیکن ہم نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح ایک نابالغ یتیم کو سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ہم بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر چلنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

بہر حال وجوہ کچھ بھی ہوں امر واقعہ یہ ہے کہ جو مارشل لفٹے دن کے وعدے پر لگایا گیا تھا اب اس کا ۶ جولائی ۱۹۸۲ء کو انٹھواں سال شروع ہو گیا ہے ملک کی غیر خواہی کا تقاضا ہے کہ مارشل لا خود سہٹ جائے۔ اگر مارشل لا کو ہٹانے کے لیے کوئی تحریک چلی تو اس کا کوئی مفید و مثبت نتیجہ نہیں نکلے گا۔ بلکہ ایک نوابی ختم ہوگی تو اس کی جگہ کوئی دوسری غرابی آجائے گی۔ اس لیے موجودہ مارشل لا کو جلد از جلد صحیح خطوط پر سیاسی عمل جاری کرنا چاہیے۔

بہر حال میرا فیصلہ ہے کہ نہ میں نے پہلے کسی سیاسی تحریک میں حصہ لیا ہے اور نہ اب لوں گا۔ جو جماعت میں نے قائم کی ہے اس کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ انتخاب کی طرف نہیں کبھی جانا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ ہم انتخاب میں ووٹ دے سکتے ہیں وہ بھی دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ جس کو ووٹ دیا جائے وہ ہمارے علم کی حد تک پابند شریعت ہو اس لیے کہ جو شخص اللہ کے قانون کا پابند نہیں اس سے ہم کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس ملک کے لیے کوئی بھلا کام کرے گا۔ جو اللہ کا وفادار نہ ہو وہ اس ملک کا کیسے وفادار ہوگا! تو ایک شخص کیسے اس قسم کے امیدوار کو ووٹ دینے کی ذمہ داری قبول کرے کہ جو پابند شریعت نہ ہو۔ ہم نے ایک افغانی شرط یہ بھی لگائی ہے کہ وہ شخص کسی ایسی پارٹی سے بھی تعلق نہ رکھتا ہو جس کے منشور میں کوئی بات خلاف شریعت ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص خود تو پابند شریعت ہوتا ہے لیکن اپنی سادہ لوحی کے باعث یا کسی اور سبب سے کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے جس کے منشور میں کوئی نہ کوئی شق اسلام کے خلاف ہوتی ہے تو جہاں یہ دونوں شرطیں پوری ہو جائیں تو ہم اس ملک کے شہری ہیں لہذا ہم اپنا ووٹ استعمال کریں گے۔ لیکن اگر یہ شرطیں پوری نہیں ہوتیں تو ہم کم سے کم یہ ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ کسی بھی ایسے شخص کے

حق میں رائے دی جائے اور اسے ملک کے معاملات میں ذمیل ہونے کا حق دار سمجھا جائے دکن
حالیہ کہ وہ خود اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند نہ ہو۔ تو اس اعتبار سے ہم غیر سیاسی
لوگ ہیں، میں خود ذاتی طور پر اور وہ تنظیم بھی جو میں نے قائم کی ہے۔

ہمارا جو مثبت طرہی کار ہے وہ میں کوئی باریان کر چکا ہوں وہ تو ایک ہی طرہی کار ہے
جو میرے نزدیک سنت اور سیرت رسول علی صا جہا الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے اور اسی پر
مبنی ہے۔ لہذا میں نے اسی کو اپنے لیے اور اپنی تنظیم کے لیے اختیار کیا ہے اور میری کوشش ہے
کہ حق الالمان اسی پر عمل پیرا ہو کر اور کار بند رہ کر ایک اسلامی انقلاب کے لیے جو میری ابتدائی
اور تمہیدی اقدامات ہیں ان کے لیے میں نے اور میرے ساتھیوں نے خود کو کھپا دیا ہے۔ اور
کھپائے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس سے پہلے بھی میں نے عرض کیا تھا کہ ہم لوگ اندھے بہرے نہیں ہیں کہ ہم دیکھو
من نہ رہے ہوں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور اس کے بارے میں ہماری کوئی رائے نہ ہو
آج سے لگ بھگ پونے دو سال قبل ایک خط میں صدر مملکت کو لکھا تھا۔ ابتداً وہ کھلا خط نہیں
لیکن عرصہ تک جب مجھے نہ اس کی رسید ملی اور نہ جواب ملا بلکہ میرے پاس ڈاک خانے کی جڑ
کی جو جوابی رسید آئی وہ بھی بغیر دستخط کے تھی تب میں نے اس خط کو مجبوراً پریس کے حوالہ کر
اس سے قبل بھی میں صدر صاحب کو ایک خط لکھ چکا تھا، جس کا نہ جواب آیا نہ رسید۔ ایسا
ہوتا ہے کہ بڑے آدمی کے ارد گرد بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جو کہ بہت سی باتیں ان
پہنچے نہیں دیتے اس کا ایک ثبوت بھی مجھے مل گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ میں جب ۵ مئی ۸۲
کو صدر صاحب سے ملاقات کے لیے پنجاب گورنر ہاؤس حاضر ہوا اور میں نے ان سے اپنے
پہلے خط کا ذکر کیا جو کئی عرصے قبل میں نے ان کو لکھا تھا۔ میں اس خط کی نقل بھی ساتھ لے گ
تھا۔ میں نے صدر صاحب کو وہ خط دکھایا اور انہیں بتایا کہ مجھے تا حال اس کا کوئی جواب
ملا تو صدر صاحب نے اس کو دیکھ کر اور پھر پڑھ کر حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے تو یہ
دکھایا نہیں گیا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ان کے ارد گرد کچھ ایسی چیلیاں لگی ہوئی ہیں کہ ان چیلنیوں میں
پرچہ نہیں کر صدر صاحب کے پاس وہی چہرہ پہنچے جو یہ لوگ مناسب سمجھیں۔ یہ وجہ ہے
پھر میں نے اس خط کو اشاعت کے لیے اخبار کو دیا اگرچہ اس نے اسے قطع و برید کی، کاٹ
کی۔ لیکن بہر حال جس حال میں بھی وہ سامنے آسکا پبلک میں آگیا۔ تو اس وقت کے حالات

پیشِ نفر میں نے صدرِ صاحب کی خدمت میں اپنی رائے پیش کی تھی جو مختصراً یہی تھی اور میرے ایک اُس وقت نہایت مفید بھی تھی۔ لے

اس وقت ہمارا ملک جس صورتِ حال سے دوچار ہے میں اس کے پیشِ نظر پورے ناموں اور غیر خواہی کے جذبے کے ساتھ چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نظام ہمارے ملک میں قائم کیا گیا ہے۔ اس کا بڑا دعویٰ بھی ہے۔ شہرہ بھی اور پروپیگنڈہ بھی۔ لیکن اسی میں ابتداء سے خامی تھی جس بارے میں میں نے صدرِ صاحب سے خدا کا واسطہ دے کر ایک مجلسِ ملاقات میں عرض کیا تھا کہ اس سلسلے میں ہمارے شیعہ صحابیوں نے جو بحیثیتیں کیا ہے اور آپ سے ایک وعدہ حاصل کیا ہے، اس کے نتیجہ میں آپ کو اپنا قدم واپس لینا ہے تو خدا کے واسطے جزدی طور پر نہ لیجیے۔ بلکہ کئی طور پر لیجیے گا۔ اپنا آرڈیننس واپس لے لیجیے۔ کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ اس پہلے بھی یہ ملک چل رہا تھا اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ نماز عبادات میں شامل ہے آپ اس کے لیے جبر نہیں کر سکتے البتہ تشویق و ترغیب دلا سکتے ہیں، ماحول کو ایسا سادگار بنا سکتے ہیں کہ لوگوں میں نماز کا شوق از خود ابھرے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی اگرچہ اسلامی نفعِ معیشت ایک اہم ستون ہے لیکن وہ عبادات کی فہرست میں شامل ہے۔ لہذا آپ اس کے معاملہ میں صحیح اسلامی شعور بختہ ہونے تک اگر یہ فیصلہ کریں کہ فی الحال اس میں جبر نہیں کر سکتے تو مرید ہے کم اس آرڈیننس کو واپس لے لیجیے۔ اس میں ترمیم نہ کیجیے۔ اس لیے کہ اگر آپ نے یہ کیا شیعہ حضرات کو اس سے مستثنیٰ کر دیا تو ناواقف اور کمزور ایمان والے سینوں میں شیعہ نامے کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ وہ بات ہے جو کہ بالفعل ہوئی اور اس کے نتائج لوگوں کے سامنے آ رہے ہیں اور یہ خبریں جلد ہی ہیں کہ ہماری دیہاتی آبادی میں کالے بھنڈے بڑی رشت سے کھڑے ہو گئے ہیں ایسے کہ ہمارے ایمان کی جو مجموعی صورتِ حال ہے وہ کہیں شیعہ ہے وہ کمزوری تو اہم نشہ ہے۔ پھر غائب بات ہے کہ شیعہ سنی کا اختلاف سب

لے۔ حرمِ صدرِ مملکت کے نام ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ خط ماہنامہ میثاق کے فوری سلسلہ کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ علیحدہ بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے جو حضرات اس کا مطالعہ کرنا چاہیں۔ طلب فرما سکتے ہیں (مترجم)

کے نزدیک کفر اور اسلام کا اختلاف تو بے نہیں۔ لہذا اس جبری زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہونے کے لیے اس اختلاف کے باعث غامکہ اٹھایا جاسکتا ہے تو ہمارے معاشرے میں کمزور عقیدے اور بے علی کے شکار کتنے متنی ہوں گے جو شیعہ بھائیوں کی ذرا سی گوشمالی سے یہ رنگ اختیار نہیں کر لیں گے یہ وہ ہمت بڑا اندیشہ تھا اور میں نے بروقت اللہ کا واسطہ دے کر صدر صاحب سے عرض کیا تھا کہ اب نہ کیجیے گا۔ لیکن ہماری بد قسمتی ہے کہ وہی ہوا۔ پر نالہ وہی مگر اور اس کے جوتابے بکرا آمد ہونے چاہیئے تھے وہ برآمد ہوئے اور پورے ملک کے سامنے ہیں۔

مزید برآں اس ضمن میں دوسرا اہم تر معاملہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نظام کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ پورے معاشرہ کے اندر جو بھی معاشی اعتبار سے فرق و تفاوت کا معاملہ پیدا ہوتا ہے یہ اس کا علاج اور حل ہے لیکن اگر دنیا کے سامنے صورت حال یہ آئی ہو کہ پاکستان میں زکوٰۃ کا نظام قائم و نافذ ہو بھی گیا لیکن معاشرہ میں معاشی فرق و تفاوت جوں کا توں موجود ہے اس میں توسر۔ موبھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ بال برابر بھی کوئی فرق نہیں ہوا، اس ملک میں معیشت کا جو نظام پھیلے تھا، اب بھی وہی ہے۔ دوسری طرف جب کہ بتلایا یہ جارہا ہے کہ زکوٰۃ کا نظام نافذ ہو چکا ہے۔ تو خود ہی غور کیجئے کہ اس صورت حال کو دیکھ کر لوگ نظام زکوٰۃ سے بد دل اور مایوس ہوں گے یا نہیں؟ اور ان کے دل میں اسلام سے لگن اور محبت پیدا ہوگی یا اس کے برعکس معاملہ ہوگا؟ اس سے کوئی نیک نامی حاصل ہو گی یا بدنامی!

پھر یہ کہ اقل تو زکوٰۃ صرف اس رقم پر واجب کی گئی ہے جو بینکوں میں جمع ہے۔ سوال یہ ہے کہ مال تجارت پر زکوٰۃ کیوں عائد نہیں کی گئی جب کہ انکم ٹیکس کے گوشواروں سے ان پر زکوٰۃ کا حساب بھی آسان ہے کیا کوئی فرق ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہو کہ مال تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہر چہ مسک کے نزدیک جس طرح نقد پڑا اگر وہ نصاب کی حد میں آتا ہو زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح مال تجارت پر بھی زکوٰۃ ہے۔ لہذا ہر سال اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہونی چاہیے اور وصول کی جانی چاہیئے۔

البتہ بڑی بڑی فیکٹریوں کی جو عمارتیں ہیں ان میں جو مشینیں ہیں ان پر میری معلومات کی حد تک تمام مسائل کا اتفاق ہے کہ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی میرانے

اصلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر BASE کرتی ہے کہ کارگیر لوگوں کے اوزار سے مستثنیٰ ہیں جیسے بڑھی ہے۔ دوبار ہے، یا کوئی اور کاریگر ہے تو ان کے اوزار کو عائد نہیں ہوگی۔ یہ بالکل عین انصاف ہے لیکن کہاں کاریگروں کے ہتھیار اور کہاں ان کے روپے کی مشینری! لہذا یہ مسئلہ ہمارے لیے عمل نگر ہوگا کہ طوں اور فیکٹریوں کی کوڑوں کے پے کی مشینوں کو کاریگر کے اوزاروں پر قیاس کیا جائے گا یا نہیں! چلیے یہ معاملہ اجتہادی ہے۔ اس پر علماء کا کوئی مستند بورڈ ہی کوئی حتمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ میری تا حال رائے ہے کہ اس میں ہمارے علماء کو دین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کوئی راہ نکالنی۔ لاکھوں اور کروڑوں روپے کی مالیت کی مشینوں کو کاریگر کے اوزاروں پر قیاس غور و فکر کا متقاضی ہے۔ لیکن بٹوں اور فیکٹریوں میں جو بھی خام مال اور تیار مال موجود اس کے بارے میں کسی فقہی مکتب میں قطعی اختلاف نہیں ہے سب کا اس پر اتفاق ہے جیسے نقد اثاثہ ہے اسی طرح ہر نوع کا تجارتی مال بھی اثاثہ ہے۔ ذیورات بھی اثاثہ ہیں۔ سب پر ایک سال کی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اس میں کسی کے نزدیک بھی ناف نہیں ہے۔ تو معلوم ہو کہ ہم نے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام بکھوانے کا معاملہ ہے۔

اب تک اس زکوٰۃ کی تقسیم کے نظام کا معاملہ یہ ہے کہ کہنے کو نغام زکوٰۃ نافذ بھی یا لیکن معاشرے میں اوپر نیچے اور فرق و تفاوت جوں کا توں ہے۔ اس کی مناسب میرہ ہوگی کہ BEGGARLY کے انداز کو ایک بہتر شکل دے دی گئی ہے۔ ایک دینے اور خیرات بانٹنے کی جو شکل ہے وہ منظم ہو گئی ہے اس کے سوا اس کا کوئی بت اور خوش گوار نتیجہ ہمارے معاشرے میں نہیں آیا ہے۔ افلاس و غربت جوں کی رہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ایک منصوبہ بندی کے ساتھ زکوٰۃ کے ذریعہ معاشرے میں سے پیسے کام کے اہل مستحقین افراد کو روزگار یا دوسلیں جیا کئے جاتے تاکہ وہ اپنے دراپنے خاندان کے لیے خود کفیل UNIT بن جا سکتے۔

لے تقسیم زکوٰۃ کے لیے جو نظام رائج ہے اس میں بھی کافی نقائص ہیں۔ اُسے اترو سو خر بڑھا کے لیے کچھ استعمال کیا جا رہا ہے اور آندھا پاٹے ریوڑیاں اپنے ہی اپنے کو دے کا معاملہ بھی کافی حد تک اس میں موجود ہے۔ (مرتب)

اسی طرح سود کا معاملہ ہے۔ اس کے متعلق حال ہی میں بڑے دعوے سے کہا جا رہا ہے کہ جلد ہی پورا سودی نظام ختم کیا جا رہا ہے تو اس کے متعلق تو نظام کو دیکھ کر ہی رن دی جاسکے گا کہ یہ تبادلہ نظام کس حد غیر سودی اور اسلام کی فضا کے مطابق ہے۔ میں کو اہم اقتصادیات نہیں ہوں۔ اس معاملہ میں مجھے بن لوگوں کے دینی فہم پر اور دیانت پر بھروسہ ہے اور پھر وہ ماہرین اقتصادیات بھی ہیں، ان کی رائے پر اعتماد کرنا ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہوا ہے اور تاحال ہو رہا ہے یعنی P. L. S. کا جو کاؤنٹر کھولا گیا ہے، اس کے متعلق جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے تو معلوم ہوا کہ وہی سود ہے اس میں سرسرو کوئی فرق نہ ہے۔ صرف یہ ہوا ہے کہ لیبل بدل دیا گیا ہے۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ PRIZE BONDS کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ جاری ہے بلکہ اس میں ہر سال نئی TRACTION پیدا کی جاتی ہے۔ پرائیز بونڈ میں نہ صرف سود INVOLVE ہے بلکہ اس میں بے کا عنصر بھی بھال و قام شامل ہے مزید برآں حکومت کی مختلف VESTMENT CERTIFICATES کی جو اسکیمیں چل رہی ہیں اور نئی نئی جاری ہوتی رہتی ہیں ان کے متعلق تو ایک عام پڑھا لکھا شخص بھی آسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ مدنی مد سودی اسکیمیں ہیں۔

اسلامی نظام معیشت و اقتصادیات کے اعتبار سے دو ہی چیزیں اہم ترین ہیں، ایک سود کا خاتمہ، دوسرے تعمیل و تقسیم زکوٰۃ کا نظام۔ ان کے حوالے سے اگر ہم نے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ سود ختم ہوا اور نظام زکوٰۃ نافذ ہو گیا۔ لہذا اقتصادی و معاشیاتی شعبہ میں اسلام آگیا! کہنے کو تو اسلام آگیا لیکن عام لوگوں کی معاشی و اقتصادی حالت تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ معاشرے میں تو کوئی فرق و تفاوت دور ہوتا نظر نہیں آتا سرسرو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ سنجیدگی سے اس تضاد کو دیکھئے کہ ایک طرف بڑے بلند بانگ دعوئی کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ اسلام آگیا۔ اسلام آگیا، لیکن دوسری طرف منکرات کو فروغ ہو رہا ہے۔ رشوت بڑھتی جا رہی ہیں CORRUPTION میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے سب پر دگی اور بے حیائی بھی روز افزوں ہے اسلام آ رہا ہے لیکن عورتوں کی آزادی کی تحریک میرے نزدیک اس صدی میں جس طریقے سے ترکی میں مصطفیٰ کمال آتا ترک نے چلائی تھی اور اس کے بعد بعض دوسرے ممالک پر۔

گئی ہے اسی سطح پر اس ماحول لار کے دور میں "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں حکومت سرپرستی میں چل رہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ان تمام منکرات پر اسلام آ رہا ہے اسلام ہے "کا ببادہ پڑا ہوا ہے اس وجہ سے یہ چیز دلی ہوئی ہے ورنہ مغربی تہذیب کے مساوات مرد و زن اور آزادی نسواں کی تحریک ہمارے معاشرے میں پورے زور سے جاری ہے اور اس کی پشت پر مدد کے لیے ملک کے قومی ذرائع ابلاغ بے استعمال ہو رہے ہیں۔

اسلام آ رہا ہے اور ساتھ ہی یہ چیزیں بھی آ رہی ہیں۔ منکرات کے فروغ کا معاملہ مٹا رہا ہے ترمیمی سمجھ نہیں آتا کہ جو ثقافت اس ملک میں آج سے آٹھ دس سال پہلے تھی سی ثقافت کی آج ترویج نہیں ہو رہی! کیا اسی کی سرپرستی موجودہ حکومت نہیں کر رہی! مادام نور جہاں کبھی فوٹوؤں میں جنرل محمد یحییٰ خاں کی گود میں بیٹھی نظر آتی تھی! تو اس استقبال بڑے اکرام و اعزاز کے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس میں اب اس وقت نہیں ہو! فرق و تفاوت کیا ہے! فرق صرف ایک شخص کا ہے کہ اُس کی گود میں کوئی ایکٹریس نظر نہیں آتی۔

الحمد للہ یہ بھی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو منکرات کی اس حد تک جانے محفوظ رکھے۔ لیکن اس فرق کے علاوہ سوال تو پوچھ رہے دیتے کا ہے۔ سوال اس کی ثقافت کا ہے۔ اگر ایکٹریسوں اور ایکٹریسوں کی صدر مملکت کی طرف سے ایوان حکومت بڑی شان اور ان بان کے ساتھ پذیرائی ہو رہی ہو اور وہ ہو رہی ہو اس حال میں کہ طرف ترویج اسلام کے دعوے ہیں۔ دوسری طرف یہ صریح تضاد ہے۔ پھر یہ بھی کہا گئے۔ یہ قول صدر صاحب سے منسوب تمام اخبارات میں آیا ہے کہ "دیکھ بیٹھے میں نہیں ہوں، اسی لیے آپ کے درمیان موجود ہوں۔ تو نہایت ہی سواہر نشان ذہن، اُبھرتا ہے کہ وہ کون سا اسلام ہے جس کے نفاذ کے عزائم کا اظہار مسات ل سے بھی زیادہ عرصے سے مسلسل کیا جا رہا ہے اور بڑے دعاوی کیا تو یہ سلسلہ جاری ہے۔

نرم صدر مملکت نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں ٹی وی کے پروگرام "نیلام گھر" کے COMPILER قی عزیز صاحب کو مبلغ اسلام" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ (مرتب)

میں ہرگز اس وقت یہ باتیں نہ کہتا اگر یہ چیزیں کسی اور دور میں ہو رہی ہوتیں۔ بھلا ہمارے معاشرے میں بے شمار خرابیاں چلی آرہی ہیں، ان میں اس نوعیت کی خوابیا بھی موجود ہیں لیکن اسلام آ رہا ہے۔ ”کے دعووں کے ساتھ ان منکرات میں کمی کے بجائے فروغ ہونا نہایت دکھ کی بات ہے ان منکرات میں سے کسی کو ہدف بنا کر مورچہ بند کر دینا میرے پیش نظر نہیں ہے۔ میرا مستقل موقف تو یہ ہے کہ ہم قرآن و سنت کے ماتحت طریق کار کا اسلامی انقلاب کے لیے میدان ہموار کرتے چلے جائیں۔ لیکن جب یہ سب کچھ ان ہاتھوں ہو رہا ہو، جن کا اوڑھنا پھوننا اسلام ہو، جو اٹھتے بیٹھتے اسلام کا نام لیتے ہوں۔ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم نے یہاں اسلام قائم کیا ہے، قائم کر رہے ہیں اور قائم رہیں گے۔ بغیر نہیں جائیں گے۔ ایسی صورت حال میں معاملات شدید تشویش کا باعث بن جاتے کہ یہ پیش قدمی کسی سمت میں ہو رہی ہے۔ یہ اسلام کی طرف ہو رہی ہے یا اس کی غماز سمت میں جا رہی ہے! یہ راہِ درست منزل ہے یا اس کا پہلو منزل کی طرف ہے۔ فیصلہ بہر حال کرنا پڑے گا اور بات صحیح صحیح کہنی پڑے گی اس لیے کہ ایسی صورت حال میں خاموش رہ جانا میرے نزدیک کتمانِ حق ہے حق کا چھپایا ہوا ہے۔

اسی لیے میں نے آج آغاز میں سورہ حج کی تین آیات کی تلاوت کے بعد ایک متفقہ حدیث کا ایک بڑا حصہ بھی شامل کیا تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ سند کے اعتبار سے متفقہ روایت سے اونچا حدیث کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس حدیث میں ان دعووں کا ذکر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت صحابہ کرامؓ سے لیا کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی ہیں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بیعت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيَّ السَّيِّعِ وَالْحَافَةِ اس بات پر کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ ”وَقَدْ الْخُسْرَاءُ الْيُسْرَاءُ“ خواہ مشکل ہو خواہ آسان ہو۔ ”وَالْأَمْسَنُ وَالْأَيْسَرُ“ خواہ جبر کرنا پڑے۔ ”وَعَلَى اسْتِخْلَافِ

لَعَلَّكُمْ أَتَلَّكُمْ وَمَنْ كَتَمَ شَهَادَةَ عَيْنِهِ مِنَ اللَّهِ (ابمقرہ غنیمۃ) اور اس شخص نے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے پاس لڑکی طرف سے (حق کی) شہادت موجود ہو اور وہ اسے چھپائے؟۔ (مرتب)

اور اس بات پر کہ خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے: ”وَعَلَىٰ أَنْ لَا تُنْفِخُوا الْأَنفُسَ
 مِلَّةً۔“ اور اس بات پر کہ ہم صاحب امر، اولوالامر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ پھینا
 بیٹی نہیں کریں گے۔ ہم اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کریں گے۔ یہ تمام
 غاہیم حدیث کے اس درمیانی چھوٹے سے ٹکڑے میں شامل ہیں۔ ”وَعَلَىٰ أَنْ لَا تُنْفِخُوا الْأَنفُسَ
 مِلَّةً كَمَا لَا تُنْفِخُوا فِي اللَّهِ نَمَّةً وَلَا شِرْكًا۔“ اور اس بات پر (بیعت کی) کہ ہم حق کہتے ہیں
 نے جہاں اور جس حال میں بھی ہوں اور ہم اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی
 امامت سے خوف کھا کر یا بد دل ہو کر صحیح و حق بات کہنے سے باز نہیں رہیں گے۔ یہ بیعت
 محابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی۔ اور
 ہر بات توجہ سے سنیے۔ اور یہ بیعت ہر مسلمان کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ساتھ ہے اگر وہ کسی درجہ میں بھی حضور کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ سمجھتا ہے۔
 یہ بیعت ہر مسلم و مؤمن کے دعویٰ اسلام و ایمان کے مقتضیات و متغیبات میں
 آپ سے آپ شامل ہے۔ IMPLIED ہے۔ اگرچہ ہم اس شرف سے محروم
 ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اپنی زبان
 سے یہ الفاظ ادا کر کے بیعت کی ہوتی لیکن چارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اصولاً ہماری
 یہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ یہ ساری باتیں اور یہ سارے
 کام ہمیں کرنے ہوں گے جو اس بیعت کے الفاظ میں بیان ہوئے۔ اگر نہیں کرتے تو پھر جلال
 قلیق نبی اکرم کے ساتھ قائم نہیں ہے۔ وہ جو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ۔

یہ زائچین جویم مغرب ہزار رہبر نہیں ہمارے

ہیں بھلان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہیں

یہی وفاداری کا معاملہ ہے جسے جواب شکوہ میں علامہ نے یوں بیان کیا ہے۔

کہ محمد سے وفا تو نہ تو ہم تیرے ہیں !

یہ جہاں چہرے کیا ! روح و قلم تیرے ہیں

میں نے یہ بات موجودہ حکومت کے سامنے کئی مرتبہ رکھی ہے۔ شورائی میں یہ بات کہی ہے
 جناب جنرل محمد فیاض الرحمن صاحب صدر محکمات سے ذاتی طور پر بھی ۱۹۸۳ء کی ملاقات
 میں عرض کی ہے جب میں شورائی سے اپنا استعفیٰ ان کو پیش کرنے گیا تھا۔ میں نے

ان سے عرض کیا کہ آپ نے اس ملک میں شریعت کو رٹ بنائی۔ اتنا بڑا تاریخی کام کہ یہ کورٹ تمام قوانین کی جانچ پڑتال کر سکتی ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا ان کا کو جزو یا کل کا کُل کوئی قانون شریعت کے خلاف تو نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنی صوابہ کے مطابق اس ملک کے چوٹی کے جو بھی ماہرین شریعت تھے، انہیں وہاں لاکر بٹھایا۔ کسی اور نے ان کو آپ پر ٹھونس نہیں ہے۔ آپ کا اپنا SELECTION ہے۔ آپ کا اپنا ہے۔ آپ کے اپنے پسندیدہ لوگ ہیں۔ ان کے علم پر، ان کے تہ پر، ان کی امانت پر، ان کی دیانت پر آپ کو پورا اعتماد ہے تب ہی آپ نے انہیں اتنے اونچے منصب پر بٹھایا ہے۔ لیکن آپ نے یہ کیا کیا کہ عائلی قوانین کے بارے میں ان کے ہاتھ باندھ دیئے۔ اس قانون کے بارے میں وہ غور نہیں کر سکتے۔ کوئی رٹ وہ چاہے بھی تو وہ اُسے سن نہیں سکتے۔ ان عائلی قوانین کو کوئی چیلنج کرے تو وہ اس کی سماعت ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے ان سے کہا کہ ”یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ ہمارا قرآن میں اور احادیث میں، خاص طور پر قرآن مجید میں جس سے ہر دینی شخص رکھنے والا فرد واقف ہے، سب سے زیادہ تفصیلی احکام جو ملے ہیں، وہ عائلی زندگی متعلق ہیں۔“ ملک کا سیاسی ڈھانچہ کیا ہو! اس کے بارے میں تفصیلی احکام نہیں ہیں صرف DIRECTIVE PRINCIPLES دیئے گئے ہیں۔ اصول دیئے گئے ہیں اسی طریقے سے معاشی ڈھانچہ کیا ہوا۔ اس کے لیے بھی چند چیزیں حرام کر کے ہمارے لیے گویا کہ وہ FOUR CORNERS میں کر دیئے گئے ہیں کہ ان سے باہر قدم نہیں رکھا جاسکتا۔ باقی رہا اس کا کوئی تفصیلی ڈھانچہ تو وہ آپ کو قرآن میں نہیں ملے گا۔ وہاں تو آپ کو رہنما اصول ملیں گے۔ اور اسی میں حکمت تھی۔ چون کہ سیاسی اور اقتصادی اعتبارات سے ابھی زمانے میں اور ترقی اور ارتقاء ہونا تھا۔ اللہ کے علم میں تو تھا کہ ابھی صنعتی انقلاب بھی آنے والا ہے۔ صنعتی انقلاب کے بعد اس دنیا میں بالکل نئے معاشی مسائل پیدا ہو کر رہیں گے۔ لہذا تفصیلی ڈھانچہ اس وقت کے مجتہدین امت کے لیے چھوڑ دیا جائے کہ جو چیزیں حرام مطلق ہیں، ان کی حدود مقرر کر دی گئیں۔ باقی اب تمہیں اختیار ہے کہ اس دائرے کے اندر اندر اپنے لیے حالات کی مناسبت سے کوئی نفاذ تجویز کرو۔ اسی طریقے سے سیاسی ارتقاء کا عمل ابھی جاری تھا۔

قائمی نظام سے آگے شہری ریاستیں اس سے آگے ملکیتیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ تصور آنا جو آج دنیا میں موجود ہے کہ STATE ملحدہ ہے۔ GOVERNMENT ملحدہ ہے۔ اس وقت تک تو ان کے مابین کوئی DIFFERENTIATION موجود تھا ہی نہیں۔ کوئی فرق و امتیاز تھا ہی نہیں۔ ریاست اور حکومت ایک شے سمجھے جاتے تھے۔ لہذا اس وقت سیاسی اعتبار سے بھی ہمیں کوئی تفصیلی ڈھانچہ نہیں دیا گیا۔ گویا ہمارے ہاتھ کچھ چھوٹے تھے کہ تفصیلی سیاسی ڈھانچہ حالات و ظروف کے مطابق تم بنا سکتے ہو۔ ہاں اس کے بنیادی اصولوں سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ان میں پہلا بنیادی اصول ہے کہ اِنِّیْ اَنْزَلْتُکُمْ اِلَیْہِمْ - دوسرا اصول ہے اَطِیْعُو اللہَ وَ اَطِیْعُو الرَّسُولَ - ان ہی دو اصولوں کو سورہ مائدہ کے آغاز میں بایں الفاظ مبارکہ فرمایا گیا ہے یَا مَیْثَیْہَا الَّذِیْنِ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا بَیْنَہِمْ بَدْعَیْ اِنَّہُمْ قَدْ سَوَّیْہِ - حاکمیت مطلقہ اللہ کی ہے۔ اللہ کی اطاعت بواسطہ رسول ہوگی۔

قانون سازی کا اختیار محدود ہے۔ مقید ہے وہ اسی دائرے کے اندر اندر رہ کر کی جائے گی جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی نصوص اور واضح تصریحات سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اس دفعہ کو جو ہر دستور میں بطور رہنما اصول DIRECTIVE PRINCIPLE شامل رہی ہے نافذ العمل OPERATIVE CLAUSE بنا دیجئے کہ "NO LEGISLATION

CAN BE DONE REPUGNANT TO THE QURAN AND THE

SUNNAH" تو ریاست

اسلامی ریاست ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ کوئی شخص باخاہ یا آمر مطلق بن کر تحت اقتدار پر نہیں بیٹھ سکتا۔ اسلامی ریاست میں لازماً اس اصول پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ وَاَمْرٌ مِّنْ مَّشْوَیِّ بَیِّنَاتٍ - رہا یہ سوال کہ شورا میں کونسا حکم کیا ہو! تو قرآن کے ارتقائی مراحل کے مطابق کتاب و سنت کے دائرے کے اندر رہ کر عمومی حالات و ظروف اور ملک کے رہنے والوں کی نفسیات کے اعتبار سے بہتر اور مناسب نظام سمجھا جائے، اُسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ تو یہ بھی سیاسی و اقتصادی معاملات کے متعلق اصل الاصول۔ لیکن جہاں تک عائلی و معاشرتی احکام اور قوانین کا تعلق ہے تو سورہ

بقعرہ کے پانچ چھ رکوع اسی موضوع پر چلتے چلے گئے ہیں۔ سورہ نسا میں ان پر پھر بڑی تفصیلی بحثیں آئی ہیں۔ پھر سورہ مائدہ میں یہ موضوع تفصیل طور پر زیر بحث آتا ہے۔ پھر سورہ نذر اور سورہ احزاب کے بڑے بڑے حصے مسلمانوں کے خاندانی نظام اور معاشرتی و مجلسی زندگی کے بارے میں ہیں انکے چلنے۔ پھر سورہ طلاق کا اکثر و بیشتر حصہ انہی موضوعات پر ہے۔ پھر ایک پوری سورہ، سورہ تحریم کے بھی اکثر و بیشتر حصے میں ان ہی مسائل پر گفتگو ہے۔ ان مسلمانوں کے عائلی و خاندانی نظام کے بارے میں انگریزی حکومت نے بھی یہ جرات نہیں کی تھی کہ وہ اس کے اندر کوئی مداخلت کرے۔ اس نے بھی ان مسائل کو مسلمانوں کی اپنی موادید پر چھوڑے رکھا تھا۔ ہم عمل کرتے تھے یا نہیں کرتے تھے، یہ بات دوسری ہے۔ ہمارے یہاں وہ بد بخت مسلمان بھی تھے جو بیٹیوں، بہنوں کا حق وراثت شریعت کے مطابق دینے کے بجائے رواج کے مطابق انہیں محروم کرتے تھے۔ لیکن ایک بد لشی اور غیر مسلم حکومت نے بھی ہمارے عائلی و خاندانی قوانین و احکام کے اندر کسی نوع کی تہنیش عائد نہیں کی تھی۔ یہ ہر ایک پید مارشل لاء میں جو ایوب خان کا مارشل لاء تھا اور منکرین حدیث و سنت کا ہمارے یہاں جو ذہن ہے، دراصل پورا عائلی قانون اس ذہن کا منہر ہے جس کو بالجبر نافذ کر دیا گیا۔ حالانکہ اس دور میں ہمارے تمام مسلم فقہی مسالک کے تمام جید علماء کرام نے حتیٰ کہ اہل تشیع نے بھی اس قانون کی اکثر و بیشتر دفعات کو بالکلہ خلاف اسلام قرار دیا تھا۔ میں نے صدر صاحب سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ”آپ کا مارشل لاء اس کو تحفظ (PROTECTION) دے رہا ہے۔“ میں نے ان سے کہا کہ ”میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میری رائے پر عمل کیجیے، میں تو اس کا مدعی ہی نہیں کہ میں عالم دین ہوں،“ میں نہ فقہیہ ہوں، نہ مفتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں۔ میں نہ عارف، نہ فقیہ، نہ مجدد، کچھ بھی نہیں۔“ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے شریعت کو رٹ بنا لی ہے، اس میں معاملہ پیش ہونے دیں دیاں علماء بھی اپنا موقف اور اپنے دلائل پیش کریں۔ پرویز صاحب اور ان کے ہم نوا بھی اپنا موقف اور استدلال پیش کریں۔ دلیل اور جرح و تعدیل سے معاملہ طے ہو جائے گا۔ اس کی روشنی میں شریعت کو رٹ طے کرے گی کہ عائلی قانون میں کوئی چیز خلاف شریعت ہے یا نہیں۔

اور شریعت کورٹ میں آپ نے ان لوگوں کو بٹھایا ہوا ہے جو آپ کے معتمد علیہ ہیں۔ لہذا اس میں آخر آپ کو کیوں ہچکچاہٹ ہے آپ اُسے کیوں تحفظ دے رہے ہیں؟“

غور کیجئے کہ تضاد کا یہ عالم ہے کہ وہ میدان جس میں تفصیلی احکام شریعت نے دیئے ہیں، اس پر تو قدغن ہے۔ اس پر تو شریعت کورٹ بھی غور نہیں کر سکتی۔ اور وہ معاملات جن کے بارے میں شریعت میں کوئی تفصیلی احکام نہیں ہیں، ان کے بارے میں لمبی چوڑی بحثیں ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیر دی گئی ہیں۔ جماعتی نظام ہو سکتا ہے یا نہیں! سیاسی جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں! جماعتی انتخاب ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا! غیر جماعتی انتخاب ہو سکتا ہے یا نہیں! یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق شریعت میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملے گی نہ کتاب اللہ سے نہ سنت رسول سے۔ ان کے بارے میں واضح احکام ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ ان مسائل پر تو لمبے چوڑے فلسفے کثرت سے تراش دیئے گئے ہیں۔ چند دانشور حضرات ہیں جو لنگر لنگوٹ کس کس میدان میں آگئے ہیں۔ مجھے ان کی نیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ ان کی رائے ہے لیکن میں ان حضرات کی خدمت میں دست بستہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات تو ہمیں خلافت راشدہ میں نظر نہیں آئی کہ وہاں کوئی پارٹی ہو۔ لیکن کیا خلافت راشدہ کی ایک اور چیز انہیں نظر نہیں آئی! یہ کہ وہاں مسلح افواج STANDING ARMY کا کوئی تصور موجود نہیں تھا کیا وہاں فوجیں تھیں! اسن طریقے سے جس طرح کی فوجیں آج ہمارے یہاں موجود ہیں! اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہو ہو سارا وہی نظام اس ملک میں آنا چاہیئے تو پھر فوج کا بھی وہی نظام یہاں بھی لائیے۔ اس ترمیم کے ساتھ کہ AIR FORCE اور NAVY کا معاملہ اور سپلائی نیز ذرائع ابلاغ COMMUNICATION کے محکمے برقرار رکھیے لیکن INFANTRY کا معاملہ اور CAVALRY کا معاملہ یا اور جو چیزیں ہیں ان کو چھوڑ دیجئے۔ وہاں تو ہر مسلمان اللہ کا سپاہی تھا PEOPLE ARMY بنائیے۔ ہر مسلمان مجاہد تھا۔ جب ضرورت ہوتی تھی تو پوری قوم آتی تھی اور جتنے لوگ

کی مزدورت ہوتی تھی، میدان میں نکل آتے تھے۔ آپ یہاں جبری فوجی بھرتی اور جبری فوجی ٹریننگ نافذ کیجیے۔ ہر مسلمان شہری کو فوجی بنادیجیے۔ لیکن خلافت راشدہ کے دور کی یہ بات تو نظر نہیں آ رہی۔ اس کو اختیار کرنے کا کوئی مشورہ نہیں دے رہا! اس کے لیے اگر ملائی ہیں کہ زمانہ بدل گیا، نظام بدل گیا، صورت حال متقاضی ہے، اس دور میں مسلح افواج نہ ہوں تو DEFENCE نہیں ہو سکتا۔ صحیح دلائل ہیں تو اگر یہ دلیل اس میدان میں کارگر ہے اور یقیناً ہے تو اس دلیل سے آپ سیاسی میدان میں کام کیوں نہیں لیتے! اس میدان میں آپ سیاسی جماعتوں کی موجودگی اور انتخابی عمل کو تدبیراً ارتقاء اور اس دور کا تقاضا قرار کیوں نہیں دیتے! آپ صرف سیاسی میدان کے لیے خلافت راشدہ کے دور کو بطور دلیل لا کر اس کی نفی کرنا چاہتے ہیں! آخر کیوں؟

میں اس لیے اس کی وضاحت کر رہا ہوں کہ میں نے بھی اصل میں قریباً پونے دو سال قبل جناب صدر مملکت کے نام خط لکھا تھا جس کا تذکرہ اچکا ہے۔ میں نے اس میں غیر جماعتی انتخاب کی حمایت کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس بات سے لوگ اس معاملے میں مبتلا ہوں کہ اس وقت جو غیر جماعتی انتخاب کی مختلف گروٹوں سے حمایت ہو رہی ہے تو میں بھی اس کا حامی ہوں۔ لہذا میں یہ بات برملا کہتا ہوں اور اس کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ میں غیر جماعتی انتخابات کا ہرگز حامی نہیں ہوں۔ اس وقت میں نے جو غیر جماعتی انتخاب تجویز کیا تھا تو اصل میں وہ تشکیل حکومت یا منتقلی اقتدار کے لیے نہیں تھا بلکہ وہ اس لیے تھا کہ ملک کے سیاسی ڈھانچے اور نظام کے بارے میں فیصلہ کرنے کے مجاز صدر صاحب تنہا نہیں ہیں۔ ایک فرد اور اس کے اپنے چنے ہوئے چذر رفعتائے کار کو کوئی خدائی اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک آزاد ملک کے سیاسی ڈھانچے اور نظام کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کر دیں اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار بہر حال اس ملک میں بننے والوں کو حاصل ہے۔ لہذا میں نے صرف اس نظام کے بارے میں طے کرنے کے لیے کہ تشکیل حکومت کے لیے انتخابات کس نہج پر ہوں!

نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی ہو! ووٹر اور امیدوار کی عمر اور اہلیت کے بارے میں کسی تبدیلی و تفسیر کی ضرورت ہے یا نہیں! طرز حکومت و عدالتی ہو کہ وفاقی ہو! ان مسائل کو طے کرنے کے لیے ایک نیم دستوریہ کی تشکیل کے لیے میں نے غیر جماعتی انتخاب کا طریق تجویز کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی تجویز کیا تھا کہ جب یہ مسائل بحسن و خوبی

۱۔ ہر جماعتی قرواعام کے ان منتخب نمائندوں کے منظور شدہ اصولوں کے مطابق ملک میں جلد سے جلد انتقالِ اقتدار اور حکومت کی تشکیل کے لیے انتخابات کرانے جائیں۔

۲۔ انتخاب جماعتی بنیادوں پر ہی ہو سکیں گے۔ لیکن اگر آپ ۱۹۵۲ء کے دستور کے مطابق انتخابات کراتے ہیں تو فیصحا۔ آپ یہ بھی کر سکتے ہیں چوں کہ اس کی پشت پر سند موجود ہے کہ اس کو ایک منتخب اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ اسمبلی میں شامل تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے اس پر توثیق و دستخط کیے تھے۔ اور اس طرح کچھ لو کچھ دو۔

۳۔ GIVE AND T کے اصول پر ایک مصالحانہ دستاویز تیار کی گئی تھی۔ یہ جہاں بد قسمتی ہے جس شخص نے اتنا بڑا CREDIT دیا تھا، اسی نے پھر اس کو موم کی ناک بنا دیا تھا۔ اس نے بہت سی ترمیمیں کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ لیکن ان ترامیم کو CONDONE کر دیا جائے تو وہ قوم کی متفق علیہ دستاویز ہے۔ میں نے متعدد دہائیوں اپنی تقریروں میں بھی صدر صاحب کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ اگر اس ملک و ملت کی خیر خواہی کے لیے آپ کے اس کسی بہتر سیاسی نظام کا نقشہ ہے تو آپ کو حق ہے کہ آپ اُسے پیش کریں لیکن فیصلے اختیار آپ کو نہیں ہے۔ فیصلہ یہاں کے رہنے والے اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے رستے سے کریں گے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ تنازعہ فیہ نہیں ہے۔ معاملہ ہے سیاسی ڈھانچے اور نظام کا۔ اس سیاسی ڈھانچے اور نظام کو طے کرنے کے لیے غیر جماعتی انتخابات کے ذریعہ ایک BRAND ASSEMBLY تشکیل کرا لیجیے۔ اسے PEOPLE CONGRE کہہ لیجیے، کسی اور نام سے منسوب کر لیجیے، اُسے غیر جماعتی بنیاد پر بن کر لیجیے اور وہ جو ڈھانچہ اور نظام طے کرے۔ اس کے مطابق جماعتی بنیادوں پر پھر دوبارہ انتخابات ہو اور وہ بے تشکیل حکومت اور اقتدار کی منتقلی کیلئے ہو۔ میری تجویز کا اصل مفاد و مقصد یہ تھا۔

۴۔ فی الوقت حکومت کی طرف سے بڑے شد و دند اور تیعق کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ انتخابات ۱۲ اگست ۱۹۵۲ء میں دیئے ہوئے شیڈول کے مطابق ضرور ہوں گے۔ البتہ بات ابھی تک غیر واضح ہی نہیں، معمر بنی ہوئی ہے کہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں گے یا غیر جماعتی بنیاد پر۔ میں کہتا ہوں کہ کسی طریق سے بھی ہوں اللہ کرے کہ سیاسی و انتخابی عمل کسی طور پر بھی جو جاری ہو جائے اور کوئی داخل یا خارجی مداخلت حال اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بن جائے۔ بہر حال اس وقت

جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہونے کا امکان ہے، وہ درحقیقت میری اس پیش کردہ تجویز کے تحت نہیں ہے جو میں نے خط کے ذریعہ صدر صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ بلکہ یہ نیا فلسفہ ہے جو بعض دانشوروں اور بعض علماء کے حوالے سے فضا میں پھیلا دیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہمارے ملک کے بعض قابل لحاظ عناصر میں شدید بے چینی پائی جاتی ہے آپ کو معلوم ہے کہ جب گھٹن اور عیس کی شدید کیفیت ہو تو جلد بارش ہونے کا قریباً یقین ہو جاتا ہے اسی طرح بسا اوقات سیاسی طور پر گھٹن اور بے چینی کا جو ردِ عمل ہوتا ہے وہ ظہور کرتا ہے۔ آپ کو اخبارات کے ذریعہ اس حد درجہ افسوسناک واقعہ کا علم ہو گیا ہو گا جو کراچی میں سندھ میڈیکل کالج میں عین ”یوم استقلال“ کی تقریب کے دوران آپ کے قومی پر کے ساتھ ہوا ہے اور ”سندھ ویش“ کے قومی نعرے لگائے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ اندرون سندھ صورتِ حال کیا ہو گی! اس ناسور نے کتنی گہری جڑیں پکڑ لی ہیں اس کا اندازہ اس افسوسناک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ کراچی جیسا شہر۔ کراچی میں رہنے والوں کے لیے تو سندھی نشینزم میں کوئی کشش اور جاذبیت نہیں سندھی بے چارے تو اس آبادی میں آئے ہیں ملک کے برابر ہوں تو ہوں۔ وہ تو خالص ہماچری کا شہر ہے اور یہی ہمارے سندھی بھائیوں کو شکایت بھی ہے۔ لیکن اس شہر میں اس گڑھ میں جسے بانی پاکستان قائد اعظم کے موجد ہونے کا شرف حاصل ہے اور مدفن کا بھی۔ اس شہر میں قومی پرچم کے ساتھ سندھ میڈیکل کالج جو کچھ ہوا ہے اور نظریہ پاکستان کے خلاف جس طرح ہنگامہ آرائی ہوئی ہے، وہ ایک بڑے خطرے کی علامت ہے۔ اگر یہ خبر اخبارات میں نہ آتی تو مجھے کیا پتہ ہوتا اور آپ کیا پتہ ہوتا۔ اور اندرون سندھ جو کچھ ہوتا ہے اس کے متعلق یہی عرض کر سکتا ہوں

قیاس کن ز گنستان موز، بہار مرا

اس چھوٹے کی گہرائی کا اندازہ کیجئے جس کے پیپ کے یہ چند قطرے باہر آئے ہیں بھی یوم استقلال کو اور کراچی جیسے شہر میں۔ تو اس سے اندازہ کیجئے کہ لاوا کیا کہ رہا ہے!۔ یہ لاوا اندر بھی پک رہا ہے اور حالات کے مشاہدے سے اندیشہ ہو ہے کہ باہر کا طوفان اور سیلاب بھی آیا ہی چاہتا ہے۔

انہی خطرات کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اکثر دینی عناصر، ہمارے

علماء کرام اور دینی جماعتیں اُھوُنْ اُنْبِیَّتِیْنِ کے فلسفے پر کاربند ہیں جو عموماً ایسے حالات میں ان کے سامنے رہتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے جو ہمارے معاشرے میں منکرات کے فروغ کے لیے جو رہا ہے۔ ہر بلب ہیں۔ کیا ہاتھ کی بنائی ہوئی تعدادیر کے بارے میں ان سب کی رائے وہ نہیں ہے جو میں نے پیش کی ہے۔ کیا اسلام میں عورت کے اصل مقام ستر و حجاب، قرن فی البیوت اور ان کے علیحدہ دائرہ کار کے متعلق کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ میں نے دو ڈھائی سال قبل جو اپنی رائے پیش کی تھی، کیا ان مسائل کے بارے میں ان سب کی وہی رائے نہیں ہے۔ لیکن آزادئ نسواں اور مساوات مرد و زن کے نام پر ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے، آزاد خیال اور مغرب زدہ خواتین کو جس طرح معاشرے میں اونچا اٹھایا جا رہا ہے، کھلی چھوٹ دی جا رہی ہے، کیا ان کی رائے میں یہ سب کچھ اسلام کے مطابق جو رہا ہے۔ لیکن وہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش ہیں۔ کیا ایڈیولوجی کونسل نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا کہ قائد اعظم اور دوسرے اکابر کی سرکاری دفاتر دیوانات میں تعدادیر لگانی شرعاً صحیح نہیں ہے! اسپرکٹنا عمل مدآمد ہوا! کیا یہ سب کچھ ان کے علم میں نہیں ہے! — یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے دینی عناصر، ہمارے علماء اور دینی جماعتیں ان تمام منکرات سے بے خبر اور ناواقف ہوں جو اس دور میں بڑے پیمانے پر ہمارے معاشرے میں ترویج اور فروغ پا رہے ہیں۔ لیکن ایک مصلحت ہے، ایک اندیشہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر موجودہ REGIME ہٹ گئی جس کا سربراہ بذات خود نماز اور روزے کا پابند ہے۔ اپنی ذات کے لحاظ سے پرہیزگار ہے۔ اسلام کے نافذ کرنے کی کوششوں کا مددگار ہے۔ اگر موجودہ REGIME ہٹ گئی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا گروہ مسلط ہو جائے جو شاید ہماری ڈڑھیاں بھی منڈوا دے۔ ہمارے دینی مدارس کی تالا بندی کرانے۔ اس سے تو بہر حال موجودہ گروہ بہتر ہے۔ یہ اُھوُنْ اُنْبِیَّتِیْنِ کا فلسفہ ہے جو موجودہ حکومت کے لیے سہارے کا موجب بن گیا ہے۔ لیکن میں ایک دوسرا خطرہ محسوس کر رہا ہوں وہ یہ کہ یہ صورت حال ہمارے عوام و خواص کو دین سے بالکل بدگن اور یائوس کر دے گی پھر یہاں دین کا نام لینا محال ہو جائے گا۔ حقیقت اور غیرت دین کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ رجال دین کو اپنے آپ کو اس عمل اور کام سے علی الاعلان بالکل علیحدہ کر لیتا چلیے۔ وہ عوام کو آگاہ کر دیں کہ اس PROCESS کے ساتھ ہماری تائید شامل نہیں ہے میں یہ واضح

طوری پر عرض کرتے ہوں کہ اسلام کی ترویج و نفاذ اور اس کی ترویجات والا معاملہ نہیں ہے۔ اسلام کی ترویجات تو یہ ہیں کہ اسلام کوئی لائق اور اخلاص کے ساتھ نافذ کرنا ہے تو پہلے اُسے مگر کے نظام میں نافذ کرو۔ اس کے بعد دوسری باتوں کی باری آئے گی۔ اسلام کی ترویجات میں یہ مقدم ہے۔ پھر اسلام کی ترویجات میں اقامتِ صلوة مقدم تھی اور زکوٰۃ کا نظام مؤخر تھا۔ چیلئے زکوٰۃ کا نظام پیسے لایا گیا، اس کو تاہی کو اگر CONDONE کر دیں تو وہ جس شکل میں لایا گیا اُسے میں بیان کر چکا ہوں۔ زکوٰۃ کا نظام جس کے متعلق ہم کہتے رہے ہیں کہ تمام معاشی مشکلات کا حل ہے۔ جو معاشرے میں غیر معمولی معاشی خرق و تفاوت کو دور کرنے والا نظام ہے۔ یہی زکوٰۃ ہمارے اقتصادِ دی نظام کا سب سے بڑا ستون ہے۔ لیکن اس کا ہمارے معاشرے میں عملاً جو نتیجہ پیدا ہوا ہے وہ آخر کون سی آنکھ سے جوائے نہیں دیکھ رہی! کون سا احساس انسان ہے جو اُسے محسوس نہیں کر رہا! تو یہ صورت حال نظامِ زکوٰۃ سے سے بننے کرنے والی ہے۔ زکوٰۃ کی برکات کی قائل کرنے والی تو نہیں ہے۔

میں اس ضمن میں ایک اور بات بھی کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اس سلسلہ میں بہت عرصے تک میرے ذہن میں اشکال رہا کہ آخر وجہ کیا ہے! جب کہ ایک بات ہر وقت کہہ بھی دی گئی۔ آخر صدر صاحب کو مجھ سے کوئی حُسنِ ظن تھا کہ انہوں نے پہلی علامہ کنونشن کے انعقاد سے دو روز قبل مجھے ایک خصوصی اجلاس میں بلایا تھا۔ جس میں، میں نے اور باتوں کے ساتھ زکوٰۃ آرڈیننس کے متعلق بات بھی کہی تھی۔ یہ ۱۸ اگست ۱۹۸۸ء کا واقعہ ہے۔ اسی اجلاس میں، میں نے اللہ کا واسطہ دے کر یہ عرض کیا تھا کہ آپ زکوٰۃ آرڈیننس پورے کا پورا واپس لے لیں۔ اس میں کوئی ہرج نہج نہیں ہے۔ زکوٰۃ لوگوں کو اپنے اپنے طور پر ادا کرنے دیجئے۔ جن کو زکوٰۃ دینی ہوتی ہے، وہ اب بھی دے رہے ہیں۔ لیکن آپ اس میں یہ ترمیم نہ کیجئے گا کہ اہل تشیع کے بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔ اور حُران سے اجتماعی طور پر عشر وصول کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ جو لوگ زکوٰۃ اس وقت بھی اپنے طور پر بھی ادا نہیں کرتے، وہ تشیع ہونے کا ایک DECLARATION داخل کریں گے۔ اور خود کو مستثنیٰ کر لیں گے اس طرح کم علم اور دین سے صحیح طور پر واقفیت نہ رکھنے والے سنیتوں کے شیعہ بننے کا دروازہ کھل جائے گا۔ جس کا نتیجہ بہت خطرناک نکلے گا۔“ میں سوچتا رہا کہ اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ آرڈیننس میں ترمیم کی گئی اور یہ عمل جاری ہے!

اگر بتایا نہ گیا ہوتا، ایک اندیشہ سامنے لایا نہ گیا ہوتا۔ جو بالکل درست ثابت ہوا۔ پھر جو بات اللہ کا واسطہ دے کر دکھی گئی ہوئی کیا اس میں کسی مغالطے کا امکان باقی تھا! کیا اپنے جوش کے اندر کسی حقیقت کو نظر انداز کر دینے کا امکان تھا! لیکن یہ بات اس انداز میں ان کے سامنے آگئی۔ پھر بھی ترمیم ہوئی۔ اہل تشیع مستثنیٰ کئے گئے اور یہ عمل جاری ہے۔ یہ عقدہ کھلا جب کراچی سے صدر صاحب سے منسوب ایک خبر شائع ہوئی جس میں ان کے متقبل کے سیاسی عزائم کی نشان دہی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ جو سارے نظام اور اقدام ہیں درحقیقت ان کی پشت پر اپنا ایک سیاسی FACE اور IMAGE بنانا ہے۔

انہوں نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں ”شوری“ کے دوسرے اجلاس کی اپنی انتہائی تقریر میں فرمائی تھی کہ ”یہ شوری کا قیام سیاسی عمل کا آغاز ہے! اس طرح ”شوری“ اقتدار میں شریک ہو گئی ہے۔“ اسی تقریر کے بعد میں نے ”شوری“ سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے اسی اجلاس کے دوران صدر صاحب سے ملاقات کا وقت کا وقت مانگا تھا مجھے اُس وقت تو ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ ۵ مئی ۱۹۷۷ء کو مجھے لاہور میں گورنمنٹ ہاؤس میں یہ موقع پیش آیا جس میں، میں نے اپنا استعفیٰ بھی صدر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اور چند ضروری معروضات بھی زبانی پیش کیں۔ جن کا تذکرہ میں کر چکا ہوں۔

میں نے اس موقع پر یہ بھی عرض کیا تھا کہ میں ”شوری“ میں گیا تھا اُسے واقعی شوری سمجھ کر میں جب مسجد کے ممبر پر کھڑے ہو کر مشورے دیتا رہتا ہوں اور جب صدر صاحب ایک جگہ میں میرے سامنے تشریف فرما تھے تو میں نے چند مشورے اُن کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس لیے کہ وہ صدر مملکت ہیں۔ یہ نظام صحیح ہے یا غلط۔ اس سے قطع نظر DE FACTO تو موجود ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ”آپ نے مشورے کے لیے شوری قائم کی، مجھے بھی اس میں نامزد کیا تو مشورہ مانگنے والے کو دیانت سے مشورہ دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اسی لیے میں نے اُسے قبول کر لیا تھا۔“ لیکن اب آپ اسے سیاسی عمل اور اقتدار میں شرکت قرار دے رہے ہیں اور اسے یہ رنگ دے رہے ہیں کہ ”شوری“ کے ارکان میرے POLITICAL ALLIES ہیں۔ سیاسی عمل میں میرے اتحادی اور حلیف ہیں۔“ تو میں نے صاف عرض کر دیا تھا کہ میں یہ پولیٹیشن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ بات میں نے صراحت کے ساتھ اپنے استعفیٰ میں بھی تحریر

کردی تھی۔

دنیا کو میرا یہ DECLARE موقف معلوم ہے کہ میں انتہائی سیاست،
 نوع کی اقتدار میں شرکت کو اس نہج اور نقشے کے خلاف سمجھتا ہوں جو میرے پیش نظر
 میں جو کام کر رہا ہوں اس کا جابجائی اور تہیدی مرحلہ ہے وہ قرآن مجید کی دعوت اور
 کو پھیلانا ہے۔ اس کا فکر، اس کی حکمت، اس کا فلسفہ اتنا عام کر دیا جائے کہ
 کے دلوں میں یقین والا ایمان پیدا بھی ہو جائے اور راسخ بھی ہو جائے۔ پھر اس دعوت
 کے نتیجہ میں جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت وجود میں آجائے جو جہاد فی سبیل اللہ کے تام
 طے کر کے دین کو نافذ کر سکے۔ تو میرے پیش نظر اصل کام یہ ہے۔ وقت کے سیاسی
 میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتا۔ یہ راستے میری ضرورت ہے کہ اس ملک میں سیاسی عمل ضرور
 جاری رہنا چاہیے ورنہ حبس پیدا ہو جائے گا۔ یہ جس ملک کے لیے خطرناک ہے۔
 حقیقی سیاسی عمل صحیح طور پر اور صحیح خطوط پر جتنا جلد جاری ہو سکے اتنا ہی ملک
 استحکام اور اس کی بقا کے لیے مفید ہے۔

یہاں ایک نہایت ضروری بات مجھے اور عرض کرنی ہے۔ مجھے عموماً سوال کیا جاتا
 کہ ایک طرف تم کہتے ہو کہ میں انتہا، میں حصہ نہیں لوں گا اور یہ کہ ملک میں انتہائی سیاست
 عمل کے نتیجے میں یہاں صحیح اور مستحکم مکمل اسلامی نظام آنا قریباً ناممکن ہے۔ دو
 طرف تم ملک میں انتہائی سیاسی عمل کے پر زور حامی ہو تو یہ تضاد (TRADITION)
 ہے۔ میں نے اس کی ہمیشہ وضاحت کی ہے کہ یہ دونوں چیزیں بالکل علیحدہ ہیں
 غلط بحث نہ کیجئے۔ اس کی مثال میں یہ دیتا رہا ہوں کہ ایک بے انسان کا زندہ
 ایک بے اس کا مسلمان بننا۔ یہ دونوں چیزیں علیحدہ ہیں۔ زندہ رہنے کی ضرورت
 کیا ہیں اگر اُسے ہولٹے، پالٹے، کھانے کو قذا طے۔ اس میں سے کوئی چیز بھی اگر
 نہیں ملے گی تو وہ مر جائے گا۔ مسلمان ہونے کے لیے اُسے ایمان چاہیئے۔ اللہ پر ایمان
 رسول پر ایمان، قرآن پر ایمان، اخوت پر ایمان۔ یہ دونوں چیزیں بالکل علیحدہ ہیں
 اگر زندہ رہنے کے لیے ایمان کی بات کہیں شروع کر دیں گے تو وہ غریب مارا
 گا۔ اُسے زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے، اُسے زندہ رہنے کے لیے ہوا
 پانی درکار ہے۔ سب مل جائے گا اور بھوکا بھی رہے گا تو وہ مر جائے گا۔ اسی

سے ایک ملک کی بقا کے لیے اس دور میں جس میں ہم سانس لے رہے ہیں — اگر آج سے دو ہزار سال پہلے کا ملک ہوتا۔ کوئی قبائلی نظام چل رہا ہوتا تو ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جو آج کی دنیا میں معروف بن گئی ہیں — لیکن جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں اس میں اس ملک کی بقا کے لیے۔ اس ملک میں نہ ہونے والوں کا اطمینان — ان کا یہ

احساس کہ ملک کے معاملات میں، اس کے انتظام و انصرام میں ہماری بھی رائے شامل ہے، ہمارا بھی اس میں عمل دخل ہے، ہماری بات بھی سنی جاتی ہے، ہمارے حقوق بھی محفوظ و مامون ہیں — یہ سب کچھ اگر نہیں ہوگا تو جس طرح انسان بغیر ہوا، پانی، غذا ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایسا ملک باقی نہیں رہتا، ختم ہو جاتا ہے یا وہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ حادثہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں رونما ہو بھی چکا ہے۔ یا براہ راست کسی طاقتور ملک کے زیر اثر چلا جاتا ہے۔ اور اسے اپنے خارجی، داخلی، معاشی نظام حتیٰ کہ دفاعی امور میں اس ملک کی بالادستی قبول کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کا اپنا ذاتی وقار اور ذاتی اختیار دھیلے کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ باقی رہا معاملہ یہ کہ ہمیں اپنے اس ملک میں حقیقی اور صحیح اسلامی نظام قائم و نافذ کرنا ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ اس ملک کے رہنے والوں کو حقیقی ایمان کی دولت سے مالا مال کیا جائے۔ اور حقیقی ایمان کا منبع و سرچشمہ ہے قرآن حکیم — لہذا میں اور میرے ساتھی نوابی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں قرآن حکیم کی تعلیمات کو پھیلانے میں لگا رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک یہی واحد ذریعہ اور راستہ اس ملک کو حقیقی اسلام کی طرف لانے کا ہے۔ باقی رہا اس ملک کے استحکام اور بقا کا مسئلہ۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اگر کے لیے سیاسی عمل اور انتخابی عمل کا جاری رہنا ضروری ہے۔ میری اس بات پر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ تضاد آپ کو ہرگز نظر نہیں آئے گا جو بادی النظر اور ظاہر احوال محسوس ہوتا ہے۔

آج جو چند باتیں میں نے عرض کی ہیں — باتیں تو ادھر بھی بہت سی ہیں — یہ ایک طویل داستان ہے۔ آج کی تقریر آپ نے ناقدانہ بھی محسوس کی ہوگی اور اس میں کچھ غلطی بھی — میرا غایت کے اس شعر کے مصداق ہے

رکھیں غائب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف آج پھر دور میرے دل میں سوا ہوتا ہے
 آپ حضرات جانتے ہیں کہ میں اس فزع کی تقاریر سے شعوری طور پر گریز کرتا ہوں لیکن ایک
 تو بہ مات و منکرات کے فروغ کے فوری مشاہدے کا رتزل ہے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے
 کہ یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ وقت جلد یا بدیر آکر رہے گا جب چار و ناچار کسی نہ کسی درجے میں
 سیاسی گہا گہی کی اجازت دے دی جائے گی تو میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ موقف واضح ہو جائے اور
 ریکارڈ پر آجائے کہ اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام کی غیر خواہی نہیں ہے۔ موجودہ ارباب
 اقتدار اس ملک کی بقا کے لئے، اس کے فیر کے لئے، اس کے استحکام کے لئے اپنی صواب دید کے
 مطابق جو کچھ کر رہے ہیں، کریں لیکن اگر اسلام کا نام جس شد و مد کے ساتھ موجودہ —

REGIME کی طرف سے لیا جا رہا ہے تو اسلام کی اپنی ترمیمات ہیں۔ انہیں اس REGIME
 کو تسلیم کرنا ہوگا۔ ان پر خود بھی عمل کرنا ہوگا اور لوگوں سے بھی عمل کرانا ہوگا۔ پھر اسلام نے کس چیز کو
 مقدم رکھا ہے اور کس چیز کو مؤخر۔ اس کو سامنے رکھ کر چلنا ہوگا۔ پھر اس کے عمل کا نکل اسلام لانا ہوگا۔
 اگر جزوی لیبل لگا کر ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ اسلام آگیا ہے، اسلام آگیا ہے جبکہ اس کی عملی برکت
 کا دور دورہ بھی پتہ نہیں تو اس سے شدید اندیشہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کو بہت بڑا نقصان
 پہنچے گا۔ اس ملک کی بقا اور استحکام کے لئے

صرف ایک ہی مثبت اساس و بنیاد ہے اور وہ اسلام ہے اور جب تک بھی اسلام کی آس
 رہے گی تب تک سانس بھی چلتا رہے گا۔ جب تک سانس تب تک آس نہ۔ اسی طرح جب
 تک آس رہتی ہے اس وقت تک سانس بھی چلتا رہتا ہے۔ لیکن اگر خدا نخواستہ یہاں اسلام
 کے نفاذ کی آس بھی ختم ہو گئی اور عوامی سطح پر اسلامی نظام سے مایوسی اور بددلی پیدا ہو گئی تو پھر
 ہماری عاقبت کی بربادی اور تباہی تو ہے ہی۔ اس ملک کی بربادی اور تباہی بھی یقینی
 ہے۔ لہذا میرے اور میری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ واشگاف الفاظ میں یہ اعلان
 کر دیں کہ ہم نہ کسی کے سیاسی حلیف ہیں اور نہ ہم کسی کے سیاسی حریف ہیں۔ جو مل یہاں چل
 رہا ہے یا جلد یا بدیر ختم کھلا چلنے والا ہے تو اس میں ہم کسی نوع کا حصہ نہیں لیں گے۔ البتہ
 ان شرائط کے ساتھ ووٹ دے سکیں گے جن کا ذکر میں کر چکا ہوں۔

اگر لوگوں میں سیاسی شعور ہے تو ایک وقت اُٹے گا کہ وہ اپنے حقوق حاصل کر لیں
 گے۔ لیکن اللہ کے لئے اسلام کے نام کو اس طرح اور اس طریقہ عمل کے ساتھ استعمال نہ کیجیے

بہ اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ وہ روش ہے جو عوام کو اسلامی نظام سے بالکل بدگمان کر دے، بظن کر دے گی، مایوس کر دے گی اور اس سے ان خطروں کے لئے فضا ہموار ہو جائے گی جو ہماری سرحدوں پر منڈلا رہے ہیں۔ ایک طرف سرخ سامراجی سیلاب ہے جو افغانستان، فوج کشی کے نتیجے پر ہماری مغربی سرحدوں میں دہشتہ خیرنگ پہنچ گیا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً تہ ہیں بمباری کر کے چلے جاتے ہیں اور ہم ان کے ناظم الامور کو ہلا کر اپنا ایک احتجاج جبرٹو رادیں اس کے سوا کچھ نہیں کر پار ہے۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی جڑاتیں اور ہیں۔ وہ کیا دیکھ رہے ہیں، ان کے اندازے کیا ہیں اور کس موقع کی تاک میں ہیں، اس امید میں ہیں، یہ معاملہ علیحدہ ہے۔ اسی طرح ہماری ہندوستان سے ملنے والی سرحدوں پر برہمنی سامراج تاک لگائے بیٹھا ہے جس نے ذہناً آج تک پاکستان کا قیام ہی نہیں کیا۔ وہ بھی کن حالات کا منتظر ہے! میں ان بحثوں اور قیاس آرائیوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ پھر ان کا بین الاقوامی سیاسی مسائل اور ہماری خارجہ پالیسی سے تعلق ہے۔ اس پر گفتگو فی ضرورتی ہے۔

دوسرا خطرہ ہے وہ لافا جو اندر ہی اندر پک رہا ہے۔ خاص طور پر سندھ اس کا ست بڑا مرکز ہے۔ میں پہلے بھی کسی موقع پر عرض کر چکا ہوں کہ صوبہ سرحد کا معاملہ اب اتنا غویشناک نہیں رہا ہے۔ بلوچستان کا مسئلہ بھی اس وقت اتنا خدشہ والا اور اتنا نازک نہیں ہے ایک تو اس لئے کہ وہاں کی آبادی بہت کم ہے، دوسرے یہ کہ وہاں ریل کلاس نہیں ہے جو علاقائی تحریکوں سے متاثر ہوتی ہے اور اس میں فعال کردار ادا کرتی ہے۔ وہاں یا تو بہت غریب لوگ ہیں یا اونچے اونچے قبائلی سردار ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہاں سرداروں کا اثر کچھ کم ہو گیا ہے جو تھے یہ کہ سابقہ حکومت کے دور میں بلوچستان میں ترقیات کا جو عمل شروع ہوا تھا، موجودہ حکومت کے دور میں بہت اگے بڑھ رہا ہے کام ہوا۔ وہاں پر سماجی بہبود کا کام، معاشی اصلاحات کا کام۔ وہاں ترقیاتی سکیموں پر مناسب منصوبہ بندی اور توجہ کے ساتھ کام ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے ہاں ایک ٹیم آدمی کے لئے روزگار کی فراہمی کا میدان کافی وسیع ہو گیا ہے۔ اس میں بیشتر راد معروف ہو گئے ہیں لہذا وہاں پہاڑوں پر چڑھنے کا اب اندیشہ نہیں ہے۔ اس بہت سا کہ یڈٹ موجودہ حکومت (REGIME) کو جاتا ہے، جس کی ہمیں تحسین

کرنی چاہئے۔ دہاں اگر کوئی خطرو ہے تو وہ باہر سے ہے۔ اندر سے نہیں ہے۔ میں متنبی بھی دہاں گیا ہوں یہ اطمینان لے کر آیا ہوں۔ لیکن میں واضح طور پر آگاہ اور خبردار کرنا اپنا قومی فریضہ سمجھتا ہوں کہ سندھ اس وقت ایک بہت بڑا آتش فشاں بنا ہوا۔ ایک مرتبہ وہ کسی حد تک پھٹ کر سامنے آچکا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اس قدر معاملہ لوٹر سندھ تک محدود رہا تھا۔ اگر سندھ تک وہ نہیں آیا تھا۔ اب اگر خدا نخواستہ اگر سندھ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو بہت خطرناک اور خوفناک صورت بن سکتا ہے۔ لوٹر سندھ میں ہماری لائف لائن سرحد کے قریب نہیں ہے۔ یہ اگر سندھ ہے تو میں وہ لائف لائن بھارت کی سرحد کے بہت قریب ہے۔ امداد گاہنڈی بھارت میں؟ اقدامات کر رہی ہے اور جس تیزی سے اُمرت کی طرف جا رہی ہے اس کے عزائم کو سامنے رکھئے تو یہ خارجی خطرات ہیں جو ہماری سرحدوں پر منڈلا رہے ہیں۔ ایسی نازک صورتحال میں اگر کوئی داخلی دھماکہ ہو گیا تو اس کے نتائج بڑے خوفناک نکلنے کے اندیشوں سے اُپھٹا ممکن نہیں ہے۔ پھر ساتھ ہی یہاں کے عوام بھی نام نہاد اسلامی نظام سے مایوس اور بے ہوش ہوں اور وہ حوصلہ دار نہیں تو کتنی تباہ کن صورت حال سے سابقہ پیش آ سکتا ہے اس کا تصور کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ لیکن شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپا لینے سے صحرا میں طوفان ٹل نہیں ملتے۔ ہاں اگر یہاں عوام میں کوئی مضبوط تحریک مزاحمت ہو سکتی ہے اور پروان چڑھ سکتی ہے تو وہ اسلام کے نام پر ہو سکتی ہے۔ اگر ہم نے اپنے عوام کو اسلام سے بظن کر کے بد دل اور مایوس کر کے اس کی بنیاد بھی ختم کر دی تو ہمارے پاس بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جائے گا اور اس کا غالب امکان موجود ہے کہ خطرناک اور خوفناک نتائج کا بھور ہو جائے۔

میں نے یہ باتیں کہی ہیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ میرے پیش نظر نہ کسی کی شخوہ نہ نفرت اور نہ کسی کے ساتھ شخصی یا جماعتی عیاف ہونے کا کوئی تعلق ہے۔ میرے سامنے وہ حدیث نبوی ہے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ: "أَلَيْسَ بَيْنَ النَّاصِبِ وَالْمُغْتَابِ سَلَامٌ؟" تمہاری دینی ذمہ داری ہے۔ وفاداری اور خیر خواہی ہے۔ نصیح کہتے ہیں خلوص کو کوئی چیز غامض ہو گئی تو اس کے متعلق کہیں گے کہ یہ نصیح کا معاملہ ہے۔ نصیح کی کیفیت ہے۔ فرمایا: "أَلَيْسَ أَلْبَصِيحَةً تَوْفِيعٌ" یعنی خلوص کسی بڑی شخصیت کے ساتھ ہو گا تو اسے وفاداری کہیں۔

برابر کے لوگوں کے ساتھ ہوگا تو اسے خیر خواہی کہیں گے تو لفظ نصیحت کے دو مفاہیم ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: **الدِّينُ الْمُنْصِيحَةُ**۔ "دین نام ہے وفاداری کا اور خیر خواہی کا۔ قِيلَ لَيْعَنَ يَا رَسُولَ اللَّهِ"۔ حضورؐ سے دریافت کیا گیا، کس کی وفاداری؟ کس کے خیر خواہی؟ "نبی اکرمؐ نے فرمایا: **وَاللَّهِ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ**۔ یہ تو ہماری وہ تین عظیم حقیقتیں ہیں، جن کے ساتھ ہمارا تعلق وفاداری کا ہے۔" فاطمیؑ اللہ کے ساتھ وفاداری اس کی کتاب کے ساتھ، وفاداری اس کے رسولؐ کے ساتھ آگے فرمایا: **وَالْإِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَبِعَا مَتَجَعُوْا** اور خیر خواہی کا تعلق مسلمانوں کے اماموں کے ساتھ جو بھی آگے چلنے والے ہیں جو بھی اولوالاسر ہیں، جن کے ہاتھ میں بھی زمام کار ہے، جو کسی وقت قوموں کی قسمتوں کے امین بن جاتے ہیں جو قوموں کے رخ کو متعین کرنے والے ہیں، ان کی بھی خیر خواہی، ان کے ساتھ بھی بھلائی چاہنے کا ایک تعلق۔ ان کو بھی صحیح بات بروقت بتاؤ، کوئی ذاتی غرض نہ ہو، کوئی ذاتی عداوت نہ ہو جو تم کو حق سے منحرف کر دے بلکہ حق بات کہو۔ جس کے لئے میں نے دوسری حدیث بھی سنائی تھی جس میں حضرت سجادہ بن سامٹؓ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بھی بیعت کی تھی کہ **ان نقول بالحق** "ہم حق کہتے رہیں گے" **اين ما كنا**۔ "جہاں کہیں اور جس حال میں بھی ہم ہوں" **لا نغاف لومتا لاسو** "اور اللہ کے معاملے میں ہمیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ کوئی خوف ہوگا نہ اندیشہ ہوگا۔" تو یہ خیر خواہی ایڈروں کے ساتھ بھی، حکمرانوں کے ساتھ بھی اور عامۃ الناس کے ساتھ بھی ہماری دینی ذمہ داری ہے۔ اس **الدین المنصیحتہ** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ نصاب کا حکم دیا۔ جن میں سے پہلی تین کا تعلق اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ سے وفاداری کے ساتھ ہے اور بعد کی دو کا تعلق مسلمانوں کے اللہ اور عامۃ الناس کی خیر خواہی کے ساتھ ہے۔

آخری ایک بات میں اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے آغاز میں سورہ حج کی تین آیات کی تلاوت کی تھی، اس میں آخری آیت یہ تھی:

اَلَّذِيْنَ اِنْ تَكُنْهُمْ فِيْ الْاَرْضِ مِنْ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا
الزَّكٰوٰةَ وَامْرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللّٰهُ

عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

”یہ (اہل ایمان)، وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ غارت خانہ بن گئے۔ زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا کم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے اور انجام دے گئے۔“

کے طور پر تمام معاملات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔“

اس آیت کا اقامتِ سلوٰۃ کے نظام کے ساتھ سرکاری طور پر بہت چرچا کافی شہور ہے۔ اس کا جو رخ میرے سامنے ہے وہ دورانِ تقریر میں نے آپ سے سامنے رکھ دیا۔ سوال یہ ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر کیوں ہے؟ اس کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف سے صرف اعراض ہی نہیں، اس کے برعکس کیوں ہے؟ ایسا آخر کیوں ہے؟ جبکہ ہمیں سیرتِ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معلوم ہے کہ جب مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مدینہ منورہ میں تنگنِ عطا فرمایا تھا تو یہی دن سے سیدھی منزل کی طرف پیش قدمی ہوتی چلی گئی تھی۔ اَقَامُوا الصَّلٰوۃ سے پہلا کام یہی کیا ہے اگر قبائلی چند دن قیام فرمایا ہے تو مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ جب یہ منورہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع کیا ہے اقامتِ سلوٰۃ اقامتِ جمعہ کا نظام حضور نے قائم کیا ہے۔ پھر ایٹائے زکوٰۃ کی

اَلِیٰ تَوْبَہِ کام یہاں پر اسی ترتیب کے ساتھ IN THE RIGHT EARNST کیوں نہیں ہو رہا۔ یہ ترجیحات میں تغیر و تبدل کیوں ہے؟ صرف سطح پر اور ظاہری پر کوئی کام کر کے اصل حقیقت کو نہ بدلنا یہ طرزِ عمل کیوں ہے؟ تو اس کا جواب اسی آیت مبارکہ سے ملتا ہے۔ میں اسے آپ کے ساتھ صحابہؓ کو کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ وہ تھے جو سخت ترین مصیبتیں جیل کر، مصائب برداشت کر کے، آزمائش کی بھٹیوں سے گزر کر، جان اور مال کی قربانیاں دے کر سخت حکومت پر آئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنہوں نے طاغوت کی گلیوں میں اپنے جسم اطہر پر پتھر ڈھیلایا جنہوں نے شعب ابی اثیم میں ٹبریں تک محصور رہ کر شدید فقر و فاقہ کی تکلیف برداشت کی تھی۔ یہ وہ صحابہ کرام ہیں جو دھکتے ہوئے انگاروں پر ٹائے گئے تھے۔ ان بھٹیوں

سے گزر کر جو لوگ آئے ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو ممکن فی الارض عطا کرنے اور پھر وہ سلام نافذ کریں تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کوئی شخص یا کوئی گروہ اپنی تمام مراعات کے ساتھ مسند اقتدار پر جا نکم، حالات سے فائدہ اٹھا کر متمکن ہو جاتے اور تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں آ جاتیں تو یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق اس آیت مبارکہ میں فرمایا جا رہا ہے: **الَّذِينَ اِنْ مَكَثْتُمْ فِي الْاَرْضِ**۔ یہ الفاظ آئے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے لئے۔ اسی لئے اس سے پہلے فرمایا: **اِذَنْ لِّلَّذِيْنَ يَشْتَلُوْنَ بِاَمْوَالِهِمْ**۔ ان پر ظلم کے بہارے توڑے گئے تھے، ان کو جو رستم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ پھر ان لوگوں کے متعلق اگلی آیت میں فرمایا: **الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ**۔ **يَعْنُوْنَ** **حَتّٰى اَلَا اَنْ يَّتَوَلَّوْا رَبَّنَا اللّٰهُ**۔ یہ وہ لوگ تھے جو ناحق اپنے گھروں سے بے دخل کر دیئے گئے تھے اور جو اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو صرف اللہ کے دین کے لئے چھوڑ کر آئے تھے۔ جنہوں نے دین کے لئے مصائب جھیلے تھے۔ پس اگر کوئی گروہ کوئی جماعت ان شدید مصائب کی بھٹیوں سے گزر کر، آزمائشوں کے لاڈ میں سے گزر کر آئے تو پھر یقیناً اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ پھر وہ دا بنے اور با بنے نہیں دیکھے گا۔ پھر وہ مصلحتوں کو نہیں دیکھے گا۔ پھر وہ ان اندیشوں میں مبتلا نہیں ہوگا کہ یہ کس دن کا تودہ ہو جائے گا اور وہ کس دن کا تو یہ ہو جائے گا۔ اس اقدام سے وہ ناراض ہو جائے گا اور اس سے یہ ناراض ہو جائے گا۔ اور مجھے تو بہر حال سب کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اس پاکیزہ ماحول کی چیزوں کو اس بگڑے ہوئے ماحول پر **وَاللّٰهُمَّ** کر دینا، منطق کر دینا درحقیقت دین حق کو بدنام کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور آپ کو اور موجودہ حکومت کو بچائے۔

أَقُولُ تَوَلَّى هَذَا اسْتَفْضَى اللّٰهُ لِيْ وَلِكُمْ وَلِشَأْنِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک کامل، مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جویلی ہاؤس لاہور

ٹیل روڈ سوہا بازار



۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

۳۰۴۳۳۳ — ۳۱۱۴۴۰

پروپرائیٹر اے وحید

اسلام میں عملی زندگی

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

آخری قسط — — — ملک محمد اقبال دہلوی

مزدور | حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدی ادا کر دو۔ (مشکوٰۃ)

مالِ حرام | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص حرام مال کمائے پھر اس میں سے صدقہ و خیرات دے اور وہ قبول کر لیا جائے۔ اس کا حرام مال اس کے لیے جہنم کے سامان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ)

مالِ حرام کا مال | حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گزشتہ نے حرام سے پرورش پائی ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسند احمد)

احتکار | حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احتکار کرنے والا (مال کو گراں قیمت پر بیچنے کے لیے روک رکھنا) خدا کی لعنت کا مستحق ہے۔ (ابن ماجہ)

مندیب | حضرت داؤدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی عیب دار چیز فروخت کرتا ہے اور اس کا عیب بیان نہیں کرتا وہ اللہ کے غضب اور فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ (ابن ماجہ)

یوی | حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا ساری کی ساری متاع (فائدہ اٹھانے کا سامان) ہے۔

اور دنیا کی بہترین شمع نیک کردار بیوی ہے۔ (مسلم)
 حضرت حکیم بن معاذ یہ روایت اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ”میں نے سرفراز
 یا رسول اللہؐ شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟“ آپؐ نے فرمایا جب کھانے اور
 جب کھانے اس کو پہنا۔ اس کے منہ پر نہ مارو۔ اس کو بڑا نہ کہو۔ (ابن ماجہ)
 حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ (فعلی) نہ رکھے۔“ (ابوداؤد)

حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ج
 اس حال میں وفات پائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت
 داخل ہوگی۔“ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 عورت پانچ روز کی نماز پڑھے۔ رمضان کے روزے رکھے۔ اپنی عصمت کی حفاظت
 کرے۔ اپنے شوہر کی اطاعت کرے اس کو اختیار ہے کہ جنت کے جس دروازے
 سے چاہے داخل ہو جاوے۔“ (ابونعیم)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اعزہ و اقرباء | جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ر
 میں برکت اور وسعت اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیئے کہ
 رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔“ (بخاری)

حضرت جابر بن سمورؓ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی
اولاد | علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کا اپنی اولاد کا ادب کی ایک بات
 ایک صاع غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے۔“ (ترمذی)

باب آخر

حضرت تمیم دارمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ
خلاصہ دین و ایمان | علیہ وسلم نے فرمایا: دین نام ہے خلوص و وفاداری
 ہم نے عرض کیا کس کے ساتھ فرمایا۔ اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ

زل کے امراء و حکام کے ساتھ۔ اور عام مسلمانوں کے ساتھ: (مسلم)

نا ہدۃ نفس | حضرت فضالہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نفیس کی خواہشات سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں مافرائی ترک کر دے: (مشکوٰۃ)

لمتِ علم | حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے، جس میں سے ادنیٰ آدمی پر فضیلت رکھتا ہوں۔" (ترمذی)

برہنہ رنگ و عزت | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے نام سب میں سے صاحب عزت وہ ہے جو تم میں سے متقی اور بہرہیز گار ہے۔
ن کا معیار تقویٰ اور بہرہیز گاری ہے: (بخاری و مسلم)

ما (بہرہیز گاری) | حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ سے قریب تر وہ ہے جو متقی ہیں خواہ وہ کوئی ہوں اور کسی جگہ کے ہوں: (مسند احمد)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر وہ نفل نماز روزے کا درود و وظائف میں لگا رہتا ہے۔ ایک اور آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ بہرہیز گار ہے۔ آپؐ نے فرمایا نفل عبادات میں لگا رہنا بہرہیز گاری کے برابر نہیں جاسکتا: (مشکوٰۃ)

منہ سے معقل | حضرت قتادہ بن اسودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دانش مند اور دُور وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ اور موت کے بعد کیلئے عمل کرے۔ اور زنا تو ان وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلے اور اللہ سے بڑی بڑی امیدیں
: (ترمذی)

حرام و حلال

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ "نعمان بن قوسلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے، جب میں مسرے نمازیں ادا کر لوں اور حرام کو حرام سمجھوں اور حلال کو حلال۔ تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔" (مسلم)

نیکی و بدی

حضرت والید بن معبدؓ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: کیا توبہ پوچھنے کے لیے آیا ہے کہ نیکی کیلئے اور

گناہ کیا۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنے ضمیر سے پوچھو۔ اپنے دل سے پوچھو۔ نیکی وہ ہے جس سے نفس کو اطمینان حاصل ہو اور دل کو سکون نصیب ہو، اور گناہ وہ ہے جو نفس میں اضطراب اور دل میں تردد پیدا کرے۔ اگرچہ لوگ اُس کے جواز کا فتویٰ دیں۔"

(مسند احمد)

بہترین لوگ

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ

ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔" (ابن ماجہ)

دوستی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے،

پس اُس کو دوست بناتے وقت خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اپنا دوست کس کو بناتا ہے۔"

حضرت علیؓ نقلیٰ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: معصیت و گناہ میں کسی کی اطاعت

مشروط اطاعت

نہیں ہے۔ اطاعت صرف نیک امور میں ہے۔" (بخاری و مسلم)

ام بالمعروف

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی جنت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے

قبضہ میں میری جان ہے تم لازماً نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے منع کرو۔ ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کا

عذاب نازل ہوگا۔ پھر تم اُسے پکارو گے لیکن شتوائی نہ ہوگی۔" (ترمذی)

حضرت ہبیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر

دنیا کی قیمت

نیت پھٹ کر نہ کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کا منہ کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔
(مسند احمد)

حضرت مسثور بن شداد رضی سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم
دنیا کی حقیقت آخرت کے سامنے اتنی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر
میں ڈبوئے۔ پھر اُسے دیکھنا چاہیے کہ کتنا پانی اُس کی انگلی میں لگ کر آتا ہے۔ (مشکوٰۃ)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سافر | نے میرے دونوں شانوں کو پکڑ کر منہ دیا، دنیا میں تم ایسے رہو جیسے تم
پر دیسی ہو یا راہ چلتے سافر۔ (مسلم)

حضرت عمر بن عوف رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تم پر افلاس و ناداری
سے نہیں ڈرتا۔ میں جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے۔
جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی اور پھر تم اسی طرح اُس کو چاہنے لگو جس طرح
تم سے پہلے لوگوں نے چاہا تھا۔ اور پھر وہ تم کو برباد و ہلاک کر دے جس طرح اُس نے تم سے
پہلوں کو برباد کیا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ
کرتا ہے تو اُسے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان کو جو تکلیف پہنچتی ہے، خواہ وہ
از قسَم بیماری ہو یا رنج و غم ہو حتیٰ کہ اُسے ایک کاٹا بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلہ میں
اُس کی خطائیں معاف کرتا ہے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بدعت | نے فرمایا، جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پیدا کی جو نئی ہے،

(اور جس کی کوئی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے) وہ بدعت ہے اور بدعت مگر ای ہے اور مگر ای کا ختم جہنم ہے۔" (بخاری)

خوف خدا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے خوف و ہیبت سے جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم ہوں پھر وہ آنسو بہہ کر اُس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اُس چہرہ کو آتش و دوزخ کے لیے حرام کر دے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سبب سے لوگ زیادہ تر جنت میں داخل ہوں گے۔ فرمایا خدا کا خوف اور حسنِ اخلاق، پوچھا گیا۔ کس سبب لوگ زیادہ تر دوزخ میں جائیں گے، آپ نے فرمایا، حرام خوری اور بکارتی۔

ذکر الہی

حضرت ابوذر غفاری رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہتر اور بہتر ہے ملک کے نزدیک زیادہ پاکیزہ اور درجات کو بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی بہتر اور جہاد جس میں غم دشمنوں کو مار داور وہ غم کو ماریں، اس سے بھی بڑھی ہوئی حمد صحابہ رضی نے عرض کیا۔ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے۔" (ابن ماجہ)

توبہ

حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔" (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے گویا اُس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت ہے۔" (مشکوٰۃ)

دعاء

حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت اُس کی دعا قبول فرمائے اُسے

چاہیے کہ اپنی آسائش اور خوشحالی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے :- (مشکوٰۃ)

جامع ہدایات :

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔ جو چیزیں اللہ نے حوام قلمدادی ہیں ان سے بچو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اللہ نے جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی و مطمئن ہو جاؤ۔ تو تم بے نیاز بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو تم مومن کا مل بن جاؤ گے۔ جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو تو تم مسلم کا مل بن جاؤ گے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ تم نہ ہنسنا کرو۔ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ کر دیتا ہے :- (مسند احمد)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار باتیں ایسی ہیں اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ امانت میں مخالفت، راست گفتاری، حسن اخلاق اور ذریعہ معاش میں احتیاط و پرہیزگاری :- (مسند احمد)

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جو باعثِ نجات ہیں۔ ایک خدا کا خوف، خلوت و جلوت میں، دوسرے سچے بات کہنا خوشی و ناخوشی میں، تیسرے اعتدال و میانہ روی خوشحالی اور تنگ دستی میں :-
 دشعب الایمان :-



وہ کتابِ حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احتسابِ ام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

وَأَنْزَلْنَا الْحَائِدَ
فِي جَانِبِ شَلَالٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحج ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے
اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ^ط

۳۲ - ایمپرسس روڈ - لاہور

مریم اسلامی کا حالیہ دورہ شمالی امریکہ

☆ از قلم: ڈاکٹر عبدالرحمد — ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی

گذشتہ جولائی میں امیر تنظیم اسلامی برادر گرامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے شمالی امریکہ کے دعوتی میں مجھے بھی شریک سفر ہونے کا موقع ملا۔ چونکہ پنجاب یونیورسٹی میں جس کے شعبہ فلسفہ سے میں تعلق ہوں، اس لیے تعطیلات تھیں اس لیے چھٹی وغیرہ کا مسئلہ درپیش نہ تھا۔ بیرون ملک سفر کی اجازت یونیورسٹی مانیہ نے آسانی سے دے دی۔ مجھے پچھلے سال بھی شکاگو کی ایسٹ ویسٹ یونیورسٹی کی طرف سے گرامی نائے کے دوران دہاں آنے کی دعوت ملی تھی لیکن بعض گھریلو مصروفیات کی وجہ سے پر وگرام نہ بن سکا۔ اب اس مرتبہ اس پر وگرام کو فریضت جاتے ہوئے میں اور ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب (فیلولو قرآن اکیڈمی) صاحب کے ساتھ بیرون ملک سفر پر گئے۔ میں امریکہ چونکہ اب تک نہیں گیا تھا اس لیے ایک تنظیم ملک باطنی خواہش نے بھی اس سفر پر آمادہ کیا۔ ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی کہ امریکہ اور کینیڈا کے مختلف ممالک میں ہونے والے اسلامی دعوتی کاموں کو قریب سے دیکھوں۔

ہمارا پر وگرام ۵، ۶ اور ۷ جولائی کی درمیانی شب کو ساڑھے نو بجے یڈربرگ ہوائی جہاز لاہور سے چمپنے کا تھا۔ لیکن ۵ جولائی کی سہ پہر کو مسجد اہل حیکم ایک ہوائی جہاز اغوا کر کے لاہور ائروپورٹ آئے تھے۔ چنانچہ ہنگامی وجوہات کی بنا پر وقتی طور پر لاہور ائروپورٹ بند کر دیا گیا اور ہماری فلائٹ روک دی گئی۔ لیکن چونکہ ہمیں کسی وقت بھی پرواز کے لئے ائروپورٹ چمپنے کی اطلاع مل سکتی تھی اس لئے دن وغیرہ کے ساتھ تیار قرآن اکیڈمی میں شب بیداری اور اشعار کی کیفیت سے دوچار رہے۔ اگر کے رات کے دو بجے کراچی کے لئے پرواز کی اطلاع ملی۔ چنانچہ ہم ائروپورٹ پر پہنچے لیکن جہاز شدہ وقت سے بھی دو اڑھائی گھنٹے تاخیر سے روانہ ہوا۔ جب ہم کراچی پہنچے تو دہاں دن خوب چکا تھا۔ ائروپورٹ سے ہمیں لینے کے لئے رفعتہ تنظیم موجود تھے۔ مدد خانم آباد میں محترم مستحقہ مادر دناش امیر تنظیم برائے بیرون ملک کے ہاں پہنچ کر نہائے اور چائے وغیرہ پی۔ چونکہ اہل جمعۃ المبارک کا دن تھا اور ڈاکٹر صاحب کا جامع مسجد العنفا، شریف آباد میں جمعہ کا خطاب یا تھا۔ اس لئے ہم سب وقت معینہ پر مسجد پہنچ گئے۔ مسجد میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو سننے کے بعد تعداد میں لوگ آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے جمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد دو دعا پڑھیں۔ اسی رات

کو دیکھ کر غصہ سے ہمیں نیویارک کے لئے روانہ ہوتا تھا لہذا حفظ و امان کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔
 ہوسٹے ہم روانہ ہو گئے۔ جہائی جہاز کا پہلا شاپ قابو تھا۔ جہاں ہم نے جہاز سے اتر کر جہاز کے بالکل
 قریب باجماعت نماز فجر ادا کی۔ نماز میں جہاز سے سیکڑوں مسلمان ہم سفر مسافروں میں سے صرف چار پانچ
 حضرات شامل ہوئے۔ قاہرہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ جہاز میں خرابی کے باعث وہاں سے روانگی میں تاخیر
 ہو گئی۔ چار گھنٹے ہم نے مسلسل جہاز کے کببن میں ٹھہرا رہے۔ چونکہ مسافرؤں کو ائیر پورٹ کی لاؤنج میں
 سیکورٹی گارڈز کی جانب سے اجازت نہ دی گئی۔ معلوم نہ ہو سکا کہ قاہرہ ائیر پورٹ کا عملہ سیکورٹی کے
 معاملے میں ایک مسلمان ملک کی ائیر لائن کے ساتھ اتنا سخت رویہ کیوں اختیار کئے رہا؟

قاہرہ کے بعد جہاز فرانکفرٹ اور پھر برس رکا۔ پیرس پر اترنے سے قبل جہاز خاصی ٹیچی پرواز
 کرتے ہوئے پیرس کے وسط سے گزرا اور اس طرح چودہ بندہ سال قبل وہاں کی سیر کے دوران
 دیکھے ہوئے اہم مقامات پر دوبارہ نظر ڈالنے کا موقع ملا۔ مثلاً دریائے سین (Seine) اور اس
 کے متعدد خوبصورت پل۔ سیکریر اور نوٹسے ڈیم کے کلیسا، آزادی کی آرج ادا ایل ٹاور وغیرہ
 پیرس سے پروانہ پر ہمارے نیویارک کے سفر کا طویل ترین حصہ شروع ہوا۔ یعنی بحیرہ اوقیانوس کے
 اوپر پروانہ۔ سات گھنٹوں کی طویل پرواز کے بعد جہاز نیویارک کی کینیڈی ائیر پورٹ پر اتر گیا۔ ویسے
 تو پورا نیویارک سمندر کے تین کنارے جزیرے کی صورت میں ہے۔ لیکن بالخصوص کینیڈی ائیر پورٹ
 پر اترتے ہوئے ایسے محسوس ہوا کہ گویا ہم بالکل سمندر میں کسی خشکی کی چٹی پر اتر رہے ہیں۔

نیویارک میں پانچ دن قیام جیسا ہلز (کوئٹنز) کے علاقے میں جناب الطاف احمد صاحب کے
 ہاں رہا۔ الطاف صاحب نہایت شریف الطبع، نیک اور دینی جذبہ رکھنے والے ساتھی ہیں۔ آپ
 کا تعلق حیدر آباد دکن سے ہے اور نیویارک میں ایک ٹریڈل ایجنسی کا کاروبار ہے۔ الطاف صاحب
 ہمیں نیویارک پہنچنے کے دوسرے دن ایک نواحی جزیرے (سٹرائٹ آئی لینڈ) لے گئے۔ جہاں
 ایک صاحب کے انتقال کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کی تقریب تھی۔ ایصالِ ثواب
 کے لئے قرآنی خوانی کے تو ڈاکٹر صاحب قائل نہیں ہیں۔ لہذا اس کے بعد وہاں کے متقلین نے
 اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سے حاضرین کو خطاب کرنے کی درخواست
 کی۔ چنانچہ موصوف نے تقریباً ایک گھنٹے اسلامی نقطہ نظر سے زندگی اور موت کی حقیقت اور بہمت
 کے موضوع پر مؤثر انداز میں خطاب کیا۔ نشست سٹرائٹ آئی لینڈ کی مسجد میں ہوئی اور اس
 میں خواتین نے بھی شرکت کی۔ علاوہ ازیں مختلف احباب الطاف صاحب کی رہائش گاہ پوڈاٹر
 صاحب سے ملاقات اور گفتگو کے لئے آتے رہے۔ ان میں بالخصوص جناب شمیم احمد صدیقی اور
 شمشیر علی بیگ قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کا تعلق جماعت اسلامی پاکستان سے رہا ہے۔ اب کچھ

یہ سے امریکہ میں مقیم ہیں اور وہاں کی مختلف اسلامی دعوتی تحریکوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے میں کوشاں ہیں۔ شمشیر علی بیگ صاحب کا تعاون ان کو حاصل ہے۔ جو فلٹنگ کے ملک سنٹر کے امام اور ڈائریکٹر کے طور پر خدمت دین میں مصروف ہیں۔ آپ کا جوش ایسا ہی براہ راست کلمہ اللہ کے لئے مسی و جہد کا جذبہ قابل تحسین ہے۔

نیویارک سے ہم بذریعہ جہاز شکاگو پہنچے۔ جہاں چار روزہ قرآنی تربیت گاہ کا پروگرام ان کی تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کی طرف سے رکھا گیا تھا۔ تربیت گاہ کے انعقاد میں یکجا بھی تین دن باقی تھے۔ اس لئے ان دنوں کو بونے شکاگو کے دو اسلامک سنٹرڈ کو میٹ کرنے میں صرف کیا۔ مسلم کمیونٹی سنٹر شکاگو ایک خاصی بڑی عمارت میں وسط شہر میں واقع ہے۔ اس کے ریسے ہال میں ڈاکٹر صاحب نے جمعہ کا خطبہ انگریزی زبان میں سورۃ العاصیہ مضامین پر مشتمل دیا۔ اس سنٹر میں گرمائی تعطیلات کے دوران ہونے والا ایک یوتھ پروگرام چل رہا تھا۔ اگلے روز ایک خاص اجلاس میں ڈاکٹر عبدالمسیح صاحب کو دورہ مجھے انگریزی میں خطاب کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ مسیح صاحب نے ”قرآن کا نظریہ تحقیق انسان“ پر میں نے ”قرآن کا پیغام نوجوانوں کے نام“ کے موضوعات پر انگریزی میں خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سوال و جواب کے وقفے میں ہمارے اٹھائے ہوئے نکات کو مزید واضح کیا اور اس پر پروگرام نوجوانوں کے لئے انتہائی دلچسپ اور مفید رہا۔ اسی طرح کا ایک پروگرام ایک دوسرے اسلامک سنٹر میں ہوا۔ اس سنٹر کے نائب و صرف میں وسیع سہزہ رہا تھا جس کی وجہ سے پورا ماحول انتہائی پرسکون اور خوبصورت تھا۔ یہاں ڈاکٹر مسیح صاحب نے ”جہاد“ اور میں نے ”مسلمانوں پر قرآن کے حقوق“ پر انگریزی میں تقاریر کیں اور ڈاکٹر صاحب نے ”انقلاب اسلامی کا صحیح منہاج“ کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ سامعین نے بعد میں متعدد سوالات بھی پوچھے جن کے جوابات پورے شرح و بسط کے ساتھ دیئے گئے۔

شکاگو میں پچیس دن قیام جناب ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے اہل رہا۔ قارئین بے باقی پچھلے دوروں کی روایت اور اس کے حوالے سے ان سے فرد و غائبانہ متعارف ہوں گے۔ پانچون اور تنظیم کی جہد و سرگرمیوں میں اپنی پیشہ وارانہ مصروفیت کے باوجود انتہائی باقاعدگی و مستعدی سے حصہ لیتے ہیں۔ وہاں نواندی کے سلسلے میں ان کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے ہوگا۔۔۔ بعد میں ہم اسلامک امریکن کالج کے کیمپس پر منتقل ہو گئے۔ جہاں قرآنی تربیت گاہ پروگرام رکھا گیا تھا۔ اس کالج کی پوری عمارت بشمول ہاسٹل ابھی حال ہی میں شکاگو کے مسلمانوں نے خرید لی ہے۔ اس کے بورڈ آف گورنرز میں کچھ عرب اور بعض دوسرے حضرات شامل ہیں

جناب احمد سکر صاحب اس کالج کے پرنسپل ہیں۔ تربیت گاہ میں شلاگو کے علاوہ، لوہا کی نیویارک فلوریڈا، ٹورانٹو (کینیڈا)، اور بعض دوسرے مقامات سے آئے ہوئے احباب شریک ہوئے۔ خواتین نے بھی کثیر تعداد میں اس پروگرام میں شرکت کی۔ تربیت گاہ کے اخراجات بہت خوش اسلوبی سے کئے گئے تھے۔ رفقائے تنظیم جناب احمد عبدالقدیر صاحب، پرمحمد صاحب، عابد بنگالی صاحب، فردوسی صاحب اور دوسرے تمام احباب نے باقاعدگی سے تمام نشستوں میں شرکت کی۔ شام کے درس قرآن میں شہر کے دوسرے مسلمان حضرات بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے رہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کے فہم قرآن کے خصوصی اسلوب اور ذہنیں خطاب سے مستفید ہوئے۔ تربیت گاہ کے دوران اور قبل ازیں رفقائے تنظیم کے خصوصی جلسے بھی ہوتے رہے۔ جن میں شلاگو اور گرد و نواح کے احباب کے دعوتی کام کے ضمن میں مسائل زیر بحث آئے۔ اس تربیت گاہ میں ٹورانٹو کی تنظیم کے متعدد رفقاء بھی ایک دین کے ذریعے پہنچے تھے۔ ان میں سے اکثر رفقاء نے اس میں شمولیت کے لئے اپنے وقتا تر سے چھٹی لی تھی۔ ٹورانٹو کی تنظیم کے امیر جناب عبدالفتاح سے بالخصوص ملاقات کر کے اندر خوشی ہوئی۔

شلاگو سے روانہ ہو کر بذریعہ ہوائی جہاز ہم ٹورانٹو (کینیڈا) پہنچے۔ جہاں ہمارا قیام جناب صدیق صاحب کے ہاں رہا۔ صدیق صاحب اور رفیق تنظیم جناب طاہر پاشا صاحب نے ہمارے آرام اور خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ٹورانٹو کی جامع مسجد میں پانچ دن شام کے اوقات میں پروگرام رکھے گئے تھے۔ ایک اینڈ کے ہفتہ، تو اگلے دنوں میں پروگرام منبر کے بعد شروع ہوتا رہا۔ جن میں ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن اور خطبات کے علاوہ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور میرے متعدد انگریزی میں لیکچر ہوئے۔ ایک شام کو ٹورانٹو یونیورسٹی کی مسلم سوسائٹی کی طرف سے مجھے یونیورسٹی کی یونین بلاگم میں لیکچر دینے کا موقع بھی ملا جس میں پاکستان، بھارت، عراق اور مقامی طلباء شریک ہوئے۔ ٹورانٹو کے قیام کے دوران بروہم صدیق صاحب کی مہربانی سے ہمیں نیاگرا اور ایک سناری پارک کی سیر کا موقع بھی ملا۔ کینیڈا کے اس علاقے کا قدرتی حسن انتہائی دلکش ہے۔

ٹورانٹو سے روانہ ہو کر چند گھنٹے شلاگو رکھتے ہوئے ہم میامی (فلوریڈا) پہنچے۔ میامی کے بعض احباب کا امراہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب وہاں کا پروگرام فروز بنائیں۔ چنانچہ میامی کے مرکز الاسلامی میں بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کا مفصل خطاب ہوا جس میں مقامی مسلمانوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی۔ ان کا تعلق مختلف ممالک سے تھا۔ اکثریت ہندوستان اور پاکستان سے تعلق رکھتی تھی۔ اگلے روز بذریعہ کار ہم اوکی چوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ اوکی چوبی فلوریڈا کے وسط میں، ایک جھیل

لے کنارے چھوٹی سی بستی ہے۔ یہاں سے ڈاکٹر مظفر حسین صاحب اپنی اہلیہ اور تین بیٹیوں کے راہ شکار گو کی تربیت گاہ میں شریک ہوئے تھے۔ ڈاکٹر مظفر حسین صاحب نے اپنے گھر پر پاکستانی۔۔۔ دوسرے مسلمان انجینئرز اور ڈاکٹروں کا ایک اجتماع عصر کے بعد رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ موضوع "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں" تھا۔ بعد میں سوالات کا وقفہ بھی ہوا۔ رات گئے کھانے کے بعد یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔ ڈاکٹر مظفر حسین صاحب کا تعلق حیدرآباد سے ہے اور اب کئی سالوں سے فلوریڈا میں مقیم ہیں۔ آپ کی دینی لگن قابل تحسین ہے۔ آپ ماہیہ بھی ڈاکٹر ہیں۔ پانچویں بیٹے بہت ذہین اور پابند صوم و صلوة ہیں۔ (ماشاء اللہ) اگلے روز مظفر حسین صاحب اپنی کار پر بھی فلوریڈا کے ایک اور شہر اور لاندو لے گئے۔ جہاں ان کے کئی گھنٹے ہم نے والٹ ڈزنی ورلڈ کی سیر میں صرف کئے اور شام کو اور لاندو و شہر جا کر ایک صاحب کے گھر پر اجتماع سے ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ اس کا اہتمام پروگرام کے تحت پہلے سے کرایا گیا تھا۔ اگرچہ صرف ٹیلیفون سے ہی احباب کو اطلاع دی گئی تھی اور کوئی باقاعدہ ہینڈل اشتہار چھاپا نہیں گیا تھا۔ پھر بھی خامی تعداد میں احباب وہاں موجود تھے۔ اگلے روز دس پندرہ میل دور واقع ڈزنی ورلڈ اگر باقی ماندہ حسد دیکھا۔ یہاں کی اکثر نمائشیں انتہائی عمدہ، دلچسپ و معمولاتی ہیں۔ موسم گرما میں شائقین کا یہاں اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ہر روز ایک میلے کا سامان نظر آتا ہے۔ بعد عصر طویل مسافت کے بعد ہم مٹیا پہنچے جو فلوریڈا کا ہی ایک شہر ہے۔ اور میامی کے نائف سمٹ میں محندر کے کنارے واقع ہے۔ یہاں کے اسلامک سنٹر کے منتظین کو ڈاکٹر مظفر حسین صاحب نے ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے دے رکھی تھی۔ مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب کا خطاب بزبان انگریزی شروع ہوا جو اڑھائی گھنٹے جاری رہا۔ بعد میں سوال و جواب کا سلسلہ بہت طویل ہو گیا۔ چنانچہ وہاں سے تقریباً بارہ بجے شب روانہ ہو کر پونے تین بجے صبح واپس ادلی تھپی پہنچے۔ جھوڑا سا کھانا کھا کر فوٹا سو گئے کیونکہ ہمیں اگلے دن میامی کا سفر کر کے وہاں سے فلائٹ پکڑنی تھی۔ میامی کے ہوائی اڈے پر مظفر حسین صاحب اور کئی دوسرے ساتھیوں نے ہمیں الوداع کہا۔ فلوریڈا کے اس مفصل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم نے ایک دن واشنگٹن اور ہائیمور میں گزارا۔ واشنگٹن۔ ہائیمور کے ہوائی اڈے پر ہمیں ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب لینے آئے ہوئے تھے۔ انٹر ویٹ سے خاصے فاصلے پر واقع مشتاق صاحب کے انتہائی خوبصورت بنگلے پر چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد ہم ہائیمور کی جامع مسجد میں گئے۔ اس جگہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے چار پانچ سال قبل عید الفطر کی نماز پڑھائی تھی۔ لیکن اس وقت وہ اجتماع صرف ایک کھلے میدان میں ہوا تھا۔ اب اسی جگہ ایک شاندار جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے۔ مسجد کو بارونتی دیکھ کر

اندر سرتر ہوئی۔ یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے مختلف النسل اور مختلف الاصل مسلمانوں کے سامنے "دینی ذمہ داریوں کا جامع تصور" کے عنوان پر انگریزی میں سیر حاصل تقریر کی۔ رات گئے واپس ہوئی۔ اگلا دن جمعہ المبارک تھا۔ صبح کا وقت ہم نے واشنگٹن کی سیر میں گزارا۔ نماز جمعہ واشنگٹن کے اسلامی سنٹر میں ادا کی۔ یہاں مسلمانوں کا باہمی انتراق دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ ہمارے ایرانی اور کچھ دوسرے سیاسی اختلافات رکھنے والے مسلمان بھائی سنٹر سے باہر شٹرک کے دوسری جانب فٹ پاتھ پر نماز جمعہ ادا کر رہے تھے۔ اور ایک میگافون کے ذریعے لوگوں کو اپنی مصلوں میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔

نماز جمعہ کے بعد دو اور بھائی گھنٹے ڈاکٹر صاحب جناب کو کب حدیق کے ساتھ گفتگو کرتے رہے اور ہم ڈاکٹر مشتاق صاحب کے ساتھ واشنگٹن کے کچھ دوسرے اہم مقامات دیکھنے نکل گئے۔ بعد ازاں مشتاق صاحب کے گھر واپس ہوئی۔ ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ہم ایروپورٹ پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم جہاز پر سوار ہو کر شکاگو گئے۔ وہاں پر ڈاکٹر صاحب اور ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کو اترا تھا۔ اور جمعہ اور میرے بھتیجے عزیز محمد سعید اسعد کو لاس اینجلس کے لئے سفر جاری رکھنا تھا۔

اس طرح تقریباً تین دن ہم ڈاکٹر صاحب سے علیحدہ رہے۔ لاس اینجلس میں سیر کے دوران "ایپ" کیبزنس کے سلسلے میں پاکستان اور الینڈ کے درمیان ہائی میچ دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ ازاں بعد عزیز محمد سعید اسعد اور میں لاس اینجلس سے ڈاکٹر فلاح کے ذریعے نیویارک پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کو شکاگو مزید قیام کے لئے چھوڑ کر واپس نیویارک پہنچ گئے۔ امریکہ کے دوسرے ان آخری چار دنوں میں نیویارک کے علاوہ فلٹنگ کے علاوہ نیو جرسی اور بعض دوسرے اسلامی سنٹر اور مساجد میں ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن ہوئے۔

میں پاکستان سے نکلے ہوئے ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو چلا تھا۔ چنانچہ اب واپس کی جلدی تھی۔ ۸ اگست کی شام کو جناب الطاف احمد صاحب اور متعدد دوسرے رفقاء نے کیفیٹی ایروپورٹ پر ہمیں الوداع کہا۔ جہاز چند گھنٹوں کی تاخیر سے روانہ ہو کر پیرس پہنچا۔ یہاں سے ہم ایک دوسری فلائٹ کے ذریعے لندن پہنچے۔ لندن میں چار دن جناب مہیب حسن صاحب خلف مولانا عبد الغفار خان مدظلہ کے ہاں قیام رہا۔ ان چار دنوں میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے کئی پروگراموں کا اعلان کیا ہوا تھا۔ جمعہ کے لئے ڈاکٹر صاحب برمنگھم تشریف لے گئے۔ لندن میں کئی اجتماعات سے خطاب کیا۔ جن میں ایسٹ لندن مسجد اور ریٹیٹ پارک کے اسلامک سنٹر کے خطابات قابل ذکر ہیں۔ اسلامک سنٹر میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا عنوان "اسلامی انقلاب کا صحیح منہاج"۔ اسوۂ رسول کی روشنی میں" تھا۔ ہوا یوں کہ انہی دنوں لندن کی مسلم انشٹی ٹیوٹ جس کے ڈاکٹر میٹر جناب کلیم صدیقی صاحب

کائنات آراء

راستہ چھوڑ دیجئے۔ (اسلام آباد) رہا ہے !!

دیکھتے پتے ہیں عشاق تبول کیا فیض اب برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

حکیم عبدالرحمن خلیق، خطیب بدولہی

بن ملاقات گزشتہ دنوں سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ راولپنڈی میں صدر مملکت پاکستان جنرل ضیاء الحق سے پاکستان کے بہت سے فلمی ستاروں اور ستاروں نے ساڑھے گھنٹہ تک طویل ملاقات کی جس کی تفصیل بتاتے ہوئے روزنامہ نوائے وقت نے لکھا ہے:

”صدر (ضیاء الحق) کے ساتھ اجلاس میں فلمی صنعت سے بارہ شریف، نسیم آغا،

شبیر، سنگیت، انجمن، نور جہاں، یاسمین خان، محمد علی، عظیم، مصطفیٰ قریشی، سلطان دبی

روشن، کھوس، انور کمال پاشا، سرور سبکی، ڈبلیو زیڈ بھٹی، شوکت حسین رضوی، علی بھٹو

سجاد گل اور دیگر نے شرکت کی۔ (نوائے وقت ۱۸ جولائی ۱۹۸۴ء)

سبحان اللہ

ایسے جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے پھر اتفاقاتِ دل دو سال سے درپے درپے

ارہ اور دلاسا فلم ”حیدر علی“ کے پروڈیوسر راجہ غضنفر علی نے صدر کو بتایا کہ انہوں نے یہ تاریخی فلم بنائی تھی لیکن انہیں ۱۱ لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔ صدر نے نہیں

دلا یا کہ اس سلسلہ میں وہ کچھ مالی اقدام کریں گے (انشاء اللہ العزیز)۔ ٹھیک ہے

حق پرستوں کی اگر کوئی دہلچلی نہیں طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

ترنم کی پذیرائی میڈم نور جہاں نے صدر سے ملاقات کے لئے وقت مانگا تو صدر نے ان سے کہا۔ آپ سے تو ذاتی تعلق ہے۔ آپ فی الحال دہرا دے اگر

یہ لے جائیں۔ جہاں بیگم ضیاء الحق (صاحبہ آپ کی منظر ہیں) (حوالہ مذکور) آخر ذاتی تو کہہ گئے ہیں

اے ذوق بھی ہم دیرینہ کا ملنا اچھا ہے ملاقات مسیحا و خضر سے !!

چنانچہ دیگر اداکار اداؤں کے ساتھ میڈم نور جہاں کو بیگم صاحبہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ (حوالہ

میرزا غالب نے شاید ایسے ہی کسی موقع پر کہا تھا۔

وہ انہیں گھریہ ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں غلط فہمی دور ہو گئی | اداکارہ بابہ شریف نے کہا (صدر صاحب!) جب آپ نے نئے نئے تھے، تو (آپ کے تصور دیکھ کر) ہمیں کہا گیا کہ اب تمہیں برقع پہننے پڑیں گے۔ فلمیں بند ہو جائیں گی اور پابندیاں لگ جائیں گی، لیکن آج جب کہ پہلی بار آپ سے ملاقات ہوئی ہے تو (آپ کو اپنی خفید کے بالکل مختلف دیکھ کر) یہ تاثر فہم ہو گیا ہے۔ (الحمد للہ)

صدر مملکت نے کہا۔ اب بابہ شریف کو پتہ چل گیا ہے کہ میں اتنا کٹر خیالات کا نہیں ہوں۔ (حوالہ مذکور)

گویا صدر صاحب کا مطلب یہ تھا کہ یہ کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گئی | یہ ملاقات جوسی ایم ایل اے سیکرٹریٹ میں ہوئی اور شام کے پانچ گھنٹے کی سرگوشیاں | بجے تک (پورے سات گھنٹے اور بروایت دیگر ساڑھے سات گھنٹے جاری رہی۔

صدر مملکت نے خندہ پیشانی کے ساتھ ہر فرد کی بات کو سنا۔ صدر نے مختلف تقاریر کے نوٹس بھی لئے اور اپنی ڈیڑھ گھنٹہ کی (جوابی) تقریر میں (تقریریں کرنے والے فلمی ستاروں اور ستارہ خناسوں کے) نام لے (لے کر ان کے) (اٹھائے گئے نکات کے) جواب دیئے۔

بعض نکات پر موقع پر ہی اسکات جاری کئے (حوالہ مذکور)

اب اس مرحلہ پر اگر فلمی ستارے یہ شعر گنگنا نے لگیں تو وہ حق بجانب ہی ہو گا کہ

قرض کی پیتے تھے اور دل میں کہتے تھے کہ ہاں

دنگ لائے گی ہماری فاقہ منشی ایک دن

صدر کا احساس ذمہ داری | صدر (ضیاء الحق) نے فلموں کا معیار بلند کرنے کے لئے سبابت کے پورے انسٹی ٹیوٹ کی طرز پر پاکستان میں

جی ایک فلمی اکیڈمی کے قیام پر زور دیا۔ (حوالہ مذکور) بڑا مبارک عزم ہے۔

اسے وقت تو خوش باد کو دتے نا خوش کر دی

صدر نے صحیح اور صاف ستھری (؟) فلموں سے ہونے والی | آمدن کو رزق حلال قرار دیا۔ (حوالہ مذکور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بَعَثْنِي رِزْقٍ يَتَحَقُّ الْمُنْصَرِفُ

دَلَّالُ زَامِيُو۔ (الحديث)

کہ مجھے سرب رب نے (دوسرے بہت سے متعہد کے ساتھ ساتھ) باجے گا ہے اور
یعنی کے آلات کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیئے گئے (مبعوث کیا ہے)

اس حدیث پاک کی موجودگی میں کسی اسلامی مملکت کے سربراہ کا (جس نے ملک
بہر حال اسلام کو نافذ کرنے کا عہدہ رکھا ہو) باجوں لگا جوں، ٹھنڈے گھڑوں اور
سارے گھوڑوں کے جلو میں جنسی عورتوں اور مردوں کا بے حجاب اختلاط اور فسق و فجور کو
جس و سرود کو دو آتشہ کر کے حاصل کردہ دولت کو رزقی حلال کہنا سخت عجیب و غریب
ہے۔ غریب اسلام اب اس فتویٰ پر اس کے سوا کیا کہے گا ہے

من انہ یکنانک ان ہرگز نہ نام کہ بائیں برجہ کہ وہاں نشا کر ہے
طاؤس در باب نہیں، جہاد | صدر پاکستان کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے
اسلامی انقلاب کے لئے جہاد شرط ہے۔ طاؤس

در باب سے صالح انقلاب نہیں آیا کرتے۔ طاؤس در باب قوموں کی تباہی کی تہدید
اور مملکت کی ملامت ہے۔ اقبال کہتے ہیں ے

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر نام کی ہے شمشیر و سناں اول طاؤس در باب آخر
یہ قیامت کی نشانی ہے | پاکستان کے قابل احترام صدر جو غلطی سادوں میں سے
ہر کسی کی بات ہی پوری خندہ پیشانی سے سن کر ان

سے خراج تحسین ہوں کر کیے ہیں، اگر اجماعی ملک خندگی کے اسی موڈ میں ہوں تو ہم ان کی خدمت
میں ایک حدیث رسول پیش کر کے انہیں دعوتِ عبرت دیتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن قیامت کی نشانیوں کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے
صحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خبر دی کہ :

”لوگ جب مالِ غنیمت پر اپنا حق چلنے لگیں گے۔ امانت کی رقم کو لوٹ کا
مال بنا لیں گے، زکوٰۃ کو برمانہ بھجویں گے، علم صرف دنیا کے لئے حاصل کر دیں
گے، بیٹا جب مال پر بیوی کو حاکم بنا دے گا، مسجد و صے سے جب سدا چلنے
لگیں گے، خانہ صے سے سربراہ جب ناتھ کو حاصل ہوگا، قیادت جب
کمینوں کے ہاتھ میں ہوگا، آدمی کے عزت جب اس کے شرے محفوظ
رہنے کے غرض سے کہ جائے گا، عیب گلنے بجانے والی عورتوں کے کثرت
ہو جائے گا، ساز و سرود کو گویا بہت رسوخ حاصل کرے گا، شراب

نوشہ نام ہو جائے گا اور امت کے پیچھے آنے والے (بد نصیب) لوگ جب
 پہلے (بزرگوار) پر لعنت کریں گے۔ تو جان لو کہ قیامت بس اب
 سر پر ہے۔ اس وقت اللہ کا عذاب حرکت میں آجائے گا۔ سرخ
 آندھیاں چلیں گی، زلزلے آئیں گے، زمین جگہ جگہ سے دھنس جائے گی
 انسانوں کے صورتیں مسخ ہو جائیں گی اور آسمان سے عہر دے کے بارش
 ہوگی، یہ واقعات یکے بعد دیگرے یوں وقوع پائیں گے جیسے موتیوں
 کے لڑیے ٹوٹ جانے سے موتی ایک کے بعد دوسرا گرنے لگتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی)

صدر مملکت اگر اس حدیث پاک کی ترازو میں اپنی تازہ فراخ دلی کو توہیں گے تو
 وہ یقیناً اس میں اپنے لئے عبرت کے خزانے موجود پائیں گے؟

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

صدر پاکستان سے درخواست | صدر مملکت اگر بات سننے پر آمادہ ہوں تو ہر ان
 سے عرض کریں گے کہ جس طرح آپ کی تیکھی آمد پر

بابرہ شریف اور ان کی ہم پیشہ خواتین نے آپ کے بارے میں ایک ذہن بنا لیا تھا،
 فحشک ایسے ہی آپ کے بے شمار دعاوی آپ کی قرآن میں ڈوبی ہوئی تقریروں اور جن
 دینی اقدامات کی وجہ سے پاکستان کے دینی حلقوں میں بھی آپ کے بارے میں ایکنہ
 تشکیل پا گیا تھا اور اب اگرچہ آپ نے بابرہ شریف کی غلط فہمی کو دور کر دی ہے۔ مگر
 پاکستان کے دینی حلقے ابھی بدستور ہی آپ سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور اپنے وطن
 میں ترمیم کرنے میں متامل ہیں۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ پاکستان کے اہل سیاست آپ کے بارے میں اپنا حسن
 ظن دیر سے ختم کر چکے ہیں لیکن اگر آپ نے ان بابرہ شریف، نور جہاں، شمیم آرا، بشم
 انجن اور سنگیتا نواز کیوں اور نسق و فحور کے اڈوں اور ان کے چلانے والوں کو بذریعہ
 قرا کر دینی حلقوں کو بھی مایوس کر دیا تو ظاہر ہے کہ ملک کے اندر آپ کا ایک مستقبل ایک طاقتور
 ملک گیر اور بے درم حمایت سے محروم ہو جائے گا۔ اور یہ بات ملک کے لئے کوئی نیک
 فال نہیں ہوگی۔

پس اگر آپ کو کعبہ پہنچا ہے تو کعبہ کی راہ اختیار کیجئے۔ ان سلسلہ تارہ کمپنیوں کا دروازہ
 لاشی کی طرف کھٹا ہے کعبہ کی جانب نہیں کھٹتا۔

یہ فراخ دلی نہ آپ کے لئے مفید ہے نہ ملک، اہل ملک اور اسلام کے لئے ہے۔ اس عہد باسلام اللہ باریمن رام رام کی پالیسی سے آپ کوئی وقتی فائدہ نہیں لے سکتے تو قرآن پاک کے مطابق اِنْكُمْ هُمْ اَصْحَابُ الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ فَاَنْتُمْ عَلَيْهِمْ ذُلٌّ اِنَّ هَذَا لَفِي ضُلْالٍ عَظِيمٍ ہے اور نقصان زیادہ ہے۔

پا کو آپ کے ملک نے اسلام کی دولت سمجھا تھا۔ مناسب ہے کہ اپنے اہل ملک کے اعزاز قائم رکھیں کہ دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔
من آخیر شرط بلاغ است باقوی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ طالع

(ماخوذ از ہفت روزہ تنظیم اہل بیت "لابود")

(۲)

اسلام میں عورت کا مقام

تینے کے مشہور ماہنامہ انپنل کراچی میں مندرجہ بالا موضوع پر مرکزی نمبر کے جانب سے طبع شدہ کتاب پر در سالہ کے مدیر محترم ذیبا النساء صاحبہ نے اگست کے شمارے کے ادایہ ہے جو تبصہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے (ادارہ)

محکم۔ اہل دین کو جشن اُننادی مبارک ہو۔ اگست کا انپنل حاضر مطالعہ ہے۔
اس کے جید عالم، خادم دین اور ماہر قرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر انگیز کتاب بعنوان "اسلام کا مقام" ابھی حال ہی میں ڈاکٹر صاحب کے ذاتی ادارے "انجمن خدام القرآن" ہوئی ہے۔ اس کتاب پر سیر حاصل تبصرہ کرنا تو چرنا کو روشنی دکھانے کے مترادف ہے۔
ب میں دیئے گئے کچھ حکومات پر روشنی ڈالنا چاہتی ہوں۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح برت اور اس کے اسلامی مقام کا احاطہ کر رہی ہے تو اس کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ب نے عورت سے متعلق ہر اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت تفصیل و لطیف پیرائے فرمائی ہے جس کا تعلق احکام دین سے ہے۔

ن ذاتی کا منظر مناسب نہیں ہے۔ انجمن ایک رمبڑ پبلک ادارہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے
برعکس ہیں۔ (ادارہ)

ہمارا ملک اسلامی ملک ہے۔ ہمارا دین، دین اسلام ہے اور دین اسلام ایک ایسا ہمہ گیر اور آفاقی دین اور مکمل مکتبہ ہے کہ جسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے اقسام کے مکاتب فکر کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ عورت ہو کہ مرد جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کی تو تخلیق کے ساتھ ہی ان کے فرائض اور ان کا مقام بھی خود ہی متعین فرمادیا۔ ان امکانات اور فرائض کی ادائیگی کس طرح کی جائے؟ اس کی وضاحت کے لئے اپنے قرآن میں سے مرتب کتاب قرآن حکیم کی صورت میں ابن آدم پر نازل فرمادی۔ ساتھ ہی تخلیق میں عورت مرد کا فرق بھی سمجھا دیا۔ یہاں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ خدا نے برترنے دونوں کو مقام محمود عطا کیا ہے مگر الگ الگ!

اگر کوئی عالم دین معاشرے کی زبوں حالی کا جائزہ لیتا ہوا ہدایت کرے کہ اسے عورت، تو جس مقام پر کھڑی ہے کیا یہ وہی مقام ہے جس پر تجھے تیرے خالق نے ممکن کیا؟ تو اس ہدایت سے کسی بھی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو نادر اصل جہالت کم فہمی نیز دینی بصیرت اور دینی علم کا فقدان ہی کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ عالم دین اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا۔ وہ تو صرف یاد دہانی کر رہا ہے کہ اپنا مقام پہچانو۔ محترم تھیں، غیر محترم کیسے ہو گئیں؟ چراغ خانہ تھیں، شمع محفل کیوں بن گئیں؟ چھپی ہوئی تھیں، ظاہر کیسے ہو گئیں؟ یہی وہ چند سوالات ہیں جن کے جوابات تمام خواتین کو حاصل کرنا ہیں۔ قرآن و سنت میں اپنا مقام تلاش کرنے کی جلد کرنی چاہیے۔ معلوم نہیں ہے تو معلوم کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ عورت کائنات کا دل ہے۔ اگر دل ہی روشن نہ رہے تو پوری قوم اندھیروں میں ڈوب جاتی ہے۔

قرآنی ہدایات اور اتباع رسول ہمارا ایمان ہے۔ اگر ہم اس سے ہٹے ہوئے ہیں تو یہ ہمارا بد قسمتی ہے۔ اگر ہم اپنے مقام سے ہٹ گئے ہیں تو اس مقام سے انکار تو نہ کریں جو خدا اٹھے کریم نے بخشا ہے۔

عورت کے تشخص کا مسئلہ، محض اس کی ذات کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری قوم و ملک اور معاشرے کے تشخص کا مسئلہ ہے۔

تمام خواتین و حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد کی اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ یہ ان خطابات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں ڈاکٹر صاحب نے فرمائے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے وہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی جو ”الہدیٰ“ کے موقع پر پیدا ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہم

۱۔ ٹی وی کے پروگرام ”الہدیٰ“ میں محترم ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر برسرے سے اظہار خیال کیا ہی نہیں تھا۔ یہ مسئلہ تو موصوف کے ایک اخباری انٹرویو کے چند سوالات کے جوابات کی وجہ سے زیر بحث آیا تھا۔ ”الہدیٰ“ کے پروگرام میں ڈاکٹر صاحب نے ہر متنازعہ فیہ مسئلہ کو زیر بحث لانے سے اجتناب کیا ہے۔ (ادارہ)

جس کے بہت سے بعیت افروز خطابات سے محض غلط فہمی اور طاقت ناندیشی کی بدولت متعین محروم رہ گئے تھے۔

جیہ امر یقیناً میرے لئے اور انجیل کی قاری بہنوں اور بھائیوں کے لئے باعث صد افتخار و کرم ڈاکٹر صاحب کی نادر کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا وہ انٹرویو بھی شامل ہے جو انجیل کے شمار ۱۹ میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو کو ”دینا قی“ کے قیمتی صفحات میں جگہ پانے کا اعزاز بھی بلاشبہ میرے لئے یہ بڑا اعزاز ہے۔

(۳۰)

اے میرے وطن کے عوام

ہاں سے ہر شخص خود کو مسلمان کہنے میں فراموش کرتا ہے اور اس معاملے میں تہا سے نجات دہانے میں نہیں رہتے اگر کوئی تہا سے مل کی بنیاد پر تہا سے مسلمان ہونے کی نفی کا تاثر دے تو نہ جاتے ہو۔ مسلمان قومیت ہی کے نام پر تم نے اس ملک کی آزادی کی جنگ لڑی ہزاروں ن قربانی کیں اور بے شمار مصائب سہے اور پھر ”نظام مصطفیٰ“ ہی کے نام پر تحریک چلا رو مگر ان کے سرخ کر دیے، جذبات کی حد تک قبیلہ اسلام بے چارہ لگاؤ ہے۔ ادا اسلامی نظام پر تم حکمران وقت کو ہر وقت کوستے رہتے ہو۔ اس معاملے میں موجودہ حکمرانوں سے جوئے وعدوں اور نعروں کی بنیاد پر تم نے انتہائی گہری توقعات وابستہ کیں لیکن تہا کی پوری نہ ہوئیں جس کے نتیجے میں آج تم ان سے بددل اور برگشتہ ہو چکے ہو اور ان عدل سی کا سہارا سمجھتے ہو تم میں سے اکثر و بیشتر اس بنیاد پر موجود حکمرانوں کو گالیاں دیتے علاوہ تم ہر طرح کی برائیوں، نا انصافیوں اور ظلم و ستم کی ذمہ داری حکومت کے کھاتے میں لیکن اسے میرے وطن کے لوگو! چند لمحوں کے لیے حکومت کو فراموش کر دو اور اپنے آپ اور اپنے اپنے مل اور کردار کا جائزہ لو تمہیں احساس ہو گا کہ جس طرح تم حکومت کو عبس دم راسی طرح تم خود بھی عبس دم ہو اسے حکومت کو نفاذ اسلام کے سلسلے میں غلط کرنے والو کہی تم نے دینی اسلام کے ساتھ فرادہ کر رہے ہو۔ بتاؤ کہ اسلام کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے؟ قبول اسلام کا چیز جس سے ایک شخص کے اسلام اور ایمان کو پرکھا جاتا ہے کیا ہے؟ وہ کیا عمل ہے جسے خدے درمیان وجہ امتیاز ٹھہرا گیا ہے؟ وہ کون سا عمل ہے جس کی بنیاد پر رسول اکرمؐ میں مسلمان اور کافر کے درمیان اولین فرق ظاہر ہوتا تھا چنانچہ خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے نام ہی اس عمل کو اختیار کرنے پر مجبور تھے؟ وہ کون سا عمل ہے جو اسلام کا دوسرا رکن ہے؟

وہ کلن سائل ہے جس کا فرائض عین نئی مخالفت پر حکم دیا گیا؟ اسے دعویٰ ایمانی کرنے والے اس ملک کے آٹھ کروڑ لوگو! اسے نظام مصطفیٰ کے متوالی بناؤ کہ آج تم میں سے کتنے کروڑ افراد ہیں جو نماز کی پابندی کر رہے ہیں؟ جنہوں نے اس بنیاد پر خود کو کافروں سے الگ کر دکھایا ہے؟ بتاؤ کیا ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر نہیں ہے؟ اسلام کا دعویٰ کرنے والے اور حکومت سے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے باقی تمام افراد کیا اسلام کے ساتھ فراڈ نہیں کر رہے ہیں؟ بات صرف نماز ہی کی نہیں آپ روزہ کی بنیاد پر خود کو پرکھ لیں، نہ کوہِ نبیٰ بنا لیں، مگر آپ حج کے لیے گئے وہ بھی آج فحاشی، فحریح اور حدیث کے اظہار کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اب خدا معاشرتی برائیوں کی طرف آؤ تم ایک دوسرے کو لعن طعن کرتے ہو ایک دوسرے کو مجرم گزرتے ہو لیکن تم بیچ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جرائم کا از کتاب کر رہے ہو کلن سا شعبہ ایسا ہے جہاں اچھے سے لے کر نیچے تک ہر سطح پر رشوت نہیں لی جاتی لیکن رشوت لینے والا مبتلا ہوتا ہے رشوت دینے والا بھی اتنا ہی گناہگار ہے اور تم میں کون ہوگا جو اپنے کام نکلوانے کے لیے رشوت دینے سے ہر گز باز ہو؟ اس لیے کہ رشوت دے کر تم خود اپنے لیے کمائی کے راستے کھولتے ہو۔ دولت اور حسب و نسب کو تم پر نافذ نئے بیٹھے ہو امدان کے حصول کی جدوجہد میں تم ہر کاٹ کو چبے بھکے کے ذریعے دور کرنا چاہتے ہو آج کوئی سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری ادارہ، دکاندار ہو یا کسی اور شعبے سے تعلق رکھنے والا شخص ہر کوئی دھوکہ دے دے جوٹ کر فریب میں لوٹ رہا ہے۔ بات فرائض کی ہو تو کوئی انہیں غلو سے نیت سے انجام دینے کو تیار نہیں۔ بات دھوکہ دہی، ہمدردی، صلہ جوئی اور شفقت و محبت کی ہو تو ہم سے ہر کوئی دوسروں کی بد اخلاقی کا وہ تورہ دتا ہے لیکن یہ چلنے کا کوشش نہیں کرتا کہ جب دوسرے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہیں تو اس وقت اس کا اپنا رویہ کیا ہوتا ہے؟ معاشرے کے بڑے افراد میں تو قبریں پاؤں نکلنے کے باوجود انہیں غلط یاد نہیں آتا اور وہ اسی دنیا کے پھروں میں پھسے ہوئے ہیں کاش وہ سوچیں کہ موت کسی بھی وقت انہیں خلاء کے حضور پیش کر سکتی ہے اور یوں وہ اپنے آخری وقت ہی میں کچھ اپنی عاقبت کی فکر کریں جو متوسط طبقے لوگوں کی تو وہ جائیدادیں پر بنانے اور من و سلوئی کی فکر میں اس طرح مشغول ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کے احکامات چلنے اور ان کی طرف توجہ دینے کی انہیں فرصت نہیں، جو لوگوں میں تو ان کی فکر کا مجموعہ منفی نتائج ہے اور ان کی سوچ کا محور عورت کے گرد گھوم رہا ہے۔ جہاں دونوں جان لکھے ہوں گے تو وہ انہی انہی افراطی افراط میں جنسی اعضاء اور جنسی افعال کا ذکر کر رہے ہوں گے۔ یہ کیا ہیں تو ان کے ذہنوں سے حیا کا تصور ہی مٹ چکا ہے۔ آج ماں باپ اپنے بچوں اور بہن بھائیوں کو ساتھ بٹھا کر VCR سے جنسی لذت اٹھانے میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔ عربیوں نے دیکھتے ہوئے، اور عورت و مرد کو بے لکھہ ہوئے دیکھ کر نہ باپ کو شرم محسوس

تہ ہے اور نہ ماں کو یہ خیال آئے کہ اس کے بچوں کا ذہن کس طرف جا رہا ہے زنا اور بدکاری
ت سی جگہوں پر عام ہے اور دیکھنے والے اس پر صرف کھسائی ہنسی نہ کر رہ جاتے ہیں ،
اٹی گورڈ کنا اور ٹوٹا کجا یہاں ایمان کا یہ عالم ہے کہ دلوں میں برائی سے نفرت کا احساس
بٹ چکے ہے ۔

اے مسلمان! آج تمہارا مذہب کیا ہے ؟ تمہارا مذہب یہ ہے کہ مؤذن جب تمہیں
ماہے کہ ”ہو نماز کی طرف“ تو تم اذان کے الفاظ پر غور تک کہنے کی کوشش نہیں کرتے مؤذن
کا آواز ہر لپیک کہتا تو دور کی بات ہے۔ رمضان کا ہسنت تمہارے لیے عید کی تیاریوں کے مرحلے
میں طور پر گزرتا ہے اور عید کے دن غلیں اور VCR دیکھتے ہوئے گزرتے ہیں۔ آج تمہارا مذہب
یہ ہے کہ شبِ برأت کو طے پکاؤ اور آتش بازی کرو تم بس اسی انتظار میں رہتے ہو کہ کوئی
بن گئے اور تم کھلے پینے ، روٹیں چڑھانے کا انتظام کر سکو کبھی گیارہویں کا انتظار ہے تو
بھی کوئی دنوں کا انتظار اور کبھی عید میلاد النبی کا۔ کوئی گھوٹا نہ چلے تو اس کے غم میں تم دلیں پڑا
و گوؤں کی دعوت کرتے ہو، موت کے دن میں ، سو تم کو بھی ، جمعرات کو بھی اور چالیسویں پر بھی۔
ہام حسین کی شہادت کے غم میں تو تم محض حلیم کی دلیلیں ، علوہ ، زردہ اور ٹھنڈے مشروبات ہی
نہیں بناتے بلکہ وصول لکھاتے ، زخمی کرتے اور نمائش کرتے ہوئے تعزیروں کے نام سے بنوں کی
بوجا پرستش اور نمائش بھی کرتے ہو۔ بزرگوں کی قبروں اور مزاروں پر سجدہ ریز ہونا ، متتیر۔ نا ،
ہادیں چڑھانا اور عرس کے نام پر میلے اور نمائش کرنا یہ ہے تمہارا مذہب ۔ اس کے علاوہ
کون کون سی رسوم جاہلانہ اور افعال مشرکانہ ہیں جو تمہارے مذہب میں آج شامل نہیں ہیں
جن کا مول کا خدا اور اس کا رسول حکم دیتے ہیں تم انہیں اختیار نہیں کرتے جن کا سون سے
رکنے کا حکم ، یا گیا تم ان کو ترک نہیں کرتے لیکن بروہ کام جس میں تمہارے لیے تفریح ، نمائش ،
لذت اور کھلنے پینے کا پہلو نکل آئے اسے تم مذہب بنالیتے ہو۔ تمہارے جوان تمہارے بچے
آج ایسا بچہ ، رینڈائٹ اور بینکس کسٹمرز کا ذریعہ جفت اور عزت کے ساتھ کرتے ہیں
ادھار اور اس کے رسول کا انہیں خیال بھی نہیں آتا ٹیلی ویژن پر کوئی ڈرامہ چل رہا ہو یا کوئی
گلوکار یا گلوکارہ گانا گارہی ہو تو تمہارا ذہن اور تمہاری نظریں سکریں کی طرف مرکوز ہو جاتے ہیں
لیکن اگر اسلامی تعلیمات کا کوئی پروگرام آ رہا ہو تو ٹیلی ویژن سے بے خبر ہو جاتے ہو۔ آج تمہیں
حقیقی رسالوں اور فحش لٹریچر سے تو بہت دلچسپی ہے لیکن قرآن اور حدیث کی کتابوں کو نہ لے پڑنا
تمہارا ذہن مائل ہوتا ہے اور نہ ہی تمہارے پاس اس کیلئے وقت ہے۔ تمہیں اپنے بچوں کا مستقبل
نہیں ، نہ کہ ان کی تعلیم ، نہ کہ ان کی اور نہ ہی آخرت سنوارنے کا خیال نہیں کبھی

ہیں آتا اور یہ خیال کہنے بھی کیسے جبکہ تم آخرت کو فراموش کر بیٹھے ہو۔

سیاسی لحاظ سے تمہارا حال بسے کہ قاتی اور گرد می مفادات اور علاقائی ولسانی تعصب نے نہیں اپنے شکنے میں جکڑا ہوا ہے جو شخص تم سے تمہاری زبان میں اور علاقائی بنیاد پر بار کہے تو اسے اپنا لیلہ بنا لیتے ہو نہ اس کے نظریات کا مطالعہ کرتے ہو اور نہ اس کے کردار پرکھنے کی کوشش کرتے ہو، پڑھو فریب نعروں کی طرف تم اس طرح دیوانہ وار پھلتے ہو جس طرح پھلی کانٹے میں لگی ہوئی غذا کی طرف اندھا دھند بڑھتی ہے۔

اے میرے وطن کے لوگو! اسلامی نظام کی ابتداء تمہارے جسم سے، تمہارے عمل سے اور تمہارے گھر سے ہوتی ہے۔ اگر تم میں سے ہر کوئی اپنے جسم اپنے عمل اور اپنے گھر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے تو سمجھو کہ اسلام نافذ ہو چکا لیکن اگر تم اپنے اندر تبدیلی نہیں لاتے تو پھر لو کہ حکومت سے نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنا بالکل بے وزن بات ہے اور راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

فرخ شہزاد
ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی

(۴۱)

محرمی و مکرئی محمد وی شیخ جمیل الرحمن صاحب: اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ خیریت موجود۔ خیریت مطلوب۔ آپسے ایک عرض کرنی ہے۔ بیٹاقی تبہ جلد ۲۲ شمارہ ۹ صفحہ ۷۵ کے الفاظ قابل توجہ ہیں "اپنی تمام کتابیں ان کے ہاتھ میں ڈال دیں" تذکرہ ان کتب کا ہے جو ڈاکٹر صاحب محترم کی تحریر کردہ ضروری ہیں مگر ان کا مرکز مضمون قرآن کریم ہے۔ تہہ میں ڈالنے کے الفاظ ان کتب کے لئے میرا خیال ہے کہ توجہ کے مترادف ہے۔ مہربانی فرما کہ ان الفاظ کی تصحیح فرمائیے۔ والسلام:

طالب دعا

استید عبد الغفار آغا

بی، یو، ایم، ایس فاضل، طب و الجراحت، کراچی
(منویش): محترم ڈاکٹر صاحب نے اندراج، انگار اور ان مالم دین کے احترام کے پیش نظر اسلوب بیان اختیار کیا تھا۔ مگر حال اس فروگداشت پر متوجہ کرنے پر ادارہ صاحب مکتوب کا ممنون۔

وقت و کار

ترتیب: محنت اللہ بڑی، نائب امیر برائے دعوت و توسیع۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بیرون ملک سے واپسی کے فوراً بعد ہی اندرون پاکستان ان کے دروس و خطابات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی حاجۃ الیہ ہو چکی پاکستان واپسی ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۲ اگست کو لاہور کے پانچویں تنظیموں کا مشترک ایک روزہ تہنیتی پروگرام ہوا جس میں رفتار کار کے جائزے کے بعد انہوں نے درس قرآن کیا۔ اللہ تعالیٰ انہوں کے بارے میں رفقاء کو ہدایات دیں۔ ۱۵ اور ۱۶ کو مجلس مشاورت کا اجلاس ہوا اور ۱۷ اگست کو حسب معمول مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ کے علاوہ لاہور کی ایس جی ایم ناز مسجد باغ والی بیرون شاہ عالم مارکیٹ میں درس قرآن دیا۔ اس سے اگلے روز یعنی ۱۸ اگست کو بروز جمعہ قرآن الکریم کی جامع مسجد میں سلسلہ وار کربا قرآن کا دوبارہ آغاز فرمایا۔ یہاں قرآن مجید مسلسل کے ساتھ زیر مطالعہ ہے۔ چنانچہ اسی مرتبہ سورۃ الزخرف (۲۵) والی پارہ ۱ کے ابتدائی چارہ کوثر بخیر درس رہے۔

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا جانب سے کافی عرصہ سے امیر محترم کے دعوتی و تبلیغی دورے کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔ اسی طرح آزاد کشمیر کے لوگوں کی جانب سے مظفر آباد اور راولا کوٹ کے دوروں کی دعوت بھی موجود تھی۔ چنانچہ ۱۷ تا ۱۹ اگست ایک بھر پور دورے کا پروگرام ترتیب دیا گیا جس میں بالترتیب ایبٹ آباد، مانسہرہ، مظفر آباد اور راولا کوٹ کا دورہ طے پایا۔ باقی الموقوف ۲۵ اگست کو ایبٹ آباد پہنچا جہاں بغاوت تنظیم سے مل کر اختلافات کا جائزہ لیا گیا۔ پھر اسی روز مانسہرہ جا کر قاضی رفیع الرحمن، قاضی محمد شفاق، اللہ علیہ عزت سے ملاقات کی۔ جناب خیراز محمود کے مشورے سے قاضی رفیع الرحمن صاحب کی مسجد واقع کنگر محلہ کی مسجد میں بعد نماز عشاء خطاب کا وقت معین کیا گیا۔ اس دوران مرکز کی جانب سے جناب محمد یونس قریشی صاحب کو مظفر آباد بھیجا گیا تاکہ وہ وہاں امیر تنظیم کے پروگرام کے سلسلے میں اختلافات کا جائزہ لے سکیں۔ اسی سلسلے میں جناب شبیبہ الیم انصاری صاحب اللہ جناب افتخار تاج صاحب کو راولا کوٹ کی طرف روانہ کیا گیا۔

دورۃ ایبٹ آباد کا رپورٹ وہاں کے مقامی امیر جناب خالد وحید صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

ایبٹ آباد / مانسہرہ

ڈاکٹر صاحب ۱۷ اگست کی صبح قریب ۱۰ بجے لاہور سے ایبٹ آباد پہنچے۔ نائب امیر برائے دعوت و توسیع جناب محنت اللہ بڑی صاحب پہلے سے ہی ایبٹ آباد میں موجود تھے۔ ایبٹ آباد میں ۱۷ اگست کو امیر تنظیم کے متعدد پروگرام رکھے تھے۔ جن میں ۵ بجے بار ایسوسی ایشن سے خطاب، شام ۵ بجے نیشنل سٹریٹنگ فیلڈ میں خطاب، صبح اور بعد نماز عشاء مرکز کی مسجد پر پورے میں خطاب شامل تھا۔ ۵ صبح منٹ ملک دفتر تنظیم اسلامی میں امام کے بعد ڈاکٹر صاحب مدد رفتار بارودم دہن ہو گئے جو دفتر سے قریب پیدل ۵ منٹ کے راستہ پر واقع تھا۔ بارودم پہنچے پر رفیق محترم سید احمد شہ صاحب پٹر وکیٹ کے علاوہ مدد بار ایسوسی ایشن اور دوسرے میٹرو کلاؤ نے ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا۔ بارودم میں وکلاؤ کے

علاوہ اور بہت سے حضرات بھی ڈاکٹر صاحب کا خطاب سننے کے لئے موجود تھے۔ بالی کچھ کچھ مجھ سے ملے اور انھوں نے ایک بڑی تعداد ڈاکٹر صاحب کے اندر اور باہر کھڑی تھی۔ صدر بار ایسوسی ایشن نے مختصر تعارف کرایا جس کے بعد ایمرز قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک ایک جامع خطاب فرمایا۔ جس میں آپ نے واضح کیا کہ کس طرح اس ملک کی احساس اس مزید برآں نفاذ اسلام کے نفاذ کے طریق کار پر تفصیل روشنی ڈالی گئی۔ خطاب کے بعد دو کلا صاحبان کی طرف سے کئے گئے جن کی نہایت تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔

بندہ میں خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب مع رفقا و اہل تشریف لائے۔ دفتر میں کچھ دیر رفتار کے ساتھ ملاقات کے بعد امیر مہتمم اور رفقا و اہل کے گھر روانہ ہو گئے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے راقم کو امیر مہتمم اور رفقا و اہل کو سادہ سا کھانا پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اسی اشارہ میں جبکہ راقم نیشنل سنٹر دے پر دو گرام میں کیاری کر رہا تھا کہ جناب نیاز پاشا جدون میر سنٹ روڈ - جائزہ کامیونیون آیا کہ ریڈیو ڈیٹ ڈاکٹر کو پیش کرنے ڈاکٹر صاحب باہر دو گرام کرنے سے محضوری ظاہر کر دی ہے۔ اور یہ اطلاع دو بجے پہنچائی گئی جبکہ شام ۵ بجے ہونا تھا۔ اور یہ فیصلہ متعلقہ حکام نے اسی دن ایک میٹنگ میں کیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ متفق تھے۔ جبکہ ایک کی کو روپ معذرت بتایا گیا۔ واضح رہے کہ نیشنل سنٹر کا پر دو گرام ہمارے دوست جناب نیاز پاشا نے قریب دیا۔ جس کی مسوخی سے وہ بڑے یاس ہوئے۔ کچھ رفقا و نیشنل سنٹر میں بجا دیا گیا تھا تاکہ لوگوں کو پر دو گرام کی مسوخی بارے میں بتایا جاسکے۔ اور امیر مہتمم سے ملاقات کر کے خواہشمند حضرات کو دفتر عظیم اسلامی میں بھیجا جاسکے۔ تقریباً چھ سو ڈی نیشنل سنٹر میں آکر یاس ہو کر واپس گئے جن میں اہل تعلیم یافتہ حضرات کی ایک کثیر تعداد تھی۔ جبکہ اللہ نے نہایت سے بھی نیشنل سنٹر والا پر دو گرام ان لوگوں کے لئے موزوں تھا۔ اور بہت سے اہل علم ڈاکٹر صاحب سے کرنے کے بھی تھے۔ لیکن اللہ کو یہ پر دو گرام منظور نہ ہوا۔ بعد میں بہت سے حضرات دفتر میں تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک شہیدین کے موضوع پر ایک مختصر سا خطاب بھی کیا جس کے بعد کچھ دوستوں نے سوالات پر سبب کی نفاذ شہزادہ مسجد میں امیر مہتمم کی اقتدار میں پڑھنے کے بعد ہمارا اصرار قائم میر پور کے لئے رو ہو گیا۔ میر پور ایٹ آباد شہر سے قریب چار میل کے فاصلے پر ہانہ روڈ پر واقع ایک قدیم قصبہ ہے۔ میر پور میں خا کا پر دو گرام دوست جہاںمئی گوہر کی ایک دیرینہ اور پر اہل دعوت پر رکھا گیا تھا۔ خطاب سے قبل عبدالحی گوہر نے ڈاکٹر صاحب کا مختصر تعارف کرایا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آئے ہوئے ایک ساتھی جناب برکت اللہ صدیقی صاحب اور جناب رحمت اللہ بٹ صاحب نے بھی مختصر خطاب کئے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے ایک مختصر خطاب کیا۔ "ایمان اور جہاد کے حوالے سے دو گھنٹے کے خطاب میں امیر مہتمم نے جہاد کے مختلف مراحل کو وضاحت سے بیان کیا۔

۲۷ تاریخ کو سچ دفتر میں رفقا و عظیم سے ملاقات ملے تھی۔ اس موقع پر چار نئے ساتھیوں نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ ان میں جناب حمید اللہ خان صاحب، جناب عبدالوحید صاحب، جناب عمران ضیاء صاحب اور جناب طارق حمید جدون صاحب شامل ہیں۔ اولیٰ الذکر دو حضرات اپنا کاروبار کرتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر دو حضرات طالب علم ہیں۔ اب ایٹ آباد میں رفقا و کی تعداد ۱۵ ہو گئی ہے۔ ۲۸ اگست کی صبح ایٹ آباد ڈاکٹر شہزادہ درخان پٹی صاحب سے ملاقات کے بعد امیر مہتمم ہانہ روڈ تشریف لے گئے۔ جہاں "بجے گورنمنٹ کالج، د

میں خطاب تھا۔ اس خطاب کا اختتام جناب شیراز محمود صاحب نے کیا تھا۔ ہانسبرہ کالج میں ٹھیک گیارہ بجے خطاب شروع ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے ٹھیک جاری رہا۔ حاضرین جن میں طالب علموں اور اساتذہ کے علاوہ دوسرے حضرات کی بھی خاصی تعداد تھی، نے بڑی توجہ اور انہماک سے ڈاکٹر صاحب کا خطاب سنا۔ یہاں یہ ذکر بھی کرنا چاہوں گا میر خرم کے خطابات اور کیسٹس تو اکثر ہم سننے سے جانتے ہیں اور ہر خطاب جامع، مدلل اور مؤثر ہوتا ہے۔ لیکن گورنمنٹ کالج ہانسبرہ والا خطاب اپنی عظمت، اپنی اثر انگیزی اور جامعیت کے لحاظ سے انفرادی حیثیت کا حامل تھا۔ راقم کو اس خطاب کو یاد رکھنا ڈر کر کہنے کا بڑا دکھ ہوا۔ اس خطاب نے ہانسبرہ کے علمی اور دینی حلقوں میں فی الواقع بڑا اثر کیا ہے۔ خطاب کے بعد سوالات و جوابات کی نشست ہوئی

کالج سے قاضی شیراز محمود قریشی صاحب کے گھر روانہ ہوا جہاں ڈاکٹر صاحب درختار کے طعام و قیام کا بندوبست تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد ننگر والی مسجد، انفرادی دینی کا جامع قہور کے موضوع پر خطاب تھا۔ مسجد کے خطیب اور مہتمم صاحب نے بھی تبلیغ میں شمولیت کی خواہش کا اظہار کیا۔ اللہ باقاعدہ بیعت بھی نہیں ہوئی ۲۸ اگست کی صبح ڈاکٹر صاحب لاہور سے ساتھ آئے ہوئے ساتھیوں کے ہمراہ منظر آباد روانہ ہو گئے۔

خالد وحید

منظر آباد

امیر تبلیغ اسلامی کا دورہ سرحد اور آزاد کشمیر میں ایبٹ آباد، ہانسبرہ، منظر آباد اور راولا کوٹ شامل تھے ۲۶ اگست سے شروع ہوا۔ ۲۷ اگست کو انتخابات کے سلسلے میں منظر آباد بھی گیا تاکہ وہاں جا کر مناسب اختتام کر سکے۔ چنانچہ میں ۲۳ اگست کو منظر آباد پہنچ گیا۔ ۲۴ اگست کو جمعہ تھا۔ لہذا میں نے شہر کی مشہور مساجد میں نماز جمعہ کے اجتماعات میں امیر تبلیغ اسلامی کی آمد کا اعلان کر دیا۔ جن میں خاص طور پر سلطان سید کے خطیب مولانا پروفیسر محمد عیسیٰ کانی صاحب، سول سیکرٹریٹ کی مسجد کے خطیب مولانا مظفر حسین ندوی صاحب جو کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہیں ان کے علاوہ مولانا محمد یونس اثری صاحب جو کہ جامعہ اہل حدیث کے مہتمم، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور جمعیت محمدیہ کے صدر ہیں۔ ان حضرات نے امیر تبلیغ اسلامی کے دورہ کے پروگرام کا اعلان فرمایا اور اثری صاحب نے تو اپنے خطبہ جمعہ کی تقریر میں ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی تعارف کر لیا جس میں ڈاکٹر صاحب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ میں مرکز سے آئے ہوئے اپنے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے پروگرام کے اشتہارات ساتھ لے آیا تھا۔ ان اشتہارات کو شہر میں گونانے میں میری مدد اثری صاحب کے مدرسہ کے طلبہ نے کی۔ ۵ اگست کو میں نے اور مولانا اثری صاحب نے خبر کے معززین کے علاوہ حکومت آزاد کشمیر کے اعلیٰ حکام سے انفرادی ملاقاتیں کر کے ان کو ڈاکٹر صاحب کے پروگرام سے آگاہ کیا۔

اسی دوران پروگرام میں ایک تبدیلی کا فیصلہ کیا گیا۔ وہ یہ کہ ۹ اگست کو صبح ساڑھے سات سے نو بجے ٹھیک ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب سول سیکرٹریٹ کی مسجد میں ہو۔ اس کے لئے چیف سیکرٹری صاحب سے ایک اجازت نامہ حاصل کیا گیا کہ وہ اس دوران سیکرٹریٹ کے محلے کو ڈیڑھ گھنٹے ٹکی چھٹی دیں کہ وہ اس وقت میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر سن سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا عنوان تھا "استحکام پاکستان" اس اجازت نامہ کے بعد ۹ اگست کو ۱۰ بجے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا آغاز ہوا۔

سرور مرنے پر بعد تعاون کیا جس کے لئے ہم ان کے مشکور ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں ذفرہ قدرت ہوتی ہے نہ تعصب اور نہ ہی کوئی سیاست بلکہ تقریر کا محور قرآنی پیغام ہوتا ہے اس لئے آپ کی تقاریر پر کتبہ فکر کے معنات کے لئے دعوت نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن حضرات نے امیر عزم کی اس مہم میں شرکت کی ان میں جناب عبداللطیف انصاری صاحب، ناعم ذکوة معناب، چوہدری منیر صاحب، پرنسپل سیکرٹری برائے صدام آزاد کشمیر جناب سردار ابراہیم صاحب، سیکرٹری اسلامی نگرانی کونسل جناب ڈاکٹر یحییٰ صاحب سیشن جج، جناب مولانا مظفر حسین ندوی صاحب، جناب قادی حبیب الرحمن صاحب، امیر تحریک اسلامی مظفر آباد، محمد خان اعوان، امیر تحریک اسلامی گڑھی ڈوہڑہ جیسے چیدہ چیدہ حضرات شامل تھے۔ ان حضرات نے اپنے تعاون کا بھی یقین دلایا۔

اسی روز معزز کی نماز کے بعد مسجد اہل حدیث میں امیر عزم کا درس قرآن تھا۔ مسجد اہل حدیث اپنی وسعت کے باوجود بہت ہی تنگ محسوس ہوئی۔ چونکہ ماثرا اللہ شرکاد کی تعداد فضیلین کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ تحریک اسلامی کے امیر جناب قادی حبیب الرحمن صاحب کے بقول اس شہر میں اس سے بڑا اجتماع اس سے قبل نہیں ہوا تھا۔ لوگ بالکل سنبھل کر بیٹھے اور باہر لگیں اور گھروں کی چھتوں پر بھی لوگوں کے ٹکٹ ٹکٹ لگ گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا مختصر تعارف مولانا یونس اثری صاحب نے کر لیا۔ اس کے بعد امیر عزم نے دو گھنٹہ تک حقیقہ توحید کے عملی تقاضے کے موضوع پر نہایت جامع اور مدلل تقریر فرمائی۔ تقریر کے دوران پسے مجمع میں بالکل سکوت طاری تھا۔ لوگوں نے دل جمعی کے ساتھ پوری تقریر سنی۔ ایک شخص بھی دو بار ان تقریر اپنی جگہ سے ڈانٹا۔ خطاب کے فوراً بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔

دوسرے دن صبح ساڑھے سات بجے سول سیکرٹریٹ کی خوبصورت مسجد میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ کیونکہ مظفر آباد میں سرکاری طور پر ملازمین کو تقریر سننے کی اجازت تھی اس لئے پوری مسجد اور باہر کی شریک ملک لوگ تھے۔ مظفر آباد کے اعلیٰ حکام، سرکاری افسران اور جملہ ملازمین کے علاوہ کثیر تعداد میں شہریوں نے دو گھنٹہ تک ”استقام پاکستان“ کے موضوع پر تقریر کی۔ اس کے بعد پریس کلب کے ناظم خواجہ عبدالرشید صاحب کی شدید درخواست پر پریس کلب مظفر آباد میں امیر عزم نے ”ہماری دینی ذمہ داریاں“ کے موضوع پر مختصر خطاب فرمایا۔

اس دودھ مظفر آباد میں تقریباً بیس افراد بیت کے لئے تیار ہوئے۔ ان حضرات کو امیر عزم کی کتب کا مطالعہ کرنے کو کہا گیا تاکہ یہ حضرات شعوری طور پر بیت کے لئے آمادہ ہوں۔ بعدہ امیر عزم برصغیر کے ساتھ راولا کوٹ کے لئے قائم سفر ہوئے۔ اس طرح یہ نہایت کامیاب دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

محمد یونس قریشی

راؤ لا کوٹ

پندرہ نومبر کے مطابق ۱۶ راکٹ کو قرآن کیتھیڈرائی ہجڑ میں امیر تنظیم اسلامی کے درس قرآن میں شرکت کے بعد رات تقریباً گیارہ بجے پانچ رشتہاء بطول راقم ہجڑ سے دودھ سرور آزاد کشمیر کے لئے روانہ ہوئے۔ نماز فجر سے تھوڑی دیر قبل

بپنہ کی پیچھے۔

ٹاشٹے کے بعد جناب شعیب رحم صاحب اور راقم، جن کے ڈسٹے راولا کوٹ کے پروگرام کے سلسلہ کی ذمہ داری تھی، ریڈیو پر راستہ بکھیرا، آواز میں روانہ ہوئے۔ آٹھ گھنٹے کا خطاب دینے والا ستر کے کم راولا کوٹ پہنچے۔ بغیر وقت ضائع امید سے جامع مسجد راولا کوٹ پہنچے جہاں کے خطیب محترم قاری عبدالرزاق صاحب سے ملاقات کا پروگرام تھا جو ناہریشانی کے منتقل فرمادے ہیں، معلوم ہوا کہ قاری صاحب صبح سات بجے تشریف لاتے ہیں اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد تشریف لے جاتے ہیں، جو راولا کوٹ کے مین بازار سے کافی پٹ کی گلی کی جانب واقع ہے۔

نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں جن عالم اور شعیب رحم قاری صاحب سے ملنے کے لئے ان کے رہنے پر شعیب رحم صاحب تنہا کے خیال رکھتے ہیں سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اندرون ملک متعدد دودوں میں ساتھ لے کر درجہ سے جو تجربہ انہیں حاصل ہے وہ ہر جگہ برسرِ کلم آیا، اللہ جی جیسے سستا آدمی کو، ہوتا آہ کرنا رہا۔ قاری عبدالرزاق صاحب سے ملنے پر وہ تمام شکوک و شبہات جو گئی جوان دشمن گزار راستوں میں چلنے کے بعد سے ہم جیسے میدانِ حلقوں میں رہنے لے لوگوں کو بھولتی ہے۔ قاری صاحب صاحب علم لوگوں میں سے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ دوا سے جلتے بھی رہے ہیں۔ اب تمام صلاحیتیں اور اوقات راولا کوٹ ہی میں صرف ہو رہے ہیں۔ چھ سات بجے سے قبل نماز رکعت مسجد کے دروازے میں طالب علموں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں اور نماز فجر سے پہلے پندرہ بیس منٹ کا درس حدیث دیتے ہیں۔ جو نہایت بکرا پڑا، اہم حقائق اور حوالہ جات سے بھرپور ہوتا ہے۔

یہاں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ راولا کوٹ امدان سے ملحقہ حلقوں میں تمام اجتماعات طراہ دینی ہوں یا سیاسی دہریہ کے وقت ہوتے ہیں، کیونکہ منہ کو ہونے اور آبادی کا دور دور تک پہلے ہونے کی وجہ سے بازار نماز صبح تک بند ہو جاتا ہے۔ اور لوگ گھر میں گھسنا دھند بھرتے ہیں۔

اگلے روز یعنی، مہرگت کو شعیب رحم صاحب اور راقم گورنمنٹ کالج راولا کوٹ کے پرنسپل محترم جناب صادق صاحب سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ جن کی دعوت پر امیر محترم کالج میں خطاب کے لئے تشریف لانے والے تھے اہم دورہ داخل ان ہی کی دعوت پر تشریف دیا گیا تھا۔ کالج پہنچے یہ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب کئی کام کی غرض سے کچھ دیر لئے ہوئے ہیں۔ ہم نے موقعِ غیبت جلتے ہوئے کالج اور زرعی یونیورسٹی جو ایک ہی احاطہ میں واقع ہیں گھوم پھر کر دیکھا۔ طالب علموں کے امتحانات ہورہے تھے۔ گھوم پھر کر ہم شاف روڈ میں آکر میٹھے گئے۔ اساتذہ صاحبان کمرۃ امتحانات سے فارغ ہو کر تشریف لانے لگے۔ تعارف ہونے پر جب انہیں معلوم ہوا کہ ہم تنظیم اسلامی کے کارکن ہیں تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ اللہ میں خوش آمدید کہا۔ خاص طور پر محترم جناب عبداللہ صاحب (کمپوٹر اسیستانت) ہماری آمد سے بہت خوش تھے۔ انہیں ہماری دودوں پہلے آمد سے خاصا اطمینان ہوا کیونکہ یونیون کال لائے کالج سے وہ بہت پریشان تھے۔ اللہ انہیں امیر تنظیم اسلامی کے قیام کے لئے ریسٹ ہاؤس کا انتظام کرنا تھا۔

پرنسپل صاحب سے ملاقات کچھ ہی دیر ہوئی۔ انہوں نے وہاں ہمارا تعارف دیا اور صاحبان سے کر دیا۔ اللہ لوگوں نے پرنسپل صاحب کو ہلکے جھکے کے لئے کہا لیکن جب ہم نے بتایا کہ امیر محترم کے پاس وقت نہیں تو وہ لوگ کافی ایس جیسے اور آئندہ پروگرام رکھنے پر آمادہ کرنے لگے۔ پرنسپل صاحب اللہ عبداللہ صاحب میرا تھے اس

نے کہ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ لوگ ڈاکٹر صاحب کے متعلق اتنا شفیق رکھتے ہیں۔

غذا ٹھہر پرنسپل صاحب کے ساتھ جامع مسجد میں ادا کی۔ جامع مسجد کی انتظامیہ کے ارکان بھدرے کر دو رات صاحب کا جمعہ کا خطاب جامع مسجد میں ہو تاکہ خورد و خراج کے لوگ بھی مستفید ہو سکیں۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ جمعہ کے روز ماہور میں ڈاکٹر صاحب کے دو اجتماعات ہوتے ہیں۔ یعنی مسجد و اسلام میں خطاب جمعہ اور مسجد بار خانی بیرون شاہ عالم گیٹ درس قرآن۔ جس دن سے جمعہ کے روز ان کا ٹھہرا ممکن نہیں ہے۔ ہاؤز میں یہ پایہ کر اگست ۱۹۷۱ء کو ڈاکٹر صاحب منظر آباد سے میدان سے مسجد تشریف لائیں گے اور وہیں نماز فجر کے بعد خطاب فرما دیں گے۔ تمام نئے کے ساتھ حضرات نے بھی اپنا ایک پروگرام ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مؤخر ۲۹ اگست کو رکھا تھا۔ جس وقت کی کمی کے دوسرے خطاب کے پروگرام کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

۲۸ اگست: پروگرام کے مطابق ہم دونوں (یعنی راتم اور خجیب رحیم) انٹر ٹیم کو راولا کوٹ کے شہر پروگرام کا اعلان دینے کے لئے منظر آباد روانہ ہوئے۔ غذا ٹھہر مسجد الحیث میں جہاں بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہونا تھا ادا کی۔ منظر آباد کے اجتماعات کی روداد آپ نے ہمارے رفیق جناب یونس قریشی صاحب کی مرتب کردہ رپورٹ میں پڑھ لی ہوگی۔

۲۹ اگست: منظر آباد سے نارنگ پورے کے بعد تقریباً پورے بارہ بجے ہمارا دفتر سابقہ راولا کوٹ کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں پرنسپل صاحب اور اساتذہ کرام ڈاکٹر صاحب کو خوش آمدید کہنے کے لئے کالچ میں جمع تھے۔ صدر آزاد کشمیر محمد علی راولا کوٹ آمد کی وجہ سے مسجد میں خطاب کا پروگرام بعد نماز عصر تک ملتوی کر دیا گیا تھا۔ بخود ہی دیر کالچ میں باہمی استہجیت ہوتی رہی اور اس کا بڑے عرصے کے وقت میر عزیم کالچ کے اساتذہ کرام کے ہمراہ مسجد پہنچے۔ بعد نماز عصر خطاب شروع ہوا۔ حاضری انتظامیہ کی توقعات سے بڑھ کر تھی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ راولا کوٹ میں بر اجتماع خواہ دینی ہو یا سیاسی وہاں کے مخصوص عوامی حالات کے باعث دوپہر تک دقت ہوتا ہے۔ پاکستان کس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا؟ اس مقصد کے حصول میں کامیابی یا ناکامی کا استحکام پاکستان سے تعلق اور اس مقصد کے حصول کے لوازم کیا ہیں؟ ان موضوعات پر انٹر ٹیم نے تقریباً سوا گھنٹے تک خطاب کیا۔ تقریر کے خاتمے پر میر عزیم اور تمام رفقاء ریٹ آؤٹس چلے گئے۔ جہاں قیام کا بندوبست تھا۔

۱ اگست ۱۹۷۱ء میر عزیم کا خطاب گورنمنٹ ڈگری کالچ میں تھا۔ کالچ کال لکچر کچھ بھرا ہوا تھا۔ جس میں خطاب کے علاوہ دلا دھابان اضلع کے اساتذہ کرام کی ایک بڑی تعداد اور معزین شہر موجود تھے۔ ہمارا دینی دفتر ان کے اور ان کی ادائیگی کے لوازم کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب سے تقریباً دو گھنٹے خطاب کیا۔ اور قرآن و سنت کی روشنی میں دامن کیا کہ دین کی جانب سے ہم پر پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم خود دین پر عمل کریں۔ اپنی زندگیوں کو اللہ اور رسول کے حکام کے سامنے پیش کر دے۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دین کو سمجھیں۔ اس کے متبع بن جائیں اور تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ دین کو کتاب و سنت کے ساتھ دیکھ کر دین کی ادائیگی کے لئے ایک اجتماعی جدوجہد اگزیٹ ہو۔ دین کے نئے کالچ بھی ہے اور دینی ذمہ داریوں کو ادا کر کے ہی آخرت میں ہم فوز و فلاح کی امید رکھ سکتے ہیں۔ حاضرین نے نہایت توجہ سے ڈاکٹر صاحب کی مختصر تقریر کو سنا۔ خطاب کے بعد پرنسپل صاحب کے کمرے میں معزین

شہزادہ اساتذہ کرام سے باہمی گفت و شنید ہوتی رہی۔ دوپہر کے کھانے کا اہتمام بھی وہیں تھا۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد فرائض نے سفرِ واپسی کی غرض سے راولپنڈی کا رخ کیا۔ رات کو
ایر عزم کی سیٹ راولپنڈی سے جہاز میں بکٹھا۔
محمد افتخار قاج

بقیہ : امیر تنظیم اسلامی کا حالیہ دورہ شمالی امریکہ

ہیں، انے ایک چار روزہ انٹرنیشنل سیمینار ایران کے اسلامی انقلاب کے بارے میں منعقد
کیا تھا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کو مسلم انسٹی ٹیوٹ کے زعماد کے ایرانی انقلاب کے ضمن میں توقف
سے خاصا اختلاف ہے۔ اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ اس پس منظر میں ایک مکمل اور صحیح
اسلامی انقلاب کے خدوخال کو واضح کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسا اسوۂ رسول صلعم کے معائنہ
کے بغیر ممکن نہیں۔ اس تقریر کا اشتہار لندن کے جنگ اخبار میں بھی دیا گیا۔ چنانچہ سامعین کی
ایک بڑی تعداد نے اس پروگرام میں بہت توجہ و گوش ہو کر ڈاکٹر صاحب کے خیالات کو سنا۔
۱۲ اگست کی شام کو ہم لندن کے میٹروپولیٹن سے ٹی آئی اے کی پرواز سے روانہ ہو کر
اگلے دن دوپہر کے وقت کراچی اور وہاں چند گھنٹے قیام کر کے رات ساڑھے آٹھ بجے واپس
بحیرت لاہور پہنچ گئے۔



ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب مضامین پر مشتمل

نشر القرآن
کیٹ سیریز
۳۶ کے ماڈل نمونہ لاہور
۸۵۲۶۱۱۵

نشر القرآن
کی نئی کیٹ سیریز
قرآن مجسم کے منتخب مضامین
پر مشتمل درس قرآن کے
۳۰ کیٹ (سی۔ ۴۰-۵-۷)
کی قیمت ۹۰۰ روپے ہے
خواہش مند حضرات ۹۱۰ روپے
بذریعہ بینک ڈرافٹ / منی آرڈر
نشر القرآن کے نام بھیجوا کہ
یہ کیٹیں حاصل کر سکتے ہیں۔

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینج بولڈ - انٹرنیشنل

فون: ۳۰۳۳۵۵
۳۰۳۳۷۷

درآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
ہان کلا تھ : کائٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فنر نیچر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکرفلم : سوچ سٹارٹ
ربرٹسینکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I قلو غلام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*



HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

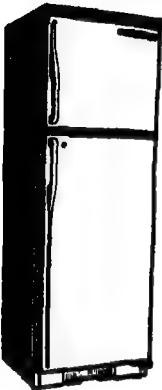
**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سائیو

SANYO

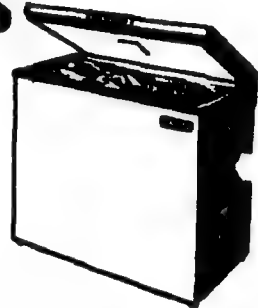
AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS



NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

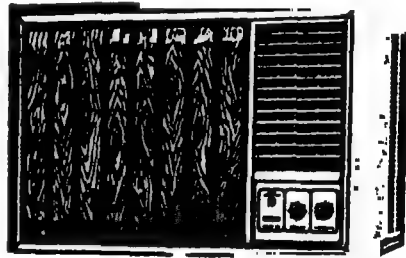


CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto
Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.



Available at all

SANYO

Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 1 Year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)

GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 526151-55 (5 Lines)

CABLE: "WORLDREST" TELEX: 26188 WWTCO PK

ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا امت ساز ادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
is our profession

IZHA LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of



**multinationals/
group of companies**

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

انجمنہ ایزھا لمیٹڈ

and the **group of Precast Prestressed**

Hollow-Core Slab in Pakistan

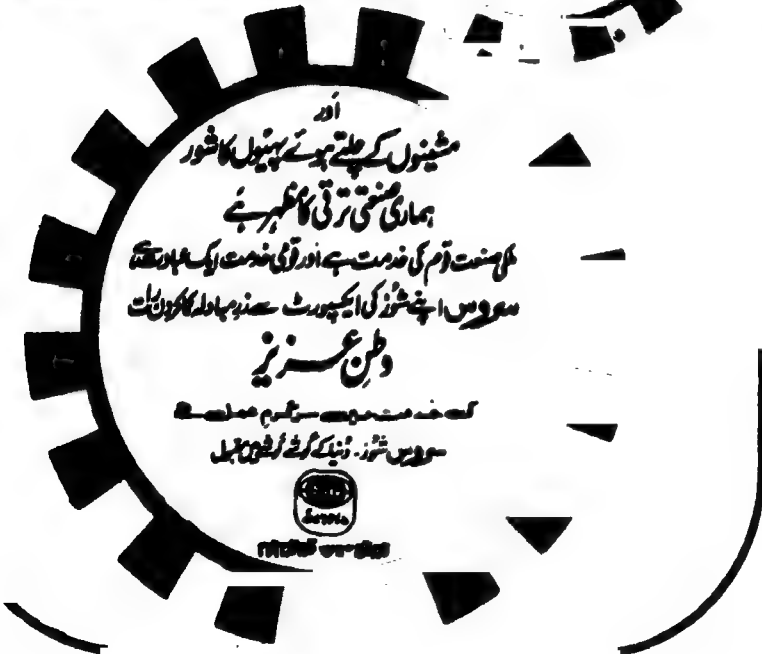


THE ORIGINAL



paragon 1

پاکستان کی کہلی فضاؤں میں



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله ایک اور اعزاز



اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے کوششوں کی طرح ۱۳-۱۹۹۲ء کے دوران
جس میں ہر قوم کی آزادی اور وطن دینے کے لیے نیشنلزم اور ایمان پر قائم رہیں آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے ساتھ امتیاز یافتہ

یہ ٹرافی جنرل محمد ضیا الحق صاحب پاکستان نے یہ پرفورمنس میں اپنے کاموں سے ملانے والی۔

ہمیں تحفے - ترمیمیں اور کیمنٹس کی دیگر مصنوعات کے سب

سے برآمد کنندگان ہونے کا اعزاز پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سٹریٹیٹ



پاکستان میں سب سے زیادہ کامیاب برآمد کنندگان کی فہرست میں

ہمیں ۱۹۹۲-۹۳ء میں شہرہ آفاق انٹرنیشنل انعام پاکستان

فون: ۳۰۹۲۶۹-۳۰۵۲۶۹، شاہی ٹیکس: 44543 NOOR PK

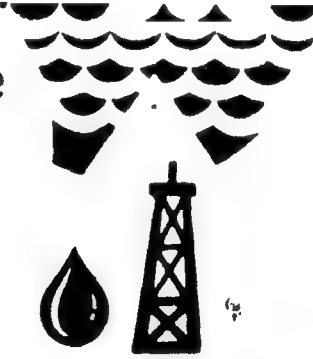
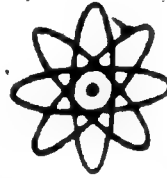
پتہ: ۹۱۴۰۹۹، دس ٹیٹہ، چیمبرز، دوست دہلی، وٹہ، کراچی، پاکستان

فون: ۲۰۳۵۴۰-۲۰۳۳۹۰، تار: TARPALIN ٹیکس: 25480 NOOR PK

قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں ہماری صنعت سمبورت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی نہ ہم شعبوں کے فروغ میں کام آسکے گی۔



قدرتی گیس بہت
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ

سو فیصد نادر درجہ گیس پائپ لائنز لائیڈ



10/11/84

الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين
الطاهرين

مفت

مشاق
ماہنامہ



داتا گنج بخش

مرکزی مکتبہ تحفہ اسلام آباد

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :
*WATERPROOF COTTON CANVAS TARPULINS
TENTS WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS.*



HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE

5-A, JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K. GUTBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL - LAHORE

TELEPHONE : 870512-880751

بشائر

جلد ۳۳ نومبر ۱۹۸۴ء - مطابق صفر المظفر ۱۴۰۵ھ شمارہ ۱۱

مشمول

- ۳ ● عرضِ احوال —————
جمیل الرحمن
- ۷ ● تذکرہ و تبصرہ —————
و ہمارے معاشرے کی اصل کمزوری
و قصاص و دیت کا مسودہ قانون
و مسئلہ رجم اور دین میں عقل و نقل کا صحیح مقام
ڈاکٹر اسد احمد
- ۵۱ ● [مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی کا
ایک استفسار — اور
امیر تنظیم اسلامی کی طرف سے اس کا جواب]
- ۶۹ ● افکار و آراء —————
[ڈاکٹر اسد احمد کی گذشتہ تقریر پر]
[علامہ کرام کے تبصرے اور آراء]
- ۸۵ ● رفتاریہ کار —————
ادارہ



اداریہ

شیخ عین الدین
عزیز الرحمن

سالانہ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسد احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع
محبت پبلیشنگ فامیل سنٹر لاہور

۱۱۷۱۶۱
مکتبہ تحفہ القرآن لاہور

ضلع: ۸۵۲۶۱۱

سب آئیں: ۱۱ داؤد منشا
نزد آرام باغ، شہزادہ یاقوت کراچی

کاپیوں کو ملنے کا پتہ
۲۱۴۷۰۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سائیکو

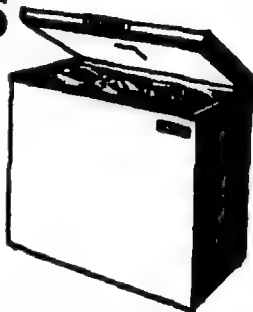
SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Specious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.



CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h

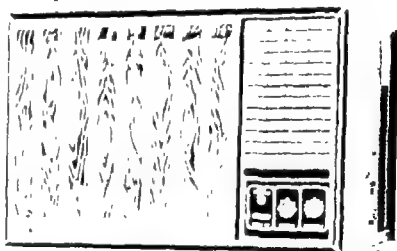
Noiseless Operation.

Trouble Free Service, Auto

Deflector (Swing System).

Brown Teak Wood finish Grill.

Inter at all



SANYO
Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's
ATTENTION: Your guarantee certificate in order to avoid any after
sales service.



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)

GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 526151-55 (5 Lines)

CABLE: "WORLDREST" TELEX: 25100 WWTCO PK

عصرِ احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولنا الکریم

بفضلہ تعالیٰ دعوت "یشاق" بابت صفر المنظر ۱۳۸۷ مطابق نومبر ۱۳۸۶ء پیش خدمت ہے۔ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد و فقہ کی دو اہم چیزیں شامل ہیں۔ پہلی چیز ڈاکٹر صاحب موصوف زادہ خطاب ہے جو موصوف نے ۲۲ اگست ۱۹۸۴ء کو صلوٰۃ جمعہ سے قبل مسجد دارالسلام میں ارشاد فرمایا تھا۔ جس میں جہاں ملکی موجودہ حالات پر بلا واسطہ تبصرہ تھا اور اس امر کی نشاندہی بھی کہ بحیثیت جمہوری ہمارے معاشرے میں مسلمان جینا و مسلمان مرنے کے جذبہ صادق ہی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے شریعت کے واضح نصوص پر بحث و مناقشہ کا لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ وہاں اصل موضوع قصاص و دیت کے مسودہ قانون کے متعلق ان اعتراضات کا جواب تھا جو ملک میں "روشن خیال" طبقے خاص میں پر اس طبقے کی خواتین کی طرف سے اٹھایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہایت سادہ لیکن دلائل انداز سے اس مسئلے کو واضح فرمایا۔ ساتھ ہی اس فرق کی حکمت بھی بیان کر دی ہے جو قتلِ خطا کی صورت میں مرد و عورت کی دیت کے مابین شریعت نے رکھا ہے۔ جو لوگ بھی شریعت پر عمل کرنے کے ارادے سے معروضی طور پر ان امور پر غور کریں گے تو ان شاء اللہ ان پر شریعت کا حکم اور اس کی حکمت مبرہن ہو جائے گی۔ یہ خطاب بھی کیسٹ ہے منتقل کیا گیا ہے۔

دوسری چیز جناب الشیخ ایاز کھاناوی صاحب جو باب العلوم، کبر و ذیقا و امتان سے متعلق ہیں، کے دو خطوط اور ایک استفسار شائع شدہ معاصر "الخیبر" ملتان بابت جولائی ۱۹۸۴ء اور ان کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے قلم سے تحریر کردہ جواب شامل ہے۔ جواب کا اصل مناد یہ ہے کہ علماء کرام خاص طور پر ان علماء عظام کی غلط فہمیاں رفع کی جائیں جو حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن دین بندوقی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادات و عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں۔ نیز ان کو دعوت دی جائے کہ وہ اس کام کی تجدید کی طرف اپنی توجہات کو مرکوز فرمائیں جس کے لئے شیخ الہندؒ اپنی عمر کے آخری حصے میں نہایت مضطرب اور علی جد و جد کے لئے کوشاں تھے۔ آج اس ملک میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس طرح ایک طرف "اسلام آرہا ہے" کی گردان ہے اور دوسری طرف منکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے اور شریعت حقہ کے ان احکام و شعائر کو بحث و تمحیص اور اعتراض نیز مخالفت کا ہدف

بنایا جا رہا ہے جن پر چودہ صدیوں سے امت کا اجماع رہا ہے، علماء کرام کا دینی فرض ہے دینِ حنیف کی مدافعت کے لئے بیانیہ مرموص بن کر کھڑے ہوں اور ان فتنوں کے سب سے اپنی توانائیاں لگا دیں اور اس سلطنتِ خدا داد پاکستان میں اسلامی انقلاب کی راہ کرنے کے لئے اپنی ذمہ داری ادا فرمائیں۔ اسی میں اس ملک کے لئے بھی خیر ہے اور اس کام کے لئے سعی و محنت کرنے والوں کے لئے بخودی فوز و فلاح مضمر ہے۔

متبرک کے "یشاق" میں محترم ڈاکٹر صاحب کا وہ مکمل خطاب شائع کیا گیا تھا جو ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۸۷ء کو "قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریک" بارے میں علماء کے خدشات کے موضوع پر ارشاد فرمایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب پر ادارہ "یشاق" کی جانب سے متعدد علماء کو تبرک کی دعوت دی گئی تھی جن میں جو تبرکے ادارے کو تادم تحریر موصول ہوئے ہیں وہ بلا تبرک اور بلا ترمیم اس میں "انکار و آراء" کے مستقل عنوان کے تحت شائع کئے جا رہے ہیں۔ فردوسی نہیں ان تبصروں میں جن آراء کا اظہار کیا گیا ہے، ان سے ادارے کو صدفی حد اتفاق ہو۔ حضرات نے خلوص و داخل کے ساتھ اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ ان کی اشاعت کا مقصد کہ "یشاق" کے قارئین کرام کے سامنے یہ بات آجائے کہ ہمارے اصحاب علم و فضل نے امیرِ تبرک خطاب سے کیا اثرات قبول کئے ہیں۔

بفضلِ تعالیٰ امیرِ تبرک کی صحت بہتر ہے۔ بھمہ اللہ ان کو ۲۸ ستمبر سے کافی افادہ ہو گیا۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر کے جمعہ سے امیرِ تبرک کی دعوتی سرگرمیاں مسجد دار السلام کے خطابِ جمعہ سے شروع ہیں اور معمولات کے مطابق پیر دین لاہور بھی دعوتی دوروں کی تجدید بھی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ دعا ہے کہ وہ امیرِ تبرک کو صحت کا ملا عطا فرمائے تاکہ جو جہلتِ عمر ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے عطا میں مقرر ہے اس کا ہر لمحہ خدمتِ دین میں صرف ہو۔

کچھ عرصہ قبل کراچی کے بعض احباب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال ڈالا کہ پاکستان پر محترم ڈاکٹر صاحب کا تعلیماتِ قرآنی پر مبنی جو مہنت دار پروگرام "الہدٰی" کے نام سے جاری تھا جس میں موصوفِ منتخب نصاب کا درس دے رہے تھے جو ابھی نصف تھا کہ اسے ٹی وی کے ارباب اختیار کی جانب سے بند کر دیا گیا اور جس کی بندش پر قریباً

بیت گئے اور بظاہر احوال اس کی تجدید کی صورت نظر نہیں آتی تو کیوں نہ کراچی میں اس پریم گرام کی تکمیل کے لئے کسی شایان شان مقام پر "الہادی" کے تسلسل کو جاری رکھنے کی کوشش کی جائے۔
 — خلوص و اخلاص سے جو کام کیا جاتا ہے اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ اسے کامیاب فرماتا ہے۔ چنانچہ اس نے خاص اپنے فضل سے اس کوشش کو کامیاب فرمایا۔ کراچی کے اعلیٰ ترین ہوٹل "تاج محل" کے میٹجنگ ڈائریکٹر جناب منصور فیروز الدین بویجہ صاحب نے اس مقصد کے لئے اپنے ہوٹل کے موتی محل آڈیٹوریم کی پیش کش فرمادی۔ نیز چند احباب نے مل جل کر اس پروگرام کے انعقاد کے اخراجات پورا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ چنانچہ ۲۹ اکتوبر بروز سوموار بعد نماز مغرب ان شاء اللہ شاہ الہادیؒ کے نام سے اس کا آغاز ہو جائے گا اس کا انتظام "بزم احباب الہادیؒ کراچی" کرے گی۔ جس کی کنوینٹنٹ کمپشن دریا ٹراڈ، کریم صدیقی صاحب نے قبول فرمائی ہے۔ اللہ نے چاہا تو آئندہ آگست کی ماہ کے آخری سوموار کو بعد نماز مغرب اسی مقام پر یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جب حضرات نے خالصتہً وجہ اللہ اس کا بر فیض میں تعاون فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس کا اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔

ادارہ یشاق کو بعض ناشران کی جانب سے کتب برائے تبصرہ ارسال کی جاتی ہیں۔ لیکن ایک تو کوئی ایسے صاحب میسر نہیں تھے جو ان کتب کے مطالعہ کے لئے وقت نکال کر تبصرہ لکھتے دوسرے یشاق کے صفحات میں اس کی گنجائش پیدا کرنا بھی نہایت دشوار نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جناب محمد رفیق چودھری صاحب ادارہ حکمت قرآن سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ چودھری صاحب علم و فضل ہیں اور اس کام کے اہل ہیں۔ چنانچہ موصوف نے یہ ذمہ داری بھی قبول کر لی ہے کہ وہ آمدہ کتب پر مستقل طور پر تبصرہ کیا کریں گے جو ان شاء اللہ حکمت قرآن میں شائع ہوا کرے گا۔ اس کا آغاز ماہ نومبر ۸۸ء کے شمارے سے ہو جائے گا۔ لہذا جو ناشر حضرات اپنی کتابوں پر تبصرہ چاہتے ہوں ان سے گزارش ہے کہ وہ آئندہ کتابیں ماہنامہ حکمت قرآن ۳۶ کے ماڈل نمونہ لاہور کے نام ارسال فرمایا کریں۔

مضامین کی کثرت اور صفحات کی قلت کے باعث سلسلہ وار مضمون "الہادی" اس شمارے میں شامل نہیں کیا جا رہا۔ آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ اس سلسلے کی بیسیوں قسط شائع ہوں گی جس سے سورۃ تغابن کے درس کا آغاز ہوگا

بید اللہ التوفیق و علیہ التحکلات

الہدیٰ

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر مسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)
 کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل

نشر القرآن تنظیم اسلامی

۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔
 ۸۵۲۶۱۱۱۱

کارمینا

تمام قسم کی بیماریاں
 سینے اور آنکھوں کے افعال کو
 نظم و درست کرتی ہے۔



مکمل ویکٹری

تذکرہ و تبصرہ

- ہمارے معاشرے کی اصل کمزوری
— قصاص و دیت کا مسودہ قانون
— مسئلہ رجم — اور دین میں عقل و نقل کا صحیح مقام

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا مندرجہ بالا موضوعات پر جمعۃ المبارک ۲۴ اگست ۸۶ء کا خطاب قدرے عکس اضافہ کے ساتھ استفادہ عام کیلئے پیش ہے (رادار) ۱

الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى
خصوصاً على افضاهم سيد المرسلين خاتم النبيين محمد الامين
وعلى آله وصحبه اجمعين — اما بعد
عن انجربا هي بنت سارية رضى الله عنه قال وعظنا
رسول الله صلى الله عليه وسلم موعظة وجلت منها
القلوب وذرفت منها العيون ، فقلنا يا رسول الله
كنا نكلم موعظة مودعة فاذ مننا قال اذ منكم يتقوى
الله والسَّمْعُ والطاعة وان تأمروا بغيره فافعلوا
فمن يعش منكم بعدى فسيروا اخيلاً فاكثروا فعليكم بسنتي
وسنة اخلاف الراشدين المهديين عهدوا عليهما بالتواجد
واياكم فمحدثات الامور فان لكل بدعة ضلالة — اما بعد
فانعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم
رب اشرح لي صدري ويسر لي امري واحلل عقدة من لساني

يَفْقَهُوا قَوْلِي۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَمَحْقُ حَقًّا وَاِنْ قَنَّا اِتِّبَاعُهُ وَاِنَّا لِبَاطِلٌ بِالْاُطْلُوَارِنَا
اِجْتِنَابُهُ۔ اَللّٰهُمَّ وَحَقَّقْنَا اَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي
اَللّٰهُ لَوْمَةً لَّا تُعْرَبُ۔

حضرات! گذشتہ جمعہ میں، میں نے اپنے ان بعض مشاہدات کا ذکر کیا تھا جو ایک
طویل سفر سے واپسی پر مجھے وطن عزیز میں ہوئے تھے اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات اور
اپنے احساسات قدرے تفصیل سے آپ کے سامنے رکھے تھے۔ انہی میں ایک مسئلہ قصاص
و دیت کے مسودہ قانون سے متعلق ہے جس کے بارے میں ایک CONTROVERSY
ہمارے ملک میں عرصہ دراز سے چل رہی تھی۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ اس دوران اس
CONTROVERSY میں اس منقسمہ میں بہت شدت پیدا ہوئی۔ ایک خاص
نقطہ نظر کے حق میں خواتین کی بعض تنظیموں کی طرف سے احتجاجی جلسوں نکالے گئے اور جلسے
کئے گئے۔ اخبارات میں کثرت سے مضامین، بیانات اور مراسلات شائع ہوئے۔ جو اب
دوسرے نقطہ نظر کی جانب سے بھی جلسے ہوئے اور اخبارات و ذرائع عامیہ طور پر دینی رسائل میں
اپنی رائے کا اسلامی نقطہ نظر سے بدل اظہار رائے کیا گیا۔ اس سے پہلے قانون شہادت
کی ایک شق کے بارے میں بحث و تمحیص اور مخالفانہ آراء کا ہمارے ملک میں ہمارے معاشرے
میں ”روشن خیال“ خواتین کی طرف سے اخباری بیانات، مراسلات، مضامین کے اظہار اور
احتجاجی جلسوں، جلسوں اور مظاہروں کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ اس کے ضمن میں بہت
سے احباب کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہوگا۔ اور بعض حضرات نے مختلف مواقع پر
مجھ سے اس کے بارے میں استفسار بھی کیا۔ وہ استفسار یہ تھا کہ میں ان موضوعات و
معاملات میں کیوں خاموش رہا ہوں اور میں نے ان مسائل پر اپنی کسی تفصیلی رائے کا
اظہار کیوں نہیں کیا! حالانکہ ایک خاص اعتبار سے لوگوں کو توقع تھی کہ شاہین معاملات
میں سب سے زیادہ شد و مد کے ساتھ میری طرف سے اظہار خیال ہوگا۔ چوں کہ ایسے
معاملات میں نقطہ نظر کا جو بنیادی اختلاف کارفرما ہے وہ مردوں اور عورتوں کے

لے یہ مکمل تقریر حیا ق اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔ (۱ رتب)

مل مساوات کا نظریہ ہے جو مغرب کی جدید فکر، فلسفہ اور تہذیب و تمدن دہے میں سرائت کئے ہوئے ہے اور اسی نظریے سے مرعوب و مسحور معاشرے میں ایک فعال طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ عددی اعتبار سے یقیناً ایکٹھیٹ ہے، لیکن فعال اقلیت ہے۔ وہ مساوات مرد و زن کے نظریے پر پورا ایمان نہ دیتی اقلیت ہے جو ایسے تمام مسائل میں جہاں ان کے نظریے کے مطابق عورت کی نوعیت سے مرد کی برابری کا نہ ہو، سرایا احتجاج بن جاتی ہے پھر اسی اقلیت تر افراد چون کہ یا تو حکومت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہیں یا بڑی بڑی صنعتوں بڑے تجارتی اداروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا اس طبقے کے احتجاج، خاص طور پر یاتین کے احتجاج، مخالفانہ بیانات، مراسلات اور مضامین کو ہمارے ذرائع ابلاغ حیثیت سے COVERAGE دیتے ہیں۔ ان کی تشہیر کرتے ہیں۔ چنانچہ عات معاشرے میں ایک شدید رد و قدح اور بحث و مباحثے کا باعث بن ہیں۔

پہ حضرت کو یاد ہوگا کہ یہ مساوات مرد و زن کا جواصل مسئلہ ہے، اصل CONTROL ہے جواصل بنا دے اس کے ضمن میں آج سے قریباً دو سال قبل جو سے بڑی CONTROVERSY زور شور سے اٹھی تھی وہ میرے ہی حوالے سے لی تھی۔ یعنی ستر و حجاب اور عورت کے جڈاگانہ دائرہ کار کا مسئلہ۔ اگرچہ میں نے اپنے کسی شعوری ارادے سے، اپنے کسی فیصلے سے یا اپنی کسی سوچی سمجھی نخت شروع نہیں کیا تھا بلکہ ایک نیم دوستانہ اور ایک نیم صحافیانہ گفتگو تھی۔ پرنٹنگ ہوئی اور اس کے حوالے سے اس وقت ہمارے ملک میں ایک طوفان تھا۔ تاہم جب یہ مسئلہ چھڑ گیا اور سوال اٹھ کھڑا ہوا تو اس مسئلہ پر میں جو نقطہ نظر رکھتا ہوں اور ہمارے دیح کی جو تعلیمات ہیں، میں نے اُن کو بھر اور پوری قوت کے ساتھ پیش کیا تھا۔ چنانچہ مساوات مرد و زن کے مسئلے

۱۔ ڈاکٹر صاحب کا اس موضوع پر مبسوط مدلل خطاب اسلام میں عورت کا مقام“
ن سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے (مرتب)

کے بارے میں **CONTRADICTORY** کا وہ جو دور تھا اس میں "روشن خیال طبقے کے نزدیک نمایاں ترین اور متنازعہ ترین شخص میں بن گیا تھا۔

لیکن جب اُسی ساداتِ مرد و زن کے مسئلہ کا ان دو اعتبارات سے یعنی قانونِ شہادت کی ایک شہادت اور مسودہ قانونِ قصاص و دیت کے حوالے سے مزید غور و نظر کیا تو اس پر میں خاموش رہا۔ یقیناً یہ ایک سوال ہے جو بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا ہو گا اور بعض حضرات نے، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، اس کے بارے میں مجھ سے باغیہ استفسار بھی کیا۔ میری اس خاموشی کا جو سبب ہے پہلے میں اُسے بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ پھر قصاص و دیت کے مسئلہ پر اپنی رائے پیش کر دوں گا جو ان شاء اللہ کتاب و سنت پر مبنی ہوگی۔ اصل سبب یہ ہے کہ میری تشخیص یہ ہے کہ ہمارے اس معاشرے میں جس کے مختلف اجزائے ترکیبی ہیں، جن کا ایک اجمالی ذکر میں آگے چل کر آج کی گفتگو میں کروں گا انشاء اللہ میری تشخیص یہ ہے کہ بحیثیتِ جمعی اس معاشرے میں مسلمان جیتے اور مسلمان مرنے کا داعیہ اور ارادہ مضبوط ہو چکا ہے۔ اصل شے یہ ہے کہ کسی فرد میں کسی قوم میں یہ عزم پیدا ہو جائے کہ اُسے مسلمان جینا ہے، مسلمان مرنے ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اب خود اس کی طرف سے یہ بات ایک بالکل معروضی انداز میں پوچھی جائے گی، تلاش کی جائے گی کہ اسلام کیا کہتا ہے! میں مسلمان رہنا چاہتا ہوں، مسلمان مرنے چاہتا ہوں لہذا مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کیا ہے! اللہ کا حکم کیا ہے! اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کیا ہے! ہمارے ائمہ عظام جنہوں نے اسلام کو سمجھنے میں اپنی پوری پوری زندگیاں بھیا دی ہیں، انہوں نے غلامِ مسند میں کیا رائے ظاہر کی ہے! اس وقت ایسے شخص کا رویہ ہوگا اتباع کا۔ اس کے اندر ایک جذبہ ہوگا اطاعت کا۔ ایسا شخص کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کرے گا تو اس لیے کہ اس کے اپنے اندر ایک داعیہ پیدا ہو چکا ہے کہ اُسے معلوم ہو کہ اللہ کا حکم کیا ہے! تاکہ وہ اس پر چلے۔ اُسے معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے! تاکہ وہ اس کے مطابق اپنی زندگی کا رخ تبدیل کرے۔ اُسے معلوم ہو کہ اہل علم کا کیا کہنا ہے! تاکہ وہ اس کے مطابق عمل کرے۔ یہ رویہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ افراد کی یا اجتماعی سطح پر یہ ارادہ وجود میں آچکا ہو۔ لیکن اگر یہ ارادہ موجود نہ ہو تو مختلف مسائل کے

بارے میں یہ ساری بحثیں کہ قرآن کیا کہتا ہے، ہر مسئلہ کی سنت کیا ہے، امام ابوحنیفہ کا قول کیا ہے، امام شافعی کی رائے کیا ہے، امام مالک اور امام احمد ابن حنبل کا موقف کیا ہے! خلفائے اولیاء کا تعامل کیا ہے! تابعین و تبع تابعین کا مسلک کیا ہے! محض علمی بن کر رہ جاتی ہیں۔ یہ علمی CONTROVERSY ہے جس کی عملی اعتبار سے کوئی افادیت نہیں ہے۔

اگر میری یہ تشخیصیں اور میری یہ رائے صحیح ہو کہ ہمارے معاشرے میں مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کا جذبہ اور داعیہ مضہل ہے، وہ ارادہ ہی موجود نہیں ہے۔ اشخاص کے اندہ ہی شاذ ہی ایسے افراد ہمارے معاشرے میں ملین گے۔ جن میں یہ ارادہ قوی ہے اور مضبوط ہے، لیکن جب ہم معاشرے کو ایک اکائی کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا

ہے کہ اس اعتبار سے وہ ارادہ — جسے میں "COLLECTIVE WILL" کا نام دیتا ہوں — اگر بغیر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ زبانی تلاوی اسلام کی مدح ملتی ہے، لیکن اعتبار سے اسلام کے حق میں وہ اجتماعی ارادہ، "COLLECTIVE WILL" نہ ہیں مسلمان جینا ہے، مسلمان مرنے کا ارادہ نہیں ہے، — ہذا اسی صورت حال کے پیش نظر جو فی الواقع درپیش ہے، موجود ہے، اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ اس اجتماعی ارادے پیدا کیا جائے۔ "THE WILL TO BE A MUSLIM" — وہاں صلوٰۃ

تَشْتَبِکُ وَتُحْيَاۤیَ دَمَآتِی دَبَّہِ الْفَلِیْنِ ۝ ایک انسان پیدا یہ فیصلہ تو کرے اور اسی نتیجے سے ایک معاشرہ — جب یہ فیصلہ ہو جائے گا تو اب شریعت کے تمام احکام کو اپنا بالکل قبول کرنا اور ان پر عمل کرنے کی پیہم اور مخلصانہ سعی و کوشش کرنا بڑا آسان کام رہ جائے گا۔ اس کی ایک بڑی نمایاں مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور قرآن مجید کے دل کے اعتبار سے جو حکمت دین ہے، اس کا بھی یہ ایک اہم پہلو ہے کہ ابنا میں احکام میں دیئے گئے۔ شریعت کے احکام اور حلال و حرام کے احکام — کچھ نہیں دیئے گئے۔ یہ تیرہ برس جو مکہ معظمہ کے ہیں، ان میں اس ارادے کو تقویت دی گئی۔ اللہ کی توجہ پر، مولیٰ کی رسالت پر اور وقوع قیامت و آخرت پر ایمان پیدا کیا گیا۔ یقین پیدا کیا گیا۔

سایانہ والیعتان کے نتیجے میں ارادہ ابھر کر سامنے آیا اور عمل کا ایک شدید داعیہ املی بیان نے تلوہ میں موجزن ہو گیا۔ گویا کہ ایک STRONGEST COLLECTIVE WILL وجود میں آگئی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت کے بعد جب اہل ایمان کا اپنا ایک معاشرہ وجود میں آگیا تو انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایمان کے مقصدیات کے مطابق بسر کرنے کی اس معاشرے میں شدید طلب اور پیاس پیدا ہو گئی۔ ایک URGE یا پوری قوت سے ابھر آیا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ مدنی سورتوں میں سب سے پہلی اور سب سے طویل صورت سورۃ البقرہ ہے اس میں کئی جگہ بہت سے احکام کا ذکر اس طرح ملتا ہے "يَسْأَلُكَ" لے نہی یہ آپ سے پوچھ رہے ہیں۔ جیسے "يَسْأَلُكَ عَنْ التَّحْرِيمِ" لے نہی یہ آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں۔ "يَسْأَلُكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ" لے نہی یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کتنا خرچ کریں! "يَسْأَلُكَ مَاذَا أُجِلْتُمْ" لے نہی یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیزیں ان کے لیے حلال ہیں!۔ پس معلوم ہوا کہ جب وہ COLLECTIVE WILL پیدا ہو گئی تو خود بخود سوال پیدا ہوئے کہ ہمیں بتایا جائے کہ زندگی کے مختلف معاملات اور مقصدیات میں ہم کیا کریں! کون سا رویہ اختیار کریں!۔ یہ داہرہ اتنی شدت سے ابھرا کہ شریعت کے احکام معلوم کرنے کے بارے میں جستجو اصرار اور URGE پیدا ہو گیا۔ تو جب یہ COLLECTIVE WILL پیدا ہو گئی۔ یہ URGE ابھی طرح ابھرا تو اس کے بعد احکام دیئے گئے اور جیسے جیسے احکام نازل ہوتے گئے تو معاشرہ گویا پہلے سے تیار تھا اور وہ قبول کرتا چلا گیا اور احکام کی تنفیذ ہوتی چلی گئی۔ ہم کو اس معاشرے میں یہ بات قطعی نظر نہیں آتی کہ کسی مسئلہ میں کوئی CONTROVERSY پیدا ہو گئی ہو۔ بلکہ سوائے سود کی حرمت کے حکم کے اور کسی حکم کے متعلق ہمیں اس دور میں یہ بات بھی نظر نہیں آتی کہ کوئی عقلی دلیل بھی طلب کی گئی ہو۔ سود کی حرمت کے حکم پر یہ عقلی اعتراض دار دیکھا گیا کہ وہ یہ کہتے ہیں: اِسْمًا اِلَيْهِ يَرْجِعُ السُّبْحَانُ۔ بیچ میں بھی تو کچھ منفعت ہو جاتی ہے کچھ نفع ہو جاتا ہے۔ سو روپے کی چیز خرید کر ایک سو دس روپے میں بیچ دی تو دس بیچ گئے تو اگر سو روپے کسی کو فروں دے کر اس سے ایک سو دس لے لے تو انہیں میں فرق کیا ہے!۔

لے اس کے جواب میں کوئی عقلی دلیل دینے کے بجائے فرمایا گیا کہ: اُجِّلْ اِنَّهُ اِلَيْهِ يَرْجِعُ السُّبْحَانُ لاکہ اللہ نے بیچ کو حلال قرار دیا ہے۔ یعنی ایک بندہ مومن کے لیے تعمیل حکم کے واسطے یہ دلیل کافی ہے کہ حلال قرار دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے جس پر تم ایمان لانے کے ملے ہو۔ (مرتبہ)

اس کے سوا ہمیں نظر نہیں آتا کہ کچھ CONTROVERSIES اٹھی ہوں اور عقلی استدلالات باعقلی اشکالات پیش اور فارہ کئے گئے ہوں اور بحث و تمحیص کے دروازے کھل گئے ہوں۔ اس دور میں جس طریقے سے دانشوروں اور علماء کے مابین دینی مسائل کے ارے میں بڑی ہی دلگامیز اور حاشیہ آرائیوں کے ساتھ رنگا رنگ اختلافی مضامین جیتے اور اخبارات کی زینت بنتے ہیں، اس قبیل کی کسی شے کا اس دور میں کوئی سُرخ نہیں ملتا۔ اس لیے کہ پہلے وہ WILL پیدا کر دی گئی، وہ ارادہ پیدا کر دیا گیا تھا جس کے بعد اب جو بھی احکام دیئے گئے تو تسلیم فہم ہے والا روید اختیار کیا گیا اور ان کو اس طور سے قبول کیا گیا کہ جیسے وہ پہلے ہی سے منتظر تھے کہ وہ حکم آئے اور وہ قبول کریں اور پھر اس پر عمل شروع کر دیں۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کم سے کم اجتماعی سطح پر وہ COLLECTIVE WILL موجود نہیں ہے۔ ہے بھی تو وہ بہت مختل ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے! اس کو بھی سمجھ لیجئے۔ اصل میں مغرب و مشرق کا جو تصادم ہے وہ جدید خدا نا آشنا تہذیب اور فکری یورپ سے آیا تھا۔ اس تصادم کی تاریخ ویسے تو قریباً دو سو برس کی تاریخ ہے۔ جیسے ہی یورپ کے ملک سے انگریز آئے، فرانسیسی آئے اور ولندیزی آئے لیکن جوتے بوتے انگریز کے سوا دوسری اقوام کا عمل دخل ختم ہو گیا یا نہ ہونے کے برابر رہ گیا، صرف انگریز تسلیم کا تبرصغیر پاک و ہند پر پورا تسلط قائم ہو گیا اور پورا ملک براہ راست اس کی سیاسی غلامی میں چلا گیا۔ جیسے ہی یہ معاملہ ہوا، ویسے ہی تصادم شروع ہو گیا۔ بالکل نئی تہذیب آئی تھی۔ مادہ پرستانہ تہذیب۔ اس تہذیب میں ہلک و ملک تھی۔ وہ جو علماء اقبال نے کہا ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی

یہ صناعی مگر جھوٹے ٹکوں کی ریزہ کاری ہے

لیکن یہ تو ایک بالکل نظر شخص ہی دیکھ سکتا تھا کہ یہ جھوٹے ٹک ہیں۔ ہمارے یہاں ایک خاص طبقے نے اس تہذیب پر لبیک کہا اور اسے اختیار کیا۔ یہ بھی بلا سبب نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ایک حکمران قوم کی تہذیب تھی۔ یہ ایک محکوم قوم کے افراد تھے۔ محکوم قوموں میں حاکم قوم سے مرعوبیت ہوتی ہے۔ ہذا ہمارے

ایک طبقے نے اس تہذیب کو، اس کے اصول کو، اس کے مبادی کو، اس کے مفہوم کو، اور اس کے فکر و فلسفہ کو ایک معرُوب ذہنیت کے ساتھ قبول کرنا شروع کیا۔ پھر یہ کہ پنہنر (PHENOMENON) مشترکہ طور پر آپ کو ہر محکوم قوم میں نظر آئے گا کہ محکوم قوم میں جو طبقہ حکمران قوم کی تہذیب کو آگے بڑھ کر قبول کرتا ہے، اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنے اور اُسی سانچے میں ڈھلانے کی شعوری کوشش کرتا ہے تو وہ طبقہ حاکم قوم کے قریب ہو جاتا ہے اس سے مفادات حاصل کرتا ہے۔ اس کی حکومت کی مشین میں پرزہ بنتا ہے اس سے وفاداری کا معاملہ کرتا ہے۔ اس سے خطابات حاصل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس وقت دیوی ترقی کے لیے یہی راستہ سب سے زیادہ منفعت بخش ہوتا ہے۔ چوں کہ اس طبقے کے لیے معیشت کے دروازے کشادہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ دُور رہیں گے، پیچھے رہیں گے، قریب نہیں آئیں گے وہ معاشی دُور میں بھی پیچھے رہ جائیں گے اور ان کا SOCIAL STATUS بھی کم رہ جائے گا۔

نتیجتاً ہمارے یہاں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جس نے اپنے آپ کو بالکل انگریزی تہذیب میں رنگ لیا۔ اور ہمارے ایک بہت بڑے لیڈر کے قول کے مطابق اس طبقہ کا طرز عمل یہ ہو گیا کہ چمڑی کی رنگت کے سوا ہمیں ہر اعتبار سے ”انگریز بن جانا ہے۔ یہ گویا کہ OBJECTIVE تھا جو اس دور میں دیا گیا تھا۔ یہ سرسید احمد خاں کا قول ہے جو میں آپ کو سن رہا ہوں کہ ”سولے چمڑی کی رنگت کے“۔ اس لیے کہ وہ تو اختیار سے باہر کی شے ہے اُسے بدلا نہیں جاسکتا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ انگریز بن جائیں اور انگریزی تہذیب اختیار کر لیں۔“ تو یہ ایک طبقہ تھا جو اگرچہ ایک محدود طبقہ تھا۔ بالکل اقلیت میں تھا، تعداد کے اعتبار سے بہت قلیل تھا۔ لیکن چون کہ حکمران طاقت کے قریب تریبی طبقہ ہونا چلا گیا۔ لہذا اس کا نفوذ اور اثر ہمارے معاشرے میں مسلسل بڑھتا چلا گیا۔ تو یہ تعداد ہمارے یہاں اس وقت سے شروع ہو چکا تھا۔

لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ ایک خاص بات آپ نوٹ کر لیں۔ وہ یہ کہ ہمارے معاشرے مغربی تہذیب کا بحیثیت مجموعی عمل دخل انگریز کی براہ راست سیاسی غلامی کے

لے سرسید احمد خاں کی جو تصاویر ملتی ہیں اس میں ترکی ٹوپی کے سوا دہ پورے کے پورے انگریزی لباس میں لباس نظر آتے ہیں (مرتب)

دور میں اتنا نہیں ہوا، جتنا کہ آزادی کے بعد ہوا ہے۔ یہ جو سینتیس برس ہم نے آزادی بتائے ہیں ان میں یہ عمل دخل بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بہت وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ ایسے کہ جیسا کہ میں نے بھی عرض کیا کہ اس وقت صوبہ شمال ریجنی کہ وہ جو ایک محدود طبقہ تھا اس کا انگریزی حکومت سے بڑا قریبی تعلق تھا لہذا ہمارے حوام ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ م انسان کو اس طبقے سے عموماً نفرت تھی۔ دوسرے یہ کہ محکوم قوم کے جذبات حکمران قوم کے لیے غیر سنگالی اور پسندیدگی کے نہیں ہوا کرتے۔ مزید برآں عالم اسلام کو انگریزی حکومت پر سے جو نقصان پہنچا اس کی وجہ سے بھی بحیثیت مجموعی ہماری قوم کے اندر انگریز اور بریڈی تہذیب سے واضح نفرت برقرار رہی۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ اس وقت اس جدید

مذہب کے ساتھ کوئی بہت ہی قربت والا رابطہ (CLOSE CONTACT) میں تھا۔ اس دور میں آمدورفت اور رسل و رسائل کے ذرائع اتنے آسان نہیں تھے۔ ہتائی قلیل، محدود چند لوگ ہوتے تھے جو ولایت جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آئے میں کی نسبت سے بھی شاید کم۔ وہ آتے تھے مغربی تہذیب میں پورے رنگے رنگے۔ ایت پٹ لوگ تو یقیناً اسی تہذیب کو بالکل اختیار کر کے آتے تھے۔ الاماں اللہ۔ ن تعداد کے اعتبار سے وہ اتنے کم ہوتے تھے کہ اگر مجموعی لحاظ سے ہم جائزہ میں تو ہمیں نظر نہ لگے گا کہ اس دور میں ان کا معاشرے پر بہت کم اثر تھا۔ بلکہ حوام انسان ان کو طنز و مزاح میں پھنسی کے طور پر ”لندن پٹ“ کہا کرتے تھے۔

یہ معاملہ برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے بعد ہوا ہے کہ ایک طرف تو اب جو ہمارے مہران ہیں، وہ ہم میں سے ہیں۔ لیکن وہ کلیتہً اُسی تہذیب کے پروردہ ہیں اسی تہذیب ن رنگے ہوئے ہیں، اسی تہذیب کے دھندلے ہیں اور اسی کو انہوں نے عملاً اختیار کئے رکھا ہے۔ درہمارے سرکاری حکمرانوں کے عمال یعنی (BUREAUCRACY) ہے یا ہماری ٹری کی جو TOP CLASS ہے۔ یہ سب ایک ہی ہیں۔ یہ سب ایک ہی طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں۔ یہی ادنیٰ طبقہ بہت سے اعتبارات سے ہمارے یہاں انگریز اثر بنا ہے۔ ان میں SIR رہے ہیں۔ اب ان کی اولاد ہے۔ خان صاحبوں

• اس طبقے کے افراد کو ٹوٹی کہا جاتا تھا۔ (مرتب)

اور خان بہادروں کی نسل بھی چل رہی ہے ان سب کی اکثریت اُسی انگریزی تہذیب کے رنگ میں مزید رنگ گئی ہے۔ جو ان کے آباؤ اجداد نے اختیار کی تھی۔ انگریزی حکومت کے دور میں جو طبقہ انگریزوں سے قریب تر تھا، وہی طبقہ یا اُسی کی اولاد ہے جو اکثر و بیشتر ہماری حکومتی اور قومی سطح پر جو اجتماعی زندگی ہے اس میں سب سے زیادہ اپنے مناصب پر فائز اور سب سے زیادہ فعال ہی عنصر ہے اب چونکہ یہ لوگ ہم ہی میں سے ہیں تو اس وقت انگریزی تہذیب کے فروغ اور اثر و نفوذ میں کم از کم وہ نفرت سدک اور کاڑہ بنی ہوئی تھی جو حاکم اور محکوم قوم کے مابین طبعاً موجود ہوتی ہے۔ اب وہ رکاوٹ دور ہو گئی۔ نفرت کا وہ BARRIER بھی راستہ میں سے ہٹ گیا۔ اب تو وہ ہم میں سے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے افراد ہیں لہٰذا **THEY ARE OUR OWN KITH AND KIN** میں سے کسی کے نام کے ساتھ سید لکھا ہوا ہے، وہ سید زادہ ہے، چاہے وہ ملکی اور علی اعتبار سے سرتا یا مغربی تہذیب میں فرق ہو چکا ہو، لیکن بہر حال نسلی اعتبار سے وہ سید ہے۔ کوئی ہے جو خلفائے راشدینؓ یا دیگر اصحاب رسول علی صاحبہم الصلوٰۃ والسلام و رضوان اللہ علیہم اور اہل بیت رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی اور خاندانوں سے خود کو منسوب کرتا ہے اس کے ناموں کے ساتھ، صدیقی، فاضل، عثمانی، علوی، حسنی، حسینی، زیدی، جعفری وغیرہم کے لاحقے ہوتے ہیں۔ لیکن فکر و عمل کے اعتبار سے ان کا نام کے سوا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا **إِلَّا مَا شَاءَ اللہ**۔ یہ لوگ مغربی فکر اور مغربی تہذیب کے عمل بھی خاموش داعی اور نقیب ہوتے ہیں اور قویٰ بھی۔ پھر اسی طبقے سے عموماً اور اکثر وہ لوگ ابھرتے ہیں جو ہمارے یہاں "دانشور" کہلاتے ہیں۔ تو اس طرح حاکم قوم کی تہذیب سے اس کی فکر سے محکوم قوم کو جو طبعاً نفرت ہوتی ہے، وہ BARRIER اب ہمارے معاشرے میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انگریزی حکومت کے محکمہ جات کے جو وارث بنے ہیں ان کا معاملہ وہ ہے جو ہمارے ہاں بطور محاورہ کہا جاتا ہے کہ "شاہ سے بڑھ کر شاہ کا خیر خواہ"۔ تو یہ طبقہ درحقیقت وہ ہے جو انگریزی دور میں انگریزوں سے چھو کر مغربی تہذیب کا دلدلہ تھا۔ آزادی کے بعد اس میں کوئی کمی یا اصلاح کے عمل کے بجائے وہ اودمان کی اولاد اسی میں پختہ تر ہوتی چلا گئی۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللہ**۔

دوسرے اعلیٰ معیار پر ہوا کہ ذرائع رسل و رسائل آسان ہو گئے، آمد و رفت میں سہولت پیدا ہو گئی ہے آزادی کے بعد سے ہمارے لوگ کثیر تعداد میں یورپ اور امریکہ گئے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں تو تعلیم کے ساتھ وہ وہاں کے افکار اور تہذیبی اقدار کے جراثیم بھی ساتھ لے کر آئے۔ ظاہر بات ہے کہ ان جراثیم کو ہمارے معاشرے میں پھیلنا ہی پھیلنا ہے اور ان حضرات کے بود و باش، وضع قطع اور خیالات و رجحانات، میلانات و تاثرات کا اثر ہمارے معاشرے پر پڑنا ہی پڑتا تھا۔ لہذا اصل تعداد میں وقت ہو رہا ہے۔ اگرچہ ہم مغرب کی براہ راست فلاحی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ لیکن مغرب افکار اور اس کی تہذیبی اقدار کا غلبہ اس وقت زیادہ گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے اثرات اب زیادہ نمایاں اور ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے اب وہ تعداد اور گہرا اور شدید ہو گیا ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن کے پیش نظر آپ جب اجتماعی سطح پر اپنے معاشرے کا جائزہ لیں گے تو آپ اس نتیجہ تک پہنچ جائیں گے کہ وہ "COLLECTIVE WILL TO BE A MUSLIM" پہلے کے مقابلے میں مفصل تر ہو چکی ہے۔ پہلے سے زیادہ کمزور ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ وہ طبقہ ہر حال ہمارے معاشرے میں زیادہ موثر طبقہ ہے۔ اسے اپنے مرتبے، اپنے مقام اور اپنی حیثیت کی وجہ سے معاشرے پر اثر انداز ہونے کے مواقع زیادہ حاصل ہیں۔

تیسرا اعلیٰ معیار یہ ہوا کہ ذرائع ابلاغ نے نہایت وسعت حاصل کر لی۔ پچھلے دور میں اگر کوئی روزنامہ یا ماہنامہ یا ہفت روزہ دس پندرہ ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا تھا تو وہ کثیر الاشاعت کہلاتا تھا۔ اب اخبارات و رسائل لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں بعض ایک ہی وقت میں چند دوسرے بڑے شہروں سے بھی شائع ہوتے ہیں۔ پھر ان کی تعداد بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہو رہی ہے۔ اب اکثر روزناموں، ماہناموں، خاص طور پر ڈائجسٹوں کی تعداد اشاعت لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ڈائجسٹوں کی اتنی کثرت ہے کہ

۱۔ جناب اکبر الہ آبادی مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے جو اس صورت حال پر صادق آتا ہے۔

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ (مرتب)

ان کے ناموں کا شمار اچھا خاصا مشکل کام ہے۔ ابلاغ کے اس ذریعہ (MEDIA) پر بھی ایسی مغربی تہذیب و افکار سے مرعوب ذہنیت رکھنے والوں کی اکثریت قابض ہے۔ پھر اخبارات و رسائل کی اشاعت اب باقاعدہ ایک انڈسٹری بن گئی ہے۔ ان کے مابین مسابقت کی دوڑ لگی ہوئی ہے لہذا ہر ایک اس کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔ کہ عوام الناس کو لذت کوشی اور اباحت پسندی میں مزید مبتلا کر کے زیادہ سے زیادہ مالی منفعت حاصل کرے۔ ان کی بلا سے کہ جاری قوم کے افراد میں مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کے اجتماعی ارادے کو ضعف پہنچاتا ہے تو پہنچا کرے۔ وہ مزید مفصل ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ بلکہ یہ بات منفعت کے لحاظ سے ان کے لیے مفید ہے۔ لہذا ان کو اس کی قطعی پروا دہ نہیں ہے کہ قوم کس پستی پر گر رہی ہے۔ یہی حال اُن ذہانِ ابلاغ کا ہے جو مکمل طور پر حکومت کے زیرِ انصرام و انتظام ہیں۔ یعنی ریڈیو اور ٹیلیوژن — ان میں ڈراموں، ساگ اور سیتھی، رنگ ترنگ، اور اسی قبیل کے تفریحی پروگراموں کی پذیرائی ہوتی ہے جو **SUGER COATED** طریق پر معاشرے میں مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کے اجتماعی ارادے میں ضعف کا زہر پہنچا رہے ہیں۔ میں تو ٹی وی دیکھتا نہیں۔ الحمد للہ میرے ہاں ٹی وی کا گزر ہی نہیں ہوا ہے۔ لیکن دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ یہی سبھی کسروہ اشتہارات پوری کر دیتے ہیں جو کنٹریکٹ کے ساتھ دکھائے جاتے ہیں۔ پھر جو مذہبی پروگرام ہوتے ہیں وہ برائے بیت ہوتے ہیں اور یہ دکھانے کے لیے ہوتے ہیں کہ ٹی وی پروگراموں میں اتنے ٹھنڈے مذہبی پروگراموں کے لیے مختص ہیں۔ اس میں ایسے دینی پروگراموں کی رسائی مشکل ہے جن سے قوم کو ایسا مثبت پیغام مل سکے جس سے اس میں مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کا اجتماعی داعیہ پیدا ہو۔ پھر ان ذرائع ابلاغ پر موثر ترین گرفت اور **HOLD** ایسی طبعی کی اکثریت کا ہے، جن کے اذہان و قلوب پر خدا نا آشنا مغربی افکار اور مغربی تہذیب کی بالا دستی نقش و ثبت ہے۔ اس کی اکثریت کا اسلام سے محض مسلمانوں کے سے نام کے سراشاہد ہی کوئی عملی تعلق ہو تو ہو۔ یہ ہیں وہ اسباب اور یہ ہے اطراف و جوانب سے ہمارے معاشرے میں یہ طغاء جس کی وجہ سے اگر اجتماعی سطح پر جائزہ لیں گے تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ **“COLLECTIVE WILL TO BE A MUSLIM”** وہ پہلے کے مقابلے میں مفصل تر ہو چکی ہے، کمزور ہو چکی ہے اور یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ لہذا

تقریباً نکل کر فی الوقت ہمارا معاشرہ مغربی تہذیب، مغربی اقدار، مغربی تمدن، مغربی بود و باش اور مغربی طرز فکر کی زیادہ گرفت میں ہے اس کی بہ نسبت جب کہ آج سے چالیس برس قبل ایک مغربی قوم ہم پر ملال و استعلا کر رہی تھی۔

جب تک وہ اجتماعی ارادہ وہ "COLLECTIVE WILL" پیدا نہیں ہو جائے گی اور یہ بحثیں چھڑ جائیں گی تو وہی کچھ ہوگا جو پہلا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ایک علمی بحث ہے اور چونکہ اذہان تیار نہیں، دلوں میں حقیقی ایمان کی جوت موجود ہی نہیں۔ ^{الافتادہ} اور وہ آہل دلی دل میں پیدا ہی نہیں ہوئی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ فلاں مسئلے میں اسلام کا حکم کیا ہے۔ تاکہ اس پر عمل کریں۔ لہذا لا حاصل بحث و مباحثہ اور CONTROVERSY کے علاوہ کوئی اور نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے

اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس COLLECTIVE WILL کو اسلام کی طرف لانے کا طریقہ کیا ہے! دوسرے یہ کہ اس کا نہور کس طرح سے ہوتا ہے! یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاشرے میں COLLECTIVE WILL اسلام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے، اسلام کے رُخ کی طرف آچکی ہے! ان دونوں سوالات پر تفصیلی گفتگو قرآن و حدیث میں آئندہ کسی جمعہ میں کروں گا۔ اس وقت اجمالاً عرض کر رہا ہوں کہ مغربی طور پر اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انتخابات کا عمل کسی ملک میں جاری ہو اور صحیح، بیچ پر جاری ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس طرح گاڑی KNOCKING کرتی ہو، قدم قدم پر رکتی ہو، ایک انتخاب ہو یا ہونے والا ہو تو ایک ہنگامہ رہا ہو جائے جس کے نتیجے میں طرح TAKE OVER کرے۔ پھر کسی نئے اسلوب اور نئے اصولوں پر انتخابات کا ڈھونگ رچایا جائے اور پھر اس کی وجہ سے کوئی ہنگامہ اٹھ نہ کھڑا ہو۔ پہلے کی جگہ دوسرا مارشل لا آجائے اور فوج کو تسلسل یا وقفے وقفے سے اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنے کا موقعہ اور جواز ملتا رہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ اگر کسی ملک میں واقعاً

لے مسلمان جینے، مسلمان مرنے کے اجتماعی ارادے کو پیدا کیے بغیر ان مسائل پر بحث و تمحیص بالکل ایسے ہی ہے جیسے گھوڑے کو گاڑی کے پیچھے باندھ دیا جائے لہذا گاڑی آگے چلے تو کیسے چلے! (مرتب)

انتخابی عمل جاری رہے تو اس مسلسل انتخابی عمل کے ذریعے بھی COLLECTIVE WILL کا اظہار ہو سکتا ہے۔ اس کا نہور ہو سکتا ہے۔ اس طرح معلوم ہوتا چلا جائے گا کہ لوگوں کا رخ کس طرف ہے! وہ کیا چاہتے ہیں! ان کا رجحان کس طرف ہے! میرے نزدیک نظری طور پر یہ بھی ایک طریقہ ہے لیکن میرا تاثر یہ ہے کہ ہمارے ملک کے موجودہ خاص حالات میں یہ طریقہ قریباً ناممکن العمل معاملہ بن گیا ہے۔ اس کی تفصیل جیسا کہ میں نے عرض کیا اُسندہ کبھی عرض کروں گا۔

اب اس کے بعد دوسرا طریقہ رہ جاتا ہے، جسے آجکل ”انقلاب“ کا نام دیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میری عدم موجودگی میں جب کہ میں بیرون ملک گیا ہوا تھا۔ اسی شہر لاہور کے ایک اعلیٰ ترین ہوٹل میں ایک بڑی آن بان اور بڑی شان و شوکت کیساتھ ایک کانفرنس ہوئی ہے۔ اگر یہ آجال پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس نے منعقد کی تھی! اس کے داعی کون لوگ تھے! لیکن معلوم ہوا ہے کہ اس کانفرنس میں بڑی دھواں مٹا رہے ہوئے ہیں کہ یہاں ایران کی طرح کا انقلاب آنا چاہیے اور ہمیں اس میدان میں ایران کی قیادت کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس موضوع پر کہ ”کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟“ میں انشاء اللہ اُسندہ جمعہ کو کچھ عرض کروں گا۔ اس وقت میں اس موضوع کو چھڑنا نہیں چاہتا لیکن یہ عرض ضرور کروں گا کہ معاشرے کی COLLECTIVE WILL کے نہور کا دوسرا طریقہ یقیناً انتخابی طریقہ ہے۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ انتخابی طریقہ سے مراد کیا ہے! وہ یہ کہ اگرچہ ایک نقطہ نظر اور ایک IDEOLOGY کے حامل اور قائل لوگ عددی اعتبار سے اقلیت میں ہوں۔ لیکن وہ دعوت و تبلیغ سے، اپنی محنت سے، اپنے اثراء سے، اپنی قربانیوں سے، اپنی تنظیم سے مشقت پھیل کر، مصائب برداشت کر کے وہ مؤثر اور EFFECTIVE ہونے

کے اعتبار سے ایک اکثریت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں یہ لوگ EFFECTIVE MAJORITY ہو جایا کرتے ہیں اگرچہ NUMERICALLY وہ ایک اقلیت ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی جدوجہد اپنے اثراء و قربانی، اپنی استقامت و مصابرت اور اپنے موقف پر ایمان و یقین کی طاقت سے کامیاب ہوتے ہیں اور اپنی پسند کا نظم قائم کر بیٹے ہیں۔ یہ انتخابی طریقہ ہے۔ لہذا کسی بھی COLLECTIVE WILL کے

کے ظہور کے نظری طور پر یہ دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر انتخابی عمل - صحیح انداز اور صحت مندانہ اصولوں پر جاری ہے تو وہ بھی ایک INDEX ہے ایک اشاریہ ہے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں! لوگوں کا رخ کس طرف ہے! لوگوں کے رجحانات و میلانات کیا ہیں! اور اگر یہ صورت حال نہیں ہے تو ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے اور وہ انقلابی راستہ ہے۔ بہر حال اس کے بارے میں اگر اللہ کو منظور ہوا تو گنتی کسی آئندہ صحبت میں ہوگی۔

اس وقت ہمارے یہاں ان دو میں سے کسی بھی ذریعے سے اسلام کے حق میں COLLECTIVE WILL کا ظہور نہیں ہوا۔ بلکہ بالفعل صورت حال یہ ہے کہ ایک مارشل لا گورنمنٹ ہے۔ اس کی LEGITIMACY اس کا قانونی استحقاق ہی متنازعہ فیہ ہے۔ QUESTIONABLE ہے کہ یہ حکومت ہے تو کیوں ہے! آئی تھی تو کس دلیل سے آئی تھی! کس وعدہ کے تحت آئی تھی! اور اس حکومت کو اس وقت کی سپریم کورٹ نے تسلیم کیا تھا تو کن کڑی شرائط کے ساتھ کیا تھا! کیا کیا حد بندیوں اس پر عائد کی تھیں! لیکن یہ حکومت ہے کہ جس نے اپنے تسلسل کے لیے وجہ جواز یہ قرار دی ہے کہ ہم نے اس ملک میں اسلام قائم و نافذ کرنا ہے لہذا اس نے اس وجہ جواز کو ثابت کرنے کے لیے کچھ نیم دلائل قسم کے اسلام کے لیے اقدامات کیے ہیں جن کی وجہ سے قیل و قال و بحث و مباحثہ اور CONTROVERSIES ابھر آئی ہیں۔ اس کے سوا اسلام کی طرف کوئی مثبت (POSITIVE) پیش رفت نہیں ہو رہی۔ بلکہ ہر معاملے میں نظریہ اٹھا ہے کہ دونوں نظریات کے حاملین کو شاید یہ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور دوسری طرف والوں کو اطمینان دلایا جاتا ہے کہ آپ مطمئن رہیں میں کڑی آدمی نہیں ہوں۔ ایک طرف علماء کو اطمینان دلایا جاتا ہے کہ میں یہاں اسلام لانا چاہتا ہوں۔ دیکھ لو میری نماز، میرا روزہ، ٹوپی مصلیٰ کا میرے ساتھ رہنا۔ یہ دین نہیں تو لو!

۱۔ (سابقہ صفحے سے) کَثْرَتٍ مِّنْ فِتْنَةٍ فَلَيْسَ لَكَ عَلَيْهَا ظَلَمٌ وَلَا يَدْرِي بِمَاذَا
 اللَّهُدَّكَ اللَّهُ مَعَ الْظَّالِمِينَ ۝ بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ
 کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ یقیناً اللہ صبر کرنے، مصائب
 برداشت کرنے والوں کے ساتھ ہے (البقرہ) (مرتب)

کیا ہے۔! میرا مقصد عزم ہے کہ یہاں مضبوط بنیادوں پر اسلام کو نافذ کروں۔ دوسری طرف یہ ہے کہ ایکٹروں اور ایجنٹوں کو جو اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی اکرام کے بہر حال مستحق نہیں ہیں، یہ اطمینان دلایا جاتا ہے کہ میں اتنا کٹر نہیں ہوں آپ کو مجھ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ پھر ان کی جس طرح حکومت کے ایک ایوان میں پذیرائی ہوئی ہے اور صدر مملکت صاحب نے جن کی منصبی مصروفیات کا سب کو علم ہے، ان ایکٹروں اور ایجنٹوں کے ساتھ تبادلہ خیال میں اخباری رپورٹ کے مطابق قریباً سات گھنٹے گزارے ہیں۔ پھر جس گرم جوشی کے ساتھ ملک کی منصب کے لحاظ سے سب اعلیٰ مقتدر اور بلند بالا شخصیت نے اس طاقت کا استقبال کیا ہے، وہ ان لوگوں کے لیے ایک لمحہ فکر یہ ہے جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس REGANE کے ہاتھوں پاکستان میں اسلام آ رہا ہے۔

یہ جو تصادات ہیں، یہ جو دعوئی ہے، یہ جو دورِ غاپن ہے اور یہ جو دوطرفہ عمل ہے، اس نے ایک طرف تمام غلطیوں اور عیب و نقص پاکستان عناصر میں شدید دباؤ سی پیدا کر دی ہے، دوسری طرف اسلام کے ان مسلمات کے بارے میں جو چودہ صدیوں سے صحیح علیہ اور متفق علیہ چلے آ رہے ہیں ناقابلِ برداشت نوعیت کی CONTROVERSIES کا سلسلہ شروع کر دیا ہے جس کے باعث ہمارے تعلیم یافتہ خاص طور پر نئی نسل کے تعلیم یافتہ طبقے میں سخت ذہنی انتشار بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اسلام کس کو سمجھا جائے، اسے جو خیر و تقریر سے تسلا بعد نسلِ علمائے حقانی کے توسط سے نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے یا اسے جو آجکل کے نام نہاد جدید مفسرین بالخصوص جدید "مفسرین" کی جانب سے پیش کیا جا رہا ہے۔ جن میں شاید ہی چند افراد ایسے ہوں جو قرآن حکیم کی ایک چھوٹی سی سُورت کی بھی صحیح طور پر تلاوت کر سکیں۔ یا ان کو دین

لے یاد ہو گا کہ جب ایشیہ ۸۳ء میں ڈاکٹر صاحب کی اسی رائے پر کہ عورتوں کا دائرہ کار اسلام نے بالکل بطور معین کیا ہے اور مخلوط اداروں میں خواتین کا مردوں کے شانہ بشان کام کرنا میرٹ کا اسلام کے خلاف ہے۔ اس پر مغرب زدہ خواتین نے جو ہنگامہ اُرائی کی تھی تو ان کو اطمینان دلانے کے لیے اجادی رپورٹوں کے مطابق جناب صدر مملکت نے فرمایا تھا کہ اتحادی میرپاس ہے ڈاکٹر اسرار کے پاس نہیں ہے۔ (مرتب)

کے روزمرہ کے معمولات کی ذرا بھی تبدیلی ہو۔

آپ بہ نظر انصاف ISLAMISATION کے اسس PROCESS کا جائزہ لیں، جن کا پانچ پھر سال سے بڑا چرچا ہے تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ہر قدم نیم دلی سے اور انتہائی ناقص انداز میں اٹھایا گیا ہے۔ حدود آرڈیننس کا جو حشر ہوا وہ کس سے پوشیدہ ہے۔! کیا سرقہ پرانے ملک کسی کو قطع ید کی سزا ملی ہے! کیا ڈاکہ زنی کے مجرموں میں سے کسی پر اسلامی عد جاری ہوئی ہے! زکوٰۃ آرڈیننس کا جو معاملہ ہے اس پر میں گذشتہ تقریر میں انہار رائے کر چکا ہوں۔ اسلام کے کسی معاملہ میں بھی فیصلہ کن انداز کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ ورنہ آپ خود کیجئے کہ اخباری اطلاع کے مطابق اسلام کے قصاص دیت کے قانون کو مدن کر کے اپنی مکمل رپورٹ اور سفارشات اسلامک آئیڈیالوجی کونسل نے چار سال قبل صدر مملکت کی خدمت میں پیش کر دی تھی یہ IDEOLOGY COUNCIL کن لوگوں پر مشتمل ہے! انہی لوگوں پر جنہیں اس حکومت نے اور اسکے جو بھی کارپرداز اور اربابِ حل و عقد ہیں انہوں نے اس کو نسل کے ارکان کو یہ سمجھ کر نامزد کیا تھا کہ یہ دین کے جاننے والے ہیں سمجھنے والے ہیں۔ ہمارے یہاں جو مختلف فقہی مسلک یا فرقے ہیں یہ حضرات ان کے معتمد علیہ نامزد سے ہیں۔ انہیں دین کا صحیح فہم اور شعور رکھنے والے جو بھی نظر آئے ان کو اسلامک آئیڈیالوجی کونسل میں رکھا۔ پھر علماء کے ساتھ اپنی صوابدید کے مطابق اس ملک ہی کے نہیں بلکہ دوسرے چڑاہم ممالک کے دساتیر اور قوانین سے بخوبی واقف امیرین قانون و دستور کو بھی شامل کیا۔ اس کونسل نے متفقہ طور پر مسودہ تیار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ تمام فقہی مکاتب فکر اور فرقوں کے علماء کی تائید بھی اُسے حاصل تھی۔ جدید آئین و دستور کے امیرین کی توثیق بھی اُسے حاصل تھی۔ گویا کہ ایک متفقہ مذہب حکومت کو حاصل ہو گئی تھی۔ قصاص اور دیت کے مسئلہ میں اسلام کے مجمع علیہ قوانین یہ ہیں۔ اس کے بعد ایک ”شوروی“ وجود میں آئی تو یہ مسودہ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ شوروی میں اس پر بحث ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہاں تو دونوں ذہن یعنی دینی اور سیکولر (SECULAR) ذہن رکھنے والے لوگ جمع ہیں۔ یہاں تو وہ وکلاء بھی ہیں جو اسلام پر پھبتیاں جست کرنے سے بھی باز نہیں رہتے۔ پھر وہ علماء دین بھی ہیں کہ ہجواں جن کے فہم دین پر لوگوں کی اکثریت کو اعتماد ہے۔ ہندا

محسوس ہوا کہ یہاں تو معاملہ آسانی سے نہیں چکے گا تو ایک کمیٹی بنا دی گئی۔ کمیٹی کی رپورٹ آئی تو پھر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس کمیٹی کے چیئرمین صاحب پر علماء کی طرف سے شدید الزامات عائد کیے گئے۔ علماء میں سے جو حضرات اس کمیٹی میں شامل تھے انہوں نے رپورٹ کو بالکلید DISOWN کر دیا کہ یہ رپورٹ ہماری نہیں ہے اس میں ہمارے نقطہ نظر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس نے جو رپورٹ دی، وہ کاہنہ میں زیر بحث آئی لیکن وہاں بھی اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاملہ تا حال معلق ہے۔ البتہ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ اب اس مسئلہ کے بارے میں عالم اسلام کے علماء سے رائے لینے کے مرحلے تک بات آگئی ہے۔ یہ سارا عمل غازی کر رہا ہے کہ اصل میں پختہ ارادہ موجود نہیں ہے۔ اگر پختہ ارادہ ہوتا تو بہت سے ضروری اسلامی قوانین کو اب تک حقیقی طور پر نافذ ہو جانا چاہیے تھا۔ و حقیقت اصل مسئلہ وہی ہے جو میں نے عرض کیا تھا کہ ان کو بھی راضی رکھنا ہے، ان کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے، ان کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے۔ یہ بھی ناراض نہ ہوں کہ وہ بھی ناراض نہ ہوں۔ علماء بات ہے کہ اس طرز پر جو بھی کام ہوگا، اس میں کوئی ہمیش رفت نہیں ہو سکتی اور عملی اعتبار سے انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس میں نے اس CONTROVERSY میں اسی لیے اپنے آپ کو ملوث نہیں کیا کہ میرے نزدیک اس کا حاصل کچھ نہیں۔ یہ بالکل ایک بے عمل بحث ہو رہی ہے۔ یا تو وہ اجتماعی ارادہ موجود ہوتا یا اس کو پیدا کرنے کے لیے مثبت اقدامات کیے جاتے۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں جب جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی حکومت قائم ہوئی ہے اور انہوں نے نوے دن میں انتخاب کرانے کے سمانے اس عزم کا اعلان کیا کہ

MOST EARNESTLY

لے انگریزی کا ایک مشہور قول ہے - "WHERE THERE IS A WILL THERE IS A WAY" اگر عزم صمیم ہو کہ یہ کام

بہر حال کرنا ہے تو راہ نکل آتی ہے۔ (مرتب)

۲ باغبان بھی خوش ہے راضی رہے میاں دہی

(مرتب)

ان کی حکومت یہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے اپنی تمام قوت صرف کرے گی تو نومبر ۱۹۷۹ء میں اسی شہر لاہور میں ہماری سالانہ قرآن کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس میں یس نے یہ بات عرض کی تھی۔ چوں کہ مجھے جنرل صاحب کے متعلق معلوم تھا کہ وہ ایک دین دار مسلمان ہیں۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ وہ ماہنامہ ميثاق کے اس نمونہ سے خریدار ہیں۔ جب وہ ملتان میں جی اوسی تھے اسی زمانہ میں انہوں نے تفسیر تدبر قرآن منگائی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کا دینی ذوق بے دینی مزاج ہے۔ اس میں دین سے شغف ہے۔ انہوں نے ہماری قرآن کانفرنس کے لیے پیغام بھی ارسال کیا تھا۔ لہذا اس وقت میں نے عرض کیا تھا کہ ”اب جبکہ اللہ نے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ آپ کے ہاتھ اس ملک کا اختیار رکھ لیا گیا ہے۔“ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے زیادہ مختار مطلق اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہوتا۔ امریکہ کا صدر بھی اتنا با اختیار نہیں ہے۔ وہ تو ملک بڑا وسیع ہے، وسائل بہت ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ایک بڑی شخصیت ہوتی ہے لیکن اختیارات کے اعتبار سے اس پر قیود ہیں، حدود ہیں۔ پابندیاں ہیں۔ بہت سے امور میں اسے گامخیزوں سے منظوری حاصل کرنی ہوتی ہے۔ اُسے اپنی پالیسیوں میں بہت مختار رہنا پڑتا ہے، اس لیے اس کی پارٹی کے دوسرے نامزد کو صدارتی انتخاب لڑنا ہوتا ہے۔ پارٹی کو پھر دوڑوں کی بجیک مانگنی ہوتی ہے۔ ظاہرات ہے کہ ان تمام حدود و قیود اور اختیاطوں سے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر میرا، محضو، مامون اور مظہن ہوتا ہے۔ اُسے ان چیزوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ انہی اعتبارات کے پیش نظر میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ ”آپ کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش ہے“ اب یہ ہے کہ اگر آپ واقعاً اس آیت پر عمل کریں کہ الَّذِينَ اِنْ تَلَّكُمُ فِي الْاَرْضِ اَتَاَمُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ“ تو آپ پورے کے پورے اسلام کو نافذ کیجیے۔ اس میں تدبیر کا معاملہ نہ کیجیے گا۔ ایک حصہ نافذ کر دیا دوسرا نہیں۔ اس میں اپنی PRIORITIES بنانا دین کی ترجیحات کو نظر انداز کر دینا، معاملہ کارنگ دیکھ کر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے، ان کو جانچنے پرکھنے کے لیے نفاذ اسلام میں تدبیر اختیار کرنا۔ پھر یہ کہ اس کا تجویز کرنا۔ یعنی اس کے اجزاء کو نہ کہ دین کا ایک حصہ اس وقت نافذ کیا جائے اور دوسرے حصوں کو تعویق میں ڈالنا کہ پھر دیکھا جائے۔

یہ طرز عمل اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ اس ضمن میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ ذہن میں رکھیں گا اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ - اب تدریج کے لیے ملتی دور سے دلیل نہیں لائی جاسکتی چوں کہ اس وقت مکمل شریعت موجود نہیں تھی اس وقت تک احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اب وہ دور دوبارہ نہیں آئے گا، مکمل شریعت حقہ موجود ہے۔ قرآن پورا کا پورا ہمارے سامنے ہے سنت رسول ایک روشن آفتاب کی صورت میں موجود ہے۔ ہماری تاریخ تاریک رات کے مانند نہیں ہے بلکہ کینہٹا کنہٹا ہے اس کی توراتیں بھی اتنی روشن ہیں جتنے کہ دن روشن ہوتے ہیں۔ حضورؐ کے دور سعید سے متصلاً بعد خلافت راشدہ کا زریع دور ہے۔ پھر اسکے بعد ائمہ فقہاء اور ائمہ حدیث کا دور ہے۔ ہماری روشن تاریخ ہے جس کو سامنے رکھ کر ہمیں کاہل دین کو لینا ہوگا۔ اس کے اجزاء کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ یہود کی اسی روش کے بارے میں ہی فرمایا گیا تھا کہ اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ - ”کیا تم ہماری کتاب یعنی ہماری شریعت اور ہمارے دین کے ایک حصہ کو ماننے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟“ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ الْآخِزِي فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ”پس تم میں سے جو کوئی بھی یہ روش اور یہ رویہ اختیار کرے گا اس کی سزا اس کے سرا اور کچھ نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں اسے ذلیل و خوار کر دیا جائے۔“ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُكْرَفُ اِنَّ اَشَدَّ الْعَذَابِ ”اور قیامت کے دن اسے شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔“ اس آیت میں ایک اہل اصول و ضابطہ اور قاعدہ بیان کر دیا گیا ہے۔ شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مکمل شکل میں موجود ہے۔ لہذا اب تو TAKE IT ALL OR LEAVE IT والا حلال ہے۔ شریعت یعنی ہوگی تو پوری یعنی ہوگی ورنہ چھوڑیے۔ اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔ کوئی عرض نہیں ہے، اس کی کوئی ضرورت اس سے لاحق نہیں ہے۔ اس کا کوئی کام الگا ہوا نہیں ہے کہ اس کی شریعت میں سے معمولی سی چیز مان لی جائے تو اس کا کام چل نکلے گا ورنہ کام الگا رہے گا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اسی لیے میں نے زور دے کر کہا تھا کہ ”آپ پورا اسلام نافذ کیجیے“ اس میں تدریج کا معاملہ نہ کیجیے گا۔ ساتھ ہی میں نے صاف صاف یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ ”مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ یہ کریں تو اس وقت معاشرے کی جو مجموعی کیفیت ہے تو یہ معاشرہ اسے قبول نہیں کرے گا۔“

ہو سکتا ہے کہ آپ کو اٹھا کر پھینک دے۔ آپ کی حکومت کا تختہ بھی الٹ جائے،
 لیکن اس کے باوجود آپ یہ کریں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی قربانی ہوگی۔
 اللہ کے یہاں بھی آپ باجور ہوں گے اور تاریخ میں بھی یہ بات ایک کارنامے کے طوڑ
 درج ہوگی۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اگر ایک انگریز بادشاہ ایک عورت کے
 لیے برطانیہ کی حکومت کے تاج و تخت کو ٹھوکر مار سکتا ہے۔ وہ بھی ایس دور میں
 جب کہ برطانیہ کی حکومت اتنی وسیع تھی کہ کہا جاتا تھا کہ اس حکومت میں کبھی سورج
 غروب نہیں ہوتا۔ ”تو آج کا کوئی حکمران اگر اس لیے اقتدار سے محروم کر دیا جائے
 کہ وہ خود مسلمان مینا اور رہنا چاہتا ہے اور ملک میں بھی اسلام لانا چاہتا ہے۔ اگر
 اس دہرے حکومت سے محروم ہونا پڑے تو یہ ایک بڑی شان دار اور تابناک مثال
 قائم ہو جائے گی، اس سے ایک جوش پیدا ہوگا۔ دولہا بھرے گا، اُممگین جوان ہوں
 گی اور کروٹیں لیں گی، اسلام کے حق میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوگا۔ ان تمام مفاہیم پر متل
 باتیں تھیں جو میں نے نومبر ۷ء کو قرآن کانفرنس میں جناب جزل محمد ضیاء الحق صاحب کو
 غائب کر کے کہی تھیں۔ لیکن سات سال پورے ہو چکے ہیں اور اب آٹھواں سال
 شروع ہو گیا ہے، ان سات سالوں کا جو حاصل ہے، اس کی ہم جو BALANCE

SHEET اپنے سامنے رکھ کر اسے دیکھتے ہیں تو شدید یائوس کن صورت حال
 نظر آتی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور تہیہ نظر نہیں آتا کہ کچھ CONTROVERSIES
 ہیں، کچھ بحثیں ہیں جو بڑے زور و شور سے اخبارات و رسائل اور پبلک پریس فاروں
 پر جاری ہیں۔ جن کا حاصل ذہنی الجھاؤ، پراگندگی اور انتشار کے سوا کچھ نہیں۔
 جو بالکل ایک منفی کام ہے۔ عملی اعتبار سے ایک قدم آگے بڑھتا نظر نہیں آتا۔ زکوٰۃ کے
 بارے میں، میں گزشتہ جمعہ کو عرض کر چکا ہوں کہ اس نے کیا شکل اختیار کی ہے! اب
 اقامتِ صلوة کا جو اقدام کیا گیا ہے، اس کے متعلق اخبارات میں جس قسم کے بیانات
 اور خبریں آرہی ہیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ٹی وی پر بھی صلوة کیٹیوں کی تشکیل کی بڑے
 زور و شور سے تشہیر کی جا رہی ہے۔ اس سے جو لوگ یہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ یہ اصل
 میں الیکشن کے لیے خاص تہیہ کی قدم ہے جو اٹھایا گیا ہے۔ تو جس انداز سے یہ کام ہو
 رہا ہے یہ مکمل تقریر میثاق کے اکتوبر ۸ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے (مرتب)

رہا ہے، اس کے پیش نظر ان کے اس خیال کو غلط قرار دینا مشکل ہے۔ یہ رمز بھی اس کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ کام فوج ہی کے ذریعے قائم کیا جا رہا ہے۔ اسے سول بیوکریسی کے بجائے فوجی نظام کے ساتھ نتھی کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ موجودہ REGIME جو معهود ذہنی ہے۔ ان کے پیش نظر آئندہ کے لیے جو نقشہ ہے، اس میں اس کا کوئی خاص مقام ہے۔ اس کی کوئی افادیت ہے، اس کا کوئی مصرف ہے۔ گویا نظام زکوٰۃ اور نظام اقامت صلوٰۃ کی پشت پر ایک سیاسی FACE اور IMAGE بنانا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہی وجہ ہیں کہ میں سوچتا ہوں کہ ان معاملات میں اگر بولوں تو اس کا فائدہ کیا ہے حاصل کیا ہے! میں نے آپ کو بار بار بتایا کہ پردے کے سلسلہ میں گفتگو میرے اپنے کسی منصوبے اور ارادے کے تحت نہیں تھی۔ لیکن جب پوچھا جائے گا تو جو کتاب و سنت کے مطابق ہوگی وہ کہنی پڑے گی۔ پھر میں نے اس موضوع پر اپنی دو تقریریں میں اپنی استعداد کی حد تک کتاب و سنت کی تعلیمات پیش کیں۔ یہ تقریریں ”میتاق“ کی ایک خصوصی اشاعت میں شائع ہوئیں۔ ملک کے ایک مشہور اور نہایت کثیر الاشاعت روزنامے میں وہ قسط دار شائع ہوئیں۔ کتابی صورت میں بھی وہ اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ پھر بھی کیا اور میری بسا دیکھا! ملک میں ہمارے نامور اور جید علمائے کرام کی نہایت ہنسود کتاب اس موضوع پر پہلے سے موجود ہیں۔

لیکن کیا موجودہ حکومت نے ان کتب سے کوئی استفادہ کیا! کیا اسلامک ایڈیٹوریٹ نے استصواب کیا کہ ستر و حجاب کے متعلق شریعت کے احکام کیا ہیں! بلکہ مجھے یہ بات کہنے پر معاف کیا جائے کہ جو کام ترکی میں انا ترک نے اور ایران میں دونوں رضا شاہ پہلوی کے نام رکھنے والے بادشاہوں نے قانون، طاقت اور ڈنڈے کے زور سے کیا تھا، وہ موجودہ REGIME بڑی حکمت عملی سے انجام دے رہی ہے اور ان سات سالوں میں مغربی ذہن رکھنے والی خواتین کو نہ صرف یہ کہ کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ اسلام

لے راقم کے نزدیک اس موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی معرکہ الآدر کتاب ”پردہ“ بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس موضوع پر تاحل حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے (مرتب)

نظام معاشرت کے خلاف وہ جتنا چاہیں زہرا لگیں۔ بلکہ انہیں غایاں طور پر آگے بڑھایا گیا ہے اور بڑھایا جا رہا ہے مختلف طور پر ان کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے اس دور میں یہ کام جس پیمانے پر ہوا ہے اس کے عشرِ عشر بھی پہلے کے تیس برسوں میں نہیں ہوا تھا۔

اب ان حالات کے پیش نظر قانون شہادت میں عورتوں سے متعلق شق پر اور قصاص و دیت کے مسودہ کے متعلق میں کچھ کہوں تو کیا کہوں!۔ لیکن چوں کہ مجھ سے سوال کیا گیا ہے اور بعض احباب کا اصرار ہے کہ قصاص و دیت کے مسئلہ پر جو متنازعہ بحث چلی ہے، اس کے متعلق میں کچھ عرض کروں۔ پھر میرے سامنے حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی حدیث کا وہ حصہ بھی ہے جس پر بھی صحابہ کرامؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے کہ علی ان نفعلوا بالحق ایسنا کننا ولا نخاف فی اللہ موتہ لاشہد۔ لہذا اس مسئلہ پر قرآن و حدیث سے اپنی استعداد اور اپنے فہم کے مطابق جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ میں انشاء اللہ بعد میں عرض کروں گا۔ اس وقت بطور یاد دہانی اس کام کا اعادہ کر رہا ہوں جس کے لیے میں نے اپنے آپ کو کھپار کھا ہے۔ شاید کہ اس موقع پر میری بات چند لوگوں کے دل میں اتر جائے اور وہ جمود کو ختم کر کے آگے بڑھیں اور اس کام میں میرے اعوان و انصار بنیں۔ یا اپنے طور پر منظم ہو کر اسی کام کی انجام دہی کی جن ان کے سروں پر سوار ہو جائے۔

میں نے قرآن حکیم اور سیرت مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو بھی معروضی مطالعہ کیا ہے اس کے نتیجے میں میرے سامنے اصل کرنے کا کام اور نبیؐ یہ آیا ہے کہ دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو اس وقت تک بطور نظام حیات نہ نافذ کیا جاسکتا ہے، نہ وہ مستحکم رہ سکتا ہے۔ جب تک معاشرے کے معتبر افراد میں مسلمان جینے، مسلمان مرنے کی COLLECTIVE WILL پیدا نہ ہو جائے۔ میں تو اس اجتماعی ارادے کو پیدا کرنے اور اسے قوی کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ اس WILL، اس ارادہ اور اس داعیہ کا براہِ راست تعلق ہے ایمان سے اور ایمان کا منبع و سرچشمہ ہے قرآن حکیم اسی منبع اور چشمہٴ رشہ و نہایت کو عام کرنے کے لیے میں نے ۱۵ سال سے لے کر اب تک تقریباً بیس سال اپنی جوانی کے کھائے اور لگائے ہیں۔ جو بھی اس کے اثرات ہیں اور کوئی نتیجہ نکلا یا نہیں نکلا! یہ علمِ مدہ معاملہ ہے، یہ دوسری بات ہے میرے

پیش نظر حالات کو بدلنے کی کوشش ہے اس کی کامیابی کا انحمد اللہ کی مشیت پر ہے۔ میری آخری نجات کے لیے شاید میری یہ حقیر کوشش کام آجائے۔ بہر حال میں اسی کام میں ہمت تن لگا ہوا ہوں اسی لیے کہ میرا ایمان و یقین ہے کہ قرآن حکیم کی دعوت اس کے پیغام اور اس کے ساتھ صحیح فطرت ہی تجدید ایمان کا ذریعہ بنے گا۔ اسی سے ایمان

کو تقویت حاصل ہوگی۔ اور یہی کام درحقیقت ہمارے معاشرے میں COLLECTIVE WILL کو پیدا کرنے کا موثر ترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس سے اگلا قدم یہ اٹھایا

کہ جن لوگوں کے اندر انفرادی سطح پر یہ ارادہ اور داعیہ پیدا ہو چکا ہے، انہیں جمع کیا جائے، انہیں منظم کیا جائے اور اسلامی انقلاب کے لیے قرآن کے علوم و معارف اور اس کی حکمت کو ذہنوں میں اتارنے کے لیے علمی و فکری سطح پر کام ہو۔ پھر اسی منزل کی طرف پیش قدمی کے لیے سمیع و طاعت کے اسلامی اصول پر ایک جماعت وجود میں آئے۔ میری پہلی کوشش کے لیے عنوان ہے: ”مرکزی انجمن خدام القرآن“۔ اور دوسری کوشش کا نام ہے ”تنظیم اسلامی“۔ تو میں اپنی ساری مساعی، ساری صلاحیتیں، ساری توانائیاں اصل میں ان دونوں کاموں میں صرف کر رہا ہوں۔ اس وقت جو

CONTROVERSIES پیدا ہو رہی ہیں اور پھیل رہی ہیں، اس میں دراصل LACKING عنصر ہے COLLECTIVE WILL کے فقدان کا۔ یہ

سبب تھا اس معاملہ میں میرا اب تک بالکل خاموش رہنے کا۔

آج میں قصاص اور دیت کے بارے میں اپنی رائے پیش کر دیتا ہوں، اس فیصلے کی وجہ میں بیان کر چکا ہوں کہ مجھ سے سوال بھی کیا گیا ہے اور از خود بھی لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ہوا تو اس معاملہ میں جہاں تک دیت کا مسئلہ زیر بحث ہے، اس میں ایک اہم بات شاید لوگوں کو معلوم نہیں ہے وہ یہ کہ یہ قصاص والی دیت نہیں ہے۔ دیتیں دو ہیں۔ ایک دیت تو وہ ہے جو قصاص کے ساتھ BRACKET ہو کر آتی ہے وحدانی شکل میں آتی ہے۔ ایک دیت بالکل علیحدہ ہے۔ ان دونوں کو جب تک آپ علیحدہ علیحدہ نہیں سمجھیں گے تو جو باتیں کہی جا رہی ہیں اور عقلی میدان میں جو گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں اس کا توڑ آپ کے لیے مشکل ہوگا۔ ایک ہے قتل عمد کا معاملہ۔ ایک شخص نے جان بوجھ کر کسی دوسرے شخص کو قتل کیا ہے۔

اس کا معاملہ بالکل علمدہ ہے۔ اس کا شریعت میں، قانونِ اسلامی میں عنوان ہے قصاصِ جان کے بدلے جان۔ اور اس میں جان بالکل برابر اور مساوی ہے عورت کی بھی اور مرد کی بھی۔ اس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ مقتول چاہے مرد ہو چاہے عورت اسی طرح قاتل چاہے مرد ہو چاہے عورت۔ ان چاروں حالتوں میں مرد و عورت میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جانیں سب کی برابر اور مساوی ہیں۔ یہاں جو قصاص ہے وہ جان کے بدلے جان ہے کہ قاتل کی جان اب مقتول کے ورثاء کے رحم و کرم اور ان کی صوابدید پر منحصر کر دی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل کی جان لینے ہی کا فیصلہ کریں اور چاہیں تو قاتل یا اس کے لاحقین سے کوئی معاوضہ قبول کر کے اس کی جان بخشی کر دیں۔ ان دو میں سے کوئی ایک فیصلہ کرنے کا بالکلہ اختیار مقتول یا مقتولہ کے ورثاء کو حاصل ہے۔ اس میں حکومت کا عمل دخل یہ ہے کہ اس نے قاتل کو پکڑا۔ مقتول یا مقتولہ کے ورثاء کے لیے یہ ممکن نہیں، اس کے لیے حکومت کی مشینری کی ضرورت ہے جس میں پولیس ہے، عدالت ہے، پولیس نے قاتل کو پکڑا۔ تفتیش کی۔ قانون اور عدل کے جو تعلقانے ہیں ان کو پورا کیا۔ مقدمہ قائم ہو کر عدالت میں پیش ہوا۔ ملزم کے خلاف شہادتیں پیش ہوئیں۔ اس کی طرف سے معافی پیش ہوئی۔ ہر نوع کی شہادتوں پر جرح ہوئی۔ یہ سارا کام حکومت کے ذمہ ہے۔ ان تمام PROCESSES سے گزر کر جب عدالت نے فیصلہ دے دیا وہ چاہے بیچ یا قاضی نے خود دیا ہو یا جوری کی رائے کے مطابق دیا ہو کہ ملزم کا جرم ثابت ہو گیا یہ شخص فلاں مرد یا فلاں عورت کے قتل عمدہ کا مجرم ہے تو اس کے بعد حکومت کا اختیار اور عمل دخل ختم۔ اب اس کی صدر مملکت کو بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اگر اب تک ہے تو یہ بالکل غلط ہے، خلافِ اسلام ہے۔ اب کسی کا

۱۔ اس کی خلافتِ راشدہ میں بڑی نمایاں مثال ملتی ہے۔ ابو لوفیروز نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا اس نے تو اس کے بعد فوراً خود کشی کر لی وہ گرفتار نہیں ہو سکا۔ لیکن قرآن اور واقعی شہادتیں یہ تھیں کہ اس سازش میں ہر مزان بھی شریک تھا۔ وہ خلافتِ فاروقی میں مسلمان ہو چکا تھا اور مدینہ منورہ میں مستقل طور پر سکونت پذیر تھا۔ حضرت عبید بن عمر رضی اللہ عنہما نے ربیع اور غصہ سے مغلوب ہو کر ہر مزان کو قتل کر دیا۔ جب کہ اس کو

کوئی اختیار نہیں ہے۔ نہ حکومت کا، نہ کسی گورنر کا، نہ صدر مملکت کا۔
اب یہ اختیار اسلامی قانون کے مطابق بالکلیہ مقتول یا مقتولہ کے ورثاء
کو حاصل ہے۔ وہ چاہیں تو اس قاتل یا قاتلہ کی جان لینے کا فیصلہ کریں۔
حکومت اس کو EXECUTE کرے گی۔ اور اگر چاہیں تو اس قاتل یا
قاتلہ کی بلا دیت و قصاص — جان بخشی کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو
قاتل یا مقتولہ سے یا ان کے ورثاء سے کوئی رقم بطور دیت قبول کر لیں۔
ایک اور اہم بات نوٹ کیجیے کہ یہ دیت جو قصاص کا قائم مقام بنتی ہے اس کا تعلق نہیں
ہے یہ معاملہ جانین کی باہمی رضا مندی سے طے ہوگا۔ اس سارے معاملے میں اصل
میں جان کا بدلہ تو جان ہی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیجیے۔ دیت کی
وہ رقم مقتول یا مقتولہ کی جان کی قیمت ہرگز نہیں ہے۔ اس کی قیمت تو قاتل یا
قاتلہ کی جان ہی ہے البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں اگر کہنا چاہیں کہ قاتل یا قاتلہ نے اپنی جان
بچائی ہے اپنی جان کی قیمت ادا کر کے۔ اگر اس نے دس لاکھ روپے دے کر یا
اس کے اعزہ و اقارب نے، اس کے کہنے نے، اس کی برادری نے، اس کے قبیلے نے

(سلسلہ سادش میں نوٹ ثابت کرنے کے لیے عدل و قانون کے متعلق کوئی عدالتی کا پٹل
نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عیدؓ کو گرفتار کیا گیا، ان پر قتل عدا کا مقدمہ چلا اور وہ
جرم قرار دیے گئے۔ ہرمزان کا کوئی دہان وارث نہیں تھا۔ جس کا کوئی وارث
نہ ہو تو اسلامی قانون کے مطابق خلیفہ وقت بحیثیت خلیفہ اس کا وارث قرار
پاتا ہے۔ لہذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت وارث دیت
قبول کرنے کا بیہوش کیا۔ حضرت عیدؓ کے مالی وسائل دیت ادا کرنے کے
متمل نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ ہی نے اپنی حبیب خاص سے مقرر کردہ
دیت ادا کی اور وہ بیت المال میں داخل کی گئی۔ حضرت عیدؓ کے لیے
جو حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند ہیں۔ ”رم“ کرنے کی کوئی اپیل خلیفہ وقت
کو پیش نہیں کی گئی۔ لہذا قاتل کو صوبائی گورنر یا صدر مملکت سے رحم کی
اپیل کا حق دینا خلاف اسلام ہے (درتب)

ایک کر کے قاتل یا قاتلہ کی جان بچائی ہے تو یہ دیت درحقیقت قاتل کی جان کا معاوضہ نہ کہ مقتول کی جان کی قیمت — یہ بدلہ قاتل کی جان کا ہے، مقتول کی جان کا نہیں۔ نہ کہ جان کا اصل بدلہ تو جان ہی ہے۔ اب اس فیصلے کا بالکل اختیار مقتول کے شمار کی آزاد مرضی پر ہے۔ چاہیں دیت قبول کریں، چاہیں تو قبول نہ کریں اور قاتل کو ت کی سزا دلا دیں — یہ ہے قتل عمد کا معاملہ۔ اس میں مرد کی پوری اور عورت کی بھی دیت کا مسئلہ سے مسئلہ زیر بحث آتا ہی نہیں۔ جان کی قیمت کا مسئلہ اگر زیر بحث آتا ہے تو یہاں آتا ہے اور اس میں قاتل چاہے عورت ہو یا مرد، اسی طرح مقتول یرت ہو یا مرد۔ دیت کی رقم کا تعین مقتول کے ورثہ کریں گے اور وہ درحقیقت اتل اپنی جان بچانے کے لیے دیت دے گا جو دراصل اس کی اپنی جان کی قیمت ہو گا۔

دوسرے مسئلہ ہے قتل خطا کا جس میں قاتل یا قاتلہ کا اپنا کوئی ارادہ شامل تھا ہی نہیں۔ پ گامڑی میں جا رہے ہیں کہ اچانک اور ناگہانی کوئی بچہ، کوئی عورت، کوئی مرد آپ کی گاڑی کے نیچے آگیا اور ہلاک ہو گیا۔ آپ کا کوئی ارادہ نہیں تھا، آپ کی دشمنی نہیں تھی — یا نہ آپ کی دیوار کے نیچے کوئی شخص بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دیوار گر گئی اور اس کے ساتھ یا اس کے نیچے جو شخص بیٹھا ہوا تھا، وہ ہلاک ہو گیا۔ آپ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یا آپ نے گولی چلائی تھی کسی شکار پر وہ جانگی کسی انسان کو۔ آپ کا قطعاً کوئی ارادہ اس شخص کو مارنے کا نہیں تھا۔ قتل خطا کی اور بھی بہت سی شکلیں اور نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ تو قتل خطا وہ ہے جس میں قتل کا ہرگز کوئی ارادہ شامل نہیں ہوتا — اب اسلامی قانون کا یہ ضابطہ نوٹ کیجئے کہ:-

”قتل خطا کے معاملے میں اب جان کے بدلے جان نہیں ہے۔ اس لیے کہ

جان لینا اس قاتل کے پیشِ نظر تھا ہی نہیں۔“

اس قتل خطا میں مقتول یا مقتولہ کے لیے جو دیت مقرر کی جائے گی وہ اس بنیاد پر ہے کہ اس خاندان کا نقصان کتنا ہوا ہے۔ قاتل کا جرم اس اعتبار سے تو نہیں ہے کہ اس کا قتل کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ قتل عمد کا کسی اعتبار سے بھی مرتکب نہیں ہے لہذا اس قتل کی سزا کا ضابطہ جان کے بدلے جان نہیں ہے چوں کہ قتل خطا سے ہوا ہے۔

اب چاہے قتلِ خطا سے ہوا ہو لیکن اس خاندان کا تو نقصان ہو گیا ہے جس کا فرد مقتول ہوا ہے۔ اس کے نقصان کی تلافی تو ہونی چاہیے اسکا COMPENSATION تو ہونا چاہیے۔ اس کی تلافی حکومت اپنے بیت المال سے بھی کر سکتی ہے اس بات کو بھی پیش نظر کیجئے یہ تلافی اس صورت میں حکومت کرے گی۔ جب کہ قتلِ خطا کا مجرم خود یا اس کے قریب ترین اعزہ اس تلافی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ اصل یہ تلافی اسلام نے اُس پر ڈالی ہے جو اس قتلِ خطا کا مرتکب ہوا ہے۔ کیوں ڈالی؟ اس کے اندر بھی حکمت ہے وہ یہ کہ اس سے احتیاط کا عنصر پیدا ہوگا۔ اگر ایسے صورت میں حکومت کے ذمے ڈال دیا جائے تو لوگوں میں احتیاط پیدا نہیں ہوگی۔ لوگ گاڑی RASH چلائیں گے۔ ان کے پیش نظر یہ بات ہوگی کہ اگر کوئی گاڑی کے نیچے آکر ہلاک یا معذور ہو گیا تو اس کی دیت حکومت دیتی پھرے گی۔ لیکن اگر ڈرائیور کو یہ معلوم ہو کہ یہ میرے سر پر آنے والی بات ہوگی تو اب وہ محتاط رہے گا یہ احتیاط معاشرے میں اسی شکل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ اس قتلِ خطا کا تاوان اُسی پر ڈالا جائے جس کے ہاتھوں یا جس کے سبب سے یہ قتلِ خطا ہوا ہے۔ البتہ مستثنیات میں یہ تلافی بیت المال سے حکومت کر سکتی ہے۔

لیکن یہ جان کی قیمت نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ اس نقصان کی تلافی ہے، اس کا COMPENSATION ہے جو اس فرد کے ہلاک ہو جانے کے سبب سے اس خاندان کو پہنچا ہے جس کا وہ فرد تھا۔ اس دیت میں اسلام کے نزدیک مرد اور عورت میں فرق ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اسلام کا جو نظام ہے اس میں معاش کا بوجھ عورت کے ذمے نہیں ڈالا گیا ہے۔ جب کہ مرد کسی خاندان کا ایک EARNING MEMBER ہے۔ وہ خاندان کی کفالت کے نظام کا ایک رکن ہے۔ وہ حصولِ معاش کا ایک عضو ہے۔ لہذا کسی خاندان کے کسی مرد کا قتلِ خطا کے نتیجے میں ہلاک ہو جانا بڑا نقصان ہے بہ نسبت اس کے کہ اس طور پر اس خاندان کی کوئی خاتون ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ شریعت نے اس میں یہ فرق رکھا ہے کہ یہ۔

قتلِ خطا میں مرد کی دیت کے مقابلے میں عورت کی دیت آدھی ہو

جائے گی۔

اس میں جو حکمت ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ عقلی دلیل کے اعتبار سے بھی یہ بات عین عدل و قسط کے مطابق ہے اور واضح ہے کہ ہر سلیم العقول انسان اس کی معقولیت کو باسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس کے خلاف ایک عقلی دلیل یہ لائی جاتی ہے کہ اس زمانے میں تو عورتیں بھی کانے والی ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ شریعت کی کسی نص کے خلاف کوئی عقلی دلیل دینا ایمان کے بالکل منافی ہے۔ اس طرزِ فکر سے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بنانا افسوس دہی افسوس ہے۔ اسلام کے منشاء کے خلاف آپ نے ایک کارروائی شروع کی ہے۔ اسلام تو یہ نہیں چاہتا کہ عورت پر معاش کی ذمہ داری ڈالی جائے۔ اسلام نے عورت پر کچھ اور ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ وہ گھر میں بیٹھے اس کیلئے حکم ہے **وَقَدْ حَقَّ فِي بُيُوتِكُنَّ**۔ وہ کیوں معاشی ٹیگ و دو میں نکلی ہوئی ہے! وہ قناعت کرے، صبر کرے، اس کا شوہر جو کچھ کا کر لارہا ہے، اسی کے اندر گھر گریستی کی ضروریات پوری کرے۔ اسلام تو یہ نہیں چاہتا۔ اسلام نے معاش کی عورت پر ذمہ داری نہیں ڈالی۔ آپ نے خود یہ ذمہ داری عورت پر بھی ڈال دی اور اپنی اس غلط روش کو اسلام کے ایک دوسرے قانون کے خلاف دلیل بنا رہے ہیں۔ اسلام کا نظام اور قانون تو پورا کا پورا منطقی طور پر اور مربوط طور پر ایک وحدہ ہے، ایک اکائی ہے۔ اس نے چون کہ معاش کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے عورت پر نہیں ڈالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وراثت میں بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دو گنا حصہ دیا ہے یہ ساری چیزیں مربوط ہیں۔ اس لیے کہ بیٹا ایک خاندان کا سربراہ بننے والا ہے یا بن چکا ہے۔ اُسے اپنے خاندان کی کفالت کرنی ہے جب کہ بیٹی بیاہ کر کسی اور خاندان میں چلی جائے گی یا جا چکی ہوگی اور اس کی کفالت اس کے شوہر کے ذمہ ہوگی۔ لیکن عورت کو ایک قانونی STATUS دینے کے لیے اس کا بھی ایک شخص ہے، اس کی بھی ایک حیثیت ہے لہذا وہ بھی اپنے والدین کے ترکے کی حق دار ہے۔ اُسے شریک تو رکھا گیا لیکن بھائی کے مقابلے میں اس کا حصہ نصف کر دیا گیا۔ لہذا اسلامی قانون کو جس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک مربوط حکیمانہ نظام ہے۔ اس کا اپنا فلسفہ ہے۔ اور یہ فلسفہ تمام جزئیات کو GOVERN کرتا ہے تمام جزئیات

اس فلسفے کے ساتھ مربوط ہو کر ایک وحدت بن جاتے ہیں جسے آپ ایک ORGANIC WHOLE کہتے ہیں۔ اب اگر اس پورے اور وحدانی قانون سے ہٹ کر کوئی روش اختیار کریں گے پھر اس سے اسلام کے کسی دوسرے قانون کے خلاف دلیل لائیں گے تو یہ میرے نزدیک بنا الفاسد علی الفاسد ہے۔ ایک غلط چیز پر بنیاد رکھ کر دوسری صحیح چیز کو غلط قرار دینا ہے۔ یہ درحقیقت اسی قبیل کی شے ہے جو آج کل قصاص و دیت کے مسئلہ میں سامنے لائی جا رہی ہے۔ ورنہ اسلام کا نظام اور قانون عقل اعتبار سے بھی بالکل عاقلانہ اور منصفانہ ہے اور اس کا ہر جزو باہم دیگر مربوط ہے۔ البتہ انتہا درجے کی مجبوری اور ضرورت ہو تو استثنائی شق قانون میں رکھی جاسکتی ہے لیکن یہ ایسے ہی ہونا چاہیے جیسے اضطرار کی حالت میں حرام کھانے کی شریعت نے رخصت رکھی ہے۔

اب آئیے ایک اہم اصول کی طرف۔ جہاں تک نقل کا معاملہ ہے تو ہمارے دین میں نقل کو عقل کے مقابلے میں اقدمیت و اولیت حاصل ہے جس کے قدرے تفصیلی دلائل میں دوران گفتگو پیش کروں گا۔ اس ضمن میں آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں رحم کے متعلق بھی کچھ گفتگو کی تھی۔ اس ضمن میں ایک بڑی علمی شخصیت کی جو بفضلہ تعالیٰ بہ قید حیات ہیں۔ جو عالم دین ہونے کے ساتھ صاحب تفسیر بھی ہیں۔ رحم کے بارے میں جو رائے ہے اس پر تنقید کی تھی۔ پھر ان کے ایک شاگرد جو ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ انہوں نے غامدہ قانون کے متعلق جو نازیبا بات کہی تھی بلکہ بہتان گھڑا تھا کہ ”وہ چکلا چلاتی تھی اس لیے اسے رحم کیا گیا تھا۔“ پھر یہی نوجوان ہیں جنہوں نے چند سال پہلے اپنے رسالے میں لکھا تھا کہ آج تک اسلام کا صحیح قانون وراثت اور کلالہ کے صحیح معنی و مفہوم اور قانون کو آج تک کسی نے سمجھا ہی نہیں۔ اس کو بس انہوں نے ہی سمجھا ہے جسے وہ اب بیان کر رہے ہیں۔ تو بڑے میاں تو بڑے میاں پھوٹے میاں سبحان اللہ والا معاملہ سامنے آ رہا ہے۔

۱۔ یہ مکمل تقریر ”میان“ کے ستمبر ۸۸ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے (مرتب)

قرآن امور کے متعلق میں نے عرض کیا تھا۔ تو شریعت کے معاملے میں یہ بات جان لیجیے اور آج میں نے جو بات عرض کی ہے، اس کے ساتھ جوڑ کر سمجھ لیجئے کہ جہاں کہیں بھی یہ آماجگ پیدا ہو جائے گی کہ مجھے مسلمان جینا ہے، مجھے مسلمان مرنا ہے اس کے لیے سب سے پہلی دلیل یقیناً قرآن مجید ہے۔ لیکن دین میں وہ تنہا دلیل نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے اسے پہلی دلیل کہا ہے۔ جو قرآن حکیم کو تنہا اور واحد دلیل سمجھتا ہے اس کا راستہ ہم سے جدا ہے۔ ہم ہیں اہل السنۃ کہ جنہوں نے سنت کو دوسری دلیل مانا ہے۔ ہمارے نزدیک دلیل اول ہے قرآن مجید اور دلیل ثانی ہے سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ بھی جان لیجئے کہ سنت قرآن کے تابع نہیں بلکہ

ہے اگر اس کے تابع ہو تو اس کے تابع تو اولوالامر بھی ہیں۔ اس کے تابع تو والدین کی اطاعت بھی ہے۔ اس کے تابع تو ساری اطاعتوں کا نظام بن جانے لگا۔ درحقیقت سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قرآن کے تابع ہو کر دلیل نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ایک برابر کی دلیل ہے۔ یہ دو ستون ہیں، یہ دو PILLARS ہیں جن پر شریعت کی عمارت کی تعمیر ہوتی ہے۔ ایک ستون ہے اللہ کی کتاب قرآن مجید۔ ایک ستون ہے سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ پھر فرض

۱۔ رسول کی اطاعت کے لیے قرآن مجید میں یہ کلیہ بیان فرمایا گیا ہے کہ۔ مَن يُطِيعِ اللَّهَ فَقَدْ اطاع الله اور وَمَن اَطَاعَ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله۔ پہلی آیت میں ”الرَّسُولَ“ خاص ہے اور یہاں مراد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن مجید میں پانچ مقامات پر امر کے صیغے ہیں اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ آیا ہے اس اسلوب کے معانی و مفاہیم میں جو زور ہے اس کی جو غایت و مطلوب ہے اس میں جو حکمت اور رمز ہے وہ روز روشن کی طرح واضح ہے اور پھر ہر مقام پر اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ آیا ہے۔ گیارہ مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے کہلایا ہے کہ اَطِيعُوا، پھر متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے رسول کی اطاعت اور اس کی معصیت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

کہیں کہ سنت رسول میں کسی معاملہ میں ابہام ہے۔ کہیں دو چیزیں بظاہر ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں۔ میں بظاہر کہہ رہا ہوں اس لفظ کو پیش نظر رکھیے۔ اس لیے کہ یہ چیز وہ ہے کہ محدثین عظام نے اپنی پوری پوری زندگیاں کھپا کر چھان بھٹک کی ہے اور پھر فقہاء کرام نے اس کے اندر عقلی اعتبار سے، استدلال کے ذریعے سے مطابقت پیدا کی ہے۔ کہ ایک حدیث ہے جو عام بات بیان کر رہی ہے۔ دوسری حدیث ہے کہ اس کے اندر خاص بات بیان ہوئی ہے تو ایک حدیث گویا دوسری حدیث کے اتنے حصے کا نسخہ ہو جائے گی جو اس میں خصوص کا پہلو ہے۔ عام والا حصہ باقی رہ جائے گا۔ خاص والا معاملہ اب اس دوسری حدیث کی دوسری طرف ہوگا۔ یہ معاملہ دنیا میں ہر جگہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے عام و خاص۔ یہی حدیث کے اندر معاملہ ہے۔

اس کے بعد تیسری دلیل ہمارے یہاں سنت رسول کے بعد ہے سنت خلفاء راشدین ہدیہ ہیں۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حد کے دوران یہ ارشاد آیا ہے: **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي دُسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمُسْلِمِينَ** **الْمُحْسِنِينَ** **مَعْفُونًا** **عَلَيْهَا** **بِالنَّوَاجِذِ**۔ ”تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو جو میرے ہدایت یافتہ ہیں۔ پھر وہ ان کو مغفول سے اپنے دانتوں کے ساتھ، وارڈھوں اور کچلیوں کے ساتھ۔ یہ فرمان محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کلمہ ”فا“ بہت معنی خیز ہے، یہ تمام اختلافات کے لیے پناہ گاہ کی طرف دلائل کر رہا ہے۔ خلفاء راشدین کی سنت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کا اتمہ ہے۔

اس کے بعد ہمارے پاس چوتھی دلیل ہے ہمارے ائمہ دین، ائمہ فقہاء استنباطات، ان کی تعبیرات اور ان کے قیاسات واجتہادات — جیسا کہ میں

صلی اس سے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی مقام واضح ہوتا ہے بلکہ سنت کا بھی ویسے اتباع سنت کے لیے یہ آیت کریمہ نص کا درجہ رکھتی ہے کہ **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ** **وَاللَّهُ مَغْفُورٌ رَحِيمٌ**۔

نے عرض کیا کہ شاید کچھ لوگ سمجھتے ہوں کہ ان پر قرآن آن نازل ہو گیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اسے INTERPRET کر دیں۔ ہماری ایک تاریخ ہے اور تاریخ تاریک نہیں ہے بہت روشن ہے۔ یہ پچھلی دو تین صدیاں اگر ہمیں تاریک نظر آ رہی ہیں تو خدا خواستہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری پوری تاریخ تاریک ہے۔ ہماری بڑی تابناک تاریخ ہے ہماری اس تاریخ میں وہ ائمہ دین گزرے ہیں کہ جنہوں نے بڑی باجبروت حکومتوں کے مقابلے میں کھڑے ہو کر اس رائے کا اظہار کیا ہے جسے وہ حق سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ کا تصور سمجھیے کہ حکومتِ وقت کے خلاف رائے دے رہے ہیں۔ ان کی مشکیں کسی جا رہی ہیں۔ ان کے چہرے پر سیاہی مل کر پھران کو گدے پر بٹھا کر پورے مدینہ میں پھرایا جا رہا ہے۔ لیکن اس حال میں بھی وہ کہہ رہے ہیں "جو مجھے جانتا ہے" وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک ابن انس ہوں اور میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ طلاقِ تمہو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ مجبور کر کے اگر طلاق دلا دی جائے تو وہ طلاق ہوگی یا نہیں ہوگی اسے

اب یہ ایک مسئلہ ہے۔ یہ علیمہ بحث ہے کہ کسی کو امام مالکؒ کی رائے سے اختلاف ہو۔ لیکن ہمارے ائمہ دین وہ ہیں جو کسی جبر اور کسی تشدد کے سامنے نہیں ہچکے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جلیں کاٹی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق انہیں زہر دیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ نے سختیاں برداشت کی ہیں، انکی بارشہر بدر کئے گئے ہیں۔ امام ابن حنبلؒ نے وہ ماریں کھائی ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہاتھی کی پیٹھ پر وہ مار پڑتی تو وہ بھی بلبلا اٹھتا۔ امام ابن تیمیہؒ دو مرتبہ محبوس کئے گئے۔ قید کی حالت ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ تو کیا ان ائمہ کے بارے میں ہم یہ سمجھیں گے کہ دین اور شریعت کے بارے میں غور و فکر

لے حکومتِ وقت کو اس مسئلہ میں تشدد کی ضرورت اس لیے درپیش ہوئی کہ غلیلہ وقت کے لیے بالعموم بالجبر بیعت ل جاتی تھی۔ اگر طلاق مکہ کو غیر مؤثر تسلیم کر لیا جائے تو حکومت کو غلہ لاقی تھا کہ جبری بیعت کو بھی اس پر قیاس کر کے بیعت مکہ سمجھا جائے گا۔ اور اس طرح یہ بیعت غیر مؤثر ہو جائے گی۔ (مرتب)

براصر رکھ کر جاننا میرے نزدیک یقیناً اور لاریب فتنہ ہے۔
 میرے بعض احباب کو جن کے غلوں پر مجھے کوئی شبہ نہیں، مجھ سے شکایت پیدا
 ہوئی ہے کہ میں شاید ایک خاص معاملے میں سختی کر رہا ہوں۔ بعض نے مجھ سے کچھ ناراضگی
 کا بھی اظہار کیا ہے۔ میں ان تمام حضرات سے گزارش کروں گا کہ شخصیتوں کو سامنے رکھ کر
 خدا را نہ سوچئے بلکہ یہ سوچئے کہ مجمع علیہ مسائل یا اجماع سے ہٹ کر کسی نص، کسی دینی
 مسئلہ اور متفق علیہ حدود شرعیہ کے خلاف راستہ نکالنا اور رائے دینا اور اجتہاد
 کرنا اسلاف کے ساتھ قطع تعلق ہے یا نہیں! ان تمام کی متفق علیہ رائے پر اظہار
 عدم عقائد ہے کہ نہیں! میں صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں
 میں کسی مداخلت کا رد وادار نہیں۔ میں اسے حیثیت و غیرت دین کے منافی سمجھتا
 ہوں۔ اس لیے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کون خوش ہوتا ہے، کون ناخوش۔
 کون راضی رہتا ہے اور کون ناراض ہو جاتا ہے۔ شخصیتوں کو چھوڑ کر مسئلہ کی FACE
 VALUE پر تبادلہ خیال، افہام و تفہیم اور دینی استدلال کے لیے میں ہر وقت تیار
 ہوں۔ نہ کسی کی دلداری کبھی پیش نظر رہی ہے اور نہ کسی کی ناراضگی سے خوف

اس سلسلہ کردی۔ انہوں نے بتایا کہ تین سو ایک مرتبہ تلاوت کے دوران اچانک
 ان کی نگاہ اس آیت پر جم گئی اور منکشف ہوا کہ اجماع کے حجت ہونے کی
 دلیل اس آیت میں موجود ہے۔ آیت یہ ہے: **وَقَدْ يَشْرُقُ**
الْمُرْسَلُ مِنْ بَعْدِهَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَذَكَّرُ
بِسَبِيلِ الْغَوْثِ مَبِينٍ فَوَلَّىٰ مَا تَوَلَّىٰ وَتُخْلِمُ جَبْهَتَهُ
وَسَاوَتْ مَجِيئًا (آل عمران ۱۱۵) امام موصوف کی رائے یہ ہے
 کہ یہاں سبیل المؤمنین سے قطعی طور پر اجماع مراد ہے۔ یہاں مؤمنین
 سے وہ مؤمنین صادقین، جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جیسے
 تابعین، تبع تابعین، فقہار امت، محدثین کرام علما جرحانی، مراد ہیں جن
 کے ثبوت حقیقی ایمان وایقان کے نور سے متور تھے نہ کہ ہم جیسے کچھ
 بچے اور روائی مسلمان۔ (مرتب)

کھایا ہے۔ کہے باشند۔ اپنے دینی فہم و شعور کے مطابق جس بات کو حق سمجھا ہے اُسے بر ملا بیان کیا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے نزدیک خلفاء راشدینؓ، ائمہ مجتہدین، محدثین کرام کی جمیع علیہ متفق علیہ رائے اور مسائل کے خلاف اب کوئی نئی رائے دینا اور کوئی نئی راہ نکالنا یقیناً فتنہ ہے۔

یہ ہیں وہ اصل الاصول جن کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔ یہی معاملہ رجم کا ہے۔ زنا کی حد کی آیت قرآنی کے بموجب سو کوڑے غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے حد عام ہے لیکن اُسے سنت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے، اور سنت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شادی شدہ مرد اور عورت کی طرف سے زنا کے ارتکاب جرم پر رجم کو مستقل حد قرار دے کر خاص کر دیا۔ اس پر اجماع چلا آ رہا ہے۔ خلفاء راشدین مہدیینؓ کے قائل و تواتر کی پوری طرح تحقیق کے بعد فقہ کے مشہور ائمہ اربعہ نے شادی شدہ مرد و عورت کے لیے رجم کو حد قرار دیا۔ لہذا اس پر تواتر کے ساتھ اجماع چلا آ رہا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ یہ ثابت شدہ سنت ہے۔ احادیث نبویہؐ ہیں۔ سنت اور حدیث دونوں جمع ہو گئیں۔ پھر یہ کہ خلفاء اربعہؓ کا اس پر عمل ہے۔ ائمہ اربعہؓ کا اس پر اجماع ہے۔ نہ صرف ائمہ اربعہؓ کا بلکہ اس میں امام بخاریؒ ہوں، امام مسلمؒ ہوں، امام ابن حزمؒ ظاہریؒ ہوں۔ الغرض اہل سنت کے تمام معتمد علیہ محدثین کا اس مسئلہ میں کامل اتفاق ہے۔ اسی طرح اہل تشیع جو بالکل علحدہ فرقہ ہے اس کے جو مستند ائمہ فقہ ہیں جن میں امام جعفر صادقؒ ہوں۔ امام زیدؒ و سب کے سب اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی اسلامی مستقل حد رجم ہے۔ خوارج اور گنہگار کے چند معتزلہ ہیں جو اسے حد تسلیم نہیں کرتے۔ یہ فرقہ اہل سنت و الجماعت سے علحدہ تسلیم کئے گئے ہیں اور تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس پر علماء امت کا اجماع ہے اب آپ خود ہی نتیجہ نکال لیجئے کہ اس متفق علیہ اور جمیع علیہ مسئلے کے خلاف ایک نیا راستہ نکالنا اگر فتنہ نہیں تو کیا ہے۔!

قصاص و دہیت کے مسئلہ کو بھی انہی دلائل سے سمجھ لیجیے جو رجم کے اسلامی حد ہونے کے بارے میں اُن نے پیش کئے ہیں چوں کہ اصول تو ایک ہی نہیں ہے۔ دیکھیے

قرآن مجید میں قصاص والا مسئلہ سورہ بقرہ میں زیر بحث آیا ہے۔ اور قتلِ خطا کو دیت کا ذکر سورہ نسا میں ہے۔ لیکن مقادیر وغیرہ کا کوئی ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ اس ضمن میں عورت اور مرد میں فرق ہے یا برابری ہے، اس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ البتہ قرآن مجید کے دواصول اور ہیں جن کو دینی اصطلاح میں "نفس" کہا جاتا ہے۔ یعنی اس کا لفظ بلفظ (LITERALLY) تعمیل ہوگی۔ ایک عورت کی شہادت کا معاملہ ہے تو وہ مرد کی شہادت سے نصف ہوگئی۔ دوسرے قانونِ دراشت کے پورے قانون کو دیکھیں گے تو عورت ترکہ میں مرد کے مقابلے میں نصف کی حق دار بنتی ہے۔ دلالتہ النفس سے اگر آپ کوئی چیز ثابت کرنا چاہیں تو یہ دو اصول قرآن میں موجود ہیں۔ لیکن اور کوئی میراثِ نفس موجود نہیں ہے۔ اب آپ حدیث کی طرف آئیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث QUOTE ہوئی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث ہے اسے دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حضرت عمرو بن حزمؓ کو حضورؐ نے ایک تحریر دکھوا کر دی وہی QUOTE ہو رہی ہے اس میں ایک کلمی قانون بیان ہوا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: "فِي النَّفْسِ الْمُؤْمِنَةِ حَيَاةٌ مِنَ الْإِبِلَةِ"۔ ایک مؤمن جان میں جس میں کہ عام ہے لہذا اس کا اطلاق دونوں پر ہو سکتا ہے مؤمن مرد پر بھی اور مؤمن عورت پر بھی ہے۔ ایک مؤمن جان کی دیت قتلِ خطا کی صورت میں سوانٹ ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ بات بھی موجود ہے دیتِ السَّوَةِ لِمَنْ نَفْسُهُ مِنْ دِيَةِ السَّوَةِ۔ عورت کی دیت مرد کی دیت کے مقابلے میں نصف ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ ایک حدیث نے دوسری حدیث کو غاص کر دیا۔

لفظ المؤمنۃ سے مغالطہ نہ ہو۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ اگر موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی مؤنث کے صیغے میں استعمال ہوگی۔ نفس عربی زبان میں مؤنث ہے لہذا صفت بھی مؤنث آئی ہے مراد جنس مؤمن ہے۔
 "ہدایہ" جلد دوم میں وضاحت ہے کہ یہ حدیث حضرت علیؓ سے موقوف مروی ہے اور یہ حدیث صرفاً بھی ثابت ہے (مرتب)

ایک میں عام ہے کہ قتلِ خطا کے مقابلے میں ایک مومن جان کی دیت سوا دینٹ ہے۔ دوسرا قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ ہم عام و خاص کی نسبت سے دونوں حدیثوں کو مانتے ہیں۔ دونوں کے مابین ایک ربط قائم ہے کہ ایک عام بات حضورؐ نے فرمائی اس کے ایک جزو کی حدِ خصوص دوسرے قول سے ہو گیا۔ لہذا ان دونوں کو سامنے رکھتے تو مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا۔ جو شخص اتباعِ رسول کا جذبہ رکھتا ہو گا اُسے اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ملے گی۔ وہ کوئی اپنا قول نہیں لگائے گا، اپنی کوئی دلیل نہیں دے گا۔ آگے چلیے۔ ہمارے خلفاء راشدین ہدیہ تین میں چار میں سے تین کے اقوال موجود ہیں۔ حضرت عمر کا قول موجود، حضرت عثمان کا قول موجود، حضرت علی کا قول، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و انھما اجمیعین کہ عورت کی قتلِ خطا میں دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ اسی پر ان کا قول، اسی پر ان کا عمل — صحابہ کرامؓ میں سے تین عبادِ بہت مشہور ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وہ صحابی ہیں۔ جن سے ساری فقہ حنہ چلی ہے۔ اسی لیے اس کو فقہ عبداللہ ابن مسعود بھی کہا جاتا ہے۔ چون کہ کئی واسطوں سے ان ہی کے پیرو ہیں امام ابوحنیفہؒ۔ دوسرے عبداللہ ابن عباسؓ ہیں جن کے حضورؐ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس نوجوان کو قرآن کا علم عطا فرما دے، وہ جبرائیلؑ کہلاتے ہیں۔ امت کے سب سے بڑے عالم۔ لہذا جو اکثر تفسیری روایات پر ان کے متعلق ہر مقدمہ تفسیر میں آخری بات حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ملے گی۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں تو حدیث کے سلسلے میں جو سلسلۃ الذہب مشہور ہے جو سنہری زنجیر ہے، اس کی پہلی کڑی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ تین عبادِ اہل اس اعتبار سے بہت مشہور ہیں۔ ان تینوں کے اقوال اس کے حق میں موجود ہیں۔ پھر حضرت زید ابن ثابتؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفْضَلُ اُمَّتٍ زَيْدُ بَنِ ثَابِتٍ امت میں تانویں وراثت کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابتؓ ہیں۔ ان کے اس کے حق میں موجود ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جس میں یہ جذبہ پیدا ہو چکا ہو کہ مجھ پر چلنا ہے، کیا اس کے لیے اس مسئلہ میں اتنے شواہد کے بعد بھی کسی شک و شبہ

کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ — آگے چلیے۔ ائمہ اربعہ، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا اس پر اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ اہل تشیع کے دو ائمہ امام جعفر صادق اور امام زید رحمہما اللہ کا بھی اس پر اتفاق ہے جیسے سب کا اتفاق ربم کے مسئلہ پر ہے۔ سب بتائیے کہ جس شخص کے دل میں کوئی رتی بھی ایسی موجود ہو کہ وہ اسلام کے مجمع علیہ، متفق علیہ تمام مسائل کو تسلیم کرنا چاہتا ہے، وہ اس مسئلہ میں کوئی اپنی علامہ رائے رکھنے پر اصرار کر سکتا ہے! یوں تو کوئی شاذ رائے اکثر معاملات میں بل جائے گی۔ مجمع علیہ اور متفق علیہ آراء کے مقابلے میں شاذ رائے کی کھوج کرید کرنا اور اس سے دلیل پکڑنا چاہے وہ رائے الاعم کی ہو، چاہے ابن علیہ کی ہو، آخر اس کی ضرورت کیا ہے! پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حضرات کا علمی اعتبار سے مقام و مرتبہ کیا ہے! ان کی حیثیت کیا ہے! کیا اہل سنت کے جو چار مسلک ہیں اور جو سلفی اور ظاہری مسلک ہیں، کیا ان مسالک میں سے کسی میں ان کی رائے اور قول کی کوئی اہمیت اور حیثیت ہے! صحابہؓ بالخصوص تین خلفاء راشدین کے قول و عمل، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، ائمہ اربعہ اور تمام معتقد فقہائے اسلام کے مجمع علیہ اور متفق علیہ رائے کے مقابلے میں ادھر ادھر سے کھود کرید کر کے کسی شاذ اور غیر معروف قول پر استدلال کی عمارت کھڑی کرنا اس ذہنیت کی غمازی کرتا ہے کہ اصل میں جذبہ تو ہے نہیں۔ پیروی تو کرنی نہیں، وہ ارادہ موجود ہی نہیں کہ ہم کو اسلام پر چلنا ہے اور اسلام پر عمل کرنا ہے۔ ہذا یہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔ آدمی کے پاس زبان ہے اور گز گز بھر کی زبان بھی موجود ہے اور لوگوں کے ہاتھ میں قلم ہے جن کو ہمارے اخبارات نے گزروں لمبا کر دیا ہے۔ قلم کا پیلے اتنا فتنہ نہیں تھا جو اس دور میں اخبارات کے ذریعے سے یہ فتنہ شدید تر ہو گیا ہے وہ تو چاہتے ہیں کہ CONTROVERSIES زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں۔ میاست کا میدان تو بند پڑا ہے اس کے حوالے سے جو گڑا گرمی ہوتی تھی اور تک مرتج ملتا تھا،

لے ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے جون ۸۶ء کے شمارے میں اس رائے کا انہار کیا گیا ہے کہ ان حضرات کا یہ قول کسی مستند کتاب میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوا! (مرتب)

اور اخبارات کی زینت بنتا تھا، وہ موجود نہیں تو جہاں سے بھی بحث و تمحیص کا در
 کھل جائے اسے وہ نمایاں کریں گے۔ چوں کہ اس میں ان کے قارئین کی دلچسپی کا سامان
 اس کے سوا ان کے پیش نظر کوئی مثبت یا منفی تعلق یا مقصد نہیں ہے۔ اگر کوئی منفی
 تعلق ہو تو ہو۔ باقی مثبت تعلق کا تو ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں ملے گا۔ یہ ہے اہم
 معاملہ کہ اگر کسی کو بات سمجھنی ہو اور فی الواقع سمجھنا ہو تو اس میں قطعاً کسی شک
 شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قتل خطائیں مرد کے مقابلے میں عورت کی دیت نصف۔
 میں پھر عرض کر دوں گا کہ اصل بات یہ ذہن میں رکھیے کہ دو چیزیں ہیں۔ پہلی یہ
 انفرادی اور اجتماعی سطح پر وہ WILL ہے یا نہیں۔ فیصلہ کن بات تو یہ ہے۔ دوسری یہ
 جب انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ WILL پیدا ہو جائے تو پھر عمل کے لیے ترتیب یہ ہے
 کہ پہلے اللہ کی کتاب ہے پھر سنت رسول ہے۔ اس سنت کے اندر صحابہ کرامؓ
 اقوال بھی آجائیں گے۔ اس لیے کہ انہیں بھی احادیث کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی احادیث
 جو مروجہ نہیں موقوف ہیں لیکن حدیث کے درجے میں شمار ہوتی ہیں۔ وہ سنت کا
 جزو ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ارشادات دلائل کرتے ہیں۔ پہ
 ارشاد ایک حدیث کا آخری حصہ ہے: ”ما انا علیہ و اہما بی“۔ حدایت یا
 اور راہ یاب لوگ وہ ہوں گے جو میرے (یعنی نبی اکرمؐ) طریقے اور میرے اصحاب
 طریقے پر چلیں گے۔“ دوسرا ارشاد ہے: ”انھا بی“۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ جو رہیں گے
 ”میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں“ ان میں سے تم جس کی نحو
 پیروی اختیار کرو گے راہ یاب ہو گے۔“ پھر خاص طور پر خلفاء اربعہؓ کی سنت
 جس کے سنت ہونے پر ہمارے تمام ائمہ فقہاء اور تمام علماء و حقانی بلکہ پوری امت
 اجماع ہے۔ جس کے لیے دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو
 نے آغاز میں آپ کو سنائی تھی۔ اس کی تشریح کرنی باقی ہے۔ اس موقع پر وہ
 پیش کیے دیتا ہوں۔ اس حدیث سے ہیں وہ رہنمائی بھی مکمل طور پر مل جائے
 جس کی اس پر فتن دور میں ہم کو سخت احتیاج ہے۔ یہ حدیث حضرت عرابض
 سادیؓ سے مروی ہے اور امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے حدیث حسن
 قرار دیا ہے۔ حضرت عرابض بن سادؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ غزو

سُئِلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَى عِظَةٌ وَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ وَ رَفَّتْ مِنْهَا الْحَيُوتُونَ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں عطر و نصیحت فرمائی اور نصیحت ایسی تھی کہ اس سے قلوب پر ایسی رقت طاری کی کہ وہ لرز گئے اور آنکھوں سے آنسو رداں ہو گئے " فَعَلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا أَمَرْنَا عَنْ عِظَةٍ مُسَوِّجَةٍ فَأَذِيعْنَا " ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ نصیحت تو ایسے محسوس ہو رہی ہے جیسے آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں! (اگر یہ اسی نوعیت کی ہے) تو ہمیں مزید وصیت و نصیحت فرمائیے " قَالَ أَذِيعُكُمْ بِمَشْغَايَ اللَّهِ وَاسْمِعُوا الطَّاعَةَ فَإِنْ تَأَمَّرْتُمْ عَلَيْنَا مِنْ بَعْدِ حَقِّهِ لَنَعْلَمَنَّ مَا فِي قُلُوبِكُمْ " حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی اور سب دعاوت کی روش پر گامزن رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تمہارا امیر ایک غلام ہی کیوں نہ ہو! اس وصیت کے آخری حصے میں یہ حکمت ہے کہ غلام یا غلام زادے کا امیر مغرب جیسی آزاد اور خود سرفروم کے نفس پر بڑا شاق گزرنے کا احتمال تھا۔ نبی اکرم نے اس کی اس موقع پر پیش بندی فرمادی۔ اس کے بعد رسول اللہ نے فرمایا فَاذِيعْنَا عَنْ نَبِيِّنَا ثُمَّ بَعْدَ مِثْلِ مِثْلِ مَا اخْتَلَفْنَا كَيْتَبُوا " تم میں سے جو کوئی بھی میرے بعد زندہ رہا وہ جلد ہی کثیر اختلافات دیکھ گا " آگے حضور ہدایت اور راہنمائی فرما رہے ہیں۔ کہ اختلافات کے زمانے میں امت کے لیے مشعل راہ کون سی ہے! روشنی کا اینار کون سا ہے! ارشاد ہوا: فَخَلِّتُكُمْ يَسْتَبِيحُوا وَاسْتَبِيحُوا فَخَلِّتُكُمْ يَسْتَبِيحُونَ

" پس تم پر واجب ہے، لازم ہے کہ میری سنت اور میرے تربیت و ہدایت نامہ مراہم مستقیم پر گامزن خلفاء کی سنت کو کچلیوں کے ساتھ مضبوطی سے تھامنا " آگے فرمایا اَيُّهَا كُنتُمْ وَتُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بَذْعَةٍ مَلَائِكَةٌ " اور دیکھنا دین میں جو نئی چیز ایجاد کی جائے گی وہ بدعت ہوگی اور بدعت گمراہی ہوتی ہے۔ "

اس کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء کا جس مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سے عالمہ اور اس سے باہر کوئی نیا راستہ کوئی ایسا شخص

نہیں نکالے گا جس کے دل میں حقیقی دین پر عمل پیرا ہونے کے جذبے کی کوئی رمت بھی موجود ہو۔ اگر نکالے گا تو وہ اسی دائرے اور اسی زمرے میں آجائے گا کہ **وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَقَدْ يُفْتَنَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰزِرِيْنَ** جو شخص بھی فرماں برداری (اسلام) کے سوا کوئی اور طریقہ اور راستہ اختیار کرنا چاہے گا، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ناسرور و خاسر ہے گا۔ لہذا جو بھی اسلام کے احکام و قوانین کے علاوہ اور ضابطے اور طریقے کا متلاشی ہے، وہ تو باہر ادمر ادمر جمانے گا اور اپنی رائے کے لیے عقلی اور نقلی دلیلیں گھڑے گا۔ وہ کہتا ہے **وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا** کے زمرے میں آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو میں پورے النسخ صدر سے کہتا ہوں کہ عقل بھی اس کے حق میں ہے۔ عقل تسلیم کرتی ہے کہ قوت کار کے اعتبار سے اور معاشی کفالت کے لحاظ سے مرد کی منفعت عورت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس دلیل سے میلرت میں، قانون شہادت میں اور زیر گفتگو قتل خطا و کی صورت میں عورت کی دیت میں نصف کی نسبت عقل کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ اسی حریے سے دھم کے ”حد ہونے کے منکرین بھی عقل کے اعتبار سے اندھے اور کور چشم ہیں کہ وہ گویا عقلی اعتبار سے یہ فیصلہ کرے ہیں کہ شادی شدہ اور پیشادی شدہ زانیہ برابر کے مرد ہی زنان کی عقل پر ماتم کیجئے۔ ایک پیٹ بھرا انسان چوری کرے اور ایک غیر پیٹ بھرا انسان چوری کرے، کیا یہ برابر ہو جائیں گے؟ ایک چوری ہے جو ہمیشہ جوارات کی کی جا رہی ہے، ایک چوری وہ ہے جو روٹی کی گئی ہے یا رہ چلتے کسی باران کے پھل توڑ کر اپنا پیٹ بھرا گیا ہے۔ کیا یہ چوریاں برابر سمجھی جائیں گی؟ شریعت نے انہیں برابر نہیں رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قحط کی حالت میں قطع ید کی سزا بالکل ساقط کر دی تھی اس

لے ”ہدایہ“ میں علامہ مرفیاتیؒ کا یہ قول موجود ہے: **كَانَ لَا تَحَالُهَا النِّقْصُ مِنْ جِاَلِ السَّرْبِ لِي وَ مَنْفَعَتُهَا اَقْلَى**۔ ”بلاشبہ عورتوں کی قوت کار اور ان کی منفعت مرد سے بہت کم ہے“ یہاں النقص، اور اقل کے الفاظ نہایت قابلِ غور ہیں۔ (مرتب)

یہ کہ شہ موجود تھا کہ انسان چاہے چوری کسی شکل میں کر رہا ہو لیکن ہو سکتا ہے اور ظن غالب ہے کہ بھوک اس کا اصل سبب بن گیا ہو۔ تو کہاں ایک بیٹ بھرے انسان کا چوری کرنا اور کہاں ایک بھوکے انسان کا چوری کرنا! اسی پر قیاس کیجئے کہ کہاں ایک شادی شدہ انسان کا زنا کرنا! اور کہاں ایک غیر شادی شدہ انسان کا زنا کرنا! کیا عقل اسی کو برابر تسلیم کر سکتی ہے! میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی عقل پر کسو پہاڑیہ اور ان کے حق میں دعا کیجئے جو ان کو برابر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑے RATIONALIST ہونے کے مدعی ہیں۔ بڑے عقل پسند اور عقل پرست ہونے کے دعویدار ہیں۔

یہی معاملہ قصاص اور دیت کا ہے کہ اس مسئلہ میں غلط بحث کر دیا گیا ہے۔ قتلِ خطا کی جو دیت ہے وہ جان کی قیمت ہے ہی نہیں۔ جان کی قیمت کا مسئلہ قتلِ عمد میں آتا ہے اور وہاں بھی اصل الاصول یہ ہے کہ جان کی قیمت جان ہے۔ ہمیشہ نہیں ہے قاتل کی جان تو مقتول کے درناپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ اب قاتل کی جان ان کے رحم و کرم پر ہے۔ اب وہ چاہیں تو اس کی جان لینے کا فیصلہ کریں چاہیں تو قاتل کی جان کا معاوضہ قبول کریں۔

گویا قتلِ عمد کی دیت دے کہ قاتل اپنی جان بچاتا ہے وہ مقتول کی جان کا معاوضہ نہیں ہے اس لیے کہ مقتول کی جان کے بدلے تو قاتل کی جان حاضر ہے۔

البتہ قتلِ خطا میں جان کی قیمت کا معاملہ نہیں ہے وہ کسی حد تک اس نفع کی تلافی ہے جو مقتول کے خاندان کو پہنچا ہے۔ اس میں یقیناً عورت کی دیت مرد کے مقابلے نصف ہے اور وہ اس ذمہ داری اور اسلام کے فلسفہ، عزائیات کے اعتبار سے ہے کہ مرد EARNING ہے۔ عورت نہیں ہے کسی خاندان کے مرد کا خطا سے کسی کے ہاتھوں یا کسی کی بے احتیاطی سے ہلاک ہو جانا زیادہ بڑا نقصان ہے بمقابلہ عورت کے۔ یہ عقلی بنیاد بھی موجود ہے جس کے باعث شریعت میں یہ فرق رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک اہم بات اور بھی عرض کر دوں۔ اگر عقل حاکم ہو جائے گی نقل پر۔

تو یہ اسلام کے خلاف راستہ ہے۔ اسلام اصلاً عقل پر نہیں بلکہ نقل پر قائم ہے۔ یہ نقل ہے وحی۔ اللہ کی جانب سے بذریعہ جبریل امین علیہ السلام منقول کی گئی ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ قرآن بھی منقول ہے، یہ بھی ایک روایت اس کے راوی اول کون ہیں! جبریل امینؑ اور راوی دوم کون ہیں! جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر یہ روایت چلی آ رہی ہے، نبی اکرمؐ نے یہ قرآن صحابہ کرام کو دیا۔ صحابہ سے تابعین کو بلا۔ ان سے تبع تابعینؒ نے لیا اور اس طرح فصلاً بعد فصل قرآن مجید روایت اور نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا اور اسی طرح یہ نقل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ قرآن نقل ہے۔ اس کی اساس عقل پر نہیں ہے۔ ہاں جب آپ عقل کو اس کے تابع رکھ کر اس سے کام لیں گے تو یہ بہت شے ہے، بڑی مفید شے ہے، بڑی طاقت ور شے ہے۔ یہ عقل آپ کو اس نقل پر مطمئن کرے گی۔ اس بات کو علامہ اقبال نے بڑے پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے

گزشتہ عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

قرآن مجید میں بھی بار بار دعوت ہے کہ قرآن کو پڑھو، اس پر غور و تدبر کرو، اس کے فہم کے لیے عقل سے کام لو۔ متعدد آیات میں سے دو کے حوالوں پر لکھا کرتا ہوں۔ سورۃ الروم میں فرمایا: وَمِنَ الْآيَاتِ يُرِيكُمُ الْوَيْبَاتِ خُوفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَخْجِي بِهِ الْأَنْهَارَ بَعْدَ مُغَوِّتِهَا زَيْنًا ذَٰلِكَ لَا يَتَّبِعُ الْقَوْمَ يَعْقِلُونَ۔ سورۃ لیس میں ارشاد ہوا: وَمِنَ تَجْوِذِهِ نَسِيسُهُ فَنُفِثَ فِي الْفُلُقِ آفَافًا يَعْقِلُونَ۔ قرآن جو اصلاً نقل ہے اس کے لیے عقل کیلئے دلائل کا کام دے سکتی ہے لیکن جو عقل معرفتِ الہی اور شریعت کے حکم اور رموزِ صحیح فہم و ادراک کے لیے ہرگز کفایت نہیں کرے گی۔ اس کو بھی علامہ اقبال نے خوب ادا کیا ہے

عقل گو آستان سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں!

لیکن - یہاں یہ لیکن نہایت قابل غور ہے
 IT IS A VERY BIG BUT لیکن اگر آپ نے اس نقل یعنی قرآن پر عقل کو حاکم بنا دیا تو جان لیجئے کہ چاہے آپ
 کہتے رہیں کہ آپ قرآن کو مانتے ہیں - درحقیقت آپ قرآن کو نہیں اپنی عقل

جامعہ باب العلوم، کبر وڈ پکا منیع ملتان کے
مولانا الشیخ ایاز ملک انوی

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

براہ راست اور بواسطہ ماہنامہ 'الخیر' ملتان

استفسار
اور اس کا

جواب

(۱)

جناب ملک انوی کا پہلا خط — محترمہ ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

امام الہند بنانے کی تجویز — استاد العلماء شیخ الہند کا کردار

— شیخ الہند کے جانشینوں کو دعوت فکر اور ایک سوال

ڈاکٹر اسرار احمد کے حضور عرضِ نیا:

میشاق بابت مجزوری علیہ السلام میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک مضمون مولانا
ابوالکلام جمعیت العلماء و جند احمد شیخ الہند مولانا محمود الحسن شائع ہوا جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کو
امام الہند بنانے کی تجویز احمد احتیاذ العلماء حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی وسعت نگاہ احمد
بالغ نظری کے ساتھ ساتھ موصوف کی وسعت قلبی اور عالی ظرفی کا منہ بھر کر واشگاف الفاظ میں اقرار
کیا گیا۔ اور مولانا ابوالکلام کی دعوت کے بنیادی عنصر (قرآن و جہاد) کی بھی نشاندہی فرمادی گئی جس
کا ذکر ۱۳۳۳ھ اور ۱۳۶۱ھ اور شیخ اشورخ مولانا محمود الحسن دیوبندی ایسی عظیم مالذہر و درگاہ شخصیت کو

مسجد کر دیا تھا اور اسٹاذ العلماء بایں علم و فضل، تقویٰ و تدبیر و خلوص و ولایت پر بلا فرمایا کرتے تھے کہ اس
 زوجان (ابو الکلام آزاد) نے ہمیں اپنا سچا بھلا سبق یاد دلایا ہے اور یہ سب کچھ تقلید کے گوشہ بندوں
 میں ہو رہا تھا جہاں اسلام کے معنی ہی حنفیت کے ہیں اور تقلید کے دائرے سے باہر قدم نکالنے کے
 معنی گویا اسلام سے نکل جانے کے ہیں اور اس تمام حکم و روای کے خالق حضرت شیخ الہندؒ کے کفر حنفی
 ہیں اور جس بمقامی نابغہ روزگار شخصیت کے سر پر امامت ہند کا تاج رکھنا چاہتے ہیں وہ بیک وقت
 گیم زہر اور رداۓ زندگی اور ہنس کے جرم کے مرکب اور بالکل اسم باستی آزاد ہیں حنفیت سے حدود
 بعید، تقلید سے کوسوں دور ایک آزاد خیال انسان نہ کہیں کی سند فراغت نہ دستار فضیلت نہ مجتہد علماء
 نہ عباد قبا نہ کہیں کے مفتی نہ شیخ الحدیث لیکن باہر مولانا دیوبندی ان کے جوہر قابل کے قائل ہی ہیں
 اور انہیں امام الہند مان لینے کی تجویز کے پُر زور مؤید بھی۔

الحاصل ان ہمیدی گذارشات کے بعد جنہیں دراصل ڈاکٹر صاحب کے فرمودات و اشارات کا
 خلاصہ کہنا ہے جانہ ہوگا، یہ بات روز بروز روشن کی طرح کھل کر سامنے آئی ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے قیام حکومت
 الہیہ اور تجدید اجماع دین و تجدید ملت کی منزل کو قریب تر کرنے کے لئے ماہ و سال، اہل و عیال، قدیم
 و جدید اور فکر و نظر کے تمام تر اختلافات کو بلائے طاق رکھتے ہوئے تحریک اجماع دین کے کوشش اور کلام
 آزاد کو امام الہندؒ تجویز کرانے میں بہت قن معروف نظر آتے ہیں تو کیا آج بھی اگر کوئی شخص جو کہ معروف و مشہور
 کا سکھ ہند اور مسلم عالم دین نہ ہو اور نہ ہی حنفیت کی جلی چھاپ رکھتا ہو لیکن باہر امامت مسئلہ کو بظاہر
 دنا وال اور کثرت و فلکات سے نکالنے کے لئے اعتصام بالقرآن اور دعوت رجوع الی القرآن کا محض
 خیالی داعی اور ڈھنڈو دہی ہی نہیں بلکہ ہے۔

گئے دن کہ تہا تھا میں اجماع میں • یہاں اب میرے مانہاں اور بھی ہیں
 کا مصداق ہو۔ تو کیا ان حالات میں استاد اعلم شیخ الہندؒ کے ارادت مند عقیدت کیش جانشینوں
 سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بھی اپنے شیخ کی طرح وسعت قلبی اور اہل عرفی کا ثبوت دیتے ہوئے
 اس دور میں دوسری مثال قائم کر دیں گے۔ اور کسی ایسی نابغہ روزگار ہستی کی امامت کو تسلیم کرنے کے
 لئے تیار ہو جائیں گے فہل من مستقم وذل من مجیب یا پھر سکھ بند حنفیت زہد و تقویٰ کی
 اجارہ داری یا روایتی و مدرسی علم کا اظہار آڑے آئے گا؟ بہر حال اگر تنظیم اسلامی کی طرف سے شیخ الہندؒ کے
 جانشینوں کو یہ ایک دعوت فکر ہے چاہئے وہ اتنا با شیخ میں وسعت قلبی اور اہل عرفی کا بھرپور مظاہرہ
 کریں یا پھر حنفیت کی تقلید جامہ اور روایتی و مدرسی علم کا اظہار انہیں حق بات تسلیم کرنے سے روکتا ہے
 امیر موصوف کے ارشاد کے مطابق علماء کرام ہماری ان گذارشات پر سچ پانہ ہوں بلکہ ٹھنڈے دل سے
 غور کریں بلکہ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اب کوٹا ہوتا تھا۔

ابو ذر تو کمزور ہے اور یہ امانت ہے قیامت کے دن سوائے رسوائی اور شرمندگی کے اور کچھ نہیں ہے مگر جو اس کے حقوق ادا کرے اور جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہیں انہیں پورا کرے

۲۔ ابوالکلام آزاد کو امام الہند بنانے کی تجویز صرف اور صرف جہادِ حریت اور تحریکِ امتحانِ وطن کی حد تک تھی جس کے لئے حزبِ اللہ کی تاسیس اور حکومتِ الہدیہ کا قیام عمل میں لانا تھا یہی وجہ ہے کہ مذہبی معاملات میں ان کے قول و فعل کو بطورِ تحت و دلیل کے کبھی بھی کسی نے پیش نہیں کیا اور نہ ہی مذہبی قیادت و سیادت کی دستار ان کے سر پر رکھ دی گئی تھی۔ جبکہ زمانہ حال کی امارتِ گدھی اور مذہبی حیثیت کی حامل ہے۔ میاں صاحب یہاں۔

۳۔ مولانا ابوالکلام کے لئے امامتِ ہند کے رفیع منصب کے مجوز و مؤید اس وقت کے خیارِ اکت زہد و تقویٰ۔ اخلاص و ولایت۔ علم و فضل میں کتنا بڑے روزگار تھے۔ لہذا دریافتِ طلبِ ایسے کہ آپ کی امارت کے مجوز و مؤید کون اور کس معیار کے لوگ ہیں۔ دیدہ باید۔ جناب والا! آپ کے حضور زندگی کی پہلی نیاز ہے عرض احوال کے آداب سے بالکل نااہل ہوں۔ اگر طبعِ نازک پر انجان سائل کی خش خش گراں نہ گزرے تو میناق میں جواب کا منظر رہوں گا۔ والسلام : خاکِ ربنہ ایاز ملکاوی معنی اللہ عنہ

(۲)

جناب ملکاوی کا دوسرا خط — مہرہ ۲۰، ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

بخدمتِ گرامی قدر جناب ڈاکٹر ابراہیم صاحب زاد اللہ شرفکم العالی ! درخواستِ دعا کے بعد۔ السلام علیکم وعلیٰ آلہ و سلم و برکاتہ و مزاجِ محترم بعافیتِ راضی تمام ہوں گے۔ المرام آنکھ چند ماہ پیشتر ناچیز نے خدمتِ عالیہ میں ایک سوالیہ نیاز نامہ رجسٹری کیا تھا۔ جس کا جواب باوجود طلب کے میثاق میں نہ آیا نہ آنا تھا۔ اور ویسے بھی حقائق کے جواب صحیح قیامت تک بن نہیں پڑتے۔ اس لئے یہ بات نہ کوئی باعثِ تعجب تھی نہ اب ہے۔

البتہ میرا تو جناب قمر سعید صاحب کی بے تابی پر ہے کہ موصوف مجھ خاکسار کے کوائف جمع کرنے کے لئے شہر کی ایک عظیم المرتبت علمی شخصیت کو خط میں لکھتے ہیں کہ "ہمیں بعض ضروری امور کی خاطر جناب ایاز ملکاوی صاحب کے کوائف کی ضرورت ہے۔ براہِ کرم آپ حکمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے کوائف وغیرہ حاصل کر کے ہمیں ارسال فرمادیں۔ ہم شکر گزار رہوں گے۔ آپ کا ہم سے یہ تعاون ایک دینی معاملہ ہی کے لئے مطلوب ہے۔"

گرامی قدر : نہ معلوم کہ کسی حکم - قد آتی - اور - - - - -

مقابلہ ہے کہ مسائل کے سوال کا جواب تب دیا جائے جب اس کے مکمل کوائف معلوم ہوں۔
جناب آپ کے پروگرام اور شانہ روز سنی و محنت کا بنیادی نقطہ دعوت و رجوع الی القرآن ہے
تو کیا آپ کا یہ عمل اَللّٰهُ تَعَالٰی مَا دَا فَتَقْسُوْنَ (الآیتہ کا مصداق ہونے کے ساتھ ساتھ دَا تَا
السَّائِلِ فَلَا تَنْهَوْنِیْ دَا لَآیَہ کی ہدایت ربانی کے بھی سرا سر خلاف ہے۔

آپ کے پیش تو گفتہ غم دل ترسیدم! — کہ تو آئندہ شوی درد سخن بیار است
اچھا خیر یہ ایک نیا زندان شکوہ تھا۔ امید ہے طبع نازک پہ گراں نہیں گزرے گا۔
عالی قدر۔ محرومی جواب کے باوجود بقول حضرت غالبؒ ہے

یَا رَسَّ جِیڑ جلی جائے اسد — گر نہیں وصل تو صرت ہی سہی!

آج پھر مختصر عرض نامہ لے کر حاضر خدمت ہوں۔ کاش ہے

چھپنے کا مزہ تو تب ہے کہ وہاں رسو — بات میں تم تو خفا ہو گے لو اور رسو
کہ مغلانے محرم بزدل دی کی اول تاریخ بعض حضرات نے ۲۸ جولائی ۱۳۸۵ھ بروز
شنبہ شب قدر بیان فرمائی ہے جبکہ ماہنامہ حکمت قرآن جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ میں مولانا
عبد الکیم پارکھی نے مقالہ قرآن مجید۔ قرآن کی روشنی میں ”بزدل قرآن عیسوی ۱۳۸۵ھ گشت
کی کچھ تاریخ کو بتایا ہے۔

علاوہ ازیں آیات قرآن شامہ حضرت عائشہؓ کے مطابق ۶۶۶۶ ہیں۔ اور مولانا دیا باگ
نے ۶۶۱۶ کو میزان اصح قرار دیا ہے جبکہ حکمت قرآن کے مقالہ نگار نے ۶۶۲۷ آیات شمار
فرمائی ہیں۔

بہر حال ان ہر دو باتوں میں توفیق مطلوب ہے۔ رہی بات میرے کوائف کی تو وہ
حضرت امیرؒ سے سن لیجئے۔

تیرا جمال ہے تیرا خیال ہے تو ہے مجھے یہ فرصت کاوش کہاں کیا ہو لیں
میں ہوں وہ مست جس کا ایک جرمہ زمزم و کوثر!!
میں اس ملکوں کے خمیانہ میں مہربانے و خدا ہوں

اجازت! طالب جواب ————— والسلام

بندہ ایاز ملکافوی عفی اللہ عنہ

(۳)

ماہنامہ ”الْحَیْر“ شمارہ جولائی ۱۹۸۴ء میں شائع شدہ تحریر!
”میشاق“ بابت جنوری ۱۹۸۴ء میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک مضمون

مولانا ابراہیم الکلام، جمعیت العلماء ہند اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن خاں جو اس میں مولانا ابراہیم الکلام اور کوام الہند بنانے کی تجویز پر استاد العلماء حضرت شیخ الہند کی وسعت نگاہ اور بالغ نظری کے ساتھ ان کی وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کی مدح و توصیف کی گئی ہے اور حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے علم و فضل تقویٰ و تدبیر اور خلوص و لطیفیت کے اعتراف و اقرار کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد مرحوم پر آپ کے عنایات اور مجید اعتماد اور حسن سلوک کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صاحب مضمون کے مطابق حضرت شیخ الہند جس عبقری، تابعدار و زکاوت و شخصیت کے سر پر اہمیت بند کا تاج رکھنا چاہتے تھے۔ وہ بیک وقت گلیم زہر اور دوائے زندگی اور مرنے کے جرم کے مرتکب اور بالکل ام باطنی آزاد تھے۔ خفیت سے حد درجہ بعید، تقلید سے کوسوں دور ایک آزاد خیال انسان، انہیں کی سبب فرحت نہ دستارِ نفیست، نہ جتن نہ ہمار، نہ عبا نہ قبا نہ کہیں کے مفتی نہ شیخ الحدیث لیکن بایں ہمہ مولانا دیوبندی ان کے جوہر قابل کے قائل بھی ہیں اور ان کو امام الہند مان لینے کی تجویز کے پر زور مؤید بلکہ داعی بھی۔ حضرت شیخ الہند نے قیام حکومت الہیہ اور تحریک احیائے دین و تجدیدِ بقیت کی منزل کو قریب تر لانے کے لئے قدیم و جدید اور فکر و نظر کے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جس استقامت و بلند حوصلگی سے تحریک کی قیادت فرمائی اور اس تحریک سے تعلق رکھنے والے تمام اعلیٰ و ادنیٰ حضرات کو بجا امتیاز جس محبت و بندہ پروری سے نوازا مولانا آزاد پر یہ عنایت بھی انہی مراسم خردانہ کا ایک حصہ ہے۔

مگر ڈاکٹر اسرار احمد اس سے کچھ اور مفہوم اخذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق شیخ الہند کے اسادت مند، عقیدت کیش جانقینوں کو اپنے شیخ کی طرح وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اس دور میں ایک دوسری مثال قائم کرنی چاہئے اور ”سکندریہ خفیت“ زہر و تقویٰ کی احارہ داری اور روایتی و مدرسی علم کا ادعا آڑے نہیں آنا چاہئے۔

۱۔ شیخ الہند کے حاشیہ اثابا شیخ ”میں کس کو“ امیر البکتان تسلیم کریں۔ اس کے وضاحت امیر خلیفہ اسلامی نے نہیں فرمائی مگر ان کے پیر پیر، پراسرار اور دبے دبے لفظوں میں جس شخصیت کے بارے میں وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی اختیار کئے جانے کا مطالبہ چھلک رہا ہے وہ چشم بد دور ”حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب“ ہی کی ذات گرامی قدر معلوم ہوئی ہے۔ مگر غالباً انہوں نے انہ ماہ کفرسی اپنے نام کی مراحت نہیں فرمائی۔ باقی

ظہر بھی کہتے ہیں وہ اور کیا کہنے کو ہیں

اور — ظہر میں مکر جانے کی جرات تو مکر جا

اس بات سے قطع نظر کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کرنے اور مولانا

آؤاد اور اپنے درمیان عدم تفاوت ظاہر کرنے کے لئے جس رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے وہ دوسرے ہے یا نہیں؟ — اور بیک وقت گیم زہد اور دوائے دند کی ادھمنے کے مرکب، حنفیت سے حد درجہ بعید، تقلید سے کوسوں دور آزاد خیال انسان، سند فراغت اور دستاویزیت سے محروم خجہ و حامد اور عبا و قبا سے جی دامن اور مفتی و شیخ الحدیث کے منصب سے خالی جیسے الفاظ سے وہ مولانا آؤاد کا تعارف کر دے ہیں یا انہی شخصیت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب کے ضمن طلب کی داد نہ دینا تنگ نظرئی ہوگی مگر یہ طلب کچھ غور طلب ہے۔

کیا ڈاکٹر صاحب ہمارے طالب علمان ایک دو اشکالات کا جواب دینا پسند فرمائیں گے؟

(۱) اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت ارباب حل و عقد، قومی و ملی معاملات میں کسی منتخب شخصیت کی بیعت و امارت پر اتفاق کر لیں تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ امت کی دیگر کی اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے پیش نظر انہیں ایسا کرنے کا اختیار دیا جائے۔ بشرطیکہ جسے یہ مرتبہ عالی تفویض کیا جا رہا ہے اس کے حائر دل و دماغ میں معمولی تو کجا بلکہ ناگوار کی حد تک انگاہ کا معاملہ ہو۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے کہ یہاں بے طلب و مدعا امور امت سپرد کئے جائیں تو باعث خیر و برکت ہوتے ہیں اور طالب منصب و مراتب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جاتے ہیں یا پھر فلاح و سعادت اور نصرت خداوندی کی برکات سے جی دامن رہتے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریعت میں عبدالرحمن بن عمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عبدالرحمن امارت کی درخواست مت کر کیونکہ اگر درخواست کے بعد تجھے ملی تو تیرے سپرد کردی جائے گی (امداد خداوندی نہ ہوگی)۔ اور اگر بغیر درخواست کے ملی تو تیری سبواب اللہ مدد کی جائے گی۔

(۲) ابوالکلام آؤاد کو امام الہند بنانے کی تجویز صرف اور صرف جہاد حریت اور تحریک استقلال وطن کی حد تک معنی جس کے لئے حزب اللہ کی تاسیس اور حکومت الہیہ کا قیام عمل میں لانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی معاملات میں ان کے قول و فعل کو بطور حجت و دلیل کے سمجھ بھی کسی نے پیش نہیں کیا۔ اور نہ ہی مذہبی قیادت و سیادت کی دستران کی سرپرہ کہ دی گئی تھی جبکہ زمانہ حال کی امارت گردہی اور مذہبی حیثیت کی حامل ہے۔ عیاں راجح بیان۔

(۳) مولانا ابوالکلام کے لئے امامت ہند کے رفیع منصب کے مجوز و عقیدہ اس وقت کے خاندانہ دہر و تقوٰی اخلاص و اہمیت علم و عمل میں کیمائے روزگار تھے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان موصوف کی امارت کے مجوز و عقیدہ کون اور کس معیار کے لوگ ہیں۔

(۴) — ڈاکٹر صاحب کا جواب اعلیٰ معیار پر ملاحظہ فرمائیں

مکتبہ محمدی مولانا اللہ بخش ایاز ملک انوی صاحب !
 وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

آپ کا پہلا دالانامہ میرے نام اعلیٰ مارچ ۸۴ء میں موصول ہوا تھا۔ میری خط و کتابت کا سلسلہ عرصہ سے بالکل بند ہے اور اکثر خطوط کے جوابات میرے رفقاء نے کار ہی دیتے ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جن کے ذکر کی اس موقع پر چند اہم ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ کے خط کے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر میں خود ہی اس کا جواب تحریر کرنا چاہتا تھا۔

دیکھ میری خواہش تو اور ہی تھی جس کا ذکر آگے کئے گا (۱)۔ — ادھر اپریل ۸۴ء سے میرے بیرون ملک دوروں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو اپریل میں بندوستان اور مئی میں سعودی عرب کے طویل دورے ہوئے۔ جون میں رمضان المبارک میں اس سال اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو نماز تراویح کے ساتھ پورے قرآن مجید کے ترجمہ کا دورہ مکمل کیا۔ جولائی مکمل اور نصف اگست امریکہ اور بھارت کے دورے کی نذر ہو گئے۔ واپس آیا تو اندرون ملک دوروں کے قرض کی ادائیگی میں مصروف ہو گیا۔ اور گزشتہ دو ہفتوں سے علیل اور صاحب فرس ہوں۔

ادھر میری اصل خواہش آپ کو خود جواب تحریر کرنے سے بھی زیادہ یہ تھی کہ ایسے اہم موضوع پر خط و کتابت کی بجائے بالمشافہ ملاقات کی شکل نکال کر تفصیلی گفتگو کی جائے، اسی غرض سے میں نے بعض ذرائع سے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں تھی کہ آپ کوئی معتمد بزرگ ہوں تو میں خود حاضر خدمت ہونے کی سہیل نکالوں۔ اور اگر نوجوان علماء میں سے ہوں تو آپ کو لاہور آنے کی دعوت دوں۔ اس کا آپ نے جس قدر رجا منایا اس سے حیرت ہوئی۔ تاہم آپ کے دوسرے خط کے اسلوب نگارش سے میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ اس لئے کہ اس میں نوعمری کا لالہ پایا نہ پیا۔ اور اٹھتی ہوئی جوانی کا محتہ یا نہ انداز آپ کی عمر کی غمازی کر رہا ہے۔ آپ کے اس دوسرے خط کا ایک ”ترکی بہ ترکی“ قسم کا جواب بھی تنظیم کے دفتر والوں نے تیار کر دیا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ اس لئے کہ میں خود ہی کچھ معروضات پیش کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ اس اثنا میں معاصر ماہنامہ ”الجزیرہ“ میں آپ کا کھلا استفسار نظر سے گزر جس میں آپ نے اپنے پہلے خط کی تلخیص اپنے دوسرے خط کے طنزیہ انداز میں نگارش کی ہے۔ بہر حال اب میں حاضر خدمت ہوں۔ تاخیر کے لئے معذرت کے ساتھ !

آپ نے بعض احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا العتلوۃ والسلام میری ہدایت و رہنمائی کے لئے درج فرمائی ہیں جن کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ (اگرچہ ان کے محل و موقع کے ساتھ عدم مناسبت کے ضمن میں بعد میں کچھ عرض کروں گا) اور خود بھی آپ کی خدمت میں ایک حدیث نبوی کا تحفہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ یعنی "لیس المؤمن باللعان ولا باللقان ولا بالفاحش ولا بالبذی" (ترمذی) امید ہے کہ آپ اس پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔

جہاں تک حضرت شیخ الہندؒ سے متعلق میری تحریر کا تعلق ہے، اصل تحریر سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نہ اس موضوع پر کچھ لکھنا میرے پیش نظر تھا اور نہ ہی وہ واقعات جن کا میں نے ذکر کیا ہے خود میرے علم میں پہلے سے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی زندگی کے 'الہلال' اور 'السلام' والے دور سے اصولاً مجھے تعلق خاطر ہے اور اس کے تذکرے میں ایک بات میرے قلم سے وہ نکل گئی جو مجھے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کی رہائی معلوم ہوئی تھی۔ جس کی شدت کے ساتھ تردید ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب کی۔ چنانچہ مجھے تحقیق و تفتیش میں سرگرداں ہونا پڑا جس کی پوری تفصیل میرے اس مضمون میں درج ہے۔ اس تحقیق و تفتیش کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت کے جہلو میری نگاہوں کے سامنے آئے وہ اس سے قبل خود میرے علم میں بھی نہ تھے۔ حالانکہ میں اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے ان کے ترجمہ قرآن مع حواشی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے استفادہ کرتا رہا ہوں اور اس درجہ سے مجھے ان دونوں بزرگوں سے ایک گونہ تعلق خاطر حاصل تھا۔

— میری تحریر کا اصل محرک تو وہ تحریر خود بول رہی ہے کہ وہ شدت تاثر تھا جو حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت کی عظمت کے انکشاف سے مجھ پر ہوا جس کی بنا پر میری یہ متحی رائے بنی کہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ ساتھ ہی یہ احساس بھی ابھرا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت سے خود حلقہ دیوبند کے علماء اور خصوصاً ان کی نوجوان نسل کی اثر پذیرگی طرح واقف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حقوق میں حضرت شیخ الہندؒ کی بعض دوسری معاصر شخصیتوں کا چھپا جانے کے مقابلے میں زیادہ ہے! (دراستح رہے کہ میرا نوجوانی کے دور ہی سے حلقہ دیوبند کے علماء سے رابطہ رہا ہے۔ جن دنوں میں ساسیوال

میں مقیم تھا تو جامعہ رشیدیہ اور اس سے وابستہ علماء کرام سے شرف ملاقات حاصل ہوتا تھا۔ کراچی میں مولانا محمد یوسف بخاریؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا! — اور لاہور میں جامعہ مدنیہ اور بالخصوص مولانا سید حامد میاں مدظلہ خدمت میں بھگواندہ میری مسلسل حاضری رستی ہے۔ اور ان کے سامنے جب میں نے یہ خیالی غاہہ کیا کہ چودہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت شیخ الہندؒ تھے تو وہ بھی چونکے گئے اور ان کا رد عمل تائیدی رنگ لئے ہوئے تھا۔! اس تحریر کی دوبارہ اشاعت کا اصل محرک یہی خیال تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت سے لوگوں کو اندر نہ تو متعارف کرایا جائے۔!

البتہ اس کے بنی اسطور میں آپ نے میری جس نیت "یا خواہش" کا سراغ لگایا ہے، میں اس کی بالکل یہ تردید کرتا ہوں نہ تو قیثی — من وجہ اقرار ہے — اور — من وجہ انکار!

ایک شاعر کے قول "ہم لوگ اقراری مجرم ہیں" کے مصداق مجھے بڑا اعتراف ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور جس کے لئے میں نے اپنے پیشہ طب کو بھی خیر باد کہا ہے، وہ وہی ہے جس کی بیسیویں عیسوی میں پہلی بار نہایت زوردار دعوت دی تھی مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "الہلال اور البلاغ" کے ذریعے — اور جس کے لئے انہوں نے علی جدوجہد کا آغاز بھی "حزب اللہ" کے قیام کی صورت میں کر دیا تھا لیکن جسے وہ بعض داخلی عوامل اور خارجی موانع کے باعث جلد ہی بدول ہو کر چھوڑ بیٹھے — مجھے حیرت ہے کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ہی نہیں، حضرت شیخ الہندؒ کی مساعی کا اصل ہدف اولین صحابی عرف اور صرف جہادِ تحریت اور تحریکِ اسلاہ و وطن کو قرار دے رہے ہیں اور "حزب اللہ" کی تاسیس اور حکومتِ الہیہ کا قیام عمل میں لانا "آپ کے نزدیک اس اصل مقصدِ ذریعہ تھا — مجھے یقین ہے کہ "الخیر" والے مضمون میں یہ جملے آپ کے قلم سے سہوہ نکل گئے ہیں ورنہ یہ حقیقت آپ پر یقیناً منکشف ہوگی کہ جس طرح پچھلی صدی کی دو عظیم تحریکوں میں سے اولین یعنی تحریکِ شہیدینؒ خالصتہً مسلمانوں کی تحریک تھی اور اس کا اہم مقصد تھا: اعلائے کلمۃ الحق اور قیام حکومتِ الہیہ و نظامِ شریعہ، اور اس کے ذریعے

طور پر پیش نظر تھا استخلاصِ وطن، جبکہ دوسری تحریک یعنی **عہدہ** کا جہاد آزادی (انگریزوں کی
 قول کے مطابق 'دُور') ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترک تحریک تھی۔ اور اس کا اصل
 مقصد حصولِ آزادی — البتہ اس میں جن علمائے کرام نے حصہ لیا ان کے پیش نظر حقیقتاً
 یہم الذکر مقصد بھی تھا۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے دورِ اول کا اصل
 مقصد تھا 'رجوع الی القرآن اور جہاد فی سبیل اللہ برائے اقامتِ دین اور قیامِ حکومتِ
 ہتہ' اور اس کے لئے انہوں نے بالفعل آغاز کر دیا تھا 'حزب اللہ' کی تاسیس سے
 — جبکہ ۱۹۲۷ء کے بعد سے ان کی مساعی بالفعل لکھنؤ مرکزہ ہو گئیں 'عرف اور صرف
 جہادِ حریت اور استخلاصِ وطن' کے لئے! — حضرت شیخ الہندؒ کے جہادِ زندگی کا اصل
 ملق ہے 'تحریکِ شہیدین' سے اگرچہ بیسویں صدی کے اوائل میں ان کی جدوجہد میں زیادہ
 یک غالب نظر آتا ہے 'جہادِ حریت اور استخلاصِ وطن' کا — اور یہی وجہ ہے کہ 'الہلال'
 در البلاغ والے ابوالکلام کے بارے میں ان کی زبان سے وہ تاریخی جملہ نکلا کہ "اس
 جوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلادیا ہے؟" — اس ضمن میں ایک واقعہ اور
 بھی سن لیں جو حال ہی میں مولانا سید احمد اکبر آبادی مدظلہ نے (جو اس وقت شیخ الہندؒ
 اکیڈمی دیوبند (معارف) کے ڈائریکٹر ہیں) سنایا کہ جب کانپور کی مسجد کے واقعہ پر صورتحال
 بہت نازک ہو گئی تھی اور کشیدہ تھی اور اس سلسلہ میں نہایت تیز و تند مفہمین لکھتے تھے مولانا
 آزاد مرحوم نے — تو صورتِ حال کو سنبھالنے کے لئے یوپی کے لغیٹنٹ گورنر نے دیوبند کا
 دورہ رکھا اور دارالعلوم میں آمد کا پروگرام بھی بنایا لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ اس موقع
 پر مولانا ابوالکلام موجود نہ ہوں — چنانچہ اس وقت کے ہتم صاحب نے مولانا آزاد کے
 دارالعلوم میں داخلے پر پابندی لگا دی تو حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس جلسے کا بائیکاٹ کیا اور
 اس میں شرکت نہیں فرمائی — اور جب کچھ لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ
 "حضرت! آپ ایک نوجوان کا اس درجہ کیوں خیال فرما رہے ہیں؟" تو انہوں نے جواباً یہ
 شعر پڑھا:

کامل اس طبقہ زہاد سے اشادہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رہا ان قدر غوار ہوئے
 خدا را! حقائق و واقعات کو ان کے صحیح پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کریں — اور
 خود اپنے طبقے کی ایک عظیم شخصیت کی زندگی کے ایک دورِ دورہ اور وہ بھی آخری دورہ کے
 (ملہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک اہم باب پر جو پروہٗ غنا پڑ گیا ہے (یا جان بوجھ کر ڈال دیا گیا ہے!) اسے اٹھا کر اصل حقیقت کو دیکھنے کی سعی کریں۔ بہر حال میرے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے اس انتقال موقف سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اسی کو پُر کرنے کے لئے اٹھے تھے مولانا سید ابوالکلام مودودی مرحوم۔ چنانچہ یہ محض "اتفاق" نہیں ہے کہ مولانا مودودی مرحوم کی پہلی تصنیف تھی "الجهاد في الاسلام"۔ جو گویا نہایت بسیط اور مدلل صدائے بازگشت تھی "الہلال" اور "البلاغ" کی دعوت جہاد فی سبیل اللہ کی۔ اور مولانا آزاد مرحوم کی تفسیر اور مولانا مودودی مرحوم کے ماہنامے دونوں کا نام ایک ہی ہے یعنی "ترجمان القرآن"۔

مولانا مودودی مرحوم کے بعض نظریات سے شدید اختلاف کے باوجود میری رائے ہے کہ انہوں نے اصلاً اس دعوت کے تسلسل کو قائم رکھا جس کے داعیِ ادل مولانا آزاد تھے۔ اور اس سلسلے میں یقیناً قابلِ لحاظ پیش رفت بھی کی۔ لیکن انوس کہ جس طرح ان کے پیش رو اپنے رُخ کی تبدیلی کے بعد کلیتہً وقف ہو کر رہ گئے تھے "ہندوستان کی قومی سیاست" کے اسی طرح مولانا مودودی اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی بھی آزادی ہند اور قیام پاکستان کے بعد "پاکستانی قومی سیاست" کی نذر ہو گئے۔ اور اس طرح خالص اقامتِ دین و تبلیغِ دین کی جدوجہد اور اسلام کی انقلابی دعوت کا تسلسل پھر ٹوٹ کر رہ گیا۔ چنانچہ اسی کے احیاء کے لئے سرحدِ حر کی بازی لگادینے کا عزم کیا ہے ان سطور کے حقیر و

حاشیہ ص ۶۲

۱۔ مولانا سید الرحمن علی سابق میر "خدا م الدین" نے اپنے ایک مقالہ (شائع شدہ "میشاق" اکتوبر ۱۹۸۲ء) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ شیخ الہندؒ نے شدید مصالحت کے دوران جمعیت علماء ہند کے دوسرے جلسہ ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۷۳ء بمقام دہلی کی صدارت بھی فرمائی تھی اور خطبہ صدارت بھی ارشاد فرمایا تھا۔ بتول مولانا محمد میاں "بیامری وقت" کے سبب متحور ڈی ویر بھی اسٹیج پر بیٹھنا دشوار تھا، لیکن اس اجلاس کے اہم ترین ایجنڈا یعنی "امیر الہند کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے احساسات یہ تھے "میری چادر پائی، ٹھاکر جلسہ گاہ میں لے جاتی جائے۔ اور یہ کہم کر لیا جائے۔ پہلا شخص جو بیعت کرے گا وہ میں ہوں گا" (مولانا علوی نے یہ واقعہ تاریخ امت ص ۵۲ کے حوالے سے لکھا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے پیشوا تھامیر الہند یا امام الہند کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ہی کا نام تھا اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ حضرت کے ایما پر اس تجویز کے مفتی کفایت اللہؒ، قنوج اور مولانا احمد سعیدؒ مؤید تھے (ج۔ ر۔)

باقم نے۔ اور اس کام میں وہ اپنے آپ کو محتاج پاتا ہے جملہ علمائے دین، بالخصوص دیوبند کے وابستگان کی اعانت اور سرپرستی کا۔ چنانچہ یہ ہے میری اصل خواہش یا تمنا آپ نے میری تحریر کے بین السطور پڑھا ہے، اور اس حد تک میں 'اقراری مجرم' ہوں۔ لیکن اگر آپ اسے تعبیر کرتے ہیں 'امام الباکستان' بننے کی خواہش اور منصب کی تمنا تو یہ میرے نزدیک غلط جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، کے مصداق خالصتہ آپ اپنے ذہن کی تخلیق و اختراع ہے جس سے میں انہما برأت کرتا ہوں اور آپ سے بھی سیکھتا ہوں کہ "اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِشْعَارٌ" کی قرآنی ہدایت میں نظر رکھیں اور اس سوئے ظن سے اجتناب فرمائیں۔

الحمد للہ کہ مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہے کہ کسی ایک انسانی زندگی کے مختصر عرصہ میں کسی خطہ زمین میں دعوتِ اسلامی کے آغاز سے اقامت و غلبہ دین کی آخری منزل کے جملہ مراحل یا بالفاظ دیگر اسلامی انقلاب کی تکمیل کا واقعہ تو پوری انسانی تاریخ میں ایک بار ہوا ہے۔ یعنی سیدہ الاطین والآخرین اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امت مبارک سے۔ اور آپ ہی کے مقصد بعثت کی آخری تکمیل بقول امام الہند حضرت شامی رحمہ اللہ (ذوالزالہ الحفا) کے طور پر یہ کام ایک بار پھر ہوگا۔ اور عالمی سطح پر ہوگا۔ لیکن اس کے لئے آپ کے غلاموں کو کئی نسلوں تک مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی اور ایک ایک نسل کے دوران اس عمل کو ایک ایک درجہ اگے بڑھادینا بھی امت کے لئے بہت بڑی کامیابی اور خوش قسمت افراد اس کے لئے اپنی زندگیوں وقف کر دیں ان کے لئے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ اور اس ضمن میں اپنی تمام تر ناکامیوں کے باوصف جو خدمت انجام دی تھی مولانا آزاد نے۔ اسی کے چراغ سے روشن ہوا جماعتِ اسلامی کا دیا۔ اور اب اس کی بھی ناکامی کے بعد ان شاء اللہ اسی کی خاکستر سے نئی چنگاریاں روشن ہوں گی اور میں اپنی تمام تر بے بقاعدگی کے باوجود 'خواہشمند' ہوں۔

احب الصالحین ولسنت منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً
کے مصداق اسی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کا۔ لیکن ہرگز مبتلا نہیں ہوں اس خط و
حالت میں کہ یہ عظیم کام میری 'امامت' میں سرانجام پائے گا اور میں نہ صرف یہ کہ مجتہدین کے
فہرست میں جگہ پا جاؤں گا بلکہ بقول مولانا مودودی 'مجتہد و کامل' کے مقام پر فائز ہو جاؤں گا!

— اس ضمن میں، میں درخواست کروں گا کہ آپ میری ایک تالیف "سرا رنگندیم" کا مقدمہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اس ضمن میں آپ نے جن احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حوالہ دیا ہے اس میں آپ سے نادانستہ ایک شدید غلط بحث ہو گیا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا حکومت کے مناصب کی طلب یا خواہش اور دین کی کسی چھوٹی یا بڑی خدمت کے لئے پیش قدمی ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔ آپ کے استدلال کا غلط نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص کسی حال میں بھی دین کی خدمت کا داعیہ لے کر نہ آئے، اس لئے کہ لامحالہ اس سلسلہ میں جو شخص بھی پہل کرے گا اور دوسروں کو دُعا دے گا، اُنصارِ حقِ الٰہی کی نماد دے گا، وہ فطری طور پر خود اس صدارتِ شیک کہنے والوں کا سربراہ یا رہنما یا امیر بن جائے گا اور یہ چیز چونکہ ناپسندیدہ ہے لہذا لازم ہے کہ سب بیٹھے رہیں اور صورتِ حال کو دن بدن بگڑتے دیکھیں اور خاموش رہیں۔

— گویا ہے
مگس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پیر دانے کا ہو گا!
مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے طرزِ استدلال کے اس منطقی نتیجے کو پسند نہیں فرمائیں گے۔
— اور بفرضِ محال اگر آپ کا خیال وہی ہے تو سب سے پہلے آپ اس کا جواب دیں کہ قریب ترین ماضی کی خالص ترین اسلامی تحریک کے داعی و مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلویؒ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟! — کیا انہیں وقت کے آدابِ حل و عقد "نے" منصبِ امامت پر فائز کر دیا تھا یا انہوں نے خود اپنی ہیئت کی دعوت لوگوں کو دی تھی؟

آپ کے "معاصر" الخیر کے آخری اور حدودِ بدھ تک کے سال یعنی "مولانا ابوالکلام کے لئے امامتِ ہند کے رفیع منصب کے مجوز و مؤید اس وقت کے خیابِ امتِ زہد و تقویٰ اخلاص و ولہیت میں یکتائے روزگار تھے لہذا دریافتِ طلب امر یہ ہے کہ اُن موصوف کی امامت کے مجوز و مؤید کون اور کس معیار کے لوگ ہیں؟" (ص ۶۶) کا اسی قدر تنقید کا اہل الزامی جواب تو یہ بنتا ہے کہ حضرت! مجھ سے یہ سوال کرنے کے بجائے پہلے آپ اس کا جواب دیں کہ بقول خود آپ کے "وقت کے خیابِ امت" "اہل زہد و تقویٰ" اخلاص و ولہیت (اور) علم و عمل میں یکتائے روزگار حضرات کی تجویز و تائید کا وہ حشر کیوں ہوا؟ — کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نہ خود کچھ کرنا نہ دوسروں کو کرتے دیکھ سکتا" کے مملکِ مرض میں مبتلا ہو گئے ہوں؟

ایسا تو نہیں کہ آپ کی اس ساری بھتاہٹ کا اصل سبب حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت میں موجود اوقت علماء کی اکثریت کی تصویر دیکھ لینا ہو!! گویا ع
 ”آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے!“

لیکن یہ ساری نوک جھونک غیر مفید بلکہ نقصان دہ ہے۔ اصل اہمیت اس مسئلہ کی ہم خود کریں کہ آیا دین حق اس وقت ”الحق یعلو ولا یصلیٰ“ کے مصداق دوسرے ہے یا سرنگوں اور پامال! بقول حالی مرحوم:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنے دیکھے
 مانے نہ کسی کہ نہ ہے ہر جہد کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اور ہے

اے خاصہ خاصانِ ریل وقت دعا ہے امت پر تری آگے عجب وقت پڑا ہے
 وہ دی جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغریب ہے
 پھر اگر معاملہ واقعی مغلوبیت اور پامالی کا ہے تو اس صورت حال کی تبدیلی کا صحیح بیج کیا
 ؟ اور کیا اس ضمن میں وہی راہ عمل درست اور صحیح نہیں ہے جو تجویز کی تھی مسلمانہ
 نے مولانا ابوالکلام آزاد نے، اور جس کی کامل تعویب و توثیق فرمائی تھی ”اساذالاساتذہ“
 غلام مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے ہیں، اور شیخ اشینوخ، امام الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
 اس وقت جبکہ ان کی حیات مستعار کا دیا ٹھکانا تھا اور وہ سفر آخرت کے لئے بالکل بار بار کا
 ! اور اگر اس وقت ان کے ایما کے مطابق ایک قدم اس لئے اٹھایا جاسکا کہ غیر آبادی
 پاکو کے ایک عالم دین نے ایک صحیح اور درست لیکن خالص فنی نوعیت کا اعتراض کر دیا تو
 اس کے بعد سے آج تک ان کے تلامذہ اور متوسلین میں سے کسی نے خالص اس طریق کا
 زہد کا آغاز کیا ؟

مترجم: ”بہت ہے تو انکار کی دنیا سے گزر جا!“ کے مصداق ذرا کمر بہت کیئے اور
 امور پر خود فرمائیے کہ:-

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند کے مابین جس خلیج کو ابتداء ہی میں پاٹ
 دینے کی کوشش کی تھی حضرت شیخ الہندؒ نے، وہ اس کے بعد روز بروز وسیع سے وسیع تر
 ہوتی چلی گئی اور مسلمانانِ برصغیر کی ملی اور قومی زندگی کا اصل دھارا علی گڑھ کے زیر اثر آتا

چلا گیا۔ اور علماء کی حیثیت زندگی کی اصل مقصد سے ہٹی ہوئی ایک پتلی سی دھار کی ہوئی ہلکی گئی۔ تا آنکہ اس بار وہ اپنے محدود دائرہ اثر کے جزیروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور یہ جزیرے بھی دن بدن "ثَاتِي الْأَرْضِ نُنْقَضُهَا مِنْ أَمْرَانِهَا" کے مصداق روز بروز مختصر و معطر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں؟

(۷) پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حضرت شیخ الہند طبعہ و علماء کی وہ آخری شخصیت تھے جنہوں نے جو کام بھی کیا، اپنے بل بوتے پر کیا۔ جس کا اصل نقشہ کار بھی ان ہی کے ذہن کی پیداوار تھا۔ اور اس پر عملی جدوجہد کی قیادت درہمائی بھی خود ان ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ان کے بعد سے برصغیر میں قومی اور عوامی سطح پر علماء کرام کی مختلف تنظیموں کی حیثیت عظیم تر اور سیکولر مزاج سیاسی تحریکوں کے ضمیموں کی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسی عظیم شخصیت کی قیادت کے باوصف جمعیت العلماء ہند کے حیثیت کا نگہ لیں کے ضمیمے سے زیادہ نہ تھی۔ اسی طرح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسی تانبہ شخصیت کی قیادت کے باوصف جمعیت علماء اسلام کی حیثیت مسلم لیگ کے ضمیمے سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہی صورت حال آج تک جاری ہے کہ اس وقت بھی حلقہ دیوبند کے سیاسی اور عوامی مزاج کے حامل علماء کرام اپنی تمام تر جلالت شان اور مرتبہ و مقام کے باوصف یا موجودہ فوجی اثریت کا ضمیمہ میں یا ایم آر ڈی کا۔ اور یا پھر جماعت اسلامی کے مانند "نیچے دروں، نیچے بروں" بلکہ صحیح تر الفاظ میں "نہ ادھر نہ آدھر" کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں (اور کم و بیش یہی حال بریلوی مکتبہ فکر اور اہل حدیث حضرات کی قیادت کا ہے۔

(۸) پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ علماء کرام مبعود و جماعت، درس و خطابت، افتاء و ارشاد ایسی اہم خدمات جلیلہ اور قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں اور اور دینی علوم کو زندہ رکھنے کے عظیم کارنامے۔ اور دین حق اور سرعلیت حق کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کے خلاف مساعی عظیمہ کے باوصف غلبہ و اقامت دین کے مثبت مقصد کی جانب کوئی قابل لحاظ اور مؤثر اجتماعی تحریک نہیں چلا پارہے؟۔ علماء دیوبند کے ایک حلقے سے تبلیغ دین کے عنوان سے جو عظیم حرکت شروع ہوئی، ان میں شک نہیں کہ وسعت کے اعتبار سے اس کی کوئی نظیر حال میں تو کیا ماضی میں بھی

نہیں ملتی۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ وہ بھی انفرادی اصلاح کے مرحلے سے آگے بڑھ کر کسی خطہ ارضی پر دینِ حق کے واقعی قیام و نفاذ کے لئے کوئی دراست اقدام کرنے کے بارے میں سوچنے پر بھی آمادہ نہیں!

اندریں حالات — کیا وقت کا اصل تقاضا یہ نہیں ہے کہ :

۱۔ ایک خالص دینی تحریک — خالص غلبہ و اقامتِ دین کے مقصد یا الفاظِ دیگر سے اسلامی انقلاب کے لئے برپا ہو۔ جس میں علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ دونوں طبقوں کے شامل ہوں۔ اور یہ تحریک وقتی مسائل و واقعات اور خالص سیاسی حالات کی کڑواہٹوں سے غافل نہ رہے۔ اصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (محمد رسول اللہ والذین معہ) کے اسوۂ مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور تبعاً نئی قریب کی خالص اسلامی تحریک "تحریک شہیدین" کے طریق کار اور تجربے سے استفادہ کرتے ہوئے ابتدائے "وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا" کے مصداق "الہندی" کی سیفِ قاطع کے ذریعہ الحاد، دہریت، زندہ اور کفر و شرک کے خلاف جہاد کے لئے پیش قدمی کرے اور وقت آنے پر غلبہ و اقامتِ دین کے لئے دراست اقدام کرے اور یا اس میں بالفعل کامیاب ہو یا کم از کم "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَنْ بَدَّلُوا بَدِيلًا" کے مصداق جانوں کا ہدیہ تو بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دے۔

۲۔ اس کے لئے تنظیم کی اساس مغرب سے درآمد شدہ اور فی الوقت عمومی طور پر مروج طریقوں پر نہ ہو بلکہ "بیعتِ صبح و طاعت و ہجرت و جہاد" کی منصوص، مسنون اور ناقد اساس پر ہو۔

اب اگر ایک حیرت انگیز انسان نے وقت کے اس تقاضے پر لبیک کہتے ہوئے اس کام کا بیڑا اٹھا ہی لیا ہے تو کیا علماء کرام بالخصوص اس حلقے سے وابستہ حضرات جو حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں اور مولانا آزاد مرحوم کو بھی کسی نہ کسی درجے میں دیکھتے ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ اسے طنز و تشنیع کا ہدف بنائیں یا یہ کہ نوجوان اس کا ساتھ دیں۔ اور بزرگ اس کی سرپرستی فرمائیں؟ — جبکہ

۱۔ اُسے انہی نے بغضِ مقلی کا یوں اعتراف ہوا اور وہ علماء کا حریف ہونا تو درکنار عالم

دین ہونے کا سرے سے مدعی ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو محض قرآن حکیم کا ایک افنی طالب علم اور دین حق کا ایک ادنیٰ خادم قرار دیتا ہو۔

۲۔ اپنے بعض پیش روؤں کی غلطیوں سے توبہ حاصل کرتے ہوئے مجتہد مطلق ہونے کا ادعا تو درکنار، فقہیات میں سرے سے دخل ہی نہ دیتا ہو۔

۳۔ سلف صالحین کے اتباع اور وسیل المؤمنین کے التزام کو اپنے لئے لازم قرار دیتا ہو۔ اور

۴۔ موجود الوقت علماء و مشائخ کی تعظیم و توقیر کرتا ہو۔ اور اپنے آپ کو ان کے تعاون اور سرپرستی کا محتاج سمجھتا ہو۔ !!

آخر میں طویل مجمع خواشی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ اور ادارہ ”الخیبر“ میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ میں اپنی بات کی وضاحت کے لئے علماء کرام کی خدمت میں حاضری کو اپنے لئے سعادت خیال کرتا ہوں، اس کا موقع مرحمت فرمائیں تو مزید ممنون ہوں گا۔ فقط

وَالسَّلَامُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ
اسرار احمد رُفِی عَنْہُ، محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَلَّى الْقُرْآنَ فَاتَّبَعَ مَا فِيهِ

السمع والطعم

بِإِذْنِ اللَّهِ تَعَالَى وَرِزْقِهِ الْكَافِي

افکار و آراء

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے تقریر جہاد باقرآن ميثاق کے گشت و سیر ۶۸۴ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ مؤرخ الذکر شمارے میں ایک تقریر بعنوان ”قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات کے بارے میں علماء کے خدشات“ بھی شائع تھی۔ ستمبر کے شمارے میں انے تقاریر پر تبصرہ کرنے اور اپنے آراء اور مشورے ارسال کرنے کے علماء کرام اور اہل دانش و بینش سے درخواست کی گئی تھی۔ تاہم تقریر اس ضمن میں جو تبصرے اور آراء موصول ہوئے ہیں وہ سب کم و کاست اور ہماری جانب سے کسی تبصرے کے بغیر پیش خدمت ہیں۔

(۵-۶-۱۰) - (۵-۱۰-۸۴)

مکتوب جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب مدظلہ - کراچی

محترم المقام مولانا ڈاکٹر صاحب! زاد فضلیہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ميثاق بابت ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ میں ”قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریک“ والی آپ کی قلمبند تقریر سے استفادہ کا موقع ملا، انشاء اللہ ”توضیح خدشات“ اس نوعیت کے تشبیہات کے ازالہ میں فوڑ ثابت ہوگی۔ اس شمارے کے ادارہ میں اس خطاب پر تبصرے کی اپیل پڑھ کر خیال آیا کہ بربنائے تعلقی خاطر جو باتیں قابل عرض محسوس ہوئیں گوش گزار کر دوں۔ اس سلسلہ میں میری صرف دو موضوعات ہیں: ایک تو یہ کہ اس قسم کے اہم اور نازک موضوعات اگر خود آنجناب کے قلم سے تحریر ہو جایا کریں تو

لفظی احتیاط اور پیرایہ انہار کی خوبی اور افزوں ہو سکے گی۔

دوسرے یہ کہ ”انابت اور عجب“ سے اپنی ذات کی برأت کا اظہار محل نظر ہے۔ عبدیت کی شان تو یہی ہے کہ ”وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي“ کا اعتراف رہے۔ نجوم ہدایت حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات میں یہی وصف عیاں ہے۔ ”نافتی حنظلہ“ والا حضرت حنظلہؓ کا اضطراب ہو یا حضرت عمرؓ کا اپنے بارے میں یہ اظہار کہ لیتنی لہر اکھن شیشا، لیتنی کنت نسیاً منسیاً وغیرہ سب یہی درس فراہم کرتا ہے۔ موفیاء کرام نے اس حقیقت کو سمجھا۔ اسی لئے ان سے جب پوچھا گیا کہ اخلاص کی شناخت کیا ہے تو فرمایا کہ عدم رؤیۃ الاخلاص فی الاخلاص۔ حضرت شیخ سعدی نے اپنے شیخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی وصیت بھی اسی مفہوم کے ایک قطعہ میں منظوم

کی ہے کہ

مرا پیر و انانے روشن شہاب
دواند ز فرمود بر روئے آب :-
یکے آن کہ بر خوشی خوش میں مباح
دگر آنکہ بر خیر بد میں مباح

اس سے زیادہ عرض غیر ضروری ہے۔ اور یہ جرات بھی اُن محدود کے ایماء اور فرزندِ خدا: تبصرہ طلبی کی بنا پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی لاج دونوں جہاں میں رکھے اور اپنی رضا مندی کے کاموں پر استقامت کا ملکہ عطا فرمائے۔

عرض جرات پر معافی اور امید غفوکے ساتھ دعا کا ملحق ہوں والسلام مع الاکرام

(۲)

مکتوب جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی مدظلہ ادارہ رحیمیہ دہلی
محترم جناب ڈاکٹر صاحب! سلام منوں

تفہیم اسلامی کے دونوں پرچے برابر پہنچ رہے ہیں بشکریہ تنظیم کا سارا لٹریچر خاکسار کے مطالعے میں رہتا ہے اور جامعہ رحیمیہ کے اساتذہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔
درس تفسیر کے طلبہ کو بھی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اسے بغور مطالعہ میں رکھیں۔ بڑا استفادہ ہوتا ہے۔
تازہ میثاق میں علماء اور دینی مدارس سے یہ اپیل کی گئی ہے کہ وہ دعوتِ قرآنی کے نظام پر اپنی رائے دیں۔

آپ نے قرآن کریم کی بنیادی دعوت کو جس ترتیب اور تنظیم کے ساتھ پیش کیا ہے وہ وقت کے اہم ضرورت ہے۔

جن حضرات نے دعوتِ قرآنی کے ساتھ عقائد، کلام اور فقہ کے جزوی مسائل میں اپنا دامن الجھایا وہ اس دعوت کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

دعوتِ قرآنی اور اجتہادی مسائل میں الجھنا دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کچھ اللہ کے بندے اپنی جد و جہد کو اسلام کی بنیادی دعوت تک محدود رکھیں اور اس امت کو خیر امت بنانے کے لئے ان کے فکر و عمل میں اسے بچائیں، چھائیں اور اس کے عملی تقاضوں کے لئے سرگرم عمل کریں۔

حضرت امام ولی اللہ نے دعوتِ قرآنی سے اپنی اسلامی اور تجدیدی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اسی لئے شاہ صاحب کے ہاں اجتہادی مسائل کا درجہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور فقہی مسائل میں شاہ صاحب کے ہاں توجہ ملتا ہے۔

آپ نے شاہ صاحب کے طریق فکر کو اپنا کر صحیح راہ اختیار کی ہے۔ عنایتِ شاہ صاحب کی راہ میں

بھی اڑ چیں پیدا کی اور انہیں اس راہ سے ہٹانے کے لئے سازشیں پیچھا میں مگر شاہ صاحب اوران کے جانشین اس راہ پر قائم رہے۔

شاہ صاحب کا اصلاحی جہاد جب قلمی جہاد سے جہاد بالسیف کی منزل میں داخل ہوا تو تحریک جہاد میں شاہ صاحب کی حکمت عملی قائم نہ رہی۔ اور نتیجہ میں تحریک جہاد درمیان میں ٹھنڈی پڑ گئی۔ آپ نے قرآنی دعوت کو مرحلوں اور جس سائنٹفک طریقہ سے واضح کیا، وہ قابلِ تعریف ہے۔

خدا کرے کہ آپ اس دائرے سے باہر نہ ہوں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اپنی انتہا پسندانہ تنقیدوں میں ایک نکتہ تھے مگر مرحوم کے قلمی جہاد کا وہ حصہ لوگوں کے لئے نشوونما کا سبب بن گیا اور ماضی کے حالات کے پیش نظر علماء حق کو بھی خوف زدہ کر دیا۔ اس سے مودودی صاحب کی جدوجہد کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچا۔

تنقید اسی حد تک ٹھیک ہے جس حد تک قرآن حکیم کی دعوت کو فائدہ پہنچے، معنی علم و تحقیق کا منہا ہر دعوت حق کی راہ میں مشکلات پیدا کرتا ہے۔

دعوت حق کی سیدھی نگر اس نام نہاد مسلم طبقہ سے ہے جو اسلامی احکام کے اجرا کو اپنی تعیش پسندی کے لئے دعوت کا پیغام سمجھتا ہے۔

اسی طبع کی وسیع سازشوں اور فریب کاریوں سے پیچھا چھڑانا دعوت حق کے خدام کے لئے مشکل کام ہے پھر ہر طرف سے چلانے اور سب کو لٹکانے سے کیا فائدہ؟ آپ نے سلف صالحین اور معاصر علماء کے ساتھ احترام اور ادب کا اسوہ اختیار کر کے اس نکتہ کو سمجھا ہے۔

اس ضرورت اس کی ہے کہ دعوت قرآنی کے خدو خال واضح کرنے اور اس کی بنیاد پر ایک تنظیم کی تشکیل کرنے کے ساتھ ہی اصلاح معاشرہ کا عملی پروگرام وضع کیا جائے۔ اور اصلاح معاشرہ کی جدوجہد مثبت طریقوں پر جاری کی جائے۔ منفی طریقوں سے اسکاں بھر بچے کی کوشش کی جائے۔ انقلاب قیادت جیسے نعروں کا پاکستان میں جو شر ہوا وہ سبق آموز ہے۔

مولانا مودودی ہر قدم پر یہ فرماتے رہے کہ دعوت حق کا کام کرنے والے حسبِ استطاعت مکلف ہیں، مگر مرحوم نے مسلم معاشرہ کی صحیح کردہ رویوں کا صحیح جائزہ لئے بغیر استقامت اور ماحول کے تقاضوں سے یہ نواز ہو کر جمی لٹائی پیڑھوں، مرحوم اپنی تاریخ ضرور بنا گئے مگر وہ دعوت حق کی تحریک کا کام کرنے والوں کے لئے مایوسیاں چھوڑ گئے۔

اب اقامتِ دین کی تحریک کی ناکامی۔ اور وہ بھی ایک مسلم ائلیٹ میں۔ مخالفین کے لئے مثال بن گئی ہے۔

فقہین صاحب کی طرح یہ احمقہ نہرو کون لگائے کہ مسلمان کی منزل شہادت ہے۔ گردن کٹنا ہے۔
خواب: ۱۹۸۰ء - اور ہشت میں گھر بنانا ہے،

دعوتِ حق کو اس خون بہانے سے کچھ بچنے یا نہ بچنے کا پس خونِ بہادری۔
اسلام میں پہلی منزل۔ دَائِدُ وَالْهَمْدُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ کی ہے اس کے بعد۔ وَقَاتِلُوا
وَقَاتِلُوا۔ کی ہے۔

جماعت کے تمام رفقاء کی خدمت میں سلام مسنون۔ کراچی کے دونوں واحدوں کو سلام پہنچا دیں۔
صاحبزادگان گرامی کی خدمت میں بھی اور بھائی جمیل الرحمن صاحب کی خدمت میں بھی۔
نمبر کے شروع میں لاہور آنے اور آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ خدا تعالیٰ فیروزی
رکھے، والسلام

(۳)

مولانا سید وحی مظہر صاحب مدظلہ العالی
تنظیم اصلاح و خدمت۔ حیدرآباد و سابق میجر حیدرآباد دیکھئے مستشارین عظمیٰ بہلانی

مکرمی جناب بھائی جمیل الرحمن صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
کافی مدت کے بعد آپ کا خط ملا۔ ڈاکٹر صاحب کی سرگرمیوں اور دیگر حالات کا علم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب
اپنی صحت کا خیال نہ کئے بغیر صدمے زیادہ مشقت کہتے ہیں۔ میرے خیال میں ان کو ڈاکٹر کے مشورے
کے مطابق مکمل آرام کرنا چاہیے۔

”قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات“ میں بہت فکر انگیز باتیں کہی گئی ہیں۔ مولانا اصلاحی
صاحب نے رجم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر گرفت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ مولانا
اصلاحی صاحب نے ایک گناہ گار مگر تائب صحابی کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے وہ یقیناً قابل
اعتراض ہے۔ پھر روایات کے نام پر جو دعویٰ انہوں نے کیا ہے اس کو ثبوت کے ساتھ پیش کرنا
ضروری تھا۔

جن نو جوانوں کی تحریروں پر ڈاکٹر صاحب نے اعتراض کیا ہے وہ میرے پاس موجود نہیں
اس لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ایک اصولی بات میں یہ ضرور کہوں گا کہ اصلاحی صاحب منترہ من الخطا نہیں اور نہ انبیاء
وہیل کے سوا کوئی اور منترہ من الخطا ہے۔ تاہم ایک یا چند غلطیوں کی وجہ سے کسی شخص کے
پورے کارنامے کو مسترد کر دینا وہ انتہا پسندی ہے جس کے باعث ہمارے ہاں تحقیق اور
فکر و نظر کی آزادی مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ والسلام!

مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور
العبد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والیہ
اصحابہ اجمعین۔

میں نے ماہنامہ مشاق بابت ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۰ء ۹۔ ۱۰ جلد ۳۳ میں جناب ڈاکٹر
امرار احمد صاحب مدظلہ کا خطاب جو "قرآن کے نام پر لکھنے والی تحریکات" کے عنوان سے شائع ہوا
چھپڑھا۔

جو کچھ انہوں نے علماء حق کے خدشات بیان فرمائے ہیں وہ درست ہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب
سمن آباد میں درس دیتے تھے تو میں نے اسی خیال سے ان سے عرض کیا تھا کہ درس قرآن پاک کے ساتھ
درس حدیث بھی ضرور ہونا چاہیے اور واقعہ یہ کہ اس سے بہت اعتدال رہتا ہے۔
قرآن پاک خود وہ ہے۔ یہی حضرت علی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا
رجب وہ خوارج سے گفتگو کرنے جا رہے تھے کہ فقط قرآن پاک سے ہی مناظرہ میں استدلال نہ
کریں بلکہ حدیث پاک سے بھی دلیل لیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محاصرہ میں تھے تو انہوں نے ایک باغی سے فرمایا کہ قرآن سے
پڑھ کر سنا۔ اس نے قتال و جدوجہد کے مضمون پر نقل آیات پر معنی شروع کر دیں۔ آپ نے امشاد فرمایا کہ یہ آیتیں
تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے حق میں نازل نہیں ہوئیں۔ یہ یہودیوں کے ساتھی صاحب کے حق میں
اتری ہیں اس پر محمول کیا جاسکتی ہیں۔ آج کے تمہارے پیدا کردہ حالات پر نہیں۔
یہی دور میں حضرت علی فرمایا کرتے تھے اخطاؤا فی التباہیل یعنی قرآن پاک کی توجیہ
اور اس سے استدلال میں یہ لوگ غلطی میں مبتلا ہیں یعنی حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی بات
ایک ہی تھی۔

حضرت ابن عمر خوارج سے لڑائیوں کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے وہ آیتیں
جو کفار کے بارے میں اتری ہیں، مسلمانوں پر منطبق کر دیں۔
اور ان الحمد للہ میں تو ان کا منالطہ مشہور ہی ہے۔
میں ڈاکٹر صاحب سے عرض کروں گا کہ :

ترجمہ قرآن پاک میں جو امور ملحوظ رکھنے ضروری ہیں ان کی نشاندہی بھی فرماتے رہیں۔
دردنڈی نذیر صاحب امد جناب احمد رضا خاں صاحب کے ترجمے بھی موجود ہیں۔ جنہیں
پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ قرآن پاک کا ترجمہ یہی ہے۔ حالانکہ وہ سب

سے کمزور قول پسند کے ترجمہ کر ڈالتے ہیں۔ اور اصلاحی صاحب اور ان کے نئے مؤید اور نہ جانے کون کون جو بالکل ہی آزاد ہو کر ترجمے کر رہے ہیں تفسیریں لکھ رہے ہیں تو ضلوعا و اضلوک کے مصداق بن رہے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کے 'پرویز کے اور سرسید کے پیشرو معتزلہ ہیں۔ جنہوں نے دوسری صدی میں یہ اصول ایجاد کیا کہ جو بات عقل میں آئے گی وہ ہمارے مافی جائے گی۔ لہذا قرآن پاک کی آیات کی وہ توجہ کی جائے گی جو عقلاً ان کے نزدیک درست قرار پائے گی اور حدیث وہ مافی جائے گی جسے ان کی سمجھ قبول کرے گی یا اس میں ان کی عقل کے مطابق توجہ ممکن ہوگی ورنہ حدیث ہی کا انکار کر دیا جائے گا۔

سرسید نے اسی اصول کو اپنا یا اور معتزلہ کی دلیلیں استعمال کیں۔ تفسیر میں بھی اور حدیث میں بھی وہ جید علماء کے شاگرد تھے اور بڑی محنت سے پڑھے پھوٹے تھے۔ انہوں نے بہت دقت لگا کر اور اپنی پوری ذہانت صرف کر کے یہ کام انجام دیا۔ مقالات سرسید جو مترہ جلدوں میں ہیں۔ اسی قسم کی بحثوں کا ذخیرہ ہیں۔ چند سال قبل انکار مہدی پر ایک محققانہ مقالہ شائع ہوا تھا۔ وہ اسی ذخیرہ سے لیا گیا تھا۔ بلکہ محقق مضمون نگار نے اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا۔ سرسید اس سے بھی زیادہ لکھ گئے ہیں۔

عقل کا استعمال فرض ہے مگر اصول اسلام جانتا اور ان سے ڈکھنا بھی فرض آدین ہے۔ اس سے غفلت، تباہی ہے۔

مگر لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اگرچہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسی عقل کو اگر احکام اسلامی کے مدلل کرنے کی طرف لگایا جائے تو یہ نظر اُسے ملے گا کہ احکام اسلامی ہی عقلاً درست ہیں۔ یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس گمراہی کی اصل صحابہ کرامؓ کو چھوڑنا ہے۔ اسی سے شیعہ پیدا ہوئے اسی سے خوارج، جہمیہ اور مرجئہ تفسیر و فیرہ۔ اور آج تک بھی جو فرقے پیدا ہو رہے ہیں یا بدعات سامنے آرہی ہے وہ صحابہ کرامؓ کی راہ سے ہٹنے کی وجہ سے ہیں۔ ارشاد مبارک ما انا علیہما واصحابی کس قدر معجزانہ ہے۔ اگر کسی کے دل میں صحابہ کرامؓ کی عظمت ہوگی تو وہ ان کی پیروی کرے گا اور جو ان کی پیروی کرے گا۔ نجات پانچا لگا۔ حضرت شیخ ابند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو علماء کو جگہ جگہ عوام میں درس قرآن کریم کے اہتمام کی تجویز دی۔ اس پر عقل سے بہت غامدہ ہوا۔ اب بھی رادین پٹی، لاہور، رحیم یار خاں اور خانیپور وغیرہ میں اس کے اہتمام کا سلسلہ جاری ہے لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جہاں بھی کوئی عالم ہے وہ عوامی درس قرآن اور درس حدیث دونوں کا اہتمام کرے۔

اُنٹوں، دسویں، بارہویں جماعت کے لڑکوں کو اگر اُنہ مساجد و زمانہ قرآن پاک کی چند

آیات پر ملاحظہ کریں تو یہ طبعاً رتھ لگانے کا ایسا ماہر ہوتا ہے کہ وہ اگلے دن ان کو بنائی بنا دیا کرے گا۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ اس طرح جو فائدہ ہوتا ہے وہ اندازہ سے باہر ہے۔ شاید حضرت شیخ الہندؒ کے ذہن مبارک میں اسی قسم کی کوئی اسکیم ہو۔ اس طرح قرآن پاک کا ترجمہ یاد کر لینے کے بعد جو اس طالب علم کی ایمانی کیفیت ہوگی وہ ضرور انقلابی ہوگی اور مستحکم۔

چشتی صاحب مرحوم کی کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں جو کتابوں میں تحریف کا ذکر آگیا ہے اس کے بارے میں وضاحت فرمادی جائے کہ کتب حدیث و فقہ کی ہمیشہ شروع سے حجاز بن ہوتی رہی ہے وہ اس طرح کے قعر سے منزہ ہیں۔ محدثین کے اصول بہت سخت اور پختہ ہیں۔ اسی طرح فقہاء کے بھی۔ مذہبی امور کے پرکھنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا بلکہ وہ اور حضرت علیؓ اس کے بانی ہیں۔ حضرت عمرؓ عروہؓ طلب کرتے تھے کہ یہ حدیث حقیم بیان کر رہے ہو کسی اور کو بھی لاؤ جس نے یہ سنی ہو اور حضرت علیؓ سب سے قسم کھواتے تھے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات سے ایک عام آدمی سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے واقعی فضول کام میں زندگی گزاری اور ہم قرآن پاک کی خدمت کر رہے ہیں تو ہم ان سے اچھے ہوئے۔ اس لیے وضاحت فرمائی ضروری ہے کہ انہوں نے جو کیا وہ درست کیا۔ کیونکہ ایک مسلمان عالم جب کوئی مسلک اختیار کرتا ہے تو اسے قدرتی طور پر دلیل کی طلب ہوتی ہے کہ میں کس دلیل سے اس راہ پر چلوں اور کیوں اس مسئلہ پر عمل کروں تو وہ مطالعہ کرتا ہے۔ مطالعہ میں دو صرے ائمہ کرام کی دلیلیں بھی سامنے آتی ہیں تو ان میں موازنہ کا مطالعہ کرتا ہے جو کتابوں میں موجود ہوتا ہے۔ یہ اس کے مطالعہ کی بنیاد ہوتی ہے اور کتابیں اتنی زیادہ اور اتنی بڑی بڑی ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لئے انسانی زندگی ناکافی ہے۔

اور ایسا آدمی جو حدیث پڑھاتا ہو حدیث کے میدان میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں سے کبھی نکلنا نہیں ہوتا۔ اسکا درجہ احوال، حالات صحابہ، تاریخ صحابہ، سیرت، جغرافیہ اور بہت سے علوم میں اسے گہرا مطالعہ کرنا اور یاد رکھنا پڑتا ہے وہ بھی اصول کے تحت۔ بے اصول نہیں، تب جا کر انور شاہ بنتا ہے۔ ان کا یہ فرماؤ کہ کسی چیز میں عمر برباد کی۔ محض تواضع ہے وہ جس مسلک پر کوئی عالم باطل و متقی زندگی گزار رہا ہے، اس کی دلیل اور اسے ترجیح دینا خود عین دین ہے اور فرض منصبی۔ اور یہ کہ ”صواب محتمل الخطا ہے یا خطا محتمل الصواب ہے“ ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے مگر عالم سبق پڑھاتے وقت یہ کہہ کر جان چھڑا لے اور دلائل پر روشنی ڈال سکے، یہ ممکن نہیں اور اگر ان کے فرمان کا

مطلب دی ہوتا ہے جو بظاہر ان کے الفاظ سے سمجھ میں آ رہا ہے تو مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ شرح ترمذی نہ لکھتے تخریث وغیرہ پڑھتے وہ ان کے شاگرد تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کے داماد حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بنوری مدظلہم شرح بخاری نہ لکھتے۔ پس سب ایک ہی رخ اختیار کرتے۔

بات یہ ہے کہ جو بندہ خدا کو پسند ہوتا ہے اس کا آخری دنوں میں یہی حال ہوتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا مگر صالح کر دی۔ حضرت اقدس مولانا مدنیؒ۔ مولانا نور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا محمود حسنؒ اور ان کا کیا ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک یہی فرماتے تھے کہ ہم نے جو نیکیاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھیں وہ قائم رہ جائیں بَرَوَلْنَا اور جو بچہ آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کیا ہے دانت کل عمل عملنا بعد کا مجھونا منہ کھٹاؤ دَاسَا مَواس۔ بخاری ص ۵۵۷ وہ برابر برابر جو کبریا نجات ہو جائے (تو میں اسے غنیمت سمجھوں گا)۔

حضرت عائشہؓ کا جب وقت وفات آیا تو حضرت ابن عباسؓ سے تعریفی کلمات منکر فرمانے لگیں دودت انی کسنت نسبا منسیا (ان سے تعریفی باتیں منکر) میرا جی چاہا کہ میں ایسی ہوتی کہ بھلا بھی دی گئی ہوتی۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس کا بندہ اپنے اعمال کی قیمت خود نہ ڈالے۔ اس لئے آخر میں اللہ کے محبوب بندوں کی سچ بچی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ وہ یہ بالیقین کہتے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں ہیں۔ آخری وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ اس وقت ایک شخص نے تسلی کے لئے تعریفی کلمات کہے۔ تو اس کے ہر ہرجلہ کا جواب عنایت فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا اور آپ دنیا سے جب رخصت ہوئے تو مجھ سے راضی تھے تو یہ خدا کا احسان ہے۔ جو اس نے مجھ پر فرمایا۔ اور اسی طرح ما ذکرہت من معبۃ الی بسکرت جو تم نے ابوبکرؓ کے ساتھ رہنے کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ مجھ سے خوش رہے۔ اور جب اس نے وفات پائی تو وہ مجھ سے راضی تھے یہ بھی مَنَّ اللَّهُ مِنِّی عَلَی۔ خدا کا احسان ہے۔ جو اس نے مجھ پر فرمایا یعنی جو اچھایا تھیں وہ محض احسانِ خداوندی تھا وہ میری قابلیت نہیں تھی۔

بس جس پاکیزہ بندہ کی یہ حالت وفات کے وقت ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ خدا کا بہت ہی محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کی نیکیاں بالکل سلامت رہیں تو مولانا نور شاہ صاحبؒ کو ان کے اس دو محترم حضرت شیخ البندہؒ کی طرح ڈبل اچھلے گا۔ انشاء اللہ

ایک اس کام کا جو انہوں نے زندگی بھر کیا۔ دوسرے ان کی اگلی نیت کا۔ ہرگز کوئی کم فعلی کر کے اس خیال میں مبتلا نہ ہو کہ انہوں نے واقعی کچھ نہیں کیا تھا۔ اگر واقعی کچھ نہیں کیا تھا تو ڈاکٹر صاحب حضرت شیخ الہندؒ کو اس صدی کا مجتہد اور مولانا نور شاہ صاحب کو قدامت کے نظیر کیسے فرماتے۔؟

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمتا واسعتا والحقنا بجمع
ڈاکٹر صاحب نے بہت عمدہ اور مفصل طرح سمجھا دیا ہے کہ آج کل نئے کس طرح پیدا ہو رہے ان سے بچنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔ اور اس کی حفاظت سب سے بڑا اور اولین فرض ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چاروں ائمہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کی تطہیر کا اگر کوئی سننے والا یہ مطلب لے کہ جس مسلک ہیں جو آسان چیز نظر آئے وہ اختیار کرے تو اسے تو ائمہ اربعہ کے علاوہ بالاتفاق ناجائز فرمایا ہے۔ ہاں اس کے برعکس عمل کرنا مستحب ہے۔ معمولی سی مثال یہ ہے کہ شافعی مسلک یہ ہے کہ اگر کسی مرد کا ہاتھ دستیلی کی طرف سے بچر کڑا جائے ہوئے کسی عورت کے لگ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی اپنی ماں کے پاؤں دبا رہا تھا اور دستانہ پہنے ہوئے تھا یا والدہ کے پاؤں پر چادر نہ تھی۔ بلا حائل پاؤں چھو رہا تھا تو وہ جب نماز پڑھنے لگے تو وضو کرے کیونکہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ حضیٰ حضرت کہتے ہیں کہ ایک حضیٰ شخص کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ دوبارہ وضو کرے۔

اسی طرح اگر کسی شافعی شخص کے خون نکل آیا تو شافعی مسلک میں خلای نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن حضیٰ مسلک یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شافعی حضرات فرماتے ہیں کہ اس شافعی شخص کو دوبارہ وضو کر لینی چاہئے یہ ان کے نزدیک مستحب ہے۔ کیونکہ احتیاط پر عمل ہو رہا ہے اور دوسری صورت کہ ہر مسلک سے جن جن کے آسان مسائل لے لینا یہ اتباع ہو لڑا رہا گیا ہے اس کا نام تہقیق ہے اور یہ حرام ہے۔

ہاں البتہ اگر کوئی غیر مقلد ہو اور وہ ان ائمہ کو مقتدا مان کر بلا خواہش نفس مسئلہ کو دراج سمجھتے ہوئے ایسا کرنے لگے تو شاید اس کے لئے مطلقاً غیر مقلد بنے رہنے سے بہتر ہوگا۔ کیونکہ آج کل کے علماء سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے سے یہ بہت زیادہ افضل ہے کہ ائمہ کی تحقیق پر چلے۔ رحمہم اللہ۔

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ مثلاً مسلک حضیٰ کا کوئی مسئلہ متقی علماء کی نظر میں قابل عمل نہیں رہا۔ اس دور میں اس پر عمل کرنے سے اور خرابیاں لازم آئیں گی تو ایسی صورت میں

جائے۔ یہی تکنیک آپ کے مودودی صاحب نے بھی اختیار کی کہ صرف اہل صحابہؓ اور انہماک المؤمنین بلکہ انبیاء کے کردار کی بھی تنقید کے نام پر تنقیص کی تاکہ لوگ اگر منکر نہیں تو اچھے خیرات کی طرف سے تشکیک میں تو گرفتار ہو جائیں۔ جب ان حضرات کو دہشتا قوائم اور رقبہ اور بخاری و مسلم کس گفتی میں ہیں! حدیث کے بارے میں تو انہوں نے دد لوگ فرمایا ہے کہ جو مزاج شناس سے رسولؐ ہو جاتا ہے وہ محدثین کے قائم کردہ اصول و ضوابط کی بنیاد پر کسی حدیث کی صحت یا عدمیت کا فیصلہ نہیں کرتا بلکہ مزاج شناسی کے اس ملک کی بنیاد پر ایک نظر سمجھ جاتا ہے کہ کیا یہ قول رسولؐ ہے یا نہیں۔ اگر کوئی حدیث محدثین کے نزدیک غیر معتبر بھی ہے مگر وہ اپنی اس مزاج شناسی رسولؐ کی بنیاد پر اسے قول یا فعل رسولؐ سمجھتا ہے تو وہ بلا تکلف اس پر عمل کرتا ہے۔ آپ کو تو خود معلوم ہے کہ اس جماعت کے بنیادی اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سوائے رسولؐ اللہ کے کوئی شخص، متقی کہ انبیاء و رسل بھی تنقید سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ چنانچہ اس اصول کو انہوں نے خود بھی دل کھول کر برتا ہے اور اپنے مقلدین پر بھی لازم کر دیا ہے۔ ویسے مودودی صاحب بھی اس معاملہ میں منفرد نہیں ہیں کیونکہ انہیں کی جماعت کی ہم فکر و عمل جماعت، انوان المسلمون مصر میں بھی موجود ہے۔ قطب شہید مرحوم نے "قرآن کے فنی حاسن" میں "انبیاء، خصوصاً حضرت موسیٰؑ کے لئے جو دیریدہ دہائی کی ہے وہ اس سے کہ کم نہیں ہے جو مودودی صاحب کی نگاہ میں حالیہ میں ہے (قطب شہید کے اس مضمون پر پیر الیک عباسیہ "خدام البیدین" میں شاید آپ کی نظر سے گزرا ہو)۔ اور رسولؐ اللہ کو جو تنقید سے بالا فرمایا ہے یہ بھی تفسیر ہے تاکہ مارا امت ہی نہ بھڑک اٹھے، ورنہ جگہ جگہ "بشری لغزش" بتا کر جو حضورؐ کے لئے لکھا ہے وہ ان کی تحریروں میں جابجا نظر آتا ہے۔

تو عرض یہ کرنا تھا کہ جہاں آپ نے سرسیدیت، قادیانیت، پرویزیت، پکڑ الویت کو واضح الفاظ میں فتنے لکھا ہے وہاں مودودیت کے بارے میں مداہنت کیوں دیانت سے بعد نہ سمجھی؟

اگر ناگوار خاطر ہو تو عرض کر دوں کہ اقبال کے بارے میں جو آپ اس حد تک متہمس ہیں تو کیا آپ نے ان کے مضمون و منشور انکار و بشمول کتابت و خطبات، میں کہیں کچھ مسئلہ حق و عقائد اسلام کے خلاف نہیں پایا؟ یعنی کیا آپ اسی طرح انکار اقبال کو منزه عن الخطاء باور کرتے ہیں جیسے جماعت اسلامی والے مودودی صاحب کو معصوم سمجھتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ اقبال منکر بلکہ بڑے مفکر تھے لیکن ان کی ہر فکر بے لغزش تھی اس کا دعویٰ کرنا بجائے خود کوڑا عقیدہ ہے۔ اور باتوں کو چھوڑیے، اقبال نے نفس کو جو خط اپنا فلسفہ "خودی" سمجھنا

کے لئے لکھا تھا، جو اب ہم نکلنے کے انگریزی ترجمہ "اسرار خودی" میں شامل ہوتا ہے اور جس کا اردو ترجمہ اقبال ہی کے ایک معتبر تلمیذ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کا "شیان" کے اقبال غیر ثابت و سبب سے ہے۔ میں آپ ہی نے شائع فرمایا تھا۔ اسی کو بہ امعان نظر ایک بار اور مطالعہ فرمایا ہے۔ اس میں اقبال نے نکلنے کو لکھا تھا کہ "انسان کامل" تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ کاروان انسانیت ہنوز مادہ کا ارتقاء پر گامزن ہے۔ لہذا انسان کامل تو آخر میں آئے گا جو تمام عالم میں دین نافذ کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ وہی عقیدہ نہیں ہے جو سبائیوں کا ہے اور جس کا اعلان قیمی صاحب نے اپنی ایک نشری تقریر میں کیا تھا جس میں برلا کہا تھا۔ تمام دنیا درویش، بشمول محمد رسول اللہ کے ناکام رہے اور اسلام کا مکمل نفاذ تو امام مہدی (مستور) ہی کر سکیں گے۔ (اس سلسلہ میں میرا ایک طنزیہ مضمون "اقبال و خمینی کی فکری ہم آہنگی" ماہنامہ "الحق" میں شاید آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا) نکلنے کے نام اسی خط میں اقبال صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حشر صرف ان کا ہوگا جن کی "خودی" مکمل ہو چکی ہوگی، جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے ہر ذی روح کا حشر برپا ہوگا۔ گویا وہ لوگ تو مرسے میں رہے جن کی خودی کامل نہ ہو پائی۔ مگر جو لوگ خودی مکمل کر کے مرے وہ صاحب کتاب اور جزا و سزا کے مستحق ہونگے۔ خطبات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ تخلیق و تقدیر خدا کی امر و نہی کا نام ہے منصوبہ کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہ تو وہی ایک پرانے فرقہ کا عقیدہ ہے نا کہ جب خدا کوئی فعل کر دیتا ہے تب اس کے ظلم ہیں آتا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ کیا یہ افکار و عقائد وہی ہیں جن کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ "در بحر فرقتی مغمول است" تو "روئے حشر خوار و رسوا کن مرا" میں یہ نہیں کہتا کہ اقبال اساسی طور پر غلط فہم تھے بلکہ یہ کہ وہ فکری طور پر سب سے پہلے شاعر تھے اس لئے جس وقت جو خیال بندھ گیا وہ باندھ دیا۔ یعنی "فنی غفلت وادی" جیسے مضمون کے صحیح مصداق تھے۔ نا کہ آپ ان کے وہی اشعار اپنی تقریروں اور تحریروں میں نقل کرتے ہیں جو آپ کے موقف کی تائید میں ہوتے ہیں لیکن اس کا اثر جو آپ کے سامعین اور قارئین پر ہوتا ہے اس پر آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آپ کے معقدین تو یہی سمجھتے ہیں کہ جس شخص کے مدائح جاریے ڈاکٹر صاحب ہیں اور بطور استدلال و امثال اس کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں وہ یقیناً سو فی صد صحیح افکار اور واقعی "مفکر اسلام" ہی ہوگا۔ لہذا پھر اگر کوئی غلط فہمی پڑے گی اقبال کا سنتے یا پڑھتے ہیں اسے بھی آپ کی سند کی وجہ سے مستند ہی سمجھتے ہیں۔ اقبال کی اسی فکری کوچہ گردی کی وجہ سے تو سوشلسٹ اور کمیونسٹ ملک اس کے اشعار کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ انہیں پروتھون نہیں، خواہ بالکل جاہل بھی کوئی ہو، بر شخص کی فکریں ارتقا ہوتا ہے لیکن یہ فردی نہیں کہ صحیح سمت میں جو

اس نظر فراخی کی جرأت اس درجے کی ہے کہ میں خالصتہً بوجہ اللہ ابھی تک تو آپ سے ایسی

ہی عقیدت اور محبت رکھتا ہوں جیسی خود وی صاحب سے تعظیم ہند تک تھی۔ لہذا آپ کی تحریروں کو بغور پڑھتا ہوں اور تجزیہ بھی کرتا ہوں۔ کئی بار کسی فقرہ سے نکتہ در بھی ہوا جیسے اتحاد بین المسلمین کی تبلیغ میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے ساتھ اہل تشیع کو بھی شامل کر دینا، مگر یہ جرات نہیں کی۔ اب آپ کی اس تحریر نے خود بخود یہ تحریک کی کہ آپ سے درخواست کسوں کو جب آپ نے اپنی دعوت الی القرآن کی وضاحت کے سلسلہ میں بربریت و بیزار پر اظہار خیال کیا ہے تو خود دیت پر بھی دپانسا کے ساتھ اور کھلے دل سے اسے موقف کو جان فرادیں کہ متقدمین علمائے حق کے انکار اور مجمع علیہ عقائد و نظریات کے متعلق لوگوں میں شکوک پیدا کرنے سے بڑا نقصان ان دنوں یہ ہے کہ ان حضرات کے کردار کو لوگوں کی نگاہوں میں داغدار بنا دیا جائے تاکہ پھر ان کے انکار و عقائد خود بخود ہی مشکوک سمجھے جانے لگیں۔ اقبال کے متعلق بھی آپ کی طرف سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ جو ان کے اقوال نقل کیا کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ ان کے سارے ہی انکار و اقوال کو معتبر سمجھا جائے بلکہ جو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پورے سحر میں وہ صحیح ہیں اور جو مسئلہ عقائد کے خلاف ہوں وہ مغربی فلسفہ کا اثر ہے۔

امید ہے کہ میری یہ معلومات نکتہ در نکتہ کا باعث نہوں گی اور ان کی روشنی میں آپ کی واضح تحریر ميثاق کی قریب ترین اشاعت میں شامل ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خیالات صرف میرے ہی نہیں بلکہ ان میں آپ کے اور بھی بہت سے مداح اور ميثاق کے قارئین میرے شریک ہوں گے۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ طریقہ ہی من و عنان میں شائع فرما کر اسی کے ساتھ جو آپ کی تحریر شائع ہو تاکہ قارئین سوال و جواب کو بیک وقت پڑھ سکیں۔

آپ کے اس پیش نظر مضمون کے سلسلہ میں رطما آپ کی تحریک کی طرف سے مشکوک ہیں ایک دوسرے پر ہر ہنامہ "الخیر" (مطمان) کے سوال ۴۴، ۴۵، ۴۶ کے شمارے کے صفحات ۴۴، ۴۵، ۴۶ پر ڈاکٹر اسرار احمد سے استفادہ کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ یہ استفادہ "جنوری ۸۸ء" کے ميثاق میں آپ کے مضمون کے سلسلہ میں ہے اس استفادہ میں آپ سے پوچھا گیا ہے کہ آپ نے جو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی اہمیت و اہم اہمیت کا ذکر کیا ہے وہ کہیں اپنے امام پاکستان بننے کی طرف توجہ پیش قدمی نہیں ہے؟ میں نے اس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا یوں ضروری سمجھا تاکہ آپ کے علم میں آجائے کہ آپ کی تعداد پر و نثار میرے کس قسم کے شکوک پیدا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ والسلام ضروری :

(۶)

مولانا محمد سعید الرحمن علی صاحب

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا تعارف چند سال سے حاصل ہے جبکہ ان کی تعداد پر و نثار مسائل پڑھنے سے کمال اتفاق تو بہت پہلے ہوا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام تو بہر حال معصوم ہیں اور ان کے بعد یہ

شرف کسی کو حاصل نہیں، تاہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معصومیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت باللہ کا تقاضا تھا کہ وہ جابلیت کے بھرپور دور میں اپنے آخری رسولؐ کی صحبت و رفاقت اور دین کی حمایت و نصرت کے لئے ان کا انتخاب کرے۔ ان کے بعد قرآن بعد قرآن ایسے حضرات دنیا میں آتے رہے جو اپنی زندگیوں میں دین اسلام کی حمایت و نصرت میں کھپاتے رہے۔ ان حضرات میں سے کسی کے لئے معصومیت جوڑ معصومیت کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ کہنا درست ہوگا کہ ان زمانوں میں ہزار ہا ہزار ایسے لوگ تھے جن کی زندگیوں میں خیر غالب تھا اور ان کے دل دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے خاندان و در و در کہتے تھے۔ اور ہر زمانہ میں ایسے بھی لوگوں کی کمی نہیں رہی جو بڑے غلبہ و عبادت و عبادی کے ساتھ میلان میں آئے اور کلمہ حق اریہ، بہا الہا علیہم، کا رد ادا کرتے رہے۔ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ بہت ہیں اور ان کا بقوم رویہ ایسا ہے کہ وہ قرآن کے نام سے اپنا مشن جاری کرتے اور تحریکات اٹھاتے ہیں۔ قرآن اور حمایت و نصرت دین کے حوالہ سے لوگوں کا ایک طبقہ جب ان کی طرف مائل سمجھا ہے تو وہ کلمہ ایسا پٹکا کھاتے ہیں جس کے نتیجے میں قرآن و سنت کی نئی تعبیرات اور اسلاف پر عدم اعتماد کا دروازہ کھل جاتا ہے جس کی متعدد مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایسی صورت پیدا ہوجانے کے بعد علماء و کرام جنہیں بجا طور پر شریک کے سپاہی کا مقام حاصل ہے، ایسے لوگوں اور حضرات و افراد سے خلیق خدا کو متنبہ کرتے ہیں اور انہیں احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق بے راہ روی سے محفوظ رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس عالیہ خطاب میں جو انہوں نے جامعہ دارالاستکلام باغ جناح میں ارشاد فرمایا، بعض ایسے ہی افراد کی نشاندہی کی ہے اور بڑی دلسوزی سے کہ اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نسل در نسل منتقل ہونے والے دین کو اسی انداز سے برتا جائے جو قدیم طریقہ ہے تو اسی میں خیر ہے۔ رہ گیا معاملہ جدید تمدنی مسائل اور ان پر غور و فکر کا، تو ظاہر ہے کہ ہر اہل تدبیر ایسا کام کر سکتا ہے بلکہ کرنا چاہیے تاکہ اسلام کے روئے روشن پر یہ خوف نہ آئے کہ وہ جاری زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا تاہم یہ فرد گنگا کہ اس آڑ میں مشابہت مجروح نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس خطاب کو نافع بنائے اور ہم سب کو اپنے اسلاف غرامی سے وابستہ رکھے۔

(۷)

مکتوب جناب محمد عبدالبر صاحب قلم طلحہ نظامت جماعت اشاعت التوحید والارشاد، کراچی ڈویژن
 قلم و کلام جناب مدیر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات کے عنوان سے رقم ڈاکٹر صاحب کا خطاب وقت کی اہم ضرورت پوری کرتا ہے اور "خدشات" کا مکمل حد تک "شافی" جواب بھی ہے۔ لیکن ان خدشات کی وجوہات اور قرآن کے نام پر اٹھنے والے فتنوں کے طریق کار کے حوالہ سے توضیح اس حیثیت سے "نفسہ شفا" رہ گئی ہے کہ علماء کرام کے اس قسم کے خدشات دراصل اس بنا پر ہوتے ہیں کہ قرآن اور علوم دین کی خدمت کا بیڑا اچانک ایسا شخص اٹھانے لگتا ہے جس نے ان سرخسوں اور ذرائع سے علم حاصل نہیں کیا جو علماء کرام کے ہاں معروف یا مسلم ہوتے ہیں۔ جیسے مودودی صاحب مرحوم یا ابن بزرگ کا معاملہ ہے جن کی مثال ڈاکٹر صاحب نے اپنے مذکور خطاب میں دی ہے۔ ایسا شخص نظری طور پر بننا ہے اور عجب کا شکار ہو جاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے علماء کرام کی طرف رجوع اور اس پر عمل کا جو ذکر کیا ہے اس پر اگر وہ سختی اور غلوں سے باز رہے تو ان کے بارے میں "خدشات" کا قلع قمع ہو جائے گا۔ یہ ملحوظ رہے کہ علماء کرام سے ربط و تعلق محض "رسمی" اور خانہ پری کے طور پر نہ ہو۔ بلکہ باقاعدہ استفادہ کی تیت سے ہو اور ان کے اقادات "کہ وہ مقام دیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

اس ضمن میں یہ گزارش بھی ہے عمل نہ ہوگی کہ کوئی بڑا مسئلہ، محور دعوت بنانے سے پہلے وقت کے مشاہیر طار سے "منظور" کروائیں چاہیے۔ مثلاً دینی ہیئت، اجتماعیہ کے لئے بیعت کا طریق کار، ایک ایسا مسئلہ جو ہر حال ایک دہکوسے نزاعی بن گیا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں "اہل علم" سے پہلے "استصواب" کر لیا گیا ہوتا تو بعد میں "فتویٰ" اور اس سے بڑھ کر "اختلافات و خدشات" پیدا ہونے کی فست نہ آتی۔ "جدید اصطلاحات" کے حوالے سے توجہ کے دہ بھی استدلالات پیش کرنے کا مقصد، میری ناقص رائے کے مطابق، یہ نہیں ہونا چاہیے کہ شرعی اصطلاحات جو صدیوں سے متواتر اور منقول چلی آرہی ہیں، کی اہمیت و افادیت کا انکار کر دیا جائے یا انہیں بدل دیا جائے۔ ورنہ "معرض احوال" کے آخری پیرا گراف میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی ایک تطبیقی مثال یہ بھی بن جائے گی۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَ يَعْدِي الْحَسْبُ۔

لفظ والسلام

(۸)

مکتوب جناب! ایس۔ بی علی صاحب مدظلہ۔ کراچی

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کے ماہنامہ "بیضی" ماہ ستمبر ۱۳۸۶ء میں آپ کا مہمومہ خطاب "قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات" حقائق پر مبنی ہے اور جن

فقہوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تعجب ہے کہ آپ جیسا صاحب بعیت ایک ایسے فرقہ کی فتنہ انگیز یوں کو نظر انداز کر گیا جو بارہ سو سال سے جسدِ اسلامی میں زہر پھیلا رہا ہے جس نے اسلامی عالمی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور آج بھی وہ انہی ریشہ داناؤں میں معروف ہے۔ اس سے میری مراد شیعہ فرقہ ہے۔ جو تحریفِ قرآن۔ تحریفِ کلمہ۔ الوہیت علیٰ ائمہ کا معصوم من الخطا اور حاملِ وحی ہونے کا قائل ہے۔ اور یہ بات انہی کی مستند کتابوں میں مثلاً اصولِ کافی۔ رجال کش و غیرہ سے ثابت ہے۔ نیز جس کے متعلق مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ فتویٰ درج ذیل ہے۔

”شیعہ واقف کافر ہیں کیونکہ وہ قذفِ ام المومنین اور رب الخبیثہ کے علاوہ تحریفِ فی القرآن کے قائل ہیں۔“

اس پر کئی سنی اکابرین کے دستخط ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں مولانا شبیر احمد شاہی مولانا سید انور شاہ کشمیری۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا منظور احمد نعمانی مدیر الفرقان۔ مولانا محمد ابراہیم (دیوبند)۔ مولانا انوار الحق امروہہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بریلوی مکتب فکر کے بانی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے شیعوں کے رد میں مستقل کتاب ”رد الفتنہ“ لکھی ہے جس میں ان کا کوہِ وضع کیا ہے۔ یقیناً یہ سارے حوالہ جات بکھ اس سے زیادہ جنابِ اہلِ علم میں ہونگے لیکن ”رحم“ کے سلسلہ میں شیعہ فرقہ کے تمام (دعوتِ احمدی) کو سنی مسک کے چاروں ائمہ کی صف میں کھرا کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو ميثاق ص ۴۰۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیعہ فرقہ دائرہ اسلام میں شامل ہے اور اس طرح ہم دلفوز باللہ، بالواسطہ ان کے نظریہ تحریفِ قرآن۔ تحریفِ کلمہ ائمہ کا معصوم من الخطا اور حاملِ وحی ہونا تسلیم کر رہے ہیں جو ختم نبوت کے مسئلہ کو بھی ٹھکڑا کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے دین کی ماس کیا ہوگی؟

اس سلسلہ میں جناب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ براہِ کرم آپ رہنمائی فرمائیں تاکہ میری طرح اور بہت سے لوگ جو ذہنی خلش کا شکار ہیں، صحیح صورتِ حال سے واقف ہو جائیں۔



برائے توجہ اہل قارئین ميثاق سے گزارش ہے کہ خط و کتابت کرتے وقت خوریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکر)۔

رفتارِ کار

ماہِ ستمبر کا پہلا اور دوسرا ہفتہ دعوتی سرگرمیوں کے لحاظ سے بڑا بھرپور گزر رہا ہے۔ پہلے ہفتہ کی سرگرمیوں کی روداد جیٹاقی اکٹوبر میں اپنکی ہے۔ مہتمم کو امیر محترم نے مسجد دارالسلام میں عید الاضحیٰ کی نماز کی امامت کی اور خطبہ ارشاد کیا۔ چونکہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمعہ تھا۔ لہذا خطاب جمعہ کا بھی اہتمام ہوا۔ ۹ ستمبر کو امیر محترم کراچی تشریف لے گئے۔ جہاں جامعہ العارفین آباد عقبہ الاظمہ اسکو ترمیں ۹ اور ۱۰ ستمبر کو بعد نماز مغرب سورہ تہان کا درس مکمل کیا۔ سورہ تہان کی آیات و نایات کا ذکر ان کے اثرات و نتائج کے ضمن میں جو اہم مقام حاصل ہے اس پر بعض جو قرآن مجیم سے شغف رکھتے ہو۔ بالعموم اور رفعاً تنکیم بالخصوص اسی طرح واقف ہوں گے۔ مہتمم کو عام تعطیل تھی۔ لہذا اس روز تنظیم اسلامی کراچی کا ایک خصوصی اجتماع رکھا گیا تھا۔ جس میں امیر محترم نے شرکت فرمائی اور مختلف تنظیم اور دعوتی مسائل پر اس اجتماع میں میر حاصل تبادلہ خیال اور گفتگو ہوئی۔ کراچی سے امیر محترم کی واپسی ہوئی۔ موصوف مسلسل دوروں کے سبب کافی مضطرب نظر آ رہے تھے۔ تھکان کے اثرات نمایاں تھے لیکن ہاں مہتمم کو امیر محترم نے لاہور چھاؤنی میں جناب محمود احمد صاحب کے مکان پر بعد نماز مغرب شرکت کی جس میں علاقے کے نمایاں حضرات مدعو تھے۔ امیر محترم کی تشریف آوری سے قبل راقم نے تنظیم اسلامی کی دعوت سے شرکاء کو متعارف کرایا۔ بعدہ امیر محترم جب تشریف لائے تو آپ نے بھی انصار کے ساتھ دعوت کے اہم مبادی و خصائص بیان کئے اور شرکاء کے سوالات کے شافی جوابات دیئے۔

۵ ستمبر کو مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ میں کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟ کے موضوع پر تفصیلی خطاب ارشاد کیا۔ حالانکہ ۴ ستمبر کی شب سے موصوف کمر میں شدید درد محسوس کر رہے تھے۔ اسی شب کو بعد شداد امیر محترم کو عالی مسجد نواں کوٹ مٹان روڈ لاہور پر تنظیم اہل سنت و الجماعت کے چالیسویں اجلاس میں تقریر کرنی تھی۔ جہاں حضرت مولانا حیات اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی بھی مدعو تھے۔ جو دعوت توحید اور مشرکانہ و متعاطانہ ادا و افعال کی تردید کے ضمن میں پاکستان گیر شہرت کے حامل ہیں۔ شاہ صاحب محترم نے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ خطاب سے قبل محفل طعام میں جس کا اہتمام عبدالرشید رحمانی نے کیا تھا شام ۱۱ بجے قبلہ کی امیر محترم کی ملاقات ہوئی۔ شاہ صاحب نے میثاق میں شاخ ہونے والے "الہدیٰ" کے سلسلے اور گہشت و ستر میں شاخ ہونے والے امیر محترم کے خطابات پر موصوف کو تحسین بھی فرمائی اور ان کے حق میں دعا بھی کی۔ بعد نماز عشاء عالی مسجد میں محترم شاہ صاحب مدظلہ اور دیگر علماء کی موجودگی میں امیر محترم نے "توحید علی الاقامت دین سے مربوط تعلق" کے موضوع پر تقریباً پونے دو گھنٹے مفصل و جامع خطاب کیا۔ یہ دہی موضوع ہے جس پر میثاق میں قسط وار امیر محترم کا ایک خطاب اور درس شاخ ہو رہا ہے۔ مگر کے درد اور طبیعت کے کھچل کے باوجود خاص اللہ کے فضل سے امیر محترم کی یہ تقریر خطابت اور اثر پذیر کی کے اعتبار سے خالص کی تقریر تھی۔

جنا پھر اس تقریر سے متاثر ہو کر شاہ صاحب مدظلہ نے جن مآثرات و مشاہدات کا اظہار فرمایا انہیں شپ سے منتقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

”ارشاد ایت شاہ صاحب“

حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے خطبہ مسنود کے بعد سورہ رعد کی حسب ذیل آیات کی تلاوت فرمائی :-

اِعِزِّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ اَلرَّحِيْمُ الرَّحِيْمُ
لَهُ يَحْكُمُ الْقَضَیُّ وَلَٰذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مِنْ فَضْلِهِ لَا یَسْتَعْجِلُوْنَ بِحُكْمِ رَبِّهِمْ اِنَّ
کِتٰبَ سِرِّهِمْ کَعَبْدِهِ اِلٰی الْمَاکُوْلِ یَلْبِغُوْنَ اَنَّا وَ مَا هُوَ بِاِلَیْهِمْ مَّا مَعًا اَلْکَلْبِیْنِ
اَلَّا یَلٰی ضَلٰلٍ ۝

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس نے اپنے موضوع توحید فی الحقیقت کیا ہے؟ پر گفتگو سے قبل بطور

تعبید فرمایا : ”بزرگو! بھائیو! عزیزو! ہمارے محترم و کرم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اشارہ اللہ ولاحول ولاقوة الا باللہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس خوبی اخلاص اور سوز اور درد دل سے توحید فی العلل یا توحید فی المطلب کو مفصل اور پورے اجزاء کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور پھر الحمد للہ کتاب و سنت کے پورے حوالے سے اور صحیح تشریح سے آپ حضرات تک فضل الخطاب کے ساتھ پیغام حق پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرا یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جناب محرم کی تقریر سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ اللہ تعالیٰ دین حق پر دین غیر پر دین خالص پر جناب محرم کو استقامت اور اخلاص کی نعمت نصیب فرما۔ اور جس دوسلے جس جذبے جس محنت کے ساتھ یہ رضائے الہی کو مقصود بنائے ہوئے دعوت حق کا کام کر رہے ہیں تبلیغ الحق ادا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے انہوں کی بھی باقی سن رہے ہیں۔ غیر دل کے حسن و تشبیہ بھی برداشت کر رہے ہیں۔ اس کام میں وقتاً فوقتاً جو تکالیف اٹھاتے اور جھپٹتے ہیں وہ ان کے لئے توشہ آخرت بنائے اور اللہ تعالیٰ اس دعوت کو کامیاب فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو توفیق دے اور اپنے فضل و رحمت سے ہماری قیمت میں یہ سعادت عطا فرما دے کہ اللہ اللہ جس طرح ڈاکٹر صاحب دل و جان سے کوشش کر رہے ہیں کہ دین توحید اجتماعی رنگ میں غالب اور نافذ ہو جائے۔ دین پورا کا پورا قائم ہو۔ اس طرح ہم بھی اس کام میں مل جائیں۔ ان کی تو کوشش ہے، محنت ہے۔ ان کے ساتھیوں کی محنت ہے اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائے یہ اس کے ہاتھ میں ہے البتہ ہمیں وہ سب کچھ کرنا چاہئے جو ہم سے بن سکے اس کے صدقاً تو ہم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اللہ اس کی نصیب کا طے کرے بعد نہیں کہ وہ کامیابی عطا فرما دے۔ اس کے ہاتھ میں ہے کہ : کَلِمَتٌ قَلِيلَةٌ حَبْلَتٌ فِیْهِ کَثِیْرَةٌ یَاْذُنُ اللّٰهِ قَالَتْ مَتَّ الْعَصْبِیْنِ ۝ مہر و استقامت اس طرح جاری رہا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کئی قبیلہ نہیں کہ وہ کامیابی عطا فرما دے۔ درد ایک مسلمان کہلانے والے کا جو فریضہ ہے اس کے لئے تو اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کی بازی لگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ رسمی الفاظ نہیں بلکہ میرا جی متاثر ہے کہ مجھے ان کی تقریر سن کر الحمد للہ تم الحمد للہ سب سے بڑی خوشی سب سے بڑی راحت اور سب سے بڑا اطمینان دل کہ ہو ا کہ یا اللہ اس

دور میں تھے اپنے فضل و کرم سے کس کو قریہ و قریب بخش دی ہے کہ وہ تیرے دین خاص کے لئے دین حق کے لئے، اجتماعی طور پر اسے کامیاب بنانے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اے اللہ تو اس کو بار بار اندر فرما۔ یسوی کے حالات تو ہوں گے لیکن، وَمَنْ يَفْعَلْ مِثْرَهُ رَحِمَةً رَبِّهِ إِلَّا الْبِغْضَانِ ۝ اللہ کی رحمت سے یسوی گرا ہی اور کفر ہے: وَلَا تَأْتِيَنَّكَ مِنْ تَرْوَحِ اللّٰهِ اِنَّكَ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِثْرُ تَرْوَحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ باقی ہر لوگ بعض اوقات کبر و تجبر میں کہ موجودہ معاشرے میں اس کام کی کامیابی مشکوک ہے۔ یہ خیال ہی اسے سے غلط ہے۔

دنیا میں کامیابی یا نہ ہو لیکن اللہ کے نزدیک کرنے کا کام یہی ہے۔ میں کون اور ڈاکٹر صاحب کون! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء میں سے بعض نبی جن کی صداقت پر جن کی دیانت پر، جن کی امانت پر، جن کی محنت پر، جن کی دعوت پر، جن کے اخلاص پر، جن کی استقامت پر، جن کی قربانیوں اور ایثار پر کسی کو اعتراض کا موقع نہیں مل سکا تو اللہ تعالیٰ اس کے نبی پاک نے فرمایا کہ ان میں سے کس کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ ایک امتی ہوگا جنہوں نے دعوت کو پوری طرح قبول کیا ہوگا۔ بلکہ کسی کے ساتھ ایک بھی نہیں! یہ تو حدیث ہے اور صحیح ہے۔ اللہ اللہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا شکوہ نقل فرمایا ہے: رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَمَّا تَدْعُوْهُمْ لَا تَجَاوِزْ اِهْلَیْہِمْ اِنَّہُمْ یَکْفُرُوْنَ ۝ اے میرے مالک اے میرے آقا اور مہربان میں نے خاص توجہ اور صرف قری عبادت کی دعوت دی اور اس کام کے لئے میں نے نہ رات چھوڑی نہ دن چھوڑا۔ لیکن نتیجہ: فَلَمَّا یَزِدُّهُمْ عِشْرًا اَوْ فِیْہِمْ اِیْمَانًا ۝ یہ میری دعوت سن کر راتوں کو بھی صبا کو کھڑے ہوتے اور دن کو بھی۔ اگے آکر اِنِّیْ اَفْلَحْتُ لَقَدْ دَاوَعْتُهُمْ لَقَدْ اَسْرَاوْهُمْ ۝ میں نے پوشیدہ ایک ایک کے پاس جا کر یہی دعوت دی تاکہ مجلس میں بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس طرح آجائے۔ ان فرض دعوت پہنچانے میں میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نہ رات چھوڑی نہ دن چھوڑا۔ ذاللان چھوڑا نہ اسرار چھوڑا۔ اپنا تمام آرام چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر صاحب محترم کا نام بھی آگیا۔ لیکن ان کی ساڑھے نو سو سال کی دعوت پر کتنے لوگ ایمان لائے، کتنے لوگوں نے اسے قبول کیا! اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ نوح علیہ السلام کے اخلاص میں ان کی استقامت میں، ان کے ایثار، ان کی صداقت میں، ان کی شجاعت میں، ان کی محنت میں، ان کی کوشش میں، لیکن اللہ کی شہادت میں کہ اس سب کا نتیجہ کیا نکلا! وَمَا اَمِنَ مَقْصُورًا قَلْبِیْ ۝ بہت ہی مختصر ہے آدمی اس پر ایمان لائے۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے جو کشتی بنائی وہ کتنی بڑی ہوگی! آپ خود تصور کر لیں بعض روایات میں آج آپ کے کل اسی افراد تھے۔ ڈراما سچ کو ساڑھے نو سو برس کی دعوت کا نتیجہ تھا۔ اگر تیرے برس ایک آدمی بھی دعوت قبول کرتا تو ساڑھے نو سو تو آتے۔ چودہ دس برس میں ایک آدمی آتا تو بھی پانچ سو تو ہوتے۔ لیکن بعض روایات میں اسی سے بھی کم تعداد آتی ہے۔ کچھ چالیس افراد۔ ایک اور روایت یہی ہے جس میں نو افراد کی تعداد بیان ہوئی ہے۔ اللہ اللہ۔ کام کرنے والا یہ دوسرے کے میرے ساتھ لوگ آتے ہیں یا نہیں آتے۔ دیکھنے والے بھی یہ نہ سوچیں کہ اس کے ساتھ فلاں بزرگ لے یا نہیں لے۔ یہ دیکھو کہ کام صحیح ہے۔ کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے مطابق ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام کے ارشادات گرامی کے مطابق ہے تو چشم ما وادب ماروش۔ پھر قبول کرنا چاہیے۔ زیادہ لوگ ہوں یا نہ ہوں۔ اس میں اعلیٰ قسم کے لگ بولنا نہ ہوں۔ وہ معاملہ

نہ ہو جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آنجناب کے ساتھ کیا تھا: كَمَا نَزَلْنَا مِنْكَ اَنْبِيَا۟نًا مِّنْ قَبْلِكَ اَرَايْكَ لِنُؤَا۟بِ الدُّنْيَا اِيّٰى؟۔ اسے نوح ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مردار لوگ 'بڑے بڑے زمین گوس' بڑے بڑے دوجاہت لوگ وہ تو تیرے ساتھ آئے نہیں۔ ہماری قوم کے کچھ ادنیٰ لوگ کم عقل اور بے وقوف لوگ ہیں جو تیرے پیچھے لگ گئے ہیں..... اللہ والہ۔ میں آپ لوگوں کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ اگر کو صاحب کی دعوت کا ساتھ دیں۔ اس میں ہماری دنیا اور عاقبت کی بھلائی ہے۔

بنتہ سے امیر عزم کی طبیعت کافی خراب ہو گئی۔ ہندوستانی اور شرقی تنظیموں کی طرف سے لاہور چھاؤنی میں ۱۹۱۷ء ستمبر کے لئے جو بود پرگرام طے پاتے اور جن کے لئے ان تنظیموں نے کافی محنت سے جلسہ بھی کی تھی، ملتو کر کے پڑے۔ ۱۵ ستمبر سے ۲۸ ستمبر تک فرمایا ۱۴ روز ایسے گزرے ہیں اور شاید امیر عزم نے جب سے وطن کا سفر کیا ہے یہ پہلا موقع ہے کہ امیر عزم کا کوئی درس یا تقریر کا پرگرام نہیں ہو سکا۔ بحمد اللہ اب موصوف کی طبیعت بہتر ہے۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر کو مسجد دارالسلام کا خطاب جمعہ اور ۲۹ ستمبر کو بعد نماز مغرب جامع قرآن، قرآن اکیڈمی میں امیر عزم کا درس قرآن بھی ہوا جو مسلسل درس کی گڑھی ہے اور اس میں سورہ زخرف زیر درس ہے۔ ساتھ ہی امیر عزم نے یکم اکتوبر سے اپنی دینی سرگرمیوں کی تجدید فرمادیا ہے۔ اسلام آباد کا دورہ بدھ ہے اور "دین حق اور اس کے تقاضے" کے موضوع پر انشاد اللہ امیر عزم کا سورہ صف کی روشنی میں ۸ اکتوبر بروز پیر بعد نماز مغرب خطاب ہو گا۔

جموں کو بعد نماز مغرب مسجد بارغ والی برون شاہ عالم مارکیٹ جو ہفتہ وار دیکھی قرآن ہوتا ہے۔ فی الوقت اس کو عزم ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب دے رہے ہیں۔ تمام رفتار اور متوسلین سے امیر عزم کی کامل صحت کے لئے دعا کی استدعا ہے۔

راقم اعبد الرزاق بہ تعاون بھائی مجید صاحب،
نائب امیر برائے لاہور

بقیہ تذکرہ و تبصرہ

گومانے ہیں۔ اور اس کی رد سے قرآن کو INTERPRET کر رہے ہیں چارے یہاں علی اعتبار سے قرآن کی INTERPRETATION بالکل وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ پھر اگر ہماری تاریخ کے ادوار میں حضور سے لے کر تا امروز جن مسائل میں تسلسل، تواثر اور اجماع موجود ہو تو دوسری کوئی بات کہنے کا کسی کو حق ہی نہیں ہے۔ بلا یہ کہ قرآن پر کسی وجہ سے اعتماد نہ رہا کہ یہ منزل میں اللہ ہے اور دل میں شک اور ریب کے گلے تھو گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس گمراہی، اس فسادات سے مجھے، آپ کو اور جمیع المسلمین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

عَنْ النَّسْرِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيَّتِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جویلی ہاؤس لاہور

سُوہ بازار



میل روڈ

۵۶۴۷۹ — ۶۴۴۳۳

۳۰۴۳۳۳ — ۳۱۱۴۴۰

پروپرائٹس، اے وحید



پنجاب بیورو یجز کمپنی لمیٹڈ فیصل آباد۔ فون: ۳۱/۳۱

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
فِي بَابِ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحجۃ : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے
اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔



تفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ
۳۲۔ ایس پرس روڈ۔ لاہور

ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا ممت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریبلو انٹرنیشنل

فون ۳۰۳۳۵۵
۳۰۳۳۷۷

مدی اشیاء

آرٹ سلک فیکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
کاٹن کلاٹھ : کاٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا مندر نیچر -

مدی اشیاء

لاکھ دانہ : سکر فلم : سوچ سنارٹ
ریڈر لیکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

I غلام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیلی دفاتر - کراچی - فیصل آباد -

Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
is our profession

IZHAR LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of



mukhtarssons
group of companies

renowned and well-known for Precast Prestressed
Concrete - famous as

ایظہار لمیٹڈ

of Precast Prestressed

■ollow-Core Slab in Pakistan

THE ORIGINAL



پاکستان کی کھلی فضاؤں میں



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله ایک اور اعزاز



اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۱۹۹۲-۹۳ء کے دوران
جی بی بی سی کے برائے پاکستانیوں کو دیئے گئے ایوارڈز میں پاکستانیوں کو
پاکستان پیس میگزین آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

یہ ٹرافی جنرل محمد رفیع، اٹھ تہائی پاکستان نے ایک ترقیاتی قوت کے طور پر اپنے ہاتھوں میں ملوائی۔

زمین نیچے - تریپالین اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بہت برآمد کنندگان بننے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

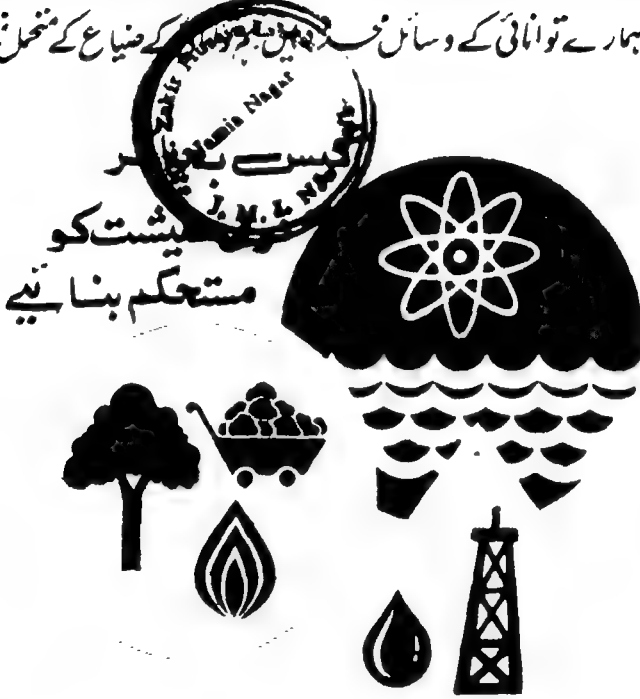
حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ



مقامی دفتر: ۸۵، قمر آباد، لاہور، پاکستان
44543 NOOR PK
44543 NOOR PK
25480 NOOR PK

قدرتی گیسے کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل خستہ ہیں۔ انہیں بحال کر کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضرورت کثیرہ زرمبادلہ و ف
کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ
روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان برقیوں کے ذریعہ میں کام
آتی ہے۔



قدرتی گیسے بہت
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ

سو فیصد تادرتے گیسے پائپ لائنز لیتے



الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام
على سيدنا محمد
الأمين



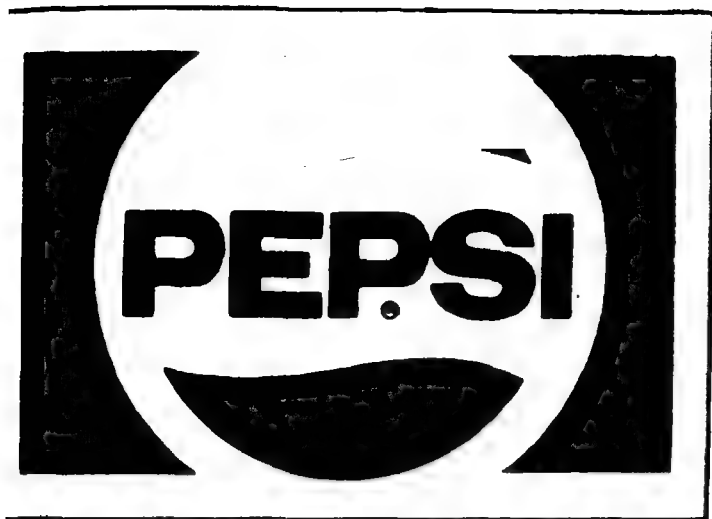
میشاق

ماہنامہ

— مدیر مسئول —
ڈاکٹر ایضاً احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلام آباد

[۳۶- کے ماڈل ٹاؤن — لاہور]



پنجاب بیوریکز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۹۳۱/۹۳۲



عرض احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان ہے کہ ماہنامہ "میشاق" مئی ۱۹۸۳ء میں پہلی بار آخری شمارہ بہت ریح الاول ۱۴۰۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۳ء پیش خدمت ہے۔ اس پورے سال میں الحمد للہ نہ کسی شمارے کا نامہ ہوا اور نہ ہی اشاعت و ترسیل میں اتنی تاخیر ہوئی کہ ہر گز بڑی ماہ کے پہلے ہفتہ میں ملک کے اندر تمام سالانہ معاہدین کو اور اس کی مستقل ایجنسیوں کو نہ پہنچ گیا ہو۔ پرچہ کی ضخامت بھی مستقل طور پر ۹۶ صفحات ہی بلکہ جنوری ۱۹۸۳ء کا شمارہ تو ۱۰۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں فیصلہ کن عامل شیعیت الہی ہے اور اسی کا فضل و کرم خادمان میثاق کے شامل حال رہا۔ جس کے باعث وہ اپنے قارئین کے سامنے سرخرو رہے۔

اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت فیہمہم کا وہ خطاب شامل کرنے کا پختہ ارادہ تھا جو موصوف نے ۳۱ اگست کو خطاب جمعہ میں "کیا پاکستان میں ایرونی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟" کے موضوع پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ خطاب ستمبر ہی میں کیسٹ سے منتقل کر دیا گیا تھا لیکن بعض اہم اور فوری نیز افادیت کے حامل مضامین کے باعث یہ خطاب اس شمارے میں شامل نہیں ہو سکا۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اسے شامل کرنے کی پوری کوشش ہوگی۔ اس کے بعد اگر اللہ کو منظور ہوا تو فروری ۱۹۸۵ء کے شمارے میں ہم محترم کا خطاب "کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟" کے موضوع پر شائع ہوگا۔

دسمبر ۱۹۸۳ء کے شمارے میں "الہمدی" کی قسط کی عدم اشاعت پر اکثر حضرات نے شکوہ کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہماری آئندہ کوشش ہوگی کہ اس کی قسط بہر صورت شامل اشاعت کی جائے۔

ڈاکٹر صاحب محترم کی طبیعت ۲۷ ستمبر تک کافی سنبھل گئی تھی اور موصوف نے

بقیہ صفحہ ۲ پر

کچھ اپنے اور بھائی جمیل صاحب کے بارے میں — اور ’مِثاق‘ ستمبر ۱۴ میں شائع شدہ تقریر پر مخلصانہ تنقید اور خیر خواہانہ مشورے کے ضمن میں گزارشات

★

قارئین ’مِثاق‘ کی خدمت میں راقم الحروف ایک طویل مدت کے بعد خود اپنی کسی تحریر کے ذریعے حاضر ہو رہا ہے — اس دوران میں اگرچہ اس کا تواطمینان رہا کہ راقم کے خیالات قارئین ’مِثاق‘ تک مسلسل پہنچ رہے ہیں، تاہم یہ احساس بھی رہا کہ ’مِثاق‘ کے ضمن میں راقم اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا نہیں کر رہا —

اس کا سبب بھی ظاہر ہے — یعنی یہ کہ ”آں را کہ آں دھند این دھند“ کے مصداق اللہ تعالیٰ نے راقم کے ”وَعَقْدُ لَا مِّنْ لِّسَانٍ“ کو تو اپنے فضل و کرم سے پوری طرح کھول دیا ہے — لیکن قلم پر اتنی ہی مضبوط گرہ لگا دی ہے — نتیجہً، دیکھنے، پر طبیعت بہت مشکل ہی سے آمادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب تک میں ہفتہ عشرہ لاہور میں مقیم نہ رہوں اور اپنے گھر اور دفتر کے ’مانوس‘ ماحول میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ میں ’گم‘ ہوئے کا موقع نہ پاؤں کوئی مضمون تو درکنار خط لکھنے تک پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی — اودا دھر کئی سال سے میرے دعوتی اسفار اور تبلیغی دوروں کی جو صورت بن چکی ہے اس میں اس کا امکان شاذ و نادر ہی پیدا ہو سکتا ہے! اور اب جو یہ صورت کسی قدر پیدا ہوئی تو اس لئے کہ دو تین

ماہ قبل کرم میں جو تکلیف ہوئی تھی (جو ذرا وقفے کے بعد دوبارہ عود کرتی ہے!) اس کے باعث سفروں اور دوروں کے معاملے میں مجبوراً کمی کرنی پڑی ہے۔ اور اس طرح لاہور میں مسلسل قیام کا ہر ماہ کم از کم ایک ہفتہ مل رہا ہے۔

میں نے 'میشاق' کی ادارت جولائی ۱۹۷۱ء میں سنبھالی تھی۔ اُس کے بعد سے لگ بھگ چار سال تک میری دعوتی اور تدریسی سرگرمی صرف لاہور تک محدود رہی۔ چنانچہ اس عرصے کے دوران 'میشاق' پابندی سے شائع بھی ہوتا رہا اور اُس میں میری تحریریں بھی تسلسل کیساتھ شائع ہوتی رہیں۔ لیکن سلسلہ میں جب میں نے اپنے پیش نظر دینی کام کے لئے ہمتیں اور ہر وقت وقف ہو جانے کے ارادے سے میڈیکل پریکٹس کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ اور اس طرح گواڈرستی بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کے کھوٹے سے کسی قدر باندھا ہوا تھا۔ تو میری اندرون لاہور سرگرمی بھی دفعۃً پوسٹل عروج کو پہنچ گئی اور ساتھ ہی بیرون لاہور اسماعیل کا سلسلہ بھی ایک دم بڑھ گیا، اور اس کا یہ نتیجہ تو محمد اللہ برآمد سوا کہ اولاً سلسلہ میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کا قیام عمل میں آگیا اور پھر سلسلہ میں 'تنظیم اسلامی' بھی وجود میں آگئی۔ لیکن دوسری طرف 'میشاق' کی اشاعت بھی بہت بے قاعدہ ہو گئی اور میرے قلم پر تو ایسی گرہ لگ گئی کہ اُس کے بعد سے آج تک میرے قلم سے باضابطہ مضمون، تو شاید ہی کوئی نکلا ہو (سوائے ایک دو چیزوں کے جو بحالت اعتکاف ضبطِ تحریر میں آئیں!) خطوط بھی صرف چند ایک ہی لکھنے میں آئے ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 'میشاق' پر سخت زبوں حالی اور مسکنت کا دور آگیا۔ حتیٰ کہ ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ وہ محض 'خانہ پُری' کے لئے کبھی دو ماہی، کبھی سرمایہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وقفہ کے بعد منقطع شہود، پر آتا رہا۔ اگر یہ صورت حال جاری رہتی تو عجب نہ تھا کہ میں اسے بند ہی کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ اس لئے کہ میں اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ جو کام ہم کرنے اٹھے ہیں اُس میں طریقِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے زیادہ سے زیادہ قرب و مشابہت ہی کامیابی کی واحد کلید ہے اور یہ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے بیان، کا ذریعہ قلم کو نہیں بلکہ صرف زبان مبارک ہی کو بنایا تھا۔

اور اس دور میں بحمد اللہ 'میانِ لسانی' کے دود دور تک منتقل ہونے کا ذریعہ بن گیا۔
 'کیسٹ'، 'جہود' میں آہی چکا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانِ مبارک
 عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کے مطابق اپنے دین کی اس خدمت کے ضمن میں بھی 'تحریری
 اشاعت' کے سلسلے کو برقرار رکھنے کے لئے خالصتہً اپنے فضل و کرم سے دور فقائے کمال
 ایسے عطا فرمائے جنہوں نے 'میشاق' کی اس بحرِ طوقی ہوئی صورتِ حال کو سنبھال لیا:
 ایک میرے بزرگ رفیقِ کار ——— اور 'میشاق' کے مرتب شیخ
 جیل الرحمن، جنہوں نے سلسلہ میں تنظیمِ اسلامی کے اول یوم تاسیس سے شمولیت
 کے فوراً ہی بعد میری تقاریر کو ٹیپ سے اتارنے کا حد درجہ مہراز ما اور مشقت
 طلب کام نہایت ذوق و شوق سے شروع کر دیا تھا۔

اور اب تک لگ بھگ دس سال گزر جانے کے باوجود نہ صرف
 یہ کہ ان کی طبیعت میں اس حد درجہ "بورنگ" کام سے کوئی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوئی
 بلکہ میرا توازنہ یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران ان کا محبوب ترین مشغلیہ
 رہا ہے اور آج تک بھی اُن کا دل دُنیا کے کسی بھی دوسرے کام میں اس سے زیادہ
 نہیں لگتا۔ ——— ان کی طبیعت کی اسی موزدنی اور اُمادگی کو دیکھتے ہوئے
 میں نے سلسلہ ہی میں 'میشاق' کی ترتیب کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی تھی۔
 — اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اُن ہی کا دم ہے کہ ان دس سالوں کے دوران میرے
 خیالات کے 'قارئینِ میثاق' تک پہنچنے کا سلسلہ جیسے پیسے قائم رہا۔

دوسرے برادرِ قاضی عبدالقادر جو میرے اسلامی جمعیتِ طلبہ کے زمانے کے
 ساتھی ہیں اور تنظیمِ اسلامی میں بھی اُس کے اول یوم تاسیس ہی سے شامل ہیں۔
 وہ جب سلسلہ میں لاہور منتقل ہوئے تو انہوں نے 'میشاق' کے انتظامی امور
 کو سنبھالا اور نہ صرف یہ کہ اس کی طباعت اور اشاعت کو باقاعدہ کر دیا بلکہ
 اس کے لئے 'اشتہارات' حاصل کر کے اُس کی مالی حیثیت کو بھی مضبوط کر دیا
 — اور اب اگرچہ قاضی صاحب واپس کراچی مراجعت فرما چکے ہیں لیکن
 'میشاق' کے جس انتظامی پورے کی نظم ریزی اور آبیاری وہ کر گئے تھے، وہ
 بحمد اللہ تاحال پھل سے رہا ہے!

شیخ جمیل الرحمن صاحب کو جنہیں میں محبت اور ادب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بھائی جمیل کہتا اور لکھتا ہوں، میں اپنا ایک بزرگ رفیق ہی نہیں محسن سمجھتا ہوں، اس لئے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس جہان فانی میں مجھ سے پندرہ سال سے بھی زائد عرصہ قبل وارد ہوئے تھے بلکہ جس تحریک کا میں اپنے آپ کو ایک ادنیٰ کارکن سمجھتا ہوں اُس سے تعلق میں بھی وہ مجھ سے بہت 'سابق' ہیں —

ان کا تعلق دہلی کی مشہور قوم پنجابی سوداگران سے ہے اور چونکہ وہ 'جمعیت پنجابی سوداگران' دہلی، میں بہت عرصہ آفس سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں لہذا اپنی برادری میں اُن کا حلقہٴ تعارف بہت وسیع ہے — اُن کے والد ماجد حنفی المسلک تھے اور نہ صرف یہ کہ سہبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کے مکتب کے سامنے اور بچپن کے دوست تھے بلکہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے اور ایک دوسرے کے یہاں بے تکلفانہ آمد و رفت تھی — دوسری جانب ان کا تنہا سلفی المسلک تھا اور اُس کا نہایت گہرا تعلق تحریک شہیدینؒ کے باقیات الصالحات سے تھا اور اُن کے مانا حاجی محمد زکریاؒ جی وہ شخص تھے جنہوں نے شیخ اکملؒ میاں نذیر حسین محدثؒ کو دہلی تشریف لانے اور قیام فرمانے کی دعوت دی تھی اور پھر زندگی بھر اُن سے تعاون کا تعلق قائم رکھا تھا چنانچہ انہوں نے بالکل اپنے خرچ سے 'مدرسہ میاں صاحب' قائم کیا تھا — اور تاحیات اُس کے کل اخراجات اپنے ہی ذمہ رکھے تھے۔ ان کے صاحبزائے یعنی بھائی جمیل صاحب کے ماموں حاجی محمد امین چاولہ سلسل کی برکس تک اُل انڈیا اہل حدیث کا نفرنس کے سیکرٹری رہے تھے — اس طرح انہیں بچپن ہی سے نہ صرف یہ کہ نہایت جید علماء و حقانی کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا بلکہ اُن کے مزاج میں شروع ہی سے

۱۰: نسخہ ہے کہ اس سے میری مراد وہ تحریک ہے جو اس صدی میں اولاً مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے شروع کی تھی — اور بعد ازاں اس کا تسلسل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قائم رکھا — اور اب اُس کے احیاء کی کوشش یہ عاجز کر رہا ہے۔

”حنفیت“ اور ”سلفیت“ کا ”قرآنُ السعدین“ بھی ہو گیا۔ جس پر مزید جذبہ جہاد کا رنگ جامعہ طیبہ دہلی کی تعلیم اور مولانا عبدالحی فاروقیؒ اور ڈاکٹر ذاکر حسین ایسے اساتذہ کی صحبت سے چڑھا۔

تحریک جماعت اسلامی سے اُن کا تعلق اس وقت ہو چکا تھا جبکہ راقم نے ابھی شعور کے میدان میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا تھا چنانچہ وہ قبل از ادنیٰ ہندو قیام پاکستان ۱۹۴۷ء ہی میں جماعت اسلامی کے ساتھ رکنیت کا تعلق استوار کر چکے تھے۔ کراچی کی مقامی مجتہب اپنے عہد شباب میں مٹی اور اُس میں چودھری غلام محمد شیخ سلطان احمد، حکیم اقبال حسین اور مولانا افتخار احمد بمبئی ایہم شخصیتیں جو دسوائے شیخ سلطان احمد مدظلہ کے سب کی سب مرحومین کی فرست میں شامل ہو چکی ہیں، مختلف اعتبارات سے نمایاں تھیں اس وقت بھائی جمیلؒ صاحب بھی نہ صرف مقامی شوریٰ کے رکن تھے بلکہ ایک اہم حلقہ رہبر نس روڈ و آرام باغ کے ناظم بھی تھے۔

جماعت اسلامی سے بھائی جمیل صاحب کی علیحدگی ۱۹۵۷ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وہ بھی جماعت سے علیحدہ ہوتے والوں کی اکثریت کی طرح ادھر ادھر سرگرداں رہے۔ لیکن الحمد للہ کہ راقم کے ساتھ ان کا جو تعلق ۱۹۵۷ء میں قائم ہوا تھا وہ نہ صرف یہ کہ آج تک قائم ہے بلکہ بفضلہ تعالیٰ روز افزوں ہے۔ اور اس طویل عرصے کے دوران وہ ہر مرحلے پر میرے فعال ترین معاونین میں بھی شامل رہے اور اہم ترین مشیروں میں بھی۔ اور اس عرصے میں واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب گزیر

۱۔ موجودہ ماحول کے اعتبار سے اس واقعہ کا ذکر بھی ان شاء اللہ بہت مفید ہو گا کہ جب بھائی جمیل صاحب کے والد صاحب کا رشتہ ان کے نانا کے یہاں تجویز ہوا تو انہوں نے میان مذہبِ حنیف سے مشورہ طلب کر لیا اور یہ فرمایا کہ ویسے تو لڑکا نیک اور متقی اور ہر اعتبار سے اطمینان بخش ہے لیکن ہے حنفی! — تو یہاں صاحب نے اس انداز گفتگو پر بھی بہت برہمی کا اظہار فرمایا — اور زور دے کر کہا کہ جب لڑکا نیک اور دیندار ہے تو حنفی یا اہل حدیث سے کیا فرق واقع ہوتا ہے!

اور اگلے دین تین کی جو بھی حیرتی خدمت مجھ سے بن آتی ہے اُس کے ضمن میں میں سب سے بڑھ کر زیر بار احسان ان ہی کا ہوں۔ اس لئے کہ کم از کم گزشتہ دس سالوں کے دوران تو انہوں نے اپنی کبرسنی دودھ جنوری ۱۹۷۸ء میں ۶۸ برس کے ہو جائینگے اور ناسازی طبع کے باوجود جس جسمانی محنت و مشقت اور انتھک اور واماندہ ہونے کے ساتھ کام کیا ہے اسکی نظیر مجھ ایسے مرعین اور ادھیڑ عمر تو کیا آج کل کے کوہیل جوان بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں! یہی نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ باپ بزرگی و کبرسنی بھائی جمیل صاحب میرا بحیثیت ’امیر تنظیم اسلامی‘ جس قدر ادب کرتے ہیں اور جس خاکساری اور احترام کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں وہ تو بہت سے مواقع پر میرے لئے حد درجہ شرمندگی کا موجب ہو جاتا ہے!

اس سب کے باوجود ————— یہ اندازہ تو جملہ قارئین و میثاق، کو ہو ہی گیا ہو گا کہ وہ بھی ————— بالکل میری ہی طرح ————— اُمّی نبی رصل اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کے اُمّی اُبتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میری طرح اُمّی تحریریں میں بھی بعض فاش غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ————— ادھر میرے ’اُن پڑھ‘ ہونے کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے میری جو تقریریں ٹیپ سے اتار کر ”معمولی مکتبہ اصناف کے ساتھ“ شائع کیں اُن میں سے شاذ ہی کوئی تقریر میں نے پڑھی اور وہ بھی اسکے کتبہ شکل میں طبع ہو جانیکے بعد سوائے اُسکے جو ”قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کے بارے میں علماء کرام کے خدشات“ کے عنوان سے ’میثاق‘ کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ اُس پر بعض بزرگوں اور دوستوں اور بعض موقر دینی رسائل و جرائد نے از خود بھی تبصرہ فرمایا اور بعض سے خود بھائی جمیل صاحب نے رائے طلب کی جس کے نتیجے میں ”مخلصانہ تنقیدوں اور خیر خواہانہ مشوروں“ کا اچھا بھلا ذخیرہ جمع ہو گیا جس پر اس محبت میں کچھ نیا و مندانہ معروضات پیش کرنی مطلوب ہیں! اور اُن سے کہ یہ تقریر بھی راقم نے میثاق میں طبع ہونے کے بعد پڑھی اس سلسلے میں اولاً ’میثاق‘ کے حوالے سے اپنی اور بھائی جمیل صاحب کی یہ طویل داستان اس لئے نوکِ قلم پر آگئی کہ ایک حد درجہ قابل احترام بزرگ ڈاکٹر غلام محمد صاحب مدظلہ نے ایک دوسری گرفت کے ساتھ جس کے بارے

میں میں بعد میں عرض کر دنگا۔) لطیف ترین الفاظ میں یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ:

”اس قسم کے اہم اور نازک موضوعات اگر آنجناب کے قلم سے تحریر ہو جایا کریں تو لفظی احتیاط اور پیرایہ بیان کی خوبی اور افزدوں ہو سکے گی!“

اس ضمن میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں صرف یہ گزارش ہے کہ ”صاحب البیتِ ادرامی بکافیہ“ کے مطابق اگر میں اپنے مافی الغیر کو خود ضبط تحریر میں لاؤں تو یقیناً وہ میرے خیالات کی ”صحیح تر، تعمیر ہوگی اور لفظی احتیاط کا معاملہ بھی کسی درجے میں ہو جائے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ”پیرایہ انہما“ کی کسی ”خوبی“ یا اس میں کسی ”افزدنی“ کا اس صورت میں بھی کوئی امکان نہیں۔ اس لئے کہ میں خود بھی بھائی جمیل صاحب کی طرح اتنی نبی کا اتنی محنت ہوں اور اس کے اعتراف و اعلان میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ الحمد للہ کہ بہت عافیت پاتا ہوں۔

اب اس سے قبل کہ میں مختلف مکاتیب و جرائد میں ظاہر شدہ آراء سے متعلق اپنی گزارشات کا آغاز کروں، ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا تہہ دل سے بالکل یکساں طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خطوط یا مضامین میں تحسین و تائید فرمائی یا تنقید و تبصرہ فرمایا اور مشوروں سے نوازا۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے تا حال کسی بھی تنقید سے قطعاً کوئی ملال نہیں ہوا۔ میرے سامنے محمد اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک کہ ”والدین الناصحہ“ ہر وقت رہتا ہے اور میں خود بھی کتنی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور دوسروں کی تنقیدوں کو بھی بالکلیہ اسی پر محمول کرتا ہوں۔ الایہ کہ کسی کا تبغض بالکل عریاں ہو کر سامنے آجائے۔ اور الحمد للہ تم الحمد للہ کہ میری زیر بحث تقریر پر جو تبصرے یا تنقیدیں ہوتی ہیں ان سے مجموعی طور پر میری اس امید میں اضافہ ہوا ہے۔ اور میری اس توقع کو تقویت حاصل ہوئی ہے کہ۔۔۔۔۔ ان شاء اللہ العزیز میں اپنے بزرگوں کے خدشات رفع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور اقامتِ دین

کی جس سعی کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے اس میں ان شاء اللہ مجھے علماءِ حق کی سرسبز
مزدور حاصل ہوگی ————— اور ان کی دعائیں یقیناً میرے شاملِ حال ہونگی
————— وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ !! ————

نیشا قسے نومبر ۱۸۸۷ء میں جو خطوط اس سلسلے میں شائع ہوئے ہیں ان میں
اولین حضرت مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب ہی کا ہے جو مولانا سید سلیمان ندوی
کے خلیفہ و معیار ہیں اور جبکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ انہوں نے میرے درج ذیل جملوں
پر گرفت فرمائی ہے:

”میں نے جہاں تک اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کو گہرائی میں جا کر
ٹھولا ہے (یعنی PROBE کیا ہے) تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ
الحمد للہ تم الحمد للہ مجھ میں انانیت اور عجب نہیں ہے اور میں
شعور سی طور پر اپنے رب کے پناہ طلب کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے
اس روگ سے محفوظ رکھے (اس لئے کہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشاد کے مطابق عجب مہلکات میں سے زیادہ مہلک اور
شدید مرنے سے ہے۔“

حضرت ڈاکٹر صاحب کی گرفت سر آنکھوں پر — اور ان شاء اللہ ان کا
تفہیم سے مزدور فائدہ اٹھاؤں گا۔ لیکن اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہیے
ہوں کہ صحابہ کرامؓ سے جہاں وہ الفاظ منقول ہیں جو انہوں نے نقل فرمائے
ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال
کے جواب میں کہ فَوَيْلٌ لِّكَ يَتِيمَ أَصْبَحْتَ؟، ایک صحابیؓ نے عرض کیا مَهْ أَصْبَحْتُ
مُؤْمِنًا حَقًّا يَا رَسُولَ اللَّهِ! ————— اسی طرح شیخ سعدیؒ کے قصے
میں بھی معاملہ تقابل کا ہے، ————— اور الحمد للہ تم الحمد للہ میرا حال یہ ہے
ہے کہ میں فی الحمد کسی بھی انسان کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہتر نہیں پاتا —
اور اپنے ساتھیوں میں سے بھی ہر ایک کو کسی نہ کسی پہلو سے اپنے سے بہتر محسوس
کرتا ہوں — پھر میرے جملوں میں صرف حال کی کیفیت پر اطمینان کا اظہار

وہ بھی اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ! — مستقبل کے لئے تو ہر حال میں صرف
 اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے — اور الحمد للہ کہ میں نے
 اُسی کا سہارا لیا ہے!!

آنخند و گم گاہ جملہ میرے لئے بہت حوصلہ افزائی کا موجب ہوا کہ :
 ”وان شاء اللہ یہ ترمیمِ خدشات، اس نوعیت کے شبہات کے ازالہ
 میں مؤثر ثابت ہوگی“ — اَللّٰهُمَّ اٰمِیْن !

دوسرا خط حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کا ہے — جو مدرسہ رحیمیہ،
 سٹی شاہ ولی اللہ، دہلی، میں شیخ الحدیث ہیں — انہوں نے میری تقریر کے مشمولات
 جس طرح کھلے دل کے ساتھ تصویب فرمائی ہے اُس پر تو میں نہہ دل سے اُن کا
 خون ہوں ہی — تحریکِ جماعتِ اسلامی، اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
 رحمہ اللہ کا ذکر انہوں نے جس معتدل اور متوازن انداز میں کیا ہے اُس سے بھی دل
 بہت اثر قبول کیا کہ علما و حق کی شان یہی ہونی چاہیے — میرے
 اُن کی حد تک دیوبندی مکتب فکر کے وہ واحد معروف عالم دین ہیں جو مولانا
 مودودی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں —
 حال ان کے اشارات، میں اقامتِ دین کی داعی جماعت کے لئے مختلف
 بلوؤں سے جو رہنمائی معجز ہے، مجھے اُس سے فی الجملہ اتفاق بھی ہے —
 یہ اپنی امکانی حد تک میں اسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔
 — بایں ہمہ یہ یاد دہانی، بھی ان شاء اللہ مزید مفید ثابت ہوگی۔

مولانا سید وصی مظہر ندوی مدظلہ، جہتم جامعہ اسلامیہ و سابق میٹر حیدر آباد
 سندھ، تنظیمِ اسلامی کے حلقہ مستشارین میں بھی شامل ہیں اور انھیں خواص القرآن
 زیر اہتمام سالانہ قرآن کانفرنسوں — اور تنظیمِ اسلامی کی تقریرات کا ہوں میں
 حصہ لینے کی خاطر بار بار لاہور تشریف بھی لائے ہیں — میں ان کا مشکور ہوں
 — انہوں نے میری گزارشات کو ”فکر انگیز“ قرار دیا — بسا اوقات ایک لفظ بھی

چوڑی بات سے زیادہ با معنی ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ ساتھ ہی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مولانا امین الحسن اصلاحی کی مددِ رحم کے بارے میں راستے پر میری ”گرفت“ کو بھی بالکل ”درست“ قرار دیا۔ اور اس طرح مولانا موصوف کے موقف سے اعلانِ برائت کر دیا۔

رہا اُن کا یہ فرمانا کہ ہم ایک یا چند غلطیوں کی وجہ سے کسی شخص کے پورے کارنامے کو مسترد کر دینا وہ اتنا ہنسندی ہے جس کے باعث ہمارے ہاں تحقیق اور فکر و نظر کی آزادی مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ ”تو گزارش ہے کہ الحمد للہ میں اس سے بری ہوں۔۔۔۔۔ میں نے اُن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ ”کم از کم اس مسئلے میں وہ نکرین سنت کی صف میں جا کر بیٹھے ہیں!“۔۔۔ اور اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ انہیں اس گمراہی سے رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ میں ہمیشہ اس کا اعتراف کرتا رہا ہوں کہ میں نے اُن کے فکر و قرآنی سے بہت استفادہ کیا ہے اور اپنی ایک طویل تحریر میں میں اپنے فہم قرآن کے چار منابع کی تفصیل درج کر چکا ہوں جن میں سے ایک فکر و فراہمی ”بروایت و وضاحتِ اصلاحی“ ہے۔۔۔۔۔ اور چند سالوں سے میں نے اس کا ذکر جان بوجھ کر ترک کر دیا ہے (جس پر مدبرِ طلوع اسلام نے بجا طور پر گرفت بھی کی ہے کہ میں نے مولانا اصلاحی اور ان کے فکر کے ضمن میں اپنی خدمت کا ذکر تو کیا لیکن اُن سے استفادے کا ذکر تک نہیں کیا!) تو اس کا ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ میں مولانا کا ایک خط بہت بڑی تعداد میں لاہور ہی نہیں پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی تقسیم کیا گیا تھا جس میں مولانا نے میرے بارے میں کچھ اُس قسم کے الفاظ تحریر فرمائے تھے کہ ”یہ شخص میری شاگردی کا ڈھنڈو اور اپنی پھرتا ہے۔۔۔۔۔ جبکہ کبھی میرا شاگرد نہیں رہا!“۔۔۔۔۔ اور نہ

واقعیہ یہ ہے کہ مولانا کی تفسیر سے میں اب بھی استفادہ کرتا ہوں اور مولانا کی دو کتابیں: ”ایکس“ و ”عوتِ دین“ اور اُس کا طریقِ کار، اور دوسری ”مبادی تدبیر قرآن“، نا حال بھی میری محبوب ترین کتابوں میں سے ہیں۔

البتہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک غلطی، بھی عظیم لحاظ
 غافل گشتہ و صد سالہ راہم ڈور شد! کے مصداق بہت بڑی گمراہی کا دروازہ
 کھول دیتی ہے۔ اور قرآن مجید میں تو بعض بظاہر نہایت معمولی سی
 بے احتیاطیوں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو بلند کر دینا، پر
 بھی ”محیط اعمال“ کی وعید سنائی گئی ہے۔ لہذا اگر خدا نخواستہ مولانا نے اپنے اس
 موقف سے رجوع نہ کیا تو واقعی اندیشہ ہے کہ ان کے شاگرد پنجابی کی ایک کہاوت:
 ”گور و جنہاں دے پڈے، چیلے جان شتر چپ!“ کے کامل مصداق بن جائیں۔
 جیسے کہ اُن کا ایک ”نیم شگرد“۔ ”و کٹوا کر یلا اور پھر نیم چڑھا!“ کی کامل مثال
 بن کر سامنے آ بھی چکا ہے!

مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور و خلیفہ
 مجاز حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحم بھی نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کے حلقہ
 مستشارین میں شامل ہیں بلکہ میں ذاتی طور پر اُن کا بہت ہی ممنون احسان ہوں۔
 ان کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی اُن کی ملاقات کے لئے حاضر
 ہوں، انہوں نے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ وافر وقت مرحمت فرمایا
 — اور دسٹرائیو کہ جب بھی اُن سے قرآن کا نفرنس یا کسی اور موقع
 کے لئے کسی مقالے یا تحریر کی درخواست کی، انہوں نے ہمیشہ اپنی گونا گوں مصروفیات
 کے باوجود وقت نکال کر فرمائش کی تکمیل فرمائی (اُن کا ایک اہم اور نہایت
 دقیق مقالہ صدر رحم کے ضمن میں اولین روایات پر مشتمل ان شاء اللہ آئندہ ماہ کے
 حکمت قرآن، میں شائع ہوگا)۔ پھر اُن کا ایک تیسرا اور بہت بڑا احسان
 راقم پر یہ ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لئے جب راقم نے بیعت جہاد کو
 اساس بنایا تو انہوں نے غلط اطلاع کی بنیاد پر جاری کردہ مخالفانہ بیان سے
 علی الاعلان رجوع فرمایا اور حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد اخباری اعلان
 کے ذریعے بھی — اور نجی خطوط کے ذریعے بھی اُس کی تائید و تصویب فرمائی۔
 اس موقع پر بھی انہوں نے نہایت مفصل تبصرہ فرما کر جو احسان فرمایا ہے اُس

کامیرے اور میرے رفقاء کے دلوں پر بڑا اثر ہوا ہے — واقعہ یہ ہے کہ آنجناب نے حلقہ مستشارین میں شمولیت کا حق ادا فرما دیا ہے۔

اُن کی تحریر کا ایک حصہ تو تائیدی ہے جس پر شکریہ ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

خصوصاً اُن کے یہ جملے تو راقم کے لئے بہت ہی موجب اطمینان ہیں کہ :

”ڈاکٹر صاحب نے بہت عمدہ اور مفصل طرح سمجھا دیا ہے کہ آج

کُل فتنے کس طرح پیدا ہوئے ہیں۔ اُن سے بچنا سب سے زیادہ فوفا

ہے، کیونکہ ایمان سب سے بڑی دولت ہے اور اسکی حفاظت سب

بڑا اور اولین فرض ہے!“

البتہ ————— نہایت ادب کے ساتھ دو امور کے بارے میں کچھ

عوض کرنا ضروری ہے :

ایک حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے قول کی تاویل کے بارے

میں، اور دوسرے — تقلید، یا غیر تقلید یا نیم تقلید کے بارے میں —

فقہ حنفی کے ماننے اور پیروی کرنے والوں کے لئے مختلف فیہ مسائل میں

اپنے مسلک کے حق میں دلائل کا جاننا — اور اپنے مدارس میں انکو شرح

و بسط کے ساتھ بیان کرنا یقیناً ایک لازمی و لا بدی امر ہے — اور کسی کے

حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ یہ کام اصلاً غلط یا فضول ہے، اسی

طرح حضرت کشمیریؒ کے شدت احساس کو کسی درجے میں اس حقیقت پر

محمول کرنا بھی غلط محض نہیں ہے کہ واقعہً نیک و پارسا اور حقیقتاً مخلص و متقی

لوگ اپنے بڑے بڑے کاموں کو بھی بیچ سکتے ہیں جیسے کہ خود آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے کہ ”وَرَبِّ اَرَبِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا“ لیکن

حضرت کشمیریؒ کے قول کو بالکل یہ اس تواضع و انکسار پر محمول کرنا درست

معلوم نہیں ہوتا — اس ضمن میں اصل کوتاہی بجائے جمیل الرحمن صاحب سے ہوئی

ہے کہ انہوں نے مولانا موصوف کے قول کے آخری اور اہم ترین حصے کو نقل نہیں

فرمایا جس سے آنجناب کے غم و اندوہ اور تأسف کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے

وَهُوَ هَذَا !

”تو جسے چیز کو دنیا میں کہیں ٹکھڑا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں“ اسی کے پیچھے بڑا کرہم نے اپنے عمر ضائع کر دی ہے اپنی قوت صرف کر دی اور جو نتیجہ اسلام کے دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام نے کرائے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضرورتیں دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے دانیاء ان کے چہرے کو مسخ کر رہی ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیلے رہے ہیں، اگر اسی پھیلے رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں!

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور عکس کر رہا ہوں کہ عرصہ ضائع کر دی“

معلوم ہوا کہ یہاں اصل معاملہ تقابلی کا ہے کہ کون سے کام اہم تھے جن کی جانب ہم اپنی اس مخصوص علمی مصروفیت و مشغولیت کے باعث توجہ نہ کر سکے! اور مقابلہ بھی صحیح اور غلط کا نہیں بلکہ ایک جانب صحیح اور اہم لیکن نسبتاً ثانوی اور دوسری جانب بدرجہا اہم تر اور حد درجہ ضروری اور اولین اہمیت کے حامل کاموں کے مابین ہے!!

چنانچہ بعینہ یہی بات تھی جس کی جانب علماء کرام کی توجہ راقم الحروف نے اپنے اس جوابی خط کے آخر میں مبذول کرائی تھی جو راقم نے مولانا الکبریت ملکانوی کے خطوط اور معاصر الخیر، ملتان میں شائع شدہ مضمون کے جواب میں لکھا تھا اور جو ”مشیقات“ کی ستمبر ۸۲ء ہی کی اشاعت میں شامل تھا کہ ”۱۱! حالات کا کھلی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کیجئے اور صورت حال کی نزاکت

کا کما حقہ ادراک فرمائیے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ احساسات تو آج سے لگ بھگ نصف صدی قبل کے ہوں گے۔ اُس کے بعد تو وقت کے دریا میں اور بھی بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ اور حالات پہلے سے کہیں بڑھ کر دگرگوں ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مغربی تہذیب کا جو سیلاب اُس وقت معاشرے میں نہایت تیزی اور تندی سے بڑھ رہا ہے اُس کا تو عثر عین بھی اُس وقت نہ تھا اور اس کی فحشیت اور اباحت پرستی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یعنی حدیث اور سنتِ رسولؐ اور اتباعِ صحابہؓ و سلفِ صالحین کے خلاف بغاوت یعنی فتنہ انکارِ حدیث و سنتِ جدید تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت میں سرایت کر چکا ہے۔ ایک جانب الحاد اور مادہ پرستی پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی کر چکی ہے۔ تو دوسری جانب بدعات اور خرافات نے باضابطہ فلسفوں اور اداروں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ منکرات و فواحش کے وہ وہ دروازے بلکہ شاہ در، کھل چکے ہیں جن کا اُس وقت کوئی تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے کہ اُس وقت تک سینما یا تھیٹر ماننے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ یا ادارہ نوجوان ہوتے تھے اور عام گھروں کے اندر صرف کانوں کی آواز بذریعہ ریڈیو پہنچی تھی جبکہ آج ٹی وی اور وی سی آر نے ہر گھر کو سینما بنا دیا ہے۔ ملکی سطح پر ایک جانب داخلی صورتِ حال دگرگوں ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں نسلی، لسانی اور صوبائی عصبیتیں پروان چڑھ رہی ہیں بلکہ بعض علاقوں میں تو نہایت خوفناک صورت اختیار کر چکی ہیں۔ دوسری جانب اگر دو پیش کے حالات اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہیں۔ چنانچہ شمال مغربی سمت سے الحاد و مادہ پرستی کی بدترین صورت یعنی کمیونزم جس نے اس صدی کے اوائل میں اس خطے کو ہمہ گیر کیا تھا جس میں ایک زمانے میں قال اللہ اور قال الرسولؐ کی صدا میں شاید دنیا بھر کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہوتی تھیں۔ اور اب اُسی صدی کے اواخر میں ہماری آنکھوں کے سامنے پونے دو کروڑ افراد پر مشتمل پوری افغان قوم کو ایک مہیب اثر و سحر کے مانند آہستہ آہستہ نکل رہا ہے۔ حتیٰ کہ اب وہ سیلاب وطنِ عزیز کے عین دروازوں پر دست

ئے رہا ہے۔ اور جنوب مشرق میں ہندو امپیرلزم کا عفریت ایک نئے جوش
 اور جذبے کے ساتھ چنگھاڑتا ہوا اُٹھ رہا ہے۔ — ان حالات میں
 واقعہ یہ ہے کہ اگر حسب سابق یہاں صرف اسلام کا نام سیاسی اور گروہی مقاصد
 کے لئے استعمال کیا جاتا رہا اور ایک حقیقی اور واقعی اسلامی دعوت و تحریک
 خالصتہً منہاج نبوت پر نہ اٹھی اور اس کے ذریعے مستقبل قریب میں بلکہ آئندہ
 چند سالوں کے اندر اندر ایک ہمہ گیر اسلامی انقلاب پاکستان میں نہ آیا اور
 حقیقی اور واقعی اسلام کی برکات سے عوام الناس کو متمتع ہونے کا موقع نہ
 ملا تو پاکستان کا نام تو نسباً منسباً ہو گا ہی — دینی درسگاہیں اور
 روحانی خانقاہیں بھی محفوظ نہیں کی۔ اور معاملہ بالکل وہی ہو گا کہ علیٰ تنہائی
 داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں! — اعادنا اللہ
 من ذالک -

ان حالات میں ہمیں اپنی ترجیحات، پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔
 — کاش کہ پاکستان کے تمام علمائے دین بالعموم اور حلقہ دیوبند کے
 متوسلین بالمخصوص اس درد بھری صدا پر کان دھر سکیں جو حضرت شاہ صاحب
 کے محولہ بالا جملوں سے اُبھر کر سامنے آتی ہے — اور اگر وہ خود
 اپنے علمی و تدریسی مشاغل سے فرصت نہ پائیں کہ خود دعوت و تنظیم کے
 کھکھیر میں پڑ سکیں یا درسگاہوں اور خانقاہوں کا پاک صاف ماحول انہیں
 اجازت نہ دے کہ وہ گندگی اور تعفن بھرے معاشرے کی صفائی کے لئے کمر بستہ
 ہوں تو کم از کم ان لوگوں کی سرپرستی تو فرمائیں جو اس کام کے لئے کمر بستہ کس
 لیں اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی اور دوسرے اور تیسرے دے کے اختلافی
 امور سے صرف نظر کرتے ہوئے خود ان کی اصلاح پر کمر بستہ ہوں -

چنانچہ یہ ہے وہ پس منظر جس میں تقلید، یا عدم تقلید، یا اس عاجز کے
 اختیار کردہ اصطلاح ”نیم تقلید“ کے مسئلے پر غور ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں
 نہایت تفصیلی گفتگو معاصر الخیر، ملتان کے مدیر جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب نے
 ایک مضمون نگار مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے کی ہے۔ چنانچہ راقم بھی تفصیلی

گزارشات ان ہی کی خدمت میں پیش کرے گا۔

جہاں تک حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ کا تعلق ہے اولاً تو راقم انکا مدد و رجوع بشکر اسے کہ انہوں نے راقم کے نظریہ ”نیم تقلید“ کی بکراہت ہی سہی کسی نہ کسی درجے میں تقویٰ فرمادی ہے، بدین لہذا:

”ماں البتہ اگر کوئی غیر مقلد ہو اور وہ ان ائمہ کو مقتدا مان کر بلا خواہش نفس مسئلہ کو رائج سمجھتے ہوئے ایسا کرنے لگے تو شاید اُس کے لئے مطلقاً غیر مقلد بنے رہنے سے بہتر ہو گا۔ کیونکہ آجکل کے علماء سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے سے یہ بہت زیادہ افضل ہے کہ ائمہ کی تحقیق پر چلے۔ رحمہم اللہ۔“

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کا ہاتھ حالاتِ حاضرہ کی نبض پر ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ صرف ”عالمِ دین“ اور شیخِ طریقت ہی نہیں ہیں بلکہ ملکی سیاست کے میدان میں بھی فعال و سرگرم ہیں: فقہی مسلک کے معاملے میں مولانا کے مزاج کے اس ”توسیع“ کا ایک اندازہ اُس وقت بھی ہوا تھا، جب تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کی ”بیعتِ جہاد“ کے ضمن میں اُن سے مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے خلیفہ المرشد مولانا عبیق الرحمن سمبلی نے جو آجکل لندن میں مقیم ہیں، سے طلب فرمائی تھی تو مولانا نے اپنے جوابی گرامی نامے میں کچھ اس قسم کے الفاظ لکھے: ”ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جماعتِ اسلامی میں جو شخص بھی شامل ہو اور تقلید کے ضمن میں تو کچھ نہ کچھ ضرور ہی نرم ہو گیا،“ راقم کے معاملے میں ”نرمی“ اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

ثانیاً۔ میں مولانا کو اپنی اور اپنے رفقاء کی جانب سے یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ ہم دین میں اپنے لئے آسانوں کی تلاش کے قائل نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تابید اور توفیق کے بھر سے پرانی الجملہ ”رخصت“ کی بجائے ”عزیمت“ کی راہ پر چلنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ فقہی مسائل میں بھی اگر کوئی ”توسیع“ ہو تو وہ ان شاء اللہ العزیز ”مہرِ مسلک“ میں سے چن چن کر آسان مسائل کے لئے لینے“ کی بنا پر نہیں ہو گا۔ بلکہ اس معاملے میں حتی الامکان اسی طرزِ عمل کو اختیار

کرنے کی کوشش کی جائے گی جسے مولانا نے اپنی تحریر میں دو مقامات پر ”مستحب“ سے تعبیر فرمایا ہے !

البتہ موقع کی مناسبت سے ایک بات نہایت اوجہ کیے ساتھ مولانا مدوح اور الکی وسامت سے جملہ علمائے دین بالخصوص متوسلین حلقہ دیوبند سے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں : اور وہ یہ کہ دین کے علم و عمل کے اس عالمگیر زوال ، — اور فتنہ و فساد اور حرص و ہوا کے ہمہ گیر غلبے کے پیش نظر کیا مکتب دعوت و اصلاح اور خود مصلحت دینی اس کی متقاضی نہیں ہے کہ رجال دین خود کمال حرم و امتیاط کے ساتھ اسی طرز عمل پر کار بند رہتے ہوئے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ، عوام کے لئے ”یُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ وَلَا يُعْزِزَ لَكُمْ الْعُسْرَ“ کی قرآنی رہنمائی اور ”لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَ“ کے فرمان نبویؐ کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کریں اور اس کے لئے ائمہ اربعہ کے دائرے کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ توسیع پیدا کریں ؟ گذشتہ سال مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ محاضرات قرآنی میں حصہ لینے کے لئے سہارت سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے رفیق کار اور معتمد خصوصی مولانا عبدالکریم پاریچھ صاحب لاہور تشریف لائے تھے ۔ تو اس موقع پر انہوں نے بھی اس ضرورت کا شدت کے ساتھ اظہار فرمایا تھا ۔ اس لئے کہ وہ بھی بفضلہ تعالیٰ دعوت و اصلاح کے میدان میں بہت سرگرم ہیں اور اس بنا پر انہیں حالات اور ان سے پیدا شدہ ضروریات کا براہ راست احساس ہوا ہے ۔

دیہاں یہ عرض کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ عوام الناس بالخصوص نیم تعلیم یافتہ ، لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ مولویوں کے پاس اپنے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے تو مفصل کتاب الحیل ، موجود ہے لیکن دوسروں کو وہ ہمیشہ سخت سے سخت فتویٰ دیتے ہیں ! میری ناچیز رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تاثر کو بالکل برعکس کر دیا جائے اور لوگوں میں یہ تاثر عام ہو جائے کہ رجال دین اپنے اوپر تو بہت سختی کرتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ نرمی اور آسانی پیدا کرتے ہیں ۔ — اور اغلباً صوفیائے کرام کی کامیابی

کارا اسی میں مغمم تھا!)۔ کاش کہ جس طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے
 معجزاتِ زندان سے کام لیتے ہوئے ”الحیلۃ الناجزۃ فی الحیلۃ العاجزۃ“
 کی صودت پیدا فرمائی اور اس پر علماء کرام کی جانب سے عمومی تصویب بھی حاصل
 فرمائی اس طرح اکابر علماء میں سے کوئی اور باہمت اور مجاہدانہ مزاج کی حامل شخصیت
 اس معاملے میں مزید اقدام کے بارے میں غور کر سکے! یہ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک
 یہ کام ہے صرف علماء کرام اور اُن میں سے بھی علم و فہم تقویٰ و تدبیر اور نہ ہر دوسرے
 کے جملہ اعتبارات سے مسلم مرتبے کی حامل شخصیت کا!

’میتاق‘ نومبر ۸۴ء میں شائع شدہ باقی پار خطوط میں سے ایک یعنی مولانا
 حافظ قاری محمد سعید الرحمن علویؒ سابق مدیر ہفت روزہ ’فہام الدین لاہور‘
 کے خط میں تو ’جواب طلب‘ بات کوئی نہیں ہے، البتہ کراچی سے ’صاحبِ ثلثہ
 (جناب خسروی صاحب، مولانا محمد عبدالبر صاحب اور جناب ایس بی علی صاحب)
 کے خطوط میں بعض امور وضاحت طلب ہیں جن پر ان شاء اللہ آئندہ کسی صحبت
 میں گفتگو ہوگی۔ سردست قارئین و میتاق سے، کی اطلاع کے لئے انا عرض ہے
 کہ اپنے گذشتہ دورہ کراچی کے موقع پر میں جناب خسروی صاحب کے در دولت
 پر حاضری دے کر بالمشافہ گفتگو کر چکا ہوں۔ اور الحمد للہ کہ اپنی تحریر میں وہ
 جس قدر تکبھے، نظراتے ہیں حقیقتاً اتنے نہیں ہیں! آئندہ سفر کراچی میں ان شاء
 اللہ مولانا عبدالبر صاحب سے بھی ملاقات کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کم
 سے امید واثق ہے کہ ان سے ملاقات بھی بہت مفید ثابت ہوگی۔

لگے ہاتھوں اس کا بھی تذکرہ ہو جائے تو غالباً کوئی حرج نہ ہوگا کہ رقم نے
 بحمد اللہ اپنے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق علماء کرام سے ملاقاتوں کے لئے کسی
 نہ کسی طرح وقت نکال کر حاضری دینے کا سلسلہ عملاً شروع کر لیا ہے۔ چنانچہ

صلیہ اس دوران میں ایک ایک خط جناب خسروی صاحب اور مولانا عبدالبر صاحب کا اور
 وصول ہو چکا ہے۔ لیکن دیگر مضامین کی طوالت اور صفحات کی کمی کے پیش نظر یہ خطوط اس
 اشاعت میں شامل نہیں کر سکے۔

گزشتہ دورہ کراچی کے موقع پر ایک نہایت مفصل اور مدور مفید ملاقات حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹوٹکی مدظلہ سے ہوئی اور راقم ان کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے بغیر کسی تکلف کے اپنے جملہ مشکوک و شبہات پیش فرماتے — اور الحمد للہ کہ راقم کی وضاحتوں پر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اسی طرح اپنے دورہ سوات، ویرا اور باجوڑ کے موقع پر راقم لگ بھگ پچاس ساٹھ میل کا اضافی فاصلہ طے کر کے تبرکاً حضرت شیخ الہندؒ کے خادم و رفیقِ زنداں حضرت مولانا عزیز گل مدظلہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اور ان سے خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور ان کی مجوزہ امامتِ ہند کے سلسلے میں مفید گفتگو ہوئی — مزید برآں میرے عالیہ دورہ کوئٹہ کے دوران ایک تو وہاں کے رفقاء نے از خود علماء کرام کے ساتھ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا تھا۔ اس پر مستزاد مولانا امین الدین مدظلہ، صدر مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، بلوچستان کے ساتھ خالص تنہائی میں نہایت مفید ملاقاتیں ہوئیں۔

ماہنامہ اور ہفت روزہ جرائد میں سے راقم کے علم کی حد تک تاحال دو ہفت روزہ رسالوں یعنی معاصرِ چٹان، لاہور اور معاصرِ تعلیم اہمدیٹ، نے تائیدی و تقویٰ شذرات لکھے ہیں جو قارئین کی دلچسپی کے لئے اس شناخت میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے مولانا عزیز زبیدی مدظلہ کا مندرجہ میرے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ میری معلومات کے مطابق وہ بھی جماعتِ اسلامی کے سابقین میں سے ہیں۔ البتہ دو ماہناموں یعنی طلوعِ اسلام، لاہور اور الخیر، ملتان نے تنقیدی مقالات شائع کئے ہیں۔

ان میں سے جہاں تک طلوعِ اسلام کا تعلق ہے اس کی ایک گرفت یقیناً درست ہے۔ بس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے اور اس کے ضمن میں راقم اپنی وضاحت بھی پیش کر چکا ہے، باقی طلوعِ اسلام کے اور ہمارے مابین نظریاتی اختلاف کی غلط اتنی وسیع ہے کہ اس ضمن میں کچھ عرض کرنے کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ ضرورت فقط یہ قرآنی ”لَا تَكُونُوا مِثْلَهُمْ“ کی دہائی، ”ہ“ کا حوالہ کافی ہے۔ البتہ الخیر

ساتھ ساتھ اپنوں کی جانب سے بھی ہر نوع کے ”طرز ملامت“ کے لئے ذہناً اور قلباً تیار رہتا ہے اور اُس کے دل پر اگر کبھی کسی کی جانب سے طال کا اثر ہوتا بھی ہے تو محض عارضی طور پر — تاہم مولانا حقانی کے اس خط نے تو اُس کا بھی کُلِیتہ سد باب کر دیا۔ جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں !!

”انجیر“ میں شائع شدہ دونوں تحریروں کے مشترک نفسِ معنوں کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے قبل ایک ”عین اتفاق“ اور ”مؤو اتفاق“ کا ذکر قارئین کی دلچسپی کا موجب ہو گا۔ وہ یہ کہ ایک روز بخیر کی جماعت کے فوراً بعد میرے ایک رفیق کار نے مجھے بیک وقت ”طلوع اسلام“ اور ”انجیر“ کے شمارے دیتے۔ میں نے جو اُن کے مضامین کو مرمری طور پر دیکھا تو ایک عجیب و غریب تضاد (SIMULTANEOUS CONTRAST) نظر آیا کہ ”طلوع اسلام“ کے مدیر کو میری پوری تقریر میں از اول تا آخر زنی اسلاف پرستی ہی اسلاف پرستی نظر آئی اور ”انجیر“ کے دونوں معنوں نگاروں کو اسلاف سے بغاوت ہی بغاوت نظر آئی اور اِیسا معاملہ وہی ہوا کہ سے

”زاد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں!“

پرچے میں ترتیب کے اعتبار سے تو اگرچہ مدیر ”انجیر“ مولانا محمد ازہر صاحب کی تحریر پہلے ہے اور مولانا حقانی صاحب کی بعد میں، لیکن جیسا کہ خود مولانا محمد ازہر صاحب نے وضاحت فرمادی ہے مولانا حقانی کی تحریر ”انجیر“ کی اکتوبر کی اشاعت سے بھی قبل ان کے پاس پہنچ گئی تھی۔ مزید برآں دونوں تحریروں کے بالاستیعاب مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں ”اصل“ کی حیثیت مولانا حقانی ہی کی تحریر کو حاصل ہے۔ لہذا ہم بھی اصلاً اُسی کے بارے میں عرض کر رہے گے۔

لے فیض کا شعر ہے۔

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناولِ شام چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت !
وہ۔ن۔ عجب اتفاق ہے کہ جس وقت راقم نے فیض کا یہ شعر اس مقام پر درج کیا اگلے روز کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ عین اُسی وقت اُسی کا جسدِ خاکی مدینِ اُتنا را جا رہا تھا۔

مولانا حقانی کی پوری تحریر کو بار بار پڑھنے کے بعد راقم پوری دیانت کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی اساس چند مغالطوں پر ہے۔ واضح رہے کہ ان مغالطوں کی وجہ راقم کے نزدیک مولانا حقانی کا تفصیری فہم ہرگز نہیں ہے بلکہ کچھ خود راقم کی اپنی کج بیانی۔ اور کچھ اس تقریر کے مرتب کی تفصیر ہے جس کی ایک مثال کا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے، یعنی یہ کہ مولانا ورثہ کشمیری کے قول کا اہم ترین حصہ نقل ہونے سے رہ گیا!۔ ان دو کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے جس کا ذکر بعد میں آجائے گا۔ بنا بریں راقم کہ لفظی نزاع میں الجھنے یا لفظ بلفظ بحث میں وقت ضائع کرنے کی بجائے مناسب سمجھتا ہے کہ ان مغالطوں کو دور کرنے کی کوشش کرے جس سے ان شاء اللہ نہایت آسانی کے ساتھ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا کوئی حصہ حل طلب باقی گیا تب بھی اس کے حل کی راہ لازماً آسان ہو جائے گی۔ اس ضمن میں رات مولانا حقانی اور مولانا محمد ازہر دونوں حضرات سے بھی درخواست کرتا ہے کہ براہ کرم اس بحث میں نہ الجھئے کہ تہاری شائع شدہ تقریر کا مطلب تو وہی تھا جو ہم نے نکالا تھا۔ اس لئے بھی کہ میں خود اپنی اور بھائی جمیل الرحمن کی تفصیر تو پہلے ہی تسلیم کر چکا ہوں۔ اور اس لئے بھی کہ کم از کم بغیر حیات لوگوں کے بائے میں تو یہ حق مسئلہ طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اپنے قول کی تاویل کا حق انہیں حاصل رہتا ہے! اور چنانچہ ”تاویل القول بما لا یضیی بہ القائل“ کو سب ہی غلط سمجھتے ہیں! اور آئندہ گفتگو کی اساس کسی شخص کے قول کے اس تاویل کو بنایا جانا چاہیے جو وہ خود کرے۔

ان مغالطوں میں اولین اور اہم ترین یہ ہے کہ میں تمام فقہی مسلک کو ختم کر کے ”ایک فقہی مسلک پر مجتمع“ کرنے اور ”مستقبل کی کسی شخصیت کو اجتہاد و مطالب کی دعوت“ کا علمبردار ہوں۔ لہذا میں سب سے پہلے اسی غلط فہمی کو رفع کر دینا چاہوں اس لئے کہ میرے نزدیک دونوں بزرگوں کی برہمی کا اصل سبب یہی ہے اصل میں یہی وہ غلط فہمی ہے جس کے بائے میں میں نے اوپر عرض کیا تھا۔ اس کا ایک خاص سبب ہے۔ وہ یہ کہ لاہور میں میری تقریریں ”مسلک“

ہیں اور بعض مسائل جن پر سابق تقریر میں مفصل بحث ہو چکی ہوتی ہے اگلی تقریر میں احسن کا صرف ایک سرسری سا ذکر ہوتا ہے اور میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اسکے ضمن میں میرا پورا موقف 'سامعین' کے علم میں موجود ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس کے سامنے میری وہی تقریر ہوگی اُس کا اس اجمال کے باعث 'مغالطے' میں مبتلا ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

یہ بات تو میری اس تقریر سے بھی سب پر واضح ہو گئی ہوگی کہ اس کے پس منظر میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی وہ رائے ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر 'تذکرہ قرآن' کی جلد چہارم میں مدرجہ کے بابے میں ظاہر فرمائی ہے اور جو راقم کے اُن سے آخری اور قطعی 'انقطاع تعلق' کا سبب بنی۔ چونکہ راقم کا ایک نہایت طویل مدت تک دلگدگ جھگڑا (ثالث صدی) مولانا موصوف کے ساتھ نہایت قریبی اور گہرا تعلق رہا ہے اور ان کے اور راقم کے بہت سے احباب اور محبتیں متعلقین مشترک ہیں۔ پھر یہ کہ ہم دونوں ایک ہی شہر میں مقیم ہیں اور ہمارے مابین 'مکانی' فصل و بعد بھی زیادہ نہیں ہے لہذا ہمارے بعض مستقل 'سامعین' بھی مشترک ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ گذشتہ دنوں اس مسئلے پر بہت سے لوگوں سے بہت 'گرم گرم' گفتگوؤں کا سلسلہ چلا۔ جس میں اُن کے حامیوں کی جانب سے بار بار ایک دلیل ناما سوال یہ کیا گیا کہ "کیا تمہارے خیال میں اب کسی نئے مجتہد کے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے؟"۔ اصل میں اس سوال کے جواب میں میں عرض کرتا رہا کہ "اس کے امکان کو میں قطعاً تو رد نہیں کرتا۔ لیکن ایسی کسی شخصیت کے لئے لازم ہوگا کہ نہ صرف علم و فضل — بلکہ تقویٰ و تدقّق اور علوم و لکھیت میں بھی اپنے دور کے عوام و خواص دونوں سے اپنا لوہا منساق"

لے حسن اتفاق سے اس 'امکان' کی تصویب مولانا عبدالحی کھنویؒ کے اس قول سے بھی ہوئی جائیگز، کے صفحہ ۲۲ پر درج ہے۔ — یعنی جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے۔ — البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جہوئے مانا ہو تو یہ درست ہے" (بحوالہ شریعت و طریقت)

یہی بات میری ایک تقریر میں (جو ایک مقامی ہوش میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی) اس طور سے آگئی کہ میں اس امکان کو خارج از بحث تو قرار نہیں دیتا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ مستقبل میں کسی ایسی شخصیت کو اٹھاؤ جو فقہی اختلافات کو بالکل ختم کر کے امت کو کسی ایک ہی مسلک پر جمع کرے۔ لیکن بحالات موجودہ یہ ایک ان ہونی سی بات ہے اور فی الوقت ہمیں یہی چاہیے کہ سلف صالحین کی پیروی کرتے ہوئے صرف اس قدر کریں کہ جلد فقہی مسالک کے لئے اپنے سینوں اور دلوں میں وسعت پیدا کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم محض فقہی مسلک کے اختلاف کی بنا پر بمن و دیگر مٹو دیگری، کاسا نماز اختیار کریں۔ اور دین کے احیاء و قیامت کی جدوجہد میں شانہ بشانہ شریک نہ ہو سکیں!

پھر یہی بات مسجد دارالسلام والی تقریر میں مختصراً اُس طرح آگئی جیسے ميثاق میں چمپی ہے۔ بہر حال میں واضح الفاظ میں مراحت کرتا ہوں کہ میرے اس قول سے مراد صرف اس درجے میں امکان، کو تسلیم کرنا ہے جس درجے میں ہم عموماً بفرض محال، کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ میں اس سے قطعی اعلان برأت کرتا ہوں کہ میں اس کا داعی یا مبلغ یا کسی درجے میں بھی مجوز و محرک ہوں! واللہ کا شکر ہے کہ دونوں بزرگوں میں سے کسی نے مجھ پر خود اس کے 'بدعی' ہونے کا الزام عاید نہیں کیا۔ تاہم میں واضح کئے دیتا ہوں کہ اپنے بابے میں کسی ایسے گمان سے پہلے میں اسے پسند کروں گا کہ زندہ آگ میں ملا دیا جاؤں، واللہ علی ما اقول وکیل!

میری زیر بحث تقریر کا بھی اصل رُخ 'تقلید' کی جانب ہے۔ اور میرے کم از کم لاہور کے مجلہ 'سامعین' تو اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ گذشتہ تقریر چھ ماہ سے میں نے سب سے زیادہ زور ان ہی نکات پر دیا ہے جو اخیر، کے ۳۹ م پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تحریر سے نقل ہوتے ہیں۔ اور جو نہایت خوبصورت الفاظ میں علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنی مشہور مشنوی اسرار و رموز میں رموز بخودی و کے ذیل میں - درمئی اس کے در زمانہ 'خطاط' تقلید از اجماع اولیٰ تراست! کے عنوان سے نظم کئے ہیں:

راہِ اَبار و کہ اس جمیعت است معنی تقلید منبطلت است

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را بر ہم ہی پیچید بساط
 ز اجتہاد عالمان کم نظر اقتدا بر رفتار محفوظ تر
 عقل ابایت ہو س فرسودہ نیست کار پا کاں از غرض الودہ نیست
 فکر شاں رسیدہ ہے باریک تر درخشاں بامصلطفے نزدیک تر

اجتہاد کے ضمن میں بھی الحمد للہ میرا ذہن بالکل صاف ہے۔ اور مجھے اپنے موقف اور ان بزرگوں کی تصریحات کے مابین کوئی تباہی، توکیا، بعد، بھی نظر نہیں آیا جن کے حوالے 'الخیر' کے زیر نظر شامے میں درج کئے گئے ہیں۔ تاہم میں مختصراً اپنا موقف اپنے ہی الفاظ میں بیان کئے دیتا ہوں :

اُن تمام مسائل کے ضمن میں جو ائمہ مجتہدین (یعنی ائمہ اربعہ) کے زمانے میں پیدا ہو چکے تھے اور اُن پر انہوں نے پوری طرح غور و فکر کر کے اپنے فیصلے ثبت فرمادیئے ہیں : اُن میں سے (۱) جن مسائل میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اُن کے ضمن میں تو میں 'اجتہاد مطلق' تو کجا بغیر جنسِ اجتہاد کے باقی رہنے کا بھی قائل نہیں — البتہ اب جن میں اُن کے مابین اختلاف رہے ہو اُن کے ضمن میں 'اجتہاد' کو اس میں دائر سمجھتا ہوں کہ اُن میں سے کسی کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے اختیار کر لیا جائے ! لیکن اُن کے دائرے سے باہر نکلنے کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا ۔

جنسِ اجتہاد، یا 'نفسِ اجتہاد' کے بقا و تسلسل کا معاملہ میرے نزدیک اُن مسائل میں ہے جو سبکی ترقی اور عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں بالکل نئی 'صورتِ معاملہ' کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں ۔

وہ سراسر اہم مغالطہ دونوں حضرات کو یہ ہوا ہے کہ میں "پانچ کے دائرے میں نیم تقلیدی مسلک کا ایک اور دائرہ" بنانے کا داعی ہوں ۔ اگر میرے الفاظ سے ایسا متبادر ہوا ہے تو میں اُس سے بھی علیٰ رُءُوسِ الاشہاد رجوع کرتا ہوں ۔ اس ضمن میں اصل معاملہ یہ ہے کہ میں صرف ایک بات کا داعی ہوں اور ایک مستدعی !

لہٰذا جب من اتفاق ہے کہ آج ۲۲ نومبر ۸۴ء کی صبح یہ تحریر سپرد قلم کر رہا ہوں — اور گذشتہ شب یعنی ۲۱ نومبر کی رات کو میں نے جناح ہال لاہور میں ایک اجتماع عام میں یہ اشعار بھی پڑھ کر سنائے، اور اجتہاد کے بارے میں بھی وہ دلائل ظاہر کی جو آگے آ رہے ہیں ۔

داعی، میں صرف اس بات کا ہوں کہ مختلف فقہی مسالک کے ملنے والے ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے سینوں اور دلوں میں وسعت پیدا کریں اور ایسا نہ ہو کہ ”قولنا صواب لیکن محتمل الخطاء و قول غیر ناخطاء محتمل الصواب“ صرف کہنے اور لکھنے میں آئے۔ اور عملی صورت یہ ہو کہ فقہی اختلافات کی بنا پر ہمارے دلوں میں بُد پیدا ہو جائے اور ہم مل جل کر شرابِ مشائے منکرات، فحشاء کے خلاف جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سعی اور طلبِ اقامتِ دین کی جدوجہد میں شریک نہ ہو سکیں۔ میری تقریر میں سارا زور اصلاً اسی پر ہے، اور بادی غور و تأمل یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اسی وسعتِ قلب، فقہی رواداری، سے حدیث نبویؐ ”اختلاف امتی رحمتہ“ راخیر، ۳۸ اور مولانا حقانی کے اپنے الفاظ ”تمام ائمہ کے مسالک برحق ہیں اور اختلاف ائمہ رحمت ہے“ راخیر، ۳۹ کی عملی تعبیر سامنے آسکتی ہے۔ — یہاں طویل اقتباس طوالت کا موجب ہوا، لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میری ان تصریحات کی روشنی میں میری مطبوعہ تقریر کے صفحہ ۷۶ کے وسط سے صفحہ ۷۰ کے وسط تک کے حصہ کو دوبار پڑھ جائے اور اس میں مولانا انور شاہ کا شبیریؒ کے اقتباس کا وہ حصہ بھی شامل کر لیں جو زیرِ نظر تحریر میں پہلے دیا جا چکا ہے۔ تو ان شاء اللہ العزیز یہ مغالطہ رفع ہو جائے گا اور میرا اصل مافی الضمیر واضح ہو جائے گا۔

اہل سنت کے متفق علیہ چار فقہی مسالک اور ان کے بانی ائمہ کرامؒ امام اللہؒ پر میں امام بخاریؒ کا اضافہ اصلاً تو اس بنا پر کرتا رہا ہوں کہ میرے نزدیک حقیقت ایمان کے ضمن میں جامع اور صحیح ترین تعبیر امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ دونوں کی تعبیرات کی جمع و تطبیق ہی سے وجود میں آتی ہے۔ ورنہ میرا ذاتی گمان بھی یہ تھا کہ اگرچہ اپنی کم علمی کی بنا پر اس پر مجازم نہیں تھا، کہ امام بخاریؒ کا کوئی مسئلہ ائمہ اربعہ کے دائرے سے باہر نہیں ہوگا، — اور الحمد للہ کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ڈوٹی نے اپنی مولہ بالا ملاقات میں پورے جزم کے ساتھ اور اہل اور استقصا کے انداز میں فرمایا کہ واقعہً ایسا ہی ہے جس سے مزید انشراح ہو۔

————— اہبتہ چونکہ مسالک اربعہ کے پیروں میں سے تو ہوا

میاں شاید احناف کے سوا شاذ ہی کسی اور مسلک کے لوگ موجود ہوں، لیکن اہل سنت کا ایک اور گروہ بڑے صغیر پاک و ہند میں معتد بہ تعداد میں موجود ہے جو غیر مقلد، یا اہل حدیث یا سلفی، المسک، الغرض مختلف ناموں سے موسوم ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سالوں کے دوران ان حضرات مشرکانہ اوصاف، ہندوانہ رسومات اور بدعات سیدہ کے خلاف نہایت مؤثر جہاد کیا ہے اور مؤثر خدمات انجام دی ہیں۔ اور اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ صرف ایک مسلک ہے کوئی تعین مذہب نہیں ہے اور اصولی طور پر اس میں کسی معین مجتہد کی تقلید خارج از بحث ہے۔ تاہم اکثر و بیشتر مسائل میں یہ حضرات امام بخاریؒ کے اجتہادات ہی کا اتباع کرتے ہیں (چنانچہ کچھ حضرات انہیں طغترۃ المقلدین بخاریؒ کے نام بھی موسوم کرتے ہیں!)۔ اور جیسا کہ میں نے اپنی زیر بحث تقریر میں عرض کیا تھا،

”اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تحریک شہیدینؒ کی سرمد میں ظاہری ناکامی کے بعد اُس کے ”باقیات الصالحات“ کے ذریعے دینِ حق کی جو خدمت بڑے صغیر پاک و ہند میں سرانجام پائی اُس میں خواہ تعداد کی کثرت اور اثرات کی وسعت کے اعتبار سے ”حنفی المسک“ علماء و اکابر کا پلڑا بھاری نظر آئے۔ حقیقت کے اعتبار سے ”سلفی المسک“ اشخاص، اداروں اور جماعتوں کا حصہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اور جہادِ حریت و استقامتِ وطن ہو یا سبھی قلبہ و اقامتِ دین، دونوں میدانوں میں ان دو مسلکوں کے پیرو شائد بشادہ شریک ہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء کے اجلاسِ جمعیت علماء ہند منعقدہ دہلی میں جہاں دہلی، دیوبند، جمہور، بدایون اور فرنگی محل کے ”حنفی“ علماء شریک تھے وہاں اہل حدیث علماء بھی موجود تھے۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد غزنویؒ کی شرکت تو عقین کے ساتھ ثابت ہے۔ اور اس ضمن میں ”آخری بات“ یہ ہے کہ اس اجلاس میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے اہلِ اہل و عیال کے اہلِ اہل پر مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ ایسے حنفی علماء و مفتی حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ایسے آزاد و محرم ایسے آزاد، شخص کا نام بیعتِ امامت ہند کے لئے پیش فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جماعتِ مجاہدین کے آخری شخص جرنیل جی سال قبل فوت ہوئے یعنی صوفی عبداللہ صاحب جنہوں نے ماموں کا بچن میں

نظیم الشان دینی مدرسہ قائم فرمایا مسئلہ ۱۱، حدیث تھے۔ ۱۱

امام بخاریؒ وہ شخصیت ہیں جن کے مرتب کردہ مجموعہٴ احادیث کو جملہ اہل سنت
 ”اصح الکتاب بعد کتاب اللہ“ تسلیم کرتے ہیں۔ مزید برآں اکابر علماء و اخاف
 نے اُن کی فتاہت کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ (مجھے خود بھی جامعہ مدنیہ لاہور میں
 ایک تقریب ختم بخاری میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس میں مولانا سید
 محمد یوسف بنوریؒ نے امام بخاریؒ کی فتاہت کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج
 تحسین ادا فرمایا تھا۔) لہذا میں نے اپنی ذات کی حد تک ”نیم تقلید“ کا جو دائرہ بنایا
 ہے اُس میں ائمہ اربعہؒ کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کو بھی شامل کیا ہے۔

ادریبی میری علماء کرام سے وہ استدعا ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا تھا
 — یعنی میں اپنی ذات کی حد تک اس اجازت کا طلبگار ہوں کہ اپنی تقلید کو ان
 و ائمہ و خمسہ کے دائرے تک وسعت دیدوں! اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس عمل
 سبب میری ایک ذاتی مشکل اور الجھن ہے جس کا ہمدردانہ احساس مجھے اندیشہ
 ہے کہ حضرات علماء نہیں کر سکیں گے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں نے کسی دینی مدرسے
 میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ”جس فقہی مسلک کا وہ مدرسہ
 ہوتا میرے دل و دماغ بھی اسی پر جازم اور راسخ ہو جاتے اور یہ مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا
 — میری مشکل یہ ہے کہ میں تو سکولوں اور کالجوں کا پڑھا ہوا ہوں۔ اس کے
 باوصف یہ اللہ ہی کا فضل و کرم ہے کہ اُس نے دین کی جانب رغبت عطا فرمائی۔
 — اور اُس کے لئے تن من و حن حتیٰ کہ اولاد و اخفاد تک کو وقف کرنے کا
 داعیہ عطا فرمادیا۔ پھر یہ بھی سراسر اُسی کا فضل و کرم کہ اُس نے مشیت و اور اس
 کی جملہ شاخوں یا SHADES کے باطل ہونے اور مسلک اہل سنت و الجمات
 کے حق ہونے پر ایسا انشراحِ صدر عطا فرمادیا کہ جس میں شک و شبہ کا کوئی شائبہ
 تک موجود نہیں، اب جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے، جو بات علماء کرام اصولی
 طور پر تسلیم کرتے ہیں وہ میرا واقعی اور حقیقی وصال بن چکا ہے یعنی یہ کہ اس
 وسیع دائرے میں شامل جملہ ائمہ فقہ و محدثین کرام کی علمی کاوشوں کو میں اہل
 کا مشترک علمی اثاثہ اور ورثہ (HERITAGE) سمجھتا ہوں۔ اور بعض مسائل
 پر اگر وہ کہیں ”مہولت“، ”ناسازم“ کی خاطر نہیں بلکہ محض اطمینانِ قلب

کے لئے سکتے ہیں مگر موقف اور ”محقق“ یہ ”قول کو چھوڑ کر کسی ایسی رائے پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں جو ہوتی ہے میری صورت ان پانچ مسلکوں کے دائرے کے اندر اندر ہے۔“

مثال کے طور پر فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی آسانی یا سہولت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا کہ میں امام کے پیچھے سب سے سب سے رکعتوں میں بھی بالکل خاموش کھڑا رہوں۔ جبکہ ائمہ اربعہ میں سے بھی بعض — اور خود امام ابوحنیفہؒ کے اجل تلامذہ میں سے امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ سب سے سب سے رکعتوں میں مقتدی بھی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے! — اس کے بالکل برعکس معاملہ ”مزارعت“ کا ہے کہ اس کے ضمن میں میں اپنے دل اور دماغ کے ہاتھوں بالکل مجبور ہوں کہ صاحبینؒ اور امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی آراء کے مقابلے میں اصلاً امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور تبعاً امام شافعیؒ کی آراء کی صحت کا اقرار ہی نہیں اعلان بھی کروں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مولانا محمد طاسین مدظلہ کا اس موضوع پر مقالہ ”پندرہ اقتسام میں ماہنامہ ”حکمت قرآن“ میں شائع کیا۔“

بہر حال یہ ہے میری وہ مشکل جس کی بنا پر میں علماء کرام سے صرف اپنی ذات کی حد تک اس ”توضیح“ کی اجازت کا طلبگار ہوں — ورنہ خدا گواہ ہے کہ کسی نئے مسلک کے آغاز یا نئے فقہ کی تدوین کا ارادہ تو کبھی کوئی امکان بھی میرے حاشیہ خیال تک نہیں موجود نہیں۔ (بلکہ یہ واقعہ عرض کر ہی دوں کہ جب مولانا اسلامی صاحب کے ”ان“ ”نیم شاگرد“ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور ایک دوسرے موقع پر ان کے بھی ایک ”نیم شاگرد“ نے میری اس بات کے جواب میں کہ ”اگر مدبر جم کے بارے میں مولانا اصلاً کے موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو معاملہ صرف ”مدبر جم“ ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک پورا نیا ”دین“ وجود میں لانا ہوگا“ — یہ کہا کہ ”ہاں یہ بالکل صحیح ہے لیکن پورا نیا دین نہیں بلکہ ”نئی فقہ“!!“ — تو واقعہ یہ ہے کہ مجھے پر کیسی طاری ہو گئی تھی!) — یہاں تک کہ جو لوگ مجھ سے ”بیعت جہاد“ کے تعلق میں منسلک ہوتے ہیں ان کے ضمن میں بھی میں نے پوری وضاحت کے ساتھ اعلان کیا ہوا ہے کہ فقہی مسلک اور تزکیہ و سلوک دونوں کے اعتبار سے وہ بالکل آزاد ہیں جس فقہی مسلک

کی چاہیں پیروی کریں — اور جس سلسلے میں چاہیں اور جس بزرگ سے چاہیں
وہ بیعتِ اہلِ شاد میں منسلک ہو جائیں — میری اطاعت فی المعروف، کے پابند
صرف دعوت و اقامتِ دین کی جدوجہد کے ضمن میں ہیں !

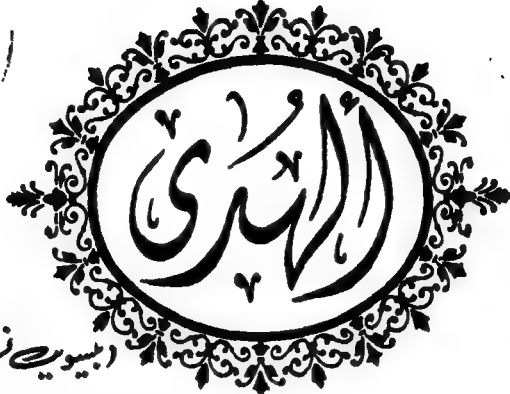
الغرض راقم کی دعوت، جس کا وہ داعی ہے وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکی اور
اپنی ذات کی حد تک میری استدعا، جس کے لئے میں علما، کرام سے مستدعی
ہوں یہ ہے جو ابھی بیان ہوئی — اس کے سوا اللہ گواہ ہے کہ نہ کوئی دعویٰ ہے نہ
ادعاء اور یہ بات میں آج کے دن تک کے لئے تو اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ پورے
جزم و انشراح کے ساتھ کہہ سکتا ہوں — آئندہ کے لئے صرف اُمتی کی حفاظت
و صیانت پر بھروسہ اور تکیہ ہے ۔

متذکرہ بالا دو غلط فہمیوں کی بنا پر جو مقدمہ، بجا طور پر ہر دو حضرات کو پہنچا اُس
کے زیر اثر جو تلخ باتیں ان حضرات کے قلم سے صادر ہو گئیں ۔ اُن پر گفتگو کو میں
لا حاصل ہی نہیں مفسر سمجھتا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ دو مغالطے رفع ہو گئے تو
ان شاء اللہ ساری برہمی، از خود ختم ہو جائے گی ۔

البتہ ایک بات ایسی ہے کہ جس پر ان شاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں فیصلی
گفتگو ہوگی ۔ اور وہ ہے مولانا مودودی مرحوم اور تحریکِ جماعتِ اسلامی
کے بارے میں میری رائے اور اُن کے ساتھ میرے تعلق کی نوعیت ! — اس پر چونکہ
جناب خسروی صاحب اور بعض دوسرے مکتوب نگاروں نے بھی خاصی طبع
آزمائی، فرمائی ہے لہذا اس ضمن میں تفصیلی وضاحت میرے ذمہ ہے —

آخر میں دست بردار ہوں

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَا تَخْوَضْنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ
رَّحِيمٌ ه رَبَّنَا وَفَقْنَا لِمَا تَحِبُّ وَتَرْضَى وَاعْزِزْنَا مِنْ
مَشْرُورِ أَعْيُنِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا وَاجِرْنَا مِنْ
خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ — آمين يارب



(بسیویہ نشست)

ایمان اور اس کے ثمرات

سُورۃ تغابن کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلی ویژن کے دروس قرآن فی کاسلسہ

السلام علیکم - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد :

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم
 یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۝ لَهُ الْمُلْكُ
 وَلَهُ الْاِحْدَیْنِ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ
 فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ۝ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ خَلَقَ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۝ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ مُسَوِّرَکُمْ ۝
 وَاِلَیْهِ الْمَعِیْرَ ۝ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ وَیَعْلَمُ مَا
 تَسْتُرُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ اَبْدَانِ الْعِزِّ وَرَّ

صدق اللہ العظیم

"اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے
 پادشاہی اسی کی ہے اور کل شکر و ثنا اور تعریف بھی اسی کے لئے ہے۔ اور وہ ہر چیز

پر قادر ہے۔ اسی نے ہمیں تخلیق فرمایا تو تم میں سے کچھ دانت کا انکار کرنے والے ہیں اور کچھ دانت کو مانتے والے ہیں۔ اور جو کچھ تم اس دنیا میں اکر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہاری نقشہ کشی کی اور بہت اچھی نقشہ کشی اور صورت گری فرمائی۔ اور (ہمیں) انہی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور اللہ سینوں میں پوشیدہ رازوں کا بھی جاننے والا ہے۔

معزز حاضرین و محترم ناظرین!

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں ہو رہا ہے، اس کا ساٹواں سبق سورہ تغابن (مکمل) پر مشتمل ہے۔ جو قرآن حکیم میں اٹھائیسویں پارے میں ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی چار ابتدائی آیات کی تلاوت ابھی آپ نے سماعت فرمائی اور ان کا ترجمہ بھی آپ نے سنا۔

قرآن حکیم کی چھوٹی سورتوں میں میرے مطالعہ اور غور و فکر کی جذبات انگ ایمان کے موضوع پر جامع ترین سورت، سورہ تغابن ہے۔ یہاں پھر یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ایمان سے مراد قانونی یا فحقی ایمان نہیں ہے۔ جس کی بنا پر اس دنیا میں ہم ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ بلکہ ایمان حقیقی مراد ہے جو عبارت ہے قلبی یقین سے۔ جو نور ہے جیسا کہ ہم سورہ نور کی آیات نور میں دیکھ چکے ہیں جس سے انسان کا باطن منور و روشن ہو جاتا ہے، جس کا اصل مرکز و مقام اور محل قلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصحف میں سورہ تغابن کے متعلق قبل سورہ منافقون ہے۔ منافقین کے بارے میں یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ قانوناً وہ بھی مسلمان شمار ہوتے تھے۔ دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ مسلمانوں کا سا ہوتا تھا لیکن وہ ایمان کی حقیقی روشنی اور نور سے محروم ہوتے تھے۔ اس طرح سورہ منافقون کے بعد سورہ تغابن کو لاکر گویا قرآن مجید میں تصویر کے دونوں مغز کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

سورہ تغابن کی کل شانوارہ آیات ہیں جو دور کو عوں میں منقسم ہیں۔ یہ بڑی عجیب و دل کش تقسیم ہے۔ پہلے رکوع کی دس آیات میں سے پہلی سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کا بیان ہے — ایمان باللہ، صفات باری تعالیٰ، ایمان بارسالت اور ایمان بالآخرہ یا ایمان بالمعادہ۔ پھر اگلی تین آیات میں ایمان کی نہایت زوردار دعوت ہے کہ یہ حقائق ہیں، ان کو تسلیم کرو، انہیں حوزہ جاں بنو۔ ان پر یقین سے اپنے باطن کو منور کرو۔

دوسرے رکوع کی کل آٹھ آیات ہیں، ان میں بھی یہی تقسیم ہے کہ پہلی پانچ آیات میں ایمان کے جو ثمرات ہیں، ایمان کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں جو تبدیلیاں پیدا ہونی چاہئیں، ان کا بیان ہے۔ اہل آخری تین آیات میں ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کی نہایت زوردار اور مؤثر ترغیب و تشریح ہے۔ اس طرح ہم انشاء اللہ اس سورۃ مبارکہ کا مطالعہ چار نشستوں میں مکمل کر سکیں گے۔

اب آیت پہلے حصہ کی جانب۔ ابتدائی چار آیات میں ایمان باللہ کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمال کا بیان۔ اسی موقع پر ایک اصولی بات ذہنی نشین کر لیجئے وہ یہ کہ ایمان اصلاً نام ہے ایمان باللہ کا۔ اصولی اعتبار سے، علمی اعتبار سے، لغوی اعتبار سے ایمان کی جو بنیاد اور جڑ ہے وہ ایمان باللہ ہے۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت درحقیقت ایمان باللہ کی فروغ ہیں۔ اس کی شاخیں ہیں، اسی کی تشریحات (COROLLARIES) ہیں۔ چنانچہ ایمان بالوحی، ایمان بالغیرت، ایمان بالرسالت اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کا منظر ہے۔ ایمان بالآخرت ایمان بالمعاد اللہ تعالیٰ کی صفت عدل، اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی الحیب کا منظر ہے۔ وہ حساب لینے والا ہے اور حساب کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے۔ اسی صفت کا ظہور درحقیقت آخرت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل ایمان، ایمان باللہ ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی پہلی چار آیات میں ایمان باللہ کا بیان نہایت معجزانہ اسلوب و انداز میں غایت دسبے اختصار کی جامعیت کے ساتھ ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ، اب یہاں پہلے لفظ تسبیح کو مان لینا چاہیے۔ اگرچہ اس کے جوہام معنی فہن میں فوری طور پر آتے ہیں وہ یہ اقرار ہے کہ اللہ پاک ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؛ مَسْبُوحٌ یُسَبِّحُ عربی میں کسی چیز کے تیرنے کو کہتے ہیں۔ یاد وہ پانی کی سطح پر تیر رہا ہے یا وہ فضا یا خلا میں تیر رہا ہے اپنے مدار پر اپنی سطح کو برقرار رکھتے ہوئے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید میں یہ الفاظ ایک مقام سے زائد مقامات پر دیکھے ہوں گے اَنْ تَقِفَ فَلَکَ یُسَبِّحُوْنَ۔ یہ تمام اجرام کا وہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ یہ فعل لازم ہے اس سے فعل متعدی بنے گا تیرنا۔ کسی شے کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ یہ ہے مَسْبُوحٌ یُسَبِّحُ۔ اللہ کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا جو مقام بلند ہے، اس کی جو اعلیٰ دار نفع شان ہے، اتنے اس پر برقرار رکھا جائے۔ اس کی ذات اقدس اور صفات اکمل کے ساتھ کوئی ایسا تصور شامل نہ کر دیا جائے جو اس کے شایان شان نہ ہو۔ کوئی ایسا تصور اس کی ذات و صفات

ہے کہ اگر کوئی تصویر بنایتا ہے۔ فن مصوری کا شہ پارہ ہے تو درحقیقت وہ تصویر اپنے وجود سے اپنے مصور کے کمال فن کو ظاہر کرتی ہے۔ تخلیق اگر کامل ہے تو اس سے خالق کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ لہذا یہ کل کائنات، یہ کل مصنوعات، یہ کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اکمل و انتم اور صفت صورت گیری کے مظاہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ سورۃ حشر کی آخری تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے چودہ صفاتی اسمائے حسنیٰ آتے ہیں۔ اللہ کے صفاتی نام ہائے گرامی کا ایسا حسین گلدستہ کسی اور مقام پر نہیں آیا ہے۔ ان اسمائے حسنیٰ میں تین نام نامی آج کی گفتگو سے متعلق ہیں۔ الخالق، الباری اور المصور۔ اللہ تخلیق کی منصوبہ بندی کرنے والا، اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گیری و نقشہ کشی کرنے والا بھی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کل کائنات اور کل موجودات کا الخالق، الباری اور المصور اللہ سبحانہ کی ذات اقدس ہے اور اگر یہ تخلیق و تصویر کامل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ ملک میں چیلنج کے انداز میں ارشاد فرمایا: **يَوْمَ يُخْلِقُ الْاَرْضَ مِنْ تَحْتِهَا نَجُوجًا فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْتَظِبْ اَيْنُكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ** تم ہماری تخلیق میں کوئی نقص تلاش نہ کر سکو گے ذرا پاروں عرف نہ روڈز آؤ تمہیں کہیں کوئی رخنے نظر آتا ہے، ذرا دوبارہ دیکھو۔ کہیں کوئی نقص اور عیب کی نشان دہی کر سکتے ہو، تمہاری نگاہیں تھک بار کر لوٹ آئیں گی تم ہماری اس تخلیق میں کوئی نقص اور عیب نہ نکال سکو گے۔ تو بے عیب اور نقص سے منزہ کون ہے، وہ مہستی کہ جس نے ان سب کو پیدا فرمایا، جو اس کا خالق ہے، جو اس کا مدبّر ہے جو اس کا مصور ہے۔ یہ ہیں معنی و مفہیم **يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ** کے۔ آگے چلتے اسی آیت میں ارشاد فرمایا: **لَهُ الْمُلْكُ**۔ بادشاہی اسی کی ہے، اس پوری کائنات کا حکمران حقیقی وہی ہے۔ بقول علامہ اقبال ~

سروری زیرِ بافت اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

De-Jure وہ بھی اس کائنات کا پادشاہ ہے یعنی حکمرانی فقط اس کا استحقاق ہے اور De-facto بھی پادشاہی اسی کی ہے۔ فی الواقع پادشاہ حقیقی اسی کی ذات ہے۔ لہٰذا میں صرف حار لام، لام استحقاق کے معنی بھی دے رہا ہے اور لام تمیز کے بھی، جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیار بخشا ہے اور وہ اپنے اس اختیار سے ادھر یا ادھر چلنے کا فیصلہ کرتے

ہیں تو ہم اگر صحیح معنی سے غور کریں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ ہمارا اپنا پورا وجود بھی اللہ کے قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ ہم خود اپنے وجود پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم اس بات پر بھی قادر نہیں ہیں کہ اپنے جسم کے کسی حصے پر بال کی روئیدگی کو روک سکیں۔ ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب چاہیں اپنے قلب کی حرکت کو روک دیں اور جب چاہیں اسے رواں کر دیں۔ ہم آنکھ سے منہ کا کام نہیں لے سکتے اور کان سے دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے، معلوم ہو گا کہ ہمارا یہ وجود بھی ہمارے حکم کے تابع نہیں ہے۔ وہ بھی اتنی پادشاہ حقیقی کا حکم مان رہا ہے۔ لَہُ الْمُلْکُ۔

اُسے ارشاد فرمایا، وَکُلُّ الشَّیْءِ عِنْدَہُ بِحَسَبِ اَمْرٍ اور کل حمد بھی اتنی کے لئے ہے، حمد کے لفظ کی اس سے قبل سورہ فاتحہ کے درس میں تشریح بیان ہو چکی ہے کہ حمد، محبوب ہے شکر و ثناء دونوں کا، کُلُّ شکر اسی کے لئے ہے۔ کُلُّ ثناء اسی کی ہے۔ اس پر اے سلسلہ کون دسکان میں جہاں کہیں کوئی خیر و خوبی، کوئی بھلائی، کوئی حسن، کوئی کمال نظر آ رہا ہے تو اس کا منبع و سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات والا صفات ہے لہذا تعریف کا حقیقی سزاوار وہی ہے۔ اسی طرح ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہو رہا ہے جو انتفاع ہو رہا ہے، جو افادہ ہو رہا ہے وہ چاہے بہت ہی طویل سلسلہ اسباب سے ہو کہ ہم تک پہنچ رہا ہو لیکن اصل مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا شکر کا حقیقی مستحق و مستوجب وہی ہے۔

اُسے چلے اچھی پہلی ہی آیت کا بیان ہو رہا ہے ارشاد فرمایا، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یہاں پہلی آیت ختم ہوئی۔ اور وہ تقویر و جل ہر چیز پر قادر ہے اس سے قبل ایک درس میں عرض کیا جا چکا ہے کہ معرفت الہی کے ضمن میں جہاں تک ذات باری تعالیٰ کا تعلق ہے، وہ ہمارے فہم، ہماری قوت، تمثیل، ہماری قوت و اہم سب سے وراد الوراثم و ذل الوراثم ہمارا اللہ تعالیٰ کو جاننا اور پہچاننا کُلُّ کُلُّ اس کی صفات کے حوالے سے ہے۔ صفات کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا QUALITATIVE ASPECT ہے۔ اس کی کیفیت۔ وہ عظیم ہے، وہ قدیر

لہ امت مسلمہ کے سب سے بڑے عارف باللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے العجز عن حدك، الذات اذک، و اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور اک سے عاجز ہو جانا ہی اصل اور اک ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گروہ لگائی کہ اذ لی بحث عن کتہ الذات اشراقی۔ اللہ کی ذات کی حقیقت جاننے کے لئے بحث و تحقیق شرک ہے۔ (۱) تب

ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ ایک QUANTITATIVE ASPECT ہے۔ اس کی کیت۔ وہ کتنا ملیم ہے، وہ کتنا قدیر ہے، وہ ہمارے ذہن و شعور اور فہم و ادراک سے ماورائے ہے، ہمارے ذہن کے چھوٹے سے سانپے میں جو محدود ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات مطلقہ اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں آسکتیں۔ لہذا ہمارے لئے پناہ گاہ ہے ایک لفظ کل۔ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے پہلے رکوع کی آیت ان الفاظ مبارکہ پر ختم ہوگی۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنا ہے، گویا صفات باری تعالیٰ کے ضمن میں ہماری پناہ گاہ لفظ کل ہے۔ اسی لئے میں نے اس کو تلاوت کرتے ہوئے زور دے کر ادا کیا تھا۔

انگی آیت کے آغاز میں فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ۔ اب غور فرمائیے۔ پہلی آیت تمہید بنی اور اب پس منفر شروع ہوا وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، اور تم سب کو پیدا کیا گوروں کو بھی، کالوں کو بھی، مشرق کے رہنے والوں کو بھی، مغرب کے رہنے والوں کو بھی۔ تو کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم میں سے بعض کا قرم میں اور بعض مومن ہیں، فَبَشِّرْهُ بِمَا كَانُوا يَنْصَرُونَ۔ چونکہ اس نے ارادے اور عمل کی انسان کو متعویضی سی آزادی دی ہے۔ اور یہ آزادی ابتداء و ازمانہ کے لئے ہے جیسے سورہ ملک میں فرمایا: الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَخْسَنُ مَعۡلُوۡدٍ اللہ ہی ہے جس نے موت و حیات کے سلسلے کو ایجاد فرمایا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کون کر لے والا ہے۔ سورہ دہر میں فرمایا اِنَّا هٰدِيۡنٰہُمۡ لِطَبۡیۡلٍ اِمَّا شَاكِرٌ اِمَّا كَفُوۡرٌ ہم نے اے دہایت کا راستہ دکھا دیا اب وہ خواہ شکر گزار بندہ بنے خواہ ناشکرا اور انکار کرنے والا بنے۔ اسی اختیار کا ظہور اس طرح ہوا ہے کہ کچھ اہل کفر کرنے والے ہیں اور کچھ اس کو ماننے والے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ روش اور یہ رویہ بے نتیجہ نہیں رہے گا۔ لہذا مطلع فرمادیا: وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس میں ایک دھمکی اور ایک بشارت معصم ہے۔ جو لوگ اہل کفر کے منکر ہوں گے۔ باغی ہوں گے۔ جو سرکش اور شمر تو ہوں گے۔ جو ناشکرے ہوں گے، جو اہل کفر کریں گے اور جو اس کے ساتھ شرک کریں گے، ان کو وہ سزا دے گا۔ یہ آیت کے اس منظرے میں دھمکی والا مفہوم ہے۔ بشارت والا مفہوم یہ ہے کہ جو اس کے شکر گزار بندے ہونگے جو اس کو ماننے والے ہوں گے، جو اس کی معرفت سے اپنے قلوب و اذان کو منور کریں گے، ان کو وہ جزا دے گا، ان کو وہ انعام و اکرام سے نوازے گا۔

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا: **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ**۔ اس نے یہ آسمان اور زمین جو پیدا فرماتے تو بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کئے بلکہ بالحق پیدا فرماتے۔ ایک مقصد کے ساتھ پیدا کئے۔ اب اس مقصد کا ظہور تمہاری زندگی میں کس طرح ہوگا؟ **وَصُوِّرَكُمْ فَاَحْسَنَ**۔ **صُوِّرَ** کلمہ تم اس تخلیق کا نقطہ عروج ہو۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، نہیں کسی ظاہری اور باطنی استعدادات سے اس نے نوازا ہے۔ نہیں اس نے **فِيْ اَحْسَنَ تَقْوِيْمٍ** تخلیق فرمایا ہے، تمہاری صورت گری کی ہے اور ناک نقشہ عطا فرمایا ہے اور کیا ہی عمدہ اور خوب ترین نہیں شکل و صورت دی ہے۔ تو کیا تمہاری تخلیق عبث ہوگی کیا بس کھانا پینا، زندہ رہنا اور مر جانا ہے؟ یہی تمہاری کل حقیقت ہے!! نہیں بلکہ **وَالِیْہِ الْمَصِيْرُ** اور اس کی طرف لوٹنا ہے یہ لوٹنا جواب دہی کے لئے ہوگا، نہیں محاسبہ کرنا ہوگا، تمہارا مقام اور تمہارا رتبہ دوسری مخلوقات اور حیوانات جیسا نہیں ہے۔ تم اشرف المخلوقات ہو۔ لہذا تمہاری ذمہ داری بھی زیادہ ہے، نہیں جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہاں آپ نے دیکھا کہ مضمون تدریجاً ایمان باللہ سے ایمان بالآخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔

آج ہم ان تین آیات کی مختصر تشریح پر اکتفا کریں گے۔ اب آپ کو آج کے سبق کے ضمن میں کوئی سوال، کوئی تشریح و تصریح، کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

مسوال: ڈاکٹر صاحب! العلیم اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالہ میں سے ایک صفت ہے، کیا اس کے جوتے جوتے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے حساب لے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جہاں اعلم ہے وہاں وہ قائمنا بالاعتدال بھی ہے۔ وہ العادل اور المنصف بھی ہے وہ الحکیم بھی ہے۔ لہذا اس کی ان صفاتِ کمالہ کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی جو اختیار دیا ہے تو ظاہرات ہے کہ اس اختیار کے صحیح استعمال کا بھی امکان ہے اور غلط استعمال کا بھی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صحیح استعمال پر جزا ملنی چاہیئے، غلط استعمال پر سزا ملنی چاہیئے۔ لہذا یہ تو عقلی اور منطقی طور پر ضروری ہے کہ حساب ہو۔ انگریزی کا مشہور قول ہے کہ:

“Justice should not only to be done, but it should also appear to have been done”

وَأَنْزَلْنَا الْحَائِدَ
فِي جَبَلٍ شَدِيدٍ
وَمَنْفَعٍ لِلنَّاسِ
(الحید ۲۵۱)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے
اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔



اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ
۳۲۔ ایس پرس روڈ۔ لاہور

علماء کرام کے لیے توجہ طلب مسئلہ!

— از : مولانا محمد طاسین صاحب، کراچی —

اس توجہ طلب مسئلہ سے میری مراد وہ مسئلہ ہے، جو پاکستان میں نظام بنکاری کی اس نئی شکل کے حوالے سے وجود میں آیا ہے جس کے مطابق مغربی موجودہ نظام بنکاری کو تبدیل کیا جانے والا ہے اور تبدیل اس بلند بانگ دعوے کے ساتھ کیا جانے والا ہے کہ نظام بنکاری کی یہ نئی متبادل شکل غیر سودی اور اسلامی ہے باوجودیکہ موجودہ رائج شکل جسے سودی اور غیر اسلامی تسلیم کر لیا گیا ہے اور قائم کی جانے والی نئی متبادل شکل میں کوئی حقیقی، جوہری اور بنیادی فرق نہیں دونوں اپنے اجزاء ترکیبی، اصول و قواعد، غرض و مقاصد اور اپنے عملی اثرات و نتائج میں برابر و یکساں ہیں۔

اگر کسی چیز کا محض نام بدل دینے اور الفاظ کے تغیر و تبدل سے اس چیز کی حقیقت اور خاصیت بدل سکتی اور اس کا شرعی حکم مختلف ہو سکتا ہے تو پھر بنکاری کی یہ نئی متبادل شکل بھی غیر سودی اور اسلامی ہو سکتی ہے لیکن چونکہ ایسا کبھی نہیں ہو گا نہ ہرگز نہ رائج ہونے سے نہ ہرگز نہ رائج اور سیاہ کو سفید کہنے سے سیاہ سفید بن گیا ہو لہذا جو معاملہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ربا اور سود ہے وہ شرکت اور مضاربہ کہہ دینے سے کبھی شرکت و مضاربہ نہیں بن سکتا اور نہ وہ حرام ہے حلال ہو سکتا ہے۔

بہر حال جہاں تک میرے مطالعے اور علم و فہم کا تعلق ہے میں نظام بنکاری کی نئی مجوزہ شکل کو بھی سودی اور غیر اسلامی سمجھتا ہوں لیکن چونکہ یہ مسئلہ اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے اہم اجتماعی مسئلہ ہے لہذا میری گزارش ہے کہ محقق علماء کرام اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں اور اس کے تمام پہلوؤں کا تحقیقی اور تفصیلی جائزہ لے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتماعی اجتہاد کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ بنکاری کی

یہ جو نئی مجوزہ متبادل شکل ہے غیر سودی اور اسلامی ہے۔ یا سودی اور غیر اسلامی! اگر اجتماعی فیصلہ اس کے سودی اور غیر اسلامی ہونے کا ہو تو پھر اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر اس کا اظہار و اعلان کیا جائے تاکہ مسلمان سودی کو غیر سودی اور حرام کو حلال سمجھنے کے دھوکے اور مناظرے سے بچ جائیں اور اسلام کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ ہو جس سے اس کی عظمت شان پر کوئی حرف آ سکتا ہو۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر اس نئے متبادل نظام بنکاری کو غیر سودی اور اسلامی کے نام سے نہ پیش کیا جاتا تو نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا اور نہ علماء کو اس کا ٹوٹس لینے، اس کی طرف توجہ دینے اور اس پر بحث و تحقیق کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی، آخر موجودہ نظام بنکاری بھی تو ایک زمانہ سے قائم اور چل رہا ہے۔ علماء نے کب اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اسے ایک مسئلہ بنایا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس نئے مجوزہ نظام بنکاری کو پورے زور و شور کے ساتھ غیر سودی اور اسلامی کے عنوان سے متعارف کرایا جا رہا ہے جو حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے، اور پھر اس غلط بیانی کو بھی نظر کیا جاسکتا تھا اگر نظام بنکاری میں اس نئی تبدیلی سے یہ توقع ہوتی کہ اس کے ذریعے معاشرہ کی موجودہ معاشی حالت میں خوشگوار تغیر و تبدل ظاہر ہوگا اور اس معاشی ناہمی اور اقتصادی آؤ پیچ نیچ میں کچھ کمی نمودار ہوگی جو اس وقت ہمارے معاشرے میں تشویشناک حد تک پائی جاتی اور بکثرت معاشرتی برائیوں کا باعث ہے۔ بالفاظِ خود اس تبدیلی سے عام آدمی کی معاشی پریشانی کچھ کم ہو کر اسے فائدہ پہنچے گا اور اس کی معاشی حالت بہتر ہوگی، لیکن یہ تبدیلی ایسی ہے جس میں کسی ایسی توقع کی صلاحیت نہیں، اس کے بعد بھی معاشی صورت حال ویسی ہی رہتی ہے، جیسی اس وقت موجودہ بلکوں سے تعلق رکھنے والی دولت کی گردش انہی لوگوں تک محدود رہتی ہے جن تک اس تبدیلی پہلے محدود ہے۔ جس طرح موجودہ نظام بنکاری سے ایک طرف ان کماتہ دار افراد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جو ضرورت سے زائد مال رکھتے اور اسے مزید بڑھانے کی غرض سے بنک کو دیتے ہیں اور دوسری طرف ان متمول کاروباری لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو اپنے متول میں اضافہ کر کے لیے بنک سے سودی خرچے لینے اور کاروبار چمکاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اس نئے نظام بنکاری کا فائدہ بھی انہی مذکورہ دو قسم کے لوگوں تک محدود رہتا ہے۔

ایک عام آدمی جو اپنے پاس بنک میں کھاتہ کھولنے کے لیے ضرورت سے زائد مال نہیں رکھتا، باجود اداری کی وجہ سے بنک سے قرض نہیں لے سکتا۔ ظاہر ہے کہ اُسے اس متبادل نظام بنکاری سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور چونکہ ایسے افراد کی تعداد معاشرے میں تو بے فیصد سے کم نہیں لہذا یہ تبدیلی معاشرے کی عظیم اکثریت کے لیے بیکار اور غیر مفید ثابت ہو کر رہے گی۔

غرضیکہ اس میں بھی خواہاں اسلام کے لیے تشویش اور نگر مندی کا پہلو یہ ہے کہ اسلام کے نام پر کی گئی اس تبدیلی سے جب معاشرے کی موجودہ معاشی حالت میں کوئی خوشگوار تغیر رونما نہ ہوگا اور عام آدمی کی معاشی پریشانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی تو مخالف اسلام سوشلسٹ قسم کے لوگوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا فہمیت موقع ملے گا اور وہ جاہل عوام کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے کہیں گے کہ اسلام کا معاشی نظام بھی بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے جو عزیز عوام کے مقابلہ میں سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرتا اور ان کی بہتری اور ترقی چاہتا ہے۔ سوائے حدت و خیرات کے اُس کے پاس معاشی لحاظ سے پسماندہ عزیز عوام کے لیے اور کچھ نہیں۔ تم نے دیکھ لیا اسلام کے نام سے یہاں جو معاشی رد و بدل ہوتا، اُس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچا، جبکہ اس کے مقابلہ میں سوشلزم کا مقصد مہدوی معاشی حالت بہتر کرنا اور تہوار سے لیے ترقی کے مواقع مہیا کرنا ہے اور اس کا روشن ثبوت وہ معاشی حالات ہیں، جو سوشلسٹ ممالک کے اندر عملی طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہاں ہر ایک کے لیے غذا، لباس، مکان، اور مفت تعلیم اور علاج کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے پروپیگنڈے سے غریب عوام کا متاثر ہونا اور پھر اسلام سے دُور اور سوشلزم کے قریب ہو جانا ایک قابل فہم اور قدرتی امر ہے۔ نیز اس سے اسلام کی نیک نامی پر مضر اثر پڑنا بھی قدرتی بات ہے۔ بنا بریں ضروری ہو جائے، کہ کہ علمائے کرام، اسلام کے نام سے کی جانے والی اس قسم کی فضول معاشی تبدیلیوں کا نوٹس لیں اور ان کی صحیح شرعی حیثیت واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے مضرات و نقصانات سے آگاہ کریں۔ اور اگر تساہل وغیرہ کی وجہ سے علماء کرام ایسا نہیں کرتے اور خاموش رہتے ہیں تو آگے چل کر اس کے جو بُرے نتائج و عواقب سامنے آئیں گے

اُن کا بہت بڑی مددک علماء کرام کو ذمہ دار گردانا جائے گا اور انہیں اس کا بُرا نمیا جھگتنا پڑے گا۔

راقم المحروف اپنے علماء کرام کے سامنے نظام بنکاری کی نئی متبادل شکل کی تفہ و وضاحت سے پہلے ایک بات اپنے ارباب اقتدار کی خدمت میں بھی اخلاص و درء کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آج اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مازع و کش مکش کے نتیجہ میں دنیا بھر کے اندر عموماً اور ہمارے ارد گرد خصوصاً جو حا پائے جاتے ہیں، اُن کا تقاضا ہے کہ ہم پاکستان میں اسلام کے نام سے جو معاشی او تجویز کریں اور جو تہدیلیاں عمل میں لائیں وہ ایسی ہونی چاہئیں جن سے پچھلے درجہ پسماندہ معاشی حالت بہترین سکتی اور اس غیر فطری معاشی نشیب و فرازا او پچ نیچ میں کچھ کمی آسکتی ہو، جو اس وقت ہمارے پاکستانی معاشرے میں موجر اور بے شمار معاشرتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی برائیوں اور اخلاقی بد عزائیوں کا سبب اور منبع ہے اور جس کے ہوتے ہوئے معاشرے کو بُرائیوں سے پاک کرنے کی متنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی اور معاشرے کو صحیح منوں میں اسلامی بنانے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

ایسی معاشی اصلاحات اور تبدیلیوں سے ہمیں احتراز برتنا چاہیے جو جودی اور سطحی قسم کی ہوں اور جن کا فائدہ عظیم اکثریت کی بجائے ایک معمولی اقلیت کو پہنچتا اور دولت و ثروت میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہوں، دیکھا جائے تو نظام بنکا میں مجوزہ تبدیلی اور اصلاح بھی اسی قسم کی ہے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

بلاشبہ ایک اسلامی معاشرے سے ربلا و سود کا قمع کرنا از بس ضروری ہے لیکن اسے قمع کرنے سے پہلے یہ جاننا اور متعین کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ربلا اور سود کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت کیا ہے اور کیا نہیں؟ اور یہ کہ جس ظلم و استغلال کی وجہ سے ربلا کو تشہد آن و حدیث نے حرام ٹھہرایا ہے و نظام بنکاری کے علاوہ معاش کے دوسرے شعبوں مثلاً تجارت، صنعت اور زراعت میں کہاں کہاں اور کن کن شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو اسلام کے مطابق معاشرے کی اصلاح کرنا اور اس کے اندر معاشی تبدیلیاں

عمل میں لانا چاہتے ہوں اُس حکمت عملی اور حکیمانہ طریق کار کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ جسے ایک فاسد اور بگڑے معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں پوری طرح ملحوظ و تدبیر نظر رکھنے کی اسلام میں تعلیم اور تائید ہے۔ اور جس کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بگڑے معاشرے کی تدریج اصلاح فرما کر اس کا پورا احوال چھ بدلا اور امت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ اُس نے مصلحین جب بھی کسی بگڑے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہیں تو میری اس حکمت عملی اور سنت کو پوری طرح سامنے رکھیں اور اس کے مطابق اصلاحی تبدیلیاں عمل میں لائیں تاکہ جو اسلامی تبدیلی عمل میں آئے استحکام و پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور خالف رد عمل سے اُس کا فائدہ نقصان سے نہ بدلے جو ہمیشہ فائدہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہو کر رہے۔

یہاں تک میرے مطالعے اور علم و فہم کا تعلق ہے، بنی پور سے دثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ماہرین اقتصادیات کے پینل نے بلا سود بنکاری سے متعلق جو رپورٹ مرتب کی اور کتابی شکل میں سامنے آئی ہے اُس میں نہ ربا اور سود کی حقیقت کو کا حتمہ سمجھا گیا ہے اور نہ اُس علت کو جس کی وجہ سے ربا و سود حرام ہے، دراصل اس سلسلہ میں جس غیر معمولی مطالعے، غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق کی ضرورت تھی، غالباً پینل کی اکثریت کو اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس کا پورا موقع نہیں مل سکا، اور اگر کچھ ممبروں کو اس کا موقع ملا تو افسوس کہ اُن کی آراء کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا اور نظر انداز کر دیا گیا جیسے محترم شیخ محمد احمد کی رائے کو جو اسلامی نقطہ نظر سے درست اور قابل اہلئے تھی اور جو اس رپورٹ کے ساتھ نہیں بلکہ بعد میں الگ شائع ہوئی اور اخبار جسارت کے ذریعے منظر عام پر آئی، بہر حال مجھے اُن حضرات کی نیک نیتی اور اسلام دوستی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اسی طرح بحیثیت مجموعی ان کی ملکی قابلیت کا بھی اعتراف ہے۔ لیکن جہاں تک ربا کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت کا تعلق ہے اس کے صحیح شعور و ادراک سے یہ حضرات قاصر رہے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس میں ان کی توجہ نظری سے زیادہ عملی پہلو پر مرکوز رہی اور انہوں نے اس فرق کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا جو نظریات اور اس کی تطبیق کے مابین ہوتا ہے۔ نیز انہوں نے اس غور و فکر میں سرورضی سے زیادہ موخری طریقت سے کام لیا، بالفاظ دیگر نہ رہنے اس کا زیادہ خیال رکھا کہ مسئلے کا حل ایسا ہونا چاہیے جو معاشرے کے

موجودہ حالات میں قابل عمل ہو لیکن اس کا لحاظ نہیں رکھا کہ اس سے وہ عملی نتائج برائے کار آ سکتے ہیں یا نہیں جنہیں بروئے کار لانا اسلام کا اصل مقصد ہے۔

اب میں اس نئے متبادل نظام بنکاری کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی شرعی حیثیت کا تعین آسانی کے ساتھ کیا جاسکے۔ اس کے متعلق پہلی بات یہ کہ بنک کا یہ ادارہ کوئی ایسا تعاونی اور رفاہی ادارہ نہیں جس کا مقصد بغیر کسی مادی معاوضے کے محض اللہ کی رضا اور اخروی اجر و ثواب کی خاطر خلیق خدا کی خدمت کرنا اور اُسے فائدہ پہنچانا ہو بلکہ یہ ایک کمیشن اور تجارتی ادارہ ہے جس کا مقصد مال و دولت کمانا اور اپنے تمول کو بڑھانا ہے۔ دوسرے کمیشن اداروں اور اس کمیشن ادارے کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ تجارت، صنعت اور زراعت وغیرہ کے کام کے نفع کھاتے ہیں اور یہ زرو نقدی کے لین دین کے ذریعہ نفع کھاتا ہے یعنی کم معاوضے پر کچھ لوگوں سے زرو نقدی لیتا اور زیادہ معاوضے پر دوسرے لوگوں کو زرو نقدی دیتا اور اس کی بیشی سے فائدہ اٹھاتا ہے چنانچہ اس پہلو سے موجودہ نظام بنکاری اور اس متبادل مجوزہ نظام بنکاری میں کچھ فرق نہیں۔

دوسری بات یہ کہ موجودہ نظام بنکاری کی طرح نئے نظام بنکاری کے لیے بھی یہی طے پایا ہے کہ اُس کے لین دین کی قانونی حیثیت واجب الادا قرض کی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتا اور نہ ترقی کر سکتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس میں نہیں یہی طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ داروں کو نفع کے نام پر جو زائد دے گا یا اپنے قرضداروں سے جو زائد لے گا اُس کا تعین وقت اور مال کی مقدار اور کمی بیشی کے لحاظ سے ہوگا مثلاً سو روپے والے کھاتہ دار کے لیے اگر سال میں دس روپے زائد ہوں گے تو چھ ماہ میں پانچ روپے اور دو سال میں بیس روپے زائد ہوں گے۔ اسی طرح اگر سو روپے والے کھاتہ دار کے لیے مثلاً سالانہ دس روپے زائد ہوں گے تو دو سو روپے سالانہ بیس۔ پانچ سو روپے کے لیے سالانہ پچاس اور ہزار روپے والے کھاتہ دار کے لیے سالانہ سو روپے زائد ہوں گے اور یہ بھی طے پایا ہے کہ اس زائد کے تعین کا اختیار فریقین معاملہ کو نہیں بلکہ اسٹیٹ بنک کو ہوگا۔ نیز یہ بھی طے پایا ہے کہ زائد کی ادائیگی کے معاملے کے اختتام پر نہیں بلکہ دوران معاملہ ہر چھ ماہ بعد ہوتی رہے گی۔ اسی طرح چونکہ اس میں یہ بھی طے کیا

ہے کہ بینک کھاتہ دار کو اور قرض دار بینک کو ہر حال میں اس کی اصل رقم مع مقررہ اضافہ کے ورنہ ادا کرے گا۔ لہذا معاہدہ کی رُو سے کھاتہ دار اور بینک دونوں کے لیے نقصان کا سہرا ہے کوئی احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح موجودہ نظام بنکاری کے اندر کھاتہ دار بغیر کسی کام و محنت کے اور کوئی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے اصل پر بہ زائد کا مستحق شمار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نئے مجوزہ نظام بنکاری کے اندر بھی کھاتہ دار بغیر کسی کام و عمل کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے اصل پر زائد حقدار ٹھہرایا گیا ہے، اسی طریقے سے مجوزہ نظام بنکاری کی مانند نئے مجوزہ نظام بنکاری میں بھی یہ اصول مقرّر ہے کہ بینک صرف ایسے کاروباری لوگوں کو قرضہ دے گا جن کے متعلق سے وثوق و اعتماد ہوگا کہ وہ کاروباری تجربہ، فنی مہارت اور دیانتداری کے ساتھ مالی طور پر ادائیگی کی صلاحیت رکھتے اور لیے ہوئے مندرجہ کو بہتر اور مفید طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جن کے متعلق اسے پورا اعتماد ہوگا کہ وہ قرض کی اصل رقم بھی غرور واپس کرینگے اور منافع کا طے شدہ حصہ بھی ضرور ادا کریں گے بلکہ اس نئے بینک کے لیے یہ بھی طے پایا ہے کہ وہ اپنے مقرّض کاروباری لوگوں کے کاروبار پر برابر نگاہ رکھے گا اور اپنے نمائندوں کے ذریعے مسلسل جائزہ لیتا اور حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتا رہے گا بلکہ وہ اس میں ہر ایسی مداخلت کا مجاز ہوگا، جس سے اصل سرمائے کے کاغذی تحفظ کے ساتھ مطلوبہ منافع کا حصول یقینی ہو سکتا ہو۔ بنا بریں اس نئے مجوزہ نظام بنکاری میں بینک کے مفاد کے لیے جو قانونی تحفظات ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں جو موجودہ نظام مفاد بینک کے لیے ہیں، اسی طرح یہ بھی طے ہے کہ نئے نظام بنکاری میں اپنے مقرّض کاروباری فریق کے متعلق کوئی ایسی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا جس سے اس کے اصل مال اور مطلوبہ منافع میں کمی و نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہو، اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نئے نظام میں بھی بینک کے لیے مندرجہ دار کی طرف سے نفع کے نام پر جو جزائے لینا قرار پایا ہے، اس کے ضمن میں بھی بینک کی طرف سے کوئی ایسا کام و عمل موجود نہیں جسے پیدا آور کام و عمل کہا جاسکتا ہو، بینک کا عمل جو کام کار کرتا ہے وہ ایسا پیدا آور کام نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کاشتکار، صانع اور تاجر وغیرہ کا کام ہوتا ہے۔

سطح بالا میں نئے مجوزہ نظام بنکاری کی جو تفصیل پیش کی گئی، اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نظام میں بینک کے معاملہ کی جو شکل کھاتہ داروں کے ساتھ اور جو شکل

کاروباری قرض داروں کے ساتھ تجویز کی گئی ہے۔ وہ نہ شرعی طور پر مضاربیت کی شکل ہے اور نہ معاملہ شرکت کی شکل، یعنی نہ مضاربیت کی تعریف میں آتی ہے اور نہ شرکت کی تعریف میں، جن وجوہ کی بنا پر معاملہ مضاربیت کی تعریف میں نہیں آتی، ان میں سے ایک یہ کہ اس میں بینک کھاتہ دار سے جو مال لیتا اور کاروباری فریق کو جو مال دیتا ہے، اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی ہے جبکہ مضاربیت میں ایک فریق کا مال دوسرے فریق یعنی عامل مضارب کے پاس بطور امانت کے ہوتا ہے، شریعت کی رو سے قرض اور امانت کے درمیان جو وجوہ فرق ہیں ان میں سے ایک یہ کہ قرض میں مال، مقرض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلا جاتا ہے چنانچہ وہ اس میں ہر وہ تصرف کر سکتا ہے جو اپنے کسی دوسرے مال میں کر سکتا ہے جبکہ امانت کی صورت میں مال، مال والے ہی کی ملکیت میں رہتا اور زمین اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس کی مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو، دوسری وجہ یہ کہ اگر قرض کا مال کسی سبب سے ضائع اور تلف ہو جائے تو وہ مقروض کے حق میں ضائع و تلف ہوتا اور اس کا پورا نقصان تنہا اُسے اٹھانا پڑتا ہے۔ مقرض اس نقصان میں بالکل شریک نہیں ہوتا جبکہ اس کے برخلاف مال امانت اگر محافظ امانت کے پاس کسی غیر اختیار سبب مثلاً ارضی وسادہ کی آفت وغیرہ سے تلف اور ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان و تاوان محافظ امانت پر نہیں آتا بلکہ پورا نقصان مالک امانت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اسی کی ملکیت میں ہوتا ہے۔

اور چونکہ مضاربیت میں مال مضاربیت، عامل مضارب کے پاس بطور امانت ہوتا ہے لہذا اصل مال میں نقصان ہو جائے تو وہ نقصان پورے کا پورا رتبہ المال کے حساب میں آتا ہے عامل مضارب اس میں شریک نہیں ہوتا، پھر یہی وجہ ہے کہ عامل مضارب اپنے تصرفات میں ان شرائط کا پابند ہوتا ہے جو رتبہ المال کی طرف سے انعقاد معاملہ کے وقت مقرر کی گئی ہوتی ہیں۔

رہی یہ بات کہ بینک کے پاس کھاتہ دار کا اور کاروباری فریق کے پاس بینک کا جو مال ہوتا ہے، بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض ہوتا ہے۔ اس کا بین اور قطعی ثبوت یہ کہ یہ مال بینک کے ذمے کھاتہ دار کے لیے اور کاروباری فریق کے ذمے بینک کے لیے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے جو عند الطلب اُسے ضرور ادا کرنا پڑتا

ہے اور جو مال، لینے والے پر دینے والے کیلئے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے، وہ عیناً
 شترعاً، قانوناً قرض ہی کی تعریف میں آتا اور اس کا نام خواہ کچھ بھی رکھا جائے، وہ اپنی
 حقیقت کے لحاظ سے قرض ہوتا ہے، ایسا مال امانت کی تعریف میں اس لیے نہیں آتا کہ
 امانت کا مال اس صورت میں واجب الادا نہیں ہوتا جب کسی غیر اختیاری سبب سے
 ضائع و تلف ہو جائے حالانکہ قرض کا مال بہر صورت واجب الادا ہوتا ہے۔ علاوہ انہی
 امانت کی حفاظت پر امانت والا، محافظ کو اپنے پاس سے کچھ دیتا ہے نہ کہ اٹا اس سے
 کچھ لیتا ہے، اسی طرح یہ مال، مال اجارہ کی تعریف میں بھی نہیں آتا کیونکہ مال اجارہ صرف
 وہ مال ہو سکتا ہے جو استعمال ہونے سے گھٹتا اور فرسودہ ہوتا اور قدر قیمت میں گھٹتا ہے
 اور ظاہر ہے کہ محض استعمال ہونے سے زرد نقدی کی قدر و قیمت میں کبھی کوئی کمی واقع
 نہیں ہوتی لہذا اس کے استعمال پر کوئی کرایہ وصول نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری چیز جس کی وجہ سے بنک کا معاملہ مذکور مضاربیت کی تعریف میں نہیں آتا یہ کہ
 اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ دار کو روکار و باری فریق بنک کو نہ صرف یہ کہ
 اس کی اصل رقم ضرور ادا کرے گا بلکہ اصل پر کچھ زائد بھی ضرور ادا کرے گا۔ حالانکہ مضاربیت
 میں عامل مضارب، رب المال سے ایسا کوئی عہد و پیمان نہیں کر سکتا کہ معاملہ ختم ہونے پر
 وہ اس کو پورے اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ضرور دے گا ورنہ تو پھر دہرا اور مضاربیت کے
 درمیان کچھ فرق ہی باقی نہیں رہتا۔

تیسری چیز جو بنک کے معاملہ مذکور مضاربیت کی تعریف سے خارج کر دیتی ہے یہ کہ
 اس میں بنک کی طرف سے کھاتہ دار کے لیے اور بنک سے قرض لینے والے کا روکار و باری فریق
 کی طرف سے بنک کے لیے نفع کے نام سے جزا نہ مقرر کیا گیا ہے وہ مال اور وقت کی مقدار
 کمیت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزر چکی یعنی اس میں زائد
 کے تعین کا معیار مال اور مدت کی مقدار اور کسی بیشی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ مضاربیت
 میں یہ طے پاتا ہے کہ اگر نفع ہو تو اس صورت میں وہ رب المال اور مضارب کے اپنی نسبت
 حصے تقسیم ہوگا مثلاً نصف نصف یا ایک کو تہائی اور دوسرے کو دو تہائی یا ایک کو
 چوتھائی اور دوسرے کو تین چوتھائی وغیرہ۔ اس میں کسی فریق کے لیے تعداد و مقدار کے
 لحاظ سے متعین رقم مقرر کرنا جائز نہیں ہوتا اور ایسا کرنے سے معاملہ فاسد و باطل ہو جاتا

ہے، اور چونکہ مضاربت میں مال والے فریق کے لیے نفع کا تعین مال کی مقدار اور مدت کی مقدار سے نہیں ہوتا بلکہ نفع کے ایک مترہ نسبتی حصہ کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا بعض دفعہ کم مقدار کے مال پر تھوڑے وقت میں اُسے اتنا زیادہ نفع مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ اس سے کئی گنا زیادہ مال پر اور طویل وقت میں بھی اتنا نہیں ملتا اور بعض دفعہ سب سے کچھ ملتا ہی نہیں اور کبھی زیادہ تو درکنار اصل میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

مثلاً کبھی رب المال کو ایک ہزار روپے پر ایک ماہ میں اتنا زائد مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ دس ہزار روپے پر ایک سال میں بھی اتنا نہیں ملتا۔ چنانچہ یہ زائد نفع کبھی اصل مال کا ایک فیصد بھی ہو سکتا ہے، کبھی پانچ فیصد اور کبھی پچاس فی صد بھی ہو سکتا ہے اور یہ ایک ہفتہ میں بھی ہو سکتا ہے اور ایک ماہ اور ایک سال میں بھی، فقہاء کو ام نے لکھا ہے کہ اگر مضاربت میں نسبتی حصہ کی بجائے رب المال کے لیے اُس کے سرٹے کے فیصد وغیرہ کے لحاظ سے متعین رقم مقرر کر دی جائے تو یہ مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔

چونکہ چیز جو معاملہ زیر بحث کے مضاربت ہو لے کی نفعی کرتی ہے یہ کہ اس میں بیٹے کیا گیا ہے کہ کاروبار کے اندر نقصان کی صورت میں کاروباری فریق بھی نقصان میں شریک ہو گا حالانکہ مضاربت میں یہ منتفع نامر ہے کہ بصورت خسارہ و نقصان پورا خسارہ اور تمام تر نقصان رب المال یعنی مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے حامل مضارب یعنی کام کرنے والا فریق اس میں بالکل شریک نہیں ہوتا چنانچہ اگر اس کو اس میں شریک ٹھہرایا جائے تو مضاربت باطل اور فاسد ہو جاتی ہے۔

پانچویں چیز جس کی وجہ سے معاملہ مذکور، مضاربت کا مصداق نہیں ٹھہرتا یہ کہ اس میں بیٹے کیا گیا ہے کہ کھاتہ دار کو دوران معاملہ ہر چھ ماہ کے بعد مقررہ منافع دیا جاتا رہے گا۔ جبکہ فقہاء حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مضاربت میں فریقین کے درمیان منافع کی تقسیم اختتام معاملہ پر ہی ہو سکتی ہے۔ معاملہ قائم اور جاری رہتے ہوئے درمیان میں نہیں ہو سکتی۔

ان مذکورہ وجوہ کے علاوہ کچھ اور وجوہ بھی ہیں جن کی بناء پر معاملہ زیر بحث، مضاربت صحیح کی تعریف میں نہیں آتا جیسے مال مضاربت کو تجارت بمعنی خرید و فروخت کے علاوہ صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ میں لگانا، رب المال کی اجازت کے

بغیر اس کے سرمائے کے ساتھ اپنا سرمایہ بھی شریک کر لینا یا دوسرے کسی کو مضارب بن کر دے دینا، عامل مضارب کا خرید و فروخت کا اصل کام خود کرنے کی بجائے کسی اور سے اجرت پر کرانا وغیرہ لیکن چونکہ ان وجوہ کے متعلق خود فقہاء کرام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے لہذا انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسی طرح معاملہ مذکور شرکت کا معاملہ بھی نہیں، شرکت اور مضارب بن کے مابین شرعی طور پر جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ مضارب بن میں ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرے فریق کا تجارتی کام و عمل، جبکہ شرکت الاموال میں سہ فریق کا مال بھی ہوتا ہے اور کام و عمل بھی، اور دوسرا فرق یہ کہ نقصان کی صورت میں مضارب بن کے اندر پورا نقصان مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے کام و عمل والا فریق اس میں شریک نہیں ہوتا جبکہ معاملہ شرکت میں دونوں فریق نقصان میں بھی شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں۔

جن وجوہ کی بنا پر بنک کا وہ معاملہ جس کی پہلے تفصیل کے ساتھ شکل پیش کی گئی، شرکت کا معاملہ نہیں۔ ان میں سے پہلی وجہ یہ کہ اس میں ایک فریق کا تجارتی کام و عمل ہے اور نہ صنعتی کام و عمل، یعنی کھاتے دار کا سرے سے کوئی کام و عمل ہے ہی نہیں۔ جہاں تک بنک کا تعلق ہے، اس کے اسٹاف اور عملے کا ضرور کام و عمل ہے لیکن وہ انتظامی نوعیت کا ہے براہ راست تجارتی اور صنعتی کام و عمل نہیں، تجارتی اور صنعتی کام و عمل صرف ان لوگوں کا ہے جو بنک سے مال قرض لے کر تجارتی اور صنعتی کاروبار کرتے ہیں۔ دوسری وجہ اس معاملے کے شرکت کا معاملہ نہ ہونے کی یہ کہ اس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے پاس بطور قرض ہوتا ہے جبکہ معاملہ شرکت میں کسی شریک کا مال دوسرے کے پاس قرض نہیں ہوتا بلکہ امانت کی طرح ہوتا ہے چنانچہ ضائع و تلف ہوجانے کی صورت میں کسی پر تاوان نہیں آتا۔

تیسری وجہ یہ کہ اس میں ایک فریق یعنی بنک کھاتہ دار کو اور کاروباری فریق بنک کو یقین اور اطمینان دلاتا اور ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ ایک متعین مقدار میں اس کو نفع ضرور دیتا کرے گا۔ حالانکہ معاملہ شرکت میں کوئی شریک دوسرے شریک کو کوئی ایسی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ اسے ایک متعین مقدار میں نفع ضرور دیتا کرے گا۔

چرخی وجہ اس کے شرکت نہ ہونے کی یہ کہ اس میں ایک فریق کے لیے یہ طے کیا گیا ہے کہ اس کو اس کے سرمائے کے فی صد کے حساب سے سالانہ آٹھ یا دس فی صد زائد بطور نفع ملے گا۔ جبکہ معاملہ شرکت میں یہ طے ہوتا ہے کہ اگر نفع ہو تو شرکت کار کے مابین اس نسبتی حصہ کے مطابق تقسیم ہوگا جو شروع میں ان کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پایا تھا یعنی نصف نصف یا ایک تہائی اور دو تہائی وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ یہ چیز شرکت کے منافی ہے کہ اس میں ایک شریک کے لیے اس کے سرمائے کی مقدار کے لحاظ سے اور وقت کے پہلے سے نفع کا تعین کیا جائے۔

بہر حال فقہاء اسلام کے نزدیک شرکتہ العقد اور شرکتہ المعاملہ کی جو معنوی حقیقت اور اصطلاحی تعریف ہے اس کی رو سے بنک کا معاملہ مذکور شرکت کے تحت نہیں آتا۔ نہ شرکت اموال کے تحت اور نہ شرکت وجہ اور شرکت ابدان و شرکتہ الصنائع کے تحت، اسی طرح نہ وہ شرکتہ الخان کا مصداق ہے اور نہ شرکتہ المفادعہ کا مصداق، لہذا اس معاملے کو نفع و نقصان میں شرکت کا معاملہ کہنا، لحدت درست ہو تو ہو لیکن شرعاً کسی طرح درست نہیں۔ اور پھر چونکہ اس کہنے سے ایک عام مسلمان کو جو شرکت کا شرعی مفہوم نہیں جانتا شرکت کا دھوکہ لگتا اور وہ اسے شرعی شرکت سمجھ کر اختیار کرتا اور مگر ای کا شکار ہوتا ہے۔ لہذا اس معاملے کو شرکت کے لفظ سے ہرگز موسوم اور تعبیر نہیں کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں ایک چیز یہ بھی واضح رہے کہ ادارہ بنک کو اپنے کھاتہ داروں کا نائب اور وکیل تجارت سمجھنا بھی درست نہیں کیونکہ بنک کا ادارہ اپنا ایک مستقل قانونی وجود رکھتا ہے جس کے اپنے اصول و ضوابط اور قواعد و قوانین ہیں جن کے مطابق وہ اپنے امور و معاملات طے کرتا اور اپنی گاڑی چلاتا ہے۔ وہ کھاتہ داروں کی مرضی کا پابند نہیں بلکہ کھاتے دار اس کی مرضی کے پابند ہوتے ہیں، اور پھر بنک کی بجائے خود اپنی بھی ایک مستحکم مالی پوزیشن ہوتی ہے لہذا وہ کسی طرح اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو تجارت میں کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے۔

کتب فقہ میں نیابت و وکالت کی حقیقت اور اس کے ارکان و شرائط وغیرہ کے متعلق جو تفصیل ہے اس کے مطابق بنک کا یہ ادارہ نائب اور وکیل کی تعریف

میں نہیں آتا، مثلاً ایک وجہ یہ کہ تجارت میں نائب اور وکیل کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ قرض کے طور پر نہیں بلکہ امانت اور دیعت کے طور پر ہوتا ہے جبکہ بینک کے پاس کھاتہ دار کا مال بطور قرض ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ تجارت میں جو کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے، وہ اپنے تصرفات میں اُس کی ہدایت اور مرضی کا پابند ہوتا ہے، جو اسے اپنا نائب اور وکیل مقرر کرتا ہے۔ جبکہ بینک اپنے کھاتہ دار کی ہدایت اور مرضی کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی مرضی اور اپنے اصول و قواعد کا پابند ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ نئے مجوزہ نظام بنکاری میں بینک کا جو معاملہ اپنے کھاتہ داروں کے ساتھ یا جو معاملہ اپنے کاروباری قرض داروں کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے، بشرعی طور پر مضاربت کا معاملہ ہے اور نہ شرکت کا معاملہ، بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اپنے اجزاء ترکیبی اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربا ہی کا معاملہ ہے لہذا اس معاملے کی بنیاد پر استوار کیا ہوا نظام بنکاری ہرگز اسلامی نظام بنکاری نہیں ہو سکتا۔ اسے اسلامی نظام بنکاری کہنا اسلام کو بدنام کرنا اور اس کے تقدس کو نقصان پہنچانا ہے۔

حضرات علماء کرام کی اطلاع کے لیے یہاں یہ واضح کر دینا محض ضروری ہے کہ اس نئے متبادل نظام بنکاری میں علاوہ اُس معاملے کے جس پر تفصیل سے بحث کی گئی بینک کے لیے سرمایہ کاری کے چند اور طریقے اور معاملے بھی تجویز کیے گئے ہیں جن کی تفصیل بلاشبہ بنکاری سے متعلق رپورٹ میں پیش کی گئی ہے اور جن کے مطابق آئندہ یہ بینک سرمایہ کاری کرے گا جیسے پٹر داری، نیلام کاری، بیع مؤجل، ملکنی کرایہ داری وغیرہ کے طریقے، ان میں سے کچھ کے متعلق خود ان مجتہدین حضرات نے لکھا ہے کہ یہ غیر مسلم مغربی ماہرین اقتصادیات کے تجویز کردہ ہیں اور فرانس، جرمنی اور جاپان وغیرہ میں ان طریقوں پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے لیکن چونکہ ہمارے نزدیک سرمایہ کاری کے یہ طریقے شریعت اسلامی کے خلاف نہیں لہذا مجتہدہ اسلامی نظام بنکاری میں اُن سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ سرمایہ کاری کے ان طریقوں کے بارے میں جہاں تک میرے مطالعے، تجزیے اور تحقیقی جائزے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں ان میں سے ہر طریقہ اپنے اندر ربا و سود کا عنصر لیے ہوئے ہے لہذا غیر اسلامی اور ناجائز طریقہ ہے، ان کو نہ شریعت اسلامی کے مطابق کہنا دراصل اُس غلط فہمی پر مبنی ہے جو ہمارے ماہرین اقتصادیات

کے ذہنوں میں ربا و سود کے متعلق پائی ہوئی بات ہے، سرمایہ کاری کے یہ طریقے درحقیقت ان لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہیں جو نظام سرمایہ داری کو صحیح اور سود اور بانٹھوس تجارتی نوعیت کے قرضوں پر سود کو ماحولاً جائز سمجھتے ہیں اور سرمایہ کاری کے یہ طریقے انہوں نے سود سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ مجوزہ شرح سے کچھ زیادہ حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیے ہیں۔

اسلام نے جس معاشی ظلم و حق تلفی کی وجہ سے ربا کو حرام قرار دیا ہے سرمایہ کاری کے ان طریقوں میں اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا، غور سے دیکھا جائے تو ان کے اندر وہ قرض موجود ہے جو نفع کو کہہ دیتا ہے، اور ان کی موجودگی میں وہ معاشی حالات معاشرے میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتے جو اسلام اپنی معاشی تعلیمات کے ذریعے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اسلام یہ چاہتا ہے کہ قومی ثروت صرف چند اغنیاء و مالداروں کے درمیان ہی نہیں بلکہ قوم کے تمام افراد کے درمیان گردش کرے اور یہ کہ ملکی وسائل دولت اور ذرائع پیداوار پر ایک محدود پابندی کی اجارہ داری قائم نہ ہو۔ بلکہ سب کے لیے اُن سے فائدہ اُٹھانے کا آزاد موقع ہو، اور یہ کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر ہوں اور ہر ایک کے لیے معاشی زندگی کا بھی آزاد اور مساوی موقع ہو آگے اس کی مرضی کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ جبکہ سرمایہ کاری کے مذکورہ طریقے ایسے ہیں کہ ان پر جس معاشرے میں عام طور پر عمل ہو اس کے اندر قومی دولت اور دوسرے اہل دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹنا اور ذرائع پیداوار پر چند لوگوں کی اجارہ داری قائم ہونا لازمی اور قدرتی امر ہے۔ اسی طرح ایسے معاشرے میں ایسا غیر فطری قسم کا معاشی عدم توازن ظہور میں آنا ایک فطری بات ہے جس سے گونا گوں مایوسیاں جنم لیتی، اور پورے معاشرے کو بد امنی و بے چینی میں مبتلا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور وہ پائدار امن و سکون کسی کو نصیب نہیں ہوتا جو اسلام چاہتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ اس پر تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ شریعت اسلام کا حقیقی ماخذ اور اصل سرچشمہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنت ہیں۔ اور یہ کہ زندگی کے ہر مسئلہ کے لیے قرآن و حدیث

قتلِ خطا میں

عورت کی نصف دیت کا مسئلہ

محترم عجبے الرحمن شامی ایک معروف اہل قلم ہیں۔ ذہنی و فکری طور پر ان کا تعلق ملک سے ہی کی ایک معروف نیم دین و نیم سیاسی جماعت سے ہے۔ کئی جرائد کے مدیر اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ فی الوقت ماہنامہ "قوس ڈائجسٹ" لاہور سے نکال رہے ہیں نیز محام عزیزہ "نوائے وقت" میں "جلسہ عام" کے عنوان سے ایک مستقل کالم بھی لکھ رہے ہیں جس میں طنز و مزاح کا عنصر غالب رہتا ہے۔ اکتوبر کے ادوار میں موصوف نے اس کالم میں قتلِ خطا کی صورت میں محترم ڈاکٹر صاحب کے رائے پر (جو سنت سے ماخوذ ہے) اسی انداز سے اختلاف تبصرہ کیا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے موصوف کو اسے کا جواب براہ راست بھیج دیا تھا۔ یہ جواب دو پیرا گراف مدفن کر کے "نوائے وقت" میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اب اسے برنہ یعنی "تاریخ" میں شائع کے استغادہ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ مدفن شدہ پیرا گراف پر بریکٹ لگا دیے گئے ہیں۔ (ادارہ)

برادر محب الرحمن شامی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ نے چند روز قبل بھی میرا ذکر اپنے کالم میں کیا تھا اور آج پھر کرم فرمائی کی ہے۔
اس ضمن میں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہے کہ آپ اسے اپنے ذوق طبع کی تسکین کی خاطر یا مروجہ صحافت کی ضرورت کے طور پر بدھن و طنز و طعن بنائیں بلکہ اس ضمن میں اگر کوئی زیادتی آپ نے اب تک کی ہے تو میں اسے بھی معاف کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے بھی پیشگی اجازت دیتا ہوں کہ آپ جیسے چاہیں

مشقِ رستم فرمائیں۔ لیکن خدا را دین و شریعت کے ایک اہم مسئلے کو اس تفسیر و استہزاء کی لپیٹ میں نہ لیں۔ اس لیے کہ یہ عہد بازی بازی بارش بابا ہم بازی والا طرزِ عمل اخوت کے خسران اور عاقبت کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس سے بچائے۔ آمین۔

واقعہ یہ ہے کہ میں جس طرح عملی یا انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہوں اسی طرح خدمتِ دین کے وسیع و وسیع میدان میں بھی فردعی مسائل اور فقہی اختلافات کے دائرے میں بالکل دخل نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، اور یہ بھی ہے کہ میرے نزدیک فی الوقت ان مسائل میں ابجنادین کے لیے بجائے مفید ہونے کے اُلٹا مُضر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں بحیثیتِ مجموعی دین پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ ہی مضمل ہے، لہذا اصل ضرورت اس ارادے کی تقویت کی ہے۔ چنانچہ الحمد للہ کہ میری تمام جدوجہد اسی نکتے پر مرکوز ہے۔ یعنی قرآنِ حکیم کی ان اساسی تعلیمات کی نشرو اشاعت جن سے ایمان و یقین میں اضافہ ہو اور دین کو پہلے خود اپنی زندگیوں، پھر اپنے وطن عزیز اور بالآخر پورے کراہی پر غالب کرنے کی جدوجہد کا عزم اور ارادہ پیدا ہو۔

چنانچہ دو ڈھائی سال قبل پرے وغیرہ سے متعلق جو ہنگامہ میرے حوالے سے ہوا تھا اس کا آغاز بھی میں نے اپنی کسی اسکیم یا منصوبے کے تحت نہیں کیا تھا بلکہ وہ بھی ایک سابق رفیق اور ہمسفر کی کرم فرمائی، یعنی البتہ جب بحث چل نکلی تو میں نے اپنے فہم کے مطابق دینی موقع کو ٹوٹ کر پیش کیا تھا۔ پھر عورت کی شہادت سے متعلق بحث زور شور سے چلی، لیکن میں نے اس میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی طرح جب سے قتلِ خطا میں عورت کی دیت سے متعلق بحث چھڑی ہے، میں نے اس میں بھی قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا، نہ تحریراً نہ تقریراً، اس لیے بھی کہ جیسے کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ میرا میدان نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مسئلہ مجھ سے کہیں بڑھ کر اہل ترماختوں میں تھا۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی کے اہل علم و عمل وضاحت کر چکے تھے اور اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے بھی اس کا حق ادا کر دیا تھا۔ البتہ چونکہ مجھے ہر ہفتے اجتماعِ جمعہ

کی صورت میں ایک 'جلسہ عام' میں پیش ہونا پڑتا ہے۔ لہذا جو مسائل فضا میں گردش کر رہے ہوں، ان سے بالکل صرف نظر ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک خطاب جمعہ میں میں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا — اور میرے ایک بزرگ رفیق نے اس کا کچھ حصہ ٹیپ سے اتار کر اور کافاز و اختتام کے لیے ادھر ادھر چند جملوں کا اضافہ کر کے بعض اشاعت اخبارات کو ارسال کر دیا۔ گویا یہ ہے میرے اس موضوع پر بولنے، یاد نہ بولنے، کا معاملہ!! اب آئیے اصل مسئلے کی جانب۔

اس ضمن میں جہاں تک عقل کا تعلق ہے، یہ تو آپ بھی مانتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جنسِ گرامیہ برٹریٹڈ رسل اور اس کے قبیل کے بے شمار لوگوں کو میرے اور آپ کے مقابلے میں بہت زیادہ دی تھی لیکن جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و اسبابِ دنیوی کے بارے میں فرمایا ہے کہ "مَا قَتَلَ وَكَفَى خَيْرًا مِّمَّا كَسَدَ وَالْهَلِي" یعنی "جو کم ہو لیکن ضرورت پوری کر دے وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ تو ہو، لیکن غافل کر دے!" اُسی طرح اُس مَنوں عقل کے مقابلے میں جو خدا کو پہچاننے سے قاصر رہ جائے ہماری وہ تولد یا ماشہ بھر عقل بہتر ہے جو اللہ کو پہچانتی اور مانتی ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا کہ

بر عقل فلک پیاثر کا نہ شبِ بخور بہ! یک ذرہ درِ دل از علمِ فلاطون بہ!!

شائبہ — شریعت کا دار و مدار اصل عقل پر نہیں "نقل" ہے اس لیے کہ اس میں محبتِ اول کی حیثیت حاصل ہے کلامِ ربانی کو جو اللہ سے بذریعہ جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتقل ہوا — پھر محبتِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے سنتِ رسولؐ کو جو اولیٰ اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعے اور بعد ازاں نسلاً بعد نسل امت کے تواریخِ عمل اور تدوین و اشاعتِ حدیثِ رسولؐ کے ذریعے منتقل ہوئی آرہی ہے۔ لہذا اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والی عقل کا اصل کام اس میدان میں یہ ہے کہ احکامِ شریعت کے اسرار و حکم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ جہاں وہ سمجھ میں آجائیں اللہ کا شکر ادا کرے اور جہاں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، وہاں بھی سمعنا و اطعنا

ناظرِ عمل اختیار کرے — اس کے برعکس اگر عقل، شریعت پڑھنا، بننے کی کوشش کرے گی تو سخت غلط کرکھائے گی اور اندھے منہ بگر کر رہے گی۔ اس قسم کے عقلیت پرست

یا عقل گزیدہ لوگوں کی ہمارے یہاں متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں — چنانچہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو "اجتہاد" کا کوئی راستہ قرآن سے بھی بالا بالا

اپنا ناپا رہتے ہیں جس زمانے میں عورت کی شہادت کے مسئلے پر زور شور سے بحث ہو رہی تھی ایک انگریزی اخبار میں کسی مراسلہ نگار کا مراسلہ شائع ہوا تھا کہ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ قرآن واقعہً عورت کو مرد کے مقابلے میں ناموزی درجہ دیتا ہے لہذا ہمیں اجتہاد کے لیے ایسے اصول تلاش کرنے ہوں گے جو قرآن سے بھی بالاتر ہوں! پھر ایسے لوگ تو کثیر تعداد میں موجود ہیں جو سنت رسول کو دائمی محبت نہیں مانتے بلکہ اس سے بے نیاز اور آزاد ہو کر براہ راست قرآن سے استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی غلطی جولانہ کی ظاہر ہے کوئی حد نہیں ہے بلکہ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن" کے مصداق انہیں کئی اختیار حاصل ہے جو چاہیں کہہ دیں! — تماشا یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں وہ بھی شامل ہیں جو اس شخصیت سے نسبت پر منحصر کرتے ہیں جس کا قول یہ ہے کہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باؤ نہ رسیدی تمام بولہر سبب است!!

ثالثاً — اہل سنت کے نزدیک سنت رسول کے ساتھ ساتھ اور اس سے بالکل معنی و چیزیں اور بھی ہیں، ایک حدیث نبویؐ "مَا آفَا عَلَيْنَا وَ أَصْحَابُنَا" کی رو سے تعالٰیٰ صحابہؓ اور دوسرے حدیث نبویؐ "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" کے مطابق خلفاء راشدین کا طرز عمل — اور اس کے بعد مجتہب شری کی حیثیت حاصل ہے "اجماع امت" کو جسے قرآن مجید نے "سَبِيلُ الْمُؤْمِنِينَ" سے تعبیر فرمایا ہے، اس ضمن میں اجماع سے متعلق فقہی بحثوں سے قطع نظر اہل سنت کے نزدیک تو کسی مسئلے میں اکثر ارباب کا اجماع و اتفاق بچائے خود دلیل و محبت قطعی کا درجہ رکھتا ہے — اس سے بھی آگے بڑھ کر جن مسائل میں اہل سنت کے چاروں مسلکوں کے ساتھ ساتھ اہل تشیع کی زید اور جعفری دونوں فقہیں — اور اہل ظاہر کے اہم مسلک بھی متفق ہو جائیں ان کے شریعت اسلامی کے جو دلائل شک جوئے پر تو کوئی ایسا شخص ہی کلام کر سکتا ہے جس میں ان کے اتباع کا نہیں بلکہ اس سے بغاوت کا جذبہ کارفرما ہو۔ اس لیے کہ اس کا صان مطلب ہے کہ اس کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور ان کے نامور تلامذہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ

امام احمد بن حنبلؒ، اور امام جعفر صادقؒ سب یا تو نصوص دینی کا صحیح علم نہیں رکھتے تھے یا پھر دین کے مقاصد و مصالح کے صحیح فہم سے محروم تھے۔ اور یہ بات یا کوئی ناظر اقل کہہ سکتا ہے یا دین کا باغی۔ البتہ ان حضرات کے مابین کسی مسئلہ میں دو رائیں پائی جائیں تو کسی دوسرے کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

فقہی معاملات میں عقل و نقل کے عمل و دخل کے دائروں کے ضمن میں ایک دلچسپ مکالمہ امام ابو حنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ کا منقول ہے۔ ایک ملاقات میں امام جعفر صادقؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے غلطی کے ساتھ فرمایا "ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارے نام کی احادیث پر اپنے عقلی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں!" اس پر امام ابو حنیفہؒ نے "یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی" کے سے انداز میں فرمایا "اگر میں عقل سے فیصلہ کرتا تو درافت میں بیٹھ کر بیٹھے دو گنا حصہ دلاتا کہ وہ ضعیف ضعیف ہے۔ اور عورت کے آیام کی نمازوں کی قضا کو واجب قرار دیتا کہ روزے کی قضا کو، اس لیے کہ نماز روزے سے اہم تر ہے۔"

"قتلِ خطا کی صورت میں عورت کی دیت کے مرد کے مساوی یا نصف ہونے کے مسئلے میں متذکرہ بالا دینی جمہور کا جائزہ لیا جائے تو جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے۔ (۱) قرآن مجید میں اس مسئلے پر کوئی صراحت تو موجود نہیں لیکن اگر کوئی شخص قرآن کے قانونِ شہادت اور قانونِ وراثت کو اس معاملے میں دلالتِ النص یا اشارۃ اقصا کے درجے میں پیش کرے تو اس سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) حدیث نبویؐ کے ضمن میں بھی کوئی درجہ اول کی مستند حدیث تو اس معاملے میں موجود نہیں تاہم ایک حدیث موجود ہے جسے عورت کے دیت کے نصف ہونے کے حامی حضرات نے بار بار پیش فرمایا ہے جسے فریقِ ثانی ضعیف قرار دے رہا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں اس فریقِ ثانی کے پاس اپنے موقف کے حق میں کوئی ضعیف تو کیا موضوع حدیث بھی موجود نہیں۔

(۳) اس کے بعد اجماع کو لیجئے۔ تو یہاں معاملہ حد درجہ فیصلہ کن ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری۔ الغرض تمام مسکول کا متفق علیہ اور جمع علیہ فیصلہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہونے کے حق میں ہے! — صرف ایک د

شاذ رائیں برابری کے حق میں ہیں، جن کی اُن جملہ مسلک کے اُلغائی و اجماع کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں!۔

اب ذرا عقلی اعتبار سے بھی جائزہ لے لیں۔

- (۱) خالص عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو قتلِ خطا کا کوئی تاوان قاتل کے ذمے آنا ہی نہیں چاہیئے۔ اس لیے کہ اس فعل میں اُس کے کسی ارادے کا دخل نہیں ہے
- (۲) شریعت نے اس کے باوجود قاتل یا اُس کی برادری پر تاوان ڈالا — تو اس میں دو حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں :- (۱) یہ کہ اس سے دوسروں میں احتیاط کا مادہ پیدا ہو گا۔ اس کے برعکس اگر قتلِ خطا میں قاتل یا اُس کی برادری پر کوئی تاوان نہ ہو تو لوگوں میں بے پروائی اور بے احتیاطی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور (ب) اس سے مقتول یا مقتول کے ورثہ کے نقصان کی کسی درجے میں تلافی ہو جائے گی۔

اس نقصان کے ضمن میں بھی یہ بات تکرار بالکل ظاہر و باہر ہے کہ مقتول یا مقتول کے ورثہ اور اعزہ و اقارب کو جو ذہنی اور جذباتی صدمہ پہنچتا ہے اُس کی تلافی کی تو کوئی صورت کسی درجے میں بھی ممکن نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوشش مالی نقصان ہی کی تلافی کی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے سلسلے میں جب کوئی قانون بنایا جائے گا تو ایک عام اور اوسط درجہ کے معاملے کو سامنے رکھ کر بنایا جائے گا نہ کہ شاذ اور استثنائی صورتوں کو سامنے رکھ کر۔ مثلاً یہ ہو سکتا ہے کہ مقتول کوئی بوڑھا اور مریض انسان ہو جو اپنے ورثہ کے لیے مالی اُٹا سے 'شاذ' ہونے کے بجائے اُلٹا ایک بوجھ ہو۔ اور اس کی موت سے اس کے ورثہ کو نہ صرف یہ کہ کوئی مالی نقصان نہ پہنچے بلکہ خالص مالی اعتبار سے ایک بوجھ سے نجات ملے۔ اس کے برعکس وہ مثال جو آپ نے دی ہے کہ مقتول ایک یتیم اور بے سہارا عورت ہو جو اپنے یتیم بچوں کی واحد کفیل ہو، لیکن ظاہر ہے کہ قانون ہر اُلٹا معاملے کے لیے علیحدہ نہیں ہو سکتا بلکہ قانون اوسط پر بنایا جائے گا۔

اب اس عمومی قانون کی رُو سے اسلام نے خاندان کی کفالت کا بوجھ عورت نہیں بلکہ مرد پر ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی ماں باپ کی وراثت میں بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کو نصف حصہ دلاتی ہے۔ تو یہاں عقل کا فیصلہ اُس کے سوا اور ک

ہو سکتا ہے کہ قتلِ خطا میں بھی عورت کی دیت مرد سے نصف ہو! — ضرط صرف یہ ہے کہ وہ عقلِ شریعت کے مقابلے میں بغاوت اور نشوونگے کے جراثیم سے مامون و مصئون ہو!۔
 رہی آپ کی وہ جذباتی مثال کہ ایک بیوہ ہے جو اپنے یتیم بچوں کی واحد کفیل ہے، تو اس پر قیاس کر کے فرمائیے کہ کیا آپ اسی دلیل سے اسلام کے قانونِ وراثت کو بھی بدلوانا چاہیں گے؟ اس لیے کہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص کی زندگی ہی میں اُس کی بیٹی بیوہ ہو جائے اور اس کے کئی یتیم بچے بھی ہوں۔ جبکہ اُس کے بھائی اچھے بھلے برسرِ روزگار ہوں۔ تو کیا اُس شخص کے انتقال پر قانونِ وراثت برعکس کر دیا جائے گا؟ قانون تو ظاہر ہے کہ اس طرح کی موم کی ناک نہیں بن سکتا۔ البتہ عقل بتاتی ہے کہ اس صورتِ حال میں اس بیوہ کی امداد و اعانت کے دوسرے ذرائع اختیار کیے جانے چاہئیں۔ اولاً والد اپنی زندگی میں اپنی بیوہ بیٹی کو کچھ سہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں عام اخلاقی حس پیدا کی جانی چاہئے۔ چنانچہ انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلقی کا مادہ افراد میں بھی ہواوت لاکھوں روپے سے قائم ہونے والے ادارہ، میں بھی — اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصلاً ایک اسلامی ریاست میں بے سہارا دل کو سہارا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اسی پر عاملِ خواتین کے معاملے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں اضافی تلائی کی واقعی ضرورت ہو تو اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے جاسکتے ہیں جیسے کہ مختلف مکاتب و فکر کے علماء کرام نے بھی اپنی مشترکہ پریس کانفرنس میں تجویز کیا ہے کہ ”بظورِ تعزیر“ کچھ اضافی بوجھ اس شخص پر بھی ڈالا جاسکتا ہے جس کی بے احتیاطی سے کسی قانون کی جان تلف ہوئی ہو۔ — لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ اسلامی قانون ایک حیاتیاتی وحدت ہے اور اس کے مختلف اجزاء کے مابین کامل منطقی ہم آہنگی موجود ہے۔ وہ جب عام اور نارمل حالات میں کہنے کی معاشی کفالت کا بوجھ عورت پر ڈالتا ہی نہیں بلکہ کلکتہ مرد پر ڈالتا ہے تو اُس سے مطالبہ کرنا کہ وہ قتلِ خطا میں عورت کی دیت مرد کے مساوی قرار دے خالص غیر منطقی بات ہے۔ اب اگر کوئی خاتون محض شوقیہ یا اپنے معیارِ زندگی کو بلند سے بلند کرنے کی خواہش سے کوئی کام کر رہی ہوں تو یہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔ — ہاں اگر کسی واقعی ضرورت کا معاملہ ہو

تو یہ اُن استثنائی صورتوں میں سے ہو گا جن کے بارے میں اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔
 آخر میں اس قدر اصرار کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر ساری خدائیں کا ایک
 محدود طبقہ اُس مغربی تہذیب کی پیروی یا تقاضا کرنے پر تضرعے جس کی ظاہری چمک دک
 کو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے انگریزی خطبات میں "Gallatizing extension
 of the Western civilization" سے تعبیر کیا ہے۔ اور جس کی خدمت
 میں بہترین خزانہ تحسین "اپنے اس شعر کے ذریعے پیش فرمایا ہے۔
 نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
 یہ حتمی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تو وہ خوشی سے ایسا کریں۔ لیکن براہ کرم اسلام اور اس کے نظام قانون کو
 اپنے پیچھے گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں ورنہ عاقبت توتاہ و برباد ہوگی، ہی اس دنیا
 میں بھی اُن کا مقابلہ پاکستان کے اُن عوام سے ہو گا جن خواہ بے عمل ہوں لیکن دین میں
 تحریر کی کسی کوشش کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں! اور دین کے معاملے میں وہ اتنا
 بہر حال علماء کرام ہی پر کرتے ہیں، نہ کہ خطیبوں، دانشوروں، ادیبوں یا پروفیسروں
 پر۔ اور اس ضمن میں جملہ فقہی مسالک کے علماء کے اتحاد رائے میں اُن کے لیے
 ایک بڑا انتباہ، مضر ہے۔ فقط والسلام

خاکسار (ڈاکٹر) اسرار احمد صفی ہون

نبی اکرمؐ کی سب سے بڑی خدمت شان کو
 کوئی جیس نہ سکتا تھا، یہی کیا جاسکتا ہے کہ

”بعد از خدا بزرگ توئی خف غفقتہ“

جس سے اس قدر غرور نہ ہو سکتا ہے کہ

کیا آپ نے دامن سے جس طرح چھوڑ دیا ہے؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ

اس آیت موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد کی عنایت سے

شیخ اسرار احمد کی عنایت سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

انور علی شاہ کی عنایت سے

انور علی شاہ کی عنایت سے

بشما ہمارا رسول اس آیت سے

بشما ہمارا رسول اس آیت سے

انقلاب کا اس کی شہ

ایسے اہم موضوعات پر

ڈاکٹر اسرار احمد

سب سے بڑی خدمت

نبی اکرمؐ کا مقصد

کامیابی

انور علی شاہ کی عنایت سے

انور علی شاہ کی عنایت سے

ماثل لاہر کی حقیقت اور اس کی افادیت یا مضرت
اور منجا لغانہ نعرہ بازی، اور قید، حبر مانوں اور کوڑوں کی سزا کے بارے میں

ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب

از قلم: مولانا سید حامد میاں مدظلہ

مولانا سید حامد میاں مدظلہ جمعیت علماء ہند کے جنرل سیکرٹری مولانا سید محمد میاں مرحوم
و مغفور کے خلف الرشید اور مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ ہمارے ہیں۔ ایتھنظیم اسلامی ڈاکٹر
اسرار احمد صاحب کے ان سے دیرینہ مراسم ہیں اور ڈاکٹر صاحب موصوف گاہے گاہے اپنی
مصرفیات میں سے وقت نکالی کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ مرکزی انجمن
خدا مافزائن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی تمام سالانہ قرآن کانفرنسوں اور محاضرات
قرآنی میں ان کے وقیع مقالات و مضامین بالائزام پیش ہوتے رہے ہیں۔ جو 'میتاق' اور
'حکمت قرآن' کے تارنیم کی نگاہوں سے گزرتے رہے ہیں۔

الحمد للہ کہ مولانا تنظیم اسلامی کے 'حلقہ مستشارین' میں بھی شامل ہیں۔ اس ضمن میں
ایک جانب 'بیعت' سے متعلق مولانا کا ایک وضاحتی اخباری بیان اور ایک خط بنام
مولانا عتیق الرحمن سنبھلی خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ — اور دوسری جانب
ڈاکٹر صاحب کی بعض تحریروں پر اختلافی نوٹ 'میتاق' میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا کی درج ذیل تحریر موجودہ ملکی حالات میں پیدا شدہ سوالات کے ضمن میں شریعت
اسلامی خصوصاً فقہ حنفی کی رُوسے نہایت فکر انگیز ہے اور ان کے شکریہ کے ساتھ شائع
کی جا رہی ہے۔

(۳۰ م)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم و مکرم دام محمد، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے خط میں استفادہ کے سوالات بہت
تھے اور پیچیدہ بھی، فتووں کا جواب ہمارے جامعہ کے مفتی صاحب لکھا کرتے ہیں لیکن آپ کا نہ معلوم کبھی

امرار تھا کہ میں ہی جواب لکھوں۔ مگر میں پھر بھی یہ فتویٰ مفتی صاحب ہی کو دے دیتا کہ وہی جواب لکھ دیں لیکن وہ جگہ کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ مجھے جامعہ کے بہت کام رہتے ہیں۔ پڑھانے کے دوران فرصت نہیں ملتی کہ لمبی تحریر کا جواب لکھوں۔ اب عید کی چھٹیوں میں کچھ وقت ملا ہے تو جواب خود ہی لکھ رہا ہوں۔ کیونکہ عالم کے لئے حدیث پاک میں وعید آئی ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے اور وہ جانتا ہو پھر پوچھنے والے کو نہ بتلائے تو معاذ اللہ، قیامت کے دن اس کے آگ کا لگام ڈالا جائے گا۔ ادھر عقاب علیہ الصلوٰۃ والسلام (شکوۃ ص ۳۲) یہ جواب خط بھی ہے اور فتویٰ بھی کیونکہ بغیر حوالہ کے کوئی بات نہیں لکھوں گا اور حوالہ ایسی دینی ہو گا۔ انشاء اللہ۔ عربی عبارت کہیں ضروری ہوئی تو لکھ دوں گا ورنہ اس کا مفہوم اور ترجمہ لکھ کر کتاب کا صفحہ اور جلد نمبر لکھ دوں گا تاکہ اگر آپ کسی عالم سے تصدیق کرنی چاہیں تو وہ کتاب سے بہت حوالہ نکال سکے اور تصدیق کر سکے اور یہی واضح ہو جائے کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ رہا ہوں صرف احکام اسلام نقل کر رہا ہوں۔ واللہ المستعان

(۱) ”آپ نے سوال کیا ہے کہ کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مارشل لا لگایا تھا۔“
مخبر اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کبھی مارشل لا نہیں لگایا۔ اگر کسی صاحب نے یہ بات کہی ہے تو انہوں نے مارشل لا کی تعریف مجھے بغیر ہی یہ کہہ دیا ہے۔ آج کل مارشل لا اس قانون کو کہا جاتا ہے جو انگریز نے اپنی فوج کے لئے قانون بنایا تھا اور سول لا اس قانون کو کہا جاتا ہے جو انگریز نے عام پبلک کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کی کئی قسمیں ہیں فوجداری، دیوانی اور مالیات (انکم ٹیکس وغیرہ) مارشل لا اس وقت سے اب تک فوج میں رائج و نافذ چلا آ رہا ہے۔ اسے اگر پبلک پر نافذ کیا جائے تو اس کی چادر تنگ ہو جاتی ہے۔ لہذا جو بھی چیف مارشل لا رائیڈ ماسٹر ہوتا ہے وہ سب ضرورت ضابطے جاری کرنے شروع کرتا ہے۔ ضابطہ نمبر ایک سے جہان تک بھی ضرورتیں نمبر پہنچا دیں وہ نمبر وار ضابطے بڑھاتا اور نافذ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ ضابطہ شریعت کے مطابق ہو وہ شریعت سے جھٹ کر بھی ضابطے جاری کر سکتا ہے، وہ خود مختار اور آمر ہوتا ہے ایسی بات کا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر انہوں نے بڑا خد سے آنے والے وفد سے فرمایا کہ تم ہمارے ان مقتول کا جو تم سے جہاد میں شہید ہوئے خون بہادو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شہید ہونے والوں کی کبھی دیت نہیں لی۔ حضرت ابو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک ہے اور اپنے اس فیصلہ سے فوج اہی رجوع فرمایا۔ اس مثال کی روشنی میں غور کریں کہ کیا وہ مروج مارشل لا کی طرح ضابطے جاری فرمایا کرتے تھے یا یہ دیکھتے اور پوچھتے تھے ضابطہ شریعت کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ ضابطہ نہ بناتے تھے نہ نافذ فرماتے تھے نہ

ان کے بارے میں ایسی بات جان بوجھ کر کہنا بہت ہی بڑی گستاخی ہے اور لامعلیٰ میں کہہ دینا نادانانہ ہے۔

(۲) آپ نے پوچھا ہے کہ شریعت مطہرہ میں بھی کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے اور آج کل مارشل لا کے تحت بھی کوڑوں کی سزا دی جا رہی ہے اس میں کیا فرق ہے؟

الف) اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں کوڑوں کی سزائیں قسم کے گناہوں پر دی جاتی ہیں کینوارہ مرد و عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سو کوڑوں کی۔ اور اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے تو اسے اشٹی کوڑوں کی اور اگر کوئی شراب پیئے ہوئے پکڑا جائے تو اسے بھی اشٹی کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت کا نام تعزیر ہے۔ تعزیر یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے جرم یا گناہ کا ارتکاب کرے جس کا تعلق خدا سے یا بندوں کے حقوق سے ہو۔ مثلاً نماز روزہ چھوڑنا یا کسی شخص کو ناحق اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچانا۔ یا کسی شخص کو ایسی بڑی شرم اور عار کی بات کہہ دینا کہ جس کے دہن سے ہوتے ہوں۔ اگر ایک معنی مراد لئے جائیں تو شرعی حد لازم آجاتی ہو اور دوسرے معنی لئے جائیں تو شرعی حد لازم دہائی ہو مگر اس کی بے عزتی ضرور ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو کافریافت یا فاجر یا سود خور یا خمرانی یا چور کہہ دے تو اس صورت میں تعزیری سزا دی جائے گی جو بھی حاکم مناسب سمجھے چاہے ڈانٹ ڈپٹ کر دے یا کسی اور طرح سزائیں کر دے یا چھڑی وغیرہ سے پٹائی کر دے یا زیادہ سے زیادہ اگر ضروری معلوم ہو تو کوڑے لگوا دے اور اگر کسی شخص نے کسی کو کتا، سور یا گدھ کہہ دیا تو اس پر کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی جائے گی۔ (مدائع السنۃ ص ۷۷ ج ہفتم، فتاویٰ شامی ص ۱۹۷ ج ۱) اگر بیوی شوہر سے خرچ اور کپڑا مانگتی ہے اور اصرار کرتی ہے تو اس پر شوہر کو تعزیر کا حق نہیں۔ کیونکہ لصاحب الحق مطلقاً جس کا کسی پر حق ہو وہ اس کے بارے میں بات کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۷)

حاصل کام یہ ہے کہ تعزیر ایسے گناہ پر ہوتی ہے کہ جس کے بارے میں شریعت نے کوئی سزا معززہ کی ہو اس گناہ کا تعلق خدا سے ہو یا بندوں سے اور اس میں حاکم کا زبانی نصیحت کر دینا، گھوڑنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا بھی شریعت کی نظر میں تعزیر شمار ہوتا ہے اور شدہ مجرم ہو تو کوڑے بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

اب، لیکن اسلام میں کوڑوں کا مقصد اسے ذلیل کرنا ہے۔ اس لئے حد اور تعزیر دونوں میں اتنا زور دینا کہ جس میں گئے کہ بدن کی کمال بچٹ جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں امام اعظم، ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد چاروں ہی ائمہ رحمۃ اللہ علیہما کے ارشادات اور ان کا مسلک ہر ہر مسلک کی بڑی سے بڑی اور معتبر ترین کتابوں سے کھد دیا جائے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہر مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔ لہذا اخفاء لفظ ذکر کرتے ہوئے امام اعظم کی مسنداً

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج، بدائع الصنائع، فتح القدر اور عتایہ شرح ہدایہ اور شامی سے حنفی مسلک اور مسلک مالکی امام مالکؒ کے مسلک کی قدیم ترین کتاب الممدونہ سے، اور مسلک شافعی خود ان کی کتاب الامم، اور مختصر المزنی سے اور حنبلی مسلک ان کی اہم اور معروف ترین کتاب "المغنی" سے لیکر لکھ رہا ہوں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُنْتَزَع میں کوڑے مارنے وقت جلاؤ کے لئے صرف اتنا اتھاٹھا بتلایا ہے کہ اس کی بغل نغز نہ آئے، کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے اور اسے نرم کر لیا جائے، مسند ابی حنیفہ ص ۱۵۵، بدائع ص ۱۵۵ ج ۱، المغنی ص ۳۱۸ ج ۸، فقہ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدر اور عتایہ میں ہے۔ کوڑا اکہرا ہو، اگر دوہرا ہو (دو تسموں والا ہو) یا دُمدار (لمبے سرے کا) بنایا گیا ہو تو وہ دو کوڑوں کے برابر شمار ہوگا۔ فتح القدر ص ۱۲۷ ج ۸، کوڑا نہ بالکل نیا ہو نہ بالکل پرانا، مختصر المزنی ص ۳۶ درمیانی درجہ کا ہو، کتاب الخراج ص ۱۲۷۔ یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ زیادہ چوٹ نہ لگے، کمزور آدمی کو جتنی اس کی برداشت ہو رعایت رکھتے ہوئے کوڑے لگائے جائیں گے، کوڑے ایک جگہ نہیں مارے جائیں گے بلکہ سارے جسم پر مارے جائیں گے، سرچرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہیں مارے جائیں گے، ہدایہ و شرح ہدایہ فتح القدر مع عتایہ ص ۱۳۶ ج ۸۔ میلناؤ پیٹ پر بھی نہ مارے جائیں، شامی ص ۱۶۱ ج ۳۔ شدید گرمی اور شدید سردی میں بھی کوڑے

نہیں لگائے جائیں گے۔ کوڑے ایک ہی جگہ نہ مارے جائیں کہ کھال پھٹ جائے۔ ایسی مارجس سے کھال پھٹ جائے یا کوئی عضو تلف ہو جائے جائز نہیں، بدائع الصنائع ص ۵۷ ج ۷، المغنی ص ۲۱۶ ج ۸۔ حد اس پر کھڑے کھڑے لگائی جائے گی نہ تو اسے ٹھکنے پر باندھا جائیگا نہ زمین پر لٹایا جائے گا۔ یہ بدعت ہے۔ کوڑا مارنے کے بعد جلاؤ کوڑے کو کھینچنے نہیں بلکہ اٹھائے۔ مارنے کے بعد اسے کھینچنا ایسا ہی ہے جیسے دوسری دفعہ مارا گیا ہو۔ جلاؤ سمجھدار ہونا چاہیے جو ہمارے کی کیفیات کا ماہر ہو وہ درمیانی درجہ کی ضرب سے مارے نہ بہت شدید اور نہ ایسی کہ کوڑے کا احساس ہی نہ ہو۔ بدائع الصنائع ص ۷۰ ج ۷، الممدونہ الکبریٰ ص ۱۲۴ ج ۶۔ مرد کے کوڑے کھڑے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں گے حد میں بھی اور تعزیرات میں بھی، شامی ص ۱۶۱ ج ۳۔ تعزیرات میں بھی ان سب جگہوں کو مارے بچایا جائے گا جنہیں حد میں بچایا جاتا ہے، شامی۔ کوڑا لگاتے وقت چاہے اسے درخت وغیرہ سے باندھ دیا جائے لیکن اس کے ہاتھ کھلے چوڑے جائیں گے جن سے وہ اپنا بچاؤ کرتا رہے گا نہ اسے باندھا جائے گا نہ زمین پر لٹایا جائے گا اور کوڑے لگنے سے خون نہ بہہ نکلے اس کا نذر کھا جائے گا۔ کتاب الامم ص ۱۵۵ ج ۷۔ شریعت میں حد لگانے کا مقصد یہ ہے کہ (اسے اس توہین سے شرم) عار و لا کر دوسروں کو عبرت بھی دلائی جائے تاکہ دوسرے لوگ ایسا نہ کریں یا یہ مقصد ہے کہ حکم خداوندی پورا کر دیا جائے تاکہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جائے، مزنی عن الشافعی مختصر المزنی

۳۹ ص، کتاب الام ۱۵۴ ج۔ اسی لئے اس کی حد سے زیادہ توہین نہیں کی جاسکتی، کسی مسلمان کی گتھی کی گردن، پرچہ نہیں مارے جائیں گے۔ عن السرخسی لایباح بالصفح لافہ من اعلی ما یکون من الاستخفاف فیصان عنہ اهل القبلة، شامی ۱۹۵ ج ۳۔ تعزیر اس شخص کے فعلی کی تشہیر کر کے بھی ہو سکتی ہے۔ تذریل و توہین کر کے بھی مثلاً جھوٹے گواہانہ کالا کر کے، یہ بھی تعزیر میں داخل ہے، شامی ۱۹۵ ج ۳۔ باپ کا بیٹے کو مارنا بھی تعزیر کہلاتا ہے، شامی ۲۰ ص ج ۳۔ حدود میں حد جاری کرنی ضروری ہوتی ہے جیسے حد قذف لیکن بعض اوقات مجرم ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے جو کبھی بھی جانے والا نہ ہو جیسے بل وغیرہ یا قدرتی طور پر بہت ہی لاغر و کمزور ہوتا ہے تو ایسی صورت میں تخفیف کر کے کوڑوں کی بجائے کھجور کا ایسا خوشہ لے لیا جائے گا جو پھیلا ہوا ہو اور اس میں سوشا خیں ہوں۔ یہ ایک دفعہ اس طرح مار دیا جائیگا کہ سب شاخیں اس کے بدن پر لگ جائیں، شامی ۱۹۲ ج ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کا اعلان فرما دیا تھا کہ اگر کسی حاکم نے تعزیر میں کسی کو بے جا سزا دی ہے تو اس حاکم سے اس شخص کا ہارہ دلاؤں گا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلا دلا دیا تھا۔ کتاب اللہ لاہام ابی یوسف ۱۵۱۔ حد اور تعزیر میں مارنا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی کی حق تلفی کی گئی ہو مثلاً فسق و فجور کا ارتکاب یا قذف یا فتنہ لیکن کسی کے تہمت لگادینے پر یا کسی معمولی گناہ کے ارتکاب پر تعزیر میں مارنا درست نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملنے پینے سے منع فرمایا ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ضرب المسلمین اور ہمارے نزدیک واللہ اعلم اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ بتلایا ہے کہ بغیر اس کے کہ ان پر ایسی حد وجب ہوتی ہو کہ جس پر مارنے کا حکم آیا ہو انہیں مارا نہیں جاسکتا۔ کتاب الخراج ۱۵۱۔

(۳) مالے جو مالے: آپ نے مالی جرائموں کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ تو یہ خلاف اسلام ہیں۔ کہیں مالی جرائموں کا ثبوت ہی نہیں ہے ہمارے یہاں ایسے تمام قوانین کو بدل ڈالنا نہایت ضروری ہے جو خلاف اسلام چل رہے ہیں۔ تعزیر کی سزائیں مالی جرائم نہیں دی گئی جاسکتا۔ لایجوز للمسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی۔ شرعی وجہ کے بغیر کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا بھی مال لے لے، فتاویٰ شامی ۱۹۵ ج ۳، ۱۹۶ ج ۳۔ البتہ شخصی نقصان کا تادان دلا دیا جاتا ہے۔ اور معنی میں ہے "مجرم کا مال ضبط کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت مطہرہ میں ایسا حکم کہیں کسی ایسی شخصیت سے منقول نہیں ہے کہ جس کی پیروی کی جاتی ہو۔ المغنی ۳۱۶ ج ۳۔

(۴) آپ نے دریافت کیا ہے کہ کیا موجودہ حکومت کو اس کے خلاف نعرے لگانے یا تقریر کرنے پر قید کوڑوں اور جرماتوں کی سزا دینی شرعاً درست ہے؟

اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ حکومت مجھ کے خلاف نعرہ مازی اور تقریریں سب سے پہلے سنی

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری سالوں میں ہوئی ہیں، انہوں نے ایک دفعہ مرغھہ لوگوں
 و صوبہ بدری کا حکم دیا بیت المال سے ان کا وظیفہ بھی روک دیا۔ ان باغیوں کو اس سے زیادہ سزا دینے کا
 دت نہیں ملتا، پھر جب یہ باغی مدینہ منورہ میں گھس آئے تو انہوں نے انہیں قید کرنے کا انتظام کیا
 بسی کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی البتہ ان کی تقریریں اور نعروں کے جواب میں تقریر فرمائی ان کی
 نواں اور گفتگو کا جواب دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ رابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا زمانہ آیا
 آپ کے مخالف خوارج نے پریگینڈا اور نعرہ بازی کی معاذ اللہ؛ آپ کو کافر کہا۔ جماعت کے ساتھ
 مائیں چھوڑ دیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد کی ایک طرف سے انہوں نے نعرہ بلند کیا
 آپ نے ارشاد فرمایا۔ لکھم علینا ثلاث لا نمنعکم مساجد اللہ ان تذکر وانیہا
 سحر اللہ ولا نمنعکم الفیض ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولا نبذ لکم
 بقتال (ترجمہ) یعنی ہمارے دترہ تمہارے لئے تین امور ہیں۔ ہم تمہیں مسجدوں میں داخل ہونے
 سے نہیں روکیں گے۔ تم خدا کی یاد کرو۔ ہم تمہیں مال غنیمت بھی اس وقت تک دیتے رہیں گے جب
 تک تم ہمارے ساتھ ملکر جہاد میں شرکت کرتے رہو گے اور ہم تم سے لڑنے میں پہل نہیں کریں گے
 شعر المزی ۲۰، المعنی ص ۸۶ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں خوارج
 نے سراٹھایا۔ انہیں برا بھلا کہنا شروع کیا تو ان کے گورنر لبرہ عدی بن ارقا نے ان کی خدمت میں
 یہ حال لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ ان سبونی فسبوا و فاسدوا و ان شہروا
 السلاح فا شہروا علیہم و ان ضربوا فا ضربوا۔ ترجمہ اگر وہ مجھے برا کہتے ہیں (میرے
 خلاف پریگینڈا کرتے ہیں) تو تم انہیں برا کہہ لو یا معاف کر دو دیکھ نہ کہو، اور اگر وہ ہتھیار اٹھایا
 تو تم بھی ان پر ہتھیار اٹھاؤ اور اگر وہ مار پٹائی کریں تو تم انہیں مار دو پیٹو، المعنی ص ۸۶، آپ کے
 سامنے ان خلفاء راشدین کا عمل آگیا ہے جن کی خلافت بالا جماع صحیح اور خلافت راشدہ تھی اس طرح
 کے مسائل ان ہی حضرات چاروں فقہوں کے اماموں نے لے کر طے کئے ہیں ان حضرات نے مخالفانہ
 نعروں یا تقریریں پر کوڑے نہیں لگائے قید نہیں کیا، جرمانے نہیں کئے اور موجودہ حکومت نے تو
 نا حال بیعت عامہ ہی نہیں لی شے یعنی ووٹ نہیں لیا اسے سپریم کوڑے نے نظریہ فردت کے تحت چھوڑا
 دور کے لئے حکومت کہا ہے جسے ڈیڑھ سو سال قبل ایک موقع پر ہمارے علماء ہند نے حکومت موقتہ
 کا نام دیا تھا۔ موجودہ حکومت برصغیر پر خود یہ اعلان کرتی آرہی ہے کہ وہ انتخابات کر کے معزول ہو
 جائے گی۔ ایسی صورت میں تو اسے کسی کے نعرہ لگانے یا تقریر کرنے پر بالکل ہی سزا دینے کا اختیار نہیں
 رہتا اور سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر چکا ہے ان صاحب الحق مقالہ، حالانکہ وہ تین تین سزائیں قید یا قید
 با مشقت کوڑے اور جرمانے کی سزائیں جج کو ڈالے اور کوڑے بھی وہ جو انگریزوں نے اپنے دور بہت

میں غلام رعایا کے لئے رکھے تھے جو قطعاً غیر اسلامی ہیں اور پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام میں جرم مانے کی سزا کا ثبوت ہی نہیں ہے۔ جب یہ سزائیں یعنی کوڑے اور جرم مانے کا حق ہوئے تو شرعاً یہ ظلم شمار ہوں گے۔ اور ظلم خدا نے حرام قرار دیا ہے اسلئے حکومت کو چاہئے کہ فوراً ہی ان ضابطوں کو منسوخ کر دے ورنہ خدا کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوگی اور حکومت قائدہ الہی سے محروم ہو جائے گی۔ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں نصیحت و اخلاص کا تقاضا بھی ہے اگر حکومت خدا سے ڈرے تو اس کا نفع ہے، حدیث شریفہ میں آیا ہے: **الدين النصيحة** اور فرمایا ہے **التي دعوة المظلوم فانه ليس بيننا وبين الله حجاب**، مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا (مردور لگتی ہے) مشکوٰۃ عن معاذ ص ۱۵۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ مظلوم خدا سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حقدار کا حق نہیں روکتا۔ مشکوٰۃ ص ۴۶۔

(۵) آپ نے سوال کیا ہے کہ اسلام میں قید کے کیا احکام ہیں؟ اسلام میں قید تو کیا جاتا ہے مگر کس سے کم عرصہ کے لئے؟ مثلاً قاتل چور وغیرہ کو تا قنیکہ اس کے بارے میں فیصلہ ہو۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد یا اسے بری کر دیا جاتا ہے یا سزا دے دی جاتی ہے۔ اگر قیدی کو قتل نہ کیا گیا ہو تو سزا کے بعد یعنی حد جاری کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، اسے لمبی قید ہی میں سے چھوڑ دینا یا عمر قید اسلام میں نہیں ہے۔ البتہ قاتل کو جیل میں اسی کے فائدہ کے پیش نظر بعض اوقات لمبی قید ملتی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ مقتول کی نابالغ اولاد کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے کہ بچہ بالغ ہونے کے بعد اپنے باپ کا قصاص لیتا ہے یا دیت (خون بہا) لیتا ہے یا قاتل کو معاف کرتا ہے۔ اس کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جاتا ہے۔ اور قاتل کو قید میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی قسم کے قیدی کے ساتھ گالی گلوچ جائز نہیں نہ ہی اسے کسی طرح کی کھانے پینے اور رہنے کی گجگ کی ادیت پہنچانی جائز ہے۔ مثلاً دھوپ میں کھڑا کرنا، نہ ہی اسے تکلیفیں پہنچا کر بیان لینا جائز ہے۔ حدیث پاک میں وعید آئی ہے جو لوگوں کو عذاب دیتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا، کتاب الخراج لابن یوسف ص ۱۴۵۔ ۱۴۳۔ ۱۴۵۔ اگر قیدی مال دار ہے تو کھانا وغیرہ اس کے اپنے گھر سے ہوگا۔ ورنہ دس درہم مالانہ قیدی کے ہاتھ میں دیتے جائیں (یہ امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں چاندی کا سکہ تھا جو ایک دینار یعنی ساڑھے چار ماشہ سونے کے برابر ہوتا تھا۔ جو آجکل کم از کم آٹھ سو روپے کے برابر ہوگا) پھر اگر وہ رہا ہونے کے بعد یہ خرچ ادا کر سکتا ہے تو ادا کر دے گا قیدی کے سردی گرمی کے لباس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ سب سے پہلے قیدیوں کے ساتھ حسن معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ان کے بعد سب امراء نے، کتاب الخراج ص ۱۴۹۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکمنامہ جاری کیا تھا کہ کوئی جیلر اپنے قید خانہ میں کسی مسلمان قیدی کو ایسی طرح

باندھ کر نہ رکھے کہ وہ کھڑے ہو کر غارتہ پڑھ سکے اور اس قیدی کے سوا جو قتل کے کیس میں گرفتار ہو کر کسی کو مات قید خانہ میں مت گزرواؤ۔ (راستی دیر بھی قید نہ رکھو) اور انہیں کھانے پینے اور سالن کے لئے وہ کچھ دو جو ان کے لئے (ہر طرح) ٹھیک اور مناسب ہو، کتاب الخراج ص ۱۵۱ تقاضی القضاۃ ابی یوسفؒ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ابن عجم نے قاتلانہ حملہ کیا تو اسے پکڑ کر پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا: احسنوا اسارۃ فان عشت فانادلی دمی وان مت فخصما جتنا کضر سبنا۔ اس کے ساتھ قید میں اچھا سلوک کرو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں اپنے خون کا خود حق دار ہوں اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو میری جیسی قرب اسے لگائی جائے۔ المغنی ص ۱۰۸ ج ۸۔ امام شافعی فرماتے ہیں: فامر بحبسہ وقال لولدہ ان قتلتم فلا تمشلوا؛ ترجمہ: سیدنا علی کم اللہ وجہ نے ابن عجم کو قید کرنے کا حکم دیا اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اگر اسے تم قتل کرو تو نمشلہ نہ کرنا (مار کر ناک کان کاٹ کر شکل مت بگاڑنا) مختصر المغنی ص ۲۵۹، اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کے ساتھ، جب تک وہ زندہ رہے اور جب اسے مار دیا جائے بہر صورت کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی جاسکتی جتنی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مصیقین کی جنگ کے دوران جب کسی کو قید کر کے لایا جاتا تھا تو آپ اس کے ہتھیار اور سواری ضبط کر لیتے تھے اور یہ عہد اور وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ وہ مقابلہ کے لئے نہیں آئے گا۔ پھر اسے چھوڑ دیتے تھے؛ کتاب الخراج ص ۲۱۵۔ موجودہ حکومت اسلام کا سب سے زیادہ نام لے رہی ہے اور سب سے زیادہ باقتدار ہے اس لئے اس پر سب سے زیادہ واجب بھی ہے کہ وہ بڑے اسلامی نعل چھوڑ دے تاکہ وَمَنْ لَّمْ یُخْرِجْ کُریباً اَنزَلَهُ اللّٰهُ فَاُولَئِکَ هُمُ الظّٰلِمُونَ اور فَاُولَئِکَ هُمُ الْفٰسِقُونَ کی وعید سے بچ سکے اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ جہاں تک ان کی رسائی ہو سکے حکمرانوں کو سمجھاتے رہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے لوگ جب کسی کو ظلم کرتا دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ سب ہی پر خدا عذاب نازل کر دے، مشکوٰۃ ص ۴۳۔ اسی طرح جب کوئی بری بات دیکھیں تو روکیں کتاب الخراج ص ۱۵۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بار بار اتق اللہ "خدا سے ڈر" دیکھا کسی نے اسے ٹوکا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے یہ جملہ کہنے دو۔ اگر لوگ ہم سے یہ نہ کہیں تو ان سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور وہ اچھے نہیں اور اگر ان کی اس بات کو ہم قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی اور صلاح نہیں، کتاب الخراج ص ۱۵۱۔

(۶) آپ نے دریافت کیا ہے کہ اگر کسی کو یہ کہا جا رہا ہو کہ وہ قادیانی ہو گیا ہے اور وہ اپنی صفائی میں کہے کہ میں راسخ العقیدہ مسلمان ہوں۔ میں قادیانی نہیں ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ حضور خاتم النبیین تھے

آپ کو مہر نبوت عطا ہوئی تھی۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں رہتا اللہ علیہ وسلم تو کیا اس کا یہ اقرار
س کے مسلمان ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے دل کا حال تو خدا جانتا ہے کہ مذکورہ بالا کلمات قادیانی بھی کہتے ہیں جس میں وہ
جلی و فریب سے کام لیتے ہیں، کہتے ہیں میں قادیانی نہیں ہوں۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اللہ و تر ہوں،
غلام احمد قادیانی نہیں ہوں۔ یا یہ کہ میں قادیان کا رہنے والا نہیں ہوں۔ حضور غلام الثبتین تھے کا مطلب
وہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مستقل شریعت لے کر آپ کے بعد کوئی
نہیں آئے گا (بروزی نبی نہیں آئے گا) ان شریعت یہی رہے ایسا نبی آسکتا ہے (ظنی نبی آسکتا ہے)
وہ وہ غلام احمد قادیانی کے بارے میں ایسی ہی تاویلیں کرتے جاتے ہیں اور نبی کہتے جاتے ہیں۔ اس کے دیکھنے
الوں کو صحابی کہتے ہیں اور اس کی بیوی کو ام المؤمنین وغیرہ اور آپ کو مہر نبوت عطا ہوئی تھی کا مطلب
ہے کہ اب جو نبی آئے گا وہ آپ کے ہر لگائے بغیر نبی نہ ہو سکے گا اور مرزا قادیانی کے بارے
میں کہتے ہیں کہ اس کی نبوت پر معاذ اللہ آپ نے ہر لگائی تھی۔ بات یہ ہے کہ اگر کوئی قادیانیت کے
بارے میں اپنی صفائی پیش کرنی چاہتا ہے تو وہ صرف اتنی سی بات کہہ دے کہ ”میں مرزا غلام احمد قادیانی
کو کافر مانتا ہوں“ یا یہ کہے کہ آنحضرت کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی سمیت ہر مذہبی نبوت کو کافر مانتا ہوں
یہ کلمات واضح ہیں اور ہمارے آئین میں ہیں جو شخص یہ کلمات کہے اسے پھر قادیانی نہیں کہا جاسکتا۔
اور چونکہ جبر پر شبہ کیا جاتا ہے تو کچھ قرائن کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے صاف ہی الفاظ سے
اپنی صفائی کرنی چاہیے اور ان قرائن کی بھی صفائی بیان کر دینی چاہیے جن کی وجہ سے لوگوں کو شبہ پیدا
ہوا ہو۔!!

(۷) آپ نے سوال کیا ہے کہ مارشل لا میں خرابی کیا ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے سوال نمبر اسے غرض ملک کے جوابات ملاحظہ فرمائے ہیں خود
بھی غور فرمائیں کہ یہ شرعی غلطیاں پائی جا رہی ہیں یا نہیں (ب) ایک بشری خرابی جو ملک کا بہت ہی بڑا
نقصان ہے یہ ہے کہ فوج کے حکام ملک عوام کی رسائی نہیں ہے اور ان کے فیصلوں کا اور سب معاملات
کا انداز ہمتا ہے جس سے عوام کو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی غیر ملکی طاقت جو بے رحم اور اجنبی ہے سر پر
سوار ہو گئی ہے جیسے پہلے انگریز سوار تھا، آپ ہی بتلائیں کہ اگر عوام کے ذہن میں یہ بات آجائے تو
ان کی ہمدردیاں فوج کے ساتھ کہاں رہ سکتی ہیں اور فوج بغیر عوام کی طاقت کے کسی بیرونی ملک کے حملہ
کے جواب میں بغیر عوام کی بھرپور حمایت کے کیسے کامیاب ہو سکتی ہے گویا مارشل لا کی درازی فوج کو ایک
طبقہ کا روپ دے رہی ہے وہ بھی اعلان بھی کر۔ یہی ہے کہ ہم ایک طبقہ ہیں اس طرح دوسرا طبقہ عوام
ہو گئے اور ان میں اختلاف طبقاتی اور طبقاتی سرد جنگ کا پیش فیہ ہو گا جبکہ انہیں اس اختلاف

سے بالا اور سب عوام کا محبوب ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ (ج) حکومت تسلیم کر رہی ہے کہ رشوت کا ریٹ بڑھ گیا ہے۔ پانچ سے پچاس ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ مارشل لا ہے یعنی فوج کا سول علاقوں میں آجانا اس کا سبب بننا ہے فوج کے آدمی فرشتے نہیں ہیں جب وہ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے تو ان کا ذہن لڑنے کے کام کا نہیں رہے گا۔ حالانکہ قوم کا رویہ دفاع ہی پر سب سے زیادہ خرچ ہو رہا ہے اللہ رحم فرمائے آپ کی کسی ذریعہ اگر بڑے صاحب تک رسائی ہو تو انہیں سمجھائیں عرض معروض کریں عہد شاید کہ اتر جائے ترسے دل میں مری بات۔

(۸) آپ نے پوچھا ہے کہ ملک کی خرابیوں کا کیا علاج ہے۔ جنرل صاحب اسلامی نظام لا رہے ہیں آپ ان سے کیوں دور ہیں؟

والف، اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے اس کے سوا کوئی نظام اور کوئی تدبیر ایسی کارگر اور مؤثر نہیں ہے۔ اسلامی نظام کے تحت معاشرتی معاشی (اقتصادیات) مادیات سب کی اصلاح ہوگی قانون بدل جائے گا فوج کا بھی اور سول کا بھی وغیرہ (ب) اقل تو جنرل صاحب اسلامی نظام سے واقف نہیں ہیں اور جو واقف نہ ہو وہ اس نظام کو نہیں لا سکتا۔ در نہ چند مغتوں کا کام تھا یہ نظام تبدیل ہو جاتا نیز میں اب تو یہ تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ جنرل صاحب سچے دل سے نظام اسلام لانا چاہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ صرف اسلام کا نام استعمال کر رہے ہیں اور نہ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی قوانین کو سب سے نیچے درجہ دیا اس سے اوپر انگریزی قانون کو مقام دیا اور اس سے اوپر مارشل لا کو اگر وہ اسلامی نظام کے دل سے خواہشمند ہوتے تو اسلامی نظام کو سب سے اعلیٰ مقام دیتے۔ اگر خدا نے معاف نہ کیا تو خدا کے یہاں ان سے دین کے ساتھ اس مذاق و استخفاف پر سخت محاسبہ ہو سکتا ہے۔ چھ سال کے مشاہدات نے ہمیں مایوس کر دیا ہے اس لئے ہم ان سے دور ہیں۔ (ج) ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح پاکستان کا مذہب متعین ہے کہ اسلام ہو گا وہ اگر پاکستان کا مسلک بھی متعین کر دیتے کہ حنفی مسلک ہو گا۔ اس طرح یہ نتیجہ ہی فوراً برآمد ہوتا کہ :

● فوج میں انگریز کا بنایا ہوا فوجی قانون (مارشل لا) منسوخ ہو جاتا اس کی جگہ اسلام کا حنفی قانون جو موجود ہے نافذ کر دیا جاتا۔

● سول عدالتوں میں انگریز کا دیا ہوا دیوانی اور فوجداری قانون منسوخ ہو جاتا اس کی جگہ حنفی قانون آجاتا۔

● شیعہ اقلیت کے لئے فقہ جعفری کی اجازت دے دی جاتی۔

● عدالتوں کی بالا دستی تسلیم کرادی جاتی اس کام میں حکومت کو بہت سے اسلامی تفصیلات کی کتابوں کے ترجمے کو اگر حدیث کو بہتیا کرنے ہوتے اور علماء کو ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ بٹھا ہوتا یہ حکومت کے لئے چند ماہ سے زیادہ کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔

• اس سے فوری طور پر جو فوائد رونما ہوتے ان سے پوری قوم مطمئن ہوتی کیونکہ اس کا اثر اقتصادیت پر فضا ہی پڑتا مثلاً یہ کہ :

(الف) تمام ایسے بڑے کارخانے کجمن کے قیام میں اسٹیٹ بینک (بیت المال یعنی بیت المسلمین) زیر بار ہوتا ہے۔ ان سب کی آمدنی اسٹیٹ بینک کی ملکیت ہوتی اور کارخانے دار کا یا حقد ہوتا یا بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔ کیونکہ ایسے بڑے کارخانوں کا بار بواستہ بیت المال پوری قوم پر پڑتا ہے۔ اس لئے وہ کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔

(ب) تمام تاجروں کو بھی انکم ٹیکس کی چھوٹ دے دی جاتی کیونکہ یہ غیر اسلامی ہے اور کسٹم باقی امداد جاری رہتا یہ اسلامی ہے اور اس کے قانون فقہ میں موجود ہیں اور کسٹم ہی سے بیت المال کو زیادہ آمدنی ہے انکم ٹیکس سے آمدنی بھی بہت تھوڑی ہے۔ درآمد و برآمد دونوں پر ڈیوٹی کے احکام موجود ہیں۔

(ج) اور زمینوں کے بارے میں جمعیت علماء نے اپنے فتوے میں مفصل اصلاحات ذکر کی ہیں۔ اس قسم کی اصلاحات اور جماعتوں نے بھی اپنے اپنے فتوے میں کر رکھی ہیں۔ یہ اصلاحات سب جماعتوں کی قریب ہی قریب ہیں زمیندار اور مزارع سب ہی کو ان اصلاحات سے فائدہ ہوتا۔

(د) سرکاری بالکل غیر آباد زمینیں آباد کاروں کی ملکیت بنا دی جاتیں۔

(ه) خراجی زمینوں سے خراج وغیرہ بیت المال کی آمدنی کی مدت میں ہوتا جو حکومت کے کالوں میں صرف ہوتا۔ جس طرح عشر غنم باد پر صرف کے لئے ہوتا ہے۔

(و) ناداروں کا ذمہ رفتہ ضعیفوں اور بوڑھوں کا وظیفہ بیت المال سے جاری ہوتا چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی بوڑھے کو مانگتا دیکھا دریافت کیا کہ ایسا کہوں کرتے ہو۔ اس نے ضعیفی اور ناداری کا ہنر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جیسے اور سب لوگوں کو بھی تلاش کرو اور ان سب کا وظیفہ بیت المال سے جاری کر دیا۔ فرمایا کہ قرآن میں ہے ۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین ، فقرائے تو مسلمان محتاج لوگ ہیں ، اور یہ اہل کتاب میں ہے یہ مساکین میں داخل ہے۔

غرض اسلامی نظام عدل اور اقتصاد دی نظام دی ہے جس کی آج ہر انقلابی شخص متا کر رہا ہے کہ وہ برپا ہو یہ الگ بات ہے کہ دینی معلومات عام نہ ہونے کی وجہ سے اسے خبر نہ ہو کہ ہمیں اسلامی نظام میں یہ خود بخود لازماً اور دائمی طور پر ملے گا۔ انگریزی دور اقتدار نے جو دین سے ناواقفیت پیدا کی تھی وہ محاب بنی حلی آرہی ہے۔

غیر موجودہ حکومت تو اسلامی نظام لانے میں جری طرح ناکام رہی ہے۔ اس لئے میں ایم اڈی میں شامل جماعتوں سے اپنی تحریکات میں دلیل کرتا رہا ہوں کہ وہ اپنے اپنے دستور میں اتنی عبارت

کا صدق دل اور عزمِ محکم سے اضافہ کر لیں کہ جب برابر اقتدار آئیں گے تو ہمارے دور میں "عدلیہ آزاد اور بالادست ہوگی۔ قانون حق ہوگا۔ پرنسپل لاؤ فقہ جعفری ہوگا"

اگر میری آواز کسی طرح ان تک پہنچ سکتی تو امید ہے کہ وہ جماعتیں جنہوں نے تشکیک کے آئین پر دستخط کئے ہیں وہ تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ کریں گی اور اس تجویز کی منظوری کا اعلان بھی کر دیں گی تاکہ ان کی موجودہ جدوجہد حکومتِ البیہ، نظامِ مصطفیٰ اسلامی نظامِ دُغرض جو نام بھی لے لیا جائے کے لئے ہو جائے۔ اسی میں ملک کی سلامتی بھی ہے اور اسی میں عوام اور ان لوگوں کا جنہیں کمزور عوام (قرآن پاک میں مُسْتَضْعِفِین) کہا گیا ہے پائدار نفع ہے۔ لیکن سب قائدین زیرِ حرارت ہیں ان تک میری آواز نہ پہنچائے اور انہیں یہ تجویز قبول کرنے اور اس کے اعلان کی توفیق نہ بخشے، تاکہ ہمارے امدان کے لئے اس کا ثواب صدقہ جاریہ بنے، آمین!

جس طرح موجودہ حکومت پر میرے عہد میں لکھی ہوئی چیزوں پر شرفِ اعلیٰ کرنا فرض تھا اور ہے اسی طرح سابق حکمران جماعت پیپلز پارٹی پر بھی اس کا ماننا فرض ہے کیونکہ سیکرٹ کا آئین اس نے اپنے دور میں بنایا ہے جس میں اسلامی نظام لانے کا عزمِ مقرر کیا ہے اور اسی نے اسلام کے اقتصادی اصلاحات (اسلامی سوشلزم) کا نفاذ لگایا تھا۔ اس لئے اس پر اس تجویز کا غیر مقدم کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح اس موجودہ حکومت پر۔

آپ کے تمام سوالات کا جواب بھی بعد ازاں لکھا گیا اور آخر میں کچھ اور فردری باتیں بھی آگئیں آپ کا امر تھا کہ میں فردری استفادہ کا جواب لکھوں۔ اب طریقہ ختم کرتا ہوں۔ اپنے علم و دانست کے مطابق میرا یہی جواب ہے اور یہی فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم

وَصَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنا وَاَمَیْنِنا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

دعاؤں کا خواستگار سید حامد میاں

انا المصدق: محمد شاہ امروٹی (حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب، بروہی علیہم السلام)
الجواب جعیم: امیر حسین گیلانی (مولا نایب امیرین شاہ صاحب، گیلانی علیہم السلام)



عَمَّا اتَّفَقُوا عَلَيْهِ، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَمْرُكُمْ بَجَمْعٍ
 بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 (مشكاة المصابيح ج ۱ ص ۱۸۰ مجمع زاد المعاد ج ۱ ص ۱۸۰)

گراک چراغِ حقیقت کو گلِ یاقوت نے ترویج دیا صد آفتابِ تبصرہ کے

”شامِ الہدیٰ“ کراچی کی روداد

مرتبہ: نعیم الطاف ————— بہ تعاون شیخ جمیل الرحمن

محترم ڈاکٹر امجد احمد مدظلہ العالی کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دور رس کا ”الہدیٰ“ کے ماسٹل کے تحت پاکستان ٹیلی ویژن پر جب ۲۰ اپریل ۸۱ء سے ہفتہ وار اجرا ہوا تو بفضلہ تعالیٰ اس پروگرام نے پاکستان گیرمیانے پر اتنی عظیم مقبولیت حاصل کی کہ لوگوں کی حسی رستے پر سب سے کہ اس سے زیادہ مقبول و مؤثر ترین کوئی دینی پروگرام نہ اس سے قبل ٹی وی پر پیش ہوا اور نہ تاہنوز پیش ہوا ہے۔

ایک تو خود اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب بیان ہے کہ جس کے سامنے نزول قرآن کے وقت عرب کے تمام نامی گرامی شعراء و خطباء نے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ بلید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شعرائے سبع معلقا کے آخری شاعر ہیں یعنی ان کے شعراء میں سے ہیں جن کے اشعار اس وقت تک خانہ کعبہ پر تحریری طور پر لکھائے جاتے تھے جب تک کہ ان سے بہتر اشعار پیش نہ ہوں اور بلید ہی وہ آخری شاعر ہیں کہ جن کو ان کے تیسرے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آغازِ وحی سے قبل سو ق عکاظ میں شعلے وقت نے سجدہ کیا تھا۔ جو اس بات کی علامت اور اس کا مظہر کامل تھا کہ ان کو اس دور کے صنفِ شاعری اور فصاحت و بلاغت کا اُستاز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ وہ ہی بلید قرآنِ مبین کے اعجاز اور فصاحت و بلاغت نیز اس کے بدیہیات فطرت کو مسخر و متاثر کرنے والی تعلیمات کے آگے مرنگوں ہو گئے اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے اور اس کے بعد شاعری ترک کر دی۔ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ قرآن حکیم ن معجزاتی اور اثر پذیر کا عالم یہ تھا کہ عرب قوم جس کی گھٹی میں شرک و پجاسا ہوا تھا، جو بہت سے فحاش و زانیہ اخلاق میں طوط تھی، وہ ایسی مودود و متقی بن گئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انکی شان میں ارشاد فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ
 مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
 رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ
 رُكُوعًا مُجَدِّدِينَ تَسْبُحُونَ
 فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 مِمَّا هُمْ فِي وَجْهِهِمْ
 مِنَ أَشْرَ السُّجُودِ وَاللَّهُ
 مَنَّكَهُ فِي الشُّرَاسَةِ
 وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِزْهِيلِ
 كَزُرِّيْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ
 فَازْرَوْهُ نَاسْتَعْلِفْ فَاسْتَوَى
 عَلَى سَوْتِهِ يُعْجِبُ الشُّرَاعَ
 لِيُعْظِمَهُمُ الْكُفَّارُ
 وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ
 مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا
 (سُورَةُ فَتْحِ - ٧٩)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ
 ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت
 اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب
 دیکھو گے انہیں رُکوع و سجدہ
 اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی
 کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجدہ
 کے اثرات ان کے چہروں پر موجود
 ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے
 ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات
 میں اور انجیل میں ان کی مثال
 یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی
 ہے۔ جس نے پہلے کوئل نکالی، پھر
 اس کو تقویت دی، پھر وہ کدائی
 پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ شت
 کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے
 تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر
 جلیج اس گمراہ کے جو لوگ ایمان
 لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے
 ہیں۔ اللہ نے ان سے مغفرت اور
 بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔“

دوسرے اگر قرآن حکیم کے پیغام، اس کے علوم و معارف، فطرتِ انسانی میں
 نئے دہریتات کو اپیل کرنے والے دلائل اور اس کی واضح و سہرہن تعلیمات
 دور کی علمی و فکری سطح پر پُر تاثیر و اسلوب اور محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا
 تو عہدِ از دل خیز و بدل و بزد، والا معاملہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معزمِ فکر
 مدظلہ العالی کو جہاں خاص اپنے فضل و کرم سے ہم قرآن جیسی نعمتِ غنی و کبریٰ سے

ہے وہاں ان کو دلوں کو مسخر و متاثر کرنے والا اسلوب خطابت، انداز بیان اور طرز استدلال بھی عطا فرمایا ہے۔ موصوف کے درس قرآن حکیم سے ایک سامع یوں محسوس کرتا ہے گویا قرآن کا مفہوم اس کے دل میں اترا تا چلا جا رہا ہے اور اُس کے ذہن میں اس کلام عظیم کی عظمت کا نقش ثبت ہوتا چلا جاتا ہے۔

ٹی وی پروگرام ”الہدٰی“ کے ذریعے تطہیر افکار اور تعمیر سیرت و کردار کے لئے قرآن مجید کی انقلابی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کے اوصاف کی تعلیم ہر مہفتہ ایک جگہ پر ترتیب کے ساتھ ڈاکٹر امجد احمد مدظلہ کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دروس کی شکل میں قریباً پاکستان گیر پہانے پر گھر گھر پہنچ رہی تھی اور اس کے نہایت ہی تعمیری اور خوش گوار اثرات معاشرے پر مرتب ہو رہے تھے، لیکن بعد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ سوا سال بعد جب یہ نصاب نصف تک پہنچا تھا کہ اچانک بند کر دیا گیا۔ جس سے تمام محبِ دین مفلحوں کو شدید صدمہ ہوا۔ کراچی میں ”الہدٰی“ کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت کی بدولت چند اہل خیر کے تعاون سے انگریزی ماہ کی ہر آخری سو سو وار سپر، کو کراچی کے مشہور معروف ہوٹل ”تاج محل“ کے موتی محل آڈیٹوریم میں سجد اللہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء سے ’شام الہدی‘ کا آغاز ہو گیا ہے۔ راقم کی معلومات کی حد تک پور پاکستان میں اس آڈیٹوریم سے زیادہ وسیع اور معیاری شاید ہی کوئی دوسرا آڈیٹوریم ہو جو ملک ’تاج محل ہوٹل‘ نے بلا معاوضہ اس کام کے لئے پیش فرمایا ہے۔ اس آڈیٹوریم میں بارہ سو چالیس نشستوں کا انتظام ہے۔ بفعلاً تھلے نہ صرف یہ کہ تمام نشستیں وقت سے قبل پرپور گئیں بلکہ بعد میں سینکڑوں حضرات کی سیٹیں اور نشستوں کے درمیان نیم دائرہ میں جہاں قالین بچھا ہوا ہے وہاں بیٹھنا پڑا۔ محتاط اندازہ یہ ہے کہ پندرہ سو سے زائد افراد نے اس ’شام الہدی‘ میں شرکت فرمائی۔

اس ’شام الہدی‘ کے لئے کراچی کے تین روزناموں میں بزم کی طرف سے دو مرتبہ اشتہارات دیئے گئے نیز تین ہزار کے قریب دعوتی کارڈ مختلف حضرات کو ارسال کئے گئے تاج محل کے قریب گزرنے والی چار شاہراہوں پر میز لگائے گئے۔ شرکار میں علمائے کرام، حج ماہبان، وکلاء حضرات، صنعت کار، تجارت، نیز دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ

حضرات شریک تھے ان میں سے اکثر حضرات نے خطوط کے ذریعے درس کی افادیت، اس اثر پذیر اور اعلیٰ انتظام پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ آڈیو ریم کی گیلری میں پڑکے مکمل اتہام کے ساتھ خواتین کی نشست کا بھی انتظام تھا۔ خواتین کی تعداد بھی قریباً سوا دو سو باقاعدہ نشستوں کے کہیں زیادہ تھی اور بعض خواتین کو مختلف راستوں کی سیر پھیلوں پر بیٹھا پڑا۔ شریک خواتین کی تعداد کا محتاط اندازہ تین سو سے متجاوز ہے۔

آڈیو ریم سے باہر داخلے کے راستوں کے ساتھ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی مطبوعات نیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے دروس قرآن اور خطابات کے کیسٹوں کے اسٹال بھی لگائے گئے۔

مقررہ وقت یعنی ٹھیک سات بجے سورۃ العصر کی تلاوت سے اس مبارک وسیع مجلس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد سب سے پہلے جناب بریگیڈیئر دریا ترڈی، حامیہیل صاحب نے بطور تعارف اس 'مشام الہادی' کے انعقاد کا حسب ذیل پس منظر پیش فرمایا:

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

حضرات و خواتین - السلام علیکم

اُمّتِ مسلمہ صدیوں سے جس زوال اور پستی سے دوچار ہے اسے اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ ہے "قرآن حکیم سے مہجوری"، قرآن کی آفاقی تعلیمات دوری۔ اس ہجران اور بعد کا نتیجہ ہے ایمان میں ضعف و انحلال۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مسلمان اسی حشرِ شہادت اور منبع ایمان کی نظر جمع کریں۔ بقول مولانا ظفر علی خان مرحوم: "وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں" کا فلسفہ ڈھونڈنے کے لیے قادی کو بقرآن کی سیپاڑی میں قرآن مجید کے علوم و معارف اور اس کے "عبر و حکم" اس کے فطری طرزِ استدلال کو مسلمانانِ پاکستان کے ذہنوں اور دلوں میں اتارنے اور راسخ کرنے کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن حکیم کے مطالعے کے لئے ایک منتخب نصاب مرتب کیا اور اسی کام کی اپنی زندگی وقف کر دی کہ دعوتِ رجوع الی القرآن کے ذریعے لوگوں کو قرآن کی معجزانہ تعلیم

سے متعارف کرایا جائے — اور یہ سعی کی جائے کہ ان میں دین کے عملی تقاضے اور مطالبے پورا کرنے کے لئے ایک جذبہ، داعیہ اور ایک عزم وارادہ جڑ پکڑے اور پڑان چڑھے۔

پاکستان ٹی وی پر رمضان المبارک میں دو سال ڈاکٹر صاحب کے روزانہ پروگرام — ”الکتاب“ اور پچھلے سال پروگرام ”آلم“ کے مقبولیت اور پسندیدگی کے پیش نظر ٹی وی کے ارباب اختیار کی دعوت پر محترم ڈاکٹر صاحب نے ”الہدای“ کے ماحول کے تحت ہفتہ وار اپنے منتخب نصاب کے درس شروع کیا۔ ایک تو خود قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب طرز استدلال جس نے اپنے نزول کے زمانے میں عرب کے لوگوں کو جو اپنی مصفح و منفع شاعر و خطابت پر انتہائی نازاں تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، عاجز اور دنگ کر دیا تھا اور آج تک قرآن کا یہ چیلنج موجود ہے کہ: **اِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتَا سَوَۃٌ مِّنْ مِّثْلِهٖ** — ”اے لوگو! اگر تم کو اس قرآن پر شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سوت بنا لاؤ“ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب میں کاہن اور اس کی تفہیم کا جو موثر انداز عطا فرمایا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا شروع ہوا کہ رفتہ رفتہ عوام و خاص کی توجہات اور ان کا التفات قرآن حکیم کی تعلیمات کی طرف مرکوز ہونے لگا۔ خاص طور پر ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان و قلوب قرآن کے معجزانہ اسلوب اور ڈاکٹر صاحب کے پرتاثر و مدلل انداز بیان سے مسخر ہونے لگے اور قرآن ذہنوں اور دلوں میں نفوذ کرنے لگا۔ یہ خاکسار خود بھی ڈاکٹر صاحب اور انکی دعوت سے اس الہدای کے ذریعے متعارف ہوا۔ مجھے علم ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات الہدای کے پروگرام کے لئے اپنی دوسری مصروفیات کو طوی کر دیا کرتے تھے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ”الہدای“ کے پروگرام کے باعث ہمارے معاشرے کے ذہین افراد میں قرآنی تعلیمات نفوذ کر رہی تھیں اور بہت سے گھرانوں میں دینی ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ لیکن قوم کی قسمتی کہ یہ پروگرام عین اس وقت بند کر دیا گیا جبکہ وہ نصرت تک پہنچا تھا۔ اس بندش کو قریباً سوا دو سال گزر چکے ہیں اور مظاہر احوال اس کے دوبارہ اجراء کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔

ہاں حالات کراچی کے بعض احباب نے طے کیا ہے کہ ”الہدی“ کے پروگرام کے تسلسل کو جاری اور برقرار رکھنے کے لئے ”شام الہدی“ کے نام سے کراچی میں ایک ماہانہ مجلس کا کسی مناسب مقام پر انعقاد کیا جائے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس کے لئے انگریزی ماہ کی ہر آخری سوموار یعنی پیر کی شام کا وقت طے کی منظوری عنایت فرمادی اور جناب منصور فیروز الدین بوجہ صاحب مینجنگ ڈائریکٹر تاج محل ہوٹل نے اس کا رخبر کے لئے بلا معاوضہ اس آڈیٹوریم کی بطور تعاون پیش کش فرمائی جس میں آج بفضلہ تعالیٰ ”شام الہدی“ کی پہلی نشست منعقد ہو رہی ہے۔ اس ”شام الہدی“ کے جملہ انتظام و انصرام کے لئے ایک غیر رسمی ملحقہ ”بزم احباب الہدی“ کراچی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ غیر رسمی سے مراد یہ ہے کہ اس بزم کے نہ کوئی قواعد و ضوابط ہیں، نہ کوئی دستور ہے۔ نہ عہدے ہیں نہ انتخاب ہے۔ اس کا اولین مقصد خاص غیر جماعتی طلبہ پر انگریزی ماہ کی ہر آخری پیر کو مغرب کے بعد ”شام الہدی“ کا انعقاد ہے۔ ضرورت متقاضی ہوتی تو یہ ملحقہ مزید درس قرآن کی مجالس بھی منعقد کرنے پر غور کر سکتا ہے۔ اس خاکسار کے کاندھوں پر اس ”بزم احباب الہدی کراچی“ کے خادم کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خاکسار کی اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں نصرت فرمائے۔ اس ”شام الہدی“ کے انعقاد کے جملہ مصارف متعدد خادمان قرآن حکیم کے مالی تعاون سے پورے کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اصحاب خیر کو اجر و ثواب سے نوازے۔
 — اب جملہ شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ نوٹ فرمائیں کہ ان شاء اللہ العزیز انگریزی ماہ کی ہر آخری سوموار (پیر) کو بعد نماز مغرب اسی مقام پر ”شام الہدی“ کا انعقاد ہوا کرے گا۔ اس سلسلے کی دہری نشست ۲۶ نومبر کو منعقد ہوگی۔ آپ تمام حضرات دعواتین سے درخواست ہے کہ اس میں خود بھی شرکت فرمائیں اور اپنے ملحقہ احباب اور متعلقین کو بھی شرکت کی دعوت دے کر اس کا رخبر میں تعاون فرمائیں۔

مجھے احساس ہے کہ ان تعارفی کلمات کے باعث میں کافی دیر تک آپ کے

اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درمیان حائل رہا۔ اب میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کے درس کا آغاز فرمائیں۔
والسلام معہ الاکرام

محترم بریگیڈیئر صاحب کے تفریقی کلمات کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے خطبہ مسنونہ کے ساتھ ”سورۃ حجرات“ کے درس کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بطور تمہید فرمایا آج سے قریباً پندرہ سال قبل انہوں نے اس نقطہ نظر سے مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مرتب کیا تھا کہ قرآن مجید کے بعض مقامات سے ایک مسلمان کے سامنے یہ بات بالکل واضح طور پر آجائے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کی انعطافی دعوت، اس کا انقلابی پیغام اور فکر کیسے اور اس کا رب اُس سے کیا چاہتا ہے، اگواہیوں کے تقاضوں اور مطالبوں کا ایک اجمالی لیکن جامع تصور پیش کرنا اس کا اصل مقصد ہے اس نصاب کی جڑ اور بنیاد سورۃ العصر ہے جس میں نجات اخروی کی چار ناگزیر شرائط کا بیان ہوا ہے۔ چونکہ سورۃ العصر میں اس نجات کے چار لوازم: ایمان، عمل صالح، تواضع بالحق اور تواضع بالبصر بیان ہوئے ہیں، لہذا یہ نصاب اسی ترتیب سے قرآن حکیم کے بعض مقامات پر مشتمل ہے۔ عمل صالح، باطنی و ظاہری انسان کی عمل زندگی کے ضمن میں آخر میں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی تاسیس و تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی ہے! اس ریاست کا مکمل شہری ہونے کی شرائط کیا ہیں! معاہدہ کی شیرازہ بندی کے اصول کیا ہیں! وہ فراموش کیاں کونسی ہیں جن سے ایک اسلامی معاشرے کو بہر حال اجتناب ضروری ہے! اسلام اور ایمان کا فرق کیا ہے! اسلام کا آفاقی پیغام کیا ہے! پوری ذریعہ انسانی میں باہم ربط و تعلق کی اساسات کون سی ہیں! ان تمام بحث کے ذیل میں سورۃ حجرات عظیم سورت ہے۔ اسی سورت کے درس کی تکمیل کے بعد ہی دُر پر و گرام ”الہدٰی“ بند ہوا تھا۔ لہذا اس شام ”الہدٰی“ کے لئے اس سوہ مبارک کے درس کو منتخب کیا گیا ہے۔ آئندہ اس منتخب نصاب کا وہ حصہ شروع ہو گا جو تواضع بالحق کے مباحث سے متعلق ہے جس میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے مضامین زیر درسر آئیں گے۔ اس سلسلہ میں پہلا درس ان شاء اللہ نومبر ۸۴ء کی آخری سوموار کو اسی مقام

پر ہوگا۔

ان تہیدی کلمات کے بعد سورۃ حجرات کا درس شروع ہوا۔ بزم احباب الہدیٰ کی جانب سے اس سورہ مبارکہ کی سلائیڈ بنوائی گئی تھیں جو ایک بڑے اسکرین پر دیکھ کر کے ذریعے درس کے ساتھ ساتھ دکھائی جا رہی تھی۔ مزید برآں اس سورہ مبارکہ کے مضامین کا محترم ڈاکٹر صاحب نے منتخب نصاب میں جو تجویز تحریر فرمائی ہے، بزم احباب الہدیٰ کی جانب سے اس کا پمفلٹ کو طبع کرایا گیا تھا جو معاصرین میں تقسیم کیا گیا رہے۔ تجویز یہ اس روداد کے آخر میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

دوسرے آغاز اور اختتام پر محترم ڈاکٹر صاحب نے مالکان تاج محل اور ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اس شام الہدیٰ کے انعقاد میں مالی یا عملی تعاون کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ ان شاء اللہ ان حضرات کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہو گا نیز ایسی مجالس کے ذریعے جو بھی خیر معاشرے میں پھیلے گا وہ اس کے انتظام کرنے والوں کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

یہ مجلس قریباً پونے تین گھنٹے تک جاری رہی۔ درس و ترمیم و گفتگو کا تھا۔ لیکن دوران میں اچانک ایفلی فائر کے ہیوز خراب ہو گئے قریباً تیس منٹ متبادل انتظام کی نذر ہو گئے اس دوران سامعین اپنی نشستوں پر تشریف فرما رہے۔ قریباً دس منٹ محترم برگڈیئر صاحب کے تعارفی کلمات میں صرف ہوئے۔ درس کے بعد ہوٹل ہی میں تعمیر شدہ مسجد میں صلوٰۃ عشاء ڈاکٹر صاحب موصوف کی اقتداء میں باجماعت ادا کی گئی۔

ایک خاص بات

بزم احباب الہدیٰ کے چند معاونین کی تجویز اور اصرار پر اسے پولیہ درس کارنگیریے ویڈیو کیسٹ بھی تیار کرایا گیا ہے۔ یہ کیسٹ مبلغ تین سو روپے میں مندرجہ ذیل پتوں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ جو حضرات بذریعہ رجسٹرڈ پارسل منگانا چاہیں۔ ان سے گزارش ہے کہ تین سو روپے کا بینک ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا

جائے گا، یا بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیے۔ لیٹ بہت صاف
اور صحیح طور پر تیار ہوا ہے۔

- ۱۔ نشر القرآن کیسٹ سیریز ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاپٹاپ
- ۲۔ شاخک ٹریڈر ذریعہ مینشن بالمقابل آرام باغ شاہراہ بیاقت

کراچی علی
تاثرات جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اس 'شام الہدی' میں زندگی کے
مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں
شریک ہوئے تھے۔ متعدد حضرات نے اپنے تاثرات زبانی بھی بیان کئے اور تحریری طور
پر بھی ارسال فرمائے۔ ایک مقتدر عالم دین کا تاثر بھی معلوم ہوا کہ ان کی رائے میں ڈاکٹر
صاحب کا یہ درس خاص طور پر علمائے کرام کے کسی اجتماع میں بھی ہونا چاہیے۔ اس میں
جو نکات بیان ہوئے ہیں ان میں علماء کے لئے رہنمائی کا پہلو بھی موجود ہے۔ انہوں
نے ڈاکٹر صاحب کے فہم قرآن حکیم پر صرف اطمینان کا اظہار کیا بلکہ خراج تحسین بھی پیش
فرمایا۔ خطوط میں سے صرف کراچی سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ عبدالقادر جسبانی
کے انگریزی خط کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے

محترم بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب!

گزشتہ شام تاج محل ہوٹل کے آڈیٹوریم میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد
صاحب کے درس قرآن کے موقع پر آپ کی جانب سے عمدہ انتظامات پر میں آپ
کو اور آپ کے معاونین کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا
خطاب حدودِ بعیرت افروز اور اس درجہ جامع تھا کہ مجھے یقین ہے اس خطب
نے ہال میں موجود معاشرے کے مختلف طبقات کے تعلیم یافتہ (INTELLECTUALS)
افراد جن میں مرد، عورتیں اور بوڑھے جوان شامل تھے، سب کو
بھرپور طور پر متاثر کیا۔ اس موقع پر خواتین کے لئے جو بارودہ انتظام کیا
گیا وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ اس ضمن میں میرے اہل خانہ آپ کے ممنون
احسان ہیں۔

خدا کرے کہ یہ بزم (اجاب الہدیٰ) اسی طور پر کھلے ذہن اور مجاہد جذبے کیساتھ اپنے مقاصد کے حصول کی کاوش جاری رکھے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرآن کی جانب متوجہ ہوں اور قرآن کی زبان اور اس کا مفہوم اپنے صحیح سیاق میں لوگوں کے سامنے آ سکے۔

آپ کا خیر خواہ

عبدالصمد درجستانی

(ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

بقیہ : علمائے کرام کے لئے توجہ طلب مسئلہ

میں تسلی یا اجمالی ہدایت موجود ہے۔ اجمالی ہدایت کا مطلب یہ کہ قرآن و حدیث میں ہر شعبہ زندگی سے متعلق ایسے اصول کلیہ تمام و کمال موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر نئے جدوی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز اور جائز ہے تو کس درجہ کا اور ناجائز ہے تو کس درجہ کا، لہذا مسئلہ زیر بحث کا شرعی حکم جاننے، اور اس کی حیثیت متعین کرنے میں فقہی مواد کے ساتھ ان اصول و مبادی کا بھی ضرور لحاظ رکھا جائے جو معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں، اگر فقہی آراء و اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہو تو اس رائے اور قول پر اعتماد کیا جائے جو قرآن و حدیث کے اصول و مقاصد سے واضح مطابقت رکھتا ہو بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ استدلال میں کسی فقہی جزیئیے کیلئے کو پیش کردار کی بجائے قرآن و حدیث کی وہ نص پیش کی جائے جس سے وہ جزیئیہ کلیۃً اخذ کیا گیا ہے تاکہ ذہنوں پر قرآن و حدیث کی عظمت قائم ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ دلوں میں ابھرے۔ نیز مسلمانوں کے اس بلند بانگ دعوے کا ثبوت فراہم ہو کہ قرآن و حدیث میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ کے متعلق ہدایت و روشنی موجود ہے۔

افکار و آراء

اسے متعلق ہونے کے تحت شائع ہوئے انکار و انادے اور اسے کامتفق ہونا ضرور ہے نہیں ہے !!

امیر محترم کے خطاب شائع شدہ "یشاق" ستمبر ۲۸ پر

معاصر ہفت روزہ "چٹان" لاہور میں شائع شدہ "گفتنی گفتنی" کا ایک اقتباس!

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہمارے ملک کی معروف شخصیت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کہنا چاہیے کہ وہ تنازعہ شخصیت بھی ہیں اور یہ کوئی اچھے کی بات نہیں زندہ اور متحرک دنیا میں ایسا بڑا لازمی امر ہے۔

ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیت طلبہ کے اسٹیج سے اُبھر کر جماعت اسلامی میں آئے اور نہایت جھوٹی عمر میں جماعت میں اہم مقام حاصل کیا۔ جتنی کہ ایک اسٹیج پر اجلاس پامپی گوٹھ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ جماعت سے

الگ ہوئے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اس اجلاس میں سب سے مؤثر مقالہ ڈاکٹر صاحب نے پڑھا جس میں مرکزی قیادت سے اپنے اختلاف کا ذکر کیا۔ جماعت سے علیحدگی کے بعد وہ ایک عرصہ تو اس کوشش میں رہے کہ

جماعت سے الگ ہونے والے اکابر و اصغر کو ساتھ لے کر ایک نئی تنظیم کھڑی کریں۔ لیکن جب اس میں خالص خواہ کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے مرکزی انجمن خدام القرآن کی بنا ڈالی جس نے کہنا چاہیے کہ

رجوع الی القرآن کی خاصی تحریک پیدا کی اور کوئی بڑا اختلاف کرے، اسے تسلیم کر پڑے گا کہ وہیں قرآن وغیرہ کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب نے خاصی تعداد میں لوگوں کو متاثر کیا اور ملک کے مختلف شہروں

میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بڑے اشتیاق سے ان کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے گذشتہ رمضان کے دو جمعوں میں مسجد دارالسلام باغ جناح (لاہور) گارڈن (۱)

میں جو خطبہ ارشاد فرمائے انہیں کیٹ سے منتقل کر کے ان کے ماہنامہ "یشاق" کی اشاعت ستمبر ۱۹۸۲ء

لے معاصر محترم کو منظرِ ملا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس امر کے خواہشمند تھے اور کوشاں بھی کہ جماعت اسلامی کے طریق کار اور پالیسی سے اختلاف کے باعث علیحدہ ہونے والے اکابر صحیح حدود پر کوئی جماعت قائم کریں تاکہ

موصوف اس میں جتنی ایک کارکن اپنے دینی فرائض بجالائیں۔ جب قریباً پندرہ سو سال تک اس میں کامیاب رہے نہیں ہوئی تو پھر ڈاکٹر صاحب نے از خود تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ (درتیب)

میں شامل ہوئے ہیں ان خطبات کا عنوان ہے "قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات" یہ طویل خطاب ڈاکٹر صاحب کے محرکۃ الامارہ خطبات میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے برصغیر ہندوستان کے حوالہ سے قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات، اس عنوان سے کام کرنے والی شخصیات، ان کے متعلق علماء کرام کا رد عمل اور پھر ان تحریکات و شخصیات کے انجام پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اس ضمن میں سب سے پہلے سر سید احمد کا ذکر ہے۔

جنہوں نے قرآن عزیز کے ایک حصہ کی تفسیر کو بعض مستحقہ حقیقتوں کا انکار کیا تھا علماء کرام کے ان سے اختلافات انہی وجوہ کی بنا پر تھے جنہیں یاد گوگوں نے کئی رنگ دیدئے اور علماء کے ذمہ یہ بات لگائی کہ وہ جدید تعلیم کے خلاف ہیں، یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ بعض حضرات کی سر سید احمد خان سے خط و کتابت موجب گئی اور کچھ گرد و جناب رجعت گیا پھر یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ سر سید احمد خان نے اس عنوان سے کوئی جماعت یا تحریک نہ اٹھائی بلکہ کالج دیوبند رشی کی تعمیر و ترقی میں لگے رہے اور باقاعدہ اس کے ایک کونہ میں ایک ٹینڈ سو گئے۔ چند افراد کان کے انکار سے متاثر ہونا ایک الگ مسئلہ ہے ان کے بعد اہل قرآن کا عنوان قائم کر کے کئی ایک لوگ اٹھے انہوں نے باقاعدہ تحریکیں کھڑی کیں جن میں سے جو بڑی اور مردہ شکل ہمارے دور کے پردیز صاحب کی ہے جو رسول سروس کی ملازمت کرتے، کرتے مفسر قرآن بن گئے اور ایک مستقل فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ اب وہ نبی کریم علیہ السلام کو رسول تو مانتے ہیں معارض نہیں مانتے اور آپ کے ارشادات کو بھی سازش سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس خطاب میں ایسی متفرق شخصیات اور ان کی تحریکوں کا ذکر کے علمائے حق کے خدشات کو کسی درجہ میں میچ قرار دیا ہے اور اپنے بارے میں واضح کیا ہے کہ وہ قرآن کے خادم ہیں انہیں علم و فضل کا کوئی دعویٰ نہیں اور یہ کہ وہ علمائے کرام سے کسب و استفادہ اور تعلق اپنے لئے ضروری جانتے ہیں۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ قرآن مجید کے مسلمانوں پر موقوف نامی اپنے سالہ کا ایک نصف دینہ منورہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کی خدمت میں اس نقطہ نظر سے پیش کیا۔ کہ حضرت مولانا سے طالعہ فراگ اگر کوئی چیز قابل اصلاح ہے تو اس کی اصلاح کر دیں۔ مولانا نے مسجد بنوری میں بحالت اعتکاف اسے پڑھا اور صرف ایک جملہ کی ترمیم فرمائی ڈاکٹر صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا کی اس ترمیم سے وہ جملہ مزید نکھر گیا اور میراجو مفہوم تھا وہ اور واضح ہو گیا۔

یہی انجمن خدام القرآن کے حضرات میں سال بسال ہندوستان اور پاکستان کے جید علماء کریم کو بلانا بھی ان کی عادت ہے اور اپنے دعویٰ علماء میں مختلف شہروں کے اہل علم کے ہاں وقت نکال کر جانا بھی ہمیں معلوم ہوا ہے

یہ روایات ہر حال اچھی ہیں اور توقع کی جا سکتا ہے کہ اس طرح ان کا ایک گروہ تعلق علماء حق

سے رہے گا اور علماء کرام سے بھی درخواست ہے کہ وہ کوئی نقص یا کمی محسوس فرمائیں تو صاحبِ واقعہ سے رابطہ کر کے بات صاف کرنے کی کوشش کریں کہ اصل دین یہی ہے، معنی سنی سنائی باتوں پر بیگانگی صحیح نہیں اللہ تعالیٰ خدام القرآنؑ وہ جہاں بھی ہوں، انہیں اپنی تائید و نصرت سے نوازے !

ماہنامہ میثاق اگست ۲۸ کے شمارے پر سہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور کا تبصرہ

جناب غلام احمد پر دینے قرآن مجید کے نام پر ایک تحریک چلائی ہے۔ لیکن موصوف نے قرآن کے نام پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جوٹکا کرنے کا عمل بھی جاری رکھا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب موصوف نے بھی اپنی تنظیم کا ہدف "قرآن مجید اور اس کی تعلیمات" کی اشاعت کو بنایا ہے۔ لیکن درجہ سے احادیث کو ٹکھا نہیں دیا۔ ہاں تبریز قرآن کے مؤلف کے چوکوں کا سلسلہ کچھ حصہ سے جاری ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر موصوف کو ان کی خراشوں سے محفوظ رکھے۔ حالیہ شمارہ میں سرسید، پرویز مرزا اور مولانا اسلامی صاحب وغیرہ کا تجزیہ بھی کیا ہے جو ہمارے لئے حوصلہ افزا ہے۔

"میثاق" کے حالیہ دونوں شماروں میں ڈاکٹر موصوف کا ایک مقالہ "جہاد بالقرآن" شائع کیا گیا ہے جو نہایت اہم، معلوماتی اور بعیرت افروز ہے۔ یہ مقالہ انہوں نے انجمن خدام القرآن لاہور کے چھ سالانہ محاضراتِ قرآنی کے اختتامی اجلاس میں ۲۵ مارچ کو پڑھا تھا جس کی صدارت غلام سعید احمد اکبر آبادی زادہ اللہ تشریفاً و کرم نے کی تھی۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ٹیلی ویژن کے دوروس بھی شائع ہو رہے ہیں جو غامضیہ ہیں امدان سے حالات اور وقت کے مناسب راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خدمتِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کو حدیثِ پاک سے آزاد نہیں رکھا اور قرآن کی جو تفسیر پیش فرماتے ہیں، ان کی تفصیلی کڑیاں ہیں مگر کچھ محول محسوس ہوتا بھی ہے تو وہ موصوف کی باتوں کی جزوی حیثیت ہے۔ ایسا اختلاف اہلِ علم کے علمی سفر میں آئی جاتا ہے۔

ماہنامہ میثاق کا مطالعہ قرآن مجید کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ایسا احادیثِ پاک کی تعبیر اور توجیہ کے لئے ایک نیا اسلوب بیان مہیا کرتا ہے۔ جو نئی احوال قابلِ برداشت ہے۔

بالخصوص عمرِ حاضر کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے لئے ایک سلیقہ پیش کرتا ہے جس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ لیکن موصوف خاصے فطین اور ذہین ہیں اور نہایت سبق رفتاری سے دوڑ رہے ہیں۔ اس لئے علماء و محققان پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اب تک بیشتر وہ ہیں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس زمانے میں ہندوستان آئے جب کہ میں خود پاکستان میں تھا۔ (مراد ہے ڈاکٹر صاحب کا حیدر آباد دکن اور ملی گڑھ کا اپریل ۸۸ء کا دورہ) وہاں سے ڈاکٹر صاحب کا وردہ مسجد ملی گڑھ میں بھی ہوا اور جیسا کہ مجھ کو ملی گڑھ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت و خطابت سے ملی گڑھ کے لوگ کافی محفوظ ہوئے۔ **فجواہ اللہ**۔ خدام القرآن کے جلسہ میں میں نے جو تقریر یوں لٹا ابوالکلام آزاد پر کی تھی وہ ”حکمت قرآن“ میں چھاپ دی گئی ہے۔ ملی گڑھ میں اسے کئی ارباب علم نے پڑھا اور پسند کیا۔ آج کل جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو بعض حضرات کی طرف سے مخالفت کا سامنا درپیش ہے۔ لیکن بروہہ شخص جب کوئی تحریک شروع کرتا ہے۔ ابتدا دے

ان حالات سے گزرنا ناگزیر ہے۔ **وَقَفْنَا لِلَّهِ جَمِيعًا** لہا یحبہ حی سنی۔ والسلام! ●●●

یہ نبوی کے
دو عظیم تحفے
من میں

ڈاکٹر اسرار احمد

مفتاح حسن مرکزی، نیشنل سائنس سنٹر، اسلام آباد، پاکستان
کے دوسرے نام کے ذریعے

☆ رسول کامل ☆

یعنی پاکستان کی سب سے بڑی ۱۲ کتابوں کا مجموعہ اول

فائنل سائنس، سائنس، سائنس

سورہ احزاب، سورہ ۲۲ کی روشنی میں

پاکستان کے سائنس دانوں کے لیے

مفتاح حسن مرکزی، نیشنل سائنس سنٹر، اسلام آباد، پاکستان

دست - ۸۵۳۱۱

رفتار کار

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ پشاور

امیر محترم، اپنے حالیہ دورہ پشاور کے سلسلے میں نو اکتوبر کو رات کو بجے پشاور پہنچے تو ہوائی اڈے پر رفقہاء کے ملاؤں کے پشاور میں میزبان حاجی عبدالرشید صاحب بھی استقبال کے لئے موجود تھے۔

اس دوسرے میں امیر محترم کے ہمراہ نائب امیر تنظیم اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب بھی تھے۔

امیر محترم کا قیام ۱۴ مرتبہ بھی حسب سابق حاجی عبدالرشید صاحب کے اس تھا۔ امیر محترم کے اس دورے کی تشہیر کے سلسلے میں مقامی تنظیم کے بھرپور کوشش کی اخبارات میں خبریں شائع کر دوائی گئیں جبکہ شہر اور پورے علاقے کے نمایاں شخصیات پر مشرور اور یزید بھی لگائے گئے تھے۔

مزید برآں حاجی عبدالرشید صاحب نے دو مقامی اخبارات میں باقاعدہ اشتہارات بھی شائع کروائے۔

امیر محترم کی پشاور میں آمد کے دوسرے دن یعنی دس اکتوبر کو دو اجتماعات خصوصی برائے رفقہاء منعقد ہوئے۔

اس میں تقریباً تمام رفقہاء نے شرکت کی۔

یہ اجتماعات صبح کو بجے اور پھر بعد از نماز ظہر دو بجے منعقد ہوئے جن میں قمر سعید قریشی صاحب نے رفقہاء کو تنظیمی

دورے کے بارے میں ہدایات دیں اور معمولی رد و بدل کے بعد مقامی تنظیم کو چار اُسروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ امیر محترم کے

نے حالیہ درس کا موضوع ”جہاد بالقرآن“ تھا جبکہ اس سلسلے میں اجتماع کا اختتام ایک مقامی ہوٹل کے ہال میں کیا گیا تھا۔

امیر محترم کے درس کے لئے بعد از نماز مغرب کا وقت بے پایا تھا لیکن مین موٹ پر بجلی کے چلے جلنے کی وجہ سے

بیس کچھ تاخیر سے شروع ہوا۔

امیر محترم نے اپنے درس کا آغاز سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ کی تلاوت سے کیا اور جیسا کہ اس آیت مبارکہ

”وَاللّٰهُ تَعَالٰی نَعْتَصُوْرُکُوْحَمْدِکُوْا کَر“ اسے نبی ان کا ذوق کا کہا ہرگز نہ مانئے اور ان کے ساتھ مجاہدہ کیجئے،

نکس کیجئے۔ اس قرآن کے ذریعے سخت مجاہدہ اور شدید کشمکش، امیر محترم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے

ایک چند اسلامی اصطلاحات آج کل کے اسلامی معاشرے میں اس طرح گڑبڑ ہو گئیں ہیں کہ سب سے پہلے ان کی وضاحت

مائی تو ضرور طلب ہے اس ضمن میں لفظ جہاد انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس لفظ کے بارے میں عوام الناس اور اہل

مذہبوں کے دونوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جس کی بنا پر وجوہات مسلمانوں کا مغربی استعمار کے

براہ راست غلامی میں آنا اور پھر آج کل مغرب کا اسلام کے خلاف انتہائی مؤثر پروپیگنڈا اور مسلمانوں کی ذہنی اور فکری

انی ہیں۔

امیر محترم نے لفظ جہاد کی تشریح میں فرمایا کہ ”مضامین قریب میں جب مسلمان براہ راست محکوم تھے صرف سیاسی

ذہنی اور فکری اعتبار سے بھی تو اس وقت اہل مغرب کی طرف سے ہم پر جہاد کے حوالے سے بڑے بار بار حوالے ہوئے

رکھا گیا کہ جہاد

ہوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانے سے

چنانچہ ہم نے اس کے جناب میں بہت معذرت خواہانہ اظہار اختیار کیا۔

دوسری بات یہ کہ ذہنوں میں یہ مغالطہ بٹھایا گیا کہ جہاد کے معنی "جنگ" ہیں اس میں اختیار اور اپنوں کے مشترکہ کارستانیوں شامل کار میں جبکہ قرآن و مستقل اصطلاحات استعمال کر رہے یعنی "جہاد فی سبیل اللہ" اور قتال فی سبیل اللہ لہذا عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جہاد کے معنی ہیں جنگ۔ تیسری بات یہ کہ ظاہر ہے کہ جنگ ہر وقت اور ہمیشہ نہیں ہوتی لہذا جہاد فرض کیا یہ وہ گیا اور فرض عین کی فرست سے خارج ہو گیا۔

چوتھی بات یہ کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے گا گویا وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان ذاتی حیثیت میں جہاد فاجر و فاسق ہو سکتا ہے۔ وہاں ظلم بھی ہو سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی مگر ان جو فاجر و فاسق اور ظالم ہو وہ ناحق جنگ بھی کر سکتا ہے جس میں اس کا مقصد اپنی سلطنت کی توسیع اور اقتدار کی پائیداری ہو اور دین کے کوئی خدمت پیش نظر نہ ہو تو ایسی جنگ کبھی بھی جہاد نہیں کہلا سکتی۔

مندرجہ بالا وضاحتوں کے بعد امیر عزم نے فرمایا کہ جہاد کی مدنیادی مثال کے بارے میں آج میں وضاحت کروں گا جبکہ بقیہ بات ابن شداد اللہ آئندہ کبھی بیان کی جائے گی۔

امیر عزم نے فرمایا کہ پہلی منزل ہے خود اللہ کا بندہ بننا اور یہ بندگی ہمہ وقت ہمہ وجہ اور بہترین ہوگی۔ یہ جزوی نہیں ہوگی اور اس کے لئے دین میں چار اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں پہلی اسلام یعنی تسلیم غم کرنا دوسری اطاعت یعنی مطاعت و مطاعت تک کر کے رہنا وغرضی فرمانبرداری قبول کر لینا۔ تیسری تقویٰ اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا۔ اس کی نافرمانی سے باز رہنا۔ اطاعت و تقویٰ میں ثبات و مستحی روتہ سامنے آتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

چوتھی اور آخری جامع ترین اصطلاح ہے عبادت۔ اس میں اسلام، اطاعت اور تقویٰ کے تمام مفہام گئے ان اصطلاحات کی وضاحت کے بعد امیر عزم نے فرمایا کہ اس پہلی منزل پر تکمیل کرنی ہوگی اپنے نفس کے خلاف اور اسے ہمیشہ مضبوطی سے انہماک و قرار دیا ہے۔ دوسری منزل ہے اس دین کو عام کرنا یعنی لوگوں تک پہنچانا۔ اسے پھیلانا اس منزل کے لئے جامع ترین اصطلاح ہے شہادۃ علی الناس یعنی لوگوں پر حق کی گواہی دینا۔

امیر عزم نے فرمایا کہ یہ دونوں منازل ملے کی جائیں گی۔ قرآن کی مدد سے اسی کے سہارے۔ کیونکہ قرآن ہی وہ مؤثر ادا کار ہے جو ہمیں جس سے نفس امارہ کو کچلا جاسکتا ہے اور قرآن ہی وہ نظری اور حقیقی دلائل پیش کرتا ہے جس سے آپ لوگوں پر شہادۃ علی الناس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ لہذا ہمیں قرآن ہی کی مدد سے اپنے نفس اور باطل نظریات کے خلاف ایک بڑا جہاد کرنا ہوگا۔

امیر عزم کا یہ خطاب سنے کے لئے کم و بیش سات سرفراز موجود تھے جنہوں نے بڑی توجہ سے امیر عزم کا یہ درس سنا۔

دوس کے خطے پر تمام شرکاء نے امیر عزم کی اقتدار میں ناز باجماعت ادا کی۔

دوسرے روز نوبت سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں تقریباً ۱۰۰ لوگوں نے شرکت کی اور مختلف نوعیت کے

سوال پوچھے جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔
 انہوں میں چھ افراد نے امیرِ محرم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اس طرح پشاور میں رنفاؤ کی تعداد ۲۸ ہو گئی۔ نئے رنفاؤ کو امیرِ محرم نے چند فرائض اور اسکے بارے میں ہدایات دیں۔
 سہ ماہی چار بجے قمر سید صاحب قرظی ایسٹ آباد کے علاقے مدانہ ہو گئے جبکہ امیرِ محرم پانچ بجے پشاور سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے اور اس طرح امیرِ محرم کا یہ دورہ بفضلہ تعالیٰ اختتام کو پہنچا۔
 تحریر کردہ ————— ولیعہد مس دارالاحمد، قیام تنظیم اسلامی پشاور

امیرِ تنظیم اسلامی کا دورہ سوات ویر

امیرِ محرم ماہِ ستمبر میں طے شدہ پروگرام کے مطابق بوجہ اچانک حالات ماکائنہ ڈوڈیخاں لاہورہ دورہ نہ کر سکے۔ تاہم سوات اور ویر سے مسلسل دعوت آنے کی وجہ سے معمولی حالت میں ہی امیرِ محرم نے ان علاقوں کیلئے دورہ کا قصد فرمایا۔ حالانکہ ڈاکٹروں کی ہدایت کی رو سے انہیں سرگرمی کے ذریعے طویل سفر کی اجازت نہ تھی۔ تاہم سہ ماہی طرح دعوت دین کا جذبہ انہیں شہرِ شہر اور دیس دیس لئے پھرتا ہے اسی کے تحت ۱۴ اکتوبر بروز اتوار وہ بذریعہ جہاز تقریباً ۲ بجے منگورہ پہنچے۔

منگورہ کے ایک مشہور بھائی صاحب کاکانی عرصہ سے تقاضا تھا کہ محترم ڈاکٹر امیر احمد اہلایہ منگورہ کو اپنا دعوت سے متعارف کروانے کے لئے وہاں تشریف لائیں۔ پہلے ۱۰ اور ۱۱ ستمبر کو دورہ منگورہ کا پروگرام طے ہوا تھا۔ لیکن اس دورہ سے چند روز قبل جبکہ جناب عبدالباری صاحب اس پروگرام کی بھرپور تشریف لے کر چلے گئے محترم ڈاکٹر صاحب کی اچانک شدید حالات کے باعث یہ دورہ منسوخ کرنا پڑا ڈاکٹر صاحب محرم کو اہلایہ منگورہ کے جذبات کا شدت سے احساس تھا۔ چنانچہ جیسے ہی طبیعت تھوڑے کال ہوئی آپ نے دورہ منگورہ کے لئے ۱۴ اور ۱۵ اکتوبر کی تاریخیں متعین فرادیں۔

رازم الحروف کا جناب عبدالباری صاحب سے غالباً ۱۹۸۲ میں اس وقت تعارف ہوا جب انہوں نے محرم ڈاکٹر صاحب کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" بذریعہ خط طلب فرمائی۔ اس کے بعد موصوف لاہور آنے پر قرآن الیکٹری بھی تشریف لائے۔ اور اس طرح ملاقات ہوئی جیسے ہم دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ دراصل مقصد کا اشتراک مادی فاصلوں کو ختم کر کے ذہنی اور قلبی قرب پیدا کر دیتا ہے۔
 تاہم اسی دورہ و زہر پروگرام کے اختتام کا جائزہ لینے کے سلسلے میں ایک روز قبل ہی یعنی ۱۳ اکتوبر کو منگورہ پہنچ گیا۔ الحمد للہ جناب عبدالباری صاحب نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے تمام انتظامات مکمل کرنے تھے۔ تاہم موصوف مجھے ساتھ لے کر اپنے مختلف ساتھیوں سے ملاقات کے لئے گئے اور انتظامات کو دوبارہ جانچ لیا گیا۔
 شام کو جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر لان کے احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ تاہم انہیں محرم ڈاکٹر صاحب کی کتب اور کمیشن سے متعارف کر دیا چنانچہ کتابوں کے جائزہ لیں اور کچھ کمیشن ان حضرات نے خرید لئے۔

اگلے روز بعد دوپہر سوادو بجے امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر امجد احمد صاحب کبیر علیہ ہوائی جہاز منگورہ پہنچا جہاں راقم عبدالباری صاحب اور دیگر معززین شہر چارپاچ گاڑیوں میں ڈاکٹر صاحب کے استقبال کے لئے سید و شریف ایئرپورٹ پہنچے۔ اس دن وادی سوات کا موسم انتہائی خوشگوار تھا۔ نیلگوں آسمان پر کہیں بادل نظر نہیں آ رہے تھے۔ فضا بھی بہت صاف ستھری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے امیر تنظیم اسلامی کے استقبال کے لئے فضا کو خاص طور پر صاف کیا گیا ہو۔ ٹھیک سوادو بجے پی آئی اے کا کوکر طیارہ سید و شریف ایئرپورٹ پر اترا۔ استقبال کرنے والوں کے لگاؤ میں جہاز کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی محترم ڈاکٹر صاحب دروازے پر نمودار ہوئے استقبال کیلئے آئے والوں کے چہرے خوشی سے ہلکا شے۔ میزبان امیر محرم قرعید قرشی صاحب بھی ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جیسے ہی ایئرپورٹ لاؤنچ میں داخل ہوئے معززین شہر نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا غیر مقدم کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ امیر تنظیم اسلامی سوات کے لوگوں تک دین کی انقلابی دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے۔

ایئرپورٹ سے سید صاحب جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر پہنچے۔ جہاں موصوف نے استقبال کے لئے جانے والے تمام حضرات کے لئے کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا۔ پھر بعد نماز عصر پر دگلام کے مطابق جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر ہی عام ملاقات کی نشست ہوئی جو نماز مغرب تک جاری رہی۔ دود و در سے آئے والے بہت سے حضرات نے مختلف موضوعات پر سوالات کئے۔ محترم امیر تنظیم نے انتہائی سکون کے ساتھ تمام سوالات کے جواب دیئے۔ نماز مغرب کے بعد بھی مختلف حضرات ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اس نشست میں مردان سے علماء و اسلام ضلع مردان کے سیکریٹری ڈاکٹر غلام قادر صاحب اور العلوم اسلامیہ سید و شریف کے نائب صدر مدرس مولانا کفایت اللہ صاحب اور دیگر معززین شہر نے شرکت کی۔ قصبہ ٹیر سے بھی ایک صاحب نے اس نشست میں شرکت کی اور ڈاکٹر صاحب کو غیر آئے کی دعوت دی۔

پروگرام کے مطابق بعد نماز عشاء جامع مسجد شیرزادہ خان (مرحوم) میں فریضہ اقامت دین اور اس کے لوازم کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطاب فرمایا جو سوادو گھنٹے تک جاری رہا۔ مسجد اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ و اماں کا سماں پیش کر رہی تھی۔ یہ کہنا مرکز مبالغہ نہیں ہوگا کہ نہ صرف مسجد میں تنگ دھرنے کو جگہ نہیں تھی بلکہ دونوں اطراف کی گلیاں اور دین سڑک میں لوگوں کا جم غفیر ڈاکٹر صاحب موصوف کی تقریر سننے کے لئے موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب سے قبل جناب حبیب الرحمن صاحب (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر مالاکنڈ) نے پشتون زبان میں اپنے اختتامی کلمات کا آغاز علامہ مرحوم کے ان اشعار سے کیا۔

وہ سحر جو کبھی فردا ہے اور کبھی ہے امروز

نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

وہ سمجھ جس سے لڑتا ہے شبستانِ وجود

ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مشن کا مقصد تعارف کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے اختتام پر مولانا کفایت اللہ صاحب نائب صدر مدرس دارالعلوم اسلامیہ سید و شریف نے دعا سے قبل ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کو ایک تاریخی تقریر قرار دیا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ان کے مشن میں کامیاب فرمائے۔ انہوں نے بعد میں ایک ملاقات میں اپنے بھریور تعاون کا یقین بھی دلایا۔ اگلے روز صبح ۹ بجے عبدالباری صاحب کے مکان کے پاس مسجد و محبت اسلام میں سوال جواب کی نشست ہوئی جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے تمام سوالات کے جواب دیئے۔ بشادہ کے روزنامہ جدت کا مقامی نمائندہ بھی اس نشست میں شریک تھا۔ اس نے بھی بہت سے سوالات کئے اور جواب حاصل کئے۔

اس نشست سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب موصوف بہاوی سوسی ایشن میں خطاب کے لئے تشریف لے گئے۔ ایسوسی ایشن کے نمائندوں نے ڈاکٹر صاحب کے گئے میں وارڈن کی استقبال کیا۔ مال دکار سے کھجور کھج بھرا ہوا تھا۔ محترم امیر تنظیم نے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر تقریباً سوا گھنٹہ خطاب فرمایا۔ اور اس کے بعد دکار کو سوالات کرنے کا موقع دیا گیا۔ بہت سے دکار نے موضوع سے متعلق سوالات کئے جن کے ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی مدلل جواب دیئے۔ اس نشست کے بعد بار ایسوسی ایشن والوں کی طرف سے پُر تکلف چائے پیش کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب محترم یہاں سے فارغ ہوئے بعد واپس عبدالباری کے مکان پر تشریف لائے۔ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب دیر، باجوڑ اور ترکمرہ کے دورہ کے لئے روانہ ہوئے اور جناب عبدالباری صاحب کے ہمراہ ان کی گاڑی میں دیر تشریف لے گئے۔ (مترجم: عبدالرزاق نائب امیر برائے لاہور)۔

دیر: منگورہ سوات سے ۱۵ اکتوبر بروز پیر تقریباً ۳ بجے بعد از دوپہر امیر عزم ہمارے میزبان جناب حاجی عبدالباری صاحب کی محبت میں دیر کے لئے براستہ چک درہ روانہ ہوئے۔ منگورہ اور دیر کا درمیانی فاصلہ کئی ۱۵۲ کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ جناب عبدالباری صاحب منگورہ کی ایک معروف شخصیت ہیں اور دینی کاموں کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ ان کی صبح شام سے یہ بالکل مترشح ہے کہ وہ اقامت دین کے لئے ایک درہ اور آئندہ دل میں لے ہوئے۔ دوپہر مل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر عزم کے دورہ سوات کی کامیابی میں جناب عبدالباری صاحب کے غصوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ ترکمرہ سے ہوتے ہوئے ہم نے ضلع دیر کے ایک وسیلے گاؤں رزاکرام میں دیہانے چنگوڑہ کے کنارے امیر عزم کی امانت میں نماز عصر ادا کی۔ اگرچہ سفر قدرے سخت اور لمبا تھا تاہم امیر عزم اور ان کے رفقاء وادی دیر کے مخصوص جغرافیائی حالات اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس سفر میں وائٹم کے علاوہ جناب عبدالباری صاحب ان کے ایک ساتھی المعروف "جاجا" اور جناب قمر سعید قریشی امیر عزم کے ہمراہ تھے۔ ہمارے دو رفقاء جناب سرور احمد اور انجم صاحب ایک دوسری گاڑی میں پہلے ہی سے مکتبہ کے ساتھ دیر روانہ ہو چکے تھے۔ دیر سے تقریباً ۵۵ کلومیٹر نیچے پیری کے مقام پر بلب سڑک واقع مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور پھر دیر کے لئے روانہ ہوئے۔ شام ساڑھے چھ بجے دیر گاؤں پہنچ گئے۔ جب ہماری گاڑی چارے میزبان جناب حاجی طویل الرحمن اور حاجی حبیب الرحمن صاحب کے مجھ میں داخل ہوئی تو اکیس انتہائی کیشی جو عمر سے

مختصر تھے دیوانہ دار امیر محترم کی جانب بیکے۔ یہاں یہ ذکر کرتا جاؤں کہ دیر کے لئے امیر محترم کے لئے دعوت کافی پہلے سے تھی اور اس میں چند نوجوان بہت آگے تھے۔ چنانچہ انہیں میں سے امیر محترم کے دورہ کے تمام انتظامات کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنوائی گئی تھی۔ انہی نوجوانوں نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس کمیٹی میں شامل حضرات نے نہایت خلوص کے ساتھ دن رات کام کیا اور پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے کچلنے کے سب سے فعال رکن جناب محمد افضل خان صاحب مدینہ کا تھ ہاؤس والے آگے بڑھے اور محترم ڈاکٹر صاحب کیساتھ معاہدہ کیا۔ اسی طرح تمام حضرات بٹگیروں سے رہے۔ ان احباب میں جناب شیر بہادر خان صاحب، جناب سید علی شاہ صاحب، جناب شریف احمد صاحب، جناب صباح الدین صاحب، جناب عبدالرحمن صاحب رخصت میزبان رہے۔ حاجی حبیب الرحمن صاحب اور دیگر حضرات شامل تھے۔ جب ہم محرو کی ٹرکوں پر چڑھے تو دیر کے شرفادہ کا ایک جم غفیر براہ راست میں چشم براہ پایا۔ جہ میں معلوم ہوا کہ چار سے میزبان صاحبان جناب حاجی طوطی الرحمن اور حاجی حبیب الرحمن صاحب نے ان حضرات کو امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی قدر افزائی کی خاطر کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہاں یہ جانتا ہوں کہ جناب حاجی طوطی الرحمن اور ان کے خاندان کے دیگر بھائی دیر کے اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ یہی گھرانہ خدائی کاموں میں ہمیشہ آگے رہنے والوں میں نمایاں رہتا ہے۔ چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب کے لئے دیر کا پروگرام طے ہو رہا تھا تو جناب حاجی طوطی الرحمن صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی جناب حاجی حبیب الرحمن صاحب نے نہایت پر خلوص طریق پر معزز جہان کے قیام کے لئے کہا تھا۔ یہ اس بات کا ترین ثبوت ہے کہ امیر محترم کی یہ عزت افزائی دعوت رجوع الی القرآن کے ناطے سے ہوئی۔ اس موقع پر حاجی صاحب موصوف کے خاندان کے نوجوان جن میں ان کے لڑکے، بیٹے، بھائی اور دوسرے رشتہ دار شامل تھے نہایت مستعدی کے ساتھ جہانوں کی خاطر توضیح کے لئے کام کرتے رہے۔ اس سے اس بات کی عکاسی ہو رہی تھی کہ یہاں پر قرآن کیلئے کے ناطے جہاد بالقرآن کے طرہ دار کے لئے دونوں میں کس قدر جذبات تھے۔ آج یہ بات بالکل واضح طور پر جھلک رہی تھی کہ ایمان دیر کے دونوں میں اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی کتنی قدر و عزت ہے۔ اسے کاش اس جذبہ کو صحیح طور پر خدمتِ دین کے لئے استعمال کیا جاتا۔

امیر محترم جہرہ کے آل میں وگھر مدعوئیں کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ اور ضلع دیر وچڑال اور آس پاس کے علاقوں کے رسم و راج، مختلف موسمی حالات، معاشی اور معاشرتی حقائق پر بحث مباشرت ہو رہا تھا۔ اس مجلس میں مختلف شعبہ دارے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ صاحبزادگان صاحبان ریکان کوٹ کے گھرانوں کے بھی چند ایک معززین حاضر تھے جن میں نمایاں جناب صاحبزادہ جان عالم صاحب اور جناب صاحبزادہ قطب عالم صاحب تھے۔ لؤڈشیمک کی وجہ سے کچلنے جانے کے شبی نظر جہرہ میں پہلے ہی سے موم ٹیپوں اور لائٹوں سے متبادل انتظام کیا گیا تھا۔ نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس مجلس میں تہذیبی دیر کے علاوہ کچھ سرکاری افسر بھی مدعو تھے جن میں ای اے سی صاحب اور تحصیلدار صاحب دیر بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ اساتذہ کرام پروفیسر صاحبان اور دوسرے محکموں کے حضرات بھی تھے۔ مجلس برخواست ہونے کے بعد امیر محترم امام کرنے چلے گئے وہ دن صبر کے کافی ٹیکے ہوئے تھے۔

اگر صبح یعنی ۱۴ اکتوبر بروز منگل صبح نماز اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد چند حضرات تشریف لائے
 مختلف قسم کے سوالات و جوابات پر مبنی ایک تعدادی نشست ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک منعقد ہوئی۔ تعدادی نشست
 میں زیادہ حضرات نہیں آئے کیوں کہ نظر ثانی شدہ پروگرام کے سلسلے میں جو پوسٹر لگائے گئے تھے ان میں نشست
 کا غلطی سے تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم محفل گرم رہی۔ جو چند حضرات حاضر ہوئے تھے ان میں جناب حاجی کبیل صاحب
 بھی تشریف لائے تھے۔ حاجی صاحب تبلیغی جماعت کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ دیر میں پیٹر بائس کا کاروبار کرتے
 ہیں۔ اور تبلیغی دوروں میں کافی وقت گزارتے ہیں۔ امیر عزم کے تمام مجالس میں حاجی صاحب موصوف حاضر رہے۔
 اس مجلس میں چند ایک دوسرے نوجوان بھی موجود تھے۔ جنہوں نے کافی پرنسزاج مباحثہ چھیڑا امیر عزم موقع کی
 مناسبت سے نہایت مبتم اور عمدہ پیشانی کے ساتھ جوابات دے رہے تھے۔ اور ساتھ ہی نہایت حکیمانہ طریقے سے
 ایک صاحب کو (جو بہت زیادہ ذمہ داری دینی کام کرنے والوں پر ڈال رہے تھے) فرمایا کہ "کیوں نہ آپ ہی خود
 کھڑے ہو کر دعوت الی اللہ اور اقامت دین کے لئے کام کرنے کا تہیہ کریں" اور اس کے لئے جو بنیادی ضروری
 تیاریاں ہیں وہ کر لیں۔" یقیناً وہ نوجوان اور مجلس میں دوسرے حضرات ایک سنجیدہ سوچ میں پڑ گئے۔ کیوں کہ اس
 ذمہ داری سے تو کوئی بھی مسلمان مبرا نہیں۔ امیر عزم نے ان کے ساتھ نہایت خوبصورتی کے ساتھ بات کی۔ ہم ان
 کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اگر معزز مہمان کی عزت افزائی کی۔ تقریباً ۱۷ بجے ہم جناب سید علی شاہ صاحب کے دو مقام
 پر امیر عزم کی محبت میں دوپہر کے کھانے پر پہنچے گئے۔ انہوں نے نہایت پر خلوص دعوت کی تھی۔ اس موقع پر دیر
 کے بعض معززین بھی مدعو کئے تھے۔ اس دعوت میں بھی چند سرکاری اہل کار اور اساتذہ کام موجود تھے۔ کھانے
 سے پہلے حاضرین مختلف قسم کے سوالات پوچھتے رہے۔ امیر عزم ہر ایک سوال کا نہایت تسلی بخش جواب دے رہے تھے
 پروگرام کے مطابق بعد از نماز جمع مسجد دیباہار میں امیر عزم نے خطاب کرنا تھا۔ اپنے میزبان کا شکریہ
 ادا کرنے کے بعد ہم مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ نماز کے بعد خطاب شروع کرتے ہوئے امیر عزم نے سورۃ مہصف
 کی آیات اور چار احادیث نبوی کی روشنی میں اقامت دین کے موضوع پر پوسٹے دو گھنٹہ ایک ایکن افزہ خطاب
 فرمایا۔ مجمع کافی بڑا تھا۔ اور خوشی کی بات یہ تھی کہ تعلیماتہ حضرات پوری تعداد میں خوب دلچسپی کے ساتھ حاضر تھے۔
 ان میں علامہ کلام، پیر دینہ صاحبان، اساتذہ کرام، سرکاری اہل کار، طالب علم اور عام گھمے پڑھے حضرات شامل تھے۔ تقریر
 نہایت اہلک اور توجہ سے سنی گئی اس دوران کئی ایک حضرات کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ناٹا دیر کی تاریخ
 میں پہلے دفعہ قرآن حکیم کے اصل تفاعل کو اجاگر کیا جا رہا تھا۔ امیر عزم نے قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی سے
 امت مسلمہ کو ان کا بھولا حق یاد دلاتے ہوئے اسلامی انقلاب کے لئے محکم طریقہ کار پر سر حاصل ہونے کی اپیل
 نے فرمایا کہ "تمام کی مسلمانی اور تمام کا اسلام کچھ بھی کام کے نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر ہم حقیقتاً اس دنیا میں امن اور
 اخوت میں نہایت چاہتے ہیں تو اس کے لئے اللہ کا نظام، اس کے محبوب کے انقلابی طریقے سے پہلے خود اپنے اوپر
 اور دوسروں پر نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنی ہوگی۔ تاکہ عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کے
 لئے تھے پورے ہو جائیں۔ انہوں نے واضح الفاظ میں قرآن اور میرت نبوی کی روشنی میں خطاب کرتے ہوئے
 فرمایا کہ اسلامی نظام حیات کے نفاذ کا صحیح راستہ صرف اور صرف طریقہ محمدی ہی ہے۔ آئی تمام طریقوں سے اسلامی

انقلاب برپا کرنا اس کے لئے کوشش کرنا دلوں کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ امیر عزم نے اپنے خطاب کے دوران حاضرین پر زندہ دلیا کہ دینی تحریکوں اور دین کے لئے کام کرنے والوں کے دوران باہم متضاد دلی "تَقِيًّا مِّنْ تَحَدُّدٍ" اور تفرقہ ہائیت کا باعث ہوگا۔ انہوں نے نہایت زوردار الفاظ میں فریاد کیا کہ دین کے لئے کام کرنے والے خواہ کسی بھی تحریک سے وابستہ ہوں انہیں ایک دوسرے کے لئے پشت پناہ اور عہدہ بہ عہدہ یا مختلف فریق سے نہ کہ ایک دوسرے کو گزند کرنا۔ انہوں نے واضح طور سے فرمایا کہ ایسی صورت حال میں فائدہ صرف باطل اور باطل نظریات کے حامل گروہوں کو پہنچے گا جس کے لئے اللہ کے ہاں سخت باز پرس ہوگی۔ انہوں نے اس حدیث شریف کی طرف بھی توجہ دلائی "وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ قَسِيلٌ مِّنْ يَّارِ مَوْلَى اللّٰهِ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَانِبَهُ لِوَالِقَةٍ" خطاب تقریباً ساڑھے تین بجے ختم ہوا۔

نماز عصر کے وقفے کے دوران امیر عزم جنید عابدین ویر جناب حاجی صاحب خیر محمد کے گھر تشریف لے گئے جہاں حاجی صاحب موصوف نے پہلے رادعت دی تھی۔ حاجی صاحب خیر محمد کی یہاں لفافہ کی تو معروف مشہور ہے ہی مگر انھوں نے امیر عزم کی عزت افزائی جس طریقے سے کی یہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں پھر دینی حقیقت جھلکتی رہی کہ فرقہ وارانہ دیر دین اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کی کتنی عظمت افزائی اور قدر کرتے ہیں۔ جیسا کہ دعوت و جمع الی القرآن کے علمبردار جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ذیل لکھی واضح تھی۔ کاش دیر میں ایسے درد رکھنے والے مسلمان اٹھیں کہ ان عوام کو تفرقہ اندہ باہم متضاد دلی سے بچا کر اللہ کے دین کے لئے صحیح راہ پر صحیح طریقے سے کام کرنے کی رہنمائی کریں۔ چائے کے دوران حاجی صاحب کے لڑکے نواسے اور دیگر نوجوان مہمانوں کی خدمت کے لئے نہایت ذوق کے ساتھ کمر بستہ کھڑے تھے۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ حاجی صاحب سے نعمت ہو کر مسجد پہنچے۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست شروع ہو گئی۔ لوگوں نے کالی اچھے اچھے سوالات پوچھے۔ امیر عزم نے نہایت تسلی بخش جوابات دیے۔ اور مکمل دلائل کے ساتھ ہر بات کی وضاحت فرماتے رہے۔ جن چیدہ چیدہ حضرات سے سوالات متوقع تھے انہوں نے سوالات نہیں پوچھے سوائے ایک دو سوالوں کے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اس تقریر کو ایسے بھر پور طریقے سے دل کے کانوں سے سنا اور سمجھا کہ کوئی سوال بھی ان کے لئے حل طلب رہا ہی نہیں اور خیمہ لوگ سوال برائے سوال تو کرتے نہیں۔ تاہم جن حضرات نے سوالات پوچھے وہ یقیناً یہاں کے لوگوں کی دانشمندی، دینی اور ملی معاملات، سیاسیات، معاشیات اور دیگر شعبہ کا زندگی سے متعلق ان کی ذہانت پر دلالت کر رہے تھے۔ سوال و جواب کی نشست نماز مغرب تک جاری مغرب کی نماز میں مسجد میں پڑھ کر کم امیر عزم کی محبت میں جناب حاجی محمد یار صاحب کے دولت خانہ پر پہلے گئے مہمان شام کے کھانے کی دعوت تھی۔

حاجی صاحب محمد علیہ السلام سے یزبان جناب حاجی طوسی الرحمن کے چچا زاد ہیں۔ وہ رات کے نزدیک ترین دوست ہیں اور جیسا کہ ان کے خاندانی کی یہ امتیازی شان ہے کہ دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں حاجی صاحب موصوف بھی اسی جذبہ سے سرشار ہیں۔ حاجی صاحب پھلی شام گروہ کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے امیر عزم کے استقبال کے لئے آگے تاہم لغات اور تکلیف کے باوجود دن کے درس میں

شامل رہے۔ کھانا کھانے کے بعد امیر محرم کی تھکان کے پیش نظر محفل جلدی برخواست ہوئی۔ اور وہ عشاء کی نماز کے فوراً بعد لیٹ گئے۔ یہاں یہ نوکر کرنا مناسب ہو گا کہ درس کے بعد مسجد میں مکتبہ پر کافی حیرت رہی اور توقع سے زیادہ کتابیں اور مکمل سیٹ فروخت ہوئے۔

۱۰ اکتوبر بروز بدھ صبح آٹھ بجے دیر سے روانہ ہو کر دس بجے ترنگہ پہنچ گئے۔ اگلے دو سڑکٹ بار ایسوسی ایشن نے خطاب کرنا تھا۔ یار کے صدر جناب پیر احمد شاہ صاحب اور سیکرٹری جناب خیر شاہ صاحب نے مہمان محترم کا بار کے دروازے پر استقبال کیا۔ تقریر کا موضوع تھا: پاکستان کا استحکام اور بقا امیر محترم نے ملی پرایہ میں تجزیہ کرتے ہوئے تشریح فرمایا کہ اس ملک کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلامی نظام حیات صحیح معنوں میں زندگی کے تمام شعبوں پر نفاذ سے متعلق ہے۔ انہوں نے تہنہ کی کہ ہمارے اعمال اور رغبت نے رنج صدی میں ہمیں دو نکتہ کر دیا۔ البتہ رب العزت نے ہمیں یقین پاکستان کو سالم رکھنے کی مزید جہالت دے رکھی ہے۔ البتہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کہاں تک اپنا وعدہ نباہ رہے ہیں اور یہ کہ گذشتہ تازیانی سے ہم کچھ سبق سیکھ کر سیدھے راہ پر آتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے یاد دلایا کہ جو سکتا ہے دوسری قومی سانی جعفریائی قومی اور ماحشری اور ماحشری بنیادوں پر مستحکم اور باقی رہ سکیں لیکن پاکستان کی حد تک یہ چیزیں بالکل کارآمد نہیں کیونکہ پاکستان بنیادی اس *Islamic Socialism* پر تھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کے بتائے جوئے نظام کی حکومت ہوگی۔ اس طرح نظام اسلامی کے بغیر یہاں رہنا اللہ تعالیٰ سے حاکم اور دروغ گوئی کے مترادف ہوگا۔ انہوں نے واضح طور پر بتایا کہ اگر ہم ہمزہ رغبت اور چشم پوشی کے مرکب ہوئے تو جو سکتا ہے کہ اللہ کے غضب کے اور کوڑے ہماری پیٹھوں پر پڑیں۔ انہوں نے دکھا دحضرات کو ان کے ذمہ داری یاد دلائی کہ ہمیں صحیح معنوں میں اپنی نظریاتی سرحدات کے تحفظ کی آج سخت ضرورت ہے اور یہ کام جب ہی ممکن ہے جب ہم خود اچھے مسلمان بنیں اور صحیح اسلامی نظام حیات کو اپنے اوپر نافذ کریں۔ دو گھنٹہ کی تقریر اور سوال و جواب کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ ترنگہ میں محرم مہمانی شفیق الرحمن کے حبرہ پر دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی۔ نماز ظہر ادھر ہی پڑھی شفیق الرحمن صاحب کے دوسرے بھائی جناب شفیق الدین اور بیٹے بھائی عنایت الرحمن صاحب بھی موجود تھے۔ کھانے پر چند معززین کو بھی جناب ڈاکٹر صاحب کی عزت افزائی کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ یہاں پر امیر محرم اور ان کے ساتھیوں کی نہایت اہم عزت افزائی کی گئی۔ اور اہل روایتی مہمان نوازی کی ایک جھلک دوبارہ یہاں دیکھنے میں آئی۔

یہاں سے رخصت ہو کر ہم عصر سے ایک گھنٹہ پہلے باجوڑ کے صدر مقام خاڑ پنچ گئے۔ جہاں سے سول کالونی خاڑ اور شہر کے دیگر معززین کی طرف سے کافی عرصہ سے محرم ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن کی دعوت آرہی تھیں۔ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد نماز عصر کے لئے مسجد روانہ ہو گئے۔ لوگ پہلے ہی سے انتظار میں تھے۔ جو بھی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مسجد کی طرف آتے دیکھا وہ دالہ بان ان کے خوش آمدید کے لئے بارگاہ تھے۔ ہر ایک جناب امیر محرم سے بے تکلیف ہوتا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد راقم کی رہائش گاہ پر لوگ امیر محرم کو قتل آہم کہنے کے لئے حاضر ہو رہے تھے۔ مغرب ہوتے ہی مسجد روانہ ہو گئے اور پروگرام کے مطابق بعد نماز

مغرب مدرس قرآن، ترویج ہوا۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے سورہ حج کے آخری رکوع کی آخری دو آیات کی روشنی میں عبادت رب اور شہادت حق کے موضوع پر میر حاصل تقریر کی اور مقام اصطفاثیت اور اجتہادثیت کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم مصطفیٰ اور آپ کی امت مجتبیٰ ہے۔ لہذا حضور کی امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پہنچانے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے امیر محترم نے اس شہادت کا ذکر کیا جو نبی اکرم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو اور پھر اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے لی تھی کہ شہادت حق اور اقامت دین کی ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ امیر محترم کے تقریر سننے کے لئے کافی تعداد میں سرکاری اہل کار، علماء و کرام، اساتذہ کرام، پروفیسر صاحبان، طالب علم اور دوسرے شائقین قرآن حاضرتھے۔ مجمع پر سے انہماک کے ساتھ اس ناقابل فراموش درس قرآن کو سن رہا تھا۔ درس کے اختتام پر نماز عشا ادا کی گئی۔ اس سے پہلے دعا بھی کرائی تھی۔

اگلی صبح یعنی ۱۸ اکتوبر بروز جمعرات نماز فجر سے پہلے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر مسجد چلے گئے۔ نماز فجر پڑھ کر نئے پڑھائی اور مسجد ہی سے دعوت رجوع الی قرآن کے علمبردار اپنے رفقاء کے ہمراہ سخاکوٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ سخاکوٹ والا کھنڈ ایجنسی میں ایک گاڑی ہے۔ جہاں شیخ الہند جناب محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رفیق امیر رانا جناب عزیز گل صاحب ابھی تک بقید حیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا دیرینہ شوق تھا کہ ان کے ساتھ ملاقات ہو سکے۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سخاکوٹ پر سوات کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں ظہرانے بعد خواتین کے اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہوئے۔

جمعرات ۱۸ ستمبر کو قمر ڈاکٹر صاحب دہلہ کے دعوہ سے تقریباً ۱۲ بجے دوپہر واپس منگودہ تشریف لے آئے جہاں نماز اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ٹھہرائے جناب عبدالباری صاحب کے مکان ہی پر خواتین کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ ہائی اسکول اور منگودہ کے گزرا کالج کی بچاس سے زائد محفلات نے اس پر دو گرام میں شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۱۰ اسلام میں وحدت کا مقام اور پردہ کا شرعی تصور کے موضوع پر ایک گھنٹہ سے زائد وقت تک خطاب فرمایا اور بعد میں خواتین کی طرف سے کئے گئے سوالات کی وضاحت فرمائی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس خطاب کا اہتمام اس طرح سے کیا گیا تھا کہ ایک کمرے میں محترم ڈاکٹر صاحب مرد حضرات کے سامنے خطاب فرما رہے تھے جبکہ خواتین گھر کے زنانہ حصہ میں بیٹھی ہوتی تھیں۔ جہاں انہوں نے لاؤڈ سپیکر پر ڈاکٹر صاحب کا خطاب سنا۔ اس پر دو گرام سے فارغ ہوتے ہی لاہور واپسی کے لئے سید و شریف ایئرپورٹ تشریف لے گئے۔ جہاز اپنے مفروضہ وقت چار بج کر پندرہالیس منٹ پر سوات کی اس خوبصورت وادی سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا۔ اہالیان منگودہ نے ایئرپورٹ پر بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔

ڈاکٹر صاحب محترم پہلی مرتبہ دین کی انقلابی دعوت پیش کرنے کے لئے اس وادی میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے فرائض دینی کا جو جامع تصور اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے جو لائحہ عمل نیز پاکستان میں نفاذ اسلام

کے لئے جو جامع پروگرام اپنے چند خطبات کی صورت میں اہالیانِ منگورہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے لوگوں کے دلوں میں کام کرنے کا ایک نیا دور اور خوش پیدا کر دیا ہے۔ اسلام پسند سیاسی جماعتوں سے بایں لوگوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات کو اپنے دل کی آواز محسوس کیا۔ مجرم ڈاکٹر صاحب نے اس دورہ کے دوران فرائض دینی کے صحیح تصور اور پاکستان میں فسادِ اسلام کے واحد درست طریقہ کار کے سلسلے میں جن خیالات کے پچ بکھرے ہیں۔ توقع ہے کہ اہالیانِ منگورہ اپنے قلوب و اذان میں ان بیجوں کی آبیاری کرتے رہیں گے اور اللہ العزیز بھی یہ بیج جذبِ جہاد کی شکل میں تناور درختوں کی صورت اختیار کریں گے۔ (مرتبہ: محمد فہیم)

امیرِ تنظیم کا دورہ سکھ اور وہاں تنظیمِ اسلامی کا قیام

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے جب اواخرِ ستمبر میں دعوتِ رجوع الی القرآن کے لئے کراچی میں دوسرے قراؤن حکیم اور خطبات کے لئے ہر ماہ دورے کا سلسلہ شروع کیا تو ان دوروں کے درمیان سکھ کی قسمت بھی جگ اٹھی تھی اور ستمبر میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی متعدد بار سکھ میں تشریف آوری ہوئی اور یہاں دوسرے قراؤن اور خطبات کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جب لاہور اور کراچی و سکھ کے علاوہ جمہوریت دوسرے شہروں تک دعوتِ رجوع الی القرآن متعارف ہوئی اور اس کا غلغلہ بلند ہوا تو کراچی کے دعوتی دورے بھی متاثر ہوئے اور سکھ کے بھی پھر رفتہ رفتہ سکھ تشریف آوری کم ہوتی چلی گئی۔ چونکہ یہاں اس کام کے لئے مردانِ کار نہیں مل سکے۔ خاص شہر سکھ میں بھائی نجیب صدیقی کے علاوہ محترم عبداللطیف مرحوم اور سرتاج الدین سولیمہ مرحوم اس کام میں پیش پیش تھے۔ جب آخر الذکر دونوں رفیق قضائے الہی سے اس دنیا سے انتقال کر گئے اور بھائی نجیب صدیقی اکیلے وہ کئے تو عرصہ چار پانچ سال تک محترم ڈاکٹر صاحب کا سکھ میں دورہ مسعود قطعی طور پر معطل ہو گیا۔ یہاں ہمارے ایک قدیمی رفیق بھائی محمد دین صاحب بھی موجود ہیں لیکن ان کا قیام حدودِ شہر سکھ سے باہر ہے۔ بھائی نجیب صدیقی صاحب کا انتقال اور اس کا کہنا کہ میرے قریب کا ایک دورہ اس سال ضرور رکھا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پرامید تھے کہ یہ دورہ اس اعتبار سے اشد ضرورت کا مایاب رہے گا کہ اس کے نتیجے میں تنظیمِ اسلامی کے لئے ضروری چند رفقاء میرے آجائیں گے۔

بھائی نجیب کی دعوت اور ہمارے پیش نظر امیرِ مجرم نے ۲۹ اکتوبر ۸۴ کو شام الہادی سے فراغت کے بعد ۳۱ اکتوبر اور یکم نومبر کے دن سکھ کے لئے محقق کر دیئے تھے۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق امیرِ مجرم ۳۱ اکتوبر کی صبح سکھ پہنچے۔ کراچی سے ۲۹ اکتوبر کی شب کو روانہ ہو کر چند رفقاء بھی ۳۱ اکتوبر کی صبح سکھ پہنچ گئے تھے۔ سکھ میں محمد بن قاسم پارک کی مسجد میں جو کئی مسجد کے نام سے پورے شہر میں معروف ہے۔ ہمارے دینی فرائض اور ذمہ داریاں کے موضوع پر نماز و شہاد کے بعد ایک خطاب عام کا انتظام کیا گیا تھا۔ جس کے لئے مقامی طور پر پوسٹر، بینڈل اور انفرادی طاقتوں کے ذریعے سے مناسب طبیعت کا انتظام کیا گیا تھا۔ الحمد للہ یہ اجتماع کامیاب رہا اور امیرِ مجرم نے پورے شرحِ دہلے کے ساتھ قرآن حکیم اور سیرتِ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالوں سے نہایت دلائل و ثبوت نماز میں مسلمانوں کے دینی فرائض اور ذمہ داریوں پر خطاب ارشاد فرمایا جس میں بتایا گیا کہ بھائی

مفروضہ تو اراکین اسلام ہیں اور ایمان حقیقی کے رکین یکن ہر نور کی تشکیل اور مظہار سے مبرا قلبی ایمان والیقان اور اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد ہے۔ امیرِ محترم کو اللہ تعالیٰ نے جہدِ ست خطاب 'طرزِ استدلال اور مہربان سلیوب' بیان عطا فرمایا ہے، اسی کا یہ مظہر تھا کہ شرک ادا کرنے پونے دو گھنٹے پر محیط خطاب کو از اول تا آخر پورے ضبط و سکون کے ساتھ سماعت فرمایا۔ اس اجتماع میں قریباً ہر کتابتِ فکر کے ممتاز حضرات شریک تھے۔ جن میں کا عدم جماعتِ اسلامی کے علاوہ دوسرے سیاسی و سماجی اداروں کے بھی چند حضرات شامل تھے۔

دوسرے دن یکم نومبر کی صبح کو اسی مسجد سے ملحق دارالقرآن میں سوال و جواب کی نشست رکھی گئی تھی۔ جس میں قریباً پندرہ بیس حضرات نے شرکت فرمائی۔ مختلف انواع کے سوالات کئے گئے جن کے امیرِ محترم نے شافی جوابات دیئے۔

سوال و جواب کی نشست کے بعد سکر میں بھلا اللہ چار حضرات نے رفاقت نامہ پیش کر کے امیرِ محترم کے ہاتھ پر سمج و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ ان رفقہ کو استقامت عطا فرمائے اور انہیں دینی حق کا سچا خادم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ چاروں رفقہ و جوان ہیں اور ان میں سے تین اعلیٰ تعلیمات ہیں ان چار حضرات کی شمولیت کے باعث سکر میں رفقہ کی تنظیم کی تعداد چھ ہو گئی۔ لہذا امیرِ محترم نے سکر کے رفقہ پر شتمل باقاعدہ تنظیم اسلامی سکر کی تشکیل فرماتے ہوئے مہمانی نجیب ستدیقی صاحب کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔ دعا ہے کہ یہ تنظیم اپنے دینی فرائض میں بہترین معروف رہے اور جلد ہی اس میں توسیع و استحکام پیدا ہو۔

امیرِ محترم کے سکر کے دور روزہ قیام کے دوران سکر کی چند ممتاز علمی و سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیال ہوا۔ جو بہت مفید رہا۔ یکم نومبر کو امیرِ محترم کی کراچی ایکسپریس سے لاہور مراجعت ہوئی۔ اس طرح یہ دورہ بھلا اللہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ (ترتیب، ج. ۲)

بقیہ: عرضِ احوال

۲۸ ستمبر کے جمعہ سے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ جس کا اجمالی نقشہ رفقہ کار کے عنوان کے تحت قارئینِ کرام کی نظر سے گزرے گا۔ ۱۲ نومبر کو تین روزہ دورے پر امیرِ محترم کو ٹرٹ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کی کمر کے درد کا پھر حملہ ہو گیا۔ تاہم تحریکِ کمر کے درد میں کوئی تسلی بخش افادہ نہیں ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خادمِ قرآن حکیم خاتمِ دین حسین کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ قارئینِ کرام سے ان کی صحت کے لیے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا استدعا ہے۔

۱/۵۰	اسلام کی تفسیر و تائید، کہنے کا اصل کام	۱
۲۸/۴۱۰	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	۲
۲۱۰/۶۱۰	راہِ نبابت، سورۃ العصر کی روشنی میں	۳
۱/۵۰	روحِ الہی اللہ	۴
۲۸/۴۱۰	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد نبوت	۵
۲۱۰/۴۱۰	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۶
۱/۵۰	قرآن اور امنِ عالم	۷
۲۲۰	علامہ اقبال اور ہم	۸
۲۲	عنایتِ صوم	۹
۱۰۱۰	قرآن مجید کی سورتوں کے مضامین کی بحالی و ترمیم	۱۰
۱۲۱۰	مطالعہ قرآن مجید کا منتخب نصاب	۱۱
۳۱۰	میر الانبیاء حضرت قرآنی	۱۲
۷۰	سرگندیم	۱۳
۸۰	مطالعاتِ دینی	۱۴
۱۰/۶۰	تحرکِ جماعتِ اسلامی	۱۵
۲۱/۴۱۰	شیعہ مظلوم	۱۶
۵۰	اسلام اور پاکستان	۱۷
۴۱۰	تعلیمِ اسلامی کی حوت	۱۸
۳۱۰	سنا کر کربلا	۱۹
۶۰	رسولِ کامل حضرت محمد و سلم	۲۰
۶۰	مسلمانوں کے فرائضِ دینی اور اسوۂ رسول	۲۱
۳۳۰	معراجِ انجبین	۲۲
۱۰۰	اسلام میں عورت کا مقام	۲۳
	عربی ترجمہ :	
۵۰	ماذا یجب علی المسلمین تباہ القرآن ؟	۲۴
	فارسی ترجمہ :	
نیدلین	دینِ منہ آن بگردن مسلمان	۲۵
	انگریزی ترجمہ :	
۵۰	The Obligations Muslims owe to the Quran.	۲۶
۵۰	The way to Salvation—in the light of Surah Al-'Aar.	۲۷
۴۰	Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.	۲۸
۴۰	The Quran & World Peace.	۲۹
۵۰	Rise & Decline of Muslim Ummah.	۳۰

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of
*WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS,
TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS
PRODUCTS,*

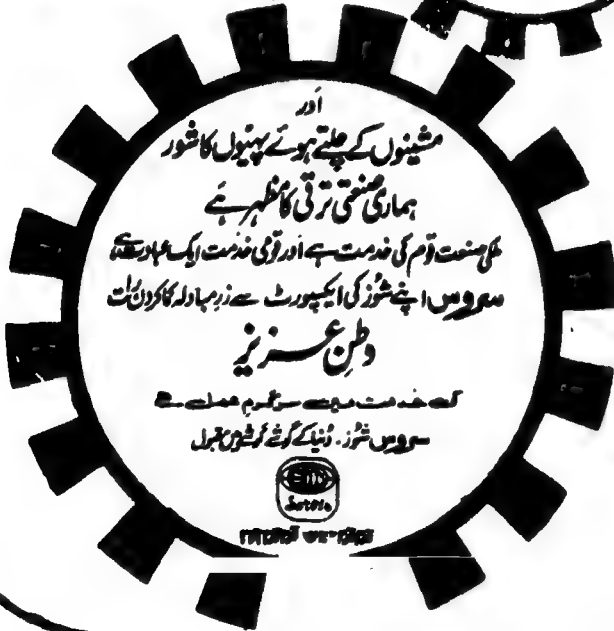


HEAD OFFICE :

**709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)**

**2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEPHONE : 870512 880731**

پاکستان کی کھلی فضاؤں میں



ٹینٹ اور ترپالے

بنانے کا امت ازادارہ



مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابل فخر ادارہ

رینج بوائز انٹرنیشنل

فون ۲۰۳۳۵۵
۳۰۳۳۷۷

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فبرکس گارمنٹس : بیڈ شیٹس
کاٹن کلاٹھ : کاٹن گارمنٹس : احرام تولیہ : تولیہ
ہینڈی کرافٹس : لکڑی کا فرائیگر -

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ : شکر فلم : سوچ سٹارٹ
ریڈیو ٹیکس : پولیسٹر ریان -

مرکزی دفاتر

خواجہ غلام رسول بلڈنگ ۴ شاہراہ قائد اعظم لاہور
ذیل دفاتر - کراچی - فیصل آباد

Industrial
Construction & Precast
Concrete roofing
is our profession

IZHAR LIMITED
(INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of



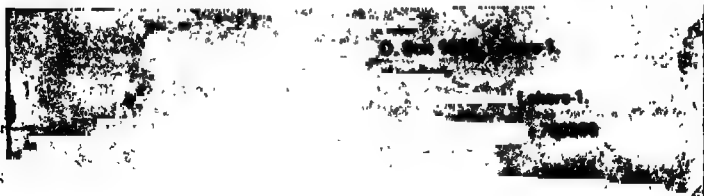
mukhtarssons
group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

آلہار لمیٹڈ گروپ آف کمپنیز

and the best & only producers of Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan



عَنْ النَّسْرِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(رواه البخاری)

حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ تم مجھے علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جویلی ہاؤس لاہور

سولہ بازار



میل روڈ

۵۶۴۷۹ — ۶۴۴۳۳

۳۰۴۳۳۳ — ۳۱۱۴۴۰

پرنٹنگ: اے وحید

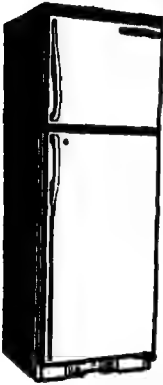
THE ORIGINAL



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS



NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

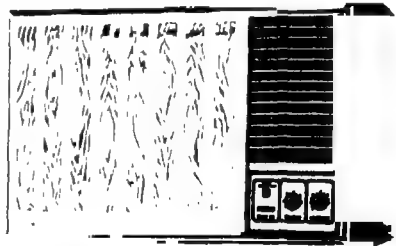
- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.



CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency
Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto
Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.



Available at all
SANYO
Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.



SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PARX) 526151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDREST" TELEX: 25100 WWTCD PK

قارئین "ماہنامہ میثاق" اور "ماہنامہ حکمت قرآن" متوجہ ہوں!

تحریک تجدید ایمان - توبہ - تجدید عہد اور دعوت رجوع الی القرآن کے یہ دونوں نقیب و ترجمان پاکستان میں حسب ذیل توجہ سے مل سکتے ہیں۔ نیز تجدید سالانہ خریداری کے اجراء یا قدیم سالانہ خریداری کی تجدید کے لئے سالانہ زیر تعاون بھی ان مقامات پر جمع کرایا جاسکتا ہے۔

کراچی: دفتر تنظیم اسلامی کوہ علاء، دائرہ منزل زندآرام باغ شاہراہ لیانت۔

شائینگ گریڈرز، فریج میٹشن بالمقابل آرام باغ شاہراہ لیانت فون ۲۱۷۷۰۹۔

لوٹ: ان دونوں مقامات سے محترم ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطاب کے کیسٹ بھی مل سکتے ہیں۔

پشاور: دفتر تنظیم اسلامی شاہ بلڈنگ پل پختہ نزد چوک یادگار پشاور۔

ملتان: عبدالغنی صاحب، ملتان پولیٹری کارنر، بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال ملتان۔ فون ۷۵۸۹۱۔

کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ اور قاری افتخار احمد صاحب خطیب مسجد طوطی مسجد روڈ کوئٹہ

فون نمبر ۷۷۶۵۷۷۔

راولپنڈی: فری لینڈ اسکول بی۔بی۔۱۴ راولپنڈی سٹاٹ ٹاؤن فون ۳۷۷۷۷۷۔

گوجرانوالہ: جناب پاشا اردن برکی بی۔۵۸۱۔ سٹاٹ ٹاؤن۔

سیالکوٹ: (ریٹائرڈ کمانڈر) محمد طفیل صاحب مکان نمبر ۲۲۸ عزیز بھٹی روڈ سیالکوٹ کینٹ۔

دہلوی: راؤ محمد جمیل سیٹری انسپیکٹر میونسپل کمیٹی دہلوی۔

ایبٹ آباد: خالد وحید صاحب سی۔۴۹۷ سول لائنز۔ فون نمبر ۲۳۰۳، ۲۲۹۰۔

فیصل آباد: دفتر تنظیم اسلامی بالمقابل گورنمنٹ رجمنیہ ہائی سکول مکان حاجی عبدالواحد قیم تنظیم ہیلپ لائن

فون نمبر ۴۳۴۰۹۔

سوات: فلک سیرکلوپیشن جی ٹی روڈ، منگورہ۔

84820

اسلام آباد: بسم اللہ خاں صاحب بی/۲۷ ۶/II Date 23.7.20

حوالی لکھا: محمد امین صاحب نزد مرکزی جامع مسجد میں جانا۔

"میثاق اور حکمت قرآن" بردار علیحدہ علیحدہ سالانہ زیر تعاون اندرون ملک - ۳/-

روپے ہے جبکہ دوسرے ملک کے لئے زیر تعاون حسب ذیل ہے:

- کینیڈا ۱۵۰/- روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر۔
- امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، تائیجیریا - ۱۵۰/- روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر۔
- انگلینڈ، فاروس، متحدہ عرب امارات - ۱۰۰/- روپے یا ۱۰ امریکن ڈالر۔
- سعودی عرب، ابوظہبی، مصر، ایران - ۶۰/- روپے یا ۶ امریکن ڈالر۔
- انڈیا - ۵۰/- روپے یا ۵ امریکن ڈالر۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله ایک اور اعزاز



اللہ تعالیٰ نے فضل و ابر سے کوششہ راہوں کی طرف ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران
پیش کردہ سب سے زیادہ نمایاں کاموں کے لیے نیشنل بک ٹرسٹ پاکستان پر پرفیکٹریشن آف
پاکستان جیسی سیر آف کامرس اینڈ اسٹڈی کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

نے سننے والے اوقات

پاکستان جیسی سیر آف کامرس اینڈ اسٹڈی کی جانب سے ہم ایک بار پھر

ہمیں تحفے، تریالیں اور کیٹس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بہت برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سٹرلیٹڈ

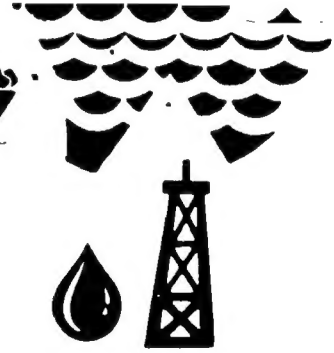
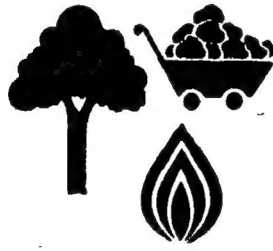
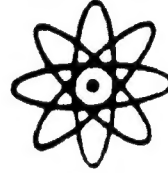


پاکستان جیسی سیر آف کامرس اینڈ اسٹڈی کی جانب سے ہم ایک بار پھر
ہمیں تحفے، تریالیں اور کیٹس کی دیگر مصنوعات کے سب سے بہت برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔
44543 NOOR PK - شاہی خیمہ ٹیکسٹائلز - ۳۰۶۶۹-۳۰۶۶۹
۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰ - ۱۱۵۵۰
25480 NOOR PK - TARPULIN - ۲۱۳۳۹۰ - ۲۱۳۳۹۰

قدرتی گیس کا ضیاع روکیے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات تیز زور سے اضافہ کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی بچک روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی کھالی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فوری کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجیے

سوئے ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ



